بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر ابن کثیر

تالیف

مفسر قرآن حضرت امام حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

مترجمین

علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری

علامہ محمد الطاف حسین الازہری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور کراچی پاکستان

نام کتاب	تفسیر ابن کثیر، جلد سوم
مفسر	حضرت امام حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ متن	ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین	علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری
	علامہ محمد الطاف حسین الازہری
	من علماء دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف
زیر نگرانی	قاری اشفاق احمد خان، محمد انور سعید
اشاعت	اپریل 2004ء
تعداد	ایک ہزار
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
کمپیوٹر کوڈ	1Z385

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔فون:7221953 فیکس:۔042-7238010

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون:7225085-7247350

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:021-2212011-2630411۔ فیکس:۔021-2210212

e-mail:- sales@zia-ul-quran.com

zquran@brain.net.pk

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

فہرست

سورۂ بنی اسرائیل (مکیہ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورۂ بنی اسرائیل، کہف اور مریم اول نازل ہونے والی بڑی فضیلت اور شرف کی حامل سورتوں میں سے ہیں اور یہ میرا قدیم جمع شدہ سرمایہ ہیں (1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی مسلسل روزے رکھتے یہاں تک کہ ہم (اپنے دل میں) کہتے کہ آپ ﷺ کبھی بھی روزے ترک نہیں کریں گے اور بعض اوقات آپ ﷺ روزے نہ رکھتے یہاں تک کہ ہمیں خیال گزرتا کہ آپ ﷺ روزے نہیں رکھیں گے اور آپ ہر رات سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ زمر کی تلاوت کرتے (2)۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①

"(ہر عیب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک بابرکت بنادیا ہم نے جس کے گرد و نواح کو تاکہ ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں۔ بیشک وہی ہے سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا"۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات اقدس کی عظمت اور رفعت شان کو بیان فرما رہا ہے کیونکہ اسے ایسے امور کی انجام دہی پر پوری پوری قدرت حاصل ہے جن پر کوئی اور قادر نہیں، نہ اس کے سوا کوئی معبود ہے اور نہ رب، وہی ذات ہے جس نے رات کے قلیل حصہ میں اپنے پیارے بندے حضرت محمد ﷺ کو مکہ شریف میں موجود مسجد حرام سے ایلیاء کی مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک سیر کروائی جسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے عہد سے انبیاء کرام علیہم السلام کے مرکز ہونے کا شرف حاصل رہا، اس لئے تمام انبیاء کرام علیہم السلام وہاں آپ ﷺ کی خاطر جمع کئے گئے اور آپ ﷺ نے انہی کے مسکن اور گھر میں ان سب کی امامت فرمائی۔ یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ آپ ﷺ ہی امام اعظم اور رئیس مقدم ہیں۔

اس مسجد کے گرد و نواح میں ہم نے کھیتوں، پھلوں، پھولوں اور باغات کے ذریعے برکتیں رکھ دی ہیں۔ اس سیر کا مقصد یہ تھا تاکہ ہم اپنے رسول محترم ﷺ کو اپنی قدرت کی عظیم نشانیاں دکھائیں جیسا کہ فرمایا: لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی (النجم: 18) "یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں"۔ ہم عنقریب اس کے متعلقہ احادیث کا تذکرہ کریں گے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ یعنی اللہ تعالیٰ بلاشبہ مومن اور کافر، تصدیق کرنے والے اور تکذیب کرنے والے تمام بندوں کی باتوں کو خوب سننے والا ہے اور انہیں اچھی طرح دیکھ رہا ہے، اس لئے وہ دنیا و آخرت میں ہر ایک کو وہی عطا کرے گا جس کا وہ مستحق ہے۔

معراج کی بابت احادیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ معراج کی رات جب آپ ﷺ کو کعبہ شریف سے سیر کے لئے بلایا گیا تو

1۔ فتح الباری تفسیر سورۂ بنی اسرائیل، جلد 8، صفحہ 388 2۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 189

اس سے پہلے کہ آپ کی طرف وحی کی جائے، تین فرشتے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ اس وقت مسجد حرام میں سو رہے تھے۔ ان میں سے پہلے فرشتے نے کہا کہ یہ ان سب میں سے کون ہیں؟ درمیان والے فرشتے نے جواب دیا کہ یہ سب میں بہتر ہیں۔ آخری فرشتہ کہنے لگا: پھر انہیں لے چلیں۔ اس رات تو بس یہی ہوا، پھر وہ فرشتے آپ ﷺ کو دکھائی نہیں دیئے۔ یہاں تک کہ ایک اور رات وہ آپ ﷺ کے پاس آئے، اس وقت بھی آپ سو رہے تھے لیکن سونا ایسا تھا کہ آپ کی آنکھیں سوئی ہوئی تھیں اور دل جاگ رہا تھا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی یہی کیفیت ہوا کرتی ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل بیدار رہتے ہیں۔ اس رات انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ کوئی گفتگو نہیں کی یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کو اٹھا کر چاہ زمزم پر لے آئے۔ جبریل علیہ السلام نے بذات خود گردن تک آپ کا سینۂ مبارک چاک کیا اور آپ کے سینے اور پیٹ کی تمام چیزوں کو نکال کر اپنے ہاتھ سے زمزم کے پانی کے ساتھ دھویا اور آپ کے پیٹ کو خوب صاف اور شفاف کر دیا۔ پھر سونے کا ایک طشت لایا گیا جس میں ایمان وحکمت سے لبریز سونے کا ایک پیالہ تھا اسے آپ ﷺ کے سینۂ اقدس اور حلق کی رگوں میں انڈیل دیا، پھر آپ ﷺ کے سینہ کو درست کر دیا۔ پھر جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کو لے کر آسمان دنیا کی طرف محو پرواز ہوئے، وہاں پہنچ کر آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر دستک دی تو آسمان کے فرشتوں نے پوچھا کہ کون ہے؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام۔ فرشتوں نے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ فرمایا: میرے ساتھ محمد ﷺ ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں، تو فرشتے کہنے لگے: ہم آپ کو مرحبا اور خوش آمدید کہتے ہیں۔ فرشتے آپ ﷺ کی زیارت سے انتہائی مسرور ہوئے۔ جب تک اللہ تعالیٰ فرشتوں کو آگاہ نہ کر دے اس وقت تک انہیں ان امور کا علم نہیں ہوتا جن کا زمین میں اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے۔ آسمان دنیا میں آپ ﷺ کی ملاقات حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے عرض کی کہ یہ آپ کے باپ آدم ہیں، انہیں سلام کیجئے چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں سلام کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے آپ ﷺ کو سلام کا جواب دیا اور کہا: اے میرے پیارے بیٹے! مرحبا، خوش آمدید، آپ میرے نہایت اچھے بیٹے ہیں۔ آسمان دنیا میں آپ ﷺ نے دو جاری نہریں دیکھیں تو دریافت کیا: ''اے جبریل علیہ السلام! یہ کون سی نہریں ہیں؟'' جبریل علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ نیل اور فرات کا عنصر اور اصل ہیں۔ پھر آسمان میں آگے چلے تو وہاں ایک اور نہر دکھائی دی جس پر موتیوں اور زمرد کے محلات بنے ہوئے تھے اور اس کی مٹی خالص کستوری تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''اے جبریل علیہ السلام! یہ کیا ہے؟'' جواب دیا کہ یہ نہر کوثر ہے جسے آپ کے رب نے آپ کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ پھر جبریل علیہ السلام آپ کو لے کر دوسرے آسمان کی طرف بلند ہوئے۔ وہاں پہنچے تو پہلے آسمان کے فرشتوں کی طرح یہاں کے فرشتوں نے بھی پوچھا کہ کون ہے؟ فرمایا: جبرئیل علیہ السلام۔ فرشتے کہنے لگے کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ فرمایا: محمد ﷺ کہنے لگے کہ کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں، تو فرشتوں نے آپ ﷺ کو خوش آمدید کہا، پھر آپ کو تیسرے آسمان پر لے جایا گیا، وہاں بھی فرشتوں سے وہی بات چیت ہوئی جو پہلے اور دوسرے آسمان کے فرشتوں کے ساتھ ہوئی تھی۔ پھر آپ کو چوتھے آسمان کی طرف بلند کیا گیا وہاں بھی یہی سوال وجواب ہوئے، پھر پانچویں آسمان کی طرف محو پرواز ہوئے، وہاں کے فرشتوں نے بھی اسی طرح کی گفتگو کی، پھر آپ ﷺ کو ساتویں آسمان کی طرف رفعتوں کا سفر کرایا گیا، وہاں بھی فرشتوں نے سوال وجواب کے بعد آپ کو خوش آمدید کہا۔ ہر آسمان میں انبیائے کرام جلوہ فرما ہیں جن کے اسمائے گرامی آپ ﷺ کو بتائے۔ مجھے صرف یہی یاد رہا کہ دوسرے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام، چوتھے میں حضرت ہارون علیہ السلام، پانچویں آسمان والے نبی کا نام مجھے یاد نہیں، چھٹے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ساتویں

میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، کلیم اللہ ہونے کے باعث انہیں یہ رفعت ملی۔ جب آپ ﷺ اس سے بھی اوپر بلندی کی طرف پرکشا ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! میرے ذہن میں نہیں تھا کہ تو مجھ سے بھی زیادہ کسی کو بلند کرے گا۔

پھر آپ ﷺ اس سے بھی آگے ایسی بلندی پر پہنچے جسے صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئے۔ اللہ رب العزت آپ ﷺ کے بہت زیادہ قریب ہوا، مزید قرب عطا ہوا یہاں تک کہ دو کمانوں کی مقدار بلکہ اس سے بھی کم فاصلے پر۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی طرف جو وحی کی اس میں یہ حکم بھی ارشاد فرمایا کہ آپ ﷺ کی امت پر ہر دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض ہیں۔ اس کے بعد وہاں سے اتر کر جب آپ ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے آپ ﷺ کو روک لیا اور پوچھا کہ آپ کے رب نے آپ کو کیا تاکیدی حکم دیا ہے؟ فرمایا: "میرے رب نے مجھے ہر دن اور رات میں پچاس نمازوں کی تاکید کی ہے"۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ یہ آپ کی امت کے بس کی بات نہیں، لہٰذا آپ واپس جائیں، آپ کا رب تخفیف فرما دے گا۔ نبی کریم ﷺ نے جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا گویا آپ ان سے مشورہ طلب کر رہے ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو مشورہ دیا کہ اگر آپ کی خواہش ہو تو ٹھیک ہے۔ چنانچہ آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جناب میں پہنچے اور اپنے مقام پر ٹھہر کر عرض کی: "اے میرے رب! تخفیف عطا فرما، کیونکہ میری امت اس کی استطاعت نہیں رکھتی"۔ پس اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں منہا کر دیں۔ پھر جب آپ ﷺ واپس پلٹے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو اپنے پاس روک لیا۔ وہ بار بار آپ ﷺ کو رب تعالیٰ کی طرف لوٹاتے رہے یہاں تک کہ تخفیف ہوتے ہوتے پانچ نمازیں رہ گئیں، پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ ﷺ کو اپنے پاس ٹھہرا کر کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! میں اپنی قوم بنی اسرائیل کو اس سے بھی کم حکم کی تعمیل پر آمادہ کرتا رہا لیکن وہ اس سے بھی قاصر رہے اور اس پر عمل کرنا ترک کر دیا۔ آپ ﷺ کی امت تو جسم، دل، بدن، آنکھ اور کان ہر لحاظ سے (ان سے زیادہ) ضعیف ہے، اس لئے آپ ایک مرتبہ اور اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو کر تخفیف کی درخواست کریں۔ آپ ﷺ اس دوران جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھتے رہے تاکہ وہ اس معاملہ میں آپ ﷺ کو مشورہ دیں۔ جبریل علیہ السلام آپ کو پھر اوپر لے گئے تو آپ ﷺ نے عرض کی: "اے میرے پروردگار! میری امت کے جسم، دل، کان، آنکھیں اور بدن، بہت کمزور ہیں، اس لئے مزید تخفیف عطا فرما"۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد ﷺ! آپ ﷺ نے عرض کی: "لَبَّیْكَ وَ سَعْدَیْكَ" (میں حاضر ہوں اور ہر خدمت کی بجا آوری پر تیار ہوں)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری باتیں ناقابل تغییر ہیں، جو میں نے تم پر فرض کر دیا ہے، اسی طرح یہ ام الکتاب (لوح محفوظ) میں مرقوم ہے۔ ہر نیکی کا بدلہ دس گنا ہے۔ ام الکتاب میں تو پچاس ہی ہیں لیکن آپ پر صرف پانچ فرض ہیں۔ جب آپ واپس پلٹ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے پوچھا کہ کیا بنا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرما دی ہے یعنی ہر نیکی پر دس گنا اجر عطا فرمایا"۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے: اللہ کی قسم! میں نے بنی اسرائیل کو اس سے بھی ہلکے احکام پر ترغیب دلائی لیکن انہوں نے اسے نظر انداز کر دیا، اس لئے آپ پھر اپنے رب کی بارگاہ میں لوٹ جائیے وہ آپ کی درخواست پر مزید کمی کر دے گا۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ فرمانے لگے: "اے موسیٰ! اب تو مجھے بار بار (اس غرض کے لئے) جانے سے شرم آتی ہے"۔ کہنے لگے کہ آپ اللہ کا نام لے کر پھر نیچے (زمین پر) تشریف لے چلیں۔ اب آپ ﷺ بیدار ہوئے تو آپ مسجد حرام میں موجود تھے (1)۔ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو اسی طرح کتاب التوحید اور صفۃ النبی ﷺ میں روایت کیا ہے۔ یہ روایت صحیح مسلم میں بھی

1۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 4 صفحہ 232۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، صفحہ 148

کچھ کمی بیشی اور تقدیم و تاخیر کے ساتھ موجود ہے۔ اسی حدیث کے راوی شریک بن عبداللہ بن ابی نمر نے اس میں اضطراب کر دیا ہے، حافظہ کی کمزوری کے باعث وہ اسے ٹھیک ٹھیک ضبط نہیں کر سکے۔ ان شاء اللہ دوسری احادیث میں اس کا بیان ہوگا۔ بعض حضرات نے اس خواب کو بعد والے واقعات کی تمہید قرار دیا ہے۔ حافظ ابوبکر بیہقی نے شریک کی بیان کردہ حدیث کے ان الفاظ کو کہ "اللہ تعالیٰ قریب ہوا، مزید قریب ہوا یہاں تک کہ دو کمانوں کی مقدار بلکہ اس سے بھی نزدیک" شریک کا اضافہ قرار دیا ہے جس میں وہ منفرد ہیں۔ یہ اس شخص کے مسلک کے موافق ہے جو اس بات کا قائل ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔ حضرات عائشہ، ابن مسعود اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کا (سورۂ نجم کی) ان آیات کو اس بات پر محمول کرنا کہ آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا تھا، زیادہ صحیح ہے(1) اور اس مسئلہ میں امام بیہقی کا قول حق ہے کیونکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا؟ آپ نے فرمایا: "نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ" (وہ نور ہے، میں اسے کیونکر دیکھ سکتا ہوں)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے: "رَاَیْتُ نُوْرًا" (2) (میں نے نور دیکھا)۔ سورۂ نجم کی آیت "دَنَا فَتَدَلّٰی" سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں جیسا کہ صحیحین میں حضرت عائشہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ صحابہ کرام میں سے کوئی بھی اس آیت کی اس تفسیر میں ان تینوں کا مخالف دکھائی نہیں دیتا(3)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرے پاس براق لایا گیا، یہ گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا سفید رنگ کا جانور تھا، جہاں نظر پڑتی وہاں اس کا ایک قدم پڑتا تھا۔ میں اس پر سوار ہوا، وہ مجھے لے کر محو سفر ہوا یہاں تک کہ میں بیت المقدس پہنچ گیا۔ وہاں میں نے اپنی سواری کو اس حلقہ کے ساتھ باندھ دیا جہاں انبیاء کرام باندھا کرتے تھے۔ پھر میں نے مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا کی۔ وہاں سے نکلا تو جبریل علیہ السلام میرے پاس ایک برتن میں شراب اور ایک برتن میں دودھ لائے، میں نے دودھ کو پسند کیا تو جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ آپ نے فطرت کو پا لیا، پھر جبریل علیہ السلام مجھے لے کر آسمان دنیا کی طرف بلند ہوئے، انہوں نے دروازہ کھلوایا تو پوچھا گیا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے فرمایا: جبریل علیہ السلام، پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: محمد (ﷺ)۔ پوچھا گیا کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا کہ آپ کو بلایا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا۔ وہاں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لئے دعائے خیر کی، پھر دوسرے آسمان پر پہنچ کر جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوانا چاہا تو ان سے دریافت کیا گیا کہ تم کون ہو؟ جواب دیا: جبریل علیہ السلام۔ پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: محمد۔ دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: آپ کو بلایا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا۔ یہاں دو خالہ زاد بھائیوں

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 2 صفحہ 285　　2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان صفحہ 161

3۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرات ابن عباس، کعب احبار، انس اور ابوذر رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے حضرات عروہ بن زبیر، حسن بصری اور عکرمہ رحمہم اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ مسلم کی حدیث میں فرمایا: "رَاَیْتُ رَبِّیْ بِعَیْنِیْ وَ بِقَلْبِیْ" یعنی میں نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں اور اپنے دل سے دیکھا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ قسم اٹھا کر کہتے کہ آپ ﷺ نے شب معراج اپنے رب کا دیدار کیا۔ اس مسئلہ کے متعلق حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے: حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ یہ جملہ اتنی بار دہراتے کہ آپ کا سانس ٹوٹ جاتا۔ باقی جہاں تک حضرات عائشہ، ابو ہریرہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے اس موقف کا تعلق ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کا دیدار نہیں کیا تو ان حضرات کا یہ موقف محض قیاس اور اجتہاد پر مبنی ہے۔ اس کی تائید میں انہوں نے کوئی حدیث مرفوع پیش نہیں کی۔ بہر صورت اکثر علماء کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ آپ ﷺ نے معراج کی رات اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

حضرات یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی، انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لئے دعائے خیر کی، پھر تیسرے آسمان کی طرف سفر شروع ہوا۔ وہاں پہنچ کر جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوانے کے لئے کہا تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ کون ہیں؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام۔ پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ پوچھا گیا کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا کہ آپ کو بلایا گیا ہے، چنانچہ ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا۔ یہاں حضرت یوسف علیہ السلام نے میرا استقبال کیا اور مجھے دعائیں دیں۔ آپ کو نصف حسن عطا ہوا، پھر چوتھے آسمان پر جبریل سے پوچھا گیا کہ آپ کون ہیں؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام۔ پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کو دعوت دی گئی ہے؟ فرمایا کہ آپ کو دعوت دی گئی ہے، پس ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا۔ وہاں حضرت ادریس علیہ السلام کو دیکھا، انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لئے دعائے خیر کی۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا (مریم: 57) ''اور ہم نے انہیں بڑے اونچے مقام تک بلند کیا''۔ بعد ازاں پانچویں آسمان کی طرف سفر کا آغاز ہوا۔ جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوانا چاہا تو دریافت کیا گیا کہ کون؟ فرمایا، جبریل علیہ السلام۔ پوچھا گیا کہ ساتھ کون ہیں؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ سوال کیا گیا کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: آپ کو بلایا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا۔ یہاں حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، انہوں نے استقبال کرتے ہوئے میرے لئے دعائے خیر کی، پھر چھٹے آسمان پر جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا تو سوال کیا گیا کہ کون ہیں؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام۔ پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کو دعوت دی گئی ہے؟ فرمایا کہ آپ کو دعوت دی گئی ہے۔ پس ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا، وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملے، انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لئے دعائے خیر کی۔ پھر ساتویں آسمان پر پہنچے تو جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا۔ پوچھا گیا کہ کون؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام۔ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: آپ کو بلایا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا۔ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، وہ بیت المعمور سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، پھر ان کی دوبارہ باری نہیں آتی۔ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے جایا گیا، کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی مانند اور پھل مٹکوں جیسے۔ جب اس پر امر الٰہی چھا گیا تو تبدیلی رونما ہوگئی، مخلوق اس کے حسن کا وصف بیان کرنے سے قاصر ہے۔ پھر جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور تھا، اس نے میری طرف وحی کی اور ہر دن اور رات میں مجھ پر پچاس نمازیں فرض کر دیں۔ میں نیچے اتر کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے دریافت کیا کہ آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے جواب دیا: ہر رات اور دن میں پچاس نمازیں۔ وہ کہنے لگے کہ واپس اپنے رب کے پاس جاؤ اور اس سے اپنی امت کے لئے تخفیف کی درخواست کرو، کیونکہ آپ کی امت اس کی قدرت نہیں رکھتی اور میں تو بنی اسرائیل کو آزما بھی چکا ہوں۔ چنانچہ میں اپنے رب کی جناب میں واپس لوٹا اور عرض کی: اے میرے پروردگار! میری امت سے تخفیف فرما۔ پس پانچ نمازیں کم کر دی گئیں۔ پھر میں نیچے اترتے ہوئے جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو انہوں نے پوچھا کہ کیا بنا؟ میں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ کی کمی کر دی ہے۔ کہنے لگے کہ یہ قدر ابھی آپ کی امت کے بس سے باہر ہے، لہٰذا دوبارہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر کمی کی التجا کریں۔ چنانچہ میں اپنے رب اور موسیٰ کے درمیان چکر لگاتا رہا اور اللہ تعالیٰ پانچ پانچ کی کمی کرتا رہا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد ﷺ! ہر دن اور رات میں یہ پانچ نمازیں ہیں، ہر نماز کا اجر دس گنا تو یہ پچاس ہوگئیں اور جس شخص نے نیکی کا ارادہ کیا لیکن اسے عملی جامہ نہ پہنا سکا تو اس کے لئے ایک

نیکی لکھ لی جاتی ہے اور اگر اس نے وہ نیکی کر لی تو دس کا ثواب لکھ لیا جاتا ہے، جس نے برائی کا قصد کیا لیکن اس کا ارتکاب نہ کیا تو اسے نہیں لکھا جاتا، اگر اس نے اس کا ارتکاب کر لیا تو صرف ایک برائی ہی لکھی جاتی ہے۔ پھر جب میں نیچے اتر کر موسیٰ کے پاس آیا اور اس بات سے انہیں آگاہ کیا تو وہ کہنے لگے کہ پھر اپنے رب کی طرف جاؤ اور اپنی امت کے لئے کمی کا سوال کرو کیونکہ آپ کی امت اس قدر بھی نہیں کر سکے گی۔ رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ بار بار چکر لگانے کے باعث مجھے شرم دامن گیر ہو گئی" (1)۔ امام مسلمؒ نے بھی اس حدیث کو اس سیاق سے روایت کیا ہے اور یہ شریک کے سیاق سے زیادہ صحیح ہے۔ امام بیہقی کہتے ہیں کہ اس سیاق میں اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کو جس رات مکہ سے بیت المقدس کی طرف اسراء ہوئی، اسی رات معراج بھی ہوئی (2)۔ یہی قول حق ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ معراج کی رات آپ ﷺ کی سواری کے لئے براق لایا گیا جسے لگام اور زین ڈالی ہوئی تھی۔ براق نے شوخی کی تو جبریل علیہ السلام نے اسے کہا کہ تمہیں یہ جسارت کیسے ہوئی، اللہ کی قسم! تجھ پر آپ ﷺ سے پہلے آپ ﷺ سے بڑھ کر عزت وعظمت والا کوئی شخص سوار نہیں ہوا۔ یہ سن کر براق پسینہ پسینہ ہو گیا (3)۔ ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب مجھے میرے رب کی طرف معراج ہوئی تو میرا گزر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے تانبے کے ناخن تھے، وہ ان کے ساتھ اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے اور ان کی عزتیں پامال کیا کرتے تھے" (4)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "معراج کی رات میرا گزر موسیٰ علیہ السلام پر ہوا جو اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے" (5)۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ مجھے کسی صحابیٔ رسول ﷺ نے بتایا کہ آپ ﷺ معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے، وہ اس وقت اپنی قبر میں نماز ادا کر رہے تھے (6)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کو براق پر سوار کیا گیا۔ مسجد اقصیٰ پہنچ کر آپ ﷺ نے اپنی سواری باندھ دی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! آپ مجھے مسجد اقصیٰ کی نشانیاں بتلائیں۔ رسول اللہ ﷺ بتانے لگے کہ یہ اس طرح ہے، یہ اس طرح ہے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں گواہی دیتا ہوں آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مسجد اقصیٰ کو دیکھا ہوا تھا (7)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دریں اثناء کہ میں سویا ہوا تھا، جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور میرے دونوں کندھوں کے درمیان ہاتھ رکھ دیا، میں اٹھ کر ایک درخت کی طرف چل دیا جس میں پرندوں کے دو گھونسلے سے تھے۔ ایک میں جبریل علیہ السلام بیٹھ گئے اور دوسرے میں میں بیٹھ گیا۔ وہ درخت اس قدر پھلا پھولا اور بلند ہوا کہ اس نے مشرق ومغرب کو ڈھانپ لیا۔ میں اپنی نظر ادھر ادھر دوڑا رہا تھا۔ اگر میں چاہتا تو آسمان کو چھو لیتا۔ میں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ مرقع عجز و نیاز بنے ہوئے تھے۔ اس سے میں جان گیا کہ انہیں معرفت الٰہی میں مجھ پر برتری حاصل ہے۔ میرے لئے آسمان کا ایک دروازہ کھولا گیا تو میں نے ایک عظیم الشان نور دیکھا اور حجاب کے پار موتی اور یاقوت کی مسند دکھائی دی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی جو اس کی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان صفحہ نمبر 145-147، مسند احمد جلد 3 صفحہ نمبر 148-149
2۔ دلائل النبوۃ از بیہقی جلد 2 صفحہ 385
3۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ اسراء جلد 11 صفحہ 291-292، مسند احمد جلد 3 صفحہ 164
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب جلد 4 صفحہ 269-270، مسند احمد جلد 3 صفحہ 224
5۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل صفحہ 1845، مسند احمد جلد 3 صفحہ 120
6۔ مسند ابی یعلیٰ جلد 7 صفحہ 117
7۔ مسند ابی یعلیٰ جلد 7 صفحہ 126-127

مشیت میں تھی"(1) محمد بن عمیر بن عطارد سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کے ایک گروہ میں تشریف فرما تھے کہ جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے انہوں نے آپ ﷺ کی پیٹھ پر کریدا اور آپ ﷺ کو ایک درخت کی جانب لے گئے جس میں پرندوں کے دو گھونسلے سے تھے۔ ایک میں وہ بیٹھ گئے اور دوسرے میں آپ ﷺ بیٹھ گئے۔ وہ درخت بڑھتے بڑھتے افق تک پہنچ گیا، اگر میں اپنا ہاتھ آسمان کی طرف دراز کرتا تو اسے چھو لیتا۔ اس کی رسی لٹکی اور نور پھیل گیا جس کے باعث جبریل علیہ السلام تو غش کھا کر گر پڑے، اس سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ جبریل علیہ السلام کی خشیت میری خشیت سے فزوں تر ہے پھر میری طرف وحی کی گئی کہ نبی اور بادشاہ بننا پسند کرتے ہو یا نبی اور بندہ، مزید برآں جنتی؟ جبریل علیہ السلام نے پہلو کے بل گرے ہوئے میری طرف اشارہ کیا کہ تواضع اختیار کریں تو میں نے جواب دیا کہ مجھے نبی اور بندہ بننا محبوب ہے(2)۔ اگر یہ روایت درست ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ واقعہ شب معراج کے علاوہ کسی اور شب وقوع پذیر ہوا کیونکہ اس میں نہ تو بیت المقدس کا ذکر ہے اور نہ ہی آسمان کی طرف صعود کا، اس لئے اس کا ہماری اس بحث سے کوئی تعلق نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا(3)۔ یہ غریب ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس براق لائے تو اس نے اپنی دم ہلائی تو جبریل علیہ السلام براق سے کہنے لگے کہ رک جاؤ، اللہ کی قسم! آپ ﷺ کی مثل کوئی بھی تم پر سوار نہیں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ (شب معراج) عازم سفر ہوئے تو آپ نے سڑک کے کنارے ایک بڑھیا کو دیکھا، پوچھا: "اے جبریل علیہ السلام! یہ کیا ہے؟" جبریل علیہ السلام آپ ﷺ سے کہنے لگے کہ چلتے جائیے۔ آپ نے سفر جاری رکھا جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور تھا، اچانک آپ ﷺ نے سنا کہ رستے سے پرے کوئی چیز آپ کو بلا رہی ہے۔ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے کہا کہ چلتے جائیے۔ آپ ﷺ سفر کرتے رہے۔ اس دوران آپ ﷺ نے دیکھا کہ کچھ مخلوق خدا یہ کہہ کر نذرانہ عقیدت پیش کر رہی ہے: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَوَّلُ، اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا آخِرُ، اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا حَاشِرُ" "اے اول! آپ کو سلام ہو۔ اے آخر! آپ کو سلام ہو۔ اے مردوں کو اٹھانے والے! آپ کو سلام ہو"۔ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے کہا کہ سلام کا جواب دیجئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا۔ پھر دوسری اور تیسری مرتبہ بھی اس مخلوق سے ملاقات ہوئی اور یہی وقوع پذیر ہوا یہاں تک کہ آپ بیت المقدس پہنچ گئے۔ یہاں آپ ﷺ کے سامنے شراب، پانی اور دودھ پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے دودھ لے لیا، اس پر جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ آپ نے فطرت کو پا لیا، اگر آپ پانی پی لیتے تو آپ کی امت غرق ہو جاتی اور اگر آپ شراب پی لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی، پھر حضرت آدم اور آپ کے بعد آنے والے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو آپ ﷺ کی خاطر جمع کیا گیا، رسول اللہ ﷺ نے اس رات ان کی امامت کروائی۔ پھر جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو بتایا کہ رستہ کے کنارے جس بڑھیا کو آپ نے دیکھا تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اب دنیا صرف اس قدر باقی ہے جیسے اس بڑھیا کی عمر، اور وہ چیز جس کی ندا کی طرف آپ نے متوجہ ہونے کا ارادہ کیا تھا وہ دشمن خدا ابلیس تھا اور جنہوں نے آپ کو سلام کیا تھا وہ حضرات ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام تھے(4)۔ اس روایت کے بعض الفاظ منکر اور غریب ہیں۔ اس طرح کی ایک اور روایت جس میں نکارت اور غرابت ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرے پاس گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا جانور لایا گیا

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار 47/1
2۔ دلائل النبوۃ از بیہقی جلد 2 صفحہ 369-368
3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار
4۔ دلائل النبوۃ از بیہقی جلد 2 صفحہ 362-361 تفسیر طبری جلد 15 صفحہ 6-5

جس کا قدم حد نگاہ پر پڑتا تھا، میں اس پر سوار ہوا۔ میرے ساتھ جبریل علیہ السلام تھے، دوران سفر جبریل علیہ السلام نے مجھے کہا کہ اتر یئے اور یہاں نماز ادا کیجئے۔ میں نے وہاں نماز پڑھی تو جبریل علیہ السلام نے پوچھا: کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی؟ آپ ﷺ نے طیبہ (مدینہ شریف) میں نماز ادا کی ہے اور یہی آپ کی ہجرت گاہ ہے۔ آگے ایک اور مقام پر جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہاں اتر کر نماز ادا کریں، میں نے نماز پڑھی تو جبریل علیہ السلام نے پوچھا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز ادا کی ہے؟ آپ نے طور سینا پر نماز پڑھی ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہمکلامی کا شرف بخشا تھا۔ پھر آگے ایک اور جگہ جبریل علیہ السلام نے نماز پڑھنے کے لئے کہا، نماز پڑھی تو پوچھا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کس مقام پر نماز پڑھی ہے؟ آپ نے بیت لحم میں نماز ادا کی ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ پھر میں بیت المقدس میں داخل ہوا۔ وہاں تمام انبیاء کرام علیہم السلام میری خاطر جمع کئے گئے۔ جبریل علیہ السلام نے مجھے آگے کھڑا کر دیا تو میں نے انہیں امامت کروائی۔ پھر جبریل علیہ السلام مجھے لے کر پہلے آسمان کی طرف بلند ہوئے وہاں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، دوسرے آسمان پر پہنچے تو وہاں عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی، یہ دونوں خالہ زاد بھائی ہیں، تیسرے آسمان کی طرف عروج کیا تو وہاں یوسف علیہ السلام ملے، چوتھے آسمان پر ہارون علیہ السلام، پانچویں پر ادریس علیہ السلام، چھٹے پر موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں پر ابراہیم علیہ السلام، پھر ساتویں آسمانوں سے اوپر سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا تو مجھے ایک ابر نے ڈھانپ لیا، میں سجدہ ریز ہو گیا۔ مجھے کہا گیا کہ جب سے میں نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی ہے، میں نے تم پر اور تمہاری امت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں، آپ اور آپ ﷺ کی امت اس حکم کو بجالائیں۔ واپس لوٹتے ہوئے جب میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرنے لگا تو انہوں نے پوچھا کہ آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ پچاس نمازیں۔ کہنے لگے کہ اتنی نمازیں نہ آپ ﷺ پڑھ سکتے ہیں اور نہ آپ ﷺ کی امت، اس لئے اپنے رب کے پاس واپس جا کر تخفیف کی درخواست کریں، چنانچہ میں اپنے رب کی طرف لوٹ کر گیا تو اس نے دس کی کمی کر دی۔ پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے مجھے دوبارہ لوٹ جانے کو کہا۔ میں دوبارہ لوٹ کر بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوا تو اس نے دس مزید کم کر دیں، آخر کار پانچ نمازیں رہ گئیں۔ اب بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ اپنے رب کی جناب میں مزید تخفیف کی التجا کریں کیونکہ بنی اسرائیل پر صرف دو نمازیں فرض تھیں، وہ دو پڑھنے سے بھی قاصر رہے۔ چنانچہ میں نے لوٹ کر اللہ تعالیٰ سے مزید تخفیف کا سوال کیا تو ارشاد ہوا کہ میں نے زمین و آسمان کی تخلیق کے دن سے ہی تم پر اور تمہاری امت پر پانچ نمازیں فرض کر رکھی ہیں۔ پانچ کا اجر پچاس ہوگا، پس آپ اور آپ ﷺ کی امت ان کی پابندی کریں۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قطعی حکم ہے، اس لئے جب میں لوٹ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور انہوں نے ایک بار پھر مجھے لوٹنے کا مشورہ دیا تو میں لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں نہ گیا کیونکہ مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ کا حتمی فیصلہ ہے(1)۔

ابن ابی حاتم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ معراج کی رات جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس سواری کا جانور لائے جو گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا، انہوں نے اس پر آپ ﷺ کو سوار کیا، تا حد نگاہ وہ اپنا قدم رکھتا تھا۔ بیت المقدس میں جب آپ اس جگہ پہنچے جسے باب محمد ﷺ کہا جاتا ہے تو جبریل علیہ السلام نے وہاں ایک پتھر میں اپنی انگلی کے ذریعے سوراخ

1۔ سنن نسائی، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 322-323

کیا اور سواری کو وہاں باندھ دیا اور اوپر چڑھ کر مسجد میں پہنچ گئے۔ جب وہاں قرار پذیر ہو گئے تو جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے رب سے یہ سوال کیا تھا کہ وہ آپ کو حوریں دکھائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے تو پھر ان عورتوں کی طرف چلیں اور انہیں سلام کریں، وہ صخرہ کے بائیں جانب بیٹھی ہوئی تھیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کے پاس جا کر انہیں سلام کیا۔ انہوں نے مجھے سلام کا جواب دیا۔ میں نے ان سے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' وہ کہنے لگیں کہ ہم خوبرو اور نیک سیرت ہیں اور ان نیکوکاروں کی بیویاں ہیں جو پاکیزہ ہیں اور ان کا دامن آلودہ نہیں، جو ہمارے ہاں مقیم رہیں گے اور کبھی کوچ نہیں کریں گے اور جنہیں ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ملے گی اور وہ کبھی نہیں مریں گے۔ پھر میں وہاں سے چلا آیا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بہت سے لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے، موذن نے اذان کہی اور تکبیر ہوئی۔ ہم صفیں باندھے امام کا انتظار کر رہے تھے کہ جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے آگے کر دیا، چنانچہ میں نے ان کی امامت کروائی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو جبریل نے مجھ سے پوچھا: کیا آپ ﷺ کو معلوم ہے کہ کن لوگوں نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ آپ کی اقتداء میں ہر اس نبی نے نماز ادا کی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا۔ پھر جبریل میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے آسمان کی طرف لے گئے۔ دروازے تک پہنچے تو جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا، آسمان کے فرشتوں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ فرمایا: میں جبریل علیہ السلام ہوں۔ پوچھنے لگے کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ پوچھنے لگے کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ چنانچہ انہوں نے دروازہ کھول دیا اور کہنے لگے کہ ہم آپ کو اور آپ کے ساتھ تشریف لانے والے کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ جب آسمان پر متمکن ہوئے تو وہاں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: اے محمد ﷺ! کیا آپ اپنے باپ آدم علیہ السلام کو سلام نہیں کریں گے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں۔ چنانچہ میں آپ علیہ السلام کے پاس گیا اور انہیں سلام کیا۔ انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور کہنے لگے: خوش آمدید، میرے صالح فرزند اور صالح نبی۔ پھر دوسرے آسمان کا دروازہ کھلوانے پر فرشتوں نے پوچھا کہ کون؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام۔ آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں چنانچہ انہوں نے دروازہ کھول دیا اور مرحبا کہتے ہوئے آپ کا استقبال کیا۔ یہاں حضرات عیسیٰ اور ان کے خالہ زاد بھائی یحییٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی۔ تیسرے آسمان پر بھی یہی سوال و جواب ہوئے یہاں حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، ہر آسمان پر جبریل اور فرشتوں کے درمیان یہی مکالمہ ہوا۔ چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، پانچویں پر حضرت ہارون علیہ السلام سے اور چھٹے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے، جبریل علیہ السلام نے کہا: ''اے محمد ﷺ! کیا آپ اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کو سلام نہیں کریں گے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں۔ چنانچہ میں آپ کے پاس گیا اور انہیں سلام کیا۔ آپ نے میرے سلام کا جواب دیا اور خوش آمدید اے صالح نبی اور مرحبا اے فرزند دلبند کے کلمات سے نوازا۔ پھر جبریل علیہ السلام مجھے ساتویں آسمان کے اوپر لے گئے، ایک نہر پر پہنچے جس پر موتی، یاقوت اور زمرد کے جام اور سبز رنگ کے نہایت ہی تر و تازہ پرندے تھے۔ میں نے کہا: ''اے جبریل علیہ السلام! یہ پرندے بہت تازہ اور نفیس ہیں۔'' انہوں نے جواب دیا کہ انہیں کھانے والے ان سے بھی عمدہ ہیں۔ پھر انہوں نے پوچھا: اے محمد ﷺ! جانتے ہو یہ نہر کون سی ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔ میں نے دیکھا کہ اس میں سونے اور چاندی کے جام ہیں، یہ نہر یاقوت اور زمرد کی چھوٹی چھوٹی کنکریوں پر رواں ہے، اس کا پانی دودھ سے بھی زیادہ سفید ہے۔ میں نے

سونے کا ایک جام لیا اور اس پانی سے بھر کر پیا تو یہ مجھے شہد سے زیادہ شیریں اور کستوری سے زیادہ خوشبودار محسوس ہوا۔ پھر جبریل علیہ السلام مجھے لے کر چلے یہاں تک کہ میں ایک درخت تک پہنچا، وہاں ہر رنگ کے ابر نے مجھے ڈھانپ لیا۔ جبریل علیہ السلام نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا: اے محمد ﷺ! میں نے زمین و آسمان کی تخلیق کے دن سے تم پر اور تمہاری امت پر پچاس نمازیں فرض کر دی ہیں، اس لئے آپ اور آپ کی امت ان کی پابندی کریں۔ پھر بادل مجھ سے چھٹ گیا۔ جبریل نے میرا ہاتھ پکڑا۔ میں تیزی سے چلتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گزرا، انہوں نے مجھے کوئی بات نہ کہی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا: اے محمد! کیا بنا کر آئے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ میرے رب نے مجھ پر اور میری امت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ نہ آپ کے بس کی بات ہے اور نہ آپ ﷺ کی امت کے، اپنے رب کے پاس جایئے اور کمی کا سوال کیجئے۔ چنانچہ میں تیزی سے لوٹ کر درخت کے پاس آیا تو مجھے ایک بادل نے ڈھانپ لیا۔ جبریل علیہ السلام مجھے چھوڑ آئے اور میں بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز ہو گیا، میں نے عرض کی: اے میرے رب! تو نے مجھ پر اور میری امت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں، اس کی نہ مجھ میں استطاعت ہے اور نہ میری امت میں، لہٰذا تخفیف فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے دس منہا کر دیں۔ پھر بادل مجھ سے چھٹ گیا اور جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ میں جلدی سے پلٹا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے مجھے کچھ نہ کہا۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ میں نے جواب دیا کہ میرے رب نے دس کی کمی کر دی ہے، وہ کہنے لگے کہ چالیس نمازیں نہ آپ پڑھ سکتے ہیں اور نہ آپ کی امت، اس لئے رب تعالیٰ کی جناب میں لوٹ کر جائیں اور مزید تخفیف کی التجا کریں۔ اسی طرح بار بار چکر لگانے سے پانچ نمازیں رہ گئیں۔ پڑھنے میں پانچ اور ثواب میں پچاس۔ موسیٰ علیہ السلام نے تو مزید تخفیف کے حصول کے لئے کہا لیکن میں نے جواب دیا کہ اب مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتا ہے۔ پھر جبریل علیہ السلام مجھے لے کر نیچے اتر آئے۔ میں نے جبریل سے پوچھا کہ میں جس آسمان پر گیا وہاں کے فرشتوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور مسکراتے ہوئے میرا استقبال کیا بجز ایک فرشتے کے۔ میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے میرے سلام کا جواب دیا اور مجھے خوش آمدید بھی کہا لیکن میری آمد پر مسکرایا نہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ وہ جہنم کا داروغہ مالک ہے۔ اپنی پیدائش سے لے کر آج تک وہ نہیں ہنسا۔ اگر اسے مسکرانا ہوتا تو آپ کی آمد پر ضرور مسکراتا۔ بعد ازاں آپ سوار ہو کر واپس چل پڑے، دوران سفر آپ کا گزر قریش کے ایک قافلے سے ہوا جس پر غلہ لدا ہوا تھا، ان میں سے ایک اونٹ پر دو بورے تھے، ایک سیاہ اور دوسرا سفید۔ جب آپ ﷺ دونوں کے اس قافلہ کے پاس سے گزرے تو یہ بدک کر گھوما جس کی وجہ سے یہ اونٹ گر پڑا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ پھر آپ سفر کرتے کرتے واپس پہنچ گئے۔ صبح ہوئی تو آپ نے لوگوں کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ قریش نے جب یہ بات سنی تو بھاگم بھاگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انہیں کہنے لگے کہ کیا تم نے اپنے ساتھی کی بات سنی جن کا یہ دعویٰ ہے کہ انہوں نے آج کی رات ایک مہینے کا سفر طے کیا اور اسی رات واپس لوٹ آئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اگر آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے تو واقعی آپ ﷺ سچے ہیں، ہم تو اس سے بھی بڑی اور بعید بات میں کہ آپ ﷺ تک آسمان کی خبریں پہنچتی ہیں، آپ ﷺ کی تصدیق کرتے ہیں۔ مشرکین رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگے کہ آپ اپنے دعویٰ کی کوئی دلیل اور نشانی پیش کریں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں فلاں فلاں جگہ قریش کے قافلے کے پاس سے گزرا۔ قافلے کے اونٹ ہمیں دیکھ کر بدک کے اور گھومے، ان میں سے ایک اونٹ پر ایک سیاہ اور ایک سفید دو بورے لدے ہوئے تھے، وہ نیچے گرا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی، جب قافلہ

واپس پہنچا تو انہوں نے قافلہ والوں سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بالکل وہی بات بتائی جو رسول اللہ ﷺ انہیں پہلے بتا چکے تھے۔ کہتے ہیں کہ اسی تصدیق کے باعث حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق نام دیا گیا۔ پھر لوگ آپ سے پوچھنے لگے کہ کیا حاضرین میں آپ کے ساتھ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام بھی تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ وہ کہنے لگے کہ پھر ان کا حلیہ بیان کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں، موسیٰ گندمی رنگ کے ہیں جیسے ازدعمان کے لوگ ہوتے ہیں اور عیسیٰ موزوں ساخت، درمیانے قد والے اور سرخی مائل رنگ کے ہیں، گویا ان کے بالوں سے موتی لڑھک رہے ہیں۔ اس سیاق میں بھی عجائب وغرائب ہیں۔

حضرت انس بن مالک، مالک بن صعصعہ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے واقعہ معراج بیان کرتے ہوئے فرمایا: "میں حطیم میں یا بقول قتادہ حجر میں سویا ہوا تھا کہ ایک آنے والا میرے پاس اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ آیا۔ اس نے اپنے درمیان والے ساتھی سے کچھ کہا تو وہ میرے پاس آیا اور یہاں سے یہاں تک میرا سینہ چاک کر دیا یعنی ہنسلی کے قریب سے ناف تک۔ اس نے میرے دل کو باہر نکالا، اسے دھویا اور ایمان وحکمت سے بھرے ہوئے سونے کے ایک طشت کو اس میں انڈیل کر بھر دیا، پھر سینہ درست کر دیا گیا، پھر میرے پاس گدھے سے اونچی اور خچر سے نیچی سواری لائی گئی یعنی براق۔ جہاں نگاہ پڑتی وہاں اس کا ایک قدم پڑتا تھا۔ اس پر سوار کرا کر جبریل علیہ السلام مجھے اپنے ساتھ لے چلے یہاں تک کہ وہ مجھے آسمان دنیا تک لے آئے۔ وہاں دروازے کھلوانے کے لئے کہا تو پوچھا گیا کہ کون ہے؟ فرمایا: جبریل۔ پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ پوچھا گیا کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ فرشتے کہنے لگے، خوش آمدید! کتنا عظیم القدر مہمان تشریف لایا ہے۔ چنانچہ ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا۔ یہاں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ یہ آپ کے باپ آدم علیہ السلام ہیں انہیں سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا تو انہوں نے مجھے سلام کا جواب دیا پھر فرمایا: خوش آمدید، فرزند صالح اور نبی صالح۔ ہر آسمان پر جبریل اور فرشتوں کے درمیان مندرجہ بالا مکالمہ ہوا۔ دوسرے آسمان پر حضرات عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی، یہ دونوں خالہ زاد ہیں۔ جبریل نے کہا کہ یہ عیسیٰ اور یحییٰ علیہم السلام ہیں، انہیں سلام کیجئے، میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور کہنے لگے: خوش آمدید اے صالح بھائی اور صالح نبی۔ تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملے۔ جبریل کہنے لگے کہ یہ یوسف علیہ السلام ہیں انہیں سلام کیجئے۔ میرے سلام کرنے پر انہوں نے سلام کا جواب دیا اور مجھے مرحبا کہتے ہوئے اے صالح بھائی اور صالح نبی کے کلمات سے نوازا۔ چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، جبریل نے ان کا تعارف کروایا تو میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور کہنے لگے: مرحبا اے صالح بھائی اور صالح نبی۔ پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے ملے، انہوں نے بھی سلام دعا کے بعد یہی کلمات کہے۔ چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ جبریل علیہ السلام نے ان کا تعارف کروایا تو میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا: خوش آمدید اے صالح بھائی اور صالح نبی۔ جب میں ان سے آگے بڑھا تو وہ رو دیئے۔ ان سے رونے کی وجہ دریافت کی گئی تو وہ کہنے لگے کہ میرے رونے کا سبب یہ ہے کہ ایک بچہ جسے میرے بعد مبعوث کیا گیا اس کی امت میری امت کی نسبت زیادہ تعداد میں جنت میں جائے گی۔ ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں، انہیں سلام کیجئے۔ میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا اور مجھے خوش آمدید کہتے ہوئے اے فرزند دلبند اور نیک نبی کے کلمات سے نوازا۔ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف اوپر لے جایا گیا۔ اس کا پھل اتنا بڑا جیسے ہجر کے

مٹکے اور پتے یوں جیسے ہاتھی کے کان۔ اور یہاں چار نہریں دیکھیں، دو ظاہر اور دو باطن۔ میرے دریافت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ باطنی نہریں تو جنت میں ہیں اور ظاہری نہریں نیل اور فرات ہیں پھر میری طرف بیت معمور بلند کیا گیا'' (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے دیکھا کہ ہر روز ستر ہزار فرشتے بیت معمور میں داخل ہوتے ہیں، پھر ان کی دوبارہ باری نہیں آتی۔ اس کے بعد پھر حدیث انس شروع ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ''پھر میرے پاس شراب، دودھ اور شہد کا برتن لایا گیا تو میں نے دودھ کا برتن لے لیا۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ فطرت ہے جس پر آپ اور آپ ﷺ کی امت قائم ہیں۔ پھر مجھ پر ہر روز پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ میں نیچے اتر کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کے رب نے آپ ﷺ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ فرمایا: ہر روز پچاس نمازیں۔ وہ کہنے لگے کہ آپ ﷺ کی امت پچاس نمازیں نہیں پڑھ سکے گی، میں آپ ﷺ سے پہلے لوگوں کو خوب آزما چکا ہوں اور مجھے بنی اسرائیل سے واسطہ پڑا، لہٰذا آپ واپس اپنے رب کے پاس جائیے اور اپنی امت کے لئے تخفیف طلب کیجئے۔ چنانچہ میں واپس لوٹا تو اللہ تعالیٰ نے دس کی تخفیف کر دی۔ واپس موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو وہ کہنے لگے کہ کیا حکم ہوا؟ میں نے جواب دیا کہ روزانہ چالیس نمازیں۔ کہنے لگے کہ آپ ﷺ کی امت کے لئے چالیس نمازیں ہر روز پڑھنا دشوار ہے، مجھے تو آپ سے پہلے تجربہ ہو چکا ہے اور مجھے بنی اسرائیل سے واسطہ پڑا تھا، اس لئے اپنے رب سے مزید کمی کروائیں۔ میں لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں گیا تو اور دس کی کمی ہو گئی۔ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو ان کے استفسار پر میں نے بتایا کہ تیس نمازوں کا حکم ملا ہے۔ کہنے لگے کہ اس قدر بھی آپ ﷺ کی امت کے بس میں نہیں، پھر جا کر مزید تخفیف کروائیں۔ میں لوٹا تو اللہ تعالیٰ نے دس مزید کم کر دیں۔ واپس آیا، موسیٰ علیہ السلام کو بتایا تو انہوں نے مزید کمی کے لئے لوٹ کر جانے کا مشورہ دیا۔ بارگاہ خداوندی میں درخواست کرنے سے دس نمازوں کی اور تخفیف مل گئی۔ بعد ازاں موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ دس نمازیں بھی آپ ﷺ کی امت نہیں پڑھ سکے گی اس لئے اللہ تعالیٰ سے مزید کمی کی درخواست کریں سو میں لوٹا تو مجھے ہر روز پانچ نمازوں کا حکم ارشاد ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا تو کہنے لگے کہ آپ کی امت ہر روز پانچ نمازوں کی بھی استطاعت نہیں رکھتی، مجھے تو تجربہ ہے اور مجھے بنی اسرائیل سے خوب واسطہ پڑا ہے، لہٰذا اپنے رب کے پاس ایک بار پھر لوٹ جائیں اور تخفیف کا سوال کریں۔ میں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ بار بار سوال کرنے کے باعث اب مجھے شرم آتی ہے۔ اب میں راضی ہوں اور اسے تسلیم کرتا ہوں۔ میں نے یہ حکم لاگو کر دیا تو مجھے آواز آئی کہ تم نے میرا فریضہ نافذ کر دیا اور میرے بندوں سے تخفیف کی'' (2)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں مکہ میں تھا کہ میرے گھر کی چھت کھولی گئی اور وہاں سے جبریل علیہ السلام اترے۔ انہوں نے میرا سینہ چاک کیا اور اسے آب زمزم سے دھویا پھر انہوں نے حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا سونے کا ایک طشت میرے سینے میں انڈیل کر اسے درست کر دیا، پھر میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان دنیا تک اوپر لے آئے۔ وہاں پہنچے تو جبریل علیہ السلام نے آسمان کے داروغے سے کہا کہ دروازہ کھولیے۔ انہوں نے پوچھا کہ کون ہے؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام۔ اس نے پوچھا کہ کیا کوئی آپ علیہ السلام کے ساتھ ہے؟ فرمایا: ہاں، میرے ساتھ محمد ﷺ ہیں۔ پوچھا کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں، پھر دروازہ کھول دیا گیا تو ہم آسمان کے اوپر چڑھ گئے۔ وہاں دیکھا کہ ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے جس کی دائیں طرف بھی بہت

1۔ مسند احمد جلد 4 صفحہ 208-210

2۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق جلد 4 صفحہ 133، صحیح مسلم، کتاب الایمان صفحہ 149-151

سے سائے ہیں اور بائیں طرف بھی۔ جب وہ دائیں طرف دیکھتا ہے تو مسکرادیتا ہے اور جب بائیں طرف نظر دوڑاتا ہے تو رو دیتا ہے۔ اس شخص نے کہا خوش آمدید پیارے بیٹے اور نیک نبی۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ کہنے لگے کہ یہ آدم علیہ السلام ہیں اور ان کے دائیں بائیں ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔ ان میں سے دائیں طرف والے جنتی ہیں اور بائیں طرف والے دوزخی۔ جب حضرت آدم علیہ السلام اپنی دائیں طرف دیکھتے ہیں تو مسکرادیتے ہیں اور جب بائیں طرف نظر کرتے ہیں تو رو دیتے ہیں۔ پھر جبریل مجھے لے کر دوسرے آسمان کی طرف بلند ہوئے۔ یہاں بھی جبریل کا آسمان کے داروغے کے ساتھ وہی مکالمہ ہوا جو پہلے آسمان والے داروغے کے ساتھ ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے آسمانوں میں حضرات آدم، ادریس، موسیٰ عیسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو پایا لیکن یہ ثابت نہیں کہ ان کے مقامات کیسے کیسے ہیں، البتہ یہ آپ ﷺ نے ذکر فرمایا کہ آسمان دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام اور چھٹے آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ جب جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کو لے کر حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو انہوں نے کہا: مرحبا، اے صالح نبی اور صالح بھائی۔ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کے پوچھنے پر بتایا کہ یہ ادریس علیہ السلام ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر میرا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے ہوا، انہوں نے بھی کہا: خوش آمدید اے صالح نبی اور صالح بھائی۔ جبریل علیہ السلام نے میرے استفسار پر بتایا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے انہوں نے بھی مجھے صالح نبی اور صالح بھائی کے کلمات سے یاد کرتے ہوئے خوش آمدید کہا۔ جبریل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گزرا، انہوں نے فرمایا: مرحبا اے نیک نبی اور فرزند دلبند۔ میرے سوال پر جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ امام زہری کہتے ہیں کہ حضرات ابن عباس اور ابو حبہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پھر مجھے اس قدر بلند کیا گیا کہ میں ایسے مقام پر پہنچ گیا، جہاں میں نے قلموں کے لکھنے کی آوازیں سنیں۔ اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں۔ واپس لوٹتے وقت جب میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انہوں نے دریافت کیا کہ آپ کی امت پر کیا فرض ہوا؟ میں نے جواب دیا کہ پچاس نمازیں۔ فرمانے لگے کہ یہ آپ کی امت کے بس کی بات نہیں، لہٰذا واپس جائیے اور تخفیف کی التجا کیجئے۔ میں واپس گیا تو اللہ تعالیٰ نے نصف نمازیں معاف فرمادیں۔ دوبارہ موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ پر باری تعالیٰ کی جناب میں حاضر ہوا تو پھر آدھی معاف کردی گئیں۔ ایک مرتبہ پھر حاضر ہوا تو صرف پانچ رہ گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بظاہر پانچ ہیں لیکن (اجر و ثواب میں) پچاس ہیں، میری باتیں ناقابل تغیر ہیں۔ میں لوٹ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پھر لوٹنے کا مشورہ دیا لیکن میں نے کہا کہ اب مجھے اپنے رب سے حیا دامن گیر ہے۔ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لایا گیا اسے ایسے رنگوں نے ڈھانپ رکھا تھا جن کی حقیقت کا مجھے علم نہیں۔ پھر مجھے جنت میں داخل کیا گیا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ موتیوں کے پہاڑ ہیں اور اس کی مٹی خالص کستوری ہے (1)۔ بخاریؒ نے کتاب الصلوٰۃ میں ان الفاظ کے ساتھ اسے روایت کیا ہے، اسی طرح ذکر بنی اسرائیل، حج اور احادیث انبیاء میں بھی اسے روایت کیا ہے اور صحیح مسلم کتاب الایمان میں بھی یہ حدیث روایت کی گئی ہے۔

عبداللہ بن شقیق نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا تو آپ ﷺ سے ایک بات ضرور دریافت کرتا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ تم آپ ﷺ سے کیا دریافت کرتے؟ کہنے لگے کہ میں آپ ﷺ سے یہ سوال کرتا کہ کیا

1۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 97 صحیح مسلم، کتاب الایمان صفحہ 148-149

آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں نے آپ ﷺ سے یہ سوال کیا تھا جس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا: "قَدْ رَأَیْتُہٗ نُوْرًا أَنّٰی أَرَاہُ" (1)۔ (میں نے اسے نور دیکھا، بھلا میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ نور ہے، میں اسے کہاں دیکھ سکتا ہوں" (2)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں فرمایا: "رأیت نورا" یعنی میں نے نور دیکھا۔ مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ حضرت ابی بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ سے معراج کی بابت روایت کرتے ہیں اور یہ اس روایت سے ملتی جلتی ہے جسے انہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ اس کا ذکر کچھ پہلے بخاری و مسلم کے حوالے سے ہو چکا ہے۔ مسند بزار میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا: "معراج کی شب جبریل مجھے لے کر بیت المقدس میں صخرہ کے مقام پر آئے۔ وہاں اپنی انگلی سے سوراخ کر کے براق کو باندھ دیا"۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "واقعہ معراج کے وقت جب قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں حطیم میں کھڑا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس میرے سامنے عیاں کر دیا، میں اسے دیکھ رہا تھا اور قریش کو اس کی نشانیوں کے متعلق آگاہ کیے جا رہا تھا" (3)۔ حضرت سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت المقدس پہنچے تو وہاں آپ کی خدمت میں دو پیالے پیش کیے گئے، ایک پیالہ دودھ کا اور ایک شراب کا۔ آپ نے دونوں پر نظر ڈالی اور دودھ کا پیالہ لے لیا۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ آپ نے درست انتخاب کیا ہے اور آپ نے فطرت کو پالیا۔ اگر آپ شراب لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ پھر آپ واپس مکہ تشریف لائے اور واقعہ معراج کے متعلق لوگوں کو آگاہ کیا۔ یہ سن کر بہت سے ایسے لوگ فتنہ میں پڑ گئے جنہوں نے آپ ﷺ کی معیت میں نماز پڑھی تھی۔ ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ قریش کے کچھ لوگ بھاگتے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تمہارے ساتھی تو یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ وہ ایک ہی رات میں بیت المقدس جا کر واپس مکہ لوٹ آئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ کیا واقعی آپ ﷺ نے یہ کہا ہے؟ وہ کہنے لگے: ہاں، تو آپ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: میں گواہی دیتا ہوں کہ اگر آپ نے یہ فرمایا ہے تو سچ فرمایا ہے۔ قریش کہنے لگے کہ کیا تم ان کی تصدیق کرتے ہو کہ وہ ایک ہی رات میں شام جائیں، پھر صبح ہونے سے قبل مکہ لوٹ بھی آئیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، میں تو اس سے بھی بڑی بات میں آپ ﷺ کی تصدیق کرتا ہوں یعنی یہ کہ آپ ﷺ آسمان کی خبریں بتاتے ہیں۔ ابو سلمہ کہتے ہیں کہ اس تصدیق کے باعث حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام صدیق پڑا (4)۔

زر بن حبیش بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت واقعہ معراج بیان کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ہم چلتے چلتے بیت المقدس پہنچ گئے۔ دونوں اندر داخل نہیں ہوئے۔ میں نے یہ سنتے ہی کہا کہ یہ بات درست نہیں بلکہ اس رات رسول اللہ ﷺ بیت المقدس میں داخل ہوئے اور اس میں نماز بھی پڑھی۔ آپ فرمانے لگے: اے گنجے سر والے! تمہارا نام کیا ہے؟ تمہارا چہرہ تو جانا پہچانا ہے لیکن میں تمہارا نام نہیں جانتا۔ میں نے کہا کہ میرا نام زر بن حبیش ہے۔ آپ فرمانے لگے: تمہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ اس رات آپ ﷺ نے بیت المقدس میں نماز پڑھی تھی۔ میں نے کہا کہ قرآن کریم اس کی خبر

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 147
2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان صفحہ 161
3۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ بنی اسرائیل جلد 6 صفحہ 108، صحیح مسلم، کتاب الایمان 156
4۔ دلائل النبوۃ از بیہقی جلد 2 صفحہ 365

دے رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: جس نے قرآن سے بات کی وہ فلاح پا گیا، پڑھو۔ میں نے اس آیت (سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ) کی تلاوت کی۔ آپ نے پوچھا کہ کیا اس میں ایسا کوئی ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے وہاں نماز پڑھی؟ میں نے کہا: نہیں، تو آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اس رات آپ ﷺ نے بیت المقدس میں نماز نہیں پڑھی۔ اگر آپ وہاں نماز پڑھ لیتے تو تم پر وہاں نماز پڑھنا اسی طرح فرض ہو جاتا جیسے بیت اللہ شریف میں پڑھنا فرض کیا گیا ہے۔ اللہ کی قسم! وہ دونوں (حضور ﷺ اور جبریل علیہ السلام) تو براق سے الگ ہوئے ہی نہیں یہاں تک کہ ان کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے اور انہوں نے جنت اور دوزخ کو دیکھا اور وعدۂ آخرت کی تمام چیزوں کو بھی ملاحظہ کر لیا، پھر اسی طرح واپس لوٹ آئے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ ہنس دیئے۔ یہاں تک کہ آپ کی داڑھیں دکھائی دینے لگیں۔ مزید فرمانے لگے: لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ نے براق کو باندھ دیا تھا تا کہ وہ بھاگ نہ جائے حالانکہ اسے آپ ﷺ کے لئے عالم الغیب والشہادہ خدا نے مسخر کر دیا تھا۔ میں نے پوچھا کہ براق کیسا جانور تھا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سفید رنگ کا طویل القامت جانور، جہاں نظر پڑتی وہاں وہ اپنا قدم رکھتا (1)۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہا کے قول پر ان حضرات کا قول مقدم ہے جنہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ کی سواری کو حلقہ کے ساتھ باندھا گیا اور آپ ﷺ نے بیت المقدس میں نماز ادا کی (2)۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہمیں واقعہ معراج کے متعلق آگاہ فرمایئے تو آپ نے اس آیت سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا: ”دریں اثناء میں رات کے وقت مسجد حرام میں سو رہا تھا کہ ایک آنے والا میرے پاس آیا اور اس نے مجھے بیدار کیا۔ جاگ کر میں نے دیکھا تو مجھے کوئی چیز دکھائی نہ دی، بس ایک سایہ سا اچانک نظر آیا تو میں نے اپنی نگاہ اس پر مرکوز کر دی یہاں تک کہ میں مسجد حرام سے باہر آ گیا۔ یہاں کچھ کچھ خچر کے مشابہ ایک جانور پر نظر پڑی، حرکت کرتے ہوئے اور اوپر کو اٹھے ہوئے کانوں والا تھا، اسے براق کہا جاتا ہے۔ مجھ سے پہلے انبیاء بھی اسی پر سواری کرتے رہے، تا حد نگاہ اس کا قدم پڑتا تھا۔ میں اس پر سوار ہوا اور سفر کا آغاز ہوا، دوران سفر کسی نے میری دائیں طرف سے مجھے تین بار بلایا کہ اے محمد ﷺ! مجھے دیکھو، میں تم سے سوال کرنا چاہتا ہوں لیکن میں نے اسے نہ کوئی جواب دیا اور نہ اس کے پاس ٹھہرا۔ پھر چلتے چلتے ایک جگہ پہنچے تو کسی نے مجھے بائیں طرف سے بلایا کہ اے محمد ﷺ! میری طرف دیکھو، میں تم سے کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں لیکن میں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور نہ ہی اس کے پاس ٹھہرا۔ پھر کچھ آگے بڑھے تو ایک عورت کو دیکھا جو بازو کھولے ہوئے تھی اور دنیا کی ہر زینت سے آراستہ تھی۔ اس نے کہا: اے محمد ﷺ! میری طرف دیکھیں، میں آپ سے سوال کرنا چاہتی ہوں لیکن نہ میں اس کی طرف متوجہ ہوا اور نہ اس کے پاس ٹھہرا یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچ گیا۔ میں نے اپنی سواری اس حلقہ کے ساتھ باندھ دی جس کے ساتھ انبیاء باندھا کرتے تھے۔ پھر جبریل علیہ السلام میرے پاس دو برتن لائے، ایک شراب کا اور دوسرا دودھ کا۔ میں نے دودھ پی لیا اور شراب کو ناپسند کیا۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ آپ نے فطرت کو پا لیا۔ اگر آپ شراب لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی میں نے (خوش ہو کر) دو دفعہ تکبیر کہی۔ پھر جبریل علیہ السلام مجھ سے پوچھنے لگے کہ میں آپ کے چہرے پر فکر کے آثار کیسے دیکھ رہا ہوں؟ میں نے کہا کہ میں جب محو سفر تھا تو میری دائیں طرف سے کسی نے مجھے بلایا تھا کہ اے محمد ﷺ! مجھے دیکھو، میں تم سے سوال کرنا چاہتا ہوں لیکن میں نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور نہ اس کے پاس ٹھہرا۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ یہ یہود کا داعی تھا۔ اگر آپ اسے جواب دیتے یا اس کے پاس ٹھہرتے تو آپ کی امت

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب التفسیر، جلد 11 صفحہ 304-305، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 387

3۔ دیکھئے دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 2 صفحہ 365

یہودی ہو جاتی۔ پھر میں نے کہا کہ دوران سفر مجھے کسی نے بائیں جانب سے بلایا کہ اے محمد ﷺ! مجھے دیکھو، میں آپ سے سوال کرنا چاہتا ہوں لیکن میں نے نہ تو اس کی طرف توجہ دی اور نہ ہی اس کے پاس ٹھہرا۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ وہ نصاریٰ کا داعی تھا، اگر آپ اسے جواب دیتے تو آپ کی امت نصرانی ہو جاتی، پھر میں نے بتایا کہ سفر کرتے ہوئے میں نے ایک برہنہ بازو عورت دیکھی جو ہر زینت سے آراستہ تھی، وہ کہہ رہی تھی: اے محمد ﷺ! مجھے دیکھو، میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں لیکن میں نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور نہ ہی اس کے پاس قیام کیا۔ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ وہ دنیا تھی، اگر آپ ﷺ اسے جواب دیتے یا اس کے پاس ٹھہرتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی۔ پھر میں اور جبریل علیہ السلام دونوں بیت المقدس میں داخل ہوئے اور ہر ایک نے دو رکعتیں نماز ادا کی، پھر میرے پاس معراج (سیڑھی) لائی گئی جس سے بنی آدم کی ارواح اوپر چڑھتی ہیں، معراج سے بڑھ کر کوئی چیز خوبصورت دکھائی نہیں دی، کیا تم نہیں دیکھتے کہ مرنے والے کی آنکھیں جب آسمان کی طرف بلند ہوتی ہیں تو وہ معراج کو دیکھ کر تعجب کے باعث ہی آسمان کی طرف بلند ہوتی ہیں۔ میں اور جبریل علیہ السلام اوپر چڑھے تو آسمان دنیا کے سردار اسماعیل نامی فرشتے سے ملاقات ہوئی جس کے ماتحت ستر ہزار فرشتے ہیں جن میں سے ہر فرشتے کے ماتحت نوری لشکر کی تعداد ایک لاکھ فرشتہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (المدثر:31) ''اور آپ کے رب کے لشکروں کو سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا''۔ جبریل علیہ السلام نے آسمان کا دروازہ کھولنے کے لئے کہا تو پوچھا گیا کہ کون ہے؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام۔ پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: محمد ﷺ، دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں حضرت آدم علیہ السلام اپنی ہیئت پر ہیں جس دن اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی صورت پر پیدا کیا تھا۔ ان کے سامنے ان کی مومن اولاد کی روحیں پیش کی جاتی ہیں تو کہتے ہیں: پاک روح ہے اور نفس بھی پاک، اس لئے اسے علیین میں لے جاؤ، پھر آپ پر آپ کی فاجر اولاد کی روحیں پیش کی جاتی ہیں تو کہتے ہیں: خبیث روح اور خبیث نفس، اسے سجین میں پھینک دو۔ پھر میں کچھ آگے چلا تو میں نے چند دستر خوان دیکھے جن پر عمدہ بھنے ہوئے گوشت کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے لیکن کوئی ان کے قریب بھی نہیں آتا تھا اور چند دوسرے دستر خوان دیکھے جن پر نہایت بدبودار سڑا ہوا گوشت تھا جسے کچھ لوگ کھا رہے تھے۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو حرام کھاتے ہیں اور حلال کو چھوڑ دیتے ہیں۔ پھر اور آگے بڑھا تو ایسے لوگ دیکھے جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں جیسے تھے، ان کے منہ پھاڑے جاتے اور یہ گوشت انہیں نگلنا پڑتا پھر یہی گوشت ان کے نیچے سے نکل جاتا، وہ اللہ تعالیٰ کے حضور آہ و فغاں کر رہے تھے۔ میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ بتانے لگے کہ یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو ناحق یتیموں کا مال کھایا کرتے تھے، إِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا (النساء:10) ''بے شک وہ لوگ جو ظلم سے یتیموں کے مال کھاتے ہیں وہ تو بس اپنے پیٹوں میں آگ کھا رہے ہیں اور عنقریب وہ بھڑکتی آگ میں جھونکے جائیں گے''۔ پھر تھوڑی دیر چلا تو میں نے عورتیں دیکھیں جو اپنے پستانوں کے ساتھ لٹک رہی تھیں، میں نے ان کی چیخ و پکار سنی۔ جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیسی عورتیں ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ آپ کی امت کی زناکار عورتیں ہیں۔ پھر ذرا اور آگے بڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ کچھ لوگوں کے پیٹ کوٹھڑیوں کی طرح ہیں، جب بھی ان میں سے کوئی اٹھنے کی کوشش کرتا ہے تو گر پڑتا ہے اور کہتا ہے: یا اللہ! قیامت قائم نہ کرنا۔ وہ آل فرعون کے رستہ پر ہیں فرعونی جماعت آتی ہے اور انہیں روندتی چلی جاتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں آہ و زاری کرتے ہیں اور چیختے چلاتے ہیں۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں تو انہوں نے بتایا کہ یہ

آپ کی امت کے سود خور ہیں۔ اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ (البقرۃ:275) ”جو لوگ سود کھایا کرتے ہیں، وہ نہیں کھڑے ہوں گے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ جسے شیطان نے چھو کر پاگل بنا دیا ہو“

مزید آگے بڑھے تو کچھ لوگ دکھائی دیئے جن کے پہلوؤں سے گوشت کاٹ کاٹ کر انہیں کھلایا جاتا اور ان میں سے ہر ایک کو کہا جاتا کہ کھاؤ جس طرح تم اپنے بھائی کا گوشت کھایا کرتے تھے۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے ان کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ آپ ﷺ کی امت کے عیب جو، غیبت اور نکتہ چینی کرنے والے لوگ ہیں۔ پھر ہم دوسرے آسمان کی طرف بلند ہوئے، وہاں میں نے مخلوق خدا میں سے سب سے زیادہ خوبرو شخص دیکھا جسے حسن میں لوگوں پر ایسے ہی برتری حاصل ہے جیسے چودھویں کی رات چاند کو تمام ستاروں پر۔ میرے دریافت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ یہ آپ کے بھائی یوسف علیہ السلام ہیں اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے کچھ لوگ ہیں۔ میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے مجھے سلام کا جواب دیا۔ تیسرے آسمان پر پہنچے تو وہاں یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی، ان کے ساتھ ان کی قوم کے کچھ افراد تھے۔ میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا، پھر چوتھے آسمان کی طرف بلند ہوئے، وہاں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جنہیں اللہ تعالیٰ نے بلند مکان پر اٹھا لیا ہے۔ میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پانچویں آسمان پر چڑھے تو وہاں حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، ان کی آدھی داڑھی سفید تھی اور آدھی سیاہ اور لمبائی میں تقریباً ناف تک تھی۔ میرے دریافت کرنے پر جبریل نے بتایا کہ یہ اپنی قوم کے محبوب اور ہر دلعزیز ہارون بن عمران علیہ السلام ہیں اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے لوگ ہیں۔ میں نے انہیں سلام کہا، انہوں نے بھی جواباً سلام کیا۔ چھٹے آسمان پر موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، گندمی رنگ اور بال بہت زیادہ۔ اگر ان پر قمیص ہو تو بال قمیص میں سے بھی گزر جائیں، وہ فرمانے لگے: لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں ان سے زیادہ قدر و منزلت رکھتا ہوں حالانکہ یہ (حضور ﷺ) مجھ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقام رکھتے ہیں۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ موسیٰ بن عمران ہیں اور ان کے ساتھ ان کی قوم کی ایک جماعت ہے۔ میرے سلام کرنے پر انہوں نے بھی مجھے سلام کیا۔ پھر ساتویں آسمان پر پہنچے تو وہاں میں نے اپنے باپ ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کو دیکھا جو بیت معمور سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، آپ بہت ہی بہتر اور خوبصورت ہیں۔ میں نے ان کے متعلق دریافت کیا تو جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ کے باپ ابراہیم خلیل الرحمٰن ہیں اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے افراد ہیں۔ میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔ پھر میں نے اپنی امت کو دو حصوں میں تقسیم دیکھا، نصف نے کاغذ کی طرح سفید کپڑے پہن رکھے تھے اور نصف کے کپڑے سیاہ تھے۔ میں بیت معمور میں داخل ہوا اور میرے ساتھ سفید کپڑوں والے بھی داخل ہو گئے لیکن سیاہ کپڑے والے روک دیئے گئے ہیں، وہ بھی خیر پر۔ بیت معمور میں ہم سب نے نماز پڑھی پھر وہاں سے باہر نکل آئے۔ بیت معمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں، پھر قیامت تک ان کی باری نہیں آتی۔ پھر مجھے سدرۃ المنتہٰی کی طرف بلند کیا گیا۔ اس کا ہر ہر پتہ اتنا بڑا ہے کہ میری اس امت کو ڈھانپ لے۔ اس میں سلسبیل نام کا ایک چشمہ جاری ہے جس سے دو نہریں نکلتی ہیں ایک نہر کوثر اور دوسری نہر رحمت۔ میں نے اس میں غسل کیا تو میری اگلی پچھلی تمام لغزشیں معاف کر دی گئیں، پھر مجھے جنت کی طرف اوپر لے جایا گیا وہاں مجھے ایک حور ملی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو کس کی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ) کی۔ وہاں میں نے ایسی نہریں دیکھیں جن کا پانی نہ گدلا ہوتا ہے اور نہ فاسد اور دودھ کی نہریں دیکھیں جن کا ذائقہ متغیر نہیں ہوتا، علاوہ ازیں پینے والوں کی لذت کے لئے

شراب کی نہریں اور صاف شفاف خالص شہد کی نہریں بھی دیکھیں۔ جنتی انار اتنے بڑے تھے جیسے ڈول اور پرندے ایسے گویا تمہارے بختی اونٹ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیکوکار بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال تک گزرا۔ پھر میرے سامنے جہنم پیش کیا گیا، اس میں اللہ تعالیٰ کا غضب، عذاب، ناراضگی اور انتقام عروج پر تھا۔ اگر اس میں پتھر اور لوہا ڈالا جائے تو اسے بھی کھا جائے، پھر اسے میرے سامنے سے بند کر دیا گیا۔ بعد ازاں مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف بلند کیا گیا تو مجھے ڈھانپ لیا، میرے اور اس کے درمیان دو کمان کی مقدار بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے ہر پتے پر ایک فرشتہ اترا تھا۔ مجھ پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں اور فرمایا کہ تمہارے لئے ہر نیکی کا اجر دس گنا ہے۔ اگر تم نے نیکی کا ارادہ کیا لیکن اس پر عمل نہ کر سکے تو تمہارے لئے ایک نیکی لکھ دی جائے گی اور اگر اس پر عمل پیرا ہو گئے تو دس لکھی جائیں گی۔ اگر برائی کا ارادہ کیا لیکن اس کا ارتکاب نہ کیا تو کچھ بھی نہیں لکھا جائے گا اور اگر ارتکاب کر لیا تو صرف ایک ہی برائی کا اندراج ہوگا۔ پھر میں لوٹ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کے رب نے کس چیز کا حکم دیا ہے، میں نے کہا کہ پچاس نمازوں کا۔ وہ کہنے لگے کہ واپس اپنے رب کی جناب میں جاؤ اور تخفیف کی درخواست کرو، آپ ﷺ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی اور جب اس کی طاقت نہیں پائے گی تو نافرمانی کی مرتکب ہوگی۔ چنانچہ میں لوٹ کر اپنے رب کے حضور پہنچا اور عرض کی: اے پروردگار! میری امت کے لئے تخفیف فرما کیونکہ وہ سب سے زیادہ کمزور امت ہے تو میری گزارش پر اللہ تعالیٰ نے دس معاف کر کے چالیس نمازیں مقرر کر دیں، بہرکیف میں اپنے رب اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان چکر لگاتا رہا، ہر بار موسیٰ علیہ السلام پوچھتے کہ کیا حکم ہوا اور مزید تخفیف کروانے کا مشورہ دیتے، میں بھی بار بار اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی درخواست پیش کرتا رہا یہاں تک کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار پھر تخفیف کروانے لئے واپس بھیجنا چاہا لیکن میں نے کہا کہ اب مجھے شرم آتی ہے۔ صبح ہوئی تو آپ نے مکہ شریف میں ان عجائبات کا ذکر کیا کہ میں آج کی شب بیت المقدس گیا اور پھر مجھے آسمانوں کی سیر کروائی گئی، وہاں میں نے یہ یہ دیکھا۔ یہ سن کر ابوجہل لوگوں سے کہنے لگا کہ کیا تمہیں محمد (ﷺ) کی اس بات پر تعجب نہیں ہوتا؟ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ آج کی شب بیت المقدس گئے پھر صبح کے وقت ہمارے پاس موجود تھے حالانکہ سواری کو مارتے پیٹتے بھی لے جائیں تو وہاں پہنچنے میں ایک مہینہ لگ جاتا ہے اور واپس لوٹتے ہوئے بھی ایک مہینہ۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ دو مہینے کی مسافت شب بھر میں طے ہو جائے۔ آپ ﷺ نے کفار کو قریش کے قافلے کے متعلق آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے جاتے وقت اس قافلے کو فلاں جگہ دیکھا تھا اور وہ بدک گیا تھا۔ واپسی پر وہ مجھے عقبہ میں ملا، اس میں فلاں فلاں شخص ہے، ایسے ایسے ان کے اونٹ ہیں اور یہ یہ ان کا سامان ہے۔ یہ سن کر ابوجہل کہنے لگا کہ یہ بہت سی اشیاء کے متعلق ہمیں خبر دے رہے ہیں، دیکھیں سچ نکلتی ہیں یا نہیں۔ ان میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ میں سب سے زیادہ بیت المقدس سے واقف ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اس کی عمارت کیسی ہے، اس کی شکل وصورت کیسی ہے اور پہاڑ کے کس قدر قریب ہے۔ اگر محمد سچے ہوئے تو میں تمہیں آگاہ کر دوں گا اور اگر جھوٹے نکلے تو بھی بتا دوں گا۔ وہ مشرک آیا اور آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ میں بیت المقدس سے سب سے زیادہ واقف ہوں، مجھے بتائیے کہ اس کی عمارت اور شکل وصورت کیسی ہے اور پہاڑ سے اس کی نزدیکی کتنی ہے؟ پس رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے تمام حجابات اٹھا دیئے گئے اور آپ اس طرح بیت المقدس کو اپنے سامنے دیکھنے لگے جس طرح ہم میں سے کوئی اپنے گھر کو دیکھتا ہے۔ آپ ﷺ فرمانے لگے کہ اس کی عمارت اس طرح کی ہے، اس کی شکل وصورت اور ہیئت یوں ہے اور یہ پہاڑ کے اس قدر قریب ہے۔ اس مشرک نے کہا کہ آپ نے سچ کہا۔ پھر وہ

کفار کے پاس لوٹ کر گیا اور انہیں جا کر بتایا کہ محمد (ﷺ) اپنی بات میں سچے ہیں (1)۔ اسے ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بھی روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں غرابت اور نکارت ہے۔ ہم نے اسے اس لئے بیان کر دیا ہے کہ اس میں دیگر احادیث کے بہت سے شواہد ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بیہقی کی روایت میں آتا ہے کہ ابوالازھر یزید بن ابی حکیم بیان کرتے ہیں: میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی تو آپ سے دریافت کیا: یارسول اللہ! آپ کی امت میں ایک آدمی ہے جسے سفیان ثوری کہا جاتا ہے، اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس میں کوئی حرج والی بات نہیں۔'' میں نے پھر ابو ہارون عبدی کا نام لیا جنہوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور انہوں نے آپ ﷺ سے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ان راویوں کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ کو معراج ہوئی اور آپ نے آسمان میں دیکھا آپ نے فرمایا: ہاں، درست ہے۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! آپ کی امت میں سے کچھ لوگ واقعہ معراج کے متعلق بہت سی عجیب وغریب باتیں آپ ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ قصہ گو لوگوں کی کارستانی ہے (2)۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کی: یارسول اللہ! ہمیں اپنی معراج کی کیفیت بتائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے مکہ میں اپنے صحابہ کو عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھائی، پھر جبریل علیہ السلام میرے پاس گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا سفید رنگ کا براق لائے۔ میرے سوار ہوتے وقت اس نے شوخی کی تو جبریل علیہ السلام نے اس کا کان پکڑ کر مروڑا، پھر مجھے اس پر سوار کیا، براق ہمیں لے کر اڑنے لگا، جہاں نظر پڑتی وہاں اس کا قدم پڑتا۔ یہاں تک کہ ہم کھجوروں والی سرزمین پر پہنچ گئے۔ جبریل علیہ السلام نے مجھے نیچے اتارا اور نماز پڑھنے کے لئے کہا۔ میں نے وہاں نماز پڑھی اور پھر سوار ہو گیا۔ جبریل علیہ السلام نے پوچھا: کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نے کہاں نماز پڑھی؟ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ کہنے لگے کہ آپ نے یثرب میں نماز پڑھی یعنی طیبہ میں پھر چلتے چلتے ایک جگہ پہنچے تو جبریل علیہ السلام نے مجھے وہاں اترنے اور نماز پڑھنے کے لئے کہا۔ میں نے نماز پڑھی اور پھر سوار ہو گئے۔ جبریل نے مجھے بتایا کہ آپ نے مدین میں اس درخت کے پاس نماز پڑھی ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام ٹھہرے تھے۔ پھر سفر کرتے کرتے ہم ایسی جگہ پہنچے جہاں ہمیں محلات صاف دکھائی دینے لگے، یہاں بھی جبریل نے مجھے نماز پڑھنے کے لئے کہا۔ نماز سے فراغت کے بعد جبریل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ آپ نے بیت لحم میں نماز ادا کی ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پھر چلتے چلتے باب یمانی سے شہر میں داخل ہوئے، مسجد کے قریب سواری کو باندھ دیا اور اس دروازے سے مسجد میں داخل ہو گئے جہاں سورج اور چاند مائل ہوتے ہیں۔ وہاں جس قدر اللہ کو منظور تھا میں نے نماز پڑھی۔ وہاں مجھے سخت پیاس لگ گئی تو میرے پاس دو برتن لائے گئے، ایک میں دودھ اور دوسرے میں شہد تھا، دونوں میرے پاس بھیجے گئے تو میں دونوں کے درمیان متردد ہو گیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے میری رہنمائی فرمائی اور میں نے دودھ لے کر پی لیا یہاں تک کہ میری پیشانی سے پسینہ نکلنے لگا۔ میں نے اپنے سامنے دیکھا کہ ایک شیخ تکیہ لگائے بیٹھے ہیں، وہ کہنے لگے کہ انہوں نے فطرت کو پالیا اور یہ ہدایت یافتہ ہیں، پھر جبریل علیہ السلام مجھے لے کر چلے یہاں تک کہ ہم ایک وادی تک پہنچے، ہم نے جہنم کو دیکھا گویا وہ ٹیلوں سے نمایاں ہو رہا ہے۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! آپ نے اسے کیسا پایا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اسے سخت گرم انگارے کی طرح پایا۔ بعد ازاں فلاں مقام پر ہمارا گزر قریش کے قافلے سے ہوا، ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 2 صفحہ 390، تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 11-14

2۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 2 صفحہ نمبر 405

جسے فلاں شخص تلاش کر کے لایا، میں نے انہیں سلام کیا تو ان میں ایک آدمی کہنے لگا کہ یہ آواز تو محمد (ﷺ) کی ہے۔ پھر میں صبح ہونے سے پہلے مکہ میں اپنے اصحاب کے پاس پہنچ گیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے پاس آ کر کہنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! آج کی شب آپ کہاں تھے، میں نے آپ کو ہر اس جگہ تلاش کیا جہاں میرا خیال تھا کہ آپ موجود ہوں گے۔ میں نے کہا کہ میں تو آج کی رات بیت المقدس گیا تھا، ابوبکر کہنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو ایک مہینے کی مسافت پر ہے، مجھے آپ اس کی نشانیاں بتلائیں، چنانچہ اسے فوراً میرے سامنے ظاہر کر دیا گیا گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ جو بھی مجھ سے سوال ہوا میں نے اس کے متعلق بتا دیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ مشرکین کہنے لگے کہ ابن ابی کبشہ (حضور ﷺ) کی طرف دیکھو، کہتا ہے کہ وہ آج کی رات بیت المقدس گیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں جو کچھ تمہیں کہہ رہا ہوں اس کی نشانی یہ ہے کہ میں فلاں جگہ تمہارے قافلے سے گزرا، ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا جسے فلاں شخص تلاش کر کے لایا۔ ان کی منزل فلاں فلاں جگہ ہوگی اور وہ فلاں دن تمہارے پاس اس حالت میں پہنچیں گے کہ ان کے آگے آگے گندمی رنگ کا اونٹ ہوگا جس پر سیاہ رنگ کا عرق گیر اور سیاہ رنگ کے ہی دو بورے ہیں۔ جب وہ دن آیا (جو حضور ﷺ نے قافلے کی آمد کے لئے مقرر کر رکھا تھا) تو لوگ دوپہر کے وقت دوڑے دوڑے شہر سے باہر چلے گئے۔ وہاں جا کر کیا دیکھتے ہیں کہ واقعی قافلہ آ رہا ہے اور اس کے آگے آگے وہی اونٹ ہے جس کے متعلق آپ ﷺ نے بیان فرمایا تھا" (1)۔ بیہقی نے اسے ترمذی اور دیگر سے روایت کیا ہے۔ ہم ان میں سے کچھ کا ذکر کریں گے، پھر انہوں نے اس حدیث کی دیگر بہت سی شاہد حدیثیں ذکر کی ہیں۔ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے۔ بلاشبہ یہ حدیث بہت سی اشیاء پر مشتمل ہے جن میں سے بعض صحیح ہیں جیسا کہ بیہقی نے ذکر کیا ہے اور بعض ان میں سے منکر ہیں مثلاً بیت لحم میں نماز پڑھنا، حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا بیت المقدس کے اوصاف دریافت کرنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ معراج کی رات رسول اللہ ﷺ جنت میں داخل ہوئے تو آپ نے اس کی ایک جانب سے قدموں کی چاپ سنی۔ دریافت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ مؤذن بلال رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ ﷺ نے آ کر فرمایا: بلال تو فلاح پا گئے، میں نے ان کے لئے یہ یہ دیکھا۔ "موسیٰ علیہ السلام سے آپ کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ اے نبی امی! مرحبا۔ حضرت موسیٰ گندمی رنگ کے طویل القامت اور بال کانوں تک یا کانوں سے ذرا بلند۔ آپ ﷺ نے ان کے متعلق جبریل علیہ السلام سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پھر آگے بڑھے تو آپ ﷺ کی ملاقات ایک جلیل القدر پُر وقار شیخ سے ہوئی، انہوں نے آپ کو خوش آمدید کہا اور سلام کیا، بہرصورت ہر نبی نے آپ کو پہلے سلام کیا۔ آپ ﷺ نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ کے باپ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ بعد ازاں آپ نے کچھ لوگوں کو جہنم میں مردار کھاتے دیکھا۔ جبریل علیہ السلام سے ان کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ لوگوں کا گوشت کھانے والے (غیبت کرنے والے) لوگ ہیں۔ وہاں آپ نے ٹیڑھی آنکھوں والا نہایت سرخ رنگ کا ایک آدمی دیکھا۔ آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا (بدبخت) ہے۔ آپ ﷺ بیت المقدس پہنچے تو وہاں نماز ادا کی، تمام انبیاء کرام نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ فارغ ہوئے تو آپ کے پاس دو جام لائے گئے، ایک دائیں طرف سے اور دوسرا بائیں طرف سے، ایک میں دودھ تھا

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 2 صفحہ 355-357

اور دوسرے میں شہد، آپ نے دودھ لے کر پی لیا، جس کے پاس جام تھا، اس نے کہا کہ آپ نے فطرت کو پالیا(1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو رات کے وقت بیت المقدس لے جایا گیا اور اسی رات آپ ﷺ واپس لوٹ آئے۔ آپ نے لوگوں کو بیت المقدس کے سفر، اس کی علامات اور ان کے قافلے کے متعلق آگاہ کیا تو بعض کہنے لگے کہ ہم آپ ﷺ کو اس بات میں سچا نہیں مانتے اور وہ اسلام سے پھر گئے۔ ان کا انجام یہ ہوا کہ یہ بھی ابو جہل کے ساتھ قتل ہو گئے۔ ابو جہل کہنے لگا کہ محمد (ﷺ) ہمیں زقوم (تھور) کے درخت سے ڈرا رہا ہے، لاؤ کھجور اور مکھن اور انہیں تمزق کرو یعنی ملا کر کھالو۔ آپ ﷺ نے دجال کو اس کی اصلی صورت میں اپنی ظاہری آنکھوں کے ساتھ دیکھا نہ کہ خواب میں۔ اسی طرح آپ ﷺ نے حضرات عیسیٰ، موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو بھی دیکھا۔ نبی کریم ﷺ سے دجال کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "میں نے اسے دیکھا کہ وہ بہت قد آور، موٹا، بھدا، چندھیائی نظر والا اور بد اصل ہے، اس کی ایک آنکھ یوں قائم ہے جیسے ستارا اور اس کے بال گویا درخت کی شاخیں ہیں، میں نے عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، سفید رنگت، گھنگھریالے بال، تیز نظر اور معتدل جسم، موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، وہ گندمی رنگ کے، زیادہ بالوں والے اور مضبوط جسم کے مالک ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی زیارت کی، میں نے ان کے جس عضو کی طرف نظر دوڑائی اسے ہو بہو اپنے جیسا پایا، یوں محسوس ہوتا تھا گویا وہ تمہارے صاحب (نبی کریم ﷺ) ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اپنے باپ کو سلام کیجئے تو میں نے انہیں سلام کیا" (2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں نے معراج کی رات موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو دیکھا، قد لمبا، بال گھنگھریالے، گویا آپ قبیلہ شنوءہ کے آدمی ہیں۔ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو دیکھا، معتدل جسم، سرخی مائل سفید رنگ اور سیدھے بالوں والے"۔ مزید برآں آپ نے جہنم کے داروغے مالک اور دجال کو بھی ان نشانیوں میں دیکھا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھائی تھیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَلَا تَكُنْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآىِٕهٖ (السجدۃ:23) "تو آپ اس کے ملنے سے شک میں مبتلا نہ ہوں" قتادہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اس لقاء سے مراد آپ ﷺ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ملاقات ہے، جن کے متعلق فرمان ہے: وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۝ (السجدۃ:23) "اور ہم نے انہیں بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا تھا" اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے لئے سراپا ہدایت بنایا تھا(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "شب معراج ایک جگہ سے مجھے بہت پیاری خوشبو آئی۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیسی خوشبو ہے؟ جواب ملا: فرعون کی بیٹی کی مشاطہ اور اس کی اولاد کے محل کی۔ فرعون کی بیٹی کو کنگھی کرتے ہوئے کنگھی اس کے ہاتھ سے گر گئی تو اس نے کہا: بسم اللہ۔ فرعون کی بیٹی کہنے لگی کہ خدا تو میرا باپ ہی ہے۔ وہ کہنے لگی کہ میرا، تمہارا اور تمہارے باپ کا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ شہزادی کہنے لگی کہ کیا میرے باپ کے سوا کوئی اور بھی رب ہے؟ مشاطہ نے کہا: ہاں، میرا، تمہارا اور تمہارے باپ کا رب اللہ ہے۔ فرعون کو پتہ چلا تو اس نے مشاطہ کو بلایا اور پوچھا کہ کیا تمہارا میرے سوا کوئی اور رب ہے؟ اس نے کہا: ہاں، میرا اور تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ فرعون نے اسی وقت حکم دیا کہ تانبے کی بنی ہوئی گائے کو خوب گرم کیا جائے اور باری باری اس کے بچوں کو اس میں ڈالا جائے اور آخر میں اسے بھی اس میں پھینک دیا جائے۔ اس نے فرعون سے کہا کہ میری ایک خواہش

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 257 2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ نمبر 374

3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، 1 15-152، دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 2 صفحہ نمبر 385-386

ہے؟ فرعون نے پوچھا: کونسی؟ وہ کہنے لگی کہ میری اور میری اولاد کی ہڈیوں کو ایک جگہ ہی جمع کر دینا، اس نے کہا کہ تمہاری یہ خواہش پوری ہو گی کیونکہ تمہارا ہم پر کچھ حق ہے، چنانچہ وہ ایک ایک کر کے اس کے بچے اس میں ڈالنے لگے، آخر میں شیرخوار بچے کی باری آئی، ماں کی گھبراہٹ کو دیکھ کر وہ کہنے لگا: اے میری ماں! جان دے دو اور پشیمانی اختیار نہ کرو کیونکہ تم حق پر ہو۔ آپ نے فرمایا کہ گہوارے میں چار بچوں نے گفتگو کی۔ یہ بچہ۔ 1۔ یوسف علیہ السلام کی عفت کی گواہی دینے والا بچہ۔ 2۔ اللہ کے ولی جریج کی پاکدامنی کی شہادت دینے والا بچہ۔ 3۔ اور عیسیٰ۔ 4۔ بن مریم علیہ السلام (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس رات مجھے معراج ہوئی اور اس کی صبح میں نے مکہ میں کی تو مجھے یقین ہو گیا کہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے۔ اس لئے میں الگ تھلگ غمزدہ ہو کر بیٹھ گیا۔ ابوجہل آپ ﷺ کے پاس سے گزرتے ہوئے بیٹھ گیا اور تمسخر کے انداز میں کہنے لگا کہ کیا کوئی نئی بات ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں، وہ کہنے لگا: کونسی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''آج رات مجھے سیر کروائی گئی؟ کہنے لگا: کہاں تک؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیت المقدس تک'' کہنے لگا: پھر صبح تم نے ہمارے ہاں ہی کی؟ فرمایا: ہاں۔ اس نے فوری طور پر آپ کی تکذیب کو مناسب خیال نہ کیا کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ اگر اس نے اپنی قوم کو بلایا تو ممکن ہے آپ اپنی بات کی تردید کر دیں، اس لئے وہ آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ اگر میں اپنی قوم کو بلا لوں تو کیا آپ ان کے سامنے بھی یہی بات دہرائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے بنی کعب بن لوی کو آواز دی تو وہ سب کے سب اکٹھے ہو گئے۔ اب ابوجہل آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ اپنی قوم کو وہی بات بتائیں جو آپ ﷺ نے مجھے بتائی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آج رات مجھے سیر کروائی گئی'' وہ پوچھنے لگے: کہاں تک؟ فرمایا: ''بیت المقدس کی طرف'' کہنے لگے: پھر صبح ہمارے ہاں کی؟ فرمایا: ہاں۔ یہ سننا ہی تھا کہ انہوں نے اسے جھوٹ سمجھتے ہوئے تالیاں بجانا شروع کر دیں اور کچھ نے اپنے ہاتھ اپنے سروں پر رکھ لئے۔ پھر کہنے لگے کہ مسجد اقصیٰ کا وصف بیان کریں۔ ان میں سے ایک شخص بیت المقدس کا سفر کر چکا تھا اور اس نے مسجد اقصیٰ دیکھ رکھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں وصف اور نشانیاں بتا تا رہا یہاں تک کہ مجھے کچھ مغالطہ لگ گیا، پھر کیا تھا، مسجد میرے سامنے عیاں کر دی گئی اور میں اسے دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ عقیل یا عقال کے گھر سے بھی زیادہ قریب کر دی گئی، میں اسے دیکھے جا رہا تھا اور اس کے اوصاف بیان کرتا جاتا تھا، بعض اوصاف ایسے تھے جو اب مجھے یاد نہیں۔ یہ سن کر سب لوگ کہنے لگے کہ اوصاف تو آپ نے درست بیان کئے ہیں (2)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ معراج کی رات رسول اللہ ﷺ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے، یہ ساتویں آسمان میں ہے۔ جو چیز اوپر چڑھتی ہے وہ یہاں آ کر رک جاتی ہے، پھر یہاں سے اسے اٹھا لیا جاتا ہے اور جو چیز اس کے اوپر سے نیچے اترتی ہے وہ بھی یہاں تک اترتی ہے، پھر اسے یہاں سے لے لیا جاتا ہے، اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی (النجم: 16) ''جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا'' اس درخت پر سونے کے پروانے چھائے ہوئے تھے۔ رسول خدا ﷺ کو پانچ نمازیں اور سورۂ بقرہ کی آخری آیات عطا کی گئیں اور ہر اس شخص کے کبیرہ گناہ معاف کئے جانے کا وعدہ ہوا جو شرک کا ارتکاب نہیں کرتا (3)۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت حدیث معراج کا ایک حصہ ہے۔ اس حدیث کو حضرات انس بن مالک اور ابوذر رضی اللہ عنہما نے بھی روایت کیا

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی جلد 2 صفحہ 388-389 　 2۔ مسند احمد جلد 1 صفحہ 309، دلائل النبوۃ از بیہقی جلد 2 صفحہ 363-364

4۔ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد 1 صفحہ 157، دلائل النبوۃ از بیہقی جلد 2 صفحہ 372-373

ہے۔ بیہقی نے تین احادیث وارد کی ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے مبسوط اور مفصل حدیث بھی بیان کی ہے جس میں غرابت ہے۔ حسن بن عرفہ نے اسے اپنے مشہور جزو میں نقل کیا ہے۔ حضرت ابوظبیان الجنبی بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرات ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود اور محمد بن سعد بن ابی وقاص کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ محمد بن سعد ابوعبیدہ سے کہنے لگے کہ معراج کی بابت جو کچھ آپ نے اپنے والد محترم سے سنا ہے، وہ ہمیں بتائیے۔ ابوعبیدہ نے کہا کہ نہیں بلکہ آپ اپنے والد گرامی سے سنی ہوئی حدیث سے ہمیں آگاہ کریں۔ محمد بن سعد کہنے لگے کہ اگر آپ مجھ سے پہلے سوال کرتے تو میں ضرور بتاتا۔ چنانچہ ابوعبیدہ اپنے والد محترم سے سنی ہوئی روایت بیان کرنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جبریل میرے پاس سواری کا جانور لائے جو گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا، اس پر انہوں نے مجھے سوار کروایا، پھر وہ (براق) ہمیں لے کر چلا، جب وہ کسی اونچائی پر چڑھتا تو اس کی ٹانگیں ہاتھوں کے برابر ہو جاتیں اور جب نیچے کی طرف اترتا تو اس کے ہاتھ پاؤں کے برابر ہو جاتے، یہاں تک کہ ہم ایک طویل القامت، سیدھے بالوں والے اور گندمی رنگ کے آدمی کے پاس سے گزرے، وہ آدمی گویا ازدشنوءہ کے آدمیوں جیسا ہے۔ وہ بآواز بلند کہہ رہا تھا کہ تو نے اس کی تکریم کی اور اسے فضیلت عطا فرمائی۔ ہم اس شخص کے پاس گئے اور سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا اور جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟ جبریل نے بتایا کہ یہ احمد (ﷺ) ہیں۔ وہ کہنے لگے: مرحبا اے امی عربی نبی جنہوں نے اپنے رب کا پیغام پہنچایا اور اپنی امت کی خیر خواہی کی۔ آگے بڑھے تو میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے بتایا: موسیٰ بن عمران۔ میں نے پوچھا کہ یہ کس سے شکوہ کر رہے ہیں؟ جواب ملا کہ آپ کے بارے میں اپنے رب سے۔ میں نے کہا کہ اپنے رب کی جناب میں اور اس قدر بلند آواز سے۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی تیزی اور حدت معلوم ہے۔ پھر آگے بڑھے تو ہمارا گزر ایک درخت سے ہوا۔ اس کے پھل گویا چراغ ہیں۔ اس درخت کے نیچے ایک بزرگ اور ان کے بچے بیٹھے ہوئے تھے۔ جبریل علیہ السلام نے مجھے کہا کہ اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی طرف چلئے۔ چنانچہ ہم ان کی طرف بڑھے۔ انہیں سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا اور جبریل علیہ السلام سے میری بابت پوچھنے لگے۔ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ کے بیٹے احمد ﷺ ہیں۔ فرمانے لگے کہ خوش آمدید، امی نبی جنہوں نے اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور اپنی امت کی خیر خواہی کی۔ اے میرے بیٹے! آپ آج کی شب اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں، آپ کی امت سب سے آخری اور کمزور امت ہے اس لئے جس قدر ممکن ہو اپنی امت کیلئے آسانی حاصل کر لینا۔ پھر ہم سفر کرتے کرتے مسجد اقصیٰ پہنچ گئے۔ یہاں اتر کر میں نے سواری کو اس حلقہ کے ساتھ باندھ دیا جس کے ساتھ انبیاء کرام باندھا کرتے تھے، پھر مسجد میں داخل ہو گیا۔ وہاں میں نے انبیاء علیہم السلام کو پہچان لیا، کوئی قیام میں ہے، کوئی رکوع میں اور کوئی سجدہ میں۔ پھر میرے پاس شہد اور دودھ کے دو جام لائے گئے۔ میں نے دودھ لے کر پی لیا۔ جبریل علیہ السلام نے میرے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا کہ رب محمد کی قسم! آپ نے فطرت کو پا لیا۔ پھر نماز کے لئے اقامت ہوئی تو میں نے انہیں امامت کروائی۔ پھر واپس لوٹ آئے'' (1)۔ اس روایت کی سند غریب ہے۔ اس میں چند عجیب و غریب چیزیں ہیں مثلاً انبیاء کا آپ کے متعلق پہلے دریافت کرنا پھر حضور ﷺ کا ان کی بابت پوچھنا حالانکہ صحیح حدیثوں میں مشہور بات یہی ہے کہ انبیاء کے ساتھ ملاقات سے پہلے ہی جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کو ان کے متعلق آگاہ کر دیتے تاکہ آپ جان پہچان والا اسلام کر سکیں۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ مسجد اقصیٰ میں داخل ہونے سے پہلے آپ کی انبیاء کے ساتھ

1۔ جزء الحسن بن عرفۃ 80-82

ملاقات ہوئی حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ ان حضرات سے آپ کی ملاقات آسمانوں پر ہوئی، پھر جب دوبارہ بیت المقدس اترے تو انبیاء کرام بھی آپ کے ساتھ تھے اور یہاں آپ نے انہیں نماز پڑھائی۔ پھر براق پر سوار ہو کر واپس مکہ لوٹ آئے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "معراج کی رات حضرات ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے میری ملاقات ہوئی۔ ان کے درمیان قیامت کے متعلق مذاکرہ ہوا۔ انہوں نے اس معاملہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر چھوڑ دیا۔ وہ فرمانے لگے کہ قیامت کے (وقت کے) متعلق مجھے کوئی علم نہیں، پھر انہوں نے یہ معاملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹا دیا، انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا، پھر انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ قیامت کے مقررہ وقت کے متعلق مجھے آگاہ نہیں کیا گیا، سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو اس کے متعلق علم نہیں، البتہ میرے رب نے مجھے یہ بتایا ہے کہ دجال نکلنے والا ہے، میرے پاس دو چھڑیاں ہوں گی، جب وہ مجھے دیکھے گا تو سیسے کی طرح پگھل جائے گا، اس کا میرے ساتھ آمنا سامنا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کردے گا، پھر یہ کیفیت ہوگی کہ پتھر اور درخت بھی پکار پکار کر کہیں گے کہ اے مرد مسلمان! میرے پیچھے کافر ہے، آؤ اور اسے قتل کر ڈالو پھر لوگ اطمینان سے اپنے اپنے شہروں اور وطنوں کی طرف لوٹ جائیں گے۔ اسی دوران یاجوج ماجوج نکلیں گے اور وہ ہر اونچائی سے اچھلتے کودتے آئیں گے، شہروں کو پامال کردیں گے، جو چیز ہاتھ لگی اسے تباہ و برباد کردیں گے اور جس پانی سے ان کا گزر ہوگا اسے پی جائیں گے۔ لوگ پریشان حال میرے پاس ان کی شکایت لے کر آئیں گے، میری بددعا سے اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کردے گا۔ یہاں تک کہ ان کی لاشوں کی سڑاند سے زمین سخت بدبودار ہو جائے گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا جو ان کی لاشوں کو بہا کر سمندر میں ڈال دے گی، میرے رب نے مجھے آگاہ کیا ہے کہ جب ایسا ہوگا تو اس وقت قیامت (قرب وقوع میں) ایسی حاملہ عورت کی طرح ہوگی جس کے حمل کی مدت پوری ہو چکی ہو کہ نہ معلوم رات کو ولادت ہو جائے یا دن کو(1)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ جس رات آپ ﷺ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی، اس رات آپ زمزم اور مقام ابراہیم علیہ السلام کے درمیان تھے۔ جبریل علیہ السلام آپ کی دائیں جانب تھے اور میکائیل بائیں طرف، وہ آپ ﷺ کو لے کر پرواز کر گئے یہاں تک کہ آسمانوں کی بلندیوں پر پہنچ گئے۔ واپس لوٹتے وقت آپ نے اور تسبیحوں کے ساتھ آسمانوں کی تسبیحیں بھی سنیں۔ اس حدیث کو ہم اسی سورت کی اس آیت کی تفسیر میں ذکر کریں گے۔ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ (2)۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جابیہ میں تھے، بیت المقدس کی فتح کا ذکر ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہارا کیا خیال ہے مجھے کہاں نماز پڑھنی چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ میری رائے لیتے ہیں تو آپ صخرہ کے پیچھے نماز پڑھیں، اس طرح سارا بیت المقدس آپ کے سامنے رہے گا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے تو یہودیت کی مشابہت اختیار کی، میں تو اسی جگہ نماز پڑھوں گا جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی۔ چنانچہ آپ قبلہ کی طرف بڑھے اور نماز ادا کی۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ نے اپنی چادر بچھائی اور صخرہ کے آس پاس سے کوڑا کرکٹ اکٹھا کر کے چادر میں باندھ کر باہر پھینکنا شروع کیا، یہ دیکھ کر لوگوں نے بھی اس کی صفائی میں حصہ لیا اور جھاڑو دینے لگے۔ آپ نے یہودیوں کی طرح صخرہ کی تعظیم نہیں کی جو اس کے پیچھے نماز پڑھتے اور یہ ان کے سامنے ہوتا، جیسا کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا تھا۔ دراصل حضرت کعب کا تعلق (قبول اسلام سے پہلے)

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، 4081، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 375　　2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بنی اسرائیل: 44

یہود سے تھا جنہوں نے صخرہ کی حد سے زیادہ تعظیم کرتے ہوئے اسے قبلہ بنا رکھا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے ان پر احسان فرمایا اور انہیں حق کی راہ دکھائی، اسلئے جب انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ دیا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے یہودیت کی مشابہت کی، اور نہ آپ رضی اللہ عنہ نے نصاریٰ کی طرح صخرہ کی اہانت کی جنہوں نے محض اس وجہ سے کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ بنا رکھا تھا کہ یہ یہود کا قبلہ ہے، بلکہ خود اپنے ہاتھوں سے کوڑا کرکٹ اپنی چادر میں جمع کر کے باہر پھینکا (1)۔ یہ صحیح مسلم کی اس حدیث کے مشابہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَيْهَا'' (2) (نہ تو قبروں پر بیٹھو اور نہ ان کی طرف نماز پڑھو)۔

امام ابوجعفر بن جریر سورۂ بنی اسرائیل کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی طویل روایت بیان کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کے ساتھ میکائیل علیہ السلام تھے۔ جبریل علیہ السلام نے میکائیل علیہ السلام سے کہا کہ آب زمزم کا ایک طشت میرے پاس لاؤ تاکہ میں ان کے دل کو پاک کردوں اور ان کے سینہ کو کھول دوں۔ چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ کا پیٹ چاک کیا اور اسے تین بار دھویا۔ تینوں بار حضرت میکائیل علیہ السلام آب زمزم کے تین طشت لائے، جبریل علیہ السلام نے آپ کے سینے کو کھول دیا اور ہر غیر مناسب چیز سے پاک کر کے اس میں علم، حلم، ایمان، ایقان اور اسلام بھر دیا اور آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت لگا دی، پھر ایک گھوڑے پر بٹھا کر محو سفر ہوئے، تاحد نظر اس کا قدم پڑتا۔ آپ ﷺ نے ایک قوم کو دیکھا جو ایک دن میں کھیتی کاشت کرتی ہے اور اسی دن کاٹ لیتی ہے، جونہی وہ اسے کاٹتے ہیں وہ فوراً پہلے کی طرح ہو جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا: جبریل علیہ السلام! یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ راہ خدا میں جہاد کرنے والے ہیں جن کی نیکی کا اجر سات سو گنا تک بڑھتا ہے۔ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (سبا:39) ''اور جو چیز تم خرچ کرتے ہو وہ اس کی جگہ اور دے دیتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے''۔ پھر آپ ﷺ کا گزر ایسے لوگوں سے ہوا جن کے سر پتھروں کے ساتھ کچلے جا رہے تھے۔ کچلے جانے کے بعد وہ پھر ٹھیک ہو جاتے، اس عذاب سے ذرا بھی تاخیر نہ ہوتی۔ آپ ﷺ نے جبریل سے ان کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے سر فرض نمازوں کے وقت بوجھل ہو جایا کرتے تھے، پھر آپ ایسے لوگوں کے پاس آئے جن کے آگے اور پیچھے چیتھڑے لٹک رہے تھے، وہ اونٹوں اور جانوروں کی طرح چر رہے تھے اور کانٹے دار کڑوی جھاڑیاں، جہنم کے پتھر اور انگارے کھا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اموال کی زکوٰۃ نہیں دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرتا بھی نہیں۔ بعد ازاں آپ ﷺ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جن کے سامنے ایک ہنڈیا میں پکا ہوا صاف ستھرا گوشت ہے اور دوسری میں بدبودار خبیث کچا گوشت۔ یہ خبیث کچے گوشت کو کھا رہے تھے اور پکے ہوئے عمدہ گوشت کو چھوڑ رہے تھے۔ آپ نے ان کے متعلق پوچھا تو جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ وہ مرد ہیں جن کے پاس حلال طیب بیویاں تھیں لیکن وہ انہیں چھوڑ کر خبیث عورتوں کے پاس رات گزارتے اور وہ عورتیں ہیں جو اپنے حلال طیب خاوندوں کو چھوڑ کر خبیث مردوں کے پاس رات گزارتی تھیں۔ پھر آپ نے راستے میں ایک لکڑی دیکھی، جو کپڑا اس کے نزدیک آتا اسے پھاڑ دیتی اور جو چیز وہاں سے گزرتی اسے چاک کر دیتی۔ آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ آپ کی امت کے ایسے لوگوں کی مثال ہے جو رستہ روک کر بیٹھ جاتے ہیں، پھر اس آیت کی تلاوت کی: وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَ

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 38

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، جلد 2 صفحہ 668

تَصُدُّوْنَ (الاعراف:86) ''اور راستوں پر مت بیٹھا کرو کہ ڈراتے ہو تم (راہ گیروں کو) اور روکتے ہو راہ خدا سے''۔ پھر آپ ﷺ ایک ایسے آدمی کے پاس آئے جس نے لکڑیوں کا ایک بہت بڑا گٹھا بنا رکھا تھا لیکن اسے اٹھا نہیں سکتا تھا، اس کے باوجود لکڑیوں میں اضافہ کئے جا رہے تھا۔ آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ کی امت کا وہ آدمی ہے جس کے ذمے لوگوں کی امانتیں اور حقوق ہیں، ان کی ادائیگی سے قاصر ہونے کے باوجود اس بوجھ میں اور اضافہ کر رہا ہے۔ پھر آپ ﷺ ایسے لوگوں کے پاس آئے جن کی زبانیں اور ہونٹ لوہے کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ کٹنے کے فوراً بعد درست ہو جاتے، اس کارروائی میں ذرا بھی سستی کا مظاہرہ نہ ہوتا۔ جبریل علیہ السلام سے پوچھنے پر پتہ چلا کہ یہ فتنہ پرور خطباء ہیں۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے ایک چھوٹا سا پتھر دیکھا جس میں سے بہت بڑا بیل نکل رہا ہے، بیل اسی جگہ واپس لوٹنا چاہتا ہے جہاں سے نکلا تھا لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ جبریل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ وہ شخص ہے جو بڑی بات منہ سے نکالتا ہے، پھر اس پر نادم ہوتا ہے لیکن اسے لوٹنے پر قادر نہیں۔ پھر آپ ﷺ ایک وادی پر پہنچے جہاں آپ نے پیاری پیاری خوشگوار ٹھنڈی ہوا اور کستوری کی خوشبو پائی اور ایک آواز سنی۔ اس کے متعلق جبریل علیہ السلام سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ جنت کی آواز ہے، وہ کہہ رہی ہے کہ اے میرے رب! مجھ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا فرما، میرے بالا خانے، باریک ریشم، اطلس، نقش و نگار والے قالین، لؤلؤ، مرجان، سونا، چاندی، جام، پیالے، کٹورے، دو ننگے، چھاگل، شہد، پانی، دودھ اور شراب بکثرت ہیں، اب مجھے وہ عطا فرما جس کا تو نے میرے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا کہ تمام مسلمان اور مومن مرد اور عورتیں تمہارے ہوئے جو مجھ پر اور میرے رسولوں پر ایمان لائے، نیک اعمال کئے، میرے ساتھ انہوں نے کسی کو شریک نہ ٹھہرایا اور نہ ہی کسی کو میرا ہمسر بنایا۔ جو مجھ سے ڈرا وہ ہر خوف سے محفوظ رہتا، جس نے مجھ سے سوال کیا، میں اسے عطا کرتا ہوں، جو مجھے قرض دیتا ہے، میں اسے اس کا بدلہ دیتا ہوں اور جو مجھ پر بھروسہ کرتا ہے میں اسے کافی ہو جاتا ہوں۔ میں معبود حقیقی ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ مومن یقیناً دونوں جہانوں میں بامراد ہیں اور اللہ تعالیٰ بہت بابرکت ہے جو سب سے بہتر خالق ہے۔ یہ سن کر جنت نے کہا کہ اب میں خوش ہوگئی۔

پھر آپ ایک وادی پر پہنچے جہاں سے نہایت بھیانک آواز اور سخت بدبو آ رہی تھی آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ بو اور آواز کیسی ہے؟ جبریل علیہ السلام نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ جہنم کی آواز ہے، وہ کہہ رہا ہے کہ میری زنجیریں، طوق، دہکتی ہوئی آگ، کھولتا ہوا پانی، کانٹے دار جھاڑیاں، پیپ اور دیگر قسم قسم کے عذاب بکثرت ہیں۔ میری گہرائی بہت زیادہ ہے اور آگ نہایت شدید۔ اب میرے ساتھ کیا ہوا اپنا وعدہ پورا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو ہر مشرک، کافر، خبیث، مرد اور عورت اور ہر اس جابر کا ٹھکانہ ہے جو قیامت پر ایمان نہیں لاتا۔ یہ سن کر جہنم نے کہا کہ اب میں خوش ہوں۔ بعد ازاں آپ ﷺ چلتے چلتے بیت المقدس پہنچ گئے۔ یہاں صخرہ کے پاس اپنی سواری کو باندھ دیا، پھر مسجد میں داخل ہو کر فرشتوں کے ساتھ نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو فرشتوں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ محمد ﷺ۔ فرشتے پوچھنے لگے کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ فرشتے آپ ﷺ کو خوش آمدید کہتے ہوئے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ایک بھائی اور خلیفہ کی حیثیت سے عمر دراز فرمائے، آپ نہایت اچھے بھائی، جلیل القدر خلیفے اور معزز مہمان ہیں۔ پھر آپ کی ملاقات انبیاء کرام کی ارواح سے ہوئی۔ سب نے اپنے رب کی حمد و ثنا کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے اپنا خلیل بنایا، ملک عظیم عطا فرمایا، مجھے ایسا اطاعت گزار

امام بنایا کہ میری اقتداء کی جاتی ہے، مجھے آگ سے بچا لیا اور اسے میرے لئے ٹھنڈک اور سلامتی کا حامل بنا دیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی حمد وثنا کرتے ہوئے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے اپنے ساتھ ہمکلامی کا شرف عطا فرمایا، میرے ہاتھوں آل فرعون کو ہلاک کیا اور بنی اسرائیل کو نجات دلائی اور میری امت میں ایسے لوگ پیدا کئے جو حق کے ساتھ رہنمائی کرتے ہیں اور اس کے ساتھ عدل وانصاف کرتے ہیں، پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کی حمد وثنا کرتے ہوئے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے عظیم بادشاہت سے نوازا، مجھے زبور کا علم عطا فرمایا، لوہا میرے لئے نرم کر دیا، پہاڑوں اور پرندوں کو میرے لئے مسخر کر دیا کہ وہ بھی میرے ساتھ اللہ کی تسبیح بیان کرتے اور مجھے حکمت اور موثر کلام سے سرفراز فرمایا۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے رب کی حمد وثنا کرتے ہوئے فرمایا: الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے میری خاطر ہواؤں کو مسخر کر دیا، شیاطین کو میرا تابع فرمان بنا دیا جو میری خواہش کے مطابق میرے لئے پختہ عمارتیں، مجسمے، حوضوں جیسے بڑے بڑے لگن اور بھاری دیگیں بناتے جو چولہوں پر جمی رہتیں مجھے پرندوں کی بولیاں سکھائیں، ہر چیز میں مجھے فضیلت بخشی، شیطانوں، انسانوں اور جنوں کے لشکر میرے مطیع بنا دیئے، اپنے بہت سے بندوں پر مجھے فضیلت عطا فرمائی اور مجھے ایسا عظیم ملک عطا فرمایا جو میرے بعد کسی کے لائق نہیں اور سلطنت بھی اتنی عمدہ کہ جس میں کوئی حساب نہ تھا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کی حمد وثناء کرتے ہوئے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے اپنا کلمہ بنایا، مجھے آدم (علیہ السلام) کی مثل بنایا جسے مٹی سے پیدا کیا پھر فرمایا کہ ہو جا اور وہ ہو گئے، مجھے کتاب وحکمت اور تورات وانجیل کا علم مرحمت فرمایا، مجھے یہ توفیق ارزانی فرمائی کہ میں مٹی کا پرندہ بناتا، پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ اللہ کے اذن سے پرندہ بن کر اڑنے لگتا، میں مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا بخشتا اور اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اٹھا لیا، پاک صاف کر دیا اور مجھے اور میری والدہ کو شیطان مردود سے پناہ دی چنانچہ شیطان کو ہم پر کوئی زور حاصل نہ تھا۔ آخر میں حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: "تم سب اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کر چکے، اب میں اپنے رب کی حمد وثناء کرتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے رحمۃ للعالمین کے مقام پر فائز کیا، تمام لوگوں کے لئے مجھے بشیر اور نذیر بنایا، مجھ پر قرآن کریم نازل کیا جس میں ہر چیز کا بیان ہے، میری امت کو سب سے افضل امت بنایا جسے لوگوں کی فلاح وبہبود کے لئے پیدا کیا گیا، اسے بہترین امت قرار دیتے ہوئے اول بھی ٹھہرایا اور آخر بھی، میرے لئے میرا سینہ کھول دیا، میرے بوجھ کو مجھ سے دور کر دیا، میرے لئے میرے ذکر کو بلند فرمایا اور مجھے فاتح (آغاز کرنے والا) اور خاتم (ختم کرنے والا) بنایا"۔ یہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انبیاء کرام سے فرمایا کہ انہیں خصوصیات کے باعث اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو تم سب سے فضیلت عنایت کی ہے۔ ابو جعفر رازی کہتے ہیں کہ خاتم کا معنی ہے سلسلۂ نبوت کو ختم کرنے والے اور فاتح کا معنی ہے روز قیامت شفاعت کا آغاز کرنے والے۔

پھر آپ ﷺ کے پاس تین سربند برتن لائے گئے، ایک میں پانی تھا، اسے پینے کے لئے کہا گیا تو آپ ﷺ نے اس میں سے تھوڑا سا پانی لیا، پھر دوسرا برتن پیش کیا گیا، اس میں دودھ تھا، اسے پینے کے لئے کہا گیا تو آپ ﷺ نے اس میں سے خوب سیر ہو کر پیا، پھر شراب سے بھرا ہوا برتن پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس کی خواہش نہیں، میں سیر ہو چکا ہوں۔ جبرئیل علیہ السلام کہنے لگے کہ اسے آپ کی امت پر حرام قرار دے دیا جائے گا، اگر آپ اس میں سے پی لیتے تو آپ کی امت میں سے بہت کم لوگ آپ کی پیروی کرتے۔ پھر جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کو لے کر آسمانوں کی طرف چڑھے، دروازہ کھلوایا تو پوچھا گیا کہ ساتھ کون ہے؟ جبرئیل نے

السلام نے بتایا: محمد ﷺ۔ پوچھا گیا کہ کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں، تو فرشتے آپ ﷺ کو مرحبا کہتے ہوئے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک بھائی اور خلیفہ کی حیثیت سے عمر دراز عطا فرمائے۔ آپ کیا ہی اچھے بھائی، جلیل القدر خلیفہ اور معزز مہمان ہیں! اسی وقت دروازہ کھول دیا گیا، آپ ﷺ داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کامل تخلیق والے ایک شخص ہیں، عام لوگوں کی طرح ان کی تخلیق میں کوئی نقص نہیں، ان کی دائیں جانب ایک دروازہ ہے جہاں سے عمدہ خوشبو مہک رہی ہے اور بائیں جانب ایک اور دروازہ ہے جس سے بدبو آ رہی ہے۔ جب وہ دائیں طرف والے دروازے کو دیکھتے ہیں تو ہنس دیتے ہیں اور مسرت کا اظہار کرتے ہیں اور جب بائیں طرف والے دروازے کو دیکھتے ہیں تو غم و اندوہ کا اظہار کرتے ہوئے رو دیتے ہیں، میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کامل خلقت والے کون بزرگ ہیں جن کی تخلیق میں کوئی نقص نہیں اور یہ دونوں دروازے کیسے ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ کے باپ آدم علیہ السلام ہیں، ان کی دائیں جانب جنت کا دروازہ ہے، جب وہ اپنی اولاد میں سے کسی کو جنت میں داخل ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ہنستے اور مسرور ہو جاتے ہیں اور ان کی بائیں جانب جہنم کا دروازہ ہے، جب اپنی ذریت میں سے کسی کو اس دروازے سے داخل ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں تو غمزدہ ہو کر رو دیتے ہیں۔ پھر جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کو لے کر دوسرے آسمان تک پہنچے، وہاں کے فرشتوں کے ساتھ بھی وہی سوال و جواب ہوئے جو پہلے آسمان کے فرشتوں کے ساتھ ہوئے تھے اور ان کی طرح اس آسمان کے فرشتوں نے بھی آپ کو خوش آمدید کہا۔ دوسرے آسمان میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے دو نوجوان دیکھے، جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ دونوں نوجوان کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ دونوں خالہ زاد عیسیٰ بن مریم اور یحییٰ بن زکریا علیہما السلام ہیں۔ تیسرے آسمان پر بلکہ ہر آسمان پر فرشتوں کے ساتھ مذکورہ گفتگو اور سوال جواب ہوئے، یہاں آپ نے ایک ایسی شخصیت دیکھی جنہیں حسن و جمال میں لوگوں پر وہی فضیلت حاصل تھی جو چودھویں کے چاند کو باقی تمام ستاروں پر۔ آپ ﷺ نے ان کے متعلق دریافت کیا تو جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ کے بھائی یوسف علیہ السلام ہیں۔ چوتھے آسمان پر ایک شخص کو دیکھا، دریافت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بلند مقام پر اٹھالیا۔ پانچویں آسمان میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے وہاں ایک آدمی دیکھا، ان کے اردگرد کچھ لوگ بیٹھے ان سے باتیں کر رہے تھے۔ جبریل علیہ السلام سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ ہردلعزیز ہارون علیہ السلام ہیں اور ان کے اردگرد بیٹھے ہوئے لوگ بنی اسرائیل ہیں۔ چھٹے آسمان پر ایک صاحب کے پاس سے آپ کا گزر ہوا، ان سے آپ تجاوز کرنے لگے تو وہ رو دیئے۔ جبریل علیہ السلام نے پوچھنے پر بتایا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کے رونے کی وجہ پوچھی تو جبریل علیہ السلام نے بتایا: موسیٰ علیہ السلام یہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کا میرے متعلق یہ خیال ہے کہ میں اولاد آدم میں سب سے زیادہ جلیل القدر ہوں، لیکن اولاد آدم میں سے یہ شخص ہیں جو دنیا میں میرے بعد تشریف لائے ہیں اور میں آخرت میں ہوں، اگر صرف یہی ہوتے تو مجھے کوئی پروا نہ تھی، لیکن ہر نبی کے ساتھ اس کی امت ہے۔ ساتویں آسمان میں داخل ہوئے تو وہاں آپ نے دیکھا کہ جنت کے دروازے کے پاس کرسی پر سیاہ و سفید بالوں والے ایک صاحب بیٹھے ہوئے ہیں، ان کے اردگرد کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، ان میں سے بعض کے چہرے نہایت سفید اور روشن ہیں اور بعض کے چہروں اور رنگوں میں خفیف سی سیاہی ہے۔ یہ مؤخر الذکر لوگ اٹھے اور ایک نہر میں کود گئے، اس میں غسل کرنے کے باعث ان کے رنگ کچھ صاف ہو گئے، پھر ایک اور نہر میں داخل ہوئے، غسل کیا تو ان کی رنگت کچھ نکھر آئی۔ پھر ایک اور نہر میں داخل ہو کر غسل کیا، باہر نکلے تو ان کے رنگ بالکل صاف اور چہرے روشن ہو چکے تھے۔ اب یہ بھی اپنے ساتھیوں جیسے دکھائی دیتے تھے۔ اب یہ

بھی اپنے ان دوستوں کے ساتھ آ بیٹھے۔ دریافت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ کرسی پر بیٹھے ہوئے شخص آپ کے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور سب سے پہلے روئے زمین پر آپ کے بال سفید ہوئے۔ سفید رنگ اور روشن چہروں والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا اور وہ جن کی رنگت میں کچھ سیاہی سی تھی، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نیکیوں کے ساتھ برائیوں کا بھی ارتکاب کیا لیکن توبہ کر لینے کے باعث اللہ تعالیٰ نے ان پر کرم فرمایا۔ جہاں تک نہروں کا تعلق ہے تو ان میں سے پہلی نہر رحمت اللہ ہے، دوسری نعمت اللہ اور تیسری شراب طہور کی نہر۔ ازاں بعد آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہاں صرف وہی شخص پہنچتا ہے جو آپ کی سنت پر کاربند رہتا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ سدرہ کے اس درخت کی جڑوں سے پاکیزہ پانی، نہ قابل تغیر تازہ دودھ، لذت آور شراب اور خالص شہد کی نہریں پھوٹ رہی تھیں۔ سدرہ ایسا درخت ہے جس کے سائے کو ایک سوار ستر سال کے سفر کے باوجود طے نہیں کر سکتا۔ اس کا ایک پتہ ایک پوری امت کو ڈھانپ لے، اللہ تعالیٰ کا نور اس پر چھایا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کے باعث فرشتے پرندوں کی طرح سدرہ کو چھپائے ہوئے تھے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے گفتگو کی اور فرمایا کہ مجھ سے مانگو۔ آپ ﷺ نے عرض کی کہ اے میرے رب! تو نے ابراہیم کو خلیل بنایا اور انہیں ملک عظیم سے نوازا، موسیٰ کو ہمکلامی کا شرف بخشا، داؤد کو عظیم بادشاہت مرحمت فرمائی، ان کے لئے لوہا نرم کر دیا اور پہاڑ ان کے لئے مسخر کر دیے، تو نے سلیمان کو سلطنت عطا کی، جن، انسان اور شیاطین ان کے تابع بنا دیئے، ہوائیں ان کے لئے مسخر کر دیں اور انہیں ایسی سلطنت ارزانی فرمائی جو ان کے بعد کسی کو لائق نہیں اور تو نے عیسیٰ کو تورات و انجیل کا علم دیا اور انہیں یہ قوت دی کہ وہ مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا بخشتے اور تیرے اذن سے مردوں کو زندہ کر دیتے اور تو نے انہیں اور ان کی والدہ کو شیطان مردود سے پناہ دی، چنانچہ شیطان کو ان پر کوئی زور حاصل نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے آپ کو خلیل بنایا۔ تورات میں آپ کا لقب خلیل الرحمٰن ہے۔ میں نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا، میں نے آپ کے لئے آپ کے سینہ کو کھول دیا، آپ سے آپ کے بوجھ کو اتار دیا، آپ کے لئے آپ کے ذکر کو بلند کیا، جب بھی میرا ذکر کیا جائے، میرے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جاتا ہے، میں نے آپ کی امت کو سب امتوں سے افضل بنایا اور اسے امت وسط ٹھہرایا، آپ کی امت ہی اول اور آخر ہے، ان کا خطبہ اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ یہ گواہی نہ دے لیں کہ آپ میرے بندے اور رسول ہیں، میں نے آپ کی امت میں سے ایسے لوگ پیدا کیے جن کے دل ان کی کتابیں ہیں، میں نے انبیاء میں سے سب سے پہلے آپ کو پیدا کیا اور سب سے آخر میں بھیجا اور فیصلہ کے لحاظ سے بھی آپ ﷺ اول ہیں، میں نے آپ کو ایسی سات آیات دیں جو بار بار دہرائی جاتی ہیں اور یہ پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں، میں نے آپ کو عرش تلے خزانوں میں سے سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں مرحمت فرمائیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کیں، میں نے آپ کو کوثر سے نوازا، میں نے آپ کو آٹھ حصے ارزانی فرمائے، اسلام، ہجرت، جہاد، نماز، صدقہ، رمضان کے روزے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور میں نے آپ کو فاتح اور خاتم بنایا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میرے رب نے مجھے چھ چیزوں کے ساتھ فضیلت عطا فرمائی ہے: اس نے مجھے آغاز کلام اور اختتام کلام کی خوبیوں سے نوازا، جامع کلمات عطا فرمائے، مجھے تمام لوگوں کی طرف سے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا، ایک ماہ کی مسافت پر دشمنوں کے دلوں میں میرا رعب ڈال دیا، میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا حالانکہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھا اور میرے لئے تمام زمین کو باعث طہارت اور مسجد بنا دیا''۔ آپ ﷺ پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ واپس لوٹے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ ﷺ کو مشورہ دیا کہ آپ کی امت کمزور ہے اور پھر مجھے تو بنی اسرائیل کی مخالفت اور شدت کا سامنا ہو بھی چکا ہے اس لئے

آپ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو کر تخفیف کا مطالبہ کریں۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ پر بار بار چکر لگانے سے اللہ تعالیٰ دس دس نمازوں کی کمی کرتا رہا۔ آخر کار پانچ نمازیں رہ گئیں۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہنے کے باوجود آپ نے فرمایا کہ اب مجھے حیاد امن گیر ہے۔ طلب تخفیف کے لئے اب نہیں جاؤں گا۔ چنانچہ آپ ﷺ سے فرمایا گیا کہ یہ بظاہر پانچ نمازیں ہیں جن کی پابندی کا آپ نے عزم کیا ہے لیکن ثواب پچاس کا ہی ملے گا کیونکہ ہر نیکی کا اجر دس گنا ہے۔ حضور ﷺ نے یہ مژدہ سنا تو بہت مسرور اور راضی ہو گئے۔ آپ ﷺ جاتے وقت جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے تھے تو ان کے لہجے میں شدت اور تلخی تھی لیکن واپس لوٹتے وقت انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ نہایت نرمی اور خیر خواہی کا اظہار کیا (1)۔ اسے ابن جریر کے علاوہ بیہقی اور ابن ابی حاتم نے بھی روایت کیا ہے (2)۔ ابن ابی حاتم ذکر کرتے ہیں کہ ایک راوی عیسیٰ یقین سے نہیں کہتے کہ آپ ﷺ نے اسی آیت سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى کی تفسیر میں یہ واقعہ بیان کیا۔ اس طویل حدیث کے ایک راوی ابوجعفر رازی بقول حافظ ابوزرعہ رازی کمزور حافظے والے تھے اور بعض حضرات نے انہیں ضعیف اور بعض نے ثقہ قرار دیا ہے۔ بہرصورت ان کا حافظہ کمزور تھا، اس لئے ان کی وہ روایت جس میں وہ منفرد ہیں محل نظر ہے۔ اس حدیث کے بعض الفاظ میں بہت زیادہ غرابت اور نکارت ہے۔ اس میں بخاری شریف کی خواب والی حدیث کا بھی کچھ حصہ موجود ہے جس کے راوی حضرت سمرہ بن جندب ہیں (3)۔ محسوس ہوتا ہے کہ یہ روایت متعدد احادیث کا مجموعہ ہے یا خواب یا معراج کے علاوہ کسی اور واقعہ سے اسے لیا گیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''معراج کی رات میری ملاقات موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی، متحرک اور کچھ گھنگھریالے بالوں والے، گویا شنوءہ کے آدمی ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، قد میانہ اور رنگت سرخ گویا ابھی حمام سے نکلے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، میں ان کی اولاد میں سے سب سے زیادہ ان کے مشابہ ہوں۔ میرے پاس دو برتن لائے گئے، ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شراب، مجھے کہا گیا کہ ان دونوں میں سے جسے چاہے لے لو، میں نے دودھ لے کر پی لیا تو مجھے کہا گیا کہ آپ نے فطرت کو پالیا، اگر آپ شراب لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی'' (4)۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں حطیم میں تھا، قریش مجھ سے سفر معراج کی بابت پوچھ رہے تھے، انہوں نے بیت المقدس کے متعلق کچھ ایسی چیزیں دریافت کریں جو میرے ذہن میں محفوظ نہیں تھیں، مجھے بہت زیادہ پریشانی لاحق ہوئی، اسی وقت اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس اٹھا کر میری نظروں کے سامنے لا کھڑا کیا، میں اسے دیکھتا جاتا اور قریش کے سوالوں کے جواب دیتا جاتا۔ میں نے دیکھا کہ میں جماعت انبیاء میں موجود ہوں۔ یہ ہیں شنوءہ کے لوگوں جیسے گھنگھریالے بالوں والے موسیٰ علیہ السلام جو کھڑے نماز ادا کر رہے ہیں، یہ عیسیٰ علیہ السلام کھڑے نماز میں مصروف ہیں، عروہ بن مسعود ثقفی کو ان سے مشابہت حاصل ہے اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں جن کے میں سب سے زیادہ مشابہ ہوں۔ نماز کا وقت ہو گیا تو میں نے انہیں امامت کروائی۔ نماز سے فراغت کے بعد کسی نے مجھے بتایا کہ یہ جہنم کے خازن مالک ہیں۔ میں ان کی طرف متوجہ ہوا تو انہوں نے مجھے سلام کرنے میں پہل کی'' (5)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''معراج کی رات جب

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 6-11 | 2۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 2 صفحہ 396-397 | 3۔ فتح الباری، کتاب التعبیر، جلد 12 صفحہ 438-439

4۔ فتح الباری، کتاب احادیث الانبیاء، جلد 6 صفحہ 476-477 صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 154

5۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 156-157

میں ساتویں آسمان پر پہنچا تو میں نے اپنے اوپر بجلی اور اس کی گرج اور چمک ملاحظہ کی۔ میرا گزر ایسے لوگوں سے ہوا جن کے پیٹ کوٹھریوں جیسے تھے، ان کے اندر سانپ باہر سے ہی صاف دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ سود خور ہیں۔ جب میں آسمان دنیا پر پہنچا تو میں نے نیچے دیکھا کہ گرد و غبار، دھواں اور کچھ آوازیں آرہی ہیں۔ میرے دریافت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ یہ شیاطین ہیں جو اولاد آدم کی آنکھوں پر منڈلاتے رہتے ہیں تاکہ وہ زمین و آسمان کی وسیع بادشاہت میں غور و فکر نہ کرسکیں۔ اگر ایسا نہ ہوتو لوگوں کو عجائبات نظر آنے لگیں" (1)۔ بیہقی وغیرہ میں حضرات علی بن ابی طالب، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ معراج کی رات رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں سوئے ہوئے تھے۔ ابوعبداللہ حاکم نے ایک طویل حدیث بیان کی ہے جس میں درجات اور فرشتوں وغیرہ کا ذکر ہے، یہ مذکورہ چیزیں قدرت الٰہی سے بعید نہیں بشرطیکہ یہ روایت درست ہو، امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اسراء و معراج کے متعلق ہماری بیان کردہ حدیث کافی ہے (2)، لیکن متعدد تابعین اور مفسرین ائمہ نے اس حدیث کو مرسل بیان کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو رات کے وقت بیت المقدس کی سیر کروائی گئی تو صبح کے وقت لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے چنانچہ کچھ ایسے لوگ مرتد ہوگئے جو آپ ﷺ پر ایمان لائے ہوئے تھے اور آپ کی تصدیق کرتے تھے۔ لوگ بھاگم بھاگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ کیا تمہیں اپنے دوست کی کچھ خبر ہے؟ کہتا ہے کہ اسے آج کی شب بیت المقدس کا سفر کرایا گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا آپ ﷺ نے واقعی ایسا کہا ہے؟ وہ کہنے لگے: ہاں۔ آپ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اگر آپ ﷺ نے واقعی ایسا کہا ہے تو سچ کہا ہے۔ کہنے لگے کہ کیا تم بھی اس کی تصدیق کرتے ہو کہ وہ رات کے وقت بیت المقدس گیا اور صبح ہونے سے پہلے پہلے واپس لوٹ آیا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، میں تو اس سے بھی زیادہ عجیب بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ صبح و شام آپ کے پاس آسمان کی خبریں آتی ہیں۔ اس تصدیق کی بناء پر آپ رضی اللہ عنہ کو صدیق کا لقب ملا۔(3) حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا معراج کی بابت بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جس رات معراج ہوئی اس وقت آپ ﷺ میرے گھر میں سوئے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے عشاء کی نماز ادا کی اور سو گئے، ہم بھی سو گئے، فجر سے کچھ پہلے ہم نے آپ ﷺ کو بیدار کیا، پھر ہم نے آپ کے ساتھ ہی صبح کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد آپ نے فرمایا: "اے ام ہانی! جیسا کہ تمہیں معلوم ہے میں نے یہاں تم لوگوں کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی پھر میں بیت المقدس پہنچا اور وہاں نماز ادا کی، پھر اب صبح کی نماز تمہارے ساتھ ادا کی جیسا کہ تم دیکھ رہی ہو" (4)۔ اس روایت کا ایک راوی کلبی متروک اور ساقط ہے لیکن مسند ابو یعلی میں یہی روایت حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے شرح و بسط کے ساتھ مروی ہے۔ طبرانی میں حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ معراج کی رات میرے گھر میں آرام فرما تھے، رات کے وقت میں نے آپ کو نہ پایا تو اس خوف کے پیش نظر میری نیند اڑ گئی کہ کہیں کوئی قریشی آپ کے درپے آزار نہ ہوگیا ہو لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: "جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے باہر لے آئے، وہاں دروازہ پر خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا جانور کھڑا تھا، انہوں نے مجھے اس

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، جلد 2 صفحہ 763، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 363,353

2۔ دلائل النبوۃ از بیہقی جلد 2 صفحہ 405-404

3۔ دلائل النبوۃ از بیہقی جلد 2 صفحہ 361-360

4۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 2، سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 402

پر سوار کرا دیا اور سفر شروع ہو گیا یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچ گئے۔ جبریل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھایا، وہ سیرت اور صورت میں میرے مشابہ ہیں، موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کروائی، وہ طویل القامت، سیدھے بالوں والے ہیں جیسا کہ ازد شنوءہ کے لوگ ہیں، عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، درمیانہ قد، سرخی مائل سفید رنگت بالکل عروہ بن مسعود ثقفی جیسے۔ جبریل علیہ السلام نے مجھے دجال بھی دکھایا، اس کی دائیں آنکھ مٹی ہوئی تھی اور قطن بن عبدالعزیٰ کے مشابہ تھا۔ اس قدر بیان کرنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں قریش کے پاس جاتا ہوں اور انہیں یہ ساری باتیں بتاتا ہوں۔'' میں نے آپ کا دامن تھام لیا اور اللہ کا واسطہ دے کر عرض کی کہ آپ انہیں یہ بتائیں گے تو وہ آپ کو جھٹلائیں گے اور آپ کی باتوں کا انکار کریں گے۔ مجھے تو خدشہ ہے کہ وہ آپ پر حملہ بول دیں گے لیکن آپ نے جھٹکے سے اپنا دامن چھڑایا اور قریش کی طرف چل دیے، ان کے مجمع میں پہنچ کر آپ نے انہیں وہ ساری باتیں بتا دیں جو مجھے بتائی تھیں۔ یہ سن کر جبیر بن مطعم کہنے لگا کہ اگر تم پہلے کی طرح سچے ہوتے تو ہمارے سامنے ایسی باتیں نہ کرتے۔ ایک اور شخص آپ ﷺ سے پوچھنے لگا کہ کیا فلاں مقام پر تمہیں ہمارا قافلہ ملا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، اللہ کی قسم اور ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا جسے وہ تلاش کر رہے تھے''۔ وہ مزید آپ ﷺ سے دریافت کرنے لگا کہ کیا فلاں قبیلے کے اونٹوں سے آپ کا گزر ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، میں نے فلاں مقام پر انہیں پایا، ان کی ایک سرخ رنگ کی اونٹنی کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ ان کے پاس پانی کا ایک بڑا پیالہ تھا جسے میں نے پی لیا''۔ قریش کہنے لگا کہ ہمیں اونٹوں کی تعداد اور ان کے چرواہوں کے نام بتائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے ان کی گنتی کی ضرورت محسوس نہیں کی'' آپ اسی وقت کھڑے ہوئے تو اونٹ آپ کے سامنے عیاں کر دیے گئے۔ آپ نے ان کی گنتی کر لی اور چرواہوں کو پہچان لیا۔ پھر آپ قریش کے پاس تشریف لائے اور انہیں اونٹوں کی تعداد بھی بتا دی اور چرواہوں کے نام بھی، فرمایا کہ ان میں فلاں فلاں چرواہا ہے اور ایک ان میں ابن ابی قحافہ (ابوبکر) ہے اور یہ قافلہ صبح کے وقت تمہارے پاس ثنیہ پہنچ جائے گا۔'' وہ لوگ ثنیہ جا پہنچے اور آپ ﷺ کی صداقت کو جانچنے کے لئے قافلے کا انتظار کرنے لگے۔ وقت مقررہ پر قافلہ آ پہنچا۔ انہوں نے قافلے والوں سے پوچھا کہ کیا تمہارا اونٹ گم ہوا تھا؟ انہوں نے کہا: ہاں دوسرے قافلے والوں سے پوچھنے لگے کہ کیا تمہاری سرخ اونٹنی کی ٹانگ ٹوٹی تھی؟ وہ کہنے لگے: ہاں۔ مزید پوچھنے لگے کہ کیا تمہارے پاس پانی کا ایک بڑا پیالہ تھا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! میں نے تو بذات خود اسے رکھا تھا، نہ اسے کسی نے پیا اور نہ کسی نے زمین پر گرایا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی تصدیق کی اور اپنے ایمان و ایقان کا اظہار کیا، اسی دن سے آپ کا نام صدیق پڑ گیا(1)۔

مذکورہ بالا احادیث جن میں صحیح بھی ہیں، حسن بھی اور ضعیف بھی، اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو رات کے قلیل حصہ میں مکہ سے بیت المقدس تک سیر کروائی گئی اور یہ واقعہ صرف ایک مرتبہ ہوا، اگرچہ راویوں کی عبارات مختلف ہیں اور بعض نے کمی بیشی بھی کی ہے، لیکن اس میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی بھی غلطی سے معصوم نہیں، اور جن لوگوں نے ہر ہر روایت کو الگ الگ واقعہ سمجھ کر معراج کے متعدد واقعات ثابت کئے ہیں، انہوں نے حقیقت سے بعید اور عجیب و غریب بات کی، غلط مسلک اختیار کیا اور مقصود حاصل نہ کر پائے۔ متاخرین میں سے کسی نے یہ تصریح کی ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک مرتبہ مکہ سے بیت المقدس تک سیر کروائی گئی، ایک مرتبہ مکہ سے آسمان تک، ایک مرتبہ بیت المقدس تک اور وہاں سے آسمان کی طرف۔ یہ حضرت اس موقف پر بہت نازاں ہیں

1۔ معجم کبیر از طبرانی جلد 24 صفحہ 432-434، خصائص کبریٰ از سیوطی، جلد 1 صفحہ 439-441

اور یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اس طرح بہت سے اشکال رفع کر دیئے ہیں لیکن یہ مسلک حقیقت سے بہت دور ہے، سلف میں سے کسی سے یہ منقول نہیں۔ اگر واقعی ایسا ہوتا تو نبی کریم ﷺ ضرور اپنی امت کو اس کی خبر دیتے اور لوگ متعدد بار معراج ہونے کی روایت کرتے۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ معراج ہجرت سے ایک سال پہلے کا واقعہ ہے، عروہ کا بھی یہی قول ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ ہجرت سے سولہ ماہ پہلے کا ہے(1)۔ حق بات یہی ہے کہ آپ ﷺ کو براق پر سوار کر کے مکہ سے بیت المقدس تک عالم بیداری میں سیر کروائی گئی، نہ کہ خواب میں۔ مسجد اقصیٰ کے دروازے پر پہنچ کر قریب ہی آپ ﷺ نے براق کو باندھا اور مسجد میں داخل ہو کر قبلہ رخ دو رکعتیں بطور تحیۃ المسجد ادا کیں، پھر آپ کے پاس معراج لائی گئی یہ درجوں والی سیڑھی ہی تھی جس کے ذریعے آپ آسمانوں کی طرف چڑھے۔ ہر آسمان کے مقربین خدا نے آپ ﷺ کا استقبال کیا۔ آپ نے ان انبیاء کرام کو سلام کیا جو حسب مراتب و درجات آسمانوں میں جلوہ فرما ہیں یہاں تک کہ چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ اور ساتوں میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے ملاقات ہوئی۔ انبیاء کرام علیہم السلام سے آگے بڑھ کر آپ ایسے مقام تک پہنچے جہاں آپ نے قضا وقدر کی قلموں کی آوازیں سنیں۔ سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا جس پر عظمت خدا سایہ فگن تھی، سونے کے پتنگے، انواع واقسام کے رنگ اور فرشتے اس پر چھائے ہوئے تھے، وہاں آپ ﷺ نے جبریل کو ان کی اصل شکل میں دیکھا، ان کے چھ سو پر تھے۔ آپ نے سبز رنگ کا رفرف دیکھا جو افق کو ڈھانپے ہوئے تھا۔ بیت معمور کو دیکھا جس کے ساتھ بانیٔ کعبہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ بیت معمور آسمانی کعبہ ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے عبادت کرنے کے لئے آتے ہیں اور قیامت تک دوبارہ ان کی باری نہیں آتی۔ آپ نے جنت اور دوزخ کو دیکھا۔ پہلے آپ پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں جو کم ہوتے ہوتے پانچ رہ گئیں۔ یہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا لطف وکرم ہے، اس سے نماز کی فضیلت اور شرف کا بھی اظہار ہوتا ہے، پھر آپ نیچے اتر کر بیت المقدس پہنچے، تمام انبیاء بھی آپ ﷺ کے ساتھ اترے اور جب نماز کا وقت ہوا تو آپ نے انہیں نماز پڑھائی، ممکن ہے یہ اس دن کی صبح کی نماز ہو۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے آسمان میں انبیاء کرام کو امامت کروائی لیکن روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امامت بیت المقدس میں کروائی، البتہ بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ نے جاتے وقت امامت کروائی، ظاہر بات یہی ہے کہ آپ ﷺ نے واپس لوٹتے وقت نماز پڑھائی کیونکہ جب آپ آسمانوں میں انبیاء کرام سے ملے تو آپ ﷺ نے جبریل سے ہر ایک کے متعلق دریافت کیا، جبریل آپ کو بتاتے گئے۔ اگر امامت پہلے کروائی ہوتی تو اب تعارف کی کوئی ضرورت نہ تھی، دوسری بات یہ ہے کہ اولین مقصد آپ ﷺ کا بارگاہ خداوندی میں حاضر ہونا تھا تاکہ اللہ تعالیٰ جو چاہے آپ ﷺ پر اور آپ کی امت پر فرض قرار دے دے۔ جب فریضہ نماز معین ہو گیا تو آپ کی ملاقات اپنے انبیاء بھائیوں کے ساتھ ہوئی، پھر جب جبریل علیہ السلام کے اشارہ سے آپ ﷺ نے امام بن کر انبیاء کرام کو نماز پڑھائی تو آپ کی فضیلت اور شرف کا اظہار ہو گیا، پھر آپ بیت المقدس سے نکل کر براق پر سوار ہوئے اور آخر شب کی تاریکی میں واپس مکہ لوٹ آئے۔ اب جو یہ روایات میں آتا ہے کہ آپ کے سامنے دودھ اور شہد یا دودھ اور شراب یا دودھ اور پانی یا چاروں کے برتن پیش کئے گئے تو اس بارے میں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ واقعہ بیت المقدس میں پیش آیا اور بعض کا کہنا ہے کہ آسمان میں۔ ممکن ہے دونوں جگہ ایسا ہوا ہو کیونکہ یہ ایسے ہی ہے جس طرح کسی مہمان کی ضیافت کے لئے کوئی چیز پیش کی جاتی ہے۔

اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ کیا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو روح وبدن دونوں کے ساتھ معراج ہوئی یا صرف روح کے ساتھ؟

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 2 صفحہ 354-355

اکثر علماء کا یہ کہنا ہے کہ آپ ﷺ کو روح و بدن دونوں کے ساتھ بیداری کی حالت میں معراج ہوئی، نہ کہ خواب میں۔ یہ حضرات اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ پہلے آپ ﷺ نے یہ چیزیں عالم خواب میں دیکھی ہوں اور پھر عالم بیداری میں، کیونکہ آپ ﷺ جو بھی خواب دیکھتے تھے، اسے بیداری کی حالت میں صبح کے اجالے کی مثل ملاحظہ فرما لیتے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ اللہ تعالیٰ اپنی تسبیح اور پاکی اس وقت بیان فرماتا ہے جب عظیم اور اہم امور کا تذکرہ مقصود ہو۔ اگر معراج خواب کا واقعہ ہوتی تو اس میں تو کوئی بڑی اور اہم بات نہ تھی، خواب میں تو کچھ بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ اگر یہ واقعہ خواب کا ہی ہوتا تو کفار فوراً آپ کی تکذیب نہ کرتے اور نہ ہی مسلمانوں کی ایک جماعت مرتد ہوتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت میں "عبد" کا لفظ مذکور ہے جس کا اطلاق روح و بدن دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے، پھر اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا فرمانا اس کی مزید تائید کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندۂ خاص کو رات کے قلیل حصہ میں سیر کروائی اور اسے لوگوں کی آزمائش کا سبب بنایا جیسا کہ فرمان ہے: وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (بنی اسرائیل:60) "اور نہیں بنایا ہم نے اس نظارہ کو جو ہم نے آپ کو دکھایا تھا مگر لوگوں کے لئے آزمائش" خواب تو لوگوں کے لئے آزمائش کا سبب نہیں بن سکتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد آنکھوں کا دیکھنا ہے جو معراج کی رات رسول اللہ ﷺ کو دکھایا گیا، اور ملعون درخت زقوم کا درخت ہے(1)۔ اس کی اور دلیل یہ فرمان ہے: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (النجم:17) "نہ درماندہ ہوئی آنکھ اور نہ (حد ادب سے) آگے بڑھی"۔ بصر (نگاہ) انسانی بدن کے آلات میں سے ہے نہ کہ روح کے اور پھر سفید چمکتے جانور (براق) پر سواری کرنا یہ بھی بدن کی خصوصیت ہے نہ کہ روح کی کیونکہ روح کو سواری کی ضرورت ہی نہیں۔ بعض دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ کو معراج روحانی ہوئی نہ کہ جسمانی۔ محمد بن اسحاق سیرت میں لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے جب معراج کے متعلق پوچھا جاتا تو آپ فرماتے: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچا خواب تھا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا جسم غائب نہیں ہوا بلکہ آپ کو روح کے ساتھ معراج ہوئی۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس قول کا انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (بنی اسرائیل:60) اسی بارے میں نازل ہوئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا: اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی (الصافات:102) "میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اب بتا تیری کیا رائے ہے"۔ کچھ عرصہ کے بعد مجھ پر یہ عیاں ہوا کہ انبیاء کرام پر وحی بیداری میں بھی آتی ہے اور خواب میں بھی۔ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے: "تَنَامُ عَیْنَایَ وَقَلْبِیْ یَقْظَانُ" (میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون سی بات سچ ہے اور جب آپ نے قدرت الٰہی کی نشانیاں دیکھیں تو کیا آپ سو رہے تھے یا جاگ رہے تھے؟ بہرصورت سب کچھ حق اور سچ ہے۔ یہ تو تھا ابن اسحاق کا قول(2)۔ لیکن امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اسے رد کرتے ہوئے اور تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا ہے کہ یہ الفاظ قرآنی کے خلاف ہے، پھر اس کی تردید میں بہت سی دلیلیں لائے ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم کر چکے ہیں۔

ایک جلیل القدر عمدہ فائدہ

حافظ ابونعیم اصفہانی اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دحیہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نامہ مبارک

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ بنی اسرائیل، جلد 8 صفحہ نمبر 398
2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 399، تفسیر طبری جلد 15 صفحہ 16

دے کر قیصر روم کے پاس روانہ کیا۔ چنانچہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے۔ ہرقل زیرک اور سمجھدار تھا۔ اس نے شام میں موجود عرب تاجروں کو بلا بھیجا چنانچہ ابوسفیان صخر بن حرب اور اس کے مکی کافر ساتھیوں کو لایا گیا۔ ہرقل نے ان سے وہ مشہور سوالات کئے جو بخاری و مسلم میں مروی ہیں۔ جواب دیتے ہوئے ابوسفیان کی انتہائی کوشش رہی کہ وہ ہرقل کے سامنے آپ ﷺ کے معاملہ کو ہیچ اور آپ ﷺ کی ذات کو حقیر بنا کر پیش کرے۔ لیکن ابوسفیان کا اپنا قول ہے کہ میں آپ ﷺ کو ہرقل کی نظروں سے گرانے کے لئے الزامات اور تہمتیں لگانے سے باز رہا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ اگر ہرقل کے سامنے میرے جھوٹ کا پول کھل گیا تو وہ مجھے جھوٹا سمجھے گا اور میری کسی بات کی تصدیق نہیں کرے گا، اسی دوران مجھے معراج والا واقعہ یاد آ گیا، میں نے بادشاہ سے کہا کہ کیا میں آپ کو ایسی بات نہ بتاؤں جس سے آپ کو اندازہ ہو جائیگا کہ محمد (ﷺ) نے جھوٹ بولا ہے؟ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ کون سی بات ہے؟ میں نے کہا: وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ رات کو ارض حرم سے آپ کی اس مسجد قدس تک پہنچے اور اسی رات صبح ہونے سے پہلے پہلے واپس لوٹ آئے۔ اس وقت ایلیاء (بیت المقدس) کا لاٹ پادری قیصر کے پاس بیٹھا ہوا تھا، وہ میری بات سن کر بول اٹھا کہ مجھے اس رات کا اچھی طرح علم ہے۔ قیصر اسے ایک نظر دیکھ کر پوچھنے لگا کہ آپ کو اس کے متعلق کیا علم ہے؟ وہ بتانے لگا: میرا یہ معمول تھا کہ میں جب تک مسجد کے دروازے بند نہ کر لیتا، سوتا نہیں تھا۔ اس رات میں نے حسب معمول تمام دروازے بند کر دیئے لیکن ایک دروازہ مجھ سے بند نہ ہو سکا۔ اس وقت موجود اپنے آدمیوں کو بلا کر ہم نے پوری قوت صرف کر دی لیکن اسے سرکانے سے بھی قاصر رہے، یوں محسوس ہوتا تھا گویا ہم کسی پہاڑ کو سرکانا چاہتے ہیں۔ بڑھئی بلوائے، وہ بھی لاچار ہو کر کہنے لگے کہ اس پر عمارت کا بوجھ پڑا ہے، اس لئے دروازے کو حرکت دینا ممکن نہیں، صبح ہوگی تو کوئی تدبیر کریں گے۔ چنانچہ میں دروازے کو یونہی چھوڑ کر چلا آیا اور اس شب اس کے دونوں کواڑ کھلے رہے۔ علی الصبح جب میں اس دروازے کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ مسجد کے کونے میں جو پتھر پڑا تھا، اس میں ایک سوراخ ہے اور وہاں واضح آثار دکھائی دے رہے تھے کہ یہاں کسی نے سواری کو باندھا ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آج کی شب یہ دروازہ کسی نبی کے لئے کھلا رکھا گیا ہے اور اس نے ضرور ہماری اس مسجد میں نماز ادا کی ہے۔ یہ حدیث بہت طویل ہے(1)۔

فائدہ: حافظ ابوالخطاب عمر بن دحیہ نے اپنی کتاب ''التنویر فی مولد السراج المنیر'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث معراج روایت کر کے اس پر نہایت مفید اور عمدہ گفتگو کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حدیث معراج متواتر ہے جسے حضرات عمر بن خطاب، علی، ابن مسعود، ابوذر، مالک بن صعصعہ، ابوہریرہ، ابوسعید، ابن عباس، شداد بن اوس، ابی بن کعب، ابوامامہ، سمرہ بن جندب، ابوالحمراء، صہیب رومی، ام ہانی، عائشہ، اسماء رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ بعض نے اس روایت کو طوالت کے ساتھ بیان کیا ہے اور بعض نے اختصار کے ساتھ۔ اگرچہ بعض کی روایت صحت کی شرط پر پوری نہیں اترتی، پھر بھی حدیث معراج پر تمام مسلمانوں کا اجماع اور اتفاق ہے۔ صرف زنادقہ اور ملحدین اس کے منکر ہیں۔ وہ پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نور کی تکمیل کرنے والا ہے اگرچہ کفار کو یہ برا لگے۔

وَ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلًا ۝۲ ذُرِّیَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝۳

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ نمبر 224-226

''اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور بنایا ہم نے اس کتاب کو باعث ہدایت بنی اسرائیل کے لئے (اس میں انہیں حکم دیا) کہ نہ بنانا میرے بغیر کسی کو (اپنا) کارساز۔ اے ان لوگوں کی اولاد جنہیں ہم نے (کشتی میں) سوار کرایا نوح علیہ السلام کے ساتھ! بے شک نوح علیہ السلام ایک شکر گزار بندہ تھا''۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعۂ معراج کے تذکرہ کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا تذکرہ فرما رہا ہے۔ قرآن کریم میں اکثر اللہ تعالیٰ ان دونوں ہستیوں کا ایک ساتھ ذکر فرماتا ہے اور اسی طرح تورات اور قرآن کا بھی۔ اس لئے ذکر معراج کے بعد فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب یعنی تورات عطا فرمائی اور اس کتاب کو بنی اسرائیل کے لئے باعث ہدایت بنا دیا تاکہ وہ میرے سوا کسی کو اپنا کارساز، حامی و ناصر اور معبود نہ بنائیں اور نبی کا تو فریضہ ہی یہی ہوتا ہے کہ وہ توحید اور اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا درس دے۔ پھر فرمایا: ''ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ'' اس سے پہلے ''یا'' حرف ندا محذوف ہے، اس آیت میں بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ اپنے احسان عظیم پر آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اے ان لوگوں کی اولاد جنہیں ہم نے سفینۂ نوح میں سوار کیا تھا! تم اپنے عظیم باپ (نوح علیہ السلام) کی مشابہت اختیار کرو، بلاشبہ وہ شکر گزار بندے تھے۔ میں نے محمد ﷺ کو تمہاری طرف مبعوث کر کے جو انعام تم پر کیا ہے اس کی قدر کرو اور اسے یاد رکھو۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کھاتے، پیتے، پہنتے بلکہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کیا کرتے اس لئے آپ کو عبد شکور (شکر گزار بندہ) کہا گیا۔ حضرت سعد بن مسعود ثقفی فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کو عبد شکور کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ کھاتے یا پیتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے (1)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں روز قیامت تمام اولاد آدم کا سردار ہوں'' اس حدیث شفاعت میں آتا ہے کہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے عرض کریں گے کہ آپ اہل زمین کی طرف پہلے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو عبد شکور کا نام دیا ہے اس لئے اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے (2)۔

وَ قَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَ لَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَ كَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَ اَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ جَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَ اِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَ لِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ لِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَ اِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَ جَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝

''اور ہم نے آگاہ کر دیا تھا بنی اسرائیل کو کتاب میں کہ تم ضرور فساد برپا کرو گے زمین میں دو مرتبہ اور تم (احکام الٰہی سے) بڑی سرکشی کرو گے۔ پس جب آ گیا پہلا وعدہ ان دونوں وعدوں سے تو ہم نے (تمہاری سرکوبی کے لئے) بھیج دیئے اپنے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر، جلد 4 صفحہ 2095، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 117 وغیرہ 2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 105

چند بندے جو بڑے کرخت (اور) سخت تھے پس وہ گھس گئے (تمہاری) آبادیوں میں۔ اور جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا تھا وہ پورا ہو کر رہنا تھا۔ پھر ہم نے پلٹا دیا تمہارے حق میں زمانہ کی گردش کو جو دشمن کے خلاف تھی اور ہم نے قوت دی تمہیں مال سے، بیٹوں سے اور بنا دیا تمہیں کثیر التعداد۔ اگر تم اچھے کام کرو گے تو ان کا فائدہ تمہیں ہی پہنچے گا۔ اور اگر برائی کرو گے تو اس کی سزا بھی (تمہارے) نفسوں کو ملے گی۔ پس جب آ گیا دوسرا وعدہ (تو اور ظالم ان پر غالب آ گئے) تا کہ غمناک بنا دیں تمہارے چہروں کو اور تا کہ (جبراً) داخل ہو جائیں مسجد میں جیسے داخل ہوئے تھے اس میں پہلی مرتبہ تا کہ فنا و برباد کر کے رکھ دیں جس پر قابو پائیں۔ قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے گا۔ اور اگر فسق و فجور کی طرف دوبارہ لوٹے تو ہم بھی لوٹیں گے، اور ہم نے بنا دیا جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ''۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان پر نازل کردہ کتاب میں آگاہ کر دیا تھا کہ وہ ضرور زمین میں دو مرتبہ فتنہ و فساد برپا کریں گے اور ظلم و ستم اور سرکشی کریں گے۔ یہاں ''قَضَيْنَآ'' خبر دینے اور آگاہ کرنے کے معنی میں ہے جیسا کہ یہ فرمان ہے: وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ (الحجر: 66) ''اور ہم نے لوط کو اس حکم سے آگاہ کر دیا کہ یقیناً ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی جب وہ صبح کر رہے ہوں گے''۔ فرمایا: فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا یعنی جب پہلے فساد کا وقت آ گیا تو ہم نے اپنی مخلوق میں سے ایک کرخت، قوی اور مسلح لشکر جرار تم پر مسلط کر دیا جس نے تمہاری آبادیوں میں گھس کر لوٹ مار کی، تمہارے شہروں پر قبضہ جما لیا، بے دھڑک تمہارے گھروں میں داخل ہو گئے اور بلا خوف و خطر واپس چلے گئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا جسے ہر حال میں پورا ہونا تھا۔ متقدمین اور متاخرین مفسرین میں اختلاف ہے کہ یہ کون لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر مسلط کیا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ جالوت کا لشکر تھا جسے پہلے تو بنی اسرائیل پر فتح حاصل ہوئی لیکن پھر حالات نے پلٹا کھایا اور جالوت کا لشکر مغلوب ہو گیا بلکہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا، اس لئے فرمایا: ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ (1)۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ یہ شاہ موصل سنجاریب کا لشکر تھا جبکہ بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ شاہ بابل بخت نصر اور اس کے لشکر نے بنی اسرائیل پر حملہ کیا تھا۔ ابن ابی حاتم نے بخت نصر کے متعلق عجیب و غریب قصہ بیان کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ اس شخص نے کسی طرح بتدریج ترقی کرتے کرتے بادشاہت حاصل کر لی۔ پہلے یہ ایک عاجز اور بے کس فقیر تھا، لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتا اور بھیک مانگ کر گزر اوقات کرتا، پھر سریر آرائے سلطنت ہوا اور بیت المقدس کی طرف فوج کشی کر کے بنی اسرائیل کی کثیر تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ابن جریر نے اس مقام پر ایک طویل مرفوع حدیث بیان کی ہے (2) جو دراصل موضوع ہے اور جس شخص کو حدیث کے متعلق ادنیٰ سی معرفت بھی حاصل ہے، اسے اس کے موضوع ہونے میں شک نہیں ہو سکتا۔ تعجب تو اس بات پر ہے کہ ابن جریر نے اپنی جلالت شان اور امامت کے باوجود یہ روایت کیسے کر دیا۔ ہمارے شیخ حافظ علامہ ابوالحجاج مزیؒ نے تصریح کی ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اور انہوں نے کتاب کے حاشیہ پر بھی لکھ دیا ہے۔ اس بارے میں بہت سی اسرائیلی روایات بھی ہیں لیکن ان کے ذکر سے کتاب کو طول دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ ان میں سے بعض روایات زنادقہ کی وضع کردہ ہیں اور بعض اگر چہ صحیح بھی ہو سکتی ہیں لیکن ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔ کتاب اللہ کے ہوتے ہوئے ہم دوسروں سے بے نیاز ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں قرآن و حدیث عنایت کر کے ان کا محتاج نہیں بنایا۔ مقصود کلام یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 28　2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 27-24

سرکشی اور بغاوت پر اتر آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمن ان پر مسلط کر دیئے جنہوں نے ان کا قتل عام کیا، ان کے گھروں میں گھس گئے، انہیں ذلیل ورسوا اور مغلوب کر دیا۔ یہ ان کے کرتوتوں کی پوری پوری سزا تھی اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ یہ نانہجار ایسے سرکش تھے کہ اپنے انبیاء اور علماء کو بھی قتل کرنے سے باز نہیں آتے تھے۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ بخت نصر نے شام پر فتح حاصل کی، بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور بنی اسرائیل کو تہ تیغ کر دیا پھر جب وہ دمشق پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ایک چٹان پر خون ابل رہا ہے۔ اس نے لوگوں سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے زمانے سے اسی طرح دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ یہ خون ہر وقت جوش مارتا رہتا ہے۔ چنانچہ اس نے وہاں ہی ستر ہزار مسلمان اور دیگر لوگ قتل کیے، اس کے بعد یہ خون ٹھہر گیا۔ اس نے اشراف اور علماء کو بے دریغ موت کے گھاٹ اتارا یہاں تک کہ ایک بھی حافظ تورات زندہ باقی نہ بچا۔ اسی پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ بہت سی مخلوق کو قید کر کے اپنے ساتھ لے گیا جن میں نبی زادے بھی تھے۔ بہت سے امور وقوع پذیر ہوئے جن کا ذکر طوالت کا متقضی ہے۔ اگر ہم صحیح یا صحت کے قریب قریب روایات پاتے تو ان کا تحریر کرنا ممکن تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنْ اَحْسَنْتُمْ یہ اس فرمان کی طرح ہے: "مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ (الجاثیہ: 15)" جو نیک عمل کرتا ہے پس وہ اپنے بھلے کے لئے کرتا ہے اور جو برائی کرتا ہے تو اس کا وبال اس پر ہوگا پھر تمہیں اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا"۔ اس کے بعد فرمایا: فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ یعنی جب تم دوسری مرتبہ آمادہ فساد ہوئے اور فتنہ کا بازار گرم کر دیا تو ایک مرتبہ پھر تمہارے دشمن تم پر چل پڑے تاکہ وہ تمہاری شکلیں بگاڑ کر تمہیں ذلیل ورسوا اور مغلوب کرلیں اور اسی طرح بیت المقدس کی مسجد میں داخل ہو جائیں جس طرح وہ پہلی مرتبہ اس میں داخل ہوئے تھے اور جس پر قابو چڑھے اسے تباہ و برباد کر دیں۔ پھر فرمایا: عَسٰى رَبُّكُمْ ..... یعنی بہت ممکن ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے اور تمہارے دشمنوں کا رخ تم سے موڑ کر گردش زمانہ کو ان کی طرف پلٹا دے لیکن یاد رکھو اگر تم نے دوبارہ فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائی تو دوبارہ گردش زمانہ کی لپیٹ میں آجاؤ گے اور آخرت میں عبرتناک عذاب اس کے سوا ہے۔ اس لئے فرمایا: وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ یعنی ہم نے جہنم کو کفار کے لئے ٹھکانہ اور قید خانہ بنایا ہے جس سے مفر نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حصیر کا معنی قید خانہ بتاتے ہیں، مجاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ انہیں جہنم میں محصور کیا جائے گا، حسن کہتے ہیں کہ اس کا معنی بچھونا ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل دوبارہ فتنہ و فساد اور سرکشی پر اتر آئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کے ذریعے ان کی سرکوبی کی اور یہ ذلیل وخوار ہو کر جزیہ کی ادائیگی پر مجبور ہوئے(1)۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۙ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

"بلاشبہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب راہوں سے سیدھی راہ ہے اور مژدہ سناتا ہے ان ایمان والوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں کہ بلاشبہ ان کے لئے بڑا اجر ہے اور بے شک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے تیار کر دیا ہے ان کے لئے دردناک عذاب"۔

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب (قرآن کریم) کی تعریف فرما رہا ہے کہ یہ کتاب واضح اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور ان اہل ایمان کو عظیم اجر و ثواب کا مژدہ سناتی ہے جو اس کے تقاضا کے مطابق اعمال صالحہ کرتے ہیں لیکن جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان

1۔ تفسیر طبری، جلد 15، صفحہ 44

کے لئے دردناک عذاب کی بشارت ہے جیسا کہ فرمایا: فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (آل عمران: 21)۔

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝

"اور دعا مانگا کرتا ہے انسان برائی کے لئے جیسے دعا مانگا کرتا ہے بھلائی کے لئے، اور (حقیقت یہ ہے کہ) انسان بڑا جلد باز (واقع ہوا) ہے"۔

انسان اپنی عجلت پسندی کے باعث بعض اوقات اپنے لئے یا اپنے مال و اولاد کے لئے موت، ہلاکت، بربادی اور لعنت کی بددعا کرنے لگتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اسے قبول کر لے تو وہ اپنی ہی بددعا کے باعث ہلاکت کا شکار ہو جائے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ (یونس: 11) "اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو شر پہنچانے میں جلد بازی کرتا جیسے وہ بھلائی کے لئے جلد بازی کرتے ہیں تو ان کی میعاد پوری کر دی گئی ہوتی"۔ ایک حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "نہ اپنے لئے بددعا کرو اور نہ اپنے مالوں کے لئے ممکن ہے تم قبولیت کی گھڑی میں بددعا کرو اور وہ قبول ہو جائے"(1)۔ اس کی وجہ ابن آدم کی اضطراری حالت اور جلد بازی ہے، اسی لئے فرمایا: وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا حضرات سلمان فارسی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہاں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے روح پیروں تک پہنچنے سے پہلے ہی کھڑے ہونے کا ارادہ کر لیا۔ روح سر کی جانب سے آپ کے جسم میں داخل ہوئی۔ جب دماغ تک پہنچی تو آپ کو چھینک آ گئی، اس پر آپ نے الحمدللہ کہا۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "يَرْحَمُكَ رَبُّكَ يَا اٰدَمُ" (اے آدم! تمہارا رب تم پر رحم فرمائے)۔ جب روح آپ کی آنکھوں تک پہنچی تو آپ نے آنکھیں کھول دیں۔ پھر جب روح تمام اعضاء جسد میں سرایت کر گئی تو آپ اپنے آپ کو دیکھ کر بڑے متعجب ہوئے۔ ابھی روح پیروں تک نہیں پہنچ پائی تھی کہ آپ نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن ایسا نہ کر سکے تو عرض کرنے لگے: اے میرے پروردگار! رات سے پہلے پہلے روح آ جائے(2)۔

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝

"اور ہم نے بنایا ہے رات اور دن کو (اپنی قدرت کی) دو نشانیاں اور ہم نے مدھم کر دیا رات کی نشانی کو اور بنا دیا دن کی نشانی کو روشن تاکہ (دن کے اجالے میں) تم تلاش کرو رزق اپنے رب سے اور تاکہ تم جان لو سالوں کی تعداد اور حساب کو۔ اور ہر چیز کو ہم نے بڑی وضاحت سے بیان کر دیا"۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عظیم نشانیوں میں سے گردش لیل و نہار ہے تاکہ لوگ رات کے وقت آرام کریں اور دن کے وقت کسب معاش، صنعت و حرفت، کام کاج، سفر اور دیگر امور کے لئے دوڑ دھوپ کریں اور اس کے ذریعے دنوں، جمعوں، مہینوں اور سالوں کی گنتی کر سکیں اور ان مدتوں اور اوقات کو جان لیں جو انہوں نے ادائیگی قرض، عبادات، معاملات اور اجارات وغیرہ کے لئے مقرر کر رکھے ہیں، اسی لئے فرمایا: لِتَبْتَغُوْا فَضْلًا اگر تمام کا تمام زمانہ ایک ہی اسلوب اور حرکت پر جامد رہتا تو مذکورہ فوائد کا حصول ممکن نہ تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ قُلْ

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورہ یونس: 11 2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 48

أَرَءَيْتُمْ إِن جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُم بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ ۖ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝ وَمِن رَّحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (القصص:73-71)'' فرمایئے بھلا اتنا تو سوچو اگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لئے قیامت کے دن تک تم پر رات بنا دے تو اللہ کے سوا کون سا خدا ہے جو تمہیں روشنی لا دے، کیا تم سن نہیں رہے ہو؟ فرمایئے بھلا اتنا تو سوچو اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک دن بنا دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون سا خدا ہے جو تمہیں رات لا دے جس میں تم آرام کر سکو کیا تمہیں نظر نہیں آتا؟ اور محض اپنی رحمت سے اس نے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا ہے تاکہ تم رات میں آرام کرو اور (دن میں) اس کا فضل (رزق) تلاش کرو اور تاکہ تم شکر گزار بنو''۔ تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُّنِيرًا ۝ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَن يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا (الفرقان:62-61)'' بڑی برکت والا ہے جس نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور اس میں چراغ (آفتاب) اور چمکتا ہوا چاند بنایا اور وہ وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا اس کے لئے جو یہ چاہتا ہے کہ نصیحت قبول کرے یا چاہتا ہے کہ شکر گزار بنے''۔ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ (المومنون:80)'' اور اسی کے اختیار میں گردش لیل ونہار ہے''۔ يُكَوِّرُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ ۖ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ أَلَا هُوَ الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ (الزمر:5)'' وہ لپیٹتا ہے رات کو دن پر اور لپیٹتا ہے دن کو رات پر اور اس نے مسخر کر دیا ہے سورج اور چاند کو۔ ہر ایک رواں ہے مقررہ میعاد تک غور سے سنو! وہی عزت والا (اور) بہت بخشنے والا''۔

''فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (الانعام:96)'' وہ نکالنے والا ہے صبح کو اور اس نے بنایا ہے رات کو آرام کے لئے اور سورج اور چاند کو حساب کے لئے، یہ اندازہ ہے سب سے زبردست، سب کچھ جاننے والا کا''، وَآيَةٌ لَّهُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُم مُّظْلِمُونَ ۝ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (یٰسین:38-37)'' اور ایک نشانی ان کے لئے رات ہے، ہم اتار لیتے ہیں اس سے دن کو تو یکلخت وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے اور یہ اندازہ مقرر کیا ہوا ہے اس خدا کا جو عزیز وعلیم ہے'' پھر اللہ تعالیٰ نے رات کی علامت مقرر فرما دی، وہ ہے تاریکی اور اس میں چاند کا طلوع ہونا اسی طرح دن کی بھی علامت مقرر ہے اور وہ ہے اجالا اور اس میں چمکتے سورج کا طلوع ہونا اور پھر چاند کے نور اور سورج کی ضیاء کے درمیان تفاوت رکھا تاکہ دونوں کی پہچان ممکن ہو جیسا کہ ارشاد ہے: هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (یونس:5)'' وہی ہے جس نے بنایا سورج کو درخشاں اور چاند کو نور اور مقرر کیں اس کے لئے منزلیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جان لو نہیں پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسے مگر حق کے ساتھ۔ وہ ان لوگوں کے لئے نشانیاں بیان کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں''۔ اور فرمایا: يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ۖ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ (البقرۃ:189)'' وہ آپ سے نئے چاند کے متعلق دریافت کرتے ہیں (کہ یہ کیونکر گھٹتے بڑھتے ہیں)، فرمایئے یہ لوگوں کے لئے وقت کی علامتیں ہیں اور حج کے لئے''۔

عبداللہ بن کثیر کہتے ہیں کہ'' آيَةَ اللَّيْلِ '' سے مراد رات کی تاریکی ہے اور'' آيَةَ النَّهَارِ '' سے مراد دن کا اجالا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ سورج دن کی نشانی ہے اور چاند رات کی۔ رات کی نشانی (چاند) دھندلی سی ہے۔ سورج کے مقابلے میں چاند کی روشنی کو ماند کر دیا۔ ابن الکواء نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ چاند میں یہ دھندلاہٹ اور دھبے سے کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: صد حیف!

کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''فَمَحَوْنَآ اٰیَةَ الَّیْلِ'' یہی تو محو ہے (1)۔ پھر فرمایا: وَجَعَلْنَآ اٰیَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً یعنی ہم نے دن کی نشانی کو روشن اور منور بنایا۔ سورج چاند سے زیادہ منور بھی ہے اور بڑا بھی۔ دن اور رات دو نشانیاں ہیں جن کی تخلیق اسی طرح ہوئی۔

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓىِٕرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَ نُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا ؕ۝

''اور ہر انسان کی (قسمت کا) نوشتہ اس کے گلے میں ہم نے لٹکا رکھا ہے۔ اور ہم نکالیں گے اس کے لئے روز قیامت ایک کتاب جسے وہ (اپنے سامنے) کھلا ہوا پائے گا۔ (اسے حکم ملے گا) پڑھو اپنا دفتر عمل تم خود ہی کافی ہو آج اپنی باز پرس کرنے کے لئے۔''

زمانے اور اس میں وقوع پذیر ہونے والے بنی آدم کے اعمال کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا: وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓىِٕرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ طائر سے مراد انسان سے سرزد ہونے والا اچھا یا برا عمل ہے جو اس کے ساتھ لازم رہتا ہے اور یہ نوشتہ اس کے گلے میں لٹکا دیا جاتا ہے اور اسی کے مطابق اسے بدلہ دیا جائے گا جیسا کہ متعدد مقامات پر فرمایا: فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۝ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ (الزلزال: 8-7) ''پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا''، الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ۝ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ (ق: 18-17) ''ایک دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب بیٹھا ہوتا ہے وہ نہیں نکالتا اپنی زبان سے کوئی بات مگر اس کے پاس ایک نگہبان تیار ہوتا ہے''، وَاِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِیْنَ ۝ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ (الانفطار: 10) ''اور تم پر معزز (حرف بحرف) لکھنے والے نگران (فرشتے) مقرر ہیں، جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو''۔ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الطور: 16) ''تمہیں اس کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کیا کرتے تھے''، مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ (النساء: 123) ''جو برا عمل کرے گا اسے اس کی سزا ملے گی''۔ مقصد یہ ہے کہ ابن آدم کے اعمال خواہ کم ہوں یا زیادہ، دن رات اور صبح شام لکھ کر محفوظ کیے جا رہے ہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''طَائِرُ كُلِّ اِنْسَانٍ فِیْ عُنُقِهٖ'' (2) (ہر انسان کا نوشتہ اس کی گردن میں معلق ہے)۔ ابن لہیعہ طائر کا معنی طیرہ (بدشگونی) بیان کرتے ہیں لیکن اس حدیث کی یہ تفسیر نہایت عجیب و غریب ہے۔ پھر فرمایا: وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یعنی ہم انسان کے تمام اعمال ایک صحیفہ میں جمع کر رہے ہیں، روز قیامت یہ اسے دے دیا جائے گا، اگر وہ نیک بخت ہوا تو اپنا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں پائے گا اور اگر بدبخت ہوا تو بائیں ہاتھ میں۔ انسان اپنے اس دفتر عمل کو جس میں اس کی ساری عمر کے اعمال درج ہوں گے، اپنے سامنے کھلا ہوا پائے گا اور اسے نہ صرف وہ خود پڑھے گا بلکہ دوسرے لوگ بھی جیسا کہ فرمان ہے: یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَىِٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۝ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۝ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِیْرَهٗ (القیامۃ: 15-13) ''اس روز انسان کو آگاہ کر دیا جائے گا جو عمل اس نے پہلے بھیجے اور جو (اثرات) وہ پیچھے چھوڑ آیا بلکہ انسان خود بھی اپنے نفس کے احوال پر نظر رکھتا ہے خواہ وہ (زبان سے ہزار) بہانے بناتا رہے''۔ اس لئے فرمایا: اِقْرَاْ كِتٰبَكَ یعنی اے انسان! تم جانتے ہو کہ تم پر ظلم نہیں کیا گیا اور تمہارے نامہ اعمال میں صرف اعمال لکھے گئے ہیں جو تم نے کئے اور تمہیں اچھی طرح یاد ہے جو اعمال تم سے سرزد ہوتے رہے۔ کوئی شخص بھی اس چیز کو نہیں بھولتا جو اس نے کی ہوتی ہے۔ پھر قیامت کے دن ہر آدمی اپنا دفتر عمل پڑھ لے گا خواہ وہ پڑھا لکھا تھا یا ان پڑھ۔ آیت کریمہ میں

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 49

2۔ مسند احمد جلد 3 صفحہ 360

خصوصاً عنق (گردن) کا ذکر ہوا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ گردن ایسا عضو ہے جس کی جسم انسانی میں کوئی نظیر نہیں۔ جس نے اپنی گردن میں کوئی چیز لٹکا لی، وہ اس کے ساتھ لازم ہوگئی جس سے مفر ممکن نہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بیماری کا متعدی ہونا اور شگون لینا کوئی حقیقت نہیں رکھتا، ہر انسان کا عمل اس کے گلے میں معلق ہے" (1) ایک اور حدیث میں فرمایا: "ہر بندے کا شگون اس کے گلے میں معلق ہے"۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر روز کے عمل پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ جب مومن بیمار پڑ جائے تو فرشتے عرض کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! تو نے اپنے فلاں بندے کو روک لیا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے جو عمل تھے اس کی مثل لکھتے جائے یہاں تک کہ وہ شفایاب ہو جائے یا فوت ہو جائے" (2)۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں طائر سے مراد عمل ہے۔ حضرت حسن بصری نے اس آیت کریمہ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ (ق: 17) کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا: اے ابن آدم! تیرا صحیفہ اعمال کھلا ہے، تیرے دائیں بائیں دو معزز فرشتے بیٹھے ہیں۔ دائیں جانب والا تیری نیکیاں محفوظ کر رہا ہے اور بائیں جانب والا تیری برائیاں لکھ رہا ہے۔ کم یا زیادہ جو چاہے عمل کر۔ جب تیری موت کا پیغام آ جائے گا تو تمہارا یہ صحیفہ لپیٹ دیا جائے گا اور اسے قبر کے اندر تیرے گلے میں لٹکا دیا جائے گا۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو یہ دفتر عمل کھول کر تمہارے سامنے کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا: اِقْرَاْ كِتٰبَكَ... اللہ کی قسم! وہ بہت ہی عادل ہے جس نے تمہیں ہی تمہارے اپنے اعمال کی باز پرس کرنے والا بنا دیا ہے (3)۔ یہ حضرت حسن کا بہت عمدہ کلام ہے۔

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾

"جو راہ ہدایت پر چلتا ہے تو وہ راہ ہدایت پر چلتا ہے اپنے فائدے کے لئے۔ اور جو گمراہ ہوتا ہے تو اس کی گمراہی کا وبال اسی پر ہے اور نہیں اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ۔ اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم نہ بھیجیں کسی رسول کو"۔

جس شخص نے راہ راست کو اپنایا، حق کی اتباع کی اور نقوش نبوت کی پیروی کی تو اس کا انجام خیر اسی کے حق میں ہے اور جس نے حق سے روگردانی کی اور راہ راست سے انحراف کیا تو اس نے اپنی ذات پر ظلم کیا اور اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔ پھر فرمایا: وَلَا تَزِرُ یعنی کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے گناہ کی پاداش میں نہیں پکڑا جائے گا بلکہ ہر شخص اپنے ہی گناہوں کا ذمہ دار ہوگا جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ (فاطر: 18) "اور اگر پشت پر بوجھ اٹھانے والا اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے (کسی کو) بلائے گا تو اس کے بوجھ سے کوئی چیز نہ اٹھائی جائے گی" اس کے درمیان اور ان آیات کے درمیان منافات اور تضاد نہیں ہے جن میں فرمایا: وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ (العنکبوت: 13) "اور وہ ضرور اپنے بوجھ اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ بھی اٹھائیں گے"، وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ (النحل: 25) "اور ان لوگوں کے بوجھ بھی اٹھائیں جنہیں وہ جہالت سے گمراہ کرتے رہے"، کیونکہ گمراہی کی دعوت دینے والے دو قسم کے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں، ایک گناہ بذات خود ان کی گمراہی کا اور دوسرا گناہ مخلوق خدا کو گمراہ

1۔ تفسیر طبری جلد 15 صفحہ 53-52 2۔ مسند احمد جلد 4 صفحہ 146 3۔ تفسیر طبری جلد 15 صفحہ 51-50

کرنے کا۔ اب یہ نہیں ہوگا کہ ان کے گناہوں کے بوجھ ہلکے کر کے ان پر لاد دیئے جائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عدل اور بندوں پر لطف و کرم ہے۔ اسی طرح فرمایا: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا یہ فرمان اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کا مظہر ہے اور اس میں آگاہ کر دیا گیا ہے کہ وہ اس وقت تک کسی کو مبتلائے عذاب نہیں کرتا جب تک وہ رسول بھیج کر اتمام حجت نہ کر دے جیسا کہ فرمایا: كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ (الملک: 8-9) ''جب بھی اس میں کوئی جتھا جھونکا جائے گا تو ان سے دوزخ کے محافظ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں بے شک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا پس ہم نے اس کو جھٹلایا اور ہم نے اس کو کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو کوئی چیز نہیں اتاری تم لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو''۔ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ (الزمر: 71) ''اور کفار جہنم کی طرف گروہ در گروہ ہانکے جائیں گے، جب وہ اس کے پاس آئیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور ان سے دوزخ کے پہریدار پوچھیں گے کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس پیغمبر جو تمہیں تمہارے رب کی آیات پڑھ کر سناتے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے کہیں گے بے شک آئے تھے لیکن ثبت ہو چکا تھا (لوح محفوظ میں) عذاب کافروں پر''۔ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاۗءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ (فاطر: 37) ''اور وہ اس میں چیختے چلاتے ہوں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں یہاں سے نکال ہم بڑے نیک کام کریں گے ایسے نہیں جیسے ہم پہلے کیا کرتے تھے۔ (جواب ملے گا) کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہیں دی تھی جس میں نصیحت قبول کر سکتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا اور تشریف لے آیا تمہارے پاس نذیر۔ پس اب مزہ چکھو، ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں''۔ ایسی اور بھی متعدد آیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور نہیں کہ وہ رسول مبعوث کئے بغیر کسی کو جہنم رسید کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کی ایک جماعت نے بخاری کی اس روایت کو محل اعتراض ٹھہرایا ہے جو اس آیت اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ (الاعراف: 56) کے تحت مرقوم ہے۔ اس میں اعتراض کا سبب راوی کا مغالطہ ہے جس کی بناء پر روایت کے الفاظ الٹ پلٹ ہو گئے ہیں۔ اس روایت کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت اور دوزخ جھگڑنے لگے جہاں تک جنت کا تعلق ہے تو اس بارے میں اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور جہنم کے لئے ایک نئی مخلوق پیدا کر کے اسے اس میں پھینک دیا جائے گا، جہنم کہے گا کہ کیا مزید ہے؟ تین دفعہ یہ کہے گا۔''(1)، دراصل یہ جنت کے بارے میں ہے کیونکہ یہ دارِ فضل ہے اور دوزخ دارِ عدل ہے، اس میں کسی کو عذر ختم کئے بغیر اور حجت تمام کئے بغیر داخل نہیں کیا جائے گا، حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس روایت کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے عندیہ ظاہر کیا ہے کہ اس میں راوی نے الفاظ کو الٹ پلٹ کر دیا ہے، اس کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی بخاری و مسلم کی یہ روایت ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جنت اور دوزخ نے جھگڑا کیا جہاں تک دوزخ کا تعلق ہے تو یہ پر نہیں ہوگا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھ دے گا تو یہ کہے گا: بس بس۔ اس وقت یہ بھر جائے گا اور اس کے اجزاء ایک دوسرے کی طرف سمٹ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا لیکن جنت کے لئے اللہ تعالیٰ ایک اور مخلوق پیدا

1۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 164

فرمائے گا"(1)۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ کفار کے نابالغ بچے جو بچپن میں فوت ہو جاتے ہیں اور اسی طرح مجنون، بہرے، فاسد العقل بوڑھے اور جو لوگ فترۃ (دو نبیوں کے درمیان کا زمانہ) میں مر گئے اور کسی نبی کی دعوت ان تک نہ پہنچی، ان سب کا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ کے متعلق متقدمین اور متاخرین ائمہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان کے متعلق احادیث بھی وارد ہوئی ہیں، انہیں میں یہاں اللہ تعالیٰ کی نصرت اور توفیق سے بیان کرتا ہوں، اس کے بعد ائمہ کے کلام کا خلاصہ پیش کروں گا۔

۱۔ حضرت اسود بن سریع سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "چار قسم کے لوگ ایسے ہیں جو قیامت کے دن عذر پیش کریں گے: بہرا آدمی جو کچھ بھی نہیں سنتا، (1) احمق (مجنون اور بدھو) شخص (2)، بوڑھا کھوسٹ (3) اور ایسا شخص جسے فترہ میں موت آئی (4)۔ بہرا عرض کرے گا: اے پروردگار! اسلام آیا لیکن مجھ سے سننے کی صلاحیت ہی مفقود تھی، احمق کہے گا: یارب! اسلام کی آمد ہوئی اور میری یہ حالت تھی کہ بچے مجھ پر مینگنیاں پھینکتے تھے، حواس باختہ بوڑھا عرض کرے گا: اے پروردگار! اسلام واقعی تشریف لایا لیکن میرے تو ہوش وحواس ہی قائم نہ تھے اور فترہ کے دوران مرنے والا شخص عرض کرے گا: اے پروردگار! میرے پاس تو تیرا کوئی رسول تشریف نہیں لایا۔ اللہ تعالیٰ ان سے عہد و پیمان لے گا کہ انہیں ضرور اس کی اطاعت کرنا ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کی طرف پیغام بھیجے گا کہ جہنم میں کود جاؤ۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! اگر وہ جہنم میں کود پڑے تو جہنم کی آگ ان کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی کی حامل ہو جائے گی"(2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل مروی حدیث کے آخر میں آتا ہے: "جو شخص جہنم میں داخل ہو جائے گا، اس کے لئے تو آگ ٹھنڈک اور سلامتی والی بن جائے گی لیکن جو داخل نہ ہوا اسے گھسیٹ کر جہنم رسید کر دیا جائے گا"۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی حدیث میں آتا ہے کہ چار قسم کے لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی اپنی حجت پیش کریں گے۔ اس روایت کو بیان کرنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (3)۔

۲۔ یزید بن ابان بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے عرض کی: اے ابو حمزہ! مشرکین کے بچوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "انہوں نے کوئی گناہ نہیں کئے جن کی پاداش میں انہیں عذاب دیا جائے اور وہ دوزخی بن جائیں اور نہ ہی انہوں نے نیکیاں کی ہیں جن کے صلہ میں انہیں اہل جنت میں شامل کر دیا جائے"(4)۔

۳۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "روز قیامت چار قسم کے لوگ لائے جائیں گے: بچہ، پاگل، فترہ میں مر جانے والا اور شیخ فانی۔ تمام اپنی اپنی حجت پیش کریں گے تو رب تعالیٰ آگ کی گردن کو نمایاں ہونے کا حکم دے گا اور ان لوگوں سے فرمائے گا کہ میں اپنے بندوں کی طرف اپنا پیغام پہنچانے کے لئے انہی میں سے رسول بھیجتا رہا لیکن میں بذات خود تمہیں پیغام دیتے ہوئے حکم دیتا ہوں کہ اس (آگ) میں کود جاؤ۔ جس کے مقدر میں بدبختی ہوگی، وہ کہے گا: اے پروردگار! ہم اس میں کیونکر داخل ہوں حالانکہ ہم اس سے دور بھاگتے رہے؟ لیکن جن کے مقدر میں نیک بختی ہوگی وہ جلدی سے اس میں گھس جائیں

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ ق، جلد 6 صفحہ 173۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2186

2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 24

3۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 54

4۔ مسند ابی داؤد طیالسی 282

گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جب تم نے میرا حکم نہیں مانا تو میرے رسولوں کا حکم کیسے مانتے۔ یہ (فرمانبرداری کے باعث) جنت میں داخل ہوں گے اور وہ (نافرمانی کے سبب) جہنم میں داخل ہوں گے‘‘(1)۔

۴- حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے مسلمانوں کے بچوں کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ’’وہ اپنے باپوں کے ساتھ ہیں‘‘ پھر آپ ﷺ سے مشرکین کے بچوں کی بابت سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ’’وہ اپنے باپوں کے ساتھ ہیں‘‘ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! انہوں نے کیا عمل کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ تو ان سے بخوبی آگاہ ہے‘‘(2)۔

۵- حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ’’قیامت کے دن اہل جاہلیت اپنے بوجھ اپنی پشتوں پر لادے ہوئے آئیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا، وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! نہ تو تو نے ہماری طرف کوئی رسول بھیجا اور نہ ہی تیرا کوئی حکم ہم تک پہنچا۔ اگر تو ہماری طرف کوئی رسول بھیجتا تو ہم سب سے زیادہ تیرے اطاعت گزار بندے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا: چلو اب بتاؤ، اگر میں تمہیں کوئی حکم دوں تو کیا تم میری اطاعت کرو گے؟ وہ کہیں گے: ہاں۔ اللہ تعالیٰ انہیں حکم دے گا کہ جاؤ، جہنم میں کود جاؤ۔ وہ جہنم کی طرف چل پڑیں گے یہاں تک کہ جب وہ اس کے قریب پہنچیں گے تو اس کا جوش اور سخت چنگھاڑ ملاحظہ کر کے واپس رب تعالیٰ کی طرف چل دیں گے اور عرض کریں گے: یا رب! ہمیں دوزخ سے خلاصی عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تم نے میرے ساتھ میرے حکم کی بجا آوری کا وعدہ نہیں کیا تھا؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ پھر ان سے عہد و پیمان لے کر انہیں حکم دے گا کہ جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ وہ جہنم کی طرف چل پڑیں گے۔ جب اس کے قریب پہنچیں گے تو مارے خوف کے پیچھے پلٹ آئیں گے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ ہمیں تو دوزخ سے ڈر لگتا ہے اور ہمیں اس میں داخل ہونے کا حوصلہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا کہ ذلیل و رسوا ہو کر اس میں داخل ہو جاؤ۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ’’اگر وہ پہلی مرتبہ ہی آگ میں کود جاتے تو اسے سراپا ٹھنڈک اور سلامتی پاتے‘‘(3)۔ بزار کہتے ہیں کہ اس حدیث کا متن غیر معروف ہے۔ ایوب سے صرف عباد اور عباد سے صرف ریحان بن سعید نے اسے روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ابن حبان نے اسے ثقات میں شمار کیا ہے(4)۔ یحییٰ بن معین اور نسائی کا کہنا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، ابوداؤد نے اس سے روایت نہیں کی۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ یہ شیخ ہے جس میں کوئی حرج نہیں، اس کی حدیثیں لکھی جاتی ہیں لیکن قابل حجت نہیں۔

۶- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’فترہ کے دوران مرنے والا، مجنون اور بچہ حاضر ہوں گے۔ فترہ کے زمانے میں مرنے والا عرض کرے گا کہ میرے پاس تیری کتاب ہی نہیں پہنچی، مجنون کہے گا: اے پروردگار! تو نے مجھے عقل سے ہی نہیں نوازا جس سے میں خیر و شر کے درمیان امتیاز کر لیتا اور بچہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میں تو سن بلوغت و عقل کو پہنچا ہی نہیں۔ چنانچہ ان کے سامنے آگ شعلہ زن ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اسے ہٹا دو تو وہ شخص اس آگ کو ہٹا دے گا جو علم الٰہی میں سعید تھا اور اگر اسے موقع ملتا تو اس نے نیک اعمال کرنا تھے لیکن وہ شخص آگ سے دور رکا رہے گا جو علم الٰہی میں شقی تھا اور

1۔ مسند ابی یعلیٰ، جلد 7 صفحہ 225
2۔ مسند ابی یعلیٰ
3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، جلد 4 صفحہ 156-157
4۔ دیکھئے تہذیب التہذیب، جلد 9 صفحہ 260-261

اگر اسے موقع میسر آتا تو اس نے برے اعمال کا ارتکاب کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نے میری نافرمانی کی، اگر تمہارے پاس میرے رسول آجاتے تو تم ان کی اطاعت کرتے؟"(1)۔

۷۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "روز قیامت مسخ شدہ عقل والا، فترہ کے دوران مرنے والا اور بچپن میں فوت ہو جانے والا بچہ لایا جائیگا۔ مسخ شدہ عقل والا شخص عرض کرے گا: اے پروردگار! اگر تو مجھے نعمت عقل سے نوازتا تو عقلمند مجھ سے زیادہ سعادتمند نہ ہوتے باقی دونوں بھی اسی طرح عذر پیش کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا کہ میں تمہیں ایک حکم دینے والا ہوں، کیا تم اسے بجالاؤ گے؟ وہ عرض کریں گے: ہاں۔ حکم ہوگا کہ جاؤ اور جہنم میں کود جاؤ۔ اگر وہ جہنم میں کود گئے تو وہ ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑے گا۔ جہنم کے بڑے بڑے شعلے ان کی طرف لپکیں گے جنہیں دیکھ کر وہ خیال کریں گے کہ یہ تو ساری مخلوق کو جلا کر راکھ کر دیں گے، چنانچہ مارے دہشت کے تیزی سے واپس پلٹ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ حکم دے گا لیکن پھر بھی وہ اسی طرح واپس لوٹ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں فرمائیگا کہ تمہاری تخلیق سے پہلے ہی مجھے تمہارے اعمال کے متعلق علم تھا، اسی علم کے مطابق میں نے تمہیں پیدا کیا اور اسی علم کے مطابق تمہارا انجام ہے۔ اے دوزخ! انہیں اپنے نرغہ میں لے لے، چنانچہ دوزخ انہیں اپنی لپیٹ میں لے لے گا"۔

۸۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر بچہ فطرت (دین اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں، بالکل ایسی ہی جس طرح ایک جانور ایک مکمل بچے کو جنم دیتا ہے، کیا تمہیں کوئی کان کٹا دکھائی دیتا ہے؟"(2) ایک اور روایت میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس بچے کے متعلق آگاہ فرمایئے جو بچپن میں فوت ہو جاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کو ہی پوری پوری خبر ہے کہ انہوں نے (اگر بڑے ہوتے تو) کیا کیا اعمال کرنے تھے"۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے: "مسلمانوں کے بچے جنت میں ہیں جن کے کفیل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں"(3)۔ ایک حدیث قدسی میں فرمان ہے: "میں نے اپنے بندوں کو حنیف (مائل بہ حق) پیدا کیا ہے"(4)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو مسلم پیدا کیا ہے۔

۹۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے"۔ یہ سن کر لوگوں نے بلند آواز سے دریافت کیا: یا رسول اللہ! کیا مشرکین کے بچے بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "مشرکین کے بچے بھی"(5)۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے مشرکین کے بچوں کی بابت فرمایا: "یہ اہل جنت کے خادم ہیں"(6)۔

۱۰۔ حضرت خنساء بنت معاویہ بیان کرتی ہیں کہ مجھے میرے چچا نے بتایا کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! جنت میں کون کون جائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نبی، شہید، بچے اور زندہ درگور کیے ہوئے جنت میں جائیں گے"(7)۔

اس حدیث کے سبب بعض علماء ان کے بارے میں توقف کرتے ہوئے خاموشی اختیار کرتے ہیں اور بعض علماء ان کے جنتی ہونے کا

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، جلد 2 صفحہ 34
2۔ فتح الباری، کتاب القدر، جلد 11 صفحہ 493، صحیح مسلم، جلد 4 صفحہ 2047-2048
3۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 326
4۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2197
5۔ مستخرج برقانی
6۔ معجم کبیر، جلد 7 صفحہ 244
7۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 58

قطعی حکم لگاتے ہیں کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث معراج میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس خواب میں ایک شخص کو درخت تلے بیٹھا ہوا دیکھا جس کے اردگرد بہت سے بچے بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو بتایا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور ان کے اردگرد مسلمانوں اور مشرکوں کے بچے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا مشرکین کے بچے بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، مشرکین کے بچے بھی'' (1)۔ بعض علماء اس بات کے قائل ہیں کہ یقیناً دوزخی ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے متعلق فرمایا: ''هُمْ مَعَ آبَائِهِمْ'' (یہ اپنے باپوں کے ساتھ ہیں)۔ کچھ دیگر علماء کا موقف یہ ہے کہ قیامت کے میدانوں میں ان کا امتحان لیا جائے گا۔ جس نے اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور اس کے حق میں پہلے سے مقدر سعادت کے بارے میں علم الٰہی منکشف ہو جائے گا۔ جس نے نافرمانی کی وہ ذلیل و رسوا ہو کر جہنم میں داخل ہوگا اور اس طرح پہلے سے طے شدہ اس کی شقاوت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم عیاں ہو جائے گا۔ یہ قول تمام دلائل کا جامع ہے اور اس کی صراحت مذکورہ احادیث سے ہوتی ہے جو ایک دوسرے کی مؤید اور شاہد ہیں۔ یہی وہ قول ہے جسے شیخ ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے اہل سنت و جماعت سے نقل کیا ہے اور حافظ ابوبکر بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں اور دیگر محقق علماء، حفاظ حدیث اور نقاد حدیث نے اسی کی تائید کی ہے۔ شیخ ابوعمر بن عبدالبر النمری نے امتحان کی بعض احادیث کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس موضوع کے متعلق احادیث قوی نہیں ہیں اور نہ ہی قابل حجت ہیں، اہل علم ان کا انکار کرتے ہیں کیونکہ آخرت دار جزا ہے نہ کہ دار عمل اور دار امتحان، اس لئے انہیں جہنم میں داخل ہونے کا مکلف کیسے بنایا جا سکتا ہے حالانکہ یہ تو انسانی طاقت سے باہر ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ دستور نہیں کہ وہ کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر مکلف بنائے۔ شیخ ابوعمر کے اس قول کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں بعض احادیث صحیح ہیں جیسا کہ بہت سے ائمہ علماء نے تصریح کی ہے، اور بعض احادیث حسن ہیں، جبکہ بعض ضعیف ہیں جو صحیح اور حسن کی تائید سے قوی ہو جاتی ہیں۔ جب ایک موضوع کے متعلق احادیث باہم مربوط ہوں اور ایک دوسرے کی تقویت کا باعث بنتی ہوں تو ظاہر ہے کہ یہ قابل حجت ہوں گی۔ جہاں تک شیخ موصوف کے اس قول کا تعلق ہے کہ آخرت دار جزا ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ واقعی آخرت دار جزا ہے لیکن اس سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ جنت یا دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے انہیں کسی حکم کا پابند نہیں بنایا جائے گا۔ شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے اہل سنت و جماعت کا یہی مسلک بتایا ہے کہ بچوں کا امتحان ہوگا۔ اس کی ایک اور دلیل یہ آیت کریمہ ہے: يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُوْدِ (القلم: 42) ''جس روز پنڈلی سے پردہ اٹھا دیا جائے گا اور ان کو سجدہ کی دعوت دی جائے گی''۔ اور صحاح وغیرہ کی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ روز قیامت مومنین تو اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کر لیں گے لیکن منافق ایسا نہیں کر پائے گا کیونکہ اس کی کمر بالکل سیدھی اکڑ جائے گی، جب بھی وہ سجدہ کرنے کا ارادہ کرے گا، گدی کے بل گر جائے گا (2)۔ صحیحین میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے عہد و پیمان لے گا جو سب سے آخر میں جہنم سے رہائی پائے گا کہ وہ جس صورت حال سے دوچار ہے اس سے رہائی کے سوا کوئی اور سوال نہیں کرے گا لیکن وہ اس عہد کو فراموش کرتے ہوئے اور سوال کر بیٹھے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ابن آدم! تو کتنا عہد شکن ہے، پھر اللہ تعالیٰ اسے جنت میں جانے کی اجازت مرحمت فرما دے گا (3)۔ باقی رہی شیخ ابوعمر کی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ انہیں جہنم میں داخل ہونے کا مکلف کیسے بنائے گا

1۔ فتح الباری، کتاب التعبیر، جلد 12 صفحہ 439
2۔ صحیح بخاری تفسیر سورۂ قلم جلد 8 صفحہ 664-663
3۔ صحیح بخاری جلد 1 صفحہ 205، صحیح مسلم، کتاب الایمان جلد 1 صفحہ 299

حالانکہ یہ ان کی استطاعت سے باہر ہے تو یہ بھی صحت حدیث سے مانع نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں کو پل صراط پر سے گزرنے کا حکم دے گا۔ یہ جہنم کے اوپر ایسا پل ہے جو تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہوگا، مومن اپنے اپنے اعمال کے مطابق بجلی، ہوا، عمدہ گھوڑوں اور اونٹوں کی سی رفتار سے اسے عبور کر لیں گے۔ ان میں سے بعض بھاگ کر بعض پیدل چلتے ہوئے، بعض سرین پل گھسٹتے ہوئے اور بعض چہرے کے بل کٹ کٹ کر جہنم میں گرتے ہوئے (1)۔ ان کے بارے میں دخول نار کا جو حکم وارد ہوا ہے وہ اس سے کوئی بڑا نہیں بلکہ یہ اس سے بھاری اور بڑا ہے اور حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ دجال کے پاس جنت بھی ہوگی اور آگ بھی۔ جو اہل ایمان اسے پا لیں گے، انہیں شارع علیہ السلام نے حکم دیا ہے کہ وہ جسے آگ خیال کریں گے، اگر وہ اس میں سے پی لیں گے تو یہ ان کے لیے ٹھنڈک اور سلامتی کی حامل ہوگی۔ یہ اس واقعہ کی نظیر ہے۔ اس طرح بنی اسرائیل کا واقعہ ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں بچھڑے کی پرستش کرنے کی پاداش میں یہ حکم دیا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کریں، چنانچہ انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیا، اسی اثناء میں ایک ابر نے انہیں ڈھانپ لیا، ایک ہی صبح ستر ہزار آدمی قتل ہو گئے، انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے باپ اور بھائی قتل کیے۔ یہ حکم بھی نفوس پر بہت شاق اور گراں ہے جو حدیث میں وارد حکم سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ (کیا اسے بھی خارج از وسعت کہنا چاہیے؟)

اس بحث کے بعد اب مشرکین کے بچپن میں مرے ہوئے بچوں کے متعلق بھی متعدد اقوال ہیں:

1۔ وہ جنتی ہیں، اس کی دلیل حدیث سمرہ رضی اللہ عنہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس (معراج کی شب) مسلمانوں اور مشرکوں کے بچے دیکھے، اسی طرح ایک اور حدیث میں جو پہلے گزر چکی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "وَالْمَوْلُوْدُ فِي الْجَنَّةِ" (2) (بچے جنتی ہیں)۔ یہ استدلال صحیح ہے لیکن امتحان کی احادیث اس سے خاص ہیں۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ وہ مطیع ہوگا اس کی روح کو برزخ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور مسلمانوں کے ان بچوں کے ساتھ جگہ دے دی جن کی وفات فطرت پر ہوئی، اور جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ اطاعت گزار نہیں ہوگا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اور قیامت کے دن وہ جہنمی ہوگا جیسا کہ احادیث امتحان سے ثابت ہوتا ہے۔ امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اہل سنت سے نقل کیا ہے۔ انہیں جنتی کہنے والوں میں سے بعض کا کہنا ہے کہ یہ مستقل جنتی ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ جنتیوں کے خادم ہوں گے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ابوداؤد طیالسی میں آیا ہے لیکن یہ ضعیف ہے۔

۲۔ وہ اپنے کافر آباؤ اجداد کے ساتھ جہنم میں جائیں گے اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث ہے، آپ رضی اللہ عنہا سے کفار کی اولاد کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول خدا ﷺ کا ان کے متعلق فرمان ہے: "وہ اپنے باپوں کے تابع ہیں"۔ یہ سن کر میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! بغیر اعمال کیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ انہوں نے کون سے اعمال کرنا تھے" (3)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول ﷺ سے مومنوں کے بچوں کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ اپنے باپوں کے ساتھ ہوں گے"۔ پھر میں نے پوچھا کہ مشرکین کے

1۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 159۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان جلد 1 صفحہ 169
2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 58
3۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 84

بچے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ اپنے آباء کے ساتھ ہوں گے''۔ میں نے عرض کی: بغیر عمل کیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ انہوں نے کیسے کیسے اعمال کرنا تھے'' (1)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے سامنے مشرکین کے بچوں کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم چاہو تو میں تمہیں جہنم میں ان کی چیخ و پکار سنا دوں'' (2)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے ان دو بچوں کی بابت دریافت کیا جو زمانۂ جاہلیت میں مر گئے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ دونوں دوزخ میں ہیں''۔ جب آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر ناگواری کے آثار دیکھے تو انہیں فرمایا: ''اگر تم ان دونوں کی جگہ دیکھ لیتیں تو تم خود ان سے کراہت محسوس کرتیں''، پھر انہوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ سے میرا بچہ (کہاں ہے)؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''مومن اور ان کے بچے جنتی ہیں جبکہ مشرک اور ان کے بچے دوزخی ہیں'' پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (الطور: 21) ''اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم ان کے ساتھ ان کی اولاد کو ملا دیں گے'' (3)۔ یہ حدیث غریب ہے، اس کی سند میں محمد بن عثمان مجہول الحال ہے اور ان کے شیخ زاذان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''زندہ درگور کرنے والی اور زندہ درگور کردہ دوزخی ہیں'' (4)۔ حضرت سلمہ بن قیس اشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے بھائی کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہم نے عرض کی کہ ہماری ماں زمانہ جاہلیت میں فوت ہو گئی، وہ مہمان نواز اور صلہ رحمی کرنے والی تھی البتہ اس نے ہماری ایک نابالغ بہن کو زندہ درگور کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''زندہ دفن کرنے والی اور زندہ دفن کی گئی دونوں دوزخی ہیں لیکن یہ اور بات ہے کہ زندہ درگور کرنے والی اسلام کو پا کر اسے قبول کر لے'' (5)۔ یہ سند حسن ہے۔

۳۔ ان کے بارے میں توقف اور سکوت اختیار کرنا چاہئے۔ اس کی دلیل حضرات ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث ہیں، جن میں رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کے بچوں کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ انہوں نے کیسے اعمال کرنا تھے'' (6)۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ان کا ٹھکانہ اعراف ہوگا لیکن اس قول سے یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ وہ جنتی ہیں کیونکہ اعراف کوئی ابدی قیام گاہ نہیں، یہاں کے رہنے والے بالآخر جنت میں چلے جائیں گے جیسا کہ سورۂ اعراف میں اس پر بحث ہو چکی ہے۔

یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ یہ اختلاف مشرکین کے بچوں کے ساتھ خاص ہے، اہل ایمان کے بچوں کی بابت علماء کے مابین کوئی اختلاف نہیں جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ ان کے جنتی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اور لوگوں میں یہی بات مشہور ہے اور ہمارے نزدیک بھی قطعی حکم یہی ہے، لیکن شیخ ابو عمر بن عبدالبر ذکر کرتے ہیں کہ بعض علماء نے اس بارے میں توقف کیا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ سب بچے مشیت الٰہی کے ماتحت ہیں۔ اہل فقہ اور اہل حدیث کی ایک جماعت کا یہی موقف ہے، ان میں حضرات حماد بن زید، حماد بن

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 229
2۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 208
3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 134-135
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 230
5۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 478، معجم کبیر، جلد 7 صفحہ 39-40
6۔ فتح الباری، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 245، صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2049

سلف، ابن مبارک، اسحاق بن راھویہ وغیرہ شامل ہیں۔ موطا امام مالک میں ابواب القدر کی احادیث میں تقریباً اسی طرح بیان ہوا ہے اور امام مالک کے اصحاب کی اکثریت کا یہی مسلک ہے، اگرچہ امام مالک سے اس ضمن میں کوئی چیز صراحتاً منقول نہیں لیکن ان کے پیروکاروں میں سے متاخرین کا خیال ہے کہ مسلمانوں کے بچے جنتی ہیں جبکہ مشرکین کے بچوں کا معاملہ مشیت الٰہی پر موقوف ہے۔ ابن عبدالبر کا یہ کلام بہت غریب ہے۔ امام قرطبی نے کتاب التذکرہ میں یہی فرمایا ہے(1)۔ یہ حضرات اس ضمن میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث بیان کرتے ہیں جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو ایک انصاری بچے کے جنازہ میں شرکت کرنے کے لئے بلایا گیا۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! اس بچے کو مبارک ہو، یہ تو جنت کی چڑیا ہے، نہ اس نے برائی کا ارتکاب کیا اور نہ اس عمر کو پہنچا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس کے علاوہ کچھ مزید بھی، اے عائشہ رضی اللہ عنہا! اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا اور جنتیوں کو بھی حالانکہ وہ اپنے آباء کی پشتوں میں ہیں اسی طرح دوزخ کو پیدا کیا اور دوزخیوں کو بھی حالانکہ وہ اپنے آباء کی پشتوں میں ہیں"(2)۔

چونکہ یہ مسئلہ صحیح اور عمدہ دلائل کا محتاج ہے اور بعض اوقات کچھ لوگ اپنی لاعلمی کی وجہ سے شارع کے متعلق گفتگو کرنے لگ جاتے ہیں اس لئے علماء کی ایک جماعت نے اس مسئلہ میں کلام کرنا ناپسند کیا ہے۔ حضرات ابن عباس، قاسم بن محمد بن ابی بکر اور محمد بن حنفیہ وغیرہ کا یہی موقف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے برسر منبر یہ حدیث بیان کی جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس امت کا معاملہ اس وقت تک درست رہے گا جب تک وہ بچوں اور تقدیر کے متعلق کلام نہیں کریں گے"(3)۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ حدیث میں بچوں سے مراد مشرکین کے بچے ہیں۔

وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا۟ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا ٱلْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا ۝

"اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہلاک کردیں کسی بستی کو (اس کے گناہوں کے باعث) تو (پہلے) ہم (نبیوں کے ذریعہ) وہاں کے رئیسوں کو (نیکی کا) حکم دیتے ہیں مگر وہ (الٹا) نافرمانی کرنے لگتے ہیں اس میں، پس واجب ہو جاتا ہے، ان پر (عذاب کا) فرمان پھر ہم اس بستی کو جڑ سے اکھیڑ کر رکھ دیتے ہیں"۔

"امرنا" کی قرأت میں اختلاف ہے۔ مشہور قرأت "اَمَرْنَا" تخفیف کے ساتھ ہے۔ اب اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہاں امر سے مراد امر تقدیری ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: أَتَىٰهَآ أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا (یونس:24) "اچانک آپڑا اس پر ہمارا حکم رات یا دن کے وقت" کیونکہ اللہ تعالیٰ برائی کا حکم نہیں دیتا۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بدکاریوں کے ارتکاب کی طرف مسخر کردیا جس کے باعث وہ عذاب کے مستحق ہوگئے۔ بعض نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ ہم ان اہل ثروت کو اطاعت کا حکم دیتے ہیں لیکن وہ بدکاریوں کا بازار گرم کرنے کی پاداش میں مستحق عقوبت ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید بن جبیرؓ سے یہی معنی منقول ہے۔ بقول ابن جریر اس میں اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ ہم ان کو حکمران بنا دیتے ہیں۔

1۔ دیکھئے التذکرۃ، احوال الموتی وامور الآخرۃ، صفحہ 511-517

2۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2050، سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 229

3۔ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب التاریخ، جلد 8 صفحہ 255-256، کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب القدر، جلد 3 صفحہ 35-36

یہ معنی اس قرأت کے مطابق ہے جس میں "اَمَّرْنَا" پڑھا گیا ہے۔ علی بن طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے (اس قرأت کے مطابق) یہ معنی نقل کرتے ہیں کہ ہم شریر اہل ثروت کو اقتدار دے دیتے ہیں لیکن وہ سرکشی اور نافرمانی پر اتر آتے ہیں، جب وہ ایسا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں مبتلائے عذاب کر کے ہلاک کر دیتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكٰبِرَ مُجْرِمِيهَا لِيَمْكُرُوا فِيهَا (الانعام:123) "اور اسی طرح ہم نے بنایا ہر بستی میں اس کے بڑے لوگوں کو وہاں کے مجرم تاکہ وہ اس میں مکر و فریب کریں"(1)۔ ابوالعالیہ، مجاہد اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے، عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ ہم ان کی تعداد بڑھا دیتے ہیں، اسی طرح عکرمہ، حسن، قتادہ اور ضحاک نے کہا ہے۔ زہریؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ ان میں سے بعض نے حضرت سوید بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "خَيْرُ مَالِ امْرِئٍ لَهُ مُهْرَةٌ مَأْمُورَةٌ أَوْ سِكَّةٌ مَأْبُورَةٌ"(2) (آدمی کا بہترین مال وہ بچھیری ہے جس کی نسل زیادہ ہو یا وہ رستہ جو کھجور کے درختوں سے اٹا پڑا ہو)۔ امام ابوعبید قاسم بن سلام نے مامورہ کا معنی کثیر النسل، سکۃ مابورہ کا معنی وہ رستہ جو کھجوروں کی قطاروں سے آراستہ ہو، بتایا ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ معنی مناسب ہے جس طرح آپ ﷺ کا قول ہے: "مَأْزُورَاتٍ غَيْرَ مَأْجُورَاتٍ"(3) (گناہ کرنے والیاں نہ کہ اجر پانے والیاں)۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ ۗ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿۱۷﴾

"اور کتنی قومیں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا ہے نوح علیہ السلام کے بعد۔ اور آپ کا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں سے اچھی طرح باخبر ہے اور انہیں خوب دیکھنے والا ہے"۔

رسول کریم ﷺ کو جھٹلانے پر اللہ تعالیٰ کفار قریش کو تنبیہ فرما رہا ہے کہ اس نے نوح (علیہ السلام) کے بعد بہت سی ایسی قوموں کو نیست و نابود کر دیا جو رسولوں کو جھٹلانے کی روش اپنائے ہوئی تھیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرات آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیان گزری ہوئی قومیں اسلام پر کاربند تھیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان دس امتیں گزری ہیں جن کو اسلام پر کاربند رہنے کا شرف حاصل ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوا کہ اے قریشیو، اے جھٹلانے والو! تم اللہ تعالیٰ کے ہاں پہلی قوموں سے کوئی زیادہ معزز نہیں ہو، تم نے اشرف الرسل ﷺ اور اکرم الخلائق کی تکذیب کی، اس لئے تم سزا کے زیادہ مستحق ہو۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَكَفٰى ... یعنی اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام اچھے برے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے، کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ أَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ﴿۱۹﴾

"جو لوگ طلبگار ہیں صرف دنیا کے ہم جلدی دے دیتے ہیں اس دنیا میں جتنا چاہتے ہیں (ان میں سے) جسے چاہتے ہیں۔ پھر ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لئے جہنم۔ تاپے گا وہ اسے اس حال میں کہ وہ مذمت کیا ہوا (اور) ٹھکرایا ہوا ہوگا۔ اور جو شخص طلبگار ہوتا ہے آخرت کا اور جدوجہد کرتا ہے اس کے لئے پوری طرح درآنحالیکہ وہ مومن بھی ہو، پس یہ وہ (خوش

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 55 2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 468 3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، جلد 1 صفحہ 503-502

نصیب ہیں) جن کی کوشش مقبول ہوگی"۔

یہ ضروری نہیں کہ دنیا اور اس کی نعمتوں کے طلبگار کی ہر خواہش پوری ہو جائے بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اور جس قدر چاہے، نوازتا ہے۔ یہ آیت کریمہ دیگر آیات کے مطلق حکم کے لئے مقید ہے کیونکہ فرمایا: عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا ... یعنی ہم طالبان دنیا میں سے جسے چاہیں اور جس قدر چاہیں، وہ دے دیتے ہیں۔ پھر آخرت میں ہم نے اس کیلئے جہنم تیار کر رکھا ہے جس میں اسے داخل ہونا پڑے گا اور یہ تمام اطراف سے اسے اپنی لپیٹ میں لے لے گا، اس وقت اس کی حالت یہ ہوگی کہ وہ اپنی بداعمالیوں کے باعث مذمت کیا ہوا ہوگا کیونکہ وہ فانی کو باقی پر ترجیح دیتا رہا، مزید برآں وہ دھتکارا ہوا اور ذلیل و رسوا ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دنیا اس کا گھر ہے جس کا (آخرت میں) کوئی گھر نہیں، اور یہ اس کا مال ہے جس کا (آخرت میں) کوئی مال نہیں اور اسے وہی جمع کرتا ہے جو بے عقل ہو"(1)۔

دوسری آیت میں فرمایا: وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ ..... یعنی جو شخص دار آخرت اس کی نعمتوں اور مسرتوں کا طلب گار ہے اور اس کی خاطر رسول کریم ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے تگ و دو کرتا ہے اور اس کا دل ایمان سے لبریز اور ثواب و جزا پر کامل یقین رکھتا ہے تو یہی وہ سعادت مند لوگ ہیں جن کی کوشش مقبول ہوگی اور اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝۲۰ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝۲۱

"ہر ایک کی ہم امداد کرتے ہیں ان کی بھی (جو طالب دنیا ہیں) اور ان کی بھی (جو طالب آخرت ہیں) آپ کے رب کی بخششوں سے۔ اور آپ کے رب کی بخشش کسی پر بند نہیں۔ دیکھو! کیسے بزرگی دی ہے ہم نے بعض کو بعض پر اور آخرت باعتبار درجوں کے سب سے بڑی اور باعتبار فضل و کرم سب سے اعلیٰ ہے"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم طالب دنیا اور طالب آخرت دونوں گروہوں میں سے ہر ایک کے لئے آپ کے رب کی بخششوں سے اس چیز میں اضافہ کرتے رہتے ہیں جس میں وہ ہیں، آپ کا رب ہی ایسا متصرف اور حاکم ہے جو کسی پر ظلم نہیں کرتا اور ہر ایک کو سعادت اور شقاوت میں سے وہ عطا کرتا ہے جس کا وہ مستحق ہوتا ہے۔ اس کے حکم کو کوئی رد کرنے والا نہیں، اس کی عطا کو کوئی روکنے والا نہیں اور اس کے ارادہ کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں، اس لئے فرمایا: وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا یعنی آپ کے رب کی عطا کو نہ کوئی روکنے والا ہے اور نہ کوئی رد کرنے والا۔ قتادہ کے نزدیک "محظور" کا معنی منقوص (کم کیا ہوا) ہے، اور حسن وغیرہ نے اس کا معنی ممنوع کیا ہے۔ پھر فرمایا: اُنْظُرْ كَيْفَ ... یعنی دیکھیں ہم نے کس طرح دنیا میں بعض کو بعض پر فضیلت اور برتری عطا کی ہے۔ کوئی امیر ہے، کوئی غریب اور کوئی متوسط درجہ کا، کوئی خوبصورت، کوئی بدصورت اور کوئی قبول صورت، کوئی بچپن میں مر جاتا ہے، کوئی بڑھاپے میں اور کوئی درمیانی عمر میں۔ اس کے بعد فرمایا: وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ ... یعنی دنیا کے مقابلے میں دار آخرت کے اندر مراتب میں فرق اور درجات میں تفاوت زیادہ ہوگا کیونکہ کچھ لوگ جہنم کے گڑھوں میں طوق و زنجیر میں جکڑے عذاب کا سامنا کر رہے ہوں گے اور کچھ لوگ جنت کے اعلیٰ درجات میں اس کی نعمتوں اور مسرتوں سے شاد کام ہو رہے ہوں گے، پھر جہنمیوں کی سزا اور عذاب میں بھی تفاوت ہوگا، اسی طرح جنتیوں کے درجات میں

1۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 71

بھی فرق ہوگا کیونکہ جنت کے سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان اتنی مسافت ہے جس قدر زمین و آسمان کے درمیان۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "بلند درجات والے اہل علیین کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم آسمان کے افق میں کسی ستارے کو دیکھتے ہو"(1)۔ اسی لئے فرمایا: وَلَلۡاٰخِرَۃُ اَکۡبَرُ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے: "جو بندہ ارادہ کرتا ہے کہ دنیا میں اس کا درجہ بلند ہو جائے اور وہ بلند درجہ پا بھی لے تو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کا اس سے بڑا درجہ گھٹا دے گا" (2)۔ پھر آپ نے اسی آیت وَلَلۡاٰخِرَۃُ...... کی تلاوت کی۔

لَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ فَتَقۡعُدَ مَذۡمُوۡمًا مَّخۡذُوۡلًا ﴿۲۲﴾

"نہ ٹھہراؤ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ورنہ تم بیٹھ رہو گے اس حال میں کہ تمہاری مذمت کی جائے گی اور بے یار و مددگار ہو جاؤ گے۔"

اس آیت میں خطاب امت کے ہر مکلف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک عبادت نہ بناؤ ورنہ شرک کے اس جرم عظیم کی پاداش میں تم ذلیل اور بے یار و مددگار ہو جاؤ گے کیونکہ شرک کے ارتکاب کی صورت میں اللہ تعالیٰ تمہاری مدد نہیں کرے گا بلکہ تمہیں اسی کے سپرد کر دے گا جس کی تم عبادت کرو گے اور یہ (معبود باطل) تمہارے لئے کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوگا۔ نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص فاقہ کا شکار ہو گیا اور اس نے اسے دور کرنے کے لئے لوگوں سے امید وابستہ کر لی تو اس کا فاقہ ختم نہیں ہوگا اور جس نے اسے رفع کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے امید وابستہ کر لی تو اللہ تعالیٰ جلد یا بدیر اسے خوشحالی سے نواز دیتا ہے" (3)۔

وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ وَ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا ؕ اِمَّا یَبۡلُغَنَّ عِنۡدَکَ الۡکِبَرَ اَحَدُہُمَاۤ اَوۡ کِلٰہُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّہُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنۡہَرۡہُمَا وَ قُلۡ لَّہُمَا قَوۡلًا کَرِیۡمًا ﴿۲۳﴾ وَ اخۡفِضۡ لَہُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَۃِ وَ قُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡہُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیۡ صَغِیۡرًا ﴿ؕ۲۴﴾

"اور حکم فرمایا آپ کے رب نے کہ نہ عبادت کرو بجز اس کے اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر بڑھاپے کو پہنچ جائے تیری زندگی میں ان دونوں میں کوئی ایک یا دونوں تو انہیں اف تک مت کہو اور انہیں مت جھڑکو، اور جب ان سے بات کرو تو بڑی تعظیم سے بات کرو۔ اور جھکا دو ان کے لئے تواضع و انکسار کے پر رحمت (ومحبت) سے اور عرض کرو اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انہوں نے (بڑی محبت و پیار سے) مجھے پالا تھا جب میں بچہ تھا"۔

آیت کریمہ میں "قضی" کا لفظ حکم دینے کے معنی میں ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے: "وَصّٰی" (تاکیدی حکم دیا)۔ حضرات ابی بن کعب، ابن مسعود اور ضحاک بن مزاحم کی قرأت میں "قضی" کی بجائے "وصی" ہے (4)۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی عبادت کا حکم اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دونوں کو ایک ساتھ ذکر کیا ہے جیسا کہ ایک اور آیت میں فرمایا: اَنِ اشۡکُرۡ لِیۡ وَ لِوَالِدَیۡکَ ؕ اِلَیَّ الۡمَصِیۡرُ (لقمان: 14) "کہ میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو میری طرف ہی لوٹنا ہے"۔ پھر فرمایا: اِمَّا یَبۡلُغَنَّ عِنۡدَکَ یعنی اپنے

1۔ صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، جلد 6 صفحہ 320، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، 4 صفحہ 2177
2۔ مجمع کبیر، جلد 6 صفحہ 239-240
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الزکوۃ 122/2، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 407 وغیرہ
4۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 62-63

والدین کے حق میں اونچی زبان سے کوئی نازیبا بات اور برا کلمہ مت نکالیں حتیٰ کہ اف بھی نہ کہیں حالانکہ یہ تو معمولی چیز اور ہلکی سی بے ادبی ہے اور نہ ہی انہیں جھڑکیں، یعنی ان کی شان میں تمہاری طرف سے کسی فعل قبیح کا صدور نہیں ہونا چاہئے۔ عطاء بن ابی رباح وَلَا تَنْهَرْهُمَا کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بے ادبی سے ان کی طرف اپنا ہاتھ مت دراز کرو(1)۔ والدین کے معاملہ میں قول قبیح اور فعل قبیح سے ممانعت کے بعد اب اللہ تعالیٰ والدین کیساتھ خوش کلامی اور خوش اخلاقی سے پیش آنے کا حکم دے رہا ہے، فرمایا: وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا یعنی ادب، توقیر اور تعظیم کیساتھ نرم، عمدہ اور ملائم لہجہ میں ان سے مخاطب ہوں، مزید فرمایا: وَاخْفِضْ لَهُمَا یعنی اپنے عمدہ افعال کے ساتھ ان کے سامنے عاجزی اور تواضع کا اظہار کریں، آیت کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے: وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا... یعنی اے میرے پروردگار! ان پر بڑھاپے میں اور وفات کے وقت رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں بڑے پیار سے میری پرورش کی تھی۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اس آیت کے ذریعے کفار کے لئے طلب مغفرت سے منع کر دیا گیا: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ (التوبۃ: 113) ''درست نہیں ہے نبی کے لئے اور نہ ایمان والوں کے لئے کہ مشرکین کے لئے مغفرت طلب کریں اگرچہ وہ مشرک ان کے قریبی رشتہ دار ہی ہوں جبکہ ان پر واضح ہو گیا کہ یہ دوزخی ہیں'' (2)۔

والدین کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرنے کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ منبر پر چڑھتے ہوئے تین دفعہ آمین کہی۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے آمین کس بنا پر کہی ہے؟ فرمایا: ''میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے: اے محمد ﷺ اس شخص کی ناک خاک آلود (ذلیل) ہو جس کے پاس آپ ﷺ کا ذکر ہوا لیکن اس نے آپ پر درود نہ پڑھا، کہو آمین تو میں نے کہا: آمین۔ پھر جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس ماہ رمضان آیا اور چلا گیا لیکن اس کی بخشش نہ ہوئی، کہو آمین، میں نے کہا: آمین، پھر جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو جس نے اپنے والدین دونوں کو یا ان میں سے ایک کو پایا لیکن ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کر سکا، کہیے آمین، میں نے کہا: آمین'' (3)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی مسلمان والدین کے یتیم بچے کی پرورش کی اور اسے اپنے کھانے پینے میں شریک کیا یہاں تک کہ وہ بے نیاز ہو گیا تو اس شخص کے لئے یقیناً جنت واجب ہو گئی، اور جس نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا، اسے جہنم سے رہائی مل گئی، اس (غلام) کے ہر ہر عضو کے بدلے اس کا ہر ہر عضو جہنم سے آزاد ہو گا'' (4)۔ ایک دوسری سند سے مروی اس حدیث کے آخر میں یہ اضافہ بھی ہے: ''جس نے اپنے والدین یا دونوں میں سے کسی ایک کو پایا اور پھر بھی جہنم میں داخل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اپنی رحمت سے دور کرے'' (5)۔ حضرت مالک بن عمرو قشیری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے مسلمان غلام آزاد کیا تو یہ آگ سے اس کا فدیہ ہے، اس (غلام) کی ہر ہر ہڈی کے بدلے اس کی ہر ہر ہڈی (آگ سے) آزاد ہو گی۔ جس نے اپنے والدین میں سے کسی ایک کو پایا اور اس کے باوجود اس کی مغفرت نہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے دور کرے اور جس نے کسی مسلمان ماں باپ کے یتیم بچے کی کفالت کی اور اسے اپنے کھانے پینے میں شریک کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے غنی کر دیا تو اس شخص کے لئے جنت لازم ہو گئی'' (6)۔ ایک اور روایت میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اپنے ماں باپ یا کسی

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 65
2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 68
3۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1978، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 254، وغیرہ
4۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 344
5۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 29
6۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 344

ایک کو پایا، پھر اس کے باوجود جہنم میں داخل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے دور کرے اور اسے تباہ و برباد کرے" (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو، ناک خاک آلود ہو، ناک خاک آلود ہو جس نے اپنے والدین میں سے کسی ایک کو یا دونوں کو بڑھاپے میں پایا اور (خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہوا" (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس میرا ذکر ہوا لیکن اس نے مجھ پر درود نہ بھیجا، اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس ماہ رمضان آیا اور گزر گیا لیکن اس کی بخشش نہ ہوئی اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کی زندگی میں اس کے والدین بڑھاپے کو پہنچے لیکن وہ ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کر سکا" (3)۔ حضرت ابو اسید مالک بن ربیعہ ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا، اسی اثناء میں ایک انصاری آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! کیا میرے والدین کی وفات کے بعد ان سے حسن سلوک مجھ پر ضروری ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں، چار چیزیں ضروری ہیں، ان کی نماز جنازہ پڑھنا اور ان کے لئے مغفرت طلب کرنا، ان کے کئے ہوئے عہد کو پورا کرنا، ان کے دوستوں کا احترام کرنا اور ان کی طرف سے رشتہ داروں کیساتھ صلہ رحمی کرنا۔ یہ ایسا حسن سلوک ہے جو ان کی موت کے بعد تم پر واجب ہے" (4)۔ حضرت جاہمہ سلمی بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! میری خواہش ہے کہ جہاد میں شرکت کروں، اس سلسلہ میں آپ سے مشاورت کرنے آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تمہاری ماں ہے؟" انہوں نے عرض کی: جی ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ، اس کی خدمت کرو۔ جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔ مختلف مواقع پر دوبارہ اور سہ بارہ عرض کرنے پر آپ ﷺ نے یہی بات فرمائی" (5)۔ حضرت مقدام بن معدیکرب روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے باپوں کے متعلق وصیت فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری ماؤں کی بابت وصیت فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری ماؤں کے بارے میں وصیت فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری ماؤں کے متعلق وصیت فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں رشتہ داروں کی نسبت وصیت فرماتا ہے، سب سے زیادہ قریبی پھر اس کے قریب والا" (6)۔ ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "دینے والے کا ہاتھ اونچا ہے، اپنی ماں سے حسن سلوک کرو، اپنے باپ سے، اپنی بہن سے، اپنے بھائی سے، پھر ان کے بعد جو قریبی رشتہ دار ہو، پھر اسی طرح درجہ بدرجہ" (7)۔ ایک آدمی اپنی ماں کو اٹھائے طواف کروا رہا تھا، وہ نبی کریم ﷺ سے عرض کرنے لگا کہ کیا میں نے اپنی ماں کا حق ادا کر دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، ایک سانس کے برابر بھی نہیں" (8)۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِیْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾

"تمہارا رب بہتر جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔ اگر تم نیک کردار ہو گے تو بے شک اللہ تعالیٰ بکثرت توبہ کرنے

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 29 مسند ابی داؤد طیالسی صفحہ 187-188　　2۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1978، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 346

3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعاء، جلد 13 صفحہ 62، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 254

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 336، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2 صفحہ 1208-1209

5۔ سنن نسائی، کتاب الجہاد، جلد 6 صفحہ 11، سنن ابن ماجہ، ابواب الجہاد، جلد 2 صفحہ 929-930

6۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2 صفحہ 1207-1208، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 32

7۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 64-65　　8۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب البر والصلۃ، جلد 2 صفحہ 371

والوں کے لئے بہت بخشنے والا ہے"۔

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن سے جلد بازی میں اپنے والدین کے حق میں کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے جسے وہ اپنے ذہن کے مطابق قابل مواخذہ نہیں سمجھتے۔ چونکہ ان کی نیت صاف ہوتی ہے اور بجز خیر کے انکا اور ارادہ نہیں ہوتا، اس لئے اللہ تعالیٰ ان پر نظر کرم فرماتا ہے(1)۔ قتادہ "اوابین" کا معنی اطاعت گزار نمازی بتاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے دو معانی منقول ہیں۔ (1) تسبیح کرنے والے، (۲) اطاعت گزار اچھے اعمال بجالانے والے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مغرب اور عشاء کے درمیان نوافل پڑھتے ہیں جبکہ بعض حضرات اس سے وہ لوگ مراد لیتے ہیں جو چاشت کی نماز ادا کرتے ہیں۔ حضرت سعید بن مسیب کے نزدیک یہ وہ لوگ ہیں جو گناہ کا ارتکاب کرلیں تو توبہ کرتے ہیں، پھر اگر گناہ ہو جائے تو توبہ کر لیتے ہیں۔ عطاء بن یسار، سعید بن جبیر اور مجاہد اس کا معنی بیان کرتے ہیں: خیر کی طرف رجوع کرنے والے۔ عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو خلوت میں اپنے گناہوں کو یاد کرکے استغفار کرتے ہیں۔ عبید بن عمیر کا ہی کہنا ہے کہ اواب وہ ہے جو ہر مجلس سے اٹھتے وقت یہ دعا پڑھے: "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا اَصَبْتُ فِیْ مَجْلِسِیْ ھٰذَا" (اے اللہ! اس مجلس میں جو لغزش مجھ سے سرزد ہوئی، اسے معاف فرمادے)۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ اواب کا سب سے بہتر معنی یہ ہے: گناہ سے توبہ کرنے والا، نافرمانی سے اطاعت کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ چیزوں سے اس کی محبوب چیزوں کی طرف رجوع کرنے والا(2)۔ یہ قول بالکل درست ہے کیونکہ اواب کا لفظ "اوب" سے مشتق ہے جس کا معنی ہے رجوع کرنا۔ کہا جاتا ہے: "آبَ فلانٌ" (فلاں لوٹ آیا) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ (الغاشیہ: 25) "بے شک انہیں ہماری طرف ہی لوٹنا ہے" حدیث صحیح میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر سے لوٹتے تو فرماتے: "آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ" (لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے اور اپنے رب ہی کی حمد کرنے والے)(3)۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝

"اور دیا کرو رشتہ دار کو اس کا حق اور مسکین اور مسافر کو بھی اور فضول خرچی نہ کیا کرو۔ بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکر گزار ہے۔ اور اگر (بوجہ تنگدستی) تجھے ان سے منہ پھیرنا پڑے اور تم اپنے رب کی رحمت (یعنی خوشحالی) کے متلاشی ہو جس کی تمہیں توقع ہے (اس اثناء میں) ان سے بات کرو تو بڑی نرمی سے کرو"۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک اور محبت و مروت کے حکم کے بعد اب قرابت داروں کے ساتھ احسان اور صلہ رحمی کرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "اپنی ماں اور اپنے باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو پھر درجہ بدرجہ قریبی رشتہ داروں کے ساتھ"۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے: "جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا رزق فراخ ہو اور اس کی عمر دراز ہو تو وہ صلہ رحمی کیا کرے"(4)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 68 2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 71 3۔ صحیح بخاری، کتاب العمرۃ، جلد 3 صفحہ 8، صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 978
4۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 3 صفحہ 73، صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1982

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر باغ فدک عطا فرمایا(1)۔ حافظ ابوبکر بزار نے اس روایت کو ذکر کیا ہے۔ اس کی سند محل نظر ہے۔ اگر اس کی سند کو صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو یہ بھی روایت اشکال سے خالی نہیں کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور فدک خیبر کے ساتھ ےھ میں فتح ہوا۔ اس لئے ایسا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ حدیث منکر ہے اور رافضیوں کی وضع کردہ ہے۔ مساکین اور مسافرین کے متعلق بحث سورہ برأت میں گزر چکی ہے جس کے اعادہ کی یہاں کوئی ضرورت نہیں (2)۔ اس آیت کے آخر میں فرمایا: وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا انفاق (خرچ کرنا) کا حکم دینے کے بعد اسراف اور فضول خرچی کی ممانعت کر دی۔ ہر حال میں اعتدال کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (الفرقان: 67) "اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ کنجوسی (بلکہ) ان کا خرچ کرنا اسراف اور بخل کے بین بین اعتدال سے ہوتا ہے" پھر اسراف اور فضول خرچی سے نفرت دلاتے ہوئے فرمایا: اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ یعنی فضول خرچ لوگ اس معاملہ میں شیطانوں کے مشابہ ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تبذیر کا معنی بتاتے ہیں: ناحق خرچ کرنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اگر انسان اپنا تمام کا تمام مال حق کی راہ میں خرچ کر دے تو مبذر (فضول خرچ) نہیں ہوگا اور اگر غیر حق میں معمولی سا بھی خرچ کرے تو وہ مبذر کہلائے گا۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ تبذیر کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں، ناحق اور فساد کی غرض سے خرچ کرنا(3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنو تمیم کا ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے لگا: یا رسول اللہ! میں مالدار آدمی ہوں اور اہل و عیال، خاندان اور بڑے قبیلے والا ہوں، مجھے فرمایئے کہ میں کس طرح خرچ کروں اور کونسا طریقہ اپناؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر مال ہے تو اس کی زکوٰۃ ادا کر، کیونکہ یہ تجھے پاک کر دے گی، اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کر اور سائل، پڑوسی اور مسکین کے حقوق پہچان"۔ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! قلیل الفاظ میں جامع بات فرمایئے۔ آپ نے فرمایا: وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا وہ شخص عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے یہ کافی ہے۔ اگر میں آپ کے قاصد کو زکوٰۃ کی ادائیگی کر دوں تو میں اللہ اور اسکے رسول کے ہاں بری الذمہ ہو گیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں۔ جب تم نے میرے قاصد کو زکوٰۃ دے دی تو تم بری الذمہ ہو گئے اور تمہیں اس کا اجر مل گیا۔ اب جو اس میں تغیر و تبدل کرے گا تو اس کا گناہ اسی پر ہوگا" (4)۔

فرمایا: اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ۔ یعنی فضول خرچی کرنے والے اسراف، بیوقوفی، ترک اطاعت اور ارتکاب معصیت میں شیطانوں کے بھائی ہیں، اسی لئے فرمایا: وَكَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا یعنی شیطان اپنے رب کا ناشکر گزار اور منکر ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا انکار کرتا ہے اور اس کی اطاعت نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور مخالفت پر کمربستہ ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ۔ یعنی جب تمہارے قرابت دار اور دیگر وہ لوگ جنہیں عطا کرنے کا ہم نے تمہیں حکم دیا ہے، تم سے کسی چیز کا سوال کریں لیکن تمہارے پاس انہیں دینے کے لئے کچھ بھی نہ ہو اور افلاس کے سبب تمہیں ان سے منہ موڑنا پڑ جائے تو بھی ان سے نرم لہجے میں بات کرو یعنی ان سے وعدہ کر لو کہ جب اللہ تعالیٰ رزق سے نوازے گا تو ہم انشاء اللہ ضرور تمہیں عطا کریں گے۔ مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن اور قتادہ وغیرہ نے قَوْلًا

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر جلد 3 صفحہ 55 — 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ توبہ: 60
3۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 74 — 4۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 136

تَبْذِیْرًا کی تفسیر وغیرہ سے کی ہے۔

وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ اِنَّ رَبَّكَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًۢا بَصِیْرًا ۝

''اور نہ بنالو اپنے ہاتھ کو بندھا ہوا اپنی گردن کے ارد گرد اور نہ ہی اسے بالکل کشادہ کر دو ورنہ تم بیٹھ جاؤ گے ملامت کئے ہوئے درماندہ۔ بے شک آپ کا رب کشادہ کرتا ہے روزی جس کے لئے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے (جس کے لئے چاہتا ہے) یقیناً وہ اپنے بندوں (کے حالات) سے خوب آگاہ ہے اور (انہیں) دیکھنے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ بخل کی مذمت کرتے ہوئے اور اسراف سے منع کرتے ہوئے زندگی میں میانہ روی اپنانے کا حکم ارشاد فرما رہا ہے، حکم ہوتا ہے: وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ یعنی بخیل اور مال کو روک کر رکھنے والے نہ ہو کہ کسی کو کچھ عطا ہی نہ کرو جیسا کہ ملعون یہود (اس محاورہ کو استعمال کرتے ہوئے) کہتے: ''یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ'' (اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے)۔ یہ کہہ کر وہ سخی اور کریم ذات کی نسبت بخل کی طرف کرتے۔ پھر فرمایا: وَلَا تَبْسُطْهَا یعنی خرچ کرنے میں اسراف سے کام نہ لو کہ اپنی طاقت سے بڑھ کر اور آمدنی سے زیادہ عطا کرتے رہو ورنہ تم ملامت کئے ہوئے اور درماندہ ہو کر بیٹھ رہو گے۔ اس آیت میں لف ونشر ہے یعنی اگر تم بخل کے مرتکب ہوئے تو تم ملامت کئے ہوئے بیٹھے رہو گے، لوگ تمہیں ملامت کریں گے، تمہاری مذمت کریں گے اور تم سے بے نیاز ہو جائیں گے جیسا کہ زہیر بن ابی سلمٰی اپنے معلقہ میں کہتا ہے:

وَمَنْ یَكُ ذَا فَضْلٍ فَیَبْخَلْ بِفَضْلِهِ عَلٰى قَوْمِهِ یُسْتَغْنَ عَنْهُ وَیُذْمَمِ (1)

یعنی جو شخص مالدار ہونے کے باوجود اپنی قوم سے بخل کرے تو اس سے وہ بے نیاز ہو جاتے ہیں اور اس کی مذمت کرتے ہیں۔

اگر تم اپنی طاقت سے بڑھ کر خرچ کرو گے تو تمہارے پاس خرچ کرنے کے لئے پھر کوئی چیز نہیں بچے گی، اس طرح تم درماندہ اور عاجز ہو جاؤ گے اور تمہاری حالت اس جانور کی سی ہوگی جو کمزوری اور تھکاوٹ کی وجہ سے چلنے سے عاجز ہو کر رک جاتا ہے، ایسے جانور کو حسیر کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ ایک اور مقام پر بھی استعمال ہوا ہے: فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ (الملک: 3-4) ''ذرا پھر نگاہ اٹھا کر دیکھ کیا تجھے کوئی رخنہ دکھائی دیتا ہے؟ پھر بار بار نگاہ ڈالو، لوٹ آئے گی تیری طرف تیری نگاہ ناکام ہو کر دراں حالیکہ وہ تھکی ماندی ہوگی''۔ حضرات ابن عباس، حسن، قتادہ، ابن جریج، ابن زید اور دیگر حضرات نے اس آیت کی تفسیر بخل اور اسراف سے بیان کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بخیل اور سخی کی مثال ان دو آدمیوں جیسی ہے جن پر سینے سے گلے تک لوہے کے دو جبے ہوں۔ سخی جوں جوں خرچ کرتا ہے، اس کا جبہ اس کی جلد پر بڑھتا جاتا ہے حتیٰ کہ اس کے پوروں کو چھپا لیتا ہے اور اس کے اثر کو زائل کر دیتا ہے اور بخیل جب بھی خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے، اس کے جبے کی کڑیاں اپنی جگہ چمٹی رہتی ہیں، وہ انہیں وسیع کرنا چاہتا ہے لیکن ان میں وسعت پیدا نہیں ہوتی'' (2)۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (مجھے) فرمایا: ''اس طرح، اس طرح اور اس طرح خرچ کرتی رہا کرو، بچا بچا کر نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ

1۔ دیوان زہیر بن ابی سلمٰی 30

2۔ فتح الباری، کتاب الزکاۃ، جلد 3 صفحہ 305، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 708-709

بھی تم سے روک لے گا اور نہ ہی سربند کر کے جمع کرو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تم سے سربند کرے گا" (1)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے: "گن گن کر نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی شمار کر کے تجھ سے روک لے گا"۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ خرچ کرو، میں تمہیں عطا فرماؤں گا" (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر صبح آسمان سے دو فرشتے اترتے ہیں، ان میں سے ایک کہتا ہے: یا اللہ! خرچ کرنے والے کو اجر عطا فرما، دوسرا فرشتہ کہتا ہے: یا اللہ! بخیل کا مال تلف کر دے" (3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں آتا ہے: "صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ ہر سخی کی عزت میں اضافہ فرماتا ہے اور جو شخص رضائے الٰہی کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے بلند کر دیتا ہے" (4)۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں آتا ہے: "حرص سے بچو کیونکہ اس نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاکت میں ڈال دیا، اس نے انہیں بخل کا حکم دیا تو وہ بخل کرنے لگے، اس نے انہیں قطع رحمی پر اکسایا تو وہ قطع رحمی کرنے لگے اور انہیں فسق و فجور پر آمادہ کیا تو وہ فسق و فجور پر کمر بستہ ہو گئے" (5)۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب انسان صدقہ کرتا ہے تو ستر شیطین کے جبڑے ٹوٹ جاتے ہیں" (6)۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میانہ روی اختیار کرنے والا محتاج نہیں ہوتا" (7)۔

اگلی آیت میں فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ ۔ آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی رازق، روزی کشادہ کرنے والا اور تنگ کرنے والا اور اپنی مشیت کے مطابق اپنی مخلوق میں تصرف کرنے والا ہے۔ وہ اپنی حکمت کے پیش نظر جسے چاہے غنی کر دے اور جسے چاہے فقیر بنا دے، اس لئے فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ ۔ یعنی وہ باخبر اور دیکھنے والا ہے، اسے بہتر معلوم ہے کہ کون خوشحالی کا مستحق ہے اور کون فقر کا، جیسا کہ حدیث قدسی میں آتا ہے: "میرے بعض بندے ایسے ہیں جن کے لئے فقر ہی بہتر ہے۔ اگر میں انہیں خوشحال بنا دوں تو ان کا دین برباد ہو جائے اور میرے بعض بندے ایسے ہیں جن کے لئے خوشحالی ہی موزوں ہے، اگر میں انہیں فقیر بنا دوں تو ان کا دین فساد کا شکار ہو جائے"۔ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ بعض لوگوں کے حق میں امارت استدراج (ڈھیل) ہوتی ہے اور فقر سزا۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝

"اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی کے اندیشہ سے۔ ہم ہی رزق دیتے ہیں انہیں بھی اور تمہیں بھی۔ بلاشبہ اولاد کو قتل کرنا بہت بڑی غلطی ہے"۔

یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے جس قدر والد اپنی اولاد کے لئے ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اولاد کو قتل کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، اسی طرح آباء کو وصیت کی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو وراثت میں اپنا مال دیں، زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا دستور تھا کہ وہ بچیوں کو وراثت میں شریک نہیں کرتے تھے بلکہ بعض تو اپنی بیٹیوں کو فقر و افلاس کے خوف سے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الہبۃ، جلد 3 صفحہ 305۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 713
2۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 691
3۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 142۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 700
4۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2001
5۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 159-160
6۔ شرح مشکل، کتاب الزکاۃ، جلد 4 صفحہ 187
7۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 447

اپنے ہاتھوں قتل کر دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جرم سے منع کرتے ہوئے فرمایا: وَلَا تَقْتُلُوْٓا۔ یعنی تم اپنی اولاد کو اس اندیشہ کے پیش نظر قتل نہ کرو کہ تمہیں (ان کی کفالت کے باعث) فقر کا سامنا کرنا پڑے گا، ان کے روزی رساں ہم ہیں، اس لئے رزق کی بہم رسانی کا ذکر کرتے ہوئے انہیں مقدم رکھا، فرمایا: نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِیَّاكُمْ جبکہ سورۂ انعام میں یوں فرمایا: وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِیَّاهُمْ (الانعام: 151) "اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم رزق دیتے ہیں تمہیں بھی اور انہیں بھی"۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ قَتْلَهُمْ۔ یعنی ان کا قتل بہت بڑا گناہ ہے۔ ایک اور قراءت میں خطأ ہے (1)۔ یہ دونوں ہم معنی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "تو کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے"۔ میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: "تو اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھائیں گے"۔ میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: "تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے" (2)۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِیْلًا ﴿۳۲﴾

"اور بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ، بے شک یہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے"۔

زنا، اس کے قریب لے جانے والے اسباب اور اس فعل قبیح پر اکسانے والے تمام امور کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بے حیائی، بہت بڑا گناہ اور بہت برا راستہ ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نوجوان بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے زنا کی اجازت دیجئے۔ حاضرین یہ سنتے ہی برافروختہ ہو گئے اسے جھڑکنے لگے اور کہنے لگے: چپ چپ، لیکن آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ میرے قریب آؤ۔ وہ آپ ﷺ کے قریب آیا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ جب وہ بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تم اسے اپنی ماں کے لئے پسند کرتے ہو؟" عرض کی: نہیں، اللہ کی قسم! میں آپ پر قربان جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسی طرح لوگ بھی اپنی ماؤں کے لئے یہ پسند نہیں کرتے۔ پھر آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: "کیا تم اپنی بیٹی کے لئے اسے پسند کرتے ہو؟" عرض کی: نہیں، یارسول اللہ ﷺ! میں آپ پر قربان جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسی طرح دوسرے لوگ بھی اسے اپنی بیٹیوں کے لئے پسند نہیں کرتے۔ پھر پوچھا: "کیا تم اپنی بہن کے لئے اسے پسند کرتے ہو؟" عرض کی: نہیں، اللہ کی قسم! میں آپ پر قربان جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوسرے لوگ بھی اسی طرح اپنی بہنوں کے لئے اسے پسند نہیں کرتے۔ پھر فرمایا: "کیا تم اپنی پھوپھی کے لئے اس پسند کرتے ہو؟" عرض کی: نہیں، اللہ کی قسم! میں آپ ﷺ پر قربان۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ باقی لوگ بھی اسی طرح اسے فعل شنیع کو اپنی پھوپھیوں کے لئے پسند نہیں کرتے۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا: "کیا تم اسے اپنی خالہ کے لئے پسند کرتے ہو؟" عرض کی: نہیں، اللہ کی قسم! میں آپ پر قربان جاؤں۔ فرمایا: اسی طرح دوسرے لوگ بھی اسے اپنی خالاؤں کیلئے پسند نہیں کرتے۔ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ کر یہ دعا کی: "اے اللہ! اس کا گناہ بخش دے، اس کے دل کو پاک کر دے اور اسے بدکاری سے بچا" (3) اس کے بعد اس شخص نے پھر کبھی اس فعل کے ارتکاب کا تصور تک بھی نہ کیا۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "شرک کے بعد زنا سے بڑھ کر کوئی اور گناہ نہیں کہ آدمی

1۔ المبسوط فی القراءات العشر از ابوبکر بن مہران اصبہانی 228، تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 79

2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ بقرہ، جلد 8 صفحہ 163، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 90

3۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 256-257

اپنا نطفہ ایسے رحم میں ڈالے جو اس کے لئے حلال نہیں'' ۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾

''اور نہ قتل کرو اس نفس کو جس کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے مگر حق کے ساتھ۔ اور جو قتل کیا جائے ناحق تو ہم نے مقتول کے وارث کو (قصاص کے مطالبہ کا) حق دے دیا ہے پس اسے چاہئے کہ قتل میں اسراف نہ کرے۔ ضرور اس کی مدد کی جائے گی''۔

بغیر حق شرعی کے کسی کو قتل کرنے سے منع کیا جا رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی ایسے مسلمان کا خون حلال نہیں ہے جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، بجز تین میں سے کسی ایک کے: قتل کے بدلے قتل، شادی شدہ زانی اور مرتد جو جماعت کو چھوڑنے والا ہو'' (1)۔ سنن میں ہے: ''ساری دنیا کا فنا ہو جانا اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مسلمان کے قتل سے زیادہ آسان ہے'' (2)۔ فرمایا: وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا ۔ یعنی جو شخص ناحق قتل ہو گیا تو اس کے وارث کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر وہ چاہے تو قصاص میں قاتل کو قتل کر دے اور اگر چاہے تو اسے معاف کر دے خواہ دیت (خون بہا) لیکر یا بغیر کسی عوض کے۔ عالم اجل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے عموم سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سلطنت پر استدلال کیا ہے کہ وہ زمام اقتدار سنبھال لیں گے کیونکہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ناحق شہید کر دیا گیا تو اموی ہونے کے ناطے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ولی تھے، اسی بناء پر انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ وہ قاتلان عثمان کو ان کے حوالے کر دیں تاکہ وہ ان سے قصاص لے سکیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں مہلت کے خواہاں تھے تاکہ وہ اقتدار کو مضبوط کر کے ایسا کر سکیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ مطالبہ تھا کہ وہ شام ان کے حوالے کر دیں لیکن حضرت معاویہ نے نہ صرف اہل شام سمیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کر دیا بلکہ شام حوالے کرنے سے بھی انکار کر دیا جب تک وہ قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے حوالے نہیں کرتے۔ اسی کشمکش میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام پر اپنا قبضہ مستحکم کر لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اس آیت سے یہ استنباط بہت عجیب و غریب ہے۔ معجم طبرانی میں یہ روایت ہے کہ ایک رات قصہ گوئی کی محفل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے کہا کہ میں تمہیں ایک بات بتانے والا ہوں، نہ وہ پوشیدہ اور نہ علانیہ۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تو میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ آپ امور سلطنت سے الگ تھلگ رہیں۔ اگر آپ کسی بل میں بھی ہوئے تو لوگ وہاں سے بھی آپ کو نکال لیں گے لیکن انہوں نے میری بات نہ مانی۔ یاد رکھو، اللہ کی قسم! معاویہ ضرور تمہارے بادشاہ بنیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا ..... اور یاد رکھو یہ قریش تمہیں فارس و روم کے طریقوں پر آمادہ کریں گے اور نصاریٰ، یہود اور مجوس تم پر آ کھڑے ہوں گے۔ اس وقت جس نے معروف کو تھام لیا، اس نے نجات پالی اور جس نے چھوڑ دیا اور تم چھوڑنے والے ہی ہو، تم بھی ایک زمانے والوں کی طرح ہو گے، تو وہ بھی ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہوا (3)۔

1۔ فتح الباری، کتاب الدیات، جلد 12 صفحہ 201، صحیح مسلم، کتاب القسامۃ، جلد 3 صفحہ 1302 - 1303

2۔ سنن نسائی، کتاب تحریم الدم، جلد 7 صفحہ 82، سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات، جلد 2 صفحہ 874 وغیرہ 3۔ معجم کبیر، جلد 10 صفحہ 320، مجمع الزوائد، جلد 7 صفحہ 236

پھر قتل میں زیادتی سے منع کرتے ہوئے فرمایا: فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ یعنی قاتل کو قتل کرنے میں ولی زیادتی نہ کرے مثلاً اس کا مثلہ نہ کرے یا غیر قاتل سے قصاص نہ لے۔ آخر میں فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا یعنی مقتول کا ولی قاتل پر بلحاظ شریعت، غلبہ اور قدرت ہر طرح سے مدد لیا گیا ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾

''اور نہ قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر ایسے طریقہ سے جو (اس یتیم کے لئے) بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔ اور پورا کیا کرو اپنے عہد کو بے شک ان وعدوں کے بارے میں (تم سے) پوچھا جائے گا۔ اور پورا پورا ماپو جب تم کسی چیز کو ماپنے لگو اور تولو تو اسے ترازو سے تولو جو بالکل درست ہو۔ یہی طریقہ بہتر ہے اور اس کا انجام بھی بہت اچھا ہے''۔

یتیم کے مال میں نیک نیتی اور عمدہ طریقہ سے تصرف کرو جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء:6) ''اور نہ کھاؤ انہیں فضول خرچی سے اور جلدی جلدی اس خوف سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے اور جو سرپرست غنی ہو تو اسے چاہئے کہ (یتیموں کے مال سے) پرہیز کرے اور جو سرپرست فقیر ہو تو وہ مناسب مقدار سے کھالے''۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے ابوذر! میں تمہیں کمزور دیکھ رہا ہوں اور میں تمہارے لئے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں۔ کبھی دو آدمیوں کا امیر نہ بننا اور نہ کسی یتیم کے مال کا متولی بننا''(1)۔ اس کے بعد فرمایا: وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ یعنی تم نے لوگوں کے ساتھ لین دین اور دیگر معاملات میں جو بھی عہد و پیمان اور معاہدے کر رکھے ہیں، انہیں پورا کرو کیونکہ عہد و پیمان اور معاہدوں کے متعلق ضرور باز پرس ہوگی، پھر ناپ تول کے متعلق فرمایا: وَاَوْفُوا الْكَيْلَ یعنی جب تم ناپنے لگو تو بغیر ڈنڈی مارے پورا پورا ناپ کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دو، مزید برآں درست ترازو کے ساتھ وزن کیا کرو۔ قسطاس (میزان، ترازو) کی دوسری قرأت قسطاس ہے جیسے قرطاس (کاغذ)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ رومی زبان میں قسطاس کا معنی عدل ہے۔ مستقیم کا مطلب ہے درست جس میں کسی قسم کی کجی، انحراف اور اضطراب نہ ہو۔ صحیح ناپ تول ایسی عمدہ صفت ہے جو دنیا و آخرت دونوں میں تمہارے لئے بہتر ہے، اسی لئے فرمایا: وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا یعنی آخرت میں اس کا انجام بخیر ہوگا۔ قتادہ آیت کے اس حصہ (ذلک خیر ..) کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ یہ از روئے ثواب بہتر اور بلحاظ عاقبت عمدہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: اے تاجرو! دو چیزیں تمہارے سپرد کی گئی ہیں جن کی وجہ سے تم سے پہلے لوگ برباد ہوئے یعنی ناپ تول۔ نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''جو شخص حرام پر قدرت رکھنے کے باوجود اسے محض خوف خدا کے سبب چھوڑ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے آخرت سے پہلے دنیا میں ہی اس کے بدلے میں اس سے بہتر عطا فرما دیتا ہے''(2)۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1458-1457 2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 85

مَسْـُٔوْلًا ۝

''اور نہ پیروی کرو اس چیز کی جس کا تمہیں علم نہیں۔ بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کے متعلق (تم سے) پوچھا جائے گا''۔

علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ''لَا تَقْفُ'' کا معنی ''لَا تَقُلْ'' بیان کرتے ہیں یعنی ایسی بات نہ کرو جس کا تمہیں کوئی علم نہیں۔ عوفی نے آپ رضی اللہ عنہ سے اس کا یہ معنی نقل کیا ہے کہ کسی شخص کی طرف ایسی بات منسوب نہ کرو جس کے متعلق تمہیں علم نہیں۔ محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ کسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دو۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بغیر دیکھے یہ نہ کہو کہ میں نے دیکھا ہے، بغیر سنے یہ نہ کہو کہ میں نے سنا ہے اور بغیر جانے یہ نہ کہہ دو کہ مجھے علم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کے متعلق تم سے باز پرس کرنے والا ہے۔ ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہم وگمان اور ظن وتخمین کی بناء پر بغیر یقینی علم کے کوئی بھی بات کرنے سے منع فرمادیا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (الحجرات:12) ''دور رہا کرو بکثرت بدگمانیوں سے، بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں''۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ''بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے''(1)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ''آدمی کا یہ تکیہ کلام بہت برا ہے کہ لوگ گمان کرتے ہیں''(2)۔ ایک دوسری حدیث میں ہے: ''بدترین جھوٹ یہ ہے کہ انسان ایسے خواب کا دعویٰ کرے جو اس نے نہیں دیکھا''۔ صحیح حدیث میں آیا ہے: ''جس شخص نے جھوٹ موٹ کا کوئی خواب گھڑ لیا اسے قیامت کے دن اس چیز کا مکلف بنایا جائے گا کہ وہ دو جو کے درمیان گرہ لگائے لیکن وہ ایسا نہیں کر سکے گا''(3)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: كُلُّ اُولٰٓئِكَ... یعنی قیامت کے دن کان، آنکھ اور دل ہر ایک کے متعلق باز پرس ہوگی اور پوچھا جائے گا کہ ان اعضاء کو کن مقاصد کے لئے استعمال کرتے رہے۔ یہاں ''تِلْكَ'' کی بجائے ''اُولٰٓئِكَ'' کا استعمال درست ہے جیسا کہ شاعر کے اس شعر میں:

ذُمَّ الْمَنَازِلَ بَعْدَ مَنْزِلَةِ اللِّوٰى وَالْعَيْشَ بَعْدَ اُولٰٓئِكَ الْاَيَّامِ (4)

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝

''اور نہ چلو زمین میں اکڑتے ہوئے۔ (اس طرح) نہ تم چیر سکتے ہو زمین کو اور نہ پہنچ سکتے ہو پہاڑوں کے برابر بلندی میں۔ یہ سب (جن کا ذکر گزرا) ان میں سے ہر بری بات اللہ تعالیٰ کو (سخت) ناپسند ہے''۔

اکڑ کر اور اتراتے ہوئے متکبرانہ چال سے منع کرتے ہوئے فرمایا: وَلَا تَمْشِ... یعنی مغرور اور جابر لوگوں کی طرح اتراتے ہوئے اور مٹک مٹک کر نہ چلو کیونکہ نہ تو تم اپنی چال کے ساتھ زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ ہی تم اپنی اکڑ، فخر وغرور اور خود پسندی کے باعث بلندی میں پہاڑوں کا مقابلہ کر سکتے ہو بلکہ بعض اوقات اس قماش کے لوگوں کو برعکس حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے: ''پہلے لوگوں میں ایک شخص دو چادریں زیب تن کئے ہوئے اترا اترا کر چلا جا رہا تھا، اسی اثناء میں اسے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الوصایا، جلد 7 صفحہ 25۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1985

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 294

3۔ صحیح بخاری، کتاب الوصایا، جلد 9 صفحہ 54 ۔ 6۔ دیوان جریر: 452

زمین کے اندر دھنسا دیا گیا۔ وہ قیامت تک زمین میں دھنستا ہی جائے گا"(1)۔ اسی طرح قارون کے متعلق قرآن کریم میں آتا ہے کہ وہ خوب آراستہ ہو کر اپنی قوم کے پاس آیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے محلات سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "جو شخص رضائے الٰہی کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے بلند کر دیتا ہے، وہ خود کو حقیر سمجھتا ہے لیکن لوگوں کے ہاں وہ بلند مرتبہ ہوتا ہے اور جو شخص تکبر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کر دیتا ہے۔ وہ اپنے تئیں بڑا آدمی سمجھتا ہے لیکن لوگ اسے حقیر سمجھتے ہیں حتیٰ کہ وہ لوگوں کے ہاں کتے اور خنزیر سے بھی زیادہ مبغوض ہوتا ہے"(2)۔ ابوبکر بن ابی الدنیا کتاب الخمول والتواضع میں ذکر کرتے ہیں کہ ابن الاہیم دربار منصور کی طرف جاتے ہوئے حضرت حسنؓ کے پاس سے گزرا، وہ ریشمی جبہ پہنے ہوئے تھا، جو تہ بہ تہ اس کی پنڈلیوں کے اوپر سلا ہوا تھا، نیچے سے قباء دکھائی دے رہی تھی اور وہ شوخی سے اتراتے ہوئے چل رہا تھا۔ جب اس پر حسنؓ کی نظر پڑی تو آپ نے کہا: افوہ! ناک چڑھا، پہلو کو بل دیئے ہوئے، رخسار پھلائے ہوئے، اپنے پہلوؤں کو تکبر سے دیکھتے ہوئے، انعامات خداوندی کی ناشکری کرتے ہوئے، احکام الٰہی پس پشت ڈالتے ہوئے، حقوق اللہ فراموش کرتے ہوئے، دیوانوں کی سی چال چلتا، عضو عضو میں نعمت لئے اور شیطان کی لعنت اٹھائے وہ احمق جا رہا ہے۔ یہ سن کر ابن الاہیم پلٹا اور آپؓ سے معذرت کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا: مجھ سے معذرت نہ کر بلکہ بارگاہ خداوندی میں توبہ کر، کیا تم نے یہ فرمان نہیں سنا: وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ...."(3)۔ بختری عابد نے آل علی میں سے ایک شخص کو اکڑ کر چلتے ہوئے دیکھا تو اسے فرمایا: اے شخص! جس شخص کے باعث تجھے یہ عزت حاصل ہے اس کی چال ایسی نہیں تھی۔ اس شخص نے فوری طور پر اس چال کو ترک کر دیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو اکڑ کر چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: بلاشبہ ایسے لوگ ہی شیطان کے بھائی ہیں۔ حضرت خالد بن معدان نے فرمایا: اکڑ اکڑ کر چلنا ترک کر دو کیونکہ آدمی کا ہاتھ اس کے پورے جسم کا حصہ ہی تو ہے(4)۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب میری امت متکبرانہ چال چلنے لگے گی اور اہل فارس و روم ان کے خادم ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کو بعض پر مسلط کر دے گا"(5)۔

فرمایا: كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ۔ سَيِّئُهٗ کی قراءت کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ قتل اولاد سے لے کر یہاں تک جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے، یہ سب قابل مواخذہ گناہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہیں۔ اگر سَيِّئَةً قراءت ہو تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وَقَضٰى رَبُّكَ .... سے لے کر یہاں تک جن چیزوں کا ذکر ہوا، ان سب کی برائی اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔ ابن جریر نے یہی توجیہہ کی ہے(6)۔

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۭ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿39﴾

"یہ ہدایات جنہیں بذریعہ وحی آپ کی طرف آپ کے رب نے بھیجا ہے دانائی کی باتوں میں سے ہیں۔ اور (اے سننے والے!) نہ بنا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ورنہ تجھے پھینک دیا جائے گا جہنم میں اس حال میں کہ تمہیں ملامت کی جائے گی اور

1۔ فتح الباری، کتاب اللباس، جلد 10 صفحہ 258۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس، جلد 3 صفحہ 1653-1654

2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 44۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، جلد 4 صفحہ 222-223

3۔ کتاب الخمول والتواضع از ابن ابی الدنیا، 263

4۔ کتاب الخمول والتواضع: 292-293

5۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الفتن، جلد 9 صفحہ 116

6۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 89

دھکے دیے جائیں گے“۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ سے فرمارہا ہے کہ ہم نے بذریعہ وحی جن اخلاق جمیلہ کا آپ کو حکم دیا ہے اور جن صفات رذیلہ سے روکا ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ لوگوں کو ان تعلیمات اور ارشادات کا حکم دیں۔ فرمایا: وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ یعنی اے مخاطب! اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود مت ٹھہرا ورنہ تمہیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا اور تمہاری حالت یہ ہوگی کہ تو خود بھی اپنے آپ کو ملامت کرے گا، اللہ تعالیٰ بھی اور مخلوق بھی تجھے ملامت کرے گی اور تجھے بارگاہ خداوندی سے دھتکار کر ہر بھلائی سے دور کردیا جائے گا۔ ابن عباس اور قتادہ کہتے ہیں کہ مدحور کا معنی ہے مطرود (دھتکارا ہوا) اس آیت میں خطاب رسول اللہ ﷺ کے واسطے سے امت کو ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ معصوم ہیں۔

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ۝

”پس کیا چن لیا ہے تمہیں تمہارے رب نے بیٹوں کے لئے اور (اپنے لئے) بنالیا ہے فرشتوں کو بیٹیاں۔ (صد افسوس!) تم تو ایسی بات کہہ رہے ہو جو بہت سخت ہے“۔

ان ملعون جھوٹے مشرکین کی تردید ہورہی ہے جو اپنے زعم میں فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں سمجھتے حالانکہ فرشتے تو اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں سمجھ کر پھر ان کی پرستش کرنے لگے چنانچہ تینوں مقامات میں وہ بہت بڑی غلطی کے مرتکب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مذمت کرتے ہوئے اور ان پر اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے فرماتا ہے: اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ یعنی کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں بیٹوں کے ساتھ خاص کردیا ہے اور تمہارے گمان کے مطابق اپنے لئے بیٹیاں منتخب کرلی ہیں، پھر شدید انکار کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ...... یعنی تم بڑی سنگین اور سخت بات کررہے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے، پھر اولاد بھی بیٹیاں جنہیں تم نخوت کے باعث اپنے لئے ناپسند کرتے ہو اور بعض اوقات انہیں زندہ درگور کرکے موت کے گھاٹ اتار دیتے ہو، یہ کیسی ظالمانہ تقسیم ہے! ایک اور مقام پر فرمایا: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا (مریم: 95-88)۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝

”اور بلاشبہ ہم نے مختلف انداز سے بار بار بیان کیا ہے (دلائل توحید کو) اس قرآن میں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں، (بایں ہمہ) سوائے نفرت کے ان میں کسی چیز کا اضافہ نہ ہوا“۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ (بنی اسرائیل: 89) ”اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں“۔ یعنی ہم نے قرآن کریم میں وعدے اور وعید طرح طرح سے بیان کردیے ہیں تاکہ اس میں پائے جانے والے دلائل، آیات بینات اور مواعظ سے لوگ نصیحت حاصل کریں اور شرک، ظلم اور جھوٹ سے باز آجائیں لیکن ظالم اسکے باوجود حق سے مزید دور ہوجاتے ہیں۔

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِیْرًا ﴿۴۳﴾

''آپ فرمائیے اگر ہوتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور خدا جس طرح یہ کافر کہتے ہیں تو ان خداؤں نے (مل کر) تلاش کر لی ہوتی عرش کے مالک (پر غالب آنے کی) کوئی راہ۔ وہ پاک ہے اور وہ بہت برتر و بالا ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ کہتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ ان مشرکین کو آگاہ کر دیں جو یہ گمان کئے ہوئے ہیں کہ مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ کا اور شریک ہے اور وہ اسے قرب خداوندی کا ذریعہ سمجھ کر اس کی عبادت کرتے ہیں، آپ انہیں صاف صاف بتا دیں کہ اگر معاملہ ویسا ہی ہوتا جس طرح یہ کہہ رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسے معبود ہوتے جن کی عبادت کر کے یہ مشرکین اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی سفارش کرتے، تو بھی یہ معبود بذات خود اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے، اس کا قرب حاصل کرتے اور اس کی معرفت اور قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی وسیلہ تلاش کرتے، اس لئے تم صرف اسی خدائے واحد کی عبادت کرو، تمہیں کسی ایسے معبود کی ضرورت نہیں جو تمہارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان وسیلہ بنے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ چیز سخت ناپسند ہے، وہ کسی صورت میں اس پر راضی نہیں اور تمام انبیاء و رسل کی زبانی اس نے اس سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔ پھر اپنی تنزیہہ، پاکی اور تقدس بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان ظالم اور حد سے تجاوز کرنے والے مشرکین کی اس بات سے بہت برتر اور بالا ہے کہ اس کے ساتھ دیگر معبود ہیں، بلکہ وہ تو یکتا اور بے نیاز ہے، نہ اس کی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِیْهِنَّ ؕ وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

''پاکی بیان کرتے ہیں اسی کی ساتوں آسمان اور زمین اور جو چیز ان میں موجود ہے۔ اور (اس کائنات میں) کوئی بھی ایسی چیز نہیں مگر وہ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اس کی حمد کرتے ہوئے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ بے شک وہ بہت بردبار، بہت بخشنے والا ہے''۔

ساتوں آسمان، زمین اور ان میں بسنے والی تمام مخلوق مشرکین کی ہرزہ سرائیوں سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ، تعظیم، بڑائی، تسبیح اور پاکی بیان کر رہی ہے اور ربوبیت اور الوہیت میں اس کی وحدانیت کی گواہی دے رہی ہے، شاعر کہتا ہے:

فَفِیْ كُلِّ شَیْءٍ لَهٗ اٰیَةٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ

یعنی ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرنے والی نشانی ہے۔

قرآن کریم میں ایک مقام پر فرمایا: تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿ۙ﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا (مریم: 91-90) ''قریب ہے اس سے آسمان شق ہو جائیں اور زمین پھٹ جائے اور پہاڑ لرزتے ہوئے گر پڑیں کیونکہ وہ کہہ رہے ہیں کہ رحمٰن کا ایک بیٹا ہے''۔ حضرت عبدالرحمٰن بن قرط سے مروی ہے کہ شب معراج رسول اللہ ﷺ مقام ابراہیم اور چاہ زمزم کے درمیان

موجود تھے، جبریل علیہ السلام آپ کی دائیں جانب تھے اور میکائیل علیہ السلام بائیں جانب۔ وہ دونوں آپ ﷺ کو پرواز کرواتے ہوئے آسمان تک لے گئے۔ پھر وہاں سے واپسی ہوئی، آپ ﷺ فرماتے ہیں: "میں نے بلند آسمانوں میں بہت سی تسبیحوں کے ساتھ یہ تسبیح سنی: "سَبَّحَتِ السَّمٰوٰتُ الْعُلٰى، مِنْ ذِی الْمَهَابَةِ مُشْفِقَاتٍ لِذِی الْعُلُوِّ بِمَا عَلَا، سُبْحَانَ الْعَلِیِّ الْاَعْلٰى، سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى" (1)۔

اس کے بعد فرمایا: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ ۔ یعنی مخلوقات میں سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہوئے اس کی تسبیح کر رہی ہے لیکن اے لوگو! تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے، کیونکہ یہ تمہاری زبانوں میں نہیں۔ حیوانات، جمادات اور نباتات سب اس کی تسبیح میں مصروف ہیں۔ دو قولوں میں سے زیادہ مشہور یہی ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کھانا کھایا جاتا تھا تو ہم اس کی تسبیح سنا کرتے تھے (2)۔ حدیث ابوذر رضی اللہ عنہ میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ میں چند کنکریاں لیں، شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح ان کی تسبیح صاف سنائی دے رہی تھی، اسی طرح حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ہاتھ میں بھی۔ یہ مشہور حدیث مسانید میں مذکور ہے (3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کچھ لوگوں کے پاس آئے، وہ اپنے جانوروں اور اونٹنیوں پر سوار کھڑے تھے، آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: "صحیح سالم جانوروں پر سواری کرو اور صحیح سالم حالت میں انہیں چھوڑ دیا کرو، رستوں اور بازاروں میں باتیں کرنے کے لیے انہیں کرسیاں نہ بنالیا کرو، بعض سواریاں اپنے سواروں سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کا زیادہ ذکر کرنے والی ہوتی ہیں" (4) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مینڈک کے قتل کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا: "اس کی ٹرٹراہٹ تسبیح ہے" (5) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کلمہ شکر ہے جس کے کہے بغیر کوئی بندہ اللہ کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ اللہ اکبر زمین وآسمان کے درمیان فضا کو بھر دیتا ہے، سبحان اللہ مخلوق کی نماز ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے ہر ایک کو نماز اور تسبیح کا پابند بنایا ہے اور جب بندہ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے اطاعت کی اور سر تسلیم خم کر لیا (6)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک اعرابی طیالسی جبہ پہنے ہوئے آیا جس کے کف اور بٹن ریشمی تھے، وہ کہنے لگا کہ تمہارے اس صاحب (نبی کریم ﷺ) کا یہ ارادہ ہے کہ وہ چرواہوں کی اولاد کو اونچا کرے اور رئیس زادوں کو ذلیل کرے۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ غضبناک ہو کر اس کی طرف بڑھے اور اسے گریبان سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے فرمایا: "میں تمہیں دیکھتا کہ تم نے غیر ذوی العقول کا لباس پہن رکھا ہے۔" پھر واپس آ کر آپ ﷺ بیٹھ گئے اور فرمانے لگے: "حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت اپنے دونوں بیٹوں کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ میں تمہیں وصیت کے طور پر دو چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور دو سے منع کرتا ہوں۔ میں تمہیں شرک اور تکبر سے منع کرتا ہوں اور جن دو چیزوں کا میں تمہیں حکم دیتا ہوں، ان میں سے ایک "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہنا ہے کیونکہ زمین وآسمان اور ان میں موجود تمام چیزوں کو اگر ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کو رکھ دیا جائے تو یہ پلڑا ہی بھاری ہوگا اور اگر زمین وآسمان ایک حلقہ کی شکل اختیار کر لیں اور "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کو ان پر رکھ دیا جائے تو یہ انہیں پاش پاش کر دے۔ دوسری چیز جس کا میں تمہیں حکم دے رہا ہوں وہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ

1۔ معجم طبرانی
2۔ فتح الباری، کتاب المناقب، جلد 6 صفحہ 587
3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب علامات النبوۃ، جلد 3 صفحہ 135-136، مجمع الزوائد، جلد 8 صفحہ 298-299
4۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 439
5۔ سنن نسائی
6۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 93

بِحَمۡدِہٖ'' کہتا ہے کیونکہ یہ ہر چیز کی نماز ہے اور اسی کے طفیل ہر چیز کو رزق دیا جاتا ہے''(1)۔ ابن جریر ایک حدیث بیان کرتے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں اس چیز کی خبر نہ دوں جس کا حکم حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو دیا تھا؟ نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا تھا: اے بیٹے! میں تمہیں سبحان اللہ کہنے کا حکم دیتا ہوں، کیونکہ یہ مخلوق کی نماز اور مخلوق کی تسبیح ہے اور اسی کے سبب مخلوق کو رزق دیا جاتا ہے''۔ اس کی سند میں ضعف ہے کیونکہ اس کا راوی اودی اکثر کے نزدیک ضعیف ہے۔ عکرمہ اس فرمان وَ اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ..... کے متعلق کہتے ہیں کہ ستون تسبیح بیان کرتا ہے اور درخت بھی تسبیح کرتا ہے، کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ دروازے کی چرچراہٹ اس کی تسبیح ہے اور پانی کی خرخراہٹ اس کی تسبیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ ابراہیم فرماتے ہیں کہ کھانا بھی تسبیح بیان کرتا ہے، اس کی دلیل سورۂ حج کی آیت سجدہ ہے۔ بعض دیگر حضرات کہتے ہیں کہ ہر ذی روح چیز تسبیح کر رہی ہے یعنی حیوانات اور نباتات۔ حسن اور قتادہ رضی اللہ عنہم بھی یہی کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز تسبیح میں مشغول ہے جس میں روح ہے(2)۔

ایک مرتبہ حضرت حسن بصری یزید رقاشی کے ساتھ کھانے پر موجود تھے۔ خوان (لکڑی کا دسترخوان) لایا گیا تو یزید رقاشی پوچھنے لگے: اے ابوسعید! کیا خوان بھی تسبیح کرتا ہے؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ تسبیح کیا کرتا تھا(3)۔ آپ کے اس قول کا مقصد یہ ہے کہ جب لکڑی کا یہ ٹکڑا سرسبز تھا تو اس وقت یہ تسبیح کیا کرتا تھا لیکن کاٹنے کے بعد جب یہ خشک ہو گیا تو ساتھ ہی اس کی تسبیح بھی منقطع ہو گئی، اس کی تائید حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: ''ان دونوں (قبر والوں) کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی چیز کے سبب انہیں عذاب نہیں ہو رہا ہے۔ ان میں سے ایک تو پیشاب سے احتراز نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغلخوری کیا کرتا تھا''۔ پھر آپ نے ایک تر ٹہنی لے کر اس کے دو حصے کئے اور ہر قبر پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا، پھر فرمایا: ''جب تک یہ خشک نہ ہوں، ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی''(4)۔ اس حدیث پر گفتگو کرنے والے بعض علماء کا کہنا ہے کہ حدیث شریف میں یہ الفاظ ہیں: ''مَالَمۡ یَیۡبَسَا'' (جب تک خشک نہ ہوں)، کیونکہ جب تک یہ تر اور سبز ہیں تسبیح جاری رہے گی اور خشک ہو جانے کی صورت میں ان کی تسبیح منقطع ہو جائے گی۔ آیت کا اختتام ان الفاظ پر کیا: اِنَّهٗ كَانَ حَلِيۡمًا غَفُوۡرًا یعنی وہ اپنے نافرمان کو فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ اسے ڈھیل اور مہلت دیتا ہے، اس کے باوجود اگر وہ کفر اور عناد پر مصر رہے تو اسے پوری سختی کے ساتھ پکڑ لیتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ''اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے یہاں تک کہ جب اسے پکڑتا ہے تو پھر اسے نہیں چھوڑتا''(5)۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی: وَكَذٰلِكَ اَخۡذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الۡقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ (ہود: 102) ''اور یونہی گرفت ہوتی ہے آپ کے رب کی جب وہ پکڑتا ہے بستیوں کو دراں حالیکہ وہ ظالم ہوتی ہیں''۔ دیگر مقامات پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَمۡلَيۡتُ لَهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ (الحج: 48) ''اور کتنی بستیاں تھیں جنہیں میں نے ڈھیل دی حالانکہ وہ ظالم تھی''۔ فَكَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ (الحج: 45) ''پس کتنی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے تہ و بالا کر ڈالا کیونکہ وہ ظالم تھیں''۔ جو شخص کفر اور نافرمانی سے باز آ جائے اور اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کر کے اسی کی طرف رجوع کر لے تو ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ نظر کرم فرماتا ہے جیسا کہ ایک مقام پر فرمایا: وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا اَوۡ يَظۡلِمۡ نَفۡسَهٗ ثُمَّ يَسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا (النساء: 110) ''اور جو شخص برا کام کر بیٹھے یا اپنے آپ پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے تو پائے گا اللہ تعالیٰ کو

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 225، جلد 2 صفحہ 169-170 2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 92 3۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 92

4۔ صحیح بخاری، کتاب الوضوء، جلد 1 صفحہ 64، صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 240-241

5۔ فتح الباری، کتاب التفسیر، جلد 8 صفحہ 354، صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1997-1998

بڑا بخشنے والا اور ہمیشہ رحم فرمانے والا"، اور یہاں فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا۔ سورۂ فاطر کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى (فاطر: 45-41)۔

وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَ بَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾

"اور (اے محبوب!) جب آپ پڑھتے ہیں قرآن کو تو ہم (حائل) کر دیتے ہیں آپ کے درمیان اور ان کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک پوشیدہ پردہ جو آنکھوں سے نہاں ہوتا ہے۔ اور ہم ڈال دیتے ہیں ان کے دلوں پر پردہ تاکہ وہ اسے سمجھ نہ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی (پیدا کر دیتے ہیں)۔ اور جب آپ ذکر کرتے ہیں صرف اپنے رب کا قرآن میں تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں نفرت کرتے ہوئے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ جب آپ ان مشرکین پر قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان کے درمیان ایک پوشیدہ حجاب ڈال دیتے ہیں۔ قتادہ اور ابن زید کہتے ہیں کہ اس سے مراد دلوں پر پڑنے والا پردہ ہے(1) جیسا کہ فرمایا: وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْهِ وَفِیْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَیْنِنَا وَبَیْنِكَ حِجَابٌ (حم السجدۃ: 5) "اور انہوں نے کہا ہمارے دل غلافوں میں ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے"، یعنی ہمارے اور تمہارے درمیان ایسا پردہ حائل ہے جو تمہاری بات ہم تک پہنچنے میں رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ یہاں آیت کریمہ میں مستور بمعنی "سَاتِر" ہے جس طرح "مَیْمُوْن" (مبارک) بمعنی "یَامِن" اور "مَشْئُوْم" (منحوس) بمعنی "شَائِم"۔ بعض نے کہا ہے کہ مستور اسم مفعول کے معنی میں ہی ہے یعنی آنکھوں سے نہاں، جسے آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں لیکن اس کے باوجود یہ ان کے اور ہدایت کے درمیان حائل پردہ ہے۔ ابن جریر کا میلان اسی طرف ہے(2)۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب سورۂ تبت نازل ہوئی تو کانی ام جمیل واویلا کرتی ہوئی، ہاتھ میں پتھر لئے ہوئے اور یہ یاوہ گوئی کرتے ہوئے آئی کہ ہم مذمم (مشرکین آپ ﷺ کو محمد کی بجائے مذمم کہتے) کا انکار کرتے ہیں، اس کا دین ہمیں ناپسند ہے اور ہم اس کے حکم کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ سے عرض کرنے لگے کہ یہ نامنجار آ رہی ہے، مجھے خدشہ ہے کہ یہ آپ ﷺ کو دیکھ لے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گی"۔ آپ ﷺ نے اس کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے یہی آیت وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ۔ تلاوت کی۔ وہ آئی اور آ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑی ہوئی لیکن نبی کریم ﷺ کو نہ دیکھ سکی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگی: مجھے پتہ چلا ہے کہ تمہارے صاحب نے میری ہجو کی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، رب کعبہ کی قسم! آپ ﷺ نے تمہاری ہجو نہیں کی۔ وہ یہ کہتی ہوئی واپس پلٹ گئی کہ قریش کو علم ہے کہ میں ان کے سردار کی بیٹی ہوں۔

دوسری آیت میں فرمایا: وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً...... اکنۃ، کنان کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ پردہ ہے جو دل کو ڈھانپ لیتا ہے،

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 93
2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ

یعنی ہم ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں تاکہ وہ قرآن کریم سمجھ ہی نہ سکیں اور ان کے کانوں میں ثقل اور گرانی پیدا کردیتے ہیں جس کے باعث وہ قرآن کریم اس طرح نہیں سنتے کہ وہ انہیں نفع پہنچائے اور ہدایت کی راہ پر گامزن کرے، ان کی حالت تو یہ ہے: وَ اِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ ... یعنی جب آپ تلاوت قرآن کرتے وقت صرف اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی ندا دیتے ہیں تو یہ نفرت سے پیٹھ پھیر کر اور روگردانی کرتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ نفور، نافر کی جمع ہے جیسے قعود، قاعد (بیٹھنے والا) کی جمع ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ غیر فعل کا مصدر ہو۔ اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: وَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ (الزمر: 45) "اور جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان لوگوں کے دل کڑھنے لگتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے"۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب مسلمان "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہتے ہیں تو مشرکین کو یہ کلمہ سخت ناپسند لگتا اور یہ ان پر بہت گراں گزرتا۔ ابلیس اور اس کے لشکر نے اس کلمہ کو دبانے کی بھرپور کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ تھی کہ وہ اسے عام کرے، اعلیٰ و ارفع بنائے اور منکرین پر اسے غلبہ عطا فرمائے۔ یہ ایسا کلمہ ہے کہ جس نے اس کی مدد سے جھگڑا کیا، وہ فلاح پا گیا اور جس نے اس کی معاونت سے مقاتلہ کیا، اسے مدد اور تائید الٰہی حاصل ہو گئی۔ یہ وہ کلمہ ہے جسے وسیع و عریض جزیرۂ عرب کے لوگ نہ پہچانتے تھے اور نہ اس کا اقرار کرتے تھے لیکن یہ سارے جزیرہ میں پھیل گیا اور تمام عرب اس سے روشناس ہو گئے(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت وَ اِذَا ذَكَرْتَ کے متعلق کہتے ہیں کہ اس سے مراد شیاطین ہیں جو روگردانی کر کے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ بات درست ہے کہ شیاطین اس وقت بھاگ کھڑے ہوتے ہیں جب قرآن کی تلاوت کی جائے یا اذان دی جائے یا اللہ کا ذکر کیا جائے لیکن اس آیت کی یہ تفسیر بہت غریب اور انوکھی ہے۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَ اِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝

"ہم خوب جانتے ہیں جس غرض کے لئے یہ سنتے ہیں اسے جب یہ کان لگاتے ہیں آپ کی طرف اور (ہم خوب جانتے ہیں) جب یہ سرگوشیاں کرتے ہیں۔ اس وقت یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم نہیں پیروی کر رہے مگر ایک ایسے آدمی کی جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔ دیکھئے (یہ گستاخ) کس طرح آپ کے لئے مثالیں بیان کرتے ہیں پس (اس گستاخی کے باعث) وہ گمراہ ہو گئے اب وہ سیدھے راستہ پر چل نہیں سکتے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کو روساء کفار قریش کی سرگوشیوں کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے کہ جب آپ تلاوت قرآن کر رہے ہوتے ہیں تو یہ چھپکے چھپکے آپ کی طرف کان لگا کر قرآن کریم سنتے ہیں اور پھر سرگوشی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس شخص پر کسی نے جادو کیا ہے۔ مسحور یا تو سحر (جادو) سے مشتق ہے یا سحر (پھیپھڑا) سے، اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اگر تم محمد (ﷺ) کی اتباع کرو گے تو ایسے بشر کی اتباع کرو گے جو کھاتا ہے۔ یہ لفظ کھانے کے معنی میں استعمال ہوتا رہتا ہے مثلاً راجز کہتا ہے: "نُسْحَرُ بِالطَّعَامِ وَ الشَّرَابِ" یعنی اسے غذا دی جاتی ہے(2)۔

ابن جریر نے اس قول کی تصویب کی ہے لیکن یہ محل نظر ہے کیونکہ آپ کو مسحور کہنے سے یہاں ان کی مراد یہ تھی کہ اس شخص کو جادو کیا گیا

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 94 2۔ دیوان راجز 11 تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 96

ہے، کوئی سمجھدار آدمی اس کو کوئی کلام سکھا دیتا ہے جسے پڑھ کر وہ ہمیں سنا دیتا ہے۔ وہ کفار آپ ﷺ پر طرح طرح کے آوازے کستے۔ کوئی کہتا کہ یہ شاعر ہے، کوئی کہتا: یہ کاہن ہے، کوئی کہتا: یہ مجنون ہے اور کوئی کہتا کہ یہ جادوگر ہے، اسی لئے فرمایا: اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ دیکھیں یہ لوگ آپ کے لئے کیسی کیسی مثالیں بیان کرتے ہیں۔ یہ گمراہ ہو گئے اور کبھی بھی یہ حق اور نجات کی راہ نہیں پائیں گے۔ ایک رات ابوسفیان بن حرب، ابوجہل بن ہشام اور اخنس بن شریق اپنے گھروں سے نکلے تا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے قرآن کریم سنیں۔ آپ ﷺ اس وقت اپنے گھر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ان میں سے ہر ایک ایسی جگہ بیٹھ گیا جہاں سے وہ قرآن کریم آسانی سے سن سکتا تھا لیکن ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔ وہ ساری رات آپ ﷺ کی زبانی تلاوت قرآن سنتے رہے۔ جب فجر طلوع ہوئی تو ہر ایک نے اپنے گھر کی راہ لی۔ رستے میں اتفاقاً سب کی ملاقات ہو گئی تو وہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ آئندہ یہاں مت آنا، کیونکہ اگر کسی ناسمجھ نے تمہیں یہاں دیکھ لیا تو خواہ مخواہ الجھن کا شکار ہو جائے گا۔ اس پر اتفاق کر کے وہ چل دیئے، لیکن اگلی رات وہ پھر چلے آئے اور اپنی اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ کر پوری رات قرآن سنتے رہے۔ فجر طلوع ہوتے ہی وہاں سے چل دیئے، پھر اتفاق ایسا ہوا کہ رستے میں تینوں کی ملاقات ہو گئی اور پہلی رات والی گفتگو کا اعادہ ہوا۔ تیسری رات پھر وہ سماعت قرآن کے لئے آ نکلے، رات بھر سنتے رہے، فجر ہوئی تو ہر ایک نے اپنی اپنی راہ لی، اب پھر رستہ میں تینوں کی ملاقات ہو گئی تو ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ہم پختہ عہد کرتے ہیں کہ آئندہ ادھر کا رخ نہیں کریں گے۔ یہ عہد و پیمان کر کے تینوں جدا ہو گئے۔ صبح کے وقت اخنس بن شریق اپنی لاٹھی تھامے ابوسفیان کے گھر آ دھمکا اور ابوسفیان سے کہنے لگا کہ جو تم نے محمد ﷺ سے سنا ہے، اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ کہنے لگا: اے ابوثعلبہ! قسم بخدا! میں نے چند اشیاء ایسی سنی ہیں جنہیں میں پہچانتا ہوں اور ان کے معانی کا مجھے علم ہے لیکن چند چیزیں ایسی بھی سنی ہیں جن کے معنی اور مراد کا مجھے علم نہیں۔ یہ سن کر اخنس کہنے لگا: اللہ کی قسم! میری بھی یہی کیفیت ہے۔ پھر وہاں سے نکل کر اخنس ابوجہل کے گھر آیا اور اسے کہنے لگا: اے ابوالحکم! اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے جو تم نے محمد ﷺ سے سنا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ حصول شرف کی دوڑ میں ہمارا بنوعبد مناف کے ساتھ جھگڑا چلا آ رہا ہے، انہوں نے کھلایا، ہم نے بھی کھلایا، انہوں نے لوگوں کو سواریاں دیں، ہم نے بھی لوگوں کو سواری کے جانور فراہم کئے، وہ عطا کرتے رہے، ہم بھی عطا کرتے رہے حتیٰ کہ جب ہم گھوڑ دوڑ کے دو گھوڑوں کی طرح مساوی ہو گئے اور وہ ہم پر برتری حاصل نہ کر سکے تو یہ دعویٰ کرنے لگے کہ ہم میں ایک نبی ہے جس کے پاس آسمان سے وحی اترتی ہے، بھلا ہم کب یہ مرتبہ پا سکتے ہیں، اللہ کی قسم! نہ ہم اس پر ایمان لائیں گے اور نہ اس کی تصدیق کریں گے۔ یہ سن کر اخنس اٹھ کھڑا ہوا اور اسے چھوڑ کر چل دیا[1]۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿٤٩﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿٥٠﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۗ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۗ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿٥١﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٥٢﴾

”اور انہوں نے (از راہ انکار) کہا کہ جب ہم (مر کر) ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہمیں اٹھایا جائے گا از سر نو

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 315-316

پیدا کر کے۔ فرمایئے (یقیناً ایسا ہی ہوگا) خواہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا بن جاؤ۔ یا کوئی ایسی مخلوق بن جاؤ جس کا ازسرنو پیدا کرنا تمہارے خیال میں بہت مشکل ہے وہ کہیں گے ہمیں دوبارہ کون (زندہ کر کے) لوٹائے گا؟ فرمایئے وہی جس نے پیدا فرمایا تمہیں پہلی مرتبہ۔ پس وہ حیرت سے آپ کی طرف (دیکھ کر) سروں کو جنبش دیں گے اور پوچھیں گے ایسا کب ہوگا؟ آپ بتایئے شاید اس کا وقت قریب ہی ہو۔ اس دن کو یاد کرو جب تمہیں اللہ تعالیٰ بلائے گا۔ سو تم اس کی حمد کرتے ہوئے جواب دو گے اور یہ گمان کر رہے ہو گے کہ تم نہیں ٹھہرے (دنیا میں) مگر تھوڑا عرصہ"۔

مجاہد کے نزدیک رفات کا معنی مٹی ہے جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا معنی غبار بتاتے ہیں۔ کفار کے متعلق خبر دی جارہی ہے جو وقوع قیامت کو محال سمجھتے ہوئے اور اس کا انکار کرتے ہوئے پوچھتے کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور مٹی بن جائیں گے تو کیا ہمارے بوسیدہ اور فنا ہو جانے کے بعد قیامت کے دن ہمیں ازسرنو پیدا کر کے اٹھایا جائے گا، جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ۝ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝ (النازعات: 10-12) " کافر کہتے ہیں کیا ہم الٹے پاؤں پلٹائے جائیں گے؟ کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہوں گے؟ بولے یہ واپسی تو بڑے گھاٹے کی ہوگی"۔ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ (یٰسین: 78) " اور بیان کرنے لگا ہمارے لئے مثالیں اور اس نے اپنی پیدائش کو فراموش کر دیا، کہتا ہے کون زندہ کر سکتا ہے ہڈیوں کو جب وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں"۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ انہیں یہ جواب دیں: قُلْ كُوْنُوْا..... کیونکہ پتھر اور لوہا دونوں چیزیں ہڈیوں اور مٹی سے سخت ہیں، مطلب یہ ہوا کہ خواہ تم پتھر بن جاؤ، یا لوہا یا کوئی ایسی مخلوق جس کو ازسرنو پیدا کرنا تمہارے خیال میں بہت مشکل ہے تو بھی اللہ تعالیٰ تمہیں نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس سے مراد موت لیتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اگر تم مردے بن جاؤ تو بھی میں تمہیں زندہ کروں گا۔ آیت کا معنی یہ ہوا کہ اگر تم بالفرض موت کے گھاٹ اتر جاؤ جو حیات کی ضد ہے، تو بھی اللہ تعالیٰ جب چاہے گا تمہیں ازسرنو زندہ کر دے گا،(1) کیونکہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ اس پر ممتنع اور مشکل نہیں ہوتی۔

ابن جریر نے یہاں ایک حدیث ذکر کی ہے: " قیامت کے دن موت کو ایک سیاہ و سفید مینڈھے کی شکل میں جنت اور دوزخ کے درمیان لا کھڑا کیا جائے گا، پھر کہا جائے گا: اے اہل جنت! کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے: ہاں، پھر اہل جہنم سے کہا جائے گا کہ کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے: ہاں۔ چنانچہ اسے جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا، پھر کہا جائے گا: اے جنتیو! بغیر موت کے ہمیشگی ہے۔ اے دوزخیو! بلا موت خلود ہے"(2)۔

مجاہد اَوْ خَلْقًا ... کے متعلق کہتے ہیں کہ اس سے مراد آسمان، زمین اور پہاڑ ہیں۔ امام مالک سے اس کی تفسیر موت مروی ہے۔ آگے فرمایا: فَسَيَقُوْلُوْنَ یعنی وہ کہیں گے کہ جب ہم پتھر، لوہا یا کوئی اور سخت مخلوق بن گئے تو ہمیں کون زندہ کر کے لوٹائے گا؟ اس کے جواب میں فرمایا کہ وہی ذات تمہیں لوٹائے گی جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا، حالانکہ تم قابل ذکر چیز تھے ہی نہیں، پھر تم چلتے پھرتے انسان بن گئے۔ اب تم جس حالت میں بھی منتقل ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور لوٹائے گا اور وہ اس پر پوری طرح قادر ہے جیسا کہ فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (الروم: 27) " اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے پھر (فنا کرنے کے بعد) اسے دوبارہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 15، صفحہ 98 2۔ فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 11، صفحہ 415،406

بنائے گا اور یہ آسان تر ہے“۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ فَسَیُنْغِضُوْنَ۔ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ وہ آپ کو دیکھ کر بطور استہزا اپنے سروں کو جنبش دیں گے۔ یہ معنی لغت عرب کے عین مطابق ہے کیونکہ انغاض کا معنی ہے: نیچے سے اوپر تک یا اوپر سے نیچے تک حرکت کرنا۔ شتر مرغ کے بچے کو نغض کہا جاتا ہے کیونکہ وہ چلتے وقت تیز رفتاری سے چلتا ہے اور اپنے سر کو حرکت دیتا ہے، اسی طرح جب دانت جڑھ سے ہلنے لگے تو کہا جاتا ہے: ”نَغَضَتْ سِنُّہٗ“ آگے فرمایا: وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی ھُوَ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ وقوع قیامت کو بعید اور محال سمجھتے تھے جیسا کہ دوسرے مقامات پر فرمایا: وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی ھٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (یونس:48) ”اور وہ کہتے ہیں کہ (عذاب کا) یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو“۔ یَسْتَعْجِلُ بِھَا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِھَا (الشوریٰ:18) ”جلدی مچاتے ہیں اس کے لئے وہ لوگ جو اس پر ایمان نہیں رکھتے“، جواب میں فرمایا: قُلْ عَسٰٓی ۔ یعنی اس سے ڈرو، کیونکہ یہ تمہارے قریب ہی ہے اور لازمی طور پر وقوع پذیر ہوگی، ہر آنے والی چیز کا آنا حتمی ہوتا ہے۔ آخری آیت میں فرمایا: یَوْمَ یَدْعُوْکُمْ ... یعنی جب اللہ تعالیٰ تمہیں بلائے گا اور قبروں میں سے نکلنے کا حکم دے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے اس کی دعوت پر لبیک کہو گے، اس کے حکم کی مخالفت نہیں کی جا سکتی جیسا کہ فرمایا: اِذَا دَعَاکُمْ دَعْوَۃً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ (الروم:25) ”جب وہ تمہیں زمین پر بلائے گا تو تم فوراً باہر نکل آؤ گے“۔

وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَۃٌ کَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ (القمر:50) ”اور نہیں ہوتا ہمارا حکم مگر ایک بار جو پلک جھپکنے میں واقع ہو جاتا ہے“، اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰہُ اَنْ نَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (النحل:40) ”ہمارا فرمان کسی چیز کے لئے جب ہم اس (کے پیدا کرنے) کا ارادہ کرتے ہیں، صرف اتنا کہنا ہے کہ ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے“، فَاِنَّمَا ھِیَ زَجْرَۃٌ وَّاحِدَۃٌ ۙ فَاِذَا ھُمْ بِالسَّاھِرَۃِ (النازعات:14-13) ”بس (واپسی کے لئے) ایک جھڑک ہی کافی ہے پھر وہ فوراً کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے“۔ یعنی ایک ہی جھڑک سے تمام لوگ زمین کے شکم سے باہر نکل آئیں گے جیسا کہ فرمایا: یَوْمَ یَدْعُوْکُمْ ۔ یعنی تم سب اللہ تعالیٰ کے حکم پر لبیک کہو گے اور اس کے ارادہ کی اطاعت کرو گے۔ حضرت ابن عباس اور ابن جریج کے نزدیک یہاں حمد سے مراد امر ہے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس سے مراد معرفت اور اطاعت ہے۔ بعض دیگر حضرات کہتے ہیں کہ ہر حال میں اسی کے لئے حمد ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ”لا الہ الا اللہ کہنے والوں کو قبروں کے اندر کوئی وحشت نہیں ہوگی، گویا کہ میں لا الہ الا اللہ کہنے والوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے اور لا الہ الا اللہ پڑھتے ہوئے اپنی قبروں سے اٹھ رہے ہیں“ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَذْھَبَ عَنَّا الْحَزَنَ (فاطر:34) کہتے ہوئے اٹھیں گے، اس کا بیان سورۂ فاطر میں ہوگا۔ آیت کے آخر میں فرمایا: ”وَتَظُنُّوْنَ“ یعنی جب تم قبروں سے اٹھو گے تو تم یہ گمان کرو گے کہ تم دنیا میں تھوڑی سی مدت ٹھہرے رہے جیسا کہ متعدد مقامات پر اسے بیان کیا گیا ہے، فرمایا: کَاَنَّھُمْ یَوْمَ یَرَوْنَھَا لَمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِیَّۃً اَوْ ضُحٰھَا (النازعات:46) ”گویا وہ جس روز اسے دیکھیں گے (انہیں محسوس ہوگا) کہ وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے تھے مگر ایک شام یا ایک صبح“، یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۚ یَّتَخَافَتُوْنَ بَیْنَھُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ اِذْ یَقُوْلُ اَمْثَلُھُمْ طَرِیْقَۃً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا (طٰہٰ:104-102) ”جس روز صور پھونکا جائے گا اور اس دن ہم مجرموں کو جمع کریں گے اس حال میں کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی چپکے چپکے آپس میں کہیں گے کہ نہیں رہے تم دنیا میں مگر دس دن۔ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہیں گے جب کہ ان میں سب سے زیادہ زیرک کہے گا کہ نہیں ٹھہرے ہو تم مگر ایک دن“۔ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا

یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ (الروم: 55) ''اور جس روز قیامت قائم ہوگی مجرم قسمیں اٹھائیں گے کہ وہ دنیا میں نہیں ٹھہرے مگر ایک گھڑی یونہی وہ (پہلے بھی) غلط بیانی کیا کرتے تھے''۔ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِیْنَ ۝ قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّیْنَ ۝ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (المومنون: 114-112) ''اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم زمین میں کتنے سال ٹھہرے رہے؟ کہیں گے ہم ٹھہرے تھے بس ایک دن یا دن کا کچھ حصہ آپ سال گننے والوں سے پوچھ لیں۔ ارشاد ہوگا تم نہیں ٹھہرے مگر تھوڑا عرصہ، کاش! تم جان لیتے''۔

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۝۵۳

''اور آپ حکم دیجئے میرے بندوں کو کہ وہ ایسی باتیں کریں جو بہت عمدہ ہوں۔ بے شک شیطان فتنہ وفساد برپا کرنا چاہتا ہے ان کے درمیان۔ یقیناً شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندے اور رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ میرے مومن بندوں کو یہ حکم دے دیں کہ وہ ایک دوسرے سے بات چیت اور گفتگو کرتے ہوئے خوش کلامی، نرمی اور عمدہ الفاظ سے پیش آئیں، کیونکہ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو شیطان ان کے درمیان فتنہ وفساد کی آگ بھڑکا دے گا، شر کی تخم ریزی کرے گا اور نوبت لڑائی جھگڑے تک پہنچ جائے گی۔ یہ لعین تو اس وقت سے ہی آدم علیہ السلام اور اولاد آدم علیہ السلام کا کھلا دشمن ہے جب اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کی عداوت ظاہر اور عیاں ہے، یہی وجہ ہے کہ مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرنا بھی حرام قرار دیا گیا ہے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ شیطان کی انگیخت پر وہ اپنے بھائی پر وار کردے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی شخص اسلحہ سے اپنے بھائی کی طرف اشارہ نہ کرے، کیونکہ اسے نہیں معلوم کہ شاید وہ شیطان کی انگیخت کا شکار ہو کر جہنم کے گڑھے میں جا گرے''(1) ایک مرتبہ لوگوں کے مجمع میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کر سکتا ہے اور نہ ہی اسے بے یار و مددگار چھوڑ سکتا ہے۔ تقویٰ یہاں (سینہ میں) ہے۔ دو شخص رضائے الٰہی کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرتے ہیں، پھر کسی وجہ سے ان کے درمیان جدائی پڑ جاتی ہے۔ ان میں سے جدائی کا سبب بننے والا اور اسے بیان کرنے والا شریر ہے، شریر ہے، شریر ہے''(2)۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ۝۵۴ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ وَّاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝۵۵

''تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے۔ اگر چاہے تو تم پر رحم (وکرم) فرماوے اور اگر چاہے تو تمہیں سزا دے۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر (تاکہ ان کے کفر کے لئے آپ جوابدہ ہوں) اور آپ کا رب خوب جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور بے شک ہم نے بزرگی دی ہے بعض انبیاء کو بعض پر اور ہم نے عطا فرمائی ہے داؤد کو زبور''۔

1۔ فتح الباری، کتاب الفتن، جلد 13 صفحہ 23، صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2020　2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 71

اے لوگو! اللہ تعالیٰ تمہیں خوب جانتا ہے، اسے معلوم ہے کہ کون تم میں سے ہدایت کا مستحق ہے اور کون مستحق نہیں ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں اپنی اطاعت اور انابت کی توفیق دے کر تم پر رحم فرمائے اور اگر اس کی مرضی ہو تو تمہیں عذاب کی چکی میں پیس کر رکھ دے اور اے میرے پیارے رسول ﷺ! ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار نہیں بنا کر بھیجا۔ آپ کا فریضہ یہ ہے کہ آپ ﷺ انہیں بروقت خبر دار کریں۔ جو آپ ﷺ کی اطاعت کرے گا، جنت میں داخل ہوگا اور جو آپ ﷺ کی نافرمانی کا مرتکب ہوگا، اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

دوسری آیت میں فرمایا: وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ...... یعنی آپ کا رب اطاعت و معصیت میں مخلوق کے درجات اور مراتب سے خوب واقف ہے۔ انبیاء کرام میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت اور بزرگی عطا کی گئی جیسا کہ فرمایا: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ (البقرہ: 253) "یہ سب رسول، ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی، ان میں سے کسی سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور ان میں سے بعض کے درجے بلند کئے"۔ یہ آیات اس حدیث کے منافی اور متضاد نہیں جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لَا تُفَضِّلُوْا بَیْنَ الْاَنْبِیَاءِ" [1] (انبیاء کے درمیان فضیلت قائم نہ کرو)، کیونکہ اس میں اس تفضیل سے منع کیا گیا ہے جس کی بنیاد خواہش نفس اور تعصب ہو ورنہ اگر کسی دلیل سے فضیلت ثابت ہو جائے تو اس کی اتباع ضروری ہے۔ دیکھیں، اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ رسول تمام انبیاء سے افضل ہیں اور پھر رسولوں میں سے اولوالعزم رسولوں کو افضلیت حاصل ہے۔ ان کی تعداد پانچ ہے جن کا ذکر ان آیات میں موجود ہے: وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى وَعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ (الاحزاب: 7) "اور یاد کرو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے بھی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے بھی"، شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى وَعِیْسٰٓى اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ (الشوریٰ: 13) "اس نے تمہارے لئے وہ دین مقرر فرمایا ہے جس کا اس نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا اور جسے ہم نے بذریعہ وحی آپ ﷺ کی طرف بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو حکم دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا"۔ اور یہ بات بھی اختلاف سے بالاتر ہے اور مشہور بھی یہی ہے کہ ان میں سب سے افضل حضرت محمد ﷺ ہیں، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام، پھر موسیٰ علیہ السلام، پھر عیسیٰ علیہ السلام۔ ہم نے ایک اور مقام پر اس بحث کو دلائل سمیت شرح و بسط کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت اور شرف پر آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "داؤد علیہ السلام پر قرآن (زبور) نہایت آسان کر دیا گیا تھا، وہ اپنی سواری پر زین کسنے کا حکم دیتے تو اس سے فراغت سے پہلے ہی قرآن ختم کر لیتے" [2]۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا ﴿۵۶﴾ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾

"(انہیں) کہئے اب بلاؤ ان کو جنہیں تم گمان کیا کرتے تھے (کہ یہ خدا ہیں) اللہ تعالیٰ کے سوا۔ وہ تو قدرت نہیں رکھتے کہ تکلیف دور کر سکیں تم سے اور نہ ہی وہ (اسے) بدل سکتے ہیں وہ لوگ جنہیں یہ مشرک پکارا کرتے ہیں، وہ خود ڈھونڈتے ہیں

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 194، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1843-1844

2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 107

اپنے رب کی طرف وسیلہ کہ کون سا بندہ (اللہ تعالیٰ سے) زیادہ قریب ہے اور امید رکھتے ہیں اللہ کی رحمت کی اور ڈرتے رہتے ہیں اس کے عذاب سے بے شک آپ کے رب کا عذاب ڈرانے کی چیز ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ غیر اللہ کی پرستش کرنے والے مشرکین سے کہہ دیں کہ تم اپنے بتوں اور معبودوں کو پکارو جنہیں تم نے اللہ کے سوا اپنا خدا بنا رکھا ہے اور ان کی طرف رغبت کرو، کیا وہ تمہاری مشکل کشائی کر سکتے ہیں؟ وہ نہ تو تم سے کسی تکلیف کا ازالہ کر سکتے ہیں اور نہ تم سے ٹال کر کسی اور کی طرف منتقل کر سکتے ہیں۔ یہ تو بے بس اور بے کس ہیں۔ قدرت اور طاقت کا مالک تو صرف اللہ وحدہ لاشریک ہے جس کے لئے ہر قسم کی تخلیق اور ہر نوع کا حکم مخصوص ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل شرک کہا کرتے تھے کہ ہم ملائکہ، مسیح اور عزیر کی عبادت کرتے ہیں، تو یہی وہ لوگ ہیں جو ملائکہ، مسیح اور عزیر کو پکارتے ہیں(1)۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ اس آیت اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ کے متعلق فرماتے ہیں کہ کچھ جن غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے، پھر وہ مسلمان ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ کچھ انسان کچھ جنات کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ان جنات نے تو اسلام قبول کر لیا لیکن یہ انسان کفر پر ڈٹے رہے(2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عرب کے کچھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے، ان جنات نے تو اسلام قبول کر لیا لیکن جو انسان ان کی پرستش کیا کرتے تھے، انہیں ان کے اسلام لانے کا شعور تک نہ ہوا۔ اس وقت یہ آیت اتری(3) ایک اور روایت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ ملائکہ کی صنف کے جنات کی پرستش کیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضرات عیسیٰ، آپ کی والدہ اور عزیر علیہم السلام ہیں جن کی یہ عبادت کرتے ہیں حالانکہ یہ خود اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔ ابراہیم حضرت ابن عباس سے بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد عیسیٰ عزیر، سورج اور چاند ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ عیسیٰ، عزیر اور ملائکہ۔ ابن جریر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول پسند کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ یہاں ماضی مراد نہیں۔ وسیلہ کا معنی ہے قرب اور نزدیکی جیسا کہ قتادہ کا قول ہے، اسی لئے فرمایا: اَیُّهُمْ اَقْرَبُ۔ آگے فرمایا: یَرْجُوْنَ۔ خوف اور رجاء کے بغیر عبادت کی تکمیل نہیں ہوتی۔ خوف کی وجہ سے انسان ممنوعہ چیزوں کے ارتکاب سے باز آ جاتا ہے اور رجاء کے سبب زیادہ سے زیادہ اطاعت پر کمربستہ ہو جاتا ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ یعنی یہی انسان کے لئے مناسب ہے کہ وہ ہر وقت عذاب الٰہی سے لرزاں و ترساں رہے۔

وَ اِنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِیْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾

"اور کوئی ایسی بستی نہیں ہے مگر ہم اسے برباد کر دیں گے روز قیامت سے پہلے یا اسے سخت عذاب دیں گے، یہ فیصلہ کتاب (تقدیر) میں لکھا ہوا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس لوح محفوظ میں جو نوشتہ لکھ دیا ہے وہ قطعی اور حتمی ہے کہ وہ ہر بستی کو ہلاک کر دیگا، اس کے بسنے والے لوگوں کو نیست و نابود کر دے گا یا سخت عذاب میں مبتلا کر دیگا، یہ عذاب اس کی مشیت پر موقوف ہے چاہے قتل کروا دے یا اور کسی آزمائش میں ڈال دے۔ اس کا سبب لوگوں کی بد اعمالیاں اور گناہ ہوں گے جیسا کہ گزشتہ قوموں کے متعلق فرمایا: "وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ (ہود:

1۔ تفسیر طبری، جلد 5 صفحہ 104　　2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ اسراء، جلد 6 صفحہ 107　　3۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 104

101) ''اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنی جانوں پر زیادتی کی''۔ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا (الطلاق:9) ''پس انہوں نے اپنے کرتوتوں کا وبال چکھا اور ان کے کام کا انجام برا خسارہ تھا''۔ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا (الطلاق:8) ''کتنی بستیاں تھیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی''۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾

''اور نہیں روکا ہمیں اس امر سے کہ ہم بھیجیں (کفار کی تجویز کردہ) نشانیاں مگر اس بات نے کہ جھٹلایا تھا ان نشانیوں کو پہلوں نے (اور وہ فوراً تباہ کر دیے گئے تھے)۔ اور ہم نے دی تھی قوم ثمود کو ایک اونٹنی جو روشن نشانی تھی پس انہوں نے زیادتی کی اس پر۔ اور ہم نہیں بھیجتے ایسی نشانیاں مگر لوگوں کو (عذاب سے) خوفزدہ کرنے کے لئے''۔

مشرکین حضور نبی کریم ﷺ سے کہنے لگے کہ آپ کا یہ خیال ہے کہ آپ سے پہلے انبیاء گزرے ہیں، جن میں سے کسی کے ہوا تابع تھی اور کوئی مردوں کو زندہ کیا کرتا تھا، اگر آپ کی خواہش ہے کہ ہم آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی تصدیق کریں تو اپنے رب سے یہ دعا کیجئے کہ وہ ہمارے کوہ صفا کو سونے میں تبدیل کر دے۔ ان کے اس مطالبہ پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی طرف وحی کی اور فرمایا: ''میں نے ان کی باتیں سن لی ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو ہم ان کا مطالبہ پورا کر دیں، لیکن اس کے باوجود اگر وہ ایمان نہ لائے تو عذاب نازل ہوگا کیونکہ (مطلوبہ) نشانی کے نزول کے بعد مہلت کی گنجائش نہیں ہوتی، اور اگر آپ پسند کریں تو ہم انہیں مہلت دے دیں''۔ آپ ﷺ نے عرض کی: ''اے پروردگار! انہیں مہلت دے دے''(1)۔ اسے سعید بن جبیر، قتادہ، ابن جریج وغیرہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل مکہ نے نبی کریم ﷺ سے مطالبہ کیا کہ آپ صفا کی پہاڑی کو ان کے لئے سونا بنا دیں اور پہاڑوں کو دور ہٹا دیں تاکہ وہ وسیع و عریض میدان میں کاشت کاری کر سکیں۔ اس پر آپ ﷺ سے فرمایا گیا کہ اگر آپ پسند کریں تو ہم انہیں (غور و فکر کے لئے) کچھ مہلت دے دیں اور اگر آپ پسند کریں تو ہم ان کے مطالبہ کو پورا کر دیں لیکن پھر بھی اگر یہ کفر پر اڑے رہے تو انہیں نیست و نابود کر دیا جائے گا جیسا کہ ان سے پہلی قوموں کیساتھ ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے عرض کی: نہیں، الٰہی! انہیں مہلت مرحمت فرما۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی(2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ قریش نے نبی کریم ﷺ سے کہا: اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ کوہ صفا کو ہمارے لئے سونا بنا دے، پھر ہم آپ ﷺ پر ایمان لائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''واقعی ایمان لاؤ گے؟'' وہ کہنے لگے: ہاں ہاں۔ آپ ﷺ نے دعا کی تو جبریل حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے کہنے لگے: اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر آپ ﷺ کی خواہش ہو تو کوہ صفا ان کے لئے سونا بن جائے، لیکن اس کے بعد جس نے کفر کیا تو میں اسے ایسا عذاب دوں گا جو پہلے کسی کو نہ دیا ہوگا اور اگر آپ کی مرضی ہو تو میں ان کے لئے توبہ اور رحمت کے دروازے کھلے رکھوں؟ آپ نے عرض کی کہ در توبہ و رحمت کھلے رکھئے(3)۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (الشعراء:214) ''اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایا کریں'' نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے جبل ابی قبیس پر چڑھ کر یہ ندا دی: ''اے آل عبد مناف! میں تمہیں

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 108 2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 258 3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 242

ڈرانے والا ہوں۔'' یہ سن کر قریش آپ ﷺ کے پاس جمع ہو گئے چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں تنبیہ کی اور ڈرایا تو وہ آپ ﷺ سے کہنے لگے کہ آپ نبوت کے دعویدار ہیں، آپ سے قبل سلیمان کے لئے ہواؤں اور پہاڑوں کو مسخر کر دیا گیا، موسیٰ کے لئے سمندر تابع کر دیا گیا اور عیسیٰ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے، آپ اللہ سے یہ دعا کریں کہ وہ ان پہاڑوں کو ہم سے دور ہٹا دے اور زمین میں نہریں جاری کر دے تا کہ ہم کھیتی باڑی کر کے کھانے کے لئے اناج پیدا کر سکیں، اگر یہ ممکن نہیں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمارے مردوں کو زندہ کر دے تا کہ ہم ان سے اور وہ ہم سے گفتگو کریں، اگر یہ بھی نہیں تو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر دیجئے کہ وہ اس پہاڑ کو سونے میں تبدیل کر دے تا کہ ہم اس سے لے کر اپنی ضروریات پوری کرتے رہیں اور سردیوں اور گرمیوں کے تجارتی سفر سے بے نیاز ہو جائیں، آپ کا تو دعویٰ بھی ہے کہ آپ سابقہ انبیاء کی طرح ہیں۔ اسی اثناء میں آپ ﷺ پر وحی نازل ہونے لگی۔ جب وحی ختم ہوئی تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ عطا فرما دیا ہے جو مطالبہ تم نے کیا۔ اگر میں چاہوں تو ایسا ہو جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ یا تو تم دررحمت میں داخل ہو جاؤ اور تم میں سے ایمان لانے والا ایمان لے آئے یا وہ تمہیں تمہاری پسند کے سپرد کر دے تو تم دررحمت سے برگشتہ ہو جاؤ، اور تم میں سے کوئی بھی ایمان نہ لائے چنانچہ میں نے یہ پسند کیا کہ دررحمت وا ہے تا کہ تم میں سے جس کی خواہش ہو، ایمان لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ بھی بتا دیا ہے کہ اگر اس نے تمہارا مطالبہ پورا کر دیا اور تم پھر بھی کفر پر مصر رہے تو وہ تمہیں ایسا سخت عذاب دے گا جو پہلے کسی کو نہ دیا گیا ہوگا'' (1) اس وقت مذکورہ بالا آیت کے علاوہ یہ آیت بھی نازل ہوئی: وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى (الرعد: 31) ''اور اگر کوئی ایسا قرآن اترتا جسکے ذریعے سے پہاڑ چلنے لگتے یا اس کے اثر سے زمین پھٹ جاتی یا اس کے ذریعے مردوں سے بات کی جا سکتی۔'' اس لئے فرمایا: وَمَا مَنَعَنَاۤ اَنْ نُّرْسِلَ.... یعنی ان لوگوں کے مطالبات کو پورا کرنا اور ان کے مطلوبہ معجزات دکھانا ہمارے لئے بالکل آسان ہے، ہمیں تو اس میں ذرا بھی دشواری نہیں لیکن بات یہ ہے کہ ان سے پہلے لوگوں نے بھی ایسی ہی نشانیاں اور معجزات طلب کئے تھے، انہیں ان کی مطلوبہ نشانیاں دکھا دی گئیں پھر بھی وہ جھٹلانے سے باز نہ آئے اور انہیں عذاب سے دوچار کر دیا گیا۔ سنت الٰہی ہے بھی یہی کہ مطلوبہ معجزات اور نشانیاں دکھانے کے بعد مزید مہلت نہیں دی جاتی جیسا کہ فرمایا: قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ (المائدہ: 115) ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اسے تم پر اتارنے والا ہوں پھر تم میں سے جس نے اس کے ساتھ کفر کیا تو اسے میں ایسا عذاب دوں گا کہ ایسا عذاب اہل جہاں سے کسی کو نہ دوں گا''۔ قوم ثمود نے اونٹنی کا معجزہ طلب کیا تھا اور انہوں نے یہ شرط عائد کی تھی کہ ان کی معین کردہ چٹان سے وہ نکلے چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنے رب کی بارگاہ میں دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے مطالبہ کے عین مطابق اسے چٹان سے نکالا، اس کے باوجود انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس نشانی پر ظلم کیا اور اس کے رسول کی تکذیب پر کمربستہ رہے۔ سب سے بڑھ کر انہوں نے یہ ظلم کیا کہ اپنی ہی طلب کردہ اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ (ہود: 65) ''اپنے گھروں میں تین دن تک لطف اٹھا لو، یہ ایسا وعدہ ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا''، اس لئے یہاں فرمایا: وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ.... یعنی قوم ثمود کو ایسی روشن نشانی (ناقہ) عطا کی گئی جو اس کے خالق کی وحدانیت اور اس کے رسول کی صداقت پر واضح دلیل تھی جن کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا گیا لیکن انہوں نے اس پر ظلم کیا، اس کا انکار کیا اور اسے اپنی باری پر پانی پینے سے روک دیا،

1۔ مسند ابی یعلیٰ، جلد 2، صفحہ 41-40

اسی پر ہی اکتفاء نہ کیا بلکہ اسے قتل کر ڈالا۔ اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا، ان سے خوب انتقام لیا اور سخت پکڑ کی۔ قتادہ اس فرمان وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ کے تحت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس قسم کی نشانیوں سے چاہے، لوگوں کو ڈراتا ہے تاکہ وہ عبرت اور نصیحت حاصل کر کے حق کی طرف رجوع کر لیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کوفہ زلزلہ کا شکار ہو گیا تو آپ فرمانے لگے: اے لوگو! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رضا جوئی کا حکم دے رہا ہے، اس لئے اسے راضی کرو(1)۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں مدینہ شریف میں متعدد بار زلزلہ آیا تو آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم ضرور کسی نئی بات کے مرتکب ہوئے ہو، اللہ کی قسم! اگر دوبارہ ایسا ہوا تو میں تم سے نمٹ لوں گا۔ حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، انہیں کسی کی موت وحیات کے باعث گرہن نہیں لگتا بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے اپنے بندوں کو خوفزدہ کرتا ہے۔ جب تم ایسا دیکھو تو فوراً اللہ کے ذکر، دعا اور استغفار میں لگ جاؤ۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے امت محمد! اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی غیور نہیں کہ اس کا کوئی بندہ یا بندی زنا کرے، اے امت محمد! اللہ کی قسم، اگر تم وہ کچھ جان لیتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے''(2)۔

وَ اِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْۤ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَ الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْاٰنِ ؕ وَ نُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا طُغْیَانًا كَبِیْرًا ۝

''اور یاد کرو جب ہم نے کہا تھا آپ کو بے شک آپ کے پروردگار نے گھیرے میں لے لیا ہے لوگوں کو۔ اور نہیں بنایا ہم نے اس نظارہ کو جو ہم نے دکھایا تھا آپ کو مگر آزمائش لوگوں کیلئے نیز (آزمائش بنایا) اس درخت کو جس پر لعنت بھیجی گئی ہے قرآن میں۔ اور ہم انہیں (نافرمانی کے انجام سے) ڈراتے رہتے ہیں پس نہ بڑھایا اس ڈرانے نے انہیں مگر یہ کہ وہ زیادہ سرکشی کرنے لگے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ کو تبلیغ رسالت کی ترغیب دلا رہا ہے اور لوگوں کی شر سے آپ کی حفاظت کی ذمہ داری کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے کیونکہ اسے لوگوں پر پوری پوری قدرت حاصل ہے، تمام لوگ اس کے قبضہ، قہر اور غلبہ تلے ہیں۔ مجاہد، عروۃ بن زبیر، حسن، قتادہ وغیرہ رضی اللہ عنہم اس فرمان اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ کے متعلق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو لوگوں سے محفوظ کر دیا۔ حضرت ابن عباس آیت کریمہ میں لفظ ''رؤیا'' سے مراد لیتے ہیں: عالم بیداری میں دیکھنا جو آپ کو معراج کی رات دکھایا گیا تھا اور شجرہ ملعونہ سے مراد زقوم کا درخت ہے(3)۔ امام بخاری، امام احمد اور عبدالرزاق نے اسے روایت کیا ہے اور حضرات مجاہد، سعید بن جبیر، حسن، مسروق، ابراہیم، قتادہ، عبدالرحمن بن زید اور دیگر متعدد حضرات نے اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے اور احادیث معراج اس سورت کے شروع میں بالتفصیل بیان ہو چکی ہیں۔ یہ بھی گزر چکا ہے کہ کچھ لوگ دین اسلام سے پھر گئے حالانکہ وہ حق پر تھے، کیونکہ ان کے دل اور عقلیں اس کی حقانیت کا ادراک نہ کر سکیں اور انہوں نے نادانی اور جہالت کے باعث اسے جھٹلا دیا، لیکن راسخ العقیدہ حضرات کیلئے یہی واقعہ ثبات و یقین کا باعث بنا، اسی لئے فرمایا: ''اِلَّا فِتْنَةً'' یعنی آزمائش اور امتحان۔ شجرہ ملعونہ سے مراد زقوم کا درخت ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 109

2۔ صحیح بخاری، کتاب الکسوف، جلد 2 صفحہ 42، صحیح مسلم، کتاب الکسوف، جلد 2 صفحہ 618

3۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ اسراء، جلد 6 صفحہ 107

بتایا کہ آپ نے جنت، دوزخ اور زقوم کا درخت دیکھا لیکن کفار اسے جھٹلانے لگے یہاں تک کہ لعین ابوجہل کہنے لگے کہ لاؤ کھجور اور مکھن، اور دونوں کو ملا کر کھاؤ، یہی تو زقوم ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ شجرہ ملعونہ سے مراد بنو امیہ ہیں لیکن یہ قول بہت غریب اور بودا ہے (1)۔ سہل بن سعید کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فلاں قبیلے والوں کو اپنے منبر پر بندروں کی طرح اچھلتے کودتے دیکھا تو آپ کو یہ بات سخت ناگوار گزری۔ پھر وصال تک آپ پوری ہنسی نہیں ہنسے، اس وقت یہ آیت اتری (2)۔ اس کی سند بہت کمزور ہے کیونکہ اس کا راوی محمد بن حسن بن زبالہ متروک ہے اور اس کا شیخ بھی بالکل ضعیف ہے، اس لئے ابن جریر نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے کہ اس سے مراد شب معراج ہے اور شجرہ ملعونہ سے مراد زقوم کا درخت ہے اور اس پر مفسرین کا اجماع ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَنُخَوِّفُهُمْ ... یعنی ہم کفار کو شدید وعید اور عبرتناک عذاب سے خوفزدہ کرتے ہیں لیکن ان کی کفر و ضلالت میں سرکشی اور ہٹ دھرمی بڑھتی ہی جاتی ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی نظر کرم حاصل نہیں۔

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِیْنًا ﴿۶۱﴾ قَالَ اَرَءَیْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ ۫ لَىٕنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّیَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۶۲﴾

"اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے کہا کیا میں سجدہ کروں اس (آدم) کو جس کو تو نے کیچڑ سے پیدا کیا۔ اس نے کہا مجھے بتا یہ (آدم) جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے (اس کی وجہ کیا ہے)؟ اگر تو مجھے مہلت دے روز قیامت تک تو جڑ سے اکھیڑ پھینکوں گا اس کی اولاد کو سوائے چند افراد کے"۔

ابلیس ملعون کی آدم علیہ السلام اور اولاد آدم کے ساتھ عداوت کا ذکر ہو رہا ہے، اس کی عداوت کا آغاز تخلیق آدم علیہ السلام سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام ملائکہ کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں، چنانچہ سوائے ابلیس کے تمام فرشتے سجدہ میں گر گئے۔ اس نے تکبر کیا اور خود کو عظیم سمجھتے ہوئے اور آدم علیہ السلام کو حقیر گردانتے ہوئے اس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور کہنے لگا: "ءَاَسْجُدُ..." جیسا کہ ایک اور آیت میں فرمایا: اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (ص: 76) "میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے"۔ رب تعالیٰ جو نہایت حلم والا اور مہلت دینے والا ہے، اس کے حضور اس لعین کی مزید جسارت، ڈھٹائی اور کفر دیکھیے، کہنے لگا: اَرَءَیْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ. حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس فرمان "لَاَحْتَنِكَنَّ" کا یہ معنی بتاتے ہیں کہ میں اس کی اولاد پر غلبہ پالوں گا سوائے قلیل افراد کے۔ مجاہد اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ میں سوائے چند افراد کے انہیں اپنا تابعدار بنا لوں گا۔ ابن زید کہتے ہیں کہ میں انہیں گمراہ کر دوں گا۔ یہ تمام معانی قریب قریب ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے: مجھے بتا، یہ جسے تو نے مجھ پر فضیلت، عظمت اور شرف سے نوازا ہے، اگر تو مجھے مہلت دے تو میں اس کی اولاد کو گزشتہ کر دوں گا سوائے چند ایک کے۔

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾ وَ اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَیْهِمْ بِخَیْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 112 2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 117

اَلْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ۝

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا چلا جا (جو مرضی ہو کر) سو جو تیری پیروی کرے گا ان سے تو بے شک جہنم ہی تم سب کی پوری پوری سزا ہے۔ اور گمراہ کرنے کی کوشش کر جن کو تو گمراہ کر سکتا ہے ان میں سے اپنی آواز (کی فسوں کاری) سے اور دھاوا بول دے ان پر اپنے گھوڑ سواروں اور پیادہ دستوں کے ساتھ اور شریک ہو جا ان کے مالوں میں اور اولاد میں اور ان سے (جھوٹے) وعدہ کرتا رہ۔ اور وعدہ نہیں کرتا ان سے شیطان مگر مکر و فریب کا۔ جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکتا۔ اور (اے محبوب!) کافی ہے تیرا رب اپنے بندوں کی کارسازی کے لئے"۔

ابلیس کے مہلت طلب کرنے پر اللہ تعالیٰ نے اسے مہلت عطا کر دی جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ (الحجر: 38-37) "بے شک تو مہلت دیئے ہوئے لوگوں میں سے ہے، وقت مقررہ کے دن تک"۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس اور اس کی پیروی کرنے والے انسانوں کو جہنم کی دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ ۔ یعنی تمہیں اور تمہاری پیروی کرنے والوں کو اعمال بد کی پوری پوری سزا دی جائے گی اور اس میں ذرا بھی کمی نہیں ہوگی۔ فرمایا: وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ ۔ صوت سے مراد لہو و لعب اور غناء ہے یعنی جسے تو بہکا سکتا ہے لہو و لعب اور گانوں کے ذریعے بہکا لے۔ حضرت ابن عباس "صَوْتِكَ" کے متعلق فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی دعوت دے وہ شیطانی آواز ہے(1)۔ ابن جریر نے اس مفہوم کو پسند کیا ہے۔ مزید فرمایا: وَاَجْلِبْ ۔ یعنی تو ان پر اپنے گھوڑ سوار اور پیادہ دستوں کے ساتھ یورش کر دے۔ رجل، راجل (پیادہ) کی جمع ہے جیسے رکب، راکب (سوار) اور صحب، صاحب (ساتھی) کی۔ مطلب یہ ہوا کہ تو ہر ممکن طریقے سے تمام وسائل بروئے کار لاتے ہوئے ان پر دھاوا بول کر اپنا تسلط اور اقتدار قائم کر لے۔ یہ امر قدری ہے جیسا کہ فرمان ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا (مریم: 83) "کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ ہم نے کفار پر شیطانوں کو مسلط کر دیا ہے، وہ انہیں ہر وقت اکساتے رہتے ہیں" یعنی یہ انہیں بہکا کر اور مجبور کر کے گناہوں کی دلدل میں دھکیل دیتے ہیں۔ حضرات ابن عباس اور مجاہد بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ کے متعلق فرماتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں سوار ہو اور پیدل ہو، وہ شیطانی لشکر ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ جن و انس میں سے شیطان کے سوار اور پیادہ لشکری ہیں جو اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ جب کسی کو چیخ کر آواز دی جائے تو کہا جاتا ہے: "أَجْلَبَ فُلَانٌ عَنِّيْ فُلَانٍ"۔ آپ ﷺ نے گھوڑ دوڑ میں جلب (چیخ کر گھوڑے کو آگے بڑھانا) اور جنب (پہلو پر مارنا) سے منع فرمایا ہے۔ لفظ جلب بھی اسی سے ہے، اسی طرح جلبہ کا لفظ ہے جس کا معنی ہے: شور و غل کرنا۔ حضرات ابن عباس اور مجاہد اس فرمان وَشَارِكْهُمْ ۔ کا معنی بتاتے ہیں کہ شیطان انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کاموں میں مال خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے، عطاء کہتے ہیں کہ اس سے مراد سود ہے۔ حسنؒ فرماتے ہیں کہ خبیث مال جمع کر کے اسے حرام کاری میں خرچ کرنا۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ شیطان کی اموال میں شرکت سے مراد ان کا اپنے مویشیوں کو حرام قرار دینا ہے یعنی بحیرہ، سائبہ وغیرہ بنانا۔ بقول ابن جریر یہ آیت عام ہے اور ان تمام مفاہیم کو شامل ہے(2)۔ اور حضرات ابن عباس، مجاہد اور ضحاک کے مطابق اولاد میں شیطان کی شرکت سے مراد زناکاری سے پیدا ہونے والی اولاد ہے۔ علی بن طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 118
2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 120

سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد ان کی وہ اولاد ہے جسے انہوں نے اپنی نادانی اور بیوقوفی کے باعث قتل کر دیا تھا۔ حضرت حسن بصری اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ شیطان نے انہیں مجوسی، یہودی اور نصرانی بنا کر غیر اسلام کے رنگ میں رنگ دیا اور ان کے اموال کا ایک حصہ اپنے لئے مخصوص کروا لیا۔ ابو صالح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ شیطان کی اولاد میں شرکت سے مراد ان کا اپنی اولاد کا نام عبدالحارث، عبدالشمس اور عبد فلاں رکھنا ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اولاد میں شیطان کی مشارکت کے سلسلہ میں یہ کہنا سب سے زیادہ موزوں ہے کہ اس سے مراد وہ اولاد ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا جائے خواہ اس کا کوئی ایسا نام رکھا جائے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو یا اسے دین اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا پیروکار بنا دیا جائے یا اس کی ماں زنا کی مرتکب ہو یا اسے قتل کر دیا جائے یا زندہ درگور کر دیا جائے یا اور کوئی ایسا کام کیا جائے جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ کی معصیت لازم آتی ہو تو یہ ایسے امور ہیں جو اولاد آدم علیہ السلام میں شیطان کی مشارکت میں داخل ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ کو کسی خاص معنی کے ساتھ مخصوص نہیں کیا۔ ہر وہ چیز جس میں یا جس کے سبب معصیت الٰہی کا ارتکاب یا شیطان کی اطاعت لازم آتی ہو وہ مشارکت ہی ہے(1)۔ یہ عمدہ توجیہہ ہے اور اسلاف میں سے ہر ایک نے مشارکت کا جزوی مفہوم بیان کیا ہے۔ حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا لیکن شیاطین نے انہیں برگشتہ کر دیا اور ان پر وہ چیزیں حرام کر دیں جو میں نے ان کیلئے حلال کی تھیں" (2)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: "جب کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس جانے کا ارادہ کرے تو یہ کہے: "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا" (اللہ کے نام سے، یا اللہ! شیطان سے ہمیں دور رکھ اور جو تو ہمیں عطا فرمائے اس سے شیطان کو دور رکھ)، اگر کوئی بچہ مقدر ہوا تو اسے شیطان کبھی بھی ضرر نہیں پہنچا سکے گا" (3)۔

شیطان کے جھوٹے اور دلفریب وعدوں کے متعلق فرمایا: وَعِدْهُمْ... قیامت کے دن جب حق واضح ہو جائے گا تو ابلیس کہے گا: إِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ (ابراہیم: 22) "بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچا وعدہ تھا اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا پس میں نے تم سے وعدہ خلافی کی" پھر فرمایا: إِنَّ عِبَادِيْ..... اس آیت میں آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں کو اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہوتی ہے اور انہیں شیطان مردود سے بچاؤ کے لئے اللہ تعالیٰ کی نصرت اور امان سے نوازا جاتا ہے، اسی لئے فرمایا: وَكَفٰى...... یعنی آپ کے رب کی کارسازی، حمایت اور نصرت ہی کافی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مومن اپنے شیاطین کو اس طرح مغلوب کر لیتا ہے جس طرح ایک سوار سفر میں اپنے اونٹ کو" (4)۔

رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿٦٦﴾

"تمہارا رب وہ ہے جو چلاتا ہے تمہارے لئے کشتیوں کو سمندر میں تاکہ تم تلاش کرو (بحری سفر کے ذریعہ) اس کا فضل۔ بیشک وہ تمہارے ساتھ ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر خصوصی لطف و کرم ہے کہ اس نے ان کے لئے سمندر میں کشتیوں کو مسخر کر دیا اور ان کی مصلحتوں اور منافع کے لئے سمندری سفر نہایت آسان بنا دیا تاکہ وہ بذریعہ تجارت اللہ کا فضل (رزق) حاصل کر سکیں، اس لئے فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ..... یعنی اللہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 121

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ جلد 4 صفحہ 2197

3۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، جلد 4 صفحہ 148، صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 1058

4۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 380

تعالیٰ نے تم پر اپنا فضل وکرم اور رحمت فرماتے ہوئے تمہیں یہ سہولیات بہم پہنچائی ہیں۔

وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿۶۷﴾

”اور جب پہنچتی ہے تمہیں تکلیف سمندر میں تو گم ہو جاتے ہیں وہ (معبود) جن کو تم پکارا کرتے ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے پس جب وہ خیر وعافیت سے تمہیں ساحل پر پہنچا دیتا ہے (تو) تم روگردانی کرنے لگتے ہو اور انسان (واقعی) بڑا ناشکرا ہے“۔

سمندری سفر کے دوران جب لوگ کسی مصیبت کا شکار ہو جاتے ہیں تو وہ پورے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اس لئے فرمایا: وَ اِذَا مَسَّكُمُ۔ یعنی اس سنگین صورتحال میں تمہارے دلوں سے ان تمام معبودوں کا خیال محو ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو جیسا کہ عکرمہ بن ابی جہل کے ساتھ ایسا ہی اتفاق ہوا، فتح مکہ کے موقع پر وہ جان بچا کر فرار ہو گیا اور حبشہ جانے کی غرض سے کشتی پر سوار ہو گیا۔ دوران سفر سخت آندھی آئی اور کشتی طوفان میں پھنس گئی، کشتی کے سوار ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اب نجات کی سبیل یہی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کو پکارو۔ عکرمہ نے اپنے دل میں کہا: اللہ کی قسم! اگر سمندر میں صرف وہی کام آتا ہے تو ظاہر ہے کہ خشکی میں بھی صرف وہی کام آ سکتا ہے۔ اے اللہ! میں تیرے ساتھ پختہ عہد کرتا ہوں کہ اگر تو نے اس مصیبت سے بخیر وعافیت نکال دیا تو میں ضرور جا کر اپنا ہاتھ محمد (ﷺ) کے ہاتھ میں دے دوں گا اور میں یقیناً انہیں مہربان اور رحیم پاؤں گا۔ چنانچہ وہ سب سلامتی سے کنارے تک پہنچ گئے۔ عکرمہ فوراً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ رضی اللہ عنہ (1)۔ فرمایا: فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ۔۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ تمہیں ساحل تک بعافیت پہنچا دیتا ہے تو تم اس توحید کو فراموش کر دیتے ہو جس کا عرفان تمہیں سمندر میں ہوا تھا اور تم اللہ وحدہ لاشریک کو پکارنے سے روگردانی کرنے لگ جاتے ہو، اور انسان کی تو فطرت ہی یہی ہے کہ وہ انعامات کو فراموش کر دیتا ہے بلکہ ان کا انکار کر دیتا ہے، سوائے ان سعادت مند حضرات کے جنہیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِیْلًا ﴿۶۸﴾

”کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے کہ اللہ دھنسا دے تمہارے ساتھ خشکی کے کنارہ کو یا بھیج دے تم پر اولے برسانے والا بادل پھر اس وقت تم نہیں پاؤ گے اپنے لئے کوئی کارساز“۔

اللہ تعالیٰ کافروں سے فرما رہا ہے کہ سمندر سے بخیر وعافیت خشکی پر پہنچنے سے کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ اب تم اللہ تعالیٰ کے انتقام اور عذاب سے بے خوف اور محفوظ ہو گئے، اس کا عذاب خشکی پر بھی آ سکتا ہے، وہ تمہارے سمیت زمین کے کنارے کو دھنسا سکتا ہے یا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ تم پر پتھروں کی بارش برسا دے جیسا کہ فرمایا: اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ حَاصِبًا اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّیْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا (القمر: 35-34) ”ہم نے ان پر پتھر برسانے والی ہوا بھیجی سوائے لوط کے گھرانے کے۔ ہم نے انہیں سحری کے وقت بچا لیا۔ یہ ہماری طرف سے خاص مہربانی تھی“۔ وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ (الحجر: 74) ”اور ہم نے ان پر کھنگر کے پتھر برسائے“،

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 59، مستدرک حاکم، کتاب المغازی جلد 3 صفحہ 45 وغیرہ

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ (الملک:17-16) ''کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں غرق کر دے اور وہ تھر تھر کانپنے لگے۔ کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ تم پر پتھر برسانے والی ہوا بھیج دے۔ تب تمہیں پتہ چلے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہوتا ہے''۔ آیت کے آخر میں فرمایا: ثُمَّ لَا تَجِدُوْا۔ یعنی پھر تم کوئی ایسا مددگار نہیں پاؤ گے جو تم سے اس عذاب کو ٹال کر تمہیں بچا لے۔

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَكُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰی فَیُرْسِلَ عَلَیْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ فَیُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا ۝۶۹

''کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں لے جائے سمندر میں دوسری مرتبہ اور بھیجے تم پر سخت آندھی جو کشتیوں کو توڑنے والی ہو پھر غرق کر دے تمہیں بوجہ کفر کے جو تم نے کیا۔ پھر تم نہیں پاؤ گے اپنے لئے ہم سے اس ڈبونے پر کوئی انتقام لینے والا''۔

اللہ تعالیٰ روگردانی کرنے والوں سے فرما رہا ہے کہ سمندری سفر کے دوران گرداب ہلاکت میں تو تم نے توحید کا اقرار کر لیا تھا لیکن بعافیت باہر نکلنے پر پھر تم نے پہلی کفریہ روش اپنا لی، کیا یہ ممکن نہیں کہ تمہیں دوبارہ سمندری سفر پیش آ جائے اور اللہ تعالیٰ تند و تیز آندھی اور طوفان کے ذریعے تمہاری کشتیوں کو توڑ پھوڑ کر تمہیں غرق کر دے، اس طرح تم اپنے کفر اور روگردانی کا مزہ چکھ لو۔ پھر تو تمہیں کوئی ایسا شخص بھی نہیں ملے گا جو تمہاری خاطر ہم سے اس کا انتقام لے سکے۔ بقول ابن عباس رضی اللہ عنہ ''تبیع'' کا معنی ہے مددگار۔ مجاہد کہتے ہیں: ایسا مددگار جو بدلہ لے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پیچھا کرنے والا(1)۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ۝۷۰

''اور بے شک ہم نے بڑی عزت بخشی اولاد آدم کو اور ہم نے سوار کیا انہیں (مختلف سواریوں پر) خشکی میں اور سمندر میں اور رزق دیا انہیں پاکیزہ چیزوں سے اور ہم نے فضیلت دی انہیں بہت سی چیزوں پر جن کو ہم نے پیدا فرمایا نمایاں فضیلت''۔

اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم علیہ السلام کو بہترین اور کامل ترین شکل و صورت پر پیدا کر کے انہیں اپنے خصوصی اعزاز، شرف اور تکریم سے نوازا ہے جیسا کہ فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (التین:4) ''بے شک ہم نے انسان کو بہترین اعتدال پر پیدا کیا''۔ یعنی انسان اپنی دونوں ٹانگوں پر سیدھا کھڑا ہو کر چلتا ہے اور اپنے ہاتھوں سے کھاتا ہے جبکہ حیوانات چار پر چلتے ہیں اور منہ سے کھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کان، آنکھ اور دل سے نوازا جن کے ذریعے وہ فہم و ادراک حاصل کرتا ہے، انہیں بروئے کار لا کر نفع حاصل کرتا ہے، چیزوں کے درمیان تمیز کرتا ہے، دینی اور دنیاوی امور میں اشیاء کے فوائد، خصوصیات اور نقصانات سے روشناس ہوتا ہے۔ اس عزت و تکریم کے علاوہ انسان کو بری سفر کے لئے گھوڑے، اونٹ اور خچر جیسے جانور مرحمت فرمائے اور سمندری سفر کے لئے چھوٹی بڑی کشتیوں کی طرف رہنمائی کی، مزید برآں پاکیزہ چیزوں کی صورت میں رزق عطا فرمایا یعنی کھیتیاں، پھل، گوشت، دودھ اور اسی طرح کی خوش ذائقہ، خوش رنگ اور مزیدار

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 125

متنوع نعمتیں، اس کے ساتھ ساتھ انواع واقسام کے عمدہ ملبوسات جنہیں نہ صرف یہ اپنے لئے تیار کرتے ہیں بلکہ دوسرے علاقوں میں برآمد بھی کئے جاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت انسان کو تمام حیوانات اور مخلوقات پر نمایاں فضیلت اور برتری حاصل ہوگئی۔

اس آیت کریمہ سے جنس ملائکہ پر جنس بشر کی افضلیت پر استدلال کیا گیا ہے۔ زید بن اسلمؓ روایت کرتے ہیں کہ ملائکہ نے کہا: اے ہمارے پروردگار! تو نے بنی آدم کو دنیا عطا کی وہ اس سے کھاتے پیتے اور عیش اڑاتے ہیں لیکن تو نے ہمیں دنیا نہیں دی، اس لئے تو ہمیں اس کا بدلہ آخرت میں عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے اپنی عزت اور اپنے جلال کی قسم! جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے، اس کی نیک اولاد کو اس کے برابر نہیں بناؤں گا جسے میں نے کلمہ کن کے ذریعے پیدا کیا۔ اس سند سے یہ حدیث مرسل ہے لیکن ایک اور سند سے یہ متصل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "فرشتوں نے عرض کی: اے پروردگار! تو نے بنی آدم کو دنیا دی، وہ اس میں کھاتے، پیتے اور پہنتے ہیں لیکن ہم تیری حمد بیان کرتے ہوئے تسبیح کرتے ہیں، نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں اور نہ کھیل کود میں مصروف ہوتے ہیں۔ جس طرح تو نے ان کے لئے دنیا بنائی ہے، اس طرح تو ہمیں آخرت میں عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے اس کی صالح اولاد کو میں اس کی طرح نہیں بناؤں گا جسے میں نے کن کہا تو وہ وجود میں آ گیا" (1) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "فرشتوں نے عرض کی: اے ہمارے رب! تو نے ہمیں بھی پیدا کیا اور تو نے اولاد آدم علیہ السلام کو بھی پیدا کیا۔ انہیں تو تو نے اس طرح بنایا کہ وہ کھاتے ہیں، پیتے ہیں، پہنتے ہیں، عورتوں کے ساتھ شادی کرتے ہیں، جانوروں پر سواری کرتے ہیں، سوتے ہیں اور راحت و آرام حاصل کرتے ہیں لیکن ہمیں تو نے یہ چیزیں مرحمت نہیں فرمائیں۔ سو ان کے لئے دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا اور اپنی روح اس میں پھونکی، اسے میں اس کی طرح نہیں بناؤں گا جسے میں نے کلمہ کن کے ذریعے پیدا کیا" (2)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن ابن آدم سے بڑھ کر کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز نہیں ہوگا" عرض کی گئی: یا رسول اللہ! فرشتے بھی نہیں؟ فرمایا: "فرشتے بھی نہیں، فرشتے تو شمس و قمر کی طرح مجبور ہیں" (3)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

"وہ دن جب ہم بلائیں گے تمام انسانوں کو ان کے پیشوا کے ساتھ۔ پس وہ شخص جسے دیا گیا اس کا نامہ عمل اس کے دائیں ہاتھ میں تو یہ لوگ (خوشی خوشی) پڑھیں گے اپنا نامہ عمل اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اور جو شخص بنا رہا اس دنیا میں اندھا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور بڑا گم کردہ راہ ہوگا"۔

قیامت کے دن ہر امت کا اپنے امام (پیشوا) کے ساتھ محاسبہ ہوگا۔ لفظ "امام" کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد نبی ہے یعنی ہر امت اپنے نبی کے ساتھ بلائی جائے گی جیسا کہ فرمان ہے: "وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ (یونس: 47)" "اور ہر قوم کے لئے ایک رسول ہے پس جب ان کے پاس ان کا رسول آیا تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا" کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ اصحاب حدیث کے لئے یہ بہت بڑا شرف ہے کیونکہ ان کے امام نبی کریم ﷺ ہیں۔ ابن

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 126 بحوالہ عبدالرزاق　　2۔ ابن عساکر　　3۔ معجم طبرانی

زید کہتے ہیں کہ یہاں امام سے مراد ان کی وہ کتاب ہے جو شرعی احکام کے متعلق ان کے نبی پر اللہ تعالیٰ نے نازل کی۔ ابن جریر نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد ان کی کتابیں ہیں۔ یہ مراد لینا بھی ممکن ہے اور یہ بھی کہ امام سے مراد نامۂ اعمال ہے جیسا کہ حضرات ابن عباس، ابوالعالیہ، حسن اور ضحاک کا قول ہے اور یہی قول زیادہ راجح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَكُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْۤ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ (یٰسین: 12) "اور ہر چیز کو ہم نے لوح محفوظ میں شمار کر رکھا ہے"۔ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا فِیْهِ (الکہف: 49) "اور نامہ عمل (ان کے سامنے) رکھ دیا جائے گا پس تو دیکھے گا مجرموں کو کہ وہ اس سے ڈر رہے ہوں گے جو اس میں ہے"۔ امام کا معنی پیشوا بھی ہوسکتا ہے یعنی ہر امت کو اس کے ساتھ لایا جائے گا جس کی وہ پیروی کرتے رہے۔ اہل ایمان انبیاء کرام علیہ السلام کی پیروی کرتے رہے اور اہل کفر اپنے گمراہ اماموں کی۔ ہر ایک اپنے نیک یا بد امام کے ساتھ ہوگا، فرمایا: وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ (القصص: 41) "اور ہم نے انہیں پیشوا بنایا تھا جو آگ کی طرف بلا رہے تھے"۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "ہر امت اپنے معبود کے پیچھے ہوگی، جو طاغوت کی عبادت کرتا رہا، وہ طاغوت کے پیچھے ہوگا" (1)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِیَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰۤى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ هٰذَا كِتٰبُنَا یَنْطِقُ عَلَیْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الجاثیہ: 29-28) "اور آپ ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا دیکھیں گے، ہر گروہ کو اس کے صحیفہ عمل کی طرف بلایا جائے گا، آج تمہیں بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔ یہ ہمارا نوشتہ ہے جو تمہارے بارے میں سچ بولتا ہے۔ ہم لکھ لیا کرتے تھے جو تم (دنیا میں) عمل کیا کرتے تھے"۔ یہ اس بات کے منافی نہیں کہ ہر امت کے درمیان فیصلہ کرتے وقت اس کے نبی کو لایا جائے گا کیونکہ نبی کا اپنی امت پر اس کے اعمال کی بابت گواہی دینا ضروری ہے جیسا کہ فرمایا: وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ (الزمر: 69) "اور زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی اور دفتر عمل رکھ دیا جائے گا اور حاضر کیے جائیں گے انبیاء اور (دوسرے) گواہ"۔ فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا (النساء: 41) "تو کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لے آئیں گے اور (اے حبیب ﷺ) ہم آپ کو ان سب پر گواہ لے آئیں گے"۔ لیکن یہاں امام سے مراد نامۂ اعمال ہے، اسی لئے فرمایا: یَوْمَ نَدْعُوْا ... جس شخص کو نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ فرط مسرت سے اس میں درج اعمال صالحہ کے باعث اسے پڑھے گا اور اسے پڑھنا اس کے ہاں بہت محبوب ہوگا جیسا کہ فرمایا: فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ ... وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ (الحاقہ: 19-29)۔

آیت کریمہ میں لفظ "فَتِیْلًا" سے مراد وہ لمبا دھاگہ ہے جو کھجور کی گٹھلی کے شق میں پایا جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "ایک آدمی کو بلا کر اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، اس کا جسم بڑھ جائے گا، اس کا چہرہ سفید اور روشن ہوگا اور اسے چمکتے موتیوں سے مرصع تاج پہنایا جائے گا۔ وہ اپنے ساتھیوں کی طرف چل پڑے گا تو وہ اسے دور سے ہی دیکھ لیں گے اور کہیں گے: اے اللہ! ہمیں بھی اس انعام سے نواز اور اس میں ہمارے لئے برکت ڈال دے۔ وہ شخص ان کے پاس آ کر انہیں کہے گا کہ تمہیں بشارت ہو تم میں سے ہر ایک کے لئے ایسا ہی انعام ہے۔ جہاں تک کافر کا تعلق ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہوگا اور اس کا جسم بڑھ جائے گا۔ اس کے ساتھی اسے دیکھ کر کہیں گے کہ ہم اس کی شر سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ یا اللہ!

1۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 13 صفحہ 419۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 164

اسے ہمارے پاس نہ لانا لیکن وہ ان کے پاس آجائے گا تو وہ کہیں گے: یا اللہ! اسے ذلیل و رسوا کر دے، وہ کہے گا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت سے دور کر کے برباد کرے، تم میں سے ہر ایک کے لئے یہ سزا ہے"(1)۔

اگلی آیت میں فرمایا: وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ ... یعنی جو شخص اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حجت، آیات اور روشن دلائل سے اندھا بنا رہا وہ آخرت میں بھی ایسا ہی ہوگا، بلکہ اس سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہوگا۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

"اور انہوں نے پختہ ارادہ کیا کہ وہ آپ کو برگشتہ کر دیں اس (کتاب) سے جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے تاکہ آپ بہتان باندھ کر (منسوب کریں) ہماری طرف اسکے علاوہ تو اس صورت میں وہ آپ کو اپنا گہرا دوست بنالیں گے۔ اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ ضرور مائل ہو جاتے ان کی طرف کچھ نہ کچھ۔ (بفرض محال اگر آپ ایسا کرتے) تو اس وقت ہم آپ کو چکھاتے دوگنا عذاب دنیا میں اور دوگنا عذاب موت کے بعد۔ پھر آپ نہ پاتے اپنے لئے ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار"۔

اللہ تعالیٰ اس امر کی خبر دے رہا ہے کہ وہ بذات خود اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مؤید و مددگار ہے، وہی آپ کو راہ راست پر ثبات بخشتا ہے، وہی آپ کو ہر غلطی سے محفوظ رکھتا ہے اور شریروں کی شرانگیزیوں اور بدکاروں کے مکروفریب سے وہی آپ کو سلامت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام امور کا نگہبان ہے اور وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حامی و ناصر ہے، وہ آپ کو مخلوق میں کسی کے سپرد نہیں کرتا بلکہ وہ آپ کا کارساز، مددگار، مؤید، محافظ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دشمنوں پر فتح و ظفر بخشنے والا اور مشرق و مغرب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ و اقتدار عطا فرمانے والا ہے، صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً الی یوم الدین!

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾

"اور انہوں نے ارادہ کر لیا ہے کہ پریشان و مضطرب کر دیں آپ کو اس علاقہ سے تاکہ نکال دیں آپ کو یہاں سے اور (اگر انہوں نے یہ حماقت کی) تب وہ نہیں ٹھہریں گے (یہاں) آپ کے بعد مگر تھوڑا عرصہ (یہی ہمارا) دستور ہے ان کے بارے میں جنہیں ہم نے بھیجا آپ سے پہلے رسول بنا کر اور آپ نہیں پائیں گے ہمارے اس دستور میں کوئی ردوبدل"۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ شریف سے کوچ کر کے سرزمین انبیاء شام کی طرف چلے جانے اور وہاں سکونت اختیار کرنے کا مشورہ دیا تھا، لیکن یہ قول ضعیف ہے، کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہائش بعد میں ہوئی۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ آیت کریمہ مقام تبوک پر نازل ہوئی لیکن اس قول کی صحت محل نظر ہے۔

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب التفسیر، جلد 11 صفحہ 294-295، مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 243-243 وغیرہ

حضرت عبدالرحمٰن بن غنم بیان کرتے ہیں کہ یہود ایک دن نبی کریم ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگے: اے ابوالقاسم! اگر آپ سچے نبی ہیں تو شام چلے جایئے، کیونکہ شام ارض حشر اور ارض انبیاء ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کی بات کی تصدیق کی اور شام چلے جانے کے ارادہ سے آپ ﷺ نے غزوۂ تبوک کے لئے تیاری کی۔ جب آپ ﷺ تبوک پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل کی یہ آیتیں وَ اِنْ كَادُوْا۔۔۔ تَحْوِيْلًا نازل کیں اور آپ ﷺ کو مدینہ شریف کی طرف واپسی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ یہیں آپ کا جینا مرنا ہے اور یہیں سے آپ کو دوبارہ اٹھایا جائے گا (1)۔ اس کی سند قابل غور ہے اور واضح بات یہی ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ یہود کے کہنے پر غزوۂ تبوک کے لئے نہیں نکلے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات کی تعمیل کرتے ہوئے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ (التوبہ: 123) ''اے ایمان والو! ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے آس پاس ہیں''۔ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبہ: 29) ''ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان نہیں لاتے اور حرام نہیں سمجھتے جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور نہ قبول کرتے ہیں سچے دین کو ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں''۔ اس غزوہ کا مقصد شہدائے غزوہ موتہ کا قصاص اور انتقام لینا تھا۔ اگر مذکورہ بالا واقعہ درست ہو تو حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو اسی پر محمول کیا جائے گا جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن تین مقامات پر نازل ہوا: مکہ، مدینہ اور شام'' (2)۔ ولید کہتے ہیں کہ شام سے مراد بیت المقدس ہے لیکن اس قول کی بجائے شام سے مراد تبوک لینا زیادہ مناسب اور درست ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ کفار قریش کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو جلاوطن کرنے کی ٹھان لی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے انہیں دھمکی دی کہ اگر انہوں نے آپ ﷺ کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا تو وہ بھی مکہ میں پھر تھوڑی سی مدت ہی ٹھہر پائیں گے اور اسی طرح ہوا۔ جب ان کی ایذا رسانیوں کے باعث آپ ﷺ کو ہجرت کرنا پڑی تو ابھی ڈیڑھ سال کا عرصہ ہی گزرا تھا کہ بدر کے میدان میں بغیر کسی پروگرام کے آپ ﷺ کے ساتھ ان کا مقابلہ ہوا، جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فتح و ظفر اور غلبہ سے نوازا۔ ان کے بڑے بڑے رئیس اور لیڈر قتل ہو گئے اور ان کی اولاد میں سے بہت سے قید کر لئے گئے، اسی لئے فرمایا: سُنَّةَ مَنْ۔ یعنی ہمارے رسولوں کا انکار کرنے والوں اور انہیں ایذا پہنچانے والوں کے متعلق ہمارا یہی دستور ہے کہ ہم ان سے اپنے رسول کو نکال کر ان پر اپنا عذاب مسلط کر دیتے ہیں۔ اگر رسول رحمت ﷺ تشریف فرما نہ ہوتے تو ان پر دنیا میں ہی ایسا عذاب نازل ہوتا جس کی یہ تاب نہ لا سکتے، اسی لئے فرمایا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (الانفال: 33)۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝

''نماز ادا کیا کریں سورج ڈھلنے کے بعد رات کے تاریک ہونے تک (نیز ادا کیجئے) نماز صبح۔ بلاشبہ نماز صبح کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ اور رات کے بعض حصہ میں (اٹھو) اور نماز تہجد ادا کرو (تلاوت قرآن کے ساتھ) (یہ نماز) زائد ہے آپ کے لئے یقیناً فائز فرمائے گا آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر''۔

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 5، صفحہ 254 | 2۔ معجم کبیر، جلد 8، صفحہ 201

نماز پنجگانہ کو پابندی سے ادا کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔ حضرات ابن مسعود، مجاہد اور ابن زید فرماتے ہیں کہ "دلوک" کا معنی ہے غروب جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کا معنی زوال ہے۔ حضرات ابن عمر، حسن، ضحاک، ابو جعفر الباقر اور قتادہ کا بھی یہی موقف ہے، ایک روایت میں حضرت ابن مسعود اور مجاہد سے بھی یہی معنی مروی ہے۔ ابن جریر نے اسی معنی کو پسند کیا ہے(1)، اس کی دلیل حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے، بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی جنہیں آپ چاہیں، دعوت کی۔ کھانا کھانے کے بعد سورج ڈھلنے پر تمام چلے گئے، چلتے وقت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اے ابو بکر! چلو، یہ دلوک شمس (زوال) کا وقت ہے"(2)۔ اس صورت میں اس آیت کریمہ میں نماز پنجگانہ کے اوقات بیان ہو گئے یعنی زوال شمس سے رات کی تاریکی تک چار نمازیں اور قرآن الفجر سے مراد پانچویں نماز (فجر)۔ غسق سے مراد اندھیرا ہے یا غروب آفتاب۔ اوقات نماز رسول اللہ ﷺ کے اقوال افعال سے بہ تواتر ثابت ہیں، اہل اسلام شروع سے ہی ان اوقات کی پابندی کرتے چلے آرہے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس آیت اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ...... کی تفسیر نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ نماز فجر کی تلاوت کے وقت رات اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں(3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "باجماعت نماز تنہا نماز پڑھنے سے پچیس درجہ زیادہ فضیلت کی حامل ہے اور نماز فجر میں رات اور دن کے فرشتے اکٹھے ہوتے ہیں"(4)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ... پڑھ لو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تمہارے ہاں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے یکے بعد دیگرے آتے ہیں اور نماز فجر اور نماز عصر کے وقت اکٹھے ہوتے ہیں۔ تم میں رات گزارنے والے اوپر چڑھ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ تمہارے بارے میں زیادہ علم رکھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ ہم ان کے پاس گئے تو اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم واپس آئے تو اس وقت بھی وہ نماز میں مصروف تھے"(5) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ محافظ فرشتے نماز فجر کے وقت جمع ہوتے ہیں، رات والے عروج کر جاتے ہیں اور دن والے ٹھہر جاتے ہیں۔ ابراہیم نخعی، مجاہد، قتادہ اور دیگر حضرات نے اس آیت کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ ابن جریر کی حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نزول فرمانے کے بعد ارشاد فرماتا ہے: کون ہے جو مجھ سے استغفار کرے تاکہ میں اسے بخش دوں، کون ہے مجھ سے سوال کرنے والا تاکہ میں اسے عطا کروں، کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تاکہ میں اس کی دعا کو قبول کروں، یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ۔ یعنی اس وقت اللہ تعالیٰ بھی جلوہ فرما ہوتا ہے اور لیل و نہار کے فرشتے بھی جمع ہوتے ہیں۔ دوسری روایات کی نسبت اس روایت میں (اللہ تعالیٰ کے نزول کے) جس اضافہ کا ذکر ہوا ہے، ابن جریر اس میں منفرد ہیں(6)۔

نماز پنجگانہ کے حکم کے بعد حضور ﷺ کو قیام لیل اور نماز تہجد کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ ... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا: فرض نماز کے بعد کون سی نماز افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "رات کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 136 2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 137 3۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 136

4۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ اسراء، جلد 6 صفحہ 108 5۔ صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 145، صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 439

6۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 139، سنن ابی داؤد، کتاب الطب، جلد 4 صفحہ 12

نماز" (1)۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو فرض نمازوں کے بعد نماز تہجد کا حکم دیا۔ تہجد نیند کے بعد کی نماز کو کہتے ہیں، علقمہ، اسود، ابراہیم نخعی اور دیگر حضرات کا یہی قول ہے اور یہی معنی لغت عرب میں معروف ہے۔ حضرات ابن عباس، عائشہ اور متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نیند سے بیدار ہونے کے بعد نماز تہجد پڑھا کرتے تھے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ تہجد اس نماز کو کہتے ہیں جو عشاء کے بعد ہو۔ بہر صورت اسے بھی نیند کے بعد والی نماز پر محمول کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان نَافِلَةً لَّكَ کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ تہجد صرف آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے یعنی نماز تہجد آپ ﷺ پر فرض تھی، امت پر نہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ نماز تہجد آپ ﷺ کے حق میں خصوصاً نفل (اضافہ) قرار پائی کیونکہ آپ ﷺ کی اگلی پچھلی لغزشیں بخش دی گئیں اور ان نفلی نمازوں کے باعث امتیوں کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں گویا یہ نفل نمازیں ان کے گناہوں کا کفارہ ہیں (2)۔

فرمایا: عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ ... یعنی آپ میرے حکم کو بجا لائیں تاکہ میں آپ کو قیامت کے دن مقام محمود پر فائز کروں جہاں نہ صرف تمام مخلوقات آپ کی تعریف کرے گی بلکہ خود خالق کائنات بھی۔ ابن جریر بیان کرتے ہیں کہ اکثر مفسرین کے نزدیک مقام محمود سے مراد وہ مقام ہے جہاں قیامت کے دن حضرت محمد ﷺ لوگوں کی شفاعت کے لئے کھڑے ہوں گے تاکہ ان کا رب انہیں اس دن کی شدت اور سنگین صورتحال سے نجات عطا فرمائے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمام لوگوں کو ایک بڑے میدان میں جمع کیا جائے گا، ایک پکارنے والا انہیں اپنی آواز سنائے گا، ان کی آنکھیں کھل جائیں گی، وہ برہنہ پا اور برہنہ بدن ہوں گے جیسے پیدائش کے وقت تھے، سب کھڑے ہوں گے، کوئی بھی اذن الٰہی کے بغیر بات نہیں کر سکے گا، اسی اثناء میں ندا دی جائے گی: اے محمد ﷺ! آپ ﷺ کہیں گے: "یارب! میں حاضر ہوں اور ہر حکم کی تعمیل کے لئے تیار ہوں، تمام تر بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے، شر تیری طرف سے نہیں، ہدایت یافتہ وہی ہے جسے تو ہدایت عطا فرمائے، تیرا بندہ تیرے سامنے حاضر ہے، وہ تیری ہی توفیق سے قائم ہے اور تیری طرف ہی رجوع کرنے والا ہے، بجز تیرے نہ کوئی نجات کی راہ ہے اور نہ پناہ گاہ، تو بڑا ہی بابرکت، برتر اور بالا ہے، اے رب البیت! تو پاک ہے۔" یہ وہ مقام محمود ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہی مقام محمود مقام شفاعت ہے۔ مجاہدؒ اور حسن بصریؒ کا بھی یہی قول ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن آپ ﷺ ہی سب سے پہلے زمین سے باہر آئیں گے اور سب سے پہلے شفاعت بھی آپ ہی کریں گے۔ اہل علم کہتے ہیں کہ یہی مقام محمود ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے (3)۔

قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کو ایسے امتیازی فضائل و مکارم حاصل ہوں گے جن میں نہ کوئی آپ ﷺ کا شریک ہوگا اور نہ کوئی ان میں آپ ﷺ کی برابری کا دعویٰ کر سکے گا۔ سب سے پہلے آپ زمین سے باہر آئیں گے اور سوار ہو کر میدان حشر کی طرف روانہ ہو جائیں گے، آپ ﷺ کے ہاتھ میں پرچم ہوگا، آدم علیہ السلام اور آپ کی تمام ذریت اس کے نیچے ہوگی، حوض کوثر آپ ﷺ کے لئے ہی مخصوص ہوگا جہاں سب سے زیادہ لوگ آئیں گے، اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت عظمیٰ کا منصب آپ ﷺ کو ہی حاصل ہوگا تاکہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے جلوہ فرما ہو۔ یہ اس کے بعد ہوگا جب تمام لوگ باری باری حضرت آدم علیہ السلام، پھر نوح علیہ السلام، پھر ابراہیم علیہ السلام، پھر موسیٰ علیہ السلام اور پھر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے لیکن ہر ایک یہی کہے گا کہ میں اس کا اہل نہیں،

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصیام، جلد 2 صفحہ 821 2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 256-255 3۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 145-144

یہاں تک کہ لوگ اکٹھے ہو کر حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں درخواست پیش کریں گے تو آپ ﷺ فرمائیں گے: "اَنَا لَهَا، اَنَا لَهَا" یعنی میں ہی اس کا مستحق ہوں، میں ہی اس کا اہل ہوں۔ اس کی تفصیلات ان شاء اللہ یہاں بیان کی جائیں گی۔

آپ ﷺ ان لوگوں کے بارے میں شفاعت کریں گے جنہیں جہنم کا حکم ہو چکا ہوگا، سب سے پہلے آپ ﷺ کی امت کے فیصلے کئے جائیں گے، آپ کی امت ہی سب سے پہلے پل صراط کو عبور کرے گی اور جنت میں (بلندی درجات کے لئے) بھی آپ ﷺ ہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والے ہوں گے جیسا کہ صحیح مسلم میں ثابت ہے۔ حدیث صور میں ہے کہ مومن تمام کے تمام آپ کی شفاعت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ سب سے پہلے آپ ﷺ جنت میں داخل ہوں گے اور پھر آپ ﷺ کی امت تمام امتوں سے پہلے جنت میں جائے گی، آپ ﷺ ایسے لوگوں کے رفع درجات کے لئے شفاعت کریں گے جن کے اعمال ان درجات تک پہنچنے سے قاصر تھے، آپ ﷺ ہی صاحب وسیلہ ہیں جو جنت میں اعلیٰ مقام ہے اور صرف آپ ﷺ کے ہی شایان شان ہے۔ ملائکہ، انبیاء اور مومنین بھی گنہگاروں کے لئے اللہ تعالیٰ کے اذن سے شفاعت کریں گے لیکن آپ ﷺ اتنی مخلوق کے لئے شفاعت کریں گے جس کی تعداد بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں، نہ کوئی آپ کی مثل شفاعت کر سکے گا اور نہ ہی کوئی برابری کا دعویٰ کر پائے گا، کتاب السیر ۃ کے باب الخصائص میں میں نے اسے شرح وبسط سے بیان کر دیا ہے۔ اب ہم مقام محمود کے متعلق وارد ہونے والی احادیث کا تذکرہ کرتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے، ہر امت اپنے نبی کے پیچھے ہوگی، کہیں گے: اے فلاں! ہماری شفاعت کیجئے، اے فلاں! ہماری سفارش کریں، یہاں تک کہ شفاعت کی انتہاء نبی کریم ﷺ تک ہوگی۔ یہی وہ دن ہے جب اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا(1)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سورج بہت قریب آ جائے گا یہاں تک کہ پسینہ آدھے کانوں تک پہنچ جائے گا، اسی اثناء میں وہ آدم علیہ السلام سے فریاد کریں گے لیکن وہ کہیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام بھی اسی طرح جواب دے دیں گے، پھر محمد (ﷺ) کی خدمت میں التجا پیش کریں گے تو آپ ﷺ مخلوق کی شفاعت کرنے کے لئے چل دیں گے یہاں تک کہ باب جنت کی کنڈی تھام لیں گے، اس دن اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا"۔ بخاری نے بھی اسے روایت کیا ہے لیکن اس اضافہ کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا جہاں تمام لوگ آپ کی تعریف کریں گے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اذان سن کر یہ دعا پڑھے: "اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَا نِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ"، قیامت کے دن اس کے لئے میری شفاعت حلال ہوگی"(2)۔ حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "میں قیامت کے دن انبیاء کا امام، خطیب اور ان کا سفارشی ہوں گا، یہ بات بطور فخر نہیں کہتا"(3)۔ حضرت ابی بن کعب سے مروی وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں قرآن کریم کو سات قرأتوں کے مطابق پڑھنے کا ذکر ہے، اس حدیث کے آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا: "میں نے عرض کی: اے اللہ! میری امت کی مغفرت فرما، اے اللہ! میری امت کو بخش دے اور تیسری دعا میں نے اس دن کے لئے بچا رکھی ہے جس دن تمام مخلوق حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام بھی میری طرف رغبت کریں گے(4)۔ حضرت انس رضی اللہ

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ اسراء، جلد 6 صفحہ 108
2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ اسراء، جلد 6 صفحہ 108
3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب المناقب، جلد 13 صفحہ 101، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1443
4۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1 صفحہ 561-562، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 127

عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن مومن جمع ہوں گے، ان کے دلوں میں یہ خیال ڈالا جائے گا اور وہ کہیں گے کہ کاش ہمیں کوئی شفاعت کرنے والا مل جائے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت کر کے ہمیں اس سنگین کیفیت سے راحت پہنچائے۔ چنانچہ وہ سب آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے کہ آپ ابوالبشر ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا، ملائکہ سے آپ کو سجدہ کروایا اور ہر چیز کے ناموں سے آپ کو آگاہ کیا، اس لئے آپ بارگاہ خداوندی میں ہماری شفاعت کریں تاکہ ہمیں کچھ آرام نصیب ہو۔ وہ انہیں کہیں گے کہ یہاں میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ اس وقت انہیں اپنا گناہ یاد آ جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے شرم محسوس کریں گے اور کہیں گے کہ نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ پہلے رسول ہیں جنہیں اہل زمین کی طرف مبعوث کیا گیا۔ وہ سب مل کر نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے، وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں۔ انہیں اپنی خطا یاد آ جائے گی کہ انہوں نے اپنے رب سے وہ سوال کیا تھا جس کے متعلق انہیں علم نہ تھا، اس لئے وہ بھی اس خطا کے باعث اپنے رب سے شرمانے لگیں گے اور فرمائیں گے کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی خدمت میں جاؤ۔ وہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ بھی یہی کہیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں، لیکن تم موسیٰ کے پاس جاؤ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا اور تورات سے نوازا۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے لیکن وہ بھی معذوری ظاہر کریں گے، انہیں یاد آ جائیگا کہ انہوں نے ناحق ایک آدمی کو قتل کیا تھا، اس بناء پر انہیں بھی اللہ تعالیٰ سے شرم دامن گیر ہوگی، وہ کہیں گے کہ عیسیٰ کے پاس جاؤ جو اللہ کے بندے، رسول، کلمہ اور روح تھے۔ چنانچہ وہ تمام عیسیٰ کے پاس آئیں گے، وہ بھی کہیں گے کہ میں اس کی اہلیت نہیں رکھتا، البتہ تم اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے محمد (ﷺ) کی جناب میں حاضر ہو جاؤ جن کے اگلے پچھلے تمام گناہ بخش دیئے گئے تھے۔ وہ سب مل کر میرے پاس حاضر ہوں گے۔ میں کھڑا ہوں گا اور مومنین کی دو صفوں کے درمیان چلتا ہوا بارگاہ خداوندی میں باریابی کے لئے اجازت طلب کروں گا۔ جب میں اپنے رب کا دیدار کروں گا تو اس کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا اور جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا، میں اسی حالت میں پڑا رہوں گا، پھر کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھایئے، کہیے، آپ کی بات سنی جائے گی، شفاعت کیجئے، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور مانگئے آپ کو عطا کیا جائے گا۔ اب میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کی وہ حمد وثنا کروں گا جو مجھے وہ سکھائے گا، پھر میں شفاعت کروں گا۔ میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی جس کے مطابق میں لوگوں کو جنت میں داخل کروں گا۔ پھر دوبارہ میں جناب باری تعالیٰ میں حاضر ہوں گا۔ جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو اس کے حضور سجدہ میں گر جاؤں گا، مشیت الٰہی کے مطابق یہ کیفیت برقرار رہے گی، پھر کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھایئے، کہیے، آپ کی سنی جائے گی، مانگئے، آپ کو عطا ہوگا اور شفاعت کیجئے، آپ ﷺ کی شفاعت مقبول ہوگی۔ چنانچہ میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کی تعلیم کردہ حمد وثنا کروں گا، پھر سفارش کروں گا۔ میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی جس کی مقدار لوگوں کو میں جنت میں داخل کروں گا، پھر تیسری بار لوٹوں گا اور جب اپنے رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر جاؤں گا، جب تک اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوئی، سجدہ میں پڑا رہوں گا، پھر فرمایا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھایئے، کہیے، آپ کی بات سنی جائے گی، سوال کیجئے، آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجئے، آپ کی شفاعت کو شرف قبولیت سے نوازا جائے گا۔ میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کی وہ حمد کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا، پھر میں شفاعت کروں گا، میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی اور میں انہیں بھی جنت میں پہنچا دوں گا، چوتھی دفعہ پھر میں جناب باری تعالیٰ میں لوٹوں گا اور عرض کروں گا: اے پروردگار! اب تو صرف وہی باقی رہ گئے جنہیں قرآن نے روک لیا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر وہ

شخص جہنم سے نکل آئے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا اور جس کے دل میں جو کے دانے کے برابر خیر تھی، پھر وہ شخص جہنم سے رہائی پا لے گا جس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا تھا اور گیہوں کے دانے کے برابر اس کے دل میں خیر تھی، پھر وہ شخص جہنم سے چھٹکارا پائے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا اور اس کے دل میں ذرہ برابر بھی خیر موجود تھی" (1)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "میں کھڑا اپنی امت کے پل صراط عبور کرنے کا انتظار کر رہا ہوں گا کہ اسی اثناء میں عیسیٰ علیہ السلام میرے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ یہ انبیاء آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں، یہ بارگاہ خداوندی میں درخواست کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنی مشیت کے مطابق تمام امتوں کے فیصلے فرما کر انہیں الگ الگ کر دے کیونکہ اس وقت وہ سخت تکلیف دہ صورتحال سے دوچار ہیں۔ لوگ پسینہ میں شرابور ہوں گے، مومن پر تو وہ زکام کی مثل ہوگا لیکن کافر پر موت چھائی ہوئی ہوگی۔ آپ ﷺ فرمائیں گے، ذرا ٹھہرو، میں آتا ہوں۔ اللہ کے نبی ﷺ جا کر عرش تلے کھڑے ہو جائیں گے اور وہ اعزاز و اکرام پائیں گے جو کسی برگزیدہ فرشتے اور رسول کو بھی نہ ملا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بذریعہ جبریل علیہ السلام آپ ﷺ سے فرمائے گا: اپنا سر اٹھایئے، مانگئے، آپ کو دیا جائے گا اور شفاعت کیجئے، آپ ﷺ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ چنانچہ میں اپنی امت کے بارے میں شفاعت کروں گا اور ہر ننانوے میں سے ایک نکال لاؤں گا، اسی طرح میں لگاتار اپنے رب کے حضور آتا جاتا رہوں گا اور اس وقت تک شفاعت کرتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرما دے گا کہ اے محمد! اپنی امت میں سے ہر اس شخص کو جنت میں لے جاؤ جس نے ایک دن بھی اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کی گواہی دی اور پھر اسی پر اس کو موت آئی" (2)۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اس وقت ایک آدمی گفتگو کر رہا تھا، آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا مجھے گفتگو کرنے کی اجازت ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، آپ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ بریدہ بھی اس قسم کی گفتگو کریں گے جو وہ شخص کر رہا تھا۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "مجھے قوی امید ہے کہ میں قیامت کے دن روئے زمین پر موجود درختوں اور کنکروں کی تعداد کے برابر لوگوں کی شفاعت کروں گا"۔ اے معاویہ! آپ تو اس کی امید کریں اور (کیا) علی رضی اللہ عنہ اس سے ناامید ہو جائیں؟" (3) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ملیکہ کے دونوں بیٹے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ ہماری ماں ہمارے والد کی بہت عزت کرتی تھی اولاد پر بہت مہربان اور شفیق تھی اور مہمان نوازی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتی تھی لیکن ایک بات ہے کہ وہ زمانہ جاہلیت میں اپنی بچیاں زندہ درگور کر دیا کرتی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تمہاری ماں کا ٹھکانہ جہنم ہے"۔ یہ سن کر وہ دونوں رنجیدہ خاطر واپس پلٹے تو آپ نے انہیں واپس بلانے کا حکم دیا۔ وہ خوشی خوشی واپس آئے کہ شاید اب امید افزا بات سننے کو ملے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "میری ماں تمہاری ماں کے ساتھ ہے"۔ یہ سنتے ہی ایک منافق کہنے لگا کہ یہ اپنی ماں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور ہم خواہ مخواہ اس کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، ایک انصاری جو سب سے زیادہ سوالات کرنے کا عادی تھا، کہنے لگا: یا رسول اللہ! کیا اس (ملیکہ) کے یا ان دونوں کے بارے میں آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کے ساتھ کوئی وعدہ کیا ہے؟ آپ سمجھ گئے کہ اس نے کچھ سنا ہے، فرمایا: "نہ میرے رب نے چاہا اور نہ مجھے اس میں طمع دلائی۔ میں قیامت کے دن مقام محمود پر فائز ہوں گا"۔ انصاری نے عرض کی: یا رسول اللہ! مقام محمود کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ اس وقت ہوگا جب تمہیں برہنہ پا، برہنہ بدن اور بے ختنہ لایا جائے گا۔ سب سے پہلے ابراہیم علیہ

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ البقرہ، جلد 6 صفحہ 21، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 181، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 116

2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 178

3۔ ... جلد ... صفحہ 347

السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے خلیل کو کپڑے پہناؤ۔ چنانچہ دو سفید چادریں انہیں پہنائی جائیں گے اور انہیں عرش کی طرف منہ کر کے بٹھا دیا جائے گا، پھر میرا لباس لایا جائے گا، میں اسے پہن کر ان کی دائیں طرف اس مقام پر کھڑا ہو جاؤں گا جہاں کوئی اور کھڑا نہیں ہوگا، اور اس مقام کے حصول پر تمام اگلے پچھلے لوگ مجھ پر رشک کریں گے"۔ اور کوثر سے حوض تک ان کے لئے کھول دیا جائے گا۔ منافق کہنے لگا کہ پانی کے جاری ہونے کے لئے مٹی اور کنکر لازمی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس کی مٹی مشک ہے اور اس کے کنکر موتی"۔ منافق کہنے لگا کہ ایسی عجیب بات پہلے نہیں سنی، پانی جاری ہو تو نباتات بھی اگنی چاہئیں؟ انصاری دریافت کرنے لگا: یا رسول اللہ! کیا وہاں نباتات بھی ہوں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں، سونے کی شاخوں والیں"۔ منافق کہنے لگا کہ بڑی تعجب خیز بات ہے شاخیں ہوں تو پتے اور پھل بھی ضرور ہونے چاہئیں۔ انصاری نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ان پر پھل بھی ہوں گے؟ فرمایا: "ہاں، رنگا رنگ جواہر، ان کا رس دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہوگا۔ جس نے ایک گھونٹ بھی پی لیا، وہ اس کے بعد کبھی پیاسا نہیں ہوگا اور جسے اس سے محروم کر دیا گیا، وہ پھر کبھی سیراب نہ ہوگا" (1)۔ حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں: "پھر اللہ تعالیٰ شفاعت کی اجازت مرحمت فرمائے گا، چنانچہ روح القدس جبریل علیہ السلام کھڑے ہوں گے، پھر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کھڑے ہوں گے، پھر حضرت عیسیٰ یا موسیٰ علیہما السلام کھڑے ہوں گے، پھر تمہارے نبی حضرت محمد ﷺ کھڑے ہوں گے اور سب سے زیادہ شفاعت کریں گے، یہی مقام محمود ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے" (2)۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن لوگوں کو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ میں اور میری امت ایک ٹیلے پر ہوں گے، مجھے اللہ تعالیٰ سبز رنگ کا حلہ پہنائے گا، پھر مجھے اذن دیا جائے گا اور میں وہ کچھ کہوں گا جو اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ یہی مقام محمود ہے" (3)۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن سب سے پہلے مجھے سجدہ کرنے کا اذن ملے گا، اور مجھے ہی سب سے پہلے سر اٹھانے کی اجازت مرحمت ہوگی، میں اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں دیکھوں گا اور تمام امتوں میں سے اپنی امت کو پہچان لوں گا، ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر تمام امتوں میں سے آپ ﷺ اپنی امت کیسے پہچانیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وضو کے اثر سے ان کی پیشانیاں اور ہاتھ پاؤں چمک رہے ہوں گے، ان کے سوا کوئی اور ایسا نہیں ہوگا۔ میں انہیں اس نشانی سے بھی پہچان لوں گا کہ انہیں نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں ملیں گے۔ مزید ان کی پہچان اس طرح ہوگی کہ ان کی اولادیں ان کے آگے چل رہی ہوں گی" (4)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گوشت لایا گیا، چونکہ شانے کا گوشت آپ ﷺ کو زیادہ پسند تھا، اس لئے وہی آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ ﷺ اس میں سے توڑ توڑ کر تناول کرنے لگے، پھر فرمایا: "قیامت کے دن میں تمام لوگوں کا سردار ہوں گا، کیا تمہیں اس کا سبب معلوم ہے؟ اللہ تعالیٰ اگلے پچھلے تمام لوگوں کو ایک بہت بڑے میدان میں جمع کرے گا۔ ایک ندا دینے والا انہیں سنائے گا؛ نگاہیں اوپر اٹھی ہوں گی اور سورج بالکل قریب ہوگا۔ لوگ ناقابل برداشت رنج والم اور کرب کا شکار ہوں گے، وہ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ تکلیف کس انتہا کو پہنچ چکی ہے، کیا تمہیں کسی ایسے شخص کا علم

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 398-399
2۔ مستدرک داؤد طیالسی: 51
3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 456
4۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 199

ہے جو بارگاہ خداوندی میں تمہاری سفارش کرے؟ باہمی مشاورت سے طے ہوگا کہ آدم علیہ السلام کے پاس چلو، چنانچہ وہ آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ آپ ابوالبشر ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے بنایا، آپ میں اپنی روح پھونکی اور ملائکہ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا، چنانچہ ملائکہ نے آپ کو سجدہ کیا، اس لئے آپ اپنے رب کے ہاں ہماری سفارش کریں، کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس قدر سنگین صورتحال سے دوچار ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام جواب دیں گے کہ آج میرا پروردگار اس قدر غضبناک ہے کہ نہ تو وہ اس سے پہلے کبھی اتنا غضبناک ہوا ہے اور نہ بعد میں اس قدر کبھی ہوگا۔ اس نے مجھے درخت سے روکا تھا لیکن مجھ سے حکم عدولی ہوگئی۔ مجھے اپنی فکر دامن گیر ہے، نفسی نفسی کا عالم ہے، اس لئے کسی اور کے پاس جاؤ، نوح علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ، چنانچہ وہ سب مل کر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے کہ اہل ارض کی طرف آپ پہلے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ''عبد شکور'' نام دیا ہے، بارگاہ خداوندی میں ہماری شفاعت فرمائیں، کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس قدر مشکل میں ہیں؟ حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے کہ آج میرا رب اس قدر غضبناک ہے کہ نہ پہلے کبھی اس قدر غضبناک ہوا اور نہ کبھی بعد میں ہوگا۔ مجھے ایک دعا مرحمت کی گئی تھی جو میں نے اپنی امت کے خلاف مانگ لی نفسی (میرا نفس) نفسی نفسی، کسی اور کے پاس جاؤ۔ ابراہیم علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔ وہ سب اکٹھے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس چلے آئیں گے اور التجا کریں گے کہ آپ اللہ کے نبی اور خلیل ہیں، اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری شفاعت کیجئے، کیا آپ ہماری خستہ حالی نہیں ملاحظہ کر رہے؟ آپ فرمائیں گے کہ میرا رب آج اس قدر غصہ میں ہے کہ نہ اسے پہلے کبھی اتنا غصہ آیا ہے اور نہ کبھی آئے گا۔ آپ اپنے جھوٹ یاد کر کے نفسی نفسی کرنے لگیں گے اور فرمائیں گے کہ کسی اور کے پاس چلے جاؤ، موسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ سب مل کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر آپ کو اپنی رسالت اور اپنے کلام کے ساتھ چن لیا، آپ بارگاہ رب العزت میں ہماری سفارش کریں، کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس قدر آزمائش میں گھرے ہوئے ہیں؟ آپ فرمائیں گے کہ آج میرا رب اس قدر غضبناک ہے کہ نہ اتنا پہلے کبھی ہوا اور نہ کبھی ہوگا۔ مجھ سے تو ایک ناحق قتل ہوگیا تھا، مجھے اپنی پڑی ہے، نفسی نفسی کی کیفیت ہے، کسی اور در پر چلے جاؤ۔ جاؤ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس۔ وہ تمام کے تمام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کریں گے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اس کا کلمہ ہیں جسے اس نے مریم کی طرف القاء کیا اور اس کی روح ہیں۔ آپ نے بچپن میں گہوارے میں گفتگو کی۔ آپ بارگاہ خداوندی میں ہماری سفارش فرمائیں۔ کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس قدر اندوہناک حالت کا شکار ہیں؟ آپ فرمائیں گے کہ آج میرا رب شدید غضب میں ہے، نہ پہلے کبھی اس قدر غضبناک ہوا اور نہ کبھی بعد میں ہوگا۔ آپ اپنے کسی گناہ کا ذکر نہیں کریں گے بلکہ کہیں گے۔ نفسی نفسی نفسی۔ کسی اور کی طرف جاؤ۔ محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ، چنانچہ وہ تمام جمع ہو کر حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف فرما دیئے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری شفاعت فرمائیں، کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس قدر مشکل میں پھنسے ہوئے ہیں؟ پس میں کھڑا ہوں گا اور عرش تلے آ کر اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا پھر اللہ تعالیٰ مجھے اپنی حمد و ثناء کے وہ کلمات سکھائے گا جو پہلے اس نے کسی کو نہیں سکھائے ہوں گے۔ پھر کہا جائے گا: اے محمد صلی اللہ علیہ! اپنا سر اٹھائیے، مانگئے آپ ﷺ کو عطا ہوگا، شفاعت کیجئے آپ ﷺ کی شفاعت قبول ہوگی۔ میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور کہوں گا۔ یا رب! میری امت، اے میرے پروردگار! میری امت، میرے رب! میری امت؟ چنانچہ

مجھے فرمایا جائے گا: اے محمد ﷺ! اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن پر حساب نہیں، لے جاؤ اور دائیں جانب والے دروازے سے جنت میں داخل کردو لیکن باقی دروازوں میں سے داخل ہونے کا بھی انہیں حق حاصل ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! جنت کے کواڑوں میں سے دو کے درمیان اتنی مسافت ہے جس قدر مکہ اور ہجر کے درمیان یا مکہ اور بصری کے درمیان" (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا، سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی، سب سے پہلے میں ہی شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت ہی قبول ہوگی" (2)۔ آپ ﷺ سے اس آیت عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ...... کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ شفاعت ہے"۔ ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے اس آیت کے متعلق فرمایا: "یہ وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا" (3)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو کھال کی طرح کھینچ کر پھیلا دے گا یہاں تک کہ ہر شخص کو پاؤں رکھنے کی جگہ مل جائے گی۔ سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا۔ جبریل علیہ السلام اللہ تبارک وتعالیٰ کے دائیں طرف ہوں گے، اللہ کی قسم! اس سے پہلے انہوں نے اسے نہیں دیکھا۔ میں عرض کروں گا: اے میرے رب! اس (جبریل علیہ السلام) نے مجھے بتایا تھا کہ تو نے اسے میری طرف بھیجا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس نے سچ کہا۔ پھر میں شفاعت کروں گا اور عرض کروں گا: اے میرے پروردگار! تیرے بندوں نے زمین کے ہر طرف تیری عبادت کی۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ یہی مقام محمود ہے" (4)۔ یہ حدیث مرسل ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۝ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝

"اور دعا مانگا کیجئے کہ اے میرے رب! جہاں کہیں تو مجھے لے جائے سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں کہیں سے مجھے لے آئے سچائی کے ساتھ لے آ۔ اور عطا فرما مجھے اپنی جناب سے وہ قوت جو مدد کرنے والی ہو۔ اور آپ (اعلان) فرما دیجئے آ گیا ہے حق اور مٹ گیا ہے باطل۔ بے شک باطل تھا ہی مٹنے والا"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ مکہ میں تشریف فرما تھے، پھر آپ ﷺ کو ہجرت کا حکم ہوا تو اس وقت یہ آیت وَقُلْ رَّبِّ ..... نازل ہوئی (5)۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب کفار مکہ نے باہمی مشاورت سے یہ طے کیا کہ وہ آپ ﷺ کو قتل کر دیں یا جلاوطن کر دیں یا قید میں ڈال دیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ قتال انہیں سزا دینے کا ارادہ کر لیا تو اس نے آپ ﷺ کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دے دیا۔ اس وقت یہ آیت اتری (6)۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں داخل ہونا اور مکہ سے نکلنا مراد ہے۔ عبد الرحمن بن زید اسلم کا بھی یہی قول ہے اور یہی قول سب سے زیادہ مشہور ہے۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ سے مراد موت ہے اور وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ سے مراد موت کے بعد کی زندگی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں لیکن زیادہ صحیح پہلا قول ہی ہے اور ابن جریر نے اسے ہی

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ اسراء، جلد 6 صفحہ 105، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 184-186
2۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4، صفحہ 1782
3۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 145، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 528،444،441
4۔ مصنف عبد الرزاق
5۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 223
6۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 149

پسند کیا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ اس فرمان وَاجْعَلْ لِّیْ..... کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ساتھ یہ وعدہ کیا کہ وہ فارس وروم کی سلطنتیں اوران کی عزو جاہ چھین کر آپ ﷺ کو عطا فرمائے گا(1)۔ قتادہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر غلبہ دین ممکن نہیں اس لئے آپ نے اللہ تعالیٰ سے تائید وحمایت اور مدد کی التجا کی تاکہ اس کے ذریعے قرآن کریم، حدود وفرائض کا نفاذ اور اقامت دین ممکن ہو سکے کیونکہ تائید الٰہی پر مبنی غلبہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے جسے وہ اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتو لوگ ایک دوسرے پر چل پڑیں، ہر طاقتور کمزور کو نگل جائے۔ مجاہدؒ "سلطان نصیر" سے مراد واضح حجت لیتے ہیں۔ ابن جریر نے حضرات حسن وقتادہ کے قول کو پسند کیا ہے اور یہی زیادہ راجح ہے کیونکہ مخالفین حق کو مغلوب کرنے کے لئے حق کے ساتھ قوت اور غلبہ کا ہونا ضروری ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (الحدید:25) "یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو روشن دلائل کے ساتھ بھیجا ہے اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان (عدل) اتارا تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا اس میں بڑی قوت ہے اور لوگوں کے لئے طرح طرح کے فوائد ہیں"۔ حدیث شریف میں آتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَیَزَعُ بِالسُّلْطَانِ مَا لَا یَزَعُ بِالْقُرْاٰنِ یعنی اللہ تعالیٰ قوت وغلبہ کے باعث ایسی بہت سی برائیوں اور بدکاریوں کے ارتکاب سے روک دیتا ہے جو قرآن اور اس میں موجود سخت وعید اور شدید دھمکی سے بھی ممکن نہیں اور یہ بالکل حقیقت ہے۔

دوسری آیت میں فرمایا: وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ..... اس میں کفار قریش کے لئے سخت دھمکی اور وعید ہے۔ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق آ گیا جس میں نہ کوئی شک وشبہ ہے اور نہ ان میں اس کے مقابلہ کی تاب۔ قرآن کریم، ایمان اور علم نافع کی صورت میں حق ان کے سامنے آ پہنچا اور ان کا باطل مضمحل ہو کر فنا ہو گیا کیونکہ حق کے سامنے باطل کو کوئی بقا اور ثبات حاصل نہیں جیسا کہ فرمایا: بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَیَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ (الانبیاء:18) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ مکہ میں داخل ہوئے، اس وقت بیت اللہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں چھڑی تھی، آپ ﷺ اس کے ساتھ انہیں کچوکے لگا لگا کر یہ فرمار ہے تھے: "حق آ پہنچا اور باطل مٹ چکا، بلاشبہ باطل مٹنے والا ہی ہے۔ حق آ گیا، باطل نہ دوبارہ آ سکتا ہے اور نہ لوٹ سکتا ہے" (2)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ بیت اللہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے جنہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پوجا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان بتوں کی طرف اشارہ کیا تو وہ منہ کے بل گر پڑے۔ اس وقت آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی(3)۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

"اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن میں وہ چیزیں جو (باعث) شفا ہیں اور سراپا رحمت ہیں اہل ایمان کے لئے۔ اور قرآن نہیں بڑھاتا ظالموں کے لئے مگر خسارہ کو"۔

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مقدس کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے جسے اس نے اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا۔ یہ وہ قرآن

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 150
2۔ صحیح بخاری تفسیر سورۂ بنی اسرائیل، جلد 6 صفحہ 108۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 1408 وغیرہ
3۔ مسند ابی یعلی

کریم ہے جو اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے، باطل کسی جانب سے بھی اس کی طرف راہ نہیں پا سکتا، یہ اہل ایمان کے لئے باعث شفا اور سراپا رحمت ہے یعنی دلوں کے اندر شک وارتیاب، نفاق، شرک اور کجی جیسے جو بھی امراض پائے جاتے ہیں، ان سب روگوں کے لئے قرآن کریم شفا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ رحمت بھی ہے جس کے ذریعے ایمان، حکمت، بھلائی اور نیکی کی طرف رغبت حاصل ہوتی ہے۔ یہ شفا اور رحمت صرف اس شخص کو نصیب ہوتی ہے جو اس پر ایمان لائے، اس کی تصدیق اور اتباع کرے۔ جہاں تک اپنے اوپر ظلم کرنے والے کافر کا تعلق ہے تو وہ جوں جوں قرآن سنتا ہے، اس سے دور ہوتا چلا جاتا ہے اور اس کے کفر میں اضافہ ہوتا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ۚ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۚ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ (حم السجدۃ:44) ”آپ فرمایئے یہ قرآن ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور وہ ان پر مشتبہ رہتا ہے، انہیں گویا دور کی جگہ سے بلایا جاتا ہے“ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ (التوبہ:125-124) ”اور جب کبھی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض وہ ہیں جو (شرارتاً) کہتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کر دیا ہے تو (وہ سن لیں) ایمان والوں کے ایمان میں اس سورت نے اضافہ کر دیا ہے اور وہ خوشیاں منا رہے ہیں اور جن کے دلوں میں روگ ہے تو اس سورت نے ان کی (سابقہ) پلیدی پر اور پلیدی بڑھا دی ہے اور وہ مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے“ اس مضمون کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔ قتادہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مومن جب قرآن کریم سنتا ہے تو وہ اس سے نفع حاصل کرتا ہے، اسے یاد کرتا ہے اور اسے اپنے دل میں جگہ دیتا ہے لیکن کافر نہ اس سے استفادہ کرتا ہے، نہ اسے یاد کرتا ہے اور نہ اپنے دل میں بساتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو صرف اہل ایمان کے لئے شفا اور رحمت بنایا ہے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ۝ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۭ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ۝

”اور جب ہم کوئی انعام فرماتے ہیں انسان پر تو (بجائے شکر کے) وہ منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرنے لگتا ہے۔ اور جب پہنچتی ہے اسے کوئی تکلیف تو وہ مایوس ہو جاتا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ ہر شخص عمل پیرا ہے اپنی فطرت کے مطابق۔ پس تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ کون زیادہ سیدھی راہ پر (گامزن) ہے“۔

راحت اور تکلیف دونوں حالتوں میں انسان ایک بڑے نقص کا شکار ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے تائید یافتہ لوگ اس نقص سے محفوظ ہیں۔ وہ نقص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب انسان پر مال ومتاع، صحت وعافیت اور فتح ونصرت کے دروازے کھول کر اپنا انعام فرماتا ہے تو وہ اس کی اطاعت وعبادت سے روگردانی اور پہلو تہی کرنے لگ جاتا ہے بلکہ بقول مجاہد اللہ تعالیٰ سے بہت دور ہو جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ (یونس:12) ”پھر جب ہم اس سے تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو چل دیتا ہے جیسے اس نے ہمیں پکارا ہی نہ تھا کسی تکلیف میں جو اسے پہنچی تھی“، فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ (بنی اسرائیل:67) ”پس جب وہ تمہیں ساحل تک پہنچا دیتا ہے تو تم روگردانی کرنے لگتے ہو“۔ اور جب انسان کو مصائب، حوادثات اور مسائل آ گھیرتے ہیں تو وہ ہر قسم کی بھلائی کے حصول سے ناامید ہو جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ۝ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ

لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ (ہود: 119) ’’اور اگر ہم کسی انسان کو اپنی طرف سے رحمت چکھائیں پھر ہم اسے اس سے چھین لیں تو وہ بڑا مایوس اور ناشکرا بن جاتا ہے اور اگر ہم اسے کوئی نعمت چکھاتے ہیں اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی تو وہ کہہ اٹھتا ہے کہ سب تکلیفیں مجھ سے دور ہو گئیں، بے شک وہ بڑا خوش ہونے والا اترانے والا ہے مگر وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں، وہی ہیں جن کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے‘‘۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ’’شَاكِلَة‘‘ کا معنی ’’نَاحِيَة‘‘ (طرف) بیان کرتے ہیں، مجاہد اس کا معنی فطرت بتاتے ہیں، قتادہ کے نزدیک اس کا معنی نیت اور ابن زید کے نزدیک دین ہے(1)۔ یہ تمام معانی قریب قریب ہیں۔ اس آیت کریمہ میں مشرکین کے لئے وعید اور دھمکی ہے جیسا کہ فرمان ہے: وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ (ہود: 121) ’’اور آپ فرما دیجئے انہیں جو ایمان نہیں لائے کہ تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو‘‘، اس لئے یہاں فرمایا: قُلْ كُلٌّ... یعنی ہر ایک اپنی فطرت کے مطابق عمل کرتا ہے اور آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ ہم میں سے اور تم میں سے کون زیادہ راہ راست پر گامزن ہے، وہ اس کے مطابق ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا کیونکہ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔

وَيَسْـَٔــلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

’’یہ دریافت کرتے ہیں آپ سے روح کی حقیقت کے متعلق۔ (انہیں) بتایئے روح میرے رب کے حکم سے ہے اور نہیں دیا گیا ہے تمہیں علم مگر تھوڑا سا‘‘۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ کے کھیتوں میں جا رہا تھا، آپ ایک لاٹھی کے سہارے چل رہے تھے۔ یہودیوں کے ایک گروہ کے پاس سے جب گزر ہوا تو ان میں سے بعض کہنے لگے کہ آپ ﷺ سے روح کے متعلق سوال کرو جبکہ بعض نے کہا کہ آپ سے سوال نہ کرو۔ آخر کار انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھ ہی لیا کہ روح کیا ہے؟ آپ ﷺ لاٹھی پر ٹیک لگائے ٹھہر گئے۔ میں سمجھ گیا کہ آپ ﷺ پر وحی اتر رہی ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی(2)۔ بخاری شریف میں یہ روایت اس طرح ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ کھیتوں میں جا رہا تھا۔ آپ لاٹھی کا سہارا لئے چل رہے تھے کہ یہود کے پاس سے گزر ہوا تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ آپ ﷺ سے روح کے متعلق دریافت کرو۔ کسی نے کہا کہ تمہیں اس سوال سے کیا سروکار؟ کسی نے کہا کہ ایسا نہ ہو آپ ﷺ ایسا جواب دے دیں جو تمہیں ناپسند ہو۔ بالآخر انہوں نے اتفاق کر کے آپ ﷺ سے روح کے متعلق پوچھ لیا۔ آپ ﷺ تھوڑی دیر خاموش رہے اور انہیں کوئی جواب نہ دیا۔ میں سمجھ گیا کہ آپ ﷺ پر وحی اتر رہی ہے، میں اپنی جگہ کھڑا رہا، اس کے بعد آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی(3)۔ اس سے بظاہر یہی پتہ چلتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے اور اس کا نزول مدینہ شریف میں اس وقت ہوا جب یہود نے آپ ﷺ سے روح کی بابت دریافت کیا حالانکہ سورت تمام کی تمام مکی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے یہ آیت مدینہ میں دوسری بار نازل ہوئی ہو جس طرح مکہ میں پہلے نازل ہوئی تھی یا یہ صرف مکہ میں ہی نازل ہوئی تاکہ آپ ﷺ اس کے ذریعے یہودیوں کے اس سوال کا جواب دے سکیں جو انہوں نے بعد میں کرنا تھا۔ اس آیت کے مکی ہونے کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی یہ روایت ہے کہ قریش نے یہود سے

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 154 2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 389

3۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ بنی اسرائیل، جلد 6 صفحہ 108، صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2152

کہا کہ ہمیں کوئی مشکل سوال بتاؤ جو ہم اس شخص (حضرت محمد ﷺ) سے دریافت کریں۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ آپ ﷺ سے روح کے متعلق دریافت کرو تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ جب یہ آیت اتری تو یہود کہنے لگے کہ ہمیں تو وافر علم عطا ہوا ہے یعنی ہمیں تورات ملی ہے اور جسے تورات عطا ہوئی اسے خیر کثیر مل گئی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ ... (الکہف: 109) "فرمایئے اگر سمندر میرے رب کے کلمات لکھنے کے لئے روشنائی بن جائے تو سمندر ختم ہو جائے گا اس سے پیشتر کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں اگرچہ ہم اس کی مدد کو اتنی روشنائی اور لے آئیں" (1)۔ حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ اہل کتاب نے رسول اللہ ﷺ سے روح کی حقیقت کے متعلق دریافت کیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے: آپ کا گمان ہے کہ ہمیں بہت کم علم دیا گیا ہے حالانکہ ہمیں تورات سے سرفراز کیا گیا جو سراپا حکمت ہے اور جسے حکمت عطا ہوگئی اسے خیر کثیر مل گئی، اس وقت یہ فرمان نازل ہوا: وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ (لقمان: 27) "اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائے اور اس کے علاوہ سات سمندر اسے مزید سیاہی مہیا کریں تو پھر بھی اللہ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی، بے شک اللہ سب پر غالب، بڑا دانا ہے"۔ فرمایا کہ جو علم تمہیں دیا گیا ہے، اگر اسے اللہ تعالیٰ آگ سے تمہاری خلاصی کا ذریعہ بنادے تو یہ کثیر اور طیب ہے لیکن علم الٰہی میں پھر بھی یہ قلیل ہے (2)۔ محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عطاء بن یسار سے مروی ہے: یہ آیت وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا مکہ شریف میں نازل ہوئی، جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو علمائے یہود آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ یہ کہتے ہیں: وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا، اس سے آپ ﷺ کی مراد ہم ہیں یا آپ ﷺ کی قوم؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سبھی مراد ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ قرآن کریم میں آپ ﷺ بھی پڑھتے ہیں کہ ہمیں تورات عطا کی گئی جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ علم الٰہی کے مقابلے میں قلیل ہے، بہر صورت اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس قدر عطا فرما دیا ہے کہ اگر تم اس پر عمل کرو تو تمہیں بہت نفع حاصل ہوگا" اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ ... نازل کی (3)۔

روح سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد بنی آدم کی ارواح ہیں۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ یہودیوں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ آپ ﷺ ہمیں بتائیں روح کیا ہے اور جسم میں روح کو کیسے عذاب ہوتا ہے حالانکہ روح تو اللہ کی طرف سے ہے۔ چونکہ اس بارے میں کوئی وحی آپ ﷺ پر نہیں اتری تھی، اس لئے آپ ﷺ نے انہیں کوئی جواب نہ دیا، پھر جب جبریل علیہ السلام یہ آیت قُلِ الرُّوْحُ .. لے کر آئے تو آپ ﷺ نے یہود کو اس کے متعلق آگاہ کر دیا، وہ کہنے لگے کہ کس نے آپ ﷺ کو اس کی خبر دی ہے؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام میرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر لائے ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ آپ ﷺ کے پاس یہ خبر لانے والا ہمارا دشمن ہے تو اس وقت یہ فرمان نازل ہوا: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ (البقرۃ: 97) "آپ فرمایئے جو جبریل علیہ السلام کا دشمن ہو (اسے معلوم ہونا چاہئے" کہ اس نے آپ ﷺ کے دل پر اللہ تعالیٰ کا قرآن اتارا جو تصدیق کرنے والا ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے اتریں) (4)، تو وہ کہتے

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 389 | 2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 155

3۔ تفسیر طبری، جلد 5 صفحہ 157 | 4۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 156

ہیں کہ روح سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس سے مراد تمام مخلوقات کے برابر ایک عظیم فرشتہ ہے۔ علی بن طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد فرشتہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا فرشتہ ہے کہ اگر اسے کہا جائے کہ ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو ایک ہی لقمہ میں نگل جا تو وہ ایسا کر گزرے، اس کی تسبیح یہ ہے: "سُبْحَانَكَ حَيْثُ كُنْتَ" (1)۔ یہ حدیث غریب بلکہ منکر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ روح سے مراد ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار منہ ہیں، ہر منہ میں ستر ہزار زبانیں ہیں اور ہر زبان پر ستر ہزار لغات ہیں جن سے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو دیگر فرشتوں کے ساتھ قیامت تک اڑتا رہے گا(2)۔ یہ اثر عجیب وغریب ہے۔ سہیلی کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کردہ روایت میں آتا ہے کہ اس فرشتے کے ایک لاکھ سر ہیں، ہر سر میں ایک لاکھ چہرے ہیں، ہر چہرے میں ایک لاکھ منہ ہیں اور ہر منہ میں ایک لاکھ زبانیں ہیں جن کے ساتھ وہ مختلف بولیوں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد فرشتوں کا ایک گروہ ہے جن کی صورتیں بنی آدم کی سی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ روح سے مراد ایسا گروہ ہے جو فرشتوں کو دیکھتے ہیں لیکن فرشتے انہیں نہیں دیکھ سکتے، وہ فرشتوں کے لئے ایسے ہی ہیں جیسے ہمارے لئے فرشتے(3)۔

فرمایا: قُلِ الرُّوْحُ ۔ یعنی روح کی حقیقت کے متعلق علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے اور اس سے تمہیں آگاہ نہیں کیا، اسی لئے فرمایا: وَمَآ اُوْتِيْتُمْ ..... یعنی تمہیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے، کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا بجز اس مقدار کے جس سے آگاہ کرنا مشیت الٰہی میں مقدر ہو۔ پھر یہ عطا کردہ علم بھی اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں قلیل ہے۔ تم روح کی حقیقت کے متعلق دریافت کر رہے ہو، تو سن لو اس کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے اور تمہیں اس پر مطلع نہیں کیا، بالکل اسی طرح جیسا کہ اس نے تمہیں اپنے علم پر بجز معمولی مقدار کے آگاہ نہیں کیا۔ ان شاء اللہ عنقریب قصہ موسیٰ وخضر علیہما السلام میں آئے گا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کے کنارے پر ایک چڑیا بیٹھی ہوئی دیکھی، اس نے چونچ میں پانی لیا اور اڑ گئی تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میرا، تمہارا اور تمام مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں ایسے ہی ہے جس قدر اس چڑیا نے اس سمندر سے لیا ہے، اسی لئے فرمایا: وَمَآ اُوْتِيْتُمْ

بقول سہیلی بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں ان کے سوال کا جواب نہیں دیا کیونکہ ان کا سوال ضد اور ہٹ دھرمی پر مبنی تھا جبکہ بعض کہتے ہیں کہ انہیں جواب دیا۔ سہیلی کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ روح شریعت خدا میں سے ہے یعنی اس شریعت میں داخل ہو جاؤ اور یہ تم بخوبی جانتے ہو کہ اس کی معرفت کسی طبعی اور فلسفی طریقہ پر منحصر نہیں بلکہ اس کا دارومدار شریعت پر ہے۔ لیکن یہ مسلک محل نظر ہے۔ پھر سہیلی نے علماء کے درمیان اختلاف کا ذکر کیا ہے کہ آیا روح نفس ہی ہے یا کچھ اور۔ انہوں نے ثابت کیا ہے کہ روح ہوا کی طرح نہایت لطیف چیز ہے جو جسم میں اس طرح سرایت کئے ہوئے ہوتی ہے جس طرح درخت کی رگوں میں پانی اور جب فرشتہ اس روح کو شکم مادر میں بچے کے اندر پھونکتا ہے تو وہ جسم کے ساتھ ملتے ہی نفس بن جاتی ہے، اس کے سبب سے ہی وہ اچھی بری صفات حاصل کرتا ہے۔ یا تو یہ نفس مطمئنہ ہوتا ہے یا نفس امارہ، اس کی مثال یوں سمجھ لیں جس طرح پانی درخت کی حیات ہے لیکن درخت کے ساتھ اتصال کے باعث اسے ایک خاص نام دے دیا جاتا ہے مثلاً انگور، جب اسے نچوڑیں گے تو اس کے پانی کو شراب یا کوئی دوسرا نام دیں گے، پانی نہیں کہیں گے۔ البتہ مجازی طور پر پانی کہا جا سکتا ہے نہ کہ حقیقی طور پر، بالکل اسی طرح نفس کو روح نہیں کہا جا سکتا اور اسی طرح روح کو بھی نفس نہیں کہا جا سکتا

1۔ معجم کبیر، جلد 11 صفحہ 195 2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 155 3۔ الروض الانف، جلد 1 صفحہ 197

مگر بلحاظ انجام کے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ روح نفس کی اصل اور اس کا مادہ ہے، نفس روح اور بدن کے اتصال سے مرکب ہے۔ پس روح ایک وجہ سے نفس ہے نہ کہ تمام وجوہ سے۔ یہ بہت عمدہ بات ہے(1)، لوگوں نے روح کی ماہیت اور اس کے احکام کے متعلق بہت گفتگو کی ہے اور متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں لیکن روح کے متعلق ابن مندہ کی کتاب سب سے عمدہ ہے۔

وَلَئِنۡ شِئۡنَا لَنَذۡهَبَنَّ بِالَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیۡنَا وَكِیۡلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضۡلَهٗ كَانَ عَلَیۡكَ كَبِیۡرًا ﴿۸۷﴾ قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰۤی اَنۡ یَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا یَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِیۡرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا لِلنَّاسِ فِیۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ كُلِّ مَثَلٍ ۫ فَاَبٰۤی اَكۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوۡرًا ﴿۸۹﴾

"اور اگر ہم چاہتے تو سلب کر لیتے وہ وحی جو ہم نے آپ کی طرف کی ہے پھر آپ کوئی ایسا وکیل نہ پاتے جو آپ کے لئے اس کے متعلق ہماری بارگاہ میں وکالت کرتا۔ سوائے اپنے رب کی رحمت کے (کہ وہ ہمہ وقت آپ کے شامل حال ہے) یقیناً اس کا فضل (وکرم) آپ پر بہت بڑا ہے، (بطور چیلنج) کہہ دو کہ اگر اکٹھے ہو جائیں سارے انسان اور سارے جن اس بات پر کہ لے آئیں اس قرآن کی مثل تو ہرگز نہیں لا سکیں گے اس کی مثل اگرچہ وہ ہو جائیں ایک دوسرے کے مددگار۔ اور بلاشبہ ہم نے طرح طرح سے (بار بار) بیان کی ہیں لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں (تاکہ وہ ہدایت پائیں) پس انکار کر دیا اکثر لوگوں نے سوائے اس کے کہ وہ ناشکری کریں"۔

اللہ تعالیٰ اپنے عبد محبوب اور رسول کریم ﷺ پر اپنی نعمت عظمیٰ اور فضل عظیم کا ذکر فرما رہا ہے یعنی آپ ﷺ کو وحی سے نوازا اور ایسا قرآن مجید آپ کو مرحمت فرمایا جس کی طرف باطل راہ نہیں پا سکتا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آخر زمانے میں شام کی طرف سے ایک سرخ ہوا چلے گی، اس وقت نہ قرآن اوراق میں باقی رہے گا اور نہ کسی کے دل میں کوئی آیت محفوظ رہے گی۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اسی آیت وَلَئِنۡ شِئۡنَا...... کی تلاوت کی(2)۔ پھر اللہ تعالیٰ قرآن عظیم کے شرف پر آگاہ فرماتے ہوئے خبر دے رہا ہے کہ اگر تمام انسان اور تمام جن اکٹھے ہو جائیں اور قرآن کریم کی مثل لانے پر اتفاق کر لیں تو بھی ایسا نہیں کر پائیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ بھرپور تعاون کریں اور مکمل صلاحیتیں بروئے کار لاتے ہوئے مدد فراہم کریں کیونکہ اس قرآن کی مثل لانا مقدور اور طاقت سے باہر ہے۔ پھر بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ مخلوق کا کلام خالق کائنات کے کلام کے مشابہ ہو جائے جس کی نہ کوئی نظیر ہے اور نہ کوئی مثال، نہ اس کا کوئی عدیل ہے اور نہ شریک۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ ہم بھی اس قرآن جیسا کلام بنا سکتے ہیں۔ چنانچہ اس وقت یہ آیت اتری(3)، لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور اس کے مخاطب قریش ہیں۔ یہودیوں سے تو مدینہ شریف میں آپ ﷺ کو واسطہ پڑا تھا۔ آگے فرمایا: وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا ... یعنی ہم نے طرح طرح سے ان کے لئے دلائل واضح اور براہین قاطعہ بیان کر دی ہیں اور ان کے لئے حق کو شرح وبسط کیساتھ واضح کر دیا ہے، اس کے باوجود بھی اکثر لوگ ناشکری، انکار حق اور تردید صواب پر بضد ہیں۔

1۔ دیکھئے الروض الانف جلد 1 صفحہ 198-199　2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 158　3۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 159

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿٩٠﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿٩١﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿٩٢﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿٩٣﴾

''اور کفار نے کہا ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ پر جب تک آپ رواں نہ کر دیں ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ۔ یا (لگ کر تیار) ہو جائے آپ کے لئے ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا پھر آپ جاری کر دیں ندیاں جو اس باغ میں (ہر طرف) بہہ رہی ہوں۔ یا آپ گرا دیں آسمان کو جیسے آپ کا خیال ہے، ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے یا آپ اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو (بے نقاب کر کے) ہمارے سامنے لے آئیں۔ یا (تعمیر) ہو جائے آپ کے لئے ایک گھر سونے کا۔ یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں۔ بلکہ ہم تو اس پر بھی ایمان نہ لائیں گے کہ آپ آسمان پر چڑھیں یہاں تک کہ اتار لائیں ہم پر ایک کتاب جسے ہم پڑھیں۔ آپ (ان سب خرافات کے جواب میں اتنا) فرما دیں کہ میرا رب (ہر عیب سے) پاک ہے۔ میں کون ہوں مگر آدمی (اللہ کا) بھیجا ہوا''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ، ابوسفیان بن حرب، بنو عبدالدار کا ایک شخص، ابوالبختری، اسود بن مطلب بن اسد، زمعہ بن الاسود، ولید بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام، عبداللہ بن ابی امیہ، امیہ بن خلف، عاص بن وائل اور حجاج سہمی کے دونوں بیٹے نبیہ اور منبہ غروب آفتاب کے بعد کعبہ شریف کے پیچھے اکٹھے ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) کو بلالو اور ان سے بحث و تمحیص اور گفتگو کر کے عذر تمام کر دو۔ چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ کو پیغام بھیجا کہ آپ ﷺ کی قوم کے اشراف اور روساء آپ کے ساتھ مذاکرات کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ فوراً ان کی طرف چل دیئے، آپ ﷺ کا خیال تھا کہ شاید دین اسلام کی حقیقت ان پر عیاں ہو گئی ہو اور پھر آپ ﷺ ان کی ہدایت کے شدید خواہاں اور حریص تھے، ان کی سرکشی اور ہٹ دھرمی آپ کو بہت گراں گزرتی تھی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس خواہش کے پیش نظر ان کے پاس چلے آئے۔ جب آپ ﷺ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئے تو وہ آپ ﷺ سے کہنے لگے کہ ہم نے آپ کو آج اس لئے بلایا ہے تاکہ اتمام حجت کر دیں اور اس کے بعد آپ ﷺ کیلئے کوئی عذر باقی نہ رہے۔ دیکھیں، کسی آدمی نے اپنی قوم کو ایسے حالات اور مسائل سے دوچار نہیں کیا جس قسم کے حالات و مسائل سے آپ نے ہمیں دوچار کر رکھا ہے، تم ہمارے آباؤ اجداد کو سب و شتم کرتے ہو، ہمارے دین کو برا سمجھتے ہو، ہمارے بڑوں کو احمق اور بے وقوف گردانتے ہو، ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تم نے ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور ہماری جمعیت کو منتشر کر دیا ہے، تمہاری وجہ سے ہر قباحت ہمارے اندر در آئی ہے۔ ان باتوں سے اگر مال جمع کرنا تمہارا مقصود ہے تو ہم تمہارے لئے اس قدر مال و دولت جمع کر دیں گے کہ تم سب سے زیادہ غنی اور خوشحال ہو جاؤ گے، اگر اس سے تمہاری خواہش شرف و سیادت کا حصول ہے تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا لیتے ہیں، اگر تمہارا ارادہ بادشاہت حاصل کرنے کا ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنانے پر بھی راضی ہیں اور اگر کوئی

جن تم پر مسلط ہے جو تمہیں ایسی باتوں پر اکساتا ہے تو ہم اپنے اموال خرچ کر کے تمہارا علاج کرانے کے لئے بھی تیار ہیں یہاں تک کہ تمہیں شفا ہو جائے یا تمہارے بارے میں ہمیں معذور سمجھ لیا جائے۔ ان کی یہ ساری باتیں سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو تم کہہ رہے ہو وہ (دماغی خلل یا آسیب) مجھ میں نہیں، جو دین میں تمہارے پاس لایا ہوں، اس سے میری یہ خواہش نہیں کہ میں تمہارے اموال حاصل کرلوں اور نہ ہی یہ مقصد ہے کہ تمہارا سردار اور بادشاہ بن جاؤں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، مجھ پر کتاب نازل کی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں خوشخبری دوں اور بروقت خبردار کروں۔ چنانچہ میں نے اپنے رب کے پیغامات تم تک پہنچا دیئے اور تمہارے لئے اخلاص اور خیر خواہی کا اظہار کیا۔ اگر تم میرے پیغام کو قبول کرلو گے تو دنیا و آخرت میں سرخرو ہو جاؤ گے اور اگر اسے رد کر دو گے تو میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کروں گا یہاں تک کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے"۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے کہ اگر آپ کو ہماری کوئی پیشکش قبول نہیں تو سنیں، یہ آپ بھی جانتے ہیں کہ ہم سے زیادہ تنگ شہر کسی کا نہیں، نہ ہی کوئی ہم سے زیادہ کم مال و دولت والا ہے اور نہ ہی ہم سے زیادہ کوئی خستہ حال اور تنگدست ہے۔ آپ ایسا کریں کہ آپ اپنے اس رب سے ہمارے لئے سوال کریں جس نے آپ کو مبعوث کیا ہے کہ وہ تنگی کا باعث بننے والے ان پہاڑوں کو یہاں سے ہٹا دے تا کہ ہمارے شہر کشادہ اور وسیع ہو جائیں، اس میں شام و عراق کی نہروں جیسی نہریں جاری ہو جائیں، اور تمہارا رب ہمارے آباؤ اجداد خصوصاً قصی بن کلاب کو زندہ کر دے کیونکہ وہ ہمارا قابل احترام اور سچا بزرگ تھا، ہم ان سے دریافت کرلیں گے کہ کیا آپ ﷺ کا پیغام حق ہے یا باطل؟ اگر آپ نے ہمارے مطالبات پورے کر دیئے اور ہمارے آباؤ اجداد نے آپ ﷺ کی تصدیق کر دی تو نہ صرف ہم آپ کی تصدیق کریں گے بلکہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے ہاں حاصل شدہ آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ کا بھی علم ہو جائے گا اور ہم یہ بھی پہچان لیں گے کہ واقعی اس نے آپ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ ان کی باتیں سن کر رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: "مجھے ان چیزوں کے ساتھ نہیں بھیجا گیا بلکہ میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص مقصد لے کر تمہارے پاس آیا ہوں اور میں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کا وہ پیغام پہنچا دیا ہے جس کا مجھے پابند کیا گیا ہے، اگر تم اسے قبول کرلو تو دنیا و آخرت میں تمہارے بخت بیدار ہو جائیں گے اور اگر تم نے اسے رد کر دیا تو میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کروں گا یہاں تک کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے"۔ وہ کہنے لگے کہ اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو پھر آپ یوں کریں اپنے رب سے درخواست کریں کہ وہ ایک فرشتہ روانہ کرے جو آپ کی باتوں کی تصدیق کرے اور آپ ﷺ کی طرف سے ہمیں جواب دے، مزید برآں آپ اس سے یہ سوال کریں کہ وہ آپ کو باغات، خزانے اور سونے چاندی کے محلات مہیا کرے اور زندگی کی تگ و دو اور محنت سے آپ کو بے نیاز کر دے کیونکہ آپ بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں اور بالکل ہماری طرح کسب معاش کی خاطر جدوجہد کرتے ہیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ آپ کو واقعی اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک خاص مقام حاصل ہے اور واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے فرستادہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: "نہ میں یہ کرنے والا ہوں، نہ میں اپنے رب سے اس کا سوال کرتا ہوں اور نہ ہی مجھے اس کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خوشخبری دینے والا اور بروقت ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اگر تم میرے لائے ہوئے پیغام کو قبول کرلو تو دنیا و آخرت میں تمہارا ہی فائدہ ہے اور اگر تم اسے ٹھکرا دو تو میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی آمد تک صبر کروں گا یہاں تک کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے"۔ پھر وہ آپ ﷺ سے کہنے لگے: چلو ہم پر آسمان گرا دو جیسا کہ تم خیال کرتے ہو کہ اگر تمہارا رب چاہے تو ایسا کر دے۔ ہم بہرصورت آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: "یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، اگر وہ چاہے تو تمہارے ساتھ

ایسا کر دے"۔ وہ آپ ﷺ سے کہنے لگے کہ کیا آپ ﷺ کے رب کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھیں گے، یہ سوالات آپ ﷺ سے کریں گے اور یہ یہ مطالبات پیش کریں گے، چاہئے تو یہ تھا کہ وہ پیشگی آپ ﷺ کو ان چیزوں کے متعلق آگاہ کر کے ان کے جوابات سکھا دیتا اور آپ ﷺ کو اس بات کی خبر دے دیتا کہ اگر ہم آپ کی بات نہ مانیں تو وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریگا۔ ہمیں تو یہی خبر ملی ہے کہ یمامہ کا رحمٰن نامی ایک شخص آپ ﷺ کو یہ سب کچھ سکھاتا ہے، اللہ کی قسم! ہم کبھی بھی رحمٰن پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اے محمد ﷺ! ہم نے اتمام حجت کر دی اور عذر تمام کر دیا۔ اب ہم آپ ﷺ کو اس موجودہ حالت پر نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ ہم آپ کو ہلاک کر دیں یا آپ ہمیں نیست و نابود کر دیں۔ کوئی ان میں سے کہنے لگا کہ ہم ملائکہ کی عبادت کرتے ہیں اور وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اور کوئی کہنے لگا کہ ہم آپ ﷺ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ ﷺ اللہ اور ملائکہ کو ہمارے سامنے نہیں لے آتے۔ جب انہوں نے یہ ہرزہ سرائی کی تو آپ ﷺ مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کی پھوپھی حضرت عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بھی اٹھ کھڑا ہوا اور آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ آپ ﷺ کی قوم نے آپ ﷺ کو پیشکش کی لیکن آپ نے اسے ٹھکرا دیا، پھر انہوں نے اپنے لئے کچھ مطالبات پیش کئے تاکہ وہ اس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ کو پہچان لیں، یہ بھی آپ ﷺ نہ کر سکے پھر انہوں نے اس عذاب کا مطالبہ کیا جس سے آپ انہیں ڈراتے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں کبھی بھی آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا یہاں تک کہ آپ ﷺ آسمان کے ساتھ سیڑھی لگا کر اوپر چڑھ جائیں، میں آپ کو دیکھتا رہوں، آپ آسمان تک پہنچیں اور وہاں سے اپنے ساتھ ایک کھلی کتاب لائیں۔ چار فرشتے آپ ﷺ کے ساتھ ہوں جو اس بات کی گواہی دیں کہ آپ واقعی اپنے دعوٰی میں سچے ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر آپ نے ایسا کر بھی دیا تو میرا خیال ہے کہ میں پھر بھی آپ ﷺ کی تصدیق نہیں کروں گا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی راہ لی۔ رسول اللہ ﷺ بہت غمزدہ، افسردہ اور دل گرفتہ ہو کر واپس گھر لوٹے کیونکہ آپ ﷺ ان کی ہدایت کے لئے بہت حریص تھے اور اس مقصد کے لئے آپ ان کی مجلس میں تشریف لائے لیکن انہوں نے سرکشی اور ہٹ دھرمی کی حد کر دی(1)۔ اس مجلس میں جمع ہونے والے کفر کے سرغنے اگر طلب ہدایت کے لئے سوالات کرتے تو انہیں ضرور جواب دیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ان کے مطالبات کفر و عناد پر مبنی ہیں اس لئے انہیں پورا نہ کیا گیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو ہم ان کے مطالبات پورے کر دیں لیکن اس کے باوجود اگر انہوں نے کفر پر ضد کی تو انہیں میں وہ عذاب دوں گا جو کسی کو نہ دیا ہوگا، اور اگر آپ کی خواہش ہو تو میں ان پر در توبہ و رحمت کھلا رکھوں۔ آپ ﷺ نے عرض کی: بلکہ ان پر توبہ اور رحمت کا دروازہ کھلا رکھئے"۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث میں اللہ تعالیٰ کے فرمان وَمَا مَنَعَنَآ اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰيٰتِ ... تَخۡوِيۡفًا (بنی اسرائیل:59) کی تفسیر کے تحت اس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ اس چیز کو ان آیت میں بھی بیان فرمایا: وَقَالُوۡا مَالِ هٰذَا الرَّسُوۡلِ يَاۡكُلُ الطَّعَامَ .... وَاَعۡتَدۡنَا لِمَنۡ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيۡرًا (الفرقان:11-7)۔

ینبوع جاری چشمہ کو کہتے ہیں۔ انہوں نے آپ ﷺ سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ ارض حجاز میں ادھر ادھر ان کے لئے ندیاں اور چشمے رواں کر دیں۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ کے لئے نہایت ہی سہل اور معمولی ہے۔ اگر اس کی مرضی ہوتی تو نہ صرف ایسا کر دیتا بلکہ ان کے باقی تمام مطالبات بھی پورے فرما دیتا لیکن اسے علم تھا کہ وہ کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيۡنَ حَقَّتۡ عَلَيۡهِمۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 114-116، سیرت ابن ہشام جلد 1، صفحہ 295-298

یُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس: 97-96) ''بے شک وہ لوگ جن پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے اگر چہ ان کے پاس ساری نشانیاں آ جائیں جب تک وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں''، وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا (الانعام: 111) ''اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتارتے اور مردے ان سے باتیں کرنے لگتے اور ہم ہر چیز کو ان کے روبرو جمع کر دیتے تب بھی وہ ایمان نہ لاتے''، اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ ۔ یعنی آپ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن آسمان پھٹ کر بودا ہو جائے گا اور اس کے کنارے لٹک جائیں گے۔ آپ دنیا میں ہی ایسا کر گزریں اور آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرا دیں۔ یہ قول بالکل ان کے اس قول جیسا ہے: اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۔ (الانفال: 32) ''اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے سچ ہو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی دردناک عذاب لے آ''، اسی طرح قوم شعیب نے مطالبہ کرتے ہوئے کہا تھا: فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (الشعراء: 187) ''لو اب ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو اگر تم راست بازوں سے ہو'' اس مطالبہ پر انہیں چھتری والے دن کے عذاب میں مبتلا کر دیا گیا اور وہ واقعی ایک بڑے دن کا شدید عذاب تھا لیکن ہمارے پیارے رسول نے جو نبی التوبہ، نبی الرحمہ اور رحمۃ للعالمین ہیں، اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ انہیں مزید مہلت عطا فرمائے، بہت ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان کی نسل میں ایسے لوگ پیدا کر دے جو صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور واقعی ایسا ہی ہوا، انہی میں سے متعدد مشرف بہ اسلام ہوئے اور حقیقی اور سچے مسلمان ثابت ہوئے یہاں تک کہ عبداللہ بن ابی امیہ جنہوں نے آپ ﷺ کو اپنی ناروا باتوں سے بہت زیادہ رنجیدہ کر دیا تھا اور اسلام نہ لانے کی قسم کھائی تھی، مکمل طور پر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور اللہ تعالیٰ سے لو لگا لی۔

حضرات ابن عباس، مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ زخرف سے مراد ذھب (سونا) ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں یہی لفظ (ذہب) ہے[1]۔ پھر فرمایا: اَوْ تَرْقٰى ... یعنی آپ ہماری نظروں کے سامنے سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائیں۔ اس کے باوجود ہم اس وقت تک آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ ﷺ ہم پر ایک کتاب نہ اتاریں جسے ہم پڑھیں۔ مجاہد اس کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ایک ایسی کتاب اتاریں جس میں ہر ایک کی طرف ایک ایک مکتوب تحریر کیا گیا ہو اور وضاحت سے لکھا گیا ہو کہ یہ مکتوب اللہ تعالیٰ کی طرف سے فلاں بن فلاں کے نام ہے اور صبح کے وقت ان کے سرہانے پڑا ہوا انہیں ملے۔ اس کے جواب میں فرمایا: قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ ... یعنی میرا رب اس بات سے پاک، برتر، بالا اور مقدس ہے کہ کوئی اس کے امور سلطنت میں دخل اندازی کرے بلکہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہاری فرمائش پوری کر دے اور اگر چاہے تو تمہاری فرمائش پوری نہ کرے، میں تو تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، میں تم تک اپنے رب کے پیغامات پہنچانے کا فریضہ انجام دے رہا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں۔ میں نے اپنا فریضہ ادا کر دیا، اب تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے رب نے مجھے یہ پیشکش کی کہ وہ میرے لئے مکہ کی وادی بطحاء کو سونا بنا دے، میں نے عرض کی: نہیں، اے میرے رب! بلکہ میری خواہش ہے کہ میں ایک دن سیر ہو کر کھاؤں اور ایک روز بھوکا رہوں۔ بھوک کی حالت میں، میں عجز و نیاز سے تیری جانب جھکوں گا اور بکثرت تیری یاد کروں گا اور سیر ہو کر تیری حمد کروں گا اور تیرا شکر بجا لاؤں گا''[2]۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 5 صفحہ 163
2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9 صفحہ 209-210، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 254

وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰۤى اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓىٕكَةٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَىٕنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾

''اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب آئی ان کے پاس ہدایت مگر اس چیز نے کہ انہوں نے کہا کہ کیا بھیجا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر! (ایسا نہیں ہوسکتا) فرمایئے اگر ہوتے زمین میں (انسانوں کی بجائے) فرشتے جو اس پر چلتے (اور اس میں) سکونت اختیار کرتے تو ہم (ان کی ہدایت کے لئے) ان پر اتارتے آسمان سے کوئی فرشتہ رسول بنا کر''۔

اکثر لوگ اس بنا پر ایمان لانے اور رسولوں کی اتباع کرنے سے رکے رہتے ہیں کہ رسولوں کا بشر ہونا ان کے لئے باعث حیرت و استعجاب ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا: اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ (یونس:2) ''کیا یہ بات لوگوں کے لئے باعث تعجب ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک مرد کامل پر وحی بھیجی کہ لوگوں کو ڈراؤ اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لئے ان کے رب کے ہاں بلند مرتبہ ہے''، ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالُوْۤا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا (التغابن:6) ''اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر روشن نشانیاں لے کر آتے رہے پس وہ بولے کیا انسان ہماری رہبری کریں گے''۔ فرعون اور اس کے درباریوں نے کہا: اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَ قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ (المومنون:47) ''کیا ہم اپنے جیسے ان دو آدمیوں پر ایمان لائیں حالانکہ ان کی قوم ہماری غلام ہے''۔ اسی طرح پہلی امتوں نے اپنے رسولوں سے کہا: اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ (ابراہیم:10) ''نہیں ہو تم مگر ہماری طرح بشر تم یہ چاہتے ہو کہ ہمیں ان (بتوں) سے روک دو جن کی پوجا ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے، پس لے آؤ ہمارے پاس کوئی روشن دلیل''۔ اس مضمون کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ بندوں پر اپنے لطف و کرم اور رحمت پر آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس نے انہی کی جنس میں سے ایک رسول ان کی طرف مبعوث کیا تاکہ اس رسول سے بذریعہ گفتگو دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرسکیں اور اگر کسی فرشتہ کو ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا جاتا تو وہ نہ اس کا سامنا کر سکتے اور نہ ہی اس سے کچھ اخذ کر پاتے۔ جیسا کہ فرمایا: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (آل عمران:164) ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان فرمایا جب اس نے ان میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا''، لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (التوبہ:128) ''بے شک تمہارے پاس تم میں سے ایک برگزیدہ رسول تشریف لایا''، كَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ یَتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِنَا وَ یُزَكِّیْكُمْ وَ یُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ یُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿ۛ﴾ فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِیْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ (البقرۃ:152-151) ''جیسا کہ بھیجا ہم نے تمہارے پاس تم میں سے رسول، وہ تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور تمہیں ایسی باتوں کی تعلیم دیتا ہے جنہیں تم جانتے ہی نہ تھے، سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر ادا کیا کرو اور میری ناشکری نہ کیا کرو''۔ اس لئے یہاں فرمایا، قُلْ لَّوْ كَانَ فِی الْاَرْضِ یعنی زمین پر اگر تمہاری جگہ فرشتے چلتے پھرتے اور سکونت اختیار کرتے تو ہم کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیج دیتے، چونکہ تم بشر ہو اس لئے ہم نے لطف و کرم اور رحمت فرماتے ہوئے تمہی میں سے ایک رسول تمہاری طرف مبعوث کردیا ہے۔

قُلۡ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًۢا بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ‌ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيۡرًۢا بَصِيۡرًا ۝

''فرمائیے کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان۔ بے شک وہ اپنے بندوں (کے احوال) کو خوب جاننے والا اور ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی ﷺ کو اپنی رسالت کی صداقت اور حقانیت کی دلیل تلقین فرما رہا ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ ہی بطور گواہ کافی ہے۔ جو پیغام میں تمہیں دے رہا ہوں، وہ اس سے خوب واقف ہے۔ اگر میں کوئی جھوٹی بات اس کی طرف منسوب کروں تو وہ مجھ سے شدید انتقام لے جیسا کہ فرمایا: وَلَوۡ تَقَوَّلَ عَلَيۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِيۡلِ ۝ لَاَخَذۡنَا مِنۡهُ بِالۡيَمِيۡنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡهُ الۡوَتِيۡنَ (الحاقۃ: 46-44) '' اور اگر وہ بعض باتیں خود گھڑ کر ہماری طرف منسوب کرتا ہے تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے، پھر ہم اس کی رگ دل کاٹ دیتے''۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ۔ یعنی اسے خوب علم ہے کہ بندوں میں سے کون انعام، احسان اور ہدایت کا مستحق ہے اور کون شقاوت اور گمراہی کا۔

وَمَنۡ يَّهۡدِ اللّٰهُ فَهُوَ الۡمُهۡتَدِ‌ۚ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَهُمۡ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِهٖ‌ؕ وَنَحۡشُرُهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوۡهِهِمۡ عُمۡيًا وَّبُكۡمًا وَّصُمًّا‌ؕ مَاۡوٰٮهُمۡ جَهَنَّمُ‌ؕ كُلَّمَا خَبَتۡ زِدۡنٰهُمۡ سَعِيۡرًا ۝

''اور جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کردے تو آپ نہیں پائیں گے ان (گمراہوں) کے لئے کوئی مددگار اس کے سوا اور ہم اٹھائیں گے انہیں قیامت کے روز منہ کے بل اس حالت میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جب بھی سرد ہونے لگے گی (جہنم کی آگ) تو ہم ان کے لئے اس کی آنچ کو بڑھا دیں گے''۔

اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق میں پورا پورا تصرف حاصل ہے اور اس کا حکم ہر حال میں نافذ ہے، کوئی بھی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا، وہ جسے ہدایت سے سرفراز فرمادے، اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ گمراہ کردے اس کے لئے بجز اس کے کوئی مددگار نہیں جو اسے ہدایت کی راہ پر گامزن کرسکے، جیسا کہ فرمایا: مَنۡ يَّهۡدِ اللّٰهُ فَهُوَ الۡمُهۡتَدِ‌ۚ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرۡشِدًا (الکہف: 17) '' جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کردے تو تو اس کے لئے کوئی مددگار (اور) رہنما نہیں پائے گا''۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! لوگوں کو کیسے منہ کے بل اٹھایا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: '' جس نے انہیں پیروں پر چلایا، وہ انہیں اوندھے منہ چلانے پر بھی قادر ہے ''(1)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے بنی غفار! بات کرو لیکن قسمیں نہ کھاؤ، کیونکہ صادق اور مصدوق پیغمبر ﷺ نے مجھے بتایا ہے کہ لوگوں کو تین گروہوں میں اٹھایا جائے گا۔ ایک گروہ کے لوگ سوار، کھانے پینے اور پہننے والے ہوں گے، دوسرے گروہ کے لوگ پیدل دوڑ رہے ہوں گے، جبکہ تیسرے گروہ والوں کو فرشتے اوندھے منہ گھسیٹتے ہوئے جہنم رسید کردیں گے۔ سامعین میں سے ایک آدمی نے عرض کی کہ دو گروہوں کی تو سمجھ آگئی لیکن پیدل دوڑنے والوں کا کیا معاملہ ہے؟ فرمایا: '' اللہ تعالیٰ سواریوں پر آفت ڈال دے گا اور کوئی سواری باقی نہیں بچے گی یہاں تک کہ ایک

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ فرقان، جلد 6 صفحہ 137، صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ: 2161

آدمی اپنا پسندیدہ باغ دے کر اس کے بدلے میں پالان والی اونٹنی خریدنا چاہے گا لیکن وہ اسے حاصل نہیں کر پائے گا" (1)۔ ان کی حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا: عُمۡیًا۔ یعنی نہ انہیں کچھ دکھائی دے گا، نہ وہ گفتگو پر قادر ہوں گے اور نہ کچھ سن سکیں گے۔ مختلف حالات میں ان کے ساتھ یہ بیتے گی، جس طرح وہ دنیا میں حق سے اندھے، بہرے اور گونگے بنے رہے، اسی طرح میدان حشر میں انہیں بطور جزا اندھے، بہرے اور گونگے بنا دیا جائے گا، حالانکہ قیامت کے دن انہیں ان اعضاء کی سخت ضرورت ہوگی۔ ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے، جب بھی اس کی آگ سرد اور بھسم ہوگی، اس کی آنچ مزید تیز کر دی جائے گی، جیسا کہ فرمایا: فَذُوۡقُوۡا فَلَنۡ نَّزِیۡدَکُمۡ اِلَّا عَذَابًا (النبأ: 30) "پس مزہ چکھو اب ہم تم پر نہیں زیادہ کریں گے مگر عذاب"۔

ذٰلِکَ جَزَآؤُہُمۡ بِاَنَّہُمۡ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ قَالُوۡۤا ءَاِذَا کُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ خَلۡقًا جَدِیۡدًا ﴿۹۸﴾ اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنۡ یَّخۡلُقَ مِثۡلَہُمۡ وَ جَعَلَ لَہُمۡ اَجَلًا لَّا رَیۡبَ فِیۡہِ ؕ فَاَبَی الظّٰلِمُوۡنَ اِلَّا کُفُوۡرًا ﴿۹۹﴾

"یہ سزا ہے ان کی کیونکہ انہوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا۔ اور انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم اٹھائے جائیں گے از سر نو پیدا کر کے۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ جس نے پیدا فرمایا ہے آسمانوں اور زمین کو وہ اس پر بھی قادر ہے کہ پیدا فرما دے ان کی مثل اور اس نے مقرر فرما دی ہے ان کے لئے ایک میعاد جس میں ذرا شک نہیں۔ پس انکار کر دیا ظالموں نے (اللہ کی قدرت کا) سوائے اس کے کہ وہ ناشکری کریں"۔

کفار کی جس سزا کا اوپر ذکر ہوا کہ انہیں اندھا، بہرہ اور گونگا بنا کر اٹھایا جائے گا، وہ واقعی اس کے مستحق ہیں کیونکہ انہوں نے ہماری آیات اور دلائل کو جھٹلایا اور وقوع قیامت کو محال سمجھتے ہوئے کہنے لگے کہ کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو کر خاک ہو جائیں گے تو کیا اس ہلاکت، فنا، تفرق اعضاء اور بوسیدگی کے بعد ہمیں از سر نو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا؟ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی حجت پیش کرتے ہوئے اور اپنی عظیم قدرت پر انہیں آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس نے تو بڑے بڑے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی، اس لئے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لئے اس سے بہت زیادہ آسان ہے جیسا کہ فرمایا: لَخَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ اَکۡبَرُ مِنۡ خَلۡقِ النَّاسِ (المومن: 57) "آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے بہت بڑا کام ہے"، اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ لَمۡ یَعۡیَ بِخَلۡقِہِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یُّحۡیِ َۧ الۡمَوۡتٰی (الاحقاف: 33) "کیا انہوں نے نہیں جانا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے بنانے میں ذرا تھکن محسوس نہ کی، وہ ضرور مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے"۔ اَوَ لَیۡسَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یَّخۡلُقَ مِثۡلَہُمۡ ؕ بَلٰی ٭ وَ ہُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَاۤ اَمۡرُہٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیۡئًا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ (یٰسین: 82-81) "کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، وہ قدرت نہیں رکھتا کہ ان جیسی (چھوٹی سی) مخلوق پیدا کر سکے، بے شک (وہ ایسا کر سکتا ہے) اور وہی پیدا فرمانے والا، سب کچھ جاننے والا ہے جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کا حکم صرف اتنا ہی ہے کہ وہ فرماتا ہے "ہو جا"، پس وہ ہو جاتی ہے" یہاں فرمایا: اَوَ لَمۡ یَرَوۡا ... یعنی وہ اللہ تعالیٰ جس نے زمین و آسمان کی تخلیق کی، وہ اس بات پر پوری طرح قادر ہے کہ وہ قیامت کے دن از سر نو لوگوں کو پہلے کی طرح پیدا کرے، پھر فرمایا: وَ جَعَلَ لَہُمۡ اَجَلًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ لوٹانے اور قبروں سے اٹھانے کی ایک

1۔ سنن نسائی، کتاب الجنائز، جلد 4 صفحہ 116-117، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 164-165

مدت مقرر کر رکھی ہے جس کا اختتام ضروری ہے جیسا کہ فرمایا: وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ (ہود: 104) ''اور ہم نے اسے موخر نہیں کیا مگر ایک گنی ہوئی مقررہ مدت تک''۔ لیکن قیام حجت کے باوجود ظالم کفر، باطل اور گمراہی کے ساتھ چمٹے رہنے پر بضد ہیں۔

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّیْۤ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا۠ ﴿۱۰۰﴾

''فرمایئے اگر تم مالک ہوتے میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے تو اس وقت تم ضرور ہاتھ روک لیتے اس خوف سے کہیں (سارے خزانے) ختم ہی نہ ہو جائیں۔ واقعی انسان بڑا تنگدل ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ ﷺ ان سے کہہ دیں: اے لوگو! اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں تصرف کرنے کا اختیار مل جائے تو تم اس خوف سے کہ کہیں یہ خزانے ختم نہ ہو جائیں، اپنے ہاتھ روک لو اور بخل کا مظاہرہ کرو۔ حضرات ابن عباس اور قتادہ انفاق کا معنی فقر بتاتے ہیں، یعنی تمہیں یہ اندیشہ دامن گیر ہے کہ اگر یہ خزانے خرچ کیے تو یہ ختم ہو جائیں گے اور ہم بالکل مفلس اور قلاش ہو جائیں گے، حالانکہ یہ خزانے کبھی بھی ختم نہیں ہوتے۔ یہ ہے تمہاری فطرت اور جبلت، اس لئے فرمایا: وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا یعنی انسان بڑا تنگدل، بخیل اور کنجوس ہے۔ ایک اور مقام پر اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا: اَمْ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا (النساء: 53) ''کیا ان کیلئے حکومت میں کوئی حصہ ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگوں کو تل برابر بھی نہ دیتے''۔ اللہ تعالیٰ انسان کی فطرت بیان کرتا ہے کہ جلد بازی، بخل، لالچ اور بے صبری اس کی صفات ہیں، بجز ان لوگوں کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق سے نواز کر راہ ہدایت پر گامزن کر دیا، فرمایا: اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۙ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۙ وَّ اِذَا مَسَّهُ الْخَیْرُ مَنُوْعًا ۙ اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ (المعارج: 22-19) ''بے شک انسان بہت لالچی پیدا ہوا ہے۔ جب اسے تکلیف پہنچے تو سخت گھبرا جانے والا اور جب اسے دولت ملے تو حد درجہ بخیل بجز نمازیوں کے''۔ قرآن کریم میں اس قسم کی اور بھی آیات ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے جود و کرم اور فضل و احسان کی بھی دلیل ہے، حدیث شریف میں آتا ہے: ''اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ دن رات کا خرچ اس میں کمی نہیں لاتا۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے لے کر اب تک جو اس نے خرچ کیا وہ ان خزانوں میں کمی نہیں لا سکا جو اس کے دائیں ہاتھ میں ہیں'' (1)۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَاۤ اَنْزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ بَصَآىِٕرَ ۚ وَ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا ۙ﴿۱۰۳﴾ وَّ قُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا ﴿۱۰۴﴾

''اور ہم نے عطا فرمائی تھیں موسیٰ (علیہ السلام) کو نو روشن نشانیاں آپ خود پوچھ لیں بنی اسرائیل سے جب موسیٰ علیہ السلام آئے تھے ان کے پاس۔ پس فرعون نے آپ کو کہا اے موسیٰ! میں تمہارے متعلق خیال کرتا ہوں کہ تم پر جادو کر دیا گیا ہے۔

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ ہود، جلد 8 صفحہ 352، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد جلد 2 صفحہ 691

کلیم علیہ السلام نے جواباً فرمایا (اے فرعون!) تو خوب جانتا ہے کہ نہیں اتارا ان نشانیوں کو مگر آسمانوں اور زمین کے رب نے یہ بصیرت افروز ہیں۔ اور اے فرعون! میں تیرے متعلق یہ خیال کرتا ہوں کہ تو ہلاک کر دیا جائے گا۔ پس اس نے ارادہ کرلیا کہ بنی اسرائیل کو ملک سے اکھاڑ کر پھینک دے۔ سو ہم نے غرق کر دیا اسے اور اس کے سارے ساتھیوں کو۔ اور ہم نے حکم دیا فرعون کو غرق کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو کہ تم آباد ہو جاؤ اس سرزمین میں پس جب آئے گا آخرت کا وعدہ تو ہم لے آئیں گے تمہیں سمیٹ کر"۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نو نشانیاں اور معجزات عطا فرمائے، یہ آپ کی نبوت کی صحت اور رسالت کی صداقت پر قطعی دلیل تھے، وہ آیات بینات (روشن نشانیاں) یہ ہیں: عصاء، ہاتھ، قحط سالی، سمندر، طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک اور خون۔ یہ تھیں مفصل آیات۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے(1)۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ وہ معجزات یہ ہیں: ید بیضاء، عصا، پانچ وہ جن کا ذکر سورۂ اعراف میں ہے، مالوں کا ختم ہو جانا اور پتھر۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ (ایک دوسری روایت میں)، مجاہد، عکرمہ، شعبی اور قتادہ ان سے یہ مراد لیتے ہیں: ید بیضاء، عصا، قحط سالی، پھلوں میں کمی، طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک اور خون۔ یہ قول واضح عمدہ اور قوی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے قحط سالی اور پھلوں میں کمی کو ایک ہی معجزہ قرار دیا ہے اور آپ کے نزدیک نواں معجزہ آپ علیہ السلام کے عصا کا جادو گروں کے سانپوں کو نگل جانا ہے۔ ان معجزات کے باوجود فرعونیوں کا ردعمل یہ تھا: فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ (الاعراف: 133) "پھر بھی وہ تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ (پیشہ ور) مجرم تھے" یعنی ان معجزات اور نشانیوں کا مشاہدہ کر لینے کے باوجود انہوں نے کفر کرتے ہوئے ان کا انکار کر دیا اور ظلم اور تکبر کا شکار رہے۔ اسی سبب سے یہ معجزات ان میں مؤثر اور مفید ثابت نہ ہوئے۔ ان آیات کا گزشتہ آیات کے ساتھ ربط و تعلق ہے۔ یعنی فرعونیوں کی طرح ان کفار مکہ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات طلب کیے، اگر ہم ان کی خواہش کے مطابق ان کے مطلوبہ معجزات دکھا دیتے تو بھی یہ انہیں نہ قبول کرتے اور نہ ایمان لاتے، بجز اس کے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی وہی کہتے جو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات کا مشاہدہ کر لینے کے باوجود کہا تھا: اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا بعض نے کہا ہے کہ یہاں مسحور (جادو کیا ہوا) بمعنی ساحر (جادوگر) ہے۔ یہ نو آیات جن کا ذکر ان ائمہ نے کیا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں مذکور ہیں: وَ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ... فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ (النمل: 10-12) ان آیات میں عصا اور ید بیضاء دو معجزات کا ذکر ہے جبکہ بقیہ معجزات سورۂ اعراف میں بالتفصیل مذکور ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی معجزات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیے گئے تھے، مثلاً پتھر پر عصا مارنے سے پانی کا پھوٹنا، بادلوں کا بنی اسرائیل کو سایہ کرنا، من و سلویٰ کا اترنا اور دیگر انعامات جو مصر چھوڑنے کے بعد بنی اسرائیل پر کیے گئے، لیکن یہاں صرف ان نو معجزات کا تذکرہ ہے جن کا مشاہدہ فرعونیوں نے کیا تھا، یہ معجزات ان پر حجت تھے لیکن انہوں نے کفر، انکار، مخالفت اور ہٹ دھرمی کی روش اختیار کیے رکھی۔ اس کے برعکس حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ان نو آیات بینات سے اور چیزیں مراد لی گئی ہیں۔ روایت یہ ہے کہ ایک یہودی نے اپنے دوست سے کہا: چلو اس نبی کے پاس چلتے ہیں تاکہ اس سے اس آیت وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى..... کے متعلق دریافت کریں۔ اس کے دوست نے اسے کہا کہ اسے نبی مت کہو، کیونکہ اگر اس نے سن لیا تو بہت مسرور ہوگا۔ چنانچہ ان کے دریافت کرنے پر نبی

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 171

کریم ﷺ نے (یہ نو آیات بتاتے ہوئے) فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، ناحق کسی کو قتل نہ کرو، جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ، کسی بے گناہ کو حاکم کے پاس اس لئے نہ لے جاؤ کہ وہ اسے قتل کردے، پاکدامن عورت پر تہمت نہ لگاؤ یا فرمایا کہ جہاد سے فرار اختیار نہ کرو اور اے یہودو! تمہارے لئے یہ خصوصی حکم ہے کہ سنیچر کے متعلق زیادتی نہ کرو''۔ ان دونوں یہودیوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں چومے اور کہنے لگے کہ ہم گواہی دیتے ہیں آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر میری اتباع کرنے سے تمہیں کونسی چیز مانع ہے؟'' انہوں نے جواب دیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ ان کی نسل سے ہی نبی آتے رہیں ہمیں خطرہ ہے کہ اگر ہم نے اسلام قبول کیا تو یہودی ہمیں قتل کردیں گے''(1)۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ یہ حدیث مشکل ہے کیونکہ اس کے ایک راوی عبداللہ بن سلمہ کے حافظہ میں کچھ نقص تھا، علماء نے ان پر جرح کی ہے، ممکن ہے انہیں شبہ پڑ گیا ہو اور انہوں نے اس شبہ میں نو آیات کی بجائے دس کلمات سمجھ لیے ہوں جو دراصل تورات میں موجود احکام ہیں اور فرعون پر حجت قائم کرنے کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا: وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا مجاہد اور قتادہ مثبور کا معنی بتاتے ہیں: ہلاک ہونے والا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے دو معانی منقول ہیں: ملعون اور مغلوب۔ ضحاک نے بھی اس کا معنی مغلوب کیا ہے، بہر صورت مثبور بمعنی ہالک (ہلاک ہونے والا) ان تمام معانی کو شامل ہے۔

بعض نے عَلِمْتُ (واحد متکلم) پڑھا ہے لیکن جمہور کی قرأت فتح تاء کے ساتھ علمت (واحد مذکر مخاطب) ہے، اس میں خطاب فرعون کو ہے، جیسا کہ فرمایا: فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا (النمل: 14-13) ''پس جب ان کے پاس ہماری بصیرت افروز نشانیاں آئیں تو انہوں نے کہا یہ کھلا ہوا جادو ہے اور انہوں نے محض ظلم اور تکبر کے باعث ان کا انکار کردیا حالانکہ ان کے دلوں نے ان کی صداقت کا یقین کرلیا تھا'' یہ ساری چیزیں اس بات کی دلیل ہیں کہ نو آیات سے مراد عصا، ہاتھ، قحط سالی، پھلوں میں کمی، طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک اور خون ہے۔ یہ نشانیاں فرعونیوں پر قطعی دلائل، موسیٰ علیہ السلام کی صداقت پر دلالت کرنے والے معجزات اور آپ کو رسول بنا کر بھیجنے والے فاعل مختار کے وجود کیلئے عظیم براہان تھیں۔ آیت کریمہ میں مذکور نو آیات سے مراد وہ چیزیں نہیں جو حدیث میں ذکر کی گئی ہیں، حدیث شریف میں تو چند احکام کا ذکر کیا گیا ہے جو فرعون اور اس کی قوم پر حجت نہیں بن سکتے بلکہ ان کے اور فرعون پر حجت قائم کرنے کے درمیان کوئی مناسبت ہی نہیں۔ یہ صرف حدیث کے راوی عبداللہ بن سلمہ کے وہم کا شاخسانہ ہے۔ ان کی بعض روایات منکر ہیں۔ ممکن ہے ان دونوں یہودیوں نے آپ ﷺ سے دس کلمات کے متعلق پوچھا ہو اور راوی نے اشتباہ کی بناء پر نو آیات سمجھ لیا ہو، اس سبب سے وہم ہو گیا۔

فرمایا: فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ۔ یعنی فرعون نے ارادہ کیا کہ وہ انہیں ملک سے باہر دھکیل دے لیکن ہم نے اسے تمام ساتھیوں سمیت غرق کردیا اور اس کے بعد بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ اس سرزمین میں آباد ہو جاؤ۔ اس میں حضرت محمد ﷺ کیلئے فتح مکہ کی بشارت ہے، اگرچہ یہ سورت مکی ہے اور ہجرت سے پہلے اس کا نزول ہوا۔ پھر بالکل اسی طرح ہوا۔ اہل مکہ نے آپ ﷺ کو مکہ سے نکال دینے کا ارادہ کیا، جیسا کہ ایک مقام پر فرمایا، وَ اِنْ كَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِیُخْرِجُوْكَ مِنْهَا ۔۔ (بنی اسرائیل: 76) ''اور انہوں نے ارادہ کرلیا ہے کہ آپ کو اس علاقہ سے پریشان کردیں تاکہ آپ کو یہاں سے نکال دیں'' اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مکہ کا

1۔ سنن نسائی، کتاب التحریم، جلد 7 صفحہ 111، مسند احمد جلد 4 صفحہ 239، عارضۃ الاحوذی، ابواب الاستئذان، جلد 10 صفحہ 193-194 وغیرہ

وارث اور مالک بنا دیا۔ آپ فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے اور اس کے مکینوں پر مکمل تسلط اور غلبہ پا لیا، لیکن اس کے بعد فضل و کرم اور حلم کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں آزاد کر دیا، بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو زمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا اور فرعون کا ملک، فرعونیوں کے خزانے، اموال، کھیتیاں اور پھل ان کی ملکیت میں دے دیئے حالانکہ بنی اسرائیل کو بہت کمزور سمجھا جاتا تھا، اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (الشعراء: 59) یہاں فرمایا: وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۔ لفیف کا معنی ہے تمام کے تمام، یعنی تم اور تمہارے دشمن سبھی کو لایا جائے گا۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَي النَّاسِ عَلٰي مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝

''اور حق کے ساتھ ہی ہم نے اسے اتارا ہے اور حق کے ساتھ ہی وہ اترا ہے۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر (رحمت الٰہی کا) مژدہ سنانے والا اور (عذاب الٰہی سے) ڈرانے والا۔ اور قرآن کو ہم نے جدا جدا کر کے نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب عزیز (قرآن مجید) کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے کہ ہم نے اسے حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور حق کے ساتھ ہی یہ نازل ہوا یعنی یہ حق کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے جیسا کہ فرمایا: ''لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يَشْهَدُوْنَ'' (لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے اس کتاب کے ذریعے جو اس نے آپ ﷺ کی طرف اتاری کہ اس نے اسے اپنے علم سے اتارا ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں) یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے علم کے مطابق اتارا ہے اور اس کے نازل کرنے سے مقصود تمہیں اس کے احکام، اوامر اور نواہی پر مطلع کرنا ہے۔ فرمایا: وَبِالْحَقِّ نَزَلَ یعنی یہ قرآن آپ ﷺ کے پاس بالکل محفوظ پہنچا ہے، اس میں باطل کا شائبہ تک نہیں اور نہ ہی اس میں کمی بیشی کی گنجائش ہے، اسے آپ کے پاس لے کر آنے والا وہ فرشتہ ہے جو بہت طاقتور، امین، معزز اور عالم بالا میں فرشتوں کا سردار ہے۔ پھر فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ ۔ یعنی اے میرے محبوب! ہم نے آپ کو رسول مبعوث فرمایا ہے تاکہ آپ اطاعت گزار مومنوں کو رحمت الٰہی کا مژدہ سنائیں اور نافرمان کافروں کو عذاب سے ڈرائیں۔

دوسری آیت میں فرمایا: وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ ۔ فَرَقْنَا تخفیف کے ساتھ ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہم نے قرآن کریم کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا کے بیت العزت پر نازل فرمایا، پھر تیئیس سال کے عرصہ میں حالات و واقعات کے مطابق اسے قسط وار رسول اللہ ﷺ کی طرف اتارا۔ دوسری قرأت فَرَّقْنَاہُ تشدید کے ساتھ ہے[1]، یعنی ہم نے ایک ایک آیت کر کے اسے وضاحت اور تفسیر کے ساتھ نازل کیا، اسی لئے فرمایا: لِتَقْرَاَهٗ ۔ تاکہ آپ ٹھہر ٹھہر کر لوگوں پر اس کی تلاوت کریں اور ہم نے اسے بتدریج نازل کیا ہے۔

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 178

"آپ (کفار کو) کہئے خواہ تم ایمان لاؤ اس پر یا نہ ایمان لاؤ۔ بے شک وہ لوگ جنہیں دیا گیا ہے علم اس سے پہلے جب اسے پڑھا جاتا ہے ان کے سامنے تو وہ گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے۔ اور کہتے ہیں (ہر عیب اور نقص سے) پاک ہے ہمارا رب، بلاشبہ ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ اور گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل گریہ وزاری کرتے ہوئے اور یہ قرآن ان کے (خضوع و) خشوع کو بڑھا دیتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ قرآن کریم کا انکار کرنے والوں سے کہہ دیں کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا ایمان نہ لاؤ، دونوں چیزیں یکساں ہیں۔ قرآن کریم فی نفسہ حق ہے اور اسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے، بلکہ سابقہ آسمانی کتب میں بھی اس کی شان بیان کی ہے، اس لئے فرمایا: اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ۔۔ یعنی وہ نیکوکار اور صالح فطرت اہل کتاب جنہوں نے اپنی اپنی کتاب کو مضبوطی سے تھاما اور اس میں تغیر و تبدل اور تحریف کے مرتکب نہ ہوئے، جب ان کے سامنے یہ قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرتے ہوئے اور اس انعام کا شکر بجالاتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گر جاتے ہیں کہ اس نے انہیں اس عظیم رسول ﷺ کے پالینے اور آپ پر اترنے والی کتاب سے فیض یاب ہونے کی سعادت مرحمت فرمائی، اس لئے وہ کہتے ہیں: سُبۡحٰنَ۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس بات پر اس کی تعظیم و توقیر کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کرتے ہیں کہ اس نے سابق انبیاء علیہ السلام کی زبانی حضرت محمد ﷺ کی بعثت کا وعدہ پورا کر دیا۔ ان کے متعلق مزید فرمایا: وَیَخِرُّوۡنَ۔۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے جناب میں خشوع وخضوع ایمان اور کتاب و رسول کی تصدیق کے ساتھ گریہ وزاری کرتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں۔ اور قرآن ان کی خشوع وخضوع، ایمان اور جذبہ تسلیم و رضا میں اضافہ کا موجب بنتا ہے، جیسا کہ فرمایا: وَالَّذِیۡنَ اهۡتَدَوۡا زَادَهُمۡ هُدًی وَّاٰتٰهُمۡ تَقۡوٰىهُمۡ (محمد: 17) "اور جو لوگ راہ ہدایت پر چلے، اللہ تعالیٰ ان کے نور ہدایت کو بڑھا دیتا ہے اور انہیں تقویٰ کی توفیق بخشتا ہے"۔ وَیَخِرُّوۡنَ...... میں عطف صفت کا صفت پر ہے نہ کہ ذات (سجود) کا ذات (سجود) پر جیسا کہ اس شعر میں ہے:

اِلَی الۡمَلِکِ الۡقَرۡمِ وَابۡنِ الۡهُمَامِ وَلَیۡثِ الۡکَتِیۡبَةِ فِی الۡمُزۡدَحَمۡ

قُلِ ادۡعُوا اللّٰهَ اَوِ ادۡعُوا الرَّحۡمٰنَ ؕ اَیًّامَّا تَدۡعُوۡا فَلَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی ۚ وَلَا تَجۡهَرۡ بِصَلَاتِکَ وَلَا تُخَافِتۡ بِهَا وَابۡتَغِ بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًا ﴿۱۱۰﴾ وَقُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ لَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّلَمۡ یَکُنۡ لَّهٗ شَرِیۡکٌ فِی الۡمُلۡکِ وَلَمۡ یَکُنۡ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَکَبِّرۡهُ تَکۡبِیۡرًا ﴿۱۱۱﴾

"آپ فرمائیے یا اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو۔ جس نام سے اسے پکارو اس کے سارے نام (ہی) اچھے ہیں۔ اور نہ تو بلند آواز سے نماز پڑھو اور نہ بالکل آہستہ پڑھو اسے اور تلاش کرو ان دونوں کے درمیان (معتدل) راستہ۔ اور آپ فرمائیے سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے نہیں بنایا (کسی کو اپنا) بیٹا اور نہیں ہے جس کا کوئی شریک حکومت وفرمانروائی میں اور نہیں ہے اس کا کوئی مددگار درماندگی میں اور اس کی بڑائی بیان کرو کمال درجہ کی بڑائی"۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رسول ﷺ سے فرماتا ہے کہ آپ ان مشرکین سے کہہ دیں جو اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کا انکار کرتے ہیں اور اسے رحمٰن کہنے سے کتراتے ہیں: ادۡعُوا اللّٰهَ۔۔ یعنی اسے اللہ کہہ کر پکارنے اور رحمٰن کہہ کر پکارنے میں کوئی فرق نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے خوبصورت اور بہترین نام ہیں جیسا کہ فرمایا: هُوَ اللّٰهُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِیۡمُ ﴿﴾ هُوَ

اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (الحشر: 24-22)۔ ایک مشرک نے نبی کریم ﷺ کو سجدہ کی حالت میں یا رحمٰن یا رحیم کہتے ہوئے سن لیا تو کہنے لگا کہ یہ تو خدائے واحد کو پکارنے کا دعویٰ کرتے ہیں اب دو کو پکار رہے ہیں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اس وقت رسول اللہ ﷺ مکہ میں پوشیدہ تھے۔ جب آپ صحابہ کو نماز پڑھاتے تو بلند آواز میں قرأت کرتے' مشرکین قرأت قرآن سن کر قرآن، اسے نازل کرنے والے اور اسے لانے والے کو گالیاں دیتے، اس وقت آپ ﷺ کو یہ حکم ہوا: وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ یعنی آپ بلند آواز سے قرأت نہ کریں کہ مشرکین سن کر قرآن کو سب وشتم کرنے لگیں اور نہ ہی بالکل دھیمی اور پست آواز کے ساتھ قرأت کریں کہ آپ کے ساتھی اسے سن ہی نہ سکیں بلکہ درمیانی راہ اختیار کریں (2)۔ ایک اور روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جب آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو یہ حکم ساقط ہو گیا، اب آپ جیسے چاہیں پڑھیں (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں بلند آواز سے قرآن کریم پڑھتے تو مشرکین آپ سے دور ادھر ادھر بکھر جاتے اور سماع قرآن سے احتراز کرتے جب کوئی آدمی رسول اللہ ﷺ سے تلاوت قرآن سننے کا خواہشمند ہوتا تو وہ ان مشرکین کے خوف سے چوری چھپے سنتا جب وہ دیکھتا کہ مشرکین کو اس بات کا علم ہو گیا ہے تو وہ ان کی ایذا رسانی کے اندیشہ سے وہاں نہ ٹھہرتا اور نہ ہی سنتا اور اگر آپ پست آواز سے قرآن کریم پڑھتے تو یہ چوری چھپے سننے والے نہ سن سکتے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فرمایا کہ بلند آواز میں قرأت نہ کریں کہ لوگ اسے سن کر تتر بتر ہو جائیں اور نہ بالکل دھیمی آواز کے ساتھ قرأت کریں کہ چوری چھپے سننے والوں کیلئے سننا مشکل ہو جائے۔ ممکن ہے آپ کی تلاوت کو سن کر کوئی شخص راہ راست پر آ جائے اور اس قرآن سے نفع حاصل کرے، بلکہ آپ درمیانی آواز کے ساتھ قرأت کیا کریں (4)۔ حضرات عکرمہ، حسن بصری اور قتادہ کا یہی قول ہے کہ یہ آیت نماز میں قرأت کے بارے میں نازل ہوئی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب نماز پڑھتے تو پست آواز سے قرأت کرتے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ بآواز بلند قرأت کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میں اپنے رب کے ساتھ سرگوشی کرتا ہوں اور اسے میری حاجات کا بخوبی علم ہے۔ آپ سے فرمایا گیا کہ بہت خوب۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ جواب دیا کہ میں اسطرح شیطان کو بھگاتا ہوں اور سونے والے کو بیدار کرتا ہوں۔ فرمایا کہ یہ بھی بہت اچھا ہے۔ جب یہ آیت کریمہ وَلَا تَجْهَرْ ...... نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ذرا آواز بلند کرنے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ذرا پست کرنے کا حکم ہوا (5)۔ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی یہی فرماتی ہیں کہ یہ آیت کریمہ دعا کے متعلق اتری۔ مجاہد، سعید بن جبیر، ابو عیاض، مکحول اور عروہ بن زبیر کا بھی یہی قول ہے۔ بنو تمیم کا ایک اعرابی جب بھی نبی کریم ﷺ نماز سے سلام پھیرتے، یہ دعا کرتا کہ یا اللہ! مجھے اونٹ اور اولاد عطا فرما۔ اس وقت یہ آیت اتری۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک اور روایت میں فرماتی ہیں کہ یہ آیت تشہد کے بارے میں نازل ہوئی۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 182 — 2۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 174، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 329 وغیرہ
3۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 185 — 4۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 185 — 5۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 186

اللہ عنہ سے اس آیت کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ ریاکاری کیلئے نماز نہ پڑھو اور نہ لوگوں کے خوف سے اسے ترک کرو۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ اعلانیہ طور پر تو تم بڑے عمدہ طریقے سے نماز پڑھو اور خفیہ طور پر اسے خراب کر کے پڑھو۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اہل کتاب آہستہ آواز سے پڑھتے، اسی دوران کوئی بلند آواز سے کوئی جملہ پڑھتا تو سبھی اس کے ساتھ چلانے لگ جاتے۔ ان لوگوں کی طرح چیخنے اور آواز کو بالکل دھیما کرنے کی ممانعت کردی اور اس درمیانی راہ کو اپنانے کا حکم ہوا جو جبریل علیہ السلام نے بتلائی تھی۔

اسمائے حسنیٰ کے اثبات کے بعد تمام نقائص سے اپنی تنزیہہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ یعنی تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے نہ اپنی کوئی اولاد بنائی اور نہ ہی بادشاہت میں کوئی اس کا شریک ہے بلکہ وہ یکتا اور بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اسے کسی نے جنا اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے، مزید فرمایا: وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ یعنی وہ کوئی حقیر نہیں کہ اسے کسی مددگار، وزیر یا مشیر کی ضرورت پڑے، بلکہ صرف وہی تمام اشیاء کا خالق، مدبر اور مقدر ہے، تمام امور کا دارومدار صرف اس کی مشیت پر ہے۔ مجاہد اس کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ وہ نہ تو کسی کو حلیف بنانے کا محتاج ہے اور نہ کسی کی مدد کا طلب گار۔ آیت کے اختتام میں فرمایا: وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا یعنی ظالموں کی ہرزہ سرائیوں سے آپ خوب اس کی بڑائی، بزرگی اور پاکی بیان کریں۔ قرظی بیان کرتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کہتے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے اور مشرکین یہ کہتے: ''لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ إِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ'' یعنی ہم حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں بجز اس کے جسے تو نے اپنا شریک بنایا، تو اس کا بھی مالک ہے اور اس کا بھی جس کا وہ مالک ہے۔ صابی اور مجوسی کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے اولیاء (مددگار) نہ ہوتے تو وہ بے بس ہو جاتا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ نبی کریم ﷺ اپنے گھر کے چھوٹے بڑے سبھی افراد کو یہ آیت سکھایا کرتے تھے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس آیت کو آیۃ العز (عزت والی آیت) کا نام دیا (2) بعض آثار میں ہے کہ رات کے وقت کسی گھر میں اگر یہ آیت پڑھی جائے تو وہاں نہ کوئی چور نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ کوئی دوسری آفت۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں نکلا، آپ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا یا میرا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں تھا۔ ایک خستہ حال شخص کے پاس سے گزر ہوا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ''ارے فلاں! یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے؟'' اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! بیماری اور تکلیف نے یہ حال بنا رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا'' کیا میں تمہیں ایسے کلمات نہ سکھاؤں جن کے سبب سے تمہاری بیماریاں اور تکالیف رفع ہو جائیں؟'' اس نے عرض کی: کیوں نہیں، ضرور بتلائیے، ان کے مقابلے میں آپ ﷺ کی معیت میں بدر یا احد میں عدم شرکت کا مجھے کوئی غم نہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ ہنس دیئے اور فرمایا: '' کیا اہل بدر اور اہل احد وہ پاسکتے ہیں جو ایک قانع فقیر پالیتا ہے؟'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے ہی یہ کلمات سکھا دیجئے، آپ نے فرمایا: '' اے ابوہریرہ! کہو: '' تَوَكَّلْتُ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا۔ '' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے، اس وقت میری حالت بہت سنور چکی تھی۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں تو مسلسل ان کلمات کا ہی ورد کرتا رہا جو آپ نے مجھے سکھائے تھے، ان سے ہی حالت بہتر ہوگئی (3)۔ اس کی سند ضعیف ہے اور اس کے متن میں نکارت ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 189 2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 439-440، مجمع الزوائد، جلد 7 صفحہ 52

3۔ مسند ابی یعلی، جلد 6 صفحہ 132، مجمع الزوائد، جلد 7 صفحہ 52

سورہ کہف (مکیہ)

اس سورت کے فضائل کا تذکرہ، خصوصاً اس کی اول آخر دس آیات کی فضیلت کا بیان اور اس بات کا ذکر کہ یہ سورت فتنۂ دجال سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صحابی اپنے گھر میں سورہ کہف کی تلاوت کر رہے تھے، ان کے گھر میں ایک جانور تھا، وہ بدکنے اور اچھلنے لگا۔ صحابی نے ادھر نظر دوڑائی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بادل اس پر چھایا ہوا ہے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ''اسے پڑھتے رہو، کیونکہ یہ وہ سکینہ ہے جس کا نزول تلاوت قرآن کے وقت ہوتا ہے''(1)۔ یہ صحابی حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ تھے جیسا کہ سورۃ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے سورہ کہف کی ابتدائی دس آیات حفظ کر لیں وہ فتنۂ دجال سے محفوظ ہو گیا''(2)۔ نسائی کے الفاظ یہ ہیں کہ جس نے سورہ کہف کی دس آیات کی تلاوت کی۔ .. نسائی میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''جس نے سورۂ کہف کی آخری دس آیتیں پڑھیں تو اسے دجال سے حفاظت میسر آ گئی''۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''جس نے سورۂ کہف کے اول آخر کی تلاوت کی، اس کیلئے اس کے قدموں سے سر تک نور ہوگا اور جس نے پوری سورۂ کہف پڑھ لی تو اس سے اسے زمین سے آسمان تک کا نور ملے گا''(3)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت کرے، اسے پاؤں کے تلووں سے لے کر آسمان کی بلندی تک کا نور ملے گا جو روز قیامت خوب چمکے گا اور دو جمعوں کے درمیان اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے''(4)۔ اس کی سند غریب ہے اور اس کے مرفوع ہونے میں شک ہے، زیادہ بہتر تو اس کا موقوف ہونا معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھی، اسے اپنے پاس سے لے کر بیت اللہ شریف تک نور مل گیا۔ مستدرک حاکم میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے جمعہ کے روز سورۂ کہف پڑھی، اسے دو جمعوں کے درمیان تک روشنی مل جاتی ہے''(5)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''جس نے سورۂ کہف کی تلاوت اسی طرح کی جس طرح وہ نازل ہوئی ہے، قیامت کے دن یہ اس کیلئے باعث نور ہو گی''(6) حافظ ضیاء مقدسی کی کتاب المختارہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھی، وہ آٹھ دنوں تک ہر قسم کے فتنہ سے محفوظ ہو گیا اور اگر اس دوران دجال بھی نکلے تو بھی اس سے محفوظ ہو گا''۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، جلد 4 صفحہ 245، صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1 صفحہ 547-548

2۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین جلد 1 صفحہ 555، سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، جلد 4 صفحہ 117

3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 439

4۔ کنز العمال، جلد 1 صفحہ 576

5۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 368

6۔ سنن البیہقی، کتاب الجمعۃ، جلد 3 صفحہ 249

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰى عَبۡدِهِ الۡكِتٰبَ وَلَمۡ يَجۡعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ؕ‏ ﴿۱﴾ قَيِّمًا لِّيُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِيۡدًا مِّنۡ لَّدُنۡهُ وَيُبَشِّرَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ الَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ اَجۡرًا حَسَنًا ۙ‏ ﴿۲﴾ مّٰكِثِيۡنَ فِيۡهِ اَبَدًا ۙ‏ ﴿۳﴾ وَّيُنۡذِرَ الَّذِيۡنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۗ‏ ﴿۴﴾ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمۡ‌ ؕ كَبُرَتۡ كَلِمَةً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ‌ ؕ اِنۡ يَّقُوۡلُوۡنَ اِلَّا كَذِبًا ﴿۵﴾

''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے نازل فرمائی اپنے (محبوب) بندے پر یہ کتاب اور نہیں پیدا ہونے دی اس میں ذرا بھی (اور معاش و معاد کو) درست کرنے والی ہے تاکہ ڈرائے سخت گرفت سے جو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور یہ مژدہ سنائے ان اہل ایمان کو جو کرتے ہیں نیک اعمال کہ بے شک ان کے لئے بہت عمدہ جزا ہے۔ وہ ٹھہریں گے اس (جنت) میں تا ابد اور تاکہ ڈرائے ان (نادانوں) کو جو یہ کہتے ہیں کہ بنالیا ہے اللہ نے (فلاں کو اپنا) بیٹا۔ نہ انہیں اللہ (کی ذات و صفات) کا کچھ علم ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو۔ کتنی بڑی ہے وہ بات جو نکلتی ہے ان کے مونہوں سے۔ وہ نہیں کہتے مگر (سرتاسر) جھوٹ''۔

تفسیر کے آغاز میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر امر کے آغاز اور اختتام پر اپنی حمد اور تعریف بیان کرتا ہے کیونکہ وہ ہر حال میں قابل ستائش اور لائق ثنا ہے۔ اول آخر اور دنیا و آخرت میں ہر قسم کی تعریف و توصیف کا مستحق صرف وہی ہے، اس لئے جب اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ پر قرآن کریم اتارنے کا ذکر کرنا چاہا تو پہلے اپنی حمد اور توصیف بیان کی کیونکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی اور گرانقدر نعمت ہے جو اس نے اہل زمین کو ارزانی فرمائی اور اسے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے جانے کا وسیلہ بنایا۔ یہ ایسی کتاب مستقیم ہے جس میں نہ کوئی کجی ہے اور نہ کوئی نقص، بلکہ یہ تو راہ ہدایت اور صراط مستقیم پر گامزن کرنے والی، واضح، جلی اور ظاہر کتاب ہے جو کافروں کو عذاب سے خبردار کرنے والی ہے اور مومنوں کو رحمت الٰہی کا مژدہ سنانے والی ہے، اسی لیے فرمایا: وَلَمۡ يَجۡعَلْ لَّهٗ عِوَجًا یعنی اس میں کجی اور انحراف نام کی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ معتدل اور مستقیم ہے، قَیِّم کا معنی ہے: مستقیم۔ اس عظیم کتاب کو اتارنے کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا: لِّيُنۡذِرَ بَاۡسًا...... تاکہ آپ اس کی مخالفت کرنے والوں، جھٹلانے والوں اور اس پر ایمان نہ لانے والوں کو دنیا و آخرت میں جلد اور بدیر ملنے والے اللہ تعالیٰ کے شدید عذاب اور سخت گرفت سے ڈرائیں، اس جیسا نہ کسی کا عذاب ہے اور نہ کسی کی گرفت، اور اس قرآن کے ذریعے اپنے ایمان کو اعمال صالحہ کے ذریعے سچ کر دکھانے والے اہل ایمان کو یہ مژدہ سنادیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں جنت کی صورت میں بہت عمدہ اجر ملے گا، جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ وہ کبھی فنا ہوں گے اور نہ ان کی نعمتیں ختم ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان وَّيُنۡذِرَ الَّذِيۡنَ قَالُوا کے متعلق ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ مشرکین عرب تھے جو یہ کہا کرتے تھے کہ ہم فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں اور وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اس کے جواب میں فرمایا: مَا لَهُمۡ بِهٖ یعنی یہ جو انہوں نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا ہے۔ اس کے متعلق نہ انہیں کچھ علم ہے اور نہ ان کے آباؤ اجداد کو کچھ علم تھا۔ ''کلمۃ'' کا لفظ بطور تمیز منصوب ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی: ''كَبُرَتۡ كَلِمَتُهُمۡ هٰذِهٖ كَلِمَةً'' بعض بصری کہتے ہیں کہ یہ تعجب کے طور پر ہے، تقدیر کلام یہ ہے: ''اَعۡظِمۡ بِكَلِمَتِهِمۡ كَلِمَةً'' جیسے کہا جاتا

ہے: ''اَکْرِمْ بِزَیْدٍ رَجُلًا'' (زید کتنا کریم آدمی ہے!)۔ مکہ کے بعض قراء نے کَبُرَتْ کَلِمَةٌ پڑھا ہے(1)۔ جیسے کہا جاتا ہے: ''عَظُمَ قَوْلُكَ وَكَبُرَ شَاْنُكَ''۔ جمہور کی قرأت کے مطابق معنی زیادہ واضح ہے کیونکہ مشرکین کے اتہام کی قباحت اور اللہ تعالیٰ پر ان کے غیر معمولی بہتان کا بیان مقصود ہے اس لئے فرمایا: كَبُرَتْ كَلِمَةً ۔ یعنی بجز کذب وافتراء کے ان کی بات کسی دلیل یا حجت پر مبنی نہیں ہے، اس لئے فرمایا: اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا۔

محمد بن اسحاق اس سورت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قریش نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ کے یہودی علماء کے پاس بھیجا کہ تم ان کے پاس جاؤ اور محمد ﷺ کے متعلق سارے حالات ان کے گوش گزار کرو، چونکہ وہ اہل کتاب ہیں اور ان کے پاس سابقہ انبیاء کا علم ہے جو ہمارے پاس نہیں، اس لئے وہ اس بارے میں بہتر رائے دے سکتے ہیں، چنانچہ وہ دونوں مدینہ پہنچے اور علماء یہود سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت دریافت کرنے لگے۔ آپ ﷺ کے حالات، اوصاف اور بعض تعلیمات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ تم اہل تورات ہو اس لئے ہمیں بتاؤ تمہارا ہمارے اس صاحب (نبی کریم ﷺ) کے متعلق کیا خیال ہے؟ وہ کہنے لگے کہ تم جا کر ان سے تین سوالات کرو، اگر تو وہ ان کے جوابات دے دیں تو سچے نبی ہیں ورنہ جھوٹے آدمی، پھر ان کے بارے میں جو جی میں آئے کرنا، ان سے پوچھیں کہ پہلے زمانے میں چند نوجوان ہو گزرے ہیں، ان کا بہت عجیب وغریب قصہ ہے وہ کون تھے؟ دوسرا سوال ایک آدمی کے متعلق پوچھنا جس نے مشرق ومغرب کا چکر لگایا تھا، اس کا کیا واقعہ ہے؟ تیسرا سوال ان سے روح کی حقیقت کے متعلق پوچھنا کہ روح کیا ہے؟ اگر وہ تمہیں ان چیزوں کے متعلق تسلی بخش جواب دے دیں تو سمجھ لینا وہ واقعی نبی ہیں اور پھر بلا تامل ان کی اتباع کرنا اور اگر تمہیں ان سوالات کے جوابات نہ دے سکیں تو یقین کر لینا کہ وہ جھوٹے ہیں پھر اپنی سوچ کے مطابق ان سے سلوک کرنا۔ یہ باتیں پلے باندھ کر نضر اور عقبہ دونوں واپس آ کر قریش سے کہنے لگے کہ ہم ایک فیصلہ کن بات لے آئے ہیں، ابھی تمہارے اور محمد ﷺ کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا۔ بات یہ ہے کہ یہود نے ہمیں محمد ﷺ کی آزمائش کرنے کیلئے کچھ سوالات بتائے ہیں۔ انہوں نے قریش کو ان کے متعلق آگاہ کر دیا، چنانچہ وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور یہود کے تجویز کردہ سوالات کے جوابات دینے کا آپ ﷺ سے مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں کل تمہیں ان سوالات کا جواب دوں گا لیکن آپ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے۔'' قریش واپس چلے گئے۔ پندرہ دن گزر گئے، اس دوران نہ آپ ﷺ پر وحی اتری اور نہ جبریل علیہ السلام آئے۔ اہل مکہ میں شور بپا ہو گیا، کہنے لگے کہ محمد ﷺ نے کل کا وعدہ کیا تھا لیکن اب پندرہ دن گزر گئے ہیں۔ ہمیں کوئی جواب ہی نہیں دیا۔ انقطاع وحی کے باعث رسول اللہ ﷺ بہت رنجیدہ ہوئے اور اہل مکہ کی ہرزہ سرائیاں آپ پر بہت شاق گزریں۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورۂ کہف لے کر آئے، جس میں ان شاء اللہ نہ کہنے پر آپ ﷺ کو عتاب کیا گیا اور مشرکین مکہ کے سوالات کے جوابات بیان کیے گئے، یعنی نوجوانوں کا قصہ، مشرق ومغرب کی گشت لگانے والے کا واقعہ اور اس آیت (وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ..) میں روح کا بیان(2)۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝

1۔ دیکھئے تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 194

2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 191-192، سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 300، مابعد

”تو کیا آپ (فرط غم سے) تلف کردیں گے اپنی جان کو ان کے پیچھے اگر وہ ایمان نہ لائے اس قرآن کریم پر افسوس کرتے ہوئے۔ بیشک ہم نے بنایا ان چیزوں کو جو زمین پر ہیں اس کے لئے باعث زینت و آرائش تاکہ ہم انہیں آزمائیں کہ ان میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے۔ اور ہم ہی بنانے والے ہیں ان چیزوں کو جو زمین پر ہیں (ویران کر کے) چٹیل میدان، غیر آباد“۔

مشرکین ایمان لانے پر آمادہ نہ ہوتے اور نبی کریم ﷺ سے دور بھاگتے، اس سے آپ ﷺ کو بہت رنج ہوتا، اس پر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو تسلی دے رہا ہے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ (فاطر: 8) ”پس فرط غم سے ان کیلئے آپ کی جان نہ گھلے“۔ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ (النحل: 127) ”اور آپ ان (کی ہٹ دھرمی) پر رنجیدہ نہ ہوا کریں“، لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء: 3) ”شاید آپ اپنے آپ کو اس غم میں ہلاک کردیں کہ وہ ایمان نہیں لا رہے“۔ باخع کا معنی ہے ہلاک کرنے والا اور حدیث سے مراد قرآن کریم ہے۔ یعنی اگر یہ اس قرآن پر ایمان نہیں لاتے تو کیا آپ ان کے پیچھے فرط غم سے اپنی جان کو تلف کردیں گے؟ ”اسفا“ کا معنی بقول قتادہ: فرط غضب اور فرط غم کا اظہار کرتے ہوئے، مجاہد کہتے ہیں کہ گھبراہٹ اور بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے، یہ سب معانی قریب قریب ہیں، یعنی آپ ان کفار پر افسوس اور غم نہ کریں بلکہ اطمینان سے اللہ تعالیٰ کا پیغام ان تک پہنچا دیں، جو ہدایت قبول کرتا ہے اس میں اسی کا فائدہ ہے اور جو گمراہی پر مصر رہتا ہے اس کا وبال اسی پر ہوگا، اس لئے آپ غم و حسرت کے باعث اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو دار فنا بنایا ہے اور اسے فنا پذیر زینت کے ساتھ آراستہ کیا۔ یہ دنیا دار امتحان ہے، دار قرار نہیں۔ اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّا جَعَلْنَا حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دنیا شیریں اور سرسبز و شاداب ہے، اس میں اللہ تعالیٰ تمہیں خلیفہ بنا کر دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو، دنیا اور عورتوں سے بچو کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلے سر اٹھانے والا فتنہ عورت ہی کے متعلق تھا“ (1)۔ پھر اس دنیا کے زوال، فنا، انتہا اور بربادی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ یعنی ہم زمین کو مزین اور آراستہ کرنے کے بعد تباہی و بربادی کے گھاٹ اتار دیں گے اور اس پر موجود ہر چیز کو فنا کر کے اسے غیر آباد، بنجر اور چٹیل میدان بنا دیں گے، جہاں نہ کوئی چیز اگ سکے گی اور نہ کوئی دوسرا فائدہ حاصل ہو سکے گا، جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ۭ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ (السجدۃ: 27) ”کیا انہوں نے ملاحظہ نہیں کیا کہ ہم بنجر زمین کی طرف پانی لے جاتے ہیں پھر ہم اس کے ذریعے کھیتی نکالتے ہیں، کھاتے ہیں اس سے ان کے چوپائے اور وہ خود بھی، کیا وہ نہیں دیکھتے؟“ محمد بن اسحاق اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ روئے زمین پر ہر چیز فانی اور زوال پذیر ہے، ہر ایک کو آخرکار اللہ تعالیٰ کی جناب میں پیش ہونا ہے، اس لئے جو بھی سنیں یا دیکھیں اس پر غم اور افسوس نہ کریں (2)۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ⑨ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ⑩ فَضَرَبْنَا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الرقاق، جلد 4 صفحہ 2098، عارضۃ الاحوذی، ابواب الفتن، جلد 9 صفحہ 40-44 2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 196

عَلٰۤى اٰذَانِهِمْ فِی الْكَهْفِ سِنِیْنَ عَدَدًاۙ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْۤا اَمَدًا۝

"کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور رقیم والے ہماری ان نشانیوں میں سے ہیں جو تعجب خیز ہیں۔ (یاد کرو) جب پناہ لی ان جوانوں نے غار میں پھر انہوں نے دعا مانگی اے ہمارے رب! ہمیں مرحمت فرما اپنی جناب سے رحمت اور مہیا فرما ہمارے لئے اس کام میں ہدایت۔ پس ہم نے بند کر دیئے ان کے کان (سننے سے) اس غار میں کئی سال تک جو گنے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے انہیں بیدار کر دیا تاکہ ہم دیکھیں کہ ان دو گروہوں میں سے کون صحیح شمار کر سکتا ہے اس مدت کو جو وہ (غار میں) ٹھہرے تھے"۔

پہلے اجمال و اختصار کے ساتھ اصحاب کہف کا قصہ بیان ہو رہا ہے، پھر شرح و بسط اور مکمل تفصیلات کے ساتھ اس کا بیان ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اَمْ حَسِبْتَ یعنی ہماری قدرت کے سامنے یہ کوئی بڑا تعجب خیز واقعہ نہیں بلکہ بہت معمولی واقعہ ہے، اگر اس کی قدرت ملاحظہ کرنا مقصود ہے تو زمین و آسمان کی تخلیق، گردش لیل و نہار، تسخیر شمس و قمر اور دیگر بے شمار نشانیوں کو دیکھیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، اسے ہر چیز پر پوری پوری قدرت اور مقدرت حاصل ہے اور کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی۔ یہ تمام اشیاء اصحاب کہف کے قصہ سے زیادہ تعجب خیز ہیں جیسا کہ مجاہد اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ ہماری ایسی نشانیاں بھی ہیں جو اس واقعہ سے بھی زیادہ باعث تعجب ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے آپ کو جس علم، سنت اور کتاب سے نوازا ہے وہ اصحاب کہف و رقیم کے قصہ سے افضل ہے۔

کہف سے مراد پہاڑ کے اندر وہ غار ہے جس میں مذکورہ نوجوانوں نے پناہ لی تھی۔ رقیم کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، عطیہ عوفی اور قتادہ کہتے ہیں کہ یہ ایلہ کے قریب ایک وادی ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ کہف تو وادی کی غار ہے اور رقیم اس وادی کا نام ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ رقیم ان کی عمارت کا نام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ وادی ہے جہاں یہ غار تھی۔ حضرت کعب کا خیال ہے کہ رقیم بستی کا نام ہے۔ ابن جریج حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رقیم وہ پہاڑ ہے جہاں یہ غار تھی۔ مجاہد حضرت ابن عباس سے بیان کرتے ہیں کہ اس پہاڑ کا نام بنجلوس ہے(1)۔ شعیب جبائی بھی یہی کہتے ہیں کہ جس پہاڑ میں یہ غار ہے اس کا نام بنجلوس ہے، غار کا نام حیزم اور کتے کا نام حمران۔ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ سارے قرآن کا مجھے علم ہے سوائے حنان، اواہ اور رقیم کے کلمات کے۔ آپ رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم رقیم کیا ہے؟ کتاب ہے یا عمارت؟ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے رقیم بمعنی کتاب نقل کیا ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ رقیم پتھر کی ایک لوح تھی جس پر اصحاب کہف کا قصہ لکھ کر اسے غار کے دروازے پر رکھ دیا گیا تھا(2)۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ رقیم سے مراد کتاب ہے، قرآن پاک میں آتا ہے کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ (المطففین:20) آیت کا ظاہر تو اس کی تائید کرتا ہے اور ابن جریر نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رقیم فعیل کے وزن پر مرقوم مفعول کے معنی میں ہے، یعنی لکھا ہوا جیسے قتیل بمعنی مقتول اور جریح (زخمی) بمعنی مجروح۔

اللہ تعالیٰ اپنے اس فرمان اِذْ اَوَى الْفِتْیَةُ میں ان نوجوانوں کے متعلق خبر دے رہا ہے جو اپنے دین کی حفاظت کی خاطر اپنی قوم

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 199
2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 199

سے بھاگ کھڑے ہوئے تاکہ وہ اپنی دولت ایمان بچالیں اور لوگ انہیں اپنے دین سے برگشتہ نہ کرسکیں۔ اپنی قوم سے روپوش ہونے کیلئے وہ ایک پہاڑی غار میں پناہ گزیں ہوگئے۔ غار میں داخل ہوتے وقت انہوں نے اللہ تعالیٰ سے رحمت اور لطف وکرم کی التجا کی: رَبَّنَاۤ اٰتِنَا۔ یعنی اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی جناب سے خصوصی رحمت مرحمت فرما تاکہ ہم ان کے جبر وتشدد سے محفوظ رہیں اور ان کی آنکھوں سے اوجھل ہوجائیں اور ہمیں اپنے معاملہ میں ہدایت نصیب فرما یعنی ہمارے معاملہ کا انجام سراسر ہدایت اور خیر پر مبنی ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "وَمَا قَضَيْتَ لَنَا مِنْ قَضَاءٍ فَاجْعَلْ عَاقِبَتَهُ رَشَدًا" (1)۔ یعنی اے پروردگار! تو ہمارے لئے جو بھی فیصلہ کرے اس کا انجام بخیر فرما۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے: "اے اللہ! تمام امور میں ہماری عاقبت کو بہتر بنا اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے اپنی پناہ عطا فرما" (2)۔ پھر فرمایا: فَضَرَبۡنَا عَلٰۤی اٰذَانِہِمۡ یعنی جب وہ غار میں داخل ہوئے تو ہم نے ان پر نیند طاری کردی اور وہ کئی سال سوئے رہے، پھر ہم نے انہیں نیند سے بیدار کیا تو ان میں سے ایک بچھ درہم لے کر گیا تاکہ کھانا خرید لائے، اس کی تفصیلات عنقریب بیان ہوں گی، اس لئے فرمایا: ثُمَّ بَعَثۡنٰہُمۡ یعنی ہم نے انہیں بیدار کیا تاکہ ان کے بارے میں اختلاف کرنے والے دو گروہوں کو ہم دیکھ لیں کہ کون ان کے ٹھہرنے کی مدت کو زیادہ صحیح شمار کرنے والا ہے۔ "اَمَدًا" کا معنی ہے تعداد، گنتی یا غایت۔

نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡکَ نَبَاَہُمۡ بِالۡحَقِّ ؕ اِنَّہُمۡ فِتۡیَۃٌ اٰمَنُوۡا بِرَبِّہِمۡ وَ زِدۡنٰہُمۡ ہُدًی ﴿٭ۖ﴾ وَّ رَبَطۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ اِذۡ قَامُوۡا فَقَالُوۡا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَنۡ نَّدۡعُوَا۠ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِلٰـہًا لَّقَدۡ قُلۡنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۝﴾ ہٰۤؤُلَآءِ قَوۡمُنَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اٰلِـہَۃً ؕ لَوۡ لَا یَاۡتُوۡنَ عَلَیۡہِمۡ بِسُلۡطٰنٍۭ بَیِّنٍ ؕ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ﴿ؕ۝﴾ وَ اِذِ اعۡتَزَلۡتُمُوۡہُمۡ وَ مَا یَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰہَ فَاۡوٗۤا اِلَی الۡکَہۡفِ یَنۡشُرۡ لَکُمۡ رَبُّکُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِہٖ وَ یُہَیِّیٔۡ لَکُمۡ مِّنۡ اَمۡرِکُمۡ مِّرۡفَقًا ﴿۝﴾

"(اے حبیب!) ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ان کی خبر ٹھیک ٹھیک۔ بے شک وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کے (نور) ہدایت میں اضافہ کردیا۔ اور ہم نے مضبوط کردیا ان کے دلوں کو جب وہ راہ حق میں کھڑے ہوگئے تو انہوں نے (برملا) کہہ دیا ہمارا پروردگار وہ ہے جو پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا ہم ہرگز نہیں پکاریں گے اس کے سوا کوئی معبود (اگر ہم ایسا کریں) تو گویا ہم نے ایسی بات کہی جو حق سے دور ہے۔ یہ ہماری قوم ہے جنہوں نے بنالیا ہے اس کے سوا غیروں کو (اپنے) خدا۔ کیوں نہیں پیش کرتے ان (کی خدائی) پر کوئی ایسی دلیل جو روشن ہو۔ ورنہ پھر اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتا ہے۔ اور جب تم الگ ہوگئے ہو ان (کفار) سے اور ان معبودوں سے جن کی یہ پوجا کرتے ہیں اللہ کے سوا تو اب پناہ لو غار میں پھیلا دے گا تمہارے لئے تمہارا رب اپنی رحمت (کا دامن) اور مہیا کردے گا تمہارے لئے تمہارے اس کام میں آسانیاں"۔

یہاں سے اس قصہ کی تفصیلات شروع ہورہی ہیں۔ یہ چند نوجوان تھے جو بڑے بوڑھوں کی نسبت زیادہ ہدایت یافتہ اور قبول حق پر

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الدعاء، جلد 2 صفحہ 120 ... جلد 1 صفحہ 521-522 2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 181

آمادہ تھے کیونکہ عمر رسیدہ سرکشی پر بضد رہے اور باطل دین کے ساتھ ہی چمٹے رہے، یہی کیفیت قریش کی بھی تھی۔ اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کی اکثریت نوجوانوں پر مشتمل تھی جبکہ زیادہ تر قریشی بوڑھے اپنے دین پر ڈٹے رہے اور ان میں سے بہت ہی کم لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اسی طرح اصحاب کہف کے متعلق بتایا کہ وہ چند نوجوان تھے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ان میں سے کسی کے کانوں میں بالیاں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ہدایت و تقویٰ کا نور ڈال دیا، وہ اپنے رب پر ایمان لائے، اس کی وحدانیت کا اعتراف کیا اور اس بات کی گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر مزید کرم نوازی فرماتے ہوئے ان کے نور ہدایت میں اور اضافہ کر دیا۔ اس ارشاد وَزِدْنٰهُمْ هُدًى اور اس قسم کی دیگر آیات سے امام بخاری اور دوسرے متعدد آئمہ کرام نے ایمان کی زیادتی اور تفاضل پر استدلال کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ممکن ہے۔ دوسرے مقامات پر فرمایا: وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ (محمد: 17) ''اور جو لوگ راہ ہدایت پر چلے، اللہ تعالیٰ ان کے نور ہدایت کو بڑھا دیتا ہے اور انہیں تقویٰ کی توفیق بخشتا ہے''۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (التوبہ: 124) ''اس سورت نے ایمان والوں کے ایمان میں اضافہ کر دیا اور وہ خوشیاں منا رہے ہیں''۔ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ (الفتح: 4) ''تاکہ وہ اپنے (پہلے) ایمان کے ساتھ ایمان میں اور بڑھ جائیں''۔ علاوہ ازیں اس پر دلالت کرنے والی اور بھی متعدد آیات ہیں(1)۔

ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ نوجوان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر کاربند تھے لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دور ملت نصرانیت سے قبل کا ہے کیونکہ اگر یہ نصرانیت کے پیروکار ہوتے تو علماء یہود مخالفت کی بناء پر اسقدر توجہ سے ان کے حالات محفوظ نہ رکھتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت گزر چکی ہے کہ قریش نے مدینہ کے یہودی علماء سے چند باتوں کا تقاضا کیا تھا جن کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی آزمائش کر سکیں، چنانچہ انہوں نے اصحاب کہف، ذوالقرنین اور روح کے متعلق سوالات تجویز کیے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل کتاب کی کتابوں میں یہ قصہ موجود تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نصرانیت سے پہلے کسی دور میں وقوع پذیر ہوا۔

فرمایا: وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ　یعنی جب ان کی قوم نے ان کی مخالفت کی اور انہوں نے عیش و آرام اور پر لطف زندگی کو خیرباد کہہ دیا تو ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا اور انہیں صبر کی دولت سے نوازا۔ متعدد مفسرین کا کہنا ہے کہ وہ روم کے امراء و رؤساء کے فرزند تھے۔ ایک مرتبہ عید کے تہوار پر وہ بھی باقی لوگوں کے ساتھ نکلے۔ عید منانے کیلئے شہر سے باہر ان کا اجتماع ہوتا تھا۔ وہ وہاں بتوں کی پرستش کرتے اور ان کے نام پر جانور ذبح کرتے۔ ان کا بادشاہ بہت جابر اور سرکش تھا، اس کا نام دقیانوس تھا۔ وہ لوگوں کو طاقت کے زور پر بت پرستی کی دعوت دیتا اور شرک پر اکساتا۔ جب اس اجتماع میں شرکت کرنے کیلئے لوگ نکلے تو یہ نوجوان بھی اپنے آباء اور دیگر افراد کے ساتھ اس تہوار میں شریک ہونے کیلئے نکل پڑے، وہاں جب ان نوجوانوں نے بصیرت کی آنکھ سے لوگوں کو شرک اور بت پرستی کا ارتکاب کرتے ہوئے اور غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرتے ہوئے دیکھا تو وہ پہچان گئے کہ یہ لوگ جو کچھ بتوں کیلئے کر رہے ہیں، یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کو زیبا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی۔ چنانچہ وہ ایک ایک کر کے وہاں سے کھسکتے ہوئے الگ تھلگ ہو گئے۔ سب سے پہلا نوجوان جس نے اپنی قوم کے ان اعمال سے بیزاری کا اظہار کیا تھا، وہ الگ ہو کر ایک درخت کے سائے تلے آ بیٹھا، پھر دوسرا نوجوان وہاں اس کے پاس ہی آ بیٹھا، اسی طرح وہ سبھی وہاں جمع ہو گئے، حالانکہ ان کے درمیان کوئی جان پہچان نہیں تھی لیکن اس ذات نے انہیں وہاں جمع کر دیا

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 8، جلد 4 صفحہ 175

جس نے ان کے دلوں کو ایمان پر جمع کیا تھا، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: "اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ" (1)۔ یعنی ارواح ایک جمع شدہ لشکر ہیں ان میں سے جو (روز ازل) متعارف ہو گئیں، ان کے درمیان (دنیا میں) الفت پیدا ہو جاتی ہے اور جو (وہاں) اجنبی رہیں، ان میں (یہاں) اختلاف رہتا ہے۔ عرب کہتے ہیں: "اَلْجِنْسِيَّةُ عِلَّةُ الضَّمِّ" یعنی جنسیت میں جول کا سبب ہے۔ غرض یہ کہ ان میں سے ہر ایک باقی ساتھیوں سے اپنی حقیقت کو چھپائے ہوئے تھا کیونکہ ہر ایک کو یہ خوف دامن گیر تھا کہ اگر حقیقت سے پردہ اٹھ گیا تو اس کے سنگین نتائج برآمد ہوں گے اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا، حالانکہ ان سب کی حقیقت یکساں نوعیت کی تھی، آخرکار ایک نوجوان نے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھ ہی لیا کہ اے میرے دوستو! کوئی ایسا سبب ضرور ہے جس کی بناء پر تم لوگوں سے اور کھیل تماشے سے منہ موڑ کر بالکل الگ تھلگ یہاں آ بیٹھے ہو۔ ہر شخص کو اپنے دل کی بات بتا دینی چاہئے۔ اس پر ایک دوسرا نوجوان کہنے لگا کہ میں نے اپنی قوم کو باطل روش اور مشرکانہ عقائد اپنائے ہوئے دیکھا ہے۔ عبادت کا مستحق تو صرف اللہ وحدہ لاشریک ہے جس نے زمین و آسمان اور ان میں موجود ہر چیز کو پیدا کیا۔ دوسرے نوجوان نے کہا کہ میرا معاملہ بھی یہی ہے حتیٰ کہ بھی توحید کا اقرار کرتے ہوئے ایک بات پر متفق ہو گئے اور تمام سچے بھائی بھائی بن گئے۔ انہوں نے اپنے لیے ایک عبادت خانہ تیار کر لیا جہاں وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہنے لگے۔ لوگوں کو جب ان کے متعلق علم ہوا تو انہوں نے بادشاہ کے ہاں ان کی چغلی کھائی۔ بادشاہ نے انہیں اپنے پاس بلا کر حقیقت حال واضح کرنے کیلئے ان سے استفسار کیا تو انہوں نے بلا کم و کاست حق بات واضح کر دی، بلکہ بادشاہ کو بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنے کی دعوت دی، اسی چیز کو اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ　　"لَنْ" ہمیشہ کی نفی کیلئے آتا ہے۔ یعنی کبھی بھی ہم سے یہ نہیں ہوگا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکاریں کیونکہ ایسا کرنا باطل ہے۔ اسی لئے فرمایا: لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا شطط کا معنی ہے، باطل، کذب اور بہتان، اپنی قوم کے متعلق کہنے لگے، هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا　　یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا معبودان باطلہ کی پرستش کرنے والے یہ لوگ اپنے اس عمل کی صحت پر کوئی واضح دلیل نہیں پیش کرتے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ درحقیقت ظالم اور جھوٹے ہیں، کہا جاتا ہے کہ جب انہوں نے اپنے بادشاہ کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی تو اس نے انکار کر دیا اور انہیں سنگین نتائج کی دھمکیاں دینے لگا، بلکہ ان کے آرائشی لباس بھی اتروا لیے اور انہیں مہلت دی تاکہ وہ غور و فکر کر کے اپنے پہلے دین کی طرف لوٹ آئیں، یہ بھی اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم تھا کہ ان مہلت کی گھڑیوں میں انہیں اپنے دین کو بچا کر وہاں سے فرار ہونے کا موقع مل گیا، فتنہ کے وقت جب آدمی کا دین خطرہ میں ہو تو ایسے حالات میں لوگوں سے الگ تھلگ ہونا اور فرار اختیار کرنا جائز ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "قریب ہے ایسا زمانہ آ جائے جب آدمی کا بہترین مال بکریاں ہوں گی جنہیں وہ لے کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کے مقامات پر چلا جائے گا اور فتنوں کے خوف سے اپنے دین کو لے کر فرار ہو جائے گا" (2)، اس حالت میں عزلت مشروع ہے لیکن اگر اس قسم کے حالات نہ ہوں تو لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر گوشہ نشینی اختیار کرنا مشروع نہیں ہے کیونکہ ایسا کرنے سے نماز باجماعت اور جمعہ ترک ہو جاتا ہے، بہرصورت ان نوجوانوں نے اپنی قوم سے الگ تھلگ ہونے کا عزم کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی دست گیری کی، اس کیفیت کو یوں بیان فرمایا: وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ　　یعنی جب تم دین میں ان سے الگ تھلگ اور ان کے مخالف ہو گئے تو اب جسمانی اعتبار سے بھی ان سے الگ ہو جاؤ اور غار میں پناہ لے لو، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت کی چادر میں چھپا لے گا اور تم اپنی قوم کو دکھائی ہی نہیں دو گے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 16۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2031　　2۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 69

اور وہ اس معاملہ میں تمہیں راحت اور آسانی بہم پہنچائے گا۔ پس یہ نوجوان موقعہ ملتے ہی وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور ایک غار میں پناہ گزیں ہو گئے۔ بادشاہ اور قوم کے افراد تلاش بسیار کے باوجود ان کا سراغ نہ لگا سکے۔ بھرپور کوشش کے باوجود بادشاہ انہیں پکڑنے میں ناکام رہا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے معاملہ کو بالکل مخفی رکھا جیسا کہ ہجرت کے موقعہ پر ہوا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غار ثور میں پناہ لئے ہوئے تھے، مشرکین تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ وہ غار پر سے گزرے بھی لیکن ان دونوں ہستیوں کی موجودگی کا سراغ نہ پا سکے۔ اس وقت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے گھبراہٹ کا اظہار کرتے ہوئے عرض کی تھی: یا رسول اللہ! اگر ان میں سے کسی نے نیچے اپنے قدموں کی طرف نظر دوڑائی تو وہ ضرور ہمیں دیکھ لے گا، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوبکر! ان دو کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے؟'' اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (التوبہ:40) ''اگر تم رسول کریم کی مدد نہ کرو گے تو (کیا ہوا) ان کی مدد فرمائی ہے خود اللہ نے جب ان کو کفار نے نکالا تھا۔ آپ دو میں سے دوسرے تھے جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے رفیق سے فرما رہے تھے کہ مت غمگین ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی تسکین نازل کی اور ان کی ایسے لشکروں سے مدد فرمائی جنہیں تم نے نہ دیکھا اور کافروں کی بات کو سرنگوں کر دیا اور اللہ کی بات ہی ہمیشہ سربلند ہے اور اللہ تعالیٰ غالب، حکمت والا ہے''۔ غار ثور کا قصہ اصحاب کہف کے قصہ سے زیادہ اشرف، جلیل القدر، عظیم اور عجیب ہے، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ لوگ ان نوجوانوں کو پکڑنے میں کامیاب ہو گئے، انہیں غار کے اندر دیکھ کر کہنے لگے کہ اس سے زیادہ سزا کی انہیں ضرورت ہی نہیں، چنانچہ انہوں نے غار کا منہ بند کر دیا تا کہ وہ اس کے اندر ہی ہلاک ہو جائیں لیکن یہ قول محل نظر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ صبح و شام دھوپ ان پر غار میں داخل ہوتی ہے۔

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝

''اور تو دیکھے گا سورج کو جب وہ ابھرتا ہے تو وہ ہٹ کر گزرتا ہے ان کی غار سے دائیں جانب اور جب وہ ڈوبتا ہے تو بائیں طرف کتراتا ہوا ڈوبتا ہے۔ اور وہ (سوئے) ہیں ایک کشادہ جگہ غار میں۔ (سورج کا) یوں (طلوع و غروب) اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔ (حقیقت یہ ہے) کہ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے تو تو نہیں پائے گا اس کے لئے کوئی مددگار (اور) رہنما''۔

اس آیت سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ اس غار کا دہانہ شمال کی جانب تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو وہ دائیں طرف غار سے ہٹ جاتا ہے، یعنی دائیں طرف اس کا سایہ سکڑ جاتا ہے جیسا کہ حضرات ابن عباس، سعید بن جبیر اور قتادہ کا قول ہے، اس کی صورت یہ تھی کہ جب بھی سورج افق میں ابھرتا تو اس کے ارتفاع کے ساتھ ساتھ اس کی شعاعیں سکڑتی رہتیں، یہاں تک کہ زوال کے وقت دھوپ وہاں بالکل نہ رہتی اس لیے فرمایا: وَاِذَا غَرَبَتْ یعنی جب سورج غروب ہوتا ہے تو شمال کی طرف ان سے

کتراتے ہوئے گزرتا ہے، مطلب یہ کہ غروب آفتاب کے وقت دھوپ ان کی غار کی طرف مشرقی جانب سے اس کے دروازے کے شمالی رخ سے جاتی ہے، علم ہیئت و نجوم کا ماہر اسے آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ اگر غار کا دہانہ مشرق کی جانب ہوتا تو غروب کے وقت وہاں دھوپ بالکل نہ جاتی، اگر دروازہ قبلہ رخ ہوتا تو طلوع اور غروب کے وقت دھوپ وہاں بالکل داخل نہ ہو سکتی اور نہ سایہ دائیں بائیں جھکتا اور اگر غار کا منہ مغرب کی جہت ہوتا تو وقت طلوع سورج کی روشنی اور دھوپ اندر داخل نہ ہو پاتی بلکہ زوال کے بعد داخل ہوتی اور پھر غروب تک مسلسل وہاں رہتی، یہ ہمارے قول کی بین دلیل ہے کہ غار کا منہ شمال کی طرف تھا، حضرت ابن عباس، مجاہد اور قتادہ تَقْرِضُهُمْ کو ترک کرنے کے معنی میں لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اصحاب کہف کے قصہ پر آگاہ کیا ہے تاکہ ہم اس میں غور و فکر کریں اور اسے سمجھ کر اس سے درس ہدایت حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس علاقہ اور شہر کا تعین نہیں کیا جہاں یہ غار تھی کیونکہ اس بات سے نہ ہمارا کوئی دنیاوی مفاد وابستہ ہے اور نہ کوئی شرعی منفعت، بعض مفسرین نے تکلف سے کام لیتے ہوئے اس جگہ کی نشاندہی کی کوشش کی ہے جہاں یہ غار تھی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ ایلہ کے قریب ہے، ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ نینوا کے پاس ہے، کوئی کہتا ہے روم میں اور کوئی کہتا ہے کہ سرزمین بلقاء میں، بہرصورت اس بارے میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اگر غار کی جگہ کے تعین میں ہماری کوئی دینی مصلحت کارفرما ہوتی تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہمیں ضرور اس سے آگاہ فرما دیتے، آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''میں نے تمہیں ہر اس چیز پر مطلع کر دیا ہے جو تمہیں جنت کے قریب اور دوزخ سے دور کرنے والی ہے'' پس اللہ تعالیٰ نے غار کا وصف تو بیان کر دیا لیکن اس کی جگہ نہیں بتلائی، فرمایا: وَتَرَى الشَّمْسَ فَجْوَةٍ وسیع جگہ کو کہتے ہیں یعنی وہ فراخی میں ہیں، سورج کی تپش اور حرارت ان تک نہیں پہنچ سکتی ورنہ ان کے بدن اور کپڑے جل جاتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی ہے کہ اس نے ان کی رہنمائی غار کی طرف کی جہاں انہیں زندہ رکھا اور ان کی زندگی کو برقرار رکھنے اور بدنوں کو صحیح و سالم رکھنے کیلئے مناسب دھوپ اور ہوا کا بھی انتظام کر دیا، اسی لیے فرمایا: ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے جس نے ساری قوم میں سے ان نوجوانوں کو چن کر راہ ہدایت پر گامزن کر دیا، کیونکہ ہدایت یافتہ وہی ہے جسے وہ ہدایت مرحمت فرمائے اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۭ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ۝

''اور (اگر تو دیکھے تو) تو انہیں بیدار خیال کرے گا حالانکہ وہ سو رہے ہیں۔ اور ہم ان کی کروٹ بدلتے رہتے ہیں (کبھی) دائیں جانب اور (کبھی) بائیں جانب اور ان کا کتا پھیلائے بیٹھا ہے اپنے دونوں بازو ان کی دہلیز پر۔ اگر تو جھانک کر انہیں دیکھے تو ان سے منہ پھیر کر بھاگ کھڑا ہو اور تو بھر جائے ان (کے منظر) کو دیکھ کر ہیبت سے۔''

کسی صاحب علم کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ان پر نیند مسلط کر دی تو ان کی آنکھیں بند نہ ہوئیں تاکہ ان کے جسم جلد بوسیدہ نہ ہو جائیں اور وہاں ہوا کی آمد و رفت ان کی بقا کا باعث بنی رہی، اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا کہتے ہیں کہ بھیڑیا جب سوتا ہے تو باری باری ایک آنکھ بند رکھتا ہے اور دوسری کھلی، شاعر اس کیفیت کو یوں بیان کرتا ہے:

يَنَامُ بِإِحْدَى مُقْلَتَيْهِ وَيَتَّقِي بِأُخْرَى الرَّزَايَا فَهُوَ يَقْظَانُ نَائِمُ (1)

(وہ ایک آنکھ کے ساتھ سوتا ہے اور دوسری آنکھ کے ساتھ خطرات پر نظر رکھتا ہے۔ گویا وہ (ایک ہی وقت میں) بیدار بھی ہوتا ہے اور سونے والا بھی)۔

فرمایا: وَنُقَلِّبُهُمْ کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ سال میں دو مرتبہ ان کی کروٹیں بدلی جاتی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر ان کے پہلو نہ بدلے جاتے تو زمین انہیں کھا جاتی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ مجاہد، سعید بن جبیر اور قتادہ کے بقول "وصید" کا معنی صحن ہے(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کا معنی دروازہ بھی بتایا ہے۔ بعض نے اس کا معنی مٹی کہا ہے۔ صحیح یہی ہے کہ اس سے مراد غار کا دہانہ اور دہلیز ہے، اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ (الہمزہ: 8) موصدہ کا معنی ہے بند کی ہوئی۔ وصید میں ایک دوسری لغت اصید بھی ہے۔ اس سے مراد چوکھٹ ہے جہاں وہ کتا بیٹھا تھا۔ کتوں کی عموماً یہی عادت ہے کہ وہ چوکیداری کیلئے دروازے کے پاس بیٹھ جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ کتا بھی اپنی فطرت کے مطابق ان نوجوانوں کی حفاظت کرنے کیلئے دروازے کے پاس باہر بیٹھ رہا کیونکہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں کتا، تصویر، جنبی اور کافر ہو، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے(3)۔ ان نوجوانوں کی برکت سے کتا بھی نوازا گیا، ان کی طرح اس پر بھی نیند مسلط ہوگئی۔ نیکوکار لوگوں کی صحبت سراسر فوائد کا موجب ہے اور ایسی صحبت اختیار کرنے والا محروم نہیں رہتا۔ اس کا اندازہ اس کتے سے ہوتا ہے جو ان پاکباز نوجوانوں کی صحبت کے باعث یادگار بن گیا اور قرآن کریم میں اس کا ذکر بھی خصوصیت کے ساتھ ہوا۔ کہتے ہیں کہ یہ ان نوجوانوں میں سے کسی کا شکاری کتا تھا جبکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ کے باورچی کا کتا تھا، چونکہ وہ بھی ان نوجوانوں کا ہم خیال تھا اور عزلت نشینی اختیار کرنے میں ان کے ساتھ شریک تھا، اس لئے اس کا کتا بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔

حافظ ابن عساکر بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصری کا کہنا ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذبح کردہ مینڈھے کا نام جریر، ہدہد سلیمان علیہ السلام کا نام عنقر، اصحاب کہف کے کتے کا نام قطمیر اور بنی اسرائیل کے اس بچھڑے کا نام بہموت تھا جس کی انہوں نے پرستش شروع کر دی تھی اور حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں اترے، حضرت حواء جدہ میں، ابلیس دشت بیسان میں اور سانپ اصبہان میں(4)۔ شعیب جبائی نے کتے کا نام حمران بتایا ہے۔ اس کتے کے رنگ کے بارے میں بھی متعدد اقوال ہیں لیکن یہ سب لاحاصل اور بے فائدہ ہیں، نہ ان کی کوئی دلیل ہے اور نہ ضرورت، بلکہ ایسی چیزوں میں ظن وتخمین کے گھوڑے دوڑانے سے منع کیا گیا ہے۔ ان کے متعلق مزید فرمایا: لَوِاطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس ماحول کو بھیانک بنا دیا ہے اور انہی وہ ہیبت عطا کی ہے کہ جونہی ان پر کسی کی نظر پڑتی ہے، وہ دہشت زدہ اور خوفزدہ ہو کر وہاں سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ یہ اس لئے کیا تاکہ نہ کوئی ان کے پاس اندر جا سکے اور نہ کوئی ہاتھ لگا سکے اور جب تک ان کے محو استراحت ہونے کا وقت مقرر کر دیا گیا ہے، اس وقت تک وہ آرام سے سوئے رہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت، واضح حجت اور وسیع رحمت کارفرما ہے۔

1۔ دیوان حمید بن ثور: 105   2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 215

3۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، جلد 3 صفحہ 1664-1666، سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ جلد 1 صفحہ 58، وغیرہ

4۔ دیکھئے غموض الاقرآن فی مبہمات القرآن للسیوطی: 137.72، 152، 174

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَاۗىِٕلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۭ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ۝ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝۲۰

’’اور اسی طرح ہم نے انہیں بیدار کردیا تاکہ وہ ایک دوسرے سے آپس میں پوچھیں۔ کہنے لگا ایک کہنے والا ان سے کہ تم یہاں کتنی مدت ٹھہرے ہو۔ بعض نے کہا ہم ٹھہرے ہوں گے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ دوسروں نے کہا تمہارا رب بہتر جانتا ہے جتنی مدت تم ٹھہرے ہو۔ پس بھیجو کسی کو اپنے ساتھیوں سے اپنے ایک سکہ کے ساتھ شہر کی طرف۔ پس وہ دیکھے کہ کس کے ہاں عمدہ پاکیزہ کھانا ملتا ہے پس وہ لے آئے تمہارے پاس کھانا وہاں سے۔ اسے چاہئے کہ خوش خلقی سے کام لے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے۔ وہ لوگ اگر آگاہ ہوگئے تم پر تو وہ تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کردیں گے یا تمہیں (جبرا) لوٹا دیں گے اپنے (جھوٹے) مذہب میں اور (اگر تم نے ایسا کیا) تو تم کبھی بھی فلاح نہیں پاسکو گے‘‘۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح ہم نے انہیں سلایا، اسی طرح تین سو نو سال کی نیند کے بعد بالکل اسی حالت میں بیدار کردیا۔ ان کے بدن، بال اور آنکھیں بھی اعضاء جوں کے توں بالکل صحیح و سالم تھے۔ ان کی حالت اور ہیئت میں سرمو بھی فرق نہیں آیا تھا، اسی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے: كَمْ لَبِثْتُمْ ۔ یعنی تم کتنی دیر سوئے رہے؟ جواب ملا کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ، کیونکہ وہ صبح کے وقت غار میں داخل ہوکر سوئے تھے اور شام کے وقت بیدار ہوگئے۔ لیکن پھر فوراً انہیں خیال آیا کہ ایسا تو نہیں، اس لئے اپنے ظن و تخمین کو ترک کرکے معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہوئے کہنے لگے: رَبُّكُمْ اَعْلَمُ یعنی تمہارے معاملہ کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ کثرت نوم کے سبب گویا وہ تردد کا شکار ہوگئے۔ چونکہ اب انہیں بھوک پیاس بھی ستانے لگی تھی، اس لئے اس بحث کو طول دینے کی بجائے وہ اس اہم ضرورت کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے: فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ یعنی کسی ایک آدمی کو (چاندی کا) یہ سکہ دے کر بھیجو۔ جب انہوں نے اپنے اپنے گھروں کو خیرباد کہا تھا تو کچھ درہم اپنے ساتھ رکھ لیے تھے جن میں سے کچھ صدقہ کردیے اور چند ایک ان کے پاس باقی بچ گئے، اس لئے انہوں نے یہ تجویز دی کہ اپنے اس شہر میں کسی کو یہ سکہ دے کر بھیج دو تاکہ وہ وہاں سے کھانے پینے کی کوئی پاکیزہ اور عمدہ چیز لے آئے۔ ’’اَزْكٰى‘‘ کے لفظ میں پاکیزگی اور عمدگی کا معنی پایا جاتا ہے جیسا کہ ان آیات میں ہے: وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا (النور: 21) ’’اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی ہرگز نہ بچ سکتا‘‘، قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (الاعلیٰ: 14) ’’بے شک فلاح پاگیا جس نے اپنے آپ کو پاک کیا‘‘۔ اسی سے لفظ زکوٰۃ ہے، کیونکہ اس سے مال پاکیزہ اور طاہر ہو جاتا ہے۔ بعض نے ’’اَزْكٰى‘‘ کو اکثر کے معنی میں لیا ہے اس صورت میں ’’اَزْكٰى طَعَامًا‘‘ کا معنی ہوگا کہ کون زیادہ کھانا دیتا ہے۔ جب کھیتی بڑھ جائے تو عرب کہتے ہیں: ’’زَكَى الزَّرْعُ‘‘ اسی طرح شاعر کے مندرجہ ذیل شعر میں بھی یہ لفظ کثرت کے معنی میں استعمال ہوا ہے:

قَبَائِلُنَا سَبْعٌ وَأَنْتُمْ ثَلَاثَةٌ
وَلَلسَّبْعُ أَزْكَى مِنْ ثَلَاثٍ وَأَطْيَبُ

لیکن پہلا قول صحیح ہے کیونکہ ان کا مقصود پاکیزہ اور حلال کھانے کا حصول تھا خواہ وہ زیادہ ہو یا کم اور انہوں نے اس مقصد کیلئے جانے والے کو تاکید کردی کہ اسے آنے جانے اور کھانا خریدنے میں مکمل احتیاط برتنی چاہئے اور ہر ممکن لوگوں کی نگاہوں سے بچ کر رہنا چاہئے اور وہ کسی کو تمہاری موجودگی کا احساس نہ ہونے دے، کیونکہ اگر انہیں تمہاری موجودگی کا علم ہو گیا تو وہ تمہیں سنگسار کر کے ہلاک کر دیں گے یا پھر اپنے باطل مذہب میں جبر و تشدد کے ذریعے دوبارہ لے آئیں گے۔ یعنی دقیانوس بادشاہ کے آدمیوں سے انہیں خطرہ تھا کہ اگر انہیں ان کی بھنک پڑ گئی تو وہ انہیں گرفتار کر کے انواع و اقسام کے عذاب دیں گے، پھر انہیں یا تو ان کے باطل دین کو مجبوراً قبول کرنا پڑے گا یا پھر موت کی آغوش میں جانا ہوگا، کہنے لگے کہ اگر تم نے ان کفار کی موافقت کرتے ہوئے ان کا دین قبول کر لیا تو نہ دنیا میں تمہارے لیے فلاح ہوگی اور نہ آخرت میں، اسی لیے فرمایا: وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا ۔

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۝

"اور بستی والوں کو ہم نے اچانک آگاہ کر دیا ان (اصحاب کہف) پر تا کہ وہ جان لیں کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور بلا شبہ قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں۔ جب وہ بستی والے جھگڑ رہے تھے آپس میں ان کے معاملہ میں تو بعض نے کہا کہ (بطور یادگار) تعمیر کرو ان کے غار پر کوئی عمارت۔ ان کا رب ان کے احوال سے خوب واقف ہے۔ کہنے لگے وہ لوگ جو غالب تھے اپنے کام پر کہ بخدا ہم تو ضرور ان پر ایک مسجد بنائیں گے"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے لوگوں کو ان کے حال پر مطلع کر دیا تا کہ انہیں علم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں، کہتے ہیں کہ اس زمانے کے لوگ دوبارہ زندہ کیے جانے اور قیامت کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار تھے، ان میں سے ایک جماعت کا عقیدہ تھا کہ صرف روحانی حشر ہوگا نہ کہ جسمانی حشر، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو صحیح و سالم بیدار کر کے اپنی قدرت اور دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کا ناقابل تردید ثبوت دیدیا۔ کہتے ہیں کہ جب اصحاب کہف میں ایک شخص خورد و نوش کا سامان لینے کیلئے شہر کی طرف نکلا تو سارا ماحول اجنبی محسوس ہونے لگا۔ وہ بھیس بدل کر عام رستہ سے ہٹ کر شہر پہنچا۔ اس شہر کا نام افسوس تھا(1)۔ کھانا لانے والے صاحب یہ گمان کیے ہوئے تھے کہ انہیں شہر سے نکلے کوئی زیادہ عرصہ نہیں ہوا لیکن ادھر تو ہر چیز کا نقشہ ہی بدل چکا تھا، شہر اور در و دیوار کچھ اور ہی داستان سنا رہے تھے اور لوگ بھی وہ نہیں تھے جنہیں وہ چھوڑ کر گئے تھے، ہر چیز میں انقلاب آ چکا تھا، شہر کی کوئی نشانی نہیں دکھائی دے رہی تھی جس کا اسے علم تھا اور نہ ہی کسی خاص و عام کے ساتھ ملاقات ہو رہی تھی، حیران و ششدر ہو کر اپنے دل میں سوچنے لگا کہ شاید مجھے جنون لاحق ہو گیا ہے یا کوئی اور عارضہ ہو گیا ہے یا پھر میں خواب دیکھ رہا ہوں لیکن پھر خیال آیا کہ ایسی تو کوئی بات نہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس شہر کی وہ حالت نہیں ہے جس پر گزشتہ شام اسے چھوڑ کر گئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس شہر سے جلد از جلد نکل جانا میرے لیے بہتر ہے۔ وہ ایک نانبائی کے پاس گئے اور اسے سکہ دیکر کھانا طلب کیا۔ جب نانبائی نے اس سکہ کو دیکھا تو وہ ہکا بکا رہ گیا، اس نے اسے اپنے پڑوسی کو دیا اور لوگ بھی اکٹھے ہوئے۔ سبھی اس سکے کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگے اور کہنے لگے کہ کوئی خزانہ اس

1۔ تاریخ طبری، جلد 1 صفحہ 603

شخص کے ہاتھ لگا ہے۔ چنانچہ وہ دریافت کرنے لگے کہ تم نے یہ سکہ کہاں سے لیا ہے، شاید تمہیں کوئی خزانہ ملا ہے اور بتاؤ تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں اسی شہر کا باشندہ ہوں کل شام کے وقت ہی میں یہاں سے گیا تھا، یہاں کا بادشاہ دقیانوس ہے، یہ سن کر سبھی نے کہا کہ یہ مجنون ہے اور انہیں لے کر حاکم شہر کے پاس چل دیئے۔ حاکم کے پوچھنے پر انہوں نے سارے حالات اس کے گوش گزار کر دیئے، حاکم اور باقی تمام لوگ بڑے حیران تھے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ آخر طے یہ ہوا کہ غار کی طرف چلتے ہیں، حاکم اور سبھی لوگ غار کی طرف روانہ ہوئے، جب غار کے پاس پہنچے تو کھانا لانے والے ساتھی نے کہا کہ تم ذرا انتظار کرو تاکہ میں اپنے ساتھیوں کو اطلاع کر دوں، جب وہ اندر داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح مخفی کر دیا کہ لوگوں کو معلوم ہی نہ ہو سکا کہ وہ کدھر گیا ہے اور اسی طرح باقی ساتھیوں پر بھی خفاء کے پردے ڈال دیئے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ لوگ اصحاب کہف کے پاس گئے، ان کی زیارت کی اور حاکم شہر نے نہ صرف انہیں سلام کیا بلکہ ان سے معانقہ بھی کیا۔ وہ بذات خود مسلمان تھا اور اس کا نام تیدوسیس تھا۔ اس حاکم سے مل کر اصحاب کہف کو بڑی مسرت ہوئی، اس سے گفتگو ہوئی، پھر دعا وسلام کے ساتھ اسے رخصت کرنے کے بعد اپنی اپنی آرام گاہ میں لیٹ گئے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد انہوں نے طبعی وفات پائی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک جہاد تھے، ان کا گزر روم کے علاقے میں ایک غار سے ہوا جہاں انہوں نے کچھ ہڈیاں دیکھیں۔ ایک آدمی کہنے لگا کہ یہ اصحاب کہف کی ہڈیاں ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین سو سال سے زائد عرصہ گزرنے کے باعث ان کی ہڈیاں بوسیدہ ہو گئی ہیں(1)۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے جس طرح اصحاب کہف کو سلایا اور پھر اسی ہیئت پر بیدار کیا، اسی طرح ہم نے اس زمانے کے لوگوں کو ان کے متعلق مطلع کر دیا تاکہ وہ پہچان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ یہ وہ وقت تھا جب لوگ قیامت کے متعلق جھگڑتے تھے، کچھ لوگ اس کے قائل تھے اور کچھ منکر، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اصحاب کہف پر مطلع کر کے وقوع قیامت کی ناقابل تردید دلیل دے دی۔ اب وہ کہنے لگے: ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۚ یعنی غار کا دہانہ بند کر دو اور انہیں اپنی حالت پر چھوڑ دو، ان کا رب ان کے متعلق بہتر جانتا ہے لیکن جو لوگ اپنے کام پر غالب تھے وہ کہنے لگے کہ ہم ضرور ان کے قریب مسجد بنائیں گے۔ امام ابن جریر نے ان لوگوں کے متعلق دو قول نقل کیے ہیں ایک یہ کہ ان میں سے مسلمانوں نے یہ بات کہی تھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ بات کرنے والے مشرک تھے۔ بہرکیف بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اثر و رسوخ والے لوگ تھے، لیکن کیا وہ اس بات میں قابل تعریف ہیں یا نہیں؟ یہ بات محل نظر ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جنہوں نے اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا" (2)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب عراق میں حضرت دانیال علیہ السلام کی قبر کا سراغ ملا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے لوگوں سے پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا اور اس رقعہ کو بھی دفن کرنے کا حکم دیا جو وہاں سے ملا تھا اور اس میں لڑائیوں وغیرہ کا ذکر تھا۔

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَ يَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا بِالْغَيْبِ ۚ وَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 217　　2۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز جلد 2 صفحہ 111 صحیح مسلم، کتاب المساجد جلد 1 صفحہ 376

نوٹ: اس حدیث شریف میں قبروں کو مسجد بنانے کی ممانعت سے مقصود یہ ہے کہ قبروں کی طرف سجدہ نہ کیا جائے جیسا کہ حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہ قبروں پر بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔" مذکورہ بالا آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اولیائے کرام کے مزارات کے قریب مسجد بنانا جائز ہے تاکہ آنے والے اس میں عبادت کر سکیں۔ ان سے تبرک حاصل کر سکیں اور ان بزرگوں کی یادتازہ ہوتی رہے۔ مزار کے قریب مسجد بنانے میں ان لوگوں کے پیش نظر یہی مقاصد کار فرما تھے۔

يَقُوۡلُوۡنَ سَبۡعَةٌ وَّ ثَامِنُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ ؕ قُلۡ رَّبِّىۡۤ اَعۡلَمُ بِعِدَّتِهِمۡ مَّا يَعۡلَمُهُمۡ اِلَّا قَلِيۡلٌ ۬ فَلَا تُمَارِ فِيۡهِمۡ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۖ وَّلَا تَسۡتَفۡتِ فِيۡهِمۡ مِّنۡهُمۡ اَحَدًا ۝

"کچھ کہیں گے کہ اصحاب کہف تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا۔ کچھ کہیں گے وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا۔ یہ سب تخمینے ہیں بن دیکھے۔ اور کچھ کہیں گے وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ آپ فرمائیے (اس بحث کو رہنے دو) میرا رب بہتر جانتا ہے ان کی تعداد کو (اور) نہیں جانتے ان (کی صحیح تعداد) کو مگر چند آدمی۔ سو بحث نہ کرو ان کے بارے میں بجز اس کے کہ سرسری سی گفتگو ہو جائے۔ اور نہ دریافت کرو ان کے متعلق (اہل کتاب) میں سے کسی اور سے"۔

اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں اختلاف بیان کرتے ہوئے لوگوں کے تین اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ چوتھا قول کوئی نہیں۔ پہلے دونوں قولوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر ضعیف کر دیا: رَجۡمًۢا بِالۡغَيۡبِ یعنی یہ بن دیکھے تخمینے اور بغیر جانے قیاس آرائیاں ہیں، بالکل ایسے ہی جس طرح ایک شخص اندازے سے ایک غیر معروف جگہ پر نشانہ لگاتا ہے تو ایسا پتھر یا تیر عموماً خطا جاتا ہے اور اگر نشانہ لگ جائے تو وہ محض اتفاق اور بلا قصد ہوتا ہے۔ تیسرا قول بیان کر کے سکوت اختیار فرمایا یا وَّ ثَامِنُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ فرما کر اسے ثابت کر دیا تو یہ اس قول کی صحت پر دلیل ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ حقیقت بالکل اسی طرح ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس فرمان قُلۡ رَّبِّىۡۤ اَعۡلَمُ بِعِدَّتِهِمۡ کے ذریعے رہنمائی فرما دی کہ ایسے موقعہ پر بہتر یہی ہے کہ حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے کیونکہ بغیر علم کے ایسے معاملات میں قیاس آرائیاں کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، جب کسی چیز پر آگاہی ہو جائے تو اسے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن علم نہ ہو تو خاموشی اختیار کر لی چاہئے پھر فرمایا: مَا يَعۡلَمُهُمۡ اِلَّا قَلِيۡلٌ "یعنی بہت کم لوگ ان کی صحیح تعداد کو جانتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان قلیل افراد میں سے ہوں جن کی اللہ تعالیٰ نے استثناء کی ہے۔ ان کی تعداد سات تھی(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول سے ہمارے اس موقف کی تائید ہوتی ہے کہ ان کی تعداد سات تھی جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ان میں سے بعض تو بہت ہی کم عمر، روشن رو اور عنفوان شباب میں تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ دن رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے، گریہ وزاری کرتے اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے رہتے تھے، وہ آٹھ افراد تھے۔ مکسلمینا، یہ سب سے بڑے تھے اور انہوں نے ہی سب کی نمائندگی کرتے ہوئے بادشاہ سے گفتگو کی تھی۔ بقیہ کے نام یہ ہیں: یملیخا، مرطونس، کسطونس، بیرونس، دنیموس، یطبونس اور قالوش(2)۔ اس روایت میں ان کی تعداد آٹھ ذکر کی گئی ہے۔ ممکن ہے یہ ابن اسحاق کا اپنا قول ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح روایت میں ان کی تعداد سات بتائی گئی ہے اور آیت کا ظاہر بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے۔ شعیب جبائی نے ان کے کتے کا نام حمران بتایا ہے لیکن اصحاب کہف کے نام اور ان کے کتے کے نام کی صحت محل نظر ہے۔ ان میں سے بہت سی چیزیں اہل کتاب سے ماخوذ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَلَا تُمَارِ فِيۡهِمۡ ۔ یعنی آپ ان کے بارے میں کسی سے بحث و تمحیص نہ کریں۔ ہاں اگر سرسری طور پر گفتگو ہو جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ (تعداد) معمولی معاملہ ہے جس کے ساتھ کوئی بڑا فائدہ وابستہ نہیں اور نہ ہی آپ ان کے متعلق کسی سے دریافت کریں کیونکہ لوگوں کو اس بارے میں ذرہ برابر بھی علم نہیں، وہ تو اپنی خیال آرائی کرتے ہوئے ظن و تخمین کے گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ کوئی صحیح دلیل ان کے پاس نہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق سے نوازا ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں اور یہی قول فیصل اور تمام کتب و

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 226

2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 201، مبہمات القرآن للسیوطی: 138

اقوال پر مقدم اور حاکم ہے۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿٢٣﴾ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ٝ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰۤى اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿٢٤﴾

"ہرگز نہ کہنا کسی چیز کے متعلق کہ میں اسے کرنے والا ہوں کل۔ مگر (یہ کہ ساتھ یہ بھی کہو) اگر چاہا اللہ تعالیٰ نے۔ اور یاد کرا پنے رب کو جب تو بھول جائے۔ (یہ بھی) کہو کہ مجھے امید ہے کہ دکھاوے گا مجھے میرا رب اس سے بھی قریب تر ہدایت کی راہ"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو ادب سکھا رہا ہے کہ جب آپ مستقبل میں کسی کام کے کرنے کا عزم کر لیں تو ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ کر اس معاملے کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سپرد کر دیں، کیونکہ تمام غیوب کا علم صرف اسے ہے، وہ جانتا ہے جو کچھ ہوا، جو کچھ ہوگا اور جو نہیں ہوا اور وہ ہر چیز کی کیفیت کے متعلق بھی علم رکھتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے کہا کہ میں آج کی رات اپنی ستر، دوسری روایت کے مطابق نوے اور ایک تیسری روایت کے مطابق سو بیویوں کے پاس جاؤں گا، ان میں سے ہر ایک بچے کو جنم دے گی جو راہ خدا میں جہاد کرے گا۔ ایک فرشتے نے آپ سے کہا کہ ان شاء اللہ کہیے لیکن آپ علیہ السلام نے نہ کہا، چنانچہ آپ باری باری اپنی بیویوں کے پاس گئے اور بجز ایک بیوی کے کسی کے ہاں بھی بچہ پیدا نہ ہوا اور جو پیدا ہوا وہ بھی نصف۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر وہ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو حانث نہ ہوتے بلکہ ان کی خواہش پوری ہو جاتی"۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ وہ تمام کے تمام شہسوار بن کر راہ خدا میں جہاد کرتے (1)۔

سورت کے آغاز میں ہم اس آیت کا شان نزول بیان کر چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے جب اصحاب کہف کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں کل جواب دوں گا اور ان شاء اللہ نہ کہا، اس سبب سے پندرہ دن وحی کا سلسلہ منقطع رہا۔ اس روایت کو ہم نے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے، یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ پھر فرمایا: وَاذْكُرْ رَّبَّكَ بعض نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ جب تم استثناء (ان شاء اللہ کہنا) بھول جاؤ تو جس وقت یاد آ جائے، کہہ لیا کرو۔ یہ قول ابو العالیہ اور حسن بصری کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جو حلف اٹھائے کہ اسے ان شاء اللہ کہنے کا حق حاصل ہے اگرچہ ایک سال گزر جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاذْكُرْ رَّبَّكَ (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی اپنی قسم یا اپنے کلام میں ان شاء اللہ کہنا بھول گیا تو جب اسے یاد آئے کہہ لے اگرچہ ایک سال بعد ہی اسے یاد آئے۔ حتیٰ کہ اگر وہ قسم توڑ چکا ہے تو بھی ان شاء اللہ کہہ لے لیکن یہ مطلب نہیں کہ اسے قسم توڑنے کا اختیار حاصل ہو گیا اور کفارہ کو ساقط کرنے کی گنجائش مل گئی۔ ابن جریر کا بیان کردہ یہ مفہوم ہی صحیح ہے اور اسی پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو محمول کیا جائے گا۔ عکرمہ "اِذَا نَسِیْتَ" کا معنی اِذَا غَضِبْتَ (جب تو غضبناک ہو جائے گا) بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ان شاء اللہ بھول جانا ہے۔ یعنی جب تم ان شاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو جب یاد آئے کہہ لو فرماتے ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے کسی اور کی وہی ان شاء اللہ معتبر ہے جو قسم کے ساتھ متصل ہو۔ اس آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جب کوئی بات بھول جاؤ تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کیونکہ نسیان شیطان کی

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان جلد 5 صفحہ 192، صحیح مسلم، کتاب الایمان جلد 3 صفحہ 1275

2۔ معجم کبیر، جلد 11 صفحہ 268

طرف سے ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: وَمَآ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ (الکہف: 63) ''اور نہیں فراموش کرائی مجھے وہ مچھلی مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر کروں''۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر شیطان کو بھگا دیتا ہے، جب شیطان بھاگ گیا تو نسیان بھی جاتا رہتا ہے۔ اس لئے اللہ کا ذکر یاد کا ذریعہ ہے، اسی وجہ سے فرمایا: وَاذْكُرْ رَّبَّكَ۔ آگے فرمایا: وَقُلْ عَسٰٓى یعنی جب تم کسی نامعلوم چیز کے متعلق دریافت کرنا چاہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے دریافت کرو، اسی کی طرف مکمل طور پر متوجہ ہو جاؤ اور اس سے رشد و ہدایت کی توفیق مانگو۔ اس کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں۔

وَ لَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَ ازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَ اَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ ۫ وَّ لَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

''اور (اہل کتاب کہتے ہیں کہ) وہ ٹھہرے رہے اپنے غار میں تین سو سال اور زیادہ کئے انہوں نے (اس پر) نو سال۔ آپ فرمائیے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جتنی مدت وہ ٹھہرے۔ اسی کے لئے (علم) غیب ہے آسمانوں اور زمین کا۔ وہ بڑا دیکھنے والا ہے اور سب باتیں سننے والا ہے۔ نہیں ان کا اس کے سوا کوئی دوست۔ اور وہ نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو اس مدت میں آگاہ فرما رہا ہے جو اصحاب کہف نے بحالت نیند غار کے اندر گزاری۔ یہ مدت قمری حساب سے تین سو نو سال تھی اور شمسی اعتبار سے تین سو سال کیونکہ شمسی اور قمری سالوں میں تفاوت ہے۔ ہر سو سال پر تین سالوں کا فرق پڑتا ہے، اس لئے تین سو کا ذکر کرنے کے بعد نو کو بیان کیا۔

اب اس چیز کی تعلیم دی جا رہی ہے کہ جب آپ سے غار میں ان کے ٹھہرنے کی مدت دریافت کی جائے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگاہ نہ کیا گیا ہو تو آپ آگے بڑھ کر اپنی طرف سے کوئی چیز بیان نہ کریں بلکہ اس قسم کے حالات میں یوں کہیے: اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا۔ یعنی اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے یا اس شخص کو جسے اللہ تعالیٰ آگاہ فرما دے۔ اصحاب کہف کی غار میں ٹھہرنے کی مدت کے متعلق جو کچھ ہم نے کہا ہے وہی موقف مجاہد جیسے اکثر علماء تفسیر کا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ قول وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ اہل کتاب کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا حضرت عبداللہ کی قرأت ''وَقَالُوْا وَلَبِثُوْا'' اس کی تائید کرتی ہے۔ یعنی مذکورہ مدت اہل کتاب کی بیان کردہ ہے[1]۔ قتادہ کا یہ قول محل نظر ہے کیونکہ اہل کتاب کے ہاں شمسی حساب مروج تھا، اس اعتبار سے ان کے ہاں تین سو سال کی مدت بنتی ہے، اگر اللہ تعالیٰ اہل کتاب کا قول نقل کرتا تو صرف ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ کا ذکر کرتا اور وَازْدَادُوْا تِسْعًا نہ فرماتا۔ آیت کے ظاہری الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہے نہ کہ اہل کتاب کے قول کی حکایت۔ ابن جریر نے اسے ہی پسند کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت منقطع ہے بلکہ جمہور کی قرأت کے مقابلے میں شاذ ہے اس لئے اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

فرمایا: اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ یعنی وہ بہت دیکھنے والا اور خوب سننے والا ہے۔ یہ اسلوب مدح میں مبالغہ کا فائدہ دے رہا ہے، یعنی وہ کیا ہی

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 230

خوب دیکھنے اور سننے والا ہے وہ ہر موجود کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے اور ہر آواز کو پوری طرح سن رہا ہے، کوئی چیز اس پر مخفی نہیں(1)۔ قتادہ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ نہ کوئی اس سے زیادہ دیکھنے والا ہے اور نہ کوئی اس سے زیادہ سننے والا ہے۔ ابن زید کہتے ہیں کہ وہ سب کے اعمال دیکھ رہا ہے اور سب کی باتیں سن رہا ہے۔ آخر میں فرمایا: مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ - یعنی ہر قسم کی تخلیق اور ہر نوع کا امر اللہ تعالیٰ کیلئے ہی مخصوص ہے۔ اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا، نہ کوئی اس کا وزیر ہے، نہ مددگار، نہ شریک اور نہ مشیر، وہ ہر قسم کے عیب، کمزوری اور نقص سے بالا، پاک اور مقدس ہے۔

وَ اتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ۫ وَ لَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝ وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَیْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝

"اور پڑھ سنایئے (انہیں) جو وحی کیا جاتا ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی کتاب سے۔ کوئی بدلنے والا نہیں اس کے ارشادات کا۔ اور نہیں پائیں گے آپ اس کے سوا کوئی پناہ گاہ۔ اور روکے رکھئے اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام طلب گار ہیں اس کی رضا کے اور نہ ہٹیں آپ کی نگاہیں ان سے۔ کیا آپ چاہتے ہیں دنیوی زندگی کی زینت۔ اور نہ پیروی کیجئے اس (بدنصیب) کی غافل کر دیا ہے ہم نے جس کے دل کو اپنی یاد سے اور وہ اتباع کرتا ہے اپنی خواہش کا اور اس کا معاملہ حد سے گزر گیا ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو قرآن کریم کی تلاوت اور اس کی تبلیغ کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے: لَا مُبَدِّلَ یعنی اللہ تعالیٰ کے ارشادات و کوئی بدلنے والا ہے، نہ کوئی ٹالنے والا ہے اور نہ کوئی ان میں تحریف کرنے والا ہے، مجاہد "ملتحد" کا معنی پناہ گاہ بتاتے ہیں اور قتادہ کہتے ہیں اس کا معنی ہے مددگار اور کارساز، ابن جریر اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اگر آپ نے اپنے رب کی کتاب کی تلاوت و تبلیغ ترک کر دی تو پھر آپ کیلئے کوئی پناہ گاہ نہیں ہوگی جیسا کہ فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدۃ:67) "اے رسول ﷺ پہنچا دیجئے جو آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا، اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا"، اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ (القصص:85) "یعنی اللہ تعالیٰ آپ سے فریضہ تبلیغ کے متعلق ضرور پوچھے گا"۔

فرمایا: وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ یعنی آپ ان کے ساتھ بیٹھیں جو صبح و شام اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور اس کی حمد، تسبیح، تہلیل اور تکبیر میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ بندگان خدا سوال بھی اسی سے کرتے ہیں۔ آپ صرف ان کی طرف نظر عنایت کریں خواہ یہ فقیر ہوں یا غنی، طاقتور ہوں یا کمزور۔ کہتے ہیں کہ رؤسائے قریش نے نبی کریم ﷺ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ آپ صرف ان کے ساتھ بیٹھا کریں اور بلال، عمار، صہیب، خباب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم جیسے فقیر صحابہ کو ان کے ساتھ اپنی مجلس میں نہ آنے دیا کریں بلکہ الگ مجلس میں ان کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 15، صفحہ 232

انفرادی حیثیت قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا: وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ (الانعام: 52) ''اور نہ دور ہٹاؤ انہیں جو صبح، شام اپنے رب کو پکارتے ہیں'' اور مزید آپ کو یہ حکم ہوا کہ آپ ان جانثار اور مخلص صحابہ کی مجلس میں ہی بیٹھا کریں، فرمایا: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم چھ صحابہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، میں، ابن مسعود، ایک ہذیل کا شخص، بلال اور دو آدمی جن کے نام مجھے یاد نہیں رہے، اسی اثناء میں مشرکین وہاں آ گئے، وہ نبی کریم ﷺ سے کہنے لگے کہ ان بے نواؤں کو دور ہٹا دو تاکہ یہ ہمارے ساتھ بیٹھنے کی جسارت نہ کر سکیں۔ رسول اللہ ﷺ کے دل میں کوئی بات آئی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، اس وقت یہ آیت وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ نازل ہوئی (1)۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک قصہ گو قصہ گوئی کر رہا تھا، اس دوران رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے تو وہ خاموش ہو گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم بیان کرتے رہو، صبح سے لے کر طلوع آفتاب تک اس مجلس میں بیٹھنا مجھے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے'' (2)۔ ایک روایت میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''اس قسم کی مجلس میں بیٹھنا مجھے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے'' (3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نماز فجر سے طلوع آفتاب تک اللہ کی یاد کرنے والے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا مجھے ان تمام چیزوں سے زیادہ عزیز ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے اور نماز عصر سے غروب آفتاب تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا مجھے اولاد اسماعیل سے آٹھ (گراں قیمت) غلام آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے، جن میں سے ہر ایک کی دیت بارہ ہزار ہو'' (4)۔ مجموعی قیمت چھیانوے ہزار بنی بعض لوگ یہاں چار غلام بتاتے ہیں لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے آٹھ غلام کہے تھے۔ نبی کریم ﷺ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو سورہ کہف کی تلاوت کر رہا تھا جب اس نے آپ ﷺ کو دیکھا تو خاموش ہو گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہی ان لوگوں کی مجلس ہے جن کے ساتھ اپنے آپ کو روکے رکھنے کا مجھے حکم ہوا ہے'' (5)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابو سعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی سورہ حج کی تلاوت کر رہا تھا یا سورہ کہف کی، جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو وہ خاموش ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہی تو وہ اہل مجلس ہیں جن کے ساتھ بیٹھنے کا مجھے حکم ملا ہے۔'' جو لوگ اللہ کا ذکر کرنے کی غرض سے جمع ہوں اور اس سے مقصود صرف رضائے الٰہی کا حصول ہو تو ایک منادی آسمان سے ندا دیتے ہوئے انہیں کہتا ہے کہ اٹھو اس حال میں کہ تمہارے گناہ بخش دیئے گئے ہیں اور تمہاری برائیاں نیکیوں میں بدل دی گئی ہیں'' (6) ایک روایت میں آتا ہے کہ جب یہ آیت اتری تو اس وقت آپ ﷺ اپنے کسی گھر میں تھے، آپ ﷺ فوراً ان کی تلاش میں نکلے، وہ یاد الٰہی میں مشغول تھے، کچھ ژولیدہ سر، خشک کھال والے اور ایک ہی کپڑا پہنے ہوئے تھے۔ جب آپ نے انہیں دیکھا تو ان کی مجلس میں بیٹھ گئے اور فرمایا: ''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کیے ہیں جن کے ساتھ بیٹھنے کا اس نے مجھے حکم دیا ہے'' (7)۔ پھر فرمایا: وَ لَا تَعْدُ عَیْنٰكَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ ان نادار صحابہ سے تجاوز کر کے خوشحال اور اصحاب شرف لوگوں کی طرف متوجہ نہ ہو جانا یعنی ان کے بدلے میں آپ دین سے برگشتہ مالدار لوگوں کو طلب نہ کریں، اور نہ ہی اس کی پیروی کرنا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا

1۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، جلد 4 صفحہ 1878 2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 261 3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 374

4۔ مسند ابی داؤد طیالسی، 281 5۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 94-95

6۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 142 7۔ مسند الصحابہ، جلد 3 صفحہ 457

ہے، اور اس کے اعمال حماقت، تفریط اور ضیاع پر مبنی ہیں، نہ ایسے شخص کی اطاعت کرنا، نہ اس کے طریقے کو پسند کرنا اور نہ ہی اس کی حالت پر رشک کرنا جیسا کہ فرمایا: وَ لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ﳔ لِنَفْتِنَهُمْ فِیْهِ ؕ وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰى (طٰہٰ: 131) ''اور آپ مشتاق نگاہوں سے نہ دیکھئے ان چیزوں کی طرف جن سے ہم نے لطف اندوز کیا ہے کافروں کے چند گروہوں کو، یہ محض دنیاوی زندگی کی زیب و زینت ہے، (مقصد یہ ہے) تاکہ ہم انہیں ان سے آزمائیں اور آپ کے رب کی عطا بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے''۔

وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ ۙ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ وَ اِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ یَشْوِی الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَ سَآءَتْ مُرْتَفَقًا ۝

''اور فرمایئے حق تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ پس جس کا جی چاہے وہ ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کفر کرتا رہے۔ بیشک ہم نے تیار کر رکھی ہے ظالموں کے لئے آگ۔ گھیر لیا ہے انہیں اس آگ کی دیوار نے اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی کی جائے گی ایسے پانی کیساتھ جو پیپ کی طرح (غلیظ) ہے (اور اتنا گرم کہ) بھون ڈالتا ہے چہروں کو یہ مشروب بڑا ناگوار ہے۔ اور یہ قرارگاہ بڑی تکلیف دہ ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ لوگوں کو آگاہ کر دیں کہ جو پیغام میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس لایا ہوں وہ حق ہے، اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں، اب جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کفر کرتا رہے، ان الفاظ کے ذریعے شدید دھمکی اور عذاب کی وعید سنائی جا رہی ہے۔ اس لئے فرمایا: اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا   یعنی ہم نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرنے والے ظالموں کیلئے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی چار دیواری میں یہ گھرے ہوں گے۔ سرادق کا معنی ہے چار دیواری۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لِسُرَادِقِ النَّارِ اَرْبَعَةُ جُدُرٍ كِثَفُ كُلِّ جِدَارٍ مِثْلُ مَسَافَةِ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً" (1) یعنی جہنم کی چار دیواریں ہیں، ہر دیوار کی موٹائی اتنی ہے کہ اسے طے کرنے میں چالیس سال کا عرصہ درکار ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی سرادق کا معنی دیوار بتایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سمندر بھی جہنم سے ہے'' آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ وہ کیسے؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے ''نارا احاط ...'' کی تلاوت کی، پھر فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں اس میں کبھی بھی داخل نہیں ہوں گا، جب تک میں زندہ ہوں اس کا ایک قطرہ تک مجھے نہیں پہنچ سکتا (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ''مهل'' کا معنی بتاتے ہیں: تیل کے نیچے جمے ہوئے تلچھٹ کی طرح کا غلیظ پانی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ خون اور پیپ جیسی چیز۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ چیز ہے جو انتہائی گرم ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر پگھلی ہوئی چیز کو ''مهل'' کہا جاتا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سونا پگھلایا، جب اس نے مائع کی شکل اختیار کر لی اور جوش مارنے لگا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ''مهل'' کے مشابہ ہے (3)۔ ضحاک کہتے ہیں کہ اس سے مراد جہنم کا سیاہ پانی ہے جہنم بھی سیاہ ہے اور جہنمی بھی سیاہ۔ ''مهل'' کی وضاحت میں یہ اقوال ایسے ہیں جو ایک

1۔ جامع ترمذی، ابواب صفۃ جہنم، جلد 10 صفحہ 53، مسند احمد، جلد 3، صفحہ 29

2۔ تفسیر الطبری، جلد 15 صفحہ 239   3۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 239-240

دوسرے کی نفی اور تردید نہیں کرتے کیونکہ "مھل" کے اندر یہ تمام اوصاف رذیلہ پائے جاتے ہیں، یہ سیاہ، بدبودار، غلیظ اور سخت گرم ہے، اس لئے فرمایا: یَشْوِی الْوُجُوْہَ یعنی اپنی شدید حرارت کے باعث یہ چہروں کو بھون ڈالتا ہے۔ جب کافر اسے پینے کے ارادے سے اپنے چہرے کے قریب لائے گا تو اس کا چہرہ بری طرح جھلس جائے گا، حتیٰ کہ چہرے کی کھال اس میں آگرے گی جیسا کہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے "مَآءٍ کَالْمُهْلِ" کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تیل کے تلچھٹ جیسا ہے، جب جہنمی اسے اپنے قریب لائے گا تو اس کے چہرے کی کھال جھلس کر اس میں گر جائے گی (1)۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت وَیُسْقٰی مِنْ مَّآءٍ صَدِیْدٍ ۙ یَّتَجَرَّعُهٗ (ابراہیم: 16) کی تفسیر میں فرمایا کہ اس پیپ کو اس کے قریب لایا جائے گا تو وہ اس سے کراہت محسوس کرے گا، چہرے کے پاس آتے ہی، وہ اسے بھون ڈالے گا اور سر کی کھال نیچے آگرے گی اور جب وہ اسے پیے گا، اس کی آنتیں کٹ جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جہنمیوں کو بھوک لگے گی تو وہ فریاد کریں گے، چنانچہ زقوم کے درخت سے ان کی فریادرسی کردی جائے گی۔ جب وہ اسے کھائیں گے تو ان کے چہروں کی کھالیں اس طرح ادھڑ جائیں گی کہ انہیں پہچاننے والا ان کی کھالوں کو بھی پہچان لے گا۔ پھر جب انہیں پیاس ستائے گی تو پانی کیلئے فریاد کریں گے، چنانچہ انہیں کھولتا ہوا انتہائی گرم پانی دیا جائے گا، جب وہ اسے اپنے مونہوں کے قریب کریں گے تو اس کی شدید حرارت کے باعث چہروں کے گوشت بھون ڈالے جائیں گے اور چہروں کی کھال پہلے ہی گر چکی ہوگی (2)، اس پانی کی یہ قبیح اور مذموم صفات بیان کرنے کے بعد فرمایا: بِئْسَ الشَّرَابُ جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (محمد: 15) "اور انہیں کھولتا پانی پلایا جائے گا اور وہ ان کی آنتوں کو کاٹ دے گا"، تُسْقٰی مِنْ عَیْنٍ اٰنِیَةٍ (الغاشیہ: 65) "انہیں پلایا جائے گا کھولتے ہوئے چشمہ سے" وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ (الرحمٰن: 44) "اور گرم کھولتے ہوئے پانی کے درمیان" اور جہنم کے متعلق فرمایا: وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا یعنی دوزخ بہت ہی برا ٹھکانہ، قبیح منزل اور بری آرام گاہ ہے جیسا کہ فرمایا: اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا (الفرقان: 66) "بے شک وہ بہت برا ٹھکانا اور بہت بری جگہ ہے"۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۚ﴿۳۰﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّیَلْبَسُوْنَ ثِیَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕیْنَ فِیْهَا عَلَی الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾

"بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے (تو ہمارا یہ دستور ہے کہ) ہم ضائع نہیں کرتے کسی کا اجر جو عمدہ (اور مفید) کام کرتا ہے۔ یہی وہ خوش نصیب ہیں جن کے لئے ہمیشگی کے جنت ہیں رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں۔ انہیں پہنائے جائیں گے ان جنتوں میں کنگن سونے کے اور پہنیں گے سبز رنگ کا لباس جو باریک ریشمی کپڑے اور موٹے ریشمی کپڑے کا بنا ہوا ہوگا تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے وہاں مرصع پلنگوں پر کتنا اچھا ہے یہ اجر۔ اور کتنی عمدہ ہے یہ آرام گاہ"۔

بدبخت لوگوں کے ذکر کے بعد اب ان سعادتمند افراد کا ذکر ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، اس کے رسولوں اور ان کے لائے

1۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 71-70
2۔ تفسیر الطبری، جلد 15، صفحہ 241

ہوئے پیغام کی تصدیق کی اور ان کے ارشادات کی روشنی میں نیک اعمال کرتے رہے، انہیں ہیشگی والی دائمی جنتیں ارزانی فرمائی جائیں گی جن کے بالا خانوں اور رہائش گاہوں کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، فرعون نے کہا تھا: وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ (الزخرف:51) ''اور یہ نہریں جو میرے نیچے بہہ رہی ہیں'' ان خوش بختوں کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے، ایک اور مقام پر فرمایا: وَلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ (الحج:23) ''اور موتیوں کے ہار اور ان کی پوشاک وہاں ریشمی ہوگی'' یہاں اس لباس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا...... ''سُنْدُس'' باریک نرم ریشم کو کہا جاتا ہے اور ''اِسْتَبْرَق'' نرم موٹے ریشم کو کہتے ہیں، اس میں چمک بھی ہوتی ہے۔ ''مُتَّكِـِٕيْنَ'' اِتِّکَاءٌ سے ہے جس کا معنی بقول بعض پہلو کے بل لیٹنا ہے اور بعض نے اس کا معنی بتایا ہے چار زانو ہو کر بیٹھنا۔ یہی معنی یہاں موزوں معلوم ہوتا ہے، اس معنی میں یہ حدیث بھی ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''أَمَّا أَنَا فَلَا آكُلُ مُتَّكِئًا'' یہاں ''متکئا'' کے دونوں معانی بیان کیے گئے ہیں۔ ''ارائك'' ''أَرِيكه'' کی جمع ہے اس سے مراد وہ نشست گاہ اور پلنگ ہے جس پر پردہ ڈال کر دلہن کیلئے آراستہ کیا گیا ہو۔ بعض نے اس کا معنی بیان کیا ہے: حجلہ عروسی میں رکھے ہوئے پلنگ۔ ان کے اجر وثواب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: نِعْمَ الثَّوَابُ، یعنی جنت ان کے اعمال صالحہ کا کتنا عمدہ اجر ہے اور یہ کس قدر اچھی آرامگاہ اور پیارا مقام ہے! اس کے برعکس دوزخیوں کیلئے یہ کہا تھا: بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَاۗءَتْ مُرْتَفَقًا سورہ فرقان میں بھی بالکل اسی طرح دونوں کے درمیان تقابل ہے دوزخیوں کے متعلق فرمایا: اِنَّهَا سَاۗءَتْ مُسْتَــقَرًّا وَّمُقَامًا (الفرقان:66) ''بے شک وہ بہت برا ٹھکانا اور بہت بری جگہ ہے'' ان کے مقابلہ میں اہل ایمان کیلئے فرمایا: اُولٰۗىِٕكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا (الفرقان:76-75)۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۝۳۲ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـــًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۝۳۳ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۝۳۴ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۝۳۵ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَاۗىِٕمَةً ۙ وَّلَىِٕنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝۳۶

''اور بیان فرمایئے ان کے لئے مثال دو آدمیوں کی ہم نے دیئے تھے ان دونوں میں سے ایک کو دو باغ انگوروں کے اور ہم نے باڑ بنا دی ان دونوں کے اردگرد کھجور (کے درختوں) کی اور اگا دی ان دونوں کے درمیان کھیتی۔ یہ دونوں باغ اپنے اپنے پھل لائے اور نہ کم ہوئی ان سے کوئی چیز۔ اور ہم نے جاری کر دیں ان کے درمیان نہریں۔ اور (باغوں کے علاوہ) بھی اس کے اموال تھے۔ تو (ایک روز) اس نے اپنے ساتھی سے بحث مباحثہ کے دوران کہا کہ میں دولت کے لحاظ سے بھی تم سے زیادہ ہوں اور نفری کے لحاظ سے بھی تم سے طاقتور ہوں۔ اور (ایک دن) وہ اپنے باغ میں گیا درآنحالیکہ وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا تھا۔ کہنے لگا میں نہیں خیال کرتا کہ (یہ سرسبز و شاداب) باغ کبھی برباد ہوگا۔ اور میں یہ خیال بھی نہیں کرتا کہ کبھی قیامت بھی برپا ہوگی۔ اور بفرض محال اگر مجھے لوٹایا گیا اپنے رب کی طرف تو یقیناً میں پاؤں گا اس (نزہت گاہ) سے بہتر پلٹنے کی جگہ''۔

قبل ازیں ان مشرکین کا ذکر ہوا جو از راہ نخوت وتکبر کمزور اور مسکین مسلمانوں کے ساتھ بیٹھنا گوارہ نہیں کرتے تھے اور مالدار ہونے کی وجہ سے ان پر فخر کیا کرتے تھے۔ یہاں دو آدمیوں کی مثال بیان کی جارہی ہے جن میں سے ایک کو اللہ تعالیٰ نے انگوروں کے دو باغات مرحمت فرمائے، ان کے ارد گرد کھجوروں کے درخت تھے اور درمیان میں کھیتی، تمام درخت اور کھیتیاں نہایت عمدہ اور بھرپور پیداوار دیتیں، اس لئے فرمایا: كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ　یعنی دونوں باغات خوب پھل لاتے اور کسی چیز کی کمی واقع نہ ہوتی، پھر ان باغات کے درمیان ادھر ادھر نہریں بھی جاری کر دیں۔ صرف اسی پر ہی بس نہیں بلکہ اسے مزید مال عطا فرمایا۔ حضرت ابن عباس مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ ''ثمر'' کا معنی مال ہے، بعض نے اس کا معنی پھل کیا ہے۔ یہی زیادہ ظاہر ہے اور ایک دوسری قرأت (ثُمُرٌ) اس کی تائید کرتی ہے۔ اس صورت میں یہ ثمرہ کی جمع ہے جیسے خشبۃ کی جمع خشب۔ بعض دیگر حضرات نے اسے ثَمَرٌ بھی پڑھا ہے۔ الغرض ان باغات کے مالک نے ایک دن بحث و مباحثہ کے دوران فخر وغرور کرتے ہوئے اور اپنی سروری کی دھاک بٹھاتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا أَنَا أَكْثَرُ　یعنی میرے پاس مال و دولت بھی تم سے زیادہ ہے اور نوکر چاکر اور اولاد بھی تم سے زیادہ اور طاقتور۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ ایک فاجر شخص کی یہی آرزو ہوتی ہے کہ اس کے پاس مال ودولت کی فراوانی ہو اور طاقتور نفری میسر ہو۔

فرمایا: وَدَخَلَ　- یہ شخص اپنے باغ میں داخل ہوا دراں حالیکہ وہ کفر، تمرد، تکبر، جبر اور انکار قیامت کے باعث اپنے اوپر ظلم کرنے والا تھا، جب اس نے اپنے باغات کے چاروں طرف پھلوں سے لدے درخت، لہلہاتی سرسبز فصلیں اور جاری نہریں دیکھیں تو تکبر وغرور سے خیال کرنے لگا کہ یہ چیزیں نہ فنا ہو سکتیں ہیں، نہ تلف ہونے والی ہیں اور نہ بربادی ان تک راہ پا سکتی ہے، حالانکہ یہ اس کی کم عقلی، کوتاہ بینی، ضعف اعتقاد، انکار آخرت اور دنیاوی زیب وزینت پر فریفتگی تھی جس کے سبب وہ یہ سمجھ بیٹھا تھا، اس لئے کہنے لگا: وَمَآ أَظُنُّ السَّاعَةَ... - یعنی میرے خیال میں تو قیامت کبھی بھی نہیں آئے گی اور اگر بالفرض قیامت آ گئی اور مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا بھی پڑا تو وہاں میں اس سے بھی زیادہ خوش نصیب ہوں گا اور دنیا سے بڑھ کر وہاں مجھے نوازا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مجھے خاص مرتبہ اور عزت حاصل ہے اور مجھے طرح طرح کی نعمتوں سے نوازنا اس بات کی دلیل ہے کہ واقعی میں اللہ تعالیٰ کا پیارا ہوں۔ اس چیز کو دیگر آیات میں یوں بیان کیا: وَلَئِن رُّجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّيٓ إِنَّ لِي عِندَهُۥ لَلْحُسْنَىٰ (فصلت:50) '' اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو یقیناً میرے لئے اس کے پاس اکرام ہی اکرام ہوگا''، أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِـَٔايَٰتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا (مریم:77) '' کیا آپ نے اس کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور کہنے لگا کہ مجھے ضرور ضرور دیا جائے گا مال اور اولاد''۔ قسم کھا کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ شخص بڑی جسارت کرتا ہے، عاص بن وائل کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، اپنے مقام پر انشاءاللہ اس کا بیان ہوگا۔

قَالَ لَهُۥ صَاحِبُهُۥ وَهُوَ يُحَاوِرُهُۥٓ أَكَفَرْتَ بِٱلَّذِي خَلَقَكَ مِن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّىٰكَ رَجُلًا ﴿٣٧﴾ لَّٰكِنَّا۠ هُوَ ٱللَّهُ رَبِّي وَلَآ أُشْرِكُ بِرَبِّيٓ أَحَدًا ﴿٣٨﴾ وَلَوْلَآ إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ ٱللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِٱللَّهِ ۚ إِن تَرَنِ أَنَا۠ أَقَلَّ مِنكَ مَالًا وَوَلَدًا ﴿٣٩﴾ فَعَسَىٰ رَبِّيٓ أَن يُؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّن جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ ٱلسَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا ﴿٤٠﴾ أَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَن تَسْتَطِيعَ لَهُۥ طَلَبًا ﴿٤١﴾

''اس کے ساتھی نے اسے بحث مباحثہ کے دوران کہا کیا تو انکار کرتا ہے اس ذات کا جس نے تجھے پیدا فرمایا مٹی سے پھر نطفہ سے پھر بنا سنوار کر تجھے مرد بنایا۔ لیکن میں، (تو) وہ اللہ ہی میرا رب ہے اور میں شریک نہیں ٹھہراتا اپنے رب کے ساتھ کسی کو اور کیوں ایسا نہ ہوا کہ جب تو باغ میں داخل ہوا تو تو کہتا ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ (وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر کسی میں کوئی طاقت نہیں) اگر تو نے مجھے دیکھا کہ میں کم ہوں تجھ سے مال اور اولاد میں۔ پس عجب نہیں کہ میرا رب مجھے عطا فرما دے کوئی بہتر چیز تیرے (اس) باغ سے اور اتارے اس باغ پر (کوئی) آسمانی عذاب، تو ہو جائے یہ (سرسبز) باغ ایک چٹیل میدان۔ یا یوں جذب ہو جائے اس کا پانی زمین کی گہرائی میں کہ پھر تو اس کو تلاش کے باوجود نہ پا سکے''۔

کافر مالدار کو اس کے مومن نادار ساتھی نے وعظ و تلقین اور کفر و غرور پر سرزنش کرتے ہوئے کہا اَكَفَرْتَ۔ یعنی یہ بہت ہی ناروا اور ناپسندیدہ بات ہے کہ تم اپنے خالق کا انکار کرو جس نے انسانی تخلیق کا آغاز مٹی سے کیا، یعنی آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا پھر ایک حقیر سے قطرہ آب کے ذریعے ان کی نسل کا سلسلہ جاری کر دیا، جیسا کہ فرمایا: كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ (البقرۃ: 28) ''کیونکر تم اللہ کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے، اس نے تمہیں زندگی بخشی'' یعنی تم کیونکر اپنے رب کا انکار کرتے ہو حالانکہ تمہارا وجود اس کی ذات کی نشاندہی کرتا ہے، ہر شخص اس حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہے کہ ہر مخلوق پہلے معدوم تھی، پھر وجود میں آئی، اس کا وجود میں آنا نہ از خود ہے اور نہ کسی دوسری مخلوق کا کرشمہ، کیونکہ وہ بھی اس کی طرح خالق کی محتاج ہے، اس سے یہ ثابت ہوا کہ ہر مخلوق کا موجد صرف اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہر چیز کو اس نے پیدا کیا ہے، اس لئے مومن نے کافر سے کہا: لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ۔ یعنی میں وہ بات کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا جو تم نے کی، بلکہ میں تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ربوبیت کا صدق دل سے اعتراف کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا، پھر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی ترغیب دلاتے ہوئے کہا: وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ۔ یعنی جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے اور طرح طرح کی نعمتیں دیکھ کر مسرور ہوئے تو تم نے ان انعامات اور مال و اولاد جیسی دیگر نوازشات پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہوئے یہ کیوں نہ کہا: مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ''وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہے، کوئی قوت نہیں ہے مگر اس کی توفیق سے''، اس لئے کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ جسے اپنا حال، مال یا اولاد پسند آ جائے، اسے یہی مَا شَآءَ اللّٰهُ کہنا چاہئے۔ یہ اسی آیت سے ماخوذ ہے۔ ایک حدیث مرفوع میں جس کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''جس بندے پر اللہ تعالیٰ اہل وعیال، مال یا اولاد کی صورت میں انعام فرمائے اور وہ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہہ لے تو اس پر بجز موت کے کوئی آفت نہیں آئے گی'' اور آپ اس آیت کی تاویل کرتے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں جنت کے ایک خزانے پر تمہاری رہنمائی نہ کر دوں؟ وہ ہے: لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہنا'' (1)۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے: ''کیا میں تمہیں ایک جنتی خزانہ نہ بتا دوں؟'' لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ''۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا ''اے ابوہریرہ! کیا میں تمہیں عرش تلے جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتا دوں؟ میں نے عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر قربان! ضرور بتلایئے۔ آپ نے فرمایا: لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھا کرو۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میرے بندے نے اطاعت کی اور سر تسلیم خم

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 469

کر دیا"(1)، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھنا چاہئے، آپ نے فرمایا کہ صرف یہی نہیں بلکہ وہ جو سورہ کہف میں ہے یعنی مَا شَآءَ اللّٰهُ ۔

اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے مومن کہنے لگا: فَعَسٰى رَبِّيْٓ... یعنی مجھے امید ہے میرا رب مجھے آخرت میں تمہارے باغ سے بہتر عطا فرمائے گا اور تمہارے باغ پر جس کے متعلق تو خیال کیے بیٹھا ہے کہ یہ کبھی بھی فنا نہیں ہوگا، آسمان سے عذاب نازل کر دے، شدید بارش برسنے لگے جو درختوں اور کھیتوں کو برباد کر کے رکھ دے، پھر وہاں صرف ایسی چکنی بنجر زمین باقی رہ جائے جہاں قدم پھسلنے لگیں اور وہ کوئی چیز اگانے کے قابل نہ رہے یا پھر اس کا پانی نیچے بہت زیادہ گہرائی میں چلا جائے، جیسا کہ اس آیت میں فرمایا: قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ (الملک: 30) آپ پوچھیے اگر کسی صبح تمہارا پانی زمین کی تہہ میں اتر جائے تو تمہیں میٹھا صاف پانی کون لا دے گا؟"

یہاں غور (مصدر) بمعنی غائر (اسم فاعل) ہے اور یہاں مصدر کا استعمال زیادہ بلیغ ہے۔

وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝٤٢ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝٤٣ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ۝٤٤

"اور اس (کے باغ) کا پھل برباد ہوگیا پس وہ کف افسوس ملنے لگا اس مال کے نقصان پر جو اس نے باغ پر خرچ کیا تھا اور (اب) وہ گر پڑا تھا اپنے چھپروں پر اور (بصد حسرت) کہنے لگا کاش! میں نے کسی کو اپنے رب کا شریک نہ بنایا ہوتا۔ اور نہ رہی تھی اس کے پاس کوئی جماعت جو اس کی مدد کرتی اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اور نہ وہ بدلہ لینے کے قابل تھا۔ یہاں سے ثابت ہوگیا کہ سارا اختیار اللہ سچے کے لئے ہے۔ وہی بہتر ثواب دینے والا ہے اور اس کے ہاتھ میں بہتر انجام ہے"۔

اس کا تمام مال یا دوسرے قول کے مطابق تمام پھل برباد ہوگیا اور اس کے ساتھ وہی ہوا جس سے مومن نے اسے خبردار کیا تھا، یعنی اس کا وہ باغ عذاب کی نذر ہوگیا جس پر وہ اتراتا تھا اور اس نے اسے یاد الٰہی سے غافل کر دیا تھا، وہ اس باغ پر خرچ کیے ہوئے مال کی بربادی پر کف افسوس ملنے لگا اور بصد حسرت کہنے لگا ہائے کاش! میں نے اپنے رب کا شریک نہ بنایا ہوتا، اس صورتحال میں اب وہ بے یارو مددگار تھا، خاندان اور اولاد جن پر اسے ناز تھا اور جنہیں وہ اپنی قوت کا سرچشمہ سمجھتا تھا، وہ بھی اس کی مدد نہ کر سکے اور وہ خود بھی انتقام لینے کے قابل نہ رہا، یہاں سے ثابت ہوگیا کہ اختیار صرف اللہ سچے کے ہاتھ میں ہے۔ بعض قراء "هنالك" پر وقف کرتے ہیں اور اسے پہلے جملے کے ساتھ ملا کر پڑھتے ہیں یعنی وہ اس مقام پر انتقام نہ لے سکا جہاں عذاب نازل ہوا تھا اور نہ اسے کوئی اس عذاب سے بچا سکا، اس صورت میں اَلْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ نیا جملہ ہوگا، جبکہ بعض قراء "منتصرا" پر وقف کرتے ہیں اور "هنالك" سے نئے جملے کا آغاز کرتے ہیں۔ پھر "ولاية" کی قرأت میں اختلاف ہے، بعض اس کی واؤ کو زبر دیتے ہیں، اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ہر شخص کو خواہ وہ مومن ہو یا کافر اللہ تعالیٰ کی طرف ہی رجوع کرنا ہے اور نزول عذاب کے وقت اس کے حضور سر تسلیم خم کرنا ہے جیسا کہ فرمایا: فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَ

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 325

كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ (غافر:84) '' پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے ہم ایک اللہ پر ایمان لائے اور ہم ان معبودوں کا انکار کرتے ہیں جنہیں ہم اس کا شریک ٹھہراتے تھے''۔ اسی طرح فرعون کے متعلق فرمایا: حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۞ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ (یونس:91-90) '' حتیٰ کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو کہنے لگا کہ میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں بجز اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے تھے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ کیا اب؟ اور تو اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تو فتنہ وفساد برپا کرنے والوں میں سے تھا''۔

بعض ولایۃ کی واؤ کو زیر کے ساتھ پڑھتے ہیں اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہاں حکم صرف اللہ سچے کیلئے ہے، بعض نے لفظ ''الحق'' کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں '' الولایۃ'' کی صفت ہوگا جیسے فرمایا: اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ۨالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا (الفرقان:26) '' اس دن سچی بادشاہی رحمٰن کی ہوگی اور وہ دن کافروں کے لئے بہت مشکل ہوگا''، جبکہ بعض نے لفظ جلالہ کی صفت بناتے ہوئے اسے مجرور پڑھا ہے جیسے یہ فرمان ہے: ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ (الانعام:62) '' پھر لوٹا دیئے جائیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف جو ان کا حقیقی مالک ہے'' اس لئے فرمایا: هُوَ خَيْرٌ ... یعنی جو اعمال خالص اس کیلئے کیے جائیں ان کا ثواب بہت بہتر اور ان کا انجام قابل تعریف ہوتا ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝

'' بیان فرمائیے ان سے دنیوی زندگی کی (ایک اور) مثال یہ پانی کی طرح ہے جسے ہم نے اتارا ہے آسمان سے پس گنجان ہو کر اگتی ہے اس پانی سے زمین کی انگوریں پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ خشک بوسیدہ گھاس ہو جاتی ہے اڑائے پھرتی ہیں اسے ہوائیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ مال اور فرزند (تو صرف) دنیوی زندگی کی زیب و زینت ہیں اور (درحقیقت) باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں تیرے رب کے ہاں ثواب کے اعتبار سے اور بہتر ہیں جن سے امید وابستہ کی جاتی ہے''۔

دنیاوی زندگی کی بے ثباتی، زوال، فنا اور بربادی کی مثال بیان کی جارہی ہے، یہ آسمان سے اترنے والے پانی کی طرح ہے جو بیج کے ساتھ مل کر خوب گھنی فصل اگاتا ہے، سرسبز کھیت لہلہانے لگتے ہیں اور خوبصورت کلیاں اور کونپلیں اپنی بہار دکھانے لگتی ہیں لیکن کچھ عرصہ کے بعد یہ نباتات خشک اور بوسیدہ ہو کر چور چور ہو جاتی ہیں، جنہیں ہوائیں ادھر ادھر اڑائے پھرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس حالت پر بھی اور اس حالت پر بھی پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ عموماً دنیاوی زندگی کی یہی مثال بیان فرماتا ہے جیسا کہ سورہ یونس میں فرمایا: اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ (یونس:24) '' دنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی اتارا، سو پانی کے باعث زمین کی سرسبزی گھنی ہو کر اگی جس سے انسان بھی کھاتے ہیں اور حیوان بھی''، سورۂ زمر میں فرمایا: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا

اَلْوَانُهٗ (الزمر:21)'' کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اسے زمین کے چشموں سے جاری کیا، پھر اس کے ذریعے جدا جدا رنگوں والی فصلیں اگاتا ہے''، سورۂ حدید میں ارشاد ہوتا ہے: اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ (الحدید:20) ''خوب جان لو دنیوی زندگی محض کھیل، تماشا، آرائش، آپس میں اترانا اور ایک دوسرے سے زیادہ مال و اولاد حاصل کرنا ہے، اس کی مثال یوں سمجھو جیسے بادل برسے اور کسانوں کو اس کی کھیتی نہال کر دے''۔

حدیث صحیح میں آتا ہے: ''اَلدُّنْیَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ''(1) یعنی دنیا سرسبز اور شیریں ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ان ارشادات کی طرح ہے: زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ (آل عمران:14)'' آراستہ کی گئی لوگوں کیلئے خواہشات کی محبت یعنی عورتیں اور بیٹے اور جمع کیے ہوئے خزانے سونے اور چاندی کے اور نشان زدہ گھوڑے'' اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ (التغابن:15)'' بے شک تمہارے اموال اور تمہاری اولاد بڑی آزمائش ہیں اور اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے''۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا اور اس کی عبادت میں مشغول ہو جانا اموال و اولاد میں بالکل کھو جانے سے بہتر ہے، اسی لئے فرمایا: وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، سعید بن جبیر اور متعدد علماء سلف کہتے ہیں کہ الباقیات الصالحات (باقی رہنے والی نیکیاں) سے مراد نماز پنجگانہ ہے۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے: ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ''۔ اسی طرح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے باقیات صالحات کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ یہ ہیں: ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ''۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام حارث بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، اسی اثناء میں مؤذن آپ کے پاس آ گیا تو آپ نے پانی منگوا کر وضو کیا فرمانے لگے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے اس طرح وضو کیا پھر فرمایا: ''جس نے میرے اس وضو جیسا وضو کیا پھر اٹھ کھڑا ہوا اور نماز ظہر ادا کی تو اس کے فجر اور ظہر کے درمیان کے گناہ معاف ہو گئے، پھر عصر کی نماز پڑھی تو ظہر سے لے کر عصر تک کے گناہ بخش دیئے گئے، پھر نماز مغرب ادا کی تو عصر اور مغرب کے درمیان کے گناہ معاف ہو گئے، پھر عشاء کی نماز پڑھی تو عشاء اور مغرب کے درمیان کے گناہ بخش دیئے گئے، پھر رات کو وہ سویا رہا، پھر اگر اس نے اٹھ کر وضو کر کے نماز فجر ادا کر لی تو عشاء سے لے کر فجر تک کے گناہ معاف ہو گئے اور یہی وہ نیکیاں ہیں جو برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں''۔ لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ یہ تو حسنات (نیکیاں) ہیں اور الباقیات الصالحات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ وہ یہ ہیں ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ''(2)۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ باقیات صالحات یہ ہیں: ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ''۔ عمارہ کہتے ہیں کہ حضرت سعید بن مسیبؒ نے مجھ سے پوچھا کہ الباقیات الصالحات کیا ہیں؟ میں نے کہا: نماز اور روزہ، آپ نے فرمایا کہ تم نے درست جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا: زکوٰۃ اور حج۔ آپ نے فرمایا:

1۔ اخرجہ الترمذی و ابن ماجہ فی کتاب الفتن، عارضۃ الاحوذی، جلد 9، صفحہ 41، ابن ماجہ، جلد 2، صفحہ 1325

2۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 71

یہ بھی نہیں، بلکہ وہ یہ پانچ کلمات ہیں: ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ باقیات صالحات یہ ہیں'' لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ''۔ عطاء بن ابی رباح کا بھی یہی قول ہے۔ مجاہد اس سے مراد یہ لیتے ہیں، ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ''۔ حسن اور قتادہ کہتے ہیں کہ'' لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ''۔ یہ باقیات صالحات ہیں ابن جریر کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ'' ۔ یہ باقیات صالحات ہیں''(1)۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''باقیات صالحات بکثرت کیا کرو'' عرض کی گئی، یارسول اللہ! یہ کیا ہیں؟ فرمایا: ''ملت''، عرض کی گئی، یارسول اللہ! یہ کیا ہے؟ فرمایا: ''تکبیر، تہلیل، تسبیح، الحمدللہ اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ''(2)۔

سالم بن عبداللہ کے مولیٰ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ مجھے سالم نے محمد بن کعب قرظی کے پاس کسی کام کیلئے بھیجا تو انہوں نے کہا کہ سالم سے کہنا کہ وہ فلاں قبر کے قریب کونے میں میرے ساتھ ملاقات کریں، مجھے ان سے ایک ضروری کام ہے۔ چنانچہ دونوں کی ملاقات ہوئی، سلام دعا کے بعد سالم نے پوچھا کہ آپ باقیات صالحات سے کیا مراد لیتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ''۔ سالم نے ان سے کہا کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ آپ نے کب سے اس میں شامل کرلیا؟ انہوں نے کہا کہ میں تو ہمیشہ سے اسے اس میں شامل کرتا چلا آرہا ہوں۔ دو تین بار یہی سوال و جواب ہوا لیکن سالم نہ مانے۔ آخرکار محمد بن کعب نے پوچھا کہ کیا آپ کو اس کلمے سے انکار ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں، مجھے انکار ہے کیونکہ حضرت ابوایوب انصاری نے مجھے بتایا تھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''مجھے آسمان پر لے جایا گیا، میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، انہوں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: محمد (ﷺ) چنانچہ انہوں نے مجھے اہلاً وسہلاً اور مرحبا کہا، پھر فرمایا: ''اپنی امت کو حکم دیں کہ وہ جنت میں بکثرت درخت لگائے، اس کی مٹی بڑی زرخیز اور زمین بہت فراخ ہے۔ میں نے پوچھا کہ جنتی درخت کیسے لگائیں؟ انہوں نے جواب دیا: ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ''(3) پڑھیں۔ ایک انصاری بیان کرتے ہیں کہ نماز عشاء کے بعد ہم مسجد میں تھے، اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لے آئے۔ آپ نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی پھر اسے نیچے کرلیا۔ ہمیں خیال گذرا کہ شاید آسمان میں کوئی نئی چیز وقوع پذیر ہوئی ہے، کچھ دیر کے بعد آپ نے فرمایا'' میرے بعد ایسے حکام ہوں گے جو جھوٹ بولیں گے اور ظلم کریں گے، جس شخص نے ان کے جھوٹ کو سچ کہا اور ان کے ظلم میں ان کا معاون بنا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں اور میرا اس سے کوئی تعلق نہیں اور جس شخص نے ان کے جھوٹ کی تصدیق نہ کی اور نہ ہی ظلم میں ان کی معاونت کی، وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں، سنو! ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ''، یہی باقیات صالحات ہیں''(4) ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں'' واہ واہ، پانچ چیزیں میزان میں کسقدر روزنی ہیں: ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اور صالح فرزند جس کی وفات پر اس کا والد صبر کرے اور اللہ تعالیٰ سے اجر طلب کرے۔ واہ واہ! پانچ چیزیں ایسی ہیں جن پر یقین رکھنے کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 15، صفحہ 255
2۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 75
3۔ تفسیر طبری، جلد 15، صفحہ 255، مسند احمد، جلد 5، صفحہ 418
4۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 267-268

حالت میں اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے، وہ جنتی ہے، اللہ تعالیٰ، یوم آخرت، جنت، دوزخ، موت کے بعد دوبارہ اٹھنے اور حساب پر ایمان رکھے" (1)۔

حضرت حسان بن عطیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت شداد بن اوس سفر پر تھے دوران سفر ایک جگہ قیام کیا اور اپنے غلام سے کہا کہ چھری لاؤ، تھوڑی دیر اس کے ساتھ کھیل لیں، مجھے یہ بات پسند نہ آئی، میری ناگواری کو جانتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے، بجز آج کی اس بات کے میں نے کوئی نازیبا بات نہیں کی، سو اس بات کو جانے دو اور بالکل فراموش کر دو، اس کی بجائے وہ حدیث ذہن نشین کر لو جو میں تمہیں بتانے والا ہوں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "جب لوگ سونا اور چاندی جمع کرنے میں لگ جائیں تو تم ان کلمات کا خزانہ کر لو!" اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ الثَّبَاتَ فِی الْاَمْرِ وَالْعَزِیْمَةَ عَلَی الرُّشْدِ، وَاَسْاَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ، وَاَسْاَلُكَ حُسْنَ عِبَادَتِكَ، وَاَسْاَلُكَ قَلْبًا سَلِیْمًا، وَاَسْاَلُكَ لِسَانًا صَادِقًا، وَاَسْاَلُكَ مِنْ خَیْرِ مَا تَعْلَمُ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ" (2) یعنی اے اللہ! میں تجھ سے ہر معاملہ میں ثابت قدمی اور ہدایت پر کاربند رہنے کی توفیق کا سوال کرتا ہوں، میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ تو مجھے اپنی نعمتوں کے شکر کی طاقت مرحمت فرما، میری تجھ سے درخواست ہے کہ تو مجھے عمدہ طریقے سے اپنی عبادت کرنے کی قوت ارزانی فرما، میں تجھ سے سلامتی والا دل اور سچی زبان مانگتا ہوں، میں ہر اس بھلائی کا طلب گار ہوں جو تو جانتا ہے اور ہر اس شر سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں جو تیرے علم میں ہے اور میں ہر اس برائی سے تیری مغفرت طلب کرتا ہوں جسے تو جانتا ہے، بے شک تو ہی غیبوں کو جاننے والا ہے۔ حضرت سعد بن جنادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں طائف کے لوگوں میں سے سب سے پہلے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں علی الصبح طائف سے نکلا اور عصر کے وقت منیٰ میں پہنچ گیا، پہاڑ پر چڑھا اور اتر آیا۔ پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ آپ ﷺ نے مجھے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور "اِذَا زُلْزِلَتْ" دو سورتیں سکھائیں اور ان کلمات کی تلقین کی: "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ"، فرمایا: یہی باقیات صالحات ہیں" (3) اسی سند سے مروی ہے: "جو شخص رات کو اٹھے، وضو کرے اور کلی کرے، پھر سو مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھے تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ بجز خون (قتل) کے، کیونکہ یہ معاف نہیں ہوتا، علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ باقیات صالحات سے مراد ہے: اللہ کا ذکر اور یہ پڑھنا" اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَتَبَارَكَ اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ"، روزہ، نماز، حج، صدقہ، غلام آزاد کرنا، جہاد، صلہ رحمی اور سب نیکیاں باقیات صالحات ہیں جن کا اجر اہل جنت کو اس وقت تک ملتا رہے گا جب تک زمین و آسمان قائم ہیں، عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد پاکیزہ کلام ہے۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اس سے مراد تمام اعمال صالحہ ہیں۔ ابن جریر نے اس قول کو پسند کیا ہے (4)۔

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۚ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 237
2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 125، 123، سنن نسائی، کتاب السہو، جلد 3 صفحہ 54
3۔ المعجم الکبیر، جلد 6 صفحہ 51-52
4۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 256

لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝ وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا فِیْهِ وَ یَقُوْلُوْنَ یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّ لَا كَبِیْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَ لَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝۴۹

"اور (غور کرو) جس روز ہم ہٹا دیں گے پہاڑوں کو (ان کی جگہ سے) اور تم دیکھو گے زمین کو کہ کھلا میدان ہے اور ہم جمع کریں گے انہیں پس نہیں پیچھے رہنے دیں گے ان میں سے کسی کو۔ اور وہ پیش کئے جائیں گے آپ کے رب کی بارگاہ میں صفیں باندھے ہوئے۔ (پھر ہم انہیں کہیں گے کہ) آج تم آ گئے ہو ہمارے پاس جیسے ہم نے پیدا کیا تھا تمہیں پہلی بار۔ ہاں! تم تو یہ خیال کئے ہوئے تھے کہ ہم نہیں مقرر کریں گے تمہارے لئے وعدہ کا وقت۔ اور رکھ دیا جائے گا (ان کے سامنے) نامۂ عمل پس تو دیکھے گا مجرموں کو کہ وہ ڈر رہے ہوں گے اس سے جو اس میں ہے اور کہیں گے صد حیف! اس نوشتہ کو کیا ہو گیا ہے کہ نہیں چھوڑا اس نے کسی چھوٹے گناہ کو اور نہ کسی بڑے گناہ کو مگر اس نے اس کا شمار کر لیا ہے۔ اور (اس دن) وہ پالیں گے جو عمل انہوں نے کئے تھے اپنے سامنے۔ اور آپ کا رب تو (اپنے حبیب!) کسی پر زیادتی نہیں کرتا"۔

قیامت کی ہولناکیوں اور اس میں وقوع پذیر ہونے والے بڑے بڑے امور اور حوادثات کی خبر دی جا رہی ہے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: یَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۝ وَّ تَسِیْرُ الْجِبَالُ سَیْرًا (الطور: 10-9) "جس روز آسمان بری طرح تھرتھرا رہا ہوگا اور پہاڑ تیزی سے چلنے لگیں گے"۔ وَ تَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّ هِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ (النمل: 88) "اور تو پہاڑوں کو دیکھے گا تو گمان کرے گا کہ یہ ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ چل رہے ہوں گے"، وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ (القارعۃ: 5) "اور پہاڑ دھنی ہوئی اون کی مانند ہوں گے"، وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا ۝ فَیَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَّا تَرٰى فِیْهَا عِوَجًا وَّ لَاۤ اَمْتًا (طٰہٰ: 107-105) "اور وہ آپ سے پہاڑوں کے انجام کے متعلق پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجئے میرا رب انہیں جڑوں سے اکھیڑ کر پھینک دے گا پھر انہیں کھلا ہموار میدان بنا چھوڑے گا، اس میں نہ تجھے کوئی موڑ نظر آئے گا اور نہ کوئی ٹیلہ" یعنی پہاڑ اڑ جائیں گے اور زمین صاف چٹیل میدان کی شکل اختیار کرے گی، جس میں نہ کوئی اونچ نیچ باقی رہے گی اور نہ کوئی وادی اور پہاڑ، اس لئے فرمایا: وَ تَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً یعنی زمین بالکل صاف اور ظاہر ہوگی جس میں نہ کسی کیلئے کوئی نشانی ہوگی اور نہ ایسی جگہ جہاں وہ چھپ سکے بلکہ تمام مخلوق اپنے رب کے روبرو ہوگی اور ان میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہو سکے گا۔ مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ زمین میں نہ کوئی پتھر رہے گا اور نہ کوئی پناہ گاہ، قتادہ مزید کہتے ہیں کہ نہ کوئی عمارت باقی رہے گی اور نہ کوئی درخت۔

فرمایا: وَ حَشَرْنٰهُمْ یعنی ہم اگلے پچھلے تمام لوگوں کو اکٹھا کریں گے اور ان میں سے کسی کو بھی پیچھے نہیں چھوڑیں گے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، جیسا کہ ان آیات میں فرمایا: قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ ۝ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ۬ اِلٰى مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (الواقعہ: 50-49) "آپ فرما دیجئے بے شک اگلوں کو بھی اور پچھلوں کو بھی ایک مقررہ وقت پر ایک جانے ہوئے دن میں جمع کیا جائے گا"، ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ (ہود: 103) "یہ وہ دن ہے جس دن سب لوگ اکٹھے کیے جائیں گے اور یہ وہ دن ہے جب سب کو حاضر کیا جائے گا"۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیشی کے متعلق ارشاد ہوا وَ عُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ اس کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ تمام مخلوقات ایک ہی صف باندھے اللہ

تعالیٰ کے سامنے کھڑی ہوں گی جیسا کہ فرمایا: یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ صَفًّا لَا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا (النباء:38) ''جس روز روح اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں گے، کوئی نہ بول سکے گا بجز اس کے جس کو رحمٰن اذن دے اور وہ ٹھیک بات کرے''۔ اور یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ تمام کے تمام کئی صفیں باندھے کھڑے ہوں گے جیسا کہ فرمایا: وَّ جَآءَ رَبُّكَ وَ الْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا (الفجر:22) ''اور آپ کا رب جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے صف در صف حاضر ہوں گے''۔ منکرین قیامت کو سرعام سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے فرمایا جائے گا: لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا...... اس لئے انہیں مخاطب کرتے ہوئے ارشاد ہوگا: بَلْ زَعَمْتُمْ ...یعنی تم تو اس بات کے قائل ہی نہ تھے کہ قیامت کا وقوع حتمی ہے۔ پھر ہر ایک کے سامنے اس کا نامۂ اعمال رکھ دیا جائے گا جس میں ہر چھوٹا بڑا عمل درج ہوگا، مجرمین اپنے اپنے نامۂ اعمال میں اپنے برے اعمال اور قبیح افعال دیکھ کر خوفزدہ ہو جائیں گے اور کہیں گے یٰوَیْلَتَنَا - ہائے افسوس، صد حیف! ہم نے اپنی عمریں فضولیات میں برباد کر دیں، یہ کیسا نوشتہ ہے، جس نے نہ کسی چھوٹے گناہ کو چھوڑا ہے اور نہ کسی بڑے گناہ کو بلکہ سب شمار کر کے محفوظ کر رکھا ہے۔ حضرت سعد بن جنادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ حنین سے فارغ ہو کر عازم سفر ہوئے تو ہم نے ایک بنجر میدان میں پڑاؤ کیا، جہاں کوئی چیز نہیں تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کو کوئی شاخ ملے وہ اسے لے آئے، جسے کوئی لکڑی یا کوئی اور چیز ملے وہ بھی لے آئے'' تھوڑی ہی دیر میں وہاں ڈھیر لگ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس طرح تم نے یہ ڈھیر لگایا ہے، اسی طرح ایک آدمی کے گناہ جمع کر کے اس پر ڈھیر کر دیئے جائیں گے۔ آدمی کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے اور کوئی چھوٹا بڑا گناہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ہر گناہ شمار کیا جاتا ہے''(1) فرمایا: وَ وَجَدُوْا... یعنی ہر اچھا برا عمل اپنے سامنے پالیں گے جیسا کہ فرمایا: یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا - (آل عمران:30) ''جس دن ہر نفس موجود پائے گا جو نیکی اس نے کی تھی اپنے سامنے اور جو اس نے برائی کی تھی''۔ یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَىِٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ (القیامۃ:13) ''انسان کو اس روز آگاہ کر دیا جائے گا جو عمل اس نے پہلے بھیجے اور جو (اثرات) پیچھے چھوڑ آیا''۔ یَوْمَ تُبْلَى السَّرَآىِٕرُ (الطارق:9) ''اس دن کو یاد کرو جب راز فاش کر دیئے جائیں گے''۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''روز قیامت ہر بدعہدی کرنے والے کیلئے ایک جھنڈا ہوگا جس سے اس کی پہچان ہوگی'' (2) ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''قیامت کے دن ہر بدعہد کیلئے اس کی سرین کے پاس ایک جھنڈا اس کی بدعہدی کی مقدار بلند کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی بدعہدی ہے''۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَ لَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا یعنی اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان ان کے اعمال کا فیصلہ کرتے وقت کسی پر زیادتی نہیں کرتا بلکہ وہ معاف بھی فرما دیتا ہے، درگزر بھی کرتا ہے، مغفرت اور رحم بھی فرماتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی قدرت، حکمت اور عدل کی رو سے جسے چاہے عذاب بھی دیتا ہے، وہ جہنم کو کفار اور گنہگاروں سے بھر دے گا۔ گنہگار مسلمان آخر کار جہنم سے رہائی پالیں گے، لیکن کفار اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ ہی ایسا حاکم ہے جو نہ ظلم کرتا ہے اور نہ زیادتی، فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفْهَا (النساء:40) ''بے شک اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا، اگر معمولی سی بھی نیکی ہو تو وہ اسے دوگنا کر دیتا ہے''۔ وَ نَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْـًٔا...... حٰسِبِیْنَ (الانبیاء:47) ''اور ہم قیامت کے دن صحیح تولنے والے ترازو رکھ دیں گے پس کسی پر ذرہ بھر ظلم نہ کیا جائے گا۔ اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی (کوئی عمل) ہوگا تو ہم اسے بھی لا حاضر کریں گے اور ہم حساب کرنے والے کافی ہیں''۔

1۔ المعجم الکبیر، جلد 6 صفحہ 52　5۔ آل عمران:30　2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 142

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے ایک حدیث کے متعلق پتہ چلا کہ اسے ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے، چنانچہ میں نے ایک اونٹ خریدا، کجاوا کسا اور رخت سفر باندھ کر سفر پر روانہ ہو گیا۔ ایک ماہ کے سفر کے بعد میں شام پہنچا، تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ شخص تو عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے دربان سے کہا کہ عبداللہ کو جا کر بتائیں جابر دروازے پر کھڑا ہے۔ انہوں نے پوچھا: جابر بن عبداللہ؟ میں نے کہا: ہاں۔ یہ سنتے ہی وہ جلدی کے باعث اپنی چادر روندتے ہوئے باہر نکلے اور مجھ سے لپٹ گئے، معانقہ کے بعد میں نے انہیں کہا کہ قصاص کے متعلق ایک حدیث ہے جس کی بابت مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ نے وہ نبی کریم ﷺ سے سنی ہے، مجھے اندیشہ لاحق ہو گیا کہ کہیں اسے سننے سے پہلے ہی نہ مر جاؤں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”روز قیامت اللہ تعالیٰ تمام بندوں کو اس حال میں جمع کرے گا کہ وہ برہنہ بدن، بے ختنہ اور بے سروسامان ہوں گے، پھر انہیں ایسی آواز کے ساتھ ندا دے گا جو دور سے بھی ایسے ہی سنائی دے گی جیسے قریب سے، فرمائے گا کہ میں حقیقی بادشاہ ہوں، میں ہی پورا پورا بدلہ دینے والا ہوں، کوئی جہنمی اس وقت تک جہنم میں نہیں جائے گا جب تک میں اسے اس کا وہ حق نہ دلا دوں جو کسی جنتی کے ذمہ ہے اور نہ کوئی جنتی اس وقت تک جنت میں داخل ہو سکے گا جب تک میں اسے اس کا وہ حق نہ دلا دوں جو کسی دوزخی کے ذمہ ہے، اگرچہ وہ حق ایک تھپڑ ہی ہو، ہم نے عرض کی کہ یہ کیسے ہوگا، حالانکہ ہم برہنہ پا، برہنہ بدن، بے ختنہ اور بے سروسامان ہوں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: نیکیوں اور برائیوں کے ذریعے“(1)۔ (حقوق کی ادائیگی ہوگی)، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن بے سینگ بکری سینگ والی بکری سے بدلہ لے گی“(2)۔ اس کے اور بھی متعدد شواہد ہیں جنہیں ہم نے ان ارشادات ”وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ ..... (الانبیاء:47)۔ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۚ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ .. (الانعام:38) کے تحت ذکر کر دیا ہے۔

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝

”اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم علیہ السلام کو پس سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ وہ قوم جن سے تھا سو اس نے نافرمانی کی اپنے رب کے حکم کی۔ (اے اولاد آدم!) کیا تم بناتے ہو اسے اور اس کی ذریت کو اپنا دوست مجھے چھوڑ کر حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لئے بہت برا بدلہ ہے“۔

اللہ تعالیٰ بنی آدم کو ابلیس کی انسان دشمنی پر متنبہ فرما رہا ہے، یہ نہ صرف اولاد آدم کے ساتھ عداوت رکھتا ہے بلکہ اسے ابوالبشر آدم علیہ السلام کے ساتھ بھی شدید عداوت تھی اور ان لوگوں کو سرزنش کی جا رہی ہے جو ابلیس کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے اس خالق و مالک خدا کی مخالفت پر اتر آتے ہیں جس نے انہیں وجود بخشا، اپنے لطف و کرم سے نوازا اور ہر مرحلہ پر ان کیلئے رزق اور غذا کا بندوبست کیا، اس کے باوجود بھی یہ ابلیس کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو دشمن۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اِذْ قُلْنَا ۔ اس کی وضاحت سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے، فرشتوں کو آدم کیلئے جس سجدہ کرنے کا حکم ہوا وہ سجدہ تعظیمی تھا جس سے حضرت آدم علیہ السلام کی تشریف، تعظیم اور تکریم مقصود تھی، جیسا کہ

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 395 2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 72

فرمایا: وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىٕكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ (الحجر:29-28) ''اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں بشر پیدا کرنے والا ہوں کھنکھناتی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار کیچڑ تھی تو جب میں اسے درست فرما دوں اور اس میں اپنی طرف سے خاص روح پھونک دوں تو اس کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے گر جانا''۔ تمام فرشتے حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے سجدہ ریز ہو گئے لیکن ابلیس نے حکم عدولی کی۔ اس کا تعلق قوم جن سے تھا، چونکہ اس کی اصلیت ناری تھی، اس لئے اس کی یہ اصل (جس میں تمرد اور سرکشی پائی جاتی ہے) اسے دھوکہ دے گئی۔ اس کے برعکس فرشتوں کی اصل نوری ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا، ابلیس کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا گیا اور آدم کو اس سے پیدا کیا گیا جس کا بیان تمہارے سامنے کر دیا گیا ہے، اور ضرورت کے وقت ہر برتن سے وہی کچھ ٹپکتا ہے جو اس کے اندر موجود ہوتا ہے، ضرورت کے وقت ابلیس کی سرشت اسے دھوکہ دے گئی، چونکہ وہ فرشتوں کے سے اعمال کرتا تھا، انہی کی مشابہت اختیار کیے ہوئے تھا اور ہر وقت عبادت میں مشغول رہتا تھا، اس لئے اس خطاب میں وہ بھی داخل ہو گیا اور مخالفت کے سبب نافرمان ٹھہرا'' (1)۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اس بات پر آگاہ فرمایا کہ ابلیس قوم جن میں سے تھا یعنی اس کی تخلیق آگ سے ہوئی جیسا کہ اس نے کہا تھا: اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (ص:76) ''میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے تو نے مٹی سے پیدا کیا''۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ چشم زدن کی دیر بھی ابلیس فرشتوں میں سے نہیں تھا۔ یہ جنات کی اصل ہے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام انسان کی اصل ہیں (2)۔ ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ابلیس فرشتوں کے ایک قبیلے سے تعلق رکھتا تھا جنہیں جن کہا جاتا تھا، ان کی تخلیق تیز آگ سے ہوئی تھی۔ ابلیس کا نام حارث تھا، یہ جنت کا ایک داروغہ تھا۔ اس قبیلہ کے علاوہ باقی تمام فرشتوں کی تخلیق نور سے ہوئی، اور جن جنات کا ذکر قرآن کریم میں ہوا، انہیں آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے سے پیدا کیا گیا۔ ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی بیان کرتے ہیں کہ ابلیس جلیل القدر ملائکہ اور معزز قبیلے سے تعلق رکھتا تھا، وہ جنتوں کا داروغہ تھا، آسمان دنیا کا بھی اسے اقتدار حاصل تھا اور زمین کا بھی۔ اس وجہ سے اس کے دل میں یہ خیال پختہ ہو گیا کہ اسے تمام اہل آسمان پر شرف اور فضیلت حاصل ہے، چنانچہ اس خیال کے سبب اس کے دل میں تکبر پیدا ہو گیا جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو تھا۔ اس تکبر کو ظاہر کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اسے آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا، سو اس کا تکبر ظاہر ہو گیا، جیسا کہ فرمان ہے: وَ اسْتَكْبَرَ ۗ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ (البقرۃ:34) ''اور اس نے تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ جن تھا یعنی جنت کا خازن تھا، اس میں نسبت کا معنی ہے جیسے کہا جاتا ہے: مکی، مدنی، بصری اور کوفی، سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ جنت کا خازن تھا اور آسمان دنیا کا انتظام اس کے ہاتھ میں تھا (3)۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ وہ آسمان دنیا کے فرشتوں کا رئیس تھا۔ طاؤس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ ابلیس حکم عدولی سے پہلے ملائکہ میں سے تھا، اس کا نام عزازیل تھا اور اس کی رہائش زمین پر تھی، یہ فرشتوں میں سب سے زیادہ عبادت میں کوشاں اور سب سے زیادہ علم والا تھا، یہی چیز اس کے تکبر کا سبب بنی، اس کا تعلق جن نامی قبیلے سے تھا جو دراصل فرشتوں کا ہی ایک قبیلہ تھا، یہ زمین و آسمان کے درمیان امور کا منتظم تھا، لیکن نافرمانی کے باعث اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو گیا، اسے مسخ کر کے شیطان مردود بنا دیا اور اسے ملعون ٹھہرایا، جو گناہ تکبر کے باعث

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 2294　　2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 260　　3۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 259

سرزد ہوتا ہے اس سے توبہ کی امید نہیں کی جاسکتی لیکن اگر کوئی اور گناہ سرزد ہو جائے تو اس سے توبہ کی امید کرنا ممکن ہے۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ ابلیس جنت کے اندر کام کاج کرنے والوں میں سے تھا(1)، اس بارے میں سلف سے اور بھی آثار مروی ہیں جن میں سے اکثریت کا تعلق اسرائیلیات سے ہے جنہیں نظر سے گزارنے کیلئے نقل کیا جاتا ہے، ان کی حقیقت اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے۔ بعض اسرائیلی روایات چونکہ ہمارے پاس موجود حق کی مخالفت کرتی ہیں اس لیے یہ قطعی طور پر جھوٹی ہیں، قرآن کریم کی موجودگی میں ہمیں ایسی روایات کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کمی بیشی اور تغیر وتبدل سے پاک ہیں بلکہ ان میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو بعد میں وضع کرلی گئیں اور پھر اہل کتاب کے ہاں کوئی ایسے اعلیٰ پایہ کے حافظ بھی نہیں تھے جو ان روایات میں چھانٹی کرتے اور جھوٹی روایات کو الگ کردیتے جیسا کہ اس امت میں ایسے آئمہ، علماء، متقی، پاک طینت اور سربرآوردہ حُفّاظ و نُقّاد پیدا ہوئے جنہوں نے حدیث کو مدوّن کیا، کتابی شکل میں تحریر کیا اور صحیح، حسن، ضعیف، منکر، موضوع، متروک اور مکذوب ہر ایک کو الگ الگ کرکے بیان کردیا، علاوہ ازیں حدیث گھڑنے والوں، جھوٹ بولنے والوں، مجہول راویوں اور دیگر اصناف کے لوگوں کی پہچان کرائی، اس تمام تگ ودو سے مقصود حضور سید البشر خاتم النبیین ﷺ کے مقام کا تحفظ اور حدیث کی خدمت تھی تا کہ کوئی جھوٹی حدیث آپ ﷺ کی طرف منسوب نہ کی جاسکے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اپنی رضا سے نوازے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے!

شیطان کے متعلق فرمایا: فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ یعنی وہ اپنے رب کی اطاعت سے نکل گیا، فسق کا معنی ہے خروج، جب کھجور شگوفے سے باہر نکل آئے تو کہا جاتا ہے: ''فَسَقَتِ الرُّطَبَةُ'' اور جب چوہا اپنے بل سے باہر آجائے تو کہتے ہیں: ''فَسَقَتِ الْفَارَةُ'' پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے اطاعت گزاروں اور اس کی اتباع کرنے والوں کو زجر وتوبیخ کرتے ہوئے فرماتا ہے: اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ... یعنی کیا تم میرے بدلے میں شیطان اور اس کی ذریت کو اپنا مددگار بناتے ہو، اس لئے فرمایا: بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا یہ سورہ یٰسین کی اس آیت کی طرح ہے جہاں قیامت کی ہولناکیوں اور سعادت مندوں اور بدبختوں کے انجام کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ... اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ (یٰسین: 62-59) ''اے مجرمو! آج (میرے دوستوں سے) الگ ہوجاؤ، کیا میں نے تمہیں تاکید حکم نہیں دیا تھا کہ اے اولاد آدم! شیطان کی عبادت نہ کرنا، بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری عبادت کرنا، یہ سیدھا راستہ ہے، (بایں ہمہ) شیطان نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کردیا، کیا تم عقل نہیں رکھتے تھے''۔

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَ مَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّیْنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾

''میں نے ان سے مدد نہیں لی تھی جب آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور نہ (اس وقت ان سے مدد لی) جب خود انہیں پیدا کیا اور میں نہیں بنایا کرتا گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست وبازو''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے چھوڑ کر جنہیں تم نے اپنا مددگار بنا رکھا ہے، وہ تمہاری مثل غلام ہیں، وہ کسی چیز کے مالک نہیں۔ زمین و آسمان کی تخلیق میں میں نے انہیں شامل نہیں کیا تھا بلکہ وہ تو اس وقت موجود ہی نہ تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ہی تمام اشیاء کو پیدا کرنے والا ہوں۔ میں ہی سب کی تدبیر کرنے والا ہوں اور صرف میں ہی ہر چیز کا اندازہ مقرر کرنے والا ہوں، نہ میرے ساتھ کوئی میرا شریک

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 261

ہے، نہ وزیر، نہ مشیر اور نہ مثیل جیسا کہ فرمایا: قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ (سبا:23-22) ”فرمایئے (اے مشرکو) تم پکار دیکھو جنہیں تم اللہ کے سوا اپنا معبود خیال کرتے ہو، یہ تو ذرہ برابر کے بھی مالک نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کا زمین و آسمان میں کچھ حصہ ہے اور نہ ہی ان میں سے کوئی مددگار ہے اور نہ نفع دے گی سفارش اس کے ہاں مگر جس کے لئے اس نے اجازت دی ہو)۔ اس لئے فرمایا: وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا عضد کا معنی ہے دست و بازو اور مددگار۔

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝

”اور اس روز اللہ تعالیٰ (کفار کو) فرمائے گا بلاؤ میرے شریکوں کو جنہیں تم (میرا شریک) خیال کرتے تھے تو وہ انہیں پکاریں گے پس وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور ہم حائل کر دیں گے ان کے درمیان ایک آڑ۔ اور دیکھیں گے مجرم (جہنم کی) آگ کو اور وہ خیال کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور نہ پائیں گے اس سے نجات پانے کی کوئی جگہ“۔

قیامت کے دن مشرکین کو سرعام سرزنش اور زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہا جائے گا: نَادُوْا شُرَكَآءِيَ..... یعنی آج تم ان شرکاء کو بلا لو جنہیں تم دنیا میں پکارا کرتے تھے تا کہ وہ تمہیں آج کی اس سنگین صورتحال سے بچالیں جیسا کہ فرمایا: وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ (الانعام:94) ”اور بے شک تم آ گئے ہو ہمارے پاس اکیلے اکیلے جیسے ہم نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اور تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو جو ہم نے تمہیں عطا فرمایا تھا اور ہم تمہارے ساتھ ان سفارشیوں کو نہیں دیکھتے جن کے متعلق تم خیال کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں ہمارے شریک ہیں۔ بے شک تمہارے سارے رشتے ٹوٹ گئے اور کھو گئے تم سے جو تم دعویٰ کیا کرتے تھے“۔

وہ شرکاء کو بلائیں گے لیکن وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے جیسا کہ اس مقام پر فرمایا: وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ (القصص:64) ”اور کہا جائے گا پکارو اپنے شریکوں کو تو وہ انہیں پکاریں گے لیکن وہ انہیں جواب نہیں دیں گے“۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ (الاحقاف:5) ”اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہے جو اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو پکارتا ہے جو اس کی فریاد قبول نہیں کر سکتا“، وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا (مریم:82-81) ”اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا بنا لئے ہیں تا کہ وہ ان کے مددگار بنیں۔ ہرگز نہیں، وہ جھوٹے خدا ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے“۔ حضرت ابن عباس آیت کریمہ میں لفظ ”موبق“ کا معنی بتاتے ہیں، ہلاکت، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک ایسی گہری وادی ہے جس کے ذریعے اہل ہدایت اور اہل ضلالت کی تفریق کر دی جائے گی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ جہنم کی ایک وادی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ جہنم میں ایک وادی ہے جس میں پیپ اور خون بہہ رہا ہوگا(1)۔ حضرت حسن بصری نے اس کا معنی عداوت بتایا ہے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا معنی ہلاکت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جہنم میں ایک وادی ہو یا کچھ اور، بہر صورت اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ روز قیامت یہ مشرکین اپنے ان معبودوں

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 265

تک نہیں پہنچ سکیں گے جنہیں وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے، ان کے اور ان کے معبودان باطلہ کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور ایک آڑ حائل ہوگی جس کے باعث ان تک رسائی ناممکن ہوگی بلکہ ان دونوں کے درمیان ہلاکت اور ہولناکی حائل ہوگی۔ اگر ''بینھم'' کی ضمیر کا مرجع مومنین اور کفار بنائے جائیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس کے ذریعے اہل ہدایت اور اہل ضلالت کے درمیان امتیاز کر دیا جائے گا تو اس کا مفہوم ان ارشادات کی طرح ہوگا: وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یَوْمَىٕذٍ یَّتَفَرَّقُوْنَ (الروم: 14) ''اور جس روز قیامت برپا ہوگی اس روز وہ جدا جدا ہو جائیں گے''، یَوْمَىٕذٍ یَّصَّدَّعُوْنَ (الروم: 43) ''اس روز یہ لوگ جدا ہو جائیں گے''، وَ امْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ (یٰسین: 59) ''اے مجرمو! آج (میرے دوستوں سے) الگ ہو جاؤ''۔ وَ یَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَ شُرَكَآؤُكُمْ فَزَیَّلْنَا بَیْنَهُمْ وَ قَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِیَّانَا تَعْبُدُوْنَ ۝ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًۢا بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِیْنَ ۝ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّاۤ اَسْلَفَتْ وَ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ (یونس: 28-30) ''اور جس دن ہم ان سب کو (میدان محشر میں) جمع کریں گے پھر ہم مشرکوں کو حکم دیں گے اپنی اپنی جگہ پر ٹھہر جاؤ تم اور تمہارے جھوٹے معبود، پھر ہم ان کے باہمی تعلقات منقطع کر دیں گے ۔ اور گم ہو جائے گا ان سے جو وہ افتراء باندھا کرتے تھے''، فرمایا: وَ رَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ یعنی مجرم جب دوزخ کو دیکھیں گے کہ اسے ستر ہزار لگاموں کے ساتھ لایا جا رہا ہے اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہیں تو انہیں یقین ہو جائے گا کہ اب وہ یقیناً اس میں جھونکے جانے والے ہیں، اسطرح دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے ہی وہ شدید غم و اندوہ اور رنج و الم کا شکار ہو جائیں گے کیونکہ عذاب کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے اس کی توقع اور خوف ہمہ وقت کا عذاب ہے اور اس عذاب سے چھٹکارے کا کوئی امکان نہیں ہوگا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کافر چار سو سال کی مسافت سے جہنم کو دیکھے گا تو خیال کرے گا کہ بس اب وہ اسے اپنی لپیٹ میں لینے ہی والا ہے'' حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کافر کو پچاس ہزار سال کی مقدار سیدھا کھڑا کیا جائے گا جیسا کہ اس نے دنیا میں عمل نہ کیا اور کافر چالیس سال کی مسافت سے جہنم کو دیکھ کر محسوس کرے گا کہ وہ اب اس میں جھونکا جانے والا ہے''(1)۔

وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ۝

''اور بے شک ہم نے طرح طرح سے بار بار بیان کی ہیں اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثالیں اور انسان ہر چیز سے بڑھ کر جھگڑالو ہے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کیلئے طرح طرح سے ہر قسم کی مثالیں بیان کر دی ہیں اور تمام امور کی تفصیلات سمیت وضاحت کر دی ہے تاکہ لوگ حق سے بھٹک کر راہ ہدایت سے منحرف نہ ہو جائیں لیکن اس بیان اور فرقان کے باوجود انسان بہت جھگڑالو ہے۔ یہ باطل کی آڑ میں حق کی مخالفت کرتا ہے لیکن وہ لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ ہدایت ارزانی فرمائے اور راہ نجات اپنانے کی بصیرت سے نوازے۔ ایک رات رسول اللہ ﷺ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے، دروازہ کھٹکھٹایا اور فرمایا: ''کیا تم (دونوں) نماز نہیں پڑھو گے؟'' حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 75

عرض کی: یارسول اللہ! ہماری جانیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، وہ جب ہمیں اٹھانا چاہے، اٹھا دیتا ہے، جب میں نے یہ جواب دیا تو آپ ﷺ بغیر کچھ فرمائے واپس لوٹ گئے، پھر میں نے سنا کہ آپ واپس جاتے ہوئے یہ آیت وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا پڑھ رہے ہیں(1)۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ۝

"اور کس چیز نے روکا ہے لوگوں کو اس بات سے کہ وہ ایمان لے آئیں جب آ گئی ان کے پاس ہدایت (کی روشنی) اور مغفرت طلب کریں اپنے رب سے مگر یہ (کہ وہ منتظر ہیں) کہ آئے ان کے پاس اگلوں کا دستور یا آئے ان کے پاس طرح طرح کا عذاب۔ اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر مژدہ سنانے والے اور ڈرانے والے اور جھگڑتے ہیں کافر بے سروپا دلیلوں کی آڑ لے کر تاکہ وہ مٹا دیں اس سے حق کو اور بنا لیا ہے انہوں نے میری آیتوں کو اور جن سے وہ ڈرائے گئے ایک مذاق"۔

قدیم اور جدید زمانے کے کفار کی سرکشی کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ وہ روشن نشانیوں اور واضح دلائل کا مشاہدہ کر لینے کے باوجود بھی ظاہر حق کو جھٹلاتے ہیں اور اتباع حق سے انہیں صرف یہی بات روکے ہوئے ہے کہ وہ عذاب کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنے نبی سے مطالبہ کیا تھا۔ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (الشعراء: 187) "تو اب ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو اگر تم راست بازوں میں سے ہو"۔ دوسروں نے کہا تھا، ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (العنکبوت: 29) "لے آؤ ہم پر اللہ کا عذاب اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو"، قریش نے کہا تھا: اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (الانفال: 32) "اے اللہ! اگر یہ قرآن تیری طرف سے سچ ہو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر دردناک عذاب لے آ"، وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (الحجر: 7-6) "اور وہ کہنے لگے اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا ہے بے شک تو مجنون ہے۔ تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتا اگر تو سچا ہے"۔

علاوہ ازیں اور بھی متعدد آیات ہیں جو اس مفہوم پر دلالت کرتی ہیں، پھر فرمایا: اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ۔ یعنی ہدایت آ جانے کے باوجود ایمان لانے اور استغفار کرنے سے انہیں صرف یہی چیز روکے ہوئے ہے کہ ان کی خواہش ہے کہ پہلے لوگوں کی طرح انہیں بھی عذاب اپنی لپیٹ میں لے لے یا وہ عذاب کو اپنے سامنے بالکل عیاں دیکھیں، اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ یعنی نزول عذاب سے پہلے ہم رسول بھیجتے ہیں جو ایمان لانے والوں کو مژدہ سناتے ہیں اور تکذیب کرنے والے مخالفین کو ڈراتے ہیں، پھر کفار کے متعلق بتایا کہ وہ بے سروپا دلائل اور باطل کے ذریعے جھگڑا کرتے ہیں تاکہ وہ رسولوں کے لائے ہوئے حق کو کمزور کر دیں لیکن ان کی یہ خواہش ناتمام ہی رہے گی اور یہ ایسے ناہنجار ہیں جنہوں نے دلائل و براہین، معجزات اور اس عذاب کا تمسخر اڑانا شروع کر دیا جس سے

1۔ مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین، جلد 1 صفحہ 537-538 مسند احمد، جلد 1 صفحہ 112

11B

انبیاء ورسل نے انہیں خبردار کیا تھا۔

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعۡرَضَ عَنۡهَا وَنَسِىَ مَا قَدَّمَتۡ يَدٰهُ‌ ؕ اِنَّا جَعَلۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ اَكِنَّةً اَنۡ يَّفۡقَهُوۡهُ وَفِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرًا‌ ؕ وَاِنۡ تَدۡعُهُمۡ اِلَى الۡهُدٰى فَلَنۡ يَّهۡتَدُوۡۤا اِذًا اَبَدًا ۝ وَرَبُّكَ الۡغَفُوۡرُ ذُو الرَّحۡمَةِ‌ ؕ لَوۡ يُؤَاخِذُهُمۡ بِمَا كَسَبُوۡا لَعَجَّلَ لَهُمُ الۡعَذَابَ‌ ؕ بَلْ لَّهُمۡ مَّوۡعِدٌ لَّنۡ يَّجِدُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖ مَوۡئِلًا ۝ وَتِلۡكَ الۡقُرٰٓى اَهۡلَكۡنٰهُمۡ لَمَّا ظَلَمُوۡا وَجَعَلۡنَا لِمَهۡلِكِهِمۡ مَّوۡعِدًا ۝

''اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے نصیحت کی گئی اس کے رب کی آیتوں سے پس اس نے روگردانی کر لی ان سے اور فراموش کر دیا اس نے ان (اعمال بد) کو جو آگے بھیجے تھے اس کے دونوں ہاتھوں نے ہم نے ڈال دیئے ان کے دلوں پر پردے تاکہ وہ قرآن کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی اور اگر تم بلاؤ انہیں ہدایت کی طرف تو جب بھی وہ ہدایت قبول نہیں کریں گے۔ اور آپ کا پروردگار تو بہت بخشنے والا بڑا ہی رحمت والا ہے۔ اگر وہ پکڑ لیا کرتا انہیں ان کے کئے پر تو جلد ان پر عذاب بھیجتا (وہ ایسا نہیں کرتا) بلکہ ان کو سزا دینے کا ایک وقت مقرر ہے۔ نہیں پائیں گے اس وقت اس کے بغیر کوئی پناہ کی جگہ۔ اور یہ بستیاں ہیں ہم نے تباہ کر دیا ان کے باشندوں کو جب وہ ستم شعار بن گئے اور ہم نے مقرر کر دی تھی ان کی ہلاکت کے لئے ایک میعاد''۔

اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم اور ستم شعار ہو سکتا ہے جسے آیات الٰہی کے ساتھ نصیحت کی گئی لیکن اس نے انہیں نظر انداز کر کے روگردانی کی، نہ انہیں توجہ سے سنا اور نہ دل میں انہیں جگہ دی اور اپنے کیے ہوئے تمام اعمال سیۂ اور افعال قبیحہ کو فراموش کر دیا، ایسے بدبخت لوگوں کے دلوں پر ہم پردے ڈال دیتے ہیں تاکہ یہ قرآن کریم کو سمجھ ہی نہ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دیتے ہیں تاکہ یہ درس ہدایت سن ہی نہ سکیں اور اگر آپ انہیں ہدایت کی دعوت دیں تو یہ ہرگز ہدایت قبول نہیں کریں گے، اس کے بعد فرمایا: وَرَبُّكَ الۡغَفُوۡرُ -- اس طرح کے اور بھی ارشادات ہیں: وَلَوۡ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوۡا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهۡرِهَا مِنۡ دَآبَّةٍ (فاطر:45) ''اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے کرتوتوں کے باعث فوراً پکڑ لیا کرتا تو زمین کی پشت پر کسی جاندار کو (زندہ) نہ چھوڑتا''۔ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوۡ مَغۡفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلۡمِهِمۡ‌ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيۡدُ الۡعِقَابِ (الرعد:6) ''اور آپ کا رب لوگوں کو ان کے ظلم کے باوجود بہت بخشنے والا بھی ہے اور بے شک آپ کا رب سخت عذاب دینے والا بھی ہے'' اس مضمون کی اور بھی آیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ حلیم، ستار اور غفار ہے، بعض کو وہ گمراہی سے نکال کر ہدایت کی راہ پر گامزن کر دیتا ہے لیکن جو شخص گمراہی پر بضد رہتا ہے، اس کی پکڑ کیلئے ایک ایسا دن مقرر ہے جس میں بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور حمل گر پڑیں گے، اس لئے فرمایا: بَلْ لَّهُمۡ مَّوۡعِدٌ... یعنی ان کیلئے وعدہ کا ایک ایسا وقت مقرر ہے جس سے رہائی کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ یہ ہیں گزشتہ دور کی بستیاں جن کے باشندوں کو ہم نے ان کے ظلم، کفر اور عناد کے باعث ہلاک کر دیا اور ان کی ہلاکت کیلئے ایک وقت معین کر دیا، اس طرح اے مشرکو! تم نے بھی ان لوگوں کی روش اختیار کر رکھی ہے، خبردار ہو جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان جیسا عذاب تمہیں بھی اپنی لپیٹ میں لے لے۔ تم نے تو سب سے اشرف رسول اور جلیل القدر نبی کو جھٹلایا اور تم سابقہ امتوں سے کوئی زیادہ ہمیں

عزیز بھی نہیں اس لئے میرے عذاب سے ڈرو۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۡ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۗ عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۗ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾

''اور یاد کرو جب کہا موسیٰ نے اپنے نوجوان (ساتھی) کو کہ میں چلتا رہوں گا یہاں تک کہ پہنچوں جہاں دو دریا ملتے ہیں یا (چلتے چلتے) گزار دوں گا مدت دراز۔ پھر جب وہ دونوں پہنچے جہاں آپس میں دو دریا ملتے ہیں، دونوں بھول گئے اپنی مچھلی کو تو بنالیا اس نے اپنا راستہ دریا میں سرنگ کی طرح۔ پس جب وہاں سے آگے بڑھ گئے تو آپ نے اپنے جوان ساتھی سے کہا لے آؤ ہمارا صبح کا کھانا بے شک ہمیں برداشت کرنی پڑی ہے اپنے اس سفر میں بڑی مشقت۔ اس ساتھی نے کہا (اے کلیم!) آپ نے ملاحظہ فرمایا جب ہم (ستانے کے لئے) اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں بھول گیا مچھلی کو اور نہیں فراموش کرائی مجھے وہ مچھلی مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر کروں۔ اور اس نے بنالیا تھا اپنا راستہ دریا میں۔ بڑے تعجب کی بات ہے۔ آپ نے فرمایا یہی تو وہ ہے جس کی ہم جستجو کر رہے تھے۔ پس وہ دونوں لوٹے اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے۔ تو پایا انہوں نے ایک بندے کو ہمارے بندوں میں سے جسے ہم نے عطا فرمائی تھی رحمت اپنی جناب سے اور ہم نے سکھایا تھا اسے اپنے پاس سے (خاص) علم''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ذکر کیا گیا کہ دو دریاؤں کے سنگم پر اللہ کا ایک ایسا بندہ ہے، جس کے پاس وہ علم ہے جو ان کے پاس بھی نہیں، اس لئے آپ نے اللہ کے اس بندے سے ملاقات کا عزم کرلیا اور اپنے نوجوان ساتھی یوشع بن نون سے فرمانے لگے: لَآ اَبْرَحُ یعنی میں لگا تار چلتا رہوں گا یہاں تک کہ اس جگہ پر پہنچ جاؤں جہاں دو دریا ملتے ہیں۔ قتادہ وغیرہ کہتے ہیں کہ ان دو دریاؤں میں سے ایک مشرقی جانب بحیرہ فارس ہے اور دوسرا مغربی جانب بحیرہ روم ہے۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ دو دریاؤں کا سنگم طنجہ ہے جو بلاد مغرب کا دور دراز علاقہ ہے، حقب کا معنی ہے طویل عرصہ۔ قیس کی لغت میں حقب ایک سال کو کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اسی برس ہیں، مجاہد کہتے ہیں: ستر سال، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، قتادہ اور ابن زید اس کا معنی زمانہ بتاتے ہیں۔ یعنی مدت دراز۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا تھا کہ اپنے ساتھ نمک لگی ہوئی مچھلی رکھ لیں، جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہی میرے بندے کی قیام گاہ ہوگی، چنانچہ دونوں سفر کرتے کرتے دو دریاؤں کے سنگم تک پہنچ گئے۔ یہاں ''عین الحیاۃ'' نامی ایک چشمہ تھا، دونوں حضرات یہاں آکر سوگئے، جونہی اس چشمہ کے پانی کے چھینٹے مچھلی پر پڑے، وہ حرکت کرنے لگی اور اس توشہ دان سے جو یوشع علیہ السلام کے پاس تھا، سمندر میں کود گئی، اسی دوران حضرت یوشع علیہ السلام بیدار ہوگئے اور انہوں نے مچھلی کو پانی میں کودتے ہوئے دیکھا جو طاق کی

طرح سرنگ اور سوراخ بنائے پانی میں جا رہی تھی، اس لئے فرمایا: فَاتَّخَذَ سَبِیۡلَہٗ فِی الۡبَحۡرِ سَرَبًا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پانی پر اس کا نشان یوں ثبت ہو گیا گویا وہ پتھر ہے۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ مچھلی دریا کے جس پانی کو چھوتی وہ خشک ہو کر پتھر کی شکل اختیار کر لیتا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب سے لوگ پیدا ہوئے ہیں، پانی پھٹ کر نہیں جما، سوائے اس مچھلی کے کہ پانی میں یہ جہاں جہاں سے گزری وہاں کا پانی پھٹ کر جم گیا اور روشندان کی طرح گزرگار بن گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب واپس لوٹے تو انہوں نے اسے دیکھا اور فرمایا: ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبۡغِ قتادہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ مچھلی نے دریا میں چھلانگ لگا دی جہاں سے اس کا گزر ہوتا، وہاں کا پانی جامد ہو جاتا۔ آیت کریمہ میں نسیان کی نسبت دونوں حضرات کی طرف کی گئی ہے حالانکہ نسیان کا صدور صرف حضرت یوشع علیہ السلام سے ہوا تھا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ فرمایا: یَخۡرُجُ مِنۡهُمَا اللُّؤۡلُؤُ وَالۡمَرۡجَانُ (الرحمن:22) "نکلتے ہیں ان سے موتی اور مرجان"۔ حالانکہ دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے کہ لولو اور مرجان، کھاری اور نمکین پانی سے نکلتے ہیں۔ بہرصورت جب دونوں حضرات اس جگہ سے کچھ آگے بڑھ گئے جہاں انہیں مچھلی فراموش ہو گئی تھی اور ایک مرحلہ (تقریباً بارہ میل) مزید سفر کر لیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نوجوان ساتھی سے کہا کہ صبح کا کھانا لاؤ، اس سفر سے تو ہمیں بڑی تھکاوٹ کا سامنا کرنا پڑا ہے، اس پر آپ کے ساتھی نے کہا: اَرَءَیۡتَ اِذۡ اَوَیۡنَاۤ اِلَی الصَّخۡرَۃِ ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں "اَنۡ اَذۡکُرَہٗ" ہے(1)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمانے لگے کہ اس جگہ کی تو ہمیں تلاش تھی۔ چنانچہ دونوں اپنے قدموں کے نشانات پر چلتے ہوئے واپس پلٹے۔ جب وہاں پہنچے تو ان کی ملاقات اللہ کے خاص بندے سے ہو گئی جس کی خاطر وہ سفر پر نکلے تھے، فرمایا: فَوَجَدَا عَبۡدًا...... یہ بندے حضرت خضر علیہ السلام ہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ نوف بکالی کا یہ خیال ہے کہ یہ بنی اسرائیل والے موسیٰ نہیں تھے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ دشمنِ خدا نے جھوٹ بولا ہے۔ ہمیں ابی بن کعب نے بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو خطبہ دینے کیلئے کھڑے ہوئے، آپ سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ آپ نے فرمایا: میں۔ چونکہ آپ نے اس بات کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں لوٹایا، اس لئے اللہ تعالیٰ کو آپ کا یہ دعویٰ پسند نہ آیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کرتے ہوئے فرمایا کہ دو دریاؤں کے سنگم میں میرا ایک ایسا بندہ ہے جو تم سے بھی بڑا عالم ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے اللہ! میری اس تک رسائی کیسے ممکن ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک مچھلی لے کر توشہ دان میں رکھ لو، جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہی (میرے اس بندے کی) قیام گاہ ہے" سو انہوں نے مچھلی توشہ دان میں رکھی اور اپنے نوجوان خادم یوشع بن نون علیہ السلام کو ساتھ لے کر چل پڑے، یہاں تک کہ ایک چٹان پر پہنچے، کچھ دیر ستانے کیلئے اس پر سر رکھے اور سو گئے۔ مچھلی نے توشہ دان میں حرکت کی اور اس سے نکل کر دریا میں کود گئی۔ پانی میں چھلانگ لگانے کے باعث سرنگ کی طرح رستہ بن گیا، اللہ تعالیٰ نے پانی کے بہاؤ کو روک دیا اور طاق کی طرح اس کی گزرگار کا سوراخ جوں کا توں باقی رہا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو حضرت یوشع علیہ السلام آپ کو مچھلی کا ماجرا سنانا بھول گئے۔ پھر سفر شروع ہو گیا اور وہ باقی ماندہ دن اور پوری رات چلتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نوجوان ساتھی سے فرمایا: اٰتِنَا غَدَآءَنَا...... حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت تھکاوٹ محسوس ہوئی جب انہوں نے وہ مقام عبور کر کے

1۔ کشاف، جلد 2 صفحہ 396، روح المعانی، جلد 5 صفحہ 318

آگے سفر جاری رکھا جہاں ٹھہرنے اور اپنے بندہ خاص سے ملاقات کرنے کا حکم دیا تھا، جواب میں آپ کے ساتھی نے کہا: اَرَءَیْتَ اِذْ اَوَیْنَآ ... مچھلی کیلئے سرنگ بن گئی اور حضرات موسیٰ علیہ السلام و یوشع علیہ السلام کیلئے یہ حیرت و استعجاب کا باعث بن گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمانے لگے کہ یہی تو ہماری منزل مراد تھی، چنانچہ اپنے نقوش پا پر چلتے ہوئے واپس پلٹے۔ اس چٹان پر پہنچے تو وہاں ایک آدمی کو دیکھا جو اپنے اوپر چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ آپ نے سلام دیا۔ وہ خضر علیہ السلام تھے۔ کہنے لگے کہ آپ کی سرزمین میں یہ سلام کہاں؟ آپ نے بتایا کہ میں موسیٰ ہوں، انہوں نے پوچھا کہ موسیٰ بنی اسرائیل؟ آپ نے ہاں میں جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ میں آپ کے پاس آیا ہوں تا کہ آپ مجھے ان حقائق و معارف سے روشناس کرائیں جو آپ کو سکھائے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ میرے ساتھ صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اے موسیٰ! اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ علم سکھایا ہے جس سے آپ واقف نہیں اور جو علم آپ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اس سے میں واقف نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ حضرت خضر علیہ السلام آپ سے کہنے لگے کہ اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو کسی چیز کے متعلق مجھ سے مت پوچھیے، یہاں تک کہ میں خود ہی اس کے متعلق آپ کو آگاہ کردوں گا۔ اس گفتگو کے بعد دونوں ساحل کے ساتھ ساتھ چل دیئے۔ اسی اثناء میں ایک کشتی گزری، کشتی والوں سے بات چیت ہونے لگی کہ وہ انہیں بھی سوار کرلیں، کشتی والوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا، اس لئے بغیر کرایہ کے انہیں سوار کرلیا، کشتی میں سوار ہوکر کچھ دور چلے تو اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نے کلہاڑے کے ساتھ کشتی کا ایک تختہ توڑ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں کہنے لگے کہ ان لوگوں نے ہمیں بغیر کرائے کے کشتی پر سوار کیا لیکن آپ نے اس میں شگاف کردیا تا کہ یہ سب لوگ غرق ہوجائیں۔ یہ آپ نے بہت برا کام کیا ہے۔ خضر علیہ السلام کہنے لگے کہ میں نے پہلے ہی نہیں کہا تھا کہ آپ میری معیت پر صبر نہیں کرسکیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ میری اس بھول پر میری گرفت نہ کرنا اور میرے اس معاملہ میں نہ ہی مجھے زیادہ مشکل میں ڈالنا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں "موسیٰ علیہ السلام سے پہلی غلطی نسیان کے باعث تھی" اسی دوران ایک چڑیا کشتی کے ایک کنارے پر آبیٹھی، اس نے دریا میں ایک دو چونچیں ماریں اور پانی لے کر اڑ گئی۔ حضرت خضر علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں میرا اور آپ کا علم اسقدر ہے جس قدر چڑیا نے دریا کے پانی میں کمی کی ہے۔ پھر دونوں کشتی سے باہر نکل آئے اور ساحل پر چلنے لگے، اچانک حضرت خضر علیہ السلام کو ایک لڑکا نظر آیا جو دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس کے سر کو پکڑا اور گردن مروڑ کر ہلاک کردیا۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں کہنے لگے کہ آپ نے ناحق ایک معصوم جان کو قتل کردیا، یہ تو آپ نے بہت نازیبا کام کیا ہے۔ خضر علیہ السلام کہنے لگے کہ کیا میں نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ میری سنگت پر صبر نہیں کرپائیں گے، آپ نے تو پہلے سے بھی زیادہ بے صبری کا مظاہرہ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ اگر اس کے بعد میں نے آپ سے کوئی سوال کیا تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ اب آپ معذور ہیں۔ یہ طے کرنے کے بعد دونوں پھر عازم سفر ہوئے یہاں تک کہ ایک گاؤں میں پہنچے، وہاں کے باشندوں سے کھانا مانگا لیکن انہوں نے ان کی ضیافت سے انکار کردیا۔ وہاں حضرت خضر علیہ السلام نے ایک دیوار دیکھی جو گرنے کے قریب تھی، انہوں نے اسے اپنے ہاتھ کے ساتھ سیدھا کردیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پھر یارائے ضبط نہ رہا، فرمانے لگے کہ اس گاؤں والے ایسے بے مروت ہیں کہ نہ انہوں نے ہمیں کھانا کھلایا اور نہ مہمان نوازی کی۔ اگر آپ چاہتے تو اس محنت پر کچھ مزدوری لے لیتے۔ اس پر خضر علیہ السلام کہنے لگے کہ اب میرے اور آپ کے درمیان فراق کا وقت آگیا۔ میں آپ کو ان تمام چیزوں

کے حقائق پر آگاہ کروں گا جن پر آپ صبر نہیں کر سکے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''کاش موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے تاکہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کی مزید باتیں بیان فرماتا'' حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ'' وکان وراءھم ملك'' والی آیت میں ''ورائھم'' کی بجائے ''امامھم'' پڑھتے اور وَ اَمَّا الْغُلٰمُ -- والی آیت یوں پڑھتے ''وَ اَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ كَافِرًا وَّ كَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَیْنِ ''(1)۔ بخاری شریف میں اور سند سے بھی یہ روایت مروی ہے، اس میں آتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نکلے، ان کے ساتھ نوجوان خادم یوشع بن نون تھے، دونوں کے پاس ایک مچھلی تھی۔ جب چٹان پر پہنچے تو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا سر رکھا اور سو گئے۔ وہاں ایک چشمہ تھا جس کا نام ''الحیات'' تھا، جس چیز کو اس کا پانی مس کرتا، وہ چیز زندہ ہو جاتی، جب مچھلی پر اس چشمہ کا پانی پڑا تو وہ حرکت کرنے لگی اور توشہ دان سے کھسک کر دریا میں کود گئی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو آپ نے اپنے نوجوان ساتھی سے صبح کا کھانا لانے کیلئے کہا۔ اس روایت میں مذکور ہے کہ ایک چڑیا کشتی کے کنارے پر آ بیٹھی، اس نے اپنی چونچ پانی میں ڈبوئی اور اڑ گئی، یہ دیکھ کر حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میرا، آپ کا اور تمام مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں اسقدر ہے جس قدر اس چڑیا نے پانی میں اپنی چونچ ڈبو کر پانی لیا ہے (2)۔

حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے گھر میں تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی سوال کرنا چاہتا ہے تو کرے۔ میں نے عرض کی: میں آپ پر قربان جاؤں! کوفہ میں ایک قصہ گو شخص ہے جس کا نام نوف ہے، اس کا خیال ہے کہ جس موسیٰ کا ذکر ہوا ہے وہ موسیٰ بنی اسرائیل نہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ دشمن خدا جھوٹا ہے۔ مجھے ابی بن کعب نے ایک حدیث سنائی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے رسول موسیٰ علیہ السلام نے ایک روز لوگوں کو (رقت انگیز) وعظ کیا، یہاں تک کہ جب آنکھیں آنسوؤں سے بہنے لگیں اور دل پسیج گئے تو آپ انہیں چھوڑ کر چل دیے، ایک شخص آپ کے پاس پہنچ کر عرض کرنے لگا: اے اللہ کے رسول! کیا اس روئے زمین پر آپ سے بڑھ کر بھی کوئی عالم ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ چونکہ علم آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض نہیں کیا تھا اس لئے یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آئی، آپ کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ میرا ایک بندہ تم سے بھی زیادہ علم رکھتا ہے، عرض کی: اے پروردگار! وہ کہاں ہے؟ فرمایا: دو دریاؤں کے سنگم میں، عرض کی: اے میرے رب! مجھے کوئی نشانی بتا دے جس سے میں اسے پہچان لوں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نشانی بتائی کہ جہاں مچھلی تم سے الگ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ علیہ السلام نے ایک مچھلی لے کر اسے توشہ دان میں رکھ لیا اور اپنے ساتھی سے کہا کہ میں تمہیں صرف اس بات کا پابند کرتا ہوں کہ جس جگہ مچھلی تم سے جدا ہو جائے، مجھے آگاہ کر دینا۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو معمولی بات ہے۔ یہی وہ بات ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ -- ''فتی'' سے مراد یوشع بن نون ہیں۔ یوشع علیہ السلام ایک درخت تلے نمناک جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک مچھلی زندہ ہو کر دریا میں کود گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت سوئے ہوئے تھے۔ حضرت یوشع نے آپ علیہ السلام کو بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا بلکہ خیال کیا کہ جب آپ خود بیدار ہوں گے تو انہیں یہ سارا ماجرا کہہ سناؤں گا لیکن جب آپ علیہ السلام بیدار ہوئے تو وہ مچھلی کی بابت بتانا بھول گئے۔ جب مچھلی نے دریا میں چھلانگ لگائی تو اللہ تعالیٰ نے پانی کا بہاؤ روک دیا اور پانی کے اندر شگاف بالکل ایسے دکھائی دیتا تھا جیسے کسی پتھر میں۔ راوی حدیث عمرو نے اپنے انگوٹھے اور ساتھ والی دو انگلیوں کا حلقہ بنا کر بتایا کہ وہ اس طرح سوراخ تھا جیسے پتھر میں ہوتا ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 110　　2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 115

جب دونوں حضرات واپس چٹان کی طرف پلٹے تو انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو بقول عثمان بن ابی سلیمان دریا کے وسط میں سبز رنگ کی چٹائی پر بیٹھے ہوئے پایا۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ وہ ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے جس کا ایک سرا پاؤں کے نیچے اور دوسرا سرا سر کے نیچے تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سلام دیا تو انہوں نے اپنے چہرے سے چادر ہٹائی اور کہنے لگے کہ میری سرزمین میں یہ سلام؟ آپ کون ہیں؟ فرمایا: میں موسیٰ ہوں، پوچھا: کیا موسیٰ بنی اسرائیل؟ فرمایا: ہاں، پوچھنے لگے کہ کیا معاملہ ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ رشد و ہدایت کا وہ خاص علم مجھے سکھائیں جس کی تعلیم آپ کو دی گئی ہے۔ وہ کہنے لگے کہ آپ کے ہاتھوں میں تورات ہے اور آپ کے پاس وحی آتی ہے، کیا یہ آپ کو کافی نہیں؟ اے موسیٰ! میرے پاس ایسا علم ہے جس کا جاننا آپ کیلئے مناسب نہیں اور آپ کے پاس ایسا علم ہے جس کا جاننا میرے لئے مناسب نہیں۔ ایک پرندے نے دریا سے پانی کی چونچ بھری تو حضرت خضر علیہ السلام کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! میرا اور آپ کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں اسقدر ہے جس قدر اس پرندے نے دریا سے اپنی چونچ میں پانی لیا ہے۔ کشتی پر سوار ہوئے، کشتی والوں نے آپ کو پہچان لیا اور کہنے لگے کہ یہ (خضر) اللہ کے نیک بندے ہیں، اس لئے کرایہ نہیں لیں گے لیکن حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی میں شگاف کر دیا، ایک تختہ توڑ کر اس میں میخیں لگا دیں، حضرت موسیٰ کہنے لگے کہ کیا آپ نے اس لئے کشتی میں شگاف ڈالا ہے تاکہ اس کے سوار غرق ہو جائیں۔ یہ آپ نے بہت برا کام کیا ہے۔ اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ اسلام کا پہلا اعتراض نسیان کے باعث تھا، دوسرا شرط کے طور پر اور تیسرا قصداً۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ میری بھول پر گرفت نہ کریں اور نہ میرے معاملہ میں مجھ پر زیادہ سختی کریں، پھر آگے چلے تو رستہ میں ایک ہوشیار، چالاک کافر لڑکا دیکھا جو دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اسے زمین پر لٹایا، پھر اسے چھری کے ساتھ ذبح کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام ضبط نہ کر سکے، کہنے لگے کہ آپ نے ایک معصوم جان کو قتل کر دیا ہے جس کا کوئی قصور بھی نہیں تھا؟ حضرت عبداللہ بن عباس کی قرأت میں آتا ہے ''أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَاكِيَةً مُسْلِمَةً''۔ پھر سفر شروع ہو گیا، اس دوران ایک دیوار نظر آئی جو گرنے کے قریب تھی، حضرت خضر علیہ السلام نے اسے ہاتھ لگایا تو وہ سیدھی ہو گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمانے لگے کہ آپ اس کی اجرت بھی لے سکتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ''وکان امامھم ملک'' ہے۔ کہتے ہیں کہ اس ظالم بادشاہ کا نام ہدد بن بدد تھا اور جس لڑکے کو قتل کیا گیا اس کا نام جیسور تھا۔ وہ ظالم بادشاہ زبردستی ہر کشتی چھین لیتا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس میں شگاف کر کے اسے عیب دار بنا دیا تاکہ بادشاہ کی دستبرد سے محفوظ رہے اور کشتی کے مالک کشتی لے کر جب بادشاہ کے پاس سے بچ کر گزر جائیں تو آگے جا کر اس کی اصلاح کر لیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔ بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے برتن کے ساتھ کشتی کے شگاف کو بند کر دیا اور بعض کہتے ہیں کہ تارکول کے ساتھ۔ جس لڑکے کو قتل کیا تھا وہ کافر تھا جبکہ اس کے والدین مومن تھے۔ خدشہ یہ تھا کہ کہیں اس لڑکے کی سرکشی اور کفر انہیں نہ لاحق ہو جائے اور ایسا نہ ہو کہ اس کی محبت انہیں اس کے دین کی پیروی پر مجبور کر دے۔ کہتے ہیں کہ اس لڑکے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک لڑکی عطا فرمائی (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے امر کے متعلق مجھ سے زیادہ کسی کو علم نہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو خضر علیہ السلام سے ملاقات کرنے کا حکم دیا (2)۔ حضرت سعید بن جبیر

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ کہف، جلد 6 صفحہ 112
2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 278

بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، آپ کے پاس کچھ اہل کتاب بھی موجود تھے۔ کسی آدمی نے آپ رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ حضرت کعب کے سوتیلے بیٹے نوف کا یہ خیال ہے کہ جس موسیٰ کا ان آیتوں میں ذکر ہے وہ موسیٰ بن میشا تھے۔ حضرت ابن عباس فرمانے لگے، اے سعید! کیا نوف یہ کہتا ہے؟ میں نے عرض کی: جی ہاں! میں نے نوف کو ایسا کہتے ہوئے سنا ہے۔ فرمانے لگے: اے سعید! کیا تم نے یہ خود سنا ہے؟ میں نے عرض کی: جی ہاں! آپ نے فرمایا، نوف جھوٹ کہتا ہے، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ ابی بن کعب نے مجھے یہ حدیث سنائی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ موسیٰ بنی اسرائیل نے اپنے رب سے عرض کی، اے میرے رب! اگر تیرے بندوں میں کوئی مجھ سے زیادہ علم رکھنے والا بندہ ہے تو اس پر میری رہنمائی فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں، میرے بندوں میں ایک ایسا شخص ہے جو تم سے بڑا عالم ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کی قیام گاہ کے متعلق آگاہ کر دیا اور ملاقات کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک بھنی ہوئی مچھلی ساتھ رکھ لی۔ چٹان پر پہنچے تو وہاں ستانے کیلئے ٹھہر گئے، مچھلی دریا میں کود گئی جس کی بابت یوشع نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگاہ کرنا تھا، لیکن بھول گئے۔ یہاں چٹان کے پاس ''ماء الحیاۃ'' کا چشمہ تھا، جس چیز پر یہ پانی پڑتا وہ زندہ ہو جاتی، مچھلی کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ واپس لوٹ کر چٹان پر پہنچے تو وہاں چادر میں لپٹا ہوا ایک آدمی دکھائی دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلام دیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا پھر آپ سے کہنے لگے کہ آپ کس مقصد کیلئے آئے ہیں، ابھی آپ کی قوم کو آپ کی ضرورت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ مجھے رشد و ہدایت کے اس خصوصی علم سے آگاہ کریں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام چونکہ غیب کا علم جانتے تھے اس لئے کہنے لگے کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے اور آپ ایسی چیز پر صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں جس کے متعلق آپ کو پورا پورا علم نہیں کیونکہ آپ ظاہر پر حکم لگائیں گے جبکہ میں سربستہ رازوں سے آگاہ ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے آپ سے کہا کہ اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی چیز کے متعلق مت پوچھئے گا، یہاں تک کہ میں از خود آپ کو آگاہ کر دوں۔ یہ طے کر لینے کے بعد دونوں ساحل پر چل دیئے، ایک کشتی نظر آئی، اس پر سوار ہو گئے، کہتے ہیں کہ یہ سب کشتیوں سے زیادہ خوبصورت، عمدہ اور مضبوط تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس میں سوراخ کر دیا جس پر احتجاج کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ کیا آپ سوراخ کر کے سواروں کو غرق کرنا چاہتے ہیں۔ پھر ایک بستی میں آئے، وہاں کچھ بچے کھیل رہے تھے، ایک بچہ ان میں بہت زیادہ خوبصورت اور تیز طرار تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس لڑکے کو پکڑا اور ایک پتھر اس کے سر پر مار کر اسے قتل کر دیا۔ یہ نازیبا کام دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یارائے صبر نہ رہا، فرمانے لگے کہ آپ نے ایک معصوم بچے کو قتل کر دیا، یہ تو بہت ہی بری بات ہے۔ پھر بستی والوں سے کھانا مانگا لیکن انہوں نے ضیافت سے انکار کر دیا۔ وہاں ایک دیوار دیکھی جو گرنے کے قریب تھی، حضرت خضر علیہ السلام نے پہلے اسے منہدم کیا پھر اس کی تعمیر شروع کر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اکتا گئے اور ضبط نہ کر سکے، کہنے لگے کہ آپ اگر چاہتے تو اس محنت پر کچھ مزدوری لے لیتے، اب حضرت خضر علیہ السلام کہنے لگے: هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ ۔۔۔ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا؛ حضرت ابی بن کعب کی قرأت میں ''كُلَّ سَفِيْنَةٍ صَالِحَةٍ'' کے الفاظ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دیوار کے نیچے کا خزانہ علم تھا (1)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 280-279

عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم بنی اسرائیل نے مصر پر غلبہ پالیا اور یہاں قرار پذیر ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے احسانات اور انعامات یاد دلائیں، چنانچہ آپ نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عنایات اور نوازشات یاد دلائیں کہ جب اس نے انہیں فرعونیوں کے مظالم سے نجات دلائی، ان کے دشمنوں کو نیست و نابود کر دیا، پھر ان کی سرزمین کا مالک بنا دیا اور ان کے نبی کو ہم کلامی کا شرف بخشا، مزید فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے لئے چن لیا، اپنی محبت مجھ پر ڈال دی اور ہر وہ چیز تمہیں عطا فرمائی جس کا تم نے سوال کیا تھا۔ تمہارا نبی زمین کے تمام باشندوں سے افضل ہے اور تم تورات کے حامل ہو۔ الغرض آپ نے انہیں وہ تمام انعامات یاد دلائے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر کیے تھے۔ بنی اسرائیل کا ایک شخص آپ سے کہنے لگا کہ آپ نے بالکل سچ فرمایا ہے، اے اللہ کے نبی! جو حقائق آپ نے بتائے ان کے متعلق تو واقفیت ہوگئی، اب یہ فرمایئے کہ کیا روئے زمین پر کوئی ایسا شخص ہے جو آپ سے زیادہ علم رکھتا ہو؟ آپ نے فرمایا: نہیں، اسی وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا تمہیں علم ہے کہ میں اپنا علم کہاں کہاں رکھتا ہوں، بلاشبہ دریا کے کنارے پر ایک ایسا آدمی ہے جو تم سے بڑا عالم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے انہیں یہ بندہ دکھانے کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ دریا کی طرف جاؤ، کنارے پر تمہیں ایک مچھلی ملے گی، اسے اپنے نوجوان خادم کے سپرد کر دینا اور پھر دریا کے کنارے کنارے چلتے رہنا، جب آپ کو مچھلی فراموش ہو جائے اور وہ آپ سے گم ہو جائے وہاں اس صالح بندے کو پالو گے، چنانچہ عازم سفر ہوئے۔ جب سفر کرتے کرتے تھک گئے تو آپ نے اپنے خادم سے مچھلی کے متعلق پوچھا، وہ عرض کرنے لگے: اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ. . حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس پلٹ کر چٹان کے پاس پہنچے، مچھلی کا ماجرا سن کر آپ بڑے متعجب تھے واپسی پر آپ نے دیکھا کہ مچھلی پانی میں سرنگ بنائے جا رہی ہے۔ آپ بھی اپنے عصا کے ساتھ پانی کو چیرتے ہوئے مچھلی کے پیچھے چل دیے، جو پانی مچھلی کے ساتھ مس کرتا، خشک ہو جاتا، یہاں تک کہ وہ چٹان بن گیا، اس سے بھی اللہ کے نبی علیہ السلام کو بہت تعجب ہوا۔ آخر کار مچھلی ایک جزیرے تک پہنچ گئی۔ یہاں آپ علیہ السلام کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے ہوئی، انہیں دیکھتے ہی آپ علیہ السلام نے سلام کیا اور انہوں نے آپ کے سلام کا جواب دیا۔ تعارف کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے آپ سے تشریف آوری کا مقصد پوچھا ..... الخ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت حر بن قیس رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف ہو گیا کہ یہ اللہ کے کون بندے تھے، جن کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام گئے تھے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ خضر علیہ السلام تھے، اسی دوران حضرت ابی بن کعب کا وہاں سے گزر ہوا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں بلایا اور اپنے اختلاف سے آگاہ کرتے ہوئے ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ سنا ہے؟ آپ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی مجلس میں تھے، اسی اثناء میں ایک شخص آیا اور آپ سے پوچھنے لگا کہ کیا آپ کو کسی ایسے آدمی کی موجودگی کا علم ہے جو آپ سے بھی بڑا عالم ہو؟ آپ نے فرمایا: نہیں، اس وقت اللہ تعالیٰ نے وحی کرتے ہوئے آپ سے فرمایا کہ کیوں نہیں، بلکہ ہمارا بندہ خضر (آپ سے بڑا عالم) ہے..... الخ۔

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٦﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ

مَعِیَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾

''کہا اس بندے کو موسیٰ نے کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں بشرطیکہ آپ سکھائیں مجھے رشد و ہدایت کا خصوصی علم جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔ اس بندے نے کہا (اے موسیٰ!) آپ میرے ساتھ صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں اس بات پر جس کی آپ کو پوری طرح خبر نہیں۔ آپ نے کہا آپ مجھے پائیں گے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا صبر کرنے والا اور میں نافرمانی نہیں کروں گا آپ کے کسی حکم کی۔ اس بندے نے کہا اگر میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھئے نہیں، یہاں تک کہ میں آپ سے اس کا خود ذکر کروں''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے درمیان ہونے والی گفتگو کے متعلق آگاہ کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو اس علم کے ساتھ مخصوص کیا تھا جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام مطلع نہیں تھے اور اسی طرح جو علم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوا تھا اس کی اطلاع حضرت خضر علیہ السلام کو نہ تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: هَلْ اَتَّبِعُكَ۔ آپ کا یہ سوال ازراہِ ادب و احترام، نرمی اور تلطف کے تھا نہ کہ الزامی اور اجباری طور پر۔ ایک عالم سے سوال کرتے وقت طالب علم کو یہی انداز اپنانا چاہئے۔ آپ کہنے لگے کہ کیا میں اس شرط پر آپ کی سنگت اختیار کر سکتا ہوں کہ آپ مجھے رشد و ہدایت کے اس خصوصی علم سے آگاہ کریں جو آپ کو سکھایا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعے میرے علم نافع اور عمل صالح میں اضافہ ہو جائے۔ حضرت خضر آپ سے کہنے لگے: اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ... یعنی آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکتے کیونکہ آپ کو میرے افعال آپ کی شریعت کے مخالف دکھائی دیں گے، در اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کچھ ایسا علم عطا فرمایا ہے جو آپ کو نہیں سکھایا اور کچھ علم ایسا ہے جو آپ کو تو سکھایا گیا ہے لیکن مجھے اس کی تعلیم نہیں دی گئی، ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے دائرہ کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ مخصوص امور کا پابند ہے، اس لئے میرے معیت میں رہنے کی آپ میں طاقت نہیں اور پھر آپ اس بات پر صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں جس کے متعلق پوری طرح آپ کو آگاہ نہیں کیا گیا۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ جن باتوں میں مجھ پر اظہار ناپسندیدگی کریں گے، اس میں آپ معذور ہیں، لیکن ان امور میں جو حکمت اور مصلحت کارفرما ہے، اس کے متعلق مجھے تو مطلع کر دیا گیا ہے لیکن آپ کو نہیں، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے: سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ -- یعنی آپ مجھے ہر معاملہ میں صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا، یہ طے کر لینے کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے ایک شرط کا پابند کرتے ہوئے کہا: فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ......

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اے میرے پروردگار! تمام بندوں میں کون سا بندہ تجھے زیادہ محبوب ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ بندہ جو مجھے ہر وقت یاد کرتا ہے اور کبھی فراموش نہیں کرتا، پھر عرض کی کہ تیرے بندوں میں سب سے زیادہ اچھا فیصلہ کرنے والا کون ہے؟ فرمایا: وہ جو حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور خواہش نفس کی پیروی نہیں کرتا، پھر عرض کی اے پروردگار! تیرے بندوں میں سے سب سے بڑا عالم کون ہے؟ فرمایا: وہ جو اپنے علم کے باوجود لوگوں کے علم کی جستجو میں رہتا

ہے، شاید کسی سے کوئی ایسی بات مل جائے جو اسے راہ ہدایت پر گامزن کردے یا ہلاکت سے دور کردے۔ عرض کی، اے پروردگار! کیا تیری زمین میں کوئی ایسا ہے جو مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہو؟ فرمایا: ہاں، عرض کی، وہ کون ہے؟ فرمایا: خضر، عرض کی کہ میں اسے کہاں تلاش کرسکتا ہوں ؟ فرمایا: ساحل پر اس چٹان کے پاس جہاں مچھلی غائب ہوجائے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس صالح بندے کی تلاش میں نکلے، دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے، زمین میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں اس سے زیادہ پانی ہو، اس روایت میں آتا ہے کہ ایک پرندہ چونچ سے پانی پینے لگا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کے خیال میں اس پرندے نے دریا میں کس قدر کمی کی ہے؟ فرمایا: بہت معمولی، وہ کہنے لگے: اے موسیٰ! میرا اور آپ کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں یہی حیثیت رکھتا ہے، چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سمجھتے تھے کہ ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جانے کا حکم دیا(1)۔

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ۝ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَ لَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ۝

"پس وہ دونوں چل پڑے۔ یہاں تک کہ جب وہ سوار ہوئے کشتی میں تو اس بندے نے اس میں شگاف کردیا۔ موسیٰ علیہ السلام بول اٹھے کیا تم نے اس لئے شگاف کیا ہے کہ اس کی سواریوں کو ڈبودو۔ یقیناً تم نے بہت برا کیا ہے۔ اس بندے نے کہا کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میں یہ طاقت نہیں کہ میری سنگت پر صبر کرسکیں۔ آپ نے (عذر خواہی کرتے ہوئے) کہا کہ نہ گرفت کرو مجھ پر میری بھول کی وجہ سے اور نہ سختی کرو مجھ پر میرے اس معاملہ میں بہت زیادہ"۔

دونوں حضرات نے جب ایک ساتھ سفر کرنے پر اتفاق کرلیا اور حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ شرط منوالی کہ وہ کسی بھی انوکھی چیز پر معترض نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ انہیں خود ہی نہیں آگاہ کردیتے تو دونوں عازم سفر ہوئے اور ایک کشتی پر سوار ہوگئے۔ اس کے متعلق تذکرہ ہوچکا ہے کہ کشتی والوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور ان دونوں حضرات کو بغیر کرایہ وصول کیے سوار کرلیا۔ جب کشتی منجدھار میں پہنچی تو حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کا ایک تختہ اکھیڑ ڈالا، پھر اسے وہاں لگا دیا۔ موسیٰ علیہ السلام ضبط نہ کرسکے، فرمانے لگے: اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا۔ "لتغرق" میں لام عاقبت کا ہے نہ کہ تعلیل کا جیسا کہ شاعر کا قول ہے "لِدُوْا لِلْمَوْتِ وَابْنُوْا لِلْخَرَابِ"۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے کہنے لگے: لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا یعنی آپ نے نازیبا اور عجیب کام کیا ہے۔ اس وقت حضرت خضر علیہ السلام نے آپ کو طے شدہ شرط یاد دلاتے ہوئے کہا: اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا یعنی میں نے یہ کام قصداً کیا ہے اور یہ ایسے امور میں سے ہے جن کے متعلق میں نے آپ پر پہلے ہی یہ شرط عائد کی تھی کہ ان کے متعلق آپ مجھ پر اعتراض نہیں کریں گے، کیونکہ ان کے متعلق آپ کو پوری طرح آگاہی نہیں بلکہ ان میں ایسی مصلحت کارفرما ہے جس کا آپ کو علم نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے: لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ ۔ یعنی آپ نہ مجھے تنگی میں ڈالیں گے اور نہ مجھ پر سختی کریں۔ حدیث شریف میں یہ گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "موسیٰ کا یہ پہلا اعتراض نسیان کے باعث تھا"۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 277

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝

"پھر وہ دونوں چل پڑے۔ حتیٰ کہ جب وہ ملے ایک لڑکے کو تو اس نے اسے قتل کر ڈالا۔ موسیٰ (غضبناک ہو کر) کہنے لگے کیا مار ڈالا آپ نے ایک معصوم جان کو کسی نفس کے بدلہ کے بغیر۔ بے شک آپ نے ایسا کام کیا ہے جو بہت ہی نازیبا ہے۔ اس نے کہا کیا (پہلے ہی) میں نے کہہ نہ دیا تھا آپ کو کہ آپ میری معیت میں صبر نہیں کر سکیں گے۔ آپ نے کہا اگر میں پوچھوں آپ سے کسی چیز کے بارے میں اس کے بعد آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں۔ آپ میری طرف سے معذور ہوں گے"۔

بعد ازاں دونوں پھر چل پڑے۔ چلتے چلتے ایک گاؤں میں پہنچے۔ وہاں ایک بہت حسین و جمیل لڑکا دکھائی دیا جو دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اسے پکڑ کر قتل کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ نے پتھر سے اس کا سر کچل دیا، ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے اس کی گردن مروڑ دی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھیانک منظر دیکھا تو صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے بولے: اَقَتَلْتَ...... حضرت خضر علیہ السلام نے آپ کو پہلی شرط تاکید کے ساتھ یاد دلاتے ہوئے کہا: قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے: اِنْ سَاَلْتُكَ .. یعنی اس کے بعد پھر اگر میں نے آپ پر اعتراض کیا تو بے شک مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا، اب آپ معذور ہیں۔ حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جب کوئی شخص یاد آ جاتا اور آپ اس کیلئے دعا کرتے تو پہلے اپنے لئے کرتے، ایک دن آپ نے فرمایا: "ہم پر اور موسیٰ پر اللہ کی رحمت ہو، اگر وہ اپنے ساتھی (خضر علیہ السلام) کے ساتھ ٹھہرتے تو اور بھی بہت سی تعجب خیز چیزیں دیکھتے لیکن وہ کہنے لگے: اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا (1)۔

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ اِۨسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝

"پھر وہ چل پڑے۔ یہاں تک کہ جب ان کا گزر ہوا گاؤں والوں کے پاس تو انہوں نے ان سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے (صاف) انکار کر دیا ان کی میزبانی کرنے سے، پھر ان دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار دیکھی جو گرنے کے قریب تھی تو اس بندے نے اسے درست کر دیا۔ موسیٰ کہنے لگے اگر آپ چاہتے تو اس محنت پر مزدوری ہی لے لیتے۔ اس نے کہا (بس سنگت ختم) اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت آ گیا۔ میں آگاہ کرتا ہوں آپ کو ان باتوں کی حقیقت پر جن کے متعلق آپ صبر نہ کر سکے"۔

یہاں ان دونوں حضرات کے سفر کے تیسرے مرحلے کا بیان ہو رہا ہے۔ دونوں سفر کرتے کرتے ایک بستی میں پہنچے، اس کا نام بقول ابن سیرین ایکہ تھا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس بستی کے باشندے بہت بخیل تھے۔ بستی والوں نے ان کی مہمان نوازی کرنے سے

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 288

انکار کردیا۔ اس کے باوجود حضرت خضر علیہ السلام نے ایک ٹیڑی دیوار کو جو گرنے کے قریب تھی، پکڑ کر سیدھا کردیا۔ آیت کریمہ میں دیوار کی طرف ارادہ کی نسبت کرنا بطور مجاز ہے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے دیوار کی کجی کو درست کر کے اسے پختہ کردیا۔ یہ خلاف عادت امر تھا، اسے دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے: لَوْ شِئْتَ ۔ چونکہ انہوں نے ہمیں کھانا کھلانا بھی گوارہ نہیں کیا، اس لئے چاہئے تو یہ تھا کہ آپ اس کام کی اجرت لے لیتے۔ اب حضرت خضر علیہ السلام فرمانے لگے: هٰذَا فِرَاقُ..... کیونکہ لڑکے کے قتل کے وقت آپ نے ازخود یہ شرط لگائی تھی کہ اگر میں نے اس کے بعد کوئی اعتراض کیا تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا، سنیں، اب میں ان چیزوں کے حقائق سے آپ کو آگاہ کرتا ہوں جن پر اعتراض کرنے سے آپ صبر نہ کر سکے۔

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾

"وہ جو کشتی تھی وہ چند غریبوں کی تھی جو (ملاحی کا) کام کرتے تھے دریا میں۔ سو میں نے ارادہ کیا کہ اسے عیب دار بنادوں اور (اس کی وجہ یہ تھی کہ) ان کے آگے (جابر) بادشاہ تھا جو پکڑ لیا کرتا تھا ہر کشتی کو زبردستی سے"۔

کشتی کو عیب دار کرنے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذہن میں ایک اشکال پیدا ہو گیا اور اس فعل کو انہوں نے ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا، چنانچہ اس میں مضمر حکمت سے نقاب کشائی کرتے ہوئے حضرت خضر علیہ السلام بتانے لگے کہ میں نے قصداً کشتی کو عیب دار بنانے کیلئے اس میں شگاف ڈالا تھا، کیونکہ آگے ایک ظالم بادشاہ تھا جو ہر عمدہ اور صحیح وسالم کشتی کو زبردستی پکڑ لیتا تھا، چنانچہ میں نے اسے عیب دار کردیا تا کہ اس عیب کی وجہ سے یہ بادشاہ کی دست برد سے محفوظ رہے اور کشتی کے مسکین مالک اس کے ذریعے روزی کماتے رہیں جن کے پاس کوئی اور ذریعہ معاش نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ کشتی کے مالک چند یتیم بچے تھے۔ اس ظالم بادشاہ کا نام ہدد بن بدد تھا، تورات میں اس کا ذکر عیص بن اسحاق کی ذریت میں ہوا ہے۔

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿۸۰﴾ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾

"اور وہ جو لڑکا تھا تو (اس کی حقیقت یہ ہے کہ) اس کے والدین مومن تھے۔ پس ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (اگر زندہ رہا تو) مجبور کردے گا انہیں سرکشی اور کفر پر۔ پس ہم نے چاہا کہ بدلہ دے انہیں ان کا رب (ایسا بیٹا) جو بہتر ہو اس سے پاکیزگی میں اور (ان پر) زیادہ مہربان ہو"۔

اس لڑکے کا نام جیسور تھا۔ حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جس لڑکے کو خضر نے قتل کیا تھا، وہ فطرتاً کافر تھا" (1)۔ اس لئے فرمایا: فَكَانَ اَبَوٰهُ ۔ کیونکہ اس بات کا خدشہ تھا کہ بیٹے کی محبت اس کے مومن والدین کو کفر کی طرف مائل کردے گی۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ جب یہ لڑکا پیدا ہوا تو اس کے والدین بہت مسرور ہوئے اور جب وہ قتل ہوا تو اس پر بہت غمزدہ ہوئے حالانکہ اگر وہ زندہ باقی رہتا تو اس کے سبب یہ ہلاک ہو جاتے، اس لئے آدمی کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی رہے کیونکہ مومن کیلئے

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 19۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 3

اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اس کے اپنے ذاتی فیصلے سے بہتر ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: اللہ تعالیٰ مومن کے لئے جو بھی فیصلہ فرماتا ہے وہ اس کے لئے باعث خیر ہوتا ہے (1)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۚ (البقرۃ: 216)'' اور ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو حالانکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہو''۔ حضرت خضر علیہ السلام فرمانے لگے: فَاَرَدْنَاۤ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا... یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس لڑکے کے بدلے میں ایک لڑکی عطا فرمائی۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ جب حضرت خضر علیہ السلام نے اس لڑکے کو قتل کیا تھا، اس وقت اس کی والدہ کے پیٹ میں ایک مسلمان بچہ تھا۔

وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَ یَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ؕ۝۸۲

'' باقی رہی دیوار (تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ) وہ شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ (دفن) تھا اور ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا۔ پس آپ کے رب نے ارادہ فرمایا کہ وہ دونوں بچے اپنی جوانی کو پہنچیں اور نکال لیں اپنا دفینہ۔ یہ (ان پر) ان کے رب کی خاص رحمت تھی اور (جو کچھ میں نے کیا) میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا۔ یہ حقیقت ہے ان امور کی جن پر آپ سے صبر نہ ہوسکا''۔

اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ قریہ کا اطلاق مدینہ (شہر) پر بھی ہوسکتا ہے کیونکہ پہلے فرمایا: حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ، اور پھر یہاں فرمایا: فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ اس طرح مندرجہ ذیل آیت میں قریہ سے مراد مکہ شریف ہے: وَ كَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ هِیَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْیَتِكَ الَّتِیْۤ اَخْرَجَتْكَ (محمد: 13)'' اور بہت سی ایسی بستیاں تھیں جو قوت و شوکت میں تمہاری اس بستی سے کہیں زیادہ تھیں جس (کے باشندوں) نے آپ کو نکال دیا) ایک دوسری آیت میں ''قریتین'' سے مراد مکہ اور طائف ہیں فرمایا: وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ (الزخرف: 31)'' اور کہنے لگے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن کسی ایسے آدمی پر جو ان دو شہروں میں بڑا ہے''۔

حضرت خضر علیہ السلام دیوار کی اصلاح میں پوشیدہ حکمت سے آگاہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ اس شہر کے دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ مدفون تھا۔ عکرمہ، قتادہ اور دیگر حضرات کہتے ہیں کہ دیوار کے نیچے مال دفن تھا۔ آیت کے ظاہری الفاظ اسی پر دلالت کرتے ہیں، لیکن بقول ابن عباس رضی اللہ عنہ اس دیوار کے نیچے علم کا خزانہ مدفون تھا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ وہ علمی کتابوں پر مشتمل خزانہ تھا، ایک مرفوع حدیث سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں، اس میں آتا ہے: '' جس خزانہ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے وہ خالص سونے کی ایک تختی تھی جس پر لکھا ہوا تھا اس شخص پر تعجب ہے جو تقدیر پر یقین کر لینے کے باوجود مشقت میں پڑتا ہے، تعجب ہے اس شخص پر جو دوزخ کو یاد رکھنے کے باوجود ہنستا ہے اور جس شخص کو موت یاد ہے، اس پر تعجب ہے کہ وہ کیونکر لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ سے غافل ہے'' (2)۔ سلف سے بھی اس بارے میں کچھ آثار مروی ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ وہ سونے کی تختی تھی جس پر یہ لکھا ہوا تھا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تقدیر پر ایمان رکھنے والے شخص پر تعجب ہے کہ وہ کیسے غمزدہ ہوتا ہے، موت پر یقین رکھنے والے شخص پر تعجب ہے کہ وہ کیونکر مسرور ہوتا ہے، دنیا اور تقلبات زمانہ کو پہچانے

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 117 2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار کتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 56-57

والے شخص پر تعجب ہے کہ وہ کیسے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے تقاضے پورے کرتا ہے۔ عمر مولی غفرہ سے حضرت حسن بصری جیسا قول مروی ہے۔ جعفر بن محمد فرماتے ہیں کہ اس تختی پر ڈھائی سطریں تھیں، پوری تین نہ تھیں، ان میں تحریر تھا: ''رزق پر ایمان رکھنے والے شخص پر تعجب ہے کہ وہ کیسے مارا مارا پھرتا ہے، حساب پر یقین رکھنے والے شخص پر تعجب ہے کہ وہ کیوں غافل ہے اور موت پر ایمان رکھنے والے شخص پر تعجب ہے کہ وہ کیونکر خوش ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۗ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ (الانبیاء: 47)'' اور اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہو تو ہم اسے بھی لا حاضر کریں گے اور ہم حساب کرنے والے کافی ہیں'' ان دونوں یتیم بچوں کے باپ کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وہ نیک تھا، جبکہ ان کے نیک ہونے کا ذکر نہیں ہوا۔ ان تیموں اور ان کے باپ کے درمیان جس کی وجہ سے یہ بھی محفوظ رہے، سات پشتوں کا فاصلہ تھا اور ان کا یہ جد امجد بافندہ تھا (1)۔ ان آئمہ نے جو کچھ بیان کیا ہے اور جو حدیث میں وارد ہوا ہے کہ وہ خزانہ علمی تھا، یہ اس قول کے منافی نہیں جس میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ خزانہ مال و دولت پر مشتمل تھا کیونکہ سونے کی تختی بذات خود ایک گرانقدر مال ہے، مزید برآں اس میں علم و حکمت پر مبنی مواعظ بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا میں اس بات کی دلیل ہے کہ نیک آدمی اپنی ذریت کے لئے بھی مفید ثابت ہوتا ہے وہ اپنی ذریت کی حفاظت کا سبب بنتا ہے اور اس کی عبادت کی برکت انہیں دنیا و آخرت میں حاصل ہوتی ہے۔ ایسا صالح بندہ اپنی ذریت کے بارے میں شفاعت کرے گا اور جنت میں ان کے درجات بلند کرنے کا وسیلہ ثابت ہوگا جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں ان لڑکوں کی صالحیت کا ذکر نہیں بلکہ ان کے ساتویں دادا کی صالحیت اور نیکوکاری کا ذکر ہوا جس کے باعث یہ بھی محفوظ رہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَاۤ میں ارادہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے کیونکہ انہیں جوانی تک پہنچانے پر صرف وہی قادر ہے، جبکہ لڑکے کے بارے میں ''فَاَرَدْنَا......'' اور کشتی کے متعلق ''فَاَرَدْتُّ'' کے الفاظ ہیں۔ پھر فرمایا: رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ یعنی ان تینوں احوال میں میں نے جو کچھ کیا، اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے ہے، یہ میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا بلکہ مجھے اس کا حکم دیا گیا تھا اور اس میں پوشیدہ حکمت پر مجھے آگاہ بھی کر دیا گیا تھا۔ اس سے بعض لوگوں نے حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت پر استدلال کیا ہے اور اس سے پہلے یہ بھی ان کے متعلق فرمایا جا چکا ہے: فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَاۤ ... کچھ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ وہ رسول تھے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ فرشتے تھے۔ اکثر علماء کا یہ موقف ہے کہ وہ نبی نہیں بلکہ ولی تھے، ابن قتیبہ نے معارف میں ذکر کیا ہے کہ ان کا نام بلیا بن ملکان بن فالغ بن عابر بن شالح بن ارفخشد بن سام بن نوح (علیہ السلام) تھا (2)۔ ان کی کنیت ابو العباس اور لقب خضر علیہ السلام تھا اور آپ کا تعلق شاہی خاندان سے تھا، امام نووی نے تہذیب الاسماء میں اس چیز کا تذکرہ ہے، مزید آپ یہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام اب تک زندہ ہیں لیکن کیا وہ قیامت تک زندہ رہیں گے؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ امام نووی اور ابن صلاح کا میلان تو اس طرف ہے کہ آپ قیامت تک باقی رہیں گے۔ اس بارے میں سلف سے بہت سی حکایات اور آثار منقول ہیں اور بعض احادیث میں بھی اس کا ذکر آیا ہے لیکن ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں، ان میں سے سب سے زیادہ مشہور حدیث تعزیت ہے جس میں آتا ہے کہ آپ نبی کریم ﷺ کی تعزیت کیلئے تشریف لائے تھے، لیکن اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ اکثر محدثین اور دیگر علماء اس کے برعکس کے قائل ہیں۔ انہوں نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ (الانبیاء:

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 5-6　　2۔ المعارف: 42

34)'' اور ہم نے آپ سے پہلے کسی انسان کیلئے ہمیشہ رہنا مقدر نہیں کیا''۔ دوسری دلیل میدان بدر میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے: '' اے اللہ! اگر میری یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر زمین میں تیری عبادت نہ کی جائے گی''(1) اور تیسری دلیل یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور نہ آپ کے ساتھ مل کر جہاد کیا، اگر آپ زندہ ہوتے تو ضرور نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں شامل ہوتے کیونکہ آپ ﷺ کو تمام جن وانس کی طرف رسول مبعوث فرمایا گیا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: '' اگر موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا'' اور آپ ﷺ نے اپنے وصال سے کچھ عرصہ پہلے فرمایا تھا کہ جو لوگ آج کل روئے زمین پر موجود ہیں، ان میں سے کوئی بھی آج سے لے کر سو سال تک چشم زدن کیلئے بھی زندہ نہیں رہے گا(2)۔ علاوہ ازیں اور بھی متعدد دلائل ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق فرمایا: '' انہیں خضر علیہ السلام اس لئے نام دیا گیا کہ وہ سفید رنگ کی خشک گھاس پھوس پر بیٹھے تو اچانک وہ سبزہ بن کر لہلہانے لگی''(3)۔ بعض نے کہا ہے کہ شاید یہ مراد ہو کہ آپ خشک زمین پر بیٹھے تو وہاں سبزہ اگ آیا۔

فرمایا: ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا یعنی جس چیز کو آپ برداشت نہیں کر سکے تھے اور اس پر بے صبری کا مظاہرہ کیا تھا، یہ اس کی تفسیر ہے۔ جب حضرت خضر علیہ السلام علیہ السلام نے اپنے ہر اقدام کی وضاحت کر دی، اس میں مضمر حکمت سے پردہ اٹھا دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اشکال کا ازالہ کر دیا تو اب اس کیلئے لَمْ تَسْطِعْ کا لفظ استعمال کیا۔ قبل ازیں اشکال چونکہ قوی اور شدید تھا، اس لئے وہاں لَمْ تَسْتَطِعْ استعمال کیا یعنی ثقیل کے مقابلہ میں ثقیل اور خفیف کے مقابلہ میں خفیف جیسا کہ اس فرمان میں ہے: فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا (الکہف: 97) '' سو یاجوج ماجوج کوشش کے باوجود اسے سر نہ کر سکے اور نہ ہی اس میں سوراخ کر سکے'' صعود کیلئے '' اسطاعوا '' کا لفظ استعمال کیا اور نقب کیلئے '' استطاعوا '' کا، کیونکہ نقب میں مشقت زیادہ ہے، گویا ہر ایک کیلئے مناسب لفظ استعمال کیا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نوجوان ساتھی کا ذکر شروع میں تو ہوا ہے لیکن اس کے بعد کہیں ذکر نہیں ہوا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل مقصود حضرات موسیٰ علیہ السلام وخضر علیہ السلام کا قصہ بیان کرنا ہے۔ آپ علیہ السلام کے نوجوان ساتھی تو آپ کے خادم اور تابع تھے۔ احادیث میں آتا ہے کہ آپ کے یہ ساتھی حضرت یوشع بن نون علیہ السلام تھے جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی باگ ڈور سنبھالی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن جریر کی اپنی تفسیر میں بیان کردہ وہ روایت ضعیف ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کا ذکر بعد میں نہیں سنا حالانکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس نوجوان نے آب حیات پی لیا جس کے باعث انہیں دائمی زندگی مل گئی، انہیں ایک کشتی میں بٹھا کر تلاطم خیز موجوں کی نذر کر دیا گیا۔ یہ کشتی قیامت تک موجوں کے تلاطم میں رہے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آب حیات پینا ان کیلئے مناسب نہیں تھا(4)۔ اس روایت کی سند ضعیف ہے، اس کا ایک راوی حسن متروک ہے اور اس کا باپ غیر معروف۔

1۔ مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3، صفحہ 1384، مسند احمد، جلد 1، صفحہ 30 2۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 93-140

3۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 312 جلد 2، صفحہ 318، صحیح بخاری کتاب الانبیاء، جلد 4، صفحہ 190 4۔ تفسیر طبری، جلد 15، صفحہ 281

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۝

''اور وہ دریافت کرتے ہیں آپ سے ذوالقرنین کے متعلق۔ فرمایئے میں ابھی بیان کرتا ہوں تمہارے سامنے اس کا حال۔

ہم نے اقتدار بخشا تھا اسے زمین میں اور ہم نے دیا تھا اسے ہر چیز (تک رسائی حاصل نے) کا ساز و سامان''۔

پہلے گزر چکا ہے کہ کفار مکہ نے اہل کتاب سے ایسی چیز دریافت کی تھی جس سے وہ نبی کریم ﷺ کا امتحان لے سکیں۔ اہل کتاب نے انہیں تین سوالات بتائے تھے۔ ایک اس آدمی کے متعلق جس نے دنیا کا چکر لگایا تھا، دوسرا ان نوجوانوں کے متعلق جولاپتہ ہو گئے تھے اور تیسرا سوال روح کی حقیقت کے متعلق، اس پر سورۂ کہف نازل ہوئی۔ اس مقام پر ابن جریر اور اموی نے اپنی مغازی میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ایک ضعیف حدیث نقل کی ہے کہ کچھ یہودی ذوالقرنین کا قصہ دریافت کرنے کیلئے نبی کریم ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے ان کی گفتگو سے پہلے ہی انہیں آگاہ کر دیا کہ تم اس مقصد کیلئے آئے ہو، چنانچہ آپ نے انہیں ذوالقرنین کے متعلق آگاہ کر دیا۔ اس روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ ذوالقرنین ایک رومی نوجوان تھا، اسی نے اسکندریہ کی بنیاد رکھی۔ ایک فرشتہ اسے آسمان پر لے گیا اور پھر وہاں سے اسے سد (دیوار) تک لے آیا، اس نے کچھ لوگ دیکھے جن کے چہرے کتوں جیسے تھے، یہ بہت طویل اور منکر روایت ہے۔ اس کا مرفوع ہونا ثابت نہیں۔ زیادہ یہی محسوس ہوتا ہے کہ اس کا تعلق اسرائیلی روایات سے ہے۔ تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ ابوزرعہ رازی نے اپنی جلالت شان کے باوجود اسے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں بیان کیا ہے، یہ بہت عجیب و غریب بات ہے۔ یہ بات بھی درست نہیں کہ یہ رومی تھا، رومی بادشاہ تو اسکندر روم بن فیلیس مقدونی تھا جس سے روم کی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے اور سکندر اول تو بقول ازرقی وغیرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں ہوا۔ اس نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کے بعد آپ علیہ السلام کے ساتھ طواف کیا، یہ مومن اور آپ علیہ السلام کا پیروکار تھا اور حضرت خضر علیہ السلام اس کے وزیر تھے، جبکہ سکندر روم مقدونی یونانی کا وزیر مشہور فلسفی ارسطاطالیس تھا۔ اسی اسکندر سے روم کی تاریخ لکھی گئی۔ اس کا دور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال پہلے کا ہے۔ جہاں تک سکندر اول کا تعلق ہے تو اس بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ وہ حضرت خلیل علیہ السلام کا ہم عصر تھا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر مکمل کر لی تو اس نے آپ علیہ السلام کے ساتھ مل کر طواف کیا اور قربانی دی۔ اس کے بہت سے واقعات ہم نے اپنی کتاب ''البدایہ و النہایہ'' میں بیان کر دیے ہیں۔

وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کے سر کی دونوں اطراف تانبے کی تھیں۔ کسی اہل کتاب کا کہنا ہے کہ چونکہ وہ فارس و روم کا بادشاہ تھا اس لئے ذوالقرنین نام پڑ گیا۔ بعض حضرات اس نام کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے سر کے دونوں طرف سینگ سے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ذوالقرنین کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ایک مخلص بندے تھے، انہوں نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا لیکن وہ ان کے درپے آزار ہو گئے، انہوں نے ان کے ایک سینگ پر مارا تو وہ فوت ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر زندگی عطا فرما دی۔ اب وہ پھر قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے لگے، انہوں نے دوسرے سینگ پر مارا تو پھر فوت ہو گئے، اس لئے نام ہی ذوالقرنین پڑ گیا (1)۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ذوالقرنین نام رکھے جانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ مشرق اور مغرب

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 8-9

12B

تک اس اس مقام پر پہنچے جہاں جہاں سورج طلوع اور غروب ہوتا ہے۔ ذوالقرنین کو بخشے گئے اقتدار کے متعلق فرمایا: اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ یعنی ہم نے اسے ایک وسیع اور عظیم سلطنت سے نوازا جس میں قوت، لشکر، آلات حرب اور ہر قسم کے دیگر لوازمات موجود تھے، اس لئے اس نے زمین کے مشرق و مغرب پر اقتدار مستحکم کرلیا، سارے ممالک اس کی قلمرو میں شامل ہو گئے، بادشاہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے اور عرب و عجم اس کی غلامی کا دم بھرتے، اس لئے بعض لوگوں کے خیال میں ذوالقرنین کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ مشرق و مغرب میں آفتاب کے دونوں قرنوں تک رسائی پا چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا کے متعلق حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، سدی، قتادہ اور ضحاک وغیرہ کا کہنا ہے کہ اس سے مراد علم ہے۔ قتادہ اس کا ایک اور مفہوم بھی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اسے زمین کی منازل اور نشانیاں جتلا دیں۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اس سے مراد زبانوں کی تعلیم ہے، وہ جس قوم پر حملہ آور ہوتے ان کے ساتھ انہی کی زبان میں گفتگو کرتے۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب الاحبار سے پوچھا: تم کہتے ہو کہ ذوالقرنین ثریا کے ساتھ اپنے گھوڑے باندھتے تھے؟ حضرت کعب نے جواب دیا کہ اگر آپ یہ کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے: وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب کی اس بات کا جو انکار کیا تھا، وہ درست تھا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس انکار کا حق پہنچتا تھا کیونکہ بقول حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کعب کی بعض روایات درست نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ جھوٹی روایات خود گھڑ لیتے تھے بلکہ مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں موجود ایسی اسرائیلی روایات بیان کرتے جن کی اکثریت تغیر و تبدل، تحریف اور جھوٹ کا پلندہ تھی۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات کی موجودگی میں ہمیں ان کی بالکل ضرورت نہیں کیونکہ ایسی روایات بہت شر اور فساد کا باعث بن سکتی ہیں۔ اسرائیلی روایت کے ثبوت میں قرآن کریم کی اس آیت وَاٰتَيْنٰهُ... سے کعب کا استدلال درست نہیں کیونکہ آسمان تک پہنچنا کسی بشر کے بس کا روگ نہیں۔ بلقیس کے حق میں بھی ایسے ہی الفاظ استعمال کرتے ہوئے فرمایا: وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (النمل:23) یعنی اسے ہر وہ چیز عطا کی گئی جو بادشاہوں کے پاس عموماً ہوتی ہے۔ اس طرح مختلف ممالک کو فتح کرنے، دشمنوں کو شکست دینے، بادشاہوں کو لگام دینے اور اہل شرک کو ذلیل و رسوا کرنے کیلئے جن اسباب اور وسائل کی ضرورت تھی، وہ سبھی ذوالقرنین کو مرحمت کر دیے گئے۔ کسی شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ذوالقرنین کے متعلق پوچھا کہ وہ کیسے مشرق اور مغرب تک پہنچ گئے؟ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو ان کیلئے مسخر کر دیا، تمام اسباب انہیں فراہم کر دیے اور بھرپور قوت سے نواز دیا۔

فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ڛ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ۝ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَاۗءَ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝

"پس وہ روانہ ہوا ایک راہ پر۔ یہاں تک کہ جب وہ غروب آفتاب کی جگہ پہنچا تو اس نے اسے یوں پایا گویا وہ ڈوب رہا ہے ایک سیاہ کیچڑ کے چشمہ میں اور اس نے وہاں ایک قوم پائی۔ ہم نے کہا اے ذوالقرنین! (تمہیں اختیار ہے) خواہ تم انہیں

سزا دو خواہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ ذوالقرنین نے کہا جس نے ظلم (کفر وفسق) کیا تو ہم ضرور اسے سزا دیں گے پھر اسے لوٹا دیا جائے گا اس کے رب کی طرف تو وہ اسے عذاب دیگا بڑا ہی سخت عذاب۔ اور جو شخص ایمان لایا اور اچھے عمل کئے تو اس کے لئے اچھا معاوضہ ہے۔ اور ہم اسے حکم دیں گے ایسے احکام بجالانے کا جو آسان ہوں گے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''سبب'' سے مراد منزل ہے، مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مشرق ومغرب کے درمیان منزل اور رستہ ہے، ایک اور روایت میں آپ سے اس کا معنی زمین کی دونوں طرفیں بھی منقول ہے۔ قتادہ اس کا معنی بتاتے ہیں کہ وہ زمین کی منازل اور نشانات پر چل دیئے۔ ضحاک نے بھی ''سبب'' سے مراد منازل ہی لیا ہے۔ حضرات سعید بن جبیر، عکرمہ، عبیدہ بن یعلی اور سدی نے اس سے مراد علامت لی ہے، مطر کہتے ہیں کہ وہ (ذوالقرنین) زمین پر پہلے سے موجود نشانات اور آثار پر چل دیئے۔ پھر فرمایا: حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ یعنی وہ ایک رستہ پر چل پڑے اور مغرب کا رخ کیا یہاں تک کہ وہ زمین کی اس مغربی سمت کی انتہا تک پہنچ گئے۔ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ یہاں زمین کی مغربی سمت مراد ہے نہ کہ آسمان کا وہ حصہ جہاں سورج غروب ہوتا ہے، کیونکہ وہاں تک پہنچنا ناممکن ہے اور قصہ گو لوگوں نے یہ جو مشہور کر رکھا ہے کہ ذوالقرنین کچھ مدت زمین پر چلتے رہے، پھر سورج کے غروب ہونے کی جگہ سے بھی تجاوز کر گئے اور اس دوران سورج ان کی پس پشت غروب ہوتا رہا، یہ سب من گھڑت قصے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں، ان میں سے اکثر افسانے ہیں جو اہل کتاب کے خرافات اور زنادقہ کی افتراء کا شاخسانہ ہیں۔ مزید فرمایا: وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ یعنی انتہائے مغرب میں پہنچ کر انہیں سورج کا منظر یوں دکھائی دیا کہ وہ بحر محیط میں ڈوب رہا ہے، بالکل یہی کیفیت ہر اس شخص کی ہوتی ہے جو ساحل پر کھڑے ہو کر سورج کا نظارہ کرتا ہے، اسے سورج یوں دکھائی دیتا ہے گویا وہ پانی میں ڈوب رہا ہے حالانکہ سورج چوتھے فلک میں ہے اور وہاں سے جدا کبھی نہیں ہوتا۔ ''حَمِئَة'' ''حَمْأَة'' سے مشتق ہے اس کا معنی ہے: چکنی مٹی جیسا کہ فرمایا: اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (الحجر: 28) ''میں بشر پیدا کرنے والا ہوں کھنکھناتی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار کیچڑ تھی''۔ اس کا بیان گزر چکا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی معنی منقول ہے یعنی کیچڑ والا چشمہ۔ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت کعب الاحبارؒ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے زیادہ قرآن کریم کے عالم ہو، لیکن میں تو کتاب میں یہی پاتا ہوں کہ وہ سیاہ رنگ کی مٹی میں غروب ہو جاتا ہے(1)۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں یہ لفظ اسی طرح پڑھایا تھا یعنی ''حَمِئَة'' (2)۔ ابن ابی طلحہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک اور قرأت نقل کرتے ہیں، وہ ہے: ''فِیْ عَیْنٍ حَامِیَةٍ''، حامیہ کا معنی ہے گرم، حضرت حسن بصریؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ دونوں قرأتیں مشہور ہیں، ان دونوں میں سے جو بھی پڑھ لی جائے درست ہے اور ان دونوں کے معانی میں کوئی منافات یا تضاد نہیں کیونکہ غروب آفتاب کے وقت سورج کے قریب ہونے اور بغیر کسی رکاوٹ کے براہ راست شعاعیں پڑنے کے سبب ممکن ہے کہ وہ چشمہ گرم ہو اور سیاہ کیچڑ کے باعث پانی گدلا ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے سورج کو غروب ہوتے ہوئے دیکھ کر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی دہکتی ہوئی آگ میں، اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی تپش کم نہ ہوتی تو یہ زمین پر ہر چیز کو جلا دیتا'' (3)۔ اس حدیث کا مرفوع ہونا محل نظر ہے، ممکن ہے کہ یہ حضرت عبداللہ کا اپنا کلام ہو اور کتب کی ان دو بوریوں سے لیا گیا ہو جو انہیں جنگ یرموک کے موقعہ پر ملی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت معاویہ بن ابی

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 11   2۔ مسند ابی داؤد والطیالسی: 72   3۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 12، مسند احمد جلد 2 صفحہ 207

سفیان رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو اس طرح تلاوت کیا: " تغرب فی عین حمیۃ " اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم تو اسے " حمئۃ " پڑھتے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ اسے کس طرح پڑھتے ہیں؟ حضرت عبداللہ نے جواب دیا کہ جس طرح آپ نے پڑھا۔ یہ سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میرے گھر میں قرآن کریم نازل ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا اور ان سے پوچھا: آپ تورات میں سورج کہاں غروب ہوتا ہوئے پاتے ہیں؟ حضرت کعب نے جواب دیا کہ عربی زبان کے ماہرین سے پوچھیں، وہ اس بارے میں بہتر جانتے ہیں، البتہ تورات میں یہ لکھا ہے کہ سورج پانی اور مٹی (کیچڑ) میں ڈوبتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے ہاتھ سے مغرب کی طرف اشارہ کیا۔ یہ قصہ سن کر ابن حاضر کہنے لگے کہ اگر اس وقت میں آپ کے پاس ہوتا، تو تبع کے دو شعر آپ کی تائید میں پڑھ دیتا جس سے اس لفظ (حمئہ) کی وضاحت ہو جاتی ہے، ان اشعار میں تبع ذوالقرنین کی توصیف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی راہوں پر سفر کرتے کرتے مشرق اور مغرب تک پہنچا، غروب آفتاب کے وقت اس نے دیکھا کہ سورج سیاہ کیچڑ کے چشمہ میں ڈوب رہا ہے، ان اشعار کے تین الفاظ خلب، ثاط اور حرمد کے معانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھے تو انہوں نے بالترتیب یہ معانی بتائے: مٹی، کیچڑ اور سیاہ، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام یا کسی اور شخص سے فرمایا کہ یہ شخص جو کہتے ہیں لکھ لو۔ حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سورہ کہف کی تلاوت کر رہے تھے، جب آپ نے اس آیت وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ کی تلاوت کی تو حضرت کعب کہنے لگے کہ جس طرح تورات میں ہے، اسی طرح میں نے صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ تورات میں بھی یہی ہے کہ سورج سیاہ رنگ کے کیچڑ میں ڈوبتا ہے۔ تفسیر ابن جریج میں وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا کے تحت مذکور ہے کہ وہاں ایک شہر تھا جس کے بارہ ہزار دروازے تھے۔ اگر اس شہر کے مکینوں کا شور و غل نہ ہوتا تو وہ غروب آفتاب کی آہٹ تک سن لیتے۔ یہاں انہوں نے اولاد آدم سے ایک بہت بڑی امت کو آباد پایا۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو اس بستی پر مکمل اقتدار عطا فرمایا اور یہاں کے رہنے والوں پر پورا پورا تسلط مرحمت فرما دیا۔ اس نے یہ اختیار دے دیا کہ اگر وہ چاہیں تو ان بستی والوں کو قتل کر دیں اور قید میں ڈال دیں اور اگر چاہیں تو ان سے حسن سلوک کریں تاکہ ہر طرف ان کے عدل اور ایمان کی شہرت پھیل جائے، کہنے لگے: اَمَّا مَنْ ظَلَمَ۔ " یعنی ان میں سے جو کفر و شرک پر بضد رہے گا، اسے ہم سزا دیں گے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ سزا قتل تھی۔ سدی کہتے ہیں کہ تانبے کا برتن خوب گرم کیا جاتا پھر ایسے لوگوں کو اس میں ڈال کر ہلاکت کے سپرد کر دیا جاتا۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ ظالم سپاہی ان پر مسلط کر دیے جاتے جو ان کے گھروں میں داخل ہو جاتے اور ہر طرف سے گھیر کر انہیں طرح طرح کی سزائیں دیتے (1)۔ آیت کریمہ میں عَذَابًا نُّكْرًا سے مراد سخت دردناک عذاب ہے۔ اس میں قیامت اور جزا کا بھی ثبوت ہے۔ اہل ایمان کے متعلق واضح کر دیا: وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ یعنی جو شخص ہماری دعوت کو قبول کرتے ہوئے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت میں ہماری اتباع کرے گا، اسے روز قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت عمدہ اجر ملے گا اور ہم خود بھی اس کی عزت افزائی کرتے ہوئے اسے شائستہ بات کہیں گے۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 18

دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿٩٠﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿٩١﴾

''پھر وہ روانہ ہوا دوسرے راستے پر یہاں تک کہ جب وہ پہنچا طلوع آفتاب کے مقام پر تو اس نے پایا سورج کو کہ وہ طلوع ہو رہا ہے ایسی قوم پر کہ نہیں بنائی ہم نے ان کے لئے سورج (کی گرمی) سے بچنے کی آڑ۔ بات یونہی ہے اور ہم نے احاطہ کر رکھا ہے ہر اس چیز کا جو اس کے پاس تھی اپنے علم سے''۔

ذوالقرنین پھر ایک اور سفر پر روانہ ہوئے اور غروب آفتاب کے مقام سے طلوع آفتاب کے مقام کی طرف چل پڑے۔ دوران سفر جس قوم سے سامنا ہوتا، اسے مغلوب کر کے توحید کی دعوت دیتے، اگر تو وہ ان کی اطاعت کر لیتے تو فبہا ورنہ انہیں ذلیل و رسوا کر کے رکھ دیتے۔ ان کے اموال اور ساز و سامان کو اپنے قبضہ میں لے لیتے اور ساتھ والے علاقوں کے ساتھ متوقع معرکہ کے پیش نظر بقدر ضرورت لوگوں کو اپنے لشکر میں شامل کر لیتے۔ اسرائیلی روایات میں آتا ہے کہ وہ ایک ہزار چھ سو سال تک زندہ رہے۔ اس عرصے کے دوران وہ مسلسل زمین کے طول و عرض میں پیش قدمی کرتے رہے یہاں تک کہ مشرق اور مغرب تک پہنچ گئے۔ جب وہ زمین کے اس مقام پر پہنچے جہاں سورج طلوع ہوتا ہے تو وہاں انہوں نے دیکھا کہ سورج ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتا ہے جن کے پاس کوئی ایسی آڑ یا پردہ نہیں ہے جس کے ذریعے وہ سورج کی گرمی سے اپنا بچاؤ کر سکیں۔ نہ ان کے پاس مکانات ہیں جو انہیں سورج کی تپش سے محفوظ رکھیں اور نہ درخت ہیں جو انہیں سایہ فراہم کریں اور سورج کی تمازت سے بچائے رکھیں۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ وہ سرخ رنگ کے پستہ قامت لوگ تھے۔ غاریں ان کا مسکن تھا اور عمومی خوراک مچھلی تھی، حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ان کی زمین عمارتوں کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ جب سورج طلوع ہوتا تو وہ پانی میں چلے جاتے اور جب سورج غروب ہوتا پانی سے نکل کر ادھر ادھر جانوروں کی طرح چلا تے پھرتے (1)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ان کی زمین بنجر تھی، کوئی چیز وہاں نہیں اگتی تھی، طلوع آفتاب کے وقت وہ تہ خانوں میں چلے جاتے اور جب سورج ڈھلتا تو اپنے کھیتوں کی طرف نکل جاتے۔ سلمہ بن کہیل کہتے ہیں کہ سر چھپانے کیلئے ان کے پاس کوئی محفوظ مقامات نہیں تھے، البتہ ان کے کان بڑے بڑے تھے، طلوع آفتاب کے وقت ان میں سے ہر شخص اپنا ایک کان نیچے بچھا لیتا اور دوسرا کان اوپر اوڑھ لیتا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ وحشی حبشی تھے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ نہ انہوں نے کبھی خود کوئی عمارت وغیرہ وہاں بنائی اور نہ ہی کسی اور نے۔ جب سورج طلوع ہوتا تو وہ زوال تک تہ خانوں میں گھسے رہتے یا پانی میں اور ان کی زمین پر کوئی پہاڑ بھی نہ تھا۔ ایک مرتبہ ایک لشکر وہاں آدھمکا، وہاں کے مکینوں نے انہیں کہا کہ اس سرزمین پر طلوع آفتاب کا سامنا کرنے سے بچو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم تو یہیں رہیں گے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے، پھر پوچھنے لگے کہ یہ ہڈیاں کیسی ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ پہلے ایک لشکر یہاں آیا تھا، جونہی ان پر سورج طلوع ہوا، وہ سبھی مرگئے، یہ ان کی ہڈیاں ہیں، یہ سنتے ہیں وہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے (2)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا میں بقول مجاہد اور سدی ''خبر'' کا معنی علم ہے یعنی ہم ذوالقرنین اور ان کے لشکر کے حالات پر پوری طرح مطلع ہیں اور ان کی کوئی چیز ہم پر مخفی نہیں اگرچہ وہ زمین کے دور دراز علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے: لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ (آل عمران: 5) ''نہیں پوشیدہ رہتی اس پر کوئی شے زمین میں اور نہ آسمان میں''۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٩٢﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 14

2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 14

يَفْقَهُونَ قَوْلًا ﴿٩٣﴾ قَالُوا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿٩٤﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿٩٥﴾ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿٩٦﴾

"پھر وہ روانہ ہوا ایک اور راہ پر۔ یہاں تک کہ جب وہ پہنچا دو پہاڑوں کے درمیان تو پایا اس نے ان پہاڑوں کے پیچھے ایک قوم کو جو نہیں سمجھ سکتے تھے (ان کی) کوئی بات۔ انہوں نے کہا اے ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج نے بڑا فساد برپا کر رکھا ہے اس علاقہ میں تو کیا ہم مقرر کریں آپ کے لئے کچھ خراج تاکہ آپ بنادیں ہمارے درمیان اور ان کے درمیان ایک بلند دیوار۔ وہ بولا! وہ دولت جس میں میرے رب نے مجھے اختیار دیا ہے وہ بہتر ہے پس تم میری مدد کرو جسمانی مشقت سے میں بنادوں گا تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط آڑ۔ تم لے آؤ میرے پاس لوہے کی چادریں (چنانچہ کام شروع ہو گیا) یہاں تک کہ جب ہموار کر دیا گیا وہ خلا جو دو پہاڑوں کے درمیان تھا تو اس نے حکم دیا دھونکو یہاں تک کہ جب وہ لوہا آگ بنا دیا، تو اس نے کہا لے آؤ میرے پاس پگھلتا ہوا تانبا میں اسے اس پگھلے ہوئے لوہے پر انڈیلوں"۔

ذوالقرنین کے متعلق بتایا جارہا ہے کہ وہ ایک اور راہ پر چلے یعنی انہوں نے مشرق سے ایک نئے سفر کا آغاز کیا، چلتے چلتے وہ دو پہاڑوں کے درمیان واقع ایک مقام پر پہنچے۔ یہ پہاڑ ایک دوسرے کے بالمقابل تھے، درمیان میں ایک درہ تھا، جہاں سے یاجوج ماجوج نکل کر ترک علاقوں پر حملہ آور ہوتے، وہاں خوب فساد برپا کرتے، کھیتوں کو برباد کر دیتے اور لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ یاجوج ماجوج بھی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف سے ثابت ہے: "اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آدم! آپ عرض کریں گے: "لَبَّيْكَ وَ سَعْدَيْكَ"، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آگ کا حصہ الگ کرو، عرض کریں گے کہ آگ کا کتنا حصہ؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے دوزخ میں اور ایک جنت میں، اس وقت ہر بچہ بوڑھا ہو جائے گا اور ہر حاملہ اپنے حمل کو گرا دے گی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "تم میں دو امتیں ہیں، وہ جس میں ہوں اسے اکثریت والا بنا دیتی ہیں، یعنی یاجوج ماجوج" (1)۔ امام نوویؒ نے شرح مسلم میں بعض لوگوں سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے منی خارج ہو کر مٹی میں مل گئی، اس سے یاجوج ماجوج کی تخلیق ہوئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی تخلیق صرف حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی نہ کہ آدم و حواء دونوں سے، یہ قول بہت ہی عجیب و غریب ہے جس کی نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی دلیل اور اہل کتاب سے منقول ایسی روایات قابل اعتماد نہیں کیونکہ ان کے ہاں اکثر من گھڑت اور بناوٹی روایات ملتی ہیں۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نوح (علیہ السلام) کے تین بیٹے تھے، سام جس سے عربوں کی نسل چلی، حام جس سے حبشیوں کی نسل چلی اور یافث جس سے ترکوں کی نسل چلی" (2)۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یاجوج ماجوج بھی یافث کی اولاد میں سے ہیں۔ چونکہ یہ ہر وقت فساد، بغاوت اور شرارت پر آمادہ رہتے تھے اس لئے انہیں پہاڑ کے پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا، وہاں الگ تھلگ چھوڑے جانے کی بنا پر انہیں ترک نام دیا گیا۔ ابن جریر نے وہب بن منبہ سے ذوالقرنین کے سفر، تعمیر

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ حج، جلد 6 صفحہ 122، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 201
2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 9

سد اور یاجوج ماجوج، ان کی صفات، اشکال، قدوقامت اور کانوں کے متعلق ایک طویل قصہ نقل کیا ہے جو عجیب وغریب ہونے کے علاوہ صحت سے بھی بعید ہے۔ ابن ابی حاتم نے اپنے والد سے اس سلسلہ میں متعدد غریب احادیث روایت کی ہیں جن کی سندیں صحیح نہیں۔ اس کے بعد فرمایا: وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا۔ یعنی پہاڑوں کے درے میں انہوں نے ایسے لوگ آباد پائے جو اپنی مخصوص زبان سے واقفیت اور لوگوں سے الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے کسی اور کی زبان کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ انہوں نے ذوالقرنین کی نیک نفسی کو دیکھتے ہوئے ان سے گزارش کی کہ یاجوج ماجوج آئے دن ہماری بستی کو تاراج کرتے رہتے ہیں، اگر آپ مہربانی فرمائیں تو ہم آپ کیلئے بہت سامال جمع کرنے کیلئے تیار ہیں، تاکہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار اور آڑ بنادیں۔

ذوالقرنین نے عفت، دیانت اور اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور مفاد عامہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا: مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ ..... یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے جو بادشاہت اور اقتدار مرحمت فرمایا ہے وہ تمہارے مال سے بہتر ہے، جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ (النمل: 36) ''کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو، جو مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے، وہ اس سے بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے''۔ ذوالقرنین کہنے لگے کہ جو کچھ مجھے عطا فرمایا گیا ہے وہ اس مال سے بہتر ہے جو تم خرچ کرو گے، لیکن تم افرادی قوت بہم پہنچاؤ اور جسمانی محنت اور آلاتِ تعمیر کے ذریعے میری مدد کرو، میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنادوں گا، تم میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ۔ ''زبر'' زبرۃ کی جمع ہے اس کا معنی ہے لوہے کا ٹکڑا۔ لوہے کے یہ ٹکڑے اینٹوں کی طرح تھے، کہتے ہیں کہ ہر ٹکڑے کا وزن ایک قنطار تھا، لوہے کے ٹکڑے جمع ہوگئے تو ذوالقرنین نے دیوار کی تعمیر شروع کردی، یہاں تک کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان خلا کو ہموار کردیا اور طول وعرض میں اسے دونوں پہاڑوں کی چوٹیوں کے برابر کردیا۔ اس دیوار کے طول وعرض کی مقدار میں لوگوں کا اختلاف ہے، اس کے بعد فرمانے لگے: انْفُخُوا ..... یعنی اس پر آگ بھڑکاؤ، یہانتک کہ جب وہ دیوار بالکل آگ بن گئی تو کہنے لگے کہ اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ تاکہ اسے میں اس کے اوپر بہادوں۔ ''قطر'' سے مراد بقول ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، ضحاک، قتادہ اور سدی پگھلا ہوا تانبا ہے۔ اسکی تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ (سبا: 12) ''اور ہم نے ان کیلئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ جاری کردیا''۔ یہ دیوار دیکھنے میں یوں معلوم ہونے لگی گویا دھاری دار چادر ہے، ابن جریر میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: یارسول اللہ! میں نے یاجوج ماجوج کی وہ دیوار دیکھی ہے، آپ نے فرمایا کہ وہ کیسی ہے؟ عرض کی: دھاری دار چادر کی طرح جس میں سرخ اور سیاہ دھاریاں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''واقعی تم نے اسے دیکھا ہے'' (1)۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ خلیفہ واثق نے اپنے عہد میں اپنے کسی امیر کو ایک بہت بڑا لشکر اور کثیر سازوسامان دیکر ایک مہم پر روانہ کیا۔ وہ مہم یہ تھی کہ وہ اس دیوار کو تلاش کر کے اسکی صحیح صحیح خبر لائیں۔ چنانچہ یہ لوگ اس مہم پر روانہ ہوئے اور ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی خاک چھانتے ہوئے آخرکار منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ انہوں نے لوہے اور تانبے سے تعمیر کردہ دیوار دیکھی اس میں ایک بہت بڑا دروازہ تھا جس پر دیوہیکل قفل لگے ہوئے تھے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ ایک برج میں باقیماندہ اینٹیں، مال اور مسالہ پڑا ہوا ہے۔ پڑوسی بادشاہوں کی دست برد سے محفوظ رہنے کیلئے باقاعدہ پہرے کا انتظام ہے۔ دیوار اسقدر بلند ہے کہ اس پر چڑھنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس طرح اس کے ساتھ ساتھ بلندوبالا پہاڑوں کا سلسلہ ہے۔ یہ سب کچھ دیکھ لینے کے بعد یہ لوگ اپنے وطن واپس لوٹ آئے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 23

اس مہم پر دو سال سے بھی زائد عرصہ صرف ہوا۔ اس دوران انہوں نے نہایت عجیب و غریب اور ہولناک چیزوں کا مشاہدہ کیا۔

فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿۹۸﴾ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾

"سو یاجوج ماجوج بڑی کوشش کے باوجود اسے سر نہ کر سکے اور نہ ہی اس میں سوراخ کر سکے۔ ذوالقرنین نے کہا یہ میرے رب کی رحمت ہے (کہ اس نے مجھے یہ توفیق بخشی) اور جب آ جائے گا میرے رب کا وعدہ تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر دے گا۔ اور میرے رب کا وعدہ (ہمیشہ) سچا ہوا کرتا ہے۔ اور ہم واگزار کر دیں گے بعض کو اس دن کہ وہ (تند موجوں کی طرح) دوسروں میں گھس جائیں گے اور صور پھونکا جائے گا تو ہم سب کو اکٹھا کر دیں گے"۔

اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کے متعلق خبر دے رہا ہے کہ وہ سر توڑ کوشش کے باوجود نہ تو دیوار کو پھاند سکے اور نہ ہی نیچے سے نقب لگا سکے، چونکہ دیوار پر چڑھنا اس میں سوراخ کرنے کی نسبت زیادہ آسان ہے اس لئے ہر ایک کیلئے مناسب لفظ استعمال کرتے ہوئے فرمایا: فَمَا اسْطَاعُوْٓا اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ وہ نہ تو پوری دیوار میں سوراخ کر سکے اور نہ اس کے کچھ حصہ میں، لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں "یاجوج ماجوج ہر روز اس دیوار کو کھودتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ سورج غروب ہونے والا ہے تو ان کا سردار انہیں حکم دیتا ہے کہ واپس چلے آؤ کل اسے کھود کر گرا دینا، لیکن جب وہ اگلے روز آتے ہیں تو اسے پہلے سے بھی زیادہ مضبوط پاتے ہیں۔ آخر کار جب ان کی میعاد پوری ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کو لوگوں پر ان کا نکلنا منظور ہوگا تو یہ دیوار کو کھودتے کھودتے چھلکے جیسا کر دیں گے، جب سورج غروب ہونے کے قریب ہوگا تو ان کا سردار انہیں کہے گا کہ اب واپس چلو، کل انشاء اللہ اسے مسمار کر ڈالیں گے۔ ان شاء اللہ کہنے کی وجہ سے وہ اگلے روز دیوار کو جوں کا توں، بالکل اسی حالت پر پائیں گے جس پر وہ اسے چھوڑ کر گئے تھے۔ چنانچہ وہ اسے گرا کر لوگوں پر پل پڑیں گے، تمام پانی ہڑپ کر جائیں گے، لوگ ان کی دست برد سے محفوظ رہنے کیلئے قلعہ بند ہو جائیں گے، یہ اپنے تیر آسمان کی طرف چلائیں گے تو وہ خون آلود ان کے پاس لوٹیں گے، یہ دیکھ کر وہ کہیں گے کہ ہم نے نہ صرف زمین والوں کو مغلوب کر لیا ہے بلکہ آسمان والوں کو بھی، بحکم خدا ان کی گردنوں میں ایسے کیڑے مسلط ہوں گے جن کے سبب یہ سب مر جائیں گے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! زمین کے جانور ان کے خون اور گوشت کھا کھا کر خوب موٹے تازے اور دودھ والے ہو جائیں گے"(1)۔ اسے ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ غریب ہے۔ اور صرف اس سند سے معروف ہے۔ اسکی سند عمدہ اور قوی ہے لیکن متن میں نکارت ہے کیونکہ آیت کے ظاہری الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ دیوار کی پختگی اور مضبوطی کے باعث نہ وہ اسے عبور کر سکے اور نہ ہی اس میں نقب لگا سکے۔ حضرت کعب الاحبارؒ سے مروی ہے کہ یاجوج ماجوج ہر روز اس دیوار کو چاٹتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ بہت کم باقی رہ جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ کل اسے توڑ ڈالیں گے، جب اگلے روز آتے ہیں تو دیوار کو بالکل اسی طرح پاتے ہیں جس طرح وہ اصل میں تھی، پھر وہ اسے چاٹنا شروع کر دیتے ہیں یہاں تک کہ معمولی سے مقدار باقی رہ جاتی ہے، کہتے ہیں کہ کل اس کا کام تمام کر دیں گے لیکن دوسرے دن دیوار کو پھر اصلی شکل میں پاتے

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 511-510، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 1365-1364

ہیں۔ آخر کار جب ان کا خروج مقصود ہوگا تو انہیں بذریعہ الہام ان شاءاللہ کہنے کی تلقین کی جائے گی۔ چنانچہ انشاءاللہ کہہ کر وہ دیوار کو جس حالت پر چھوڑیں گے، اگلے دن صبح بالکل اس حالت پر اسے پائیں گے اور اسے گرا کر باہر کود پڑیں گے۔ یہ بات قابل فہم ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے، ممکن ہے یہ روایت حضرت کعب سے لی ہو کیونکہ آپ اکثر ان کے پاس بیٹھتے اور گفتگو کرتے اور آپ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے نے اسے رسول اللہ ﷺ کا فرمان سمجھ کر مرفوعاً بیان کر دیا ہو۔ ہمارے اس موقف کی تائید کہ وہ نہ تو پوری دیوار میں نقب لگانے پر متمکن ہوئے اور نہ اس کے کچھ حصہ میں، ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہوتی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نیند سے بیدار ہوئے، آپ کا چہرہ مبارک سرخ تھا اور آپ یہ فرمار ہے تھے: "لا الہ الا اللہ" ایک قریب آجانے والے شر کے باعث عربوں کیلئے بربادی ہے، آج یاجوج ماجوج کی دیوار میں اس قدر سوراخ ہوگیا" پھر آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں سے حلقہ بنا کر دکھایا، میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا ہم ہلاک کر دیئے جائیں گے حالانکہ ہمارے اندر نیکوکار موجود ہیں؟ آپ نے فرمایا: "ہاں، جب خبیث لوگوں کی کثرت ہو جائے گی"(1)۔ یہ حدیث صحیح ہے جسے بخاری و مسلم نے امام زہری سے روایت کیا ہے لیکن بخاری کی روایت میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا ذکر راویوں میں موجود نہیں البتہ مسلم کے راویوں میں آپ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے۔ اس سند میں چند چیزیں ایسی ہیں جو شاذ و نادر ہی وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ ایک چیز یہ ہے کہ زہری نے عروہ سے روایت کی ہے اور یہ دونوں تابعی ہیں، دوسری چیز یہ ہے کہ اس سند میں چار عورتیں جمع ہوگئی ہیں جو ایک دوسرے سے روایت کرتی ہیں، پھر یہ چاروں صحابیہ ہیں، ان میں سے دو نبی کریم ﷺ کی سوتیلی بیٹیاں ہیں، یعنی زینب بنت ابی سلمہ اور حبیبہ بنت ام حبیبہ جبکہ باقی دو (ام حبیبہ اور زینب بنت جحش) آپ ﷺ کی بیویاں ہیں۔ اس طرح کی ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آج یاجوج ماجوج کی دیوار میں اسقدر سوراخ ہوگیا اور آپ نے انگلیوں سے نوے کا اشارہ کیا"(2)۔ دیوار کی تعمیر مکمل ہونے پر ذوالقرنین کہنے لگے، هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۔ یعنی لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی یہ خاص رحمت ہے کہ اس نے ان کے اور یاجوج ماجوج کے درمیان ایک آڑ قائم کر دی تاکہ وہ ان کے فتنہ و فساد اور شرارتوں سے محفوظ رہیں۔ جب میرے رب کے سچے وعدے کا وقت آجائے گا تو وہ اس دیوار کو ریزہ ریزہ کر کے زمین بوس کر دے گا۔ دکاء کا معنی ہے برابر، جب کسی اونٹنی کی کوہان نہ ہو اور اسکی پشت برابر ہو تو اسے "ناقۃ دکاء" کہا جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا (الاعراف: 143)" "پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تو اسے پاش پاش کر دیا" عکرمہ اسکی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے پہلے کی طرح رستہ بناوے گا اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے جس کا وقوع یقینی ہے۔ مزید فرمایا: وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ ..... یعنی اس دیوار کے مسمار ہونے کے بعد یہ لوگ وہاں سے نکل پڑیں گے اور سمندر کی موجوں کی طرح ایک دوسرے لوگوں میں گھس جائیں گے، خوب اودھم مچائیں گے، فساد بپا کریں گے اور لوگوں کے مال و متاع تلف کر ڈالیں گے۔ یہ واقعہ خروج دجال کے بعد اور وقوع قیامت سے پہلے ہوگا، اس کا پورا بیان اس آیت: حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ (الانبیاء: 97-96) کی تفسیر کے تحت ہوگا۔ اس طرح یہاں فرمایا: وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ ... وقوع قیامت سے کچھ پہلے شروع میں یہ ہوگا، اس کے بعد صور پھونکا جائے گا اور سب لوگ جمع ہو جائیں گے، بعض

1۔ صحیح بخاری، کتاب الفتن، جلد 9 صفحہ 168، مسند احمد جلد 6 صفحہ 428

2۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6 صفحہ 382 صحیح مسلم، کتاب الفتن، جلد 4 صفحہ 2208

دوسرے حضرات اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ روز قیامت تمام جن وانس خلط ملط ہو جائیں گے اور موجوں کی طرح ایک دوسرے میں گھس جائیں گے۔ بنو فزارہ کے ایک شیخ کا کہنا ہے کہ جب جن وانس آپس میں گھل مل جائیں گے تو اس وقت ابلیس کہے گا کہ میں تمہیں حقیقت حال معلوم کر کے بتاتا ہوں، چنانچہ وہ مشرق کی طرف بھاگ نکلے گا لیکن وہاں فرشتوں کو دیکھ کر مغرب کا رخ کرے گا۔ وہاں بھی ہر جگہ فرشتوں کو پائے گا تو کہے گا کہ کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔ پھر وہ دائیں بائیں زمین کی انتہا تک بھاگے گا لیکن زمین کی تہہ میں بھی فرشتوں کو پائے گا اور کہتا جائے گا کہ آج فرار کی کوئی جگہ نہیں۔ اسی اثناء میں اسے تسمہ کی مقدار رستہ دکھائی دے گا تو وہ اپنی ساری ذریت کو لیکر اس رستہ میں گھس جائے گا۔ آگے جائے گا تو اس کا سامنا جہنم سے ہوگا۔ ایک داروغۂ جہنم اسے کہے گا: اے ابلیس! کیا تمہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک خاص مقام نہیں حاصل تھا، کیا تو جنت میں نہیں تھا؟ وہ کہے گا کہ یہ عتاب اور سرزنش کا دن نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر ایک فریضہ مقرر کردے تو میں اسکی اتنی عبادت کروں جس قدر عبادت اسکی مخلوق میں سے کسی نے نہ کی ہو۔ داروغہ کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فریضہ تم پر مقرر کر رکھا ہے۔ ابلیس پوچھے گا کہ کونسا؟ داروغہ کہے گا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جہنم میں جانے کا حکم دیتا ہے۔ اس پر ابلیس ہچکچائے گا تو وہ فرشتہ اسے اور اسکی ذریت کو اپنے دونوں پروں کے ساتھ گھسیٹتے ہوئے جہنم میں پھینک دے گا، جونہی انہیں پھینکا جائے گا، جہنم سے ایک سخت چنگھاڑ سنائی دے گی جس کے باعث تمام فرشتے، نبی اور رسول اللہ تعالیٰ کے حضور عجز و نیاز کرتے ہوئے گھٹنوں کے بل گر جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "یاجوج ماجوج اولاد آدم سے ہیں، اگر انہیں آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ لوگوں کی معاش میں فساد برپا کر دیں۔ ان میں سے کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرتا جب تک اپنی اولاد میں ایک ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ افراد نہ چھوڑے۔ ان کے سوا تین اور امتیں ہیں: تاویل، تاریس اور منسک" (1)۔ یہ حدیث غریب بلکہ منکر اور ضعیف ہے۔

حضرت اوس بن ابی اوس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یاجوج ماجوج کی بیویاں ہیں، جس قدر چاہیں، ان کے ساتھ مجامعت کریں اور ان کے ہاں درخت ہیں، جس طرح چاہیں پیوند کاری کریں۔ ان میں سے جب کوئی مرتا ہے تو اپنے پیچھے ایک ہزار بلکہ اس سے بھی زائد افراد چھوڑ کر مرتا ہے" (2)۔ اور صور جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، ایک قرن (سینگ) ہے جس میں پھونکا جائے گا۔ اس میں پھونکنے والے حضرت اسرافیل علیہ السلام ہوں گے جیسا کہ ایک طویل حدیث میں گزر چکا ہے۔ اس سلسلہ میں اور بھی متعدد احادیث ہیں۔ حضرت ابن عباس اور ابوسعید سے ایک مرفوع حدیث میں آتا ہے: "میں کیسے سکون سے بیٹھوں جبکہ صاحب قرن، قرن کو منہ سے لگائے، پیشانی جھکائے اور کان لگائے ہوئے منتظر ہے کہ کب (صور پھونکنے کا) حکم ہوتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی کہ پھر ہم کیا کہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ کہو" حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا" (3)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۙ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (الواقعہ: 50-49) " آپ فرما دیجئے بے شک اگلوں کو بھی اور پچھلوں کو بھی ایک مقررہ وقت پر ایک جانے ہوئے دن میں جمع کیا جائے گا"۔ وَحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا (الکہف: 47) " اور ہم انہیں جمع کریں گے اور ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے"۔

وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَىِٕذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ۙ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ۙ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ

1۔ سنن ابی داؤد طیالسی: 301 2۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 6 3۔ عارضۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 261

اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ۝

''اور ہم ظاہر کر دیں گے جہنم کو اس دن کفار کے لئے بالکل عیاں۔ وہ کافر جن کی آنکھوں پر پردے پڑے تھے میری یاد سے اور جو (کلمہ حق) سن بھی نہیں سکتے تھے۔ کیا گمان کرتے ہیں کفار کہ وہ بنالیں گے میرے بندوں کو میرے بغیر اپنا حمایتی؟ (یہ ناممکن ہے) بیشک ہم نے تیار کر رکھا ہے جہنم کو کفار کی رہائش کے لئے''۔

روز قیامت کفار کے ساتھ جو سلوک ہوگا، اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ جہنم بالکل عیاں کر کے ان کے سامنے ظاہر کر دیا جائے گا تاکہ وہ اس میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس کے عبرتناک اور ہوشربا عذاب کا مشاہدہ کر لیں، فوری طور پر غم واندوہ اور رنج والم میں مبتلا کرنے کا یہ زیادہ موثر طریقہ ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن جہنم کو ستر ہزار لگاموں کے ساتھ جکڑ کر لایا جائے گا اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے''(1)۔ پھر ان کفار کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا: الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ .... یعنی یہ کفار قبول ہدایت اور اتباع حق سے غافل، اندھے اور بہرے بنے رہے جیسا کہ فرمایا: وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ (الزخرف: 36) ''اور جو شخص رحمٰن کے ذکر سے (دانستہ) اندھا بنتا ہے، ہم اس کیلئے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں پس وہ ہر وقت اس کا رفیق رہتا ہے'' اور یہاں فرمایا: وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ پھر فرمایا: اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ ۔ یعنی یہ کفار یقین کیے بیٹھے ہیں کہ وہ اپنے معبودان باطلہ کو اپنا حمایتی اور مددگار بنالیں گے اور وہ ان کے کام آئیں گے حالانکہ ان کی حقیقت یوں ہے: كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا (مریم: 82) ''ہرگز نہیں، وہ جھوٹے خدا ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور ان کے دشمن بن جائیں گے''۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ ان کفار کی رہائش کیلئے جہنم بالکل تیار ہے۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَاۗىِٕهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ۝

''فرمایئے (اے لوگو!) کیا ہم مطلع کریں تمہیں ان لوگوں پر جو اعمال کے لحاظ سے گھاٹے میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری جدوجہد دنیوی زندگی کی آرائش میں کھو کر رہ گئی اور وہ یہ خیال کر رہے ہیں کہ وہ کوئی بڑا عمدہ کام کر رہے ہیں۔ یہی وہ (بدنصیب) ہیں جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیتوں کا اور اس کی ملاقات کا تو ضائع ہوگئے ان کے اعمال تو ہم ان (کے اعمال تولنے) کے لئے روز قیامت کوئی ترازو نصب نہیں کریں گے۔ یہ ہے ان کی جزا جہنم اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور رسولوں کو مذاق بنالیا''۔

حضرت مصعب نے اپنے والد گرامی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اس آیت قُلْ هَلْ .. کے متعلق دریافت کیا کہ کیا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2184

ں سے خوارج مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ اس سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں۔ یہود نے حضور اکرم ﷺ کو جھٹلایا، نصاریٰ نے
نت کا انکار کیا اور کہنے لگے کہ وہاں کوئی طعام وشراب نہیں اور خوارج نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے عہد وپیمان کو پختہ کر لینے کے بعد
ڑ دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ خوارج کو فاسق کہا کرتے تھے(1)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، قتادہ اور دیگر متعدد حضرات کہتے ہیں کہ اس
یت سے مراد خارجی ہیں(2)۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ آیت خارجیوں کو بھی اسی طرح شامل ہے جس طرح یہود، نصاریٰ اور ان جیسے
یگر لوگوں کو، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ آیت کسی مخصوص گروہ کے متعلق نازل ہوئی ہے بلکہ یہ آیت عام ہے اور اس قماش کے تمام لوگوں کو شامل
ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور اس کے نزول کے وقت مکہ میں اس کے مخاطب یہود ونصاریٰ نہ تھے اور خوارج کا تو اس وقت وجود تک نہ تھا۔
ں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت ہر اس شخص کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کے ناپسندیدہ طریقے کے مطابق اس کی عبادت کرتا ہے اور وہ اپنے
یں یہ یقین کر بیٹھتا ہے کہ وہ بہت عمدہ اور درست کام کر رہا ہے اور اس کا یہ عمل مقبول ہوگا حالانکہ اس کا یہ گمان غلط اور اس کا عمل مردود ہے
یسا کہ فرمایا: وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ خَاشِعَةٌ ۙ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۙ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً (الغاشیہ: 2-4) "کتنے ہی چہرے اس دن ذلیل وخوار ہوں
ے مشقت میں مبتلا تھکے ماندے، داخل ہوں گے دہکتی ہوئی آگ میں"، وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (الفرقان:
2) "اور ہم ان کے کاموں کی طرف متوجہ ہوں گے اور انہیں گرد وغبار بنا کر اڑا دیں گے"، وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ
سَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا (النور: 39) "اور کافروں کے اعمال ایسے ہیں جیسے کسی چٹیل میدان میں چمکتی ہوئی
یت ہو جسے پیاسا پانی خیال کرتا ہے حتیٰ کہ جب اس کے قریب آتا ہے تو اسے کچھ نہیں پاتا"۔ اور یہاں فرمایا: قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ . پھر
ن لوگوں کی وضاحت بیان کرتے ہوئے فرمایا: اَلَّذِيْنَ ضَلَّ ... یعنی یہ لوگ ناپسندیدہ اور غلط طریق کار کو اپنا کر باطل اعمال کرتے رہے
دول میں یہ یقین محکم کیے رہے کہ وہ بہت عمدہ کام کر رہے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے مقبول اور محبوب بندے ہیں لیکن یہ تو ایسے بدنصیب
ے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے رسولوں کی صداقت پر قائم آیات اور دلائل کا انکار کر دیا اور روز آخرت کو جھٹلانے لگے، اس
ے قیامت کے دن ان کے اعمال کا کوئی وزن نہیں ہوگا کیونکہ وہ خیر سے خالی تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول
ﷺ نے فرمایا: "روز قیامت ایک بھاری بھرکم موٹا تازہ شخص آئے گا لیکن اللہ کے ہاں مچھر کے پر کے برابر بھی اس کا وزن نہیں ہوگا،
ر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر چاہو تو یہ آیت فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ ۔ پڑھ لو"(3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول
ﷺ نے فرمایا: "بہت زیادہ پیٹو اور بھاری بھرکم شخص کو لایا جائے گا اور ایک دانے کے ساتھ اس کا وزن کیا جائے گا تو اس کے برابر بھی
ں کا وزن نہیں ہوگا"۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس
ے ہوئے تھے کہ اسی اثناء میں ایک قریشی اپنے حلے میں اتراتا ہوا وہاں سے گزرا، جب وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آ کر ٹھہرا تو آپ ﷺ
فرمایا: "اے بریدہ! یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کا روز قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی وزن نہیں ہوگا"(4)۔ حضرت کعبؓ فرماتے ہیں
قیامت کے دن ایک گرا نڈیل اور لمبا تڑنگا شخص لایا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگا، اس کی
ں یہ آیت فَلَا نُقِيْمُ ... ہے(5)، پھر ان کی جزا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ جَهَنَّمُ ۔ یعنی یہ ان کے کفر، اللہ تعالیٰ کی

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ کہف، جلد 6 صفحہ 117 — 2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 32-33
3۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ کہف، جلد 6 صفحہ 117، صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار، جلد 4 صفحہ 2147
4۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب اللباس، جلد 3 صفحہ 385 — 5۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 35

آیات اور رسولوں کا تمسخر اڑانے اور انہیں جھٹلانے کا بدلہ ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾

"یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل (بھی) کرتے رہے تو فردوس کے باغات ان کی رہائش گاہ ہوں گے۔ وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں (اور) نہیں چاہیں گے کہ وہ اس جگہ کو بدل لیں"۔

اللہ تعالیٰ کے سعادت مند بندوں کا ذکر ہو رہا ہے، یہ ایسے پاکباز ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور تمام رسولوں کی تصدیق کی، ان کیلئے فردوس کے باغات ہیں، مجاہد کہتے ہیں کہ رومی زبان میں باغ کو فردوس کہتے ہیں، کعب، سدی اور ضحاک کہتے ہیں کہ فردوس سے مراد انگوروں کا باغ ہے، ابوامامہ کہتے ہیں کہ فردوس سے مراد وسط جنت ہے، قتادہ کہتے ہیں کہ فردوس جنت میں سے سب سے افضل، بلند اور اونچی جگہ پر واقع ایک مقام ہے جیسا کہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "فردوس جنت کا ٹیلہ، ساری جنت سے اعلیٰ اور خوبصورت ہے"(1)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "جب تم اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرو تو اس سے فردوس مانگو کیونکہ یہ جنت کا سب سے اعلیٰ اور افضل مقام ہے اور یہاں سے ہی جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں"(2)۔ آیت کریمہ میں لفظ "نزل" سے مراد ضیافت اور مہمان نوازی ہے۔ وہ فردوس کے باغات میں ہمیشہ ہمیشہ مقیم رہیں گے اور یہاں سے کوچ کرنے اور اس کے بدلے کوئی اور جگہ تلاش کرنے کا انہیں خیال تک نہیں آئے گا۔ ان کی کیفیت بالکل ایسی ہوگی جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے وہ میرے دل کے سیاہ نقطہ میں جاگزیں ہوگئی، یہ میں اس کے بدلے میں کوئی اور تلاش کرتا ہوں اور نہ میں اس کی محبت سے دستبردار ہوتا ہوں(3)۔ فرمایا: لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا یہ فرما کر جنات الفردوس میں ان کی رغبت اور محبت سے آگاہ کر دیا حالانکہ ایک ہی جگہ پر ہمیشہ مقیم رہنے والے شخص کے متعلق کم از کم یہ تو گمان کیا ہی جا سکتا ہے کہ وہ کبھی نہ کبھی اکتاہٹ کا شکار ہو سکتا ہے لیکن ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ وہ اس دوام اور خلود کے باوجود اپنے مقام سے ہٹنا اور اس کے بدلے میں کوئی دوسرا مقام منتخب کرنا پسند نہیں کریں گے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾

"(اے حبیب!) آپ فرمائیے کہ اگر ہو جائے سمندر روشنائی میرے رب کے کلمات (لکھنے) کے لئے تو ختم ہو جائے گا سمندر اس سے پیشتر کہ ختم ہوں میرے رب کے کلمات اور اگرچہ ہم لے آئیں اتنی اور روشنائی اس کی مدد کو (تب بھی ختم نہ ہوں گے)"۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رسول ﷺ کو اس بات کے اعلان کا حکم دے رہا ہے کہ اگر تمام سمندر روشنائی بن جائیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے کلمات، حکمتیں اور آیات بینات لکھنی شروع کی جائیں تو ان کی کتابت سے پیشتر یہ تمام روشنائی ختم ہو جائے اور پھر اگرچہ بار بار اتنی مقدار میں مزید روشنائی مہیا کی جائے تو بھی خدائی کلمات ختم نہیں ہوں گے جیسا کہ فرمایا: وَ لَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 38 2۔ صحیح بخاری کتاب الجہاد، جلد 6 صفحہ 11 3۔ شرح ابیات مغنی اللبیب للبغدادی، جلد 4 صفحہ 387

اَبْحُرٍ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (لقمان: 27) " اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائے اور اس کے علاوہ سات سمندر اسے (مزید) سیاہی مہیا کریں تو پھر بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی بے شک اللہ غالب، دانا ہے"۔ ربیع بن انس کہتے ہیں کہ تمام بندوں کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں یوں ہے جیسے ایک قطرہ تمام سمندروں کے مقابلہ میں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ...... خدائی کلمات لکھنے کیلئے اگر تمام سمندر سیاہی بن جائیں اور تمام درخت قلمیں بن جائیں تو قلم ٹوٹ جائیں گے اور سمندروں کا پانی ختم ہو جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے کلمات بالکل اسی طرح قائم رہیں گے اور انہیں کوئی چیز ختم نہیں کر سکتی کیونکہ کوئی بھی کما حقہ نہ اللہ تعالیٰ کی قدر پہچان سکتا ہے اور نہ اسکی حمد و ثنا کر سکتا ہے بلکہ وہی کما حقہ اپنی توصیف بیان کرتا ہے۔ بلاشبہ ہمارا رب ویسا ہی ہے جیسا کہ وہ خود فرما رہا ہے اور وہ ہماری حمد و ستائش سے بہت بالا ہے۔ اول سے لیکر آخر تک تمام دنیا کی نعمتیں اخروی نعمتوں کے مقابلہ میں یوں ہیں جیسے رائی کا ایک دانہ ساری زمین کے مقابلہ میں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝

" (اے پیکر رعنائی و زیبائی!) آپ فرمائیے کہ میں بشر ہی ہوں تمہاری طرح وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ تمہارا خدا صرف اللہ وحدہ ہے۔ پس جو شخص امید رکھتا ہے اپنے رب سے ملنے کی تو اسے چاہئے کہ وہ نیک عمل کرے اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو"

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ ان مشرکین سے کہہ دیں جو آپ کی رسالت کو جھٹلاتے ہیں کہ میں تمہاری طرح بشر ہی ہوں اور جو مجھے جھوٹا خیال کرتا ہے، اسے چاہئے کہ وہ میرے لائے ہوئے قرآن جیسا قرآن لائے تم نے مجھ سے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے قصوں کے متعلق استفسار کیا اور میں نے ان کے متعلق حقیقت حال سے تمہیں آگاہ کر دیا، یہ ایسے غیبی اسرار ہیں جنہیں میں اللہ تعالیٰ کے آگاہ کیے بغیر از خود نہیں جان سکتا۔ میرا فریضہ تو تمہیں اس بات کی خبر دینا ہے کہ تمہارا معبود جس کی عبادت کی میں تمہیں دعوت دیتا ہوں، وہ یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، پس جو شخص اپنے رب کے ساتھ ملاقات اور عمدہ اجر و ثواب کی امید کرتا ہے اسے چاہئے کہ وہ ایسے نیک عمل کرے جو شریعت الٰہی کے مطابق ہوں اور وہ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔ یعنی ہر عمل سے اللہ وحدہ لاشریک کی رضا مقصود ہو۔ کسی بھی عمل کی مقبولیت کیلئے ان دو ارکان کا ہونا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ وہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ہو اور دوسرا یہ کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے مطابق ہو۔ ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں بہت سے نیک کام کرتا ہوں جن سے مقصود رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ میری یہ خواہش بھی ہوتی ہے کہ میری نیکی کا چرچا ہو۔ آپ ﷺ نے اس شخص کو کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ یہ آیت فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا --- نازل ہوئی (1)۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ ایک شخص نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ مجھے ایک شخص کے متعلق آگاہ کریں جو نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے، صدقہ کرتا ہے اور حج کرتا ہے، ان عبادات سے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا بھی طلب گار ہوتا ہے اور یہ بھی چاہتا ہے کہ لوگ اسکی تعریف کریں۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کیلئے

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 40

کوئی اجر نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں سب سے بہتر حصے والا ہوں جو شخص کسی عمل میں میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے تو یہ عمل اس کا ہے، مجھے اسکی کوئی ضرورت نہیں۔(1) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم باری باری رات کے وقت رسول اللہ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوتے اور آپ کے پاس رات گزارتے، اگر آپ علیہ السلام کو رات کے وقت کوئی ضرورت ہوتی یا کوئی اور معاملہ درپیش ہوتا تو آپ علیہ السلام ہمیں بھیج دیتے، اس طرح باری باری خدمت بجالانے والوں کی کثرت ہوگئی، ایک رات ہم آپس میں گفتگو کررہے تھے، اسی اثناء میں رسول اللہ علیہ السلام ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا سرگوشیاں ہورہی ہیں؟ ہم نے عرض کی: یا نبی اللہ! ہماری توبہ، ہم مسیح دجال کا ذکر کررہے تھے اور اس سے ہم خوفزدہ ہوگئے، آپ علیہ السلام نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں مسیح دجال سے بھی زیادہ خوفناک چیز نہ بتلاؤں؟ ہم نے عرض کی کہ ضرور بتلایئے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ”وہ شرک خفی ہے کہ ایک انسان کسی دوسرے انسان کو دکھانے کیلئے نماز پڑھے“(2) حضرت ابن غنم بیان کرتے ہیں کہ جب میں اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ جابیہ کی مسجد میں داخل ہوئے تو ہماری ملاقات حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ہوئی، انہوں نے اپنے بائیں ہاتھ سے میرا دایاں ہاتھ اور دائیں ہاتھ سے حضرت ابوالدرداء کا بایاں ہاتھ تھام لیا۔ اس طرح ہم تینوں سرگوشیاں کرتے ہوئے باہر نکلے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اگر تم میں سے ایک یا تم دونوں زندہ رہے تو ممکن ہے کہ تم ایسے شخص کو دیکھو جس نے رسول اللہ علیہ السلام کی زبانی قرآن سیکھا، اسے پڑھتا رہا، اسکی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھتا رہا اور اس کے احکام کو مناسب جگہ رکھتا رہا لیکن لوگوں میں اس کا مقام و مرتبہ ایسا ہو جیسے مردہ گدھے کے سر کا۔ اسی اثناء میں حضرات شداد بن اوس اور عوف بن مالک رضی اللہ عنہما ہمارے پاس آکر بیٹھ گئے، حضرت شداد فرمانے لگے، اے لوگو! مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف اس کا ہے جو میں نے رسول اللہ علیہ السلام سے سنا یعنی شہوتِ خفی اور شرک، یہ سن کر حضرات عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یا اللہ! مغفرت فرمایئے۔ کیا رسول اللہ علیہ السلام نے ہمیں اس بات سے آگاہ نہیں فرمادیا کہ شیطان اس بات سے مایوس ہوچکا ہے کہ جزیرہ عرب میں اسکی عبادت کی جائے۔ جہاں تک پوشیدہ شہوات کا تعلق ہے تو ان کے متعلق تمہیں بخوبی علم ہے کہ اس سے مراد شہوات دنیا یعنی عورتیں وغیرہ ہیں۔ اے شداد! یہ شرک کیا ہے جس سے آپ ہمیں ڈرارہے ہیں؟ حضرت شداد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے بتایئے کہ ایک آدمی دوسروں کو دکھانے کیلئے نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے اور صدقہ وخیرات کرتا ہے، کیا تمہارے خیال میں اس نے شرک کیا؟ سب حاضرین نے کہا: ہاں، اللہ کی قسم! جو شخص دکھاوے کیلئے نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے اور صدقہ کرتا ہے، وہ شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔ حضرت شداد رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں نے رسول اللہ علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”جس نے دکھاوے کیلئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا، جس نے ریاکاری کی خاطر روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے نمائش کیلئے صدقہ کیا اس نے شرک کیا“۔ اس پر حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہنے لگے: کیا یہ ممکن نہیں کہ ان اعمال میں جو خالص رضائے الٰہی کیلئے ہوں، انہیں اللہ تعالیٰ قبول فرمالے اور جو دوسروں کیلئے ہوں، انہیں رد کردے۔ حضرت شداد رضی اللہ عنہ جواب میں کہنے لگے کہ میں نے رسول اللہ علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں سب سے بہتر حصے والا ہوں۔ جس نے میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو اس کا عمل خواہ قلیل ہو یا کثیر، اس کے شریک کیلئے ہے جسے اس نے شریک بنایا، میں اس سے بے نیاز ہوں“(3)۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ ایک دن رونے لگے، آپ رضی اللہ عنہ سے رونے کا سبب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 40 2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 30 3۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 125-126

کہ مجھے اس چیز نے رلایا ہے جسے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے اپنی امت پر شرک اور پوشیدہ شہوت کا اندیشہ ہے" میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا آپ کے بعد آپ کی امت شرک میں مبتلا ہو جائے گی؟ آپ نے فرمایا: ہاں، سنو! وہ سورج، چاند، پتھر اور بت کی پرستش نہیں کریں گے بلکہ اپنے اعمال میں ریاکاری کریں گے اور پوشیدہ شہوت یہ ہے کہ ایک آدمی روزے کی حالت میں صبح کرے لیکن پھر کسی شہوت کے باعث روزہ ترک کردے" (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں سب سے بہتر شریک ہوں، جس نے میرے ساتھ کسی کو شریک بنایا تو اس کا سارا عمل اسی کیلئے ہے" (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "میں سب شریکوں سے بہتر ہوں، جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں اس نے میرے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرایا تو میں اس سے بری ہوں اور اس کا یہ عمل اس کیلئے ہے جسے اس نے شریک بنایا" (3)۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے تم پر سب سے زیادہ اندیشہ شرک اصغر کا ہے"، قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا تو ریاکاروں سے فرمائے گا کہ ان کے پاس جاؤ جن کی خاطر تم دنیا میں ریاکاری کیا کرتے تھے پھر دیکھو، کیا تمہیں ان کے ہاں بدلہ ملتا ہے" (4)۔ حضرت ابو سعید بن ابی فضالہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ اول آخر تمام لوگوں کو ایسے دن میں جمع کرے گا جس میں کوئی شک وشبہ نہیں تو اس دن ایک ندا دینے والا ندا دیگا: جس نے اپنے کسی عمل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا تھا وہ اس کا ثواب اسی سے طلب کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک سے بے نیاز ہے" (5)۔ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے سنانے کیلئے کوئی عمل کیا اسے اللہ تعالیٰ عذاب بھی سنا کر دے گا اور جس نے دکھاوے کیلئے کوئی عمل کیا اسے اللہ تعالیٰ عذاب بھی سب کو دکھا کر دے گا" (6)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو ریاکاری کرتا ہے اللہ تعالیٰ سب کو دکھا کر اسے عذاب دے گا اور جو شہرت کی خاطر کوئی عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ سب کو سنا کر اسے عذاب دے گا" (7)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے اپنے عمل کو لوگوں میں اچھالا، اللہ تعالیٰ اسے علی الاعلان رسوا کرے گا، اس کے اخلاق بگڑ جائیں گے اور وہ ذلیل وحقیر ہوگا"۔ یہ حدیث بیان کر کے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ زار وقطار رونے لگے (8)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن بنی آدم کے اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک سربمہر صحیفہ میں پیش کیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اسے پھینک دو اور اسے قبول کرلو فرشتے عرض کریں گے: اے پروردگار! ہم نے تو اس شخص میں بھلائی ہی دیکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس شخص کا عمل میری رضا کیلئے نہیں تھا اور آج میں صرف وہی عمل قبول کروں گا جس سے صرف میری رضا مقصود تھی" (9)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "جو دکھاوے اور شہرت کیلئے کھڑا ہوتا ہے وہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں رہتا ہے جب تک بیٹھ نہ جائے"۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص لوگوں کی موجودگی میں بڑے عمدہ طریقے سے نماز ادا کرے لیکن تنہائی میں برے طریقے سے ادا کرے تو اس نے اللہ تعالیٰ کی توہین کی" (10)۔ حضرت امیر معاویہ

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1406، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 123-124 2۔ مسند بزار 3۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 301
4۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 428 5۔ عارضۃ الاحوذی (تفسیر سورۂ کہف)، جلد 13-12، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1406 وغیرہ
6۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 45 7۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 40 8۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 162
9۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب البعث، جلد 4 صفحہ 157 10۔ مسند ابی یعلی، جلد 5 صفحہ 67

رضی اللہ عنہ نے اس آیت فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا ۔ کی تلاوت کی اور فرمایا کہ یہ قرآن کریم کی سب سے آخری آیت ہے (1)۔ لیکن یہ اثر اشکال سے خالی نہیں کیونکہ یہ سورۃ کہف کی آخری آیت ہے اور سورۃ کہف تمام کی تمام مکی ہے۔ شاید حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ مقصد ہو کہ اس آیت کے بعد کوئی ایسی آیت نہیں اتری جو اس کیلئے ناسخ اور اس کے حکم کو بدلنے والی ہو بلکہ یہ آیت محکم ہے یہ چیز راوی پر مشتبہ ہو گئی اور اس نے اپنی سمجھ کے مطابق اسے روایت کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص رات کے وقت یہ آیت فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا ۔ تلاوت کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے عدن سے لیکر مکہ تک کا نور عطا کرے گا اور اس میں فرشتے ہوں گے" (2)۔ یہ روایت بہت غریب ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 40

2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الاذکار، جلد 4 صفحہ 25-26

سورۂ مریم (مکیہ)

سیرت ابن اسحاق میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور مسند احمد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس سورت کی ابتدائی آیات نجاشی اور اس کے درباریوں کے سامنے پڑھی تھیں۔ (1)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

كٓهٰيٰعٓصٓ ۚ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۚ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝

''کاف۔ ہا۔ یا۔ عین۔ ص۔ یہ ذکر ہے آپ کے رب کی رحمت کا جو اس نے اپنے بندے زکریا پر فرمائی۔ جب اس نے پکارا اپنے رب کو چپکے چپکے۔ عرض کی اے میرے رب! میری حالت یہ ہے کہ کمزور بوسیدہ ہو گئی ہیں میری ہڈیاں اور بالکل سفید ہو گیا ہے (میرا) سر بڑھاپے کی وجہ سے اور اب تک ایسا نہیں ہوا کہ میں نے تجھے پکارا ہو اے میرے رب! اور میں نامراد رہا ہوں۔ اور میں ڈرتا ہوں (اپنے بے دین) رشتہ داروں سے (کہ وہ) میرے بعد (دین ضائع نہ کر دیں) اور میری بیوی بانجھ ہے پس بخش دے مجھے اپنے پاس سے ایک وارث۔ جو وارث بنے میرا اور وارث بنے یعقوب (علیہ السلام) کے خاندان کا۔ اور بنا دے اسے اے رب! پسندیدہ (سیرت والا)''۔

حروف مقطعات کے متعلق بحث سورۂ بقرہ کے شروع میں گذر چکی ہے۔ حروف مقطعات کے بعد ارشاد ہوتا ہے: ذِكْرُ رَحْمَتِ اس کا مبتدا (هٰذا) محذوف ہے یعنی یہ آپ کے رب کی رحمت کا ذکر ہے جو اس نے اپنے بندے زکریا پر فرمائی۔ لفظ زکریا میں دو مشہور قرأتیں ہیں: ایک مد کے ساتھ یعنی زکریاء اور دوسری قصر کے ساتھ یعنی زکریا۔ حضرت زکریا علیہ السلام انبیاء بنی اسرائیل میں سے عظیم نبی تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آپ بڑھئی کا کام کر کے گذر اوقات کرتے تھے (2)۔ بعض مفسرین اس فرمان اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ چپکے چپکے اور پوشیدہ طور پر دعا کرنے کا سبب یہ تھا کہ چونکہ آپ علیہ السلام عمر رسیدہ ہو چکے تھے اس لئے اندیشہ تھا کہ اس عمر میں اولاد کی خواہش کو لوگ کہیں آپ کی رعونت پر نہ محمول کر دیں جبکہ دیگر حضرات اس کا یہ سبب بیان کرتے ہیں کہ پوشیدہ دعا اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے جیسا کہ قتادہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ متقی دل کو بخوبی جانتا ہے اور صوت خفی کو پوری طرح سنتا

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 461، سیرت ابن ہشام، حصہ 1 صفحہ 336

2۔ لم نجدہ فی البخاری، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1847، سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، جلد 2 صفحہ 727

ہے(1)۔ کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام رات کے وقت اٹھے جبکہ آپ کے ساتھ سو چکے تھے تو آپ نے خفیہ خفیہ اپنے رب کو پکارنا شروع کر دیا اور عرض کرنے لگے: یارب، یارب، یارب! اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا: لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ۔ پھر آپ نے عرض کی: رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ...... یعنی میری ہڈیاں کمزور و بوسیدہ ہو گئی ہیں، میرے قویٰ مضمحل ہو گئے ہیں اور میرے سر کے بال سفید ہو گئے ہیں یعنی ظاہر اور باطن دونوں میں ضعف اور بڑھاپے کے آثار نمایاں ہو گئے ہیں۔ دعا کو جاری رکھتے ہوئے عرض کی: وَلَمْ اَكُنْ ...یعنی میں نے تجھ سے جب بھی دعا کی تو نے میری دعا کو رد نہیں کیا۔ آیت کریمہ میں لفظ "موالی" کا آخر منصوب ہے کیونکہ یہ مفعول ہے۔ کسائی نے اس کے آخر (یاء) کو سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ مجاہد، قتادہ اور سدی کہتے ہیں کہ موالی سے مراد عصبہ (باپ کی جانب سے رشتہ دار) ہیں۔ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ "خِفْتُ" کو خَفَّتْ پڑھا کرتے تھے۔ اس کا معنی ہے قلیل ہونا یعنی میرے بعد میرے رشتے دار کم ہیں(2)۔ پہلی قرأت کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ چونکہ آپ کی اولاد نہ تھی اس لئے آپ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو آپ کے بعد آپ کے رشتہ دار لوگوں میں برا تصرف کرنے لگیں اور نااہل ثابت ہوں اس لئے آپ نے ایک بیٹے کیلئے التجا کی جو منصب نبوت پر فائز ہو اور وحی الٰہی کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرے چنانچہ اس دعا کو اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت سے نوازا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ کو اپنے مال کی وراثت کے ضائع ہو جانے کا خوف تھا کیونکہ ایک نبی کا مقام و مرتبہ اس بات سے بہت ہی بلند اور فزوں ہے کہ وہ اس حد تک مال کی فکر کرے، اپنے رشتہ داروں کے وارث بننے سے کبیدہ خاطر ہو اور صرف میراث سنبھالنے کیلئے اولاد کا سوال کرے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے بارے میں یہ ذکر نہیں ہوا کہ وہ بہت مالدار تھے، بلکہ آپ بڑھئی تھے اور اپنے ہاتھ کی کمائی سے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ اس قسم کے آدمی کے پاس مال جمع ہو ہی نہیں سکتا اور پھر انبیائے کرام تو ویسے ہی زاہد ہوتے ہیں، دنیا جمع کرنے کی ہوس ان میں ہوتی ہی نہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ انبیاء کرام وراثت میں مال و دولت نہیں چھوڑتے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہم (مال کا) وارث نہیں بناتے، ہمارا ترکہ صدقہ ہے"(3)۔ ایک اور روایت میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: "ہم خصوصاً گروہ انبیاء میراث میں کچھ نہیں چھوڑتے"(4)۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس فرمان فَهَبْ لِیْ... یَّرِثُنِیْ میں جس میراث کا ذکر ہے وہ میراث نبوت ہے نہ کہ مالی وراثت اس لئے فرمایا: وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ۔ اسی طرح اس فرمان وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ (النمل: 16) میں بھی ورثہ نبوت مراد ہے کیونکہ اگر مال میں وراثت کا ذکر مقصود ہوتا تو آپ کے بھی بھائیوں کا ذکر ہوتا اور وراثت کی تخصیص صرف آپ علیہ السلام کے ساتھ نہ ہوتی۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ مالی وراثت کے متعلق خبر دینے میں کوئی خاص فائدہ مضمر نہیں کیونکہ ہر شریعت اور ہر ملت میں یہ بات معروف ہے کہ اولاد اپنے باپ کی وارث بنتی ہے اس لئے یہاں اگر خاص وراثت کا تذکرہ مقصود نہ ہوتا تو اس کے متعلق خبر دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ ان تمام وجوہات کی حیثیت اور تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ فرماتے: "ہم خصوصاً گروہ انبیاء وارث نہیں بناتے جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے"۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہاں ورثہ علم مراد ہے اور حضرت زکریا علیہ السلام حضرت یعقوب کی اولاد سے تھے(5)۔ ابو صالح اس آیت یَّرِثُنِیْ... کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی طرح نبی بنے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ حضرت زکریا کی نبوت اور علم کا وارث بنے۔ سدی کہتے ہیں کہ وہ میری اور آل یعقوب کی نبوت کا وارث بنے۔ زید بن

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 45
2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 47
3۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، جلد 4 صفحہ 96، صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 1379-1383
4۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 463
5۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 48

اسلم کہتے ہیں کہ آل یعقوب کی وارثت سے مراد ان کی نبوت ہے۔ ابو صالح کا ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ میرے مال کا اور آل یعقوب کی نبوت کا وارث بنے۔ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اسی قول کو منتخب اور پسند کیا ہے۔ حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ زکریا علیہ السلام پر رحم فرمائے'' مال کی وراثت میں (خواہ کوئی ان کا وارث بنتا) ان پر کوئی مواخذہ نہ تھا اور اللہ تعالیٰ لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے، وہ کسی مضبوط سہارے کے محتاج تھے'' (1)۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: '' اللہ تعالیٰ میرے بھائی زکریا علیہ السلام پر رحم فرمائے۔ مال کی وراثت کے متعلق ان پر کوئی گرفت نہ تھی جب انہوں نے یہ عرض کی تھی: فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ۔ یہ تمام احادیث مرسل ہیں جو صحیح احادیث کے مقابل نہیں ہوسکتیں دعا کے آخر میں عرض کی: وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا یعنی اسے اپنے ہاں اور تمام مخلوق کے ہاں پسندیدہ بنا دے۔ دین اور اخلاق میں وہ تیرا بھی محبوب ہو اور ساری مخلوق کا بھی محبوب۔

يَا زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَىٰ لَمْ نَجْعَل لَّهُ مِن قَبْلُ سَمِيًّا ۝

''اے زکریا! ہم مژدہ دیتے ہیں تجھے ایک بچے (کی ولادت) کا۔ اس کا نام یحییٰ ہوگا۔ ہم نے نہیں بنایا اس کا کوئی ہم نام اس سے پہلے''۔

اس سے قبل کلام محذوف ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کو قبول کرتے ہوئے انہیں فرمایا گیا: يَا زَكَرِيَّا ..... جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝ فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ (آل عمران:39-38) ''وہیں زکریا نے دعا مانگی اپنے رب سے، عرض کی اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو ہی دعا کا سننے والا ہے پھر انہیں فرشتوں نے آواز دی جب وہ عبادت گاہ میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرمان کی تصدیق کرنے والا ہوگا اور سردار ہوگا اور ہمیشہ عورتوں سے بچنے والا اور نبی ہوگا صالحین سے''۔ بقول قتادہ، ابن جریج اور ابن زید ''سَمِيًّا'' کا معنی ہے ہم نام۔ ابن جریر نے اس قول کو پسند کیا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس کا معنی مشابہ ہے، انہوں نے یہ معنی اس آیت سے اخذ کیا ہے: فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ ۚ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا (مریم:65) ''سو اس کی عبادت کرو اور اس کی عبادت پر ثابت قدم رہو کیا تم اس کا کوئی ہم مثل جانتے ہو''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے کسی بانجھ نے کوئی بچہ جنم نہیں دیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو اولاد کی توقع نہیں تھی اور آپ کی زوجہ تو شروع سے ہی بانجھ عورت تھیں۔ حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ علیہما السلام کا معاملہ اس کے برعکس تھا، ان دونوں کو جب حضرت اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری سنائی گئی تو انہوں نے کبرسنی کی وجہ سے تعجب کا اظہار کیا تھا نہ کہ بانجھ پن کی وجہ سے، اس لئے فرمایا: أَبَشَّرْتُمُونِي عَلَىٰ أَن مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُونَ (الحجر:54) ''کیا تم مجھے اس وقت خوشخبری دینے آئے ہو جبکہ مجھے بڑھاپا لاحق ہو چکا ہے، پس یہ کیسی خوشخبری ہے''۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں اس سے تیرہ سال پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش ہو چکی تھی۔ آپ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ نے اس مژدہ کو سن کر کہا: يَا وَيْلَتَىٰ أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَٰذَا بَعْلِي شَيْخًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ۝ قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۖ رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ ۚ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ (ہود:73-72) ''وائے حیرانی! کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے

1۔ مصنف عبد الرزاق

میاں بھی بوڑھے ہیں، بلاشبہ یہ تو عجیب وغریب بات ہے۔ فرشتے کہنے لگے کیا تم اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو، اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے ابراہیم کے گھرانے والو! بے شک وہ ہر طرح تعریف کیا ہوا بڑی شان والا ہے''۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ تَكُ شَيْـًٔا ۝

''زکریا نے عرض کی میرے رب! کیسے ہوسکتا ہے میرے ہاں لڑکا حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں خود پہنچ گیا ہوں بڑھاپے کی انتہا کو۔ فرمایا یونہی ہوگا۔ تیرے رب نے فرمایا ہے کہ اس کبرسنی میں بچہ دینا میرے لئے آسان بات ہے اور (دیکھو) میں نے تمہیں بھی تو پیدا کیا تھا اس سے پیشتر حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے''۔

دعا کی قبولیت اور بیٹے کی ولادت کا مژدہ سن کر حضرت زکریا علیہ السلام بڑے متعجب ہوئے اور انتہائی مسرت کے عالم میں ولادت کی کیفیت اور سبب دریافت کرنے لگے کیونکہ آپ کی زوجہ محترمہ شروع عمر سے ہی بانجھ تھیں اور اب بوڑھی بھی ہوچکی تھیں، اسی طرح زکریا علیہ السلام خود بھی ضعیف اور عمر رسیدہ ہوچکے تھے، آپ کی ہڈیاں بوسیدہ اور خشک ہوچکی تھیں اور آپ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں رہے تھے ''عِتِيّ'' کا معنی ہے خشک، جب ٹہنی خشک ہوجائے تو کہتے ہیں: ''عتا العود'' اس کا ہم معنی لفظ ''عسی'' بھی ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ عتی کا معنی ہے ہڈیوں کا کمزور ہونا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کا معنی کبرسنی بتایا ہے بہر کیف یہ لفظ، کبر سے خاص ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تمام سنتوں کو جانتا ہوں لیکن مجھے یہ نہیں معلوم کہ آیا رسول اللہ ﷺ ظہر اور عصر میں پڑھتے تھے یا نہیں اور نہ ہی مجھے یہ معلوم ہے کہ آپ ﷺ اس لفظ کو عتیا پڑھتے تھے یا عسیا (1)۔ فرشتے نے حضرت زکریا علیہ السلام کے اظہار تعجب پر جواب دیتے ہوئے کہا: كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ ... یعنی تم سے اور تمہاری اس بیوی سے نہ کہ کسی اور سے بچہ پیدا کرنا مجھ پر بہت آسان ہے۔ پھر اس سے بھی زیادہ تعجب خیز چیز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَقَدْ خَلَقْتُكَ ... جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا ''هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا (الدہر: 1)'' ''بے شک انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت گذرا ہے جبکہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا''۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ۝

''زکریا نے عرض کی اے میرے رب ٹھہرا دو میرے لئے کوئی علامت جواب ملا تیری علامت یہ ہے کہ تو بات نہیں کرسکے گا لوگوں سے تین رات تک حالانکہ تو بالکل تندرست ہوگا۔ پھر آپ نکل کر آئے اپنی قوم کے پاس (اپنے) عبادت خانہ سے تو اشارہ سے انہیں سمجھایا کہ تم پاکی بیان کرو (اپنے رب کی) صبح وشام''۔

حضرت زکریا علیہ اسلام نے مزید تشفی اور اطمینانِ قلبی کی خاطر اللہ تعالیٰ سے اپنے ساتھ کیے گئے وعدہ پر علامت اور دلیل قائم کرنے کی التجا کی جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی تھی: رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ (البقرۃ: 260) ''اے میرے رب! مجھے دکھا کہ تو کیسے مردوں کو زندہ کرتا ہے، فرمایا کیا تم اس پر یقین نہیں رکھتے، عرض کی ایمان تو ہے لیکن

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 214، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 249

(یہ سوال اس لئے) تا کہ میرا دل مطمئن ہو جائے"۔ اللہ تعالیٰ نے نشانی مقرر کرتے ہوئے فرمایا: اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ ۔ یعنی تم تین راتیں لوگوں سے بات نہیں کر سکو گے دراں حالیکہ تم بغیر کسی مرض اور علت کے بالکل صحیح تندرست ہو گے۔ حضرات ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، وہب، سدی، قتادہ اور دیگر متعدد علماء کا کہنا ہے کہ بغیر کسی مرض اور علت کے آپ علیہ السلام کی زبان بند ہو گئی۔ ابن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ تسبیح اور ذکر وغیرہ میں تو آپ کی زبان چلتی تھی لیکن لوگوں کے ساتھ سوائے اشارہ کے آپ بات نہیں کر سکتے تھے۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے "سویا" کا معنی مسلسل اور لگاتار نقل کرتے ہیں لیکن آپ سے منقول پہلا قول جو کہ جمہور کا بھی قول ہے، زیادہ صحیح ہے۔ اسی طرح سورۃ آل عمران میں ہے۔ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ (آل عمران: 41) "عرض کی اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما دے، فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ نہ بات کر سکو گے لوگوں سے مگر اشارہ کے ساتھ اور اپنے رب کو بکثرت یاد کرو اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرو"۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ گونگے ہو گئے تھے۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ ان تین دنوں اور راتوں میں آپ علیہ السلام لوگوں کو اشارہ سے سمجھاتے۔ اس لئے اس آیت کریمہ میں فرمایا: فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ ۔ یعنی آپ اس عبادت خانہ سے باہر نکل کر آئے جہاں آپ کو بیٹے کی خوشخبری دی گئی تھی اور اپنے پیروکاروں کو اشارہ سے حکم دیا کہ ان تین دنوں میں جس چیز کا آپ کو حکم ہوا ہے اس کی موافقت کرتے ہوئے اور آپ پر کیے گئے انعام کا شکر بجا لاتے ہوئے وہ بھی صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کریں۔ مجاہد، وہب اور قتادہ کہتے ہیں کہ آپ نے انہیں اشارہ کے ساتھ سمجھایا جبکہ مجاہد (ایک دوسری روایت میں) اور سدی کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے زمین پر لکھ کر انہیں سمجھایا۔

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿۱۲﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿۱۳﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿۱۴﴾ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿۱۵﴾

"اے یحییٰ پکڑ لو اس کتاب کو مضبوطی سے اور ہم نے عطا فرما دی ان کو دانائی جب کہ وہ بچے تھے۔ نیز عطا فرمائی دل کی نرمی اپنی جناب سے اور نفس کی پاکیزگی۔ اور وہ بڑے پرہیزگار تھے۔ اور وہ خدمت گزار تھے اپنے والدین کے اور وہ جابر (اور) سرکش نہ تھے۔ اور سلامتی ہو ان پر جس روز وہ پیدا ہوئے اور جس روز وہ انتقال کریں گے اور جس روز انہیں اٹھایا جائے گا زندہ کر کے"۔

اس سے پہلے بھی کچھ کلام محذوف ہے یعنی وہ بچہ (حضرت یحییٰ علیہ السلام) تولد ہوا جس کی ولادت کا مژدہ سنایا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے انہیں کتاب (تورات) کا علم دیا جسے بنی اسرائیل سیکھتے سکھاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار انبیاء کرام اور علمائے ربانیین یہود کیلئے اس کے مطابق فیصلے کرتے تھے اس وقت حضرت یحییٰ علیہ السلام کم سن تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی جلالت شان، ان پر اور ان کے والدین کریمین پر کیے گئے اپنے خصوصی انعام کا تذکرہ فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے: يٰيَحْيٰى خُذِ ۔ یعنی آپ پوری تندہی، حرص اور جدوجہد سے اس کتاب کو سیکھیں اور ہم نے انہیں بچپن میں ہی فہم و فراست، علم، قوت، سنجیدگی اور عمل خیر کا جذبہ مرحمت فرما دیا تھا۔ حضرت معمر بیان کرتے ہیں کہ بچے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کہتے کہ ہمارے ساتھ آؤ، کھیلیں تو آپ فرماتے کہ ہمیں کھیل کیلئے نہیں پیدا کیا گیا اس لئے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا(1)۔ حضرت ابن عباس وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا کا معنی بتاتے ہیں: ہماری طرف سے رحمت۔ ضحاک کہتے ہیں۔ کہ ایسی رحمت جس پر ہمارے سوا کوئی قادر نہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ایسی رحمت جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو نوازا۔ مجاہد اس (حنان) کا معنی شفقت اور مہربانی بیان کرتے ہیں۔ عکرمہ اور ابن زید کے بقول اس کا معنی محبت ہے۔ عطاء بن ابی رباح نے اس کا معنی تعظیم بتلایا ہے۔ عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم "حنان" کا مطلب کیا ہے(2)۔ حضرت سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس لفظ کا مطلب پوچھا تو آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ بہرصورت اس ارشاد وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا کا عطف بظاہر "الحکم" پر ہو رہا ہے۔ یعنی ہم نے انہیں دانائی، رحمت اور پاکیزگی عطا فرمائی، بالفاظ دیگر ہم نے انہیں مہربان اور پاکیزہ بنا دیا۔ حنانا ایسی محبت کو کہتے ہیں جس میں شفقت اور میلان ہو جیسا کہ عرب کہتے ہیں "حَنَّتِ النَّاقَةُ عَلٰی وَلَدِهَا" (اونٹنی اپنے بچہ پر مہربان ہوئی) اور "حَنَّتِ الْمَرْاَةُ عَلٰی زَوْجِهَا" (عورت اپنے خاوند کی مشتاق ہوئی)۔ ایسی عورت کو حنۃ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے۔ "حَنَّ الرَّجُلُ اِلٰی وَطَنِهٖ" (آدمی اپنے وطن کی طرف مشتاق ہوا)۔ اس کا معنی شفقت، مہربانی اور رحمت بھی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایک شخص دوزخ میں ایک ہزار سال تک یا حنان اور یا منان پکارتا رہے گا"(3)۔ لفظ زکوٰۃ کا عطف "حنانا" پر ہو رہا ہے اس کا مطلب ہے: ہر آلودگی، گناہ اور معصیت سے پاکیزگی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ زکاۃ کا معنی عمل صالح ہے۔ ضحاک اور ابن جریج کے بقول زکوٰۃ صالح اور پاکیزہ عمل کو کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی برکت منقول ہے(4)۔ مزید یہ کہ آپ متقی تھے، کبھی کوئی گناہ آپ سے سرزد نہیں ہوا، والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے اور آپ جابر اور سرکش نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صفتِ اطاعت کا تذکرہ کیا اور رحمت، پاکیزگی اور تقویٰ جیسے جن اوصاف سے آپ متصف تھے انہیں بیان کیا پھر والدین کی اطاعت، ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور قول و فعل اور امر و نہی میں ان کی نافرمانی سے اجتناب جیسے اخلاق عالیہ کو ذکر کیا اس لئے فرمایا: وَلَمْ یَكُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا ان اوصاف جمیلہ کے ذکر کے بعد بطور جزا فرمایا: وَسَلٰمٌ عَلَیْهِ۔ یعنی ان تینوں احوال میں آپ کیلئے سلامتی ہی سلامتی ہے۔ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ آدمی کیلئے تین مقامات سب سے زیادہ وحشت ناک ہیں: جس دن وہ پیدا ہوتا ہے اور اپنی ماں کے پیٹ سے نکل کر نئی دنیا میں آنکھ کھولتا ہے، جس دن وہ فوت ہو جاتا ہے اور اسے ایسی مخلوق کا سامنا کرنا پڑتا ہے جسے پہلے اس نے نہیں دیکھا تھا اور جس دن اسے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور وہ خود کو میدان حشر میں پائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں مقامات پر حضرت یحییٰ علیہ السلام پر خصوصی کرم فرمایا اور سلامتی کے ساتھ نواز دیا جیسا کہ آیت کریمہ میں مذکور ہے(5)۔ حضرت سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن ہر شخص کسی نہ کسی گناہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوگا سوائے یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے"۔ قتادہ کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے نہ کبھی کوئی گناہ کیا اور نہ کسی عورت کا قصد کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اولادِ آدم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس نے غلطی یا غلطی کا ارادہ نہ کیا ہو سوائے یحییٰ بن زکریا کے اور کسی آدمی کو یہ کہنا زیب نہیں دیتا کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں"(6)۔ اوپر والی روایت کی طرح یہ بھی ضعیف ہے۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی ملاقات ہوئی

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 55 | 2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 56 | 3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 230
4۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 58 | 5۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 58 | 6۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 254

تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ آپ میرے لئے استغفار کریں، آپ مجھ سے بہتر ہیں۔ کیونکہ میں نے خود اپنے اوپر سلام بھیجا لیکن آپ پر اللہ تعالیٰ نے سلام بھیجا۔ اب دونوں کی فضیلت واضح ہے(1)۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾

"اور (اے حبیب!) بیان کیجئے کتاب میں مریم (کا حال) جب وہ الگ ہو گئی اپنے گھر والوں سے ایک مکان میں جو مشرق کی جانب تھا۔ پس بنالیا اس نے لوگوں کی طرف سے ایک پردہ۔ پھر ہم نے بھیجا اس کی طرف اپنے روح جبرائیل علیہ السلام کو پس وہ ظاہر ہوا اس کے سامنے ایک تندرست انسان کی صورت میں۔ مریم بولیں میں پناہ مانگتی ہوں رحمٰن کی تجھ سے اگر تو پرہیز گار ہے۔ جبرائیل نے کہا میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں۔ تاکہ میں عطا کروں تجھے ایک پاکیزہ فرزند۔ مریم (حیرت سے) بولیں (اے بندۂ خدا) کیونکر ہوسکتا ہے میرے ہاں بچہ حالانکہ نہیں چھوا مجھے کسی بشر نے اور نہ میں بدچلن ہوں۔ جبرائیل نے کہا یہ درست ہے۔ (لیکن) تیرے رب نے فرمایا یوں بچہ دینا میرے لئے معمولی بات ہے اور (مقصد یہ ہے کہ) ہم بنائیں اسے اپنی (قدرت کی) نشانی لوگوں کے لئے اور سراپا رحمت اپنی طرف سے اور یہ ایسی بات ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے"۔

قبل ازیں حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا جنہیں اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ اور مبارک فرزند عطا فرمایا حالانکہ آپ بوڑھے ہو چکے تھے اور آپ کی زوجہ محترمہ بانجھ تھیں۔ اب حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ بیان ہو رہا ہے جن کے ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے۔ ان دونوں قصوں کے درمیان بہت زیادہ مناسبت اور مشابہت ہے۔ دونوں قصے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور سلطنت عظیمہ پر دلالت کرتے ہیں اس لئے نہ صرف یہاں بلکہ سورۂ آل عمران اور سورۂ انبیاء میں بھی ان دونوں کو متصل ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا: وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ حضرت مریم بنت عمران، حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل سے تھیں اور آپ علیہا السلام کا تعلق بنی اسرائیل کے ایک معزز، پاکیزہ اور شریف گھرانے سے تھا۔ سورۂ آل عمران میں آپ کی ولادت کا ذکر ہوا ہے۔ آپ کی والدہ نے یہ نذر مان رکھی تھی کہ وہ انہیں المقدس کی خدمت کیلئے وقف کر دیں گی۔ ایسا کرنا اس وقت عام دستور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس نذرانہ کو قبول کرتے ہوئے فرمایا: فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا (آل عمران: 37)" پھر اسے اس کے رب نے بڑی ہی اچھی قبولیت کے ساتھ قبول فرمایا اور اسے بڑی اچھی طرح پروان چڑھایا"، آپ نے بنی اسرائیل میں نہایت پاکیزہ ماحول کے اندر پرورش پائی۔ آپ کا شمار ان چند عابدہ اور زاہدہ خواتین میں ہوتا ہے جنہیں بہت زیادہ عبادت کرنے اور دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنے کے باعث خاص شہرت حاصل ہوئی۔ آپ اپنے

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 59

بہنوئی حضرت زکریا علیہ السلام کے زیر تربیت تھیں جو اس وقت بنی اسرائیل کے نبی اور سربرآوردہ شخصیت تھے، بنی اسرائیل دینی امور میں ان کی طرف رجوع کرتے۔ آپ نے حضرت مریم علیہا السلام سے بہت حیران کن کرامات کا صدور ہوتے دیکھا جیسا کہ ارشاد ہے: وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (آل عمران:37)'' جب بھی زکریا مریم کے پاس (اسکی) عبادت گاہ میں جاتے تو اس کے پاس کھانے کی چیزیں موجود پاتے۔ بولے اے مریم! یہ تمہارے لیے کہاں سے آتا ہے بولیں یہ اللہ کے پاس سے آتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے''۔ کہتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام آپ کے پاس بے موسم کے پھل پاتے جیسا کہ سورۂ آل عمران میں بیان ہو چکا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ حضرت مریم کے ہاں اس کے پیارے بندے اور پانچ اولوالعزم رسولوں میں ایک رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہو تو اس کی خاص حکمت کے پیش نظر حضرت مریم علیہا السلام اپنے گھر والوں سے الگ تھلگ مسجد قدس کی شرقی جانب ایک مکان میں قیام پذیر ہو گئیں۔ سدی نے الگ تھلگ قیام کی وجہ یہ بتائی ہے کہ آپ کو حیض آ گیا تھا۔ دیگر حضرات نے اس کے اور اسباب بھی بیان کیے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اہل کتاب پر بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اور اس کا حج کرنا فرض کیا گیا تھا لیکن حضرت مریم علیہا السلام چونکہ بیت المقدس کی شرقی جانب گئی تھیں اس لئے وہ مشرق کی جانب نمازیں پڑھنے لگے(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی فرماتے ہیں کہ نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان إِذِ انتَبَذَتْ... کی وجہ سے مشرق کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنا شروع کر دیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت کو قبلہ بنا لیا۔ قتادہ مَكَانًا شَرْقِيًّا سے مراد دور افتادہ اور الگ تھلگ واقع جگہ لیتے ہیں۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں آپ پانی لانے کیلئے گھڑا لیکر اس جگہ گئی تھیں۔ نوف بکالی کا کہنا ہے کہ یہاں آپ علیہا السلام نے عبادت کرنے کیلئے ایک ٹھکانا بنا لیا تھا۔ اس مقام پر آپ پردہ نشیں ہو گئیں جیسا کہ فرمایا: فَاتَّخَذَتْ... یعنی آپ سب سے الگ تھلگ ہو کر گوشہ نشین اور لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف جبرائیل علیہ السلام کو ایک مکمل اور تندرست انسان کی صورت میں بھیجا۔ بقول مجاہد، قتادہ، ضحاک، ابن جریج، وہب بن منبہ اور سدی رحمہم اللہ یہاں روح سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ (الشعراء:194-193) '' اترا ہے اسے روح الامین لیکر آپ کے قلب (منیر) پر تا کہ آپ ڈرانے والوں میں سے بن جائیں''۔ حضرت ابی بن کعب کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کا تعلق ان ارواح سے ہے جن سے حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں عہد لیا گیا تھا اور یہی وہ روح (روح عیسیٰ علیہ السلام) ہے جو ایک بشر کی صورت میں حضرت مریم علیہا السلام کے سامنے ظاہر ہوئی، اسی نے آپ سے باتیں کیں اور یہی آپ کے جسم میں حلول کر گئی لیکن یہ قول نہایت غریب اور منکر ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ یہ اسرائیلی روایت ہے۔ بشر کو دیکھ کر حضرت مریم علیہا السلام کہنے لگیں: إِنِّي أَعُوذُ... یعنی جب حضرت مریم نے اپنی خلوت گاہ میں فرشتے کو انسانی صورت میں دیکھا تو خوفزدہ ہو گئیں اور خیال کرنے لگیں کہ شاید وہ یہ بری نیت سے آیا ہے، اس لئے آپ کہنے لگیں: إِنِّي أَعُوذُ... یعنی میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تم میں خوف خدا موجود ہے۔ آپ علیہا السلام نے خوف خدا یاد دلایا۔ ایسے مقام پر اس طرح ہی کرنا چاہیے۔ ابو وائل کہتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام نے یہ بھانپ لیا تھا کہ یہ عقلمند اور صالح آدمی ہے(2)۔ فرشتے نے آپ کی وحشت، خوف اور گھبراہٹ کو دور کرتے ہوئے کہا کہ میں ویسا نہیں ہوں جیسا آپ گمان کر رہی ہیں بلکہ میں تو آپ کے رب کا قاصد ہوں، اس نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 59
2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 61

السلام نے جب رحمٰن کا ذکر کیا تو حضرت جبریل خوف سے کانپ اٹھے اور اپنی صورت میں لوٹ آئے۔ ابو عمرو بن علاء کی قرأت "لِيَهَبَ" ہے اور باقی حضرات کی "لِاَهَبَ"۔ ان دونوں قرأتوں کی توجیہ عمدہ اور معنی صحیح ہے اور دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اپنے ہاں بچے کی ولادت کا سن کر حضرت مریم علیہا السلام حیرت و استعجاب سے کہنے لگیں: اَنّٰى يَكُوْنُ...... یعنی میرے ہاں بچے کی ولادت کیسے ممکن ہے حالانکہ نہ میں شادی شدہ ہوں اور نہ ہی میرے بارے میں بدکاری کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ "بغی" سے مراد زانیہ ہے۔ حدیث شریف میں مَهْرُ الْبَغِيّ (زانیہ کا مہر) کی ممانعت آئی ہے(1)۔ فرشتے نے آپ کو جواب دیتے ہوئے کہا: كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ...... یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپ کے ہاں بچہ پیدا ہوگا اگرچہ نہ آپ کا شوہر ہے اور نہ آپ بدچلن ہیں اور اللہ تعالیٰ جو چاہے اس پر پوری طرح قادر ہے، اس لئے فرمایا: وَلِنَجْعَلَهٗ...... تاکہ یہ لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیل اور علامت بن جائے جو ہر چیز کا خالق ہے اور اس نے لوگوں کو طرح طرح سے پیدا کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو مرد و زن دونوں کے بغیر پیدا کیا، حواء کو بغیر زن کے صرف مرد سے پیدا کیا، باقی ذریت کی تخلیق مرد و زن دونوں سے ہوتی ہے، سو اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب۔ پھر فرمایا: وَرَحْمَةً مِّنَّا یعنی یہ بچہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت ہے جو منصب نبوت پر فائز ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور توحید کی دعوت دے گا جیسا کہ اور مقام پر فرمایا: اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (آل عمران: 46-45) "جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! اللہ تعالیٰ تجھے اپنی طرف سے ایک حکم کی بشارت دیتا ہے اس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا، معزز ہوگا دنیا اور آخرت میں اور (اللہ کے) مقربین سے ہوگا اور گفتگو کرے گا لوگوں کے ساتھ گہوارے میں بھی اور پکی عمر میں بھی اور نیکوکاروں میں سے ہوگا)، یعنی وہ بچپن اور بڑھاپے میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیں گے۔ حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کا کہنا ہے کہ جب میں تنہا ہوتی تو عیسیٰ مجھ سے گفتگو کرتے حالانکہ وہ میرے شکم میں تھے اور جب میں لوگوں کے پاس ہوتی تو وہ پیٹ میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تکبیر بیان کرتے۔ اس ارشاد وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا کے متعلق یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حضرت جبریل علیہ السلام کی کلام کا حصہ ہو جو انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام سے کی تھی اور اس سے حضرت مریم کو یہ بتانا مقصود تھا کہ یہ امر اللہ تعالیٰ کے علم، قدرت اور مشیت میں حتمی طور پر مقدر ہو چکا ہے اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس جملہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کو خبر دے رہا ہو اور یہ حضرت مریم علیہا السلام میں روح کے پھونکنے سے کنایہ ہو جیسا کہ فرمایا: وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا (التحریم: 12) "اور (دوسری مثال) مریم دختر عمران کی ہے جس نے اپنے گوہر عصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے اس کے اندر اپنی طرف سے روح پھونک دی"، وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا (الانبیاء: 91) "اور یاد کرو اس خاتون کو جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا پس ہم نے اس میں اپنی روح سے پھونک دیا" آیت کے اس آخری حصہ کا مطلب یہ ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حتمی اور قطعی امر ہے جس کا وقوع ضروری ہے(2)۔

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝

"پس وہ حاملہ ہو گئیں اس (بچہ) سے پھر وہ چلی گئیں اسے (شکم میں) لئے کسی دور جگہ۔ پس لے آیا انہیں دردِ زہ ایک کھجور

1۔ فتح الباری، کتاب البیوع، جلد 4 صفحہ 426، صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، جلد 3 صفحہ 1199　　2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 62

کے تنے کے پاس۔ (بصد حسرت و یاس) کہنے لگیں کاش! میں مرگئی ہوتی اس سے پہلے اور بالکل فراموش کر دی گئی ہوتی''۔

حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ گفتگو کے بعد حضرت مریم علیہا السلام نے قضائے الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا۔ متعدد علماء کرام نے ذکر کیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے اس وقت حضرت مریم علیہا السلام کی قمیص کے گریبان میں پھونک ماری، یہ پھونک نیچے تک پہنچ گئی اور بحکم خدا حمل ٹھہر گیا۔ جب آپ حاملہ ہوگئیں تو سخت پریشانی لاحق ہوگئی کہ لوگوں کا کیسے سامنا کریں گی اور انہیں کیا جواب دیں گی کیونکہ آپ کو یہ علم تھا کہ برأت کا اظہار کرنے کے باوجود لوگ ان کی بات کی تصدیق نہیں کریں گے۔ آپ نے اپنی بہن حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی کے سوا کسی کے سامنے اس راز کو افشا نہ کیا۔ ادھر حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ بھی آپ کے دعا کے طفیل حاملہ ہو چکی تھی۔ اس وقت حضرت مریم علیہا السلام اپنی بہن کے پاس آئیں تو وہ ان سے معانقہ کر کے کہنے لگیں: اے مریم! کیا تم نے محسوس کیا کہ میں حاملہ ہوں؟ حضرت مریم علیہا السلام نے جواب میں کہا کہ کیا آپ کو بھی معلوم ہے کہ میں بھی حاملہ ہوں؟ اور سارا قصہ کہہ سنایا۔ چونکہ یہ ایمان و تصدیق کا حامل گھرانہ تھا اس لئے انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کی بات پر یقین کر لیا۔ پھر جب بھی حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ حضرت مریم علیہا السلام کے سامنے آتیں تو انہیں محسوس ہوتا کہ ان کے شکم میں بچہ مریم کے شکم میں بچے کو سجدہ کرتا ہے یعنی وہ اس کی تعظیم کرتا ہے۔ ان کی ملت میں سلام کے وقت سجدہ کرنا جائز تھا جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو آپ کے والدین اور بھائیوں نے سجدہ کیا تھا اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم دیا تھا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں لیکن ہماری ملت میں غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے کیونکہ تعظیم جلال ربی کی تکمیل اسی طرح ممکن ہے کہ غیر اللہ کیلئے سجدہ حرام قرار دے دیا جائے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام خالہ زاد بھائی تھے دونوں کا حمل ایک ہی وقت میں قرار پایا تھا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ نے حضرت مریم سے کہا کہ میں دیکھتی ہوں میرے پیٹ میں بچہ تمہارے پیٹ کے بچے کو سجدہ کرتا ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فضیلت حاصل تھی کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیار سے مردوں کو زندہ کرتے اور مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا بخشتے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدتِ حمل کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے۔ جمہور کا مشہور قول تو یہی ہے کہ آپ نو ماہ تک حمل میں رہے جبکہ عکرمہ کہتے ہیں کہ آٹھ مہینے، اس لیے آٹھ ماہ کے حمل کا بچہ عموماً زندہ نہیں رہتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جب اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ حمل ٹھہرتے ہی بچہ پیدا ہو گیا(1)۔ یہ قول عجیب و غریب ہے۔ ممکن ہے آپ نے ان آیات فَحَمَلَتْهُ ..... کے ظاہری الفاظ سے یہ مفہوم اخذ کیا ہو کیونکہ حمل اور دردِ زہ کے ذکر کو فَ کے ذریعے جوڑا گیا ہے جو تعقیب کا فائدہ دیتی ہے۔ بہر صورت فاء اگرچہ تعقیب کیلئے آتی ہے لیکن ہر چیز کی تعقیب اس کے اپنے اعتبار سے ہوتی ہے جیسا کہ اس فرمان میں ہے: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا (المومنون: 14-12)'' اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا پھر ہم نے اسے پانی کی بوند بنا کر ایک محفوظ مقام میں رکھا پھر ہم نے نطفہ کو خون کا لوتھڑا پھر لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی بنا دیا پھر ہم نے اس بوٹی سے ہڈیاں پیدا کر دیں''۔ یہاں بھی فا تعقیب کیلئے ہے لیکن اپنے اعتبار سے۔ صحیحین کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ مراحل میں سے ہر دو مرحلوں کے درمیان چالیس دن کا فاصلہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک اور فرمان ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۡ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً (الحج: 63)'' کیا تو نے

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 65

نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا تو (خشک) زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے"۔ یہاں بھی فاء تعقیب کیلئے ہے لیکن بارش برسنے کے فوراً بعد سبزہ نہیں اگتا۔ بہر کیف دوسری عورتوں کی طرح حضرت مریم علیہا السلام پر بھی حمل کا معروف عرصہ گذرا۔ آپ کے ساتھ آپ کے رشتہ داروں میں سے یوسف نجار نامی ایک مرد صالح بھی بیت المقدس کا خادم تھا۔ جب حمل کے آثار ظاہر ہوئے اور یوسف نجار نے آپ کے بڑھتے ہوئے شکم کو دیکھا تو انہیں شک سا گذرا۔ چونکہ حضرت مریم علیہا السلام نہایت پارسا، عبادت گذار، پاکیزہ اور خدا ترس تھیں اس لئے جلد ہی یہ شک رفع ہو گیا لیکن پھر غور کرنے سے حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق ایک فکر دامنگیر ہو گئی۔ یہ ایک ایسا خیال تھا جو باوجود کوشش کے کبھی ذہن سے محو ہوتا ہی نہیں تھا۔ آخر کار ایک دن یوسف نجار نے حضرت مریم علیہا السلام سے اشارتاً حقیقتِ حال دریافت کرنے کی ٹھان لی، کہنے لگے: اے مریم! میں تم سے ایک چیز کے متعلق دریافت کرنا چاہتا ہوں، محسوس نہ کرنا۔ آپ نے فرمایا: وہ کیا ہے؟ یوسف نے کہا: یہ بتاؤ کیا بغیر بیج کے درخت اگ سکتا ہے، کیا بغیر دانے کے کھیتی ہو سکتی ہے اور کیا بن باپ کے بچہ پیدا ہو سکتا ہے؟ حضرت مریم علیہا السلام ان کا اشارہ سمجھ گئیں اور فرمانے لگیں: ہاں۔ جہاں تک بغیر بیج اور دانے کے درخت اور کھیتی اگنے کا تعلق ہے تو تم یہ بات جان لو کہ سب سے پہلے جو درخت اور کھیتی اللہ تعالیٰ نے اگائی تھی وہ بغیر بیج اور دانے کے تھی اور جہاں تک بن باپ کے بچے کی پیدائش کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ماں باپ دونوں کے بغیر تخلیق کیا۔ یہ سن کر یوسف نجار نے آپ کی تصدیق کی اور خاموش ہو گئے۔ حضرت مریم علیہا السلام نے جب یہ محسوس کیا کہ لوگ ان پر بدکاری کی تہمت لگائیں گے تو آپ لوگوں سے الگ تھلگ دور دراز مقام پر چلی گئیں تاکہ نہ آپ لوگوں کو دیکھیں اور نہ لوگ آپ کو دیکھیں۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ جب آپ حاملہ ہو گئیں اور اپنا گھڑا بھر کر واپس لوٹیں تو خون رک گیا اور آپ کے چہرہ پر نقاہت کے آثار نمایاں ہو گئے، رنگ متغیر ہو گیا اور زبان باہر نکل آئی، بالکل وہی آثار جو ایک حاملہ پر ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ دیکھ کر بنی اسرائیل طرح طرح کی باتیں بنانے لگے۔ ہر شخص کی زبان پر یہی بات تھی کہ یہ سب یوسف نجار کا ہی کیا دھرا ہے کیونکہ کنیسہ میں مریم علیہا السلام کے ساتھ اس کے سوا کوئی اور تھا ہی نہیں۔ اس لئے آپ نے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو جانا مناسب سمجھا۔ آپ پردہ نشین ہو گئیں تاکہ نہ کوئی آپ کو دیکھے اور نہ آپ کسی کو دیکھیں۔ دوسری آیت میں فرمایا: فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ۔۔ یعنی دردِ زہ نے آپ کو اس جگہ جہاں آپ خلوت نشین ہو گئی تھیں، ایک کھجور کے درخت کے تنے کی آڑ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ اس جگہ کے متعلق اختلاف ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ آپ کی خلوت گاہ بیت المقدس کے اس حجرہ کے مشرقی جانب تھی جہاں آپ عبادت کیا کرتی تھیں۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ آپ وہاں سے بھاگیں اور جب شام اور مصر کے درمیان پہنچیں تو دردِ زہ نے آلیا۔ ایک اور روایت کے مطابق وہب کہتے ہیں کہ یہ جگہ بیت المقدس سے آٹھ میل دور بیت لحم نامی ایک گاؤں میں تھی۔ احادیثِ معراج میں بھی گذر چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش بیت لحم ہے۔ لوگوں میں بھی یہی مشہور ہے اور نصاریٰ کو بھی اس بارے میں کوئی شک نہیں۔ حدیث شریف میں بھی اس کا ذکر ہے اگر وہ صحیح ہو۔ اس وقت حضرت مریم علیہا السلام کہنے لگیں: يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ فتنہ کے وقت موت کی تمنا کرنا جائز ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کو معلوم تھا کہ اس بچے کی ولادت پر انہیں آزمائش کا سامنا کرنا ہو گا، لوگ یہ دیکھ کر اودھم مچائیں گے، اس معاملہ کے درست پہلو کو نہیں لیں گے اور نہ ہی ان کی بات کو سچ تسلیم کریں گے، بلکہ ایک عابدہ زاہدہ کی حیثیت سے عمل صالح کی شہرت رکھنے کے باوجود بدچلن خیال کریں گے۔ اس لئے کہنے لگیں: يٰلَيْتَنِيْ۔۔ یعنی ہائے کاش! میں اس حالت سے پہلے مر جاتی اور بالکل فراموش کر دی جاتی۔ حضرت ابن عباس وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا کا معنی بتاتے ہیں: نہ مجھے پیدا کیا جاتا

اور نہ میں قابل ذکر چیز ہوتی۔ سدی کہتے ہیں کہ لوگوں سے شرم وحیاء کے باعث آپ تمنا کرنے لگیں کہ کاش مجھے اس کرب اور بغیر شوہر کے بچے کی ولادت کے غم سے پہلے موت آجاتی اور مجھے فراموش کردیا جاتا اور میرا ذکر تک نہ کیا جاتا بلکہ ایسے ہی جیسے حیض کے کپڑے کو پھینک دیا جاتا ہے پھر نہ اسے ڈھونڈا جاتا ہے اور نہ اس کا ذکر کیا جاتا ہے (1)۔ قتادہ اس فرمان وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ میں ایسی چیز ہوتی جسے نہ پہچانا جاتا، نہ ذکر کیا جاتا اور نہ یہ معلوم ہوتا کہ میں کون ہوں۔ ہم نے اس آیت تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (یوسف:101) کے تحت وہ تمام احادیث بیان کردی ہیں جو سوائے فتنہ کے وقت موت کی تمنا کرنے کی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں۔

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾

"پس پکارا اسے ایک فرشتے نے اس کے نیچے سے (اے مریم!) غمزدہ نہ ہو جاری کردی ہے تیرے رب نے تیرے نیچے ایک ندی۔ اور ہلاؤ اپنی طرف کھجور کے تنے کو گرنے لگیں گی تم پر پکی ہوئی کھجوریں۔ (میٹھے میٹھے خرمے) کھاؤ اور (ٹھنڈا پانی) پیو اور (اپنے فرزند دلبند کو دیکھ کر) آنکھیں ٹھنڈی کرو پھر اگر تم دیکھو، کسی آدمی کو تو (اشارے سے اسے) کہو کہ میں نے نذر مانی ہوئی ہے رحمٰن کے لئے (خاموشی کے) روزہ کی پس میں آج کسی انسان سے گفتگو نہیں کروں گی"۔

اکثر حضرات کے نزدیک مِنْ تَحْتِهَا ہے یعنی "مِنْ" حرف جر ہے جبکہ بعض کی قرأت میں "مَنْ تَحْتَهَا" ہے اس صورت میں "مَن" بمعنی الذی اسم موصول ہے۔ اس ندا دینے والے کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ندا دینے والے جبریل علیہ السلام تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو اس وقت گفتگو کی تھی جب آپ انہیں لیکر اپنی قوم کے پاس آئی تھیں۔ حضرات سعید بن جبیر، ضحاک، عمرو بن میمون، سدی اور قتادہ رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے کہ جبریل علیہ السلام نے وادی کے نیچے سے آپ کو آواز دی جبکہ مجاہد، قتادہ اور حسن رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ یہ ندا آپ کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔ ایک روایت میں حضرت سعید بن جبیر سے بھی یہ قول مروی ہے کہ آپ کے بیٹے نے آپ کو آواز دی، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ (2)۔ فرشتے نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے آواز دی کہ غمزدہ نہ ہونا تمہارے رب نے تمہارے نیچے ندی جاری کردی ہے۔ "سری" کے مختلف معانی منقول ہیں: ندی، نہر اور چشمہ۔ ایک حدیث مرفوع میں اس کا معنی نہر بیان کیا گیا ہے۔ اس کے راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "وہ سری جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے مریم کیلئے کیا ہے وہ ایک نہر تھی جسے اللہ تعالیٰ نے اس لئے جاری کیا تاکہ وہ اس میں پانی پئیں" (3)۔ یہ حدیث اس سند سے بہت غریب ہے۔ بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ "سری" سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر اور مناسب ہے، کیونکہ اس کے بعد فرمان ہے: وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ - یعنی کھجور کا تنا پکڑ کر ہلائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ درخت بالکل سوکھا پڑا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ پھل دار تھا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ کھجور کی قسم عجوہ تھی۔ بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس وقت یہ درخت خرما پھلدار نہیں تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے طعام و شراب بہم پہنچانے پر اپنا احسان بیان کرتے ہوئے فرمایا تُسٰقِطْ

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 66 2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 68-69 3۔ معجم کبیر، جلد 12 صفحہ 346

عَلَیْكِ ...۔ عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ ایام زچگی میں عورت کیلئے تازہ اور خشک کھجوروں سے بہتر کوئی غذا نہیں پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی(1)۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی پھوپھی درخت خرما کی قدر کرو کیونکہ اسے اس مٹی سے بنایا گیا ہے جس سے آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی تھی۔ اس کے سوا کوئی اور ایسا درخت نہیں جو نر مادہ کے ملاپ سے پھلتا ہو''۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: اپنی عورتوں کو ایام زچگی میں تر کھجوریں کھلاؤ، اگر تر کھجوریں میسر نہ ہوں تو خشک ہی سہی۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس درخت سے بڑھ کر کوئی دوسرا درخت نہیں جس کے نیچے مریم بنت عمران ٹھہری تھیں''(2)۔ یہ حدیث نہایت منکر ہے۔ لفظِ تساقط میں متعدد قرائتیں ہیں۔ بعض نے سین کو مشدد کر کے تَسَّاقَطْ پڑھا ہے۔ بعض نے تخفیف کے ساتھ تُسْقِطْ، بعض نے تَسَاقَطْ اور بعض نے ''یَسَّاقَطْ'' پڑھا ہے اس صورت میں اس کا فاعل ''الجذع'' ہوگا۔ بہر صورت مفہوم میں یہ تمام قرائتیں قریب قریب ہیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوا: فَاِمَّا تَرَیِنَّ یعنی جب بھی کوئی آدمی تمہیں نظر آئے تو کہہ دینا کہ میں نے رحمٰن کیلئے روزے کی نذر مانی ہوئی ہے، سو آج میں کسی انسان سے بات نہیں کروں گی۔ یہاں زبان سے گفتگو کرنا مقصود نہیں بلکہ اشارہ کے ساتھ سمجھانا مراد ہے تاکہ اس فرمان فَلَنْ اُكَلِّمَ .. کے ساتھ تضاد پیدا نہ ہو۔ حضرات انس بن مالک، ابن عباس اور ضحاک رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ یہاں خاموشی کا روزہ مراد ہے۔ ایک اور روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ روزہ اور خاموشی دونوں(3)۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی شریعت میں دوران روزہ طعام بھی حرام تھا اور کلام بھی، سدی قتادہ اور عبدالرحمٰن بن زید کا یہی قول ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس دو شخص آئے۔ ایک نے سلام کیا جبکہ دوسرے نے سلام نہ کیا۔ آپ نے اس کی وجہ پوچھی تو حاضرین نے آپ کو بتایا کہ اس نے آج گفتگو نہ کرنے کی قسم اٹھائی ہے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ فرمانے لگے کہ یہ تو ایک عورت (مریم علیہا السلام) کیلئے تھا جنہوں نے ایک عذر کے پیش نظر خاموشی اختیار کی کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ لوگ ان کی اس بات کی تصدیق نہیں کریں گے کہ میں بغیر شوہر کے حاملہ ہوئی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ محترمہ سے کہا کہ گھبراؤ نہیں۔ حضرت مریم علیہا السلام نے جواب دیا کہ میں کیسے نہ گھبراؤں؟ نہ میرا شوہر ہے اور نہ میں مملوکہ لونڈی ہوں۔ لوگوں کے سامنے میں کیا عذر پیش کروں گی؟ کاش! میں اس سے پہلے مرجاتی اور بالکل فراموش کر دی جاتی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ کو کلام کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ میں خود ہی جواب دے لوں گا۔ آپ نے صرف یہ کرنا ہے: فَاِمَّا تَرَیِنَّ.....(4)۔

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْـًٔا فَرِیًّا ﴿۲۷﴾ یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا ﴿۲۸﴾ فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ ؕ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا ﴿۲۹﴾ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿۳۰﴾ وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ﴿۳۱﴾ وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ ۫ وَ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴿۳۲﴾ وَ السَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَ یَوْمَ اَمُوْتُ وَ یَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ﴿۳۳﴾

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 72
2۔ مسند ابی یعلیٰ، جلد 1 صفحہ 353، مجمع الزوائد، جلد 5 صفحہ 89
3۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 74
4۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 75

"اس کے بعد وہ لے آئیں بچہ کو اپنی قوم کے پاس (گود میں) اٹھائے ہوئے۔ انہوں نے کہا اے مریم! تم نے بہت ہی برا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بدچلن تھی۔ اس پر مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کیا۔ لوگ کہنے لگے ہم کیسے بات کریں اس بچے سے جو گہوارہ میں (کمسن) بچہ ہے۔ (اچانک) وہ بچہ بول پڑا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے۔ اور اسی نے مجھے بابرکت کیا ہے جہاں کہیں بھی میں ہوں اور اسی نے مجھے حکم دیا ہے نماز ادا کرنے کا اور زکوٰۃ دینے کا جب تک میں زندہ رہوں۔ اور مجھے خدمت گزار بنایا ہے اپنی والدہ کا۔ اور اس نے نہیں بنایا مجھے جابر (اور) بدبخت۔ اور سلامتی ہو مجھ پر جس روز میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے اٹھایا جائے گا زندہ کر کے"۔

حضرت مریم علیہا السلام کو روزہ رکھنے اور اپنے دفاع میں کچھ نہ کہنے کا حکم ہوا تو آپ نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے فرزند ارجمند کو گود میں لیا اور اپنی قوم کے پاس آ گئیں۔ جب انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بچہ دیکھا تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ آپ کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے اور ملامت کرتے ہوئے کہنے لگے: اے مریم! تم نے بہت برا کام کیا ہے۔ نوف بکالی کہتے ہیں کہ لوگ حضرت مریم علیہا السلام کی تلاش میں نکلے لیکن انہیں آپ علیہا السلام کا کوئی سراغ نہ ملا۔ رستہ میں انہیں ایک چرواہا ملا۔ اس سے آپ علیہا السلام کا حلیہ بیان کر کے پوچھنے لگے کہ کیا تم نے اس قسم کی لڑکی دیکھی ہے۔ اس نے کہا: نہیں، البتہ آج رات میں نے اپنی گایوں کا ایک عجیب معاملہ دیکھا ہے۔ وہ پوچھنے لگے کہ تم نے کیا دیکھا ہے؟ اس نے جواب دیا: میں آج نے کی رات یہ عجیب بات دیکھی کہ میری گائیں اس وادی کی طرف سجدہ ریز ہو گئیں۔ ایسا عجیب واقعہ پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھا اور میں نے اپنی آنکھوں سے ایک نور دیکھا۔ جس سمت کی چرواہے نے نشاندہی کی تھی وہ اس طرف چل پڑے۔ وہاں پہنچ کر سامنے انہیں مریم علیہا السلام دکھائی دیں جو اپنے بیٹے کو گود میں لیے بیٹھی ہوئی تھیں، کہنے لگے: يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ　　اے مریم! تم نے بہت برا کام کیا ہے، اے اخت ہارون یعنی عبادت میں شبیہ ہارون! تمہارا تعلق تو ایسے پاکیزہ گھرانے سے ہے جو نیکی، عبادت، زہد اور پارسائی میں معروف ہے، پھر تم سے یہ فعل قبیح کیسے سرزد ہو گیا؟ علی بن ابی طلحہ اور سدی کہتے ہیں کہ یہاں ہارون سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں۔ حضرت مریم علیہا السلام چونکہ ان کی نسل سے تھیں اس لئے انہیں "اخت ہارون" کہا گیا جیسا کہ تمیم خاندان سے تعلق رکھنے والے کو اخو تمیم اور قبیلہ مضر سے تعلق رکھنے والے کو اخو مضر کہا جاتا ہے(1)۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ہارون آپ کی قوم کا ایک نیکوکار شخص تھا۔ چونکہ آپ زہد و عبادت میں اس کی تقلید کرتیں اس لئے اس کی طرف آپ کو منسوب کر کے "اخت ہارون" کہا گیا۔ بعض حضرات کا یہ بھی قول ہے کہ ہارون ان میں ایک بدکار شخص تھا۔ اس کے مشابہ قرار دیتے ہوئے انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو اخت ہارون کہہ دیا(2)۔ ان تمام اقوال سے بڑھ کر قرطبی کا ایک عجیب وغریب قول یہ بھی ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی سگی بہن تھیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا گیا تھا تو یہی چپکے چپکے اس کے تعاقب میں گئی تھیں۔ یہ قول بالکل غلط ہے کیونکہ قرآن کریم سے یہ ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے اور آپ کے بعد صرف حضرت محمد ﷺ مبعوث فرمائے گئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں رسول

1۔ تفسیر طبری جلد 16 صفحہ 76　　2۔ تفسیر طبری جلد 16 صفحہ 78

اللہ علیہ السلام نے فرمایا "میں سب سے زیادہ ابن مریم کے قریب ہوں کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں آیا" (1)۔ اگر محمد بن کعب قرظی کا یہ قول درست تسلیم کر لیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ آپ حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہما السلام سے بھی پہلے تھے کیونکہ قرآن کریم میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوئے ہیں، اس سلسلہ میں ارشاد ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ...... وَ قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ (البقرۃ: 251-246) قرظی نے یہ موقف تورات کی اس عبارت کے باعث اختیار کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے بخیر و عافیت سمندر سے نکلنے اور فرعونیوں کے غرق ہو جانے کے بعد حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی بہن مریم بنت عمران اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل کی عورتیں دف بجا کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے اور اس کے انعام پر شکر ادا کرنے لگیں۔ اس سے قرظی نے یہ سمجھ لیا کہ یہی مریم بنت عمران حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ ان کے نام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام مریم رکھا گیا کیونکہ بنی اسرائیل کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنے انبیاء اور صالحین کے ناموں پر اپنے بچوں کے نام رکھا کرتے تھے، جیسا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام نے مجھے نجران بھیجا۔ وہاں نصاریٰ نے مجھ سے سوال کیا کہ تم یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ پڑھتے ہو حالانکہ موسیٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے گذر چکے ہیں؟ میں کوئی جواب نہ دے سکا جب واپس لوٹا تو میں نے رسول اللہ علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا "تم نے انہیں یہ کیوں نہ بتا دیا کہ وہ لوگ اپنے انبیاء اور پہلے گذرے ہوئے نیک لوگوں کے ناموں پر اپنی اولاد کے نام رکھا کرتے تھے" (2)۔ ایک مرتبہ حضرت کعب کہنے لگے کہ یہاں وہ ہارون مراد نہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں۔ یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں کہ تمہاری یہ بات درست نہیں۔ حضرت کعب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہنے لگے کہ اگر آپ نے رسول اللہ علیہ السلام سے اس بارے میں کچھ سنا ہے تو ہمیں قبول ہے ورنہ ان دونوں نبیوں کے درمیان چھ سو سال کا فاصلہ ہے۔ یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خاموش ہو گئیں (3)۔ بہر صورت یہ بیان کردہ مدت محل نظر ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ حضرت مریم کا گھرانہ شروع سے ہی صالح، پارسا، اور دیندار تھا اور ان کے ہاں ایسے ہی نیک بچے پیدا ہوتے۔ گویا نیکی تقویٰ اور دینداری نسل در نسل منتقل ہو رہی تھی۔ بعض گھرانے بالکل ایسے ہی ہوتے ہیں لیکن بعض گھرانے اس کے برعکس ہوتے ہیں جہاں نسل در نسل بدی کا دور دورہ رہتا ہے۔ ہارون بڑے نیکوکار اور اپنے خاندان میں ہر دلعزیز شخصیت تھے یہ وہ ہارون نہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے بلکہ یہ اور ہارون ہیں۔ چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے اس لئے بنی اسرائیل میں یہ نام رکھنے کا عام رواج ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ آپ کے جنازے میں ہارون نامی چالیس ہزار افراد نے شرکت کی (4)۔ آخر کار آپ نے معاملہ اپنے بیٹے کے سپرد کر دیا: فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ...... جب لوگوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو شک کی نظر سے دیکھا، طرح طرح کی ناگوار باتیں بنانے لگے اور ملامت کرتے ہوئے اشارتاً بدکاری کی تہمت لگانے پر اتر آئے تو چونکہ آپ نے روزہ اور خاموشی اختیار کی ہوئی تھی اس لئے آپ نے اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کر دیا کہ اس سے پوچھو جو پوچھنا ہے۔ لوگ سمجھے کہ مریم ہمارے ساتھ مذاق کر رہی ہے چنانچہ وہ تمسخر آمیز لہجے میں پوچھنے لگے: كَیْفَ نُكَلِّمُ...... میمون بن مہران

1۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6 صفحہ 477-478　　2۔ صحیح مسلم، کتاب الآداب، جلد 3 صفحہ 1685

3۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 77　　4۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 77

کہتے ہیں کہ آپ نے اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس سے کلام کرو۔ وہ کہنے لگے کہ یہ بہت چالاک ہے، ہمیں کمسن بچے کے ساتھ گفتگو کرنے کیلئے کہہ رہی ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ آپ کے اس اشارہ سے لوگ خشمناک ہو گئے اور کہنے لگے کہ اس کا تمسخر آمیز رویہ ہمارے لئے اس کی بدکاری سے بھی زیادہ ناگوار ہے۔ بھلا گہوارے میں کھیلتا کمسن بچہ کیسے گفتگو کر سکتا ہے؟ اسی اثناء میں وہ بچہ بول اٹھا اور کہنے لگا: اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۔ سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی بندگی کا اظہار کرتے ہوئے اولاد سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ اور پاکی بیان کی، پھر یہ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا کہہ کر اپنی والدہ کی بدکاری سے برأت بیان کی۔ نوف بکالی کہتے ہیں کہ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام دودھ پی رہے تھے۔ آپ دودھ چھوڑ کر اور بائیں کروٹ ہو کر فرمانے لگے: اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ..... مَا دُمْتُ حَیًّا۔ ثابت بنانی کہتے ہیں کہ آپ نے اپنی شہادت کی انگلی اپنے کندھے سے اوپر اٹھا کر یہ فرمایا تھا۔ عکرمہ اس فرمان اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے کتاب دینے کا فیصلہ ہو چکا ہے جو ہر صورت پورا ہوگا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی ماں کے شکم میں ہی انجیل اچھی طرح سیکھ لی تھی اور یہی اس آیت کا مطلب ہے۔ مجاہد، عمرو بن قیس اور ثوری نے آیت کریمہ میں مذکور لفظِ مبارک کا معنی مُعلّمِ خیر کیا ہے۔ ایک اور روایت میں مجاہد سے اس کا معنی نفع رساں بھی منقول ہے۔ ایک عالم اپنے سے بڑے عالم سے ملے اور پوچھنے لگے کہ وہ کونسا عمل ہے جو میں علی الاعلان کر سکتا ہوں؟ فرمایا: نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام پیغمبروں کو اس فریضہ کا مکلف بنایا تھا۔ اور فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ آپ کی برکت سے مراد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے(1)۔ اور یہ فرمان وَ اَوْصٰنِیْ ..... ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ سے فرمایا: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰی یَاْتِیَكَ الْیَقِیْنُ (الحجر: 99) "اور اپنے رب کی عبادت کیجئے یہاں تک کہ آپ کے پاس یقین (موت) آ جائے"۔ حضرت مالک بن انس اس فرمان وَ اَوْصٰنِیْ ۔ کے متعلق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس امر کی خبر دے دی جو مرتے دم تک آپ نے بجا لانا تھا۔ تقدیر کے ثبوت کی یہ کس قدر بیّن دلیل ہے۔ پھر مزید فرمایا: بَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ اطاعت الٰہی کے بعد اس کا ذکر ہوا اور عموماً اللہ تعالیٰ اپنی عبادت اور اطاعت والدین کے حکم کو ایک ساتھ بیان فرماتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا (بنی اسرائیل: 23) "اور آپ کے رب نے حکم فرمایا کہ نہ عبادت کرو بجز اس کے اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو"۔ اور فرمایا: اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیْكَ ؕ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ (لقمان: 14) "شکر ادا کرو میرا اور اپنے والدین کا۔ میری طرف ہی لوٹنا ہے"۔ مزید فرمایا: وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے نہ جابر بنایا اور نہ اپنی عبادت و اطاعت اور اپنی والدہ کی خدمت کرنے سے متکبر بنایا کہ میں اس وجہ سے شقی بن جاؤں۔ سفیان ثوری کہتے ہیں کہ جبار و شقی وہ ہے جو غصہ کے سبب قتل کرنے کے درپے ہو جائے۔ کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ اپنے والدین کا نافرمان شخص جبار اور شقی ہوتا ہے پھر انہوں نے اس آیت وَبَرًّۢا ۔ کی تلاوت کی اور ہر بداخلاق شخص اترانے والا اور مغرور ہوتا ہے، اس پر انہوں نے یہ آیت پڑھی: وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا (النساء: 36) ایک عورت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا مشاہدہ کیا کہ آپ مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا بخشتے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ کہنے لگی کہ مبارک ہے وہ پیٹ جس نے تمہیں اٹھائے رکھا اور مبارک ہے وہ چھاتی جس سے تم نے دودھ پیا۔ یہ سن کر اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمانے لگے کہ مبارک ہے وہ شخص جس نے کتاب اللہ کی تلاوت کی اور اس پر عمل پیرا ہوا اور جابر و

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 80-81

بد بخت نہ بنا(1)۔ پھر فرمایا: وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ ۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں۔ آپ کو زندگی بخشی گئی، پھر آپ پر موت بھی آئے گی اور قیامت کے دن باقی ساری مخلوق کی طرح آپ کو بھی زندہ کر کے اٹھایا جائے گا لیکن ان تینوں مواقع پر آپ کیلئے سلامتی ہے حالانکہ بندوں کیلئے یہ تینوں مواقع بڑے سنگین اور مشکل ہیں۔

ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٣٤﴾ مَا كَانَ لِلّٰهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ ۖ سُبْحَانَهُ ۚ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٣٥﴾ وَإِنَّ اللّٰهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٣٦﴾ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۖ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٣٧﴾

"یہ ہے عیسیٰ بن مریم (اور یہ ہے وہ) سچی بات جس میں لوگ جھگڑ رہے ہیں۔ یہ زیبا ہی نہیں اللہ تعالیٰ کو کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے، وہ پاک ہے۔ جب وہ فیصلہ فرما دیتا ہے کسی کام کا تو بس صرف اتنا حکم دیتا ہے اس کے لئے کہ ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی سو اسی کی عبادت کیا کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ پھر ان میں سے کئی گروہ آپس میں اختلاف کرنے لگے۔ پس ہلاکت ہے کفار کے لئے اس دن کی حاضری سے جو بہت بڑا ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ ہے جس سے ہم نے آپ کو آگاہ کر دیا ہے، یہی سچی بات ہے جس کے متعلق ان پر ایمان لانے والے حق پرست اور ان کا انکار کرنے والے باطل پرست اختلاف کرتے ہیں۔ اکثر حضرات کی قرأت میں قولُ الحق ہے یعنی قول کو مرفوع پڑھا گیا ہے۔ عاصم اور عبداللہ بن عامر نے اسے منصوب پڑھا ہے یعنی قولَ الحق(2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں "قالَ الحق" ہے۔ بہر کیف اسے مرفوع پڑھنا زیادہ ظاہر ہے اور اس کی تائید اس فرمان سے بھی ہوتی ہے: اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ (آل عمران: 60) "یہ حقیقت (کہ عیسیٰ انسان ہیں) تیرے رب کی طرف سے پس تو نہ ہو شک کرنے والوں میں سے"۔ یہ بیان کرنے کے بعد کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی اور بندے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی تنزیہہ اور پاکی بیان کرتے ہوئے فرمایا: مَا كَانَ لِلّٰهِ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو یہ زیبا نہیں کہ وہ اپنا بیٹا بنائے۔ وہ ظالموں اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی ہرزہ سرائیوں سے بہت بالا اور برتر ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو صرف "کُن" کہہ دیتا ہے تو وہ چیز اس کی مشیت کے مطابق وجود پذیر ہو جاتی ہے، جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ (آل عمران: 60-59) "بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ تعالیٰ کے ہاں آدم علیہ السلام کی مانند ہے۔ اسے مٹی سے بنایا پھر اسے فرمایا ہو جا تو وہ ہو گیا۔ یہ حقیقت (کہ عیسیٰ انسان ہیں) تیرے رب کی طرف سے ہے سو تو نہ ہو جا شک کرنے والوں میں سے"۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارے میں ہی اپنی قوم کو یہ پیغام بھی دیا: وَ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ... یعنی اللہ تعالیٰ ہی میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی، سو اسی کی عبادت کرو اور جو کچھ میں اللہ کی طرف سے تمہارے پاس لایا ہوں، یہی صراط مستقیم ہے۔ جس نے اس کی اتباع کی، وہ ہدایت پا گیا اور جس نے اس کی مخالفت کی، وہ گمراہ ہو گیا۔ اس کے بعد فرمایا:

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 82 2۔ الاقناع لابن الباذش، جلد 2 صفحہ 696 تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 83

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ .. یعنی اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کرنے لگے حالانکہ آپ کی حقیقت سے پردہ اٹھایا جا چکا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بندے، رسول، روح اور کلمہ ہیں جسے اس نے مریم علیہا السلام کی طرف القاء کیا۔ یہودیوں کی اکثریت آپ کو (نعوذ باللہ) ولد الزنا کہتی ہے۔ یہ ملعون کہتے ہیں کہ آپ کا یہ کلام جادو کا کرشمہ ہے۔ یہ دوسرا گروہ کہنے لگا کہ یہ اللہ ہی کا کلام ہے۔ نصاریٰ میں سے کچھ آپ کو ابن اللہ (اللہ کا بیٹا) کہنے لگے۔ کچھ کہنے لگے کہ آپ تین خداؤں میں سے ایک ہیں جبکہ باقی لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں اور یہی سچی بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بتلائی ہے اور یہی امت مسلمہ کا عقیدہ ہے۔ حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے چار گروہ اکٹھے ہوئے اور ہر ایک گروہ نے اپنا عالم پیش کیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ کو آسمان کی طرف اٹھایا جا چکا تھا۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کرنے لگے۔ ایک کہنے لگا کہ یہ بذات خود اللہ تھا جو زمین پر اترا۔ جسے چاہا اسے اس نے زندہ کیا اور جسے چاہا، مار دیا پھر وہ واپس آسمان کی طرف چلا گیا۔ اس عقیدہ کے حامل گروہ کو یعقوبیہ کہا جاتا ہے۔ یہ سن کر باقی تینوں علماء نے اسے جھوٹا قرار دیا۔ اب ان میں سے دو نے تیسرے سے کہا کہ تم اپنا عقیدہ بیان کرو۔ اس نے کہا کہ عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ یہ عقیدہ رکھنے والے نسطوریہ کہلائے۔ یہ سن کر دونوں نے اس کی تکذیب کی۔ پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ تم اپنا موقف بیان کرو۔ اس نے کہا وہ تین خداؤں میں سے ایک ہیں یعنی اللہ، عیسیٰ اور ان کی والدہ تین خدا ہیں۔ یہ گروہ اسرائیلیہ کے نام سے معروف ہوا۔ یہی شاہانِ نصاریٰ تھے، عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ۔ چوتھے نے اس کی تکذیب کرتے ہوئے کہا کہ بات ایسی نہیں ہے، بلکہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندہ، رسول، روح اور کلمہ ہیں، اس عقیدہ کے حامل مسلمان کہلائے۔ ان چاروں علماء میں سے ہر ایک کے پیروکار اور ہمنوا تھے جو آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے اور آخر کار مسلمانوں پر غالب آ گئے: اور یہی اس آیت کا مقصود ہے: وَيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ (آل عمران: 21) ”اور قتل کرتے ہیں ان لوگوں کو جو لوگوں میں سے عدل و انصاف کا حکم کرتے ہیں“۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہی وہ گروہ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ ۔ اہل کتاب اور دیگر متعدد مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ قسطنطین بادشاہ نے تین بار نصاریٰ کے اجتماع کا انعقاد کیا۔ آخری اجتماع میں ان کے دو ہزار ایک سو ستر بشپ جمع ہوئے۔ یہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف عقیدہ رکھتے تھے۔ ہر گروہ اپنا اپنا راگ الاپتا۔ سو کچھ کہتے ستر کوئی اور بات کرتے، پچاس اپنا خیال ظاہر کرتے اور ایک سو ساٹھ اپنا الگ عقیدہ بیان کرتے۔ ان میں سے سب سے بڑا گروہ تین سو آٹھ افراد پر مشتمل تھا انہوں نے جس بات پر اتفاق کیا، بادشاہ نے اسے تسلیم کر لیا۔ بادشاہ چونکہ فلسفی تھا اس لئے اس نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ اکثریت کا ساتھ دیا جائے۔ چنانچہ اس نے اس اکثریتی گروہ کا بھرپور ساتھ دیا، ہر طرح سے ان کی معاونت کی اور باقی سب کو اس نے جلاوطن کر دیا۔ اس گروہ کے علماء نے بادشاہ کیلئے امانتِ کبیرہ کی رسم ایجاد کی جو دراصل خیانت عظیمہ ہے، بادشاہ کو قوانین وضع کر کے دیئے، بہت سی من گھڑت اشیاء کو شریعت کا حصہ بنا دیا، بدعات کو جنم دیا اور دین مسیح میں تحریف اور تغیر و تبدل کر کے اس کی صورت مسخ کر دی۔ اس تحریف شدہ دین کو جبراً مسلط کرنے کے بعد بادشاہ نے اپنی ساری قلمرو میں بڑے بڑے کنیسوں کا جال بچھا دیا جن کی تعداد اس کے دور میں بارہ ہزار تک پہنچ گئی۔ بادشاہ کی ماں ہیلانہ نے اس جگہ پر ایک قبہ تعمیر کروا دیا جس کے بارے میں یہود کا گمان ہے کہ یہاں حضرت مسیح کو ہی سولی دی گئی تھی۔ حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ آپ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ پھر ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہوئے گمان کرتے ہیں کہ اس کی اولاد ہے، شدید دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ۔ یعنی آپ ان افتراء پردازوں

کو قیامت تک مہلت دے دیں اور حلم کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر اعتماد کرتے ہوئے انہیں ڈھیل دے دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے نافرمان کو فوراً عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: "اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے یہاں تک کہ جب اسے پکڑتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا" (1)۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی: وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ (ہود: 102) "اور یونہی آپ کے رب کی گرفت ہوتی ہے جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے دراں حالیکہ وہ ظالم ہوتی ہیں، بے شک اس کی پکڑ بڑی دردناک اور سخت ہوتی ہے"۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو ناروا باتیں سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر کرنے والا ہو۔ لوگ اس کی اولاد ٹھہراتے ہیں اور وہ انہیں رزق سے بھی نوازتا ہے اور عافیت سے بھی" (2)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَىَّ الْمَصِيْرُ (الحج: 48) "اور کتنی بستیاں تھیں جنہیں میں نے ڈھیل دی حالانکہ وہ ظالم تھیں پھر میں نے انہیں پکڑ لیا اور میری طرف ہی لوٹنا ہے"، وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ڛ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ (ابراہیم: 42) "اور تم یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کرتوتوں سے بے خبر ہے جو یہ ظالم کر رہے ہیں۔ وہ تو انہیں صرف اس دن کیلئے ڈھیل دے رہا ہے جب آنکھیں (خوف کے مارے) کھلی کی کھلی رہ جائیں گی"۔ اور یہاں فرمایا: فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔۔۔ ایک حدیث صحیح میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "جس شخص نے گواہی دی کہ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد اس کے بندے اور رسول ہیں، عیسیٰ اللہ کے بندے، رسول اور اس کا کلمہ ہیں جو اس نے مریم کی طرف القاء کیا اور اس کی روح ہیں اور جنت اور جہنم حق ہیں، اس کے اعمال خواہ کیسے ہوں اللہ تعالیٰ اسے ضرور جنت میں داخل کر دے گا" (3)۔

اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٨﴾ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٩﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿٤٠﴾

"(اس دن) یہ خوب سننے لگیں گے اور خوب دیکھنے لگیں گے جس دن آئیں گے ہمارے پاس لیکن یہ ظالم آج تو کھلی گمراہی میں ہیں اور اے نبی کریم! آپ ڈرایئے انہیں حسرت وندامت کے دن سے جب ہر بات کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور آج یہ لوگ غفلت میں ہیں اور یہ ایمان نہیں لاتے۔ یقیناً ہم ہی وارث ہوں گے زمین کے اور جو کچھ اس کے اوپر ہے اور ہماری طرف ہی سب لوٹائے جائیں گے"۔

روز قیامت کفار کی قوت سماعت اور قوت بصارت غیر معمولی ہوگی۔ وہ اچھی طرح سنیں گے بھی اور دیکھیں گے بھی جیسا کہ فرمایا: وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا (السجدۃ: 12) "اور کاش تم دیکھو جب مجرم سر جھکائے ہوئے اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے (کہیں گے) اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا"۔ یہ اس وقت کہیں گے جب یہ سماعت اور بصارت ان کے کسی کام نہیں آئے گی۔ عذاب کا مشاہدہ کرنے سے پہلے اگر وہ آوازِ حق سن لیتے اور نورِ ہدایت کا مشاہدہ کر لیتے تو اس کا انہیں فائدہ

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ ہود، جلد 8 صفحہ 354، صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1997-1998

2۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 8 صفحہ 31، صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار، جلد 4 صفحہ 2160

3۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 201، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 57

ضرور پہنچتا اور وہ عذاب سے بچ جاتے۔ اس لیے فرمایا: اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ... یہ تعجب کا صیغہ ہے یعنی روزِ قیامت یہ خوب سنیں اور دیکھیں گے لیکن آج یہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں۔ نہ یہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں اور نہ پیغامِ حق کو سمجھتے ہیں۔ دنیا میں انہیں ہدایت قبول کرنے کیلئے کہا جاتا ہے لیکن یہ ہدایت قبول نہیں کرتے اور آخرت میں یہ اطاعت کا اظہار کریں گے لیکن اس کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ پھر فرمایا: وَ اَنْذِرْهُمْ..... یعنی مخلوق کو آپ حسرت وندامت والے دن سے ڈرائیں جب جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان فیصلہ ہوگا اور ہر ایک اپنے ابدی ٹھکانے کی راہ لے گا لیکن یہ لوگ آج اس حسرت وندامت والے دن سے بالکل غافل ہیں اور اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو موت کو لایا جائے گا، یہ یوں محسوس ہوگی جیسے سفید وسیاہ رنگ والا مینڈھا ہے۔ پھر اسے جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کر کے کہا جائے گا: اے جنتیو! کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ گردنیں دراز کر کے دیکھیں گے اور کہیں گے: ہاں، یہ موت ہے۔ پھر کہا جائے گا: اے دوزخیو! کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ بھی گردنیں دراز کر کے دیکھیں گے اور کہیں گے: ہاں، یہ موت ہے۔ پھر اسے ذبح کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا: اے جنتیو! بغیر موت کے ہمیشگی ہے اور اے دوزخیو! بلا موت ہمیشگی ہے۔" پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ کی تلاوت کی اور ہاتھ کے ساتھ اشارہ کیا، پھر فرمایا: اہل دنیا غفلت میں ہیں"(1) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک واقعہ میں بیان کیا ہے کہ اس حسرت والے دن ہر شخص جنت اور دوزخ میں اپنے ٹھکانے کو دیکھ رہا ہوگا۔ دوزخی جنت میں اپنے ٹھکانے کو دیکھیں گے تو انہیں کہا جائے گا کہ اگر تم عمل کرتے تو یہ جگہ تمہیں مل جاتی۔ اس وقت حسرت انہیں گھیر لے گی۔ جنتی جہنم میں اپنے ٹھکانے کو دیکھیں گے تو انہیں کہا جائے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر احسان نہ فرماتا تو تمہارا یہ ٹھکانہ ہوتا(2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس فرمان وَاَنْذِرْهُمْ۔ کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو موت کو ایک مینڈھے کی صورت میں لایا جائے اور جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کر دیا جائے گا، پھر ایک منادی ندا دے گا: اے جنتیو! یہ وہ موت ہے جو لوگوں کو دنیا میں مارا کرتی تھی تو جنت میں ہر اونچے اور نچلے طبقہ والا شخص اسے دیکھے گا۔ پھر ندا ہوگی: اے دوزخیو! یہ وہ موت ہے جو دنیا میں لوگوں کو مارا کرتی تھی چنانچہ ہر دوزخی اسے دیکھے گا۔ پھر اسے جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کر کے کہا جائے گا: اے جنتیو! ابدالآباد تک ہمیشگی ہے اور اے دوزخیو! ابدالآباد تک ہمیشگی ہے۔ یہ سن کر جنتی اسقدر خوش ہوں گے کہ اگر فرطِ مسرت سے کسی کو مرنا ہوتا تو وہ ضرور مر جائیں اور دوزخی اس قدر چیخ و پکار کریں گے کہ اگر اس سبب سے کسی کو مرنا ہوتا تو وہ ضرور مر جائیں۔ پس یہی مطلب اس آیت کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یوم الحسرۃ قیامت کے ناموں میں سے ہے۔ اس کی غیر معمولی کیفیت کو بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس سے خبردار کیا۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم بھی یہی کہتے ہیں کہ اس سے مراد یوم قیامت ہے۔ اس پر انہوں نے یہ آیت پڑھی: اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ(3) "کوئی شخص یہ کہنے لگے صد حیف! ان کوتاہیوں پر جو اللہ کے بارے میں مجھ سے سرزد ہوئیں"۔ فرمایا: اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ..... اس میں بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق، مالک اور متصرف ہے، تمام مخلوق فنا ہو جائے گی اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے بجز اس کے کوئی بھی ملکیت اور تصرف کا دعویٰ نہیں کرسکتا بلکہ وہی تمام مخلوق کا وارث، ان کے بعد ہمیشہ باقی رہنے والا اور

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ مریم، جلد 6 صفحہ 117، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2188، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 9

2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 87　　3۔ الزمر: 56، تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 88

ان کا فیصلہ فرمانے والا ہے۔ وہ ایسا عادل ہے کہ مچھر کے پر اور ایک ذرہ کے برابر بھی وہ ظلم نہیں کرتا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے کوفہ کے گورنر عبد الحمید بن عبد الرحمٰن کو لکھا: اَمَّا بعد! اللہ تعالیٰ نے جب سے مخلوق کو پیدا کیا اسی وقت سے ہی ان پر موت لکھ دی اور ہر ایک کا انجام یہی موت ہے۔ اسی نے اپنی نازل کردہ سچی کتاب میں جسے اس نے اپنے علم کے ساتھ محفوظ کیا ہے اور ملائکہ کو اس کی حفاظت پر گواہ بنایا ہے، اس نے لکھ دیا ہے کہ وہ زمین اور اس کے اوپر ہر چیز کا وارث ہے اور اسی طرف سب کو لوٹنا ہے (1)۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝

"اور ذکر کیجئے آپ کتاب میں ابراہیم (علیہ السلام) کا۔ وہ بڑا راست باز نبی تھا۔ جب انہوں نے کہا اپنے باپ سے کہ اے میرے باپ تو کیوں عبادت کرتا ہے اس کی جو نہ کچھ سنتا ہے اور نہ کچھ دیکھتا ہے اور نہ تجھے کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اے میرے باپ! بیشک آیا ہے میرے پاس وہ علم جو تیرے پاس نہیں آیا، اس لئے تو میری پیروی کر میں دکھاؤں گا تجھے سیدھا راستہ۔ اے باپ! شیطان کی پوجا نہ کیا کر۔ بے شک شیطان تو رحمان کا نافرمان ہے۔ اے باپ! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تجھے پہنچے عذاب (خدائے) رحمٰن کی طرف سے تو تو بن جائے شیطان کا ساتھی"۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی محمد ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ کتاب میں ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کریں اور اپنی بت پرست قوم کو جو ان کی اولاد اور ان کی پیروکار ہونے کی دعویدار ہے، ان کا واقعہ بیان کریں کہ اس سچے نبی نے کس طرح اپنے باپ کو بت پرستی سے منع کیا۔ آپ نے اپنے باپ سے کہا کہ آپ کیوں اس کی پرستش کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے، نہ نفع پہنچاتا ہے اور نہ تکلیف کو دور کرتا ہے۔ اے میرے باپ! میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا۔ آپ اپنے باپ سے یہ کہنا چاہتے تھے کہ اگرچہ میں آپ کا بیٹا اور کم عمر ہوں لیکن یاد رکھیے جس علم پر اللہ تعالیٰ نے مجھے آگاہی بخشی ہے آپ کو نہیں بخشی، اس لئے میری اتباع کریں میں آپ کو صراط مستقیم دکھاؤں گا جس پر گامزن ہونے سے مطلوب حاصل ہوگا اور عذاب سے نجات ملے گی۔ اے میرے باپ! بت پرستی میں شیطان کی اطاعت نہ کریں۔ چونکہ شیطان بت پرستی کی دعوت دیتا ہے اس لئے بت پرست گویا اسی کی عبادت کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (یٰسین: 60) "اے اولاد آدم! کیا میں نے تمہیں تاکیدی حکم نہیں دیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے"، اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَ اِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا (النساء: 117) "یہ مشرک اللہ کے سوا نہیں عبادت کرتے مگر دیویوں کی اور یہ نہیں عبادت کرتے مگر سرکش شیطان کی"۔ شیطان کے متعلق فرمایا: اِنَّ الشَّيْطٰنَ۔ یعنی شیطان اللہ تعالیٰ کا مخالف اور اس کی اطاعت سے تکبر اور روگردانی کرنے والا ہے۔ اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے اسے رحمت سے دور کر دیا اور اپنی بارگاہ سے دھتکار دیا، اس لئے اس کی اتباع نہ کریں ورنہ اس جیسا ہو جائیں گے۔ اے میرے باپ! مجھے

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 513

اندیشہ ہے کہ شرک اور میری نافرمانی کے باعث رحمٰن کی طرف سے کہیں عذاب آپ کو پہنچ جائے اور اگر آپ شیطان کی اتباع کرتے رہے تو وہی آپ کا دوست ہوگا لیکن اس وقت وہ کسی کام نہیں آئے گا بلکہ عذاب آپ کو گھیر لے گا جیسا کہ فرمایا: تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (النحل: 63)۔

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝

"باپ نے کہا کیا روگردانی کرنے والا ہے تو میرے خداؤں سے اے ابراہیم! اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کردوں گا اور دور ہو جا میرے سامنے سے کچھ عرصہ۔ ابراہیم نے (جواب میں) کہا سلام ہو تم پر۔ میں مغفرت طلب کروں گا تیرے لئے اپنے رب سے۔ بے شک وہ مجھ پر بے حد مہربان ہے اور میں الگ ہو جاؤں گا تم سے اور (ان سے بھی) جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور میں اپنے رب کی عبادت کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کی برکت سے نامراد نہیں رہوں گا"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت پر آپ کے باپ نے جو جواب دیا، اس کا تذکرہ ہو رہا ہے اَرَاغِبٌ یعنی اگر تم میرے خداؤں کی عبادت سے روگردانی کیے ہوئے ہو تو انہیں سب وشتم کرنے اور ان کی عیب جوئی کرنے سے باز آ جاؤ۔ اگر تم باز نہ آئے تو میں تم سے اس کا بدلہ لوں گا اور تمہیں سب وشتم کروں گا۔ بقول ابن عباس، سدی، ابن جریج، ضحاک وغیرہ لَاَرْجُمَنَّكَ کا یہی مطلب ہے (1)۔ مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر اور محمد بن اسحاق نے "مَلِيًّا" کا معنی بتایا ہے کچھ عرصہ۔ حسن بصری رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کا معنی ہے: طویل زمانہ۔ سدی کے بقول اس کا معنی ہے ہمیشہ۔ حضرات ابن عباس، ضحاک، قتادہ، عطیہ جدلی اور ابو مالک وغیرہ نے وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا کا مطلب بتایا ہے کہ تم مجھ سے صحیح سالم الگ ہو جاؤ اس سے پہلے کہ میں تمہیں سزا دوں۔ ابن جریر نے اس قول کو پسند کیا ہے (2)۔ اس پر حضرت ابراہیم نے اپنے باپ سے کہا: "سلام علیک" یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ مومنین کے متعلق فرمایا: وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (الفرقان: 63)" اور جب جاہل ان سے گفتگو کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں تم سلامت رہو"۔ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ (القصص: 55)" اور جب وہ کسی بیہودہ بات کو سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال، تم سلامت رہو ہم جاہلوں (سے الجھنے) کے خواہاں نہیں"۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ کہہ کر سَلٰمٌ عَلَيْكَ اپنے باپ کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ نہ میں آپ کو کوئی گزند پہنچاؤں گا اور نہ آپ کے ساتھ کوئی ناروا بات کروں گا۔ یہ باپ کی حرمت کے پیش نظر تھا۔ پھر فرمایا: سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ یعنی میں تو آپ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے یہی التجا کروں گا کہ وہ آپ کو ہدایت نصیب فرمائے اور آپ کے گناہ بخش دے۔ وہ بڑا شفیق مجھ پر بے حد مہربان ہے۔ یہ اس کا لطف و کرم ہی ہے کہ اس نے مجھے اپنی عبادت اور اخلاص کی توفیق مرحمت فرمائی۔ قتادہ اور مجاہد "حَفِيًّا" کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دعا کی قبولیت کا مجھے خوگر بنایا ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ "حفی" سے مراد وہ ہے جو کسی کے معاملہ کا اہتمام کرے۔ حضرت

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 91　　2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 92

ابراہیم علیہ السلام طویل مدت تک اپنے باپ کیلئے استغفار کرتے رہے بلکہ شام کی طرف ہجرت کرنے، مسجد حرام کی تعمیر کرنے اور حضرات اسماعیل واسحاق علیہما السلام کی ولادت کے بعد بھی اس قول کے ساتھ طلب مغفرت کرتے رہے: رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ (ابراہیم: 41) ''اے ہمارے رب! بخش دے مجھے اور میرے ماں باپ کو اور سب مومنوں کو جس دن حساب قائم ہوگا''، آغاز اسلام میں مسلمان بھی حضرت ابراہیم کی اقتدا کرتے ہوئے اپنے مشرک اعزہ واقارب کیلئے استغفار کیا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ فرمان نازل ہوا: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ - اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ (الممتحنہ: 4) ''بے شک تمہارے لیے خوبصورت نمونہ ہے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں جب انہوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور ان معبودوں سے بیزار ہیں جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو۔ مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے یہ کہنا کہ میں ضرور تمہارے لیے مغفرت طلب کروں گا اور میں تمہارے لیے اللہ کے سامنے کسی نفع کا مالک نہیں ہوں''۔ یعنی اس قول میں تم حضرت ابراہیم کی اقتدا نہ کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے بعد میں اس سے رجوع کر لیا جیسا کہ فرمان ہے: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ - وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ (التوبہ: 113-114) ''درست نہیں ہے نبی کیلئے اور نہ ایمان والوں کیلئے کہ وہ مشرکوں کے واسطے مغفرت طلب کریں اگرچہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی ہوں جب کہ واضح ہوگیا ان پر کہ یہ دوزخی ہیں اور نہ تھی استغفار ابراہیم کی اپنے باپ کیلئے مگر ایک وعدہ کی وجہ سے جو انہوں نے اس سے کیا تھا اور جب آپ پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ اس سے بیزار ہوگئے۔ بے شک ابراہیم بڑے ہی نرم دل اور بردبار تھے''، پھر فرمایا: وَاَعْتَزِلُكُمْ - یعنی میں تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے بیزار اور اجتناب کرنے والا ہوں جنہیں تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پوجتے ہو اور میں تو صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کی برکت سے نامراد نہیں رہوں گا یہاں لفظ ''عسیٰ'' یقین کے معنی میں ہے کیونکہ آپ حضرت محمد ﷺ کے بعد سید الانبیاء ہیں۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿٤٩﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿٥٠﴾

''پس جب وہ جدا ہوگیا ان سے اور جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر، تو عطا فرمایا ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب۔ اور سب کو ہم نے نبی بنایا۔ اور ہم نے عطا فرمائیں انہیں اپنی رحمت سے (طرح طرح کی نعمتیں) اور ہم نے ان کے لئے سچی اور دائمی تعریف کی آواز بلند کردی''۔

جب حضرت خلیل علیہ السلام اپنے باپ اور اپنی قوم سے رضائے الٰہی کی خاطر الگ تھلگ ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت اسحاق علیہ السلام جیسے بیٹے اور حضرت یعقوب علیہ السلام جیسے پوتے کی صورت میں نعم البدل عطا فرمادیا جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً (الانبیاء: 72)، وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ (ہود: 71) اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے والد گرامی ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ میں واضح طور پر فرمایا: اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ (البقرۃ: 133) ''بھلا کیا تم موجود تھے جب آ پہنچی

یعقوب کو موت جب اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے عرض کی ہم عبادت کریں گے آپ کے خدا کی اور آپ کے بزرگوں ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کے خدا کی"۔ یہاں حضرات اسحاق و یعقوب علیہما السلام کا ذکر کیا جس سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایسا بیٹا اور پوتا عطا فرمائے جو آپ کی زندگی میں ہی منصب نبوت پر فائز ہوئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کیں، اس لئے فرمایا: وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام آپ کی حیات مبارکہ میں نبی نہ بنائے جاتے تو صرف آپ کے ذکر پر اکتفاء نہ کیا جاتا بلکہ آپ کے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام کا بھی ساتھ ہی ذکر ہوتا کیونکہ آپ بھی نبی ہیں جیسا کہ ایک حدیث صحیح میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سے سب سے بہتر شخص کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: "یوسف نبی اللہ ابن یعقوب نبی اللہ ابن اسحاق نبی اللہ ابن ابراہیم خلیل اللہ"(1)۔ ایک اور حدیث میں یہ الفاظ ہیں "کریم بن کریم بن کریم بن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم"(2)۔ آیت کریمہ میں لفظ لِسَانَ صِدْقٍ سے مراد ذکرِ خیر اور ثناء جمیل ہے۔ لِسَانَ صِدْقٍ کو "عَلِيًّا" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ہر ملت اور ہر دین کے حامل لوگ آپ کی مدحت اور تعریف کرتے ہیں(3)۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰىۤ ۫ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۝

"اور ذکر فرمایئے کتاب میں موسیٰ کا۔ بیشک وہ (اللہ کے) چنے ہوئے تھے اور رسول و نبی تھے۔ اور ہم نے انہیں پکارا طور کی دائیں جانب سے اور ہم نے انہیں قریب کیا راز کی باتیں کرنے کے لئے۔ اور ہم نے بخشا انہیں اپنی خاص رحمت سے ان کا بھائی ہارون جو نبی تھا"۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ذکر کے بعد اب حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا تذکرہ رہا ہے۔ "مُخْلَصًا" کی دوسری قراءت "مُخْلِصًا" لام کے کسرہ کے ساتھ ہے یعنی وہ عبادت میں اخلاص رکھنے والے تھے۔ مروی ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا: اے روح اللہ! یہ فرمایئے کہ اللہ کیلئے مخلص شخص کون ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ جو خالص اللہ کی رضا کیلئے عمل کرے اور اس پر لوگوں کی تعریف کا خواہشمند نہ ہو۔ اگر مخلصاً لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھیں تو اس کا معنی ہے برگزیدہ اور چنا ہوا، جیسا کہ فرمایا: اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ (الاعراف: 144) "میں نے تمہیں تمام لوگوں پر چن لیا"۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت اور رسالت دونوں سے سرفراز کیا گیا۔ آپ پانچ بڑے بڑے اولوا العزم رسولوں میں سے ایک ہیں یعنی نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد صلوات اللہ وسلامہ علیہم وعلی سائر الانبیاء اجمعین۔ فرمایا: وَنَادَيْنٰهُ... یعنی ہم نے انہیں طور پہاڑ کی دائیں جانب سے آواز دی اور راز کی باتیں کرنے کیلئے انہیں اپنے قریب کر لیا۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ آگ کی تلاش میں نکلے۔ دور سے آگ دکھائی تو اس طرف چل پڑے۔ یہاں طور کی دائیں جانب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہمکلامی کی شرف بخشا اور راز کی باتیں کرنے کیلئے اپنے قریب کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کو اس قدر قریب کیا گیا کہ آپ قلم چلنے کی آواز سننے لگے۔ مجاہد اور ابو العالیہ وغیرہ بھی یہی کہتے ہیں کہ تورات لکھتے ہوئے قلم کی آواز آپ کو سنائی دینے لگی۔ سدی کہتے ہیں کہ آپ آسمان میں گئے اور اللہ تعالیٰ سے ہمکلام

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 170۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1846

2۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، جلد 4 صفحہ 181

3۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 93

ہوئے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر راز کی باتیں بتانے کیلئے اپنے قریب کیا تو فرمایا: اے موسیٰ! جب میں تمہیں شکر گذار دل، ذکر کرنے والی زبان اور ایسی بیوی عطا کر دوں جو بھلائی کے کاموں میں تمہاری معاون ہو تو سمجھ لیں کہ میں نے تم سے کوئی بھلائی چھپا کر نہیں رکھی اور جس شخص سے میں یہ چیزیں روک کر رکھ لوں تو اسے میں نے کوئی بھلائی عطا نہیں کی۔ پھر فرمایا: وَوَهَبْنَا لَهُ ... یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی درخواست اور اپنے بھائی کے متعلق ان کی سفارش کو قبول کرتے ہوئے انہیں بھی منصب نبوت پر فائز کر دیا جیسا کہ اور آیت میں فرمایا: وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْۤ ۫ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ (القصص: 144) ''اور میرا بھائی ہارون، وہ گفتگو کرنے میں مجھ سے زیادہ فصیح ہے تو اسے میرے ساتھ میرا مددگار بنا کر بھیج تا کہ وہ میری تصدیق کرے۔ میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے''۔ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰى (طٰہٰ: 36) ''اے موسیٰ! آپ کی درخواست منظور کر لی گئی ہے''، فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ۝ وَلَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ (الشعراء: 14-13) ''سو وحی بھیج ہارون کی طرف اور ان کا میرے ذمہ ایک جرم بھی ہے اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے''۔ اس لئے کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ دنیا میں کسی نے کسی کیلئے اس سے زیادہ بہتر اور عظیم سفارش نہیں کی جو سفارش حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کیلئے کی تھی کہ وہ بھی مقام نبوت پالیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ انہیں بھی نبوت مل جائے۔

وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا ۝ وَكَانَ یَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۪ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِیًّا ۝

''اور ذکر کیجئے کتاب میں اسماعیل کو بے شک وہ وعدہ کے سچے تھے اور رسول (اور) نبی تھے۔ اور وہ حکم دیا کرتے تھے اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے اور زکوۃ ادا کرنے کا۔ اور اپنے رب کے نزدیک بڑے پسندیدہ تھے''۔

اللہ تعالیٰ عرب حجاز کے باپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعریف فرما رہا ہے کہ وہ وعدے کے سچے تھے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کیا یعنی ہر نذر مانی ہوئی عبادت کو بجالاتے اور اس کا پورا پورا حق ادا کرتے۔ سہل بن عقیل کہتے ہیں کہ آپ نے ایک شخص کے ساتھ کسی جگہ ملاقات کا وعدہ کیا۔ آپ حسب وعدہ وقت مقررہ پر اس جگہ پہنچ گئے لیکن وہ شخص بھول گیا، حضرت اسماعیل علیہ السلام وہاں ہی ٹھہرے رہے۔ اگلے روز وہ شخص وہاں آیا تو آپ کو اس مقام پر دیکھ کر کہنے لگا کہ آپ کل سے یہاں ہی ٹھہرے ہوئے ہیں؟ معذرت کرتے ہوئے کہنے لگا کہ میں تو بھول ہی گیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے آنے سے پہلے اس جگہ کو کیسے چھوڑ سکتا تھا، اسی لئے فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ (1)۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ آپ اس جگہ ایک سال تک اس شخص کا انتظار کرتے رہے۔ ابن شوذب کہتے ہیں کہ آپ نے اس جگہ کو اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن ابی الحمساء بیان کرتے ہیں کہ اعلان نبوت سے پہلے میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تجارتی سودا کیا۔ میرے ذمے آپ کا کچھ بقایا تھا۔ میں نے آپ کے ساتھ وعدہ کیا کہ آپ اس جگہ ٹھہریں میں ابھی آتا ہوں لیکن میں اپنے وعدہ کو بھول گیا۔ تیسرے دن یاد آنے پر جب میں اس جگہ پر گیا تو میں نے آپ کو وہاں ہی پایا۔ آپ نے مجھے صرف یہی فرمایا: ''اے نوجوان! تو نے مجھے مشقت میں ڈال دیا میں یہاں تین دن سے تمہارا انتظار کر

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 95

رہا ہوں"(1)۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو "صادق الوعد" کہنے کی وجہ آپ کا اپنے والد گرامی سے یہ کہنا ہے: سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ (الصافات:102) وعدہ وفا کرنا صفات حمیدہ میں سے ہے جبکہ وعدہ خلافی صفات مذمومہ میں سے ہے جیسا کہ فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف:3-2) "اے ایمان والو! تم کیوں ایسی بات کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ اللہ کے نزدیک بڑی ناراضگی کا باعث ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں ہو"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں: "جب وہ گفتگو کرے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرتا ہے"(2)۔ یہ منافقین کی صفات ہیں اور ان صفات کے برعکس صفات سے متصف ہونا اہل ایمان کی شان ہے، اس لئے صدقِ وعدہ کے سبب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعریف کی ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی اپنے وعدہ کے سچے اور پابند تھے۔ کسی کے ساتھ جو بھی وعدہ آپ نے کیا، اسے وفا کیا۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابوالعاص بن ربیع کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: "اس نے جو بھی بات میرے ساتھ کی اس میں سچ بولا اور جو بھی وعدہ اس نے میرے ساتھ کیا، اسے پورا کیا"(3)۔ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امور خلافت سنبھالتے ہی فرمایا کہ جس شخص سے رسول اللہ ﷺ نے کوئی وعدہ کر رکھا ہو یا آپ ﷺ کے ذمے کسی کا قرض ہو تو وہ میرے پاس آئے، میں اسے پورا کروں گا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے ساتھ یہ وعدہ کر رکھا تھا کہ اگر بحرین کا مال آیا تو میں تمہیں اتنا، اتنا اور اتنا یعنی لپ بھر بھر کر دوں گا۔ جب بحرین کا مال آیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو اس میں سے لپ بھرنے کا حکم دیا۔ آپ کے حکم سے گنتی کی تو وہ پانچ سو درہم نکلے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں ان کے ساتھ دوگنا مزید (کل پندرہ سو) عطا فرمائے(4)۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنے بھائی حضرت اسحاق علیہ السلام پر زیادہ شرف حاصل تھا کیونکہ حضرت اسحاق کو صرف نبوت سے سرفراز کیا گیا جبکہ آپ کو نبوت اور رسالت دونوں سے۔ ایک حدیث میں رسول ﷺ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم میں سے اسماعیل کو چن لیا(5)۔ پھر آپ علیہ السلام کی مزید صفتِ حمیدہ، خصلتِ نبیلہ اور ثنا جمیل کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَكَانَ يَاْمُرُ ... یعنی آپ نہ صرف خود اطاعت الٰہی پر پوری طرح کاربند تھے بلکہ اپنے گھر والوں کو بھی اس کا حکم دیا کرتے تھے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا: وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (طٰہٰ:132) "اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجیے اور خود بھی اس پر پابند رہیے"۔ اسی طرح فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (التحریم:6) "اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تند خو، سخت مزاج ہیں نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اس نے انہیں حکم دیا ہے اور فوراً بجالاتے ہیں جو ارشاد انہیں فرمایا جاتا ہے"۔ یعنی اپنے گھر والوں کو نیکی کا حکم دو، برائی سے منع کرو اور انہیں یونہی بے لگام نہ چھوڑ دو ورنہ قیامت کے دن وہ آگ کا ایندھن ہوں گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 299 وغیرہ　　2۔ فتح الباری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 89، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 78

3۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابۃ، جلد 3 صفحہ 249، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، جلد 4 صفحہ 1903

4۔ فتح الباری، کتاب الہبۃ، جلد 5 صفحہ 222-221، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1806　　5۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1722

سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ ایسے مرد پر رحم فرمائے جو رات کو نماز تہجد پڑھنے کیلئے اٹھتا ہے اور اپنی بیوی کو بھی بیدار کرتا ہے۔ اگر وہ نہ اٹھے تو اس کے منہ پر پانی چھڑکتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس عورت پر رحم فرمائے جو رات کے وقت تہجد کیلئے اٹھتی ہے اور اپنے خاوند کو بھی بیدار کرتی ہے۔ اگر وہ بیدار نہ ہو تو اس کے منہ پر پانی چھڑکتی ہے"(1)۔ حضرات ابو سعید اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب ایک آدمی رات کو جاگے اور اپنی بیوی کو بھی جگائے، پھر دونوں دو رکعت نماز ادا کر لیں تو انہیں ان مردوں اور عورتوں میں لکھ لیا جاتا ہے جو بہت زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں(2)۔

وَاذۡكُرۡ فِي الۡكِتٰبِ اِدۡرِيۡسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيۡقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ۙ وَّرَفَعۡنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾

"اور ذکر فرمائیے کتاب میں ادریس (علیہ السلام) کا بے شک وہ بڑے راست باز تھے (اور) نبی تھے۔ اور ہم نے بلند کیا تھا انہیں بڑے اونچے مقام تک"۔

حضرت ادریس علیہ السلام کی توصیف ہو رہی ہے کہ آپ راست باز نبی تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ مقام تک بلند کیا۔ حدیث صحیح میں گزر چکا ہے کہ معراج کی رات رسول اللہ ﷺ کی چوتھے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ اس مقام پر ابن جریر نے ایک عجیب و غریب اثر روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت کعبؓ سے اس آیت وَّرَفَعۡنٰهُ..... کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ ہر روز میں تمام اولاد آدم کے اعمال کے برابر تمہارے لیے اعمال بلند کرتا ہوں۔ اس پر آپ نے چاہا کہ مزید عمل کریں۔ جب آپ کا دوست فرشتہ آیا تو آپ نے اسے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف یہ وحی کی ہے، اب تم ملک الموت سے بات کرو کہ وہ میری روح قبض کرنے میں تاخیر کریں تاکہ میں مزید اعمال کر سکوں۔ اس فرشتے نے آپ کو اپنے دونوں پروں کے درمیان لے کر اٹھایا اور آپ کو لے کر آسمان پر چڑھ گیا۔ چوتھے آسمان میں پہنچے تو دیکھا کہ ملک الموت نیچے اتر رہے ہیں۔ فرشتے نے ان سے حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق سفارش کی تو وہ پوچھنے لگے کہ ادریس کہاں ہیں؟ فرشتے نے جواب دیا کہ یہ دیکھیں، میری پیٹھ پر ہیں۔ ملک الموت کہنے لگے کہ بڑے تعجب کی بات ہے، مجھے چوتھے آسمان میں ادریس علیہ السلام کی روح قبض کرنے کیلئے بھیجا گیا۔ میں سوچنے لگا کہ وہ تو زمین پر ہیں، بھلا چوتھے آسمان میں ان کی روح کیسے قبض کر سکتا ہوں، چنانچہ وہاں ہی ان کی روح قبض کر لی گئی۔ یہی اس آیت کا مطلب ہے۔ یہ حضرت کعب کی اسرائیلی روایات میں سے ہے جس کے بعض حصے میں نکارت ہے۔ ابن ابی حاتم میں بھی یہ روایت مذکور ہے۔ اس میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ نے اس فرشتے سے کہا تھا کہ ملک الموت سے پوچھیں میری کتنی عمر باقی ہے تاکہ میں زیادہ سے زیادہ اعمال کر سکوں۔ اس روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ فرشتے کے سوال پر ملک الموت نے کہا مجھے معلوم نہیں، البتہ میں دیکھ کر بتاتا ہوں۔ دیکھ کر کہنے لگے کہ ان کی عمر تو صرف پلک جھپکنے کی مقدار باقی ہے۔ اب فرشتے نے اپنے پر تلے دیکھا تو حضرت ادریس علیہ السلام کی روح قبض کی جا چکی تھی(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام درزی تھے جب بھی آپ سوئی کے ساتھ ٹانکا لگاتے تو سبحان اللہ کہتے۔ جب شام ہوتی تو روئے زمین پر آپ سے بڑھ کر نیک اعمال والا شخص کوئی نہ ہوتا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام فوت نہیں ہوئے بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 70، سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 424

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 70، سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 423

3۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 96

طرح آپ بھی آسمانوں پر اٹھالیے گئے(1)۔آپ چوتھے آسمان میں ہیں۔عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ کو چھٹے آسمان پر اٹھالیا گیا اور وہیں آپ نے وصال فرمایا۔حضرت حسنؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ بلند مکان سے مراد جنت ہے۔

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ مِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِن ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۚ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۩ ﴿٥٨﴾

''یہ وہ (مقدس ہستیاں ہیں) جن پر انعام فرمایا اللہ تعالیٰ نے انبیاء (کرام کے زمرہ) سے یہ آدم کی اولاد سے تھے اور بعض ان کی اولاد جن کو ہم نے سوار کیا تھا (کشتی میں) نوح علیہ السلام کے ساتھ اور بعض ابراہیم اور یعقوب کی اولاد سے تھے۔ اوران میں سے جنہیں ہم نے ہدایت دی اور چن لیا۔ جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے رحمٰن کی آیتیں تو وہ گر پڑتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور (زاروقطار) روتے ہوئے''۔

یہاں اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ تمام انبیاء کرام کا ذکر ہورہا ہے،اس سورت میں جن انبیاء کا ذکر ہوا ہے،صرف وہی مراد نہیں بلکہ جنس انبیاء علیہم السلام مراد ہے۔ چند ایک کا تذکرہ کرنے کے بعد ساری جنس کے ذکر کی طرف اعطراد کیا۔سدی اور ابن جریر کہتے ہیں کہ مِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ سے مراد حضرت ادریس علیہ السلام ہیں، مِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ سے مراد حضرت ابراہیم، مِن ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ سے مراد حضرات اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اور مِن ذُرِّيَّةِ إِسْرَائِيلَ سے مراد حضرات موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام، زکریا علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام، اور عیسیٰ علیہ السلام ہیں، اس لیے ان کے نسب متفرق طور پر بیان کیے اگرچہ تمام اولاد آدم سے ہیں کیونکہ ان میں سے بعض ان حضرات کی نسل سے نہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے، وہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے دادا تھے(2)۔یہی بات زیادہ واضح ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے بالائی نسب میں ہیں۔بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے تھے، ان کی دلیل حدیث معراج ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام نے حضور اکرم ﷺ سے کہا تھا! خوش آمدید اے صالح نبی اور اے صالح بھائی۔انہوں نے آپ علیہ السلام کو صالح بیٹا نہیں کہا جیسا کہ حضرات آدم و ابراہیم علیہما السلام نے کہا تھا۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے ہوئے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی قوم کی طرف مبعوث فرمایا تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ کے قائل ہو جاؤ اور پھر جو چاہو کرو لیکن انہوں نے اس کا انکار کر دیا جس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان سب کو برباد کر دیا۔(3) اس بات کی دلیل کہ یہاں آیت کریمہ میں جنس انبیاء مراد ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ ..... أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (الانعام: 84-91) اسی طرح فرمایا مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (المومن: 78) ''ان میں سے بعض کا ذکر ہم نے آپ سے کر دیا اور ان میں بعض کا ذکر ہم نے آپ سے نہیں کیا''۔ مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا سورۂ ص میں سجدہ ہے؟ آپ نے جواب دیا: ہاں پھر اس آیت أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ... کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے نبی کو بھی ان کی اقتداء کرنے کا حکم ہوا اور حضرت داؤد بھی انہی مقتدا نبیوں

1۔تفسیر طبری، جلد 16، صفحہ 96 2۔تفسیر طبری، جلد 16، صفحہ 97 3۔الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 517

میں ہے ہیں (1)۔ ان مقدس ہستیوں سے متعلق فرمایا: اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ یعنی جب یہ لوگ وہ آیتیں سے اپنے پروردگار کلام الٰہی کو سنتے تو خشوع وخضوع کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں کا شکر بجا لاتے ہوئے اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے متفقہ طور پر ان انبیاء کی اقتداء اور اتباع میں یہاں سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ ابو معمر کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کی تلاوت کی اور اس آیت پر سجدہ کیا، پھر فرمانے لگے کہ یہ سجدہ تو ہو گیا لیکن وہ بیا رونا کہاں سے لائیں (2)۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا ﴿۵۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا یُظْلَمُوْنَ شَیْـًٔا ﴿۶۰﴾

''پس جانشین بنے ان کے بعد وہ ناخلف جنہوں نے ضائع کیا نمازوں کو اور پیروی کی خواہشات (نفسانی) کی سو وہ دوچار ہوں گے اپنی نافرمانی (کی سزا) سے۔ مگر جو تائب ہوئے اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا ظلم نہیں کیا جائے گا''۔

سعادت مند اور نیک گروہ کا ذکر ہوا۔ یہ گروہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں پر مشتمل تھا جو اللہ تعالیٰ کی حدود اور اوامر کو بجالاتے، اس کے فرائض ادا کرتے اور نواہی سے اجتناب کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد ان کے نااہل اور ناخلف جانشینوں کا ذکر ہو رہا ہے جو نمازوں سے غافل ہو گئے۔ جب وہ دین کے ستون، بنیاد اور سب سے بہتر عمل نماز سے لاپرواہ ہو کر اس فریضہ کو ضائع کرنے پر اتر آئے تو دیگر واجبات سے وہ اس سے بھی زیادہ لاپرواہ ہوں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ دنیاوی شہوات اور لذتوں میں کھو کر صرف دنیاوی زندگی پر راضی اور مطمئن ہو گئے۔ یہ لوگ قیامت کے دن بہت بڑے خسارے سے دوچار ہوں گے۔ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہاں نماز کے ضائع کرنے سے کیا مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے، نماز کو بالکل ترک کر دینا۔ یہ قول محمد بن کعب قرظی، ابن زید بن اسلم اور سدی کا ہے اور ابن جریر نے بھی اسے پسند کیا ہے۔ اسی لیے امام احمدؒ اور متعدد سلف وخلف کا یہ مذہب ہے کہ نماز کا تارک کافر ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیثیں ہیں: ''بندے اور شرک کے درمیان ترکِ صلوٰۃ ہے'' (3)۔ ''ہم میں اور ان میں فرق نماز کا ہے جس نے اس چھوڑ دیا، اس نے کفر کیا'' (4)۔ اس مسئلہ کی وضاحت کا یہ مقام نہیں۔ قاسم بن مخیمرہ کہتے ہیں کہ نماز کو ضائع کرنے سے مراد اس کے اوقات کی پابندی نہ کرنا ہے۔ اگر ترکِ نماز کا ذکر ہوتا تو اس سے مراد کفر لیا جاتا (5)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں نماز کا بار بار ذکر فرمایا ہے، کہیں فرمایا: الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (الماعون: 5) کسی جگہ فرمایا: عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ (المعارج: 34) اور کسی مقام پر ارشاد فرمایا: عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ (المعارج: 23) اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ ان سے مراد اوقاتِ صلوٰۃ کی پابندی کرنا ہے۔ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ یہ ترکِ صلوٰۃ کے متعلق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ترکِ صلوٰۃ تو کفر ہے۔ مسروق فرماتے ہیں کہ نماز پنجگانہ کی پابندی کرنے والا غافلوں میں نہیں لکھا جاتا۔ ان میں افراط باعث ہلاکت ہے اور افراط سے مراد ہے: ان کے اوقات کی پابندی نہ کر کے انہیں ضائع کرنا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ انعام، جلد 6 صفحہ 71 — 2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 98

3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 88۔ سنن ابی داود، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 219

4۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الایمان، جلد 10 صفحہ 89-90۔ سنن نسائی، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 231 — 5۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 98

اس آیت فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کہ ضائع کرنے سے مراد ترک کرنا نہیں بلکہ اوقات کی پابندی نہ کرنا ہے(1)۔ مجاہد اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ قیامت کے قریب آئیں گے جب کہ نیک لوگ دنیا سے اٹھ چکے ہوں گے۔ اس وقت یہ لوگ بازاروں میں ایک دوسرے پر اچھلیں کودیں گے۔ حضرات عکرمہ اور عطاء بن ابی رباح کا بھی یہی کہنا ہے کہ اس سے مراد اس امت کے وہ لوگ ہیں جو آخر زمانہ میں آئیں گے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ اس امت کے ایسے لوگ ہوں گے جو سر عام رستوں میں جانوروں اور گدھوں کی طرح ایک دوسرے پر چڑھ دوڑیں گے۔ نہ انہیں اللہ تعالیٰ کا خوف ہوگا اور نہ لوگوں کا حیا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "ساٹھ سال کے بعد ایسے ناخلف لوگ آئیں گے جو نمازوں کو ضائع کریں گے، خواہشات نفسانی کی پیروی کریں گے اور اس گمراہی کی سزا کا سامنا کریں گے۔ پھر ایسے ناخلف لوگ ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ سنو! قرآن پڑھنے والے تین قسم کے لوگ ہیں: مومن، منافق اور فاجر" اس حدیث کے راوی بشیر نے اپنے شیخ ولید سے جب ان تینوں کی تفصیل پوچھی تو انہوں نے فرمایا: مومن اس کی تصدیق کرنے والا ہے، منافق اس کا انکار کرنے والا ہے اور فاجر اسے بیچ کھانے والا ہے(2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا جب اصحاب صفہ کی طرف کوئی صدقہ بھیجتیں تو ساتھ ہی یہ بھی فرمادیتیں کہ اس میں سے کسی بربری مرد اور عورت کو نہ دینا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "یہی وہ ناخلف ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ یہ حدیث غریب ہے۔ محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد شاہان مغرب ہیں جو نہایت برے لوگ ہیں۔ حضرت کعب الاحبار فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! میں کتاب اللہ میں منافقین کے اوصاف پاتا ہوں: یہ شراب کے رسیا، نماز کے تارک، چوسر وغیرہ کھیلنے والے، نماز عشاء کے وقت سو جانے والے، کھانے میں افراط کرنے والے اور جماعتوں کو چھوڑنے والے۔ پھر انہوں نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو مساجد سے منہ موڑ کر اپنی جائیدادوں میں منہمک رہتے ہیں۔ ابو الاشہب عطاردی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کرتے ہوئے فرمایا: اے داؤد! اپنے ساتھیوں کو خبردار کر دیں کہ وہ خواہشات نفسانی سے باز رہیں کیونکہ جن لوگوں کے دل دنیاوی خواہشات کے ساتھ چمٹے رہتے ہیں، میں ان کی عقلوں پر پردے ڈال دیتا ہوں اور جو بندہ شہوت کو ترجیح دیتا ہے تو سب سے ہلکی سزا میں یہ دیتا ہوں کہ اسے اپنی اطاعت سے محروم کر دیتا ہوں۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے اپنی امت کے متعلق دو چیزوں کا اندیشہ ہے: قرآن اور لبن" لبن سے مراد یہ کہ لوگ جھوٹ کی پیروی کریں گے، شہوات کے پیچھے پڑ جائیں گے اور نمازوں کو ترک کریں گے، قرآن کے متعلق یہ خوف ہے کہ اسے منافقین سیکھیں گے اور اس کے متعلق مومنین کے ساتھ جھگڑیں گے(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آیت کریمہ میں لفظ "غیّ" کا معنی خسارہ بتاتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس کا معنی شر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ جہنم میں ایک وادی ہے جو بہت زیادہ گہری اور سخت بدبودار ہے۔ ابو عیاض فرماتے ہیں کہ یہ جہنم میں پیپ اور خون سے بھری ہوئی وادی ہے۔ حضرت لقمان بن عامر خزاعی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو امامہ صدی بن عجلان باہلی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور ان سے گذارش کی کہ مجھے کوئی حدیث سنائیں۔ آپ نے کھانا منگوایا پھر یہ حدیث بیان کی جس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "اگر دس اوقیہ وزنی پتھر جہنم کے کنارے سے اس میں پھینکا جائے تو وہ پچاس سال تک جہنم

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 99 2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 38-39 3۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 146،156

کی تہ تک نہیں پہنچے گا، پھر وہ غی اور اثام تک پہنچے گا"۔ میں عرض کی کہ غی اور آثام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ جہنم کے نیچے دو کنویں ہیں جن میں جہنمیوں کی پیپ بہتی ہے" ان دونوں کا ذکر ہی ان آیات میں کیا گیا ہے: فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا اور ۔ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا (1)۔ یہ حدیث غریب اور منکر ہے۔ پھر ان لوگوں سے استثناء کرتے ہوئے فرمایا: إِلَّا مَن تَابَ ۔ یعنی جو لوگ ترک صلوات اور اتباع شہوات سے توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا، ان کی عاقبت سنوار دے گا اور انہیں نعمتوں بھری جنت کے وارثوں میں شامل فرما دے گا، اسی لئے فرمایا: فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ ۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ توبہ پہلے گناہوں کو ملیا میٹ کر دیتی ہے اور حدیث شریف میں آتا ہے: "گناہ سے توبہ کرنے والا گناہ سے پاک شخص کی طرح ہے"(2)۔ یہ اس کریم کا کرم اور اس حلیم کا علم ہے کہ وہ ان توبہ کرنے والے لوگوں کے اعمال میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں کرے گا بلکہ پورا پورا اجر عطا فرمائے گا اور توبہ سے پہلے کیے گئے گناہوں پر گرفت بھی نہیں کرے گا کیونکہ توبہ پہلے گناہوں کو بالکل مٹا دیتی ہے۔ یہاں استثناء ایسے ہی ہے جیسے سورہ فرقان میں فرمایا: وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ...... وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا (الفرقان: 70-68)۔

جَنَّاتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ ۚ إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا ﴿٦١﴾ لَّا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا ۖ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ﴿٦٢﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَن كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾

"سدا بہار چمن جن کا وعدہ (خداوند) رحمن نے اپنے بندوں سے غیب میں کیا ہے۔ یقیناً اس کا وعدہ پورا ہو کر رہنے والا ہے۔ نہیں سنیں گے جنت میں کوئی لغوبات بجز سلامت رہو کی دعائیہ صدا۔ اور انہیں ان کا رزق ملے گا وہاں ہر صبح وشام۔ یہ وہ جنت ہے جس کا ہم وارث بنائیں گے اپنے بندوں سے (صرف) اس کو جو متقی ہوگا"۔

ان جنات کا تذکرہ ہو رہا ہے جن میں توبہ کرنے والے حضرات داخل ہوں گے۔ یہ ہمیشہ رہنے والے سدا بہار چمن ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ کر رکھا ہے۔ شدتِ ایقان اور قوتِ ایمان کے باعث وہ بن دیکھے اس پر ایمان لے آئے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ یقینی، حتمی اور اٹل ہوتا ہے۔ نہ وہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی کرتا ہے اور نہ اسے تبدیل کرتا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا (المزمل: 18)" اللہ کا وعدہ تو پورا ہو کر رہے گا" اور یہاں فرمایا: إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا یعنی بندے ضرور اس وعدہ تک پہنچیں گے اور اسے پائیں گے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہاں ماتیًا (اسم مفعول)، آتیًا (اسم فاعل) کے معنی میں ہے کیونکہ جو تمہارے پاس پہنچے گویا تم اس کے پاس پہنچ گئے جیسا کہ عرب کہتے ہیں: اَتَتْ عَلَيَّ خَمْسُونَ سَنَةً (مجھ پر پچاس سال گذر گئے) اور أَتَيْتُ عَلَى خَمْسِينَ سَنَةً (میں پچاس سال کو پہنچ گیا) دونوں جملے ہم معنی ہیں(3)۔ فرمایا: لَا يَسْمَعُونَ ۔ یعنی ان باغات میں کوئی لغو، سوقیانہ، گھٹیا اور مطلب سے خالی کلام نہیں ہوگی جیسا کہ بعض اوقات دنیا میں ایسی گفتگو ہوتی ہے۔ "إِلَّا سَلَامًا" میں استثناء منقطع ہے جیسا کہ اس فرمان میں: لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ۝ إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا (الواقعہ: 26-25)" نہ سنیں گے وہاں لغو باتیں اور نہ گناہ والی باتیں بس ہر طرف سے سلام ہی سلام کی آواز آئے گی) پھر فرمایا: وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ ۔ "یہاں صبح وشام کے ذکر کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ

1۔ الفرقان: 68، تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 100
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1420-1419
3۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 102-101

وہاں دن اور رات ہوں گے بلکہ صبح و شام کی مثل اوقات مراد ہیں، جن کے گذرنے کا اندازہ انہیں اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ انوار سے ہوگا جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''سب سے پہلے گروہ جو جنت میں داخل ہوگا ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح نورانی ہوں گے۔ وہاں نہ انہیں تھوک آئے گی، نہ رینٹ اور نہ پاخانہ۔ ان کے برتن اور کنگھیاں سونے اور چاندی کے ہوں گے، ان کی انگیٹھیوں میں خوشبودار اگر کی لکڑی ہوگی، ان کا پسینہ مشک ہوگا اور ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی کہ فرطِ حسن کے باعث گوشت کے نیچے سے ان کی پنڈلیوں کا گودا تک نظر آئے گا۔ ان جنتیوں کے درمیان نہ کوئی اختلاف ہوگا اور نہ کسی قسم کا بغض، تمام کے دل متفق ہوں گے اور وہ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کریں گے''(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شہداء جنت کے دروازے کے پاس سبز رنگ کے قبے میں ایک نہر کے کنارے پر ہیں۔ صبح و شام انہیں جنت سے رزق ملتا ہے''(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں صبح و شام سے مراد دنیاوی لحاظ سے دن اور رات کے اوقات ہیں۔ زہیر بن محمد کہتے ہیں کہ جنت میں کوئی رات نہیں بلکہ جنتی ہر وقت نور میں رہتے ہیں، البتہ دن اور رات کی مقدار وہاں ہے۔ پردے گر جانے اور دروازے بند ہو جانے سے انہیں رات کا اندازہ ہوگا اور پردے اٹھ جانے اور دروازے کھل جانے سے دن کا اندازہ ہوگا۔ حضرت حسن بصری ؒ فرماتے ہیں کہ جنت کے دروازے ایسے ہوں گے کہ باہر کی چیزیں اندر سے نظر آئیں گی اور یہ دروازے جنتیوں کے اشارے سے کھلیں گے اور بند ہوں گے(3)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ صبح و شام کے اوقات میں دو گھڑیاں ہوں گی، دن اور رات نہیں ہوں گے بلکہ وہاں تو نور اور روشنی کا سماں ہوگا۔ مجاہد کہتے ہیں وہاں صبح اور شام کا وجود نہیں ہوگا لیکن دنیا میں چونکہ وہ صبح و شام کے عادی تھے اس لئے ایسے اوقات کی جب وہ خواہش کریں گے تو انہیں مہیا کر دیے جائیں گے۔ حسن اور قتادہ وغیرہ کا کہنا ہے کہ خوشحال عرب چونکہ صبح اور شام کھانے کے عادی تھے اس لئے ان کے دستور کے مطابق اللہ تعالیٰ نے صبح اور شام کا ذکر کیا۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ شام کے بعد صبح اور صبح کے بعد شام ہوگی اور درمیان میں رات نہیں ہوگی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمام جنت صبح ہی صبح ہے اور ہر صبح ایک حور اللہ تعالیٰ کے دوست کے پاس بھیجی جائے گی، جن میں ادنیٰ درجے کی وہ ہوگی جس کی تخلیق زعفران سے ہوئی''۔ یہ حدیث غریب اور منکر ہے۔ پھر فرمایا: تِلْكَ الْجَنَّةُ ۔ یعنی ان صفات عظیمہ سے متصف جنت کا وارث ہم اپنے متقی بندوں کو بنائیں گے جو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوشاں رہتے ہیں، اپنے غصہ کو ضبط کرتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں اور وہ ان اوصاف جمیلہ سے آراستہ ہیں جن کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ...... اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (المومنون: 11-1)۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿۶۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۭ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾

''اور (جبرائیل! میرے نبی سے کہو) ہم نہیں اترتے مگر آپ کے رب کے حکم سے۔ اسی کا ہے جو ہمارے سامنے ہے اور جو

1۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، جلد 4 صفحہ 134، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2180

2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 266 　　3۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 102

ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے۔ اور نہیں ہے آپ کا رب بھولنے والا۔ وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سو اس کی عبادت کرو اور ثابت قدم رہو اس کی عبادت پر۔ کیا تم جانتے ہو کہ اس کا کوئی ہم مثل ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا: ''آپ جتنا میرے پاس آتے ہیں، اس سے زیادہ میرے پاس آنے سے کونسی رکاوٹ ہے؟'' اس وقت یہ آیت وَمَا نَتَنَزَّلُ نازل ہوئی(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام کافی عرصہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہوئے جس کی وجہ سے آپ ﷺ بہت زیادہ غمگین ہوئے۔ پھر جب جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے تو یہ پیغام وَمَا نَتَنَزَّلُ... لائے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جبریل بارہ دن تک آپ ﷺ کے پاس نہ آئے۔ اس دوران کفار آپ ﷺ کے متعلق چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ جب جبریل آئے تو آپ نے فرمایا: اے جبریل! آپ نے تو بہت تاخیر کر دی، مشرکین تو مختلف قسم کی قیاس آرائیں کرنے لگ گئے تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ آیت سورۃ ضحیٰ کی آیت جیسی ہے(2)۔ ضحاک، قتادہ، سدی اور دیگر متعدد حضرات نے اس آیت کا یہی شانِ نزول بتایا ہے۔ حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ چالیس دن تک جبریل نبی کریم ﷺ کے پاس نہ آئے۔ جب وہ حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں فرمایا: ''آپ نہیں اترے یہاں تک کہ میں آپ کی ملاقات کا بہت مشتاق ہو گیا''۔ جبریل عرض کرنے لگے کہ میں تو اس سے بھی زیادہ آپ کی زیارت کا مشتاق تھا لیکن میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہوں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو وحی کی کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو یہ پیغام دے دیں: وَمَا نَتَنَزَّلُ۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ جبریل علیہ السلام کافی تاخیر سے نبی کریم ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا: ''اے جبریل! کس چیز نے آپ کو روکے رکھا؟'' جبریل نے جواب دیا کہ میں تم لوگوں کے پاس کیسے آؤں جبکہ تم نہ ناخن کاٹتے ہو، نہ اپنی انگلیوں کے جوڑ صاف رکھتے ہو، نہ مونچھیں کٹواتے ہو اور نہ مسواک کرتے ہو؟ پھر یہ آیت وَمَا نَتَنَزَّلُ پڑھی۔ طبرانی میں اس قسم کی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے(3)۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''ہمارے لیے مجلس درست کر دیں کیونکہ زمین پر آج وہ فرشتہ آ رہا ہے جو پہلے زمین پر کبھی نہیں آیا''(4)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا کے متعلق بعض حضرات کہتے ہیں کہ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا سے مراد امر دنیا، مَا خَلْفَنَا سے مراد امر آخرت اور مَا بَيْنَ ذَٰلِكَ سے مراد دونوں نفخوں کے درمیان کی اشیاء ہیں۔ یہ قول حضرات ابو العالیہ، عکرمہ، مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ، اور ربیع بن انس کا ہے۔ حضرات ابن عباس، سعید بن جبیر، ضحاک، قتادہ، ابن جریج اور ثوری کا کہنا ہے کہ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا سے مراد آنے والے امور آخرت، مَا خَلْفَنَا سے مراد گذشتہ امور دنیا اور مَا بَيْنَ ذَٰلِكَ سے مراد دنیا و آخرت کے درمیان کے امور ہیں(5)۔ پھر فرمایا: وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا مجاہد اور سدی اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ آپ کے رب نے آپ ﷺ کو فراموش نہیں کیا۔ یہ اس فرمان کی طرح ہے: ''وَالضُّحَىٰ ﴿١﴾ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ﴿٢﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ (الضحیٰ: 3-1)'' قسم ہے روز روشن کی اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ چھا جائے نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ ناراض ہوا''۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع حدیث میں آتا ہے: ''جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ مریم، جلد 8 صفحہ 429-428، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 23, 333-334
2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 104
3۔ معجم کبیر، جلد 11 صفحہ 432-431، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 243
4۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 296
5۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 105

اپنی کتاب میں حلال کیا ہے، وہ حلال ہے جس چیز کو اس نے حرام قرار دیا ہے وہ حرام ہے اور جس چیز سے سکوت اختیار فرمایا ہے، وہ عافیت ہے۔ سو تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عافیت کو قبول کرلو، اللہ تعالیٰ کسی چیز کو بھولنے والا نہیں" (1)۔ پھر آپ نے اس آیت وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا کی تلاوت کی۔ دوسری آیت میں فرمایا: رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ... یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق، مالک مدبر اور متصرف ہے، اس کے حکم کو ٹالنے کی کسی میں مجال نہیں، اس لئے اس کی عبادت کرو اور اس پر پوری طرح کاربند ہو جاؤ۔ اس کا کوئی ہم نام اور ہم مثل نہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کا نام رحمن ہو۔ اللہ تعالیٰ کا نام بابرکت، مقدس اور اعلیٰ ہے۔

وَيَقُوْلُ الْإِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ۝ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ۝ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ۝

"اور انسان (از راہ انکار) کہتا ہے کہ کیا جب میں مر جاؤں گا تو مجھے پھر زندہ کر کے نکالا جائے گا؟ کیا یاد نہ رہا انسان کو کہ ہم نے ہی پیدا کیا اسے اس سے پہلے حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔ سو (اے محبوب!) تیرے رب کی قسم! ہم جمع کر دیں گے انہیں بھی اور شیطانوں کو بھی پھر حاضر کریں گے ان سب کو جہنم کے ارد گرد کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے۔ پھر ہم (چن چن کر) الگ کرلیں گے ہر گروہ سے ان لوگوں کو جو (خداوند) رحمن کے سخت نافرمان تھے۔ پھر ہم ہی خوب جانتے ہیں ان لوگوں کو جو زیادہ مستحق ہیں اس آگ میں تپائے جانے کے"۔

قیامت کا انکار کرنے والے انسان کے متعلق آگاہ کیا جا رہا ہے کہ وہ موت کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے اسے محال سمجھتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ (الرعد: 5) "اور اگر تو حیران ہوتا ہے تو ان کا یہ قول بھی حیرت انگیز ہے کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں نئے سرے سے پیدا کیا جائے گا"، اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۚ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ (یٰسین: 79-77) "کیا انسان نہیں جانتا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا ہے پس اب وہ (ہمارا) کھلا دشمن بن بیٹھا ہے اور ہمارے لیے مثالیں بیان کرنے لگا ہے اور اس نے اپنی پیدائش کو فراموش کر دیا ہے کہتا ہے کون زندہ کر سکتا ہے ہڈیوں کو جب بوسیدہ ہو چکی ہوں۔ فرمایئے، انہیں وہی زندہ فرمائے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر مخلوق کو خوب جانتا ہے"۔ اور یہاں فرمایا: وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ... جواب میں اللہ تعالیٰ نے پہلی دفعہ پیدا کرنے سے دوبارہ پیدا کرنے پر استدلال کرتے ہوئے فرمایا: اَوَلَا يَذْكُرُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کو پیدا کیا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔ اب جبکہ وہ کوئی چیز بن چکا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کیلئے اس کا اعادہ مشکل ہے جیسا کہ فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (الروم: 27) "اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے پھر اس دوبارہ بنائے گا اور یہ اس کیلئے آسان تر ہے"۔ حدیث صحیح میں آتا ہے: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے اور ایسا کرنا اسے زیب نہیں دیتا

1۔ مستدرک حاکم، تفسیر سورۂ مریم، جلد 2 صفحہ 375، سنن بیہقی، کتاب الضحایا، جلد 10 صفحہ 12

اور ابن آدم مجھے ایذا دیتا ہے اور مجھے اذیت دینا اس کیلئے روا نہیں ہے، اس کا مجھے جھٹلانا تو اس کا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے کبھی بھی دوبارہ زندہ نہیں کرے گا، جیسا کہ اس نے مجھے پہلے پیدا کیا حالانکہ ابتدائے آفرینش اعادہ کی نسبت آسان نہیں اور اس کا مجھے ایذا دینا اس کا یہ کہنا ہے کہ میری اولاد ہے حالانکہ میں وہ یکتا اور بے نیاز ہوں جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ ہی کوئی اس کا ہمسر ہے'' (1)۔ پھر فرمایا: فَوَرَبِّكَ...... اللہ تعالیٰ اپنی ذاتِ پاک کی قسم اٹھا کر فرماتا ہے کہ وہ انہیں اور ان شیاطین کو ضرور جمع کرے گا جنہیں وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پوجتے تھے، پھر انہیں جہنم کے اردگرد حاضر کرے گا جہاں وہ گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً (الجاثیہ:28) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ''جِثِيًّا'' کا معنی بیٹھے ہوئے منقول ہے اور سدی اس کا معنی کھڑے ہوئے منقول ہے۔ پھر فرمایا: ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ ۔ بقول مجاہد شِيْعَةٍ سے مراد امت ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اول آخر تمام لوگوں کو جمع کیا جائے گا یہاں تک کہ جب بھی اکٹھے ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان میں سے چن چن کر درجہ بدرجہ مجرمین کو الگ کر دے گا(2)۔ یہی اس آیت ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ کا مطلب ہے۔ قتادہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر دین کے ماننے والوں میں سے شر اور برائی پھیلانے والے ان کے زعماء اور رؤساء کو الگ کر دے گا۔ یہ مطلب ہے اس فرمان کا: حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ... بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ (الاعراف:39-38) '' یہاں تک کہ جب اس میں ساری امتیں جمع ہو جائیں گی تو آخری امت پہلی امتوں کے متعلق کہے گی اے ہمارے رب! انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا پس ان کو آگ کا دوگنا عذاب دے ''۔

پھر فرمایا: ثُمَّ لَنَحْنُ ... ثم کے ذریعے خبر پر عطف کیا جا رہا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھی جانتا ہے جو ہمیشہ ہمیشہ آگ میں رہنے کے مستحق ہیں اور ان لوگوں کو بھی جانتا ہے جو دوگنا عذاب کے سزاوار ہیں جیسا کہ فرمایا: قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ (الاعراف:38) '' اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہر ایک کیلئے دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے''۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۚ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿۷۲﴾

'' اور تم سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کا گزر دوزخ پر ہوگا۔ یہ آپ کے رب پر لازم ہے (اور اس کا) فیصلہ ہو چکا ہے۔ پھر ہم نجات دیں گے پرہیزگاروں کو اور رہنے دیں گے ظالموں کو دوزخ میں کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے''۔

ابو سمیہ بیان کرتے ہیں کہ ورود کے متعلق ہمارا اختلاف ہو گیا۔ ہم میں سے بعض کہنے لگے کہ مومن اس میں داخل نہیں ہوں گے جبکہ بعض کا یہ کہنا تھا کہ (مومن اور کافر) سب اس میں داخل ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس سے نجات دے دے گا۔ میری ملاقات حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو میں نے ان سے ورود کے متعلق لوگوں کے اختلاف کا ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ سب اس میں داخل ہوں گے اور آپ نے اپنے کانوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ کان بہرے ہو جائیں اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہو: '' نیک اور بد سبھی اس میں داخل ہوں گے مومن کیلئے یہ آگ ٹھنڈی اور بے ضرر ہو گی جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر تھی یہاں تک کہ آگ چیخ چیخ کر اس ٹھنڈک کی شکایت کرے گی پھر اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کو وہاں سے رہائی دلائے گا اور ظالموں کو

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ بقرۃ، جلد 6 صفحہ 24
2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 107

وہاں ہی گھٹنوں کے بل چھوڑ دے گا"(1)۔ خالد بن معدان فرماتے ہیں کہ جنتی جنت میں داخل ہونے کے بعد کہیں گے کہ کیا ہمارے پروردگار نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہر ایک کو جہنم پر وارد ہونا ہے؟ انہیں فرمایا جائے گا کہ جہنم پر سے تمہارا گذر تو ہوا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت اس کی آگ ٹھنڈی کر دی تھی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کی گود میں سر رکھ کر لیٹے ہوئے تھے کہ اچانک رونے لگے۔ آپ کو روتا دیکھ کر آپ کی زوجہ محترمہ بھی رونے لگیں۔ آپ نے ان سے دریافت کیا کہ تمہارے رونے کا کیا سبب ہے؟ وہ کہنے لگیں کہ آپ کو روتا دیکھ کر میں بھی رونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تو یہ فرمان وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا یاد آ گیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں اس سے نجات پا سکوں گا یا نہیں۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ اس وقت بیمار تھے۔ حضرت ابو میسرہ جب رات کے وقت آرام کرنے کیلئے اپنے بستر پر جاتے تو کہتے: اے کاش! میری ماں مجھے جنم نہ دیتی، پھر زارو قطار روتے۔ ایک دفعہ آپ سے رونے کا سبب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس آیت میں ہمیں یہ خبر دی گئی ہے کہ ہمیں جہنم میں وارد ہونا ہے لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ ہم وہاں سے باہر نکل آئیں گے۔(2) حضرت حسن بصری ؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے اپنے بھائی سے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ تمہیں جہنم پر وارد ہونا ہے؟ جواب دیا: ہاں۔ پھر انہوں نے دریافت کیا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم وہاں سے نکل جاؤ گے؟ جواب دیا: نہیں۔ فرمانے لگے کہ پھر ہنسی کیسی؟ بعد ازاں مرتے دم تک انہیں ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور نافع بن ازرق کا ورود کے بارے میں اختلاف ہو گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس بات کے قائل تھے کہ ورود بمعنی دخول ہے جبکہ نافع اس کا انکار کرتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف کی تائید میں دو آیات پیش کیں: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ (الانبیاء:98) تم اور جن بتوں کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہوں گے، تم اس میں داخل ہونے والے ہو)۔ فرمایا: دیکھو یہاں ورود بمعنی دخول ہے یا نہیں؟ دوسری آیت میں ارشاد ہے: يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ (ہود:98) "وہ روز قیامت اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور انہیں جہنم میں لا ڈالے گا" یہاں بھی دیکھیں "اورد" داخل کرنے کے معنی میں ہے یا نہیں؟ جہاں تک میرا اور تمہارا تعلق ہے تو ہم داخل ضرور ہوں گے۔ اب یہ دیکھیں کہ ہم اس میں سے نکلیں گے یا نہیں۔ چونکہ تم اس کے منکر ہو، اس لئے میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں نکالے گا۔ یہ سن کر نافع ہنس دیا۔ یہ نافع خارجی تھا اور اس کی کنیت ابو راشد تھی۔ اس نے ایک دفعہ اپنی تائید میں یہ آیت پڑھی: لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا (الانبیاء:102) "اور وہ اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے" اس کے جواب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا: صد افسوس! کیا تو مجنوں ہے؟ ان ارشادات کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے: "يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ"، "وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا (مریم:86) اور وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا اور پہلے بزرگ یہ دعا کیا کرتے تھے: "اللّٰهُمَّ اَخْرِجْنِيْ مِنَ النَّارِ سَالِمًا وَاَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ غَانِمًا" (اے اللہ! مجھے صحیح سالم جہنم سے نکال لے اور خوشی خوشی جنت میں داخل فرما دے)۔ مجاہد بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اسی اثناء میں ابو راشد نافع بن ازرق نامی ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ابن عباس! اللہ تعالیٰ کے اس فرمان وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا .. کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا: اے ابو راشد! میں اور تم اس میں داخل ہوں گے۔ اب یہ دیکھو کہ کیا ہم اس میں سے نکلیں گے یا نہیں(3)۔ ابو داؤد طیالسی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کے مخاطب کفار ہیں۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ظالم لوگ

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 328-329　2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 110　3۔ تفسیر طبری، جلد 6 صفحہ 111

ہیں۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد نیک اور بد بھی ہیں، دیکھیں اللہ تعالیٰ کا فرعون کے متعلق ارشاد ہے: "يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ" اس طرح فرمایا: وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا یہاں بھی ورود دخول کے معنی میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "وارد تو سب لوگ ہوں گے پھر اس سے باہر اپنے اعمال کے سبب آئیں گے" (1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سب لوگ پل صراط پر سے گذریں گے اور ورود سے مقصود ان کا آگ کے اردگرد کھڑا ہونا ہے پھر وہ اپنے اعمال کے مطابق پل صراط کو عبور کریں گے بعض بجلی کی سی تیزی کے ساتھ گذر جائیں گے، بعض ہوا کی طرح، بعض پرندوں کی طرح، بعض تیز رفتار عمدہ گھوڑوں کی طرح، بعض تیز رفتار اونٹوں کی طرح اور بعض آدمی کے دوڑنے کی مثل یہاں تک کہ سب سے آخر میں اسے عبور کرنے والا وہ مسلمان ہوگا جس کے صرف پیروں کے انگوٹھوں پر نور ہوگا۔ وہ پل صراط پر لڑکھڑاتے ہوئے چلے گا۔ پل صراط پھسلواں ہے۔ جس پر گوکھر وجیسے کانٹے ہیں اور دونوں کناروں پر فرشتے ہیں: جن کے پاس جہنم کی ہمیز یں ہوں گی جن سے پکڑ پکڑ کر لوگوں کو وہ جہنم میں پھینکیں گے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جہنم پر رکھا ہوا پل صراط تلوار کی دھار جیسا تیز ہوگا، پہلا گروہ بجلی کی سی تیز رفتاری سے گذر جائے گا، دوسرا گروہ ہوا کی طرح، تیسرا گروہ تیز رفتار گھوڑے کی طرح اور چوتھا گروہ جانور کی طرح۔ وہ گذریں گے اور فرشتے یہ دعا کر رہے ہوں گے: الٰہی! اسلامت رکھ (2)۔ صحیحین اور دیگر کتب احادیث میں اس کے شواہد موجود ہیں (3)۔ حضرت کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ آگ تمام لوگوں کو پکڑے گی، نیک و بد تمام لوگوں کے قدم اس کی پشت پر جم جائیں گے، پھر اسے اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ اپنے دوستوں کو پکڑ لے اور میرے دوستوں کو چھوڑ دے۔ چنانچہ آگ تمام جہنمیوں کو نگل لے گی، وہ جہنمیوں کو اس سے بھی زیادہ جانتی ہے جیسے ایک آدمی اپنی اولاد کو جانتا ہے اور مومنین اس سے بالکل صحیح سالم اس حال میں نکل آئیں گے کہ ان کے کپڑے تر ہوں گے۔ جہنم کے ہر دارو غے کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک سال کی مسافت ہے، اور ہر ایک کے پاس دو شاخہ گرز ہوگا جس کی ایک ضرب سے وہ سات لاکھ آدمیوں کو جہنم رسید کر دے گا (4)۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے قوی امید ہے کہ ان شاء اللہ ہر وہ شخص جہنم میں نہیں جائے گا جس نے بدر اور حدیبیہ میں شرکت کی" حضرت حفصہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کی: کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں ہے: وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ ارشاد بھی ہے: ثُمَّ نُنَجِّي ...(5)۔ حضرت زید بن حارثہ کی زوجہ حضرت ام مبشر بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: "ہر وہ شخص جو بدر اور حدیبیہ میں شریک ہوا، دوزخ میں نہیں جائے گا"۔ حضرت حفصہ نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے: وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہے: ثُمَّ نُنَجِّي ......(6)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس مسلمان کے تین بچے فوت ہو گئے، اسے آگ نہیں چھوئے گی مگر صرف قسم پوری کرنے کیلئے" (7)۔ اس سے مراد ورود ہے جس کا ذکر اس آیت وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ... میں ہوا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صحابی کو بخار چڑھا ہوا تھا جس کی عیادت کیلئے رسول اللہ ﷺ نکلے۔ میں بھی آپ کے ساتھ

1۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ مریم، جلد 12 صفحہ 16-17، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 434-435

2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 110

3۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 146، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 163-171

4۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 109

5۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 285

6۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 362

7۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 93، صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2028 وغیرہ

تھا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ بخار میری آگ ہے جسے میں اپنے مومن بندے پر مسلط کرتا ہوں تا کہ یہ آخرت میں آتش جہنم کا بدلہ بن جائے''(1)۔ یہ حدیث غریب ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ بخار مومن کے لیے آتش جہنم کا بدلہ ہے پھر انہوں نے اس آیت وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا کی تلاوت کی۔ حضرت معاذ بن انس جہنی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ دس مرتبہ پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت میں ایک محل تعمیر کر دیتا ہے''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! پھر تو ہم بکثرت محل بنوائیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس سے بھی بہت زیادہ اور نہایت عمدہ عطا سے نوازنے والا ہے''(2)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''جو شخص اللہ کی راہ میں ہزار آیات پڑھ لے، تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ لکھ لے گا اور یہ بہترین ساتھی ہیں اور جو شخص مجاہدین کی پشت کی جانب سے حفاظت کی خاطر رضا کارانہ طور پر بغیر کسی اجرت کے پہرہ دیتا ہے تو وہ اپنی آنکھوں سے بھی آگ کو نہیں دیکھے گا مگر صرف قسم پوری کرنے کیلئے'' کیونکہ ارشاد ہے: وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا اور اللہ کی راہ میں ذکر کرنا خرچ کرنے سے سات سو گنا زیادہ اور ایک دوسری روایت کے مطابق سات لاکھ گنا زیادہ اجر کا حامل ہے(3)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''مجھ پر درود، روزہ اور ذکر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے سات سو گنا زیادہ اجر رکھتے ہیں''۔(4) قتادہ اس ارشاد وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا کے متعلق کہتے ہیں کہ یہاں ورود سے مراد گذرنا ہے(5)۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ مسلمان کا ورود یہ ہے کہ وہ پل صراط پر سے گذر جائیں گے اور مشرکین کے ورود کا یہ مطلب ہے کہ وہ اس میں داخل ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''اس روز بہت سے مرد اور عورتیں اس سے پھسل جائیں گے۔ اس روز پل صراط کے اردگرد فرشتوں کی دو صفیں ہوں گی، ان کی دعا یہ ہوگی: ''اے اللہ! سلامتی عطا فرما''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس فرمان كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا کے متعلق کہتے ہیں کہ حَتْمًا مَّقْضِيًّا سے مراد ایسی قسم ہے جو پوری ہو کر رہے گی۔ مجاہد ''حتما'' کا معنی قضا بتاتے ہیں۔ پھر فرمایا: ثُمَّ نُنَجِّي ... یعنی جب تمام مخلوق پل صراط کو عبور کرنے لگے گی تو کفار اور گنہگار جہنم میں گر جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ مومنین کو ان کے اعمال کے مطابق اس سے نجات عطا فرمائے گا۔ پل صراط کو عبور کرتے وقت ان کی رفتار دنیا میں کیے ہوئے ان کے اعمال کے مطابق ہو گی، پھر یہ نجات یافتہ کبیرہ گناہ کرنے والے دوسرے مومنوں کی سفارش کریں گے۔ ملائکہ، انبیاء اور مومنین اپنی شفاعت کے ذریعے بہت سے ایسے لوگوں کو جہنم سے نکال لائیں گے جنہیں آگ کھا چکی ہوگی مگر ان کے چہروں میں سجدہ کی جگہیں بچی ہوں گی۔ ہر ایک کو اپنے اپنے ایمان کے مطابق وہاں سے نکالا جائے گا۔ سب سے پہلے ان لوگوں کو نکالا جائے گا جن کے دلوں میں ایک دینار کی مقدار ایمان تھا، پھر ان لوگوں کو جن کے دلوں میں اس سے کم ایمان تھا، اسی طرح درجہ بدرجہ، یہاں تک کہ اس شخص کو بھی نکال لیا جائے گا جس کے دل میں ذرہ سے بھی کم ایمان تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھی آگ سے رہائی عطا فرمائے گا جس نے صرف ایک دن لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا اگرچہ وہ کوئی عمل خیر نہ کر سکا اور جہنم میں صرف وہی باقی رہ جائیں گے جن پر خلود اور ہمیشگی لکھی جا چکی ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، اس لئے فرمایا: ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا......

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 111
2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 437-438
3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 437-438
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 8
5۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 110

مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿٧٤﴾

''اور جب تلاوت کی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں وضاحت سے (تو) کافر کہتے ہیں ایمان والوں سے کہ (یہ تو بتاؤ) ہم دونوں گروہوں میں سے کس کی رہائش گاہ آرام دہ ہے اور کس کی نشست گاہ خوبصورت ہے۔ اور (ان احمقوں نے یہ نہ سوچا کہ) کتنی قومیں ان سے پہلے تھیں جن کو ہم نے برباد کر دیا، وہ ساز و سامان اور ظاہری سج دھج میں (ان سے) بہتر تھیں''۔

کفار کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ جب ان کے سامنے صریح دلالت اور واضح برہان کی حامل آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ ان سے روگردانی کر لیتے ہیں اور اپنی آرام دہ رہائش گاہوں اور خوبصورت نشست گاہوں کو اپنے لیے وجہ افتخار اور اپنے دین باطل کی صحت کی دلیل سمجھتے ہیں۔ مقام کا معنی ہے منزل اور گھر۔ ندی کا معنی ہے محفل اور نشست گاہ جہاں لوگ گفتگو کرنے کیلئے اکٹھے ہوتے ہیں۔ ان کفار کے کہنے کا یہ مطلب تھا کہ ان مسلمانوں کی نسبت ہمارے گھر اور رہائش گاہیں بھی بہت عمدہ ہیں اور ہماری محفلیں بھی بڑی پر رونق ہیں۔ اس لئے اس شان و شوکت کے ہوتے ہوئے یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم باطل پر ہوں اور دار ارقم اور دیگر پناہ گاہوں میں سر چھپانے والے مسلمان حق پر ہوں، جیسا کہ ایک اور مقام پر ان کے متعلق فرمایا: '' وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ (الاحقاف:11) '' اور کفار اہل ایمان کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر یہ (اسلام) بہتر چیز ہوتی تو یہ اس کی طرف ہم سے سبقت نہ لے جاتے''۔ قوم نوح علیہ السلام نے کہا: اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ (الشعراء:111) '' کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں حالانکہ تمہاری پیروی صرف گھٹیا لوگ کر رہے ہیں''، ایک اور مقام پر فرمایا: وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ (الانعام:53) '' اور اسی طرح ہم نے بعض کو بعض سے آزمائش میں ڈال دیا تاکہ کہیں کیا یہ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے احسان کیا ہے۔ کیا نہیں جانتا اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ اپنے شکر گذاروں کو''۔ اس لئے ان کے شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا: وَكَمْ اَهْلَكْنَا ۔ یعنی کتنی ہی ایسی جھٹلانے والی قومیں ہیں جنہیں ہم نے ان کے کفر کی پاداش میں ملیامیٹ کر دیا حالانکہ وہ ان سے زیادہ مال و متاع کے مالک، زیادہ خوش منظر اور خوش شکل تھے۔ بقول حضرت ابن عباس مقام کا معنی منزل، ندی کا معنی مجلس، اثاث کا معنی ساز و سامان اور رئی کا معنی منظر ہے(1)۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ مقام کا معنی مسکن ہے اور ندی سے مراد مجلس، نعمت اور رونق جو انہیں حاصل تھی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں کو ہلاک کرنے کے بعد ان کے متعلق فرمایا: كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ (الدخان:26-25) '' وہ چھوڑ گئے بہت سے باغات اور چشمے، کھیتیاں اور شاندار محلات''۔ پس مقام سے مراد مسکن اور نعمت ہے اور ندی کے معنی محفل اور مجلس جہاں لوگ اکٹھے ہوتے ہیں۔ قوم لوط کے متعلق فرمایا: وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ (العنکبوت:29) '' اور تم اپنی کھلی مجلسوں میں گناہ کرتے ہو''۔ عرب مجلس کو نادی کہتے ہیں(2)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ان کفار نے مومنوں کی خستہ حالی کو دیکھتے ہوئے کہا تھا: اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ ۔ بعض نے اثاث کا معنی مال بتایا ہے، بعض نے کپڑے اور بعض نے ساز و سامان اور رئی کا معنی بقول ابن عباس اور مجاہد منظر ہے جبکہ حضرت حسن بصری کے بقول اس کا معانی صورت ہے۔ یہ تمام معنی درست اور قریب قریب ہیں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 116
2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 119

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ۭ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾

''آپ فرمائیے جو گمراہی میں (مگن) ہوتو ڈھیل دیے رکھتا ہے اسے رحمٰن لمبی ڈھیل۔ یہاں تک کہ وہ جب دیکھیں گے وہ چیز جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے یعنی عذاب یا قیامت تو اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ کون مکان کے لحاظ سے برا اور لشکر کے اعتبار سے کمزور ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ ان مشرکین سے کہہ دیں جو اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں اور تم باطل پر ہو: مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ...... یعنی ہم میں سے اور تم میں سے جو شخص گمراہی میں مبتلا ہے، اللہ تعالیٰ اسے لمبی ڈھیل عطا کردے تاکہ وہ اپنے رب سے ملاقات تک جو چاہے کرتا رہے۔ پھر جب وہ اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا جاتا ہے یعنی عذاب یا قیامت، تو اس وقت انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کی جگہ بری اور لشکر کمزور ہے۔ ان کے قول ''اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا'' کے مقابلہ میں یہاں فرمایا: مَنْ هُوَ شَرٌّ ۔ ۔ مجاہد اس فرمان فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا کا معنی بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی سرکشی میں چھوڑے رکھے۔ اس آیت میں مشرکین کے ساتھ مباہلہ کا چیلنج ہے جو خیال کرتے ہیں کہ ہم ہدایت پر کاربند ہیں جیسا کہ یہود کے ساتھ مباہلہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاۗءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (الجمعہ:6) ''اے یہودیو! اگر تم دعویٰ کرتے ہو کہ صرف تم ہی اللہ کے دوست ہو اور لوگ نہیں ہیں تو ذرا مرنے کی آرزو تو کرو اگر تم سچے ہو''۔ یعنی ہم میں سے اور تم میں سے جو باطل پر ہے اس کے لئے موت کی دعا کرو۔ اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ ہم حق پر ہیں تو ایسی دعا تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچائے گی لیکن یہود کو اس کی جرأت نہ ہوئی۔ سورۂ بقرہ میں اس کی تفصیلات گزر چکی ہیں، اسی طرح جب نصاریٰ اپنے کفر، سرکشی اور عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنے کے دعویٰ پر مصر رہے تو انہیں مباہلہ کا چیلنج کر دیا گیا۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے دلائل و براہین کے ذریعے یہ ثابت کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام، آدم علیہ السلام کی طرح مخلوق اور بندے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: فَمَنْ حَاۗجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاۗءَنَا وَاَبْنَاۗءَكُمْ وَنِسَاۗءَنَا وَنِسَاۗءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۣ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَي الْكٰذِبِيْنَ (آل عمران:61) ''پھر جو شخص اس بارے میں آپ سے جھگڑا کرے اس کے بعد کہ آپ کے پاس یقینی علم آ گیا تو آپ کہہ دیجئے کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اپنے آپ کو بھی اور تم کو بھی پھر بڑی عاجزی سے التجا کریں پھر جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں'' لیکن وہ بھی اس سے باز رہے۔

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۭ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾

''اور زیادہ کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ لوگوں (کے نور) ہدایت کو اور باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے اور انہی کا انجام اچھا ہے''۔

گمراہوں کی گمراہی میں زیادتی کا ذکر کرنے کے بعد ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں اضافہ کا ذکر ہو رہا ہے جیسا کہ ایک اور مقام

پر فرمایا: وَ اِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ اَیُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِیْمَانًا ... وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ (التوبہ: 125-124) "الباقیات الصالحات" کی تفسیر اور اس کے متعلقہ احادیث سورۂ کہف میں بیان کی جا چکی ہیں(1)۔ ثواب کے معنی جزا اور مرد کا معنی عاقبت اور انجام ہے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے۔ آپ نے ایک خشک شاخ کو پکڑ کر ہلایا تو اس کے سوکھے پتے جھڑنے لگے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ کے کلمات گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتے ہیں جس طرح ہوا اس (خشک) درخت کے پتوں کو جھاڑ دیتی ہے۔ اے ابوالدرداء! ان کلمات کو پڑھا کرو اس سے پہلے کہ تمہارے اور ان کے درمیان رکاوٹ کھڑی ہو جائے، یہی باقیات صالحات ہیں اور جنت کے خزانوں میں سے ہیں"۔ حدیث کے راوی ابوسلمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداء جب اس حدیث کو بیان کرتے تو فرماتے کہ میں ضرور تہلیل، تکبیر اور تسبیح کرتا رہوں گا یہاں تک کہ جاہل مجھے دیکھ کر مجنون خیال کرنے لگے(2)۔

اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ كَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا ۝ اَطَّلَعَ الْغَیْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا یَقُوْلُ وَ نَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَّ نَرِثُهٗ مَا یَقُوْلُ وَ یَاْتِیْنَا فَرْدًا ۝

"کیا آپ نے دیکھا اس کو جس نے انکار کیا ہماری آیتوں کا اور کہنے لگا کہ مجھے ضرور ضرور دیا جائے گا مال اور اولاد (اس لاف زنی کی وجہ کیا ہے) کیا وہ آگاہ ہو گیا ہے غیب پر یا لے لیا ہے اس نے (خداوند) رحمٰن سے کوئی وعدہ؟ ہرگز ایسا نہیں۔ ہم لکھ لیں گے جو یہ کہہ رہا ہے اور لمبا کر دیں گے اس کے لئے عذاب کو خوب لمبا کرنا۔ اور ہم ہی وارث ہوں گے جو وہ کہتا ہے (یعنی اس کے مال و اولاد کے) اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا"۔

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں لوہار تھا اور عاص بن وائل کے ذمہ میرا کچھ قرض تھا۔ میں اس کے پاس گیا اور قرض کا تقاضا کیا۔ وہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں تمہارے قرض کی ادائیگی اس وقت تک نہیں کروں گا جب تک تو محمد (ﷺ) کا انکار نہیں کرتا۔ میں نے جواب دیا: نہیں، قسم بخدا! میں حضرت محمد ﷺ کا انکار نہیں کروں گا یہاں تک کہ تو مر جائے پھر تمہیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے۔ وہ کہنے لگا کہ مرنے کے بعد جب مجھے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا تو اس وقت میرے پاس آنا، وہاں میرے پاس مال و اولاد کی فراوانی ہوگی تو میں تمہارا قرض چکا دوں گا، اس وقت مذکورہ آیات نازل ہوئیں(3)۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ میں مکہ میں لوہاروں کا کام کرتا تھا۔ میں نے عاص بن وائل کے لئے تلوار بنائی، اس کی قیمت کا تقاضا کرنے کے لئے میں اس کے پاس گیا(4)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ میں عاص بن وائل کا کام کیا کرتا تھا، اس کے ذمہ میرے بہت سے درہم جمع ہو گئے۔ ان کا تقاضا کرنے کے لئے میں اس کے پاس گیا۔ پھر اس کے ساتھ ہونے والی گفتگو کا ذکر میں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں(5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عاص بن وائل کے ذمہ کچھ صحابہ کا قرض تھا، وہ اپنا قرض واپس لینے کے لئے

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ کہف: 46
2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 120، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2 صفحہ 1253
3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 111، صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2153
4۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ مریم، جلد 8 صفحہ 430-431
5۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 121

اس کے پاس آئے۔ وہ انہیں کہنے لگا کہ کیا تم یہ گمان نہیں کرتے کہ جنت میں سونا، چاندی، ریشم اور ہر قسم کے پھل ہیں؟ انہوں نے فرمایا: کیوں نہیں۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ آخرت میں تمہارے قرض کی ادائیگی ہوگی، وہاں مجھے مال واولاد سے نوازا جائے گا اور تمہاری اس کتاب جیسی کتاب بھی مجھے ضرور دی جائے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مثال بیان کرتے ہوئے مذکورہ آیات نازل کیں۔ لفظ "ولد" واؤ کے ضمہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ دونوں قرآتیں ہم معنی ہیں۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ واؤ کے ضمہ کے ساتھ ولد جمع ہے اور فتحہ کے ساتھ مفرد، قبیلہ قیس کی یہی لغت ہے۔ یہ مغرور جس نے قسم اٹھا کر کہا کہ قیامت کے دن مجھے مال واولاد سے نوازا جائے گا، اس پر اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے فرمایا: اَطَّلَعَ الْغَيْبَ ... امام بخاری نے عہد کا معنی وعدہ بتایا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنا ہے یعنی کیا اس نے توحید کا اقرار کرلیا ہے جس کے باعث اسے یہ امید ہے۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ اس سے مراد لا الہ الا اللہ کی گواہی دینا ہے پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی: اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (مریم:87) اس میں بھی عہد سے یہی مراد ہے۔ پھر فرمایا: كَلَّا ... "کلا" ماقبل کیلئے حرف ردع ہے اور مابعد کے لئے تاکید، یعنی ایسا ہرگز نہیں، ہم اس کے قول، خواہش اور کفر کو لکھ لیں گے اور اس کی پاداش میں ہم آخرت میں اس کے لئے عذاب کو بہت لمبا کر دیں گے اور جو یہ یقین کئے بیٹھا ہے کہ آخرت میں مجھے مال واولاد سے نوازا جائے گا، ہم اسے اس سے محروم رکھیں گے بلکہ جو کچھ اس کے پاس دنیا میں تھا، وہ بھی ہم اس سے سلب کرلیں گے اور وہ تنہا ہمارے پاس آئے گا، نہ اس کے پاس مال ہوگا اور نہ اولاد۔ مَا يَقُوْلُ سے مراد اس کا یہ قول ہے: لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں "وَنَرِثُهٗ مَا عِنْدَهٗ" ہے۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ اس نے جمع کیا اور جو عمل کیا ہم ہی اس کے وارث ہوں گے اور وہ تنہا ہمارے پاس آئے گا۔ اس کی پیروی کرنے والے موجود نہیں ہوں گے، نہ کم نہ زیادہ۔

وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَ يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿٨٣﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿٨٤﴾

"اور انہوں نے بنا لئے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا کہ وہ ان کے لئے مددگار بنیں۔ ہرگز نہیں۔ وہ جھوٹے خدا انکار کر دیں گے ان کی عبادت کا۔ اور وہ (الٹے) ان کے دشمن ہو جائیں گے۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ ہم نے مسلط کر دیا ہے شیطانوں کو کفار پر وہ انہیں (اسلام کے خلاف) ہر وقت اکساتے رہتے ہیں۔ پس عجلت نہ کیجئے ان پر (نزول عذاب کے لئے)۔ ہم گن رہے ہیں ان کے ایام زندگی کو اچھی طرح"۔

کفار ومشرکین کے متعلق بتایا جارہا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا بنا لئے ہیں تاکہ وہ بوقت ضرورت ان کی مدد کریں، لیکن یہ ان کی خام خیالی ہے، دراصل معاملہ اس طرح نہیں جیسا ان کا خیال ہے اور نہ ہی ان کی یہ خواہش کبھی پوری ہوگی، اس لئے فرمایا: كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ ... یعنی ہرگز نہیں، ان کے یہ جھوٹے خدا ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے بلکہ الٹا ان کے دشمن بن جائیں گے اور ان کی مخالفت پر اتر آئیں گے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ

دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ (الاحقاف: 5-6) ''اور کون زیادہ گمراہ ہے اس سے جو پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کر سکتا اور وہ ان کے پکارنے سے ہی غافل ہیں اور جب (روز محشر) لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ معبود ان کے دشمن ہوں گے اور وہ ان کی عبادت کا صاف انکار کر دیں گے''۔ ابونہیک کی قرأت میں ''كُلٌّ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ'' ہے۔ سدی اس آیت کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ کافر ان بتوں کی عبادت کا انکار کر دیں گے۔ اس فرمان وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے جو امید ان بتوں سے وابستہ کر رکھی ہے وہ اس کے برخلاف ثابت ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ''ضد'' کا معنی مددگار بیان کرتے ہیں یعنی وہ ان کے خلاف مددگار ہوں گے، ان سے جھگڑیں گے اور ان کی تکذیب کریں گے۔ قتادہ اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ وہ جہنم میں ان کے ساتھی ہوں گے، وہاں ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے اور ایک دوسرے کا انکار کریں گے۔ سدی ''ضد'' کا معنی بیان کرتے ہیں: سخت جھگڑالو۔ ضحاک اس کا معنی دشمن بیان کرتے ہیں۔ ابن زید کہتے ہیں کہ ''ضد'' کا معنی ہے: آزمائش اور عکرمہ کے بقول اس کا معنی حسرت ہے۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تَؤُزُّهُمْ اَزًّا کا معنی نقل کرتے ہیں کہ وہ انہیں گمراہ کرتے ہیں۔ عوفی نے آپ رضی اللہ عنہ سے ہی یہ معنی بیان کیا ہے کہ وہ انہیں حضرت محمد ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف اکساتے رہتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ وہ انہیں ابھارتے رہتے ہیں، قتادہ کہتے ہیں کہ وہ انہیں نافرمانیوں پر برانگیختہ کرتے رہتے ہیں۔ سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ وہ انہیں ہر وقت ابھارتے رہتے ہیں اور سدی اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ وہ انہیں سرکشی کی ترغیب دیتے رہتے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ یہ اس آیت کی طرح ہے: وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ (الزخرف: 36) ''اور جو شخص رحمٰن کے ذکر سے اندھا بنتا ہے تو ہم اس کے لئے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں پس وہ ہر وقت اس کا رفیق رہتا ہے''۔ پھر فرمایا: فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۔ یعنی اے میرے پیارے رسول ﷺ! آپ ان پر وقوع عذاب کی جلدی نہ کریں، ہم انہیں ایک معین مدت تک مہلت دے رہے ہیں، آخر کار جب مہلت کی گھڑیاں ختم ہو جائیں گی تو لازماً انہیں عبرتناک عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا جیسا کہ فرمایا: وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ (ابراہیم: 42) ''اور تم یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کرتوتوں سے بے خبر ہے جو یہ ظالم کر رہے ہیں''۔ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا (الطارق: 17) ''پس آپ کفار کو اور مہلت دے دیں، کچھ وقت انہیں کچھ نہ کہیں''۔ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا (آل عمران: 178) ''ہم انہیں اس لئے مہلت دے رہے ہیں تاکہ وہ اور زیادہ گناہ کر لیں''۔ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ (لقمان: 24) ''ہم انہیں تھوڑی دیر لطف اندوز ہونے دیں گے پھر ہم انہیں سخت عذاب کی طرف ہانک کر لے جائیں گے''۔ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ (ابراہیم: 30) ''آپ فرمایئے لطف اٹھا لو پھر یقیناً تمہارا انجام آگ کی طرف ہے''۔ سدی اس فرمان اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ ہم ان کے لئے سال، مہینے، دن اور گھڑیاں شمار کر رہے ہیں۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ ہم دنیا میں ان کے سانس گن رہے ہیں۔

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۝ وَّ نَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ۝ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝

''وہ دن جب ہم اکٹھا کریں گے پرہیزگاروں کو رحمٰن کے حضور میں (معزز و مکرم مہمان بنا کر) اور اس روز ہانک کر لائیں

گے مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسے جانوروں کی طرح۔ انہیں کوئی اختیار نہیں ہوگا شفاعت کا بجز ان کے جنہوں نے خداوند رحمٰن سے کوئی وعدہ لے لیا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے ان متقی دوستوں کے متعلق خبر دے رہا ہے جو دار دنیا میں اس سے ڈرتے رہے، اس کے رسولوں کی اتباع کی، ان کے لائے ہوئے پیغام کی تصدیق کی، ان کے اوامر کی اطاعت کی اور نواہی سے اجتناب کیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں عزت و کرامت کے ساتھ اپنے پاس جمع کرے گا۔ ''وفد'' کا معنی ہے سوار ہو کر آنے والے۔ یہ سعادت مند دار آخرت کی نورانی سواریوں پر سوار ہو کر آئیں گے اور اللہ تعالیٰ کے دار کرامت و رضوان (جنت) میں داخل ہوں گے۔ ان کے برعکس رسولوں کی تکذیب اور مخالفت کرنے والے مجرمین کو پیاسا ہانک کر جہنم رسید کر دیا جائے گا اور یہاں پوچھا جائے گا: ''اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ نَدِیًّا''۔ ابن مرزوق کہتے ہیں کہ مومن جب قبر سے نکلے گا تو اس کی ملاقات ایک نہایت حسین و جمیل اور مہکتی ہوئی عمدہ خوشبو والے شخص سے ہوگی۔ وہ پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ پوچھے گا کہ کیا تم مجھے نہیں پہچانتے؟ مومن جواب دے گا: نہیں، البتہ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری خوشبو عطر بیز ہے اور تمہارا چہرہ دلآویز۔ وہ کہے گا کہ میں تمہارا عمل صالح ہوں، دنیا میں اسی طرح تمہارا عمل عمدہ اور عطر بیز تھا۔ دنیا میں طویل عرصہ تک میں تم پر سوار رہا۔ اب آؤ۔ مجھ پر سواری کرو۔ چنانچہ مومن اس پر سوار ہو جائے گا۔ یہی مطلب اس آیت یَوْمَ نَحْشُرُ کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ متقی سوار ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور جمع ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ اونٹوں پر سوار ہوں گے (1)، ابن جریج کہتے ہیں کہ عمدہ اونٹنیوں پر، ثوری کہتے ہیں کہ اونٹنیوں کے مشابہ اونٹوں پر۔ قتادہ کہتے ہیں کہ وہ سوار ہو کر جنت کی طرف جائیں گے۔ نعمان بن سعید بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے اس آیت یَوْمَ نَحْشُرُ... کی تلاوت کی اور فرمایا: نہیں، قسم بخدا! وہ پیدل نہیں ہوں گے، وفد کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ پیدل ہو، بلکہ وہ ایسی عمدہ اونٹنیوں پر سوار ہوں گے کہ مخلوق نے ایسی سواریاں کبھی نہ دیکھی ہوں گی، ان پر سونے کے پالان ہوں گے، وہ ان پر سوار ہو کر جنت کے دروازے تک جائیں گے (2)۔ ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ ان کی نکیلیں زبرجد کی ہوں گی۔ ابو معاذ بصری بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اسی آیت کی تلاوت کی اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! میرا خیال ہے کہ وفد سوار لوگوں کو کہا جاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جب وہ اپنی قبروں سے نکلیں گے تو سفید رنگ کی پروں والی نورانی اونٹنیاں اپنے سامنے موجود پائیں گے، ان پر سونے کے پالان ہوں گے، ان کے پاؤں سے نور پھوٹ رہا ہوگا، ان کا ہر قدم تاحد نگاہ پر پڑے گا۔ چلتے چلتے وہ ایک درخت تک پہنچیں گی جس کی جڑوں سے دو چشمے پھوٹ رہے ہوں گے، ایک سے وہ پئیں گے جس سے ان کی اندرونی میل دھل جائے گی اور دوسرے میں وہ غسل کریں گے، اس کے بعد نہ ان کے جسم میلے ہوں گے اور نہ بال پراگندہ ہوں گے بلکہ نعمتوں کی شگفتگی ان پر اپنی بہار دکھا رہی ہوگی اور ان کے چہرے دمک رہے ہوں گے۔ جب یہ جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو وہاں سونے کے دروازے پر سرخ یاقوت کا حلقہ پائیں گے، اس حلقہ کے ساتھ دستک دیں گے تو اس کی نہایت عمدہ آواز سنائی دے گی جس سے ہر حور کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کا خاوند آ گیا ہے، چنانچہ وہ اپنے منتظم کو بھیجے گی، جب وہ دروازہ کھولے گا تو جنتی اس نورانی پیکر کو دیکھتے ہی اس کے سامنے سجدے میں گر جائے گا۔ وہ اسے کہے گا کہ اپنا سر اٹھائیے، میں تو آپ کا تابع فرمان ہوں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 127
2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 155، تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 126

چنانچہ وہ اس کے ساتھ چل پڑے گا۔ حور جلدی جلدی موتی اور یاقوت کے بنے ہوئے خیمے سے باہر آئے گی اور اپنے جنتی خاوند کو گلے لگا لے گی، پھر اسے کہے گی کہ آپ میرے محبوب ہیں اور میں آپ کی محبوبہ ہوں، میں ہمیشہ رہنے والی ہوں اور مجھے موت کبھی نہیں آئے گی، میں آسودہ حال ہوں اور مجھے نعمتوں سے محروم نہیں کیا جائے گا، میں خوش وخرم رہنے والی ہوں اور کبھی ناراض نہیں ہوں گی اور میرا قیام دائمی ہے اور میں کبھی کوچ نہیں کروں گی۔ جنتی ایسے گھر میں داخل ہوگا جس کی بنیاد سے چھت تک ایک لاکھ گز کی بلندی ہے، اس کی دیواریں انواع واقسام کے سرخ، زرد اور سبز رنگ کے تہ بہ تہ موتیوں سے چنی ہوئی ہیں، ہر تہ منفرد نوعیت کی ہے۔ ہر گھر میں ستر تخت ہیں، ہر تخت پر ستر بستر ہیں، ہر بستر پر ستر حوریں ہیں، ہر حور ستر جوڑے زیب تن کئے ہوئے ہے، اس کے باوجود اس کی پنڈلی کا گودا نیچے سے صاف دکھائی دے رہا ہے۔ مرد کو دنیاوی ایک رات کی مقدار میں ان تمام کے ساتھ مجامعت کی پوری پوری قوت حاصل ہوگی، ان کے نیچے صاف شفاف آلودگی سے پاک پانی کی، خالص اور تازہ دودھ کی جو جانوروں کے تھنوں سے برآمد نہیں ہوا، خوش ذائقہ، پر لطف شراب طہور کی جسے انسانوں نے نہیں نچوڑا اور خالص عمدہ شہد کی جو مکھیوں کے شکم سے نہیں نکلا، نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ پھلوں سے لدے ہوئے درختوں کی ڈالیاں جھوم رہی ہوں گی۔ چاہے تو جنتی انہیں کھڑے ہوکر تناول کرلے، چاہے تو بیٹھ کر اور اگر چاہے تو لیٹ کر۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: وَدَانِیَۃً عَلَیۡہِمۡ ظِلٰلُہَا وَذُلِّلَتۡ قُطُوۡفُہَا تَذۡلِیۡلًا (الدہر: 14) ''اور اس کے درختوں کے سائے ان سے قریب ہوں گے اور میووں کے گچھے جھکے ہوئے لٹک رہے ہوں گے''۔ کھانا انتہائی پر لطف اور لذیذ ہوگا۔ سفید اور سبز رنگ کے پرندے از خود حاضر ہوں گے، وہ اپنے پیروں کو اوپر اٹھالیں گے اور جنتی ان کے اجسام میں سے جو حصہ پسند کرے گا، کھالے گا، پھر وہ اڑ جائیں گے۔ فرشتے حاضر ہوکر اہل جنت کو سلام کریں گے اور کہیں گے: وَتِلۡکَ الۡجَنَّۃُ الَّتِیۡۤ اُوۡرِثۡتُمُوۡہَا بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ (الزخرف: 72) ''اور یہی وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنادیئے گئے ہو ان اعمال کے سبب جو تم کیا کرتے تھے''، اگر کسی حور کا ایک بال بھی زمین پر آگرے تو سورج کی روشنی اس کے سامنے دھیمی اور ماند پڑ جائے (1)۔ یہ روایت تو مرفوع بیان ہوئی ہے لیکن یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اپنے قول سے بھی مروی ہے۔

مجرمین کی حالت زار بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَنَسُوۡقُ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ... یعنی اس روز ہم مجرموں کو پیاسے جہنم کی طرف ہانک کر لائیں گے اور ان کے لئے کوئی اس طرح سفارش کرنے والا نہ ہوگا جس طرح اہل ایمان ایک دوسرے کی سفارش کریں گے۔ ایک دوسری آیت میں فرمایا: فَمَا لَنَا مِنۡ شَافِعِیۡنَ ۙ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِیۡقٍ حَمِیۡمٍ (الشعراء: 101-100) ''تو (آج) ہمارا کوئی سفارشی نہیں ہے اور نہ کوئی غمخوار دوست''

اللہ تعالیٰ کے فرمان اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ ... میں استثناء منقطع بمعنی ''لکن'' ہے۔ اس عہد سے مراد لا الہ الا اللہ کی گواہی دینا اور اس پر استقامت اختیار کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس عہد سے مراد لیتے ہیں: توحید کی گواہی اور غیر اللہ سے منہ موڑ کر صرف اللہ تعالیٰ سے امید وابستہ کرنا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عہد لے لو کیونکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عہد حاصل ہے وہ کھڑا ہو جائے۔ لوگ آپ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: اے ابا عبدالرحمن! ہمیں وہ عہد سکھا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ پڑھا کرو: ''اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ عٰلِمَ الۡغَیۡبِ وَالشَّھَادَۃِ فَاِنِّیۡ اَعۡھَدُ اِلَیۡکَ فِیۡ ھٰذِہِ الۡحَیَاۃِ الدُّنۡیَا اَنَّکَ اِنۡ تَکِلۡنِیۡ اِلٰی عَمَلِیۡ یُقَرِّبۡنِیۡ مِنَ الشَّرِّ وَیُبَاعِدۡنِیۡ مِنَ الۡخَیۡرِ وَاِنِّیۡ لَا اَثِقُ اِلَّا بِرَحۡمَتِکَ فَاجۡعَلۡ لِّیۡ عِنۡدَکَ عَھۡدًا تُؤَدِّیۡہِ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ اِنَّکَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ'' (2)۔ اے اللہ! اے

1۔ ابن ابی حاتم

2۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 378-377

آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے، اے پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے! میں تیرے پاس اس دنیاوی زندگی میں اپنا ایک عہد رکھتا ہوں کہ مجھے ایسے عمل کے سپرد نہ کرنا جو مجھے شر کے قریب اور خیر سے دور کر دے۔ میں صرف تیری رحمت پر بھروسہ کرتا ہوں۔ میرے اس اقرار کو بطور عہد محفوظ فرما اور قیامت کے دن وہ مجھے عطا فرمانا، بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: خَائِفًا مُسْتَجِيرًا مُسْتَغْفِرًا رَاهِبًا رَاغِبًا إِلَيْكَ۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿٨٩﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ﴿٩٢﴾ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾ لَقَدْ أَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿٩٤﴾ وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿٩٥﴾

''اور کفار کہتے ہیں بنا لیا ہے رحمٰن نے (فلاں کو اپنا) بیٹا۔ (اے کافرو!) یقیناً تم نے ایسی بات کی ہے جو سخت معیوب ہے آسمان شق ہو جائیں اس (خرافات) سے اور زمین پھٹ جائے اور پہاڑ گر پڑیں لرزتے ہوئے۔ کیونکہ وہ کہہ رہے ہیں کہ رحمٰن کا ایک بیٹا ہے۔ اور نہیں جائز رحمٰن کیلئے کہ وہ بنائے کسی کو (اپنا) فرزند۔ کوئی ایسی چیز نہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہے مگر وہ حاضر ہوگی رحمٰن کی بارگاہ میں بندہ بن کر۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کا شمار کر رکھا ہے اور انہیں گن لیا ہے اچھی طرح۔ اور وہ سب پیش ہوں گے اس کے سامنے قیامت کے دن تنہا''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبودیت اور بن باپ کے حضرت مریم علیہا السلام کے شکم سے ان کی پیدائش کا تذکرہ اس سورۂ مبارکہ کے شروع میں گزر چکا ہے۔ اب ان لوگوں کی تردید ہو رہی ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا بیٹا بنا لیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی بلند، برتر، اعلیٰ، مقدس اور منزہ ہے۔ لفظ ''اِدًّا'' میں تین قرائتیں ہیں: ''اِدًّا'' ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ، ''اَدًّا'' فتحہ کے ساتھ اور ''آدًا'' مد کے ساتھ۔ پہلی قرأت زیادہ مشہور ہے۔ فرمایا: تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ ... یعنی قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کے پیش نظر فاسق وفاجر بنی آدم کے اس سخت معیوب اور شدید بہتان کے سبب آسمان شق ہو جائیں، زمین پھٹ جائے اور پہاڑ لرزتے ہوئے گر پڑیں کیونکہ ان چیزوں کی تخلیق توحید پر ہوئی ہے اور ان کی اساس میں یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، نہ اس کا کوئی شریک ہے، نہ مثیل، نہ بیٹا، نہ بیوی اور نہ ہی کوئی ہمسر، بلکہ وہ یکتا اور بے نیاز ہے، ہر چیز میں اس کی وحدانیت کی دلیل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شرک ایسی شدید چیز ہے جس سے جن وانس کے سوا آسمان، زمین اور پہاڑ بھی لرز اٹھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے قریب ہے کہ نظام کائنات درہم برہم ہو جائے۔ شرک کے ساتھ کوئی نیکی نفع بخش نہیں لیکن ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل توحید کے گناہوں کو بخش دے گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''اپنے مرنے والوں کو لا الہ الا اللہ کی شہادت کی تلقین کرو، جس نے موت کے وقت اسے کہہ لیا اس کے لئے جنت واجب ہوگئی''، صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! جس نے بوقت عافیت اسے کہہ لیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اس کے لئے بدرجہ اولیٰ (جنت کو) واجب کرنے والا ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! زمین وآسمان، ان کے اندر، ان کے درمیان اور ان کے نیچے کی تمام چیزیں ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دی

جائیں اور لا الہ الا اللہ کی شہادت دوسرے پلڑے میں رکھ دی جائے تو یہ پلڑا جھک جائے'' (1)۔ حدیث بطاقہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے (2)۔ ضحاک کہتے ہیں: قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت سے ڈرتے ہوئے آسمان، زمین اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ قریب ہے کہ زمین اللہ تعالیٰ کے لئے بوجہ غضب پھٹ جائے۔ ''ھد'' کا معنی بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ منہدم ہو جانا ہے۔ سعید بن جبیر اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ لگا تار ایک دوسرے کے اوپر لگ کر ٹوٹ پھوٹ جانا۔ حضرت عون بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کو اس کا نام لے کر بلاتا ہے اور دریافت کرتا ہے کہ آج تمہارے پاس سے کوئی ایسا شخص گزرا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا ہو؟ وہ ہاں میں جواب دیتے ہوئے مسرت کا اظہار کرتا ہے۔ حضرت عون فرماتے ہیں کہ پہاڑ بھلائی کی باتوں کو زیادہ سنتے ہیں۔ جب یہ باطل اور جھوٹی باتوں کو سن لیتے ہیں تو بھلا اچھی باتوں کو کیوں نہیں سنیں گے، پھر انہوں نے اس آیت تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ ... کی تلاوت کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب زمین کو پیدا کیا اور اس میں درخت اگائے تو بنی آدم ہر درخت سے فائدہ اٹھاتے۔ لوگ اسی طرح زمین پر اگنے والے درختوں کے پھلوں سے فائدہ اٹھاتے رہے یہاں تک کہ اولاد آدم سے بدکار لوگ سخت معیوب بات کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔ ان خرافات کی وجہ سے زمین لرزنے لگی اور درخت کانٹے دار ہو گئے۔ حضرت کعب الاحبار کہتے ہیں کہ جب ان نابکاروں نے اللہ تعالیٰ پر یہ بہتان باندھا تو ملائکہ غضبناک ہو گئے اور جہنم بھڑ کنے لگا۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اذیت ناک چیزوں پر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر کرنے والا کوئی نہیں، لوگ اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں اور اس کی اولاد مقرر کرتے ہیں لیکن وہ انہیں عافیت سے نوازتا ہے، ان سے تکلیف دور کرتا ہے اور انہیں رزق بہم پہنچاتا ہے'' (3)۔

فرمایا: وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ ... یعنی بیٹا بنانا اللہ تعالیٰ کو زیب ہی نہیں دیتا اور نہ ہی یہ اس کے جلال اور عظمت کے لائق ہے کیونکہ مخلوق میں سے کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں بلکہ تمام مخلوق اس کی بندگی اور غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈالے ہوئے ہے، اس لئے فرمایا: اِنْ كُلُّ مَنْ..... یعنی ہر چیز بندہ بن کر رحمٰن کے حضور حاضر ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو گن کر شمار کر رکھا ہے، ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامت تک کے تمام مرد و زن اور چھوٹے بڑے اس کی گنتی میں ہیں اور سب تنہا اس کی بارگاہ میں پیش ہوں گے۔ اللہ وحدہ لا شریک کے سوا وہاں نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی پناہ دینے والا۔ وہ اپنی مشیت کے مطابق اپنی مخلوق میں فیصلہ فرمائے گا۔ وہ عادل ہے اور کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿٩٧﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾

''بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے پیدا فرما دے گا خدائے مہربان ان کے لئے (دلوں میں) محبت۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 130

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الایمان، جلد 10 صفحہ 107-108، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1437، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 223,213

3۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 8 صفحہ 31، صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2160، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 405

صرف اس لئے ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو آپ کی زبان میں اتار کر تا کہ آپ مژدہ سنائیں اس سے پرہیزگاروں کو اور ڈرائیں اس کے ذریعہ اس قوم کو جو بڑی جھگڑالو ہے۔ اور کتنی قومیں تھیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا ان سے پہلے کیا محسوس کرتے ہو ان میں سے کسی کو یا سنتے ہو ان کی کوئی آہٹ''۔

اللہ تعالیٰ اپنے صالح بندوں کے دلوں میں اپنے ان مومن بندوں کی محبت و مودت پیدا کر دیتا ہے جو شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق نیک اعمال بجالا کر اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں۔ اس مضمون کی متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ اے جبریل علیہ السلام! میں فلاں سے محبت کرتا ہوں، اس لئے تم بھی اس سے محبت کرو، چنانچہ جبریل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر آسمان والوں میں یہ اعلان کر دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں کو اپنا محبوب رکھتا ہے، پس تم بھی اس سے محبت کرو چنانچہ آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر زمین پر اسے مقبولیت عامہ بخشی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے ناخوش ہوتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں سے ناراض ہوں، اس لئے تم بھی اس سے دشمنی کرو، چنانچہ جبریل علیہ السلام بھی اس کے دشمن بن جاتے ہیں، پھر آسمان والوں میں یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے، اس لئے تم بھی اس سے عداوت اور نفرت کرو چنانچہ آسمان کے تمام فرشتے بھی اس کے دشمن بن جاتے ہیں پھر زمین پر اس سے عداوت اور نفرت کو عام کر دیا جاتا ہے'' (1)۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بندہ مسلسل اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں لگا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ میرا فلاں بندہ مجھے راضی کرنے کا خواہاں ہے، سنو، اس پر میری رحمتیں نازل ہو گئیں۔ چنانچہ جبریل اعلان کرتے ہیں کہ فلاں پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہو گیا، پھر حاملین عرش اور ان کے ارد گرد کے فرشتے یہاں تک کہ ساتوں آسمان کے فرشتے بھی یہی اعلان کرتے ہیں، پھر زمین پر بھی یہ اعلان عام ہوتا ہے'' (2)۔ یہ روایت غریب ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور شہرت آسمان سے اترتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو جبریل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں، چنانچہ جبریل علیہ السلام یہ اعلان کرتے ہیں کہ تمہارا رب فلاں سے محبت کرتا ہے اس لئے تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر زمین پر اس کی محبت پھیل جاتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے ناراض ہو جاتا ہے تو جبریل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ میں فلاں سے ناراض ہوں اس لئے تم بھی اس سے عداوت رکھو، چنانچہ جبریل علیہ السلام یہ اعلان کرتے ہیں کہ تمہارا رب فلاں سے ناخوش ہے اس لئے تم بھی اس کے دشمن بن جاؤ، چنانچہ زمین پر اس سے بغض اور عداوت عام ہو جاتی ہے'' (3)۔ یہ حدیث بھی غریب ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو ندا دیتا ہے کہ میں نے فلاں کو اپنا محبوب بنا لیا ہے اس لئے تم بھی اس سے محبت کرو۔ چنانچہ آسمان میں یہ اعلان کر دیا جاتا ہے پھر تمام لوگوں میں اس کی محبت عام کر دی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اِنَّ الَّذِیْنَ ... وُدًّا کا یہی مقصد ہے'' (4)۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 8 صفحہ 17 صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2030، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 413

2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 279

3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 263

4۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2031، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ مریم، جلد 11 صفحہ 17-18

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں لوگوں کے درمیان ان کی محبت عام کر دیتا ہے، ایک اور روایت میں آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت فرماتا ہے اور اپنے مومن بندوں کے ہاں انہیں محبوب بنا دیتا ہے۔ عوفی سے منقول روایت میں آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہیں دنیا میں مسلمانوں کی طرف سے محبت، عمدہ رزق اور (مرنے کے بعد) ذکر خیر نصیب ہوتا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے دلوں میں ان کی محبت ڈال دیتا ہے۔ ہرم بن حیان کہا کرتے تھے کہ جو بندہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے دلوں کو اس کی طرف مائل کر دیتا ہے یہاں تک کہ ان کی محبت ومودت سے اسے نواز دیتا ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ بندہ جو بھی اچھا یا برا عمل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسی عمل کی چادر اسے پہنا دیتا ہے۔(1) حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے ارادہ کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کروں گا جس کے باعث مجھے لوگوں میں خوب شہرت مل جائے۔ چنانچہ وہ سرگرمی کے ساتھ عبادت میں لگ گیا، ہر وقت نماز پڑھتے ہوئے دکھائی دیتا، سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوتا اور سب سے آخر میں باہر نکلتا۔ اس کے باوجود لوگ اسے کوئی وقعت نہ دیتے، اسی طرح سات مہینے گزر گئے۔ جب وہ لوگوں کے پاس سے گزرتا تو وہ کہتے کہ اس ریاکار کو دیکھو۔ اپنے متعلق لوگوں کے خیالات سن کر وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا اور کہنے لگا کہ مجھے تو بہت برے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے، اب میں ہر عمل محض رضائے الٰہی کے حصول کے لئے کروں گا۔ سابقہ اعمال کو برقرار رکھتے ہوئے اس نیت کا قبلہ درست کرنے کی دیر تھی کہ اب وہ لوگوں کے پاس سے گزرتا تو وہ بے ساختہ کہہ اٹھتے کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص پر رحم فرمائے۔ پھر انہوں نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ ابن جریر سے مروی ایک اثر میں آتا ہے کہ یہ آیت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی ہجرت کے متعلق نازل ہوئی ہے(1)۔ لیکن یہ قول درست نہیں ہے کیونکہ یہ پوری سورت مکی ہے، ہجرت کے بعد اس کا کوئی حصہ نازل نہیں ہوا اور اس اثر کی سند بھی درست نہیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: فَإِنَّمَا يَسَّرْنَٰهُ یعنی اے میرے پیارے رسول! ہم نے اس قرآن کو آپ کی فصیح و بلیغ اور کامل عربی زبان میں بالکل آسان کر کے نازل کیا ہے تاکہ آپ ان متقی بندوں کو اس کے ذریعے بشارت دیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو قبول کرتے ہیں اور اس کے رسول کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ان جھگڑالو لوگوں کو ڈرائیں جو حق سے اعراض کر کے باطل کی طرف مائل ہیں۔ مجاہد کے بقول قَوْمًا لُّدًّا سے مراد راہ راست سے منحرف لوگ مراد ہیں۔ ابو صالح کے نزدیک اس سے مراد حق سے روگردانی کرنے والے لوگ ہیں۔ ضحاک کے بقول اس کا معنی جھگڑالو، قرظی کے نزدیک اس کا معنی جھوٹے لوگ اور حضرت حسن بصری کے بقول بہرے لوگ ہیں۔ بعض دیگر حضرات کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کے کان بہرے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد قریش ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فاجر لوگ ہیں۔ ابن زید نے اس کا معنی ظالم بتاتے ہوئے آیت کا یہ حصہ پڑھا: وَهُوَ أَلَدُّ ٱلْخِصَامِ (البقرہ:204) "وہ (حق کا) سخت ترین دشمن ہے"۔ آخری آیت میں فرمایا: وَكَمْ أَهْلَكْنَا یعنی کتنی ہی ایسی قومیں ہیں جنہیں ہم نے آیات الٰہی کے ساتھ کفر کرنے اور رسولوں کی تکذیب کرنے کی پاداش میں ہلاک کر دیا۔ کیا تم ان میں سے کسی کو محسوس کرتے ہو یا کسی کی آہٹ سنتے ہو۔ "رکز" دھیمی آواز اور آہٹ کو کہتے ہیں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 16، صفحہ 133-132

سورۃ طٰہٰ (مکیہ)

امام الائمہ محمد بن اسحاق بن خزیمہ کتاب التوحید میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق سے ایک ہزار سال پہلے سورۃ طٰہٰ اور سورۃ یٰسین کی تلاوت فرمائی، فرشتوں نے جب اسے سنا تو کہنے لگے کہ وہ امت بہت سعادت مند ہے جس پر اس کلام کا نزول ہوگا، وہ سینے قابل تحسین ہیں جو اس کلام کو محفوظ رکھیں گے اور وہ زبانیں مبارکباد کی مستحق ہیں جو اس کلام کی تلاوت کریں گے۔(1)" یہ حدیث غریب ہے اور اس میں نکارت بھی ہے۔ مزید برآں اس کے راوی ابراہیم بن مہاجر اور ان کے شیخ پر تنقید کی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

طٰهٰ ۚ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤی ۙ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی ۙ تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَ السَّمٰوٰتِ الْعُلٰی ؕ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ۞ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا وَ مَا تَحْتَ الثَّرٰی ۞ وَ اِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰی ۞ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۞

"طاھا۔ نہیں اتارا ہم نے آپ پر یہ قرآن کہ آپ مشقت میں پڑیں۔ بلکہ یہ نصیحت ہے اس کے واسطے جو (اپنے رب سے) ڈرتا ہے۔ یہ اتارا گیا ہے اس ذات کی طرف سے جس نے پیدا فرمایا زمین کو اور بلند آسمانوں کو۔ وہ بے حد مہربان (کائنات کی فرمانروائی کے) تخت پر متمکن ہوا۔ اسی کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور جو کچھ گیلی مٹی کے نیچے ہے۔ اور اگر تو بلند آواز سے بات کرے (تو تیری مرضی) وہ تو بلاشبہ جانتا ہے رازوں کو بھی اور دل کے بھیدوں کو بھی۔ اللہ (وہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے۔ اس کے لئے بڑے خوبصورت نام ہیں"۔

حروف مقطعات کے متعلق بحث سورۃ بقرہ کے اوائل میں گزر چکی ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں، البتہ بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ "طٰہٰ"، یارجل (اے شخص) کے معنی میں ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ نبطی زبان کا لفظ ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ معرب ہے۔ قاضی عیاضؒ اپنی کتاب الشفاء میں ایک روایت ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں ایک پاؤں پر کھڑے ہو جاتے اور دوسرا پاؤں اٹھا لیتے، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "طٰہٰ" یعنی اے محمد! اپنے دونوں پاؤں زمین پر رکھا کریں، پھر فرمایا: مَاۤ اَنْزَلْنَا قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس ارشاد میں نبی کریم ﷺ کے لئے موجود اعزاز و اکرام اور حسن معاملہ مخفی نہیں ہے(2)۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 548

2۔ کتاب الشفاء از قاضی عیاض، جلد 1 صفحہ 56

قرآن کریم نازل کیا تو رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پوری دلجمعی کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہو گئے۔ یہ دیکھ کر مشرک قریش کہنے لگے کہ یہ قرآن محمد (ﷺ) پر اس لئے نازل کیا گیا ہے تاکہ وہ مشقت میں مبتلا ہو جائیں، اس پر یہ آیات (طٰہٰ...) اتریں، اور یہ واضح کر دیا گیا کہ معاملہ اس طرح نہیں جیسا کہ یہ باطل پرست گمان کئے ہوئے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جسے علم سے نوازتا ہے، اس کے ساتھ وہ خیر کثیر کی عطا کا ارادہ فرماتا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے'' (1)۔ کیا ہی خوب حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: '' قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلے کرنے کے لئے اپنی کرسی پر جلوہ گر ہوگا تو علماء سے فرمائے گا کہ تمہیں اپنا علم اور حکمت عطا کرنے سے میرا یہ ارادہ تھا کہ میں تمہارے گناہوں کو بخش دوں اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ تم نے کیا کیا'' (2)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت مَآ اَنۡزَلۡنَا ..... اس فرمان کی طرح ہے: فَاقۡرَءُوۡا مَا تَيَسَّرَ مِنۡهُ (المزمل: 20) '' تو پڑھ لیا کرو قرآن سے جتنا آسان ہو''۔ اس آیت کے نزول سے پہلے لوگ نماز میں خود کو رسیوں میں جکڑ کر لٹکا لیا کرتے تھے۔ اس آیت کے ذریعے ان کی اس مشقت کو ختم کر دیا۔ قتادہ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو باعث شقاوت نہیں بلکہ رحمت، نور اور جنت کی طرف رہنما بنایا ہے۔ پھر فرمایا: اِلَّا تَذۡكِرَةً ..... یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر خصوصی رحمت فرماتے ہوئے اپنی کتاب نازل کی اور اپنے محبوب رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا تاکہ نصیحت کو قبول کرنے کی خواہش رکھنے والا شخص کتاب اللہ کو سن کر نصیحت حاصل کرے اور نفع پائے۔ یہ قرآن کریم تو سراسر ذکر اور نصیحت ہے جس میں حلال و حرام کو واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے اور یہ قرآن کریم جو نبی کریم ﷺ کے قلب اقدس پر اترا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو ہر چیز کا رب اور مالک ہے، وہ جو چاہے اس پر پوری طرح قادر ہے، اسی نے زمین کو پست اور کثیف بنایا ہے اور آسمان کو بلند اور لطیف پیدا کیا ہے۔ ترمذی وغیرہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت کی ہے اور ہر دو آسمانوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے (3)۔ ابن ابی حاتم نے اسی آیت کی تفسیر کے تحت حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث اوعال بیان کی ہے (4)۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى کی تفسیر سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں (5)۔ اس بارے میں سب سے زیادہ محفوظ مسلک سلف کا ہے یعنی اس بارے میں کتاب و سنت میں جو کچھ مذکور ہے اسے بغیر تکییف، تحریف، تشبیہ، تعطیل اور تمثیل کے ظاہری الفاظ کے مطابق تسلیم کیا جائے۔ فرمایا: لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ یعنی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت، اس کے قبضۂ قدرت میں اور اس کے تصرف، مشیت، ارادہ اور حکم کے ماتحت ہیں۔ وہی تمام اشیاء کا خالق، مالک اور معبود ہے، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ ہی اس کے سوا کوئی رب ہے۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ وَمَا تَحۡتَ الثَّرٰى سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جو ساتویں زمین کے نیچے ہیں۔ حضرت کعب سے پوچھا گیا کہ اس زمین کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا: پانی۔ پھر دریافت کیا گیا کہ پانی کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا: زمین۔ پھر پوچھا گیا کہ زمین کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا: پانی۔ اسی طرح بار بار دریافت کرنے پر یہی جواب دیتے رہے، پھر کہنے لگے کہ زمین کے نیچے ایک چٹان ہے۔ پوچھا گیا کہ چٹان کے نیچے کیا ہے؟ جواب دیا: فرشتہ۔ سوال کیا گیا کہ فرشتے کے نیچے کیا

1۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، جلد 1 صفحہ 27، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 718
2۔ معجم کبیر، جلد 2 صفحہ 84
3۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ حدید، جلد 11 صفحہ 182-184
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 231، سنن ابن ماجہ، المقدمۃ، جلد 1 صفحہ 69 وغیرہ
5۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اعراف: 54

ہے؟ فرمایا: ایک مچھلی ہے۔ جس کی دونوں طرفیں عرش کے ساتھ معلق ہیں۔ پھر پوچھا گیا کہ مچھلی کے نیچے کیا ہے؟ جواب دیا کہ اس کے نیچے ہوا اور تاریکی ہے اور بس اس قدر ہی معلوم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ سب سے اوپر والی زمین ایک مچھلی کی پشت پر ہے۔ جس کے دونوں بازو آسمان میں ہیں۔ یہ مچھلی ایک چٹان پر ہے اور یہ چٹان ایک فرشتے کے ہاتھ میں ہے، دوسری زمین ہواؤں کا مخزن ہے، تیسری میں جہنم کے پتھر ہیں، چوتھی میں جہنم کی گندھک ہے، پانچویں میں جہنم کے سانپ ہیں، چھٹی میں جہنم کے بچھو ہیں اور ساتویں میں جہنم ہے، یہیں ابلیس جکڑا ہوا ہے، اس کا ایک ہاتھ آگے ہے اور ایک ہاتھ پیچھے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، اسے چھوڑ دیتا ہے''(1)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے اور اس کے مرفوع ہونے میں تامل ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شدید گرمی کے موسم میں غزوہ تبوک سے واپس آ رہے تھے۔ ہم دو دو اور چار چار آدمیوں کی ٹولیاں بنائے بکھر کر چل رہے تھے۔ میں لشکر کے آگے تھا۔ اچانک ایک شخص ہمارے پاس آیا اور سلام کر کے پوچھنے لگا کہ تم میں سے محمد (ﷺ) کون ہیں؟ میرے ساتھی تو آگے بڑھتے گئے اور میں اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ لشکر کے وسط میں سرخ رنگ کے اونٹ پر سوار تھے اور گرمی سے بچاؤ کی خاطر آپ اپنے سر کو ڈھانپے ہوئے تھے۔ جب آپ ﷺ ہمارے قریب آئے تو میں نے اس شخص سے کہا کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ اس نے پوچھا کہ ان لوگوں میں سے آپ ﷺ کون ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ سرخ سواری والے۔ چنانچہ وہ شخص آپ ﷺ کے قریب چلا گیا اور آپ کی سواری کی نکیل تھام لی۔ آپ ﷺ رک گئے۔ وہ دریافت کرنے لگا کہ آپ محمد (ﷺ) ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ وہ کہنے لگا کہ میں چند چیزوں کے متعلق آپ سے استفسار کرنا چاہتا ہوں جن کے متعلق بجز ایک دو آدمیوں کے کسی کو علم نہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس چیز کے متعلق چاہو، سوال کرو''۔ وہ پوچھنے لگا کہ کیا نبی سوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل بیدار رہتا ہے''۔ اس نے کہا کہ آپ نے سچ کہا ہے پھر اس نے دریافت کیا کہ بچہ کیونکر اپنے باپ اور اپنی ماں کے مشابہ ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مرد کا پانی سفید اور گاڑھا ہوتا ہے جبکہ عورت کا پانی زرد اور پتلا ہوتا ہے، دونوں پانیوں میں سے جو دوسرے پر غالب آ جائے، وہی بچے کو اپنے مشابہ کر لیتا ہے''۔ اس نے کہا کہ آپ نے درست فرمایا ہے۔ پھر اس نے استفسار کیا کہ بچے کے کون سے اعضاء مرد کے پانی سے بنتے ہیں اور کون سے عورت کے پانی سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مرد کے پانی سے ہڈیاں، رگیں اور پٹھے اور عورت کے پانی سے گوشت، خون اور بال''۔ اس نے کہا کہ آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔ پھر وہ آپ ﷺ سے دریافت کرنے لگا کہ اس زمین کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا: ''مخلوق''، اس نے پوچھا کہ اس مخلوق کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا: زمین۔ سوال کیا کہ زمین کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا: ''پانی''۔ پوچھا کہ پانی کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا: ''تاریکی''۔ سوال کیا کہ اس تاریکی کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا: ''ہوا''، دریافت کیا کہ ہوا کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا: ''گیلی مٹی''۔ سوال کیا کہ اس کے نیچے کیا ہے؟ اس پر آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے اور آپ ﷺ فرمانے لگے: ''مخلوق کے علم کی یہاں انتہاء ہو جاتی ہے، اس کے آگے کا علم صرف خالق کو ہے۔ اے سوال کرنے والے! جس سے ان چیزوں کے متعلق دریافت کیا جا رہا ہے، وہ سائل سے زیادہ جاننے والا نہیں'' اس شخص نے کہا کہ آپ نے درست فرمایا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون ہے؟ صحابہ نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے

1۔ ابن ابی حاتم

ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ جبریل علیہ السلام تھے"(1)۔ یہ حدیث بھی نہایت غریب ہے اور اس کا سیاق بھی بہت عجیب ہے۔ اس کے راویوں میں قاسم بن عبدالرحمن منفرد ہیں جن کے متعلق یحییٰ بن معین کا کہنا ہے کہ اس کی کوئی حیثیت نہیں اور ابوحاتم رازی نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن عدی کا کہنا ہے کہ یہ غیر معروف ہے اور اس نے اس حدیث میں خلط ملط کر دیا ہے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے دانستہ طور پر ایسا کیا ہو یا پھر اسی طرح حدیث ان کے پاس پہنچی ہو۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: وَ اِنْ تَجْهَرْ .. یعنی اس قرآن کو زمین و آسمان کے خالق نے نازل کیا ہے جو رازوں اور دلوں کے بھیدوں سے بخوبی واقف ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (الفرقان:6) "فرمائیے اتارا ہے اسے اس (خدا) نے جو آسمانوں اور زمین کے سارے رازوں کو جانتا ہے واقعی وہ غفور رحیم ہے"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "السر" سے مراد وہ بھید ہے جو ابن آدم اپنے دل میں چھپاتا ہے اور "اخفی" سے مراد وہ مخفی کام ہے جو ابن آدم آئندہ چل کر کرنے والا ہے، ابھی اسے اس کے متعلق علم نہیں لیکن اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔ ماضی اور مستقبل کے متعلق اسے یکساں علم ہے۔ اس کے علم میں تمام مخلوق نفس واحد کی طرح ہے اور یہی مقصود اس آیت سے ہے: مَا خَلْقُكُمْ وَ لَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ (لقمان:28) "نہیں ہے تم سب کو پیدا کرنا اور پھر زندہ کرنا مگر ایک نفس کی مانند"۔ ضحاک کہتے ہیں کہ "السر" سے مراد دل میں پیدا ہونے والے خیالات ہیں اور "اخفی" سے مراد وہ خیالات ہیں جنہوں نے ابھی تک دل میں جنم نہیں لیا۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ تو صرف آج کے پوشیدہ اعمال کے متعلق جانتا ہے اور کل کے پوشیدہ اعمال کے بارے میں تمہیں کوئی خبر نہیں لیکن اللہ تعالیٰ آج اور کل کے پوشیدہ اعمال کو خوب جانتا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ "اخفی" سے مراد وسوسہ ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ عمل ہے جو بندے نے آئندہ کرنا ہے لیکن ابھی اسے اس کا احساس تک نہیں۔ پھر فرمایا: اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ - یعنی جس نے قرآن کریم نازل کیا ہے وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی کے خوبصورت نام اور اعلیٰ صفات ہیں۔ اسماء حسنیٰ کے متعلق احادیث سورۂ اعراف کے آخر میں گزر چکی ہیں(2)۔

وَ هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ مُوْسٰىۘ ۝ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝

"اور (اے حبیب!) کیا پہنچی ہے آپ کو اطلاع موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کی؟ جب (مدین سے واپسی پر تاریک رات میں) آپ نے آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں کو کہا کہ (ذرا یہاں) ٹھہرو۔ میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں لے آؤں تمہارے لیے اس سے کوئی چنگاری یا مجھے مل جائے آگ کے پاس کوئی راہ دکھانے والا"۔

یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا آغاز ہو رہا ہے۔ بتایا جا رہا ہے کہ کیسے آپ کی طرف وحی کی ابتداء ہوئی اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا آپ کو شرف حاصل ہوا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ نے اپنے سسر سے طے شدہ مدت کی تکمیل کر دی اور دس سال سے زائد عرصہ کی غیر حاضری کے بعد اپنے اہل خانہ کے ہمراہ آپ واپس اپنے وطن مصر کی طرف عازم سفر ہوئے۔ دوران سفر رستہ بھول گئے۔ سخت سردی کی رات تھی، شدید سردی، ٹھنڈک، بادل، تاریکی اور دھند میں گھرے ہوئے آپ نے گھاٹیوں اور پہاڑوں کے درمیان ایک جگہ قیام کیا۔ اپنے چقماق سے آگ نکالنا چاہی لیکن اس سے آگ بالکل برآمد نہ ہوئی۔ اسی اثناء میں کوہ طور کی دائیں جانب آپ کو

1۔ مسند ابی یعلی 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اعراف: 180

آگ دکھائی دی۔ آپ نے اپنے اہل خانہ کو خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا: اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ ایک دوسری آیت میں فرمایا: اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ (القصص: 29) ''یا آگ کی کوئی چنگاری (لے آؤں) تاکہ تم اسے تاپ سکو''۔ آپ کا یہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ اس وقت سخت سردی اور ٹھنڈک تھی۔ '' بقبس '' کا لفظ اس بات کی دلیل ہے کہ اسوقت سخت اندھیرا تھا اور اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى فرمانا اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ آپ رستہ بھول چکے تھے۔ جب آپ نے آگ دیکھی تو اپنے اہل خانہ سے فرمایا کہ اگر مجھے رستہ بتلانے والا کوئی شخص نہ بھی ملا تو کم از کم تاپنے کے لئے آگ تمہارے لئے لے ہی آؤں گا۔

فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰى ﴿۱۱﴾ اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۲﴾ وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰى ﴿۱۳﴾ اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ﴿۱۴﴾ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ﴿۱۵﴾ فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ﴿۱۶﴾

''پس جب آپ وہاں پہنچے تو ندا کی گئی اے موسیٰ! بلاشبہ میں تیرا پروردگار ہوں، پس تو اتار دے اپنے جوتے بیشک تو طویٰ کی مقدس وادی میں ہے۔ اور میں نے پسند کر لیا ہے تجھے (رسالت کے لئے) سو خوب کان لگا کر سن جو وحی کیا جاتا ہے۔ یقیناً میں ہی اللہ ہوں نہیں ہے کوئی معبود میرے سوا پس تو میری عبادت کیا کر اور ادا کیا کر نماز مجھے یاد کرنے کے لئے۔ بیشک وہ گھڑی (قیامت) آنے والی ہے۔ میں اسے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ بدلہ دیا جائے ہر شخص کو اس کام کا جس کے لئے کوشاں ہے۔ پس ہرگز نہ روکے تجھے اس (کو ماننے) سے وہ شخص جو نہیں ایمان رکھتا اس پر اور پیروی کرتا ہے اپنی خواہش کی، ورنہ تم بھی ہلاک ہو جاؤ گے''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب آگ کے قریب پہنچے تو آپ کو ندا دی گئی، اسے ایک دوسری آیت میں یوں بیان فرمایا: نُوْدِیَ مِنْ شَاطِیِٔ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ (القصص: 30) '' ندا آئی وادی کے دائیں کنارہ سے اس بابرکت مقام میں ایک درخت سے کہ اے موسیٰ! بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں''، اور یہاں یہ ندا ہوئی: اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّكَ ۔ یعنی میں تمہارا رب تم سے ہم کلام اور مخاطب ہوں، پس اپنے جوتے اتار دو۔ حضرات علی، ابوذر، ابوایوب اور دیگر سلف کا کہنا ہے کہ آپ کے جوتے گدھے کے چمڑے سے بنے ہوئے تھے، اس لئے انہیں اتارنے کا حکم ہوا۔ بعض نے کہا ہے کہ تعظیم کے پیش نظر آپ کو جوتے اتارنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ کعبہ شریف میں داخل ہونے کے لئے جس طرح آدمی کو جوتے اتارنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا، بالکل اسی طرح یہ حکم تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جوتے اتروانے کا یہ مقصد تھا تاکہ آپ کے تلوے اس مقدس سرزمین کو چھو لیں، علاوہ ازیں اور بھی متعدد اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس اور دیگر متعدد حضرات کا کہنا ہے کہ '' طویٰ '' اس وادی کا نام ہے۔ اس صورت میں عطف بیان ہوگا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد وادی پر قدم رکھنے کا حکم دینا ہے(1)۔ بعض نے کہا ہے کہ چونکہ اس وادی کو بار بار پاک کیا گیا اور اس میں بار بار برکتیں بھر دی گئیں اس لئے اس کا نام '' طویٰ '' پڑ گیا، بہرکیف پہلا قول زیادہ صحیح ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 146 الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 560

طُوًی (النازعات: 16) ”جب ان کے رب نے انہیں طویٰ کی مقدس وادی میں پکارا تھا“۔ اور یہ فرمان وَاَنَا اخْتَرْتُكَ اس فرمان کی طرح ہے: اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِكَلَامِیْ (الاعراف: 144) ”میں نے تجھے تمام لوگوں پر سرفراز کیا ہے اپنی پیغامبری سے اور اپنے ساتھ ہم کلام ہونے سے“۔ یعنی آپ کے زمانے میں موجود تمام لوگوں میں سے آپ کو چن لیا۔ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمام لوگوں میں سے صرف تمہیں کیوں اپنی ہم کلامی کا شرف بخشا؟ آپ نے عرض کی: نہیں۔ فرمایا: اس لئے کہ میرے حضور تمہاری طرح کسی نے تواضع نہیں کی۔ پھر فرمایا: فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی یعنی اب میرے ارشاد اور وحی کو غور سے سنیں کہ بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں اور میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ مکلفین پر سب سے پہلا فریضہ اس حقیقت کو جاننا ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر آپ کو عبادت اور نماز کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: فَاعْبُدْنِیْ ... یعنی بغیر کسی کو شریک کئے صرف میری عبادت کرو اور مجھے یاد کرنے کے لئے نماز قائم کرو۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ... کا بعض نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ مجھے یاد کرنے کے لئے نماز پڑھو اور بعض نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ جب میری یاد آئے نماز پڑھو، اس دوسرے مفہوم کی تائید حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کسی کو نیند آجائے اور نماز نہ پڑھ سکے یا نماز سے غافل ہو جائے تو جب اسے یاد آجائے، نماز پڑھ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ (1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ ”جو شخص نماز پڑھے بغیر سو جائے یا اسے بھول جائے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب اسے یاد آجائے، اس وقت نماز پڑھ لے، اس کا یہی کفارہ ہے“ (2)۔ قیامت کے متعلق فرمایا: اِنَّ السَّاعَةَ ... یعنی قیامت کا وقوع یقینی اور ضروری ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ”اُخْفِیْهَا“ کے بعد ”مِنْ نَفْسِیْ“ کے الفاظ بھی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے کبھی بھی کوئی چیز مخفی نہیں ہو سکتی۔ اس قرأت کے مطابق معنی یہ ہوگا کہ قیامت آنے والی ہے، اگر ممکن ہوتو میں اسے اپنی ذات سے بھی پوشیدہ رکھوں لیکن میری ذات سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ اَكَادُ اُخْفِیْهَا کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ میں قیامت کے متعلق کسی کو مطلع نہیں کروں گا۔ سدی کہتے ہیں کہ زمین و آسمان کے مکینوں میں سے ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے قیامت کا علم مخفی رکھا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں یہ الفاظ ہیں: ”اِنِّیْ اَكَادُ اُخْفِیْهَا مِنْ نَّفْسِیْ“ یعنی میں نے تمام مخلوقات سے اسے مخفی کر رکھا ہے، اگر اپنی ذات سے بھی اسے پوشیدہ رکھنا ممکن ہوتا تو میں ایسا بھی ضرور کر گزرتا۔ ایک قرأت میں ”اخفیها من نفسی“ ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کو مقرب فرشتوں اور انبیاء و رسل سے بھی چھپا رکھا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے فرمایا: قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ (النمل: 65) ”فرما دیجئے نہیں جانتے غیب کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں بجز اللہ تعالیٰ کے“۔ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً (الاعراف: 187) ”یہ (حادثہ) آسمانوں اور زمین میں بہت گراں ہے۔ یہ نہ آئے گی تم پر مگر اچانک“ یعنی زمین و آسمان والوں پر اس کا علم بھاری ہے۔ ورقاء کہتے ہیں کہ حضرت سعید بن جبیر نے مجھے ”اَخفیها“ (فتح الف کے ساتھ) پڑھایا ہے۔ اس قرأت کے مطابق اس کا معنی ظاہر کرنا ہے۔ قیام قیامت کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: لِتُجْزٰی ... یعنی میں اس لئے قیامت برپا کروں گا تا کہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ عطا کروں جیسا کہ فرمایا: فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۝ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ (الزلزال: 7-8) ”پس جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 184
2۔ صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 155، صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 477

کی ہوگئی اسے بھی وہ دیکھ لے گا"۔ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (التحریم: 7) "تمہیں اسی کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے"۔ اور اس فرمان فَلَا يَصُدَّنَّكَ ... کا مخاطب ہر ہر شخص ہے یعنی ایسے لوگوں کی پیروی نہ کرو جو قیامت کو جھٹلاتے ہیں، دنیاوی لذات میں کھوئے ہوئے ہیں، اپنے مولیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں اور اپنی خواہشات کے اسیر بنے ہوئے ہیں۔ جس نے ان کی موافقت کی وہ خائب و خاسر ہو گیا اور بربادی اس کا مقدر بن گئی۔ "تردی" ہلاک و برباد ہونے کے معنی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ مَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى (اللیل: 11) "اور اس کا مال اس کے کسی کام نہ آئے گا جب وہ ہلاک ہوگا"۔

وَ مَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۷﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَ اَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَ لِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿۱۸﴾ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ﴿۱۹﴾ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿۲۰﴾ قَالَ خُذْهَا وَ لَا تَخَفْ ۫ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿۲۱﴾

"اور (ندا آئی) یہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ! عرض کی (میرے رب!) یہ میرا عصا ہے۔ میں ٹیک لگاتا ہوں اس پر اور میں پتے جھاڑتا ہوں اس سے اپنی بکریوں کے لئے اور میرے لئے اس میں کئی اور فائدے بھی ہیں۔ حکم ہوا ڈال دے اسے زمین پر اے موسیٰ! تو آپ نے اسے زمین پر ڈال دیا پس اچانک وہ سانپ بن کر (ادھر ادھر) دوڑنے لگا۔ حکم ہوا اسے پکڑ لو اور مت ڈرو۔ ہم لوٹا دیں گے اسے اپنی پہلی حالت پر"۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واضح برہان اور خلاف عادت رونما ہونے والے عظیم معجزہ سے سرفراز کیا جس کا ظہور صرف قدرت خداوندی سے اور صرف رسول کے ہاتھ پر ہی ممکن ہے۔ یہ معجزہ ہے عصا کا اژدھا بن جانا۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ سوال کرنا وَمَا تِلْكَ ... حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے سے مانوس کرنے کی غرض سے تھا اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں استفہام تقریری ہے، اس صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ تمہارے دائیں ہاتھ میں جو کچھ ہے کیا یہ تمہارا وہ ڈنڈا نہیں جسے تم اچھی طرح پہچانتے ہو۔ اب عنقریب تم ملاحظہ کرلو گے کہ ہم اس کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ جواب میں آپ نے عرض کی: هِيَ عَصَايَ...... یعنی یہ میرا عصا ہے، چلتے ہوئے میں اس پر سہارا لیتا ہوں اور درختوں سے اس کے ساتھ پتے جھاڑتا ہوں تاکہ میری بکریاں انہیں چر لیں۔ امام مالک "ھش" کا مفہوم یہ بتاتے ہیں کہ آدمی کا ڈنڈے کے مڑے ہوئے سرے کو ٹہنی میں ڈال کر اس طرح حرکت دینا کہ صرف پتے اور پھل گریں، ٹہنی نہ ٹوٹنے پائے[1]، پھر عصا کے بارے میں مزید یہ بیان کیا: وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى یعنی اس کے ساتھ میری دیگر ضروریات اور فوائد بھی وابستہ ہیں۔ بعض لوگوں نے تکلف سے کام لیتے ہوئے ان فوائد اور ضروریات کو بیان کیا ہے جنہیں یہاں مبہم رکھا گیا ہے، کہتے ہیں کہ یہ عصا رات کیوقت روشنی فراہم کرتا، جب آپ علیہ السلام سو جاتے تو یہ بکریوں کی نگہبانی کرتا اور اگر زمین میں اسے گاڑ دیتے تو سایہ دار درخت بن جاتا۔ اسی طرح کے اور بھی خلاف عادت امور اس سے صادر ہوتے، بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ اس طرح نہیں تھا کیونکہ اگر واقعی ایسا ہوتا تو جب یہ عصا اژدھا بن کر لہرانے لگا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے دیکھ کر خوفزدہ نہ ہوتے اور نہ ہی ڈر کر بھاگتے۔ یہ اسرائیلی روایت معلوم ہوتی ہے، بالکل اسی طرح بعض کا یہ قول ہے کہ یہ عصا حضرت آدم علیہ السلام کا تھا اور یہ قول بھی افسانہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہی عصا قیامت کے قریب "دَابَّةُ الارض" کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس عصا کا نام

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 564

"ماشاء" تھا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ عصا زمین پر ڈالا تو اس نے ایک بہت بڑے اور لمبے اژدھے کی شکل اختیار کر لی اور تیزی سے حرکت کرتے ہوئے لہرانے لگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک درخت اس کے سامنے آیا تو وہ اسے نگل گیا، ایک چٹان کے پاس سے گزرا ہوا تو اسے ہڑپ کر لیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چٹان کے اس کے پیٹ کے اندر گرنے کی آواز سنائی دی۔ چنانچہ آپ خوفزدہ ہو کر بھاگے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ندا دی کہ اسے پکڑ لو لیکن آپ نے اسے نہ پکڑا، پھر دوسری مرتبہ ندا ہوئی کہ اسے پکڑ لو اور مت ڈرو، اب بھی آپ نے اسے نہ پکڑا۔ تیسری بار آپ سے فرمایا گیا کہ تم امن میں ہو۔ اب آپ علیہ السلام نے اسے پکڑ لیا (1)۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے عصا کو زمین پر ڈال دیا۔ پھر جب اچانک اس پر آپ کی نظر پڑی تو آپ کو ایک بہت بڑا اژدھا دکھائی دیا جو زمین پر اس طرح تیزی سے چل رہا تھا گویا اسے کسی چیز کی تلاش ہے اور وہ اسے پکڑنا چاہتا ہے۔ گابھن اونٹنی جیسے بڑے بڑے پتھروں کو نگل رہا تھا اور بڑے بڑے درختوں کی جڑوں میں اپنی داڑھ پیوست کرتا اور اسے جڑ سے اکھیڑ کر رکھ دیتا۔ اس کی آنکھیں آگ کی طرح روشن تھیں، عصا کا مڑا ہوا سرا کلغی کی شکل اختیار کر گیا اور اس کے بال تیز سے کی طرح تھے۔ لاٹھی کی دونوں شاخیں ایک وسیع وعریض کنواں بن گئیں جس میں پیس دینے والے دانت اور داڑھیں بھی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ ہیبت ناک منظر دیکھا تو الٹے پاؤں بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ پھر آپ کو اپنے رب کی یاد آئی تو حیاء کے باعث ٹھہر گئے۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو واپس لوٹنے کے لئے کہا۔ آپ واپس پلٹے تو شدید خوفزدہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنے دائیں ہاتھ سے اسے پکڑ لو اور مت ڈرو، ہم اسے پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام اون کا کمبل اوڑھے ہوئے تھے جسے آپ نے ایک کانٹے کے ساتھ اٹکا رکھا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس اژدھے کے پکڑنے کا حکم دیا تو آپ نے کمبل کا ایک کنارہ اپنے ہاتھ سے لپیٹ کر پکڑنا چاہا۔ اس پر ایک فرشتے نے آپ علیہ السلام سے کہا کہ اے موسیٰ! یہ تو بتائیے، جس چیز کا آپ کو خطرہ ہے اگر اللہ تعالیٰ اژدھے کو اس کا حکم دے دے تو کیا آپکا کمبل آپ علیہ السلام کو بچا سکتا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، لیکن میں ضعیف ہوں اور میں ضعیف ہی پیدا ہوا ہوں۔ چنانچہ آپ نے کمبل ہٹا کر اپنا ہاتھ اژدھا کے منہ پر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ آپ کو اس کے دانتوں اور داڑھوں کی آہٹ سنائی دینے لگی، پھر جب آپ نے اسے پکڑا تو وہی پہلے والا عصا بن گیا، جہاں سے پکڑ کر آپ علیہ السلام پہلے ٹیک لگائے ہوئے تھے، اب بھی ہاتھ اسی جگہ پر تھا، اس لئے فرمایا: سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ۔

وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ ﴿٢٢﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَى ﴿٢٣﴾ اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿٢٥﴾ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ﴿٢٦﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوا قَوْلِي ﴿٢٨﴾ وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ﴿٢٩﴾ هَارُونَ أَخِي ﴿٣٠﴾ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ﴿٣١﴾ وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ﴿٣٢﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ﴿٣٣﴾ وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ﴿٣٤﴾ إِنَّكَ كُنتَ بِنَا بَصِيرًا ﴿٣٥﴾

"اور (حکم ملا) دبالو اپنا ہاتھ اپنے بازو کے نیچے یہ نکلے گا خوب سپید ہو کر بغیر کسی بیماری کے یہ دوسرا معجزہ (ہم نے تمہیں دیا)

1۔ الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 565

ہے۔ تاکہ ہم دکھائیں تمہیں اپنی بڑی بڑی نشانیاں۔ (اب) جائیے فرعون کے پاس وہ سرکش بن گیا ہے۔ آپ نے دعا مانگی اے میرے پروردگار! کشادہ فرمادے میرے لئے میرا سینہ اور آسان فرمادے میرے لئے میرا یہ (کٹھن) کام اور کھول دے گرہ میری زبان کی۔ تاکہ اچھی طرح سمجھ سکیں وہ لوگ میری بات۔ اور مقرر فرما میرا وزیر میرے خاندان سے یعنی ہارون کو جو میرا بھائی ہے۔ مضبوط فرمادے اس سے میری کمر۔ اور شریک کردے اسے میری (اس) مہم میں۔ تاکہ ہم دونوں کثرت سے تیری پاکی بیان کریں اور ہم کثرت سے تیرا ذکر کریں۔ بیشک تو ہمارے (ظاہر و باطن کو) خوب دیکھنے والا ہے"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دوسرے معجزے کا ذکر ہو رہا ہے، وہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی بغل میں اپنا ہاتھ ڈال کر باہر نکالنے کا حکم دیا تو وہ چمکتا دمکتا باہر نکلا جیسا کہ ایک دوسری آیت میں یہ صراحتاً مذکور ہے، یہاں فرمایا: وَاضْمُمْ يَدَكَ۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَّ اضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ (القصص: 23) "اور خوف دور کرنے کے لئے اپنا ہاتھ اپنے سینہ پر رکھ لے تو یہ تمہارے رب کی طرف سے دو دلیلیں ہیں فرعون اور اس کے درباریوں کے طرف"۔ مجاہد کے بقول آیت کریمہ میں "الی" بمعنی "تحت" اور جناح بمعنی عضد (بازو) ہے یعنی اپنا ہاتھ اپنے بازو کے نیچے دبا لو۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بھی اپنا ہاتھ اپنی بغل میں داخل کر کے نکالتے تو وہ چمکتا ہوا باہر نکلتا، یوں محسوس ہوتا گویا وہ چاند کا ٹکڑا ہے۔ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھ کا خوب سفید ہو کر نکلنا نہ برص کے باعث تھا، نہ کسی بیماری اور نہ کسی عیب کے سبب تھا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ ڈال کر باہر نکالا تو وہ چراغ کی طرح روشن نکلا، اس سے آپ کا یہ یقین مزید پختہ ہو گیا کہ واقعی آپ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہو رہے ہیں، اس لئے فرمایا: لِنُرِيَكَ ... (1)۔ وہب کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قریب ہونے کا حکم دیا۔ آپ قریب ہوتے گئے یہاں تک کہ آپ اس درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر اور پرسکون ہو کر کھڑے ہو گئے۔ خوف جاتا رہا، آپ نے اپنے عصا کا سہارا لیا اور سر جھکا کر اور گردن خم کئے ہوئے ہمہ تن گوش ہو گئے۔ اب اللہ تعالیٰ نے انتہائی اہم ذمہ داری سونپتے ہوئے فرمایا: اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ۔ یعنی مصر کے بادشاہ فرعون کی طرف جاؤ جس کی دست برد سے محفوظ رہنے کے لئے تم نے جلاوطنی اختیار کی تھی اور اسے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دو اور اسے حکم دو کہ وہ بنی اسرائیل کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے اور انہیں تکلیفیں دینے سے باز رہے۔ یہ ایسا بدبخت ہے جس نے سرکشی اور بغاوت کی روش اختیار کی ہوئی ہے اور دنیاوی زندگی پر فریفتہ ہو کر اپنے رب حقیقی کو فراموش کر بیٹھا ہے۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میرا پیغام لے کر اس کے پاس جاؤ، تم میرے کانوں کے بالکل قریب اور میری آنکھوں کے بالکل سامنے ہو، میرے ہاتھ اور میری نصرت تمہارے شامل حال ہے، میں نے اپنی قوت کی ڈھال تمہیں پہنا دی ہے تاکہ اس مہم میں تمہیں بھرپور طاقت نصیب ہو، تم میرے لشکروں میں ایک عظیم لشکر ہو، میں اپنی مخلوق میں سے ایک کمزور سے بندے کی طرف تمہیں روانہ کر رہا ہوں جو میری عطا کردہ نعمتوں پر اتراتا ہے، میری خفیہ تدبیر سے بے خوف ہے اور دنیا نے اسے دھوکہ میں مبتلا کر رکھا ہے، اس لئے وہ میرے حق کا انکار کرتا ہے، میری ربوبیت کو جھٹلاتا ہے اور یہ گمان کئے ہوئے ہے کہ وہ مجھے نہیں پہنچانتا۔ مجھے اپنی عزت کی قسم! اگر میں نے مہلت نہ دی ہوتی تو میں اس قدر سخت گرفت کرتا کہ آسمان، زمین، پہاڑ اور سمندر بھی اس پر غضبناک ہو جاتے۔ اگر میں آسمان کو حکم دوں تو وہ اس پر پتھر برسائے۔ اگر زمین کو حکم دوں تو وہ اسے نگل جائے، اگر

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 565

پہاڑوں کو حکم دوں تو وہ اسے تباہ و برباد کر دیں اور اگر سمندروں کو حکم دوں تو وہ اسے غرق کر دیں، لیکن وہ میرے یہاں ذلیل و رسوا ہو گیا ہے، میری نظروں سے گر گیا ہے، میرا حلم اسے بچائے ہوئے ہے۔ درحقیقت صرف میں ہی بے نیاز ہوں، میرے سوا کوئی بے نیاز نہیں، پس میرا پیغام اسے پہنچا دو، میری عبادت، توحید اور اخلاص کی اسے دعوت دو، میری نعمتیں اسے یاد دلاؤ، میرے عذاب اور پکڑ سے اسے خبردار کرو، اسے آگاہ کر دو کہ میرے غضب کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی اور یہ پیغام پہنچاتے ہوئے نرم لہجہ اختیار کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کر لے یا مجھ سے ڈرنے لگے۔ اسے یہ بھی بتا دو کہ میں غضب اور عقاب کی نسبت عفو و مغفرت کو زیادہ محبوب رکھتا ہوں اور اس کی ظاہری سج دھج سے مرعوب نہ ہو جانا۔ اس کی پیشانی کے بال میرے ہاتھ میں ہیں، میرے اذن کے بغیر نہ وہ گفتگو کر سکتا ہے، نہ پلک جھپک سکتا ہے اور نہ سانس لے سکتا ہے۔ اسے یہ حکم دو کہ وہ اپنے پروردگار کے پیغام کو قبول کر لے، وہ اسے بخش دے گا کیونکہ وہ وسیع مغفرت والا ہے۔ اسے یہ یاد کرا دو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں چار سو سال مہلت دیے رکھی لیکن تو اس دوران اس کا مقابلہ کرتا رہا، اسے برا بھلا کہتا رہا اور اس کے بندوں کو راہ راست سے برگشتہ کرتا رہا حالانکہ وہ تم پر آسمان سے بارش برساتا ہے اور تمہارے لئے زمین سے طرح طرح کی چیزیں اگاتا ہے۔ یہ اس کا انعام ہے کہ نہ تجھے بیماری میں مبتلا کیا گیا، نہ تجھ پر بڑھاپا آیا، نہ تو محتاج ہوا اور نہ مغلوب۔ اگر اللہ تعالیٰ تجھے فوراً سزا دینا چاہتا تو وہ ایسا کرنے پر قادر تھا لیکن وہ بہت حلیم اور بردبار ہے۔ جاؤ، اپنے بھائی کے ساتھ فرعون سے جہاد کرو، اس کا تمہیں اجر و ثواب عطا کیا جائے گا۔ اگر میں چاہتا تو اس کے مقابلے میں ایسے لشکر لا تا جن کے مقابلے کی یہ تاب نہ لا سکتا۔ لیکن ایسا کرنا میری مشیت نہیں تا کہ اس فریب خوردہ، خود پسند، متکبر اور کمزور بندے کو معلوم ہو جائے کہ کم تعداد پر مشتمل میری جماعت کثیر تعداد پر میری توفیق سے غالب آ جاتی ہے۔ یاد رکھنا کہ فرعون کی ظاہری زیب و زینت اور ٹھاٹھ باٹھ تم دونوں کو تعجب میں نہ ڈال دے بلکہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارہ نہ کرنا کیونکہ یہ دنیاوی زندگی کی آرائش اور عیش و عشرت کے دلدادہ لوگوں کے لئے زیب و زینت ہے۔ اگر میں چاہتا تو تمہیں بھی دنیاوی زینت سے آراستہ کر دیتا تا کہ فرعون اسے دیکھ کر جان لیتا کہ اس کی قدرت اس کے سامنے ہیچ ہے لیکن میں دنیا سے تم دونوں کو دور رکھنا چاہتا ہوں اور میں اپنے دوستوں کے ساتھ اسی طرح کرتا ہوں۔ شروع سے ہی میری سنت یہی ہے کہ میں اپنے مقبول بندوں کو عموماً دنیاوی نعمتوں اور دلفریب چیزوں سے بچا کر رکھتا ہوں بالکل اسی طرح جیسے ایک مشفق چرواہا اپنے اونٹوں کو تکلیف دہ مقامات سے بچا کر رکھتا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کی میرے ہاں کوئی وقعت نہیں بلکہ اس لئے تا کہ دار آخرت میں انہیں مکمل اور وافر انعامات سے شاد کام کیا جائے۔ جان لو میرے بندوں کے لئے میرے نزدیک زہد سے بڑھ کر کوئی زینت نہیں، یہ متقین کے لئے زینت ہے جو سکینت اور خشوع و خضوع کا لباس پہنے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کے چہروں پر سجدوں کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں، یہی میرے سچے اور حقیقی اولیاء ہیں۔ جب ان کے ساتھ تمہاری ملاقات ہو تو ان کے لئے اپنے پروں کو جھکا دیا کرو اور اپنے دل اور زبان کو ان کا مطیع بنا لو۔ جان لو جس نے میرے ولی کی اہانت کی یا اسے خوفزدہ کیا، اس نے میرے ساتھ اعلان جنگ کر دیا اور خود کو خطرے میں ڈال دیا۔ میں اپنے اولیاء کی فوراً مدد کرتا ہوں۔ میرے ساتھ جنگ کرنے والا کیا یہ گمان کرتا ہے کہ وہ میرے سامنے ٹھہرنے کی قدرت رکھتا ہے، کیا میرے ساتھ دشمنی رکھنے والا یہ خیال کرتا ہے کہ وہ مجھے عاجز کر دے گا اور کیا مجھے دعوت مبارزت دینے والا یہ سوچ رکھتا ہے کہ وہ مجھ پر غالب آ جائے گا یا مجھ سے بچ نکلے گا۔ یہ کیسے ممکن ہے حالانکہ میں دنیا و آخرت میں اپنے اولیاء کی خاطر انتقام لینے والا ہوں اور ان کی فتح و نصرت کو میں کسی غیر کے سپرد نہیں کرتا۔ پھر عرض کی: قَالَ رَبِّ اشۡرَحۡ ... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ التجا اس لئے کی کہ

آپ کی ذمہ داری بہت بڑی تھی اور نہایت اہم اور مشکل فریضہ آپ نے انجام دینا تھا۔ آپ کو ایسے شخص کی طرف مبعوث کیا گیا جو اس وقت روئے زمین پر سب سے بڑا، سب سے جابر، سخت کافر، سب سے زیادہ لاؤ لشکر والا، سب سے زیادہ معمر، سب سے زیادہ باغی اور سرکش بادشاہ تھا۔ اس کی سرکشی اور حماقت اس انتہاء کو پہنچی ہوئی تھی کہ اس نے یہ دعویٰ کر دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانتا بلکہ اس (فرعون) کے سوا کوئی معبود ہے ہی نہیں۔ بچپن میں حضرت موسیٰ فرعون کے پاس اسی کے گھر میں پرورش پاتے رہے۔ جب جوان ہوئے تو ان کا ایک آدمی آپ کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ آپ اس خوف کے پیش نظر کہ وہ آپ کو قتل کر دیں گے، وہاں سے چلے گئے اور اتنی مدت جلاوطن رہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو دعوت توحید دینے کے لئے آپ کو منصب رسالت پر فائز فرما دیا، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: رَبِّ اشْرَحْ ۔ یعنی اے میرے رب! اگر تو میرا حامی و ناصر اور دست و بازو نہیں ہوگا تو مجھ میں اس فریضہ کی ادائیگی کی طاقت نہیں۔ پھر مزید یہ التجا کی: وَاحْلُلْ عُقْدَةً ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی زبان میں لکنت کا اثر تھا۔ بچپن میں آپ کے سامنے کھجور اور انگارا رکھا گیا۔ آپ نے انگارے کو پکڑ کر منہ میں رکھ لیا اس لئے زبان لکنت کا شکار ہو گئی۔ اس کا بیان عنقریب ہونے والا ہے۔ آپ نے یہ دعا نہیں کی کہ آپ کی لکنت مکمل طور پر زائل ہو جائے بلکہ بقدر حاجت سوال کرتے ہوئے یہی دعا کی کہ زبان کی اس قدر گرہ کھل جائے جس سے لوگ بات کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ اگر آپ تمام لکنت کے ازالہ کا سوال کرتے تو تمام کی تمام ختم ہو جاتی لیکن انبیاء کرام بقدر ضرورت سوال کرتے ہیں، اس لئے لکنت کا کچھ اثر باقی رہ گیا۔ فرعون نے بھی اس چیز کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا تھا: اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ (الزخرف: 1) ''کیا میں اس شخص سے بہتر نہیں ہوں جو ذلیل ہے اور بات بھی صاف نہیں کر سکتا''۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صرف ایک گرہ کھولنے کی درخواست کی تھی اگر وہ تمام کی دعا کرتے تو اللہ تعالیٰ ضرور اسے قبول فرماتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے لکنت کی شکایت کی اور اپنے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ کہیں فرعونی اپنے مقتول کے بدلے میں آپ کو قتل ہی نہ کر دیں اور یہ درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کے بھائی ہارون کو آپ کا معاون بنا دے تاکہ وہ آپ کی ترجمانی کرتے ہوئے آپ کی وہ باتیں لوگوں تک پہنچائیں جنہیں لکنت کے باعث آپ صاف طور پر نہیں بیان کر سکتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے آپ کی زبان کی گرہ کو کھول دیا۔ محمد بن کعب کے پاس ان کا ایک رشتہ دار آیا اور انہیں کہنے لگا کہ آپ صاف طور پر بات نہیں کر سکتے، کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ بولنے میں غلطی نہ کرتے۔ آپ نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! کیا میری بات کی تمہیں سمجھ نہیں آتی؟ اس نے جواب دیا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے صرف یہ سوال کیا تھا کہ وہ زبان کی ایک گرہ کھول دے تاکہ بنی اسرائیل آپ کی بات کو سمجھ سکیں۔ اس سے زیادہ آپ نے دعا نہیں کی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ذات سے ہٹ کر ایک امر خارجی یعنی اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کی معاونت کے حصول کی درخواست کرتے ہوئے عرض کی: وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا ہوئی اسی وقت ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت عطا کر دی گئی (1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عمرہ کے ارادہ سے روانہ ہوئیں، دوران سفر آپ ایک اعرابی کے پاس ٹھہریں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے سنا کہ ایک آدمی یہ استفسار کر رہا ہے کہ دنیا میں وہ کون سا بھائی ہے جس نے سب سے زیادہ اپنے بھائی کو نفع پہنچایا ہے؟ لوگ کہنے لگے کہ ہمیں نہیں معلوم، وہ شخص کہنے لگا: اللہ کی قسم! مجھے معلوم ہے۔ حضرت عائشہ رضی

1۔ الدر المنثور، جلد 16، صفحہ 567

اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ شخص ان شاء اللہ کے بغیر قسم اٹھا رہا ہے، اسے معلوم ہے دنیا میں کون سا بھائی سب سے زیادہ اپنے بھائی کے لئے نفع کا باعث بنا۔ اس نے جواب دیا کہ موسیٰ علیہ السلام جب انہوں نے اپنے بھائی کو بھی منصب نبوت پر فائز کرنے کی التجا کی تھی۔ یہ سن کر میں نے کہا کہ واقعی اس شخص کی بات سچی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی توصیف کرتے ہوئے فرمایا: وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا (الاحزاب:69) ''اور آپ اللہ کے نزدیک بڑی شان والے تھے''، پھر یوں عرض گزار ہوئے: اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرنے والوں میں بندے کا شمار اس وقت ہوتا ہے جب وہ اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹے ہوئے اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔ آخر میں عرض کی: اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا یعنی ہمیں منتخب کرنے، شرف نبوت سے نوازنے اور فرعون کی طرف مبعوث کرنے میں تو ہمیں بخوبی دیکھنے بھالنے والا ہے۔

قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ۝ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ۝ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ۝ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ۭ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰي عَيْنِيْ ۝ اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰي مَنْ يَّكْفُلُهٗ ۭ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ڛ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ڛ

''جواب ملا منظور کر لی گئی ہے آپ کی درخواست اے موسیٰ! اور ہم نے احسان فرمایا تھا تم پر ایک بار پہلے بھی۔ جب ہم نے وہ بات الہام کی تمہاری ماں کو جو الہام ہی کئے جانے کے قابل تھی۔ یہ کہ رکھ دو اس معصوم بچے کو صندوق میں پھر ڈال دو اس صندوق کو دریا میں پھینک دیگا اسے دریا ساحل پر پھر پکڑ لے گا اسے وہ شخص جو میرا بھی دشمن ہے اور اس بچے کا بھی دشمن ہے۔ اور (اے موسیٰ) میں نے پرتو ڈالا تجھ پر محبت کا اپنی جناب سے (تاکہ جو دیکھے فریفتہ ہو جائے) اور (اس تدبیر کا منشا یہ تھا) کہ آپ کی پرورش کی جائے میری چشم (کرم) کے سامنے۔ یاد کرو جب چلتے چلتے آئی آپ کی بہن اور کہنے لگی (فرعون کے اہل خانہ سے) کیا میں بتاؤں تمہیں وہ آدمی جو اس کی پرورش کر سکے۔ پس (یوں) ہم نے آپ کو لوٹا دیا آپ کی ماں کی طرف تاکہ (آپ کو دیکھ کر) اپنی آنکھ ٹھنڈی کرے اور غمناک نہ ہو۔ اور (تمہیں یاد ہے جب) تو نے مار ڈالا تھا ایک شخص کو پس ہم نے نجات دی تھی تمہیں غم واندوہ سے اور ہم نے تمہیں اچھی طرح جانچ لیا تھا''۔

اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست کی منظوری اور اس گزشتہ انعام کا تذکرہ فرما رہا ہے جو اس نے آپ کی ولادت کے بعد آپ پر کیا تھا۔ اس وقت آپ کی والدہ آپ کو دودھ پلاتی تھیں اور اس بات سے سخت رنجیدہ اور خوفزدہ تھیں کہ فرعونی اس معصوم بچے کو قتل کر ڈالیں گے کیونکہ آپ علیہ السلام کی پیدائش اس سال میں ہوئی جس سال نوزائیدہ بچوں کو قتل کیا جانا تھا۔ چنانچہ ام موسیٰ نے اپنے شیرخوار لخت جگر کو دودھ پلا کر صندوق میں رکھ دیا، پھر صندوق کو دریائے نیل کے سپرد کر دیا، انہوں نے ایک رسی سے صندوق کو باندھ رکھا تھا جس کا ایک سرا اپنے مکان سے باندھ لیا تھا، ایک مرتبہ رسی باندھنے گئیں تو رسی ہاتھ سے چھوٹ گئی اور دریا صندوق کو بہا لے گیا۔ اب وہ شدید غم واندوہ کا شکار ہو گئیں جس کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۭ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى

قَلْبِهَا (القصص:10)" اور موسیٰ کی ماں کا دل بے قرار ہو گیا۔ قریب تھا کہ وہ اس راز کو ظاہر کر دے اگر ہم نے اس کے دل کو مضبوط نہ کر دیا ہوتا"۔ یہ تابوت دریا میں بہتے بہتے فرعون کے محل تک پہنچ گیا۔ یہاں آل فرعون نے اسے پکڑ لیا جس کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا: فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا (القصص:8)" پس فرعون کے گھر والوں نے اسے نکال لیا تاکہ (انجام کار) وہ ان کا دشمن اور باعث رنج والم بنے"، یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر اور اس کا فیصلہ تھا حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وجود کے خوف سے فرعونی بنی اسرائیل کے ہاں پیدا ہونے والے بچوں کو قتل کر دیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ جو عظیم طاقت اور مکمل قدرت کا مالک ہے، اس کی تدبیر اور فیصلے کا تقاضا یہ تھا کہ آپ اس دشمن خدا فرعون کے ہاں ہی پرورش پائیں اور اسی کے گھر میں آپ کے قیام و طعام اور جملہ آسائشات کا بندوبست کر دیا جائے، پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی بیوی کے دل میں آپ کی محبت پیدا کر دی، اس لئے فرمایا: يَأْخُذْهُ مَحَبَّةً مِّنِّيْ۔ اس فرمان وَاَلْقَيْتُ... کا مطلب یہ ہے کہ میں نے تمہیں تمہارے دشمن کے دل میں محبوب بنا دیا۔ سلمہ بن کہیل اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے بندوں کے ہاں تمہیں محبوب بنا دیا۔ ابو عمران جونی اس فرمان وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں: تاکہ اللہ تعالیٰ کی چشم کرم کے سامنے آپ کی تربیت کی جائے۔ قتادہ کہتے ہیں: تاکہ میری آنکھوں کے سامنے تمہاری غذا کا انتظام ہو۔ معمر بن مثنیٰ اس کے متعلق کہتے ہیں: تاکہ آپ کی پرورش اس طرح ہو کہ میں دیکھتا رہوں۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم اس کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: میں نے موسیٰ علیہ السلام کی رہائش کا انتظام بادشاہ کے گھر میں کیا ہے تاکہ وہ آرام و آسائش کے ساتھ وہیں رہیں اور انہیں شاہی غذا میسر ہو۔ پھر فرمایا: اِذْ تَمْشِيْۤ اُخْتُكَ .... یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ آل فرعون کے ہاں قرار پذیر ہو گئے اور انہوں نے آپ کو دودھ پلانے کے لئے یکے بعد دیگرے کئی عورتیں مقرر کیں لیکن آپ نے ان کا دودھ پینے سے منہ موڑ لیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ (القصص:12)" اور ہم نے اس سے پہلے اس پر دودھ پلانے والیاں حرام کر دیں"، اسی اثناء میں آپ کی بہن وہاں پہنچ گئی اور انہیں کہنے لگی: هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ (القصص:12)" کیا میں تمہیں ایسے گھر والوں کا پتہ دوں جو تمہاری خاطر اس کی پرورش کریں اور وہ اس بچے کے خیر خواہ بھی ہوں گے"، وہ سب اس پر رضامند ہو گئے، چنانچہ آپ علیہ السلام کی بہن نے اپنے ننھے بھائی موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ لیا اور اپنی والدہ کے پاس چلی آئی، وہ سب لوگ بھی ساتھ تھے۔ آپ علیہ السلام کی والدہ نے جونہی آپ علیہ السلام کو سینے کے ساتھ لگایا، آپ علیہ السلام نے فوراً دودھ پینا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر آل فرعون کو بڑی مسرت ہوئی اور انہوں نے آپ علیہ السلام کی والدہ کو آپ کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر رکھ لیا۔ اس طرح ام موسیٰ کو آپ علیہ السلام کے طفیل دنیا میں بھی سعادت، عظمت اور راحت نصیب ہوئی اور آخرت میں تو اس سے بھی عظیم اور گرانقدر انعامات عطا کئے جائیں گے۔ حدیث شریف میں آتا ہے:" اپنے کام میں بھلائی کو پیش نظر رکھنے والے کاریگر کی مثال ام موسیٰ کی سی ہے جو اپنے ہی بیٹے کو دودھ پلاتیں اور اجرت بھی لیتیں"(1)۔ اللہ تعالیٰ یہاں فرماتا ہے: فَرَجَعْنٰكَ اِلٰۤى اُمِّكَ یعنی ہم نے تمہیں تمہاری ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ آپ کو دیکھ کر اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ تمہارے متعلق غمزدہ نہ ہو اور تم نے ایک قبطی کو قتل کر دیا تھا چنانچہ ہم نے تمہیں غم واندوہ سے نجات دی۔ چونکہ فرعونی آپ کو قتل کرنے کے در پے تھے اس لئے آپ پریشانی کے عالم میں وہاں سے بھاگے اور مدین کے چشمہ پر پہنچ گئے۔ وہاں ایک صالح بندے نے آپ کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا: لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (القصص:25)" ڈرو نہیں تم ظالم

1۔ سنن کبریٰ بیہقی، کتاب السیر، جلد 9 صفحہ 27

قوم سے بچ کر نکل آئے ہو'' ۔ حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا کی تفسیر پوچھتے ہوئے دریافت کیا کہ ''فتون'' سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اب تو رات ہونے والی ہے، کل بتاؤں گا۔ اگلے روز میں صبح صبح آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے وعدے کے ایفاء کی درخواست کی اور فتون کی تفصیل پوچھی تو آپ نے فرمایا: فرعون کے دربار میں فرعون اور اس کے ہم نشینوں کے درمیان یہ بات چل نکلی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ وعدہ کر رکھا تھا کہ ان کی اولاد میں انبیاء اور بادشاہ ہوں گے۔ ایک درباری کہنے لگا کہ بنی اسرائیل کو اس بارے میں کوئی شک نہیں اور وہ اس کے منتظر ہیں۔ پہلے تو ان کا خیال تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے بادشاہ ہوں گے لیکن جب وہ فوت ہو گئے تو بنی اسرائیل کہنے لگے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اس طرح وعدہ نہ تھا۔ بہرصورت ایک نبی کا ان میں ظہور ہوگا جو سلطنت مصر کا فرمانروا بھی ہوگا۔ فرعون اپنے حاشیہ نشینوں سے پوچھنے لگا کہ اس خطرے سے بچاؤ کے لئے تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے آپس میں مشاورت کے بعد اس بات پر اتفاق کیا کہ پولیس کی کچھ نفری کو چھریاں فراہم کر کے یہ ذمہ داری سونپ دی جائے کہ وہ بنی اسرائیل کے گھروں میں چکر لگاتے رہا کریں اور جونہی کسی کے ہاں نرینہ اولاد پیدا ہو، فوراً اسے ذبح کر دیں۔ اس طرح بنی اسرائیل کے نومولود بیٹوں کے قتل کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کچھ مدت کے بعد انہوں نے سوچا کہ اس طرح تو بنی اسرائیل کے مردوں کا خاتمہ ہو جائے گا اور ان کی خدمت اور بیگار کے لئے کوئی اسرائیلی موجود نہیں رہے گا۔ اب انہوں نے یہ طے کیا کہ ایک سال ان کے ہاں پیدا ہونے والے بیٹوں کو قتل کر دیا جائے اور ایک سال زندہ باقی رکھا جائے تا کہ زندہ رہنے والے بچے جوان ہو کر مرنے والے بوڑھوں کی جگہ لے لیں۔ اس طرح ان کی اتنی زیادہ کثرت بھی نہیں ہوگی جس سے تمہیں ان کی عددی برتری کا اندیشہ ہو اور نہ ہی ان کا وجود بالکل ختم ہوگا کہ تمہیں خدمت گزاری کے لئے بھی کوئی اسرائیلی نہ ملے۔ اس بات پر انہوں نے اتفاق کر لیا۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی ولادت اس سال ہوئی جس سال بچوں کو ذبح کرنا موقوف تھا، اس لئے آپ کی والدہ نے آپ کو اطمینان کی حالت میں جنم دیا اور آپ کی ولادت کو پوشیدہ نہ رکھا، لیکن آئندہ برس چونکہ بچوں کے قتل عام کا برس تھا، اس لئے ام موسیٰ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حاملہ ہوئیں تو انہیں سخت بے چینی لاحق ہو گئی اور غم واندوہ نے انہیں گھیر لیا۔ اے ابن جبیر! ایک فتنہ تو یہ تھا جبکہ موسیٰ علیہ السلام ابھی اپنی والدہ کے شکم میں تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ام موسیٰ کو بذریعہ الہام یہ یقین دلایا کہ ڈرنے اور غمزدہ ہونے کی ضرورت نہیں، ہم تمہارے لخت جگر کو تمہاری طرف لوٹا دیں گے اور اسے منصب رسالت پر فائز کریں گے، انہیں یہ بھی حکم ہوا کہ جب اس بچے کی ولادت ہو تو اسے صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دینا، چنانچہ جب آپ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو آپ علیہ السلام کی والدہ نے ایسا ہی کیا اور اپنے معصوم بچے کو صندوق میں ڈال کر دریا کے سپرد کر دیا۔ جب بیٹا نظروں سے اوجھل ہو گیا تو شیطان وسوسہ اندازی کرتے ہوئے ان کے پاس آ دھمکا۔ چنانچہ وہ اپنے دل میں سوچنے لگیں کہ میں نے اپنے بیٹے کے ساتھ کیا سلوک کیا، پانی میں جانوروں اور مچھلیوں کی خوراک بننے سے بہتر یہی تھا کہ میں اپنے بیٹے کو اپنے پاس ہی رکھتی، اگر وہ میرے پاس ذبح ہو جاتا تو کم از کم میں اسے کفن پہنا کر دفن تو کر دیتی۔ بہرصورت پانی صندوق کو بہاتے بہاتے آل فرعون کے گھاٹ پر لے آیا، یہاں فرعون کی بیوی کی لونڈیوں نے جب اسے دیکھا تو پکڑ لیا، تابوت کو کھولنا چاہا لیکن ایک لونڈی کہنے لگی کہ اس تابوت میں مال و متاع ہے، اگر ہم نے اسے کھولا تو فرعون کی بیوی ہم پر چوری کا الزام لگا دے گی۔ چنانچہ انہوں نے جوں کا توں صندوق ملکہ کی خدمت میں پیش کر دیا، جب اس نے اسے کھولا تو اس میں ایک بچہ دکھائی دیا۔ اس چاند سے من موہنے بچے کو دیکھتے ہی اسکے دل میں اس کی محبت کے

جذبات موجزن ہو گئے۔ دوسری طرف ام موسیٰ کی حالت غیر ہو گئی، دل میں اگر کوئی خیال تھا تو صرف اپنے ننھے بیٹے موسیٰ کا۔ بچوں کو قتل کرنے پر مامور قصائیوں کو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا علم ہوا تو وہ اپنی چھریاں لئے ملکہ کے پاس آ دھمکے تا کہ اس بچے کو ذبح کر دیں۔ اے ابن جبیر! یہ ان فتنوں اور آزمائشوں میں سے دوسرا فتنہ تھا۔ ملکہ نے انہیں کہا کہ اسے زندہ رہنے دو۔ ایک بچے سے بنی اسرائیل کی قوت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، پھر بھی میں فرعون کے پاس جا کر درخواست کرتی ہوں کہ وہ یہ بچہ مجھے ہبہ کر دے۔ اگر اس نے مجھے ہبہ کر دیا تو بہتر ورنہ اسے ذبح کرنے پر میں تمہیں ملامت نہیں کروں گی۔ چنانچہ ملکہ فرعون کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ یہ بچہ میری اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوگا۔ فرعون کہنے لگا کہ یہ تمہارے لئے تو ممکن ہے لیکن مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''اللہ کی قسم! اگر فرعون بھی اپنی بیوی کی طرح یہ اقرار کر لیتا کہ یہ بچہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے بھی ضرور ہدایت عطا فرما دیتا جیسا کہ اس کی بیوی کو ہدایت سے سرفراز کیا تھا لیکن اس کی اکڑ نے اسے ہدایت سے محروم رکھا''۔ ملکہ نے اردگرد کی عورتوں کو جمع کیا تا کہ ان میں سے اس معصوم بچے کے لئے دایہ کا انتخاب کیا جائے، ان میں سے جو بھی عورت آپ علیہ السلام کو دودھ پلانے کے لئے گود میں لیتی، آپ علیہ السلام کسی کے دودھ کو منہ تک نہ لگاتے۔ ملکہ کو بہت ترس آ رہا تھا کہ دودھ نہ پینے کی وجہ سے کہیں یہ معصوم فوت ہی نہ ہو جائے۔ اس وجہ سے ملکہ بہت غمزدہ ہو گئی۔ آخر اسے یہ تدبیر سوجھی کہ اس بچے کو بازار میں لوگوں کے مجمع میں لے جایا جائے، ممکن ہے وہاں سے کسی ایسی دایہ کی نشاندہی ہو جائے جس کا دودھ یہ معصوم قبول کر لے لیکن وہاں بھی ناکامی ہوئی۔ ادھر شدت غم سے ام موسیٰ کی حالت غیر ہو رہی تھی، انہوں نے آپ کی بہن کو باہر بھیجا تا کہ وہ صندوق کا تعاقب کرتے ہوئے جائے اور معصوم بیٹے کی خبر لائے کیا وہ زندہ ہے یا آبی جانور اسے نگل گئے ہیں۔ اس دوران انہیں وہ وعدہ فراموش ہو گیا جو اللہ تعالیٰ نے ان کیساتھ کر رکھا تھا۔ آپ علیہ السلام کی بہن آپ کو اس طرح چپکے سے دیکھتی رہی کہ ان لوگوں کو احساس تک نہ ہوا۔ جب وہ لوگ عاجز آ گئے اور آپ نے تمام عورتوں کو مسترد کر دیا تو آپ علیہ السلام کی بہن نے فرط مسرت سے کہا کہ میں ایسے گھرانے پر تمہاری رہنمائی کروں گی جو اس بچے کی پرورش کریں گے اور وہ اس کے خیر خواہ بھی ہوں گے۔ یہ بات سن کر لوگوں کو کچھ شک سا گزرا، انہوں نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کیسے معلوم ہے کہ وہ اس کے خیر خواہ ہیں، کیا تم اس بچے کو پہچانتی ہو؟ اے ابن جبیر! یہ تیسرا فتنہ تھا۔ جواب میں آپ علیہ السلام کی بہن نے انہیں کہا کہ اس بچے کے لئے ان کی خیر خواہی اور شفقت اس بناء پر لازمی امر ہے کہ وہ بادشاہ کے ساتھ تعلق قائم کرنے اور اس سے نفع حاصل کرنے کے ضرور خواہشمند ہوں گے۔ یہ سن کر انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ اپنی والدہ کے پاس واپس آئی اور سارے حالات سے آگاہ کر دیا۔ آپ علیہ السلام کی والدہ وہاں پہنچیں اور جونہی اپنے بیٹے کو اپنی گود میں لیا، اس نے فوراً دودھ پینا شروع کر دیا اور خوب سیر ہو کر پیا اسی وقت ملکہ تک یہ خوشخبری پہنچا دی گئی کہ آپ کے بیٹے کے لئے دایہ مل گئی ہے۔ ملکہ نے حکم دیا کہ دایہ اور بچے کو فوراً میرے پاس لایا جائے۔ جب ملکہ نے دیکھا کہ بچہ اس دایہ کا دودھ خوب پیتا ہے تو اس نے انہیں کہا کہ میرے ہاں قیام کرو اور میرے اس بیٹے کو دودھ پلایا کرو، اس بچے جیسی کوئی چیز مجھے محبوب نہیں۔ ام موسیٰ نے کہا کہ میں اپنے گھر اور بچوں کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔ اگر تم پسند کرو تو یہ بچہ میرے سپرد کر دو، میں اسے اپنے گھر لے جاؤں گی اور اس کی پرورش میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گی، بہر صورت میں اپنے گھر بار اور بچوں کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں۔ ام موسیٰ کو اللہ تعالیٰ کا وعدہ یاد آ گیا، اس لئے انہوں نے ملکہ کو اپنا مطالبہ ماننے پر مجبور کر دیا کیونکہ انہیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنا کیا ہوا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا۔ چنانچہ ملکہ کی رضامندی سے وہ اپنے بیٹے کو اسی دن اپنے گھر لے آئیں اور یہاں اللہ تعالیٰ نے بہت عمدہ طریقے سے

آپ کو پروان چڑھایا اور ہر قسم کی تکلیف سے محفوظ رکھا۔ آپ کے طفیل اس محلے کے اسرائیلی بھی ظلم و ستم سے محفوظ ہو گئے۔ جب آپ پروان چڑھے تو ملکہ نے ایک دن ام موسیٰ کو پیغام بھیجا کہ کسی دن میرے بیٹے کو میرے پاس لاؤ، چنانچہ ایک دن مقرر ہو گیا جس میں بچے کو ملکہ کے پاس لایا جانا تھا۔ ملکہ نے ارکان سلطنت، درباریوں اور ملازمین کو یہ حکم دے دیا کہ ان میں سے ہر ایک آج بڑی گرمجوشی سے اور تحائف پیش کر کے میرے بیٹے کا استقبال کرے گا۔ میں ایک آدمی مقرر کر رہی ہوں جو تحائف کا حساب رکھے گا۔ چنانچہ آپ کے اپنی والدہ کے گھر سے روانہ ہونے سے لے کر ملکہ کے پاس پہنچنے تک لگاتار تحائف اور عطیات آپ کی نذر کئے جاتے رہے۔ جب آپ علیہ السلام ملکہ کے پاس پہنچے تو اس نے بھی تحفہ پیش کیا، بڑی تعظیم سے پیش آئی اور فرحت و انبساط کا اظہار کیا۔ آپ علیہ السلام کی والدہ نے بھی عطیہ آپ علیہ السلام کی نذر کیا، پھر ملکہ کہنے لگی کہ میں اپنے بیٹے کو فرعون کے پاس بھی ضرور لے جاؤں گی وہ بھی اسے انعام و اکرام سے نوازے گا۔ جب وہ آپ کو لے کر فرعون کے پاس گئی تو اس نے آپ کو اپنی گود میں بٹھا لیا۔ آپ نے اس کی داڑھی پکڑ کر اسے زمین کی طرف کھینچا۔ یہ دیکھ کر دشمنان خدا گمراہ درباری فرعون سے کہنے لگے کہ بہت ممکن ہے کہ یہ بچہ وہی ہو جس کے بارے میں گمان کیا جاتا ہے کہ وہ آپ کے تاج و تخت کا وارث ہوگا، آپ پر غالب آ جائے گا اور آپ کا خاتمہ کر دے گا، اس لئے اسے فوراً ذبح کر دیجئے۔ اے ابن جبیر! یہ چوتھا فتنہ تھا۔ ملکہ فرعون کے پاس آئی اور اسے کہنے لگی کہ اس بچے کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے جسے آپ مجھے ہبہ کر چکے ہیں؟ فرعون کہنے لگا کہ تمہیں نہیں معلوم، یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہی بچہ مجھ پر غلبہ پا کر مجھے ہلاک کر دے گا۔ ملکہ کہنے لگی کہ ذرا ٹھہریں، اس مسئلے کا حل میرے پاس ہے، ابھی حقیقت واضح ہو جائے گی۔ ایسا کریں کہ دو انگارے اور دو موتی اس بچے کے سامنے رکھیں۔ اگر وہ موتیوں کو پکڑ لے اور انگاروں سے اجتناب کرے تو سمجھ لینا کہ یہ بچہ عقلمند ہے اور اگر یہ انگاروں کو پکڑ لے اور موتیوں کا ارادہ نہ کرے تو سمجھ جانا کہ کوئی بھی عقلمند موتیوں پر انگاروں کو ترجیح نہیں دیتا۔ چنانچہ جب آپ کے سامنے موتی اور انگارے رکھے گئے تو آپ علیہ السلام نے انگاروں کو پکڑ لیا۔ فرعون نے فوراً آپ کے ہاتھ سے انگارے چھین لئے مبادا آپ کا ہاتھ جل جائے۔ اب ملکہ کہنے لگی کہ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا؟ اس طرح اللہ تعالیٰ نے فرعون کو اس برے ارادے سے باز رکھا۔ دراصل اللہ تعالیٰ کو جو فیصلہ منظور ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جوان ہوئے تو آل فرعون اب اسرائیلیوں پر ظلم و ستم ڈھانے سے ہچکچانے لگے یہاں تک کہ وہ اس سے بالکل باز آ گئے۔ ایک دن آپ شہر میں کسی جگہ جا رہے تھے کہ آپ نے دو آدمیوں کو باہم لڑتے ہوئے دیکھا۔ ان میں سے ایک فرعونی تھا اور دوسرا اسرائیلی۔ اسرائیلی نے فرعونی کے خلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی۔ آپ علیہ السلام کو اس فرعونی پر سخت غصہ آیا کیونکہ اس نے اسرائیلی کو دبوچ رکھا تھا۔ بنی اسرائیل آپ کو قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے اور آپ بھی ان کا خصوصی خیال رکھتے اور ان کی طرفداری کرتے۔ لوگ اس کا سبب یہ سمجھتے تھے کہ چونکہ آپ نے ان کے ہاں دودھ پیا ہے اس لئے ان کا خیال رکھنا فطری امر ہے۔ اصل حقیقت کا علم صرف ام موسیٰ کو تھا یا پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے آگاہ کر دیا تھا، اور کسی کو اس راز کی اطلاع نہیں تھی۔ آپ علیہ السلام نے فرعونی کو ایک گھونسہ رسید کیا تو وہ مر گیا، اس واقعہ کا علم اللہ تعالیٰ کو تھا یا اس اسرائیلی کو۔ آدمی کو مردہ دیکھ کر آپ علیہ السلام کہنے لگے کہ یہ شیطانی عمل ہے اور بلاشبہ شیطان گمراہ کر دینے والا واضح دشمن ہے، پھر کہنے لگے: رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (القصص: 16) "اے میرے رب! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا پس مجھے بخش دے تو اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا، بے شک وہی غفور رحیم ہے"۔ صبح ہوئی تو آپ خوفزدہ ہو کر خبروں کی جستجو میں لگ گئے۔ فرعون سے کہا گیا کہ بنی اسرائیل نے آل فرعون کے ایک شخص

کو قتل کر دیا ہے اس لئے ان سے ہمیں ہمارا حق دلوائیں اور انہیں ذرا بھی رعایت نہ دیں۔ فرعون نے کہا کہ قاتل کو بھی تلاش کریں اور گواہ بھی لائیں، کیونکہ بادشاہ اگرچہ اپنی قوم کے ساتھ مخلص ہے پھر بھی اس کے لئے یہ روا نہیں کہ وہ بغیر گواہ اور ثبوت کے قصاص کا حکم جاری کر دے، اس لئے ثبوت کے ساتھ قاتل کی نشاندہی کرو، میں تمہیں تمہارا حق دلوا دوں گا۔ تلاش بسیار کے باوجود وہ قاتل کا سراغ نہ لگا سکے۔ اگلے روز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی اسرائیلی کو پھر کسی اور فرعونی کے ساتھ لڑتے ہوئے دیکھا۔ اس نے پھر آپ علیہ السلام سے فریاد کی۔ موسیٰ علیہ السلام چونکہ گزشتہ روز کے اپنے فعل پر نادم تھے اور اسرائیلی کی ہر روز کی ایسی حرکتوں پر نالاں بھی تھے اس لئے آپ غضبناک ہو کر اسرائیلی کو برا بھلا کہنے لگے اور اسے فرمایا کہ تمہاری کل کی اور آج کی حرکت سے ثابت ہوتا ہے کہ تو واضح طور پر گمراہ ہے۔ گزشتہ روز کی طرح آپ کو غضبناک دیکھ کر اور اپنے متعلق آپ کی سخت باتیں سن کر اسرائیلی خوفزدہ ہو گیا۔ جب آپ ان کی طرف بڑھے تو اس نے سراسیمگی میں یہ خیال کیا کہ آپ اسے پکڑنا چاہتے ہیں حالانکہ اسے پکڑنے کا آپ علیہ السلام ارادہ نہیں رکھتے تھے بلکہ آپ تو فرعونی کو پکڑنا چاہتے تھے۔ خوف کے عالم میں اسرائیلی کی زبان سے بے ساختہ یہ بات نکل گئی کہ اے موسیٰ علیہ السلام! کیا تم مجھے بھی قتل کرنا چاہتے ہو جس طرح تم نے کل ایک آدمی کو قتل کیا تھا۔ اس نے یہ بات اس خوف کے پیش نظر کی تھی کہ کہیں آپ اسے قتل نہ کر ڈالیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کو چھوڑ دیا تو فرعونی بھاگم بھاگ فرعونیوں کے پاس گیا اور اسرائیلی کے منہ سے نکلی ہوئی بات کے متعلق انہیں آگاہ کر دیا۔ فرعون نے آپ کو پکڑ کر قتل کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ اب فرعون کے جلادوں نے شارع عام پر آپ علیہ السلام کی تلاش شروع کر دی، انہیں آپ کے بچ نکلنے کا ذرا بھی اندیشہ نہ تھا، لیکن انتہائے شہر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک خیر خواہ بچوں بیچ دوڑتا ہوا ان لوگوں سے پہلے آپ علیہ السلام تک پہنچ گیا اور نئی صورتحال سے آپ علیہ السلام کو آگاہ کیا۔ اے ابن جبیر! یہ پانچواں فتنہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کا رخ کرتے ہوئے مصر سے نکلے، اس سے پہلے نہ آپ علیہ السلام کو کسی آزمائش کا سامنا ہوا تھا اور نہ رستے کا علم تھا۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حسن ظن تھا۔ قرآن کریم اس کیفیت کو یوں بیان فرماتا ہے: عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۞ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۠ وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ (القصص: 23-22) ''امید ہے میرا رب سیدھے راستے کی طرف میری رہنمائی فرمائے گا اور جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں لوگوں کا ایک انبوہ ہے جو پانی پلا رہا ہے اور اس انبوہ سے الگ تھلگ دو عورتیں دیکھیں کہ اپنے ریوڑ کو روکے ہوئے ہیں''۔ وہاں دو عورتیں اپنے ریوڑ کو روکے ہوئے تھیں۔ آپ علیہ السلام نے ان سے دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہے تم الگ تھلگ کھڑی ہو اور لوگوں کے ساتھ اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلاتیں؟ وہ کہنے لگیں کہ اس بھیڑ میں ہمارے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں، ہم تو حوض میں بچے ہوئے پانی سے اپنے جانور سیراب کرتی ہیں۔ آپ نے فوراً ڈول کے ذریعے بہت سا پانی نکالا اور ان کی بکریوں کو سب سے پہلے سیراب کر دیا۔ وہ دونوں اپنی بکریوں کو لے کر اپنے باپ کی طرف لوٹ گئیں اور آپ علیہ السلام ایک درخت کے سائے تلے آ بیٹھے اور یوں عرض گزار ہوئے: رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ (القصص: 24) ''میرے مالک! واقعی میں اس خیر و برکت کا محتاج ہوں جو تو نے میری طرف اتاری ہے''۔ جب ان لڑکیوں کے باپ نے دیکھا کہ وہ آج بکریوں کو شکم سیر اور دودھ سے بھرے ہوئے تھنوں کے ساتھ معمول سے بہت پہلے لے آئی ہیں تو انہیں بہت تعجب ہوا۔ کہنے لگے کہ آج یقیناً کوئی غیر معمولی واقعہ رونما ہوا ہے۔ انہوں نے سارا واقعہ اپنے والد گرامی کے گوش گزار کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ وہ اس شخص کو بلا لائے۔ وہ گئیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلا لائیں۔ جب ان کے والد گرامی کی آپ سے گفتگو ہوئی اور ساری صورتحال سے آگاہی

ہوئی تو وہ آپ سے کہنے لگے کہ ڈریئے مت۔ اب آپ ظالم قوم کی دستبرد سے محفوظ ہیں۔ فرعونیوں کو ہم پر اقتدار حاصل نہیں اور نہ ہی ہم اس کی سلطنت میں ہیں۔ ان میں سے ایک لڑکی کہنے لگی: یٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ (القصص:26) ''ابا جان! اسے نوکر رکھ لیجئے۔ بے شک بہتر آدمی جسے آپ نوکر رکھیں وہ ہے جو طاقتور ہو اور دیانتدار بھی''۔ باپ نے غیرت میں آ کر اپنی بیٹی سے پوچھا کہ تمہیں اس کی قوت اور امانت کے بارے میں کیسے علم ہو گیا؟ بیٹی نے جواب دیا کہ ان کی قوت کا اندازہ تو مجھے اس وقت ہوا جب انہوں نے اپنی قوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے تنہا ڈول کے ذریعے پانی نکالا۔ اس طرح اتنی مقدار میں پانی نکالنے میں ان سے زیادہ قوی شخص میں نے نہیں دیکھا اور ان کی امانت کا علم مجھے یوں ہوا کہ جب میں ان کے پاس گئی تو انہوں نے مجھے نظر اٹھا کر دیکھا لیکن جب انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ میں عورت ہوں تو انہوں نے اپنا سر جھکا لیا۔ جب تک میں نے آپ کا پیغام ان تک نہیں پہنچا دیا، اس وقت تک انہوں نے اپنا سر نہیں اٹھایا۔ پھر مجھے یہ کہنے لگے کہ میرے پیچھے پیچھے چلو اور مجھے رستہ بتاتی جاؤ۔ ایسا انہوں نے اس لئے کیا کیونکہ وہ امین ہیں۔ یہ سن کر بچی کے باپ کا دل اس کی طرف سے صاف ہو گیا، اپنی بیٹی کی تصدیق کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق وہی رائے قائم کر لی جو ان کی بیٹی نے کہا تھا، پھر وہ آپ علیہ السلام سے کہنے لگے: اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (القصص:27) ''میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بچیوں میں سے ایک تمہیں بیاہ دوں بشرطیکہ تو میری آٹھ سال خدمت کرے تو پھر اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری اپنی مرضی اور میں نہیں چاہتا کہ تم پر سختی کروں۔ تو پائے گا مجھے اگر اللہ نے چاہا نیک لوگوں سے''۔

آٹھ سال حضرت موسیٰ علیہ السلام پر واجب تھے اور مزید دو سال کا وعدہ آپ علیہ السلام کی طرف سے تھا، آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے دس سال مکمل کیے۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ ایک نصرانی عالم کی میرے ساتھ ملاقات ہوئی تو اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دونوں مدتوں میں سے کون سی مدت پوری کی تھی؟ میں نے کہا: نہیں۔ اس وقت مجھے اس بارے میں علم نہیں تھا۔ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے آپ سے اس چیز کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ آٹھ سال اللہ کے نبی پر واجب تھے ان میں کمی کرنا ان کے لئے ممکن نہ تھا اور اللہ تعالیٰ کو اس مدت کی تکمیل مقصود تھی جس کا وعدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کر رکھا تھا۔ پس آپ علیہ السلام نے دس سال پورے کیے۔ اس کے بعد جب اس نصرانی سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے اسے اس کے سوال کا جواب دے دیا۔ وہ کہنے لگا کہ جس شخص سے تم نے اس بارے میں پوچھا اور اس نے تمہیں اس کے متعلق آگاہ کر دیا وہ اس معاملے میں تم سے بڑا عالم ہے۔ میں نے کہا: ہاں، واقعی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنے اہل خانہ کو لے کر روانہ ہوئے تو رستہ میں آگ دکھائی دی، عصا اور ید بیضاء کے معجزات ظہور پذیر ہوئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان کیا ہے۔ پھر آپ علیہ السلام نے یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ فرعونی اپنے مقتول کا مجھ سے قصاص لیں گے اور بارگاہ خداوندی میں اپنی لکنت کی شکایت کی کیونکہ اس کی وجہ سے آپ زیادہ اور صاف گفتگو نہیں کر سکتے تھے، مزید برآں اپنے رب سے یہ درخواست کی کہ وہ ان کے بھائی ہارون کو ان کا معاون بنا دے تاکہ وہ ان کا سہارا بن جائیں اور ان کی ترجمانی کرتے ہوئے وہ بہت سی باتیں لوگوں تک پہنچا دیا کریں جنہیں وہ بذات خود صاف طور پر نہیں کہہ سکتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی درخواست منظور کرتے ہوئے آپ علیہ السلام کی زبان کی گرہ کو بھی کھول دیا اور حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف وحی کر کے اپنے بھائی کی معاونت کا بھی حکم دے دیا۔ حضرت

موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا لیا اور اپنے بھائی کے پاس جا پہنچے۔ اب دونوں فرعون کی طرف روانہ ہوئے، کچھ دیر اس کے دروازہ پر کھڑے رہے لیکن اجازت نہ ملی، آخر کار کافی دیر انتظار کے بعد اجازت مل گئی۔ اس کے پاس پہنچے تو فرمانے لگے: "اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ (طٰہٰ: 47) "ہم دونوں تیرے رب کے فرستادہ ہیں"۔ فرعون نے پوچھا کہ تمہارا رب کون ہے؟ دونوں حضرات نے اسے آگاہ کر دیا جس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ پھر وہ پوچھنے لگا کہ تم چاہتے کیا ہو؟ اور اس نے واقعہ قتل یاد دلایا جس کا عذر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیان کیا جیسا کہ قرآن کریم میں موجود ہے اور آپ علیہ السلام نے اسے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ اور بنی اسرائیل کو آزاد کر دو، لیکن اس نے انکار کر دیا بلکہ کہنے لگا کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی معجزہ دکھاؤ۔ آپ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا تو وہ فوراً ایک بہت بڑے خوفناک اژدھے کی شکل اختیار کر کے منہ کھولے ہوئے تیزی کے ساتھ فرعون کی طرف لپکا۔ فرعون اسے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر وحشت زدہ ہو گیا، اپنے تخت سے نیچے کود گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی کہ وہ اس سانپ کو پکڑ لیں، پھر آپ نے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر باہر نکالا تو وہ بغیر کسی بیماری کے چمکتا دمکتا باہر نکلا، پھر آپ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ ڈال کر باہر نکالا تو وہ اپنی پہلی حالت پر لوٹ آیا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر وہ سخت حیران ہوا اور اس بارے میں اپنے درباریوں سے مشورہ کرنے لگا۔ درباری کہنے لگے کہ یہ دونوں جادوگر ہیں اور یہ اپنے جادو کے زور سے تم لوگوں کو تمہاری اپنی سرزمین سے نکال کر تمہاری سلطنت پر قبضہ جمانا چاہتے ہیں اور تمہیں اس عیش و آرام سے محروم کرنے کا عزم کئے ہوئے ہیں، پھر انہوں نے آپ علیہ السلام کے کسی بھی مطالبہ کو ماننے سے صاف صاف انکار کر دیا اور فرعون سے کہنے لگے کہ اس کے مقابلہ کے لئے جادوگر جمع کریں، آپ کی سلطنت میں جادوگروں کی کمی نہیں ہے، اس طرح ان دونوں کے جادو کا توڑ ممکن ہو سکے گا۔ فرعون نے ہرکارے بھیج کر اپنی قلمرو کے شہروں سے ماہر جادوگر جمع کر لئے۔ جب یہ جادوگر فرعون کے پاس آئے تو پوچھنے لگے کہ یہ جادوگر کس قسم کا جادو کرتا ہے؟ فرعونیوں نے انہیں بتایا کہ وہ لکڑی کو سانپ بنا دیتا ہے۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ ہم رسیوں اور لکڑیوں کو سانپ بنا کر ایسے جادو کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ ایسا کرنا روئے زمین پر کسی کے بس کا روگ نہیں۔ اگر ہم غالب آ گئے تو ہمارا انعام کیا ہوگا؟ فرعون نے انہیں یقین دلایا کہ نہ صرف تم میرے مقرب اور درباری بن جاؤ گے بلکہ میں تمہاری ہر خواہش پوری کر دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے اعلان کر دیا کہ عید والے دن مقابلہ ہوگا اور اس دن چاشت کے وقت لوگ جمع ہو جائیں۔ حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا کہ ان کی عید کا دن عاشوراء کا دن تھا اور اس میں ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور جادوگروں پر فتح عطا فرمائی۔ مقررہ وقت پر لوگ ایک بہت بڑے میدان میں جمع ہو گئے۔ ہر شخص دوسرے کو وہاں حاضر ہونے کی ترغیب دے رہا تھا، وہ لوگ حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہہ رہے تھے: لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ (الشعراء: 40) "شاید ہم جادوگروں کی پیروی کرتے رہیں اگر وہ غالب آ جائیں"، جادوگر کہنے لگے: اے موسیٰ علیہ السلام! تم پھینکو یا پھر ہم پہل کرتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلے تم اپنا جادو ظاہر کرو۔ انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر ڈال دیں اور کہنے لگے: فرعون کی عزت کی قسم! ہم ہی غالب آنے والے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے اس جادو کو دیکھ کر کچھ خوف سا محسوس کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اپنا عصا زمین پر ڈال دو۔ جب آپ نے اپنا عصا پھینکا تو یہ منہ کھولے ہوئے ایک بہت بڑا مہیب اژدھا بن گیا۔ جادوگروں کی لاٹھیاں رسیوں کے ساتھ گڈمڈ ہو کر گٹھوں کی شکل اختیار کر گئیں اور یہ اژدھا انہیں نگلنے لگ گیا یہاں تک کہ کوئی لاٹھی اور رسی باقی نہ بچی۔ جادوگر حقیقت کو سمجھ گئے، سوچنے لگے کہ اگر یہ جادو ہوتا تو کبھی بھی ہمارے جادو کے

مقابلے میں نہ ٹھہر سکتا بلکہ یہ امر خداوندی ہے اس لئے ہم اللہ تعالیٰ اور اس کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے پیغام پر ایمان لاتے ہیں اور اپنے گزشتہ گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔ اس طرح فرعون اور فرعونیوں کی کمر ٹوٹ گئی، حق غالب آ گیا اور باطل فنا ہو گیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ (الاعراف: 119) ''یوں فرعونی وہاں مغلوب ہو گئے اور ذلیل وخوار ہو کر پلٹے''، ادھر فرعون کی بیوی بے چینی کے عالم میں بوسیدہ کپڑے پہنے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فتح کے لئے دعا کر رہی تھیں۔ آل فرعون میں سے جو بھی انہیں اس حالت میں دیکھتا وہ یہی سمجھتا کہ اپنے خاوند فرعون کی خاطر انہوں نے اپنی یہ بری حالت بنا رکھی ہے حالانکہ ان کی بے چینی اور غم موسیٰ علیہ السلام کی خاطر تھا۔ اس کے بعد فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جھوٹے وعدے کرتا رہا۔ جب بھی آپ اسے کوئی معجزہ دکھاتے، وہ اس وقت تو یہ وعدہ کر لیتا کہ میں بنی اسرائیل کو آزادی دے کر آپ علیہ السلام کے ساتھ روانہ کر دوں گا لیکن اس کے فوراً بعد وہ وعدہ خلافی کرتے ہوئے کسی نئے معجزے کا مطالبہ کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے فرعون اور اس کی قوم پر طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک اور خون کی شکل میں عذاب نازل کر کے اپنی واضح نشانیوں کا مشاہدہ کرایا۔ ہر بار فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عذاب کو ٹالنے کی درخواست کرتا اور آپ علیہ السلام کے ساتھ یہ عہد کرتا کہ وہ آپ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کو ضرور روانہ کر دے گا۔ جب وہ عذاب ٹل جاتا تو پھر حسب معمول وعدہ خلافی اور عہد شکنی کرتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم سمیت رات کے وقت وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا چنانچہ آپ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر رات کے وقت نکلے۔ صبح کے وقت فرعون کو جب یہ پتہ چلا کہ بنی اسرائیل راتوں رات کوچ کر چکے ہیں تو اس نے اپنی ساری قلمرو میں احکام بھیج کر فوج جمع کر لی اور ایک لشکر جرار لے کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا۔ رستہ میں دریا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دے دیا کہ جب میرا بندہ موسیٰ تم پر اپنا عصا مارے تو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بارہ رستے بنا دینا تا کہ میرا رسول اور اس کے ساتھی سکون سے پار ہو جائیں لیکن جب فرعونی داخل ہوں تو مل کر رواں دواں ہو جانا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب دریا پر پہنچے تو دریا کی تند وتیز موجیں شور وشغب برپا کئے ہوئے تھیں، آپ اس پر اپنا عصا مارنا بھول گئے۔ دریا اس لئے مضطرب اور بے قرار تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ موسیٰ علیہ السلام اس کے کسی حصہ پر اپنا عصا ماریں اور اسے خبر ہی نہ ہو اور اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہو جائے۔ جب فرعون کا لشکر اور بنی اسرائیل ایک دوسرے کے آمنے سامنے اور قریب آ گئے تو بنی اسرائیل کہنے لگے کہ ہم تو پکڑے گئے، اس لئے اے موسیٰ علیہ السلام! اب وہ کیجئے جس کا آپ کو آپ کے رب نے حکم دیا ہے کیونکہ نہ وہ جھوٹا ہے اور نہ آپ۔ آپ فرمانے لگے کہ میرے رب نے میرے ساتھ یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ جب میں دریا پر پہنچوں گا تو وہ بارہ حصوں میں تقسیم ہو جائے گا یہاں تک کہ ہم اسے عبور کر لیں گے۔ اسی وقت آپ کو یاد آیا کہ مجھے تو عصا مارنے کا حکم ہوا تھا۔ اب آپ نے عین اس وقت اپنا عصا دریا پر مارا جب فرعونی لشکر کا ہراول دستہ بنی اسرائیل کے آخری حصے کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔ عصا لگتے ہی دریا نے پھٹ کر رستے بنا دیئے، بالکل اسی طرح جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی بعافیت دریا پار کر گئے اور فرعون اپنے ساتھیوں سمیت دریا میں داخل ہوا تو دریا کے ٹکڑے آپس میں مل گئے اور وہ رواں ہو گیا جیسا کہ اسے حکم ہوا تھا۔ دریا کو عبور کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کہنے لگے ہمیں اندیشہ ہے کہ فرعون غرق نہیں ہوا ہو گا اور ہمیں اس کی ہلاکت کا یقین نہیں آ رہا، چنانچہ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اس کے حکم سے دریا نے فرعون کی لاش کو باہر پھینک دیا جسے دیکھ کر انہیں اس کی ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ پھر چلتے چلتے ان کا گزر ایسی قوم سے ہوا جو اپنے بتوں کی

پرستش میں مگن تھی، کہنے لگے: يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ (الاعراف: 138-139) ''اے موسیٰ علیہ السلام! ہمارے لئے بھی ایک خدا بنادو جیسے ان کے خدا ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یقیناً تم جاہل ہو، یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں، تباہ ہو کر رہیں گے''۔ آپ نے انہیں فرمایا کہ تم عبرتناک نشانیاں دیکھ چکے اور ایسے واقعات سن چکے جو تمہارے لئے کافی تھے، اس کے باوجود گمراہی کی باتیں کر رہے ہو۔ چلتے چلتے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ایک جگہ ٹھہرایا اور انہیں فرمایا کہ ہارون علیہ السلام کی اطاعت کرنا، میں تم پر انہیں اپنا جانشین مقرر کئے ہوئے اپنے رب کے حضور جا رہا ہوں اور تیس روز کے بعد واپسی کا وعدہ کر کے آپ وہاں سے تشریف لے گئے۔ آپ مقررہ جگہ پہنچے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے تیس روزے رکھے روزوں کی تکمیل کے بعد اپنے رب سے ہم کلام ہونے کا ارادہ کیا لیکن منہ سے ایک قسم کی بو برآمد ہو رہی تھی جس طرح روزہ دار کے منہ سے عموماً بو آتی ہے، اس لئے آپ نے یہ پسند نہ کیا کہ اس بو کے آتے ہوئے اپنے رب سے ہم کلام ہوں، چنانچہ بو کو رفع کرنے کے لئے آپ نے ایک بوٹی کے چند تنکے چبا لئے۔ جب آپ اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے باوجود علم ہونے کے آپ علیہ السلام سے ایسا کرنے کی وجہ پوچھی تو آپ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے پروردگار! میری یہ خواہش تھی کہ میں خوشبودار منہ کے ساتھ تجھ سے ہم کلامی کا شرف حاصل کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ روزہ دار کے منہ کی بو مجھے مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ اب لوٹ جائیں اور دس روزے مزید رکھیں، اس کے بعد میرے پاس حاضر ہونا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس حکم کی تعمیل کی۔ بنی اسرائیل نے جب یہ دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مقررہ مدت کے بعد واپس نہیں لوٹے تو انہیں تاخیر بہت ناگوار گزری اور وہ بہت پریشان ہوئے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ جب تم مصر سے نکلے تو فرعونیوں سے ادھار لی گئی چیزیں بھی تمہارے ذمے تھیں اور ان کی امانتیں بھی تمہارے پاس تھیں، اسی طرح تمہاری کچھ امانتیں اور ادھار لی گئی چیزیں ان کے ذمہ تھیں۔ میرا یہ خیال ہے کہ ان کے ذمے تمہارے جو حقوق تھے تم ان سے دستکش ہو جاؤ لیکن ان کا جو مال و متاع تم نے عاریتاً لیا ہے یا تمہارے پاس امانت رکھا ہوا ہے، اسے میں تمہارے لئے حلال نہیں سمجھتا۔ اس مال و متاع کو ان کی طرف لوٹانا بھی ممکن نہیں اور نہ ہی ہم اسے اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ایک گڑھا کھدوایا اور اس قسم کا مال و متاع اور زیورات اس گڑھے میں ڈالنے کا حکم دے دیا، پھر اسے آگ لگا کر جلا دیا اور فرمایا کہ نہ یہ ہمارے پاس رہے اور نہ ان کے پاس۔ بنی اسرائیل کے ساتھ سامری نامی ایک شخص تھا جو ان میں سے نہیں تھا البتہ ان کا پڑوسی ضرور تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے ساتھ یہ بھی مصر سے نکل کر ان کے ساتھ ہو لیا۔ یہ گائے کی پرستش کرتا تھا۔ اس نے ایک نشانی دیکھی اور وہاں سے مٹھی میں کچھ خاک اٹھالی۔ جب یہ حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو آپ نے اسے فرمایا: اے سامری! کیا تم وہ نہیں پھینکو گے جو تمہاری مٹھی میں ہے۔ سامری اس چیز کو ابھی تک اپنی مٹھی میں لئے ہوئے تھا اور کسی نے اس چیز کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ کہنے لگا کہ اسے تو اس فرشتے کے اثر سے لیا گیا ہے جس نے تمہیں دریا عبور کروایا تھا۔ میں اسے صرف اس شرط پر پھینکنے کے لئے تیار ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ جب میں اسے پھینکوں تو وہی چیز بن جائے جو میں چاہتا ہوں۔ چنانچہ اس نے اسے پھینکا اور حضرت ہارون علیہ السلام نے اس کے لئے دعا کی تو وہ کہنے لگا کہ میں بچھڑے کا خواہشمند ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے طفیل گڑھے میں جو مال و متاع، زیور، تانبا اور لوہا جمع تھا وہ سب کا سب بچھڑے کی صورت اختیار کر گیا جو اندر سے کھوکھلا اور بے روح تھا لیکن ہوا کے داخل ہو کر نکلنے کے باعث ڈکارنے جیسی آواز پیدا ہوتی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ

کی قسم! اس سے کوئی آواز برآمد نہیں ہوتی تھی۔ دراصل ہوا اس کی دبر سے داخل ہو کر منہ کے رستہ نکلتی تھی، اسی وجہ سے کچھ آواز پیدا ہوتی۔ بنی اسرائیل مختلف گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ نے پوچھا: اے سامری! یہ کیا ہے، تمہیں اس کے متعلق زیادہ علم ہے۔ وہ کہنے لگا کہ یہ تمہارا رب ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام رستہ بھول گئے۔ ایک اور گروہ کہنے لگا کہ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی تک اس کی تکذیب نہیں کر سکتے۔ اگر یہ واقعی ہمارا رب ہوا تو ہم اس کی ناقدری کرنے پر تیار نہیں اور اگر یہ ہمارا رب نہ ہوا تو ہم موسیٰ علیہ السلام کی بات کو تسلیم کریں گے۔ ایک اور گروہ کا موقف یہ تھا کہ یہ شیطانی حرکت ہے، یہ ہمارا رب نہیں ہے، نہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور نہ اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ ایک اور فرقے نے دل سے تو سامری کی بات کو سچ تسلیم کر لیا لیکن بظاہر اس کی تکذیب کرنے لگے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں فرمایا: يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ (طٰہٰ: 90) ”اے میری قوم! تم تو اس سے فتنہ میں مبتلا ہو گئے اور بے شک تمہارا رب بڑا مہربان ہے پس تم میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو“۔ بنی اسرائیل کہنے لگے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کیا ہوا، تیس دن کا وعدہ کر کے ہمارے ساتھ اس کی خلاف ورزی کی۔ اب تو چالیس دن گزر چکے ہیں۔ ان میں سے کچھ احمق اور بے وقوف یہ ہرزہ سرائی کرنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام کا رب خطا کر گیا۔ اب موسیٰ علیہ السلام اس کی تلاش میں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہم کلامی کے دوران انہیں قوم کی تازہ صورتحال سے بھی آگاہ کر دیا، چنانچہ آپ علیہ السلام غم و غصہ کی حالت میں اپنی قوم کی طرف لوٹے اور ان کے ساتھ وہ باتیں کیں جو قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ آپ علیہ السلام اپنے بھائی کے سر کو پکڑ کر کھینچنے لگے اور فرط غضب سے تختیاں زمین پر پھینک دیں، پھر اپنے بھائی سے معذرت کرتے ہوئے ان کے لئے استغفار کیا اور سامری کی طرف متوجہ ہو کر اس سے پوچھنے لگے کہ تمہیں ایسا کرنے پر کس چیز نے اکسایا؟ وہ کہنے لگا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے فرستادہ کے نشان قدم کی خاک سے ایک مٹھی لی، اس حقیقت کو میں بھانپ گیا لیکن لوگوں پر یہ مخفی رہی، پھر جو کچھ ہوا اسے قرآن کریم یوں بیان کرتا ہے: فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ - فِي الْيَمِّ نَسْفًا (طٰہٰ: 97-96) ”پھر اسے (اس ڈھانچے میں) ڈال دیا اور اسی طرح میرے نفس نے میرے لئے یہ بات آراستہ کر دی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا جا چلا جا۔ پس تیرے لئے اس زندگی میں تو یہ (سزا) ہے کہ تو کہتا پھرے گا مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے اور بے شک تیرے لئے ایک اور وعدہ (عذاب) بھی ہے جس کی خلاف ورزی نہیں ہوگی اور دیکھ اپنے خدا کی قسم جس پر تو جم کر بیٹھا رہا، ہم اسے جلا ڈالیں گے پھر سمندر میں اس (کی راکھ) کو بکھیر دیں گے“۔ اگر وہ واقعی معبود ہوتا تو اس کی یہ درگت نہ بنتی۔ اب بنی اسرائیل کو یقین ہو گیا کہ وہ خدا نہیں تھا بلکہ وہ تو ایک فتنہ تھا۔ وہ لوگ تو بہت خوش ہوئے جو حضرت ہارون علیہ السلام کے ہم عقیدہ تھے لیکن فتنہ کا شکار ہونے والے بہت نادم ہوئے۔ وہ معذرت کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ اپنے رب سے ہمارے لئے درخواست کریں کہ وہ ہمارے لئے توبہ کا دروازہ کھول دے تاکہ ہم توبہ کر لیں اور وہ ہماری خطا کو معاف فرما دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس مقصد کے لئے اپنی قوم میں سے ستر افراد کو منتخب کر لئے جو ان میں صالح، ان کے خیر خواہ اور بچھڑے کی پرستش میں ملوث نہ تھے۔ آپ علیہ السلام انہیں لے کر چلے تاکہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کی درخواست کریں۔ زلزلہ آیا اور وہ سب ہلاک ہو گئے۔ یہ صورتحال دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے متفکر ہوئے کہ قوم کو کیا جواب دیں گے، چنانچہ آپ عرض کرنے لگے: رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاۗءُ مِنَّا (الاعراف: 155) ”اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو ہلاک کر دیتا انہیں اس سے پہلے اور مجھے بھی، کیا تو ہلاک کرتا ہے ہمیں بوجہ اس (غلطی) کے جو ہم میں سے چند احمقوں نے کی“، ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جن کے دل بچھڑے کی

محبت سے سرشار تھے، اسی وجہ سے سبھی زلزلہ کی لپیٹ میں آ گئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ...... فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ (الاعراف: 157-156) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کے لئے توبہ کی التجا کی لیکن تو نے فرمایا کہ میری رحمت تمہاری امت کے علاوہ کسی اور امت کے لئے مخصوص ہے، اس لئے میری تمنا تو یہ تھی کہ تو مجھے اس امت مرحومہ میں پیدا کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام سے فرمایا کہ ان کی توبہ کی قبولیت صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ان میں سے ہر شخص جسے ملے، اسے قتل کر ڈالے خواہ وہ اس کا باپ یا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ اس طرح یہ ایک دوسرے کو تلوار کے ساتھ قتل کریں اور اس بات کی پرواہ نہ کریں کہ کون قتل ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور ان میں سے جو اپنے دلوں میں منافقت رکھتے تھے، انہوں نے بھی اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو بجالائے۔ اللہ تعالیٰ نے قاتلین اور مقتولین تمام کی مغفرت فرما دی، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام باقی بچ جانے والوں کو اپنے ساتھ لے کر بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوئے اور غصہ فرو ہو جانے کے بعد آپ نے وہ تختیاں اٹھالیں اور احکام خداوندی پر کاربند رہنے کا انہیں حکم دیا لیکن یہ احکام انہیں بوجھ محسوس ہوئے اور انہوں نے ان پر عمل پیرا ہونے سے صاف انکار کر دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک پہاڑ اکھیڑ کر چھتری کی مانند ان کے اوپر معلق کر دیا۔ وہ خوفزدہ ہو گئے کہ کہیں پہاڑ ان پر گر ہی نہ پڑے۔ اب انہوں نے کتاب کو قبول کر لیا، کان اس کے احکام کی سماعت پر لگے ہوئے تھے اور نظریں پہاڑ پر جمی ہوئی تھیں، ہر گھڑی انہیں پہاڑ کے گرنے کا دھڑکا لگا ہوا تھا، پھر وہ چلتے چلتے بیت المقدس تک پہنچ گئے۔ وہاں ایک زبردست، جابر اور عجیب الخلقت قوم آباد تھی۔ ان کے پھل حیرت انگیز حد تک بڑے بڑے تھے۔ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ شہر میں ایک جابر قوم کا تسلط ہے، ان سے مقابلہ کرنا ہمارے بس کا روگ نہیں جب تک یہ لوگ شہر میں موجود ہیں اس وقت تک ہم اس میں داخل نہیں ہوں گے۔ اگر وہ اس میں سے نکل جائیں تو ہم داخل ہونے کے لئے تیار ہیں۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس جابر قوم میں سے دو افراد ایمان لے آئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف چلے آئے، وہ کہنے لگے کہ ہم اپنی قوم کے متعلق بہتر جانتے ہیں۔ تم ان کے اجسام اور تعداد کو دیکھ کر خوفزدہ ہو رہے ہو حالانکہ یہ لوگ بہادر نہیں اور نہ ہی ان کے پاس قوت ہے، اس لئے دروازے سے ان پر داخل ہو جاؤ، جونہی تم ان پر داخل ہو گے تمہیں ان پر غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ہمت بندھانے والے یہ دونوں آدمی بنی اسرائیل میں سے تھے۔ ان کی ہمت افزائی کے باوجود بنی اسرائیل کہنے لگے: يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (المائدہ: 24) ''اے موسیٰ علیہ السلام! ہم تو ہرگز اس میں داخل نہ ہوں گے قیامت تک جب تک وہ وہاں ہیں، بس جاؤ تم اور تمہارا رب اور دونوں لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں''۔ انہوں نے بزدلی اور نامردی کا مظاہرہ کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ناراض اور غضبناک کر دیا۔ آپ علیہ السلام نے ان کے لئے بددعا کرتے ہوئے انہیں فاسق کا نام دیا حالانکہ اس سے پہلے آپ نے ان کی نافرمانی اور برے سلوک کے باوجود ان کے لئے کبھی بددعا نہیں کی۔ آج بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کرتے ہوئے ان لوگوں کو وہی نام (فاسق) دیا جو حضرت کلیم علیہ السلام نے انہیں دیا تھا۔ اس بددعا کے نتیجہ میں وہ چالیس سال تک سرگرداں پھرتے رہے اور بیابانوں کی خاک چھانتے رہے، صبح اٹھ کر سفر شروع کرتے اور سارا دن بھٹکتے ہوئے گزار دیتے، ایک پل بھی انہیں قرار حاصل نہ تھا۔ میدان تیہ میں بادل ان پر سایہ کرتے، من وسلویٰ ان پر اترتا، کپڑے ایسے تھے کہ نہ وہ بوسیدہ ہوتے اور نہ میلے۔ ان کے سامنے مربعہ شکل کا ایک پتھر تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس پر عصا مارنے کا حکم دیا، جونہی آپ علیہ السلام نے اس پر اپنا عصا مارا، اس سے بارہ چشمے پھوٹ

پڑے، ہر کونے سے تین چشمے۔ ہر قبیلہ کے لئے اس کے مخصوص چشمہ کی نشاندہی کر دی گئی جس سے انہوں نے پانی پینا تھا۔ یہ لوگ جب ایک جگہ سے کوچ کر کے اگلے مقام پر جاتے تو اگلے روز اس پتھر کو بالکل اسی جگہ پاتے جہاں یہ گزشتہ روز موجود تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو مرفوع بیان کیا ہے اور اس کی تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا تو اس بات کا انکار کر دیا کہ فرعونی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہونے والے شخص کے معاملہ کا انکشاف کیا، وہ بھلا کیسے اس راز کو افشاء کر سکتا تھا جبکہ اسے اس بارے میں نہ تو علم تھا اور نہ وہ اس وقت وہاں موجود تھا۔ وہاں تو اس وقت صرف وہ اسرائیلی موجود تھا جو مقتول قبطی سے لڑ رہا تھا۔ یہ سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ غضبناک ہو گئے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں حضرت سعد بن مالک زہری رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے۔ آپ ان سے پوچھنے لگے: اے ابو اسحاق! کیا تمہیں وہ دن یاد ہے جب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہونے والے فرعونی مقتول کی بابت بتایا تھا؟ قتل کا راز اسرائیلی نے افشاء کیا تھا یا فرعونی نے؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فرعونی نے اس اسرائیلی سے سن کر جو اس وقت وہاں موجود تھا (1)۔ یہ روایت نسائی نے سنن کبریٰ اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی تفسیر میں بیان کی ہے۔ اس روایت میں مرفوع حصہ بہت کم ہے، ممکن ہے آپ رضی اللہ عنہ نے کعب الاحبار وغیرہ سے منقول ان اسرائیلی روایات سے لیا ہو جن کا نقل کرنا مباح قرار دیا گیا ہے۔ میں نے اپنے شیخ حافظ ابوالحجاج مزی کو بھی یہی فرماتے ہوئے سنا ہے۔

فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ڏ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰي قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۝ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝

"پھر تم ٹھہرے رہے کئی سال اہل مدین میں۔ پھر تم آ گئے ایک مقررہ وعدہ پر اے موسیٰ! اور میں نے مخصوص کر لیا ہے تمہیں اپنی ذات کے لئے۔ اب جائیے آپ اور آپ کا بھائی میری نشانیاں لے کر اور نہ سستی کرنا میری یاد میں۔ آپ دونوں جائیں فرعون کے پاس وہ سرکش بنا بیٹھا ہے۔ اور گفتگو کریں اس کے ساتھ نرم انداز سے شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے حاشیہ نشینوں سے بھاگ کر مدین پہنچے، یہاں اہل مدین کے ہاں کئی سال تک مقیم رہے اور شرط کے مطابق بکریاں چراتے رہے، یہاں تک کہ جب طے شدہ مدت ختم ہو گئی تو اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور تقدیر کے مطابق آپ مقررہ وقت پر اللہ تعالیٰ کے پاس آئے۔ امر تمام کا تمام اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے اور وہی اپنی مخلوق کو اپنی مشیت کے مطابق چلاتا ہے، اس لئے فرمایا: ثُمَّ جِئْتَ عَلٰي قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى۔ مجاہد کے بقول "قدر" کا معنی ہے وعدہ کا وقت اور قتادہ اس آیت کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ تم نبوت و رسالت کی قدر و منزلت کو پہنچے (2)۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَاصْطَنَعْتُكَ۔ یعنی میں نے اپنے ارادے اور مشیت کے مطابق تمہیں اپنا رسول چن لیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 164-167، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 569-579 مسند ابی یعلیٰ، جلد 5 صفحہ 10-29 مجمع الزوائد، جلد 7 صفحہ 5

2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 168

ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام (حضرت آدم علیہ السلام سے) کہنے لگے کہ آپ نے لوگوں کو مصیبت میں ڈالا اور انہیں جنت سے نکال دیا؟ حضرت آدم علیہ السلام فرمانے لگے کہ آپ کو ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے ساتھ منتخب کیا، اپنے لئے خاص کر لیا اور آپ پر تورات نازل کی؟ حضرت موسیٰ کہنے لگے: جی ہاں۔ حضرت آدم علیہ السلام فرمانے لگے کہ کیا آپ نے اس میں یہ نہیں پڑھا کہ میری تخلیق سے پہلے مجھ پر یہ سب کچھ لکھا جا چکا تھا؟ فرمانے لگے: ہاں۔ اس طرح حضرت آدم علیہ السلام حجت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے" (1)۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو حکم دیا کہ میرے دلائل و براہین اور معجزات لے کر تم دونوں جاؤ اور میرے ذکر میں کسی قسم کی کمزوری اور سستی کا مظاہرہ نہ کرنا۔ اب یاد الٰہی میں ان حضرات کی یہ کیفیت تھی کہ فرعون کے سامنے بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتے تھے تاکہ فرعون کے مقابلہ میں یاد الٰہی کے ذریعے انہیں قوت و سطوت اور اطمینان نصیب ہو جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: "میرا کامل بندہ وہ ہے جو مجھے یاد کرتا ہے اور یہی اپنے مدمقابل کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے والا ہے" (2)۔ پھر حکم ہوا: اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ۔ یعنی فرعون کے پاس جاؤ کیونکہ وہ سخت سرکش، متمرد اور نافرمان ہے لیکن اس سے مخاطب ہوتے وقت نرم انداز میں گفتگو کرنا، شاید اس طرح وہ نصیحت حاصل کر لے یا خوف کھانے لگے۔ اس آیت کریمہ میں بہت بڑی عبرت کا درس موجود ہے، فرعون انتہائی سرکش اور متکبر ہے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مقرب اور برگزیدہ بندے ہیں، اس کے باوجود آپ علیہ السلام کو فرعون کے ساتھ ملاطفت اور نرمی اختیار کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔ یزید الرقاشی نے کیا خوب کہا ہے:

یَا مَنْ یَتَحَبَّبُ اِلٰی مَنْ یُعَادِیْهِ فَکَیْفَ بِمَنْ یَتَوَلَّاهُ وَ یُنَادِیْهِ؟

(اے وہ خدا جو اپنے دشمنوں سے بھی محبت کرتا ہے، تیرا ان لوگوں کے ساتھ کیسا اچھا معاملہ ہوگا جو تجھ سے محبت کرتے ہیں اور تجھے ہی پکارتے ہیں؟)۔ وہب بن منبہ اس فرمان کے متعلق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات کو یہ فرما رہا ہے: تم فرعون کو بتا دو کہ میں غضب اور عقاب کی نسبت عفو اور مغفرت کے زیادہ قریب ہوں۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ نرم بات (قول لین) سے مراد یہ ہے کہ وہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا قائل ہو جائے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اتمام حجت کرتے ہوئے اسے کہنا کہ تمہارا ایک رب ہے، تم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اس کے حضور پیش ہوگے اور وہاں جنت اور دوزخ دونوں ہیں۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اس کے مفہوم میں کہتے ہیں کہ اسے ایک مرتبہ میرے دروازے پر لے آؤ۔ ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ فرعون کے لئے دعوت انتہائی نرم، رقیق اور ملائم لہجے میں ہونی چاہئے تاکہ یہ اس کے لئے زیادہ موثر اور مفید ثابت ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "اُدْعُ اِلٰى سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (النحل: 125)" بلایئے اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے اور ان سے بحث اس انداز سے کریں جو بڑا پسندیدہ ہو"۔ فرمایا: لَعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ یعنی شاید وہ گمراہی سے رجوع کر کے ہلاکت سے بچ جائے یا اپنے رب سے ڈر کر اطاعت پر آمادہ ہو جائے جیسا کہ فرمایا: لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا (الفرقان: 62) تذکر کا مطلب ہے ممنوع چیز سے رجوع کرنا اور خشیت کا مفہوم ہے اطاعت کا مظاہرہ کرنا۔ بقول حضرت حسن بصری اس فرمان لَعَلَّهٗ کا مقصد یہ ہے کہ اے موسیٰ علیہ السلام! اتمام حجت اور اس کے تمام بہانے ختم کرنے سے پہلے اس کی ہلاکت کے لئے دعا نہ کرنا (3)۔ زید بن

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ طہٰ، جلد 6 صفحہ 129، صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 2 صفحہ 2043-2044

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعاء، جلد 13 صفحہ 81-82

3۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 580

عمرو بن نفیل یا امیہ بن ابی الصلت کے اشعار میں آتا ہے: اے اللہ! تو نے ہی اپنے فضل و کرم سے موسیٰ علیہ السلام کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ تم اور تمہارا بھائی ہارون باغی فرعون کی طرف جاؤ اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف بلاؤ۔ اس سے پوچھنا کہ کیا تو نے بغیر میخوں کے یہ زمین بچھائی ہے جو تمام چیزوں کو اٹھائے ہوئے ہے، اس سے پوچھو کہ کیا تو نے بغیر ستونوں کے بلند آسمان پیدا کئے ہیں۔ اس سے کہو کہ رات کے اندھیرے میں رہنمائی کے لئے آسمان کے وسط میں کیا تو نے روشن چاند تخلیق کیا ہے، اس سے دریافت کرو کہ کون صبح کے وقت سورج طلوع کرتا ہے جس کا اجالا زمین کو منور کر دیتا ہے، اسے کہو کہ کون مٹی سے دانے اگاتا ہے کہ طرح طرح کی فصلیں لہلہانے لگتی ہیں۔ ان تمام چیزوں میں ہر صاحب عقل و شعور کے لئے قدرت الٰہی کی روشن اور واضح نشانیاں ہیں۔

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۝ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ۝ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰي مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝

"دونوں نے عرض کی اے ہمارے رب! ہمیں یہ خوف ہے کہ وہ دست درازی کرے گا ہم پر یا سرکشی سے پیش آئے گا۔ ارشاد ہوا ڈرو نہیں۔ میں یقیناً تمہارے ساتھ ہوں (ہر بات) سن رہا ہوں اور (ہر چیز) دیکھ رہا ہوں۔ پس (بے خوف و خطر) اس کے پاس جاؤ اور اسے بتاؤ ہم دونوں تیرے رب کے فرستادہ ہیں پس بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو اور انہیں (اب مزید) عذاب نہ دے۔ ہم لے آئے ہیں تیرے پاس ایک نشانی تیرے رب کے پاس سے۔ اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ بیشک وحی کی گئی ہے ہماری طرف کہ عذاب (خداوندی) اس پر آئے گا جو جھٹلاتا ہے (کلام الٰہی کو) اور روگردانی کرتا ہے"۔

حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے ذات باری تعالیٰ کی پناہ لیتے ہوئے اور اپنی کمزوری کی شکایت کرتے ہوئے عرض کی: اِنَّنَا نَخَافُ۔۔۔ یعنی انہیں اس بات کا خوف تھا کہ فرعون بلاوجہ ان پر دست درازی کرے گا یا سرکشی سے پیش آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اطمینان دلاتے ہوئے فرمایا: لَا تَخَافَآ..... یعنی تم دونوں کو خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں تمہارے ساتھ ہوں، میں تمہاری اور اس کی گفتگو سنتا رہوں گا اور تمہاری اور اس کی حالت پر نظر رکھوں گا، کوئی چیز مجھ سے پوشیدہ نہیں ہوگی اور یہ بات اچھی طرح جان لو کہ اس کی پیشانی میرے ہاتھ میں ہے، وہ میرے اذن کے بغیر نہ گفتگو کر سکتا ہے، نہ سانس لے سکتا ہے اور نہ کچھ پکڑ سکتا ہے۔ تم میری تائید و نصرت اور حفظ و امان میں ہو۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو آپ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے پروردگار! میں اس کی طرف جاتے ہوئے کیا پڑھوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ پڑھ لیا کرو "هيا شراهيا" عربی میں اس کا مطلب یہ ہے: "اَنَا الْحَيُّ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَالْحَيُّ بَعْدَ كُلِّ شَيْءٍ" یعنی میں ہی سب سے پہلے زندہ ہوں اور میں ہی سب کے بعد زندہ(1)۔ دونوں حضرات اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرعون کے پاس گئے اور کافی انتظار کے بعد اندر آنے کی

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 581

اجازت ملی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث فتون میں گزر چکا ہے۔ محمد بن اسحاق بن یسار ذکر کرتے ہیں کہ حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام فرعون کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور اس کے پاس جانے کی اجازت طلب کی، فرمانے لگے کہ ہم رب العالمین کے رسول ہیں لیکن دربانوں نے اندر جانے کی اجازت نہ دی، دونوں حضرات دو سال لگاتار صبح و شام اس کے دروازے پر جاتے لیکن کسی کو یہ جرأت نہ ہوتی کہ وہ فرعون کو کم از کم ان کی خبر ہی کر دے۔ دو سال کے بعد ایک شخص جو فرعون کا بے تکلف دوست تھا اور اس کے ساتھ ہنسی مذاق بھی کر لیا کرتا تھا، اسے کہنے لگا: بادشاہ سلامت! آپ کے دروازے پر ایک شخص کھڑا ہے جو بڑی عجیب بات کر رہا ہے، اس کا خیال ہے کہ آپ کے سوا کوئی اور خدا ہے جس نے اسے آپ کی طرف بھیجا ہے۔ فرعون نے پوچھا: میرے دروازے پر؟ اس نے کہا: ہاں۔ فرعون نے کہا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو ساتھ لئے اور اپنے ہاتھ میں لاٹھی پکڑے ہوئے فرعون کے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ میں رب العالمین کا فرستادہ ہوں۔ فرعون نے آپ علیہ السلام کو پہچان لیا۔ سدی بیان کرتے ہیں کہ آپ نے جب سرزمین مصر میں قدم رکھا تو پہلے اپنی والدہ اور بھائی کے پاس ٹھہرے۔ وہ آپ کو نہ پہچان سکے، مہمان سمجھ کر کھانا پیش کیا، اس رات ان کے ہاں شلغم پکے ہوئے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے پہچان لیا اور آپ علیہ السلام کو سلام کیا۔ آپ نے حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فرعون کو دعوت توحید دوں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو میرے ساتھ تعاون کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ کے رب نے جو حکم دیا ہے اسے کر گزریئے۔ رات کا وقت تھا، دونوں حضرات چلتے ہوئے فرعون کے محل تک پہنچ گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کے ساتھ محل کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ فرعون سن کر سخت غضبناک ہو گیا اور کہنے لگا کہ اتنی جرأت کون کر سکتا ہے۔ دربانوں نے اسے بتایا کہ یہاں ایک مجنون شخص ہے جو کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ فرعون نے کہا کہ اسے میرے پاس لاؤ چنانچہ دونوں بھائی بے دھڑک اس کے پاس چلے گئے اور فرمانے لگے: اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ پھر فرمانے لگے: وَالسَّلٰمُ ۔ یعنی اگر تو ہدایت کی اتباع کر لے تو تم پر سلامتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی شاہ روم ہرقل کے نام اپنے مکتوب کے آغاز میں تحریر فرمایا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللہ کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے شاہ روم ہرقل کے نام۔ اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کی اتباع کرے، اما بعد! میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام قبول کر لو، سلامت رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں دوگنا اجر عطا فرمائے گا'' (1)۔ اسی طرح جب مسیلمہ کذاب نے اللہ کے رسول ﷺ کے نام خط لکھا تو اس کی صورت یہ تھی: اللہ کے رسول مسیلمہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کے نام، آپ پر سلامتی ہو، اما بعد! میں امر نبوت میں آپ کیساتھ شریک ہوں، شہری علاقہ آپ کا اور دیہاتی علاقہ میرا لیکن قریش ظالم قوم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں اسے لکھا: ''محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام، اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی اتباع کی۔ اما بعد، بلاشبہ زمین اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور عاقبت اہل تقویٰ کے لئے خاص ہے (2)۔ اسی لئے حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے فرمایا: وَالسَّلٰمُ ..... یعنی سلامتی ہدایت کے پیروکاروں کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی ہمیں آگاہ کر دیا ہے کہ عذاب کے مستحق وہی لوگ ہیں جو اس کی نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں اور اس کی اطاعت سے روگردانی کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: '' فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾ (النزعات: 39-37)'' ''پس جس نے سرکشی کی ہوگی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی تو دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہوگا'' اور فرمایا:

1۔ صحیح بخاری

2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 601-600

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۚ لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ۙ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى (اللیل: 16-14) ''پس میں نے تمہیں ایک بھڑکتی آگ سے خبردار کر دیا ہے۔ اس میں نہیں جلے گا مگر وہ انتہائی بد بخت جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی''، ایک اور مقام پر فرمایا: فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۙ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى (القیامہ: 32-31) ''نہ اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی بلکہ اس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا''۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ۝ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ۝

''فرعون نے پوچھا موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟ فرمایا ہمارا رب وہ ہے جس نے عطا کی ہر چیز کو (موزوں) صورت پھر (مقصد تخلیق کی طرف) ہر چیز کی رہنمائی کی۔ اس نے کہا (اچھا یہ بتاؤ) کیا حال ہوا پہلی قوموں کا؟ فرمایا ان کا علم میرے رب کے پاس ہے جو کتاب میں (مرقوم) ہے۔ نہ بھٹکتا ہے میرا رب اور نہ (کسی چیز کو) بھولتا ہے''۔

فرعون ہر چیز کے خالق، مالک، معبود اور رب کا انکار کرتے ہوئے پوچھنے لگا کہ اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے جس نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے، میں تو اسے نہیں پہچانتا بلکہ مجھے نہیں معلوم کہ تم لوگوں کا میرے سوا کوئی اور خدا ہے۔ جواب میں آپ علیہ السلام نے فرمایا: رَبُّنَا الَّذِيْٓ ۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس سے اس کا یہ مفہوم نقل کرتے ہیں کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کا جوڑا بنایا، جبکہ ضحاک نے آپ سے اس کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے انسان کو انسان، گدھے کو گدھے اور بکری کو بکری کی صورت پر پیدا کیا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ جس نے ہر چیز کو اس کی مخصوص صورت عطا کی۔ ایک اور روایت میں آپ فرماتے ہیں کہ جس نے ہر ایک کی صورت کو سنوارا(1)۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ جس نے ہر مخلوق کو وہی عطا کیا جس کی صلاحیت اس میں تھی۔ انسان کو جانور کی صورت نہیں بخشی۔ چوپاؤں کو کتے کی شکل پر نہیں پیدا کیا اور کتے کو بکری جیسی شکل نہیں دی، اسی طرح نسل بڑھانے کے بھی انتظامات کر دیے۔ پس کوئی بھی ایسی چیز نہیں ہے جو تخلیق، رزق اور نسل کشی میں دوسری چیز کے مشابہ ہو(1)۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ آیت اس آیت کی طرح ہے: وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى (الاعلیٰ: 3) یعنی جس نے ایک اندازہ مقرر فرمایا، پھر تمام مخلوقات کی اس طرف رہنمائی کر دی۔ ہر ایک کے لئے عمل، اجل اور رزق مقدر فرما دیا۔ اب ہر ایک چیز اسی اندازے کے مطابق چل رہی ہے اور کسی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اس سے انحراف کرے یا اس ضابطہ سے نکل جائے۔ یہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارا رب ہی ہے جس نے ہر چیز کی تخلیق کی اور ہر ایک کا ایک اندازہ مقرر کر کے اسی کے مطابق اسے پیدا کر دیا۔ اب فرعون پوچھنے لگا: فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون پر واضح کر دیا کہ مجھے رسول بنا کر بھیجنے والا رب وہی ہے جس نے ہر چیز کو اپنے مقرر کیے ہوئے اندازے کے مطابق پیدا کیا اور اسے اپنے مقصد کی طرف رہنمائی کر دی اور رزق بھی بہم پہنچایا تو وہ اس سوال کا سہارا لے کر کہنے لگا کہ ان لوگوں کا کیا بنا جو غیر اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کا مختصر سا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ گزشتہ قوموں کے اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں کتاب (لوح محفوظ) میں مرقوم ہیں وہ ان کو ان کے اعمال کا بدلہ ضرور دے گا۔ میرا رب نہ بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے، کوئی چھوٹی بڑی چیز اس سے فوت نہیں ہو سکتی، اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے اور وہ کسی چیز کو بھولتا نہیں، وہ نہایت بابرکت، اعلیٰ، مقدس اور ہر قسم کے عیب اور کمزوری سے پاک ذات ہے۔ مخلوق کے علم میں دو نقص ہیں، ایک عدم احاطہ اور دوسرا نسیان۔ اللہ تعالیٰ ان

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 171-172، الدر المنثور، جلد

دونوں سے پاک ہے۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ سَلَكَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ۝ كُلُوْا وَ ارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى ۝ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝ وَ لَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَ اَبٰى ۝

''وہ ذات جس نے تمہارے واسطے زمین کو بچھونا بنایا اور بنا دیئے تمہارے فائدے کے لئے اس میں راستے اور اتارا آسمان سے پانی۔ پھر ہم نے نکالے پانی کے ذریعے (شکم زمین سے) جوڑے گوناں گوں نباتات کے۔ خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ۔ بیشک اس میں (ہماری قدرت وحکمت کی) نشانیاں ہیں دانشوروں کے لئے۔ اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور (روز حشر) اسی سے ہم تمہیں نکالیں گے ایک بار پھر۔ اور ہم نے دکھلا دیں فرعون کو اپنی ساری نشانیاں پھر بھی اس نے جھٹلایا اور ماننے سے انکار کر دیا''۔

فرعون کے سوال کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اور اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے فرمایا: الَّذِیْ جَعَلَ ''مھد'' کی دوسری قرأت ''مھاد'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لئے ایسی قرارگاہ بنایا ہے جس پر تم آرام سے اٹھتے، بیٹھتے، سوتے اور سفر کرتے ہو، مزید برآں اس میں تمہارے لئے رستے بھی بنا دیئے تاکہ تم اس کے اطراف واکناف میں سفر کر سکو جیسا کہ فرمایا: وَجَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ (الانبیاء: 31) ''اور ہم نے ان پہاڑوں میں کشادہ راہیں بنا دیں تاکہ وہ (منزل مقصود کا) راستہ پا سکیں''۔ اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل کر کے گوناگوں کھیتیاں اور پھلدار درخت اگائے، کوئی ترش، کوئی شیریں اور کوئی کڑوا۔ یہ خشک وتر بھی ایسی چیزیں ہیں جو تمہارے لئے اور تمہارے جانوروں کے لئے خوراک بنتی ہیں۔ اس میں ان دانشوروں کے لئے قدرت الٰہی کی واضح نشانیاں ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ اس کے سوا کوئی رب۔ پھر فرمایا: مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ ... یعنی زمین سے تمہاری تخلیق کا آغاز ہوا کیونکہ تمہارے باپ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے۔ مرنے کے بعد اس میں ہی تم لوٹو گے اور اسی سے ایک مرتبہ پھر تمہیں زندہ کر کے نکالا جائے گا۔ اس وقت یہ کیفیت ہوگی: یَوْمَ یَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا (بنی اسرائیل: 52) ''اور اس دن کو یاد کرو جب اللہ تمہیں بلائے گا، سو تم اس کی حمد کرتے ہوئے جواب دو گے اور یہ گمان کر رہے ہو گے کہ تم (دنیا میں) تھوڑا عرصہ ٹھہرے''۔ یہ آیت کریمہ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ اس آیت کی طرح ہے: فِیْهَا تَحْیَوْنَ وَفِیْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ (الاعراف: 25) ''فرمایا اسی زمین میں تم زندہ رہو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی سے تم اٹھائے جاؤ گے''۔ سنن کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک جنازہ میں شریک ہوئے۔ جب میت کو دفن کر دیا گیا تو آپ نے ایک مٹھی مٹی لی اور اسے قبر پر ڈال کر فرمایا: مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ پھر ایک اور مٹھی مٹی ڈال کر فرمایا: وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ پھر اور مٹھی ڈال کر یہ تلاوت کی: وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى (1)۔ پھر فرمایا: وَلَقَدْ اَرَیْنٰهُ۔ یعنی ہم نے فرعون کو اپنی تمام نشانیاں دکھائیں اور دلائل و براہین کا مشاہدہ

1۔ مستدرک حاکم، جلد 2 صفحہ 379۔ سنن کبریٰ بیہقی، کتاب الجنائز، جلد 2 صفحہ 409

کروایا لیکن یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود بھی اس نے ان کی تکذیب کی اور کفر، عناد اور بغاوت کے باعث ان کا صاف انکار کر دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (النمل: 14) ''اور انہوں نے ان کا انکار کر دیا محض ظلم اور تکبر کے باعث حالانکہ ان کے دلوں نے ان کی صداقت کا یقین کر لیا تھا''۔

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾

''کہنے لگا موسیٰ! کیا تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ نکال دو ہمیں اپنے ملک سے اپنے جادو کی طاقت سے۔ سو ہم بھی لائیں گے تیرے مقابلہ میں جادو ویسا ہی۔ پس اب مقرر کر و ہمارے اور اپنے درمیان مقابلے کا دن نہ ہم پھریں اس سے اور نہ ہی تو پھرے جمع ہونے کی جگہ ہموار اور کھلی ہو۔ آپ نے فرمایا (تمہارا چیلنج منظور ہے) جشن کا دن تمہارے لئے مقرر کرتا ہوں اور یہ خیال رہے کہ سارے لوگ چاشت کے وقت جمع ہو جائیں''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو جب اپنے معجزات دکھائے کہ عصا پھینکنے سے وہ ایک عظیم اور مہیب اژدھا بن گیا اور اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر باہر نکالا تو وہ بغیر کسی بیماری کے خوب روشن ہو کر باہر نکلا تو فرعون کہنے لگا کہ یہ جادو ہے۔ تم ہمیں جادو کر کے یہ چاہتے ہو کہ تمہیں لوگوں پر اقتدار حاصل ہو جائے، وہ تمہاری پیروی کرنے لگیں اور ہمارے مقابلہ میں تمہیں عددی برتری حاصل ہو جائے جسے بروئے کار لاتے ہوئے تم ہمیں جلاوطن کر دو لیکن یاد رکھو ایسا کبھی نہیں ہو سکتا، تمہارے جادو جیسا جادو ہمارے پاس بھی ہے، اسلئے مغرور اور غلط فہمی کا شکار نہ ہو جانا۔ ہمارے اور اپنے درمیان ایک دن مقرر کر دو جس میں ہم اور تم اکٹھے ہوں گے۔ اس طرح مقررہ دن میں معین وقت پر ہم اپنے جادو کے ساتھ تمہارے جادو کا مقابلہ کریں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فوراً چیلنج قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہاری عید اور قومی میلے کا دن مقرر کرتا ہوں جس میں کاموں سے فراغت کے باعث سب لوگوں کا جمع ہونا ممکن ہوگا تا کہ وہ بھی اپنی آنکھوں سے دن کے اجالے میں قدرت الٰہی، معجزات کی صداقت اور جادو کے بطلان کا مشاہدہ کر لیں، اس لئے آپ نے فرمایا کہ لوگ چاشت کے وقت جمع ہوں تا کہ وہ واضح طور پر مقابلہ دیکھ سکیں اور دیکھنے میں کسی قسم کے ابہام کی گنجائش نہ رہے۔ انبیاء کرام کی شان اسی طرح ہوتی ہے، ان کا ہر معاملہ واضح ہوتا ہے جس میں نہ کوئی خفا ہوتا ہے اور نہ کوئی ابہام، اس لئے آپ نے رات کا وقت معین نہیں کیا بلکہ دن میں چاشت کا وقت منتخب کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے جشن کا دن عاشوراء کا دن تھا۔ سدی، قتادہ اور ابن زید فرماتے ہیں کہ یہ ان کی عید کا دن تھا۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ یہ ان کے بازار لگنے کا دن تھا، بہر کیف ان اقوال کے درمیان کوئی تعارض نہیں۔ جگہ کوئی ایسی ہی تھی جہاں اللہ تعالیٰ نے فرعون کو عبرتناک شکست دی۔ وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مہلت کا تقاضا کیا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اس کا حکم نہیں ہوا، مجھے تو تمہارے ساتھ مقابلہ کا حکم ملا ہے۔ اگر تم نہیں نکلو گے تو میں تمہارے پاس آ جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی فرمایا کہ اسے مہلت دے دو، چنانچہ فرعون نے چالیس دن کی مہلت مانگی جو اسے دے دی گئی۔ ''سوی'' کا معنی ہے برابر اور ہموار جس میں نہ کوئی آواز ہو اور نہ کوئی چیز کسی سے مخفی ہو۔

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿۶۱﴾ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰىنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿۶۴﴾

"پھر فرعون واپس مڑا اور اکٹھا کیا اپنی فریب کاریوں کو پھر خود آیا۔ فرمایا ان فرعونیوں کو موسیٰ علیہ السلام نے کم بختو! نہ بہتان باندھو اللہ تعالیٰ پر جھوٹے ورنہ وہ تمہارا نام ونشان مٹا دے گا کسی عذاب سے۔ اور (اس کا یہ اٹل قانون ہے) کہ ہمیشہ نامراد رہتا ہے جو افترا بازی کرتا ہے۔ پس وہ جھگڑنے لگے اس کام کے متعلق آپس میں اور چھپ چھپ کر مشورے کرنے لگے۔ وہ ایک دوسرے کو کہنے لگے بلاشبہ یہ دو جادوگر ہیں یہ چاہتے ہیں کہ نکال دیں تمہیں تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے اور مٹادیں تمہاری تہذیب وثقافت کے مثالی طریقوں کو۔ پس یکجا کرلو اپنی حیلہ سازیوں کو پھر آؤ پرے باندھے ہوئے۔ اور کامیاب ہوگا آج وہ گروہ جو (اس مقابلہ میں) غالب رہا"۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان مقابلہ کے لئے وقت اور جگہ کا تعین ہوگیا تو فرعون اپنی سلطنت کے ہر علاقے سے جادوگر جمع کرنے میں کوشاں ہوگیا۔ اس وقت وہاں جادو کا بہت زور تھا، فرعون نے ہر اس شخص کو بلا لیا جسے جادو کا علم تھا جیسا کہ ارشاد ہے: وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِیْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ (یونس: 79) "اور فرعون نے حکم دیا کہ (فوراً) لے آؤ میرے پاس ہر ماہر جادوگر"، پھر وقت مقررہ پر عید کے دن لوگ جمع ہوگئے، فرعون دربار لگائے اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا، اس کے دائیں بائیں ارکان سلطنت، اکابرین دولت اور عوام الناس کھڑے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ اپنے عصا پر ٹیک لگائے ہوئے تشریف لائے۔ جادوگر فرعون کے سامنے پرے باندھے کھڑے ہوگئے۔ فرعون انہیں انعام واکرام کا لالچ دے کر مقابلہ پر اکسا رہا تھا، جادوگر کہنے لگے: اَىِٕنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِیْنَ ﴿﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ (الشعراء: 42-41) "کیا ہمیں کوئی انعام ملے گا اگر ہم غالب آجائیں، اس نے کہا ہاں ضرور ملے گا اور تم اس وقت میرے مقربوں میں شامل کر لئے جاؤ گے"۔ اس دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آواز بلند ہوئی، آپ علیہ السلام انہیں فرمانے لگے: وَیْلَكُمْ یعنی تم اپنی ہی صنعت کاری سے بے بنیاد اور حقیقت سے خالی اشیاء ایجاد نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور افترا باندھنے کی پاداش میں اللہ تعالیٰ تمہیں کسی عذاب میں مبتلا کر کے نیست ونابود کر دے گا اور ہر وہ شخص نامراد ہے جو افترا بازی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان فَتَنَازَعُوْٓا کا یہ معنی بیان کیا گیا ہے کہ فرعونی آپس میں جھگڑنے لگے، کوئی کہنے لگا کہ یہ جادوگر کا کلام نہیں بلکہ واقعی یہ نبی کا کلام ہے، کوئی کہنے لگا کہ یہ جادوگر ہے۔ اس طرح آپ علیہ السلام کا کلام سن کر چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں اور وہ چپکے چپکے اس معاملہ میں مشورے کرنے لگے۔ تذبذب کا شکار ہوجانے والوں کو انہوں نے یہ کہہ کر خاموش کر دیا: اِنْ هٰذٰىنِ لَسٰحِرٰنِ۔۔۔ اس آیت کریمہ میں لفظ "هٰذٰنِ" "بعض عربوں کی لغت کے مطابق حالت رفعی میں لایا گیا ہے حالانکہ یہ "اِنْ" کا اسم ہے، نحویوں نے اس قرأت کے متعدد جواب دیئے ہیں جن کے بیان کا یہ مقام نہیں (1)۔ دوسری قرأت میں "هٰذَیْنِ" پڑھا گیا ہے۔

1۔ دیکھئے البحر المحیط، جلد 6 صفحہ 255

جادوگر آپس میں کہنے لگے محسوس ہوتا ہے کہ یہ دونوں (موسیٰ و ہارون علیہما السلام) ماہر جادوگر ہیں جو فن سحر کو اچھی طرح جانتے ہیں، ان کا منصوبہ یہ ہے کہ وہ نہ صرف تم اور تمہاری قوم پر غلبہ پالیں بلکہ عوام الناس پر بھی اپنا تسلط قائم کر کے انہیں اپنا تابع بنالیں، پھر انہیں ساتھ ملا کر فرعون اور اس کے لشکروں کے ساتھ برسر پیکار ہو جائیں اور ان پر فتح حاصل کر کے تم سب کو تمہارے ملک سے نکال باہر کریں اور تمہارے اس مثالی طریقے (سحر) پر اپنی اجارہ داری قائم کرلیں۔ اسی جادو کی وجہ سے ان جادوگروں کو عظمت، مال و دولت اور رزق حاصل تھا، وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اگر یہ دونوں غالب آ گئے تو تمہیں اس سرزمین سے نکال باہر کریں گے اور اس جادو کو اپنے لئے خاص کرلیں گے، پھر ان کی ہی سرداری اور شان و شوکت کا ڈنکا بجے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث فتون میں گزر چکا ہے کہ "طریقہ مثلیٰ" سے مراد بادشاہت اور عیش و آرام ہے جس کے چھن جانے کا انہیں خطرہ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ وَيَذْهَبَا بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثْلَىٰ کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ یہ دونوں لوگوں کے رخ اپنی طرف پھیر لیں گے(1)۔ بعض حضرات نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ وہ تمہارے اشراف اور اصحاب عقل و دانش کو لے جائیں گے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ وہ تمہاری خوشحالی کو لے جائیں گے۔ قتادہ اس (طریقہ مثلیٰ) سے مراد بنی اسرائیل لیتے ہیں۔ اس وقت وہ تعداد میں بھی زیادہ تھے اور مال و دولت میں بھی، دشمنان خدا کہنے لگے کہ ان دونوں کی خواہش ہے کہ وہ انہیں اپنی خدمت کے لئے لے جائیں۔ عبدالرحمٰن بن زید اس سے مراد وہ مسلک لیتے ہیں جس پر وہ کاربند تھے۔ کہنے لگے کہ آج اپنی تمام حیلہ سازیاں اور تدبیریں جمع کرلو اور صف واحد بن کر اپنے فن سحر کا بھرپور طریقے سے مظاہرہ کرو تا کہ تم آنکھوں کو چکا چوند کر کے اس پر اور اس کے بھائی پر غالب آ جاؤ۔ جو آج غالب آ گیا وہی کامیاب ہے۔ اگر ہم فتح یاب ہو گئے تو بادشاہ ہمیں گرانقدر عطیات سے نوازے گا اور اگر وہ (موسیٰ علیہ السلام) غالب آیا تو ساری سلطنت اسی کی ہو جائے گی۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿٦٥﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿٦٦﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿٦٧﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿٦٨﴾ وَ اَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ؕ وَ لَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿٦٩﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى ﴿٧٠﴾

"جادوگر بولے اے موسیٰ! کیا پہلے آپ پھینکیں گے یا ہم ہی ہو جائیں پہلے پھینکنے والے؟ آپ نے فرمایا نہیں تم ہی (پہلے) پھینکو۔ پھر کیا تھا یکایک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں آپ کو یوں دکھائی دینے لگیں ان کے جادو کے اثر سے جیسے وہ دوڑ رہی ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا۔ ہم نے فرمایا (اے کلیم!) مت ڈرو یقیناً تم ہی غالب رہو گے۔ اور زمین پر پھینک دو جو (عصا) تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے۔ یہ نگل جائے گا جو انہوں نے کاریگری کی ہے۔ انہوں نے جو کاریگری کی ہے وہ تو فقط جادوگر کا فریب ہے اور نہیں فلاح پاتا جادوگر جہاں بھی وہ جائے۔ پس گرا دیئے گئے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے انہوں نے (برملا) کہہ دیا (اے لوگو! سن لو) ہم ایمان لے آئے ہیں ہارون اور موسیٰ کے رب پر"۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 183

مقابلہ کے لئے جب آمنا سامنا ہوا تو جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ یا تو آپ پہل کریں یا ہم پہل کرتے ہوئے اپنے فن کا مظاہرہ کریں گے۔ آپ نے انہیں فرمایا: نہیں، بلکہ تم پہلے اپنا کرتب دکھا لو تا کہ ہم دیکھیں کہ تم جادو کا کیا کرشمہ دکھاتے ہو اور لوگوں پر بھی معاملہ کی حقیقت عیاں ہو جائے گی، پھر کیا تھا یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں جادو کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یوں دکھائی دینے لگیں جیسے وہ دوڑ رہی ہوں۔ ایک دوسری آیت میں ہے کہ انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینکتے ہی یہ کہا تھا: بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ (الشعراء: 44) "ناموس فرعون کی قسم! ہم ہی یقیناً غالب آئیں گے"۔ ایک اور مقام پر فرمایا: سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ (الاعراف: 116) "انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انہیں خوفزدہ کر دیا اور انہوں نے بڑے جادو کا مظاہرہ کیا" اور یہاں فرمایا: فَاِذَا حِبَالُهُمْ ... دراصل انہوں نے اپنی رسیوں اور لاٹھیوں میں پارہ بھر رکھا تھا جس کے سبب سے وہ حرکت کرتیں اور دیکھنے والا یہ سمجھتا کہ ان کی یہ حرکت خود اختیاری ہے، حالانکہ یہ ان کا کرتب تھا۔ جادوگروں کا جم غفیر وہاں جمع تھا، ان میں سے ہر ایک نے لاٹھی اور رسی پھینکی جو سانپوں کی شکل اختیار کر گئیں۔ سارا میدان سانپوں سے بھر گیا، ایک دوسرے کے اوپر تلے سانپ دوڑ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا کہ ان کے عصا پھینکنے سے پہلے ہی لوگ جادوگروں کے جادو سے دھوکہ کھا کر ان کے قائل ہو جائیں گے۔ چنانچہ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کرتے ہوئے حکم دیا کہ تمہارے دائیں ہاتھ میں جو عصا ہے، اسے زمین پر پھینک دو، یہ جادوگروں کی کی ہوئی کاریگری کو نگل جائے گا، عصا فوراً گراں ڈیل جسامت والا مہیب اژدھا بن گیا، جس کے پیر بھی تھے، گردن بھی، سر بھی اور کچلیاں بھی۔ یہ اژدھا رسیوں اور لاٹھیوں پر پل پڑا اور انہیں نگلنا شروع کر دیا یہاں تک کہ سب کو ہڑپ کر گیا۔ جادوگر اور باقی تمام حاضرین کھلی آنکھوں سے دن کے اجالے میں یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ اس طرح معجزہ غالب آ گیا، دلیل واضح ہو گئی، حق کا بول بالا ہوا اور جادو شکست فاش سے دوچار ہوا، اس لئے فرمایا: اِنَّمَا صَنَعُوْا ۔ ابن ابی حاتم میں حضرت جندب بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب بھی ساحر پایا جائے اسے امان نہ دی جائے(1)۔ ترمذی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ جب جادوگروں نے اپنی آنکھوں سے عصا کا کمال دیکھا تو جادو کے فنون، طریقے اور چالیں جاننے کے باعث انہیں یقینی علم ہو گیا کہ جو کچھ موسیٰ علیہ السلام نے کیا ہے وہ جادو یا کرتب نہیں بلکہ یہ حق ہے جو ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے اور اس پر صرف وہی ذات قادر ہے جس کے لفظ کن کہتے سے ہی مطلوبہ چیز رونما ہو جاتی ہے، چنانچہ وہ اسی وقت اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو گئے اور برملا اعتراف کرنے لگے کہ ہم رب العالمین یعنی موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لائے، اسی لئے حضرت ابن عباس اور عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ صبح کے وقت یہ جادوگر اور کافر تھے جبکہ شام کے وقت پاکباز اور شہید۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ ان کی تعداد اسی ہزار تھی۔ قاسم بن ابی بزہ کے بقول وہ ستر ہزار تھے۔ سدی تیس ہزار سے زائد ان کی تعداد بتاتے ہیں۔ ابو ثمامہ کے نزدیک ان کی تعداد انیس ہزار تھی(2)۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ وہ پندرہ ہزار تھے، کعب الاحبار کہتے ہیں: بارہ ہزار، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ وہ ستر آدمی تھے، صبح کے وقت جادوگر تھے اور شام کے وقت شہداء(3)۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جادوگر جب سجدہ ریز ہوئے تو جنت ان کے سامنے عیاں کر دی گئی اور انہوں نے اس کا نظارہ کر لیا۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ سجدہ کی حالت

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 586، عارضۃ الاحوذی، ابواب الحدود، جلد 6 صفحہ 246

2۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 513

3۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 513

میں انہوں نے اپنی منزلیں دیکھ لیں(4)۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّ لَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫ وَ لَتَعْلَمُنَّ اَیُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّ اَبْقٰى ۝ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَ الَّذِیْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَاۤ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ۝ اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا وَ مَاۤ اَكْرَهْتَنَا عَلَیْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَ اللّٰهُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰى ۝

"فرعون (گویا رائے ضبط نہ رہا) بولا تم تو ایمان لا چکے تھے اس پر اس سے پہلے کہ میں نے تمہیں (مقابلہ کی) اجازت دی۔ وہی تو تمہارا بڑا (گرو) ہے جس نے تمہیں سکھایا ہے جادو (کا فن) تو میں قسم کھاتا ہوں کہ کاٹ ڈالوں گا تمہارے ہاتھ پاؤں یعنی ایک طرف کا ہاتھ ایک طرف کا پاؤں اور سولی چڑھاؤں گا تمہیں کھجور کے تنوں پر۔ اور تم خوب جان لو گے کہ ہم میں سے کس کا عذاب شدید اور دیرپا ہے۔ انہوں نے کہا (اے فرعون!) ہمیں اس کی قسم جس نے ہمیں پیدا کیا ہم ہرگز ترجیح نہیں دیں گے تجھے ان روشن دلیلوں پر جو ہمارے پاس آئی ہیں پس (ہمارے بارے میں) جو فیصلہ تو کرنا چاہتا ہے کر دے۔ (ہمیں ذرا پروا نہیں) تو صرف اس (فانی) دنیوی زندگی کے بارے میں ہی فیصلہ کر سکتا ہے۔ یقیناً ہم ایمان لائے ہیں اپنے رب پر تا کہ وہ بخش دے ہمارے لئے ہماری خطاؤں کو اور اس قصور کو بھی جس پر تم نے مجبور کیا ہے یعنی فن سحر۔ اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر اور ہمیشہ رہنے والا ہے"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عظیم معجزہ اور روشن دلیل کو دیکھنے اور اپنی مدد کے لئے بلائے گئے جادوگروں کے لوگوں کی موجودگی میں ایمان لانے اور مکمل طور پر مغلوب ہو جانے کے باوجود فرعون اپنے کفر، عناد، بغاوت اور تکبر پر ڈٹا رہا اور مبہوت ہو کر اس نے جادوگروں کے خلاف اپنی قوت وسطوت بروئے کار لانے کی ٹھان لی چنانچہ انہیں خوفناک انجام کی دھمکیاں دیتے ہوئے کہنے لگا: اٰمَنْتُمْ لَهٗ یعنی میں نے تمہیں یہ تو حکم نہیں دیا تھا کہ موسیٰ کی تصدیق کر کے مجھے آزمائش میں ڈال دو۔ پھر اس نے ایک ایسی بے بنیاد بات کہی جس کے بہتان اور جھوٹ ہونے کا علم اسے بھی تھا، جادوگروں کو بھی بلکہ تمام لوگوں کو اس کے بے سروپا ہونے کا یقین تھا، کہنے لگا: اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمْ ... یعنی تم نے جادو کی تعلیم موسیٰ علیہ السلام سے حاصل کی ہے۔ تم نے اس کے ساتھ مل کر میرے خلاف محاذ قائم کر لیا تا کہ تم اسے غالب کر دو جیسا کہ ایک اور آیت میں ہے: اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِی الْمَدِیْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَاۤ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (الاعراف:123) "بے شک یہ ایک فریب ہے جو تم نے شہر میں کیا ہے تا کہ تم یہاں سے اس کے اصلی باشندوں کو نکال دو، ابھی (اس کا انجام) تمہیں معلوم ہو جائے گا"۔ پھر انہیں دھمکی دیتے ہوئے کہنے لگا: فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ ۔ یعنی میں تمہارا مثلہ کر کے تمہیں سر عام پھانسی دوں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے فرعون نے اس سزا کو رواج دیا۔ پھر کہنے لگا: وَ لَتَعْلَمُنَّ یعنی تمہارا یہ موقف ہے کہ میں اور میری قوم گمراہی میں مبتلا ہیں جبکہ تم، موسیٰ اور اس کی قوم کے ساتھ ہدایت یافتہ ہو، عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ دائمی عذاب کس کو اپنی

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 586-587

لپیٹ میں لیتا ہے۔ جب فرعون نے جادوگروں کو عبرتناک انجام اور خوفناک نتائج کی دھمکی دی تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میں انہیں اپنی جانیں ہیچ اور معمولی محسوس ہونے لگیں، فرعون سے کہنے لگے: ہمیں اپنے خالق کی قسم! ہمیں ہدایت اور یقین کی جو روشن نشانیاں نصیب ہو چکی ہیں، ان پر ہم تجھے کبھی بھی ترجیح نہیں دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ الَّذِیْ فَطَرَنَا میں واؤ قسمیہ بھی ہو سکتی ہے اور عاطفہ بھی۔ اگر عاطفہ ہو تو عطف ''البینات'' پر ہوگا۔ وہ فرعون کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ ہم تمہیں اس ذات کے مقابلہ میں ہرگز اختیار نہیں کر سکتے، جس نے ہمیں مٹی سے پیدا کیا اور عدم سے وجود بخشا، اس لئے عبادت اور خشوع و خضوع کا مستحق صرف وہی ہے نہ کہ تو۔ سو تو جو کرنا چاہتا ہے اور جہاں تک تیرا ہاتھ پہنچتا ہے، کر لے، تمہیں تو صرف اس فانی دنیا کے اندر ہی اختیار اور تسلط حاصل ہے لیکن ہم آخرت کے ابدی گھر میں رغبت رکھے ہوئے ہیں۔ پھر کہنے لگے: اِنَّاۤ اٰمَنَّا۔ یعنی ہم اپنے رب پر ایمان لائے تاکہ وہ ہمارے گزشتہ گناہوں خصوصاً اس جادو کے گناہ کو معاف فرمادے جس پر تو نے ہمیں مجبور کر کے اللہ تعالیٰ کی نشانی اور اس کے نبی کے معجزے کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرعون نے بنی اسرائیل کے چالیس بچے پکڑ کر جادوگروں کے حوالے کر دیئے اور انہیں کہا کہ انہیں جادو کی تعلیم دو۔ چنانچہ یہ انہی میں سے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور یہ بات کہی: اِنَّاۤ اٰمَنَّا۔ (1)۔ آخر میں فرمایا: وَاللّٰهُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی یعنی اللہ تعالیٰ ہمارے لئے تم سے بہتر اور تمہارے انعام و اکرام سے بڑھ کر دائمی اجر و ثواب عطا فرمانے والا ہے۔ محمد بن کعب القرظی اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے تو وہ ہمارے لئے تم سے بہتر ہے اور اگر اس کی نافرمانی کی جائے تو وہ تم سے زیادہ دائمی عذاب دینے والا ہے۔ فرعون نے تو انہیں اس سخت عذاب میں مبتلا کر دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر رحمت فرمائی، اس لئے حضرت ابن عباس وغیرہ فرماتے ہیں کہ وہ صبح کے وقت جادوگر تھے اور شام کے وقت شہید۔

اِنَّهٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۗ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَ لَا یَحْیٰی ﴿۷۴﴾ وَ مَنْ یَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰی ﴿۷۵﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰی ﴿۷۶﴾

''بے شک جو شخص بارگاہ الٰہی میں مجرم بن کر آئے تو اس کے لئے جہنم (کا شعلہ زار) ہے۔ نہ وہ مر ہی سکے گا اس میں اور نہ وہ زندہ ہوگا۔ اور جو شخص حاضر ہوگا بارگاہ الٰہی میں مومن بن کر اس حال میں کہ اس نے عمل بھی نیک کئے ہوں تو یہ وہ (سعادتمند) ہیں جن کے لئے بلند درجات ہیں۔ یعنی سدابہار باغات رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ (خوش نصیب) ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ ہے جزا ان کی جنہوں نے (اپنا دامن ہر آلائش سے) پاک رکھا''۔

بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات ساحروں کے کلام کا تتمہ ہیں۔ وہ فرعون کو اللہ تعالیٰ کے انتقام اور دائمی عذاب سے خبردار کرتے ہوئے اور اس کے ابدی ثواب کے حصول میں رغبت دلاتے ہوئے کہنے لگے: مَنْ یَّاْتِ یعنی جو شخص قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مجرم بن کر حاضر ہوگا، اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ نہ مرے گا اور نہ زندہ رہ سکے گا جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: لَا یُقْضٰی عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا وَ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِیْ كُلَّ كَفُوْرٍ (فاطر: 36) ''نہ ان کی قضا آئے گی کہ وہ مر جائیں اور نہ ان سے دوزخ کا عذاب ہلکا کیا جائے گا، اسی طرح ہم ہر ناشکر گزار کو بدلہ دیتے ہیں''۔ وَ یَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَی ﴿ۙ۱۱﴾ الَّذِیْ یَصْلَی النَّارَ الْكُبْرٰی ﴿ۚ۱۲﴾ ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَ لَا

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 587۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 188

یَحْیٰی (الاعلیٰ: 13-11) ''اور دور رہے گا اس سے بد بخت جو بڑی آگ میں داخل ہوگا پھر نہ وہ وہاں مرے گا اور نہ جیئے گا''۔ وَنَادَوْا یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ (الزخرف: 77) ''اور وہ پکاریں گے: اے مالک! بہتر ہے کہ تمہارا رب ہمارا خاتمہ ہی کر ڈالے۔ وہ جواب دے گا کہ تمہیں تو یہاں ہمیشہ رہنا ہے''۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جہاں تک اصلی اور دائمی دوزخیوں کا تعلق ہے، وہ اس میں نہ مریں گے اور نہ زندہ رہیں گے، لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں آگ کا عذاب ہوگا، آگ انہیں مار ڈالے گی یہاں تک کہ جب وہ جل کر کوئلہ بن جائیں گے تو ان کے متعلق اذن شفاعت ہوگا۔ ان تمام کو اکٹھا کر کے جنتی نہروں پر بکھیر دیا جائے گا اور اہل جنت سے کہا جائے گا کہ ان پر پانی بہاؤ چنانچہ وہ اس طرح اگیں گے جس طرح سیلابی کوڑا کرکٹ میں پڑے ہوئے دانے اگتے ہیں''۔ یہ مثال سن کر ایک آدمی کہنے لگا یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ کچھ عرصہ جنگل میں رہے ہیں(1)۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دوران خطبہ اس آیت کی تلاوت کے بعد فرمایا: ''ہمیشہ رہنے والے اصلی جہنمی وہاں نہ مریں گے اور نہ زندہ رہیں گے لیکن وہ جہنمی جو وہاں ہمیشہ رہنے والے نہیں، انہیں آگ مس کرے گی پھر شفاعت کرنے والے کھڑے ہو کر ان کی شفاعت کریں گے۔ چنانچہ ان سب کو اکٹھا کر کے ایک نہر پر لایا جائے گا جسے ''الحیاۃ'' یا ''الحیوان'' کہا جاتا ہے، وہاں وہ اس طرح اگیں گے جس طرح سیلاب کے لائے ہوئے کوڑا کرکٹ میں گھاس اگتی ہے''۔ دوسری آیت میں فرمایا: وَمَنْ یَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا... یعنی قیامت کے روز جو شخص اس حال میں اپنے رب سے ملاقات کرے گا کہ اس کا دل مومن ہو اور اپنے قول و فعل کے ساتھ اس نے اپنے ایمان کی تصدیق کی ہو تو ایسے لوگوں کے لئے بلند درجات، پرسکون بالا خانوں اور آرام دہ رہائش گاہوں والی جنت ہوگی۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جنت کے سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان اتنی مسافت ہے جس قدر زمین و آسمان کے درمیان اور فردوس سب سے اعلیٰ درجہ ہے، اسی سے چاروں نہریں نکلتی ہیں، اس کے اوپر عرش ہے۔ جب تم اللہ تعالیٰ سے مانگو تو جنت الفردوس مانگو''(2)۔ ابن ابی حاتم میں یزید بن ابی مالک اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ جنت کے سو درجے ہیں، ہر درجہ میں سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان اس قدر دوری ہے جتنی زمین و آسمان کے درمیان، ان میں یاقوت، موتی اور زیورات ہیں اور ہر درجے میں ایک امیر ہے جس کی فضیلت اور سیادت کے دوسرے معترف ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے: ''علیین والے یوں دکھائی دیں گے جیسے تم آسمان کے افق میں دور دراز کے ستارے دیکھتے ہو، کیونکہ جنتیوں کے درجات میں تفاوت ہوگا۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو صرف انبیاء کے درجات ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی''(3)۔ سنن کی حدیث میں ہے کہ حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما انہی میں سے ہیں اور کیا ہی خوب ہیں!(4) ''جنات عدن''، ''الدرجات العلیٰ'' سے بدل ہے۔ عدن کا معنی ہے اقامت۔ ان سعادتمندوں کو ایسی دائمی جنتیں نصیب ہوں گی جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ ہر اس شخص کے لئے بدلہ ہے جس نے اپنے آپ کو ہر قسم کی آلودگی، خباثت اور شرک سے پاک رکھا، اللہ وحدہ لاشریک کی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 172-173، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 11

2۔ عارضۃ الاحوذی، جلد 1 ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10 صفحہ 7-8، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 316

3۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، جلد 4 صفحہ 145، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2177

4۔ سنن ابی داود، کتاب الحروف والقرات، جلد 4 صفحہ 34، سنن ابن ماجہ، المقدمۃ، جلد 1 صفحہ 37

عبادت کرتا رہا اور رسولوں کی اتباع میں ہمہ تن کوشاں رہا۔

وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخَافُ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ ﴿٧٧﴾ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَغَشِيَهُم مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿٧٨﴾ وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَا هَدَىٰ ﴿٧٩﴾

''اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف کہ راتوں رات لے چلئے میرے بندوں کو (مصر سے) (راہ میں سمندر حائل ہو) تو عصا کی ضرب سے ان کے لئے سمندر میں خشک راستہ بنا لیجئے۔ نہ تمہیں پیچھے سے پکڑے جانے کا ڈر ہوگا اور نہ کوئی اور اندیشہ۔ پس فرعون نے ان کا تعاقب کیا اپنے لشکروں سمیت پس چھا گئیں فرعونیوں پر سمندر کی (تند) موجیں جیسا کہ چھا گئیں ان پر اور گمراہ کر دیا فرعون نے اپنی قوم کو اور نہ دکھائی انہیں سیدھی راہ''۔

جب فرعون نے بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ روانہ کرنے سے صاف انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو راتوں رات بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر مصر سے روانہ ہونے کا حکم دے دیا۔ اس کی تفصیلات قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بیان ہوئی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حسب ارشاد بنی اسرائیل کو لے کر وہاں سے نکل گئے۔ صبح ہوئی تو فرعونیوں کو کوئی اسرائیلی دکھائی نہ دیا۔ نہ ان میں سے کوئی بلانے والا موجود تھا اور نہ جواب دینے والا۔ فرعون کو جب اس چیز کا علم ہوا تو وہ غصہ سے پیچ و تاب کھانے لگا اور اپنی قلمرو کے ہر حصہ میں ہرکارے بھیج دیئے تاکہ وہ لشکر جمع کریں۔ کہنے لگا کہ یہ مٹھی بھر گروہ ہے جس نے ہماری ناک میں دم کر رکھا ہے۔ جب لشکر جمع ہوا تو فرعون نے اس سے عہد و پیمان لیا، پھر اسے لے کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں چل نکلا۔ بنی اسرائیل جب دریا کے کنارے پہنچے تو انہیں فرعون کا لشکر دکھائی دیا۔ گھبرا کر کہنے لگے کہ ہم تو پکڑے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ہرگز نہیں، میرے ساتھ میرا رب ہے، وہ ابھی مجھے راہ دکھا دے گا۔ آپ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر کھڑے ہو گئے، سامنے موجیں مارتا ہوا دریا ہے اور پیچھے فرعون اپنے لاؤ لشکر سمیت۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو وحی کرتے ہوئے فرمایا کہ دریا میں خشک رستہ بنانے کے لئے اس پر اپنا عصا مارو۔ آپ علیہ السلام نے عصا کی ضرب لگائی تو دریا اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا ایک بڑے پہاڑ کی سی شکل اختیار کر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے دریا کی سطح پر ہوا بھیجی جس کے جھونکوں نے پانی کو خشک کر دیا یہاں تک کہ دریا کی سطح اس طرح خشک ہو گئی جیسے زمین کی سطح خشک ہوتی ہے، اس لئے فرمایا: فَاضْرِبْ لَهُمْ۔ یعنی اپنا عصا مار کر ان کے لئے خشک رستہ بنا لیں، نہ تمہیں فرعون کی پکڑ کا خوف ہے اور نہ دریا میں غرق ہونے کا اندیشہ۔ پھر فرمایا: فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ۔ یعنی فرعون اپنے لشکروں کے ساتھ ان کے تعاقب میں نکلا تو دریا کی تند و تیز موجوں نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مَا غَشِيَهُمْ کا مطلب ہے جو معروف اور مشہور ہے۔ جب کوئی امر معروف اور مشہور ہو تو اسے بیان کے لئے یہ اسلوب اختیار کیا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوَىٰ ﴿٥٣﴾ فَغَشَّاهَا مَا غَشَّىٰ (النجم: 54-53) ''اور (لوط کی) اوندھی بستی کو بھی پٹخ دیا پس ان پر چھا گیا جو چھا گیا''۔ جس طرح فرعون نے قیادت کرتے ہوئے لوگوں کو دریا میں دھکیل دیا، انہیں گمراہ کیا اور راہ راست کی طرف ان کی رہنمائی نہ کی، اسی طرح قیامت کے دن وہ ان سب کی قیادت کرتے ہوئے انہیں جہنم میں لے جائے گا اور کیا ہی یہ بری جگہ ہے!

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ قَدْ أَنجَيْنَاكُم مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوَاعَدْنَاكُمْ جَانِبَ الطُّورِ الْأَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا

عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى ۝ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ لَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَ مَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ۝ وَ اِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ۝

"اے بنی اسرائیل! (دیکھو) ہم نے بچالیا تمہیں تمہارے دشمن سے اور ہم نے تم سے وعدہ کیا (کوہ) طور کی دائیں جانب کا اور ہم نے اتارا تم پر من وسلوٰی۔ کھاؤ ان پاک چیزوں سے جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں اور اس میں حد سے تجاوز نہ کرنا ورنہ اترے گا تم پر میرا غضب۔ اور وہ (بدنصیب) اترتا ہے جس پر میرا غضب تو یقیناً وہ گر کر رہتا ہے۔ اور میں بلاشبہ بہت بخشنے والا ہوں اسے جو توبہ کرتا ہے اور ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے بعدازاں ہدایت پر مستحکم رہتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو اپنی گراں قدر نعمتیں اور بڑے بڑے احسانات یاد دلا رہا ہے کہ اس نے ان کے دشمن فرعون سے انہیں نجات عطا فرما کر ان کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے فرعون اور اس کے لشکر کو ایک ہی صبح غرق ہوتے دیکھا اور ان میں سے کوئی ایک بھی زندہ باقی نہ بچا جیسا کہ فرمایا: وَ اَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (البقرۃ:50) "اور ہم نے فرعونیوں کو ڈبو دیا اور تم دیکھ رہے تھے"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کے بعد مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کو عاشوراء کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا۔ آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر فتح عطا فرمائی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ہم موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ قریب ہیں اس لئے (اے مسلمانو!) اس دن کا روزہ رکھو" (1)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے ساتھ کوہ طور کی دائیں جانب کا وعدہ کیا، یہی وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم کلامی کا شرف بخشا، یہاں ہی آپ نے رویت باری تعالیٰ کی درخواست کی اور اسی جگہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تورات عطا فرمائی۔ اس دوران بنی اسرائیل گوسالہ کی پرستش میں لگ گئے جس کا بیان عنقریب آنے والا ہے۔ جہاں تک من وسلوٰی کی بات ہے تو اس کا ذکر سورۂ بقرہ اور دیگر سورتوں میں ہو چکا ہے (2)۔ "من" ایک قسم کا حلوہ تھا جو آسمان سے ان پر اترتا تھا اور سلویٰ ایک قسم کا پرندہ تھا جو ان کے سامنے گر پڑتا۔ یہ ہر پرندے سے ایک دن کی خوراک کی مقدار لے لیتے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ لطف وکرم اور رحمت واحسان تھا، اس لئے فرمایا: كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ ... یعنی میرے دیے ہوئے پاکیزہ رزق سے کھاؤ اور حد سے تجاوز کرتے ہوئے ضرورت سے زائد نہ لو ورنہ میرے حکم کی مخالفت کے باعث تم پر میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب اترتا ہے، وہ نیست ونابود ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس فَقَدْ هَوٰى کا معنی بتاتے ہیں کہ وہ بدبخت ہو گیا۔ حضرت شفی بن مانع فرماتے ہیں کہ جہنم میں ایک اونچی جگہ ہے جس کی چوٹی سے کافر کو گرایا جائے گا تو اسے نیچے تحت زمین تک پہنچنے میں چالیس سال لگیں گے یہی مطلب اس آیت وَ مَنْ يَّحْلِلْ ... کا ہے (3)۔ پھر فرمایا: وَ اِنِّيْ لَغَفَّارٌ ... یعنی جو شخص توبہ کر کے میری طرف متوجہ ہوتا ہے، میں اس پر مائل بہ کرم ہو جاتا ہوں اور اس کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہوں۔ اس کے لطف وکرم کا یہ عالم ہے کہ اس نے بچھڑے کی پوجا کرنے والے بنی اسرائیل کی توبہ کو بھی قبول فرما لیا۔ پس جو شخص کفر، شرک، معصیت یا نفاق سے رجوع کر لے، دل کے ساتھ ایمان لائے اور اپنے اعضاء کے ساتھ اعمال صالحہ کرے پھر بغیر کسی شک وشبہ کے

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ طٰہٰ، جلد 6 صفحہ 120۔ صحیح مسلم، کتاب الصیام، جلد 2 صفحہ 795
2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 57، مائدہ اور تفسیر سورۂ اعراف: 160
3۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 591

مرتے دم تک سنت و جماعت اور اسلام پر ڈٹ جائے اور اس میں ثواب کا علم رکھتا ہو تو ایسے شخص کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرماتا ہے۔ "ثُمَّ" کا لفظ یہاں خبر کو خبر پر مرتب کرنے کے لئے آیا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (البلد: 17)۔

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٨٣﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿٨٤﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٨٥﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۬ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿٨٦﴾ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿٨٧﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۬ فَنَسِيَ ﴿٨٨﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿٨٩﴾

"اور کس وجہ سے تم جلدی آ گئے اپنی قوم سے اے موسیٰ! عرض کی وہ یہ ہیں میرے پیچھے اور میں جلدی جلدی تیری بارگاہ میں اسلئے حاضر ہو گیا ہوں میرے رب! کہ تو راضی ہو جائے۔ ارشاد ہوا کہ ہم نے تو آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے تمہاری قوم کو تمہارے (چلے آنے کے) بعد اور گمراہ کر دیا ہے انہیں سامری نے۔ (یہ سنتے ہی) لوٹے موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف غضبناک اور افسردہ خاطر ہو کر۔ فرمایا اے میری قوم! کیا وعدہ نہیں کیا تھا تم سے تمہارے رب نے بہت عمدہ وعدہ۔ تو کیا طویل مدت گزر گئی ہے اس وعدہ پر (اور تم اس کے ایفاء سے مایوس ہو گئے) یا تم یہ چاہتے ہو کہ اترے تم پر غضب تمہارے رب کی طرف سے اس لئے تم نے توڑ ڈالا میرے ساتھ کیا ہوا وعدہ۔ کہنے لگے نہیں توڑا ہم نے آپ سے کیا ہوا وعدہ اپنے اختیار سے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم پر لاد دیئے گئے تھے بوجھ قوم (فرعون) کے زیورات سے سو ہم نے (سامری کے کہنے پر) انہیں پھینک دیا۔ اسی طرح سامری نے بھی (اپنے حصہ کے زیور) پھینک دیئے۔ پھر سامری نے بنا نکالا ان کیلئے بچھڑے کا ڈھانچہ جو گائے کی طرح ڈکارتا تھا۔ پھر سامری اور اس کے چیلوں نے کہا (اے فرزندان یعقوب) یہ ہے تمہارا خدا اور موسیٰ کا خدا پس موسیٰ بھول گئے۔ کیا ان احمقوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ یہ بچھڑا ان کی کسی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ اختیار رکھتا ہے ان کے لئے کسی ضرر کا اور نہ نفع کا"۔

فرعون کی ہلاکت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو لے کر چلے تو ان کا گزر ایک ایسی قوم سے ہوا جو بت پرستی پر جمی ہوئی تھی۔ بنی اسرائیل کہنے لگے: اے موسیٰ علیہ السلام! جس طرح ان کے معبود ہیں اس طرح کا ایک معبود ہمارے لئے بھی مقرر کر دیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم بڑے جاہل لوگ ہو، یہ تو برباد ہونے والے لوگ ہیں اور ان کے اعمال بھی بالکل باطل ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو تیس روزے رکھنے کا حکم دیا، پھر دس مزید رکھنے پڑے، اس طرح روزوں کی تعداد چالیس ہوگئی۔ اس کا بیان حدیث فتون میں گزر چکا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جلدی جلدی کوہ طور کی طرف چلے اور اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو بنی اسرائیل پر اپنا نائب مقرر کیا، اس لئے فرمایا: وَمَآ اَعْجَلَكَ۔ جواب میں عرض کی: هُمْ اُولَآءِ۔ یعنی وہ بھی طور کے قریب ہی ہیں اور آ رہے ہیں،

اے پروردگار! میں جلدی جلدی تیری بارگاہ میں حاضر ہو گیا تاکہ مزید تیری رضا حاصل کر لوں۔ آپ کی عدم موجودگی میں بنی اسرائیل فتنہ میں مبتلا ہو گئے اور سامری کے بنائے ہوئے بچھڑے کی پرستش میں لگ گئے، اس کی خبر دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم علیہ السلام سے فرمایا: فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا اسرائیلی کتابوں میں مذکور ہے کہ سامری کا نام بھی ہارون تھا۔ اس مدت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تورات کی تختیاں لکھ کر عطا فرمائیں جیسا کہ ارشاد ہے: وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا سَأُورِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ (الاعراف: 145) ”اور ہم نے موسیٰ کے لئے تختیوں میں ہر چیز لکھ دی نصیحت پذیری کے لئے اور (لکھ دی) تفصیل ہر چیز کی، پھر پکڑ لو اسے مضبوطی سے اور اپنی قوم کو حکم دو کہ اس کی اچھی باتیں پکڑ لیں، عنقریب میں نافرمانوں کا (برباد شدہ) گھر دکھاؤں گا“۔ پھر فرمایا: فَرَجَعَ مُوسَىٰ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے مشرکانہ فعل پر آگاہ کر دیا اور تورات عطا فرما دی جس میں ان کے لئے احکام مرقوم تھے اور یہ کتاب ان کے لئے باعث شرف تھی، تو آپ اپنی قوم کی مشرکانہ حرکت پر بہت رنجیدہ ہوئے۔ سخت غم و غصہ کے عالم میں اپنی قوم کے پاس لوٹے۔ یہ ایسی قوم تھی جو آپ کی عدم موجودگی میں غیر اللہ کی پرستش کرنے لگ گئی جس کے متعلق ہر عقلمند جانتا ہے کہ ان کا یہ فعل سراسر باطل تھا اور ان کی حماقت اور بے وقوفی کی نشاندہی کرتا تھا، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی طرف سخت غضبناک اور افسردہ ہو کر لوٹے۔ اسف فرط غضب کو کہا جاتا ہے۔ مجاہد اس کا معنی بیان کرتے ہیں گھبراہٹ اور بے چینی کا مظاہرہ کرتے ہوئے۔ قتادہ اور سدی اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ اپنی قوم کے کرتوت پر اظہار افسوس کرتے ہوئے[1]۔ اپنی قوم سے فرمانے لگے يَا قَوْمِ أَلَمْ يَعِدْكُمْ۔ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ میری زبانی دنیا و آخرت کی ہر بھلائی اور اچھی عاقبت کا وعدہ نہیں کیا۔ جیسا کہ تم خود مشاہدہ کر چکے ہو کہ اس نے تمہاری مدد کر کے تمہیں دشمن پر فتح عطا فرمائی اور اسی طرح دیگر بہت سے احسانات سے تمہیں نوازا۔ کیا تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ کے کیے گئے وعدہ کے انتظار میں کوئی طویل عرصہ گزر گیا ہے کہ تم نے اس کے سابقہ انعامات کو بھی فراموش کر دیا حالانکہ اس وعدہ کو کوئی زیادہ عرصہ نہیں گزرا یا تم یہ چاہتے ہو کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو جائے۔ ”ام“ یہاں ”بل“ کے معنی میں اضراب کے لئے ہے اور کلام اول سے کلام ثانی کی طرف عدول کا فائدہ دے رہی ہے، گویا کہ انہیں فرمایا: بلکہ اس حرکت سے تمہارا ارادہ یہ تھا کہ تم پر غضب الٰہی اتر آئے اس لئے تم نے میرے ساتھ کیے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کی۔ اس سرزنش اور جھاڑ کے جواب میں بنی اسرائیل کہنے لگے: مَا أَخْلَفْنَا۔ یعنی ہم نے اپنے اختیار اور قدرت سے آپ علیہ السلام کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کی۔ پھر عذر لنگ پیش کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم نے پرہیزگاری کی خاطر وہ زیورات پھینک دیئے جو ہم نے قبطیوں سے مستعار لئے تھے اور مصر سے روانگی کے وقت اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ حدیث فتون میں گزر چکا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے ہی انہیں یہ زیورات اس گڑھے میں پھینکنے کا حکم دیا تھا جس میں آگ کا الاؤ روشن تھا۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی یہ خواہش تھی کہ یہ سب زیورات پگھل کر ایک بڑے ڈلے کی شکل اختیار کر لیں گے اور جب موسیٰ علیہ السلام واپس آئیں گے تو اپنی مرضی کے مطابق اس کے متعلق فیصلہ کر دیں گے۔ پھر سامری نے یہ کیا کہ وہ مٹھی بھر خاک ان زیورات پر ڈال دی جو اس نے اللہ تعالیٰ کے فرستادہ کے نشان قدم سے لی تھی اور حضرت ہارون علیہ السلام سے التجا کی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ میری خواہش کو پورا فرما دے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو اس کے ارادہ کا علم نہیں تھا۔ آپ نے اس کے لئے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول کر لیا، اس وقت

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 196

سامری نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ ان زیورات کا بچھڑا بن جائے، چنانچہ بچھڑے کا ڈھانچہ بن گیا جس سے گائے کے ڈکارنے کی آواز نکلتی تھی۔ اس طرح یہ بچھڑا بنی اسرائیل کے لئے فتنہ بن گیا، اسی لئے فرمایا: فَكَذٰلِكَ اَلْقَى ... خُوَارٌ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ہارون علیہ السلام سامری کے پاس سے گزرے، وہ اس وقت بچھڑا بنا رہا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا بنا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں وہ بنا رہا ہوں جو نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے یہ دعا کی: اے اللہ! اس کے دل میں جس چیز کی خواہش ہے وہ اسے عطا فرما اور وہاں سے چل دیئے۔ پھر سامری یہ دعا کرنے لگا: اے اللہ! میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ یہ بچھڑا ڈکارنے لگے، چنانچہ وہ ڈکارنے لگا۔ اس کے پہلی مرتبہ ڈکارنے پر وہ اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے اور جب دوسری مرتبہ ڈکارتا تو اپنے سر سجدے سے اٹھا لیتے۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ بچھڑا ڈکارتا بھی تھا اور چلتا بھی تھا۔ وہ گمراہ بنی اسرائیل جو فتنہ میں مبتلا ہو کر اس بچھڑے کی پرستش پر آمادہ ہو گئے تھے، کہنے لگے کہ یہ تمہارا خدا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا خدا ہے، موسیٰ علیہ السلام بھول گئے اور ادھر ادھر اس کی تلاش میں نکل گئے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ "نسی" کا مفہوم یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام تمہیں یہ بتانا بھول گئے کہ یہی تمہارا خدا ہے۔ سو وہ بچھڑے کی عبادت پر جم گئے اور اس سے ایسی محبت کرنے لگے جیسی محبت انہوں نے کسی سے نہ کی تھی۔ "نسی" کا فاعل سامری بھی ہو سکتا ہے یعنی سامری نے دین اسلام کو ترک کر دیا جس پر وہ کاربند تھا (1)۔ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کا رد کرتے ہوئے، انہیں سرزنش کرتے ہوئے اور ان کی بے وقوفی اور حماقت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: اَفَلَا يَرَوْنَ یعنی یہ کم عقل کیا اس چیز کو نہیں دیکھتے کہ یہ بچھڑا ان کی کسی بات کا جواب تک نہیں دے سکتا اور نہ ہی دنیا و آخرت میں ان کے کسی فائدہ یا نقصان کا مالک ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! بچھڑے سے نکلنے والی آواز اس ہوا کے باعث تھی جو اس کی دبر سے داخل ہو کر منہ کے رستے سے نکل جاتی تھی۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بچھڑے کا نام بہموت تھا۔ ان جاہلوں کی معذرت کا حاصل یہ ہے کہ وہ قبطیوں کے زیورات سے اپنا دامن بچانا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے یہ زیورات اتار پھینکے لیکن ان کی حماقت دیکھئے کہ اس چھوٹے گناہ سے احتراز کر کے بڑے گناہ (بچھڑے کی عبادت) کا ارتکاب کرنے لگے، بالکل اسی طرح جیسا کہ ایک عراقی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اگر کپڑے پر مچھر کا خون لگ جائے تو کیا اس کے ساتھ نماز ہو جائے گی؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان عراقیوں کو دیکھو، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے نواسے (امام حسین رضی اللہ عنہ) کو تو قتل کر دیا اور اب مچھر کے خون کے بارے میں فتویٰ پوچھ رہے ہیں (2)۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ۝ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ۝

"اور بے شک کہا تھا انہیں ہارون نے (موسیٰ کی واپسی سے پہلے) اے میری قوم! تم تو فتنہ میں مبتلا ہو گئے اس سے۔ اور بلاشبہ تمہارا رب تو وہ ہے جو بے حد مہربان ہے پس تم میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو۔ قوم نے کہا ہم تو اسی کی عبادت پر ڈٹے رہیں گے یہاں تک کہ لوٹ آئیں ہماری طرف موسیٰ (علیہ السلام)"۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی سے پہلے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی پرستش سے منع کیا اور انہیں بتایا کہ یہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 201
2۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 8 صفحہ 8۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 114،93 وغیرہ

تمہارے لئے فتنہ ہے۔ تمہارا رب تو وہ رحمٰن ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا ایک اندازہ مقرر فرمایا، وہی عظمت والے عرش کا مالک ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس لئے میری اتباع کرو اور میرا حکم مانو۔ جو میں کہوں وہ بجالاؤ اور جس چیز سے تمہیں منع کروں، اس سے باز آ جاؤ۔ اس کے جواب میں وہ کہنے لگے: نَّنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ ...یعنی ہم موسیٰ علیہ السلام کی بات سننے سے پہلے اس کی عبادت ہرگز ترک نہیں کریں گے۔ چنانچہ وہ حضرت ہارون علیہ السلام کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے اور آپ سے جھگڑنے لگے یہاں تک کہ آپ علیہ السلام کے قتل کے درپے ہو گئے۔

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّىْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾

”موسیٰ نے (آکر غصہ سے) کہا اے ہارون! کس چیز نے تجھے روکا کہ جب تو نے انہیں گمراہ ہوتے دیکھا۔ تو (انہیں چھوڑ کر) میرے پیچھے نہ چلا آیا۔ کیا تو نے بھی میری حکم عدولی کی۔ ہارون نے کہا اے میری ماں جائے (بھائی!) نہ پکڑو میری ڈاڑھی کو اور نہ میرے سر (کے بالوں) کو میں نے اس خوف سے (ان پر سختی نہ کی) کہ کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ تو نے پھوٹ ڈال دی بنی اسرائیل کے درمیان اور میرے حکم کا انتظار نہ کیا“۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنی قوم کی طرف لوٹے اور انہیں بے راہ روی کا شکار دیکھا تو آپ سخت غضبناک ہو گئے، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تختیاں اپنے ہاتھ سے زمین پر ڈال دیں اور اپنے بھائی کو سر کے بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔ اس کی تفصیلات ہم سورۃ اعراف میں بیان کر چکے ہیں (1)۔ وہاں ہم نے اس حدیث کا بھی ذکر کیا تھا کہ ”سننا دیکھنے جیسا نہیں“۔ آپ اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو ملامت کرتے ہوئے فرمانے لگے: مَا مَنَعَكَ ... یعنی جب تم نے انہیں پہلے پہل گمراہی کا شکار ہوتے دیکھا تو اسی وقت مجھے اطلاع کیوں نہ کی، جو فریضہ میں تمہارے ذمہ لگا گیا تھا، کیا اس میں تم نے میری حکم عدولی کی؟ آپ علیہ السلام جاتے وقت یہ کہہ گئے تھے: اخْلُفْنِىْ فِىْ قَوْمِىْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ (الاعراف: 142) ”میری قوم میں میرا نائب رہنا اور اصلاح کرتے رہنا اور مت چلنا مفسدوں کے راستے پر“، جواب میں حضرت ہارون علیہ السلام کہنے لگے: ”يَا ابْنَ اُمَّ ۔ “ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کے سگے بھائی تھے، پھر بھی انہوں نے ”يَا ابْنَ اُمَّ“ (اے ماں جائے بھائی) کے الفاظ استعمال کئے۔ اس سے غرض یہ تھی کہ لفظ ام ذکر کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں شفقت، محبت اور رقت کے جذبات ابھر جائیں۔ بروقت بنی اسرائیل کے کرتوت کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگاہ نہ کرنے کی معذرت کرتے ہوئے حضرت ہارون علیہ السلام کہنے لگے: اِنِّىْ خَشِيْتُ ۔ یعنی اگر میں بنی اسرائیل کو چھوڑ کر آپ کے پاس ان کی کارستانی بتانے چلا آتا تو مجھے اندیشہ تھا کہ آپ مجھے کہتے کہ تم نے انہیں تنہا کیوں چھوڑا، ان میں پھوٹ کیوں ڈال دی اور ایک نائب کی حیثیت سے تم نے میرے احکام کی حفاظت کیوں نہ کی؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لحاظ بھی رکھتے تھے اور ان کی بات بھی مانتے تھے (2)۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۃ اعراف: 150-154 2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 203

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿95﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿96﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۠ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿97﴾ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿98﴾

''آپ نے پوچھا اے سامری! (اس فتنہ انگیزی) سے تیری غرض کیا تھی؟ اس نے کہا میں نے دیکھی ایسی چیز جو لوگوں نے نہ دیکھی پس میں نے مٹھی بھرلی رسول کی سواری کے نشان قدم کی خاک سے پھر اسے ڈال دیا (اس ڈھانچہ میں) اور اس طرح آراستہ کردی میرے لئے میرے نفس نے یہ بات۔ آپ نے (غصہ سے) فرمایا جا چلا جا۔ پس تیرے لئے اس زندگی میں تو یہ (سزا) ہے کہ تو کہتا پھریگا کہ مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے۔ اور بیشک تیرے لئے ایک اور وعدہ (عذاب) بھی ہے جس کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔ اور (ذرا) دیکھ اپنے اس خدا کی طرف جس پر تو جم کر بیٹھا رہا (اس کا کیا حشر ہوتا ہے)۔ ہم اسے جلا ڈالیں گے پھر ہم بکھیر کر بہادیں گے اس سمندر میں اس (کی راکھ) کو۔ تمہارا معبود تو صرف اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ گھیر رکھا ہے اس نے ہر چیز کو (اپنے) علم سے''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے پوچھا کہ کس چیز نے تجھے یہ فتنہ کھڑا کرنے پر اکسایا؟ حضرت سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ سامری باجرما کا رہنے والا تھا اور اس کا تعلق ایسی قوم سے تھا جو گائے کی پرستش کرتی تھی۔ اس کے دل میں بھی گائے کی محبت گھر کیے ہوئے تھی، لیکن بنی اسرائیل کے ساتھ اس نے اسلام کا اظہار کیا تھا۔ اس کا نام موسیٰ بن ظفر تھا (1)۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ کرمان کا رہنے والا تھا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس کا تعلق سامرا نامی بستی سے تھا۔ کہنے لگا: بَصُرْتُ..... یعنی فرعون کی ہلاکت کے لئے جب جبریل علیہ السلام آئے تو میں نے انہیں دیکھا کہ وہ ایک گھوڑے پر سوار ہیں چنانچہ میں نے ان کے گھوڑے کے نشان قدم سے مٹھی بھر مٹی لے لی۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہی بات مشہور ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب جبریل علیہ السلام نیچے اترے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لے کر آسمان کی طرف چڑھنے لگے تو سامری نے دیکھ لیا اور جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے نشان قدم سے ایک مٹھی مٹی اٹھالی۔ حضرت جبریل علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لے کر اوپر چلے گئے، آسمان کے دروازے پر پہنچ کر اوپر چڑھ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے تختیاں لکھیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تختیوں پر قلم چلنے کی آواز سن رہے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے فتنہ میں مبتلا ہونے کی خبر دی تو آپ نیچے اتر آئے اور بچھڑے کو جلا دیا۔ یہ اثر بہت غریب ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ سامری نے حضرت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے سم تلے سے مٹھی بھری، قبضہ مٹھی کو بھی کہتے ہیں اور چٹکی کو بھی (2)۔ پھر اس نے یہ مٹھی بنی اسرائیل کے زیورات پر ڈال دی اور زیورات کو گلا کر ایک بچھڑے کا ڈھانچہ بنادیا جو اندر سے کھوکھلا تھا، جب اس کے اندر سے ہوا گزرتی تو آواز پیدا ہوتی۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ سامری نے حضرت جبریل علیہ السلام کو

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 593
2۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 596

دیکھا تو اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر میں ان کے گھوڑے کے نشان قدم سے ایک مٹھی مٹی اٹھا لوں اور اسے کسی چیز میں ڈال کر "کُن" کہوں تو وہ چیز میری خواہش کے مطابق وجود میں آ جائے گی۔ چنانچہ اس نے ایک مٹھی بھر لی تو اس کی انگلیاں اسی طرح سوکھ گئیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر چلے گئے تو بنی اسرائیل کو ان زیورات کے متعلق فکر دامن گیر ہوگئی جو انہوں نے آل فرعون سے عاریتاً لئے تھے۔ سامری انہیں کہنے لگا کہ ان زیورات کی وجہ سے تم پر مصیبت اتری ہے، اس لئے ان زیورات کو ایک جگہ جمع کر کے آگ لگا دو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ زیورات جمع کئے اور انہیں آگ کی نذر کر دیا، آگ لگنے سے وہ پگھل گئے۔ یہ دیکھ کر سامری کے دل میں یہ خیال ابھرا کہ اگر یہ مٹھی اس میں ڈال کر "کُن" کہا جائے تو مطلوبہ چیز بن سکتی ہے۔ چنانچہ اس نے مٹھی اس پر پھینکی اور کہا: ہو جا تو بچھڑے کا ڈھانچہ بن گیا جس سے ڈکارنے کی آواز برآمد ہوتی تھی۔ جب بچھڑا تیار ہو گیا تو وہ بنی اسرائیل سے کہنے لگا کہ یہ تمہارا اور موسیٰ علیہ السلام کا خدا ہے۔ اسی لئے کہنے لگا: فَنَسِیَ ﴿۸۸﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمانے لگے: فَاذْهَبْ۔ یعنی جس طرح تو نے اس چیز کو پکڑا اور مس کیا جسے پکڑنا اور مس کرنا تمہارے لئے جائز نہ تھا، اسی طرح تمہیں دنیا میں یہ سزا دی جاتی ہے کہ نہ تو لوگوں کو ہاتھ لگا سکے گا اور نہ لوگ تمہیں ہاتھ لگائیں گے۔ مزید برآں قیامت کے دن بھی تمہارے ساتھ عذاب کا وعدہ ہے جس کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ "لَا مِسَاسَ" کہنا بطور سزا ہے اور ان کے بقایا ابھی تک یہی کہتے ہیں کہ نہ چھوؤ[1]۔ حسن، قتادہ اور ابونہیک اس قول "لَّنْ تُخْلَفَهٗ" کا معنی یہ بتاتے ہیں کہ تو اس سے غائب نہیں ہو سکے گا۔ پھر فرمایا: وَانْظُرْ اِلٰٓی اِلٰهِكَ ۔۔ یعنی تو اپنے معبود (بچھڑے) کی طرف دیکھ جس کی عبادت پر تو جما رہا، ہم اسے جلا ڈالیں گے اور پھر اس کی راکھ کو سمندر میں بہا دیں گے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس بچھڑے نے گوشت اور خون والے بچھڑے جیسی شکل اختیار کر لی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے جلا ڈالا، پھر اس کی راکھ کو سمندر میں بہا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جلدی سے اللہ تعالیٰ کی طرف چلے گئے تو سامری نے جس قدر ممکن تھا بنی اسرائیل کی عورتوں سے زیورات جمع کر کے بچھڑے کا ڈھانچہ تیار کر لیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے جلا کر اس کی راکھ دریا میں پھینک دی۔ بچھڑے کی عبادت کرنے والوں میں سے جس نے بھی اس دریا میں سے پانی پیا، اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ پھر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھنے لگے کہ ہماری توبہ کیسے قبول ہوگی؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم ایک دوسرے کو قتل کرو۔ اس کا تفصیلی بیان سورۂ بقرہ اور پھر حدیث فتون میں گزر چکا ہے[2]۔ پھر فرمایا: اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ ۔ یعنی یہ بچھڑا تمہارا معبود نہیں بلکہ تمہارا معبود تو اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی عبادت کے لائق ہے اور عبادت صرف اسی کو زیبا ہے کیونکہ ہر چیز اس کی محتاج اور اس کی بندگی میں مصروف ہے۔ اس فرمان وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا میں علما بطور تمیز منصوب ہے یعنی وہ ہر چیز کے متعلق پورا پورا علم رکھنے والا ہے، اس نے اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے اور ہر چیز کو اس نے گن گن کر شمار کیا ہوا ہے۔ ذرہ برابر بھی کوئی چیز اس سے اوجھل نہیں ہو سکتی جو پتا گرتا ہے وہ اس کے متعلق بخوبی علم رکھتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں جو کوئی دانہ ہے اور جو کوئی خشک و تر چیز ہے وہ سب کتاب مبین میں مرقوم ہے۔ زمین پر موجود ہر جاندار کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے وہ ہر ایک کی قرار گاہ اور ٹھکانے کو خوب جانتا ہے۔ سب کچھ واضح کتاب میں درج ہے۔ اس مضمون کی آیات بہت زیادہ ہیں۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 206، تفسیر قرطبی، جلد 11 صفحہ 241، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 596
2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرۃ: 93 اور تفسیر سورۂ طٰہٰ: 40

الْقِیٰمَةِ حِمْلًا ۝

''یوں ہم بیان کرتے ہیں آپ سے خبریں ان لوگوں کی جو پہلے گزر چکے۔ اور ہم نے مرحمت فرمایا ہے آپ کو اپنی جناب سے ایک پند نامہ۔ جو شخص روگردانی کرے گا اس سے وہ اٹھائے گا قیامت کے دن ایک بوجھ۔ یہ لوگ ہمیشہ اس بوجھ تلے دبے رہیں گے اور بہت تکلیف دہ ہوگا ان کے لئے روز قیامت یہ بوجھ''۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ جس طرح ہم نے آپ ﷺ کو موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ سے آگاہ کیا، اسی طرح ہم گزشتہ خبریں بغیر کمی بیشی کے آپ ﷺ کے سامنے بیان کرتے ہیں اور ہم نے آپ کو قرآن کریم کی صورت میں ایسا پند نامہ مرحمت فرمایا ہے جس کی طرف باطل راہ نہیں پا سکتا، اسے نازل کرنے والی ذات حکیم اور حمید ہے۔ اس نے اس سے زیادہ کامل اور ماضی و مستقبل کی خبروں کی اس سے زیادہ جامع کتاب کسی نبی پر نازل نہیں کی، اس لئے جس نے اس سے اعراض کیا، اسے جھٹلایا، اس کی اتباع سے منہ موڑا اور کسی دوسری کتاب سے ہدایت طلب کی تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو گمراہ کر دیتا ہے اور سیدھا جہنم میں دھکیل دیتا ہے، اس لئے فرمایا: مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ (ھود: 17) ''اور جو اس کے ساتھ کفر کرے مختلف گروہوں سے تو آگ ہی اس کے وعدہ کی جگہ ہے''۔ یہ حکم ہر اس شخص کے لئے عام ہے جس تک قرآن کا پیغام پہنچ جائے خواہ وہ عربی ہو یا عجمی، کتابی ہو یا غیر کتابی جیسا کہ فرمایا: ''لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (الانعام: 19) '' تاکہ میں اس کے ساتھ تمہیں ڈراؤں اور اسے جس تک یہ پہنچے''، جس شخص تک قرآن کا پیغام پہنچ گیا اس کے لئے یہ نذیر اور داعی ہے۔ جس نے اس کی اتباع کی، وہ ہدایت پا گیا اور جس نے اس کی مخالفت کی اور اس سے انحراف کیا وہ دنیا میں گمراہ اور بدبخت ٹھہرا اور قیامت کے دن اسکے ساتھ آگ کا وعدہ ہے۔ اس سے اسے رہائی نصیب نہیں ہوگی اور قیامت کے دن یہ بہت برا بوجھ ہوگا جسے یہ اٹھائیں گے۔

يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىٕذٍ زُرْقًا ۝ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۝

''جس روز پھونکا جائے گا صور میں اور ہم جمع کریں گے مجرموں کو اس دن اس حال میں کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔ چپکے چپکے آپس میں کہیں گے کہ نہیں رہے تم دنیا میں مگر صرف دس دن۔ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہیں گے جب ان میں سب سے زیادہ زیرک کہے گا کہ نہیں ٹھہرے ہو تم مگر صرف ایک دن''۔

رسول اللہ ﷺ سے صور کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک قرن (سینگ) ہے جس میں پھونکا جائے گا(1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث صور میں آتا ہے کہ یہ بہت بڑا قرن ہے اور اس کا دائرہ بقدر آسمانوں اور زمین کے ہے، حضرت اسرافیل علیہ السلام اس میں پھونکیں گے(2)۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''میں کیسے راحت و آسائش میں رہوں حالانکہ صور پھونکنے والے نے صور اپنے منہ میں لے لیا ہے، اپنی پیشانی جھکا دی ہے اور اب منتظر ہے کہ کب حکم ملتا ہے''۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! پھر ہم کیا پڑھیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہو: ''حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا''(3)۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۃ الانعام: 73 2۔ معجم کبیر، جلد 3 صفحہ 276-282

3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ القیامۃ، جلد 6 صفحہ 261 6

فرمایا: وَ نَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ　یعنی اس دن ہم مجرموں کو اس حال میں جمع کریں گے کہ خوف اور دہشت کے سبب ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور وہ چپکے چپکے ایک دوسرے سے کہیں گے کہ دنیا میں تمہارا قیام تو بہت کم تھا یعنی صرف دس دن۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: نَحْنُ اَعْلَمُ ... یعنی ہم ان کی سرگوشیوں سے بھی خوب واقف ہیں جب کہ ان میں سے زیادہ زیرک اور عقلمند کہے گا کہ تم تو صرف ایک دن دنیا میں ٹھہرے۔ قیامت کے دن دنیاوی زندگی انہیں بہت مختصر محسوس ہوگی، کیونکہ دنیا کے اوقات اگرچہ پلٹ پلٹ کر آتے رہتے ہیں اور دنوں اور راتوں کا سلسلہ پیہم جاری رہتا ہے، اس کے باوجود یوں محسوس ہوگا جیسے دنیاوی زندگی صرف ایک دن پر مشتمل تھی، اسی لئے کافر قیامت کے دن دنیاوی زندگی کو بہت مختصر خیال کریں گے۔ اس سے غرض یہ ہوگی کہ وہ اپنے خلاف حجت قائم نہ ہونے دیں، اس لئے فرمایا: وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ... وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (الروم: 56-55)، اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ (فاطر: 37) ''کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہ دی تھی جس میں نصیحت قبول کر سکتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا اور آ گیا تمہارے پاس نذیر''، قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ۝ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ۝ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (المومنون: 114-112) ''تم زمین میں کتنے سال ٹھہرے رہے؟ کہیں گے ہم ٹھہرے تھے بس ایک دن یا دن کا کچھ حصہ آپ پوچھ لیں سال گننے والوں سے ارشاد ہوگا تم نہیں ٹھہرے مگر تھوڑا عرصہ کاش تم (اس حقیقت کو پہلے ہی) جان لیتے''۔ یعنی دنیا میں تمہارا قیام بہت کم تھا، اگر تم حقیقت کو جان لیتے تو باقی کو فانی پر ترجیح دیتے لیکن تم نے بہت برا تصرف کیا، فانی دنیا کو باقی رہنے والی آخرت پر مقدم اور افضل سمجھتے رہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۝ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۝

''اور وہ آپ سے پہاڑوں کے انجام کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرمایئے میرا رب انہیں جڑوں سے اکھیڑ کر پھینک دے گا۔ پس بنا چھوڑے گا اس پہاڑی علاقہ کو کھلا ہموار میدان۔ نہ نظر آئے گا تجھے اس میں کوئی موڑ اور نہ کوئی ٹیلہ۔ اس روز سب لوگ پیروی کریں گے پکارنے والے کی کوئی روگردانی نہیں کر سکے گا اس سے۔ اور خاموش ہو جائیں گی سب آوازیں رحمٰن کے خوف سے پس تو نہ سنے گا (اس روز) مگر مدہم سی آہٹ''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لوگ آپ سے پہاڑوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں کہ کیا یہ قیامت کے دن باقی رہیں گے یا زائل ہو جائیں گے؟ آپ انہیں فرما دیں کہ میرا رب انہیں جڑوں سے اکھیڑ کر مٹا ڈالے گا اور پھر انہیں صاف چٹیل میدان بنا چھوڑے گا۔ ''قاع'' کا معنی ہے ہموار زمین۔ ''صَفْصَفٌ'' اس کی تاکید ہے، اس کا معنی چٹیل میدان بھی کیا گیا ہے جہاں کوئی چیز نہ اگے لیکن پہلا معنی زیادہ موزوں ہے اور دوسرا معنی مرادی اور لازمی ہے۔ اس لئے فرمایا: لَا تَرٰى ... یعنی اس دن زمین پر نہ کوئی وادی، نہ کوئی ٹیلہ اور نہ کوئی نشیب و فراز دکھائی دے گا۔ ان حالات اور ہولناک امور کو جس دن وہ دیکھیں گے تو فوراً پکارنے والے کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس کی طرف دوڑے چلے جائیں گے۔ اگر وہ دنیا میں ایسا کرتے تو ان کے لئے زیادہ نفع بخش ہوتا لیکن آج تو یہ دوڑ دھوپ بے سود ہے جیسا کہ ارشاد

ہے: اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا (مریم:38) "یہ خوب سننے لگیں گے اور خوب دیکھنے لگیں گے جس دن ہمارے پاس آئیں گے"، مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ (القمر:8) "بلانے والے کی طرف ڈرتے ڈرتے بھاگے جارہے ہوں گے"۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کو تاریکی میں جمع کرے گا، اس روز آسمان لپیٹ دیا جائے گا، ستارے بکھر کر گر پڑیں گے، چاند اور سورج محو ہو جائیں گے اور ایک آواز دینے والا آواز دے گا جس کی آواز کا قصد کرتے ہوئے سبھی چل دیں گے، یہی مفہوم اس فرمان يَوْمَىِٕذٍ يَّتَّبِعُوْنَ ---کا ہے(1)۔ قتادہ اس فرمان

لَا عِوَجَ لَهٗ کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ لوگ اس سے انحراف نہیں کر سکیں گے۔ ابو صالح کہتے ہیں کہ یہ "لا عوج عنه" کے معنی میں ہے یعنی کوئی اس سے روگردانی نہیں کر سکے گا۔ حضرت ابن عباس اس فرمان وَخَشَعَتِ　　کا یہ مفہوم بتاتے ہیں کہ رحمٰن کے خوف سے آوازیں خاموش ہو جائیں گی۔ سعید بن جبیر حضرت ابن عباس سے "همس" کا معنی قدموں کی چاپ نقل کرتے ہیں۔ ایک اور روایت میں آپ سے اس کا معنی مدہم آواز نقل کیا گیا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر نے اس سے مراد سرگوشی اور قدموں کی آہٹ دونوں چیزیں مراد لی ہیں۔ میدان حشر کی طرف سکون و خضوع کے ساتھ چلتے ہوئے قدموں کی چاپ تو لامحالہ ہوگی اور جہاں تک چپکے چپکے گفتگو کرنے کا تعلق ہے تو یہ بعض حالات میں ہوگی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ (ہود:105) "جس دن کوئی شخص بول نہ سکے گا مگر اس کی اجازت سے بعض ان میں سے بدنصیب ہوں گے اور بعض خوش نصیب"۔

يَوْمَىِٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ۝ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ۝

"اس دن نہیں نفع دے گی کوئی سفارش سوائے اس شخص کی شفاعت کے جسے رحمٰن نے اجازت دی اور پسند فرمایا ہو اس کے قول کو۔ وہ جانتا ہے لوگوں کے آنے والے حالات کو اور ان کے گزرے ہوئے اوقات کو اور لوگ نہیں احاطہ کر سکتے اس کا اپنے علم سے۔ اور (فرط نیاز سے) جھک جائیں گے سب (لوگوں کے) چہرے حي و قیوم کے سامنے۔ اور نامراد ہوا جس نے لادا اپنے (سر) پر ظلم (کا بار گراں)، اور جو شخص کرتا ہے نیک اعمال اور وہ ایماندار بھی ہو تو اسے اندیشہ نہ ہوگا کسی ظلم کا یا حق تلفی کا"۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف اس شخص کی سفارش نفع بخش ہوگی جسے وہ اجازت دے اور اس کی بات کو پسند فرمائے جیسا کہ متعدد مقامات پر فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (البقرۃ:255) "کون ہے جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے"، وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَرْضٰى (النجم:26) "اور آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں جن کی شفاعت کسی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اذن دے جس کے لئے چاہے اور پسند فرمائے"، وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ (الانبیاء:28) "اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کے لئے جسے وہ پسند فرمائے اور وہ اس کے خوف سے ڈر رہے ہیں"، وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ (سبا:23) "اور نہ نفع دے گی اس کے ہاں سفارش مگر جس کے لئے

1۔ الدر المنثور، جلد 16 صفحہ 599

اس نے اجازت دی ہو"۔ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۚ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا (النبأ:38) "جس روز روح اور فرشتے پرے باندھے کھڑے ہوں گے، کوئی نہ بول سکے گا بجز اس کے جس کو رحمٰن اذن دے اور وہ ٹھیک بات کرے"۔ اولادِ آدم کے سردار اور سب مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ معزز اور محبوب بندے اور رسول ﷺ فرماتے ہیں: "میں عرش تلے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا، اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی حمد و ثناء کی بے شمار تعبیرات القاء فرمائے گا جن کا شمار میں اب نہیں کر سکتا اور جس قدر اسے منظور ہوا، وہ مجھے اسی حالت میں رہنے دے گا، پھر فرمائے گا: اے محمد ﷺ! اپنا سر اٹھاؤ، کہو، تمہاری بات سنی جائے گی اور شفاعت کرو، تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی جنہیں میں جنت میں داخل کرنے کے بعد پھر لوٹ کر ایسا ہی کروں گا" (1)۔ چار مرتبہ یہی ہوگا۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ جہنم سے ہر اس شخص کو نکال لو جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہے اور جس کے دل میں اس سے بھی کم، اس سے بھی کم ایمان ہو اسے بھی جہنم سے باہر لے آؤ" (2)۔ پھر فرمایا: يَعْلَمُ مَا بَيْنَ .... یعنی اس کا علم تمام مخلوقات کو احاطہ کئے ہوئے ہے لیکن مخلوق اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتی جیسا کہ فرمایا: وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ (البقرۃ:255) "اور وہ نہیں گھیر سکتے کسی چیز کو اس کے علم سے مگر جتنا وہ چاہے"۔

اس ارشاد وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ .... کا مفہوم حضرت ابن عباس وغیرہ یہ بتاتے ہیں کہ تمام مخلوق کے چہرے ذلت اور درماندگی کے ساتھ اس جبار ذات کے سامنے جھک جائیں گے جو حی و قیوم ہے، نہ اسے موت آتی ہے اور نہ نیند، وہی ہر چیز کا مدبر، منتظم اور محافظ ہے اور کامل ذات صرف وہی ہے، باقی ہر چیز اس کی محتاج ہے اور کوئی چیز اس کے بغیر اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتی۔ فرمایا: وَقَدْ خَابَ - یعنی قیامت کے دن وہ شخص نامراد ہوگا جس نے ظلم کا بارِ گراں اٹھایا ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر حقدار کو اس کا حق دلوائے گا یہاں تک کہ بے سینگ بکری کو سینگ والی بکری سے بدلہ دلوایا جائے گا (3)۔ ایک حدیث قدسی میں آتا ہے: "اللہ تعالیٰ فرمائے گا: مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! کسی ظالم کا ظلم آج مجھ سے متجاوز نہیں ہو سکے گا"۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: "ظلم سے بچو، کیونکہ ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کی صورت میں ظاہر ہوگا اور اس شخص کے لئے خسارہ ہی خسارہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے شرک کرتا ہوا ملا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شرک ظلم عظیم ہے" (4)۔ ظالموں کے ذکر اور انہیں وعید سنانے کے بعد متقین کے متعلق فرمایا: وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ..... یعنی نہ ان پر ظلم کرتے ہوئے ان کے گناہوں میں اضافہ کیا جائے گا اور نہ ان کی حق تلفی کرتے ہوئے ان کی نیکیوں میں کمی کی جائے گی۔ ظلم کا معنی ہے زیادتی کہ کسی اور کے گناہ کسی شخص کے ذمہ کر دیئے جائیں اور ہضم کا معنی ہے کمی۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ بقرہ، جلد 8 صفحہ 160، صحیح مسلم کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 181

2۔ سنن نسائی، کتاب الایمان، جلد 8 صفحہ 112-113، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 94-95

3۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 1 صفحہ 1997، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 235

4۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1996، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 323

"اور اسی طرح ہم نے اتارا اس کتاب کو قرآن عربی زبان میں اور طرح طرح سے بیان کیں اس میں گناہوں کی سزائیں تاکہ وہ پرہیزگار بن جائیں یا پیدا کردے یہ قرآن ان کے دلوں میں یہ سمجھ۔ پس اعلیٰ وارفع ہے اللہ جو سچا بادشاہ ہے۔ اور نہ عجلت کیجئے قرآن کے پڑھنے میں اس سے پہلے کہ پوری ہو جائے آپ کی طرف اس کی وحی۔ اور دعا مانگا کیجئے میرے رب! (اور) زیادہ کر میرے علم کو"۔

چونکہ قیامت کا وقوع اور نیک و بد اعمال کا بدلہ ملنا یقینی اور حتمی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے لوگوں کو بشارت دینے اور بروقت خبردار کرنے کے لئے فصیح عربی زبان میں قرآن کریم اتارا جس میں نہ کوئی التباس ہے اور نہ کوئی عجز، اور اس میں ہم نے گناہوں کی سزاؤں کو طرح طرح سے بیان کیا ہے تاکہ لوگ گناہوں، برائیوں اور حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کریں یا قرآن کریم ان میں سمجھ پیدا کردے، جس کی وجہ سے وہ اطاعت شعار بن جائیں اور نیک کاموں میں مشغول ہو جائیں، پس منزہ، مقدس اور اعلیٰ وارفع ہے وہ اللہ جو سچا بادشاہ ہے اور حق ہے، اس کی وعید حق ہے، اس کے رسول حق ہیں، جنت حق ہے، دوزخ حق ہے حتیٰ کہ اس کی طرف سے ہر چیز حق ہے اور اس کا عدل اس بات سے بہت بالاتر ہے کہ وہ انذار، بعثت رسل اور اتمام حجت سے پہلے کسی کو عذاب میں مبتلا کردے، وہ سب کے عذر ختم کر کے عذاب دیتا ہے تاکہ کسی کے لئے حجت اور شبہ باقی نہ رہے۔ اس کے بعد فرمایا: وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ ۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (القیامۃ: 16-19) " آپ اس کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں تاکہ آپ اسے جلدی یاد کرلیں، ہمارے ذمہ ہے اسے (سینہ میں) جمع کرنا اور اسے پڑھانا پس جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اس پڑھنے کا اتباع کریں پھر اسے کھول کر بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نزول وحی کے وقت رسول اللہ ﷺ بڑی شدت محسوس کرتے اور آپ جلدی جلدی اپنی زبان کو حرکت دیتے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی، مطلب یہ کہ جب حضرت جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس وحی لاتے اور کوئی آیت تلاوت کرتے تو چونکہ آپ حفظ قرآن کے معاملہ میں بہت حریص تھے، اس لئے جبریل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ بھی پڑھتے جس کے باعث آپ ﷺ کو دقت کا سامنا کرنا پڑتا، اللہ تعالیٰ نے اس مشکل کو آسان کرتے ہوئے اور اس مشقت کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا: "لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ ...... " یعنی یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم قرآن کو آپ ﷺ کے سینے میں محفوظ کردیں گے، پھر آپ اسے لوگوں کو پڑھ کر سنائیں گے اور اس میں سے کوئی چیز آپ کو نہیں بھولے گی۔ یہاں فرمایا: وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ ...... یعنی قرآن پڑھنے میں عجلت سے کام نہ لیں اس سے پہلے کہ آپ کی طرف اس کی وحی مکمل ہو جائے بلکہ غور سے سنیں۔ جب فرشتہ اس کی قراءت سے فارغ ہو جائے تو اس کے بعد آپ اسے دہرائیں اور یہ دعا کرتے رہا کریں: رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا یعنی اے میرے پروردگار! اپنی جناب سے میرے علم میں اضافہ فرما۔ ابن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے علم میں تادم واپسیں اضافہ ہوتا رہا، اس لئے حدیث شریف میں آتا ہے: "اللہ تعالیٰ مسلسل اپنے رسول پر وحی بھیجتا رہا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے وصال کے دن پہلے سے زیادہ وحی نازل ہوئی" (1)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: "اے اللہ! مجھے اس علم سے نفع پہنچا جو تو نے مجھے سکھایا، مجھے وہ علم عطا فرما جو مجھے نفع پہنچائے، میرے علم میں اضافہ فرما اور ہر حال میں تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں" (2)۔ بزار کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے:

1۔ صحیح بخاری، کتاب الفضائل، جلد 6 صفحہ 224، صحیح مسلم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 2312

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعا، جلد 13 صفحہ 88، سنن ابن ماجہ، کتاب الدعاء، جلد 2 صفحہ 1260

"اور میں اہل نار کی حالت سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں"۔

وَ لَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰى ۝ فَقُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ لِزَوْجِكَ فَلَا یُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۝ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْهَا وَ لَا تَعْرٰى ۝ وَ اَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِیْهَا وَ لَا تَضْحٰى ۝ فَوَسْوَسَ اِلَیْهِ الشَّیْطٰنُ قَالَ یٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا یَبْلٰى ۝ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ٘ وَ عَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیْهِ وَ هَدٰى ۝

"اور ہم نے حکم دیا تھا آدم کو اس سے پہلے (کہ وہ اس درخت کے قریب نہ جائے) سو وہ بھول گیا اور نہ پایا ہم نے (اس لغزش میں) اس کا کوئی قصد۔ اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، اس نے (حکم بجالانے سے) انکار کر دیا۔ اور ہم نے فرمادیا اے آدم! بیشک یہ تیرا بھی دشمن ہے اور تیری زوجہ کا بھی سو (ایسا نہ ہو) کہ وہ نکال دے تمہیں جنت سے اور تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ بیشک تمہارے لئے یہ ہے کہ تمہیں نہ بھوک لگے گی یہاں اور نہ تم ننگے ہو گے۔ اور تمہیں نہ پیاس لگے گی یہاں اور نہ دھوپ ستائے گی۔ پس شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا۔ اس نے کہا اے آدم! کیا میں آگاہ کروں تمہیں ہمیشگی کے درخت پر اور ایسی بادشاہی پر جو کبھی زائل نہ ہو۔ سو (اس کے پھسلانے سے) دونوں نے کھالیا اس درخت سے تو (فوراً) برہنہ ہو گئیں ان پر ان کی شرمگاہیں اور وہ چپکانے لگ گئے اپنے (جسم) پر جنت (کے درختوں) کے پتے۔ اور حکم عدولی ہو گئی آدم سے اپنے رب کی سو وہ بامراد نہ ہوا۔ پھر (اپنے قرب کے لئے) چن لیا انہیں اپنے رب نے اور (عفو و رحمت سے) توجہ فرمائی ان پر اور ہدایت بخشی"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انسان کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ سب سے پہلے جو حکم اسے دیا گیا تھا، یہ اسے بھول گیا۔ مجاہد اور حسن فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ترک کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کی کرامت، فضیلت اور شرف کو یاد دلاتے ہوئے فرماتا ہے: وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىٕكَةِ . یہ قصہ سورۂ بقرہ، سورۂ اعراف، سورۂ حجر اور سورۂ کہف میں بھی گزر چکا ہے اور سورۂ ص میں بھی اس واقعہ کا ذکر موجود ہے۔ ان سورتوں میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اور ان کی تشریف و تکریم کے لئے ملائکہ کو انہیں سجدہ کرنے کے حکم کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ آدم علیہ السلام اور بنی آدم کے لئے ابلیس کی ازلی عداوت کا بیان بھی وضاحت سے ہوا ہے، اس لئے فرمایا: فَسَجَدُوْۤا ... یعنی سوائے ابلیس کے تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ اس نے تکبر کرتے ہوئے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ سو ہم نے بتا دیا: اے آدم علیہ السلام! یہ ابلیس تمہارا بھی دشمن ہے اور تمہاری زوجہ حواء کا بھی، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تمہیں جنت سے نکال دے اور پھر تم طلب رزق میں تھکاوٹ اور مشقت کا شکار ہو جاؤ۔ یہاں تمہیں بغیر کسی کلفت اور مشقت کے آسودگی اور خوشحالی میسر ہے۔ یہاں نہ تمہیں بھوک لگتی ہے اور نہ تم برہنہ ہوتے ہو، نہ تمہیں یہاں پیاس لگتی ہے اور نہ دھوپ ستاتی ہے۔ بھوک اور برہنگی کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے کیونکہ بھوک باطنی تکلیف ہے اور برہنگی ظاہری تکلیف، اسی طرح پیاس اور دھوپ ایک دوسرے کے بالمقابل ہیں، پیاس

اندرونی حرارت ہے اور دھوپ ظاہری حرارت۔ شیطانی وسوسہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: فَوَسْوَسَ اِلَیْهِ الشَّیْطٰنُ ۔ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ شیطان انہیں دھوکہ دیتے ہوئے اور قسمیں اٹھا کر اپنی خیر خواہی کا یقین دلانے لگا۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کو ہر جنتی پھل کھانے کی اجازت دی تھی لیکن جنت میں ایک معین درخت کے قریب تک جانے سے بھی ان دونوں کو ممانعت کر دی گئی تھی۔ ابلیس کے مسلسل وسوسہ اندازی کرنے اور پھسلانے کے باعث آخر کار اس درخت سے کھا بیٹھے۔ ابلیس نے انہیں فریب دیتے ہوئے کہا تھا کہ اس ہمیشگی کے درخت سے جو کھا لیتا ہے اسے خلود مل جاتا ہے اور وہ ہمیشہ یہاں رہتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں ایک ایسا درخت ہے جس کے سائے تلے ایک سوار سو سال تک چلتا رہے گا، اس کے باوجود وہ اسے طے نہیں کر پائے گا، یہی شجرۃ الخلد ہے''(1)۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو دراز قامت اور زیادہ بالوں والا پیدا فرمایا، یوں محسوس ہوتا جیسے آپ لمبی کھجور ہیں۔ جب آپ نے ممنوعہ درخت سے کھا لیا تو آپ کا لباس آپ سے چھن گیا، جونہی شرمگاہ پر نظر پڑی تو جنت میں ادھر ادھر چھپنے کی کوشش میں دوڑنے لگے، آپ کے بال ایک درخت کے ساتھ الجھ گئے، ابھی اپنے بال چھڑا ہی رہے تھے کہ ذات رحمٰن نے آواز دی: اے آدم علیہ السلام! کیا مجھ سے بھاگ رہے ہو؟ جب آپ نے کلام رحمٰن سنا تو عرض کرنے لگے: اے میرے پروردگار! نہیں، بلکہ حیا دامن گیر ہونے کے باعث ایسا کر رہا ہوں، یا اللہ! مجھے یہ بتادے کہ اگر میں توبہ کر کے رجوع کر لوں تو کیا میں واپس جنت میں آسکتا ہوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں'' یہی مطلب اس آیت کا ہے: فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ(البقرہ: 37) '' پھر سیکھ لئے آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمات تو اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول کی'' ۔ یہ روایت منقطع ہے اور اس کے مرفوع ہونے میں بھی شک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ ..... کا معنی بقول مجاہد یہ ہے کہ وہ اس طرح اپنے جسم پر پتے چپکانے لگے گئے جس طرح کپڑے میں پیوند لگائے جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ انجیر کے پتے اتار اتار کر اپنی شرمگاہوں پر چپکانے لگے۔ پھر فرمایا:

وَعَصٰۤى اٰدَمُ ۔ وَ فَغَوٰى۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام کے مابین بحث چھڑ گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے ہی لوگوں کو اپنی لغزش کے سبب جنت سے نکالا اور مشقت میں مبتلا کر دیا؟ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: اے موسیٰ! آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام کے ساتھ چن لیا، کیا آپ مجھے ایسے معاملہ کے متعلق ملامت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے میری تخلیق سے پہلے مجھ پر مقرر اور مقدر فرما دیا تھا۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر برتری لے گئے''(2)۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنے رب کے ہاں آپس میں مناقشہ ہو گیا جس میں آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو لاجواب کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، آپ میں اپنی روح پھونکی، آپ کو فرشتوں سے سجدہ کروایا اور آپ کو اپنی جنت میں ٹھہرایا پھر آپ نے اپنی غلطی کے باعث لوگوں کو زمین پر اتار دیا؟ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے آپکو اپنی رسالت اور اپنے کلام کے ساتھ منتخب فرمایا، آپ کو وہ تختیاں عطا کیں جن میں ہر چیز کا بیان ہے اور سرگوشی کرتے ہوئے اس نے آپ کو قریب کر لیا۔ یہ بتائیے کہ میری تخلیق سے کتنا عرصہ پہلے اللہ تعالیٰ نے تورات لکھی؟

1۔ مسند ابی داؤد طیالسی: 232، مسند احمد جلد 2 صفحہ 455، 462

2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ طہٰ، جلد 6 صفحہ 121

جواب دیا کہ چالیس سال پہلے۔ حضرت آدم علیہ السلام فرمانے لگے کہ کیا آپ نے اس میں یہ لکھا ہوا پڑھا ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی حکم عدولی کی سو وہ بامراد نہ ہوا؟ جواب دیا: ہاں۔ حضرت آدم علیہ السلام کہنے لگے کہ پھر آپ مجھے ایسے عمل پر کیوں ملامت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے چالیس سال قبل مجھ پر لکھ دیا تھا کہ میں اس کا ارتکاب کروں گا؟ اس طرح آدم علیہ اسلام موسیٰ علیہ السلام پر حجت میں بازی لے گئے"۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ﴿١٢٣﴾ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ ﴿١٢٤﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنتُ بَصِيرًا ﴿١٢٥﴾ قَالَ كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا ۖ وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تُنسَىٰ ﴿١٢٦﴾

"حکم ملا دونوں اتر جاؤ یہاں سے اکٹھے تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ پس اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی تو نہ وہ بھٹکے گا اور نہ بدنصیب ہوگا۔ اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے، تو اس کے لئے زندگی (کا جامہ) کو تنگ کر دیا جائے گا اور ہم اسے اٹھائیں گے قیامت کے دن اندھا کر کے۔ وہ کہے گا اے میرے رب! کیوں اٹھایا ہے تو نے مجھے نابینا کر کے میں تو (پہلے بالکل) بینا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اسی طرح آئی تھیں تیرے پاس ہماری آیتیں سو تو نے انہیں بھلا دیا۔ اسی طرح آج تجھے فراموش کر دیا جائے گا"۔

حضرت آدم علیہ السلام، حوا علیہا السلام اور ابلیس کو حکم ہوا کہ تم سب جنت سے نکل جاؤ۔ اس کی تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے(1)۔

پھر فرمایا: بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ یعنی آدم و اولاد آدم اور ابلیس و اولاد ابلیس۔ مزید فرمایا: فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم ۔ یعنی تمہارے پاس میرے انبیاء و رسل اور کتابیں آئیں گی تو جس نے میری ہدایت کی اتباع کی وہ نہ تو دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ ہی آخرت میں بدنصیب ہوگا۔ اس کے بعد ارشاد ہوا: وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي ... یعنی جو ذکر الٰہی سے منہ موڑتا ہے، احکام خداوندی سے روگردانی کرتا ہے اور رسولوں کے لائے ہوئے پیغام کو فراموش کر کے کسی اور کی اتباع میں لگ جاتا ہے تو اس کے لئے زندگی کا جامہ تنگ کر دیا جاتا ہے۔ وہ دولت و ثروت، ظاہری ٹھاٹھ باٹھ، بیش قیمت لباس، لذیذ کھانے اور پرسکون رہائش گاہیں حاصل ہونے کے باوجود اطمینان قلب اور انشراح صدر کی دولت سے محروم رہتا ہے بلکہ گمراہی کے باعث اس کا سینہ بہت ہی تنگ ہوتا ہے کیونکہ جب تک اس کے دل کو ہدایت اور یقین کی روشنی نصیب نہ ہو، وہ قلق، حیرت اور شبہات کا شکار رہتا ہے، یہ ہے زندگی کی تنگی۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس فرمان فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا کا یہ مفہوم نقل کرتے ہیں کہ وہ شقاوت کا سزاوار ہو جاتا ہے، عوفی آپ ہی سے یہ معنی نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کو کم یا زیادہ عطا فرماتا ہے لیکن وہ اس میں تقویٰ اختیار نہیں کرتا تو اس میں اس کے لئے کوئی بھلائی نہیں، یہی معیشت میں تنگی ہے۔ آپ ہی فرماتے ہیں کہ ایک گمراہ قوم نے حق سے انحراف کیا اور تکبر کو اپنا شعار بنا لیا، آسودگی اور خوشحالی حاصل ہونے کے باوجود ان کی زندگی تنگی کا شکار تھی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی کرتے ہوئے اور اس کے وعدوں کی تکذیب کرتے ہوئے یہ خیال کیا کرتے تھے کہ وہ انہیں

1۔ دیکھئے تفسیر سورۃ البقرۃ: 38

اخروی نعمتوں سے نہیں نوازے گا۔ جب ایک بندہ اللہ تعالیٰ کو بھلاتا ہے، اس کے ساتھ بدگمانی کرتا ہے اور بے اعتقادی کا اظہار کرتا ہے تو اس کی زندگی اس پر دشوار اور سخت ہو جاتی ہے، یہی زندگی کی تنگی ہے(1)۔ ضحاک کہتے ہیں کہ "مَعِيشَةً ضَنكًا" سے مراد برا عمل اور خبیث رزق ہے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قبر کی تنگی ہے یعنی اس پر قبر تنگ کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی دونوں طرف کی پسلیاں ایک دوسرے میں پیوست ہو جاتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مومن کی قبر سرسبز و شاداب باغ ہے، اسے ستر ہاتھ کشادہ کر دیا جاتا ہے اور اسے یوں منور کر دیا جاتا ہے جیسے چودھویں رات کا چاند۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس آیت فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا کا شان نزول کیا ہے، کیا تم جانتے ہو کہ "مَعِيشَةً ضَنكًا" سے کیا مراد ہے؟ صحابہ نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "کافر کے لئے عذاب قبر، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس پر ننانوے اژدھے مسلط کئے جاتے ہیں، ہر اژدھے کے سات سر ہوتے ہیں، وہ قیامت تک پھنکارتے، اس کے جسم کو ڈستے اور نوچتے رہتے ہیں"۔ اس روایت کا مرفوع ہونا منکر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "تنگ زندگی سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر ننانوے اژدھے مسلط کر دیتا ہے جو قیامت تک اس کے گوشت کو ڈستے اور نوچتے رہیں گے"(2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عذاب قبر ہے۔ مجاہد، ابو صالح اور سدی اس فرمان وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کے پاس کوئی حجت نہیں ہوگی، عکرمہ اس کی یہ وضاحت کرتے ہیں کہ سوائے جہنم کے ہر چیز اس پر مخفی ہوگی۔ اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ اسے اس حال میں جہنم کی طرف لے جایا جائے گا کہ وہ ظاہری بینائی اور باطنی بصیرت سے محروم ہوگا جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا: وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُمْيًا وَبُكْمًا وَصُمًّا ۖ مَّأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ (بنی اسرائیل: 97) "اور قیامت کے دن ہم انہیں منہ کے بل اٹھائیں گے اس حال میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے"، اس لئے وہ کہے گا: رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي　اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا: كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ ۔ یعنی تیرے پاس ہماری آیات آئیں لیکن تو نے ان سے منہ موڑ لیا اور انہیں فراموش کر دیا۔ آج ہم یہی معاملہ تجھ سے کریں گے اور تجھے فراموش کر دیا جائے گا جیسا کہ ارشاد ہے: فَالْيَوْمَ نَنسَاهُمْ كَمَا نَسُوا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هَٰذَا (الاعراف: 51) "آج ہم انہیں فراموش کر دیں گے جیسے انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا"۔ کیونکہ جیسا عمل ہو، اسی نوعیت کی جزا ہوتی ہے۔ اگر قرآن کریم کے الفاظ بھول جائیں لیکن ان کے معانی ذہن نشین ہوں اور انسان قرآن پر عمل پیرا ہو تو وہ اس وعید خاص میں داخل نہیں اگرچہ ایک دوسری جہت سے وہ اس وعید کا سزاوار ہے کیونکہ اس معاملہ میں نبی کریم ﷺ کی طرف سے نہایت سخت وعید وارد ہوئی ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں: "جس آدمی نے قرآن کریم پڑھ کر بھلا دیا تو وہ جس دن اللہ تعالیٰ سے ملے گا، جذام زدہ ملے گا"(3)۔

وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِن بِآيَاتِ رَبِّهِ ۚ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَىٰ ﴿١٢٧﴾

"اور یونہی ہم بدلہ دیں گے ہر اس شخص کو جس نے حد سے تجاوز کیا اور نہ ایمان لایا اپنے رب کی آیتوں پر۔ اور (سن لو!) آخرت کا عذاب بڑا سخت اور بہت دیرپا ہے"۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 227
2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 58-59
3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 323,285

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حد سے تجاوز کرنے والوں اور آیات الٰہی کو جھٹلانے والوں کو ہم اسی طرح دنیا و آخرت میں بدلہ دیتے ہیں جیسا کہ فرمایا: لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ (الرعد: 34) ”ان کے لئے دنیاوی زندگی میں عذاب ہے اور آخرت کا عذاب تو بڑا سخت ہوگا اور انہیں اللہ کی گرفت سے بچانے والا کوئی نہیں“۔ اس لئے فرمایا: وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ۔۔ یعنی اخروی عذاب دنیاوی عذاب سے زیادہ المناک اور دائمی ہے، وہ ہمیشہ ہمیشہ اس عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے لعان کرنے والوں سے فرمایا تھا: ”دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے ہلکا اور معمولی ہے“(1)۔

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿١٢٨﴾ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿١٣٠﴾

”کیا (یہ بات) انہیں راہ راست نہ دکھا سکی کہ کتنی قومیں تھیں جن کو ہم نے (بداعمالیوں کے باعث) ان سے پہلے برباد کر دیا چلتے پھرتے ہیں یہ لوگ جن کے (اجڑے ہوئے) مکانوں میں۔ اس میں (ہماری قدرت کی) نشانیاں ہیں دانشمندوں کے لئے۔ اور اگر ان کے (انجام کے) متعلق آپ کے رب کا فیصلہ پہلے نہ ہو چکا ہوتا اور ان کے لئے ایک وقت مقرر نہ کر دیا گیا ہوتا تو ابھی ان پر عذاب نازل ہو جاتا۔ پس (اے حبیب!) صبر فرمائیے ان کی (دل دکھانے والی) باتوں پر اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اور رات کے لمحوں میں اس کی پاکی بیان کرو اور دن کے اطراف میں بھی تاکہ آپ خوش رہیں“۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ کو جھٹلانے والے لوگوں کو کیا یہ بات راہ راست نہ دکھا سکی کہ ہم نے ان سے پہلے کئی قوموں کو اس لئے ہلاک کر دیا کہ وہ رسولوں کو جھٹلاتے تھے، اس کی پاداش میں انہیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا اور ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا، یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں بلکہ یہ کفار جب ان قوموں کی اجڑی ہوئی بستیوں سے گزرتے ہیں تو اپنی آنکھوں سے اس چیز کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس میں دانشمندوں اور عقلمندوں کے لئے قدرت خداوندی کی واضح نشانیاں موجود ہیں جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ (الحج: 46) ”کیا انہوں نے زمین میں سیاحت نہیں کی تاکہ ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے وہ سمجھ سکتے اور کان ایسے ہو جاتے جن سے وہ سن سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر سینوں میں دل اندھے ہو جاتے ہیں“۔ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ (السجدۃ: 26) ”پھر فرمایا: وَلَوْلَا كَلِمَةٌ۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے سے ہی یہ طے نہ ہو چکا ہوتا کہ وہ اتمام حجت سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیتا اور ان جھٹلانے والوں کے لئے ایک مدت مقرر نہ کر دی گئی ہوتی تو انہیں اچانک عذاب اپنی لپیٹ میں لے لیتا، اسی لئے اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: فَاصْبِرْ۔ یعنی ان کی تکذیب اور دل دکھانے والی باتوں

1۔ صحیح مسلم، کتاب اللعان، جلد 2 صفحہ 1130-1131، جامع الاصول، کتاب التفسیر، جلد 12 صفحہ 44

پر صبر کریں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوع آفتاب سے پہلے اور اس کے غروب کے بعد تسبیح بیان کریں۔ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ سے مراد نماز فجر ہے اور قَبْلَ غُرُوْبِهَا سے مراد نماز عصر ہے جیسا کہ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا اور فرمایا: "تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح تم یہ چاند دیکھ رہے ہو اور اس کے دیکھنے میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں اٹھانی پڑ رہی۔ اگر تم طلوع آفتاب سے پہلے کی نماز اور غروب آفتاب سے پہلے کی نماز کی پابندی کر سکو تو ضرور ایسا کرو" (1)۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "وہ شخص ہرگز آگ میں داخل نہیں ہوگا جو سورج نکلنے سے پہلے اور سورج غروب ہونے سے پہلے کی نمازیں پڑھتا رہا" (2)۔ مسند اور سنن میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سب سے ادنیٰ درجے کا جنتی وہ ہے جو دو ہزار سال کی مسافت تک اپنی ملکیت دیکھے گا، وہ دور دراز کی چیز اور اپنے سے قریب ترین چیز کو یکساں دیکھے گا اور سب سے اعلیٰ درجے والا جنتی وہ ہے جو دن میں دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریگا (3)۔ پھر فرمایا: وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ یعنی رات کی گھڑیوں میں تہجد پڑھیں۔ بعض نے اس سے مراد مغرب اور عشاء کی نمازیں لی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اَطْرَافَ النَّهَارِ ذکر فرمایا یعنی رات کی گھڑیوں میں اور دن کے اطراف میں اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کریں تاکہ آپ خوش اور راضی ہو جائیں جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (الضحیٰ: 5)۔" اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے"۔ حدیث صحیح میں ہے: "اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے جنتیو! وہ عرض کریں گے: "لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَ سَعْدَيْكَ" اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہماری کیا مجال ہے کہ ہم راضی نہ ہوں حالانکہ تو نے ہمیں وہ کچھ عطا فرمایا ہے جو اپنی مخلوق میں سے تو نے کسی کو عطا نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں تمہیں اس سے بھی افضل چیز عنایت کرتا ہوں۔ وہ عرض کریں گے کہ اس سے افضل چیز کون سی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں تمہیں اپنی خوشنودی سے سرفراز کرتا ہوں، اس کے بعد میں کبھی بھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا" (4)۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے: "اے جنتیو! اللہ تعالیٰ نے تم سے ایک وعدہ کیا تھا وہ اسے پورا کرنا چاہتا ہے۔ عرض کریں گے کہ وہ کیا ہے؟ کیا اس نے ہمارے چہرے روشن نہیں کر دیئے، ہماری نیکیوں کے پلڑے بھاری نہیں کر دیئے، کیا ہمیں دوزخ سے نجات نہیں دی اور جنت میں داخل نہیں کیا؟ (پھر باقی کیا رہ گیا ہے) اسی وقت حجاب اٹھ جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے، اللہ کی قسم! دیدار سے بہتر کوئی اور نعمت نہیں ہوگی، یہی زیادتی اور اضافہ ہے" (5)۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴿١٣١﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿١٣٢﴾

1۔ صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 145۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 439
2۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 440۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 136
3۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ قیامۃ، جلد 12 صفحہ 230-233۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 13
4۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 142۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2176
5۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 163۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10 صفحہ 18-19

”اور آپ مشتاق نگاہوں سے نہ دیکھئے ان چیزوں کی طرف جن سے ہم نے لطف اندوز کیا ہے کافروں کے چند گروہوں کو یہ محض زیب وزینت ہیں دنیوی زندگی کی (اور انہیں اس لئے دی ہیں) تا کہ ہم آزمائیں انہیں ان سے۔ اور آپ کے رب کی عطا بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ اور حکم دیجئے اپنے گھر والوں کو نماز کا اور خود بھی پابند رہیے اس پر۔ نہیں سوال کرتے ہم آپ سے روزی کا (بلکہ) ہم ہی روزی دیتے ہیں آپ کو۔ اور اچھا انجام پرہیزگاری کا ہی ہوتا ہے“۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ ان آسودہ حال اور مالدار کفار کی طرف مشتاق نگاہوں سے نہ دیکھیں جنہیں ہم نے طرح طرح کی نعمتیں عطا کر رکھی ہیں کیونکہ یہ چیزیں دنیاوی زیب وزینت ہے جسے آخر کار فنا ہو جانا ہے۔ کفار کو ان چیزوں سے لطف اندوز کر کے ہم انہیں آزمانا چاہتے ہیں اور میرے بندوں میں سے شکرگزار تو بہت ہی کم ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ سے مراد مالدار لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان سے بہت ہی بہتر نعمت سے نوازا ہے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۞ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ ... (الحجر: 88-87) ”اور بے شک ہم نے آپ کو سات آیتیں عطا فرمائیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم بھی، اپنی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو۔“ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لئے جو اخروی انعامات تیار کر رکھے ہیں وہ بہت ہی گراں قدر ہیں، نہ ان کی حد بیان کی جا سکتی ہے اور نہ وصف جیسا کہ فرمایا: وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (الضحیٰ: 5) ”اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے“۔ اس لئے فرمایا: وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى۔ حدیث صحیح میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے ایلاء کے دوران ایک بالا خانے میں عزلت نشینی اختیار کر لی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ آپ ایک سخت اور کھردری چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور مشکیزے کے سوا اور کوئی سامان نہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بے ساختہ رونا آ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے عمر! یہ رونا کیسا؟“ عرض کی: یا رسول اللہ! قیصر وکسریٰ تو عیش وآرام میں ہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ برگزیدہ ہونے کے باوجود اس حالت میں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے ابن خطاب! کیا تم شک میں ہو؟ وہ ایسے لوگ ہیں جنہیں دنیاوی زندگی میں ہی یہ نعمتیں مل گئیں“ (1)۔ آپ ﷺ باوجود قدرت کے سب سے زیادہ دنیا سے اعراض کرنے والے تھے۔ جب بھی دنیاوی مال ومتاع آپ کے پاس آتا، آپ اسے فوراً خرچ کر دیتے اور آئندہ کل کے لئے کوئی چیز اپنے لئے بچا کر نہ رکھتے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ اندیشہ ”زھرۃ الدنیا“ کا ہے جس کے دروازے اللہ تعالیٰ تم پر کھول دے گا“۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! زھرۃ الدنیا سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: ”زمین کی برکات“۔ قتادہ اور سدی کہتے ہیں کہ ”زھرۃ“ سے مراد زیب وزینت ہے (2)۔ پھر نماز کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَاْمُرْ اَهْلَكَ ... یعنی اپنے گھر والوں کو نماز قائم کرنے کا حکم دیں تا کہ وہ عذاب سے محفوظ ہو جائیں اور خود بھی اس کی پابندی کریں جیسا کہ ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم: 6) ”اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ“۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رات میں ایک وقت مقرر کر رکھا تھا جس میں اٹھ کر آپ نماز تہجد ادا کرتے، راوی کہتے ہیں کہ بعض اوقات آپ نہ اٹھتے تو ہم کہتے کہ آپ آج حسب معمول نہیں اٹھیں گے۔ آپ جب بھی نماز تہجد کے لئے اٹھتے تو اپنے گھر والوں کو بھی بیدار کرتے اور اسی آیت وَاْمُرْ

1۔ صحیح بخاری، کتاب المظالم، جلد 3 صفحہ 174، صحیح مسلم، کتاب الطلاق، جلد 2 صفحہ 1106-1113　　2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 235-236

اَفَلَمْ... کی تلاوت کرتے (1)۔ فرمایا: لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ۔ یعنی جب تم نماز قائم کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی جگہ سے رزق عطا فرمائے گا جس کا تمہیں وہم وگمان بھی نہ ہوگا جیسا کہ فرمایا: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق: 3-2) ''اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے نجات کا راستہ بنا دیتا ہے اور اسے (وہاں سے) رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا'' اور فرمایا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۔ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ (الذاریات: 58-56) ''اور میں نے جن وانس کو پیدا نہیں کیا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔ ۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا اور بھرپور قوت والا ہے''۔ اس لئے فرمایا: لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ۔ ثوری اس کا یہ مفہوم بتاتے ہیں کہ ہم تمہیں کسی طلب کے مکلف نہیں بناتے۔ حضرت ہشام کے والد گرامی جب دنیا داروں کے پاس جاتے اور ان کی دنیاوی شان وشوکت کو دیکھتے تو واپس اپنے گھر آکر مذکورہ آیات کی تلاوت کرتے، پھر اپنے گھر والوں سے فرماتے، نماز پڑھیں، نماز پڑھیں، اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے (2)۔ نبی کریم ﷺ کو جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو آپ اپنے اہل خانہ کو آواز دیتے: اے میرے گھر والو! نماز پڑھو، نماز پڑھو۔ ثابت کہتے ہیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام کا ہمیشہ یہی معمول رہا۔ جب بھی انہیں کوئی معاملہ درپیش ہوتا، فوراً نماز پڑھنا شروع کر دیتے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! میری عبادت میں لگ جا، میں تمہارا سینہ خوشحالی سے بھر دوں گا اور تیرے فقر کو ختم کردوں گا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میں تیرے سینے کو فکر سے بھر دوں گا اور تمہارے فقر کے احساس کو ختم نہیں کروں گا'' (3)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو اپنے تمام فکر یکجا کر کے صرف آخرت کی فکر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ دنیاوی فکر میں اسے کافی ہو جاتا ہے اور جو شخص دنیا کی طرح طرح کی فکروں میں پڑ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوتا ہے'' (4)۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا جس کا مقصود بن جائے، اللہ تعالیٰ اس کے معاملات کو منتشر کر دیتا ہے اور اس کے احساس فقر کو ہمیشہ اس کی آنکھوں کے سامنے رکھتا ہے لیکن اس کے باوجود دنیا اسے صرف اس قدر ہی ملتی ہے جتنی اس کے مقدر میں لکھ دی گئی ہے اور آخرت جس شخص کا مطلوب ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے معاملات کو یکجا کر دیتا ہے، اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے'' (5)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى یعنی دنیا و آخرت میں اچھا انجام پرہیزگاروں کے لئے خاص ہے یعنی انہیں جنت عطا ہوگی۔ ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''آج رات میں نے خواب میں دیکھا گویا ہم عقبہ بن رافع کے گھر میں ہیں اور ابن طاب کے باغ کی تر کھجوریں ہمارے پاس لائی گئیں۔ میں نے اس سے یہ تعبیر اخذ کی ہے کہ دنیا میں عمدہ انجام اور رفعت ہمیں ہی نصیب ہوگی اور یہ کہ ہمارا دین پاک اور طیب ہے'' (6)۔

وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٣٣﴾ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ

1۔ موطا امام مالک، کتاب صلاۃ اللیل، جلد 1 صفحہ 119، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 614-613

2۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 614، تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 237-236

3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ القیامۃ جلد 7 صفحہ 286، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1376

4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1375

5۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1375

6۔ صحیح مسلم، کتاب الرؤیا، جلد 4 صفحہ 1779، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 306

قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ نَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَ مَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾

"اور کفار کہتے ہیں کہ (یہ نبی) کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس کوئی نشانی اپنے رب کے پاس سے۔ (ان سے پوچھو) کیا نہیں آ گیا ان کے پاس واضح بیان جو پہلی نازل شدہ کتابوں میں ہے۔ اور اگر ہم انہیں ہلاک کر دیتے کسی عذاب سے اس سے پہلے تو کہتے اے ہمارے رب! کیوں نہ بھیجا تو نے ہماری طرف کوئی رسول تا کہ ہم پیروی کرتے تیری آیتوں کی اس سے پہلے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہوئے۔ (اے حبیب!) آپ انہیں فرمایئے ہر شخص (انجام کا) منتظر ہے تو تم بھی انتظار کرو۔ تم عنقریب جان لو گے کون ہیں سیدھی راہ (پر چلنے) والے اور کون ہدایت یافتہ ہیں"۔

کفار یہ کہا کرتے تھے کہ یہ نبی (ﷺ) ہمارے پاس اپنے رب کی طرف سے کوئی ایسی نشانی کیوں نہیں لے آتے جو ان کی نبوت و رسالت کی صداقت پر دلالت کرے؟ اس کے جواب میں فرمایا: اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ..... یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن کریم آپ ﷺ پر نازل کیا، آپ تو امی ہیں، لکھنا پڑھنا نہیں جانتے اور نہ ہی آپ نے اہل کتاب سے سیکھا ہے۔ اس قرآن کریم میں پہلے لوگوں کے حالات مذکور ہیں بالکل اسی طرح جیسے سابقہ اصلی کتابوں میں ان کے حالات بیان ہوئے۔ قرآن کریم ان سب کتابوں پر نگہبان ہے، صحیح کی تصدیق کرتا ہے اور جھوٹ موٹ گھڑی ہوئی باتوں کو واضح طور پر بیان کر دیتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (العنکبوت: 51-50) "اور انہوں نے کہا کیوں نہ ان پر ان کے رب کی طرف سے نشانیاں اتاری گئیں، فرمایئے نشانیاں تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں اور میں صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ کیا انہیں یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب اتاری جو ان پر پڑھی جاتی ہے۔ اس میں مومنوں کے لئے رحمت اور نصیحت ہے"۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے ایسے معجزات عطا فرمائے جنہیں دیکھ کر لوگ ایمان لائے لیکن مجھے جو کچھ عطا کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی (قرآن کریم) ہے۔ مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے پیروکار تمام انبیاء سے زیادہ ہوں گے" (1)۔ یہاں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سب سے بڑا معجزہ (قرآن کریم) بیان ہوا ہے ورنہ آپ کے معجزات تو حد و شمار سے باہر ہیں جیسا کہ معجزات کے متعلق مخصوص کتابوں اور مخصوص مقامات پر ان کا تذکرہ موجود ہے۔ پھر فرمایا: وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ۔ یعنی اگر ہم اس رسول کریم ﷺ کو ان کی طرف بھیجنے اور ان پر یہ کتاب عظیم نازل کرنے سے پہلے، ان جھٹلانے والوں کو ہلاک کر دیتے تو یہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہلاک کرنے سے پہلے تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہ بھیجا تا کہ اس ذلت و رسوائی سے پہلے ہی ہم اس رسول پر ایمان لے آتے، اس کی اتباع کرتے اور تیری آیات کی پیروی کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ جھٹلانے والے ہٹ دھرم اور سرکش ہیں، یہ کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ ان کے پاس ہر قسم کی نشانی آ جائے، البتہ جب یہ دردناک عذاب دیکھیں گے تو اس وقت اپنے ایمان لانے کا اظہار کریں گے جیسا کہ فرمایا: وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَ اتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۔ ۔ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ (الانعام: 158-155)، وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۔ (الانعام: 110) "اور وہ پوری کوشش سے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آ گئی تو اس پر ضرور ایمان لائیں گے"۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6، صفحہ 224

آپ فرمایئے کہ نشانیاں صرف اللہ ہی کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو) تمہیں کیا خبر کہ جب یہ نشانی آ جائے گی تو بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے''۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ (فاطر:42) ''اور یہ اللہ کی سخت قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو وہ پہلی امتوں سے زیادہ ہدایت کو قبول کریں گے''۔ پھر فرمایا: قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ...... یعنی اے میرے پیارے رسول! آپ ان لوگوں سے فرمادیں جو آپکو جھٹلاتے ہیں، آپ کی مخالفت کرتے ہیں اور اپنے کفر و عناد پر ڈٹے ہوئے ہیں کہ ہم میں سے اور تم میں سے ہر ایک اپنے انجام کا منتظر ہے اس لئے تم بھی انتظار کرو اور عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون لوگ راہ راست پر گامزن اور ہدایت یافتہ ہیں، اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا (الفرقان:42) ''یہ جان لیں گے جب عذاب کو دیکھیں گے کہ کون راہ راست سے بھٹکا ہوا ہے''۔ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ (القمر:26) ''کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا، شیخی باز ہے''۔

سورۃ انبیاء (مکیہ)

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ کہف، سورۃ مریم، سورۃ طٰہٰ اور سورۃ انبیاء پہلے پہل نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہیں اور یہ میرا قدیمی جمع شدہ خزانہ ہیں۔(1)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝ مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۤ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۤ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۡ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ښ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝

"قریب آ گیا ہے لوگوں کے لئے ان کے (اعمال کے) حساب کا وقت اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں نہیں آتی ان کے پاس کوئی تازہ نصیحت ان کے رب کی طرف سے مگر یہ کہ وہ سنتے ہیں اسے اس حال میں کہ وہ (لہو) لعب میں (مگن) ہوتے ہیں۔ غافل ہوتے ہیں ان کے دل۔ اور (آپ کے خلاف) سرگوشیاں کرتے ہیں ظالم (وہ کہتے ہیں) کیا ہے یہ مگر ایک بشر تمہاری مانند۔ تو کیا تم پیروی کرنے لگے ہو جادو کی حالانکہ تم دیکھ رہے ہو۔ (کہ یہ تمہاری طرح بشر ہے (نبی کریم ﷺ نے) فرمایا میرا رب جانتا ہے جو بات کہی جاتی ہے آسمان اور زمین میں۔ اور وہی ہر بات سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ وہ کہتے ہیں بلکہ یہ پریشان خواب ہیں (نہیں) بلکہ اس نے خود گھڑا ہے اسے (نہیں) بلکہ وہ شاعر ہے۔ (اگر وہ سچا نبی ہے) تو لے آئے ہمارے پاس کوئی نشانی جس طرح بھیجے گئے تھے پہلے انبیاء۔ نہیں ایمان لائی ان سے پہلے کوئی بستی جسے ہم نے تباہ کیا تھا۔ تو کیا اب یہ لوگ ایمان لے آئیں گے"۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو متنبہ فرما رہا ہے کہ قیامت بالکل قریب آ چکی ہے لیکن وہ اس سے غافل ہیں، نہ وہ اس کے لئے عمل کر رہے ہیں اور نہ تیاری۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس فرمان فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ کے متعلق فرمایا کہ وہ دنیا میں مگن ہیں(2)۔ اور مقامات پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ (النحل:1) "قریب آ گیا ہے حکم الٰہی پس اس کے لئے عجلت نہ کرو"، اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (القمر:1) "قیامت قریب آ گئی اور چاند شق ہو گیا"۔ ابوالعتاہیہ اپنے ایک شعر میں کہتا ہے۔

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ انبیاء، جلد 6، صفحہ 121

2۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 3، صفحہ 249

اَلنَّاسُ فِیْ غَفَلَاتِهِمْ وَرَحَی الْمَنِیَّةِ تَطْحَنُ (1)

یعنی لوگ اپنی غفلتوں میں پڑے ہیں اور موت کی چکی چلتی پس جا رہی ہے۔ اس سے پوچھا گیا کہ تم نے یہ شعر کہاں سے اخذ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اس آیت اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ سے۔ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک عربی مہمان ٹھہرا، انہوں نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور رسول اللہ ﷺ سے اس کی سفارش بھی کی۔ دوبارہ جب یہ مہمان ان کے پاس آیا تو انہیں کہنے لگا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فلاں وادی عطا فرمادی ہے، میری خواہش ہے کہ میں اس میں سے کچھ حصہ آپ کے نام کردوں تاکہ یہ آپ کے اور آپ کے بعد آپ کی اولاد کے کام آئے۔ حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے تمہاری جاگیر کی کوئی ضرورت نہیں، آج ایک سورت نازل ہوئی ہے جس نے ہمیں دنیا سے غافل کردیا ہے پھر آپ نے یہی اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ .. تلاوت فرمائی (2)۔ قریش اور ان جیسے کفار کے متعلق بتایا کہ وہ اس وحی کو غور سے نہیں سنتے وہ اپنے رسول پر نازل کرتا ہے، فرمایا: مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ ... جیسے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اہل کتاب سے ان کی کتابوں کی باتیں کیوں پوچھتے ہو حالانکہ انہوں نے اپنی کتابوں میں تحریف، تبدیلی اور کمی بیشی کردی ہے اور تمہاری کتاب تازہ اور خالص آسمانی کتاب ہے جس میں اس قسم کی چیز کا شائبہ تک نہیں (3)۔ فرمایا: وَاَسَرُّوا یعنی ظالم آپس میں سرگوشیاں کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ تمہاری طرح بشر ہی ہیں اور کیا تم جادو کی پیروی کررہے ہو حالانکہ تمہیں اس بارے میں اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ جادو ہے۔ یہ لوگ آپ ﷺ کے مقام نبوت پر فائز ہونے کو محال سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ باقی لوگوں کو چھوڑ کر صرف انہیں ہی وحی کے ساتھ مختص کیوں کیا گیا ہے۔ اس افترا بازی اور کذب بیان کے جواب میں فرمایا: قٰلَ رَبِّیْ یَعْلَمُ یعنی وہ رب جو زمین و آسمان میں کہی گئی بات کو جانتا ہے، اس پر کوئی چیز مخفی نہیں ہوسکتی، وہی وہ ذات ہے جس نے ایسا قرآن کریم نازل کیا ہے جو اول و آخر تمام لوگوں کی خبروں پر مشتمل ہے اور اس جیسا کلام پیش کرنا کسی کے بس کا روگ نہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان میں موجود ہر امر سے واقف ہے۔ وہ لوگوں کی باتوں کو سننے والا اور ان کے حالات کو خوب جاننے والا ہے۔ اس فرمان وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ میں ان لوگوں کے لئے وعید ہے۔ پھر فرمایا: بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ کفار کی ہٹ دھرمی، الحاد، قرآن کریم کے متعلق ان کے اختلاف رائے، ان کی حیرت اور گمراہی کے متعلق بتایا جارہا ہے کہ کبھی تو وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن کریم جادو ہے، کبھی اسے شاعری قرار دیتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ یہ پریشان خواب ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ یہ خود ساختہ اور گھڑا ہوا ہے جیسا کہ فرمایا: اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا (بنی اسرائیل: 48) "دیکھئے یہ کس طرح آپ کے لئے مثالیں بیان کرتے ہیں پس وہ گمراہ ہوگئے اب وہ سیدھی راہ پر نہیں چل سکتے"۔ کفار حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام جیسے معجزات کا تقاضا کرتے ہوئے کہتے: فَلْیَاْتِنَا بِاٰیَةٍ ..... اس کے متعلق ارشاد ہوا: وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ (بنی اسرائیل: 59) "اور نہیں روکا ہمیں اس امر سے کہ ہم بھیجیں نشانیاں مگر اس بات نے کہ پہلوں نے انہیں جھٹلایا تھا"۔ اس لئے یہاں فرمایا: مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ ..... یعنی ان سے پہلے جس جس بستی کو ہم نے تباہ و برباد کیا، اس کی طرف پہلے ہم نے اپنے نبی کو معجزہ دے کر بھیجا لیکن وہ اس پر ایمان لانے کی بجائے اسے جھٹلانے لگے، چنانچہ اس کی پاداش میں ہم نے انہیں نیست و نابود کردیا۔ جب گزشتہ قومیں معجزات دیکھ

1۔ دیوان العتاھیہ: 429　　2۔ الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 615، حلیۃ الاولیاء، جلد 1، صفحہ 179

3۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9، صفحہ 187

لینے کے باوجود ایمان نہ لائیں تو کیا ان کفار کے متعلق یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ معجزات دیکھ لینے کے بعد ایمان لے آئیں گے؟ ہرگز نہیں، بلکہ ﴿إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ﴾ (یونس: 97-96) ''بے شک وہ لوگ جن پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ ان کے پاس ساری نشانیاں آ جائیں جب تک وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں''، دراصل وہ ایمان لانا ہی نہیں چاہتے تھے ورنہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں ایسے بے شمار روشن معجزات، قطعی دلائل اور واضح آیات کا مشاہدہ کر چکے تھے جو پہلے انبیاء کے معجزات اور دلائل سے زیادہ واضح، روشن اور قاہر ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہمارے ساتھ بیٹھے قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں عبداللہ بن ابی سلول (رئیس المنافقین) اپنی مسند اور تکیہ لئے آ دھمکا اور اپنی مسند اور تکیہ لگا کر بیٹھ گیا۔ وہ بہت خوبصورت، فصیح گفتگو کرنے والا اور بحث وتمحیص کرنے والا شخص تھا، کہنے لگا: اے ابوبکر! محمد (ﷺ) سے کہو کہ وہ ہمارے پاس کوئی معجزہ لائیں جیسا کہ پہلے انبیاء معجزات لے کر آئے۔ موسیٰ علیہ السلام تختیاں لے کر آئے، داؤد علیہ السلام زبور لائے، صالح علیہ السلام اونٹنی کا معجزہ لائے اور عیسیٰ علیہ السلام انجیل اور آسمانی دستر خوان لائے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے، اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ اپنے گھر سے نکلے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دوسرے صحابہ سے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ، ہم اس منافق کے مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے آپ ﷺ سے فریاد کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے لئے قیام نہ کیا جائے، قیام تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے''۔ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اس منافق سے ہمیں بہت تکلیف پہنچی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جبریل علیہ السلام نے ابھی مجھے کہا کہ باہر نکلئے اور جو انعامات اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر فرمائے ہیں اور جن فضائل سے آپ کو فضیلت بخشی ہے، انہیں بیان فرمائیے۔ مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں جنات کو بھی خبردار کروں، مجھے کتاب عطا کی گئی ہے حالانکہ میں امی ہوں، اللہ تعالیٰ نے میرے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف فرما دیئے۔ اس نے میرا نام اذان میں شامل کیا، مجھے ملائکہ کے ذریعے امداد بہم پہنچائی، اپنی فتح ونصرت سے مجھے نوازا، میرا رعب میرے سامنے کر دیا، مجھے کوثر مرحمت فرمایا، میرے حوض کو قیامت کے دن سب سے بڑا بنا دیا، میرے ساتھ مقام محمود کا وعدہ فرمایا جبکہ لوگ پریشان حال سر جھکائے ہوئے ہوں گے، اس نے مجھے پہلے گروہ میں رکھا ہے جو لوگوں سے نکلے گا، میری شفاعت سے میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے، اس نے مجھے سلطنت اور ملک عطا فرمایا، نعمتوں بھری جنت میں مجھے سب سے اعلیٰ بالا خانہ عطا فرمایا، مجھ سے اوپر صرف عرش کو اٹھانے والے فرشتے ہوں گے، میرے لئے اور میری امت کے لئے غنیمتوں کو حلال کیا حالانکہ ہم سے پہلے کسی کے لئے انہیں حلال نہ کیا گیا۔'' یہ حدیث بہت غریب ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ ۖ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ ۝ ثُمَّ صَدَقْنَاهُمُ الْوَعْدَ فَأَنجَيْنَاهُمْ وَمَن نَّشَاءُ وَأَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِينَ ۝

''اور نہیں رسول بنا کر بھیجا ہم نے (اے حبیب!) آپ سے پہلے مگر مردوں کو ہم نے وحی بھیجی ان کی طرف پس (اے

منکرو!) پوچھو اہل علم سے اگر تم (خود حقیقت حال کو) نہیں جانتے۔ اور نہیں بنائے ہم نے ان انبیاء کے (ایسے) جسم کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ ہی وہ (اس دنیا میں) ہمیشہ رہنے والے تھے۔ پھر ہم نے سچا کر دکھایا انہیں (جو) وعدہ (ہم نے ان سے کیا تھا) پس ہم نے نجات دی انہیں اور ان لوگوں کو جن کو ہم نے (بچانا) چاہا اور ہم نے ہلاک کر دیا حد سے بڑھنے والوں کو۔"

کسی بشر کے منصب رسالت پر فائز ہونے کا انکار کرنے والوں کا رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ یعنی گزشتہ تمام انبیاء و رسل بشر ہی تھے اور ان میں سے کوئی ایک بھی فرشتہ نہ تھا جیسا کہ فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ (یوسف:101) "اور ہم نے (رسول بنا کر) نہیں بھیجے آپ سے پہلے مگر مرد جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی"۔ اور فرمایا: قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (الاحقاف:9) "فرمایئے میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں"، پہلی امتیں بھی انکار کرتے ہوئے کہا کرتی تھیں: اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا (التغابن:6) "کیا انسان ہماری رہنمائی کریں گے"۔ اس لئے فرمایا: فَسْـَٔلُوْٓا یعنی سابقہ کتب کے حاملین یہود، نصاری اور دیگر قوموں سے پوچھ لو کہ ان کی طرف جو رسول آئے تھے، کیا وہ بشر تھے یا فرشتے۔ وہ تمہیں یہی بتائیں گے کہ تمام رسول بشر تھے اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق پر بہت بڑا انعام ہے کہ اس نے انسانوں میں سے ہی رسول بنا کر ان کی طرف مبعوث فرمائے تاکہ وہ ان سے تعلیمات ربانی اخذ کر سکیں۔ مزید فرمایا: وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا یعنی انہیں نے ایسے اجساد بنا دیئے جو کھانا کھایا کرتے تھے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ (الفرقان:20) "اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے رسول مگر وہ سب کھانا کھایا کرتے تھے اور بازاروں میں چلا پھرا کرتے تھے"۔ یعنی وہ بشر تھے جو باقی لوگوں کی طرح کھاتے پیتے اور کسب معاش اور تجارت کے لئے بازاروں میں بھی جاتے۔ یہ چیز ان کے لئے نہ باعث ضرر ہے اور نہ باعث نقص جیسا کہ مشرکین نے ایسا خیال ظاہر کرتے ہوئے کہا: مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا (الفرقان:7) "اس رسول کو کیا ہوا ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، ایسا کیوں نہ ہوا کہ اس کی طرف کوئی فرشتہ اتارا جاتا اور وہ اس کے ساتھ مل کر ڈراتا یا اس کی طرف کوئی خزانہ اتارا جاتا یا اس کا ایک باغ ہی ہوتا جس سے وہ کھاتا"۔ پھر فرمایا: وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ یعنی دنیا میں ہم نے انہیں خلود اور ہمیشگی نہیں عطا فرمائی بلکہ دنیا میں اپنی زندگی بسر کرنے کے بعد وصال کر گئے جیسا کہ فرمایا: وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ (الانبیاء:34) "اور ہم نے آپ سے پہلے کسی انسان کے لئے ہمیشہ رہنا مقدر نہیں کیا"۔ بشر ہونے کے باوجود ان حضرات کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی اور فرشتے ان کے پاس آ کر احکام الٰہی پہنچا دیتے۔ پھر فرمایا: ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ یعنی ظالموں کی ہلاکت کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کر رکھا تھا، اسے اللہ تعالیٰ نے پورا فرما دیا اور انہیں اور ان کے مومن پیروکاروں کو نجات عطا فرمائی اور انہیں جھٹلانے والوں کو نیست و نابود کر دیا۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۝ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ

اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿۱۵﴾

''بے شک ہم نے اتاری تمہاری طرف ایک کتاب جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے۔ کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔ اور کتنی بستیاں ہم نے برباد کر دیں (کیونکہ) وہ ظالم تھیں اور ہم نے پیدا فرما دی ان (کی بربادی) کے بعد ایک دوسری قوم۔ پس جب انہوں نے محسوس کیا ہمارا عذاب تو فوراً انہوں نے وہاں سے بھاگنا شروع کر دیا۔ اب مت بھاگو اور واپس لوٹو ان آسائشوں کی طرف جو تمہیں دی گئی تھیں اور (لوٹو) اپنے مکانوں کی طرف تاکہ تم سے باز پرس کی جائے۔ کہنے لگے وائے شومئ قسمت! ہم ہی ظالم تھے۔ پس وہ یونہی شور و پکار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم نے انہیں کٹے ہوئے کھیت (اور) بجھے ہوئے (انگاروں) کی طرح کر دیا۔''

اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے شرف پر آگاہ کرتے ہوئے اور اس کی قدر و منزلت کی معرفت پر ترغیب دلاتے ہوئے فرماتا ہے: لَقَدْ اَنْزَلْنَآ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول ذکر کا معنی شرف ہے، مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد تمہاری باتیں ہیں اور حسن فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تمہارا دین ہے۔ فرمایا: اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ یعنی کیا تم اس نعمت کو نہیں سمجھتے اور قبول نہیں کرتے، اور مقام پر فرمایا: وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ (الزخرف:44) '' اور بے شک یہ آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے بڑا شرف ہے اور تم سے جواب طلبی ہوگی''۔ فرمایا: وَكَمْ قَصَمْنَا ''کم'' یہاں تکثیر کا فائدہ دے رہا ہے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ (بنی اسرائیل:18) ''اور نوح کے بعد کتنی قومیں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا''، فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ فَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا (الحج:45) ''پس کتنی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے تہ و بالا کر ڈالا کیونکہ وہ ظالم تھیں تو اب وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں''۔ مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے بہت ہی ظالم بستیوں کو تباہ و برباد کر دیا اور ان کے بعد ایک اور قوم کو پیدا کر دیا، جب انہیں یقین ہو گیا کہ نبی کے وعدہ کے مطابق اب وہ لامحالہ عذاب کی لپیٹ میں آنے والے ہیں تو ادھر ادھر بھاگنے دوڑنے لگے، فرمایا: لَا تَرْكُضُوْا ان سے استہزاء کرتے ہوئے اور انہیں ڈانٹتے ہوئے یہ فرمایا کہ اب عذاب سے بھاگو نہیں بلکہ اپنی عیش و عشرت کے سامان اور اپنے مکانوں کی طرف لوٹو تاکہ تم سے ان انعامات کے متعلق باز پرس کی جائے۔ وہ کہنے لگے: يٰوَيْلَنَآ یعنی انہوں نے اس وقت اپنے گناہوں کا اعتراف کیا جس وقت ایسا کرنا بے سود تھا۔ پھر اسی طرح وہ چیخ و پکار کرتے ہوئے اپنے ظلم کا اعتراف کرتے رہے یہاں تک کہ انہیں کٹے ہوئے کھیت کی طرح تباہ و برباد کر دیا گیا، ان کی حرکات ختم اور ان کی آوازیں خاموش ہو گئیں۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾

''اور نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، دل لگی کرتے ہوئے۔ اگر ہمیں یہ منظور ہوتا کہ ہم (اس کائنات کو) کھیل تماشہ بنائیں تو ہم بنا لیتے اسے خود بخود (ہمیں کون روک سکتا تھا) مگر ہم ایسا کرنے والے نہیں ہیں۔

بلکہ ہم تو چوٹ لگاتے ہیں حق سے باطل پر پس وہ اسے کچل دیتا ہے اور وہ یکایک نابود ہو جاتا ہے۔ اور (اے باطل پرستو!) تمہارے لئے ہلاکت ہے، ان (ناز یبا) باتوں کے باعث جو تم بیان کرتے ہو۔ اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور جو (فرشتے) اس کے نزدیک ہیں وہ ذرا سرکشی نہیں کرتے اس کی عبادت سے اور نہ ہی وہ تھکتے ہیں۔ وہ (اس کی) پاکی بیان کرتے رہتے ہیں رات دن اور وہ اکتاتے نہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو حق اور عدل کے ساتھ پیدا فرمایا تا کہ وہ بدکاروں کو سزا اور نیکوکاروں کو عمدہ اجر سے نوازے۔ اس نے انہیں فضول، بے کار اور کھیل تماشے کے طور پر پیدا نہیں کیا جیسا کہ فرمایا: وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذَٰلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ (ص:24) اگلی آیت میں فرمایا: لَوْ أَرَدْنَا أَن نَّتَّخِذَ لَهْوًا مجاہد کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت، دوزخ، موت، دوبارہ زندہ کئے جانے اور حساب کتاب کو کھیل تماشہ کے طور پر نہیں بنایا۔ حسن اور قتادہ وغیرہ کہتے ہیں کہ اہل یمن کی زبان میں "لہو" کا معنی عورت ہے۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اگر ہم بیوی بنانا چاہتے تو حوروں میں سے کسی کو بنا لیتے۔ عکرمہ اور سدی کے بقول یہاں "لہو" کا معنی اولاد ہے۔ یہ دونوں معانی لازم وملزوم ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: لَّوْ أَرَادَ اللَّهُ أَن يَتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفَىٰ مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ سُبْحَانَهُ ۖ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (الزمر:4) "اگر اللہ تعالیٰ کسی کو بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا، وہ پاک ہے، وہی اللہ ہے جو ایک ہے سب سے زبردست"۔ اللہ تعالیٰ نے علی الاطلاق اپنی ذات سے بیٹا بنانے کی نفی کرتے ہوئے اس سے اپنی پاکی بیان فرمائی ہے خصوصاً ان لوگوں کے بہتان، افترا پردازی اور جھوٹ سے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت عزیر علیہ السلام یا فرشتوں کو اس کی اولاد ٹھہراتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی ناروا باتوں اور خرافات سے بہت ہی بلند اور اعلیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان إِن كُنَّا فَاعِلِينَ میں "ان" نافیہ ہے، بلکہ مجاہد تو کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں ہر جگہ "ان" نفی کے لئے ہے۔ پھر فرمایا: بَلْ نَقْذِفُ یعنی ہم حق کو خوب واضح کر دیتے ہیں تو وہ باطل کو کچل کر رکھ دیتا ہے اور وہ یکایک ناپید اور مضمحل ہو جاتا ہے اور اے وہ لوگو جو اللہ تعالیٰ کی اولاد کے قائل ہو! تمہاری ناروا باتوں اور افترا پردازیوں کے باعث تمہارے لئے ہلاکت اور بربادی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ملائکہ کی عبودیت اور دن رات ان کے مصروف عبادت رہنے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَلَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ یعنی فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نہ تو سرکشی کرتے ہیں اور نہ کوئی عار محسوس کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: لَّن يَسْتَنكِفَ الْمَسِيحُ أَن يَكُونَ عَبْدًا لِّلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ ۚ وَمَن يَسْتَنكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا (النساء:172) "ہرگز عار نہ سمجھے گا مسیح کہ وہ بندہ ہو اللہ کا اور نہ ہی مقرب فرشتے اور جسے اس کی بندگی سے عار ہو اور وہ تکبر کرے تو اللہ جلد ہی ان سب کو اپنے پاس جمع کرے گا"۔ یہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے نہ تھکتے ہیں اور نہ اکتاتے ہیں بلکہ دن رات اس کی اطاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نیت اور عمل دونوں سے اس کی بندگی میں مصروف ہیں اور اس پر انہیں پوری پوری قدرت حاصل ہے جیسا کہ فرمایا: لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (التحریم:6) "نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اس نے انہیں حکم دیا ہے اور فوراً بجا لاتے ہیں جو انہیں حکم ہوتا ہے"۔ ابن ابی حاتم میں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محفل میں تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تم وہ سنتے ہو جو میں سنتا ہوں"؟ صحابہ نے عرض کی کہ ہمیں تو کوئی چیز سنائی نہیں دے رہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں آسمان کی چرچراہٹ سن رہا ہوں اور یہ اس بات کا سزاوار ہے کہ چرچرائے کیونکہ اس میں ایک بالشت بھر بھی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ سجدہ یا قیام میں نہ ہو"۔ یہ

حدیث غریب ہے۔ عبداللہ بن حارث بن نوفل بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت کعب الاحبار کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اس وقت میں کمسن تھا۔ میں نے ان سے اس آیت یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ کے متعلق سوال کرتے ہوئے دریافت کیا کہ گفتگو کرنا، اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا اور عمل کرنا کیا انہیں تسبیح سے مشغول نہیں کرتا؟ وہ پوچھنے لگے کہ یہ بچہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ بنو عبدالمطلب سے ہے۔ انہوں نے میرے سر کو چوما اور فرمایا: بیٹے! فرشتوں کی تسبیح ایسے ہی ہے جس طرح ہم سانس لیتے ہیں۔ کیا تم سانس لیتے ہوئے گفتگو نہیں کرتے اور کیا تم سانس لینے کی حالت میں چلتے پھرتے نہیں؟ (1)

اَمِ اتَّخَذُوْۤا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ یُنْشِرُوْنَ ۝ لَوْ كَانَ فِیْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْـَٔلُوْنَ ۝

”کیا بنا لیے ہیں انہوں نے خدا (اہل) زمین سے جو مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں۔ اگر ہوتے زمین و آسمان میں کوئی اور خدا سوائے اللہ تعالیٰ کے تو یہ دونوں برباد ہو جاتے۔ پس پاک ہے اللہ تعالیٰ جو عرش کا رب ہے ان تمام نازیبا باتوں سے جو وہ کرتے ہیں۔ نہیں پرسش کی جا سکتی اس کام کے متعلق جو وہ کرتا ہے اور ان (تمام) سے باز پرس ہو گی“۔

اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے، فرمایا: اَمِ اتَّخَذُوْۤا۔ یعنی کیا ان کے گھڑے ہوئے خدا زمین سے مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، انہیں تو اس پر بالکل قدرت حاصل نہیں۔ جب ان کی بے بسی کا یہ عالم ہے تو انہوں نے کیونکر انہیں اللہ تعالیٰ کا مدمقابل بنا کر اس کے ساتھ انہیں شریک عبادت کر لیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ اگر زمین و آسمان میں اس کے سوا کوئی اور خدا ہوتا تو یہ تباہ و برباد ہو جاتے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوْنَ (المومنون: 91) ”اللہ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے ورنہ ہر خدا اپنی پیدا کی ہوئی چیز کو لے جاتے اور وہ خدا ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے ان باتوں سے جو وہ بیان کرتے ہیں“ اور یہاں فرمایا: فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ ..... یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی اس افترا پردازی سے کہ اس کی اولاد ہے یا اس کا کوئی شریک ہے، بہت ہی بلند تر، منزہ اور پاک ہے۔ پھر فرمایا: لَا یُسْـَٔلُ ... یعنی وہ ایسا حاکم ہے کہ کوئی اس کے حکم کو مسترد نہیں کر سکتا اور نہ کوئی اس کی عظمت، جلال، کبریائی، علم، حکمت، عدل اور لطف و کرم کے پیش نظر، اس پر معترض ہو سکتا ہے بلکہ وہ لوگوں سے ان کے اعمال کے متعلق باز پرس کرے گا جیسا کہ فرمایا: فَوَ رَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۙ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (الحجر: 93-92) ”پس آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ان اعمال کے متعلق پوچھیں گے جو وہ کیا کرتے تھے“۔ اسی طرح فرمایا: وَ هُوَ یُجِیْرُ وَ لَا یُجَارُ عَلَیْهِ (المومنون: 88) ” اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کی مرضی کے خلاف پناہ نہیں دی جا سکتی“۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ وَ ذِكْرُ مَنْ قَبْلِیْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْۤ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝

1۔ تفسیر طبری، جلد 17، صفحہ 13-12

"کیا انہوں نے بنا لئے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود۔ (اے حبیب!) آپ (انہیں) فرمایئے پیش کرو اپنی دلیل۔ یہ قرآن جو نصیحت ہے میرے ساتھ والوں کے لئے اور دوسری کتب جو نصیحت ہیں میرے پیشرؤوں کے لئے (سب موجود ہیں ان کا کوئی حوالہ دو) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر حق کو نہیں جانتے۔ اس لئے وہ (اس سے) منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور معبود بنا لئے ہیں، آپ ان سے فرما دیں کہ اس کی کوئی دلیل لاؤ۔ یہ قرآن کریم اور دیگر آسمانی کتب موجود ہیں جو تمہارے زعم باطل کی تردید کر رہی ہیں۔ ہر نبی پر اترنے والی کتاب میں تو یہی مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں لیکن اے مشرکو! تم حق کو نہیں جانتے، اس لئے اس سے روگردانی کر رہے ہو، اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ (الزخرف:45) "اور آپ ان سے پوچھئے جنہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں سے کہ کیا ہم نے رحمن کے علاوہ اور خدا بنائے ہیں تاکہ ان کی پوجا کی جائے"۔ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل:36) "اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (جو انہیں تعلیم دے) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے دور رہو"۔ ہر نبی کی یہی دعوت ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور فطرت بھی اس چیز کی شاہد ہے جبکہ مشرکین کے پاس کوئی دلیل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی تمام حجتیں بے کار اور باطل ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾

"وہ کہتے ہیں بنا لیا ہے رحمن نے (اپنے لئے) بیٹا سبحان اللہ! (یہ کیونکر ہو سکتا ہے) بلکہ وہ تو (اس کے) معزز بندے ہیں۔ نہیں سبقت کرتے اس سے بات کرنے میں اور وہ اسی کے حکم پر کاربند ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے گزر چکا ہے اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کے لئے جسے وہ پسند فرمائے اور وہ (اس کی بے نیازی کے باعث) اس کے خوف سے ڈر رہے ہیں۔ اور جو ان میں سے یہ کہے کہ میں خدا ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا تو اسے ہم سزا دیں گے جہنم کی۔ یونہی ہم سزا دیا کرتے ہیں ظالموں کو"۔

بعض عربوں کا خیال تھا کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ اس زعم باطل اور بہتان صریح کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اس سے منزہ، مقدس اور پاک ہے بلکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے معزز بندے ہیں جنہیں اس کے ہاں جلیل القدر اور بلند مقام حاصل ہے اور وہ اپنے قول و فعل کے ذریعے ہر وقت اس کی اطاعت بجا لاتے ہیں۔ نہ تو وہ کسی امر میں اس سے آگے بڑھتے ہیں اور نہ وہ اس کے کسی

حکم کی مخالفت کرتے ہیں بلکہ فوراً اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم سے ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اس پر ان کی کوئی بات مخفی نہیں۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ پھر فرمایا: وَلَا يَشْفَعُوْنَ اسی طرح دیگر مقامات پر فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (البقرۃ:255) ''کون ہے جو اس کے ہاں سفارش کرسکے مگر اس کی اجازت سے''، وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ (سبا:23) ''اور نفع دے گی سفارش اس کے ہاں مگر جس کے لئے اس نے اجازت دی ہے''۔ اس مضمون کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔ پھر فرمایا: وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ یعنی ان میں سے جو اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ میں بھی خدا ہوں تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ایسی ناروا بات کرنے والے ہر ظالم کی یہی جزا ہے۔ یہ بات بطور شرط ہے اور شرط کے لئے ضروری نہیں کہ اس کا وقوع بھی ہو جیسے کہ فرمایا: قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ (الزخرف:81) ''فرمادیجئے اگر (بالفرض) رحمٰن کا کوئی بچہ ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کا پجاری ہوتا''۔ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الزمر:65) ''اگر (بفرض محال) آپ نے بھی شرک کیا تو ضائع ہو جائیں گے آپ کے اعمال اور آپ بھی خاسرین میں سے ہو جائیں گے''۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۠ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا السَّمَاۗءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ښ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝

''کیا کبھی غور نہیں کیا کفر وانکار کرنے والوں نے کہ آسمان اور زمین آپس میں ملے ہوئے تھے پھر ہم نے الگ الگ کر دیا انہیں۔ اور ہم نے پیدا فرمائی پانی سے ہر زندہ چیز۔ کیا وہ اب بھی ایمان نہیں لاتے۔ اور ہم نے بنادیئے زمین میں بڑے بڑے پہاڑ تاکہ زمین لرزتی نہ رہے ان کے ساتھ۔ اور بنادیں ہم نے ان پہاڑوں میں کشادہ راہیں تاکہ وہ (اپنی منزل مقصود کا) راستہ پاسکیں۔ اور ہم نے بنایا آسمان کو ایک چھت جو (شکست وریخت سے) محفوظ ہے۔ اور وہ لوگ (اب بھی) اس کی نشانیوں سے روگردانی کئے ہوئے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے پیدا فرمایا لیل ونہار کو اور مہر وماہ کو سب (اپنے اپنے) مدار میں تیر رہے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اشیاء کی تخلیق پر اپنی قدرت کاملہ اور تمام مخلوقات پر اپنے غلبہ کے متعلق آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا یعنی اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا انکار کرنے والے اور اس کے ساتھ غیروں کو شریک عبادت کرنے والے کیا یہ نہیں جانتے کہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا اور ہر چیز کی تدبیر کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے تو پھر یہ کیسے مناسب ہے کہ اس کے ساتھ اوروں کی عبادت کی جائے یا کسی اور کو اس کا شریک ٹھہرایا جائے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ آسمان اور زمین پہلے باہم دگر پیوست تھے اور ان کے اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو الگ الگ کر دیا۔ سات آسمان الگ اور سات زمینیں الگ۔ آسمان دنیا اور زمین کو

ہوا کے ذریعے جدا کر دیا۔ آسمان بارش برسانے لگا اور زمین انواع و اقسام کی چیزیں اگانے لگی اس لئے فرمایا: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ ... یعنی ہم نے ہر زندہ چیز پانی سے پیدا کی۔ یہ لوگ اپنی آنکھوں سے مختلف چیزوں کو وجود میں آتے ہوئے اور بڑھتے ہوئے دیکھتے رہتے ہیں، اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لاتے حالانکہ یہ تمام چیزیں ایک خود مختار اور ہر قسم کی قدرت والے خالق پر دلالت کرتی ہیں اور ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی نشانی اور دلیل موجود ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا رات پہلے تھی یا دن؟ آپ نے فرمایا کہ زمین و آسمان پہلے جڑے ہوئے تھے، اس لئے ان میں تاریکی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ چنانچہ اس سے ثابت ہوا کہ رات دن سے پہلے تھی (1)۔ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا کہ تم اس کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کرو۔ جو جواب وہ دیں، وہ مجھے آکر بھی بتاؤ۔ چنانچہ وہ شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس آیت کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ آسمان کا منہ بند تھا، اس سے بارش نہیں برستی تھی اور اسی طرح زمین کا بھی منہ بند تھا، اس سے کوئی چیز نہیں اگتی تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کے مکینوں کو پیدا کیا تو آسمان کو بارش کے ساتھ اور زمین کو نباتات کے ساتھ کھول دیا۔ یہ تفسیر سن کر وہ شخص واپس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور اس سے آپ کو آگاہ کیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم کا خصوصی اور وافر علم عطا ہوا ہے، انہوں نے بالکل درست تفسیر بیان کی ہے، مجھے کبھی کبھی یہ خیال آتا تھا کہ تفسیر قرآن کے معاملہ میں ابن عباس کی جرأت کچھ زیادہ ہی ہے لیکن اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ قرآنی علوم کا انہیں وافر حصہ مرحمت ہوا ہے (2)۔ عطیہ عوفی بھی یہی کہتے ہیں کہ پہلے آسمان سے بارش نہیں برستی تھی، پھر بارش برسنے لگی، اسی طرح پہلے زمین کچھ نہیں اگاتی تھی پھر نباتات اگانے لگی۔ اسماعیل بن ابی خالد کہتے ہیں کہ میں نے ابو صالح حنفی سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ پہلے ایک ہی آسمان تھا، اس سے پھر اللہ تعالیٰ نے سات آسمان بنا دیئے اور اسی طرح زمین بھی پہلے ایک ہی تھی، اسے پھر کر اللہ تعالیٰ نے سات زمینیں بنا دیں۔ مجاہد اس کے علاوہ یہ بھی کہتے ہیں کہ زمین و آسمان باہم ملے ہوئے نہیں تھے لیکن حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زمین و آسمان پہلے ایک دوسرے کے ساتھ چپکے ہوئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بلند کر کے زمین کو اس سے جدا کر دیا، اسی چیز کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے اور یہی فَفَتَقْنٰهُمَا کا مطلب ہے۔ حضرات حسن و قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں ملے ہوئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ہوا کے ذریعے دونوں کو الگ الگ کر دیا۔ پھر فرمایا: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ ... یعنی تمام جانداروں کی اصل پانی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! جب میں آپ کی زیارت کرتا ہوں تو میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں اور میرا دل مسرور ہو جاتا ہے۔ آپ ہمیں ہر چیز کی اصلیت کے متعلق آگاہ فرمائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر چیز پانی سے پیدا کی گئی" (3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مزید یہ عرض کی کہ آپ مجھے ایسا عمل بتائیں جس کے کرنے سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سلام کو عام کرو۔ کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو اور رات کے وقت نماز پڑھا کرو جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں پھر سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ" (4)۔ پھر فرمایا: وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ یعنی ہم نے زمین میں پہاڑ گاڑ کر اسے قرار بخشا اور مضبوط کر دیا تاکہ یہ ہرزتی اور ڈولتی نہ رہے جس

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 19

2۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 625

3۔ مستدرک حاکم، کتاب البر والصلة، جلد 4 صفحہ 160، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 626

4۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 295، 323، 324-493

کے باعث اس کے مکینوں کو قرار ہی نصیب نہ ہو۔ زمین کا تین چوتھائی حصہ پانی میں ہے اور صرف ایک چوتھائی حصہ ہوا اور سورج کے لئے ظاہر اور کھلا ہوا ہے تاکہ لوگ آسمان، اس کے عجائبات اور اس میں موجود قدرت کی آیات بینات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر سکیں۔ آگے فرمایا: وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا یعنی ہم نے پہاڑوں میں درے اور کشادہ رستے بنا دیئے تاکہ لوگ ایک علاقہ سے دوسری علاقہ کا اور ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ملاحظہ کریں کہ اس نے لوگوں کی آمد و رفت ممکن بنانے کے لئے مختلف شہروں اور علاقوں کے درمیان حائل پہاڑوں میں کشادہ اور کھلے راستے بنا دیئے، اور آسمان کو زمین پر قبہ جیسی محفوظ چھت بنا دیا، اس لئے فرمایا: وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ (الذاریات: 47) ”اور آسمان کو ہم نے ہاتھوں سے بنایا اور بے شک ہم وسعت دینے والے ہیں“۔ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا (الشمس: 5) ”اور قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے والے کی“، اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ (ق: 6) ”تو کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہ دیکھا ہم نے اسے کیسے بنایا اور سنوارا اور اس میں کہیں رخنہ نہیں“۔ بناء کا معنی ہے قبہ اور خیمہ کھڑا کرنا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بُنِيَ الاسلامُ علی خمسٍ“ یعنی اسلام کی بناء پانچ ستونوں پر قائم ہے۔ ایسا خیموں میں ہوتا ہے جیسا کہ عرب خیمے نصب کرتے وقت کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو ایسی چھت بنایا ہے جو ہر قسم کی دست برد سے محفوظ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ آسمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ایسی موج جو تم سے روک دی گئی ہے“۔ اس کی سند غریب ہے۔ پھر فرمایا: وَهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ایک اور جگہ فرمایا: وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ (یوسف: 105) ”اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر یہ گزرتے ہیں اور وہ ان سے روگردانی کیے ہوتے ہیں“۔ یعنی یہ لوگ اس وسیع اور بلند آسمان میں غور و فکر نہیں کرتے جسے ستاروں کے ساتھ آراستہ کیا گیا ہے، ان میں سے بعض ساکن ہیں اور بعض متحرک، اسی طرح اس میں سورج جڑا ہوا ہے جو اپنے مدار میں حرکت کرتا ہوا چوبیس گھنٹوں میں اپنا چکر مکمل کرتا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا یہ اسی طرح گردش کرتا رہے گا۔ ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”التفکر والاعتبار“ میں بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک عابد تیس سال تک عبادت کرتا رہا۔ ان میں سے جب کوئی شخص تیس سال عبادت کرتا تو بادل اس پر سایہ فگن ہو جایا کرتا تھا لیکن اس عابد کے ساتھ ایسا نہ ہوا تو اس نے اپنی ماں سے اس کی شکایت کی اس نے کہا: اے میرے بیٹے! تم نے اپنی عبادت کی اس مدت میں ممکن ہے کوئی گناہ کر لیا ہو۔ اس نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ میں نے کوئی گناہ کیا ہے۔ اس کی ماں نے کہا کہ ممکن ہے تم نے کسی گناہ کا قصد کیا ہو۔ اس نے کہا: نہیں۔ ماں نے کہا کہ پھر ممکن ہے تم نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی ہو اور بغیر فکر و تدبر کے واپس لوٹا لی ہو۔ وہ کہنے لگا: ہاں، ایسا تو متعدد بار ہوا۔ اس کی ماں نے کہا: بس یہی وجہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی چند نشانیوں پر آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہی رات کو پیدا کر کے اس میں تاریکی اور سکون رکھ دیا اور دن کو پیدا کر کے اس میں روشنی اور انس فراہم کر دیا، کبھی دن طویل اور کبھی رات طویل، کبھی دن چھوٹا اور کبھی رات چھوٹی، یہ سلسلہ پیہم اسی طرح چلتا رہتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مہر و ماہ کی تخلیق کی۔ دونوں میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ نور، مدار، حرکت، رفتار اور وقت مخصوص ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر ایک اپنے اپنے مدار میں یوں گھوم رہا ہے جیسے چرخے میں تکلہ (1)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ

1۔ الدرالمنثور، جلد 5، صفحہ 628-627

الْعَلِيمِ (الانعام:97) ''وہ صبح کو نکالنے والا ہے اور اسی نے رات کو باعث سکون اور سورج اور چاند کو حساب کے لئے بنایا۔ یہ اندازہ ہے سب سے زبردست، سب کچھ جاننے والے کا''۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۝

''اور نہیں مقدر کیا ہم نے کسی انسان کے لئے جو آپ سے پہلے گزرا (اس دنیا میں) ہمیشہ رہنا۔ تو اگر آپ انتقال فرما جائیں تو کیا یہ لوگ (یہاں) ہمیشہ رہنے والے ہیں ہر نفس موت (کا مزہ) چکھنے والا ہے۔ اور ہم خوب آزماتے ہیں تمہیں برے اور اچھے حالات سے دوچار کر کے۔ اور (آخر کار) تم سب کو ہماری طرف ہی لوٹ آنا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے دنیا میں کسی بشر کے لئے دوام اور خلود مقدر نہیں کیا بلکہ ہر چیز فانی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس آیت سے ہی ان علماء نے استدلال کیا ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام وفات پا گئے ہیں اور ابھی تک زندہ نہیں۔ خواہ وہ ولی ہوں، یا نبی ہوں یا رسول ہوں، بہر حال تھے تو بشر ہی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ ... پھر فرمایا: أَفَإِنْ مِّتَّ ۔ یعنی اے میرے رسول ﷺ! اگر آپ وفات پا جائیں تو کیا یہ آپ کے بعد ہمیشہ رہنے کی آس لگائے بیٹھے ہیں، ایسا کبھی بھی نہیں ہو سکتا بلکہ ہر ایک کو فنا ہونا ہے، اس لئے فرمایا: كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی دو اشعار میں ہے: ''لوگ میری موت کی تمنا کرتے ہیں۔ اگر میں مر جاؤں تو یہ ایسا رستہ نہیں جس کا تنہا میں ہی مسافر ہوں، اگر کوئی اس کے برعکس کا خواہشمند ہے تو اسے بتا دو کہ ایسے ہی رستہ پر چلنے کی تیاری کر لو''(1)۔ پھر فرمایا: وَنَبْلُوكُمْ ۔ یعنی ہم تمہیں کبھی مصائب میں مبتلا کر کے آزماتے ہیں اور کبھی نعمتوں سے نوازکر، تاکہ ہم دیکھیں کہ کون شکر ادا کرتا ہے اور کون ناشکری کرتا ہے، کون صبر کرتا ہے اور کون ناامید ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم تمہیں تنگدستی اور خوشحالی، صحت اور بیماری، دولت اور فقر، حلال اور حرام، اطاعت اور معصیت اور ہدایت اور گمراہی کے ساتھ آزماتے ہیں اور ہماری طرف ہی تمہیں لوٹنا ہے اور ہم تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دیں گے(2)۔

وَإِذَا رَآكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ۖ أَهَٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ ۖ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ هُمْ كَافِرُونَ ۝ خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۚ سَأُرِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ۝

''اور جب دیکھتے ہیں آپ کو وہ جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے تو آپ سے بس تمسخر کرنے لگتے ہیں۔ (کہتے ہیں) کیا یہی وہ صاحب ہیں جو (برائی سے) ذکر کیا کرتے ہیں تمہارے خداؤں کا۔ حالانکہ وہ (کفار) رحمٰن کے ذکر سے خود (یکسر) انکاری ہیں۔ انسان کی سرشت میں ہی جلد بازی ہے۔ میں عنقریب تمہیں (خود ہی) اپنی نشانیاں دکھاؤں گا۔ سو تم مجھ سے جلدی کا مطالبہ نہ کرو''۔

1۔ مناقب الشافعی للبیہقی، جلد 2 صفحہ 73

2۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 25

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ جب آپ کو ابوجہل اور اس قماش کے دوسرے کفار قریش دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے اور آپ کی تنقیص کرتے ہوئے کہتے ہیں: اَهٰذَا الَّذِیْ یعنی کیا یہی ہیں وہ جو تمہارے خداؤں کو گالیاں دیتے ہیں اور تمہیں بے وقوف کہتے ہیں حالانکہ خود ان کی یہ حالت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کر رہے ہیں اور اس کے رسول کا مذاق اڑا رہے ہیں جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَ اِذَا رَاَوْكَ اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝ اِنْ كَادَ لَیُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْ لَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَیْهَا ؕ وَ سَوْفَ یَعْلَمُوْنَ حِیْنَ یَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِیْلًا (الفرقان:42-41) ”اور جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں (کہتے ہیں) کیا یہ وہ صاحب ہیں جن کو خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ قریب تھا کہ یہ ہمیں اپنے خداؤں سے بہکا دیتا اگر ہم ان پر ثابت نہ رہتے۔ یہ جان لیں گے جب عذاب کو دیکھیں گے کہ کون راہ راست سے بھٹکا ہوا ہے“۔ انسان کے متعلق فرمایا: خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: وَ كَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا (بنی اسرائیل:11) ”اور انسان بڑا جلد باز (واقع ہوا) ہے“۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا، اس دن شام کے قریب ہر چیز کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا شروع کیا۔ جب روح پھونکی گئی اور وہ ان کے سر، آنکھوں اور زبان میں آ گئی تو کہنے لگے: اے میرے پروردگار! غروب آفتاب سے پہلے پہلے میری تخلیق مکمل فرما دے(1)۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے، اسی دن آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اسی میں انہیں جنت میں داخل کیا گیا، اسی میں انہیں جنت سے نیچے اتارا گیا، اسی میں قیامت قائم ہوگی اور اسی میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ اگر وہ کسی بندۂ مومن کو بحالت نماز میسر آ جائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے جس بھلائی کا سوال کرے، اللہ تعالیٰ اسے وہ عطا فرما دیتا ہے“۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم ہے کہ وہ کون سی گھڑی ہے، وہ جمعہ کے دن کی آخری گھڑی ہے، اسی گھڑی میں آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ یہاں انسان کی جلد بازی کا ذکر کرنے میں یہ حکمت کارفرما ہے کہ جونہی مسلمان اس بات سے آگاہ ہوتے ہیں کہ کافر رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑاتے ہیں، ان کے دل میں آتش انتقام بھڑک اٹھتی ہے اور وہ جلد از جلد بدلہ لینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ لیکن اللہ تعالیٰ کا دستور یہ ہے کہ وہ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے، پھر جب اسے پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں، اسی لئے فرمایا: سَاُورِیْكُمْ اٰیٰتِیْ۔ یعنی عنقریب میں تمہیں دکھاؤں گا کہ میں کس طرح اپنے نافرمانوں سے انتقام لیتا ہوں، مجھے ان پر پوری پوری قدرت حاصل ہے، اس لئے تم مجھ سے جلدی کا مطالبہ نہ کرو۔

وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا حِیْنَ لَا یَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَ لَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ۝ بَلْ تَاْتِیْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ رَدَّهَا وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ۝

”اور وہ کہتے ہیں کب پورا ہوگا یہ (قیامت کا) وعدہ؟ (بتاؤ نا) اگر تم سچے ہو۔ کاش! جانتے کفار (اس وقت کو) جب وہ نہ روک سکیں گے اپنے چہروں سے آگ (کے شعلوں کو) اور نہ اپنی پشتوں سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ بلکہ وہ آئے گی ان کے پاس ناگہاں سو انہیں بدحواس کر دے گی پھر وہ نہ اسے روک سکیں گے اور نہ ہی انہیں مزید مہلت دی جائے گی“۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 26

اللہ تعالیٰ مشرکین کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے کہ وہ اپنے کفر و عناد کے باعث قیامت کی تکذیب کرتے ہوئے اور اسے محال سمجھتے ہوئے وقوع عذاب کے لئے جلدی مچا رہے ہیں اور کہتے ہیں: مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ　اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا　یعنی اگر انہیں یقین ہو جاتا کہ قیامت لامحالہ واقع ہو گی تو وہ نزول عذاب کی جلدی نہ مچاتے۔ کاش وہ اس وقت کو جان لیتے جب عذاب انہیں اوپر سے اور نیچے سے اپنی لپیٹ میں لے لے گا جیسا کہ فرمایا: لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ (الزمر: 16) ''ان کے لئے اوپر سے بھی آگ کے شعلے ہوں گے اور نیچے سے بھی آگ کے شعلے''۔ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ (الاعراف: 41) ''ان کے لئے دوزخ کا ہی بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر (اسی کا) اوڑھنا''۔ یہاں فرمایا: حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ　ایک اور مقام پر فرمایا: سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّ تَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ (ابراہیم: 50) ''ان کا لباس تارکول کا ہوگا اور آگ ان کے چہروں کو ڈھانپ رہی ہوگی''۔ یعنی عذاب انہیں ہر طرف سے گھیر لے گا اور ان کی مدد بھی نہیں کی جائے گی جیسا کہ فرمایا: وَ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ (الرعد: 34) ''اور نہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کوئی بچانے والا''۔ اس کے بعد فرمایا: بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً　یعنی آگ کا عذاب ناگہاں ان پر آئے گا اور انہیں سراسیمہ اور بدحواس کر دے گا، وہ حیران و ششدر، اس کے سامنے بے بس ہو جائیں گے، انہیں کوئی ایسا حیلہ نہیں سوجھے گا جس کے ذریعے وہ اسے ٹال سکیں اور نہ ہی انہیں مزید مہلت دی جائے گی۔

وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَ لَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾

''اور بے شک مذاق اڑایا گیا ان رسولوں کا بھی جو آپ سے پہلے تشریف لائے تھے پس نازل ہوا ان لوگوں پر جو تمسخر کیا کرتے تھے ان میں سے وہ عذاب جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ آپ پوچھئے (اے منکرو!) کون ہے جو نگہبانی کر سکتا ہے تمہاری رات بھر اور دن بھر خدائے رحمٰن سے (اگر وہ تمہیں عذاب دینا چاہے) مگر (ان سے کیا پوچھنا) یہ تو اپنے رب کے ذکر سے ہی روگرداں ہیں۔ کیا ان کے اور خدا ہیں جو بچا سکتے ہیں انہیں (عذاب سے) ہمارے سوا۔ وہ جھوٹے معبود تو خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے اور نہ انہیں ہماری تائید میسر ہوگی''۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ کو مشرکین کی ایذا رسانی، استہزاء اور تکذیب پر تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے: وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَ لَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَ اُوْذُوْا حَتّٰى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَ لَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ (الانعام: 34) ''اور آپ سے پہلے رسول جھٹلائے گئے تو انہوں نے صبر کیا اس جھٹلائے جانے اور ستائے جانے پر یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد آ پہنچی اور اللہ کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں اور آپ کے پاس رسولوں کی کچھ خبریں آ ہی چکی ہیں''۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا انعام ہے کہ وہ دن اور رات کی ہر گھڑی میں اپنی نہ سونے والی آنکھ کے ساتھ اپنے بندوں کی نگہبانی اور حفاظت کرتا ہے، اسی نعمت کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا: قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ　اس آیت میں مِنَ الرَّحْمٰنِ، بدل الرحمٰن کے معنی میں ہے یعنی

رحمن کے سوا۔ پھر فرمایا: بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ ... یعنی یہ کافر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات کا اعتراف نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور نعمتوں سے روگردانی کرتے ہیں۔ پھر انہیں زجر و توبیخ، سرزنش اور ان پر اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے فرمایا: اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۔ یعنی کیا ہمارے سوا ان کے کوئی ایسے معبود ہیں جو ان کی حفاظت اور نگہبانی کرتے ہیں؟ ان کی یہ خام خیالی اور زعم باطل ہے، اس لئے فرمایا: لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۔ یعنی یہ معبودان باطل تو اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے اور نہ ہی انہیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچنے کے لئے کوئی پناہ گاہ حاصل ہوگی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر نام کی کوئی چیز میسر نہیں ہوگی۔ بعض اس کا یہ معنی کرتے ہیں کہ وہ خود بھی اللہ تعالیٰ سے نہیں بچ سکیں گے۔

بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَاۤ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ٭ وَ لَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ۝ وَ لَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ۝

”بلکہ ہم نے (عیش و آرام کا) سامان دیا انہیں اور ان کے آباؤ اجداد کو حتیٰ کہ (اسی عیش و آرام میں) ان پر لمبا عرصہ گزر گیا (اور وہ سرکش ہو گئے)۔ کیا وہ ملاحظہ نہیں کر رہے کہ ہم زمین (کی وسعتوں) کو گھٹاتے چلے جا رہے ہیں اس کی (چاروں) سمتوں سے۔ کیا وہ (ہماری تقدیر پر) غالب آ سکتے ہیں؟ آپ فرمائیے میں تمہیں ڈراتا ہوں صرف وحی سے۔ اور نہیں سنا کرتے بہرے پکارنے کو جب انہیں (عذاب الٰہی سے) ڈرایا جاتا ہے۔ اور اگر (صرف) چھو جائے انہیں ایک جھونکا تیرے رب کے عذاب کا تو (سارا نشہ ہرن ہو جائے) یوں کہنے لگیں صد حیف! بیشک ہم ہی ظالم تھے۔ اور ہم رکھ دیں گے صحیح تولنے والے ترازو قیامت کے دن پس ظلم نہ کیا جائے گا کسی پر ذرہ بھر۔ اور اگر (کسی کا کوئی عمل) رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اسے بھی لا حاضر کریں گے۔ اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے“۔

مشرکین کو دنیاوی زندگی میں آرام و آسائش کا سامان دیا گیا اور انہیں طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا گیا، اسی آرام و آسائش میں ایک طویل عرصہ گزر گیا۔ اس سے وہ دھوکہ کھا گئے اور یہ خیال کرنے لگے کہ یہ انعامات و آسائشات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ہم صحیح راہ پر گامزن ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے ہیں۔ اس زعم باطل میں وہ اپنی گمراہی پر ڈٹے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں وعظ و نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي ۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے جسے ہم سورۂ رعد میں بیان کر چکے ہیں(1)۔ اس کی بہترین تفسیر اس آیت میں کی گئی ہے: وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَ صَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (الاحقاف: 27) ”اور ہم نے برباد کر دیئے وہ گاؤں جو تمہارے ارد گرد تھے اور ہم نے مختلف انداز میں اپنی نشانیاں پیش کیں تاکہ وہ باز آ جائیں“۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اس سے مراد اسلام کا کفر پر غلبہ ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ کیا یہ لوگ اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ رعد: 41

کہ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کے خلاف اپنے دوستوں کی مدد کرتا ہے، جھٹلانے والی قوموں اور ظالم بستیوں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے اور اپنے مومن بندوں کو نجات عطا فرماتا ہے، اس لئے فرمایا: اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ یعنی یہ غالب نہیں بلکہ مغلوب، ذلیل، رذیل اور خسارہ اٹھانے والے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ۔ یعنی میں تو تمہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے والا ہوں اور جس عبرتناک عذاب سے میں تمہیں ڈرا رہا ہوں وہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی مجھے اس کی اطلاع دی ہے، لیکن یہ اس شخص کے لئے ذرا بھی سود مند نہیں جس کی بصیرت کو اللہ تعالیٰ نے سلب کر لیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اس لئے فرمایا: وَلَا يَسْمَعُ ... اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: وَلَىٕنْ مَّسَّتْهُمْ ۔ یعنی اگر ان جھٹلانے والوں کو معمولی سا بھی عذاب چھو جائے تو یہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے لگ جائیں گے اور کہیں گے کہ واقعی دنیا میں ہم اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ ۔ یعنی ہم قیامت کے دن عدل کرنے والے ترازو رکھیں گے۔ اکثر علماء کا خیال ہے کہ میزان (ترازو) ایک ہی ہے لیکن یہاں اسے جمع لانے کا مقصد یہ ہے کہ جن اعمال کا اس میں وزن کیا جائے گا، وہ متعدد ہوں گے۔ فرمایا: فَلَا تُظْلَمُ ، اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (الکہف: 49) ''اور آپ کا رب کسی پر زیادتی نہیں کرتا''، اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا (النساء: 40) ''اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ اگر معمولی سی نیکی ہو تو اسے دوگنا کر دیتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم دیتا ہے''، حضرت لقمان نے فرمایا: يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ (لقمان: 16) ''اے میرے بیٹے! اگر رائی کے دانہ کے برابر کوئی وزنی چیز ہو یا پھر وہ کسی چٹان میں یا آسمانوں میں یا زمین میں ہو تو اسے اللہ تعالیٰ لے آئے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ باریک بین، ہر چیز سے باخبر ہے''۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں، میزان میں بھاری ہیں اور رحمٰن کو بہت محبوب ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ''(1)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ایک شخص کو سب کے سامنے بلائے گا اور اس کے سامنے اس کے گناہوں کے ننانوے رجسٹر کھولے جائیں گے، ہر ایک رجسٹر تا حد نظر پھیلا ہوا ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا کہ کیا تمہیں ان میں سے کسی گناہ کا انکار ہے؟ کیا لکھنے والے محافظ فرشتوں نے تم پر کوئی ظلم تو نہیں کیا؟ وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! نہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا: کیوں نہیں، تمہاری ایک نیکی ہمارے ہاں محفوظ ہے، آج تم پر کوئی ظلم نہیں ہوگا، چنانچہ ایک چھوٹا سا پرچہ نکالا جائے گا جس میں یہ لکھا ہوا ہوگا: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اسے پیش کرو۔ وہ شخص عرض کرے گا: اے پروردگار! ان رجسٹروں کے مقابلے میں اس معمولی سے پرچے کی کیا حیثیت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ تمام رجسٹر ایک پلڑے میں ڈال دیئے جائیں گے اور وہ پرچہ دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے گا تو رجسٹروں والا پلڑا ہلکا ہوگا اور پرچے والا بھاری اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے مقابلہ میں کوئی چیز بھاری نہیں''(2)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن ترازو رکھے جائیں گے، ایک آدمی کو لا کر ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے گا اور اس کے ساتھ وہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 198، صحیح مسلم، کتاب الذکر، جلد 4 صفحہ 2072

2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 213، عارضۃ الاحوذی، ابواب الایمان، جلد 10 صفحہ 107-108 وغیرہ

کچھ بھی رکھ دیا جائے گا جو اس پر شمار کیا گیا ہوگا تو وہ پلڑا اٹھ جائے گا چنانچہ اسے جہنم کی طرف بھیج دیا جائے گا، جب وہ پیٹھ پھیر کر جانے لگے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آواز دینے والا پکارے گا کہ جلدی نہ کرو، اس کی ایک چیز باقی رہ گئی ہے، پھر کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالا جائے گا جس پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مرقوم ہوگا اور اسے اس آدمی کے ساتھ پلڑے میں رکھا جائے گا تو یہ پلڑا جھک جائے گا"(1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا، وہ عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! میرے غلام ہیں جو مجھے جھٹلاتے ہیں، میرے ساتھ خیانت بھی کرتے ہیں اور میری نافرمانی بھی کرتے ہیں اور میں انہیں مارتا ہوں اور برا بھلا بھی کہتا ہوں، آپ فرمائیے کہ ان سے میرا یہ سلوک کیسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ان کی خیانت، نافرمانی اور تکذیب اور تمہارے عقاب کا حساب کیا جائے گا۔ اگر تمہارا عقاب ان کی زیادتیوں کے برابر ہوا تو تو بری الذمہ ہوگا نہ ثواب اور نہ عذاب۔ اگر تمہاری سزا ان کی خطاؤں سے کم ہوئی تو یہ تمہارے لیے باعث فضل ہوگا اور اگر تمہاری مار پیٹ ان کی خطاؤں سے زیادہ ہوئی تو تمہاری اس زیادتی کا تم سے بدلہ لیا جائیگا"۔ یہ سن کر وہ شخص رسول اللہ ﷺ کے سامنے گریہ وزاری کرنے اور چیخنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے کیا ہے؟ کیا اس نے قرآن کریم میں یہ نہیں پڑھا: وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ۔ یہ سن کر وہ صحابی کہنے لگا: یا رسول اللہ! میں سمجھتا ہوں کہ ان غلاموں کو آزاد کرنے سے بہتر کوئی چیز نہیں، آپ گواہ رہیے کہ میں نے ان کو آزاد کر دیا(2)۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٨﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿٤٩﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۭ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٥٠﴾

"اور یقیناً ہم نے عطا فرمایا موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کو فرقان اور روشنی اور ذکر پرہیزگاروں کے لئے۔ جو ڈرتے رہتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے۔ نیز وہ قیامت سے بھی ترساں رہتے ہیں۔ اور یہ قرآن نصیحت ہے بڑی بابرکت ہم نے (ہی) اسے اتارا ہے۔ تو کیا تم اسکو ماننے سے انکار کرتے ہو"۔

پہلے بھی آگاہ کیا جا چکا ہے کہ اللہ اکثر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان حضرات کو دی گئی کتابوں تورات اور قرآن کریم کا ذکر ایک ساتھ کرتا ہے۔ بقول مجاہد الفرقان سے مراد کتاب ہے، ابو صالح کہتے ہیں کہ اس سے مراد تورات ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد تورات ہے جو حلال و حرام کو بیان کرنے والی اور حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔ ابن زید اس سے مراد نصرت و غلبہ لیتے ہیں(3)۔ بہرصورت جامع بات یہی ہے کہ تمام آسمانی کتب حق و باطل، ہدایت و گمراہی اور حلال و حرام کے درمیان فرق کرتی ہیں اور دلوں میں نور، ہدایت، تقویٰ اور انابت کے حصول کا سبب بنتی ہیں، اس لئے فرمایا: الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً۔ پھر متقین کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ اس طرح اور مقامات پر فرمایا: مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ (ق:33) "جو رحمن سے بن دیکھے ڈرتا رہا اور ایسا دل لئے ہوئے آیا جو یاد الٰہی کی طرف متوجہ تھا"، اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ (الملک:12) "بے شک جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لیے مغفرت اور اجر

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 222-221 2۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 281-280

3۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 34، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 635

عظیم ہے''۔ پھر قرآن کریم کے متعلق فرمایا: وَهٰذَا ذِكْرٌ یعنی یہ قرآن کریم اللہ کی نازل کردہ ایسی عظیم کتاب ہے جس کی طرف باطل کسی جانب سے بھی راہ نہیں پا سکتا تو پھر کیا تم اس قدر واضح اور سچی کتاب کا انکار کرتے ہو؟

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿51﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿52﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿53﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿54﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿55﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿56﴾

''اور یقیناً ہم نے مرحمت فرمائی تھی ابراہیم علیہ السلام کو ان کی دانائی اس سے پہلے اور ہم ان کو خوب جانتے تھے۔ یاد کرو جب آپ نے کہا اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہ یہ کیا مورتیاں ہیں جن کی پوجا پاٹ پر تم جمے بیٹھے ہو۔ وہ بولے پایا ہے ہم نے اپنے باپ (دادوں) کو کہ وہ ان کے پجاری تھے۔ آپ نے فرمایا بلاشبہ مبتلا رہے ہو تم بھی اور تمہارے باپ دادا بھی کھلی ہوئی گمراہی میں۔ انہوں نے پوچھا کیا تم ہمارے پاس کوئی سچی بات لے کر آئے ہو یا (صرف) دل لگی کر رہے ہو۔ آپ نے فرمایا (دل لگی نہیں کر رہا) بلکہ تمہارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے ان سب کو پیدا فرمایا ہے۔ اور میں اس (صداقت) پر گواہی دینے والوں سے ہوں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرما رہا ہے کہ ہم نے انہیں بچپن سے ہی دانائی عطا فرما دی اور ان کی قوم کے مقابلہ میں انہیں حق اور حجت الہام کر دی جیسا کہ فرمان ہے: تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ (الانعام: 83) ''اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں دی''۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ذکر کیا جاتا ہے کہ ابھی آپ شیر خوار بچے ہی تھے کہ آپ کے باپ نے آپ کو ایک غار میں داخل کر دیا، کچھ عرصہ گزرنے کے بعد آپ علیہ السلام وہاں سے نکلے تو ستاروں اور دیگر مخلوقات میں غور و تدبر کرنے کے بعد آپ کو خدا کی پہچان ہوئی، یہ اور اس قسم کے دیگر قصے اسرائیلی روایات ہیں۔ ان میں سے جو روایات ہمارے پاس موجود حق کے موافق ہوں، وہ قابل قبول ہیں اور جو اس کے مخالف ہوں، وہ مردود ہیں لیکن وہ روایات جن کے متعلق ہماری شریعت میں نہ مخالفت پائی جاتی ہے اور نہ موافقت، ان کی نہ ہم تصدیق کرتے ہیں اور نہ تکذیب بلکہ ان کے متعلق سکوت اختیار کرتے ہیں، البتہ اکثر سلف نے اس قسم کی باتوں کو روایت کرنا جائز قرار دیا ہے، بہر صورت ان میں سے اکثر ایسی باتیں ہیں جن کے ساتھ ہمارا کوئی دینی فائدہ وابستہ نہیں اور اگر دینی معاملات میں واقعی ان کا کوئی فائدہ ہوتا تو ہماری شریعت کاملہ ضرور انہیں واضح طور پر بیان کر دیتی۔ ہمارا موقف تو اس تفسیر میں یہی ہے کہ اسرائیلی روایات سے اجتناب کیا جائے کیونکہ ایسی روایات بیان کرنے میں ایک تو وقت کا ضیاع ہے اور دوسرا اس جھوٹ کی ترویج لازم آتی ہے جس کی آمیزش انہوں نے اکثر روایات میں کر دی تھی اور ان کے پاس کوئی ایسی کسوٹی نہیں تھی جس کے ذریعے وہ صحیح اور غلط کے درمیان تفریق کر سکیں جیسا کہ اس امت کے ائمہ حفاظ نے روایت کی جانچ پڑتال کرنے کیلئے نہایت عمدہ طریقہ وضع کیا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم کے متعلق خبر دے رہا ہے کہ ہم نے اس سے پہلے ابراہیم کو دانشمندی سے نوازا اور وہ

اس کے اہل بھی تھے۔اس رشد و ہدایت ،بصیرت اور دانائی کی نشاندہی اس بات سے ہوتی ہے کہ آپ نے اپنی قوم کی بت پرستی پر نفرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں کے پاس سے گذرے جو شطرنج کھیل رہے تھے تو آپ نے انہیں فرمایا کہ یہ کیا مورتیاں ہیں جن پر تم جمے بیٹھے ہو؟ تم میں سے کوئی انگارے کو پکڑے تو وہ شطرنج کے مہروں کو پکڑنے سے بہتر ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال کے جواب میں وہ کہنے لگے وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا ...... ان کے پاس سوائے اس کے اور کوئی دلیل نہ تھی کہ ان کے آباؤ اجداد اس کھلی گمراہی کا شکار تھے، اس لئے فرمایا: لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ ۔ یعنی تمہارا معاملہ اور تمہارے ان آباؤ اجداد کا معاملہ یکساں ہے جن کے کرتوت تم بطور دلیل پیش کر رہے ہو، تم بھی گمراہ اور وہ بھی گمراہ، تم بھی راہِ راست سے بھٹکے ہوئے ہو اور وہ بھی۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی بیوقوفی واضح کر دی، ان کے آباؤ اجداد کو گمراہ قرار دیا اور ان کے معبودانِ باطلہ کی تحقیر کی تو وہ کہنے لگے: اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ ۔ یعنی یہ بات تم بطور ہنسی مذاق کر رہے ہو یا واقعی سنجیدگی کے ساتھ صحیح بات کر رہے ہو، ہم نے تمہارے منہ سے اس سے پہلے ایسی بات نہیں سنی۔آپ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: بَلْ رَّبُّكُمْ ۔ یعنی تمہارا رب وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی نے زمین و آسمان اور تمام مخلوقات کو پیدا کیا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ اس کے سوا کوئی رب ہے۔

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾

”اور بخدا! میں بندوبست کروں گا تمہارے بتوں کا جب تم چلے جاؤ گے پیٹھ پھیرتے ہوئے۔پس آپ نے انہیں ریزہ ریزہ کر ڈالا مگر ان کے بڑے بت کو کچھ نہ کہا تا کہ وہ لوگ (اس افتاد کے بارے میں) اس کی طرف رجوع کریں۔وہ بولے کس نے یہ حال کیا ہے ہمارے بتوں کا بیشک وہ ظالموں میں سے ہے۔(چند آدمیوں نے) کہا ہم نے ایک نوجوان کو سنا ہے کہ وہ ان کا ذکر (برائی سے) کیا کرتا ہے اسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔کہنے لگے تو پھر (پکڑ کر) لاؤ اسے سب لوگوں کے روبرو شاید وہ اس کے متعلق کوئی شہادت دیں۔(ابراہیم پکڑ کر لائے گئے تو) لوگوں نے پوچھا اے ابراہیم! کیا تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ فرمایا بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ حرکت کی ہوگی سو ان سے پوچھو اگر یہ گفتگو کی سکت رکھتے ہوں“۔

حضرت خلیل علیہ السلام نے اپنی قوم کے بعض افراد کو سنا کر قسم اٹھائی کہ جب تم عید منانے کیلئے باہر نکل جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں کا بندوبست کرلوں گا اور انہیں توڑ پھوڑ کر رکھ دوں گا۔ان کی ایک قومی عید تھی جسے منانے کیلئے وہ باہر نکل جایا کرتے تھے۔سدی کہتے ہیں کہ جب اس عید کا وقت قریب آیا تو آپ کے باپ نے آپ سے کہا کہ اگر تم ہمارے ساتھ عید منانے کیلئے چلو تو تمہیں ہمارا دین بہت پسند آئے گا۔چنانچہ آپ بھی لوگوں کے ساتھ نکلے لیکن تھوڑا سا چلنے کے بعد آپ نے خود کو زمین پر گرا لیا اور کہنے لگے کہ میں بیمار ہوں۔باقی ساتھی تو آپ کو چھوڑ کر چلے گئے اور آپ وہاں ہی پڑے رہے۔لوگ آپ سے پوچھتے کہ کیا بات ہے؟ آپ یہی فرماتے کہ میں بیمار ہوں،

اس طرح لوگ وہاں سے گذرتے گئے جب اکثر لوگ باہر نکل گئے اور صرف بوڑھے اور ضعیف باقی رہ گئے تو آپ نے فرمایا: تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ ۔ ان باقی رہ جانے والوں نے آپ کی یہ بات سن لی۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے لوگ جب اپنا تہوار منانے کیلئے باہر جانے لگے تو ان کا گذر آپ کے پاس سے ہوا، وہ کہنے لگے: اے ابراہیم! کیا تم ہمارے ساتھ نہیں چلو گے؟ آپ نے فرمایا کہ میں بیمار ہوں۔ اس سے گذشتہ روز آپ واقعی علیل تھے، آپ نے فرمایا: تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ کچھ لوگوں نے آپ کی یہ بات سن لی۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے ان کے صنم اکبر کو چھوڑ کر باقی سب بتوں کو ریزہ ریزہ کر ڈالا جیسے کہ ایک اور مقام پر فرمایا: فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ (الصافات:93)'' آپ نے اپنے دائیں ہاتھ سے ان پر پوری قوت سے ضرب لگائی'' فرمایا: لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ کہتے ہیں کہ آپ نے اس غرض سے باقی بتوں کو توڑ پھوڑ کر ان کے بڑے بت کے ہاتھ میں کلہاڑا رکھ دیا تا کہ ان لوگوں کو یہ یقین ہو جائے کہ بڑے بت کو یہ بات پسند نہ تھی کہ اس کی موجودگی میں باقی بتوں کی پرستش کی جائے، اس لئے غیرت میں آ کر اس نے باقی تمام بتوں کے ساتھ یہ حشر کیا۔ جب وہ لوگ واپس پلٹے اور انہوں نے اپنے بتوں کی یہ اہانت، تذلیل اور درگت بنی دیکھی تو کہنے لگے: مَنْ فَعَلَ چنانچہ جنہوں نے آپ علیہ السلام کو یہ قسم لَاَكِيْدَنَّ ۔ اٹھاتے ہوئے سنا تھا، وہ کہنے لگے سَمِعْنَا فَتًى حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر نبی کو جوانی میں منصب نبوت پر فائز کیا گیا اور ہر عالم کو عالم شباب میں علم حاصل ہوا، اس کی تائید میں آپ نے یہ آیت قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى ۔ تلاوت کی۔ وہ کہنے لگے: فَاْتُوْا بِهٖ ...یعنی اسے بھری محفل میں لوگوں کے سامنے لاؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصود بھی یہی تھا کہ مجمع عام میں ان لوگوں کی جہالت اور کم عقلی کا پردہ چاک کیا جائے اور ان کے جھوٹے خداؤں کی خدائی کا پول کھولتے ہوئے ان پر واضح کیا جائے کہ وہ جن خداؤں کی پرستش میں لگے ہوئے ہیں، وہ نہ تو اپنے آپ سے کسی نقصان کو دور کر سکتے ہیں اور نہ خود کو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ جب ان کی بے بسی کا یہ عالم ہے تو بھلا کیونکر ان سے کوئی امید وابستہ کی جا سکتی ہے؟ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پوچھنے لگے: ءَاَنْتَ فَعَلْتَ ...آپ نے جواب میں فرمایا: بَلْ فَعَلَهٗ آپ کے اس فرمان سے مقصود یہ تھا کہ وہ لوگ خواب غفلت سے بیدار ہو کر غور و فکر کریں اور اعتراف کریں کہ یہ بت بولنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، اس لئے بے جان ہونے کے ناطے اس بڑے بت سے یہ حرکت سرزد ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' حضرت ابراہیم علیہ السلام سے صرف تین مرتبہ کذب کا صدور ہوا، دو مرتبہ ذات الٰہی کی خاطر یعنی جب آپ نے یہ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا اور یہ (اِنِّىْ سَقِيْمٌ) کہا۔ تیسری مرتبہ اس وقت جب آپ حضرت سارہ کے ساتھ سفر میں تھے کہ آپ کا گذر ایک ظالم بادشاہ کی سرزمین سے ہوا، وہاں آپ نے ایک جگہ قیام کیا۔ کسی آدمی نے اس ظالم بادشاہ کو یہ بتا دیا کہ اس وقت آپ کی سلطنت میں ایک آدمی فروکش ہوا ہے جس کے ساتھ نہایت خوبصورت عورت ہے۔ بادشاہ نے آپ کو بلا بھیجا۔ جب آپ تشریف لائے تو اس نے پوچھا کہ یہ عورت تمہاری کیا لگتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ مری بہن ہے۔ بادشاہ نے آپ سے کہا جاؤ اور اس عورت کو میرے پاس بھیج دو۔ آپ حضرت سارہ کے پاس گئے اور انہیں فرمایا کہ اس ظالم نے مجھ سے تمہارے بارے میں دریافت کیا تو میں نے اسے بتایا کہ تم میری بہن ہو۔ اب اس کے پاس جا کر یہی کہنا کیونکہ دینی لحاظ سے تم میری بہن ہو اور اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مسلمان نہیں۔ آپ نے حضرت سارہ کو ادھر بھیج کر نماز پڑھنا شروع کر دی۔ حضرت سارہ جب اس ظالم کے پاس گئیں اور اس نے دست درازی کی کوشش کی تو وہ ایسا عذاب الٰہی میں گرفتار ہوا کہ اس کے ہاتھ پاؤں شل ہو۔ اب وہ آپ سے کہنے لگا کہ میرے لیے اللہ سے دعا کرو کہ

وہ مجھے درست کر دے، آئندہ میں آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔ آپ نے اس کیلئے دعا کی تو وہ درست ہو گیا، پھر اس نے وہی حرکت کرنے کی کوشش کی تو اب بھی اسی عذاب نے بلکہ اس سے بھی شدید عذاب نے اسے آ دبوچا، تیسری مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا اور اس نے آپ کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن پہلے جیسا ہی اس کا حشر ہوا۔ اب اس نے پھر آپ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے اس کیلئے دعا کی تو وہ اس عذاب سے آزاد ہو گیا، پھر اس نے اپنے سب سے قریبی دربان کو بلایا اور اسے کہنے لگا کہ تم میرے پاس کوئی انسان نہیں بلکہ شیطان لائے ہو، اس عورت کو یہاں سے نکال دو اور اسے ہاجر عطا کر دو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب آپ کی آہٹ محسوس کی تو فوراً نماز سے فارغ ہو کر دریافت کیا کہ کیا گذری؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس فاجر کافر کے مکر کو ناکام بنا دیا ہے اور اس نے میری خدمت کیلئے ہاجر مجھے دی ہے"(1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب یہ حدیث بیان کرتے تو فرماتے: اے آسمانی پانی کے فرزندو! یہ ہیں تمہاری جلیل القدر ماں۔

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

"(لاجواب ہو کر) اپنے دلوں میں غور کرنے لگے پھر بولے بلاشبہ تم ہی زیاں کار ستمگار ہو۔ پھر وہ اوندھے ہو کر (اپنی سابقہ گمراہی کی طرف) پلٹ گئے۔ اور کہنے لگے تم خوب جانتے ہو کہ یہ بولتے نہیں۔ آپ نے فرمایا (نادانو!) کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان (بے بس بتوں) کی جو تمہیں کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمہیں ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ تف ہے تم پر نیز ان بتوں پر جن کو تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے؟"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو لاجواب کر دیا تو وہ اپنے خداؤں کی حفاظت کا مناسب بندوبست نہ کر سکنے کے باعث خود کو ملامت کرنے لگے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ تم نے بڑا ستم کیا کہ اپنے خداؤں کو بغیر محافظ کے یونہی تنہا چھوڑ دیا۔ پھر انہوں نے اپنے سر جھکا لیے اور مارے حیرت و ندامت کے کہنے لگے: لَقَدْ عَلِمْتَ۔ قتادہ کہتے ہیں کہ قوم سخت حیرت سے دوچار ہو گئی، اس لئے انہوں نے یہ بات کہی۔ سدی کہتے ہیں کہ وہ فتنہ میں کوشاں ہو گئے اور ابن زید کہتے ہیں کہ وہ سوچ بچار کرنے لگے۔ بہر صورت قتادہ کا قول زیادہ واضح ہے کیونکہ انہوں نے حیرت اور عجز کے باعث یہ کہا تھا: لَقَدْ عَلِمْتَ۔ جب انہوں نے اپنی زبانوں سے یہ اعتراف کر لیا تو حضرت ابراہیم نے ان کے جھوٹے خداؤں کی خدائی پر ضرب کاری لگاتے ہوئے فرمایا: اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ یعنی جب یہ نہ بول سکتے ہیں اور نہ نفع نقصان کی قدرت رکھتے ہیں تو پھر تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انکی پوجا کیوں کرتے ہو، تف ہے تم پر اور تمہارے معبودانِ باطلہ پر۔ کیا تم غور و فکر نہیں کرتے کہ تم گمراہی اور کفر میں مبتلا ہو جس کا حامل ایک ظالم اور فاجر ہی ہو سکتا ہے۔ اس طرح آپ علیہ السلام نے ان پر حجت قائم کر دی اور انہیں لاجواب کر دیا جیسا کہ ارشاد ہے: وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ (الانعام: 83)۔

1۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6 صفحہ 388، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1840-1841

قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ۞ قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۞ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ ۞

''(سب یک زبان ہو کر) بولے جلا ڈالو اسکو اور مدد کرو اپنے خداؤں کی اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو۔ (جب آپ کو آتش کدہ میں پھینکا گیا تو) ہم نے حکم دیا اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی کا باعث بن جا ابراہیم کے لئے۔ انہوں نے تو ابراہیم کو گزند پہنچانے کا ارادہ کیا لیکن ہم نے ان کو نا کام بنا دیا''۔

جب ان کی حجت بودی ثابت ہوئی، ان کا عجز ظاہر ہو گیا، حق غالب آ گیا، باطل مغلوب ہو گیا اور ان کو منہ کی کھانا پڑی تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلاف تشدد اور طاقت کے استعمال پر اتر آئے اور کہنے لگے: حَرِّقُوهُ۔ چنانچہ اس مقصد کیلئے انہوں نے لکڑیوں کے ڈھیر لگا دیے۔ یہاں تک کہ بقول سدی اگر ان کی کوئی عورت بیمار ہو جاتی تو وہ نذر مانتی کہ اگر وہ صحت یاب ہو گئی تو ابراہیم کیلئے تیار کی جانے والی آگ کیلئے اتنے گٹھے لکڑیاں پیش کرے گی۔ انہوں نے زمین میں ایک بہت گہرا گڑھا کھود کر اسے لکڑیوں سے بھر دیا اور اس میں لگا دی۔ یہ دہکتے ہوئے انگاروں والی اور بھڑکتے ہوئے شعلوں والی اتنی بڑی آگ تھی کہ روئے زمین پر ایسی آگ نہیں جلائی گئی، اب سوچنے لگے کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں کیسے پھینکا جائے، آخر کار ایک کرد فارسی دیہاتی کے مشورہ سے آپ کو آگ میں ڈالنے کیلئے ایک منجنیق میں رکھا گیا۔ شعیب جبائی کہتے ہیں کہ اس دیہاتی کا نام ہیزن تھا(1)، اس بدبخت کو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت زمین میں دھنسا دیا اور یہ قیامت تک نیچے دھنستا ہی چلا جائے گا۔ جب انہوں نے آپ کو آگ میں ڈالا تو آپ نے فرمایا: ''حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ'' جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو انہوں نے کہا: ''حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ'' اسی طرح جب حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم تک یہ خبر پہنچی کہ دشمنان دین لشکر جرار لے کر مقابلہ کیلئے آ رہے ہیں، ان سے ڈرو لیکن خوفزدہ ہونے کی بجائے ان کے ایمان وایقان میں اضافہ ہو گیا، اس وقت آپ ﷺ نے بھی یہی پڑھا اور صحابہ کرام بھی کہنے لگے: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جانے لگے تو انہوں نے عرض کی: اے اللہ! تو آسمان میں یکتا ہے اور زمین پر میں تنہا تیری عبادت کرنے والا ہوں''(3)۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ بدبخت جب آپ علیہ السلام کو باندھنے لگے تو آپ نے فرمایا: ''لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الْمُلْكُ لَا شَرِيْكَ لَكَ''(4)۔ شعیب جبائی کہتے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر سولہ سال تھی۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام فضا میں آپ کے سامنے ظاہر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ کو کوئی ضرورت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے آپ کی اعانت کی ضرورت نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد کی ضرورت ہے(4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آگ میں ڈالے جانے سے پہلے بارش کا فرشتہ بالکل مستعد تھا کہ کب مجھے بارش برسانے کا حکم ہو اور میں بارش برسا کر اس آگ کو بھسم کر دوں لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم جلد ہی آ پہنچا، فرمایا: يَا نَارُ ... جونہی یہ حکم ہوا روئے زمین کی آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ حضرت کعب الاحبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس دن دنیا کا کوئی شخص آگ سے فائدہ نہ اٹھا سکا اور آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسیاں

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 43، تفسیر قرطبی، جلد 11 صفحہ 303، جلد 15 صفحہ 97

2۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ آل عمران، جلد 8 صفحہ 229 3۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 639 4۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 45

جلانے کے سوا آپ کو کوئی گزند نہ پہنچائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آگ کو حکم ہوا کہ وہ ابراہیم کو کوئی ضرر نہ پہنچائے (1)۔ حضرت ابن عباس اور ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ "بَرْدًا" کے ساتھ "سَلٰمًا" نہ فرماتا تو آگ کی ٹھنڈک آپ علیہ السلام کو تکلیف پہنچاتی۔ ضحاک کہتے ہیں کہ انہوں نے آپ کیلئے دہکتے انگاروں اور بھڑکتے شعلوں والا ایک بہت بڑا آتش کدہ تیار کیا، لیکن اس آگ نے آپ کو چھوا تک نہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بالکل بھسم کر دیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے چہرہ سے پسینہ پونچھ رہے تھے۔ اس کے علاوہ آگ کا آپ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ سدی کہتے ہیں کہ آتش کدہ میں سائے کا فرشتہ آپ کے ساتھ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں چالیس یا پچاس دن رہے۔ آپ علیہ السلام خود فرمایا کرتے تھے کہ ان دنوں میں مجھے جو عیش و آرام حاصل تھا، ایسا آرام و سکون پہلے کبھی حاصل نہیں ہوا تھا، میری تو یہ خواہش تھی کہ میری ساری زندگی اسی میں گذرتی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ سے باہر آتے ہوئے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہے تھے، اس وقت آپ علیہ السلام کے والد نے جو سب سے اچھی بات کہی وہ یہ تھی کہ اے ابراہیم! تمہارا رب تو بہت اچھا ہے (2)۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ اس دن جو جانور نکلا، وہ آپ علیہ السلام سے آگ بجھانے کی کوشش کرتا رہا، سوائے چھپکلی کے۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے مار ڈالنے کا حکم دیا اور اسے فاسق کا نام دیا۔ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں نیزہ دیکھ کر ان سے دریافت کیا: اے ام المومنین! یہ نیزہ کس مقصد کیلئے آپ نے رکھا ہوا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہم اس کے ساتھ چھپکلیوں کو مارتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو زمین پر کوئی ایسا جانور نہ تھا جو آگ بجھانے میں کوشاں نہ ہو سوائے چھپکلی کے، یہ آگ کو اور پھونکیں مار کر بھڑکا رہی تھی"۔ آپ ﷺ نے ہمیں اسے مار ڈالنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا: وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا یعنی انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گزند پہنچانے کی کوشش کی لیکن ہم نے انہیں ناکام، مغلوب اور ذلیل کر دیا اور اپنے خلیل علیہ السلام کو آگ سے نجات عطا فرمائی۔ عطیہ عوفی کہتے ہیں کہ جب آپ علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو ان کا بادشاہ دیکھنے کیلئے وہاں آپہنچا، ایک چنگاری اڑ کر اس کے انگوٹھے پر گری اور اسے جلا کر رکھ دیا۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ۭ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَـبٰۗىِٕثَ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۝ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

"اور ہم نے نجات دی آپ کو اور لوط کو اس سرزمین کی طرف (ہجرت کا حکم دیا) جسے ہم نے بابرکت بنایا تھا تمام جہان والوں کے لئے۔ اور ہم نے عطا فرمایا انہیں اسحاق (جیسا فرزند) اور یعقوب (جیسا) پوتا۔ اور سب کو ہم نے صالح بنا دیا۔ اور ہم نے بنا دیا انہیں پیشوا (لوگوں کے لئے) وہ راہ دکھاتے تھے ہمارے حکم سے اور ہم نے وحی بھیجی ان کی طرف کہ وہ نیک کام

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 44، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 641 2۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 44، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 641

کریں اور نماز ادا کریں اور زکوۃ دیا کریں اور وہ سب ہمارے عبادت گزار تھے اور لوط کو ہم نے حکومت اور علم عطا فرمایا اور نجات دی اسے اس گاؤں سے جس کے باشندے بہت رذیل کام کیا کرتے تھے۔ بے شک وہ لوگ بڑے ناہنجار (اور) نافرمان تھے۔ اور ہم نے اسے داخل کر لیا اپنے (حریم) رحمت میں۔ بیشک وہ نیکوکاروں میں سے تھا''۔

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے محفوظ کر کے اس ظالم قوم سے نکالا اور شام کے مقدس ملک میں پہنچا دیا۔ حضرت ابی ابن کعب فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں جس سرزمین کا ذکر ہوا ہے اس سے مراد سرزمین شام ہے۔ ہر میٹھا پانی وہاں کے صخرہ کے نیچے سے نکلتا ہے(1)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام عراق میں تھے، وہاں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو شام پہنچا دیا۔ شام میں انبیاء کی ہجرت گاہ رہی۔ زمین میں سے جو گھٹتا ہے وہ شام میں بڑھتا ہے اور شام میں سے جو کم ہوتا ہے وہ فلسطین میں زیادہ ہو جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہی ارض محشر ہے، یہاں ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اور یہیں مسیح دجال ہلاک کیا جائے گا۔ حضرت کعب الاحبار کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے حران کی طرف ہجرت کی۔ سدی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام شام کی طرف چلے۔ حران پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہاں کے بادشاہ کی بیٹی اپنی قوم کے دین سے نفرت کرتی ہے اور اسے مطعون کرتی رہتی ہے۔ اس سے آپ کی ملاقات ہوئی تو آپ نے اس کے ساتھ اس شرط پر نکاح کر لیا کہ وہ بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کرے گی، یہ حضرت سارہ علیہا السلام تھیں۔ یہ روایت غریب ہے، مشہور یہی ہے کہ حضرت سارہ آپ کی چچازاد تھیں، ہجرت کرتے وقت آپ انہیں بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے مکہ شریف کی طرف ہجرت کی اس کی دلیل یہ آیت ہے: اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (آل عمران: 97-96) ''بیشک پہلا (عبادت) خانہ جو لوگوں کیلئے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے، بڑی برکت والا، سب جہانوں کی لئے ہدایت، اس میں روشن نشانیاں ہیں اور مقام ابراہیم اور جو بھی اس میں داخل ہو محفوظ ہے''۔ پھر فرمایا: وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ۔ حضرات ابن عباس، قتادہ اور حکم بن عیینہ کہتے ہیں کہ ''نافلة'' سے مراد پوتا ہے جیسے کہ ارشاد ہے: فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ (ہود: 71) ''تو ہم نے سارہ کو اسحاق کی خوشخبری دی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی''۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے ایک بیٹے کا سوال کرتے ہوئے دعا کی تھی: رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (الصافات: 100) ''اے میرے رب! مجھے ایک نیک بچہ عطا فرما''۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بیٹے کے ساتھ پوتے کی بھی نوید سنا دی، اور سب کو صالح اور نیکوکار بنا دیا۔ اس کے بعد فرمایا: وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً۔ یعنی ہم نے انہیں ایسا پیشوا بنایا جو ہمارے اذن سے لوگوں کو راہ ہدایت دکھاتے، اس لئے فرمایا: وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ۔ اس میں عطف خاص علی العام ہے اس کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر ہوا، آپ علیہ السلام ہاران بن آزر کے بیٹے ہیں۔ آپ حضرت ابراہیم پر ایمان لائے، آپ کی اتباع کی اور آپ کے ساتھ ہی ہجرت کی جیسا کہ فرمایا: فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ (العنکبوت: 26) ''تو ان پر لوط ایمان لائے اور ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں''۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمت و علم سے نوازا، آپ کی طرف وحی کی اور نبی بنا کر سدوم اور اس کی گردونواح کی بستیوں کی طرف آپ کو بھیجا لیکن انہوں نے آپ کی مخالفت اور تکذیب کی جس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا جیسے کہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر یہ واقعہ مذکور ہے، اس لئے فرمایا: وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 46، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 642-643

القریۃ ۔ ۔

وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِن قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿٧٦﴾ وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٧٧﴾

"اور یاد کرو نوح علیہ السلام کو جب انہوں نے (ہمیں) پکارا پیش ازیں، تو ہم نے قبول فرمایا ان کی دعا کو اور بچایا انہیں اور ان کے گھر والوں کو سخت مصیبت سے۔ اور ہم نے ان کی حمایت کی اس قوم کے مقابلہ میں جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا۔ بیشک وہ بڑے نابکار لوگ تھے پس ہم نے غرق کر دیا ان سب کو"۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا تذکرہ فرما رہا ہے کہ جب ان کی قوم انہیں پیہم جھٹلاتی رہی تو آخرکار انہیں یہ دعا کرنا پڑی: فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ (القمر:10) " آخرکار آپ نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں عاجز آ گیا ہوں پس تو ان سے انتقام لے"، رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (نوح:27-26) "اے میرے رب! روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا نہ چھوڑ۔ اگر تو نے ان میں سے کسی کو چھوڑ دیا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور نہ جنیں گے مگر بدکار، ناشکر گذار"۔ اس لئے یہاں فرمایا: إِذْ نَادَىٰ مِن قَبْلُ ۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ ۚ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ (ہود:40) "اور اپنے گھر والوں کو سوائے ان کے جن پر پہلے حکم ہو چکا ہے اور (سوار کر لو) جو ایمان لا چکے ہیں اور آپ پر تھوڑے لوگ ہی ایمان لائے تھے"۔ الکرب العظیم سے مراد تکذیب، تکالیف اور اذیت رسانیاں ہیں جن کا آپ کو سامنا کرنا پڑا، کیونکہ ساڑھے نو سو سال کی تبلیغ کے باوجود صرف چند لوگ آپ پر ایمان لائے۔ فرمایا: وَنَصَرْنَاهُ ۔ یعنی ہماری آیات کو جھٹلانے والی قوم کے مقابلہ میں ہم نے آپ علیہ السلام کی حمایت کی، انہیں تباہ کر دیا اور روئے زمین پر ان میں سے کوئی بھی کافر زندہ نہ بچا۔

وَدَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ﴿٧٨﴾ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ ۚ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُودَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۚ وَكُنَّا فَاعِلِينَ ﴿٧٩﴾ وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُم مِّن بَأْسِكُمْ ۖ فَهَلْ أَنتُمْ شَاكِرُونَ ﴿٨٠﴾ وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۚ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَالِمِينَ ﴿٨١﴾ وَمِنَ الشَّيَاطِينِ مَن يَغُوصُونَ لَهُ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذَٰلِكَ ۖ وَكُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ ﴿٨٢﴾

"اور یاد کرو داؤد و سلیمان (علیہما السلام) کو جب وہ فیصلہ کر رہے تھے ایک کھیتی کے جھگڑے کا جب رات کے وقت چھوٹ گئیں اس میں ایک قوم کی بکریاں۔ اور ہم ان کے فیصلہ کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ سو ہم نے سمجھا دیا وہ معاملہ سلیمان کو اور ان سب کو ہم نے بخشا تھا حکم اور علم۔ اور ہم نے فرمانبردار بنا دیا داؤد کا پہاڑوں اور پرندوں کو وہ سب ان کے ساتھ مل کر تسبیح کیا

کرتے، اور (یہ شان) ہم دینے والے تھے۔ اور ہم نے سکھا دیا انہیں زرہ بنانے کا ہنر تمہارے فائدے کے لئے تاکہ وہ زرہ بچائے تمہیں تمہاری زد سے۔ تو کیا تم (اس احسان کا) شکریہ ادا کرنے والے ہو۔ اور ہم نے سلیمان کے لئے تند و تیز ہوا کو فرمانبردار بنا دیا چلتی تھی وہ ہوا ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف جسے ہم نے بابرکت بنا دیا تھا۔ اور ہم ہر چیز کو جاننے والے تھے۔ اور ہم نے مسخر کر دیئے شیطانوں میں سے جو (سمندروں میں) غوطہ زنی کرتے ان کے لئے اور کیا کرتے طرح طرح کے اور کام۔ اور ہم ہی ان کے نگہبان تھے"۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ کھیتی انگوروں کی تھی جس کے خوشے لٹک رہے تھے۔ "نفش" کا معنی ہے رات کے وقت کھیتی چر جانا اور دن کے وقت چرنے کو "ھمل" کہتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی کی بکریوں نے اس کھیت کو اجاڑ دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں یہ مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ نقصان کی تلافی کرنے کیلئے بکریاں کھیتی کے مالک کو دے دی جائیں۔ یہ فیصلہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! اس سے بہتر فیصلہ کی صورت ہو سکتی ہے۔ آپ نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جواب دیا کہ کھیت بکریوں کے مالک کے سپرد کر دیا جائے تاکہ کھیت کے اصلی حالت پر لوٹنے تک وہ اس کی خبر گیری اور نگرانی کرے اور بکریاں کھیت کے مالک کو دے دی جائیں تاکہ وہ ان سے فائدہ اٹھائے۔ جب کھیت اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئے تو اسے اس کے مالک کے حوالے کر دیا جائے اور بکریاں اس کے مالک کی طرف لوٹا دی جائیں۔ یہی مقصود اس ارشاد فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ سے ہے(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جب یہ فیصلہ سنایا تو بکریوں والے خالی ہاتھ اپنے کتوں کو لے کر واپس چل دیئے۔ جب ان کا گذر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس سے ہوا تو آپ نے ان سے دریافت کیا کہ تمہارا کیا فیصلہ ہوا؟ انہوں نے آپ کو فیصلہ کے متعلق آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا یہ مقدمہ میرے پاس آتا تو میں اس کا کچھ اور فیصلہ کرتا۔ حضرت داؤد کو جب یہ بتایا گیا تو آپ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بلا کر پوچھا کہ تم کیا فیصلہ کرتے؟ آپ علیہ السلام نے جواب دیا کہ میرا فیصلہ یہ ہوتا کہ بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں تاکہ وہ ان کے دودھ وغیرہ سے فائدہ حاصل کرتا رہے اور بکریوں والے کھیتی بوئیں۔ جب وہ کھیتی اپنی اصل حالت پر آ جائے تو کھیتی اور بکریاں اپنے اپنے اصل مالکوں کو لوٹا دی جائیں۔ مسروق کہتے ہیں کہ وہ کھیتی انگوری تھی جس میں بکریاں گھس گئیں اور پتے اور خوشے سب کچھ چٹ کر گئیں۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بکریاں کھیت والوں کو دے دیں لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ فیصلہ دیا کہ بکریاں کھیتی والوں کو دے دی جائیں تاکہ وہ ان کے دودھ وغیرہ سے استفادہ کریں اور کھیتی بکریوں کے مالکوں کے حوالے کی جائے تاکہ وہ اس کی اصلاح اور نگرانی کریں۔ جب کھیتی اصلی حالت پر لوٹ جائے تو کھیتی اور بکریاں اپنے اصل مالکوں کو واپس کر دی جائیں۔ اس طرح کا ایک مقدمہ قاضی شریح کے پاس بھی آیا تھا، دو آدمی آپ کے پاس آئے، ان میں سے ایک کہنے لگا کہ اس شخص کی بکریوں نے میرا کاتا ہوا سوت برباد کر دیا ہے۔ قاضی شریح نے پوچھا: دن کو یا رات کو؟ اگر تو انہوں نے دن کے وقت یہ نقصان کیا ہے تو ان کا مالک بری الذمہ ہے اور اگر رات کے وقت کیا ہے تو وہ ضامن ہے پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی(2)۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی اونٹنی کسی باغ میں داخل ہوگئی اور باغ کا کافی نقصان کیا تو رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ دن کے وقت باغوں کی حفاظت ان کے مالکوں کے

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 51　2۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 52

ذمہ ہے لیکن اگر رات کے وقت کسی کے مویشی نقصان کر دیں تو مویشی والے اس کے ذمہ دار اور ضامن ہوں گے (1)۔ یہ حدیث معلل ہے اور ہم نے اس کی تفصیل کتاب الاحکام میں بیان کر دی ہے۔ حضرت ایاس بن معاویہ کو جب قاضی بننے کی پیشکش کی گئی تو وہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہونے پر رو دیے، آپ نے رونے کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگے: اے ابوسعید! مجھے معلوم ہوا ہے کہ اگر قاضی نے اجتہاد کیا اور پھر بھی غلطی کی تو وہ جہنمی ہے، جو خواہش نفس کی طرف مائل ہو گیا وہ بھی جہنمی ہے اور جس قاضی نے اجتہاد کیا اور صحت تک پہنچ گیا وہ جنتی ہے۔ یہ سن کر حضرت حسن فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے اس میں ان لوگوں کے اس قول کا رد ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَدَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعریف کی ہے لیکن حضرت داؤد کی مذمت نہیں کی، پھر حضرت حسن فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے قاضیوں سے تین باتوں کا عہد لیا ہے: ایک یہ کہ وہ احکام شریعت کو معمولی قیمت کے بدلے نہ بیچیں، دوسرا یہ کہ وہ اپنی خواہش کی پیروی نہ کریں اور تیسرا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈریں، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: يٰدَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (ص: 26) "اے داؤد ہم نے زمین میں آپ کو (اپنا) نائب مقرر کیا ہے پس لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلے کیا کرو اور ہوائے نفس کی پیروی نہ کرو وہ تمہیں راہ خدا سے بھٹکا دے گی"۔ ایک جگہ ارشاد ہے: فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ (المائدہ: 44) "پس نہ ڈرا کرو لوگوں سے اور ڈرا کرو مجھ سے"۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا (البقرۃ: 41) "اور تم تھوڑی سی قیمت کے عوض میری آیات کا سودا نہ کرو"۔ میں یہ کہتا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور انہیں تائید الٰہی حاصل ہے، اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں لیکن جہاں تک غیر انبیاء کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں حضرت عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب حاکم اجتہاد کرے اور صحت تک پہنچ جائے تو اس کیلئے دو اجر ہیں اور جب وہ اجتہاد کرے اور غلطی کر جائے تو اس کیلئے ایک اجر ہے (2)۔ اس حدیث میں ایاس کے اس قول کا رد ہے کہ قاضی جب اجتہاد کے باوجود غلطی کر جائے تو وہ جہنمی ہے۔ سنن کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ قاضی تین قسم کے ہیں: ایک جنتی اور دو دوزخی۔ وہ شخص جس نے حق معلوم ہو جانے کے بعد اس کے مطابق فیصلہ کیا تو وہ جنتی ہے، وہ شخص جس نے جہالت کے ساتھ فیصلہ دیا، وہ دوزخی ہے اور وہ شخص جس نے حق معلوم ہو جانے کے باوجود اس کے خلاف فیصلہ دیا، وہ بھی جہنمی ہے (3)۔ قرآن کریم کے بیان کردہ اس واقعہ کے قریب قریب وہ واقعہ بھی ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "دو عورتوں کے پاس اپنے دو بیٹے تھے کہ اچانک بھیڑیا آ گیا اور ایک عورت کے بیٹے کو اٹھا کر لے گیا۔ باقی رہ جانے والے بچے کے متعلق ہر ایک دعویٰ کرنے لگی کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ جب وہ مقدمہ لے کر حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس گئیں تو انہوں نے بڑی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ جب وہ وہاں سے نکل کر جانے لگیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے دونوں کو اپنے پاس بلا لیا اور فرمایا کہ چھری لاؤ، میں اس بچے کے دو ٹکڑے کر کے ان کے درمیان تقسیم کر دیتا ہوں۔ چھوٹی کہنے لگی: "اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے! یہ لڑکا اس بڑی کا ہے، آپ اس بچے کے ساتھ ایسا نہ کریں چنانچہ آپ علیہ السلام نے اس چھوٹی کے حق میں فیصلہ کر دیا" (4)۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے تو کتاب القضاء میں "بَابُ الْحَاكِمِ يُوْهِمُ خِلَافَ الْحُكْمِ لِيَسْتَعْلِمَ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 298، سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام، جلد 2 صفحہ 781 وغیرہ
2۔ فتح الباری، کتاب الاعتصام، جلد 13 صفحہ 318
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیہ، جلد 3 صفحہ 299، سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام، جلد 2 صفحہ 776
4۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6 صفحہ 458، صحیح مسلم، کتاب الاقضیہ، جلد 3 صفحہ 1344-1345

الْحَقِّ" کے نام سے اس پر باب بھی باندھا ہے۔ ایسا ہی ایک قصہ حافظ ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل کے زمانہ کی ایک نہایت حسین وجمیل عورت نے ان میں سے کسی کے جال میں آنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس پر برہم ہو کر انہوں نے آپس میں متفقہ فیصلہ کیا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس ان سب نے اس عورت کے خلاف گواہی دی کہ اس نے اپنے کتے سے بدفعلی کروائی ہے، جسے اس نے اس فعل کیلئے تربیت دے رکھی ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عورت کو رجم کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ اس دن کی شام کو حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ فرضی عدالت لگ گئی۔ آپ حاکم بن گئے، چار لڑکوں نے ان رئیسوں کا روپ دھار لیا اور ایک نے اس عورت کا۔ آپ نے حکم دیا کہ ان چاروں کو جدا جدا کر دو، پھر آپ نے ایک کو بلا کر پوچھا کہ اس کتے کا رنگ کیا ہے؟ اس نے کہا: سیاہ۔ آپ نے اس کو الگ بھیج کر دوسرے کو بلایا اور اس سے کتے کا رنگ پوچھا؟ اس نے کہا: سرخ۔ تیسرے نے کہا: خاکستری اور چوتھے نے کہا: سفید۔ آپ علیہ السلام نے اسی وقت انکے قتل کا حکم جاری کر دیا۔ جب حضرت داؤد کو اس کارروائی کا علم ہوا تو آپ علیہ السلام نے فوری طور پر ان چاروں رئیسوں کو بلایا اور الگ الگ ہر ایک سے کتے کا رنگ دریافت کیا، ہر ایک نے الگ الگ رنگ بتایا تو آپ نے انہیں قتل کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا: وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ ۔ حضرت داؤد علیہ السلام بڑے خوش گلو اور خوش الحان تھے، آپ کی آواز بہت رسیلی تھی، جب آپ ترنم سے زبور کی تلاوت کرتے تو پرندے ہوا میں ٹھہر جاتے اور نہ صرف وہ بلکہ پہاڑ بھی آپ کے ساتھ تسبیح میں مشغول ہو جاتے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی آواز بھی بہت پیاری اور رسیلی تھی۔ ایک مرتبہ وہ رات کے وقت قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے کہ وہاں سے رسول اللہ ﷺ کا گذر ہو گیا۔ آپ وہاں کھڑے ہو کر تلاوت سننے لگے اور فرمایا: "انہیں تو آل داؤد کی مزامیر میں سے ایک مزمار (خوش الحانی) عطا ہوئی ہے"۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا تو عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ آپ سن رہے ہیں تو میں خوب مزین کر کے پڑھتا(1)۔ ابوعثمان نہدی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی آواز جیسی آواز باجے، بربط اور بانسری کی بھی نہیں سنی، اس لیے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ انہیں آل داؤد کی خوش آوازی میں سے حصہ عطا ہوا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے ایک اور کمال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ﴿۱۰﴾ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ (سبا: 11-10) "اور ہم نے اس کیلئے لوہے کو نرم کر دیا اور (حکم دیا) کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور حلقے جوڑنے میں اندازہ کا خیال رکھو"۔ یعنی زرہ کا حلقہ اتنا وسیع نہ کریں کہ کیل اپنی جگہ سے ہٹ جائے اور اس قدر کیل تخت نہ کریں کہ حلقہ ہی ٹوٹ جائے۔ اس لئے فرمایا: لِتُحْصِنَكُمْ ۔ یعنی یہ جنگ میں تمہاری حفاظت کا ذریعہ ہے، کیا تم اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرنے والے ہو جو اس نے داؤد علیہ السلام کے ذریعے تم پر کی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے کمالات ذکر کرنے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے کمالات کا ذکر ہو رہا ہے، فرمایا: وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ ۔ یعنی ہم نے سلیمان علیہ السلام کیلئے تند و تیز ہوا کو مسخر کر دیا جو ان کے حکم سے شام کی مبارک سرزمین کی طرف چلتی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ضرورت کی اشیاء لے کر اپنے تخت پر بیٹھ جاتے، امراء، وزراء، گھوڑے، اونٹ، خیمے اور لشکر بھی ساتھ ہوتے، پھر آپ کے حکم سے ہوا تخت کو اپنے دوش پر سوار کر لیتی اور اسے لے کر سفر شروع کر دیتی۔ دوران سفر پرندے آپ علیہ السلام پر سایہ کرتے۔ جہاں آپ علیہ السلام کی مرضی ہوتی، ہوا وہاں تک آپ کو لے جاتی جیسا کہ ارشاد ہے: فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ

1۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1 صفحہ 546، تحفۃ الاحوذی، ابواب المناقب، جلد 10 صفحہ 357

اَصَابَ (ص:36) "پس ہم نے ہوا کو آپ کا فرمانبردار بنا دیا۔ وہ آپ کے حسب حکم جہاں آپ چاہتے آرام سے چلتی تھی" غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَ رَوَاحُهَا شَهْرٌ (سبا:12) "اس (ہوا) کی صبح کی منزل ایک ماہ کی اور شام کی منزل بھی ایک ماہ کی ہوتی"۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے چھ لاکھ کرسیاں لگائی جاتیں، آپ کے قریب مومن انسان بیٹھتے، پھر ان کے پیچھے مومن جن بیٹھتے، پھر پرندوں کو حکم ہوتا تو وہ سب پر سایہ کرتے، پھر ہوا کو حکم ہوتا تو وہ سب کو اٹھا کر لے چلتی(1)۔ عبداللہ بن عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہوا کو حکم دیتے تو وہ ایک بڑے ٹیلے کی مانند جمع ہو جاتی، یوں محسوس ہوتا گویا یہ پہاڑ ہے، پھر آپ بستر لگانے کا حکم دیتے تو اس کی بالائی سطح پر بستر لگا دیا جاتا۔ پھر آپ سر جھکا لیتے اور دائیں بائیں نہیں دیکھتے تھے۔ اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کے انعام پر شکر بجا لانا تھا اور عاجزی کا اظہار کرنا تھا، پھر آپ جہاں چاہتے ہوا آپ کو نیچے اتار دیتی۔ اس کے بعد فرمایا: وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ...... یعنی سرکش جنات آپ کے تابع فرمان کر دیے گئے جو سمندر میں غوطہ لگا کر اس کی تہہ سے قیمتی موتی اور جواہرات نکالتے اور اس کے علاوہ طرح طرح کے اور کام بھی کرتے جیسا کہ فرمایا: وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّ اٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ (ص:38-37) "اور سب دیو بھی ماتحت کر دیے کوئی معمار اور کوئی غوطہ خور اور ان کے علاوہ (جو سرکش تھے) زنجیروں میں باندھ دیے گئے"۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ یعنی اللہ تعالیٰ حضرت سلیمان علیہ السلام کا محافظ تھا۔ جنات میں سے کوئی بھی آپ کو گزند نہیں پہنچا سکتا تھا، سبھی آپ کے ماتحت اور زیر قبضہ تھے، کوئی آپ کے قریب بھی نہ پھٹک سکتا تھا۔ آپ جیسے چاہتے ان پر حکمرانی کرتے۔ اگر چاہتے تو آزاد کر دیتے اور اگر چاہتے تو اپنی قید میں رکھتے، اس لیے فرمایا: "وَ اٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ"۔

وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾

"اور یاد کرو ایوب کو جب پکارا انہوں نے اپنے رب کو کہ مجھے پہنچی ہے سخت تکلیف اور تو ارحم الراحمین ہے۔ (میرے حال زار پر بھی رحم فرما) تو ہم نے قبول فرمالی اس کی فریاد اور ہم نے دور فرما دی جو تکلیف انہیں پہنچ رہی تھی اور ہم نے عطا کیے اسے اس کے گھر والے نیز اتنے اور ان کے ساتھ اپنی رحمت خاص سے اور یہ نصیحت ہے عبادت گزاروں کے لئے"۔

حضرت ایوب علیہ السلام اپنے مال، اولاد اور جسم کے متعلق جس آزمائش سے دوچار ہوئے اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وافر دولت، طرح طرح کے ہزارہا مویشی، وسیع زرعی زمین، کثیر اولاد اور پرسکون رہائش گاہیں مرحمت فرمائیں لیکن جب آزمائش کا دور آیا تو یہ سب کچھ ختم ہو گیا، پھر جذام کی بیماری نے آپ کے پورے جسم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ دل اور زبان کے سوا آپ کا کوئی عضو اس بیماری سے محفوظ نہ رہا، ان سے آپ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے۔ اب یہ کیفیت ہو گئی کہ دوست احباب بھی آپ سے نفرت کرنے لگے۔ آپ کی زوجہ محترمہ کے علاوہ کوئی ایسا شخص نہ تھا جو آپ کی طرف متوجہ ہوتا۔ آپ کو شہر کے ایک کونے میں الگ تھلگ سکونت اختیار کرنا پڑی۔ صرف آپ کی زوجہ آپ کی تیمارداری اور دیکھ بھال کرتیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان نامساعد حالات میں انہیں آپ کی خاطر محنت مزدوری کرنا پڑی۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "سب سے زیادہ سخت آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے، پھر صالحین کی، پھر ان سے کم درجہ کے حامل

1۔ مستدرک حاکم، کتاب التاریخ، جلد 2 صفحہ 589 وغیرہ

لوگوں کی پھر ان سے درجہ میں کم لوگوں کی''(1)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ''ہر شخص کی آزمائش اس کے دین کی مقدار کے مطابق ہوتی ہے، اگر اس کے دین میں مضبوطی پائی جاتی ہو تو اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے''۔ حضرت ایوب علیہ السلام انتہائی صابر تھے اور آپ کا صبر ضرب المثل بن گیا۔ یزید بن میسرہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کا امتحان لیا، آپ کا مال اور اہل وعیال سب کچھ جاتا رہا اور کچھ بھی باقی نہ رہا تو آپ پہلے سے بھی زیادہ یاد الٰہی میں سرگرم ہو گئے اور کہنے لگے: اے پالنے والے! میں تیری حمد وثنا کرتا ہوں، تو نے مجھ پر احسان فرمایا، مجھے مال واولاد سے نوازا جن کے ساتھ میرا دل مشغول ہو گیا۔ تو نے یہ سب کچھ واپس لے کر میرے دل کو ہر فکر سے آزاد کر دیا ہے، اب میرے اور تیرے درمیان کوئی چیز حائل نہیں۔ اگر میرے دشمن ابلیس کو تیرے اس عظیم احسان کا علم ہو جائے تو وہ مجھ پر حسد کرنے لگ جائے۔ اس دعا سے ابلیس کو سخت تکلیف پہنچی اور اس نے ناگواری کا اظہار کیا(2)۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی دعا میں یہ بھی کہا: اے میرے پروردگار! تو نے مجھے مال واولاد عطا فرمایا لیکن میں نے کسی پر ظلم نہیں کیا جس کی شکایت لے کر وہ میرے دروازے پر آیا ہو، اس چیز کو تو اچھی طرح جانتا ہے، اے پروردگار! مجھے معلوم ہے کہ میرے لیے نرم بستر بچھایا جاتا لیکن میں اسے چھوڑ کر اپنے آپ سے کہتا کہ تمہیں نرم بستر پر آرام کرنے کیلئے نہیں پیدا کیا گیا۔ تیری رضا کی خاطر میں راحت وآرام کو خیرباد کہہ دیتا۔ اسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے وہب بن منبہ سے آپ علیہ السلام کے متعلق ایک طویل واقعہ بیان کیا ہے جسے متعدد مفسرین نے بھی نقل کیا ہے، لیکن اس میں غرابت ہے، طوالت کے باعث ہم نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ مروی ہے کہ آپ طویل عرصہ اس آزمائش سے دوچار رہے، پھر اس سبب کے متعلق اختلاف ہے جو اس دعا کا باعث بنا۔ حسن اور قتادہ فرماتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام سات سال اور چند مہینے اس مشکل کا سامنا کرتے ہوئے بنی اسرائیل کے کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ پر پڑے رہے یہاں تک کہ آپ کے جسم میں کیڑے پڑ گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس تکلیف کو رفع کر دیا، عظیم اجر سے نوازا اور آپ کی بہت تعریف کی۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ آپ پورے تین سال اس تکلیف کو برداشت کرتے رہے۔ سدی کہتے ہیں کہ آپ کے جسم سے گوشت اتر کر نیچے گرنے لگا یہاں تک کہ صرف پٹھے اور ہڈیاں باقی رہ گئیں۔ آپ کی زوجہ محترمہ آپ کی خدمت بجا لاتیں اور آپ کے پاس راکھ لے کر آتیں جس میں آپ پڑے رہتے۔ جب اس تکلیف کو ایک طویل عرصہ گزر گیا تو آپ کی زوجہ نے آپ سے عرض کی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے اس تکلیف سے کشائش کی دعا کیوں نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ستر سال صحت وعافیت میں گزارے ہیں، اگر میں رضائے الٰہی کی خاطر ستر برس بھی صبر کروں تو بھی یہ کم ہے، یہ سن کر آپ کی زوجہ لرز گئیں۔ وہ محنت مزدوری کر کے آپ علیہ السلام کا پیٹ پالتی تھیں۔ اہل فلسطین میں سے دو آدمی حضرت ایوب علیہ السلام کے گہرے دوست تھے، شیطان ان کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ تمہارا دوست ایوب سخت مصیبت سے دوچار ہے، اس لیے تم اس کی تیمارداری کیلئے جاؤ اور اپنے ساتھ اپنے علاقہ کی شراب بھی لیتے جانا، اگر اس نے وہ شراب پی لی تو شفایاب ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ دونوں جب آپ علیہ السلام کے پاس آئے تو آپ کی حالت دیکھ کر انہیں بے ساختہ رونا آ گیا۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا کہ تم دونوں کون ہو؟ انہوں نے یاد دلایا کہ ہم فلاں فلاں ہیں۔ یہ جان کر آپ نے خوشی کا اظہار کیا اور انہیں خوش آمدید کہا۔ وہ آپ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ شاید آپ اپنے دل میں کچھ چھپائے ہوں گے اور اس کے برعکس ظاہر کرتے

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9 صفحہ 343-344، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 1334 وغیرہ

2۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 653-654

ہوں گے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس آزمائش میں ڈال دیا۔ آپ نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کر کے فرمایا کہ وہ (اللہ تعالیٰ) بخوبی جانتا ہے کہ میں کیا چھپاتا تھا اور کیا ظاہر کرتا تھا۔ دراصل میرے رب نے مجھے اس لئے آزمائش میں ڈالا ہے کہ وہ مجھے دیکھے میں صبر کرتا ہوں یا بے صبری کا مظاہرہ کرتا ہوں۔ وہ آپ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ آپ ہمارے علاقہ کی شراب پئیں، اگر آپ نے یہ شراب پی لی تو آپ صحت یاب ہو جائیں گے۔ آپ سخت غضبناک ہو کر فرمانے لگے کہ خبیث شیطان تمہارے پاس گیا اور تمہیں یہ حکم دیکر چلتا بنا۔ تم سے کلام کرنا اور تمہارا کھانا پینا مجھ پر حرام ہے۔ چنانچہ یہ دونوں آپ کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے۔ آپ کی زوجہ محترمہ لوگوں کے گھروں میں کام کاج کیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے ایک گھر والوں کی روٹیاں پکائیں۔ ان کا ایک بچہ سویا ہوا تھا تو گھر والوں نے اس بچے کے حصہ کی ٹکیا انہیں دے دی اور بچے کو بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا، وہ ٹکیا لے کر حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آئیں تو آپ نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ تم پہلے تو ایسی روٹی نہیں لاتی تھیں، آج کیا ہوا؟ انہوں نے صورتِ حال سے آگاہ کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ ممکن ہے وہ بچہ بیدار ہو کر اس ٹکیا کیلئے ضد کرتا ہو اور نہ ملنے پر رو رہا ہو، اس لئے یہ ٹکیا اس کے پاس لے جاؤ۔ چنانچہ وہ روٹی لے کر ادھر چل پڑیں، جب وہ ان کے گھر کی سیڑھی تک پہنچیں تو وہاں بندھی ہوئی بکری نے انہیں سینگ مار دیا، اس وقت ان کی زبان سے بیساختہ یہ الفاظ نکل آئے کہ ایوب کیسے غلط خیال والے ہیں، جب وہ اوپر چڑھ کر ان کے گھر گئیں تو دیکھا واقعی بچہ رو رہا ہے اور اسی ٹکیا کیلئے ضد کر رہا ہے، اس کے علاوہ کسی اور چیز پر راضی ہی نہیں ہوتا۔ یہ دیکھ کر کہنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ ایوب پر رحم فرمائے۔ روٹی اس بچے کو دی اور واپس لوٹ آئیں۔ رستہ میں ابلیس ایک طبیب کے روپ میں ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ تمہارے شوہر کی بیماری طول پکڑ گئی ہے، اگر وہ صحت یابی کا خواہشمند ہے تو اسے کہو کہ وہ ایک مکھی بنی فلاں کے بت پر مار دے، اس طرح شفا ہو سکتی ہے، شفایاب ہونے کے بعد توبہ کر لے، جب انہوں نے حضرت ایوب علیہ السلام سے یہ بات کہی تو آپ نے فرمایا کہ شیطان خبیث نے تمہیں یہ مشورہ دیا ہے۔ اگر میں تندرست ہو گیا تو میں تمہیں سو کوڑے لگاؤں گا۔ ایک دن وہ روزی کی تلاش میں نکلیں لیکن گھر گھر جانے کے باوجود کوئی کام نہ ملا۔ جب مایوس ہو گئیں اور حضرت ایوب علیہ السلام کی بھوک کا خوف دامنگیر ہو گیا تو انہوں نے اپنی کچھ زلفیں کاٹ کر ایک امیرزادی کے ہاتھ فروخت کر دیں، اس کے بدلے میں بہت سا عمدہ کھانا مل گیا جسے لے کر وہ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آگئیں اور حضرت ایوب علیہ السلام نے دیکھ کر تعجب کا اظہار کیا اور پوچھا کہ یہ سب کچھ کہاں سے ملا؟ انہوں نے جواب دیا کہ لوگوں کے گھروں میں کام کاج کرنے کے صلہ میں یہ کھانا ملا ہے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے اس میں سے کچھ کھانا تناول فرمالیا۔ اگلے روز پھر ایسا ہی ہوا۔ تلاشِ بسیار کے باوجود جب مزدوری نہ ملی تو انہوں نے اپنی کچھ زلفیں کاٹ کر اس امیرزادی کو بیچ دیں اور اس کے بدلے میں کھانا لے کر آپ کے پاس چلی آئیں، آپ نے فرمایا کہ میں جب تک اس کھانے کی حقیقت نہ جان لوں، بالکل نہیں کھاؤں گا۔ اب آپ کی زوجہ نے اپنے سر سے دوپٹہ اتار دیا۔ جب آپ نے دیکھا کہ زوجہ محترمہ کے سر کے بال تک کٹ چکے ہیں تو آپ بہت بے چین اور پریشان ہو گئے۔ اس وقت آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دستِ سوال دراز کرتے ہوئے عرض کی: اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ ۔۔۔ نوف بکالی کہتے ہیں کہ جو شیطان حضرت ایوب علیہ السلام کے پیچھے پڑا تھا، اس کا نام مسوط تھا۔ آپ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ آپ سے عرض کیا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ سے اپنی صحت یابی کیلئے دعا کریں لیکن آپ دعا نہ کرتے یہاں تک کہ ایک مرتبہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگ آپ کے پاس سے گذرے تو ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اس شخص کو کسی بڑے گناہ کی پاداش میں اس تکلیف سے دوچار کیا گیا ہے۔ اس وقت آپ نے مذکورہ دعا مانگی۔ عبداللہ بن عبید بن عمیر بیان کرتے ہیں کہ

حضرت ایوب علیہ السلام کے دو بھائی تھے۔ ایک دن وہ ملاقات کیلئے آپ علیہ السلام کے ہاں آئے لیکن بدبو کے باعث آپ کے قریب نہ جاسکے اور دور ہی کھڑے ہوکر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اگر ایوب میں کوئی بھلائی ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے اس مصیبت میں مبتلا نہ کرتا۔ یہ سن کر آپ علیہ السلام کو شدید دکھ ہوا کہ اسقدر دکھ آپ کو پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ آپ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہوئے کہا: اے اللہ! میں نے کوئی رات ایسی نہیں گذاری جس میں میں نے تو سیر ہوکر کھایا ہو اور میرے علم کے باوجود کوئی شخص بھوکا رہا ہو، اگر یہ بات درست ہے تو اے اللہ! میری تصدیق فرما۔ چنانچہ اسی وقت آسمان سے آپ کی تصدیق نازل ہوئی اور وہ دونوں سن رہے تھے، پھر آپ نے عرض کی: اے اللہ! کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میرے پاس دو قمیضیں ہوں اور میرے جانتے ہوئے بھی کوئی شخص برہنہ رہا ہو۔ اگر یہ بات سچی ہے تو تصدیق فرما، اسی وقت آسمان سے آپ کی تصدیق نازل ہوئی اور وہ دونوں سن رہے تھے۔ پھر آپ نے عرض کی: اے اللہ! تیرے عزت کی قسم، اس کے ساتھ ہی آپ سجدہ ریز ہوگئے اور عرض کرنے لگے: اے اللہ، تیری عزت کی قسم! میں اس وقت تک سجدہ سے سر نہیں اٹھاؤں گا جب تک تو میری تکلیف دور نہ کردے۔ واقعی ایسا ہی ہوا۔ جب تک آپ کو مصیبت سے نجات نہ ملی، اس وقت تک آپ نے سر نہ اٹھایا(1)۔ ابن ابی حاتم میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کے نبی ایوب علیہ السلام اٹھارہ برس ابتلاء میں رہے۔ سوائے دو قریبی دوستوں کے سبھی نے آپ سے منہ موڑ لیا۔ یہ دونوں صبح و شام آپ کی مزاج پرسی کیلئے آتے۔ ایک مرتبہ ان میں سے ایک دوسرے سے کہنے لگا کہ ایوب نے ایسا گناہ کیا ہے جس طرح کا گناہ کسی نے نہ کیا ہوگا۔ اس کا ساتھی پوچھنے لگا کہ وہ کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ اٹھارہ برس ہوگئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر نہ رحم فرمایا ہے اور نہ ان کی تکلیف کو رفع کیا ہے۔ جب وہ دونوں آپ کے پاس آئے تو اس آدمی نے اپنے ساتھی کی بدگمانی کے متعلق آپ کو آگاہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میری احتیاط کا تو یہ عالم تھا کہ اگر رستہ میں دو آدمیوں کو جھگڑتے ہوئے اور اللہ کی قسم اٹھاتے ہوئے پاتا تو گھر واپس لوٹ کر ان کی طرف سے اس اندیشہ کے پیش نظر کفارہ ادا کرتا کہ کہیں انہوں نے ناحق اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا ہو۔ آپ اس قدر نحیف اور کمزور ہوگئے کہ قضائے حاجت کیلئے بھی اپنی زوجہ کے سہارے چل کر جاتے۔ ایک مرتبہ آپ کی زوجہ نے آنے میں تاخیر کردی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنا پاؤں زمین پر مارو اور جاری ہونے والے چشمہ سے غسل بھی کرو اور پیو بھی۔ اس حدیث کا مرفوع ہونا غریب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو ایک جنتی حلہ پہنایا تو آپ ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ آپ کی زوجہ محترمہ آئیں لیکن آپ کو نہ پہچان سکیں۔ کہنے لگیں: اے اللہ کے بندے! یہاں ایک مصیبت زدہ شخص تھے وہ کہاں گئے، شاید انہیں کتے یا بھیڑیے لے گئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں ایوب ہی ہوں۔ کہنے لگیں: اے اللہ کے بندے! کیا تو میرے ساتھ مذاق کررہا ہے؟ آپ نے فرمایا میں ایوب ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا عطا فرمادی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وہی مال و اولاد آپ کو لوٹا دی اور ان کے ساتھ اس قدر اور بھی۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف وحی کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے تمہارے اہل و عیال اور مال و دولت تم پر لوٹا دیے ہیں اور ان کے ساتھ اس قدر مزید بھی۔ تم اس پانی کے ساتھ غسل کرو کیونکہ اس میں تمہارے لیے شفا ہے اور اپنے اعزاء و اقارب کی طرف سے قربانی پیش کریں اور ان کیلئے استغفار کریں کیونکہ وہ تمہارے بارے میں میری نافرمانی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو عافیت عطا

1۔ الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 654، تفسیر طبری، جلد 17، صفحہ 71

فرمائی تو آپ پر سونے کی ٹڈیاں برسائیں۔ آپ اپنے ہاتھ سے انہیں پکڑتے جاتے اور اپنے کپڑے میں رکھتے جاتے۔ آواز آئی: اے ایوب! کیا تم سیر نہیں ہوئے؟ عرض کی: اے پروردگار! تیری رحمت سے کون سیر ہو سکتا ہے؟“(1)۔ اس کے بعد فرمایا: وَاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے والے اہل وعیال آپ کو واپس کر دیے گئے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آپ کی زوجہ محترمہ کا نام رحمت تھا، اگر تو یہ نام اس آیت سے ماخوذ ہے تو بھی یہ دوراز حقیقت ہے اور اگر اہل کتاب سے لیا گیا ہے تو بھی نہ تو اس کی تصدیق کی جا سکتی ہے اور نہ تکذیب۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ان کا نام ”لیا بنت منشا بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم“ بتایا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت لیا حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیٹی تھیں اور ارض بثنیہ میں حضرت ایوب کے ساتھ رہتی تھیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام سے کہا گیا کہ تمہارے اہل وعیال جنت میں ہیں۔ اگر آپ کی خواہش ہو تو ہم وہی آپ کو عطا کر دیتے ہیں اور اگر آپ چاہیں تو انہیں جنت میں ہی رہنے دیتے ہیں اور ان کے عوض ہم تمہیں اور عطا کر دیتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ انہیں وہاں ہی رہنے دیں۔ چنانچہ انہیں جنت میں ہی رہنے دیا گیا اور ان کے عوض میں ان جیسے اور عطا کر دیے۔ نوف بکالی کہتے ہیں کہ آخرت میں ان کا اجر اور دنیا میں ان کا عوض آپ کو عطا ہوا۔ کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات مطرف کو بتائی تو وہ کہنے لگے کہ آج سے پہلے مجھے اس توجیہہ کا علم نہیں تھا(2)۔ پھر فرمایا: رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا۔ یعنی یہ ان پر ہماری خصوصی رحمت تھی اور ہم نے انہیں اس لئے تکالیف میں مبتلا کیا تاکہ وہ لوگوں کیلئے قابل تقلید نمونہ بن جائیں اور آزمائش سے دوچار ہونے والے یہ نہ خیال کرنے لگیں کر رہے ہیں کہ وہ ہمارے ہاں گھٹیا اور ذلیل ہیں، دوسری چیز یہ ہے کہ لوگ آپ کے اسوہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے مقدر کی گئی آزمائشوں پر صبر کریں۔ آزمائش میں بھی اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت کارفرما ہے۔

وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِدْرِيْسَ وَ ذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَ اَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

”اور یاد کرو اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل (علیہم السلام) کو۔ یہ سب صابروں کے گروہ سے تھے۔ اور ہم نے داخل فرما انہیں اپنی خاص رحمت میں۔ یقیناً وہ نیک بندوں میں سے تھے“۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند تھے، ان کا ذکر سورۂ مریم میں گذر چکا ہے اور اسی طرح حضرت ادریس علیہ السلام کا تذکرہ بھی ہو چکا ہے۔ جہاں تک حضرت ذوالکفل کا تعلق ہے تو چونکہ ان کا ذکر انبیاء کے ساتھ ہوا ہے اس لئے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نبی ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ نبی نہیں تھے بلکہ ایک صالح شخص اور عادل بادشاہ تھے۔ امام ابن جریر نے اس بارے میں توقف کیا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت ذوالکفل نیکوکار آدمی تھے، نبی نہیں تھے، انہوں نے اپنی قوم کے نبی سے یہ عہد کیا کہ وہ اپنی قوم کو راہ راست پر رکھیں گے اور ان کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلے کریں گے چنانچہ انہوں نے اس عہد کو خوب نبھایا، اس لیے ان کا نام ذوالکفل پڑ گیا۔ مجاہد بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت یسع بوڑھے ہو گئے تو انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ میں اپنی زندگی میں ہی اپنا جانشین مقرر کر دوں اور دیکھ لوں کہ وہ کس طرح امور انجام دیتا ہے۔ چنانچہ آپ نے لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ کون تین شرائط پر خلافت کو قبول کرنے کیلئے تیار ہے، دن بھر روزہ دار رہے، رات بھر قیام کرے اور کبھی غضبناک نہ ہو۔ ایک شخص جسے لوگ حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے

1۔ مستدرک حاکم، کتاب التاریخ، جلد 2، صفحہ 582 2۔ [illegible]، جلد 5، صفحہ 654

کھڑا ہوا اور کہنے لگے کہ میں تیار ہوں۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تم دن بھر روزے سے رہو گے، رات بھر قیام کیا کرو گے اور غصہ میں نہیں آؤ گے؟ اس شخص نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے اس شخص کو واپس لوٹا دیا۔ اگلے روز پھر ایسا ہی ہوا، حضرت یسع کی شرائط سن کر سبھی خاموش رہے اور وہی آدمی اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں یہ شرائط پوری کروں گا۔ چنانچہ آپ نے اس شخص کو اپنا خلیفہ بنا دیا۔ اب ابلیس نے اپنے چھوٹے شیطانوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو برگشتہ کرنے کی سرتوڑ کوشش کرو لیکن بھرپور کوشش کے باوجود وہ بزرگ ان شیاطین کے جال میں نہ آئے۔ اب ابلیس نے خود ان پر وار کرنے کا تہیہ کر لیا، چنانچہ وہ ایک بوڑھے فقیر کی صورت میں آپ کے پاس چلا آیا، آپ اس وقت قیلولہ کیلئے لیٹے ہی تھے۔ دن اور رات میں یہی تو آپ کے آرام کا وقت تھا۔ ابلیس نے دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ نے پوچھا کہ کون ہے؟ ابلیس نے کہا کہ میں ایک مظلوم بوڑھا ہوں۔ آپ نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ وہ کہنے لگا کہ میرا اپنی قوم کے ساتھ جھگڑا ہو گیا، انہوں نے مجھ پر بہت ظلم کیا، میرے ساتھ یہ کیا، وہ کیا، اس طرح وہ آپ کو ایک طویل قصہ سنانے لگا۔ یہاں تک کہ قیلولہ کا وقت جاتا رہا۔ آپ نے فرمایا کہ شام کے وقت میرے پاس آنا، میں تمہیں تمہارا حق دلوا دوں گا۔ شام ہوئی تو جب آپ فیصلے کرنے کیلئے بیٹھے تو وہ بوڑھا آپ کو نظر نہ آیا، ادھر ادھر تلاش کے باوجود وہ نہ مل سکا۔ اگلے روز آپ قیلولہ کرنے کیلئے لیٹے تو وہ پھر آدھمکا اور دروازہ کھٹکھٹانے لگ گیا، آپ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ اس نے کہا: مظلوم بوڑھا۔ آپ نے دروازہ کھول دیا اور فرمایا کہ میں نے تمہیں یہ نہیں کہا تھا کہ جب میں فیصلے کرنے کیلئے بیٹھوں گا تو اس وقت میرے پاس آنا۔ وہ کہنے لگا کہ میری قوم والے بڑے خبیث لوگ ہیں۔ جب میں آپ کے پاس آنے لگا اور انہیں معلوم ہو گیا کہ آپ فیصلے کرنے کیلئے بیٹھ گئے ہیں تو وہ کہنے لگے کہ ہم تمہیں تمہارا حق ادا کر دیتے ہیں لیکن جب آپ نے مجلس برخاست کر دی تو انہوں نے حق ادائیگی سے صاف انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا: اب چلا جا اور شام کے وقت میرے پاس آنا۔ دوسرے دن بھی آپ کے قیلولہ کا وقت یونہی ضائع ہو گیا۔ شام ہوئی تو آپ اس کا انتظار کرنے لگ گئے لیکن وہ آج پھر دکھائی نہ دیا۔ نیند آپ کو ستانے لگی۔ تیسرے دن آپ نے اپنے اہل خانہ میں سے کسی کے ذمہ لگا دیا کہ قیلولہ کے وقت کوئی بھی اس دروازے کے قریب نہ آنے پائے تاکہ میں آرام کر سکوں، نیند تو مجھ پر غالب آ چکی ہے۔ حسب عادت قیلولہ کی گھڑی میں وہ پھر آدھمکا۔ دربان نے اسے روک کر کہا کہ پیچھے ہٹو۔ ابلیس کہنے لگا کہ میں کل بھی آیا تھا اور بادشاہ کے ساتھ ایک ضروری بات کی تھی۔ دربان نے کہا کہ انہوں نے سختی سے منع کر رکھا ہے کہ کوئی اس دروازے کے قریب نہ آنے پائے۔ وہاں سے ناکام ہونے کے بعد ابلیس ایک روشندان سے اندر کود گیا اور اندر سے دروازہ کھٹکھٹانے لگ گیا۔ آپ نے اٹھ کر دربان سے کہا کہ میں نے تمہیں پابند کیا تھا کہ کوئی میرے پاس اندر نہ آئے۔ دربان کہنے لگا کہ یہ میری طرف سے تو آپ کے پاس نہیں آیا، خود ہی دیکھ لیں کہ یہ کہاں سے وارد ہوا ہے۔ آپ پہچان گئے کہ یہ شیطان ہے۔ شیطان کہنے لگا کہ تم نے میرا ہر حربہ ناکام بنا کر مجھے عاجز کر دیا، میں نے تمہیں غضبناک کرنے کیلئے تنگ کیا۔ آپ نے جو معاملہ اپنے ذمے لیا تھا اور جو عہد کیا تھا، اسے پورا کر دکھایا اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام ذوالکفل رکھ دیا(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کا ایک قاضی تھا جب اس کی وفات کا وقت قریب آیا تو اس نے کہا کہ کون اس شرط پر میرا منصب سنبھالے گا کہ وہ غضبناک نہ ہو۔ ایک آدمی نے کہا: میں۔ چنانچہ ان کا نام ذوالکفل پڑ گیا۔ وہ رات بھر نماز پڑھتے رہتے اور دن بھر روزہ سے رہتے اور لوگوں کے درمیان فیصلے کرتے، صرف قیلولہ کیلئے انہوں نے کچھ وقت مقرر کر رکھا تھا۔ ایک دن جب ان کے قیلولہ کا وقت ہوا تو شیطان آدھمکا۔ دربانوں نے اسے روک

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 74۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 661-662

کر پوچھا کہ تمہارا کیا مسئلہ ہے؟ شیطان نے کہا کہ میں ایک مسکین آدمی ہوں، فلاں آدمی نے میرا حق غصب کر رکھا ہے۔ دربان کہنے لگے کہ ان کے بیدار ہونے تک ٹھہرو۔ وہ اوپر سو رہے ہیں لیکن وہ آپ کی نیند میں خلل ڈالنے کیلئے دانستہ چیخنے لگا جس کی وجہ سے آپ کو جاگ آ گئی۔ آپ نے پوچھا کہ تمہیں کیا ہوا؟ اس نے کہا میں مسکین آدمی ہوں اور ایک آدمی کے ذمہ میرا حق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ اس شخص سے کہو، وہ تمہیں تمہارا حق دے دے گا۔ شیطان کہنے لگا کہ وہ انکاری ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم اس کے پاس جاؤ تو سہی۔ چنانچہ وہ چلا گیا۔ دوسرے دن پھر آ گیا اور آپ کے پوچھنے پر کہنے لگا کہ وہ تو آپ کا حکم سن کر ٹس سے مس نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ، وہ تمہیں تمہارا حق دے دے گا۔ وہ چلا گیا لیکن تیسرے دن پھر آ گیا تو دربان اسے کہنے لگے: تیرا ناس ہو! جا یہاں سے نکل بھاگ، ہر روز تو منہ اٹھائے چلا آتا ہے اور ان کے آرام میں مخل ہوتا ہے۔ شیطان زور زور سے چیخنے لگا اور کہنے لگا کہ چونکہ میں مسکین ہوں اس لئے میرے ساتھ یہ برا سلوک کیا جا رہا ہے۔ اگر میں مالدار ہوتا تو میرے ساتھ ایسا سلوک نہ ہوتا۔ آپ بیدار ہو گئے اور اس سے پوچھنے لگے کہ کیا بنا۔ شیطان کہنے لگا کہ میں اس کے پاس گیا تھا لیکن وہ مجھے مارنے پیٹنے لگا۔ آپ نے فرمایا: چلو، میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ آپ اس کا ہاتھ تھامے چل پڑے لیکن راستہ میں وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگ کھڑا ہوا(1)۔ حضرت اشعری نے منبر پر فرمایا کہ ذوالکفل نبی نہیں تھے، بلکہ وہ بنی اسرائیل کے ایک صالح شخص تھے، ہر روز سو نمازیں پڑھا کرتے۔ ان کی وفات کے بعد ذوالکفل نے یہ ذمہ داری لے لی اس لئے نام ہی ذوالکفل پڑ گیا۔(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک غریب حدیث مروی ہے جسے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے متعدد بار سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: "بنی اسرائیل کا کفل نامی شخص کسی گناہ سے احتراز نہیں کرتا تھا، اس کے پاس ایک (ضرورت مند) عورت آئی تو اس نے بدکاری کی شرط پر اسے ساٹھ دینار دیے۔ وہ عورت آمادہ ہو گئی لیکن جب وہ شخص مطلب براری کیلئے آگے بڑھا تو عورت کانپنے اور رونے لگی۔ اس نے کہا اب رونے کی کیا وجہ ہے، میں نے تمہیں مجبور تو نہیں کیا؟ وہ کہنے لگی کہ مجبور تو نہیں کیا، لیکن ایسی حرکت مجھ سے پہلے کبھی سرزد نہیں ہوئی، بس محتاجی نے نوبت یہاں تک پہنچا دی ہے۔ کفل نے کہا کہ ایک گناہ پر تمہاری یہ حالت ہے حالانکہ پہلے کبھی تم نے ایسا نہیں کیا۔ اسی وقت وہ پیچھے ہٹ گیا اور کہنے لگے کہ جاؤ، دینار لے کر چلی جاؤ، پھر کہنے لگا: اللہ کی قسم! کفل اب کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرے گا۔ اسی رات اس کا انتقال ہو گیا تو صبح کے وقت اس کے دروازے پر یہ تحریر موجود تھی کہ اللہ تعالیٰ نے کفل کو بخش دیا"(3)۔ اس روایت میں صرف کفل مذکور ہے۔ ممکن ہے یہ اور ہوں اور ذوالکفل کوئی اور شخص ہوں۔

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٧﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٨﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٦﴾

"اور یاد کرو ذوالنون کو جب وہ چل دیا غضبناک ہو کر، اور یہ خیال کیا کہ ہم اس پر کوئی گرفت نہیں کریں گے پھر اس نے پکارا (تہ در تہ) اندھیروں میں کہ کوئی معبود نہیں سوا تیرے، پاک ہے تو۔ بیشک میں ہی قصور واروں سے ہوں۔ پس ہم نے ان کی

1۔ الدرالمنثور، جلد 5، صفحہ 662-663 | 2۔ تفسیر طبری، جلد 17، صفحہ 75 | 3۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 23

پکار کو قبول فرمالیا اور نجات بخش دی انہیں غم (واندوہ) سے۔ اور یونہی ہم نجات دیا کرتے ہیں مومنوں کو''۔

یہ واقعہ یہاں بھی مذکور ہے اور سورۂ صافات اور سورۂ نون میں بھی۔ حضرت یونس بن متی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سرزمین موصل کی بستی نینوا کی طرف مبعوث فرمایا۔ آپ اہل نینوا کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے رہے لیکن ان پر آپ کی دعوت کا کوئی اثر نہ ہوا، انہوں نے آپ پر ایمان لانے سے صاف انکار کر دیا اور اپنے کفر پر ڈٹے رہے۔ آپ علیہ السلام ان سے ناراض ہو کر وہاں سے چل دیے اور جاتے وقت انہیں کہہ گئے کہ تین دن بعد تم پر عذاب آئے گا۔ جب انہیں وقوع عذاب کا یقین ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ اللہ کے نبی جھوٹ نہیں بولتے تو وہ اپنے بچوں، جانوروں اور مویشیوں کو لے کر باہر صحرا کی طرف نکل گئے، بچوں اور ماؤں کو جدا جدا کر دیا پھر گڑگڑاتے ہوئے، آہ وزاری کرتے ہوئے پورے عجز و نیاز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد کرنے لگے۔ دوسری طرف جانوروں میں بھی ہلچل مچ گئی، اونٹ بلبلانے لگے، بیل اور گائیں ڈکارنے لگے اور بکریاں اور میمنے ممیانے لگے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی فریاد کو قبول فرماتے ہوئے ان سے عذاب کو ٹال دیا جیسا کہ فرمان ہے: فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰھُمْ اِلٰى حِيْنٍ (یونس:98) ''پس کیوں ایسا نہ ہوا کہ کوئی بستی ایمان لائی تو نفع دیتا اسے اس کا ایمان بجز قوم یونس کے جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان سے دنیوی زندگی کا عذاب دور کر دیا اور ایک مدت تک ہم نے انہیں لطف اٹھانے دیا''۔ حضرت یونس علیہ السلام وہاں سے چلے اور ایک کشتی میں سوار ہو گئے، کشتی ہچکولے کھانے لگی، سب سوار ڈوب جانے کے خوف سے دوچار ہو گئے چنانچہ طے یہ ہوا کہ قرعہ اندازی کرتے ہیں، جس کے نام قرعہ نکلے، اسے پانی میں ڈال دیا جائے تاکہ وزن کم ہو جائے۔ قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا، لیکن باقی سوار آپ کو دریا میں ڈالنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ دوسری بار قرعہ اندازی ہوئی پھر بھی آپ کا ہی نام نکلا، پھر تیسری دفعہ قرعہ اندازی میں بھی آپ کا ہی کا نام نکلا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ (الصافات:141) ''پھر قرعہ اندازی میں شریک ہوئے اور دھکیلے ہوؤں میں سے ہو گئے''۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کپڑے اتارے اور دریا میں کود گئے اللہ تعالیٰ نے بحر اخضر سے ایک مچھلی بھیجی جو پانی کو کاٹتی ہوئی آئی اور حضرت یونس علیہ السلام کو پانی میں گرنے سے پہلے نگل لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ نہ میرے نبی کا گوشت کھانا اور نہ ہڈی توڑنا، کیونکہ یونس تمہاری خوراک نہیں بلکہ تمہارا شکم ان کیلئے قید خانہ ہے، اسی وجہ سے مچھلی کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو ''ذاالنون'' کہا گیا ہے۔ فرمایا: اِذْ ذَّهَبَ . . لیعنی جب وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر چل پڑے اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ ہم مچھلی کے شکم میں ان پر تنگی نہیں کریں گے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ آیت کریمہ میں ''نقدر'' ''تنگی کرنے کے معنی میں ہے۔ ابن جریر اس معنی کی تائید میں یہ آیت پیش کرتے ہیں: وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۭ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۭ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا (الطلاق:7) ''اور وہ جس پر اس کا رزق تنگ کر دیا گیا ہے تو وہ اس سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے اور تکلیف نہیں دیتا اللہ تعالیٰ کسی کو مگر اسقدر جتنا اس نے دیا ہے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد فراخی دے دے گا''۔ عطیہ عوفی اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ خیال کیا کہ ہم ان کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کریں گے۔ گویا انہوں نے یہ تقدیر کے معنی میں لیا ہے۔ قَدَر اور قَدَر دونوں ہم معنی استعمال ہوتے ہیں، اس معنی میں یہ آیت ہے: فَالْتَقَى الْمَاۗءُ عَلٰٓي اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ (القمر:12) ''پھر دونوں پانی مل گئے ایک مقصد کے لئے جو پہلے مقرر ہو چکا تھا''۔ پھر فرمایا: فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا، سمندر کا اندھیرا اور رات کا اندھیرا جمع تھے۔ جب مچھلی آپ کو لے کر سمندر کے نیچے گئی تو اس کی تہہ میں آپ نے کنکریوں

کی تسبیح سنی، اس وقت آپ نے یہ کہا: لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ ۔ عوف الاعرابی کہتے ہیں کہ مچھلی کے شکم میں حضرت یونس نے خیال کیا کہ میں مر گیا، پھر جب آپ نے اپنے پاؤں کو حرکت دی تو وہ ہلا۔ آپ فوراً سجدہ میں گر گئے۔ پھر ندا دی: اے پروردگار! میں نے تیرے لیے ایسی جگہ کو مسجد بنالیا ہے جہاں کوئی شخص نہیں پہنچا(1)۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ چالیس دن مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کو مچھلی کے شکم میں قید کرنا چاہا تو اس مچھلی کو حکم دیا کہ انہیں نگل جا لیکن نہ جسم پر خراش آئے اور نہ ہڈی ٹوٹے۔ جب مچھلی آپ کو لے کر سمندر کی تہہ میں پہنچی تو وہاں آپ کو کچھ آواز سنائی دی۔ آپ نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ میں ہی آپ کی طرف وحی کی کہ سمندری جانوروں کی تسبیح ہے۔ چنانچہ آپ نے بھی تسبیح شروع کر دی۔ جب فرشتوں نے یہ تسبیح سنی تو عرض کرنے لگے: اے ہمارے پروردگار! ہم کسی اجنبی جگہ سے کمزور سی آواز سن رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ میرا بندہ یونس ہے، اس نے میری حکم عدولی کی تو میں نے اسے سمندر میں مچھلی کے شکم میں قید کر دیا۔ فرشتے کہنے لگے کہ یہ صالح بندے ہیں، اے اللہ! دن اور رات ہر وقت ان کے اعمال صالحہ تیری طرف بلند ہوتے رہتے تھے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں۔ اس وقت فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے آپ کی سفارش کی تو اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ آپ کو کنارے پر اگل دے اور اس وقت آپ کی یہ حالت تھی جیسا کہ فرمان ہے: وَهُوَ سَقِيْمٌ (الصافات: 145) "اس حال میں کہ وہ بیمار تھے"۔ ابن ابی حاتم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مچھلی کے پیٹ میں جب ان کلمات کیساتھ یونس علیہ السلام کو دعا کرنے کا خیال آیا تو انہوں نے عرض کی: اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے اور میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔ یہ دعا عرش تلے گھومنے لگی۔ فرشتے عرض کرنے لگے: اے ہمارے پروردگار! ایک جانی پہچانی کمزوری آواز کسی اجنبی جگہ سے آرہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ عرض کی: نہیں، اے پروردگار! یہ کون ہے؟ فرمایا: یہ میرا بندہ یونس ہے۔ فرشتے عرض کرنے لگے کہ تیرا بندہ یونس جن کے نیک اعمال اور مقبول دعائیں ہر وقت بلند ہوتی تھیں۔ اے ہمارے پروردگار! جس طرح وہ آسائش کے وقت نیک اعمال کیا کرتے تھے، اس کے پیش نظر کیا تو ان پر رحم فرما کر اس آزمائش سے انہیں نجات نہیں دے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیوں نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مچھلی نے آپ کو باہر کنارے پر اگل دیا۔ فرمایا: فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ..... یعنی ہم نے ان کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور مچھلی کے شکم اور تاریکیوں سے باہر نکال کر انہیں غم واندوہ سے نجات دی اور ہماری یہی سنت ہے کہ جب اہل ایمان مشکلات میں گھر جاتے ہیں اور ہماری طرف رجوع کر کے ہمیں پکارتے ہیں خصوصاً آزمائش کے وقت جب وہ یہ دعا کرتے ہیں تو ہم انہیں مشکلات سے نکال دیتے ہیں۔ حضور سید الانبیاء ﷺ نے اس دعا لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ... کی بہت ترغیب دلائی ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرا تو انہیں سلام کہا۔ انہوں نے مجھے غور سے دیکھا لیکن میرے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی اور سارا واقعہ بتا دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور پوچھا کہ آپ کو اپنے بھائی کے سلام کا جواب دینے سے کونسی چیز مانع تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے ایسا کیا ہی نہیں اور اس پر انہوں کی قسم اٹھائی کہ انہوں نے مجھے سلام کیا ہی نہیں کہ میں جواب دیتا۔ میں نے بھی قسم اٹھائی کہ میں نے سلام کیا تھا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یاد آ گیا، فرمانے لگے: واقعی تم نے سلام کیا تھا، میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔ دراصل بات یہ ہے کہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 81

جب آپ میرے پاس سے گذرے تو اس وقت میں اپنے دل سے وہ بات کہہ رہا تھا جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی۔ اللہ کی قسم! جب بھی مجھے وہ بات یاد آتی ہے تو میری آنکھوں اور دل پر ایک پردہ چھا جاتا ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ کو اس سے آگاہ کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے اول دعا کا ذکر کیا تھا کہ اسی اثناء میں ایک اعرابی آگیا جس نے آپ ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا یہاں تک کہ آپ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں بھی آپ کے پیچھے ہولیا۔ جب مجھے اندیشہ ہوا کہ آپ ﷺ میرے ساتھ ملنے سے پہلے ہی اپنے گھر تشریف لے جائیں گے تو میں نے زور سے اپنا پاؤں زمین پر مارا۔ آپ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: "یہ کون ہے، ابو اسحاق" میں نے عرض کی: جی ہاں، یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے عرض کی کہ آپ نے ہمارے سامنے اول دعا کا ذکر کیا پھر اعرابی آگیا جس نے آپ کو مشغول کر لیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! وہ دعا حضرت ذوالنون (یونس) علیہ السلام کی ہے جو انہوں نے مچھلی کے شکم میں مانگی، وہ یہ ہے: لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ جو مسلمان جس چیز کیلئے یہ دعا مانگے، اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے (1)۔ حضرت ابو سعید فرماتے ہیں کہ اس سے آپ کی مراد یہ ہے: وَكَذٰلِكَ نُـْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ۔ ابن جریر میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کا وہ نام جب اس سے اسے پکارا جائے تو وہ قبول فرمائے اور جب اس کے ساتھ اس سے سوال کیا جائے تو وہ عطا فرمائے، وہ حضرت یونس بن متی کی دعا ہے"۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا یہ حضرت یونس علیہ السلام کیلئے ہی خاص ہے یا تمام مسلمانوں کیلئے عام ہے؟ آپ نے فرمایا: "یہ یونس بن متی کے لئے خاص ہے اور تمام مومنوں کے لئے عام ہے جب بھی وہ ان کلمات کے ساتھ دعا کریں، کیا تم نے یہ فرمان نہیں سنا: فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ ..... وَكَذٰلِكَ نُـْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ، جو بھی یہ دعا کرے، اس کی قبولیت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے" (2)۔ کثیر بن معبد بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اے ابو سعید! اللہ تعالیٰ کا وہ اسم اعظم کیا ہے کہ جب اس کے ساتھ دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور جب اس کے ذریعے سوال کیا جائے تو وہ عطا فرمائے؟ آپ نے فرمایا: کیا تم نے قرآن کریم میں یہ وَذَا النُّوْنِ ..... نُـْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ نہیں پڑھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے کہ جب اس کے ساتھ دعا کی جائے تو وہ قبول فرماتا ہے اور جب اس کے ساتھ اس سے سوال کیا جائے تو وہ عطا فرماتا ہے (3)۔

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝

"اور یاد کرو زکریا علیہ السلام کو جب انہوں نے پکارا اپنے رب کو کہ اے میرے پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر ہے۔ تو ہم نے اس کی دعا کو قبول فرما لیا اور اسے یحییٰ (جیسا فرزند) عطا فرمایا اور ہم نے تندرست کر دیا ان کی خاطر ان کی اہلیہ کو۔ بے شک وہ بہت سبک رو تھے نیکیاں کرنے میں اور پکارا کرتے تھے ہمیں بڑی امید اور خوف سے اور وہ ہمارے سامنے بڑا عجز و نیاز کیا کرتے تھے"۔

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13 صفحہ 33-34، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 170

2۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 82

3۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 669

حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کی عطا کا سوال کیا جو آپ کے بعد نبی ہو۔ سورہ مریم اور سورۂ آل عمران میں یہ واقعہ بالتفصیل گذر چکا ہے۔ یہاں یہ واقعہ اختصار کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے۔ فرمایا: اِذْ نَادٰی یعنی جب انہوں نے لوگوں سے پوشیدہ اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے پروردگار! مجھے بیٹے اور وارث کے بغیر تنہا نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے اچھا ہے۔ دعا کے بعد اپنے سوال کے مطابق اللہ تعالیٰ کی ثنا کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا اور آپ کی اہلیہ کو اولاد کے قابل بنادیا۔ پہلے آپ بانجھ تھیں اور اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ تھیں۔ عطا کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کی اہلیہ میں کچھ زبان درازی پائی جاتی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کی اصلاح فرما دی۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ ان کے اخلاق میں کچھ نقص تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے درست کردیا لیکن الفاظ قرآنی کے قریب پہلا معنی ہی ہے۔ فرمایا: اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ یعنی یہ سب نیک کام کرنے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے میں بہت سبک تھے اور بہت زیادہ عجز و نیاز کیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس اس فرمان وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ وہ اس کی تصدیق کرنے والے تھے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ مجاہد اس کا یہ معنی کرتے ہیں کہ وہ حقیقی اور سچے مومن تھے۔ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ وہ خوفزدہ رہنے والے تھے۔ ابو سنان کہتے ہیں کہ خشوع ایسے خوف کو کہتے ہیں جو ہر وقت دل میں موجود رہے اور کبھی جدا نہ ہو۔ مجاہد اس کا یہ معنی بھی بتاتے ہیں کہ وہ تواضع کرنے والے تھے۔ حسن، قتادہ اور ضحاک کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی اور فروتنی کا اظہار کرنے والے تھے۔ یہ تمام اقوال قریب قریب ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو، اس کی وہ تعریف کرو جس کا وہ اہل ہے، خوف کے ساتھ امید بھی رکھو، سوال کرتے ہوئے عاجزی بھی کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام اور ان کے اہل خانہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ ...(1)۔

وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

''اور یاد کرو اس خاتون کو جس نے محفوظ رکھا اپنی عصمت کو پس ہم نے پھونک دیا اس میں اپنی روح سے اور ہم نے بنادیا اسے اور اس کے بیٹے کو (اپنی قدرت کی) نشانی سارے جہان والوں کے لئے''۔

حضرت زکریا علیہ السلام اور آپ کے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد، ساتھ ہی حضرت مریم علیہا السلام اور آپ کے فرزند حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا کیونکہ یہ دونوں واقعات باہم مربوط ہیں۔ دونوں واقعات میں بیٹوں کی پیدائش کا تذکرہ ہے۔ ایک واقعہ میں جس والدین کے ہاں بیٹے کی نوید سنائی، وہ دونوں بوڑھے ہو چکے تھے۔ آپ علیہ السلام کی اہلیہ بانجھ تھیں جن کے ہاں جوانی میں بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ اس کے بعد حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ مذکور ہے جو اس سے بھی زیادہ تعجب خیز ہے کیونکہ اس میں بن باپ صرف عورت سے بیٹے کی ولادت کا تذکرہ ہے۔ سورۂ آل عمران اور سورہ مریم میں بھی اسی طرح یہ واقعات ذکر کیے گئے ہیں۔ یہاں فرمایا: وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ اس طرح سورۂ تحریم میں فرمایا: وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا (التحریم: 12)'' اور (دوسری مثال) مریم دختر عمران کی ہے جس نے اپنے گوہر عصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے اس کے اندر اپنی طرف سے روح پھونک دی''۔ اس کے بعد فرمایا: وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ یعنی ہم نے مریم اور ان کے بیٹے کو اس حقیقت کی دلیل بنا دیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور جو چاہے پیدا کرتا ہے۔ وہ صرف ''کن'' کہتا ہے تو مطلوبہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ یہ اس فرمان کی طرح

1۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 283-284

ہے: وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ (مریم: 21) '' اور (مقصد یہ ہے کہ) ہم اسے لوگوں کیلئے اپنی نشانی بنائیں''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں ''الْعٰلَمِيْنَ'' سے مراد جن وانس ہیں۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿٩٢﴾ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۭ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿٩٣﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿٩٤﴾

''(اے ان انبیاء کو ماننے والو)، یہی (توحید) تمہارا دین ہے جو ایک دین ہے۔ اور میں تمہارا پروردگار ہوں پس میری بندگی کیا کرو۔ مگر لوگوں نے پارہ پارہ کرڈالا اپنے دین کو آپس میں۔ (آخرکار) سب ہماری طرف ہی لوٹنے والے ہیں۔ پس جو شخص کرتا رہا کوئی نیک کام بشرطیکہ وہ مومن ہو تو رائیگاں نہیں جانے دیا جائے گا اس کی کوشش کو۔ اور ہم اسکے لئے (اس کے عملوں کو) لکھنے والے ہیں''۔

حضرات ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر اور عبدالرحمٰن بن زید فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں ''امۃ'' سے مراد دین ہے یعنی تمہارا دین ایک دین ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ لوگوں کیلئے وہ چیزیں بیان فرما رہا ہے جن سے انہیں احتراز کرنا ہے اور جنہیں بجالانا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا طریقہ ایک ہی طریقہ ہے یعنی یہ تمہاری شریعت ہے جسے میں نے واضح طور پر تمہارے لیے بیان کردیا ہے۔ ''هذه''، ''ان'' کا اسم ہے اور ''امتكم'' اس کی خبر۔ ''امة واحدة'' حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ فرمایا: وَاَنَا رَبُّكُمْ۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۔ وَاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ (المومنون: 52-51) ''اے پیغمبر! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھے عمل کرو۔ میں تمہارے اعمال سے خوب واقف ہوں اور یہی تمہارا دین ہے، وہ ایک ہی ہے اور میں تمہارا رب ہوں، مجھ سے ڈرو''۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''ہم گروہ انبیاء علاتی بھائی ہیں، ہمارا دین ایک ہے''(1)۔ یعنی شریعتیں اگرچہ مختلف تھیں لیکن ہر ایک کا مقصود اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت ہے جیسا کہ فرمایا: لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (المائدہ: 48) ''ہم نے تم میں سے ہر ایک کیلئے بنائی ہے ایک شریعت اور عمل کی راہ''۔ اس کے بعد فرمایا: وَتَقَطَّعُوْٓا یعنی امتیں اپنے رسولوں کے بارے میں دو حصوں میں بٹ گئیں، کچھ نے ان کی تصدیق کی اور کچھ ان کی تکذیب کرنے لگے، اس لئے فرمایا: كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ، یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے اچھے برے اعمال کی جزا دے گا، اس لئے فرمایا: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ اس طرح ایک اور جگہ فرمایا: اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا (الکہف: 30) ''ہم ضائع نہیں کرتے کسی کا اجر جو عمدہ کام کرتا ہے''۔ یعنی کسی کا عمل اکارت نہیں جائے گا بلکہ اس کی قدر کی جائے گی اور ذرہ بھر بھی کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا اس لئے فرمایا: وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ یعنی تمام اعمال لکھ کر محفوظ کیے جارہے ہیں اور ان میں سے کوئی عمل ضائع نہیں ہوگا۔

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٩٥﴾ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ

1۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6 صفحہ 477-478

كَفَرُوْا ۭ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ ھٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝

"اور ناممکن ہے اس بستی کے لئے جس کو ہم نے برباد کر دیا کہ اسکے باشندے پھر لوٹ کر آئیں۔ یہاں تک کہ جب کھول دیئے جائیں گے یاجوج اور ماجوج اور وہ ہر بلندی سے بڑی تیزی کے ساتھ نیچے اترنے لگیں گے۔ (تب معلوم ہوگا کہ) قریب آ گیا ہے سچا وعدہ تو اس وقت تاڑے لگ جائیں گی نظریں ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا تھا۔ (کہیں گے) صد حیف! ہم تو غافل رہے اس امر سے بلکہ ہم تو ظالم تھے"۔

حضرت ابن عباس اس آیت وَحَرٰمٌ۔ کا یہ مفہوم بتاتے ہیں کہ ہلاک شدہ بستی کے باشندوں کا ہلاکت کے بعد دنیا کی طرف نہ لوٹنا ضروری اور مقدر کر دیا گیا ہے۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ لَا يَرْجِعُوْنَ کا یہ معنی بتاتے ہیں کہ وہ توبہ نہیں کریں گے لیکن پہلا قول زیادہ واضح ہے۔ اس کے بعد فرمایا: حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ... ہم پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ یاجوج ماجوج نسل آدم علیہ السلام سے ہیں بلکہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث کی اولاد سے ہیں جن سے ترک نسل چلی اور یہ بھی انہی کا ایک گروہ ہے، انہیں اس دیوار کے پیچھے چھوڑ دیا گیا جس کی تعمیر ذوالقرنین نے کی تھی اور کہا تھا: ھٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّاۗءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ۝ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ (الکہف: 98-97)۔ "یہ میرے رب کی رحمت ہے اور جب میرے رب کا وعدہ آ جائے گا تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر دے گا اور اس دن ہم بعض کو واگزار کر دیں گے کہ وہ دوسروں میں گھس جائیں گے" اور یہاں فرمایا: حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ۔ حدب کا معنی ہے اونچی جگہ۔ وہ قیامت کے قریب ہر اونچی جگہ سے نکل کر زمین میں فساد برپا کر دیں گے۔ ان کے خروج کی حالت اس طرح بیان ہو رہی ہے گویا سامع اپنی آنکھوں سے اس چیز کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ یہ اس ذات کی طرف سے خبر دی جا رہی ہے جو ماضی، حال اور مستقبل کی ہر چیز سے واقف ہے اسے تمام غیبی چیزوں کا علم ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کچھ لڑکوں کو کھیلتے ہوئے اور ایک دوسرے کے اوپر اچھلتے کودتے دیکھا تو فرمایا کہ یاجوج ماجوج اسطرح نکلیں گے (1)۔ متعدد احادیث میں ان کے خروج کا ذکر موجود ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یاجوج ماجوج کو کھول دیا جائے گا تو وہ لوگوں پر اس طرح چڑھ دوڑیں گے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ہر اونچی جگہ سے تیزی کے ساتھ اترتے چلے جائیں گے۔ وہ نکل کر لوگوں پر چھا جائیں گے۔ مسلمان ان سے دور اپنے شہروں اور قلعوں میں سمٹ جائیں گے اور اپنے جانور بھی ساتھ لے جائیں گے۔ یاجوج ماجوج زمین کا سارا پانی چٹ کر جائیں گے۔ ان کی یہ کیفیت ہوگی کہ ان میں سے بعض نہر کے پاس سے گذریں گے اور اس کا سارا پانی پی کر اسے خشک بنا چھوڑیں گے یہاں تک کہ جب ان کے بعد دوسرا ٹولہ اس نہر سے گذرے گا تو کہے گا کہ کسی زمانے میں یہاں پانی ہوگا۔ جب قلعوں اور شہروں میں پناہ گزیں مسلمانوں کے سوا کوئی نہیں بچے گا تو یہ کہیں گے کہ ہم زمین والوں سے تو فارغ ہو گئے۔ اب آسمان والے باقی رہ گئے ہیں، پھر ان میں سے ایک اپنا نیزہ گھما کر آسمان کی طرف پھینکے گا تو وہ خون سے آلودہ ہو کر نیچے گرے گا، یہ ایک آزمائش ہوگی۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی گردنوں میں کیڑے رینگنے لگیں گے، اس وبا سے وہ سبھی مر جائیں گے اور ان کی آواز سنائی نہیں دے گی۔ مسلمان کہیں گے کہ کوئی ایسا شخص ہے جو ہماری خاطر اپنی جان خطرہ میں ڈال کر جائے اور دیکھ کر آئے کہ یہ دشمن کس حال میں ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص خود کو مقتول سمجھتے ہوئے صرف اللہ تعالیٰ کے واسطے ان کی طرف نکل کھڑا ہوگا۔ جب

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 88

وہ وہاں پہنچے گا تو دیکھے گا کہ سبھی مرے پڑے ہیں اوران کی لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو آواز دے گا کہ تمہیں خوشخبری ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہارے دشمن کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ اب مسلمان اپنے شہروں اور قلعوں سے باہر آئیں گے اور اپنے مویشیوں کو بھی لے آئیں گے، ان کیلئے بجز یاجوج ماجوج کے گوشت کے کوئی چارہ نہیں ہوگا۔ یہ جانوران کا گوشت کھا کر خوب موٹے ہو جائیں گے(1)۔

حضرت نواس بن سمعان کلابی سے روایت ہے کہ ایک دن صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ نے کچھ اس طرح دجال کا ذکر کیا کہ ہم خیال کرنے لگے شاید وہ درختوں کی اوٹ میں ہے اور بس نکلا ہی چاہتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تم پر دجال سے زیادہ کسی اور چیز کا خوف ہے۔ اگر دجال میری موجودگی میں نکلا تو میں اسے سنبھال لوں گا اور اگر وہ میری عدم موجودگی میں نکلے تو ہر شخص خود اپنی حفاظت کا انتظام کرے، میں ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی امان میں دے رہا ہوں۔ وہ نوجوان چھوٹے چھوٹے گھنگھریالے بالوں والا، کانی اور ابھری ہوئی آنکھ والا ہے۔ وہ شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور اپنے دائیں بائیں خوب فساد انگیزی کرے گا۔ اے اللہ کے بندو! ثابت قدم رہنا۔ ہم نے عرض کی: یارسول اللہ! وہ کتنا عرصہ زمین میں ٹھہرے گا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا' چالیس دن، ایک دن سال کا ہوگا، ایک دن مہینے کے برابر ہوگا، ایک جمعہ کی طرح ہوگا اور باقی دن تمہارے معمول کے دنوں جیسے ہوں گے''۔ ہم نے عرض کی: یارسول اللہ! وہ دن جو اس سال جیسا ہوگا، کیا اس میں یہی پانچ نمازیں کافی ہوں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم اپنے اندازے سے ہر نماز پڑھتے رہنا''۔ ہم نے عرض کی: یارسول اللہ! اس کی رفتار کیا ہوگی؟ آپ نے فرمایا: بادل کی سی جسے ہوا تیز بھگائے جارہی ہو۔ وہ ایک قبیلہ کے پاس سے گذرے گا اور انہیں اپنی دعوت دے گا تو وہ اس کی دعوت کو قبول کرلیں گے۔ وہ آسمان کو حکم دے گا تو وہ بارش برسانے لگ جائے گا، زمین کو حکم دے گا تو وہ فصلیں اگا دے گی۔ شام کے وقت ان کے جانوران کے پاس موٹے تازے، خوب شکم سیر اور بھرے ہوئے تھنوں والے لوٹیں گے۔ وہ ایک اور قبیلے کے پاس جا کر انہیں اپنی طرف بلائے گا لیکن وہ اس کی دعوت کو رد کر دیں گے۔ وہ وہاں سے نکلے گا تو ان کے اموال اس کے پیچھے لگ جائیں گے، وہ ہر چیز سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے اور کچھ بھی ان کے پاس نہیں رہے گا۔ وہ غیر آباد اور ویران جگہ کو حکم دے گا کہ اپنے خزانے باہر اگل دے تو سارے خزانے باہر نکل کر اس کے پیچھے چل دیں گے جیسے شہد کی مکھیاں اپنی ملکہ کے پیچھے۔ وہ ایک آدمی کو تلوار کے ساتھ قتل کر دے گا اور اس کے دو ٹکڑے کر کے دور پھنکوا دے گا، پھر اسے بلائے گا تو وہ زندہ چلتا ہوا اس کے پاس آجائے گا۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا۔ آپ دمشق کی مشرقی جانب سفید منارے کے پاس اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے اتریں گے اور دجال کا پیچھا کر کے اسے مشرقی باب لد کے پاس قتل کر دیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو وحی فرمائے گا کہ میں ایسے بندے بھیجنے والا ہوں جن کے ساتھ لڑنے کی تم میں طاقت نہیں، اس لئے میرے بندوں کو طور کی طرف سمیٹ لو، اس وقت اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو نکالے گا جیسا کہ فرمایا: وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ایک وباان پر بھیجے گا جس کے باعث ان کی گردنوں میں کیڑے نمودار ہوں گے اور یہ سب کے سب یکبارگی موت کے منہ میں چلے جائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی وہاں سے نیچے آئیں گے تو وہ دیکھیں گے کہ ہر گھر ان کی لاشوں سے اٹا پڑا ہے اور ان کی سڑاند اور بدبو نا قابل برداشت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی اللہ تعالیٰ کے حضور التجا کریں گے تو وہ ان لاشوں پر بختی اونٹوں کی گردنوں جیسے پرندے بھیجے گا جو انہیں اٹھا کر وہاں پھینک دیں

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 363، 1364۔

گے جہاں اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوگی"۔ حضرت کعب وغیرہ کہتے ہیں کہ پرندے ان کی لاشوں کو مہبل یعنی طلوع آفتاب کی جگہ میں پھینک دیں گے۔" پھر اللہ تعالیٰ چالیس دن تک تمام روئے زمین پر بارش برسائے گا جس سے زمین دھل کر چکنی صاف چٹان کی طرح ہو جائے گی اور زمین سے کہا جائے گا کہ پھل اگاؤ اور اپنی برکتیں باہر نکالو۔ اس وقت یہ کیفیت ہوگی کہ ایک گروہ کو ایک انار ہی کافی ہوگا اور وہ اس کے چھلکے تلے سایہ حاصل کریں گے۔ جانوروں میں برکت ڈال دی جائے گی یہاں تک کہ ایک اونٹنی کا دودھ لوگوں کی ایک جماعت کیلئے کافی ہوگا، ایک گائے ایک قبیلہ والوں کو کفایت کرے گی اور ایک بکری ایک گھرانے کو کافی ہوگی۔ اس اثناء میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک پاکیزہ ہوا چلے گی جو مسلمانوں کی بغلوں تلے سے نکل جائے گی اور ان کی روح قبض ہو جائے گی اس کے بعد شریر لوگ باقی رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح کودتے پھریں گے اور انہی پر قیامت قائم ہوگی" (1)۔ ابن حرملہ اپنی خالہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا، آپ کو بچھو نے کاٹ لیا تھا، اس لئے آپ اس وقت اپنی انگلی پر پٹی باندھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: "تم کہتے ہو کہ اب تمہارا دشمن کوئی نہیں بلکہ تم تو ہمیشہ دشمن سے لڑتے رہو گے یہاں تک کہ چوڑے چوڑے چہروں والے، چھوٹی چھوٹی آنکھوں والے اور سرخ سفید بالوں والے ہر اونچی جگہ سے اتریں گے، ان کے چہرے تہ بہ تہ ڈھالوں جیسے ہوں گے" (2)۔ سورۂ اعراف کی تفسیر کے آخر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث گذر چکی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "معراج کی رات میری ملاقات ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے ہوئی۔ وہ قیامت کے متعلق گفتگو کرنے لگے، حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ مجھے تو اس کے متعلق کوئی علم نہیں، پھر انہوں نے یہ معاملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سپرد کر دیا تو انہوں نے کہا کہ اس کے معین وقت کے متعلق تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں البتہ بھی یہی فرمایا کہ مجھے قیامت کے دن کا علم نہیں۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی باری آئی تو انہوں نے نے کہا کہ اس کے معین وقت کے متعلق تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں البتہ مجھے اس بات سے آگاہ کیا ہے کہ دجال نکلے گا، میرے پاس دو شاخیں ہوں گی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی سیسے کی طرح پگھلنے لگے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کر دے گا۔ پھر لوگ اپنے شہروں اور وطنوں کو لوٹ جائیں گے۔ اس وقت یاجوج ماجوج کا خروج ہوگا، وہ ہر بلندی سے کودتے ہوئے آ دھمکیں گے، شہروں کو روند ڈالیں گے، جس چیز سے ان کا گذر ہوگا اسے تباہ و برباد کر دیں گے اور جتنا پانی سامنے آئے گا سب پی جائیں گے۔ لوگ ان کی دست برد سے محفوظ رہنے کیلئے اپنے وطنوں میں محصور ہو جائیں گے اور ان کی شکایت کریں گے تو میں ان کیلئے بددعا کروں گا جسے قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان سب کو ہلاک کر دے گا یہاں تک کہ ان کی سڑاند ساری زمین کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا جس کا پانی لاشوں کو بہا کر سمندر میں پھینک دے گا۔ میرے رب نے مجھے یہ بھی بتایا ہے کہ اس وقت قیامت بالکل ایسے ہی ہوگی جیسے پورے دنوں والی حاملہ، جس کے گھر والوں کو یہ معلوم نہیں کہ دن یا رات کب ولادت ہو جائے" (3)۔ اس کی تصدیق اس آیت کریمہ حَتّٰى إِذَا فُتِحَتْ میں موجود ہے۔ اس بارے میں احادیث اور آثار سلف بکثرت موجود ہیں۔ حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب یاجوج ماجوج کے نکلنے کا وقت قریب ہوگا تو وہ دیوار کو کھودیں گے یہاں تک کہ ان کے قریب رہنے والے ان کے کدالوں کی آوازیں سنیں گے۔ جب رات ہو جائے گی تو ان میں سے ایک کہے گا کہ باقی کام کل کر لیں گے لیکن اللہ تعالیٰ دیوار کو بالکل ویسا ہی کر دے گا جس طرح وہ تھی۔ وہ اگلے روز آئیں گے تو دیوار کو جوں

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، جلد 4 صفحہ 2250-2255، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 181-182 وغیرہ
2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 271
3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 1365، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 375

کا توں پائیں گے، پھر اسے کھودنا شروع کر دیں گے یہاں تک کہ آس پاس والوں کو ان کے کدالوں کی آوازیں سنائی دیں گے۔ رات ہو گی تو ان میں سے ایک شخص کہے گا کہ کل آئیں گے اور باقی دیوار توڑ کر ان شاء اللہ نکل جائیں گے کل جب آئیں گے تو دیوار کو اسی حالت پر پائیں گے جس پر وہ اسے چھوڑ کر گئے تھے۔ چنانچہ وہ اس باقی ماندہ حصہ کو بھی کھود کر باہر نکل آئیں گے۔ ان کا پہلا گروہ بحیرہ پر آئے گا اور اس کا سارا پانی پی جائے گا۔ پھر دوسرا گروہ آئے گا تو وہ اس کا کیچڑ چٹ کر جائے گا، تیسرا گروہ آئے گا اور کہے گا کہ یہاں کبھی پانی ہوگا۔ لوگ ان کے خوف سے بھاگ کھڑے ہوں گے۔ ان کی دہشت سے کوئی چیز ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گی۔ پھر وہ اپنے تیر آسمان پر پھینکیں گے تو وہ خون آلود ہو کر واپس گریں گے۔ یہ دیکھ کر وہ کہیں گے کہ ہم زمین والوں اور آسمان والوں پر غالب آ گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے لئے بددعا کرتے ہوئے عرض کریں گے: اے اللہ! ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کی ہم میں طاقت نہیں، تو ان سے ہمیں جیسے چاہے نجات عطا فرما! اس دعا کو قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان پر ایک وبا بھیجے گا جس کے سبب ان کی گردنوں میں کیڑے پڑ جائیں گے، اور یہ سب مر جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان پر پرندے بھیجے گا جو اپنی چونچوں میں ان کی لاشوں کو پکڑ کر سمندر میں پھینک دیں گے۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ حیات نامی ایک چشمہ جاری کرے گا جس سے تمام زمین دھل کر پاک صاف ہو جائے گی اور خوب پیداوار دینے لگے گی یہاں تک کہ ایک انار سے سارے گھر والے سیر ہو جائیں گے۔ اسی اثناء میں ایک شخص ندا دے گا کہ ذوالسویقتین نکل آیا ہے(1)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سات آٹھ سو لشکریوں کا ایک دستہ بھیجیں گے۔ وہ ابھی رستہ میں ہی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ یمنی پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو تمام مومنوں کی روح قبض کر لے گی، پھر گھٹیا اور ردی قسم کے لوگ باقی رہ جائیں گے جو جانوروں کی طرح بدفعلیاں کرتے دندناتے پھریں گے۔ اس وقت قیامت بالکل ایسے ہوگی جس طرح ایک آدمی اپنے پورے دنوں کی گھوڑی کے ارد گرد گھومتا رہتا ہے کہ کب وہ بچہ جنتی ہے۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ میری ان باتوں کے بعد بھی اگر کوئی شخص کچھ کہے تو وہ محض تکلف کرنے والا ہے(2)۔ حضرت کعب کی اس روایت کی تائید صحیح احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ حدیث شریف سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت اللہ شریف کا حج کریں گے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آپ علیہ السلام یاجوج ماجوج کے بعد ضرور بیت اللہ کا حج اور عمرہ کریں گے“(3)۔ فرمایا: وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ یعنی جب ان ہولناک واقعات، آفات اور زلزلوں کا ظہور ہوگا تو اس وقت قیامت بالکل قریب ہوگی اور جب قیامت قائم ہوگی تو کافر کہیں گے کہ یہ بہت مشکل دن ہے، اس لیے فرمایا: فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ .. اس وقت وہ قیامت کی ہولناکیوں کو دیکھ کر اپنے ظلم کا اعتراف کر لیں گے لیکن یہ اعتراف اس وقت بے سود ہوگا۔

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ﴿٩٨﴾ لَوْ كَانَ هَٰؤُلَاءِ آلِهَةً مَّا وَرَدُوهَا ۖ وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٩٩﴾ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿١٠١﴾ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ﴿١٠٢﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَ

1۔ پتلی پنڈلیوں والا حبشی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الحج میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: يُخَرِّبُ الْكَعْبَةَ ذُو السُّوَيْقَتَيْنِ مِنَ الْحَبَشَةِ دیکھئے فتح الباری، جلد 3 صفحہ 460,454

2۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 89

3۔ صحیح بخاری، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 182 4۔ البقرۃ: 24

تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ؕ هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

"(اے مشرکو!) تم اور جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سب جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ تم اس میں داخل ہونے والے ہو۔ (سوچو) اگر یہ خدا ہوتے تو نہ داخل ہوتے جہنم میں۔ اور (جھوٹے خدا اور ان کے پجاری) سب اس میں رہیں گے۔ وہ جہنم میں (شدت عذاب سے) چیخیں گے اور وہ اس میں اور کچھ نہ سن سکیں گے۔ بلاشبہ وہ لوگ جن کے لئے مقدر ہو چکی ہے ہماری طرف سے بھلائی، تو وہی اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔ وہ اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے۔ اور وہ ان (نعمتوں) میں جن کی خواہش انہوں نے کی تھی ہمیشہ رہیں گے۔ نہ غمناک کرے گی انہیں وہ بڑی گھبراہٹ اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے (انہیں بتائیں گے) یہی وہ تمہارا دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا"۔

اللہ تعالیٰ مشرکین مکہ اور ان کی روش اختیار کرنے والے بت پرستوں سے فرما رہا ہے کہ تم اور تمہارے بت جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول "حصب" کا معنی ایندھن ہے جیسے فرمایا: وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ (البقرہ:24) "جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں"۔ آپ نے اس کا معنی درخت بھی منقول ہے۔ ایک اور روایت میں آپ فرماتے ہیں کہ حبشی زبان میں "حصب" لکڑیوں کو کہتے ہیں۔ ایک قرأت میں حصب کی بجائے حطب (لکڑیاں) کا لفظ ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ "حصب" سے مراد ہر وہ چیز ہے جو جہنم میں پھینکی جانے والی ہے۔ یہ تمام اقوال قریب قریب ہیں۔ اگلی آیت میں فرمایا: لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً ..... یعنی تمہارے یہ بت اگر سچے معبود ہوتے تو آگ میں داخل نہ ہوتے۔ یہ بت اور ان کے پجاری تمام جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، وہاں یہ چیخیں گے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ (ہود:106) "وہاں ان کے مقدر میں چیخنا اور چلانا ہوگا"۔ علاوہ ازیں وہ کسی چیز کو نہیں سن سکیں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہی لوگ جہنم میں باقی رہ جائیں گے جنہیں وہاں ہمیشہ رہنا ہے، تو انہیں آگ کے صندوقوں میں بند کر دیا جائے گا جن میں آگ کے کیل ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک یہ خیال کرے گا کہ اس کے سوا کسی کو یہ عذاب نہیں دیا جا رہا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اس آیت لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ .. کی تلاوت کی (1)۔ مشرکین اور ان کے عذاب کا ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ ان سعادتمندوں کا ذکر فرما رہا ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور دنیا میں اعمال صالحہ کرتے رہے، ان کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سعادت مقدر کر دی گئی ہے، فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ ... اس طرح اور مقامات پر فرمایا: لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِیَادَةٌ (یونس:26) "ان کیلئے جنہوں نے نیک عمل کیے نیک جزا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ"، هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (الرحمٰن:60) "کیا احسان کا بدلہ بجز احسان کے کچھ اور بھی ہوتا ہے"۔ جس طرح انہوں نے دنیا میں نیک اعمال کیے، اس طرح اللہ تعالیٰ انہیں اجر و ثواب سے نوازے گا اور عذاب سے محفوظ رکھے گا جس طرح فرمایا: اُولٰٓىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ..... یعنی وہ آگ سے اسقدر دور ہوں گے کہ انہیں آگ کے جلنے کی بھی آواز نہیں سنائی دے گی۔ ابوعثمان اس فرمان لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا کے متعلق کہتے ہیں کہ پل صراط پر زہریلے سانپ دوزخیوں کو ڈسیں گے تو وہ "حس حس" کریں گے اہل جنت اس دردناک آواز کو نہیں سنیں گے۔ فرمایا: وَ هُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ ..... یعنی انہیں نہ صرف ناپسندیدہ چیزوں سے دور رکھا جائے گا بلکہ ان کی محبوب اور مرغوب نعمتیں بھی انہیں عطا کی جائیں گی۔ ایک رات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ..... کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کہ میں بھی ان سے

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 95

ہوں، عمر، عثمان، زبیر، طلحہ اور عبدالرحمن بھی انہی میں سے ہیں یا آپ نے فرمایا کہ سعد بھی انہی لوگوں میں سے ہیں (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہی اولیاء اللہ ہیں جو بجلی سے بھی زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ پل صراط کو عبور کر لیں گے اور کافر گھٹنوں کے بل وہاں گر پڑیں گے۔ بعض دیگر حضرات کہتے ہیں کہ یہ آیت بطور استثناء ہے اور یہ استثناء معبودین سے ہے۔ اس حکم سے حضرت عزیز علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نکل جائیں گے۔ انہیں معبود تو سمجھا جاتا ہے لیکن یہ شرک سے بیزار تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ پھر اس حکم سے استثناء کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ۔ اس استثناء سے ملائکہ، حضرات عزیز علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، مریم اور دیگر وہ معبود جو شرک سے بیزار تھے اور لوگوں نے ان کی مرضی کے خلاف انہیں معبود بنا رکھا تھا، پہلی آیت کے حکم سے خارج ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عبداللہ بن زبعری نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ تمہارا خیال ہے کہ تم پر یہ آیت اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ... اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے، اگر یہ بات ہے تو کیا سورج، چاند، فرشتے، عزیر اور عیسیٰ علیہ السلام بھی ہمارے معبودوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے؟ اس وقت اس کے جواب میں یہ ارشادات نازل ہوئے: وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ۞ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ۭ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ (الزخرف: 57-56) " اور جب ابن مریم کا حال بیان کیا جاتا ہے تو آپ کی قوم اس سے شور وغل مچا دیتی ہے اور کہتے ہیں کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ۔ وہ آپ سے یہ مثال بیان نہیں کرتے مگر کج بحثی کیلئے۔ دراصل یہ جھگڑالو لوگ ہیں "، اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ ...... (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ... نازل ہوئی کہ تو مشرکین کہنے لگے کہ ملائکہ، عزیز اور عیسیٰ علیہ السلام کی بھی تو اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جاتی ہے۔ اس وقت یہ آیت لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ ... نازل ہوئی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس کے ساتھ یہ آیت اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ بھی اتری۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ولید بن مغیرہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ نضر بن حارث بھی آکر ساتھ بیٹھ گیا۔ مسجد میں اور قریشی بھی موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ گفتگو فرمانے لگے تو نضر بن حارث نے آپ ﷺ سے تعرض کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی گفتگو سے اسے لاجواب کر دیا۔ آپ ﷺ نے تمام حاضرین کو یہ آیات اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ... لَا يَسْمَعُوْنَ سنائیں۔ پھر آپ ﷺ اس مجلس سے اٹھ گئے اور عبداللہ بن زبعری وہاں چلا آیا۔ ولید بن مغیرہ اسے بتانے لگا کہ نضر بن حارث آج ابن عبدالمطلب کے سامنے نہیں ٹھہر سکا اور بری طرح لاجواب ہو گیا۔ محمد (ﷺ) کا یہ کہنا ہے کہ ہم اور ہمارے معبود جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ یہ سن کر عبداللہ بن زبعری کہنے لگا کہ اگر میں ہوتا تو ان کے ساتھ مناقشہ کرتا۔ محمد (ﷺ) سے یہ دریافت کرو کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا تمام معبود اور ان کے پجاری جہنمی ہیں تو ملائکہ، عزیر اور عیسیٰ علیہما السلام کا کیا ہوگا۔ ہم ملائکہ کی پرستش کرتے ہیں، یہود عزیر کی عبادت کرتے ہیں اور عیسائی عیسیٰ بن مریم کی پوجا کرتے ہیں۔ یہ سن کر ولید اور باقی اہل مجلس بہت متعجب اور متاثر ہوئے۔ جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس بات کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا: جو یہ بات پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی عبادت کی جائے، وہ اور اس کے پجاری جہنمی ہیں۔ یہ دراصل شیطان اور اس کی پوجا کرتے ہیں جس نے انہیں اپنی عبادت کا حکم دیا۔ اس وقت یہ فرمان اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ ... خٰلِدُوْنَ نازل ہوا، یعنی حضرات عیسیٰ، عزیر اور علماء و درویش جو اطاعت الٰہی پر کاربند رہے، انہیں گمراہ لوگوں نے اپنا معبود بنا لیا، اس طرح کچھ لوگ فرشتوں کی عبادت کرنے لگے اور انہیں

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 681، تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 96

2۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 679

اللہ کی بیٹیاں سمجھنے لگے۔ یہ نیک لوگ پہلی آیت کے حکم سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ یہ ہمیشہ شرک سے بیزار رہے۔ چنانچہ فرمایا: وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ (الانبیاء: 29) ''اور جو ان میں سے یہ کہے کہ میں خدا ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا تو اسے ہم جہنم کی سزا دیں گے۔ یونہی ہم ظالموں کو سزا دیا کرتے ہیں''۔ ایک اور جگہ فرمایا: وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ　فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (الزخرف: 57-61) اس حجت کے سامنے ولید اور دیگر حاضرین مجلس دم بخود رہ گئے(1)۔ ابن زبعری کا قول بالکل غلط ہے کیونکہ آیت کریمہ میں خطاب مشرکین مکہ کو ہے جو بے جان اور بے عقل بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے تاکہ ان کے پجاریوں کو سرزنش اور زجر و توبیخ کی جائے، اس لئے فرمایا: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ　۔ اس لئے اس حکم کا اطلاق حضرات مسیح، عزیر اور ان جیسے دوسرے نفوسِ قدسیہ پر کیسے کیا جا سکتا ہے جو ہمیشہ نیک اعمال کرتے رہے اور کبھی بھی اور کسی صورت میں بھی انہوں نے بت پرستی کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ آیت کریمہ میں ''ما'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جو عربوں کے ہاں غیر ذی عقل چیزوں کیلئے آتا ہے(2)۔ اس کے بعد ابن زبعری کو اللہ تعالیٰ نے اسلام لانے کی توفیق ارزانی فرمائی۔ یہ بہت مشہور شاعر تھے، پہلے مسلمانوں کی ہجو کیا کرتے تھے۔ لیکن اسلام لانے کے بعد معذرت کر لی(3)۔ فرمایا: لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ بعض نے کہا ہے کہ اس بڑی گھبراہٹ سے مراد موت ہے، بعض نے اس سے مراد نفخہ لیا ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اس وقت کی گھبراہٹ ہے جب کسی بندے کو جہنم کا حکم ہوگا۔ سعید بن جبیر اور ابن جریج اس سے مراد اس وقت کی پریشانی لیتے ہیں جب جہنم کو بند کر دیا جائے گا۔ ابوبکر ہذلی کہتے ہیں کہ اس سے مراد اس وقت کی پریشانی ہے جب موت کو جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد فرمایا: وَتَتَلَقّٰىهُمُ　۔ یعنی قیامت کے دن جب وہ اپنی قبروں سے باہر نکلیں گے تو فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور انہیں بشارت دیتے ہوئے کہیں گے کہ یہ ہے وہ دن جس کا وعدہ کیا جاتا تھا، اب مسرت بخش چیزوں کی امید رکھو۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاۗءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۭ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝

''(یاد کرو) جس دن ہم لپیٹ دیں گے آسمان کو جیسے لپیٹ دیئے جاتے ہیں طومار میں کاغذات۔ جیسے ہم نے آغاز کیا تھا ابتدائے آفرینش کا اسی طرح ہم اسے لوٹائیں گے۔ یہ وعدہ (پورا کرنا) ہم پر لازم ہے۔ یقیناً ہم (ایسا) کرنے والے ہیں''۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمان کو اس طرح لپیٹ دے گا جس طرح طومار میں کاغذات لپیٹے جاتے ہیں، اس طرح ایک اور جگہ فرمایا: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ڰ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (الزمر: 67) ''اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہ پہچانی جس طرح قدر پہچاننے کا حق تھا اور قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے۔ پاک ہے وہ ہر عیب سے اور برتر ہے لوگوں کے شرک سے''۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے روز زمینوں کو مٹھی میں لے لیگا اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے''(4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ساتوں آسمانوں کو ان میں موجود تمام مخلوق

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 358، تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 96-97　　2۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 98

3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 419　　4۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 150

سمیت اور اسی طرح ساتوں زمینوں کو ان میں موجود تمام مخلوقات سمیت اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا۔ یہ سب کچھ اس کے ہاتھ میں یوں ہوگا جیسے رائی کا دانہ۔ آیت کریمہ میں لفظ سِجِلّ سے مراد بقول بعض کتاب ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں اس سے مراد ایک فرشتہ ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک فرشتہ ہے۔ جب یہ کسی کا استغفار لے کر اوپر چڑھتا ہے تو کہتا ہے کہ اسے نور لکھ لو(1)۔ سدی کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں "سِجِلّ" سے مراد وہ فرشتہ ہے جو اعمال ناموں پر مقرر ہے۔ جب کوئی انسان مر جاتا ہے تو یہ اس کی کتاب کو لپیٹ کر قیامت کیلئے رکھ دیتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کے ایک کاتب وحی کا نام ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ سجل ایک صحابی اور کاتب وحی کا نام ہے(2)۔ یہ روایت ابوداؤد، نسائی اور ابن جریر میں موجود ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہ قول منقول ہے لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اسے موضوع کہا ہے خصوصاً ہمارے شیخ حافظ کبیر ابوالحجاج المزی نے، میں نے اس روایت کو ایک الگ کتاب میں لکھا ہے۔ امام ابن جریر نے اس روایت کا انکار کرتے ہوئے اس کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ صحابہ کرام میں سجل نامی کوئی صحابی نہیں اور حضور ﷺ کے کاتبانِ وحی بھی مشہور و معروف ہیں، ان میں سے بھی کسی کا نام "سجل" نہیں(3)۔ امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل درست فرمایا ہے اور یہ اس حدیث کے منکر ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ جس نے سجل نامی صحابی کا ذکر کیا ہے، اس نے اسی روایت پر اعتماد کر کے ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس سے منقول صحیح قول یہ ہے کہ یہاں "سجل" سے مراد نامہ اعمال ہے، اکثر مفسرین نے یہی معنی مراد لیا ہے کیونکہ لغوی طور پر یہی معنی معروف ہے۔ آیت کا معنی ہوگا کہ جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے لکھے ہوئے پر کتاب لپیٹ دی جاتی ہے۔ یہاں "للکتب"، "علی الکتب" کے معنی میں ہے جیسا کہ اس آیت میں بھی لام، علی کے معنی میں ہے: فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ (الصافات: 103) "پس جب دونوں نے سر اطاعت خم کر لیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا"۔ لغت میں اس کی متعدد نظائر موجود ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: كَمَا بَدَاْنَآ ... یعنی یہ اس دن یقینی طور پر وقوع پذیر ہوگا جب اللہ تعالیٰ مخلوق کو دوبارہ پیدا کرے گا جس طرح اس نے ابتدا میں پیدا کیا تھا، وہ دوبارہ پیدا کرنے پر پوری طرح قادر ہے اور ایسا حتمی اور یقینی طور پر ہوگا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے، وہ اپنے وعدہ کی نہ خلاف ورزی کرتا ہے اور نہ اس میں رد و بدل کرتا ہے، وہ اپنے وعدے کی تکمیل پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے، اس لئے فرمایا: اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں وعظ و نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: "تم برہنہ پا، برہنہ بدن اور بے ختنہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جمع کیے جاؤ گے" پھر آپ نے آیت کا یہ حصہ پڑھا: كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سب چیزیں فنا ہو جائیں گی پھر دوبارہ انہیں بنایا جائے گا(5)۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

"اور بے شک ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں چند موعظت کے (بیان کے) بعد کہ بلاشبہ زمین کے وارث تو میرے نیک بندے ہوں گے۔ یقیناً اس قرآن میں کفایت ہے اس قوم کی (فلاح دارین کیلئے) جو عبادت گزار ہے۔ اور نہیں بھیجا ہم نے

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 99
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الخراج، جلد 3 صفحہ 132
3۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 100
4۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ انبیاء، جلد 6 صفحہ 122، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2194-2195
5۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 103

آپ کو مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کے لئے‘‘۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے صالح بندوں کیلئے یہ حتمی فیصلہ ہے کہ وہ انہیں نہ صرف دنیاوی سعادت سے نوازتا ہے بلکہ اخروی سعادت سے بھی اور وہ نہ صرف دنیا میں زمین کے وارث ہیں بلکہ آخرت میں بھی وہ ارضِ جنت کے وارث ہوں گے جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۫ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (الاعراف: 128) ’’بلا شبہ زمین اللہ ہی کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اسکا وارث بنا دیتا ہے اور اچھا انجام پرہیز گاروں کیلئے ہے‘‘۔ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ (المومن: 51) ’’بے شک ہم اپنے رسولوں اور مومنوں کی مدد کرتے ہیں اس دنیاوی زندگی میں اور اس دن بھی جب گواہ (گواہی کیلئے) کھڑے ہوں گے‘‘۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ (النور: 55) ’’اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کیے کہ وہ ضرور انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور ان کیلئے ان کے دین کو مستحکم کردے گا جسے اس نے ان کیلئے پسند کیا ہے‘‘۔ اس بات کی خبر دی جا رہی ہے کہ یہ شرعی اور قدری کتب میں مرقوم ہے اور اس کا وقوع یقینی ہے، اس لئے فرمایا: وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ زبور سے مراد تورات، انجیل اور قرآن ہے۔ مجاہد کے بقول اس سے مراد کتاب ہے۔ حضرات ابن عباس، شعبی، حسن، قتادہ وغیرہم کہتے ہیں کہ زبور سے مراد وہ کتاب ہے جو حضرت داؤد پر اتری اور ’’ذکر‘‘ سے مراد تورات ہے۔ حضرت ابن عباس سے ذکر بمعنی قرآن منقول ہے۔ سعید بن جبیر کا کہنا ہے کہ ذکر وہ ہے جو آسمان میں ہے مجاہد کا قول ہے کہ زبور سے مراد آسمانی کتابیں اور ذکر سے مراد لوح محفوظ ہے(1)۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ یہی پہلی کتاب ہے یعنی لوح محفوظ جس میں پہلے لکھا جاتا تھا۔ ذکر سے یہی مراد ہے اور زبور سے مراد پیغمبروں پر نازل ہونے والی کتابیں ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تورات، زبور، اور علم خدا میں زمین وآسمان کی تخلیق سے پہلے ہی یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ امتِ محمد ﷺ زمین کی وارث بنے گی اور وہ نیکوکار بن کر جنت میں جائیں گے۔ بہت سے حضرات نے زمین سے مراد جنت کی زمین لی ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ہی صالح لوگ ہیں۔ سدی کہتے ہیں کہ اس سے مراد مومن ہیں۔ دوسری آیت میں فرمایا: اِنَّ فِيْ هٰذَا...... یعنی اس قرآن کریم میں جو اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ پر اتارا گیا، ان لوگوں کیلئے فائدہ اور کفایت ہے جو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ شریعت کے مطابق اس کی عبادت کرتے ہیں اور شیطان اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ یعنی ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کیلئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے، جس نے اس رحمت کو قبول کر لیا اور اس نعمت کا شکر ادا کیا، وہ دنیا وآخرت میں سعادت مند اور کامیاب ہے اور جس نے اسے رد کر دیا اور اس کی ناشکری کی وہ دنیا وآخرت میں نامراد ہے جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ (ابراہیم: 29-28) ’’کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم میں اتارا۔ وہ اس میں جھونکے جائیں گے اور یہ برا ٹھکانا ہے‘‘۔ قرآن کریم کے متعلق فرمایا: قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاۗءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 104

یُنَادَوْنَ مِنْ مَّکَانٍ بَعِیْدٍ (حم السجدۃ:44) ''فرمائیے یہ قرآن ایمان والوں کیلئے ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور وہ ان پر مشتبہ رہتا ہے انہیں گویا دور کی جگہ سے بلایا جاتا ہے''۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عرض کی گئی: یارسول اللہ! مشرکین کیلئے بددعا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ مجھے سراپا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے''(1)۔ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''اَنَا رَحْمَةٌ مُّهْدَاةٌ'' یعنی میں وہ رحمت ہوں جو (بندوں کو) بطور تحفہ عطا کی گئی ہے(2)۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی رحمت بنا کر بھیجا ہے جو (لوگوں کو) بطور تحفہ عطا کی گئی ہے، مجھے ایک قوم کی ترقی اور دوسروں کے تنزل کے ساتھ بھیجا گیا ہے''۔ابو جہل نے کہا کہ اے گروہ قریش! محمد یثرب میں مقیم ہو گیا ہے اور اپنے عسکری دستے ادھر ادھر تمہاری تلاش میں بھیج رہا ہے، وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہتا ہے، اس لئے اس کے رستے سے گذرنے یا اس کے قریب جانے سے احتیاط برتنا، وہ ایک خونخوار شیر کی طرح تم پر سخت غضبناک ہے کیونکہ تم نے اسے جلاوطن کر دیا ہے۔اللہ کی قسم! اس کے پاس ماہر جادوگر ہیں، میں اس کے ساتھ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ شیاطین دیکھتا ہوں۔تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ اوس اور خزرج تمہارے دشمن ہیں جنہوں نے اس دشمن کو پناہ دے رکھی ہے، اس پر مطعم بن عدی کہنے لگا: اے ابو الحکم! میں نے کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جو تمہارے اس بھائی سے زیادہ سچا اور وعدہ کا پابند ہو جسے تم نے جلاوطنی پر مجبور کر دیا ہے۔اب جب تم یہ کرتوت کر ہی چکے ہو تو اس سے بالکل الگ تھلگ ہو جاؤ اور اس سے کوئی تعرض نہ کرو۔ابو سفیان کہنے لگا کہ اس پر پوری سختی کرنی چاہیے، یاد رکھو اگر اوس اور خزرج نے تم پر فتح پالی تو وہ نہ قرابت داری کا لحاظ رکھیں گے اور نہ کسی عہد کا۔میری خواہش تو یہ ہے کہ مدینہ والوں کو نیست و نابود کر دوں۔اگر تم میرا مشورہ مانو تو میں انہیں لشکر جرار کے ساتھ شکست فاش سے دوچار کر دوں گا۔جب رسول اللہ ﷺ کو ان باتوں کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں انہیں ضرور قتل کروں گا اور میں انہیں ضرور قید کروں گا، پھر احسان کرتے ہوئے انہیں آزاد کر دوں گا، میں رحمت ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔جب تک اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب نہیں کرتا اس وقت تک میرا وصال نہیں ہوگا، میرے پانچ نام ہیں، میں محمد اور احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ میرے سبب سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹا دے گا، میں حاشر ہوں کہ لوگ میرے قدموں پر جمع کیے جائیں گے اور میں عاقب ہوں''(3)۔حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مدائن میں تھے، وہ وہاں رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کرتے رہتے تھے۔ایک مرتبہ حضرت حذیفہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے حذیفہ: رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا: ''میں نے غصہ میں آکر اگر کسی کو برا بھلا کہہ دیا ہو یا اس پر لعنت کر دی ہو، تو یہ بات ذہن نشین رہے کہ میں انسان ہوں، تمہاری طرح مجھے بھی غصہ آتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے، اس لئے میرے یہ الفاظ قیامت کے دن اس کیلئے رحمت ثابت ہوں گے''(4)۔اگر یہ سوال کیا جائے کہ آپ ﷺ کفار کیلئے کیسے رحمت تھے تو اس کا جواب ابن جریر کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ کی تفسیر میں مروی ہے کہ مومن کیلئے دنیا اور آخرت میں رحمت لکھ دی جاتی ہے اور کافر کو اس دنیا میں ان عذابوں سے عافیت میسر رہتی ہے جن سے پہلی امتیں دوچار ہوئیں مثلاً زمین میں دھنسنا اور آسمان سے پتھروں کی بارش ہونا(5)۔ایک اور روایت میں حضرت ابن

1۔صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2006-2007 — 2۔مستدرک حاکم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 35 — 3۔معجم کبیر، جلد 2 صفحہ 123-124

4۔سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 215، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 437 — 5۔تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 106

عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے آپ ﷺ کی اتباع کی تو اس کیلئے آپ ﷺ دنیا اور آخرت میں رحمت ہیں اور جس نے آپ کی اتباع نہ کی، اسے کم از کم دنیا میں عذاب سے نجات مل گئی جیسا کہ گذشتہ امتیں عذاب میں مبتلا ہوئی تھیں (1)۔

قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَ یَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَ اِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَ مَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَ رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

"فرمادیجئے کہ میرے پاس تو صرف یہ وحی آئی ہے کہ تمہارا خدا (وہی ہے جو) ایک خدا ہے۔ پس کیا تم اسلام لانے کیلئے تیار ہو۔ اگر وہ پھر بھی روگردانی کریں تو آپ فرمادیجئے کہ میں نے آگاہ کر دیا ہے تمہیں پوری طرح۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ قریب ہے یا بعید جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو بات تم بلند آواز سے کہتے ہو اور جانتا ہے جو تم (اپنے دل میں) چھپاتے ہو۔ اور میں کیا جانوں (اس ڈھیل سے) شاید تمہارا امتحان لینا اور ایک وقت تک تمہیں لطف اندوز کرنا مطلوب ہو۔ آپ نے عرض کی میرے رب فیصلہ فرمادے (ہمارے درمیان) حق کے ساتھ۔ اور (اے کفار!) ہمارا رب وہ ہے جو رحمن ہے اسی سے مدد طلب کی جاتی ہے ان باتوں پر جو تم کرتے ہو"۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ مشرکین سے یہ کہہ دیں: اِنَّمَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ۔ یعنی میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا ایک خدا ہے، کیا تم اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اس کی اطاعت کرنے پر آمادہ ہو؟ اگر وہ روگردانی کریں اور آپ کی دعوت کو مسترد کر دیں تو انہیں یہ فرمادیں کہ میں تمہیں صاف صاف بتا رہا ہوں کہ میں تمہارا دشمن ہوں جس طرح تم میرے دشمن ہو اور جس طرح تم مجھ سے بیزار ہو اسی طرح میں تم سے بیزار ہوں جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: وَ اِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّیْ عَمَلِیْ وَ لَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِیْٓـُٔوْنَ مِمَّاۤ اَعْمَلُ وَ اَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (یونس:41) "اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو فرمادیجئے میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں تم بری الذمہ ہو اس سے جو میں کرتا ہوں اور میں بیزار ہوں اس سے جو تم کرتے ہو"۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ (الانفال:58) "اور اگر آپ کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ کریں تو ان کی طرف (ان کا معاہدہ) واضح طور پر پھینک دیں"۔ یعنی آپ کو اور انہیں یکساں طور پر عہد کے ٹوٹنے کا علم ہو جائے، اسی طرح یہاں فرمایا: فَاِنْ تَوَلَّوْا۔۔ یعنی میں نے تمہیں اپنی بیزاری اور تمہاری بیزاری سے آگاہ کر دیا ہے اس لئے کہ مجھے اس کا علم ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وَ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ یعنی جو وعدہ تم سے کیا جاتا ہے، وہ یقینی طور پر پورا ہوگا لیکن اس کے قرب و بعد کا مجھے کوئی علم نہیں۔ فرمایا: اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی تمام غیوب کو جانتا ہے اور اسے پورا پورا علم ہے جو بندے ظاہر کرتے ہیں اور جو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ وہ ظاہر، باطن اور نہایت مخفی چیزوں سے بھی واقف ہے، اس معلوم ہے کہ بندے علانیہ اور پوشیدہ کیا کیا اعمال کرتے ہیں۔ جو بھی کسی کا چھوٹا بڑا ہو گا، اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ اس کے بعد فرمایا: وَ اِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ۔ یعنی کیا معلوم شاید اس مہلت سے تمہاری آزمائش اور

1۔ تفسیر کبیر، جلد 12 صفحہ 23

تمہیں کچھ وقت تک لطف اندوز کرنا مطلوب ہو۔ آخر میں فرمایا: قٰلَ رَبِّ احْكُمْ یعنی اے میرے پروردگار! ہمارے درمیان اور اس جھٹلانے والی قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام یوں دعا کیا کرتے تھے: رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ (الاعراف: 89) ”اے ہمارے پروردگار! ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما اور تو ہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے“۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی اس قسم کی دعا کرنے کا حکم ہوا (1)۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی غزوہ میں شریک ہوتے تو یہ دعا کرتے: قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ۔ آخر میں فرمایا: وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ یعنی ہمارا پروردگار رحمٰن ہے جس سے تمہارے جھوٹ، بہتان اور افترا پردازی کے مقابلہ میں مدد طلب کی جاتی ہے۔

1۔ الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 689

سورۂ حج

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ﴿١﴾ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ﴿٢﴾

"اے لوگو! ڈرو اپنے پروردگار (کی ناراضگی) سے۔ بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے۔ جس روز تم اس (کی ہولناکیوں) کو دیکھو گے تو غافل ہو جائیگی ہر دودھ پلانے والی (ماں) اس (لخت جگر) سے جس کو اس نے دودھ پلایا، اور گرا دے گی ہر حاملہ اپنے حمل کو اور تجھے نظر آئیں گے لوگ جیسے وہ نشہ میں مست ہوں حالانکہ وہ نشہ میں مست نہیں ہوں گے بلکہ عذاب الٰہی بڑا سخت ہوگا (وہ اس کی ہیبت سے حواس باختہ ہوں گے)"۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تقویٰ کا حکم فرما رہا ہے اور قیامت کی ہولناکیوں، زلزلوں اور دیگر حالات سے خبردار کر رہا ہے۔ قیامت کے زلزلہ کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے کہ آیا یہ لوگوں کے اپنی قبروں سے اٹھنے کے بعد میدان حشر میں جمع ہونے کے دن وقوع پذیر ہوگا یا لوگوں کے اپنی قبروں سے اٹھنے سے پہلے زمین کا زلزلہ ہوگا جیسا کہ فرمایا: اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۙ وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا (الزلزال:2-1) "جب پوری شدت سے زمین تھرتھرانے لگے گی اور زمین اپنے بوجھوں (دفینوں) کو باہر پھینک دے گی"۔ وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿ۙ﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ (الحاقة:15-14) "جب زمین تھرتھر کانپے گی اور پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے"۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ زلزلہ دنیا کی انتہا اور احوال آخرت کا نقطہ آغاز ہوگا۔ علقمہ اور عامر شعبی کا قول ہے کہ یہ زلزلہ قیامت سے پہلے ہوگا (1)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حدیث صور میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے فارغ ہوتے کے بعد اللہ تعالیٰ نے صور پیدا کیا اور اسے اسرافیل علیہ السلام کو دے دیا۔ وہ اسے اپنے منہ سے لگائے ہوئے آنکھیں عرش کی طرف اٹھائے ہوئے اس بات کے منتظر ہیں کہ کب صور پھونکنے کا حکم ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! صور کیا ہے؟ فرمایا: قرن (سینگ)۔ عرض کی کہ وہ کس طرح کا ہے؟ فرمایا: وہ بہت بڑا قرن ہے جس میں تین مرتبہ پھونکا جائے گا، پہلا نفخہ گھبراہٹ کا ہوگا، دوسرا موت کا اور تیسرا رب العلمین کے سامنے کھڑے ہونے کا۔ اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو پہلے نفخہ کا حکم دے گا تو تمام زمین و آسمان والے گھبراہٹ کا شکار ہو جائیں گے سوائے ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ چاہے، اسرافیل بغیر کسی توقف اور سستی کے لگاتار پھونکتے رہیں گے، اس نفخہ کا ذکر اس آیت میں ہے: وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 190

وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ (ص: 15)" چنانچہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر مٹی بن جائیں گے اور زمین ڈولنے لگے گی۔ اس بارے میں فرمان ہے: يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۭ قُلُوْبٌ يَّوْمَىِٕذٍ وَّاجِفَةٌ (النازعات: 6-8) زمین اس طرح ڈولنے لگے گی جس طرح سمندر میں کشتی ہچکولے کھاتی ہے اور موجیں اسے تھپیڑے مارتی ہیں یا جیسے کوئی لٹکی ہوئی قندیل ہوتی ہے جسے ہوائیں حرکت دیتی ہیں۔ لوگ سطح زمین پر دراز ہو جائیں گے۔ دودھ پلانے والیاں اپنے شیر خوار بچوں کو بھلا دیں گی، حاملہ عورتیں اپنے حمل گرا دیں گی، بچے بوڑھے ہو جائیں گے، شیطان ادھر ادھر بھاگتے زمین کے کناروں پر پہنچ جائیں گے لیکن فرشتے انہیں ماریں گے تو وہ واپس لوٹ آئیں گے اور لوگ ایک دوسرے کو آوازیں دیتے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے، اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرمایا: يَوْمَ التَّنَادِ ۙ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ (المومن: 33-32) اسی اثناء میں زمین ایک طرف سے دوسری طرف تک پھٹ جائے گی، اس وقت بڑا ہولناک منظر ہو گا اور بھی نہایت کرب اور مصیبت سے دوچار ہوں گے۔ آسمان کی طرف نظر اٹھائیں گے تو یہ پگھلی ہوئی دھات کی مانند دکھائی دے گا۔ آفتاب اور ماہتاب بے نور ہو جائیں گے اور ستارے ٹوٹ کر بکھر جائیں گے پھر آسمان کی کھال ادھیڑ دی جائے گی۔ مردے ان حالات سے بالکل بے خبر ہوں گے۔ اس آیت کریمہ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اللّٰهُ (النمل: 87) میں جن لوگوں کی استثناء کی گئی ہے اس سے مراد شہداء ہیں۔ زندہ لوگ گھبراہٹ سے دوچار ہوں گے جبکہ شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس دن کی شر سے محفوظ رکھے گا۔ یہ گھبراہٹ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے جو بدترین مخلوق پر نازل ہو گا، اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۔۔۔ وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ (1)۔ یہ حدیث طبرانی، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور دیگر کتب میں مذکور ہے اور بہت طویل ہے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ یہ زلزلہ یوم قیامت سے پہلے ہو گا۔ چونکہ یہ قیامت کے بالکل قریب ہو گا، اس لئے اس کی اضافت قیامت کی طرف کی گئی ہے جیسے کہا جاتا ہے: "اشراط الساعۃ"، بعض دیگر حضرات کہتے ہیں کہ یہ ہولناکی، گھبراہٹ اور زلزلہ قبروں سے نکلنے کے بعد قیامت کے دن اس وقت ہو گا جب لوگ میدانِ حشر میں جمع ہوں گے ابن جریر کا پسندیدہ قول یہی ہے۔ ان حضرات نے متعدد احادیث سے استدلال کیا ہے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی سفر میں تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تیزی سے چل رہے تھے کہ آپ ﷺ نے باوازِ بلند ان دو آیات يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۔۔۔ کی تلاوت کی۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سنا تو انہوں نے اپنی سواریاں روک لیں اور سمجھ گئے کہ آپ ﷺ کچھ فرمانا چاہتے ہیں۔ جب وہ آپ کے اردگرد جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون سا دن ہو گا؟ یہ وہ دن ہو گا جب اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام سے فرمائے گا کہ جہنم کا حصہ نکالو، عرض کریں گے: اے پروردگار! جہنم کا حصہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے جہنمی ہیں اور ایک جنتی"۔ یہ سن کر صحابہ بہت افسردہ اور شکستہ خاطر ہو گئے۔ آپ ﷺ نے جب صحابہ کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا: "خوش ہو جاؤ اور عمل کرتے رہو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! تمہارے ساتھ وہ ایسی مخلوقیں ہیں کہ وہ جس کے ساتھ ہوں، اسے بڑھا دیتی ہیں یعنی یاجوج ماجوج اور وہ جو اولادِ آدم سے مر گئے اور اولادِ ابلیس"۔ یہ سن کر صحابہ کرام کا غم دور ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "عمل کرتے رہو اور خوش ہو جاؤ، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! تم باقی لوگوں کے مقابلہ میں اتنے ہو جس طرح اونٹ کے پہلو میں یا جانور کے ہاتھ میں

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 110-111

داغ''(1)۔حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیات دوران سفر نازل ہوئیں۔جب ان کا نزول ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:''کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کون سا دن ہے؟''صحابہ نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا:''یہ ایسا دن ہوگا جس دن اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام سے فرمائے گا کہ دوزخ کا حصہ نکالیں۔عرض کریں گے کہ اپنے پروردگار! دوزخ کا حصہ کتنا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ نوسوننانوے دوزخ میں اور ایک جنت میں''یہ سن کر مسلمان رونے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''راست روی اور اعتدال اختیار کرو، ہر نبوت سے پہلے جاہلیت کا دور رہا ہے، اس زمانے والوں سے گنتی پوری کی جائے گی۔اگر ان سے پوری ہوگئی تو ٹھیک ہے ورنہ منافقین سے پوری کی جائے گی۔تمہاری مثال اور باقی امتوں کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کسی جانور کے ہاتھ پر یا اونٹ کے پہلو میں داغ۔مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا ایک چوتھائی ہوگے، اس پر صحابہ نے اللہ اکبر کہا، پھر آپ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی ہوگے، یہ سن کر صحابہ نے پھر نعرہ تکبیر بلند کیا، پھر آپ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ اہل جنت میں نصف تعداد تمہاری ہوگی''اس پر بھی صحابہ نے تکبیر کہی۔حضرت عمران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم اس کے بعد آپ ﷺ نے دو تہائیاں فرمائیں یا نہیں(2)۔ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے غزوۂ تبوک سے واپسی پر مدینہ شریف کے قریب پہنچ کر یہ فرمایا تھا۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ جو کثرت جن وانس میں سے ہلاک ہوئے۔ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے جس میں یہ اضافہ بھی ہے:''تم تو ایک ہزار اجزاء میں سے ایک جزء ہو''۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آدم، عرض کریں گے: ''لبیک ربنا و سعدیک''پھر ندا ہوگی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اپنی ذریت میں سے جہنم کا حصہ نکالیں۔عرض کریں گے: اے پروردگار! جہنم کا حصہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر ہزار سے نوسوننانوے۔اس وقت ہر حاملہ اپنا حمل گرادے گی، بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور لوگ مدہوش دکھائی دیں گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے بلکہ عذاب الٰہی بہت سخت ہوگا یہ بات صحابہ پر بہت شاق گذری یہاں تک کہ ان کے چہرے متغیر ہوگئے۔چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:''یاجوج ماجوج میں سے نوسوننانوے اور تم میں سے ایک۔تم لوگوں کے مقابلہ میں اس طرح ہو جیسے سفید بیل کے پہلو میں ایک سیاہ بال یا سیاہ بیل کے پہلو میں ایک سفید بال۔مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا ایک چوتھائی ہوگے۔یہ سن کر ہم نے تکبیر کہی۔پھر آپ نے فرمایا:''اہل جنت کا نصف''(3) اس پر بھی ہم نے اللہ اکبر کہا۔حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک ندا دینے والے کو بھیج کر فرمائے گا: اے آدم! اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ اپنی اولاد میں سے جہنم کا حصہ نکالیں۔حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے: اے میرے رب! وہ کون ہیں؟ کہا جائے گا کہ ہر سو سے ننانوے''یہ سن کر ایک صحابی نے عرض کی: یا رسول اللہ! پھر ہم میں سے نجات پانے والا کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ''کیا تمہیں ادراک ہے کہ تم لوگوں کے مقابلہ میں اس طرح ہو جیسے اونٹ کے سینے میں داغ''(4)۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''قیامت کے دن تمہیں برہنہ پا، برہنہ بدن اور بے ختنہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جمع کیا جائے گا''۔حضرت

1۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ حج، جلد 12 صفحہ 28-30، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 435

2۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ حج، جلد 12 صفحہ 27-28، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 432

3۔ صحیح بخاری تفسیر سورۂ حج، جلد 6 صفحہ 122، صحیح مسلم کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 201-202

4۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 388

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! مرد اور عورتیں ایک دوسرے کو دیکھیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عائشہ! وہ وقت اتنا سنگین اور شدید ہوگا کہ کسی کو ایسی بات سوجھے گی ہی نہیں'' (1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! قیامت کے دن کیا دوست کو دوست کی یاد آئے گی؟ آپ نے فرمایا: ''اے عائشہ! تین مواقع پر کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا۔ میزان کے پاس جب تک اعمال کی کمی یا زیادتی معلوم نہ ہو جائے، اعمال نامے اڑائے جانے کے وقت جب تک وہ دائیں یا بائیں ہاتھ میں نہ آ جائیں اور اس وقت جب جہنم سے ایک گردن نکلے گی جو لوگوں کو لپیٹ لے گی اور سخت غضبناک ہو کر کہے گی کہ مجھے تین قسم کے لوگوں پر مسلط کیا گیا ہے۔ مجھے ایسے لوگوں پر مسلط کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو پکارتے رہے، دوسری قسم کے ان لوگوں پر مجھے مسلط کیا گیا ہے جو قیامت پر ایمان نہیں لاتے تھے اور تیسری قسم کے جن لوگوں پر مجھے مسلط کیا گیا ہے وہ جابر اور سرکش ہیں۔ چنانچہ وہ انہیں سمیٹ کر جہنم رسید کر دے گی۔ جہنم پر ایک پل ہوگا جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا اس پر کانٹے اور کنڈیاں ہوں گی جو ہر اس کو پکڑ لیں گی جسے اللہ تعالیٰ چاہے۔ لوگ اس پر سے بجلی کی طرح، آنکھ جھپکنے کی دیر میں، ہوا کی طرح، تیز رفتار گھوڑوں اور اونٹوں کی سی رفتار کے ساتھ گذر جائیں گے اور فرشتے سلامتی کی دعائیں کر رہے ہوں گے۔ کچھ تو بالکل صحیح و سالم گذر جائیں گے، کچھ کو خراشیں آئیں گی اور کچھ اوندھے منہ جہنم میں گر جائیں گے'' (2)۔ قیامت کی ہولناکیوں کے بارے میں احادیث اور آثار بکثرت ہیں جن کے بیان کا یہ مقام نہیں، اس لئے فرمایا: اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ یعنی قیامت کا زلزلہ بہت شدید، خوفناک، بھیانک اور دل ہلا دینے والا ہے۔ رعب اور گھبراہٹ کے وقت دل کے ہلنے کو زلزلہ کہتے ہیں جیسا کہ فرمایا: هُنَالِكَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا (الاحزاب: 11) ''اس موقعہ پر ایمان والوں کو خوب آزمایا گیا اور وہ خوب سختی سے جھنجھوڑے گئے''۔ اس کے بعد فرمایا: یَوْمَ تَرَوْنَهَا اس میں ضمیر شان ہے جس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ یعنی قیامت کی ہولناکی کے سبب دودھ پلانے والی ماں اپنے شیر خوار بیٹے کو دودھ پیتے ہوئے بھلا دے گی اور اس سے غافل ہو جائے گی حالانکہ وہ اسے سب سے زیادہ محبوب ہوگا اور وہ اس پر سب سے زیادہ مہربان ہوگی، اس طرح حاملہ اپنے حمل کی تکمیل سے پہلے ہی ساقط کر دیگی اور لوگ دہشت زدہ، حواس باختہ اور نشے میں مست دکھائی دیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے بلکہ عذاب کی شدت کے باعث یہ کیفیت ہوگی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّیَتَّبِعُ كُلَّ شَیْطٰنٍ مَّرِیْدٍ ۟ۙ كُتِبَ عَلَیْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ یُضِلُّهٗ وَیَهْدِیْهِ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیْرِ ۟

''اور بعض ایسے لوگ ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم کے بغیر اور پیروی کرتے ہیں ہر سرکش شیطان کی۔ جس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے کہ جو اس کو دوست بنائے گا تو وہ اسے گمراہ کر کے رہے گا اور راہ دکھائے گا اسے بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کی طرف''۔

قیامت کی تکذیب کرنے والوں، مردوں کو زندہ کرنے پر قدرت الٰہی کا انکار کرنے والوں، انبیاء کرام کے پیغام سے منہ موڑنے والوں اور کفر و انکار میں ہر سرکش شیطان کی اتباع کرنے والوں کی مذمت کی جا رہی ہے۔ یہ بدعتی اور گمراہ لوگوں کی حالت ہے جو حق سے اعراض برتتے ہیں، باطل کی پیروی کرتے ہیں، اس واضح حق کو ترک کر دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا اور اپنی

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 136۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2194
2۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 110

خواہشات وآراء پر مبنی بدعتوں کی دعوت دینے والے گمراہ سرغنوں کے اقوال کو تسلیم کرتے ہیں، اس لئے اس قماش کے لوگوں کے متعلق فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ ۔ یہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس خبیث نے کہا تھا کہ اپنے رب کے متعلق بتاؤ کہ وہ سونے کا بنا ہوا ہے یا چاندی کا یا تانبے کا؟ اس کی اس ہرزہ سرائی پر آسمان کڑکا اور اس خبیث کی کھوپڑی اڑ کر اس کے سامنے آ گری۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ایک یہودی نے بھی اس قسم کا سوال نبی کریم ﷺ سے کیا تھا کہ تمہارا رب موتی کا بنا ہوا ہے یا یاقوت کا؟ اس کی اس گستاخی پر فوراً بجلی گری اور اس نے اس منہ پھٹ کا کام تمام کر دیا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِن مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ۖ وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِن بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنبَتَتْ مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۞ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۞ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَن فِي الْقُبُورِ ۞

''اے لوگو! اگر تمہیں کچھ شک ہو (روزِ محشر) جی اٹھنے میں تو ذرا اس امر میں غور کرو کہ ہم نے ہی پیدا کیا تھا تمہیں مٹی سے پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر گوشت کے ٹکڑے سے بعض کی تخلیق مکمل ہوتی ہے اور بعض کی نامکمل تاکہ ہم ظاہر فرما دیں تمہارے لئے (اپنی قدرت کا کمال) اور ہم قرار بخشتے ہیں رحموں میں جسے ہم چاہتے ہیں ایک مقررہ میعاد تک پھر ہم نکالتے ہیں تمہیں بچہ بنا کر پھر (پرورش کرتے ہیں تمہاری) تاکہ تم پہنچ جاؤ اپنے شباب کو۔ اور تم میں سے کچھ (پہلے) فوت ہو جاتے ہیں اور تم میں سے بعض کو پہنچا دیا جاتا ہے نکمی عمر تک تاکہ وہ کچھ نہ جانے ہر چیز کو جاننے کے بعد اور تو دیکھتا ہے کہ زمین خشک پڑی ہے پھر جب ہم اتارتے ہیں اس پر (بارش کا) پانی تو وہ تر و تازہ ہو جاتی ہے اور پھولتی ہے اور اگاتی ہے ہر خوشنما جوڑے کو۔ یہ (رنگا رنگیاں اس کی دلیل ہیں) کہ اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے اور وہی زندہ کرتا ہے مردوں کو اور بلاشبہ وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اور یقیناً قیامت آنے والی ہے اس میں ذرا شک نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ زندہ کر کے اٹھائے گا ان (مردوں) کو جو قبروں میں ہیں''۔

روز حشر جی اٹھنے اور قیامت کا انکار کرنے والوں کا ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ وقوع قیامت اور ہر ایک کو از سر نو پیدا کرنے پر اپنی قدرت کی دلیل (ابتدائے آفرینش) بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ ''یعنی اگر تمہیں روز قیامت جی اٹھنے میں شک ہے تو تم اپنی پہلی دفعہ کی پیدائش اور اپنی اصلیت میں غور و فکر کرو کہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا یعنی ابوالبشر آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے کی پھر حقیر سے قطرۂ آب کے ساتھ تمہیں پیدا کیا۔ جس نے کچھ عرصہ گذرنے کے بعد خون کے لوتھڑے اور پھر کچھ دنوں کے بعد گوشت کے ٹکڑے کی شکل اختیار کر لی۔ دراصل ہوتا یوں ہے کہ جب نطفہ رحم مادر میں قرار پکڑ لیتا ہے تو چالیس دن اسی حالت میں

بڑھتا ہے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرخ گاڑھے خون کے لوتھڑے میں تبدیل ہو جاتا ہے، پھر چالیس دن کے بعد گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے جس کی کوئی شکل وصورت اور خدوخال نہیں ہوتے۔ اس کے بعد اس کی شکل وصورت اور خدوخال نمایاں ہونے شروع ہوتے ہیں، سر، دونوں ہاتھ، سینہ، پیٹ، رانیں، پاؤں اور سب اعضاء بنتے ہیں۔ کبھی تو شکل وصورت اور خدوخال واضح ہونے سے پہلے ہی حمل گر جاتا ہے اور کبھی تکمیل کے بعد اس لیے فرمایا: ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ اس چیز کا مشاہدہ عموماً ہوتا رہتا ہے اور کبھی حمل رحم میں قرار پذیر ہو جاتا ہے اور ساقط نہیں ہوتا۔ جب اس لوتھڑے پر چالیس دن گذر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک فرشتہ اس میں روح پھونکتا ہے اور اسے درست کر کے سنوار دیتا ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے خوبصورت یا بدصورت، مذکر یا مونث بنا دیا جاتا ہے، اس کا رزق اور اس کی موت کا وقت بھی لکھ لیا جاتا ہے اور یہ بھی کہ وہ سعید ہے یا شقی جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بتایا اور آپ سچے ہیں: ”تم میں سے ہر ایک کی پیدائش اپنی ماں کے شکم میں چالیس راتیں جمع ہوتی رہتی ہے پھر چالیس دن تک جمے ہوئے خون کی صورت رہتی ہے، پھر چالیس دن کی لوتھڑے کی شکل پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف فرشتہ بھیجتا ہے اور اسے چار چیزیں لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے: اس کا رزق، اس کا عمل، اس کی موت کا وقت اور یہ کہ وہ سعادتمند ہے یا بدبخت، پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے“ (1)۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نطفہ رحم میں قرار پکڑتا ہے، تو ایک فرشتہ عرض کرتا ہے کہ اے پروردگار! یہ مکمل تخلیق والا ہے یا نامکمل؟ اگر یہ کہا جائے گا کہ اس کی تخلیق نامکمل ہے تو وہ ذی روح بنتا ہی نہیں بلکہ رحم اسے خون کی شکل میں خارج کر دیتا ہے اور اگر کہا جائے گا کہ یہ مکمل تخلیق والا ہے تو فرشتہ عرض کرتا ہے: اے پروردگار! یہ مذکر ہو یا مونث، شقی ہے یا سعید، اجل کیا ہے؟ اثر کیا ہے؟ کہاں مرے گا؟ پھر نطفہ سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: اللہ۔ پوچھا جاتا ہے کہ تیرا رازق کون ہے؟ وہ کہتا ہے: اللہ۔ چنانچہ فرشتے سے کہا جاتا ہے کہ اس کتاب کی طرف جاؤ، اس میں تمہیں اس نطفہ کا سارا حال مل جائے گا۔ پھر اسے پیدا کیا جاتا ہے وہ اپنی مقررہ زندگی گذارتا ہے، اپنا رزق کھاتا ہے، معین مقامات پر چلتا پھرتا ہے یہاں تک کہ جب پیام اجل آ جاتا ہے تو مر جاتا ہے۔ اور اسے دفن کر دیا جاتا ہے جہاں دفن ہونا مقدر ہوتا ہے۔ پھر عامر شعبی نے اسی آیت يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ ... کی تلاوت کی۔ مضغہ ہونے کے بعد پیدائش کا چوتھا مرحلہ شروع ہوتا ہے اور وہ ذی روح بنتا ہے۔ اگر اس کی تخلیق نامکمل ہو تو رحم اسے خون کی شکل میں خارج کر دیتا ہے۔ اگر اس کی تخلیق مکمل ہو تو وہ ذی روح بن جاتا ہے۔ حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”رحم میں نطفہ کے قرار پکڑنے کے چالیس یا پینتالیس دن بعد وہاں ایک فرشتہ آتا ہے اور عرض کرتا ہے: اے پروردگار! کیا یہ شقی ہے یا سعید؟ اللہ تعالیٰ جو فرماتا ہے اسے فرشتہ لکھ لیتا ہے۔ پھر وہ پوچھتا ہے کہ یہ لڑکا یا لڑکی؟ جو جواب ملتا ہے فرشتہ اسے لکھ لیتا ہے، اسی طرح اس کا عمل، اثر، رزق اور اجل لکھ لی جاتی ہے پھر صحیفہ لپیٹ دیا جاتا ہے جس میں کمی بیشی ممکن نہیں“ (2)۔ اس کے بعد فرمایا: ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا یعنی پیدائش کے بعد بچہ بدن، سماعت، بصارت، حواس، عقل بلکہ ہر اعتبار سے کمزور ہوتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اسے تدریجاً قوت عطا فرماتا ہے اور اس کے والدین کو اس پر بہت مہربان اور شفیق بنا دیتا ہے، وہ دن رات اس کی خدمت کرتے ہیں اور اس پر جان چھڑکتے ہیں، اس لئے فرمایا: ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ یعنی اس کی قوتیں نشوونما پاتی ہیں اور وہ عالم شباب کو پہنچ کر خوبصورت اور تنومند ہو جاتا ہے۔ بعض عنفوان شباب میں ہی اس دنیا سے چل بستے ہیں اور بعض بڑھاپے کی نکمی عمر کو پہنچ جاتے ہیں، جب بدنی قوتیں

1۔ صحیح بخاری، کتاب القدر، جلد 8 صفحہ 152، صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2036
2۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2037

ضعف کا شکار ہو جاتی ہیں، عقل وفہم کی صلاحیتیں ناکارہ ہو جاتی ہیں اور انسانی دماغی خلل کا شکار ہو کر بچوں کی سی حرکتیں کرنے لگ جاتا ہے، اس لئے فرمایا: لِكَيْلَا .. اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَيْبَةً ۗ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ (الروم: 54) "اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں کمزور پیدا فرمایا، پھر کمزوری کے بعد قوت عطا کی پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دے دیا، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہی سب کچھ جاننے والا، بڑی قدرت والا ہے"۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع حدیث میں آتا ہے: "بلوغت کو پہنچنے سے پہلے بچہ اگر نیکی کرے تو وہ اس کے والد یا والدین کے نامہ اعمال میں لکھ لی جاتی ہے اور اگر وہ برائی کرے تو اسے نہ اس پر لکھا جاتا ہے اور نہ اس کے والد پر۔ جب وہ سن بلوغ کو پہنچ جاتا ہے تو اس پر قلم چلنے لگتا ہے۔ دو فرشتوں کو جو اس کے ساتھ مقرر کیے جاتے ہیں، حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اس کی حفاظت کریں اور اس کا خیال رکھیں۔ جب وہ اسلام میں ہی چالیس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے تین بلاؤں سے امان دے دیتا ہے، جنون، جذام اور برص سے۔ جب وہ پچاس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حساب میں تخفیف کر دیتا ہے۔ جب وہ ساٹھ سال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے پسندیدہ اعمال کے ساتھ اپنی طرف رجوع کی توفیق ارزانی فرماتا ہے۔ جب وہ ستر سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ جب اسی برس کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیاں لکھتا ہے لیکن برائیوں سے تجاوز کر لیتا ہے جب وہ نوے سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیتا ہے اور اسے اس کے اہل خانہ کا سفارشی بنا دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں امین اللہ کے لقب سے مشہور ہو جاتا ہے اور زمین میں وہ اللہ تعالیٰ کے قیدیوں کی طرح ہوتا ہے اور جب وہ نکمی عمر کو پہنچتا ہے تا کہ سب کچھ جاننے کے بعد بے علم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں برابر وہ نیکیاں لکھتا رہتا ہے جو وہ اپنی صحت کے زمانے میں کیا کرتا تھا اور اگر اس سے کوئی برائی سرزد ہو جائے تو اسے نہیں لکھا جاتا" (1)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے اور اس میں شدید نکارت ہے، اس کے باوجود امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب ایک مسلمان چالیس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے چند بلاؤں سے نجات دے دیتا ہے: جنون، برص اور جذام سے۔ جب وہ پچاس برس کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حساب کو نرم کر دیتا ہے، جب وہ ساٹھ سال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے انابت مرحمت فرماتا ہے جس کی بناء پر وہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ جب وہ ستر برس کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت فرماتا ہے اور آسمان کے فرشتے بھی۔ جب وہ اسی برس کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں کو قبول فرما لیتا ہے اور اور اس کی برائیوں کو مٹا دیتا ہے اور جب اس کی عمر نوے برس ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیتا ہے، زمین میں اسے "اَسِيْرُ اللّٰهِ" کا نام دیا جاتا ہے اور اس کے گھر والوں میں اس کی سفارش قبول کی جاتی ہے" (2)۔ اس کے بعد مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت پر ایک دوسری دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا: وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً یعنی اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرنے پر اسی طرح قادر ہے جس طرح وہ بنجر، خشک اور مردہ زمین کو زندہ کر کے اسے روئیدگی کی قوت عطا فرماتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اس کی زمین پر بارش برساتا ہے تو وہ تر و تازہ ہو جاتی ہے، پھولتی ہے اور اس میں طرح طرح کی فصلیں لہلہانے لگتی ہیں اور قسم قسم کے درخت اپنی بہار دکھانے لگتے ہیں۔ ایسی فصلیں اور پھل پیدا ہوتے ہیں جو رنگ، ذائقہ، خوشبو، شکل اور فوائد میں مختلف ہوتے ہیں، اس لئے فرمایا: ذٰلِكَ

1۔ مسند ابی یعلیٰ، جلد 6 صفحہ 351-352
2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 89، الکشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 226

بِاَنَّ اللّٰهَ ۔ یعنی یہ رنگینیاں اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے، وہی ہر چیز کا خالق اور مدبر ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے، جس طرح وہ بنجر اور مردہ زمین کو زندہ کر کے اس میں سے انواع واقسام کی چیزیں اگاتا ہے اسی طرح وہ مردوں کو زندہ کرے گا۔ جو پہلی مرتبہ زندگی عطا کرنے پر قادر ہے وہ دوسری مرتبہ بھی زندہ کر سکتا ہے، اسے ہر چیز پر پوری پوری قدرت حاصل ہے، جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو صرف لفظ ''کُن'' کہتا ہے تو وہ چیز وجود میں آ جاتی ہے اور قیامت کا آنا بھی یقینی ہے اس کے وقوع میں کوئی شک نہیں اور اللہ تعالیٰ مردوں کو ضرور زندہ کر کے اٹھائے گا جیسا کہ فرمایا: وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِـيْمُۨ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ (یٰسین: 80-78)'' اور ہمارے لیے مثالیں بیان کرنے لگا ہے اور اس نے اپنی پیدائش کو فراموش کر دیا ہے کہتا ہے کون ہڈیوں کو زندہ کر سکتا ہے جب وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں، فرمائیے انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی مرتبہ انہیں پیدا کیا تھا اور وہ ہر مخلوق کو خوب جانتا ہے جس نے تمہارے لیے سرسبز درختوں میں آگ رکھ دی پھر تم اس سے آگ سلگاتے ہو''۔ اس مضمون کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔ حضرت ابو رزین عقیلی نے جن کا نام لقیط بن عامر رضی اللہ عنہ ہے، عرض کی: یا رسول اللہ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کریں گے اور مخلوق میں اس کی نشانی کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم چاند کو یکساں طور پر نہیں دیکھتے؟'' ہم نے عرض کی: جی ہاں، آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تو بڑی عظمت والا ہے''۔ حضرت ابو رزین کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ مردوں کو کیسے زندہ کرے گا، کیا مخلوق میں اس کی کوئی نشانی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا کسی بنجر وادی سے تمہارا گزر ہوا؟'' عرض کی: جی ہاں۔ فرمایا: ''پھر تم نے دوبارہ گذرتے وقت اسے سرسبز و شاداب اور لہلہاتے ہوئے نہیں دیکھا؟ عرض کی: بالکل معاملہ ایسا ہی ہے۔ فرمایا: اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا اور مخلوق میں یہی اس کی نشانی اور دلیل ہے''(1)۔ ایک اور روایت میں حضرت ابو رزین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کیسے مردوں کو زندہ کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی قوم کی کسی ایسی زمین کے پاس سے گذرے ہو جو پہلے بنجر تھی لیکن جب دوبارہ گذرے تو سرسبز و شاداب دکھائی دے رہی تھی؟ عرض کی: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسی طرح مردوں کو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا''(2)۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو اس بات کا یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ حق ہے، قیامت کے وقوع میں کوئی شک نہیں اور اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا، وہ جنتی ہے(3)۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

''اور انسانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر کسی دلیل کے اور بغیر کسی روشن کتاب کے۔ (تکبر سے) گردن مروڑے ہوئے تاکہ بہکا دے (دوسروں کو بھی) اللہ تعالیٰ کی راہ سے اس کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ہم چکھائیں گے اسے قیامت کے دن جلانے والی آگ کا عذاب۔ (اس روز اسے بتایا جائے گا کہ) یہ

1۔ سنن ابی داود، کتاب السنہ، جلد 4 صفحہ 234، سنن ابن ماجہ، المقدمہ، جلد 1 صفحہ 64

2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 11

3۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 11

سزا ہے اس کی جو تیرے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے اوپر اپنے اس فرمان (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ) میں گمراہ جاہل مقلدوں کا حال بیان فرمایا۔ اب یہاں گمراہی کی دعوت دینے والے کفر و بدعت کے سرغنوں کا حال بیان ہو رہا ہے، فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ - یعنی بعض لوگ بغیر عقلی اور نقلی دلیل کے صرف اپنی رائے اور خواہش نفسانی سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اور جب انہیں حق کی دعوت دی جاتی ہے تو غرور و نخوت سے اپنی گردن پھیر لیتے ہیں اور حق کو قبول نہیں کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول "ثَانِيَ عِطْفِهٖ" کا یہی معنی ہے کہ وہ حق کو قبول کرنے سے تکبر کرتا ہے۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنی گردن کو مروڑ لیتا ہے اور تکبر کے باعث حق کی دعوت سے اعراض برتتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ (الذاریات: 39-38) "اور موسیٰ علیہ السلام میں بھی جب ہم نے انہیں روشن سند دیکر فرعون کی طرف بھیجا تو وہ اپنے لشکر سمیت پھر گیا"۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا (النساء: 61) "اور جب انہیں کہا جائے کہ آؤ اس (کتاب) کی طرف جو اتاری ہے اللہ تعالیٰ نے اور رسول کی طرف تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ آپ سے روگردانی کر لیتے ہیں"۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ (المنافقون: 5) "اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ تا کہ اللہ کا رسول تمہارے لیے مغفرت طلب کرے تو وہ (انکار سے) اپنے سروں کو گھماتے ہیں اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ تکبر کرتے ہیں اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ تکبر کرتے ہوئے رک رہے ہیں"۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا: وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ (لقمان: 18) "اور لوگوں کی طرف سے اپنے رخسار کو نہ پھیرے"۔ "وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا (لقمان: 7) "اور جب اسے ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو تکبر کرتے ہوئے منہ پھیر لیتا ہے"۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ...... میں بقول بعض لام عاقبت کا ہے کیونکہ بعض اوقات گمراہ کرنا مقصود نہیں ہوتا اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ لام تعلیل ہے۔ پھر اس سے مراد یا تو سرکش ہیں یا اس سے مراد ہے کہ ایسا کرنے والے کی جبلت میں یہ کمینگی اور بد خلقی رکھ دی گئی ہے تا کہ وہ دوسروں کو گمراہ کرتا رہے۔ پھر فرمایا: لَهٗ فِي الدُّنْيَا - یعنی دنیا میں اس کیلئے اہانت، ذلت اور رسوائی ہے۔ آیات الٰہی سے اعراض اور تکبر کرنے کی پاداش میں آخرت سے پہلے دنیا میں ہی ذلت اور رسوائی اس کا مقدر بن گئی۔ کیونکہ اس کی جدوجہد اور اس کا مبلغ علم صرف حصول دنیا تک محدود رہا اور قیامت کے روز اسے زجر و توبیخ اور سرزنش کرتے ہوئے کہا جائے گا: خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ۝ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۝ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ (الدخان: 50-47) "اسے پکڑ لو پھر اسے گھسیٹ کر جہنم کے وسط میں لے جاؤ، پھر عذاب دینے کیلئے اس کے سر پر کھولتا ہوا پانی انڈیلو، لو چکھو تم بہت معزز و مکرم ہو۔ بے شک یہ وہ ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے"۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے یہ روایت معلوم ہوئی ہے کہ ہر کافر کو ایک دن میں ستر ہزار مرتبہ جلایا جائے گا(1)۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝ يَدْعُوْا مِنْ

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 13

دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿12﴾ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿13﴾

''اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی کنارہ پر (کھڑے کھڑے) پھر اگر پہنچے اسے بھلائی (اس عبادت سے) تو مطمئن ہو جاتا ہے اس سے۔ اور اگر پہنچے اسے کوئی آزمائش تو فوراً (دین سے) منہ موڑ لیتا ہے۔ اس شخص نے برباد کر دی اپنی دنیا اور آخرت۔ یہی تو کھلا ہوا خسارہ ہے۔ وہ عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی جو نہ ضرر پہنچا سکتا ہے اسے اور نہ نفع پہنچا سکتا ہے اسے۔ یہی تو انتہائی گمراہی ہے۔ وہ پوجتا ہے اسے جس کی ضرر رسانی زیادہ قریب ہے اس کے نفع رسانی سے۔ یہ بہت برا دوست ہے اور بہت برا ساتھی ہے''۔

مجاہد، قتادہ وغیرہ کا قول ہے کہ ''حرف'' کا معنی شک ہے۔ دیگر حضرات کہتے ہیں کہ یہ طرف کے معنی میں ہے۔ اسی کے کنارے کو ''حَرْفُ الْجَبَلِ'' کہتے ہیں۔ آیت کریمہ میں اس شخص کا بیان ہے جو دین کے ایک کنارے پر کھڑا ہوتا ہے اگر مفاد حاصل ہو جائے تو دین سے وابستہ رہتا ہے ورنہ اس سے دست کش ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو مدینہ آئے، یہاں اگر ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا اور ان کی اونٹنیاں بچے جنتیں تو کہتے کہ یہ بہت اچھا دین ہے اور اگر ان کے ہاں اولاد پیدا نہ ہوتی اور نہ ہی ان کی اونٹنیاں بچے جنم دیتیں تو کہتے کہ یہ بہت برا دین ہے(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ کچھ بدو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیتے۔ جب وہ اپنے وطن کو لوٹتے تو اگر بارش ہو جاتی، زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی اور ان کے ہاں صحت مند اولاد پیدا ہوتی تو کہتے کہ یہ بہت عمدہ دین ہے چنانچہ وہ اسے تھامے رکھتے لیکن اگر قحط سالی سے واسطہ پڑ جاتا اور صحت مند اولاد پیدا نہ ہوتی تو کہتے کہ اس دین میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ اس پر مذکورہ بالا آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں میں سے جب کوئی شخص مدینہ آتا، یہاں آ کر اگر وہ صحت مند رہتا، اس کی گھوڑی بچھیرا جنتی اور اس کی بیوی کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا تو بہت مسرور اور مطمئن ہو جاتا اور برملا یہ کہہ اٹھتا کہ جب سے میں نے اس دین کو قبول کیا ہے، مجھے خیر ہی میسر آئی ہے اور اگر اسے مدینہ میں کوئی تکلیف لاحق ہو جاتی، اس کی بیوی لڑکی کو جنم دیتی اور صدقہ کا مال پہنچنے میں تاخیر ہو جاتی تو شیطان اس کے پاس آ دھمکتا اور وسوسہ اندازی کرتے ہوئے اسے کہتا کہ جب سے تو نے یہ دین قبول کیا ہے، تمہیں شر اور نقصان کے سوا کچھ نہیں ملا۔ یہ دراصل آزمائش تھی(2)۔ قتادہ، ضحاک، ابن جریج اور دیگر سلف کا اس آیت کی تفسیر میں یہی قول ہے۔ عبدالرحمن بن زید کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں منافق کا حال بیان ہوا ہے، اگر دنیا اس کیلئے سازگار رہے تو وہ عبادت پر قائم رہتا ہے اور اگر دنیا اس کیلئے ناخوشگوار ہو جائے تو وہ دین سے منہ موڑ لیتا ہے اور صرف اسقدر عبادت کرتا ہے جس سے اسے دنیاوی مفاد حاصل ہو جائے اور اگر وہ فتنہ، شدت اور تنگی کا شکار ہو جائے تو دین اسلام کو ترک کر کے دوبارہ کفر اختیار کر لیتا ہے(3)۔ مجاہد اس فرمان اِنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اس نے اپنی دنیا بھی برباد کر لی اور آخرت بھی۔ کفر کرنے کے باعث نہ دنیا میں اسے کچھ حاصل ہوا اور نہ آخرت میں اس کیلئے سوائے شقاوت اور اہانت کے کوئی چیز ہے، اس لئے فرمایا: ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ یعنی یہی بہت بڑا خسارہ اور واضح نقصان ہے اس کے بعد فرمایا: يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ... وہ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسے بتوں کی عبادت کرتا ہے، ان سے مدد اور رزق طلب

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ حج، جلد 6 صفحہ 122 2۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 122، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 13 3۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 123

کرتا ہے جو نفع ونقصان پہنچانے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے اور یہی انتہائی گمراہی ہے۔ وہ اس کو پکارتا ہے جس کی ضرر رسانی یقینی اور حتمی ہے۔ اس فرمان لَبِئْسَ کے متعلق مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد بت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یہ جس کی عبادت کرتا ہے وہ بہت ہی برا دوست اور ساتھی ہے۔ ''عَشِیْر'' کا معنی ہے ساتھی۔ ابن جریر یہ مراد لیتے ہیں کہ وہ بیچارا دوست بہت ہی برا ہے جو ایک کنارے پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے، اگر خیر مل جائے تو اس سے مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر آزمائش کا سامنا کرنا پڑ جائے تو اس سے منہ موڑ لیتا ہے(1)۔ لیکن مجاہد کا یہ قول کہ اس سے مراد بت ہے، زیادہ موزوں اور سیاق کے زیادہ قریب ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿١٤﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ داخل کرے گا انہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے''۔

بدبخت اور گمراہ لوگوں کے ذکر کے بعد اب ان سعادتمند اور نیکوکار حضرات کا تذکرہ ہو رہا ہے جو صدق دل سے ایمان لائے، اپنے اعمال کے ذریعے اپنے ایمان کی تصدیق کی، اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے اعمال صالحہ بجا لاتے رہے اور برائیوں سے اجتناب کرتے رہے، اس سبب سے وہ جنت میں اعلیٰ درجات کے مالک بن گئے۔ ہدایت اور گمراہی چونکہ اللہ کے ہاتھ میں اس لیے فرمایا: إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ۔

مَن كَانَ يَظُنُّ أَن لَّن يَنصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ ﴿١٥﴾ وَكَذَٰلِكَ أَنزَلْنَاهُ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَأَنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يُرِيدُ ﴿١٦﴾

''اور جو شخص یہ خیال کئے بیٹھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی مدد نہیں کرے گا نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں تو اسے چاہئے کہ لٹک جائے ایک رسی کے ذریعے چھت سے پھر (گلے میں پھندا ڈال کر) اسے کاٹ دے پھر دیکھے آیا دور کر دیا ہے اس کی (خودکشی کی) تدبیر نے اس کے غم وغصہ کو۔ اور اسی طرح ہم نے اتارا ہے اس کتاب کو روشن دلیلوں کے ساتھ۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی یہ وضاحت کرتے ہیں کہ جو شخص یہ خیال کیے بیٹھا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں حضرت محمد ﷺ کی مدد نہیں کرے گا، اسے چاہیے کہ وہ رسی کا پھندا اپنے گلے میں ڈال کر چھت سے لٹک جائے اور پھر رسی کو کاٹ کر مر جائے۔ مجاہد، عکرمہ، عطاء، ابوالجوزاء، قتادہ اور دیگر حضرات کا بھی یہی قول ہے۔ عبدالرحمن بن زید اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ یہ آسمان تک پہنچنے کیلئے رسی کے ساتھ لٹک جائے کیونکہ حضور ﷺ کے پاس نصرت الٰہی کی آمد آسمان سے ہی ہوتی ہے، پھر اگر اس کے بس میں ہو تو اس مدد کو کاٹ ڈالے لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول لغوی لحاظ سے اور اس کافر کا تمسخر اڑانے کیلئے زیادہ موزوں ہے۔ اس

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 125

صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ، اپنے دین اور اپنی کتاب کی مدد کرنے والا ہے، اگر اس کافر کو یہ بات ناقابل برداشت ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے غضب کو فرو کرنے کیلئے خود کو قتل کرے، اللہ تعالیٰ تو ہر صورت میں اپنے رسول ﷺ کا مددگار ہے جیسا کہ فرمایا: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ (المومن: 51) ”بے شک ہم اپنے رسولوں اور اہل ایمان کی مدد کرتے ہیں اس دنیاوی زندگی میں بھی اور اس دن بھی جب گواہ (گواہی کیلئے) کھڑے ہوں گے“۔ اس لئے فرمایا: فَلْیَنْظُرْ هَلْ یُذْهِبَنَّ سدی کہتے ہیں کہ وہ دیکھے کیا اس کی تدبیر شان مصطفی ﷺ کو ختم کر سکتی ہے، عطاء خراسانی کہتے ہیں کہ وہ دیکھے کیا اس کی تدبیر اس کے سینے میں بھڑکنے والی آتش غضب کو بجھا سکتی ہے، اس کے بعد فرمایا: وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ یعنی ہم نے قرآن کریم کو ایسی آیات کیساتھ اتارا ہے جو لفظی و معنوی لحاظ سے واضح اور لوگوں پر حجت ہیں اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ وہ کسی کو گمراہ کرے یا کسی کو ہدایت دے یہ اس کی مشیت پر موقوف ہے، ہر ایک چیز میں اس کی حکمت کارفرما ہے۔ اس سے کسی کام کے متعلق باز پرس نہیں کی جا سکتی جبکہ لوگوں سے باز پرس ہوگی۔ وہ اپنی حکمت، رحمت، عدل، علم، قہر اور عظمت کے پیش نظر اس بات کا سزاوار ہے کہ ہر ایک سے حساب لے۔ اس کے حکم کو کوئی مسترد نہیں کر سکتا اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَادُوْا وَ الصّٰبِـِٕیْنَ وَ النَّصٰرٰی وَ الْمَجُوْسَ وَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا ۖۗ اِنَّ اللّٰهَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ⑰

”بے شک اہل ایمان، یہودی، ستارہ پرست، عیسائی، آتش پرست اور مشرک۔ ضرور فیصلہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ ان (گروہوں) کے درمیان قیامت کے دن۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے“۔

اللہ تعالیٰ مومنین اور دیگر اہل ادیان یہود، ستارہ پرستوں، نصاریٰ، آتش پرستوں اور مشرکین کے متعلق خبر دے رہا ہے کہ وہ قیامت کے دن ان سب کے درمیان عدل و انصاف سے فیصلہ فرمائے گا، اہل ایمان کو جنت میں اور اہل کفر کو دوزخ میں داخل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے افعال کا مشاہدہ فرما رہا ہے اور ان کے اقوال اور دل کے بھیدوں سے بخوبی واقف ہے۔ ”صابئین“ کا بیان اور ان کے بارے میں اختلاف کا ذکر سورۂ بقرہ میں ہو چکا ہے (1)۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ وَ النُّجُوْمُ وَ الْجِبَالُ وَ الشَّجَرُ وَ الدَّوَآبُّ وَ كَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَ كَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ ؕ وَ مَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ۩ ⑱

”کیا تم ملاحظہ نہیں کر رہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہی سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے نیز آفتاب، مہتاب، ستارے، پہاڑ، درخت اور چوپائے اور بہت سے انسان بھی (اسی کو سجدہ کرتے ہیں) اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جن پر عذاب مقرر ہو چکا ہے۔ اور (دیکھو) جس کو ذلیل کردے اللہ تعالیٰ تو کوئی اسے عزت دینے والا نہیں ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے“۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 62

صرف اللہ وحدہ لاشریک ہی مستحق عبادت ہے کیونکہ ہر چیز اس کی عظمت کے سامنے چاروناچار سر افگندہ اور سجدہ کر رہی ہے۔ ہر چیز کا سجدہ اس کی اپنی نوعیت اور ہیئت کے مطابق ہے جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ (الحج: 18) یعنی آسمان کے کونے کونے میں فرشتے اور زمین کی ہر جہت میں جاندار یعنی انسان، جن، چوپائے اور پرندے۔ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ (النحل: 48) ''کیا انہوں نے ان اشیاء کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ نے پیدا کیں کہ ان کے سائے دائیں اور بائیں سے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے بدلتے رہتے ہیں اس حال میں کہ وہ اظہار عجز کرتے ہیں''، وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (بنی اسرائیل: 44) ''اور کوئی بھی چیز نہیں مگر وہ اس کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کرتی ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے سورج، چاند اور ستاروں کا نام نے کر اس لیے ذکر کیا ہے کہ بعض لوگ ان کی پرستش کرتے ہیں، ان پر واضح کر دیا کہ یہ بذات خود اپنے خالق کے حضور سربسجود ہیں اور اس کے حکم کے پابند ہیں، اس لیے یہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں، فرمایا: لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ (حم السجدۃ: 37) ''سجدہ نہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو بلکہ اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا فرمایا''۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟'' میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ عرش تلے سجدہ کرنے چلا جاتا ہے، پھر اجازت طلب کرتا ہے۔ وہ وقت آنے والا ہے جب اسے حکم ہوگا کہ اسی جگہ لوٹ جا جہاں سے آیا ہے''(1)۔ حدیث کسوف (گرہن والی حدیث) میں ہے: ''سورج اور چاند اللہ کی مخلوق ہیں، انہیں نہ کسی کی موت پر گرہن لگتا ہے اور نہ کسی کی پیدائش پر بلکہ اللہ تعالیٰ جب اپنی مخلوق میں سے کسی چیز پر تجلی فرماتا ہے تو وہ اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتی ہے''(2)۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ سورج، چاند اور ستارے جب غروب ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں، جب تک انہیں واپس کی اجازت نہ ملے وہ سجدہ میں ہی رہتے ہیں، پھر اجازت ملنے پر وہ دائیں طرف سے ہو کر اپنے مطلع کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ پہاڑوں اور درختوں کا سجدہ ان کے سائے کا دائیں بائیں پڑنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے عرض کی: یارسول اللہ! آج میں نے خواب میں دیکھا گویا میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں جب میں نے سجدہ کیا تو درخت نے بھی سجدہ کیا اور میں نے اسے سجدہ میں یہ کہتے ہوئے سنا: اے اللہ! اس سجدہ کے بدلہ میں میرے لیے اپنے ہاں اجر لکھ لے، اس کے باعث میرے گناہ معاف فرما دے، اسے میرے لیے اپنے پاس ذخیرۂ آخرت بنا دے اور میرا یہ سجدہ قبول فرما جس طرح تو نے اپنے بندے داؤد علیہ السلام کا سجدہ قبول فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے آیت سجدہ پڑھی اور دوران سجدہ یہی دعا پڑھی جو درخت کے متعلق اس شخص نے بتائی تھی(3)۔ ''الدواب'' سے مراد تمام حیوانات ہیں۔ یہ بھی سجدہ کرتے ہیں حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے جانوروں کی پشتوں کو منبر نہ بنا لیا کرو کیونکہ بعض سواریاں اپنے سوار سے زیادہ اچھی اور زیادہ ذکر کرنے والی ہوتی ہیں''(4)۔ اسی طرح اکثر انسان بھی برضا و رغبت اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں۔ بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو تکبر کرتے ہیں اور عبادت الٰہی سے منہ موڑے رہتے ہیں، ایسے لوگوں پر عذاب یقینی ہے۔ پھر فرمایا: وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ ... ابن ابی حاتم میں

1۔ صحیح بخاری کتاب بدء الخلق، جلد 4 صفحہ 131 صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 139

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 308، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 267 وغیرہ

3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب السفر، جلد 3 صفحہ 60، سنن ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلاۃ 334

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 27

ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہاں ایک شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی مشیت کا منکر ہے۔ آپ نے اسے فرمایا: اے شخص، یہ بتا اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنی مرضی سے پیدا کیا ہے یا تیری مرضی سے؟ کہا کہ جیسے اس کی مشیت تھی۔ پھر آپ نے پوچھا کہ وہ تمہیں اپنی مشیت سے بیمار کرتا ہے یا تیری مشیت سے؟ کہا کہ جب اس کی مشیت ہو۔ پھر آپ نے پوچھا کہ جب وہ تمہیں شفا دیتا ہے تو اپنے ارادے سے دیتا ہے یا تیرے ارادے سے؟ کہا کہ جب اس کا ارادہ ہو۔ آپ نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ تجھے کہیں لے جائے تو تیری مرضی سے یا جو اس کی اپنی مرضی ہوگی؟ اس نے کہا کہ جیسے اس کی مرضی ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو اس کے برعکس جواب دیتا تو میں تلوار سے تیرا سر اڑا دیتا (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب انسان آیت سجدہ پڑھتا ہے تو شیطان الگ تھلک ہو کر رونے لگتا ہے اور کہتا ہے: ہائے افسوس! ابن آدم کو سجدہ کا حکم ہوا تو اس نے سجدہ کیا اور جنت حاصل کر لی۔ مجھے سجدہ کا حکم ہوا تو میں نے انکار کر دیا اور جہنمی ہو گیا" (2)۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا سورۂ حج کو دو سجدوں کی وجہ سے باقی قرآن پر فضیلت ملی؟ آپ نے فرمایا: "ہاں اور جو شخص یہ دونوں سجدے نہ کرے، اسے چاہیے کہ وہ ان کی تلاوت ہی نہ کرے" (3)۔ ابو جہم کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابیہ کے مقام پر سورۂ حج کی تلاوت کی اور دو سجدے کیے۔ پھر فرمایا کہ اس سورت کو دو سجدوں کے باعث فضیلت ملی۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے قرآن کریم میں پندرہ سجدے پڑھائے، ان میں سے تین مفصل میں اور دو سورۂ حج میں (4)۔ یہ روایات ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۫ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۭ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۞ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۞ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۞ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۤ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۞

"یہ دو فریق ہیں جو جھگڑ رہے ہیں اپنے رب کے بارے میں۔ تو وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا تیار کر دیے گئے ہیں ان کے لئے کپڑے آتش (جہنم) سے انڈیلا جائے گا ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی۔ گل جائے گا اس کھولتے پانی سے جو کچھ ان کے شکموں میں ہے اور ان کی چمڑیاں بھی گل جائیں گی۔ اور ان (کو مارنے) کے لئے گرز ہوں گے لوہے کے۔ جب بھی ارادہ کریں گے اس سے نکلنے کا فرط رنج والم کے باعث تو انہیں لوٹا دیا جائیگا اس میں۔ اور (کہا جائے گا) کہ چکھو جلتی ہوئی آگ کا عذاب"۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ آیت هٰذٰنِ خَصْمٰنِ ..... حضرات حمزہ، عبیدہ، علی رضی اللہ عنہم اور بدر کے دن ان کے مقابلہ میں آنے والے کفار عتبہ، شیبہ اور ولید کے بارے میں نازل ہوئی (5)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ قیامت کے

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 18
2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 87
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 58، عارضۃ الاحوذی، ابواب السفر، جلد 3 صفحہ 59
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 58، سنن ابن ماجہ کتاب الاقامۃ، جلد 1 صفحہ 335
5۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ حج، جلد 6 صفحہ 117، صحیح مسلم، کتاب التفسیر، جلد 4 صفحہ 2323

دور میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی حجت پیش کرنے کیلئے دوزانو ہو کر بیٹھ جاؤں گا۔ حضرت قیس رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ انہی کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے میدان بدر میں ایک دوسرے کو دعوت مبارزت دی یعنی مسلمانوں کی طرف سے حضرات علی، حمزہ اور عبیدہ رضی اللہ عنہم اور کفار کی طرف سے شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ (1)۔ حضرت قتادہ اس آیت کے متعلق کہتے ہیں کہ مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان جھگڑا ہو گیا، اہل کتاب کہنے لگے کہ چونکہ ہمارا نبی تمہارے نبی سے اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے ہے اس لئے ہم تمہاری نسبت اللہ کے زیادہ قریب ہیں۔ مسلمان کہنے لگے کہ ہماری کتاب تمام کتابوں کا فیصلہ کرتی ہیں اور ہمارے نبی خاتم الانبیاء ہیں اس لئے ہم تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو ان پر غلبہ عطا کرتے ہوئے فرمایا: هٰذٰنِ خَصۡمٰنِ (2)۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تصدیق کرنے والے اور تکذیب کرنے والے دو گروہ ہیں۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مومن اور کافر کی مثال بیان ہوئی ہے جن کا قیامت کے متعلق اختلاف تھا۔ حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مومن اور کافر ہیں۔ حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دو جھگڑنے والے جنت اور دوزخ ہیں۔ دوزخ کا کہنا تھا کہ مجھے محل عقوبت بنا اور جنت کا تقاضا تھا کہ مجھے محل رحمت بنا۔(3) مجاہد اور عطاء کا یہ قول کہ اس سے مراد کافر اور مومن ہیں، ان تمام اقوال کو شامل ہے اور واقعہ بدر اور اس قسم کا کوئی اور واقعہ بھی اس کے ضمن میں آ سکتا ہے کیونکہ مومنین دین الٰہی کے غلبہ کے خواہاں تھے اور کفار اس کوشش میں تھے کہ وہ نور ایمان کو بجھا دیں، حق کو شکست دے دیں اور باطل کو غالب کر دیں۔ ابن جریر کا پسندیدہ قول یہی ہے یہ واقعی بہت اچھا ہے۔ اس لئے فرمایا: فَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا قُطِّعَتۡ یعنی کافروں کیلئے آتش جہنم کے ٹکڑے تیار کیے گئے ہیں۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ ان کیلئے تانبے کے کپڑے تیار ہیں جو گرم کرنے پر بہت زیادہ گرم ہوتا ہے۔ مزید فرمایا: يُصَبُّ مِنۡ فَوۡقِ رُءُوۡسِهِمُ یعنی ان کے اوپر کھولتا ہوا گرم پانی انڈیلا جائے گا جس سے ان کے پیٹ کے اندر کی چربی اور انتڑیاں اور ان کی چمڑیاں بھی پگھل جائیں گی۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ ان پر پگھلا ہوا تانبا انڈیلا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کی چمڑیاں نیچے گر پڑیں گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا تو وہ ان کی کھوپڑیوں کو پار کرتا ہوا اور ان کے پیٹ سے ہوتا ہوا قدموں تک پہنچ جائے گا، پھر جیسے تھے ویسے ہو جائیں گے''(4)۔ عبداللہ بن سری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرشتہ کافر کے پاس کھولتے ہوئے پانی کا برتن دونوں کنڈوں سے پکڑ کر لائے گا جب وہ برتن اس کے منہ کے قریب کرے گا تو وہ کراہت سے منہ پھیر لے گا، فرشتہ کے پاس گرز ہوگا، وہ اس کے سر پر گرز کی ضرب لگا کر پھاڑ دے گا پھر برتن اس کے دماغ میں انڈیل دے گا، وہ پانی دماغ سے اس کے پیٹ میں پہنچ جائے گا، یہی مطلب اس فرمان يُصۡهَرُ بِهٖ کا ہے(5)۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہ ایک آہنی گرز زمین پر رکھ دیا جائے گا تو جن وانس سب مل کر بھی اسے زمین سے نہیں اٹھا سکتے''(6)۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ گرز کسی پہاڑ پر مار دیا جائے تو ریزہ ریزہ ہو جائے۔ اس کی ضرب سے جہنمی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر جیسا تھا ویسا ہی ہو جائے گا۔ جہنمیوں کو پلائی

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورہ حج، جلد 6 صفحہ 127
2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 20
3۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 132-133، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 20
4۔ مجمع الزوائد، ابواب صفۃ جہنم، جلد 10 صفحہ 50-51
5۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 21
6۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 29

جانے والی پیپ کا ایک ڈول اگر دنیا میں بہا دیا جائے تو تمام اہل دنیا کا بدبو کے باعث جینا دوبھر ہو جائے'' (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جہنمیوں کو یہ آہنی گرز مارے جائیں گے تو ایک ایک عضو الگ ہو کر ان کے سامنے گرے گا اس وقت یہ موت کی تمنا کریں گے (2)۔ جب بھی یہ فرط رنج والم سے آتش جہنم سے نکلنا چاہیں گے تو انہیں اس میں لوٹا دیا جائے گا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آتش جہنم نہایت سیاہ اور تاریک ہے، نہ اس میں شعلہ بھڑکتا ہے اور نہ انگارہ دہکتا ہے، پھر انہوں نے اس آیت کُلَّمَآ اَرَادُوْٓا ۔۔۔ کی تلاوت کی (3)۔ زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ جہنمی جہنم میں سانس نہیں لے سکیں گے۔ حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! انہیں جہنم سے نکلنے کی کوئی امید ہی نہ رہے گی کیونکہ ان کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہوں گے، البتہ یہ ہوگا کہ آگ کے شعلے انہیں اونچا لے جائیں گے لیکن فرشتوں کے گرز کھا کر پھر نیچے آ جائیں گے (4)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ... اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ (السجدۃ: 20) '' اور انہیں کہا جائے گا کہ آگ کا عذاب چکھو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے''۔ مطلب یہ کہ انہیں زبانی اور عملی دونوں قسم کے عذاب دے کر ذلیل ورسوا کیا جائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ؕ وَ لِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾ وَ هُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚۖ وَ هُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾

'' یقیناً اللہ تعالیٰ داخل کرے گا ان لوگوں کو جو ایمان بھی لے آئے اور عمل بھی نیک کرتے رہے جنتوں میں، بہتی ہیں جن کے نیچے ندیاں انہیں پہنائے جائیں گے جنت میں سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار۔ اور ان کی پوشاک وہاں ریشمی ہوگی اور ان کی رہنمائی کی گئی تھی پاکیزہ قول کی طرف۔ اور دکھایا گیا تھا انہیں راستہ اللہ تعالیٰ کا جو تعریف کیا گیا ہے''۔

قبل ازیں اہل جہنم، ان کے عبرتناک عذاب اور ان کیلئے تیار شدہ طوق وزنجیر اور آگ کے لباس کا ذکر ہوا اب اہل جنت کا حال بیان ہو رہا ہے، فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ ۔ یعنی جنت کے ہر طرف اور اس کے درختوں اور محلات کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، اہل جنت جس طرح چاہیں گے ان کا رخ پھیر دیں گے، انہیں جنت میں سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار پہنائے جائیں گے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''مومن کو وہاں تک زیور پہنایا جائے جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے'' (5)۔ حضرت کعب الاحبار کہتے ہیں کہ جنت میں ایک فرشتہ ہے اگر میں اس کا نام لینا چاہوں تو اس کا نام بھی مجھے معلوم ہے۔ وہ اپنی پیدائش سے اہل جنت کیلئے زیور بنا رہا ہے اور قیامت تک وہ اس کام میں مشغول رہے گا۔ اگر جنت کا ایک کنگن ظاہر ہو جائے تو سورج کی روشنی اس طرح ختم ہو جائے جس طرح اس کے سامنے چاند کا نور جاتا رہتا ہے۔ دوزخیوں کے کپڑوں کے مقابلہ میں جنتیوں کو ریشم کی پوشاکیں پہنائی جائیں گی جیسا کہ فرمایا: عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ ۫ وَّ حُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾ (الدہر: 22-21) '' ان کے اوپر باریک سبز ریشم اور اطلس کا لباس ہوگا اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب انہیں

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 83
2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 21
3۔ مستدرک حاکم تفسیر سورۃ حج، جلد 2 صفحہ 387، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 22 تفسیر طبری جلد 17 صفحہ 135
4۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 238
5۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 219، سنن نسائی، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 93 وغیرہ

نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا۔ (انہیں کہا جائے گا) یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری کوشش مقبول ہوئیں"۔ حدیث صحیح میں آتا ہے: "تم ریشم مت پہنو کیونکہ جس نے اسے دنیا میں پہن لیا وہ اسے آخرت میں نہیں پہن سکے گا" (1)۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص آخرت میں ریشمی لباس سے محروم رہا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ (2)۔ اگلی آیت میں فرمان ہے: وَهُدُوٓا۔ جیسا کہ فرمایا: وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ (ابراہیم: 23)۔ "اور داخل کیا جائے گا ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں اپنے رب کے حکم سے ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں ایک دوسرے کو ان کی دعا یہ ہوگی کہ تم سلامت رہو"، وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (الرعد: 24-23) "اور فرشتے ان پر ہر دروازے سے (یہ کہتے ہوئے) داخل ہوں گے کہ تم پر سلامتی ہو بوجہ اس کے جو تم نے صبر کیا، پس کیا عمدہ ہے آخرت کا گھر"، لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ۝ إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا (الواقعہ: 26-25) "نہ سنیں گے وہاں لغو باتیں اور نہ گناہ والی باتیں، بس ہر طرف سے سلام ہی سلام کی آواز آئے گی"۔ وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا (الفرقان: 75) "اور وہاں سلام اور دعا سے ان کا استقبال کیا جائے گا"۔ ان کے برعکس دوزخیوں کو خوب ذلیل کیا جائے گا اور انہیں زجر و توبیخ اور سرزنش کرتے ہوئے کہا جائے گا: "ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ"۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَهُدُوٓا إِلَىٰ صِرَاطِ الْحَمِيدِ یعنی انہیں ایسی جگہ کی راہ دکھائی جائے گی جہاں وہ اپنے رب کے احسانات اور انعامات پر اس کی حمد و ثناء کریں گے جیسا کہ حدیث صحیح میں آتا ہے۔ "جنتیوں کو تسبیح و تحمید کا اس طرح الہام ہوگا جیسے بلا قصد سانس آتا ہے" (3)۔ بعض مفسرین نے قول طیب سے مراد قرآن کریم لیا ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اور بعض کے ہاں اذکار مشروعہ ہیں۔ صراط حمید سے مراد دنیا میں راہ راست ہے۔ یہ معانی ہماری بیان کردہ تفسیر کے منافی نہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ ۚ وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝

"بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا اور (دوسروں کو) روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے اور مسجد حرام سے جسے ہم نے (بلا امتیاز) سب لوگوں کے لئے (مرکز ہدایت) بنایا ہے یکساں ہیں اس میں وہاں کے رہنے والے اور پردیسی۔ اور جو ارادہ کرے اس میں زیادتی کا ناحق تو ہم اسے چکھائیں گے دردناک عذاب"۔

اللہ تعالیٰ کفار کی ہٹ دھرمی اور ان کی اس روش پر اظہار ناپسندگی کر رہا ہے کہ وہ اہل ایمان کو مسجد حرام جانے اور وہاں مناسک ادا کرنے سے روکتے ہیں اور اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہی اس کے متولی ہیں حالانکہ اس کے متولی تو متقی بندے ہیں۔ یہ آیت کریمہ اپنے مدنی ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا: يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ (البقرة: 217) "وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ماہ حرام میں جنگ کرنے

1۔ فتح الباری، کتاب اللباس، جلد 10 صفحہ 284، صحیح مسلم، جلد 3 صفحہ 1637

2۔ سنن کبریٰ بیہقی، کتاب الصلاۃ جلد 2 صفحہ 422، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 23 وغیرہ

3۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2180-2181، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 249

کا کیا حکم ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ اس میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے لیکن اللہ کی راہ سے اور مسجد حرام سے روک دینا اور اس میں بسنے والوں کو اس سے نکال دینا، اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے"۔ اور یہاں فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یعنی یہ بد بخت کفر کا ارتکاب کرنے کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کو راہ خدا اور مسجد حرام سے روکتے ہیں حالانکہ حقیقت میں اہل ایمان ہی مسجد حرام کے حقدار ہیں۔ اس آیت کریمہ میں ترتیب ایسے ہے جیسا کہ اس آیت میں: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَىٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىٕنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد: 28) "جو لوگ ایمان لائے اور جن کے دل ذکر الٰہی سے مطمئن ہوتے ہیں، سنو! اللہ کی یاد سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں"۔ یعنی اہل ایمان کی صفت یہ ہے کہ یاد الٰہی سے ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ فرمایا: الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ یعنی یہ لوگوں کو مسجد حرام تک پہنچنے سے منع کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے سب کیلئے یکساں طور پر مرکز ہدایت بنایا ہے خواہ کوئی مقیم ہو یا غریب الدیار مسافر۔ مکہ کے رہنے والے اور باہر والے بھی مسجد حرام میں اتر سکتے ہیں (1)۔ مجاہد، ابوصالح، عبدالرحمٰن بن سابط اور عبدالرحمٰن بن زید اس فرمان سَوَآءَ ۨالْعَاكِفُ... کے متعلق یہی کہتے ہیں کہ مکی اور غیر مکی یہاں کی رہائش گاہوں میں یکساں حقوق رکھتے ہیں۔ اس مسئلہ کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام اسحاق بن راہویہ کا مسجد خیف میں اختلاف ہو گیا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں موجود تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ موقف تھا کہ مکہ شریف کے مکانات ملکیت میں لائے جا سکتے ہیں، انہیں وراثت میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اور انہیں کرائے پر بھی دیا جا سکتا ہے۔ اپنے موقف کی تائید میں انہوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے استدلال کیا جس میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کل آپ مکہ میں اپنے گھر میں قیام کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "عقیل نے ہمارے لیے کون سا مکان چھوڑا ہے"، پھر فرمایا: "کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں بن سکتا" (2)۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ کا گھر چار ہزار درہم میں خرید کر اسے قید خانہ بنوا دیا۔ یہی مسلک طاؤس اور عمرو بن دینار کا ہے جبکہ اسحاق بن راہویہ کا موقف یہ تھا کہ مکہ کے مکانات نہ وراثت میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں اور نہ انہیں کرائے پر دیا جا سکتا ہے۔ سلف کی ایک جماعت، مجاہد اور عطاء کا بھی یہی قول ہے۔ اس کی دلیل حضرت علقمہ بن نضلہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں مکہ کے مکانات یونہی آزاد اور غیر مملوک تھے۔ جسے ضرورت ہوتی وہ رہائش کر لیتا اور اگر ضرورت نہ ہوتی تو کسی اور کی رہائش کیلئے چھوڑ دیتے (3)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مکہ شریف کے گھروں کو نہ بیچنا جائز ہے اور نہ کرائے پر دینا۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ بھی حرم شریف کے مکانات کو کرائے پر دینے کی ممانعت کے قائل تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مکہ شریف کے گھروں کے دروازے بنانے سے منع کیا کرتے تھے کیونکہ حجاج ان کے صحنوں میں ٹھہرا کرتے تھے۔ سب سے پہلے حضرت سہیل بن عمرو نے اپنے گھر کا دروازہ بنوایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بلا بھیجا۔ وہ کہنے لگے: اے امیر المومنین! میں معذرت خواہ ہوں، دراصل میں تاجر ہوں، میں نے اپنے جانوروں کو یہاں رکھنے کی غرض سے دو دروازے بنوائے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا کہ پھر تمہیں اس کی اجازت ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اہل مکہ! اپنے گھروں کے دروازے نہ رکھو تاکہ غریب الدیار مسافر جہاں چاہیں ٹھہر سکیں۔ عطاء فرماتے ہیں کہ مکہ والے اور باہر سے آنے

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 137
2۔ فتح الباری، کتاب الحج، جلد 3 صفحہ 450۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 984
3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المناسک، جلد 2 صفحہ 1037

والے جہاں چاہیں رہائش اختیار کریں۔(1) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے کہ جس نے مکہ کے گھروں کا کرایہ کھایا، اس نے آگ کھائی۔ امام احمد رضی اللہ عنہ نے فریقین کے دلائل کو جمع کرتے ہوئے درمیانی راہ اختیار کی ہے، ان کا مسلک یہ ہے کہ مکہ کے مکانات کی ملکیت اور وراثت تو جائز ہے لیکن انہیں کرائے پر دینا ناجائز ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ ...... بعض مفسرین نے "بالحاد" میں باء کو زائدہ قرار دیا ہے جیسا کہ "تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ" میں۔ سب سے عمدہ توجیہہ یہ ہے کہ یہاں فعل اپنے ضمن میں "يَهُمُّ" کا معنی لیے ہوئے ہے، اس لیے باء کے ساتھ متعدی ہوا ہے۔ "الحاد" سے مراد کبیرہ قبیح گناہ ہیں۔ "بِظُلْمٍ" سے مراد ہے دانستہ اور قصداً، نہ کہ تاویل کی رو سے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ظلم بمعنی شرک بھی منقول ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ظلم سے مراد غیر اللہ کی عبادت کرنا ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ظلم کی یہ وضاحت کرتے ہیں کہ حرم شریف میں اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھ لینا مثلاً گناہ، بدسلوکی اور قتل(2)۔ حرم شریف کی یہ خصوصیت ہے کہ اگر کوئی اجنبی بھی یہاں برے کام کا عزم کرلے تو اسے سزا ہوگی اگرچہ وہ اس کا مرتکب نہ بھی ہوا ہو جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص عدن میں ہو اور حرم شریف کے الحاد کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے بھی اللہ تعالیٰ دردناک عذاب کا ذائقہ چکھائے گا(3)۔ حضرت شعبہ رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو مرفوع بیان نہیں کرتے۔ اس کا موقوف ہونا مرفوع ہونے کی نسبت زیادہ بہتر ہے۔ ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص صرف برائی کا ارادہ کرے تو وہ اس پر نہیں لکھی جاتی لیکن اگر کوئی شخص عدن میں بھی بیٹھ کر بیت اللہ شریف کے کسی آدمی کے قتل کا منصوبہ بنائے تو اللہ تعالیٰ ضرور اسے دردناک عذاب کا ذائقہ چکھائے گا۔ ضحاک بن مزاحم کا بھی یہی قول ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ یہاں قسمیں اٹھانا بھی الحاد ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں اپنے خادم کو گالی دینا بلکہ اس سے بھی کمتر چیز ظلم میں داخل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں کسی امیر کا تجارت کرنا الحاد وظلم ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مکہ میں اناج بیچنا الحاد ہے۔ حضرت حبیب بن ابی ثابت کا قول ہے کہ مکہ میں ذخیرہ کرنا الحاد ہے۔ ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مکہ میں اناج ذخیرہ کرنا الحاد ہے"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ فرمان وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ ...... عبداللہ بن انیس کے بارے میں نازل ہوا، رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک مہاجر اور ایک انصاری کے ساتھ بھیجا تھا۔ یہ تینوں اپنے اپنے نسب پر فخر کرنے لگے۔ عبداللہ بن انیس نے غصہ میں آکر انصاری کو قتل کردیا۔ پھر مرتد ہو گیا اور مکہ کی طرف بھاگ گیا۔ اس صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جس شخص نے اسلام سے روگردانی کرکے حرم میں پناہ لے لی، اسے دردناک عذاب کا مزہ چکھایا جائے گا۔ یہ آثار اگرچہ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ سب چیزیں الحاد میں شامل ہیں لیکن دراصل یہ لفظ عام ہے۔ یہ نہ صرف ان اشیاء کو شامل ہے بلکہ اس میں ان سے بھی بڑی چیز کے متعلق تنبیہ موجود ہے کہ جب ہاتھی والوں نے بیت اللہ کو منہدم کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر پرندوں کے غول کے غول بھیجے جنہوں نے ان پر کنکریاں برسا کر انہیں نیست و نابود کردیا اور بیت اللہ کے متعلق ہر بری نیت رکھنے والے کیلئے انہیں عبرت کا سامان بنا دیا۔ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایک لشکر بیت اللہ پر حملہ کرنے کی غرض سے آئے گا جب وہ وسیع میدان میں پہنچیں گے تو ان کے اگلے پچھلے سبھی زمین میں دھنسا دیے جائیں گے"(4)۔ حضرت

1۔ مصنف عبدالرزاق، باب الکراء فی الحرم، جلد 5 صفحہ 147-149، سنن دارقطنی، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 57

2۔ مذکورہ آثار دیکھئے تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 140-141

3۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 387-388، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 428

4۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 86، صحیح مسلم، کتاب الفتن، جلد 4 صفحہ 2209

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ حرم شریف میں الحاد سے بچیں کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''یہاں ایک قریشی الحاد کرے گا، اگر اس کے گناہوں کا تمام جن وانس کے گناہوں سے وزن کیا جائے تو بھی بڑھ جائیں''۔ اس لئے خیال رکھنا، وہی شخص نہ بن جانا(1)۔

وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْــٴًـا وَّ طَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآىٕفِیْنَ وَ الْقَآىٕمِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۝ وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۝

''اور یاد کرو جب ہم نے مقرر کردی ابراہیم علیہ السلام کے لئے اس گھر (کے تعمیر کرنے) کی جگہ اور حکم دیا کہ شریک نہ ٹھہرانا میرے ساتھ کسی چیز کو اور صاف ستھرا رکھنا میرے گھر کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے۔ اور اعلان عام کردو لوگوں میں حج کا وہ آئیں گے آپ کے پاس پا پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر سوار ہوکر جو آتی ہیں ہر دور دراز راستہ سے''۔

غیر اللہ کی عبادت کرنے والے اور شرک کا ارتکاب کرنے والے قریش کو اس بات پر سرزنش اور زجر وتوبیخ کی جارہی ہے کہ انہوں نے بیت اللہ میں شرک کو رواج دے رکھا ہے حالانکہ اول دن سے ہی اس کی بنیاد اللہ وحدہ لاشریک کی توحید اور عبادت پر رکھی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے اپنے گھر کی جگہ کا تعین کیا اور انہیں اس کی تعمیر کی اجازت عطا فرمائی۔ اس آیت سے ان بہت سے حضرات نے استدلال کیا ہے جن کا یہ کہنا ہے کہ بیت اللہ شریف کے پہلے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! سب سے پہلے کونسی مسجد بنائی گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مسجد حرام'' میں نے عرض کی کہ پھر کونسی؟ فرمایا: ''بیت المقدس'' میں نے عرض کی کہ ان دونوں کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ ہے؟ فرمایا: ''چالیس سال''(2)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ (آل عمران: 96) ''بے شک (عبادت) خانہ جو لوگوں کیلئے بنایا گیا ہے وہی ہے جو مکہ میں ہے بڑی برکت والا، سب جہانوں کیلئے سرچشمہ ہدایت''۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآىٕفِیْنَ وَ الْعٰكِفِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ (البقرۃ: 125) ''اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کو تاکید کردی کہ میرا گھر خوب صاف ستھرا رکھنا طواف کرنے والوں، اعتکاف بیٹھنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے''۔ بیت اللہ شریف کی تعمیر کا تفصیلی ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ یہاں فرمایا: اَنْ لَّا تُشْرِكْ ... یعنی اسے صرف میرے نام پر تعمیر کرنا، میرے اس گھر کو شرک سے پاک رکھنا اور اسے ان کیلئے خاص کردینا جو موحد ہیں۔ طواف ایسی عبادت ہے جو بیت اللہ کے ساتھ خاص ہے، اسے کسی اور جگہ ادا نہیں کیا جاسکتا۔ ''قائمین'' کا مطلب ہے نماز میں قیام کرنے والے، اس لئے فرمایا: وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۔ طواف کو نماز کے ساتھ ملا کر ذکر کیا کیونکہ یہ دونوں عبادات بیت اللہ کے ساتھ خاص ہیں۔ بیت اللہ کے ارد گرد طواف کیا جاتا ہے اور یہی نماز کا قبلہ ہے سوائے چند مستثنیات کے یعنی جب قبلہ انسان پر مشتبہ ہوجائے، یا دوران جہاد یا دوران سفر نفلی نماز میں۔ ان حالات میں اگر رخ قبلہ کی طرف نہ ہو تو بھی نماز ہوجائے گی۔ اس کے بعد فرمایا: وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یعنی اس گھر کے حج کا اعلان عام کردیں جس کی تعمیر

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 136-219
2۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 370، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 150

کا حکم ہم نے تمہیں دیا تھا۔ مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: اے پروردگار! میری آواز لوگوں تک کیسے پہنچے گی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ اعلان کریں، آواز کو پہنچانا میرے ذمے ہے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے بقول بعض مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر بعض کہتے ہیں کہ صفا پہاڑی پر اور بعض کے نزدیک جبل ابوقبیس پر کھڑے ہو کر فرمایا: اے لوگو! تمہارے پروردگار نے اپنا ایک گھر بنایا ہے اس کا حج کرو۔ کہا جاتا ہے کہ اس اعلان پر پہاڑ جھک گئے یہاں تک کہ آپ کی آواز زمین کے کونے کونے میں پہنچ گئی اور جو ماں کے رحم میں اور باپ کی پشت میں تھے، انہوں نے بھی اس آواز کو سن لیا، ہر درخت، پتھر، ڈھیلے اور اس شخص نے جس کے مقدر میں حج کرنا لکھا تھا، "لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ" پکار کر جواب دیا حضرات ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر اور دیگر متعدد سلف سے یہ منقول ہے(1)۔ اس کے بعد فرمایا: یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ اس سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ جس شخص کو قدرت حاصل ہو، اس کا پیدل حج کرنا سواری پر حج کرنے سے افضل ہے کیونکہ پہلے پیدل سفر کرنے والوں کا ذکر ہوا ہے جو ان کی خصوصی اہمیت، غیر معمولی ہمت اور عزم صمیم کی دلیل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری یہ تمنا باقی رہ گئی ہے کہ کاش میں پیدل حج کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یَاْتُوْكَ رِجَالًا لیکن اکثر علماء کا موقف ہے کہ سواری پر حج کرنا افضل ہے۔ آیت کریمہ میں لفظ "فج" سے مراد رستہ ہے جیسا کہ فرمایا: وَجَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا (الانبیاء: 31) "اور ہم نے ان پہاڑوں میں کشادہ راہیں بنا دیں" اور عمیق کا معنی ہے بعید اور دور دراز۔ یہ آیت حضرت ابراہیم کی اس دعا کی طرح ہے۔ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْۤ اِلَیْهِمْ (ابراہیم: 37) "پس کر دے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق و محبت سے ان کی طرف مائل ہوں"۔ کوئی بھی ایسا مسلمان نہیں ہے جو زیارت کعبہ کا مشتاق نہ ہو اور اس کے دل میں طواف کی تڑپ نہ ہو۔ زمین کے کونے کونے سے لوگ اس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔

لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَ یَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِیْرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْیَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَ لْیُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَ لْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ ﴿۲۹﴾

"(اعلان کیجئے) تاکہ وہ حاضر ہوں اپنے (دینی و دنیوی) فائدوں کے لئے اور ذکر کریں اللہ تعالیٰ کے نام کا مقررہ دنوں میں ان بے زبان چوپایوں پر (ذبح کے وقت) جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے ہیں۔ پس خود بھی کھاؤ ان سے اور کھلاؤ مصیبت زدہ محتاج کو پھر چاہئے کہ دور کریں اپنی میل کچیل اور پوری کریں اپنی نذریں اور طواف کریں ایسے گھر کا جو بہت قدیم ہے"۔

منافع سے مراد دنیا و آخرت کے فوائد ہیں۔ اخروی منفعت رضائے الٰہی کا حصول ہے اور دنیاوی منفعت وہ ہے جو تجارت وغیرہ سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (البقرۃ: 198) "تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم (حج کے ساتھ ساتھ) اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرو"۔ ایام معلومات (مقررہ) سے مراد ذوالحجہ کا پہلا عشرہ ہے۔ حضرت ابن عباس، ابوموسیٰ اشعری، مجاہد، قتادہ، عطاء، سعید بن جبیر، حسن، ضحاک، عطاء خراسانی اور ابراہیم نخعی کا یہی قول ہے۔ امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے اور امام احمد بن حنبل کا بھی مشہور مذہب یہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "باقی دنوں کا عمل ان دنوں

1۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 388-389، سنن بیہقی، کتاب الحج، جلد 5 صفحہ 176 وغیرہ

کے عمل سے افضل نہیں"۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ جہاد بھی نہیں؟ فرمایا: جہاد بھی نہیں سوائے اس مجاہد کے جس نے اپنی جان اور اپنا مال سب کچھ راہ خدا میں نثار کر دیا اور کوئی چیز بھی نہ بچائی" (1)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے ہاں ان دس دنوں سے زیادہ کوئی دن عظیم نہیں اور نہ ہی ان دنوں کے عمل سے زیادہ باقی دنوں کا عمل زیادہ محبوب ہے، اس لیے ان میں تہلیل، تکبیر اور تحمید کی کثرت کیا کرو" (2)۔ حضرات ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما ان دس دنوں میں بازار میں نکل آتے اور تکبیریں کہتے۔ لوگ بھی ان کے ساتھ تکبیریں کہتے (3)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہی دس دنوں کی قسم اپنے اس فرمان میں اٹھائی ہے: وَالْفَجْرِ ۙ وَلَيَالٍ عَشْرٍ (4)۔ بعض سلف کا کہنا ہے کہ: وَاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ (الاعراف: 142) سے مراد بھی یہی دس دن ہیں۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس عشرہ کے روزے رکھا کرتے تھے (5)۔ ان دنوں میں عرفہ کا دن شامل ہے جس کے روزہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سے گزشتہ اور آئندہ سال کے گناہ معاف فرما دیتا ہے (6) اور ان دنوں میں قربانی کا دن بھی شامل ہے جو حج اکبر کا دن ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ سب دنوں سے افضل ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ دس دن سال کے تمام دنوں سے افضل ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ بہت سے حضرات نے ان دس دنوں کو رمضان شریف کے آخری عشرہ پر فضیلت دی ہے کیونکہ نماز، روزہ و صدقہ اور دیگر عبادات جو رمضان شریف میں ہوتی ہیں، وہ سب ان دنوں میں بھی ادا کی جاتی ہیں اور حج کی امتیازی خصوصیت اس پر مستزاد ہے۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ رمضان شریف کے آخری عشرہ کو ان دس ایام پر فوقیت اور فضیلت حاصل ہے کیونکہ اس میں شب قدر آتی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ دیگر حضرات نے فریقین کے دلائل کے درمیان تطبیق کرتے ہوئے اور درمیانی راہ اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ دس دن افضل ہیں اور رمضان کے آخری عشرہ کی راتیں افضل ہیں۔ "ایام معلومات" کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ ان سے مراد قربانی کا دن اور اس کے بعد کے تین دن ہیں۔ حضرات ابن عباس، ابن عمر اور ابراہیم نخعی سے یہی مروی ہے اور ایک روایت میں امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ان مقررہ دنوں سے مراد قربانی کا دن اور اس کے بعد کے دو دن ہیں اور "ایام معدودات" سے مراد قربانی کے دن کے بعد والے تین دن۔ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے (7)۔ سدی کا بھی یہی کہنا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی موقف ہے، اس کی اور اس سے پہلے قول کی تائید اس فرمان عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ سے ہوتی ہے کیونکہ اس سے مراد جانوروں کی قربانی کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا ہے۔ اس سلسلہ میں چوتھا قول یہ ہے کہ یہ مقررہ دن عرفہ کا دن، قربانی کا دن اور اس کے بعد کا ایک دن ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔ حضرت اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دنوں سے مراد یوم عرفہ، یوم نحر اور ایام تشریق ہیں۔ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ سے مراد اونٹ، گائے اور بکری ہیں جیسا کہ سورۂ انعام کی اس آیت ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ (الانعام: 143) میں ان کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ پھر فرمایا: فَكُلُوْا مِنْهَا ... اس سے بعض حضرات نے یہ استدلال کیا ہے کہ قربانی کا گوشت کھانا واجب ہے لیکن یہ قول غریب ہے۔ اکثر علماء کا مسلک یہ ہے کہ یہ رخصت ہے یا استحباب جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب قربانی کی تو آپ

1۔ صحیح بخاری، کتاب العیدین، جلد 2 صفحہ 24، سنن ابی داؤد، کتاب الصوم، جلد 2 صفحہ 325 وغیرہ
2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 75-131-132
3۔ صحیح بخاری، کتاب العیدین، جلد 2 صفحہ 24
4۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 327
5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصوم، جلد 2 صفحہ 325
6۔ صحیح مسلم، کتاب الصیام، جلد 2 صفحہ 818-819
7۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 36

نے حکم دیا کہ ہر اونٹ کے گوشت سے ایک ٹکڑا نکال کر پکایا جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے وہ گوشت کھایا اور اس کا شوربہ پیا(1)۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پسند ہے کہ قربانی کرنے والے اپنی قربانی کا گوشت کھائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَكُلُوْا مِنْهَا حضرت لیث کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشرکین اپنی قربانیوں کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ مسلمانوں کو اس کی اجازت دے دی گئی۔ جو چاہے کھالے اور جو نہ چاہے، نہ کھائے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ فرمان "فَكُلُوْا مِنْهَا" اس فرمان کی طرح ہے: وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا (المائدۃ: 2) "اور جب احرام کھول چکو تو شکار کرسکتے ہو"۔ اور اس فرمان کی طرح: فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ (الجمعہ: 10) "پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ" (2)۔ یعنی ان آیات میں بھی امر وجوب کیلئے نہیں بلکہ رخصت اور استحباب کیلئے ہے۔ امام ابن جریر کا پسندیدہ قول یہی ہے، بعض علماء کا خیال ہے کہ قربانی کے گوشت کے دو حصے کیے جائیں۔ نصف قربانی کرنے والے کیلئے اور باقی نصف فقراء کو صدقہ کر دیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَكُلُوْا مِنْهَا .. ایک دوسرا قول یہ ہے کہ قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے، ایک حصہ اپنے لئے رکھ لیا جائے ایک حصہ ہدیہ کر دیا جائے اور ایک صدقہ کر دیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ (الحج: 36) اس کا مکمل بیان عنقریب ہوگا۔ حضرت عکرمہ کے بقول "البائس الفقیر" سے مراد وہ مجبور اور مصیبت زدہ انسان ہے جو ضرورت کے باوجود کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتا۔ مجاہد کے نزدیک بھی اس سے مراد وہ فقیر ہے جو کسی کے سامنے اپنا ہاتھ نہیں پھیلاتا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد اپاہج ہے۔ مقاتل بن حیان کے بقول اس سے مراد نابینا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ احرام کھول دیں، سر منڈوالیں، کپڑے پہن لیں، ناخن کٹوا دیں وغیرہ(3)۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "تفث" سے مراد مناسک ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ یعنی حج، قربانی اور حج کی دیگر نذریں پوری کرلیں۔ چنانچہ جو شخص حج کیلئے نکلا اس پر طواف بیت اللہ، صفا، مروہ کے درمیان سعی، وقوف عرفہ و مزدلفہ، شیطانوں کو کنکریاں مارنا اور حج کے دیگر احکام بجالانا ضروری ہے۔ پھر فرمایا: وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ طواف ہے جو یوم نحر کو واجب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حج کا سب سے آخری عمل بیت عتیق کا طواف کرنا ہے(4)۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا۔ جب آپ یوم نحر (دسویں ذی الحجہ) کو منیٰ کی طرف لوٹے تو آپ نے سب سے پہلے رمی جمار کرتے ہوئے سات کنکریاں ماریں پھر آپ نے قربانی کی اور سر منڈوایا پھر واپس لوٹ کر بیت اللہ کا طواف کیا۔ صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ان کا آخری عمل طواف بیت اللہ ہے، البتہ حائضہ عورتوں کو تخفیف دی گئی ہے(5)۔ "البیت العتیق" کے لفظ سے بعض نے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ دوران طواف حطیم کو بھی طواف کے اندر شامل کرنا واجب ہے کیونکہ یہ بیت اللہ کی اس عمارت کا حصہ ہے جس کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی اگرچہ قریش نے اس کی تعمیر کے وقت اس حصہ کو اخراجات کی کمی کے باعث باہر چھوڑ دیا تھا، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حطیم کے پیچھے سے طواف کیا اور فرمادیا کہ یہ بیت اللہ شریف کا حصہ ہے۔ آپ ﷺ نے دونوں شامی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 892، سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، جلد 2 صفحہ 186

2۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 148

3۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 150

4۔ الدرالمنثور، جلد 6 صفحہ 42

5۔ فتح الباری، کتاب الحج، جلد 3 صفحہ 585، صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 963

رکنوں کو نہ ہاتھ لگایا اور نہ بوسہ دیا کیونکہ انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پرانی بنیادوں پر مکمل نہیں کیا گیا۔ اس آیت وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے حطیم کے پیچھے سے طواف کیا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ پہلا گھر ہے اس لئے اسے بیت عتیق کہا گیا۔ عکرمہ بیت اللہ کو عتیق کہنے کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ یہ طوفان نوح میں سلامت رہا۔ خصیف اس کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ کوئی جابر اس پر غلبہ نہیں پاسکا۔ حضرت مجاہد بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ سرکشوں کی دست برد سے آزاد ہے کیونکہ جس نے بھی اس کے متعلق برا ارادہ کیا، وہ تباہ و برباد ہوا۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ سے ہی مروی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ بیتِ عتیق نام اس لیے دیا گیا ہے کہ کوئی جابر اس پر غالب نہیں آسکا" (1)۔

ذٰلِكَ ۖ وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۗ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝۳۱

"ان احکام کو یاد رکھو۔ اور جو شخص تعظیم کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی تو یہ بہتر ہے اس کے لئے اس کے رب کے ہاں۔ اور حلال کیے گئے تمہارے لئے جانور بجز ان کے جن کی حرمت پڑھی گئی تم پر پس پرہیز کرو بتوں کی نجاست سے اور بچو جھوٹی بات سے۔ یکسر مائل ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف، نہ شریک ٹھہراتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور جو شریک ٹھہراتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو اس کی حالت ایسی ہے گویا وہ گرا ہو آسمان سے پس اچک لیا ہو اسے کسی پرندے نے یا پھینک دیا ہو اسے ہوا نے کسی دور جگہ میں"۔

فرمایا کہ یہ تو تھے احکام حج اور ان کی بجا آوری کرنے والے کے اجر عظیم کا ذکر۔ اب سنو: وَمَنْ يُعَظِّمْ یعنی جو شخص گناہوں اور حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کرے، اس کیلئے اس کے رب کے ہاں خیر کثیر اور ثواب عظیم ہے۔ جس طرح اوامر کی بجا آوری اور نیکیوں کے کرنے پر ثواب ملتا ہے، اس طرح محرمات اور ممنوعہ چیزوں سے اجتناب پر بھی بہت زیادہ اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حج، عمرہ، مکہ اور تمام ممنوعہ چیزیں حرمات میں داخل ہیں۔ پھر فرمایا: وَاُحِلَّتْ لَكُمُ۔ یعنی تمام جانور تمہارے لیے حلال ہیں بجز ان کے جن کی حرمت بیان کی جاچکی ہے۔ مشرکین نے جو بحیرہ، سائبہ، حام اور وصیلہ نام دیکر جانور حرام کردیے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں حرام نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جو حرام قرار دیا ہے اسے واضح طور پر بیان کر دیا ہے جیسے مردار، خون، خنزیر کا گوشت، وہ جانور جس پر بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو، اور وہ جانور جس کا گلا گھونٹنے سے موت واقع ہوئی ہو وغیرہ۔ اس کے بعد فرمایا: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ۔ اس میں "مِنَ" بیان جنس کیلئے ہے۔ یعنی بتوں کی پلیدی سے بچو۔ یہاں شرک کو جھوٹ کے ساتھ ملا کر ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ اس فرمان میں ہے۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (الاعراف: 33) "فرمائیے بے شک میرے رب نے حرام کر دیا ہے سب بے حیائیوں کو جو ان سے

1۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ حج، جلد 12 صفحہ 30-31، تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 151-152

ظاہر ہیں اور جو پوشیدہ ہیں اور گناہ کو اور ناحق سرکشی کو اور یہ کہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراؤ جس کیلئے اس نے کوئی سند نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ پر ایسی بات کہو جو تم نہیں جانتے''۔ اس میں جھوٹی گواہی بھی داخل ہے۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' کیا میں تمہیں سب سے بڑا کبیرہ گناہ نہ بتاؤں''۔ ہم نے عرض کی: یارسول اللہ! ضرور آگاہ فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: '' اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔ پہلے آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے، پھر بیٹھ گئے اور فرمایا: سنو، کذب بیانی اور جھوٹی گواہی دینا''۔ آپ اسے لگاتار دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کہا کاش آپ سکوت اختیار فرمالیتے(1)۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے دوران خطبہ تین مرتبہ فرمایا: ''اے لوگو! جھوٹی گواہی شرک کے برابر کردی گئی''، پھر آپ ﷺ نے اس آیت فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ ... کی تلاوت کی(2)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے نماز فجر کی ادائیگی کے بعد یہ فرمایا تھا(3)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی(4)۔ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ کا مطلب ہے دین کو اللہ تعالیٰ کیلئے خالص کرتے ہوئے، باطل سے انحراف کرتے ہوئے اور حق کی طرف مائل ہوتے ہوئے، اس لئے فرمایا: غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ پھر گمراہی، ہلاکت اور ہدایت سے دوری میں مشرک کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ ... ۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے کہ موت کے فرشتے جب کافر کی روح کو لے کر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں تو اس کیلئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے بلکہ اسے وہیں سے نیچے پھینک دیا جاتا ہے، پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ یہ حدیث مکمل تفصیلات کے ساتھ سورۂ ابراہیم میں گذر چکی ہے(5)۔ سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی ایک اور مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا: قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَ لَا يَضُرُّنَا وَ نُرَدُّ عَلٰۤى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ الشَّیٰطِیْنُ فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ ۪ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ یَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى (الانعام:71) ''فرمایئے کیا ہم اللہ کے سوا اس کو پوجیں جو نہ ہمیں نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے اور (کیا) ہم پھر الٹے پاؤں پھر جائیں گے اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی، مثل اس شخص کے کہ جسے جنوں نے زمین میں بھٹکا دیا ہو، وہ حیران ہو، اس کے ساتھی اسے ہدایت کی طرف بلا رہے ہوں کہ ہمارے پاس آؤ۔ فرمایئے اللہ کی رہنمائی ہی حقیقی رہنمائی ہے''۔

ذٰلِكَ ۗ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾

''حقیقت یہ ہے اور جو ادب و احترام کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا تو یہ (احترام) اس وجہ سے ہے کہ دلوں میں تقویٰ ہے۔ تمہارے لئے مویشیوں میں طرح طرح کے فائدے ہیں ایک معین مدت تک پھر ان کے ذبح کرنے کا مقام بیت عتیق کے قریب ہے''۔

شعائر سے مراد اوامر ہیں، قربانی کے جانوروں کی تعظیم بھی ان میں شامل ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قربانی کے جانوروں کی دیکھ بھال کرنا اور انہیں فربہ کرنا ان کی تعظیم ہے(6)۔ حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ میں قربانی کے

1۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 17، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 91

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الشہادات، جلد 9 صفحہ 174، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 233،178

3۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 321

4۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 45

5۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ابراہیم: 27

6۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 46

جانوروں کو خوب موٹا تازہ اور عمدہ کیا کرتے تھے اور تمام مسلمانوں کا یہی دستور تھا(1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک سفید رنگت والے جانور کا خون اللہ تعالیٰ کو دو سیاہ رنگت والے جانوروں کے خون سے زیادہ محبوب ہے“(2)۔ دوسرے رنگوں والے جانوروں کی قربانی بھی جائز ہے لیکن سفید رنگ والے جانور زیادہ افضل ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دو بڑے بڑے سینگوں والے چتکبرے مینڈھے قربانی میں ذبح کیے(3)۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سینگوں والا، سفید اور سیاہ آنکھوں والا مینڈھا قربانی دیا جس کے منہ پر، آنکھوں کے پاس اور پیروں پر سیاہ رنگ کے نشانات تھے(4)۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو موٹے تازے، سینگوں والے چتکبرے خصی مینڈھوں کی قربانی دی(5)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ قربانی کے جانور خریدتے وقت اس کی آنکھوں اور کانوں کو خوب دیکھ بھال لیں اور آگے سے کٹے ہوئے کانوں والے، پیچھے سے کٹے ہوئے کانوں والے، لمبائی میں چرے ہوئے کانوں والے اور پھٹے ہوئے کانوں والے جانور کی قربانی نہ کریں(6)۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ٹوٹے سینگوں والے اور کٹے کانوں والے جانور کی قربانی سے منع فرمایا ہے(7)۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ ممانعت اس وقت ہے جب نصف یا اس سے زائد سینگ ٹوٹا ہوا اور کان کٹا ہو۔ حدیث میں مذکور لفظ ”عضب“ یہی مراد ہے۔ بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ اگر کسی جانور کے سینگ کا اوپر والا حصہ ٹوٹا ہو تو اسے عربی میں ”قصم“ کہتے ہیں اور اگر نیچے والا حصہ ٹوٹا ہو تو اسے ”عضب“ کہا جاتا ہے۔ اگر کان کا تھوڑا سا حصہ بھی کٹ جائے تو اس پر ”عضب“ کا اطلاق ہوتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس عیب کے حامل جانور کی قربانی جائز ہے لیکن کراہت کے ساتھ۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ حدیث کے پیش نظر ٹوٹے ہوئے سینگ والے اور کٹے ہوئے کان والے جانور کی قربانی جائز نہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر سینگ سے خون جاری ہو تو جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”چار قسم کے جانور قربانی میں جائز نہیں: وہ کانا جانور جس کا کانا پن واضح ہو، وہ بیمار جانور جس کا مرض ظاہر ہو، وہ لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن عیاں ہو اور وہ لاغر مریل جانور جس کی ہڈیوں کا گودا ختم ہو گیا ہو“(8)۔ یہ ایسے عیوب ہیں جو گوشت میں کمی کا سبب بنتے ہیں کیونکہ ان عیوب کے ہوتے ہوئے جانور پوری طرح چرنے چگنے سے عاجز ہوتے ہیں، اس لیے امام شافعی اور دیگر ائمہ کے نزدیک اس حدیث کے پیش نظر ایسے جانوروں کی قربانی جائز نہیں، البتہ وہ جانور جو معمولی سا بیمار ہو، اس کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بالکل جڑ سے کٹے ہوئے کان والے، ٹوٹے ہوئے سینگ والے، کانے، کمزوری کے باعث ریوڑ سے پیچھے رہ جانے والے اور لنگڑے لولے جانور کی قربانی سے منع فرمایا ہے(9)۔ ان عیوب والے جانوروں کی قربانی ناجائز ہے، البتہ اگر قربانی کیلئے بالکل صحیح سالم جانور کی تعیین کے بعد کوئی عیب

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاضاحی، جلد 7 صفحہ 130
2۔ سنن کبریٰ بیہقی، کتاب الضحایا، جلد 9 صفحہ 273، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 417
3۔ صحیح بخاری، کتاب الاضاحی، جلد 7 صفحہ 130، صحیح مسلم، کتاب الاضاحی جلد 3 صفحہ 1556-1557
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 45، عارضۃ الاحوذی، کتاب الاضاحی، جلد 6 صفحہ 292-293
5۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 391,8
6۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 97-98، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 90-108 وغیرہ
7۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 98، عارضۃ الاحوذی، کتاب الاضاحی، جلد 6 صفحہ 296 وغیرہ
8۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 97، عارضۃ الاحوذی، کتاب الاضاحی، جلد 6 صفحہ 294-295
9۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 97

پیدا ہوا تو یہ امام شافعی کے نزدیک باعث حرج نہیں لیکن امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا موقف اس کے برعکس ہے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے قربانی کیلئے ایک دنبہ خریدا، اس پر ایک بھیڑیے نے حملہ کر دیا اور اس کی چکتی کاٹ کر لے گیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اسکی قربانی کر سکتے ہو(1)۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے قربانی کیلئے جانور خریدتے وقت کان آنکھ کو اچھی طرح دیکھ لینے کا حکم ارشاد فرمایا، یعنی قربانی کا جانور بے عیب، خوش شکل اور فربہ ہونا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بہت عمدہ اونٹنی قربانی کیلئے نامزد کی، لوگوں نے اس کی قیمت تین سو دینار لگائی۔ وہ رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ! میں نے قربانی کیلئے ایک عمدہ اونٹنی نامزد کی جس کی قیمت تین سو دینار لگی ہے، کیا میں اسے بیچ کر اس کی قیمت سے بہت سے اونٹ خرید کر قربانی کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ اسی کو ذبح کرو(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قربانی کے اونٹ شعائر اللہ میں سے ہیں۔ محمد بن ابی موسیٰ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وقوف عرفہ، مزدلفہ، رمی جمار، حلق اور قربانی کے اونٹ سب شعائر اللہ میں داخل ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی نشانی بیت اللہ شریف ہے۔ فرمایا: لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ ۔ یعنی ایک مقرر مدت تک ان جانوروں سے فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ ان کا دودھ پیا جا سکتا ہے۔ ان کی اون وغیرہ کو کام میں لایا جا سکتا ہے اور ان پر سواری کی جا سکتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تک انہیں قربانی کیلئے نامزد نہ کیا جائے اس وقت تک ان سے ہر قسم کا نفع حاصل کرنا جائز ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ آیت کریمہ میں مذکور منافع سے مراد ہے سواری کرنا، دودھ پینا اور ان کی نسل حاصل کرنا۔ جب انہیں قربانی کیلئے مقرر کر دیا جائے تو پھر یہ فوائد حاصل نہیں کیے جا سکتے۔ عطاء، قتادہ، ضحاک، عطاء خراسانی اور دیگر متعدد حضرات کا یہی قول ہے جبکہ بعض دوسرے علماء کا کہنا ہے کہ بوقت ضرورت ان جانوروں سے یہ منافع حاصل کیے جا سکتے ہیں اگرچہ انہیں قربانی کیلئے نامزد کیا جا چکا ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو اپنی قربانی کا اونٹ ہانکتے ہوئے دیکھا تو اسے فرمایا: ''اس پر سوار ہو جاؤ'' اس نے عرض کی کہ یہ قربانی کا جانور ہے۔ آپ نے فرمایا: ''افسوس! بیٹھتے کیوں نہیں''(3)۔ دو یا تین مرتبہ آپ نے ایسا فرمایا: صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب ضرورت ہو تو اس پر سوار ہو جایا کرو''(4)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو قربانی کی اونٹنی ہانک کر لیے جا رہا تھا، اونٹنی کا بچہ بھی ساتھ تھا، آپ نے فرمایا کہ اس کے بچے کے دودھ پینے کے بعد اگر دودھ بچ جائے تو تم پی سکتے ہو۔ جب قربانی کا دن آئے تو اسے اور اس کے بچے کو بھی اللہ کے نام پر ذبح کر دینا(5)۔ اس کے بعد فرمایا: ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ یعنی ان جانوروں کی قربانی کا مقام بیت اللہ (کعبہ) ہے جیسا کہ فرمایا: هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ (المائدۃ:95) ''یہ قربانی کعبہ میں پہنچنے والی ہو''، وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ (الفتح:25) ''اور قربانی کے جانور کو بھی کہ وہ بند ھے رہیں اور اپنی جگہ تک نہ پہنچ سکیں''۔ بیت عتیق کے معنی کی وضاحت ابھی ابھی ہو چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ بیت اللہ کا طواف کرنے والا احرام سے حلال ہو جاتا ہے، اس کی دلیل یہی آیت ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ہے۔

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 32
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، جلد 2 صفحہ 146-147، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 145
3۔ صحیح بخاری، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 200، صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 960
4۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 961
5۔ سنن کبریٰ بیہقی، کتاب الحج، جلد 5 صفحہ 236-237

وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَ الْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

"اور ہر امت کے لئے ہم نے مقرر فرمائی ہے ایک قربانی، تا کہ وہ ذکر کریں اللہ تعالیٰ کا اسم (پاک) ان بے زبان جانوروں پر ذبح کے وقت جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے ہیں۔ پس تمہارا خدا خدائے واحد ہے تو اسی کے آگے سر جھکاؤ۔ اور (اے محبوب!) مژدہ سنا دیجئے تواضع کرنے والوں کو۔ وہ لوگ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں اور جو صبر کرنے والے ہیں ان (مصائب و آلام) پر جو پہنچتے ہیں انہیں اور جو صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو۔ اور ان چیزوں سے جو ہم نے انہیں عطا فرمائی ہیں وہ خرچ کرتے ہیں"۔

اس بات کی خبر دی جا رہی ہے کہ ہر امت کو اللہ تعالیٰ کے نام پر قربانی دینے اور جانوروں کا خون بہانے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ "منسك" کا معنی عید بتاتے ہیں یعنی ہر امت کیلئے عید کا دن مقرر تھا(1)۔ عکرمہ اس کا معنی ذبح کرنا بتاتے ہیں یعنی ہر امت کو ذبیحہ کا حکم تھا۔ زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ "منسك" سے مراد مکہ شریف ہے، اللہ تعالیٰ نے کسی امت کیلئے بھی اس کے سوا کوئی قربان گاہ نہیں بنائی۔ پھر فرمایا: لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ...... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس چتکبرے سینگوں والے مینڈھے لائے گئے۔ آپ نے بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھ کر اور اپنا پاؤں ان کی گردن پر رکھ کر ذبح کیا(2)۔ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا: یا رسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: "تمہارے باپ ابراہیم کی سنت" صحابہ نے عرض کی کہ ہمیں اس سے کیا ملتا ہے؟ فرمایا: ہر بال کے بدلہ ایک نیکی"، پھر دریافت کیا کہ اون کا کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اون کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی"(3)۔ فرمایا: فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ... یعنی تم سب کا معبود ایک ہے اگرچہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں میں اختلاف تھا اور ان کے احکام میں تبدیلی واقع ہوتی تھی لیکن اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت میں سب کا اتفاق تھا جیسا کہ فرمان ہے: وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْۤ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء: 25) "اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ ہم نے اس کی طرف وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں، پس میری عبادت کیا کرو" اس لئے فرمایا: فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ۔ یعنی اس کے سامنے اپنے سر جھکا دو اور خلوص دل سے اس کی اطاعت پر کمربستہ ہو جاؤ۔ "مخبتين" کا معنی بقول مجاہد مطمئن رہنے والے، قتادہ کہتے ہیں کہ تواضع کرنے والے، سدی کہتے ہیں کہ ڈرنے والے۔ عمرو بن اوس کہتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو کسی پر ظلم نہیں کرتے اور اگر کوئی ان کے ساتھ زیادتی کرے تو انتقام نہیں لیتے(4)۔ ثوری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں اطمینان کی دولت نصیب ہو، اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلے پر راضی ہوں اور اس کے ہر حکم کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں۔ بہرصورت اس کی بہترین تفسیر وہی ہے جو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے یعنی اَلَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ ۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ ہمیں ضرور صبر کرنا ہوگا ورنہ ہم ہلاک ہو جائیں گے۔ جمہور کی قرأت

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 47

2۔ صحیح بخاری، کتاب الاضاحی، جلد 7 صفحہ 130۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 1556-1557

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، جلد 2 صفحہ 1045۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 368

4۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 161۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 48

کے مطابق ''والمقیمی'' اضافت کے ساتھ ہے جبکہ ابن سمیع نے ''والمقیمین الصلوٰۃ'' بغیر اضافت کے اور الصلوٰۃ کو نصب دیکر پڑھا ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ ''والمقیمی'' میں نون تخفیف کی وجہ سے حذف ہوا ہے، اگر اضافت کی وجہ سے حذف ہوتا تو لفظ ''صلوٰۃ'' کو جر دینا لازم آتا، اس لیے یہ تخفیفاً حذف کیا گیا ہے اور لفظ صلوٰۃ منصوب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سعادتمند فرائض کی ادائیگی کر کے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق میں سے اپنے اہل وعیال، قریبی رشتہ داروں، فقراء اور حاجتمندوں پر خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرتے ہوئے مخلوق خدا کے ساتھ احسان کرتے ہیں۔ منافقین کی صفات ان کے بالکل برعکس ہیں۔ سورۂ برأت میں بھی ان صفات کا ذکر ہو چکا ہے (1)۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِیْهَا خَیْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾

''اور قربانی کے فربہ جانوروں کو ہم نے بنایا ہے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے تمہارے لئے ان میں بھلائی ہے۔ پس لو اللہ تعالیٰ کا نام ان پر اس حال میں کہ ان کا ایک پاؤں بندھا ہوا ور تین پر کھڑے ہوں۔ پس جب وہ گر پڑیں کسی پہلو پر تو خود بھی کھاؤ اس سے نیز کھلاؤ قناعت کرنے والے فقیر کو اور بھیک مانگنے والے کو۔ اس طرح ہم نے فرمانبردار بنا دیا ان جانوروں کو تمہارے لئے تاکہ تم (اس احسان کا) شکریہ ادا کرو''۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر عظیم احسان ہے کہ اس نے قربانی کے جانور پیدا کر کے انہیں اپنی نشانیاں قرار دیا اور انہیں بطور قربانی اپنے گھر پہنچانے کا حکم دیا۔ قربانی کا جانور بیت اللہ شریف کی طرف بھیجی جانے والی سب سے افضل چیز ہے جیسا کہ فرمایا: لَا تُحِلُّوْا شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْیَ وَلَا الْقَلَآىِٕدَ وَلَاۤ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ (المائدۃ: 2) ''بے حرمتی نہ کرو اللہ کی نشانیوں کی، نہ عزت والے مہینے کی، نہ حرم کو بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ جن کے گلے میں پٹے ڈالے گئے ہیں اور نہ بیت اللہ کا قصد کرتے ہوئے''۔ عطاء فرماتے ہیں کہ ''بدن'' میں گائے اور اونٹ دونوں داخل ہیں جبکہ بقول مجاہد اس سے مراد صرف اونٹ ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جہاں تک اونٹ پر لفظ ''بدن'' کے اطلاق کا تعلق ہے تو اس پر سب کا اتفاق ہے لیکن اختلاف اس بات میں ہے کہ کیا اس کا اطلاق گائے پر ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اس بارے میں دو قول ہیں جن میں سے زیادہ صحیح یہ قول ہے کہ شرعی طور پر اس کا اطلاق گائے پر بھی ہوتا ہے جمہور علماء کہتے ہیں کہ جس طرح اونٹ کی سات آدمیوں کی طرف سے قربانی دی جا سکتی ہے اسی طرح گائے کی بھی، جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اونٹ میں بھی سات آدمی شریک ہو جائیں اور گائے میں بھی سات آدمی (2)۔ اسحاق بن راہویہ وغیرہ کا تو یہ موقف ہے کہ ان دونوں میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں مسند احمد اور سنن نسائی میں ایسی حدیث بھی موجود ہے (3)۔ فرمایا: لَكُمْ فِیْهَا خَیْرٌ یعنی دار آخرت میں ان جانوروں کا تمہیں ثواب حاصل ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قربانی والے دن قربانی کرنے سے زیادہ ابن آدم کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کو محبوب نہیں۔ قیامت کے دن جانور

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ توبہ 79-75,67
2۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 956
3۔ سنن نسائی، کتاب الاضاحی، جلد 7 صفحہ 221، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 275 وغیرہ

اپنے سینگوں، کھروں اور بالوں سمیت پیش ہوں گے۔ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ جاتا ہے اس لئے بخوشی قربانی کیا کرو"(1)۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ ابوحاتم قرض لے کر قربانی کیا کرتے تھے جب اس بارے میں ان سے پوچھا گیا توانہیں نے جواب دیا کہ میں اس فرمان لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ کے پیش نظر ایسا کرتا ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عید والے دن قربانی کے جانور پر کیے جانے والے خرچ سے افضل کوئی خرچ نہیں"(2)۔ مجاہد اس فرمان لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ ان میں تمہارے لیے اجر اور دیگر فوائد ہیں۔ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ بوقت ضرورت قربانی کے جانوروں پر سواری بھی کی جاسکتی ہے اور ان کا دودھ بھی پیا جاسکتا ہے۔ پھر فرمایا: فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عیدالاضحیٰ کی نماز ادا کی۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ کے پاس مینڈھا لایا گیا جسے آپ نے بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا پھر یہ دعا کی: "اے اللہ! یہ میری طرف سے اور میرے ہر اس امتی کی طرف سے ہے جو قربانی نہ کرسکے"(3)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عید والے دن آپ ﷺ نے دو مینڈھے ذبح کیے، انہیں قبلہ رخ کر کے آپ ﷺ نے یہ پڑھا: "وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ اللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَ اُمَّتِهٖ" پھر آپ ﷺ نے بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کیا(4)۔ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قربانی کیلئے دو موٹے تازے سینگوں والے چتکبرے مینڈھے خریدتے۔ عید نماز اور خطبہ سے فراغت کے بعد ایک جانور آپ کے پاس لایا جاتا۔ آپ وہاں عیدگاہ میں ہی خود اپنے ہاتھ سے چھری کے ساتھ ذبح کرتے اور یہ دعا کرتے: اے اللہ! یہ میرے ہر اس امتی کی طرف سے ہے جس نے تیری توحید اور میری تبلیغ کی گواہی دی"۔ اس کے بعد دوسرا جانور لایا جاتا، اسے بھی آپ بذات خود ذبح کرتے اور یہ کہتے: "یہ محمد اور آل محمد کی طرف سے ہے"۔ پھر دونوں کا گوشت مساکین کو بھی دیتے اور آپ اور آپ کے اہل خانہ بھی کھاتے(5)۔ حضرت ابن عباس کے نزدیک "صَوَآفَّ" کا معنی یہ ہے کہ اونٹ تین پیروں پر کھڑا رہے، اس کا بایاں ہاتھ باندھ دیا جائے اور "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ" پڑھ کر اسے ذبح کیا جائے(6)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جب اونٹ کا بایاں پیر باندھ دیا جائے تو وہ تین پیروں پر ہی کھڑا ہوگا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے اپنے اونٹ کو نحر کرنے کیلئے بٹھایا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا کہ ابوالقاسم ﷺ کی سنت کے مطابق اسے کھڑا کر کے اور اس کے پاؤں باندھ کر نحر کرو(7)۔ حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی معمول تھا کہ وہ اونٹ کا ایک پاؤں باندھ کر اور اسے تین پاؤں پر کھڑا کر کے نحر کرتے تھے(8)۔ حضرت سالم بن عبداللہ نے سلیمان بن عبدالملک سے فرمایا تھا کہ بائیں طرف سے نحر کرو۔ حضرت جابر

1۔ عارضۃ الاحوذی، کتاب الاضاحی، جلد 6 صفحہ 288-289، سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، جلد 2 صفحہ 1045

2۔ سنن دارقطنی، کتاب الاشربۃ، جلد 4 صفحہ 282

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 99، عارضۃ الاحوذی، ابواب الاضاحی، جلد 6 صفحہ 318 وغیرہ

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 95، سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، جلد 2 صفحہ 1043

5۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 8-391-292 6۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 389، سنن کبریٰ بیہقی، کتاب الحج، جلد 5 صفحہ 237 وغیرہ

7۔ صحیح بخاری، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 210، صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 956-957 8۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 149

رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اپنے ہاتھ سے تریسٹھ اونٹ نحر کیے (1)۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں میں تیزہ تھا جسے آپ اونٹ کے حلقوم میں مار کر زخمی کر دیتے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں "صَوَافِنَ" ہے یعنی وہ اونٹ جو کھڑے ہوں اور ان کے پاؤں بندھے ہوں (2)۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ "صواف" کا معنی خالص بھی کیا گیا ہے یعنی یہ جانور خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں اور ان میں کسی اور کو شریک نہ کیا جائے جیسا کہ مشرکین اپنے بتوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کر لیا کرتے تھے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے نام پر ان کی قربانی کی جائے۔ فرمایا: فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا یعنی جب یہ زمین پر گر پڑیں، ذبح کا عمل مکمل ہو جائے اور یہ ٹھنڈے ہو جائیں تو خود بھی ان کا گوشت کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ۔ جب تک روح نہ نکل جائے اور جانور ٹھنڈا نہ پڑ جائے، اس وقت تک گوشت کے ٹکڑے نہیں کاٹنے چاہئیں۔ ایک حدیث مرفوع میں ہے: "روحیں نکالنے میں جلدی نہ کرو" حضرت شداد بن اوس سے مروی حدیث میں آتا ہے: "اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ حسن سلوک کرنا لکھ دیا ہے۔ جب تم قتل کرنے لگو تو بھی اچھی طرح قتل کرو اور جب تم ذبح کرنے لگو تو ذبح بھی اچھے طریقے سے کرو، چھری تیز کر لیا کرو اور جانور کو راحت دیا کرو" (3)۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تک جانور زندہ ہے، اگر اس کا کوئی حصہ کاٹ لیا جائے تو اس کا کھانا حرام ہے" (4)۔ بعض سلف کہتے ہیں کہ آیت کریمہ میں امر کا صیغہ (فَكُلُوا) اباحت کیلئے ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ قربانی کا گوشت کھانا مستحب ہے۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ واجب ہے۔ القانع اور المعتر کے مفہوم میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قانع وہ ہے جو گھر بیٹھا رہے اور جو اسے مل جائے، اس پر کفایت کرے اور معتر وہ ہے جو سوال تو نہ کرے لیکن سامنے آ جائے اور اس غرض سے ساتھ چمٹا رہے کہ کچھ مل جائے۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قانع دست سوال دراز نہ کرنے والے کو کہا جاتا ہے اور معتر بھیک مانگنے والے کو کہتے ہیں۔ عکرمہ، زید بن اسلم، کلبی، حسن بصری، مقاتل بن حیان اور مالک بن انس فرماتے ہیں کہ قانع وہ ہے جو صرف سوال پر اکتفا کرے اور معتر وہ ہے جو سوال تو نہ کرے لیکن عاجزی و انکساری کا اظہار کرتے ہوئے پیچھا کرتا رہے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ قانع سائل کو کہتے ہیں۔ زید بن اسلم کہتے ہیں قانع چکر لگانے والے مسکین کو کہتے ہیں اور معتر سے مراد وہ دوست اور ضعیف ہے جس کی آمد و رفت رہتی ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ قانع وہ مالدار پڑوسی ہے جو دیکھتا رہتا ہے کہ تمہارے گھر کیا کچھ آتا ہے اور معتر وہ ہے جو لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہے۔ ایک اور روایت میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قانع سے مراد طمع رکھنے والا ہے اور معتر وہ ہے جو بغیر سوال کیے لاحق ہو جاتا ہے خواہ مالدار ہو یا فقیر۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ قانع سے مراد اہل مکہ ہیں۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ قانع سے مراد سائل ہے کیونکہ وہ دست سوال دراز کرتا ہے اور معتر وہ ہے جو گوشت کھانے کے لئے آ دھمکتا ہے۔ جن علماء کا یہ خیال ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصوں میں تقسیم کرنا چاہیے، ایک تہائی اپنے لئے، ایک تہائی دوست احباب کیلئے اور ایک تہائی صدقہ کیلئے، انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے کیونکہ فرمان ہے: فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: "میں تمہیں قربانی کا گوشت تین دن سے زائد تک جمع کرنے سے منع کرتا تھا۔ اب کھاؤ اور جس طرح چاہو، جمع کرو"۔ ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: "کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو"، ایک دوسری روایت میں فرمایا: "کھاؤ، کھلاؤ اور صدقہ کرو" (5)۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قربانی کرنے والا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 892　2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 53، تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 165

3۔ صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، جلد 3 صفحہ 1548　4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصید، جلد 3 صفحہ 111، مسند احمد جلد 5 صفحہ 218

5۔ صحیح بخاری، کتاب الاضاحی، جلد 7 صفحہ 124، صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 1562-1564، سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 99-100، عارضۃ الاحوذی، کتاب الاضاحی، جلد 6 صفحہ 309-310 وغیرہ

نصف گوشت خود کھائے اور باقی نصف صدقہ کر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِيْرَ (الحج: 28) اور دوسری دلیل یہ حدیث ہے: ''کھاؤ، جمع کرو اور صدقہ کرو''۔ اگر کوئی سارا گوشت کھا جائے تو بقول بعض اس پر کوئی حرج نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اسے ویسی قربانی یا اس کی قیمت کی ادائیگی کرنا ہوگی۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ نصف قیمت کا ضامن ہوگا اور بعض کے نزدیک ایک تہائی قیمت کا جبکہ بعض کا کہنا ہے کہ اس جانور کے سب سے چھوٹے جز کی قیمت ادا کرنا ضروری ہے، کھال کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کھاؤ، صدقہ کرو اور ان کی کھالوں سے فائدہ اٹھاؤ لیکن انہیں بیچو نہیں'' (1)۔ بعض علماء نے چمڑے کے بیچنے کی اجازت دی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ انہیں فقراء میں تقسیم کر دیا جائے۔

مسئلہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمیں اس دن سب سے پہلے نماز عید ادا کرنی چاہیے پھر لوٹ کر قربانیاں کریں۔ جس نے ایسا کیا، اس نے ہماری سنت کو پا لیا اور جس نے نماز عید سے پہلے قربانی ذبح کر لی تو یہ صرف گوشت ہی ہوگا جسے اس نے اپنے گھر والوں کیلئے مہیا کر لیا، قربانی کے ساتھ اس کا تعلق نہیں'' (2)۔ اس لیے امام شافعی اور علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ قربانی کا اول وقت وہ ہے جب سورج طلوع ہو جائے اور اس کے بعد نماز عید اور دو خطبوں کی مقدار وقت گزر جائے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ اس کے بعد مزید اتنا وقت گزر جائے کہ امام ذبح کر لے کیونکہ صحیح مسلم میں ہے کہ جب تک امام قربانی نہ کر لے تم قربانی نہ کرو (3)۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دیہاتیوں پر چونکہ نماز عید نہیں، اس لئے وہ طلوع فجر کے بعد قربانی کر سکتے ہیں لیکن شہری اس وقت تک قربانیاں نہیں کر سکتے جب تک امام نماز عید سے فارغ نہ ہو جائے۔ پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف یوم نحر کو ہی قربانی کرنا جائز ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شہر والوں کو قربانی کے جانور آسانی سے مل جاتے ہیں، اس لیے وہ صرف عید والے دن ہی قربانی کر سکتے ہیں لیکن دیہاتی عید والے دن اور اس کے بعد ایام تشریق میں قربانی کر سکتے ہیں۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ سب کیلئے دسویں اور گیارھویں ذی الحجہ کو قربانی کرنا مشروع ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دسویں ذی الحجہ کے بعد والے دو دنوں میں بھی قربانی کی جا سکتی ہے، یہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ دسویں ذی الحجہ کے بعد تین ایام تشریق میں بھی قربانی کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایام تشریق سب کے سب قربانی کے دن ہیں'' (4)۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اختتام ذی الحجہ تک قربانی کا وقت ہے لیکن یہ قول غریب ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا یعنی اسی وجہ سے ہم نے ان جانوروں کو تمہارا مطیع اور فرمانبردار بنا دیا ہے اگر چاہو تو ان پر سواری کر لو، چاہو تو ان کا دودھ پی لو اور اگر مرضی ہو تو انہیں ذبح کر لو جیسا کہ فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ... اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ (یٰسین: 73-71) اور یہاں فرمایا: كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۭ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۭ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

''نہیں پہنچتے اللہ تعالیٰ کو ان کے گوشت اور نہ ان کے خون البتہ پہنچتا ہے اس کے حضور تک تقویٰ تمہاری طرف سے۔ یوں

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 15
2۔ صحیح بخاری، کتاب العیدین، جلد 2 صفحہ 24۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 1553
3۔ یہ حدیث شریف صحیح مسلم میں نہیں ملی
4۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 82، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الحج، جلد 6 صفحہ 62

اس نے فرمانبردار بنا دیا ہے انہیں تمہارے لئے تا کہ تم بڑائی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی اس (نعمت پر) کہ اس نے تم کو ہدایت دی۔ اور (اے حبیب!) خوشخبری دیجئے احسان کرنے والوں کو"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارے یہ قربانیاں اس لئے مشروع کی گئی ہیں تا کہ تم انہیں ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لو کیونکہ وہی خالق اور رازق ہے ان جانوروں کے گوشت اور خون اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچتے کیونکہ وہ ان چیزوں سے بے نیاز ہے۔ زمانہ جاہلیت میں مشرکین جب قربانی کے جانور ذبح کرتے تو ان کا گوشت اپنے بتوں کے پاس رکھ دیتے اور خون ان پر چھڑک دیتے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ اہل جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنی قربانی کے جانوروں کا خون بیت اللہ شریف پر مل دیتے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہنے لگے کہ ہم اس چیز کے زیادہ مستحق ہیں، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ (1)۔ یعنی اللہ تعالیٰ تقویٰ کو قبول فرماتا ہے اور اسی کا بدلہ وافر اجر عطا کرتا ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے: "اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے رنگوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے"(2)۔ ایک اور حدیث میں ہے: "صدقہ سائل کے ہاتھ میں جانے سے پہلے رحمٰن کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے اور خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ جاتا ہے"(3)۔ یعنی اخلاص کے ساتھ کیا گیا عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوتا ہے۔ حضرت عامر شعبی سے قربانی کی کھالوں کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے اس آیت لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر چاہو تو بیچ لو، چاہو تو اپنے پاس رکھ لو اور اگر چاہو تو صدقہ کر دو، پھر فرمایا: كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا یعنی اسی وجہ سے تمہارے لیے ان جانوروں کو مسخر کیا ہے تا کہ تم اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور عظمت بیان کرو کہ اس نے اپنے پسندیدہ دین اور شریعت کی طرف تمہاری رہنمائی کی اور ناپسندیدہ امور سے تمہیں منع کر دیا۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ یعنی اے میرے پیارے رسول! آپ ان لوگوں کو خوشخبری سنا دیں جو عمدہ طریقے سے اعمال بجا لاتے ہیں، حدود اللہ کی حفاظت کرتے ہیں، احکام کی اتباع کرتے ہیں اور رسول کی تصدیق کرتے ہیں۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ثوری کا موقف یہ ہے کہ جو شخص نصاب زکوٰۃ کا مالک ہو اس پر قربانی واجب ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس شرط کا اضافہ کیا ہے کہ وہ شخص اپنے گھر میں مقیم ہو۔ ان حضرات کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ہے: "جو وسعت کے باوجود قربانی نہ کرے، وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے"(4)۔ اس روایت میں غرابت ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے منکر کہا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دس سال متواتر قربانی کرتے رہے(5)۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قربانی واجب نہیں بلکہ مستحب ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے: "مال میں زکوٰۃ کے سوا اور کوئی چیز فرض نہیں"(6)۔ یہ روایت پہلے بیان ہو چکی ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت کی طرف سے قربانی کی، اس لئے وجوب ساقط ہو گیا۔ حضرت ابوشریحہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا پڑوسی تھا۔ یہ دونوں حضرات اس خدشہ کے پیش نظر قربانی نہیں کرتے تھے کہ لوگ ان کی اقتداء کریں گے(7)۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قربانی سنت کفایہ

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 56
2۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1986-1987، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1388
3۔ عارضۃ الاحوذی، کتاب الاضاحی، جلد 6 صفحہ 288-289، سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، جلد 2 صفحہ 1045
4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، جلد 2 صفحہ 1044، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 321
5۔ عارضۃ الاحوذی ابواب الاضحیہ، جلد 6 صفحہ 305
6۔ عارضۃ الاحوذی، کتاب الزکاۃ، جلد 3 صفحہ 162، سنن ابن ماجہ، کتاب الزکاۃ، جلد 1 صفحہ 570 وغیرہ
7۔ تفسیر قرطبی، جلد 3 صفحہ 182، مجمع الزوائد، جلد 4 صفحہ 18

ہے، گلی، محلے یا گھر میں سے کوئی ایک آدمی قربانی کرے تو باقی لوگوں سے ساقط ہو جانے کی کیونکہ مقصود صرف شعار کا اظہار کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے میدان عرفات میں فرمایا: "ہر سال ہر گھر والوں پر قربانی اور عتیرہ ہے کیا تم جانتے ہو عتیرہ کیا ہے؟ وہی جسے تم رجبیہ (ماہ رجب میں ذبح کیا جانے والا جانور) کہتے ہو"(1)۔ اس کی سند میں کلام کیا گیا ہے۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک ہی بکری کی قربانی دیتا، اس کا گوشت وہ خود بھی کھاتے اور دوسروں کو بھی کھلاتے۔ پھر لوگ اس معاملہ میں فخر و مباہات کرنے لگے اور صورت حال یہ ہوگئی جو تم دیکھ رہے ہو(2)۔ بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے تمام افراد کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کیا کرتے تھے(3)۔ قربانی کے جانوروں کی عمر کے متعلق حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نہ ذبح کرو مگر پوری عمر کا جانور سوائے اس کے کہ اگر وہ دستیاب نہ ہو سکے تو بھیڑ کا چھ ماہ کا بچہ ہی سہی"(4)۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ کوئی جذعہ (چھ ماہ کا بچہ) قربانی نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے برعکس امام اوزاعی کا یہ موقف ہے کہ ہر جنس کا جذعہ قربانی میں جائز ہے لیکن یہ دونوں قول غریب ہیں۔ جمہور علماء کا یہ مسلک ہے کہ اونٹ، گائے اور بکری وہ جائز ہے جو ثنی ہو اور بھیڑ کا چھ ماہ کا بچہ بھی جائز ہے۔ اونٹ وہ ثنی ہوتا ہے جو پانچ سال مکمل کر کے چھٹے سال میں داخل ہو چکا ہو، ثنی گائے وہ ہے جس کی عمر دو سال ہو اور تیسرے سال میں داخل ہو چکے اور بعض کے بقول جو چوتھے سال میں داخل ہو جائے اور بکری وہ ثنی ہے جس کی عمر دو سال ہو اور جذعہ (بھیڑ کا بچہ) وہ ہے جو بقول بعض ایک سال کا ہو، بعض کہتے ہیں کہ دس ماہ کا بعض کے نزدیک آٹھ ماہ کا اور بعض کا کہنا ہے کہ جو چھ ماہ کا ہو۔ یہ سب سے کم مدت کا قول ہے۔ اس سے کم عمر والے کو حمل کہتے ہیں۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ حمل کی پیٹھ کے بال کھڑے ہوتے ہیں اور جذعہ کی پیٹھ کے بال لیٹے ہوئے اور دونوں طرف جھکے ہوئے ہوتے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ﴿٣٨﴾

"یقیناً اللہ تعالیٰ حفاظت کرتا ہے اہل ایمان کی (کفار کے مکر و فریب سے) بے شک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کسی دھوکہ باز احسان فراموش کو"۔

جو بندے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہوتا ہے اور انہیں شریروں کی شر اور فاجروں کے مکر و فریب سے محفوظ رکھتا ہے جیسا کہ فرمایا: أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ (الزمر: 36) "کیا اللہ اپنے بندوں کے لیے کافی نہیں ہے؟" وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (الطلاق: 3) "اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کیلئے کافی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کیلئے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے"۔ فرمایا: إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ یعنی اللہ تعالیٰ ہر اس بندے کو پسند نہیں کرتا جو خیانت اور ناشکری کے ساتھ متصف ہو۔ خیانت کا مطلب ہے اپنے عہد و پیمان کو پورا نہ کرنا اور کفر سے مراد ہے نعمتوں کی ناشکری کرنا اور ان کا اعتراف نہ کرنا۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ الَّذِينَ أُخْرِجُوا

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 4 صفحہ 93، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 215، جلد 5 صفحہ 76 وغیرہ

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الاضحیہ، جلد 6 صفحہ 304، سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، جلد 2 صفحہ 1051

3۔ فتح الباری، کتاب الاحکام، جلد 13 صفحہ 200

4۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 1555

مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّآ أَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۗ إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝

''اذن دے دیا گیا ہے (جہاد کا) ان (مظلوموں) کو جن سے جنگ کی جاتی ہے اس بناء پر کہ ان پر ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی نصرت پر پوری طرح قادر ہے۔ وہ (مظلوم) جن کو نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے ناحق صرف اتنی بات پر کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ بچاؤ نہ کرتا لوگوں کا انہیں ایک دوسرے سے ٹکرا کر تو (طاقتور کی غارتگری سے) منہدم ہو جاتیں خانقاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ قوت والا (اور) سب پر غالب ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اذن جہاد کی یہ آیت اس وقت اتری جب حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مکہ سے ہجرت پر مجبور کر دیا گیا۔ حضرات ابن عباس، مجاہد، قتادہ، عروہ بن زبیر، زید بن اسلم، مقاتل بن حیان اور دیگر سلف کا کہنا ہے کہ یہ سب سے پہلی آیت ہے جو جہاد کے متعلق نازل ہوئی۔ بعض نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم علیہ السلام نے مکہ سے ہجرت کی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ کفار نے اپنے نبی کو ہجرت پر مجبور کر دیا، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ، وہ یقیناً تباہ و برباد ہوں گے۔ اس وقت یہ آیت اُذِنَ لِلَّذِيْنَ نازل ہوئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول سے میں نے جان لیا کہ عنقریب جنگ ہوگی (1)۔ فرمایا: وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ یعنی اللہ تعالیٰ بغیر لڑائی کے بھی اپنے مومن بندوں کی مدد پر قادر ہے لیکن وہ آزمانا چاہتا ہے کہ اس کے بندوں میں سے کون اس کی اطاعت میں سرتوڑ کوشش کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۗ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚ ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ (محمد: 6-4)۔ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۗ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (التوبہ: 16-14)۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ (آل عمران: 142)

''کیا تم گمان کرتے ہو کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے دیکھا ہی نہیں ان لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور دیکھا ہی نہیں صبر کرنے والوں کو''، ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ (محمد: 31)

''اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے تاکہ ہم دیکھ لیں کہ تم میں سے جو جہاد کرنے والے اور صبر کرنے والے ہیں اور ہم تمہارے حالات کو پرکھیں گے''۔ اس مضمون کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت کا جو وعدہ اہل ایمان

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 172، مسند احمد جلد 1 صفحہ 216

کیساتھ کیا تھا، وہ پورا ہوا (1)۔ اللہ تعالیٰ نے نہایت مناسب اور موزوں وقت پر جہاد کو شروع کیا کیونکہ مکہ شریف میں مشرکین بھاری تعداد میں تھے اور مسلمان ان کے مقابلہ میں بمشکل دسواں حصہ تھے۔ اگر وہاں جہاد کا حکم دے دیا جاتا تو مسلمان مشکلات سے دوچار ہو سکتے تھے۔ چنانچہ لیلۃ العقبہ میں جب اسی سے زائد اہل مدینہ نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تو وہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! اگر آپ اجازت دیں تو اس وقت منیٰ میں جس قدر مشرکین موجود ہیں کیا ہم ان پر حملہ بول کر انہیں قتل نہ کر دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابھی تک مجھے اس کا حکم نہیں ملا'' (2)۔ جب مشرکین کی سرکشی انتہا کو پہنچ گئی، وہ نبی کریم ﷺ کو جلا وطن کرنے کے منصوبے بنانے لگے اور آپ کو قتل کرنے کی سازش کرنے لگے اور اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہ بھی ان کی دست برد اور ایذا رسانیوں سے محفوظ نہ رہے تو صحابہ کرام ادھر ادھر بکھر گئے، بعض ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے اور باقی مدینہ شریف ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ جب صحابہ کرام مدینہ شریف میں رسول اللہ ﷺ کے زیر سایہ قرار پذیر ہو گئے اور آپ کے جھنڈے تلے متحد ہو کر ہر قسم کے حالات کا سامنا کرنے کیلئے تیار ہو گئے اور مدینہ شریف ان کیلئے دار امن اور پناہ گاہ بن گیا تو اللہ تعالیٰ نے دشمنان دین کے خلاف جہاد کو مشروع قرار دے دیا اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے مذکورہ آیات نازل ہوئیں جن میں یہ بتایا گیا کہ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ناحق مکہ سے مدینہ کی طرف نکالا گیا۔ نہ انہوں نے مکہ والوں کے ساتھ کوئی زیادتی کی تھی اور نہ کوئی اور گناہ کیا تھا سوائے اس کے کہ انہوں نے صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا خدا مانا، اس کی توحید کا اقرار کیا اور صرف اسی کی عبادت کرنے لگے۔ یہاں اِلَّآ اَنۡ يَّقُوۡلُوۡا میں استثناء منقطع ہے، یہ حقیقت حال کے پیش نظر ہے ورنہ مشرکین کے نزدیک تو یہ سب سے بڑا جرم تھا جیسا کہ فرمایا: يُخۡرِجُوۡنَ الرَّسُوۡلَ وَاِيَّاكُمۡ اَنۡ تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ رَبِّكُمۡ (الممتحنۃ:1) ''انہوں نے نکالا ہے رسول ﷺ کو اور تمہیں بھی محض اس لیے کہ تم ایمان لائے ہو اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے''۔ اصحاب اخدود (خندق والوں) کے قصہ میں فرمایا: وَمَا نَقَمُوۡا مِنۡهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ (البروج:8) ''اور نہیں ناپسند کیا انہوں نے مسلمان سے بجز اس کے کہ وہ اللہ پر ایمان لائے تھے جو سب پر غالب، سب خوبیوں سراہا ہے''۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خندق کھودتے وقت یہ رجز پڑھ رہے تھے:

لَا هُمَّ لَوۡلَا اَنۡتَ مَا اهۡتَدَيۡنَا وَلَا تَصَدَّقۡنَا وَ لَا صَلَّيۡنَا

فَاَنۡزِلَنۡ سَكِيۡنَةً عَلَيۡنَا وَثَبِّتِ الۡاَقۡدَامَ اِنۡ لَاقَيۡنَا

اِنَّ الَّاُلٰی قَدۡ بَغَوۡا عَلَيۡنَا اِذَا اَرَادُوۡا فِتۡنَةً اَبَيۡنَا (3)

رسول اللہ ﷺ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی موافقت کرتے اور ان کے ساتھ مل کر ہر قافیہ کا آخری حرف پڑھتے اور ''ابینا'' کہتے ہوئے اپنی آواز کو خوب بلند اور دراز کرتے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰهِ .... یعنی اگر اللہ تعالیٰ بعض کو بعض سے ٹکرا کر اور بذریعہ اسباب ایک قوم کی شر کو دوسری قوم کے ہاتھوں روک کر لوگوں کا دفاع نہ کرتا تو زمین پر فساد برپا ہو جاتا، طاقتور کمزور کو نگل جاتا اور عبادت خانے ویران ہو جاتے۔ عیسائی راہبوں کے چھوٹے عبادت خانوں اور خانقاہوں کو صوامع کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد صابی مذہب کے لوگوں کے عبادت خانے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ مجوسیوں کے آتش کدوں کو صوامع کہتے ہیں۔ مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ یہ وہ گھر ہیں جو رستوں پر ہوتے ہیں۔ بیع، صوامع سے بڑے عبادت خانے ہوتے ہیں جن میں عبادت کرنے والوں کی زیادہ گنجائش ہوتی ہے

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 172 2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 460-462، سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 448

3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 328-329

یہ بھی نصرانیوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مجاہد وغیرہ کا کہنا ہے کہ اس سے مراد یہود کے کنیسے ہیں۔ صلوات کا معنی بقول ابن عباس رضی اللہ عنہ یہود کے کنیسے ہیں۔ یہود انہیں صلوت کہتے ہیں(1)۔ بعض نے اس سے مراد عیسائیوں کے گرجے لیے ہیں۔ ابوالعالیہ وغیرہ کا قول ہے کہ صابی مذہب کے لوگوں کے معبد صلوات کہلاتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ صلوات سے مراد رستوں پر بنے ہوئے اہل کتاب اور اہل اسلام کے عبادت خانے ہیں۔ مساجد مسلمانوں کے ساتھ خاص ہیں۔ آیت کریمہ میں "فِيهَا" کی ضمیر کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس کا مرجع مساجد ہے کیونکہ یہ سب سے زیادہ قریب ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ اس ضمیر کا مرجع صوامع، بیع، صلوات اور مساجد بھی ہیں کیونکہ کلام عرب میں یہ معروف اور مستعمل ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہاں اقل سے اکثر کی طرف صعود ہے یہاں تک کہ سب سے آخر میں مساجد کا ذکر کیا۔ مساجد کو آباد کرنے والے اور ان میں قصد صحیح اور نیت صالح سے عبادت کرنے والے کسی بھی دوسرے عبادت خانے کے عابدوں سے زیادہ ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ　یہ اس فرمان کی طرح ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ (محمد:8-7) "اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا اور کافر منہ کے بل اوندھے گریں اور اللہ ان کے اعمال کو برباد کرے"۔ آیت کے آخر میں فرمایا: إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی ذات کو قوت اور عزت کے ساتھ متصف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قوت کے ساتھ ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا اندازہ مقرر فرمایا اور اپنی عزت وغلبہ کے طفیل وہ ہر ایک پر غالب ہے کوئی اس پر غلبہ نہیں پا سکتا بلکہ ہر چیز اس کے سامنے ہیچ اور اس کی محتاج ہے۔ وہ قوی اور عزیز ذات جس شخص کی حامی و ناصر ہو وہی غالب ہے اور اس کا دشمن مغلوب ہے، فرمان ہے: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ ۝ وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ (الصافات:173-171) "اور ہمارا وعدہ اپنے بندوں کے ساتھ جو رسول ہیں پہلے ہو چکا ہے کہ ان کی ضرور مدد کی جائے گی اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب ہوا کرتا ہے"، كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ (المجادلۃ:21)۔ "اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آئیں گے، بے شک اللہ طاقتور (اور) زبردست ہے"۔

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝

"وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں اقتدار بخشیں زمین میں تو وہ صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور حکم کرتے ہیں (لوگوں کو) نیکی کا اور روکتے ہیں (انہیں) برائی سے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہے سارے کاموں کا انجام"۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی۔ ہمیں ناحق اس لیے نکالا گیا کہ ہم نے یہ کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اقتدار بخشا تو ہم نے نماز قائم کی، زکوٰۃ ادا کی، نیکی کا حکم دیا اور برائی سے منع کیا۔ پس یہ آیت میرے اور میرے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی(2)۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خطبہ میں اس آیت کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کہ اس کا اطلاق صرف حکام پر ہی نہیں ہوتا بلکہ حکام اور رعایا دونوں پر۔ کیا میں تمہیں آگاہ نہ کروں کہ تمہارے حکام کے ذمے کیا حقوق ہیں اور حکام کے تمہارے ذمے کیا حقوق ہیں؟ بادشاہ پر ضروری ہے کہ وہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 176　2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 59

تم سے حقوق اللہ کی بجا آوری کرائے۔ ایک کا حق دوسرے سے دلوائے اور مقدور بھر راہ راست پر تمہیں چلانے کی کوشش کرے اور تم پر یہ ضروری ہے کہ تم اس کی خوشی خوشی، ظاہر باطن اور غیر مشروط اطاعت کرو۔ عطیہ عوفی کہتے ہیں کہ یہ آیت اس فرمان کی طرح ہے: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ (النور: 55)۔" اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ کر رکھا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کیے کہ وہ ضرور انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا"۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ یہ اس فرمان کی طرح ہے: "وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ" زید بن اسلم اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ ان کے اعمال کا ثواب اللہ تعالیٰ کے پاس ہے(1)۔

وَ اِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ عَادٌ وَّ ثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَ قَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَ قَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّ اَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَ كُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَ هِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَ لٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾

"اور اگر یہ کفار آپ کو جھٹلاتے ہیں (تو کیا تعجب ہے) پس جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم نوح نے اور عاد و ثمود نے۔ اور قوم ابراہیم نے اور قوم لوط نے۔ اور مدین کے رہنے والوں نے (اپنے اپنے نبیوں کو) اور جھٹلائے گئے موسیٰ بھی تو (کچھ عرصہ) میں نے مہلت دی ان کفار کو (جب وہ باز نہ آئے) تو میں نے انہیں پکڑا۔ (خود ہی بتاؤ) کتنا خوفناک تھا میرا عذاب! پس کتنی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے تہ و بالا کر ڈالا کیونکہ وہ ظالم تھیں تو اب وہ گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر اور کتنے کنوئیں ہیں جو بیکار ہو چکے ہیں اور کتنے چونے سے بنے ہوئے مضبوط محل ہیں (جو ویران پڑے ہیں) کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ (ان کھنڈرات کو دیکھ کر) ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے وہ (حق کو) سمجھ سکتے اور کان ایسے ہو جاتے جن سے یہ نصیحت سن سکتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں"۔

مخالفین کی تکذیب پر اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے:

وَ اِنْ يُّكَذِّبُوْكَ ... فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ یعنی ان قوموں نے اپنے انبیاء کو جھٹلایا حالانکہ وہ ان کے پاس روشن آیات اور واضح دلائل لے کر آئے تھے۔ میں نے انہیں مہلت دے رکھی پھر میں نے انہیں پکڑ کر خوفناک اور بھیانک عذاب میں جھونک دیا۔ منقول ہے کہ فرعون کے اس دعویٰ انا ربکم الاعلیٰ (میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں) اور اس کی ہلاکت کے درمیان چالیس سال کا عرصہ تھا۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے یہاں تک کہ جب اسے پکڑتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا (2)۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: "وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۚ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ" پھر فرمایا: فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ یعنی بہت سی ایسی بستیاں تھیں جن کے رہنے والے ظالم اور اپنے رسولوں کو جھٹلانے والے تھے، ان بستیوں کو ہم نے

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 60
2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ ہود، جلد 8، صفحہ 354، صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4، صفحہ 1997-1998

مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝

"(اے حبیب!) آپ فرمائیے اے لوگو! بس میں تو تمہیں (عذاب الٰہی سے) کھلا ڈرانے والا ہوں۔ سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے تو ان کے لئے مغفرت بھی ہے اور باعزت روزی بھی۔ اور جو لوگ کوشش کرتے رہے ہماری آیتوں (کی تردید) میں اس خیال سے کہ وہ ہمیں ہرا دیں گے، یہی لوگ دوزخی ہیں"۔

کفار نبی کریم ﷺ سے فوری عذاب کا تقاضا کرتے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ یعنی اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے تاکہ میں تمہیں عذاب شدید سے ڈراؤں، تمہارا حساب میرے ذمہ نہیں بلکہ تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں جلدی عذاب میں مبتلا کر دے اور اگر چاہے تو کچھ تاخیر کر دے، اگر اس کی مرضی ہو تو توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرمالے اور اگر اس کی مرضی ہو تو اس شخص کو گمراہ کر دے جس کے مقدر میں شقاوت لکھی جا چکی ہے وہ جو چاہے کرتا ہے۔ اس کے حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی وہ لوگ جو صدق دل سے ایمان لائے اور انہوں نے اپنے اعمال سے ایمان کی تصدیق کی، ان کے گذشتہ گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے اور تھوڑی سی نیکیوں پر بھی بہت عمدہ اجر عطا کیا جاتا ہے۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں "رزق کریم" سے مراد جنت ہے۔(1) اگلی آیت میں فرمایا: وَالَّذِيْنَ سَعَوْا۔ یعنی وہ لوگ جو دوسروں کو نبی کریم ﷺ کی اتباع سے روکتے ہیں وہ جہنمی ہیں۔ جحیم سخت گرم، المناک، شدید اور عبرتناک آگ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔ ایک اور مقام پر فرمایا: اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ (النحل: 88) "جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) اللہ کی راہ سے روکا، ہم نے ان کے پہلے عذاب پر اور عذاب بڑھا دیا اس کی وجہ سے کہ وہ فتنہ و فساد برپا کیا کرتے تھے"۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۝ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

"اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی مگر اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب اس نے کچھ پڑھا تو ڈال دیے شیطان نے اس کے پڑھنے میں (شکوک) پس مٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ جو دخل اندازی شیطان کرتا ہے۔ پھر پختہ کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے۔ یہ سب اس لئے تاکہ اللہ تعالیٰ بنا دے جو وسوسہ ڈالتا ہے شیطان ایک آزمائش ان لوگوں کے لئے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل بہت سخت ہیں۔ اور بے شک ظالم لوگ مخالفت میں بہت دور نکل جاتے ہیں۔ نیز اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ جان لیں وہ لوگ جنہیں علم بخشا گیا کہ

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 63

تم سے حقوق اللہ کی بجاآوری کرائے۔ نیک کا حق دوسرے سے دلوائے اور مقدور بھر راہ راست پر تمہیں چلانے کی کوشش کرے اور تم پر یہ ضروری ہے کہ تم اس کی خوشی خوشی، ظاہر باطن اور غیر مشروط اطاعت کرو۔ عطیہ عوفی کہتے ہیں کہ یہ آیت اس فرمان کی طرح ہے: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ (النور: 55)۔ "اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ کر رکھا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کیے کہ وہ ضرور انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا"۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ یہ اس فرمان کی طرح ہے: "وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ" زید بن اسلم اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ ان کے اعمال کا ثواب اللہ تعالیٰ کے پاس ہے(1)۔

وَ اِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ عَادٌ وَّ ثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَ قَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَ قَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّ اَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَ كُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَ هِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَ لٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾

"اور اگر یہ کفار آپ کو جھٹلاتے ہیں (تو کیا تعجب ہے) پس جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم نوح نے اور عاد و ثمود نے۔ اور قوم ابراہیم نے اور قوم لوط نے۔ اور مدین کے رہنے والوں نے (اپنے اپنے نبیوں کو) اور جھٹلائے گئے موسیٰ بھی تو (کچھ عرصہ) میں نے مہلت دی ان کفار کو (جب وہ باز نہ آئے) تو میں نے انہیں پکڑا۔ (خود ہی بتاؤ) کتنا خوفناک تھا میرا عذاب! پس کتنی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے تہ و بالا کر ڈالا کیونکہ وہ ظالم تھیں تو اب وہ گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر اور کتنے کنوئیں ہیں جو بیکار ہو چکے ہیں اور کتنے چونے سے بنے ہوئے مضبوط محل ہیں (جو ویران پڑے ہیں) کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ (ان کھنڈرات کو دیکھ کر) ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے وہ (حق کو) سمجھ سکتے اور کان ایسے ہو جاتے جن سے یہ نصیحت سن سکتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں"۔

مخالفین کی تکذیب پر اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے:

وَ اِنْ يُّكَذِّبُوْكَ ۔۔ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ یعنی ان قوموں نے اپنے انبیاء کو جھٹلایا حالانکہ وہ ان کے پاس روشن آیات اور واضح دلائل لے کر آئے تھے۔ میں نے انہیں مہلت دے رکھی پھر میں نے انہیں پکڑ کر خوفناک اور بھیانک عذاب میں جھونک دیا۔ منقول ہے کہ فرعون کے اس دعوی انا ربکم الاعلی (میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں) اور اس کی ہلاکت کے درمیان چالیس سال کا عرصہ تھا۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے یہاں تک کہ جب اسے پکڑتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا (2)۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: "وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ" پھر فرمایا: فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ ۔۔ یعنی بہت سی ایسی بستیاں تھیں جن کے رہنے والے ظالم اور اپنے رسولوں کو جھٹلانے والے تھے، ان بستیوں کو ہم نے

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 60

2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ ہود، جلد 8 صفحہ 354، صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1997-1998

تہ و بالا کر دیا، وہ اپنی چھتوں کے بل گر پڑیں، ان کے مکانات برباد ہو گئے، آبادیاں اجڑ گئیں، ان کے کنویں بے کار ہو گئے حالانکہ پہلے ان پر بڑی بھیڑ رہتی تھی اور ان کے عالی شان پختہ محلات ویران ہو گئے۔ بقول عکرمہ قَصْرٍ مَّشِيْدٍ سے مراد وہ محل ہے جسے چونا کیا گیا ہو اور وہ سفید دکھائی دے۔ بعض نے اس کا معنی بلند و بالا محل کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی مضبوط اور ناقابل تسخیر ہے۔ یہ تمام اقوال قریب قریب ہیں اور ان کے درمیان کوئی تضاد نہیں کیونکہ یہ بلند و بالا، پختہ اور مضبوط محلات اپنے مکینوں کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہ بچا سکے جیسا کہ فرمایا: اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ (النساء: 78)۔ " جہاں کہیں تم ہو گے موت تمہیں آ لے گی اگرچہ (پناہ گزین) ہو جاؤ تم مضبوط قلعوں میں"۔ پھر فرمایا: اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا۔ یعنی کیا انہوں نے زمین میں سیاحت کرتے ہوئے غور و فکر نہیں کیا تاکہ انہیں عبرت حاصل ہوتی۔ اگر وہ غور و تدبر کرتے تو یہ انہیں کافی تھا جیسا کہ ابن ابی الدنیا کتاب التفکر والاعتبار میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کرتے ہوئے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! لوہے کے نعلین پہن کر اور لوہے کا عصا لے کر زمین میں سیاحت کریں اور جب تک نعلین پھٹ نہیں جاتے اور عصا ٹوٹ نہیں جاتا، اس وقت تک عبرت کے نشانات تلاش کرتے رہیں (1)۔ اسی کتاب میں کسی دانا کا قول مذکور ہے کہ وعظ کے ساتھ اپنے دل کو زندہ کرو، تفکر کے ساتھ اسے منور کرو، زہد کے ساتھ اسے مار دو، یقین کے ساتھ اور قوی بناؤ، موت کے ساتھ اسے ذلیل کرو، فناء کے ذریعے اسے مستعد رکھو، دنیاوی مصائب و آلام سے اس کی آنکھیں کھول دو، زمانہ کے دست برد سے اسے متنبہ کرو، گردش زمانہ کا خوف دلاتے رہو، گذشتہ واقعات سے اسے عبرت دلاتے رہو اور گذشتہ اقوام کے عبرتناک انجام کا تذکرہ اس سے کرتے رہو (2)۔ پھر فرمایا: فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ۔ اگر بصیرت مفقود ہو اور دل اندھا ہو تو ظاہری بصارت کی موجودگی کے باوجود نہ عبرت حاصل ہوتی ہے، اور نہ ہی حقیقت حال کا علم ہوتا ہے۔ ابو محمد ابن حیان اندلسی نے جن کی وفات 517ھ میں ہوئی، اپنے اشعار میں اس مضمون کی کیا خوب ترجمانی کرتے ہوئے کہا ہے: اے وہ شخص جو برائی کی دعوت دینے والے کی طرف کان لگائے ہوئے ہے حالانکہ بڑھاپا اور کبرسنی تجھے موت کا پیغام دے رہے ہیں، اگر تو نصیحت کو گوش ہوش سے نہیں سنتا تو کیا تمہیں کانوں اور آنکھوں سے بھی عبرت حاصل نہیں ہوتی۔ حقیقی بہرہ اور اندھا وہ ہے جس کے کان اور آنکھیں اسے راہ راست پر گامزن نہ کریں، نہ زمانہ باقی رہے گا، نہ دنیا، نہ آسمان، نہ سورج اور نہ چاند۔ اس دنیا سے بادل ناخواستہ ایک نہ ایک دن کوچ کرنا ہی پڑے گا، کوئی امیر ہو یا غریب، شہری ہو یا دیہاتی، موت سب کیلئے یکساں ہے۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝

" یہ لوگ جلدی مانگ رہے ہیں آپ سے عذاب (یہ تسلی رکھیں) اللہ تعالیٰ خلاف ورزی نہیں کرے گا اپنے وعدہ کی۔ اور بے شک ایک دن تیرے رب کے ہاں ایک ہزار سال کی طرح ہوتا ہے جس حساب سے تم گنتی کرتے ہو۔ اور کتنی بستیاں تھیں جنہیں میں نے (کافی عرصہ) ڈھیل دی حالانکہ وہ ظالم تھیں پھر (بھی جب وہ باز نہ آئے) تو میں نے انہیں پکڑ لیا اور میری طرف ہی (سب کو) لوٹنا ہے"۔

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 61
2۔ دیکھئے نہج البلاغۃ المنسوب للامام علی: 308

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرمار ہا ہے کہ یہ ملحد، کافر اور اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور یوم آخرت کو جھٹلانے والے آپ سے جلدی عذاب طلب کر رہے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ (الانفال:32)۔ وَ قَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ یَوْمِ الْحِسَابِ (ص:16)۔ فرمایا: وَ لَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ یعنی قیامت برپا کرنے، اپنے دشمنوں سے انتقام لینے اور اپنے دوستوں کے ساتھ اعزاز و اکرام کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے کر رکھا ہے، وہ ہرگز اس کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ اصمعی کہتے ہیں کہ میں ابو عمرو بن العلاء کے پاس تھا کہ عمرو بن عبید وہاں آگیا اور کہنے لگا کہ اے ابو عمرو! کیا اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی کرتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں۔ اس نے فوراً وعید والی آیت پڑھی تو ابو عمرو کہنے لگے کہ کیا تو عجمی ہے؟ عرب وعدہ خلافی کو برا سمجھتے ہیں اور دھمکی پر عمل درآمد نہ کرنے کو باعث کرم سمجھتے ہیں جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

فَاِنِّیْ وَاِنْ اَوْعَدْتُهٗ اَوْ وَعَدْتُهٗ   لَمُخْلِفُ اِیْعَادِیْ وَ مُنْجِزُ مَوْعِدِیْ

یعنی میں کسی کو دھمکی دوں یا کسی چیز کا وعدہ کروں تو میں اپنی دھمکی کی خلاف ورزی کرتا ہوں اور اپنے وعدہ کو پورا کرتا ہوں(1)۔

فرمایا: وَ اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ...... یعنی اللہ تعالیٰ فوری اور جلد سزا نہیں دیتا کیونکہ اپنے حلم کے پیش نظر مخلوق کے ہزار سال اس کے ہاں ایک دن کی طرح ہیں۔ اسے پورا پورا علم ہے کہ وہ انتقام پر قادر ہے اور کوئی چیز اس سے بچ نہیں سکتی اگرچہ وہ مہلت اور ڈھیل دیتا رہتا ہے، اس لئے اس کے بعد فرمایا: وَ كَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فقراء مسلمان مالدار مسلمانوں سے نصف دن یعنی پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے''(2)۔ سمیر بن نہار بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فقراء مسلمان مالدار مسلمانوں سے بمقدار نصف یوم پہلے جنت میں جائیں گے۔ میں نے پوچھا کہ نصف یوم کی مقدار کتنی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے قرآن کریم میں یہ وَ اِنَّ یَوْمًا نہیں پڑھا(3)۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو آدھے دن تک تو ضرور موخر رکھے گا''۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آدھا دن کتنے عرصہ کا ہے؟ فرمایا: پانچ سو سال(4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ ان دنوں میں سے ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا(5)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الرد علی الجھمیہ میں اسے صراحتاً بیان کیا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اس فرمان کی طرح ہے: یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (السجدة:5) ''تدبیر فرماتا ہے ہر کام کی آسمان سے زمین تک پھر ہر کام اس کی طرف رجوع کرے گا اس روز جس کی مقدار ہزار سال ہے اس اندازہ سے جس سے تم شمار کرتے ہو''۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی اجل چھ دن مقرر کی ہے، ساتویں دن قیامت ہے بس چھ دن تو گزر گئے اور اب تم ساتویں دن میں ہو۔ اب قیامت ایسے ہے جیسے مکمل مدت کی حاملہ، جس کے بارے میں معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کب بچہ جن دے۔

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۚ﴿۴۹﴾ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ

1۔ دیوان عامر بن طفیل: 58
2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9 صفحہ 213۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 11 صفحہ 6
3۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 183
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، جلد 4 صفحہ 125
5۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 183۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 62

مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۞ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۞

''(اے حبیب!) آپ فرمائیے اے لوگو! بس میں تو تمہیں (عذاب الٰہی سے) کھلا، ڈرانے والا ہوں۔ سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے تو ان کے لئے مغفرت بھی ہے اور باعزت روزی بھی۔ اور جو لوگ کوشش کرتے رہے ہماری آیتوں (کی تردید) میں اس خیال سے کہ وہ ہمیں ہرا دیں گے، یہی لوگ دوزخی ہیں''۔

کفار نبی کریم ﷺ سے فوری عذاب کا تقاضا کرتے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ یعنی اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے تاکہ میں تمہیں عذاب شدید سے ڈراؤں، تمہارا حساب میرے ذمہ نہیں بلکہ تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں جلدی عذاب میں مبتلا کر دے اور اگر چاہے تو کچھ تاخیر کر دے، اگر اس کی مرضی ہو تو توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرمالے اور اگر اس کی مرضی ہو تو اس شخص کو گمراہ کر دے جس کے مقدر میں شقاوت لکھی جا چکی ہے وہ جو چاہے کرتا ہے۔ اس کے حکم کو کوئی نالنے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی وہ لوگ جو صدق دل سے ایمان لائے اور انہوں نے اپنے اعمال سے ایمان کی تصدیق کی، ان کے گذشتہ گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے اور تھوڑی سی نیکیوں پر بھی بہت عمدہ اجر عطا کیا جاتا ہے۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں ''رزق کریم'' سے مراد جنت ہے۔(1) اگلی آیت میں فرمایا: وَالَّذِيْنَ سَعَوْا یعنی وہ لوگ جو دوسروں کو نبی کریم ﷺ کی اتباع سے روکتے ہیں وہ جہنمی ہیں۔ جحیم سخت گرم، المناک، شدید اور عبرتناک آگ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔ ایک اور مقام پر فرمایا: اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ (النحل: 88) ''جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) اللہ کی راہ سے روکا، ہم نے ان کے پہلے عذاب پر اور عذاب بڑھا دیا اس کی وجہ سے کہ وہ فتنہ و فساد برپا کیا کرتے تھے''۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۞ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۞ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۞

''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی مگر اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب اس نے کچھ پڑھا تو ڈال دیئے شیطان نے اس کے پڑھنے میں (شکوک) پس مٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ جو خلل اندازی شیطان کرتا ہے۔ پھر پختہ کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے۔ یہ سب اس لئے تاکہ اللہ تعالیٰ بنا دے جو وسوسہ ڈالتا ہے شیطان ایک آزمائش ان لوگوں کے لئے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل بہت سخت ہیں۔ اور بے شک ظالم لوگ مخالفت میں بہت دور نکل جاتے ہیں۔ نیز اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ جان لیں وہ لوگ جنہیں علم بخشا گیا کہ

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 63

کتاب حق ہے آپ کے رب کی طرف سے تاکہ ایمان لائیں اس کے ساتھ اور جھک جائیں اس (کی سچائی) کے آگے ان کے دل۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت دینے والا ہے ایمان والوں کو راہ راست کی طرف"۔

بہت سے مفسرین نے یہاں غرانیق کا قصہ بیان کیا ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اس واقعہ کی وجہ سے اکثر مہاجرین حبشہ یہ سمجھ کر واپس مکہ لوٹ آئے کہ مشرکین قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے لیکن یہ قصہ ہر سند سے مرسل ہے اور کسی بھی صحیح سند سے مسند نہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ شریف میں مشرکین کے اجتماع میں سورۂ نجم کی تلاوت کی۔ جب اس مقام پر پہنچے: اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰی ﴿۱۹﴾ وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی (النجم: 20-19) تو شیطان نے آپ ﷺ کی زبان پر یہ کلمات جاری کر دیئے: "تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلٰى وَ اِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى" یعنی یہ (بت) مرغان بلند پرواز ہیں۔ ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے۔ یہ سن کر مشرکین خوش ہو گئے اور حضور ﷺ کے متعلق کہنے لگے کہ اس نے آج سے پہلے کبھی بھی ہمارے خداؤں کا ذکر خیر نہیں کیا چنانچہ آپ ﷺ نے بھی سجدہ کیا اور وہ بھی سجدہ میں گر گئے۔ اس وقت یہ آیت وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ ... نازل ہوئی(1)۔ ابن جریر نے بھی یہ واقعہ روایت کیا ہے اور یہ مرسل ہے۔ بزار نے اپنی مسند میں اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، لکھا ہے کہ یہ صرف اس سند سے متصل ہے۔ صرف امیہ بن خالد نے ہی اسے وصل کیا ہے اور وہ ثقہ مشہور ہیں۔ یہ صرف طریق کلبی سے ہی مروی ہے(2)۔ ابن ابی حاتم نے اسے ابوالعالیہ اور سدی سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ اسی طرح ابن جریر نے بھی محمد بن کعب قرظی اور محمد بن قیس سے اسے مرسل ہی روایت کیا ہے(3)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو اونگھ آ گئی اور شیطان نے آپ کی زبان پر یہ الفاظ ڈال دیئے: "وَاِنَّ شَفَاعَتَهَا لَتُرْتَجٰى وَ اِنَّهَا لَمَعَ الْغَرَانِيقِ الْعُلٰى" مشرکین ان الفاظ کو لے اڑے اور شیطان نے یہ بات پھیلا دی کہ نبی کریم ﷺ نے ان کلمات کی بھی تلاوت کی ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ .. نازل کی اور شیطان کو ذلیل و رسوا کر دیا(4)۔ ابن ابی حاتم میں ابن شہاب سے مروی ہے کہ سورۂ نجم نازل ہوئی اور مشرکین یہ کہہ رہے تھے کہ اگر یہ شخص (نبی کریم ﷺ) ہمارے معبودوں کو اچھے لفظوں میں یاد کر لے تو ہم اسے اور اس کے ساتھیوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیں لیکن جس طرح یہ گالیوں اور برائی سے ہمارے خداؤں کا ذکر کرتا ہے اس طرح یہود و نصاریٰ جیسے اپنے دینی مخالفین کا ذکر نہیں کرتا۔ یہ وہ وقت تھا جب آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر مشرکین کی ایذا رسانیوں کی انتہا ہو چکی تھی اور ان کی تکذیب اور گمراہی آپ ﷺ کو بے چین کیے ہوئی تھی۔ آپ کی شدید خواہش تھی کہ یہ لوگ ہدایت قبول کر لیں۔ جب آپ نے سورۂ نجم کی تلاوت شروع کی اور اس مقام پر پہنچے اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ ... وَلَهُ الْاُنْثٰى تو چونکہ یہاں بتوں کا ذکر ہوا ہے، اس لئے شیطان نے ان کے متعلق یہ کلمات ڈال دیئے: "وَ اِنَّهُنَّ لَهُنَّ الْغَرَانِيقُ الْعُلٰى وَ اِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَهِيَ الَّتِيْ تُرْتَجٰى" یہ مسجع اور مقفی عبارت شیطان کی طرف سے فتنہ تھا۔ یہ کلمات مشرکین کے دل میں جگہ پا گئے اور وہ انہیں دہرا دہرا کر حضور ﷺ کے خلاف پراپیگنڈہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ اپنے پہلے دین اور اپنی قوم کے دین کی طرف لوٹ آیا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے سورۂ نجم کے اختتام پر سجدہ کیا تو مجلس میں موجود تمام مسلمان اور مشرک بھی سجدہ میں گر گئے، سوائے ولید بن مغیرہ کے۔ چونکہ وہ بہت بوڑھا اور ضعیف تھا اس لئے اس نے ایک مٹھی مٹی لے کر اسے اپنی پیشانی کے ساتھ لگا لیا۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 188-189
2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 72
3۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 186-187
4۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 68

آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کرنے پر دونوں فریقوں کو ایک دوسرے پر تعجب ہوا۔ مسلمان اس بات پر متعجب تھے کہ مشرکین بغیر ایمان لائے اور یقین کیے ان کے ساتھ سجدہ میں شامل ہو گئے۔ مسلمانوں نے وہ الفاظ نہیں سنے تھے جو شیطان نے مشرکین کے کانوں میں ڈالے تھے۔ شیطان نے حضور ﷺ کی تلاوت کے دوران جو دخل اندازی کی تھی اس کے متعلق اس نے وسوسہ اندازی کرتے ہوئے مشرکین کو یہ باور کرا دیا کہ یہ کلمات بھی آپ ﷺ نے ہی اس سورت میں پڑھے ہیں۔ مشرکین اس پر مطمئن ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ بتوں کی شفاعت کے متعلق کلمات آپ ﷺ نے ہی تلاوت کیے ہیں چنانچہ وہ بتوں کی تعظیم کی خاطر سجدہ ریز ہو گئے۔ لوگوں میں اس واقعہ کا خوب چرچا ہوا اور شیطان نے بھی اسے پھیلانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا یہاں تک کہ مہاجرین حبشہ کو بھی اس کی خبر ہو گئی۔ جب حضرت عثمان بن مظعون اور دیگر مسلمان مہاجرین کو یہ معلوم ہوا کہ اہل مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے بلکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز بھی پڑھی اور ولید بن مغیرہ سجدہ نہ کر سکا تو اس نے مٹھی بھر مٹی لے کر اس پر ماتھا ٹیک دیا اور اب مسلمان مکہ شریف میں امن و سکون کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں تو ان کی خوشی کی انتہاء نہ رہی اور انہوں نے جلدی سے واپس مکہ کی راہ لی۔ ان کے واپس مکہ پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے شیطان کی دخل اندازی اور وسوسہ انگیزی کو ختم کر دیا اور اپنی آیات کو مستحکم کر کے انہیں بالکل محفوظ کر دیا اور فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ ۔۔ جب اللہ تعالیٰ نے حقیقت حال سے پردہ اٹھا دیا اور اپنے کلام کو شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ رکھا تو مشرکین کی آتش عداوت مزید بھڑک اٹھی۔ وہ اپنی گمراہی میں اور زیادہ سخت ہو گئے اور پہلے سے بھی زیادہ مسلمانوں پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑنے لگے۔ یہ روایت بھی مرسل ہے۔ تفسیر ابن جریر میں بھی یہ روایت موجود ہے (1) اور حافظ ابو بکر بیہقی نے بھی اسے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے (2)۔ علاوہ ازیں محمد بن اسحاق بھی اسے اپنی سیرت میں لائے ہیں (3)۔ لیکن یہ تمام روایات مرسل اور منقطع ہیں۔ امام بغوی نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے اس قسم کی روایات نقل کرنے کے بعد خود ہی ایک سوال اٹھایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی عصمت کا بذات خود ضامن اور محافظ ہے تو پھر آپ ﷺ سے ایسی بات کا صدور کیسے ممکن ہے؟ پھر انہوں نے مختلف علماء سے متعدد جوابات نقل کیے ہیں جن میں سے لطیف ترین جواب یہ ہے کہ شیطان نے مشرکین کے کانوں میں یہ بات ڈال دی اور انہیں یہ وہم دلایا کہ یہ الفاظ آپ ﷺ کے منہ سے نکلے ہیں حالانکہ حقیقت میں ایسا نہ تھا بلکہ یہ شیطان کی اپنی کارستانی تھی، آپ ﷺ سے ایسی بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا (4)۔ اسی طرح اور بھی متعدد حضرات نے اس واقعہ کے متعلق گفتگو کی ہے اور بفرض صحت روایت اس کے متعدد جوابات دیے ہیں۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشفاء میں اس قصہ کا ذکر کیا ہے ان کے جواب کا ماحصل یہ ہے کہ یہ اسی طرح ہے کیونکہ یہ ثابت ہے (5)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى ۔۔ یعنی شیطان آپ کو تشویش میں مبتلا نہیں کر سکتا۔ سابقہ انبیاء و رسل کے ساتھ بھی ایسا ہوتا رہا ہے کہ جب ان میں کوئی گفتگو کرتا تو شیطان دخل اندازی کرتے ہوئے اس کی گفتگو میں کوئی بات اپنی طرف سے ڈال دیتا لیکن اللہ تعالیٰ شیطان کی وسوسہ اندازی کو باطل کر دیتا ہے اور پھر اپنی آیات کو محکم کرتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ آیت کریمہ میں ''تمنی'' بمعنی قَالَ ہے اور ''امنیته'' کا معنی ''قِرَاءَة له'' ہے۔ ''اِلَّآ اَمَانِيَّ'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ پڑھتے ہیں، لکھتے نہیں۔ بغوی اور دیگر اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ ''تمنّی'' کا معنی ہے کتاب اللہ کی تلاوت کرنا اور ''امنیته'' کا

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 189　　2۔ دلائل النبوۃ، جلد 2 صفحہ 286-296

3۔ یہ روایت سیرت ابن ہشام میں مذکور نہیں، البتہ امام سہیلی نے الروض الانف (1/229) میں یہ روایت موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق کے حوالے سے ذکر کی ہے۔

4۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 293-294　　5۔ کتاب الشفاء از قاضی عیاض، جلد 2 صفحہ 750-763

معنی ہے تلاوت(1)۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جب شہید کیا گیا تو کسی شاعر نے آپ کے متعلق یہ شعر کہا:۔

تَمَنّٰى كِتَابَ اللّٰهِ اَوَّلَ لَيْلَةٍ وَاٰخِرَهَا لَاقٰى حِمَامَ الْمَقَادِرِ

یہاں بھی ''تمنی'' قرأت اور تلاوت کے معنی میں ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ قول تاویل کلام کے زیادہ قریب ہے(2)۔ نسخ کا لغوی معنی ہے ازالہ اور رفع۔ حضرت ابن عباس اس فرمان فَيَنْسَخُ اللّٰهُ .. کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شیطان کی القاء کی ہوئی بات کو باطل کر دیتا ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے شیطان کی بات کو مٹا دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی آیت کو محکم بنا دیتا ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ یعنی اللہ تعالیٰ تمام امور اور حوادثات سے بخوبی آگاہ ہے، اس پر کوئی چیز مخفی نہیں اور وہ اپنے فیصلے، تخلیق اور حکم میں حکیم ہے، اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں، اس لئے فرمایا: لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي اس میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شیطان کی وسوسہ اندازی کو ان لوگوں کیلئے فتنہ بنادے جن کے دلوں میں شک، شرک، کفر اور نفاق کا مرض ہے، مثلاً مشرکین، جب انہوں نے یہ بات سنی تو بہت خوش ہوئے اور انہوں نے یقین کر لیا کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے حالانکہ یہ الفاظ شیطان کی طرف سے تھے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ لِلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ سے مراد منافقین ہیں اور وَالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ سے مراد مشرکین، مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہود ہیں۔ فرمایا: وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۔ یعنی ظالم گمراہی، مخالفت اور ایسے عناد کا شکار ہیں جو حق وصواب سے بہت دور ہے۔ دوسری حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۔ یعنی وہ لوگ جنہیں ایسا علم نافع عطا کیا گیا ہے جس کے ساتھ وہ حق و باطل میں تمیز کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں، وہ اس حقیقت کو جان لیں کہ ہم نے آپ ﷺ کی طرف جو وحی کی ہے، وہی برحق ہے، اسے آپ کے رب نے اپنے علم سے نازل کیا اور کسی دوسرے کلام کی آمیزش سے اسے بالکل محفوظ بنا دیا۔ یہ ایسی کتاب عزیز ہے جس کی طرف باطل کسی جانب سے بھی راہ نہیں پا سکتا۔ یہ حکیم وحمید خدا کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ اس قول فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ کا معنی یہ ہے کہ وہ اس کی تصدیق کریں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ یعنی ان کے دل خشوع وخضوع سے اس کے سامنے جھک جائیں۔ پھر فرمایا: وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ ..... یعنی اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو دنیا وآخرت میں راہ راست دکھانے والا ہے۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ حق اور اس کی اتباع کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے اور باطل کی مخالفت اور اس سے اجتناب کی توفیق بخشتا ہے اور آخرت میں وہ انہیں ایسی راہ پر چلائے گا جو سیدھی انہیں جنت میں لے جائے گی اور وہ انہیں جہنم کے دردناک عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾

''اور ہمیشہ شک میں مبتلا رہیں گے کفار اس کے بارے میں یہاں تک کہ آجائے ان پر قیامت اچانک یا آجائے ان پر عذاب منحوس دن کا۔ حکمرانی اس روز اللہ تعالیٰ کی ہی ہوگی۔ وہی فیصلہ فرمائے گا لوگوں کے درمیان۔ پس جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے تو وہ نعمت (واحسان) کے باغوں میں (قیام پذیر) ہوں گے۔ اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو یہ وہ بدنصیب ہیں جن کے لئے رسوا کن عذاب ہوگا''۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 293
2۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 109

اللہ تعالیٰ کفار کے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ وہ قرآن کریم کے متعلق ہمیشہ شک میں مبتلا رہیں گے ابن جریج نے ''منہ'' کی ضمیر کا مرجع قرآن کریم کو بنا کر یہ مفہوم بیان کیا ہے(1)۔ سعید بن جبیر اور ابن زید نے اس ضمیر کا مرجع شیطان کی القاء کی ہوئی بات کو بنایا ہے یعنی وہ شیطان کی وسوسہ اندازی کے باعث ہمیشہ شک وشبہ کا شکار رہیں گے یہاں تک کہ اچانک ان پر قیامت آ جائے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ جب لوگ برائیوں میں مدہوش ہو جاتے ہیں، مہلت کی گھڑیوں اور نعمتوں سے دھوکہ کھا جاتے ہیں تو اس وقت اچانک اللہ تعالیٰ انہیں پکڑ لیتا ہے اس لئے دھوکہ کا شکار نہ ہونا کیونکہ دھوکے میں رہنے والے فاسق لوگ ہوتے ہیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یوم عقیم (منحوس دن) سے مراد بدر کا دن ہے۔ عکرمہ، مجاہد، ضحاک اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے جس کے بعد رات نہیں۔ یہی قول صحیح ہے۔ اگرچہ بدر کا دن بھی ان کے کیلئے عذاب تھا لیکن یہاں مراد روز قیامت ہے، اس لئے فرمایا: اَلْمُلْكُ یَوْمَىِٕذٍ۔ جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ (الفاتحہ:3)۔ اَلْمُلْكُ یَوْمَىِٕذِ ﹰالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَ كَانَ یَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِیْنَ عَسِیْرًا (الفرقان:26) ''اس دن سچی بادشاہی رحمٰن کی ہوگی اور وہ دن کافروں کے لیے بڑا مشکل ہوگا''۔ اس کے بعد فرمایا: فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ یعنی وہ لوگ جو صدق دل سے ایمان لائے، اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کی، اپنے علم کے مطابق عمل کرتے رہے اور ان کے دلوں میں اقوال وافعال کی مکمل ہم آہنگی رہی، ان کیلئے جنت کی دائمی نعمتیں ہوں گی جو نہ فنا ہوں گی، نہ کم ہوں گی اور نہ بگڑیں گی۔ ان کے برعکس وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، حق کی تکذیب کی، رسولوں کی مخالفت کی اور ان کے اتباع سے تکبر کرتے رہے انہیں تکبر اور انکار حق کی پاداش میں رسوا کن عذاب دیا جائے گا جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ (المومن: 60) ''وہ لوگ جو میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے''۔

وَ الَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْۤا اَوْ مَاتُوْا لَیَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۵۸﴾ لَیُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا یَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَلِیْمٌ حَلِیْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَ مَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِیَ عَلَیْهِ لَیَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾

''اور جن لوگوں نے ہجرت کی راہ خدا میں پھر وہ (جہاد میں) قتل کر دیے گئے یا طبعی طور پر فوت ہوئے تو ضرور عطا فرمائے گا انہیں اللہ تعالیٰ بہترین رزق۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ وہ ضرور داخل کرے گا انہیں ایسی جگہ جسے وہ پسند کریں گے اور یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا بردبار ہے۔ ان باتوں کو یاد رکھو! اور جس نے بدلا لیا اس قدر جتنی تکلیف اسے دی گئی تھی پھر (مزید) زیادتی کی گئی اس پر تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد فرمائے گا بے شک اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے''۔

جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہجرت کی اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر دین کی سربلندی کیلئے اپنے خویش واقارب، اہل وعیال اور مال ودولت کو خیر باد کہا، پھر وہ میدان جہاد میں شہید ہو گئے یا بغیر جنگ کے طبعی طور پر فوت ہو گئے ان کیلئے اجر عظیم اور ثناء جمیل ہے جیسا کہ فرمایا: وَ مَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (النساء:100) ''اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کر کے نکلے پھر اسے موت آ جائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ثابت ہو گیا''۔ ان

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 192

نفوس قدسیہ کے اجر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ یعنی اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل و کرم سے نوازے گا اور جنت میں ایسا رزق عطا فرمائے گا جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل و کرم سے سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے، مزید برآں اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں ایسی جگہ مرحمت فرمائے گا جس سے وہ خوش ہو جائیں گے جیسا کہ فرمایا: فَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۙ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ ۙ۬ وَّ جَنَّتُ نَعِيْمٍ (الواقعہ: 89-88) ”پس اگر وہ اللہ کے مقرب بندوں سے ہوگا تو اس کیلئے راحت، خوشبو دار غذائیں اور سرور والی جنت ہوگی“۔ یعنی انہیں راحت، رزق اور نعمتوں بھری جنت حاصل ہوگی جیسا کہ یہاں فرمایا: لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ آیت کے آخر میں فرمایا: وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ یعنی اللہ تعالیٰ ہجرت کرنے والوں، جہاد کرنیوالوں اور ان انعامات کا استحقاق رکھنے والوں سے اچھی طرح آگاہ ہے اور وہ بہت بردبار اور حلیم ہے، وہ اپنے ان بندوں کی ہجرت اور توکل کے سبب ان کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں خواہ وہ مہاجر ہوں یا غیر مہاجر وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (آل عمران: 169) ”اور اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے والوں کو ہرگز مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں (اور) رزق دیے جاتے ہیں“۔ اس بارے میں بہت سی احادیث گذر چکی ہیں۔ جو آدمی راہ خدا میں فوت ہو جائے خواہ وہ مہاجر ہو یا غیر مہاجر، اس پر اللہ تعالیٰ احسان فرماتا ہے اور اسے اپنی جناب سے رزق عطا کرتا ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ اور بہت سی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ حضرت شرحبیل بن سمط فرماتے ہیں کہ سرزمین روم میں ایک قلعہ کا محاصرہ طول پکڑ گیا۔ اسی اثناء میں حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ کا میرے پاس سے گذر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”جو شخص جہاد کی تیاری میں فوت ہو جائے، اللہ تعالیٰ اسے اس کا اجر عطا فرماتا ہے، رزق سے نوازتا ہے اور فتنہ میں ڈالنے والوں سے محفوظ رکھتا ہے، اگر چاہو تو یہ فرمان پڑھ لو: وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا ... لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ(1)۔ حضرت ابوقبیل رحمۃ اللہ علیہ اور ربیعہ بن سیف معافری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم رودس میں مصروف جہاد تھے ہمارے ساتھ صحابی رسول ﷺ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ دو جنازے ہمارے پاس سے گزرے جن میں سے ایک شہید تھا اور دوسرا اپنی طبعی موت مرا تھا۔ لوگ شہید کے جنازے پر جھک پڑے۔ حضرت فضالہ فرمانے لگے کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ لوگ ایک پر جھکے پڑے ہیں اور دوسرے کی طرف بالکل توجہ نہیں دے رہے۔ لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ یہ شہید ہے اور دوسرا اس سعادت سے محروم ہے۔ آپ فرمانے لگے کہ مجھے تو کوئی پرواہ نہیں خواہ اس کی قبر سے اٹھوں خواہ اس کی قبر سے۔ سنو، اللہ تعالیٰ نے یہ فرمارہا ہے: وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا ... ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ دو جنازوں میں شریک ہوئے، ایک شہید تھا اور دوسرا طبعی طور پر فوت ہوا تھا۔ آپ طبعی موت مرنے والے کی قبر پر بیٹھ گئے۔ آپ سے کہا گیا کہ آپ شہید کی قبر کے پاس کیوں نہیں بیٹھے؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں ان میں سے کس کی قبر سے اٹھتا ہوں پھر آپ نے مذکورہ دو آیات تلاوت کیں اور فرمانے لگے: اے بندے! جب تمہیں جنت مل گئی اور عمدہ رزق مرحمت کر دیا گیا تو تمہیں اور کیا چاہیے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ رودس میں ایک دستہ کے امیر تھے۔ پھر فرمایا: ذٰلِكَ ۚ وَ مَنْ عَاقَبَ مقاتل بن حیان اور ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ آیت صحابہ کے ایک چھوٹے سے لشکر کے متعلق اتری جن کا ماہ محرم میں مشرکین کی ایک جماعت سے آمنا سامنا ہوا۔ مسلمانوں نے ان سے ماہ حرام میں لڑائی سے اجتناب کرنے کو کہا لیکن وہ لڑائی پر مصر

1۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1520، سنن نسائی، کتاب الجہاد، جلد 6 صفحہ 39

رہے اور مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئے چنانچہ مسلمانوں نے جوابی حملہ کر کے انہیں شکست فاش دی اور اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے طفیل غالب آ گئے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٦١﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٦٢﴾

''اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی داخل کرتا ہے رات (کے کچھ حصہ) کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن (کے کچھ حصہ) کو رات میں اور اللہ تعالیٰ سب باتیں سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ نیز اس کی یہ وجہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو خدائے برحق ہے اور جسے وہ پوجتے ہیں اس کے علاوہ وہ سراسر باطل ہے اور اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب سے بلند (اور) سب سے بڑا ہے''۔

اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق اور وہی اپنی مشیت کے مطابق مخلوق میں تصرف کرنے والا ہے جیسا کہ فرمایا: قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۫ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۫ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (آل عمران:27-28) ایلاج کا معنی ہے داخل کرنا۔ پس گرمیوں میں دن بڑے اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں اور سردیوں میں راتیں لمبی اور دن چھوٹے ہوتے ہیں۔ فرمایا: وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی باتوں کو خوب سننے والا اور انہیں اچھی طرح دیکھنے والا ہے۔ بندوں کے احوال اور حرکات و سکنات میں سے کوئی چیز بھی اس پر پوشیدہ نہیں۔ جب یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز میں تصرف کرنے والا ہے اور وہی حاکم ہے جس کے حکم کو کوئی مسترد نہیں کر سکتا تو فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ یعنی اللہ تعالیٰ ہی خدائے برحق ہے اور صرف وہی عبادت کے لائق ہے کیونکہ وہ ایسی شان، عظمت اور قوت والا ہے کہ جو وہ چاہتا ہے، صرف وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا اور ہر چیز اس کی محتاج اور اس کے سامنے ہیچ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا جن بتوں وغیرہ کی پرستش کی جاتی ہے، وہ سب باطل ہیں اور کسی نفع و نقصان کی قدرت نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بلند اور سب سے بڑا ہے۔ ہر چیز اس کے ماتحت اور زیر تسلط ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب کیونکہ وہ ایسا عظیم ہے جس سے بڑھ کر کوئی عظمت والا نہیں، ایسا اعلیٰ وارفع ہے جس سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ نہیں اور وہ سب سے بڑا ہے، اس سے بڑا کوئی نہیں۔ وہ ظالموں اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی ہرزہ سرائیوں سے منزہ، مقدس اور بہت ہی بلند ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۫ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿٦٣﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿٦٤﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ يُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٥﴾ وَ هُوَ الَّذِيْۤ اَحْيَاكُمْ ۫ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿٦٦﴾

''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اتارا آسمان سے پانی تو ہو جاتی ہے (خشک) زمین سرسبز و شاداب۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہمیشہ لطف فرمانے والا ہر چیز سے باخبر ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب سے بے پروا اور ہر تعریف کا مستحق ہے۔ اور کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمانبردار بنا دیا ہے تمہارے لئے ہر چیز کو جو زمین میں ہے اور کشتی کو بھی کہ چلتی ہے سمندر میں اس کے حکم سے۔ اور اس نے روکا ہوا ہے آسمان کو گر نہ پڑے زمین پر بجز اس کے فرمان کے۔ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا، ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔ اور وہی ہے جس نے تمہیں زندگی دی پھر مارے گا تمہیں پھر زندہ کرے گا تمہیں بیشک انسان بڑا ناشکرا ہے''۔

یہاں بھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت عظیمہ کا تذکرہ فرما رہا ہے کہ اس کے حکم سے ہوائیں بادل لاتی ہیں جو خشک، مردہ اور غیر آباد زمین پر بارش برساتے ہیں تو وہاں سرسبز و شاداب کھیت لہلہانے لگتے ہیں اور ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آنے لگتا ہے۔ یہاں ''فتصبح'' کی فاء تعقیب کیلئے ہے اور ہر چیز کی تعقیب اس کے مخصوص انداز سے ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ (المومنون:14) صحیحین کی حدیث سے ثابت ہے کہ مذکورہ اشیاء میں سے ہر دو چیزوں کے درمیان چالیس دن کا فاصلہ ہوتا ہے۔ یہی معاملہ اس آیت میں ہے۔ بعض اہل حجاز سے منقول ہے کہ بعض زمینیں بارش کے فوراً بعد سرسبز و شاداب ہو جاتی ہیں۔ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ یعنی زمین کے گوشوں اور تہوں میں جو دانے ہیں اگرچہ وہ چھوٹے ہوں، انہیں بھی وہ اچھی طرح جانتا ہے اور ہر دانے تک پانی پہنچانے کا انتظام کرتا ہے جس سے وہ اگتا ہے جیسا کہ حضرت لقمان نے کہا: يٰبُنَيَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ (لقمان:16) ''پیارے فرزند! اگر رائی کے برابر وزنی چیز ہو یا پھر کسی چٹان میں یا آسمان یا زمین میں چھپی ہو تو اسے اللہ تعالیٰ لے آئے گا، بے شک اللہ تعالیٰ بہت باریک بین، ہر چیز سے باخبر ہے''۔ علاوہ ازیں اور مقامات پر فرمایا: اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (النمل:25) ''وہ اللہ تعالیٰ کو کیوں نہ سجدہ کریں جو آسمانوں اور زمین سے پوشیدہ چیزیں نکالتا ہے''، وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (الانعام:59) ''اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ اسے جانتا ہے اور نہیں کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر وہ روشن کتاب میں لکھی ہوئی ہے''، وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَاۤ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (یونس:61) ''اور نہیں چھپا ہوتا آپ کے رب سے ذرہ برابر بھی زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہیں کوئی چھوٹی چیز اس ذرہ سے اور نہ کوئی بڑی مگر یہ روشن کتاب (لوح محفوظ) میں ہے''۔ فرمایا: لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ یعنی تمام چیزیں اس کی ملکیت ہیں، وہ ہر چیز سے بے پروا ہے، ہر چیز اس کی محتاج اور غلام ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے حیوانات، جمادات، کھیتیاں اور پھل تمہارے لیے مسخر کر دیے ہیں جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ (الجاثیہ:13) یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور احسان ہے کہ اس نے ہر چیز انسان کیلئے فرمانبردار بنا دی، اسی طرح کشتیوں کو بھی انسان کا تابع فرمان بنا دیا جو سمندر کی تلاطم خیز موجوں کو چیرتی ہوئی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہواؤں کے ساتھ بڑی نرمی اور سکون کے ساتھ چلتی ہیں اور مسافروں کے علاوہ تجارتی سامان بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روک رکھا ہے۔ اگر وہ چاہے تو آسمان کو اجازت دے دے تو وہ زمین پر گر کر سب کو نیست و نابود کر دے

لیکن یہ اس کے لطف وکرم، اور رحمت وقدرت کا کرشمہ ہے کہ وہ آسمان کو گرنے سے روکے ہوئے ہے بجز اس کے اذن کے اس لئے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ یعنی لوگوں کے ظلم کے باوجود وہ ان پر بہت مہربان اور ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔ جیسا کہ ایک دوسرے آیت میں فرمایا: وَ اِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ مَغْفِرَۃٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِهِمْ ۚ وَ اِنَّ رَبَّکَ لَشَدِیْدُ الْعِقَابِ (الرعد:6) ''اور آپ کا رب لوگوں کو ان کے ظلم کے باوجود بخشنے والا ہے اور بے شک آپ کا رب سخت عذاب دینے والا بھی ہے''۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَهُوَ الَّذِیْٓ اَحْیَاكُمْ… اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَ کُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ۚ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ (البقرۃ:28) ''تم کیونکر اللہ کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر اس کی طرف تم پلٹائے جاؤ گے''۔ قُلِ اللّٰہُ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یَجْمَعُکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ لَا رَیْبَ فِیْهِ (الجاثیہ:26) ''فرمایئے اللہ نے تمہیں زندہ فرمایا ہے، پھر وہی تمہیں مارے گا پھر تمہیں روز قیامت جمع کرے گا جس میں ذرا شک نہیں''۔ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَ اَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ (المومن:11) ''وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندہ کیا''۔ کلام کا مطلب یہ ہے کہ تم کیونکر اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو اور اس کے ساتھ غیروں کی عبادت کیوں کرتے ہو حالانکہ پیدا کرنے والا، رزق دینے والا اور تصرف کرنے والا صرف وہی خدائے واحد ہے، اس نے تمہیں عدم محض سے وجود بخشا، پھر وہی تمہیں مارے گا اور پھر قیامت کے دن وہی تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ بلاشبہ انسان بہت ہی ناشکرا ہے۔

لِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا هُمْ نَاسِکُوْهُ فَلَا یُنَازِعُنَّکَ فِی الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰی رَبِّکَ ؕ اِنَّکَ لَعَلٰی هُدًی مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۶۷﴾ وَ اِنْ جٰدَلُوْکَ فَقُلِ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَللّٰہُ یَحْکُمُ بَیْنَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فِیْمَا کُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾

''ہر امت کے لئے ہم نے مقرر کر دیا ہے عبادت کا طریقہ جس کے مطابق وہ عبادت کرتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ وہ نہ جھگڑا کریں آپ سے اس معاملہ میں آپ بلاتے رہئے انہیں اپنے رب کی طرف (اے محبوب ﷺ!) آپ بے شک سیدھی راہ پر (گامزن) ہیں۔ اور اگر وہ (پھر بھی) آپ سے جھگڑا کریں، تو آپ (صرف اتنا) فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا تمہارے درمیان قیامت کے دن ان امور کے بارے میں جن میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو''۔

کلام عرب میں ''مَنسک'' اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں آنے جانے کا انسان عادی ہو خواہ خیر کیلئے یا شر کیلئے، اسی لیے احکام حج کو ''مَناسِک'' کہنے کی یہی وجہ ہے کہ لوگ بار بار جاتے ہیں اور ان کی بجا آوری کرتے ہیں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اس لِکُلِّ اُمَّۃٍ کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ہر نبی کی امت کیلئے نظام شریعت مقرر کیا ہے جس کے مطابق وہ عبادت کرتے ہیں[1] اگر یہی مراد ہو تو فَلَا یُنَازِعُنَّکَ فِی الْاَمْرِ کا مفہوم یہ ہوگا کہ یہ مشرکین آپ سے اس معاملہ میں تنازع نہ کریں۔ اور اگر یہاں لِکُلِّ اُمَّۃٍ میں نظام عبادت مقرر کرنا بطور قدرت کے ہو جیسا کہ اس ارشاد میں ہے: وَلِکُلٍّ وِّجْهَۃٌ هُوَ مُوَلِّیْهَا (البقرۃ:148) ''اور ہر قوم کیلئے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ منہ کرتی ہے''۔ اس لیے فرمایا: هُمْ نَاسِکُوْهُ تو اس صورت میں یہاں ضمیر کا مرجع یہی ہوں گے جن کیلئے نظام عبادات مقرر کیا گیا

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 198

یعنی یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے ارادہ سے ایسا کر رہے ہیں، اس لیے آپ ان کے جھگڑے کو خاطر میں نہ لائیں اور یہ چیز آپ کو حق سے نہ ہٹا دے، اس لئے فرمایا: وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۔ یعنی آپ اپنے رب کی طرف بلاتے رہیے یقیناً آپ ایسے واضح اور سیدھے رستے پر گامزن ہیں جو مقصود تک پہنچانے والا ہے ایسا ہی ایک اور فرمان ہے: وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ (القصص: 87)" اور وہ آپ کو ہرگز اللہ کی آیات سے نہ روکیں اس کے بعد کہ وہ آپ کی طرف اتاری گئیں اور اپنے رب کی طرف بلایئے"۔ فرمایا: وَاِنْ جٰدَلُوْكَ ۔ اس فرمان کی طرح یہ بھی ہے: وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (یونس: 41)" اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو فرمایئے میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل تم میرے اعمال سے بری الذمہ ہو اور میں تمہارے اعمال سے بری الذمہ ہوں)۔ اس ارشاد اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ میں شدید دھمکی اور سخت وعید ہے جیسا کہ فرمایا: هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ (الاحقاف: 8)" وہ خوب جانتا ہے جن باتوں میں تم مشغول ہو، وہ میرے اور تمہارے درمیان بطور گواہ کافی ہے"۔ اس لئے فرمایا: اَللّٰهُ يَحْكُمُ ۔ یہ اس فرمان کی طرح ہے: فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ (الشوریٰ: 15)" پس اس دین کی طرف آپ دعوت دیتے رہیے اور ثابت قدم رہیے جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور نہ اتباع کیجئے ان کی خواہشات کا اور فرمایئے میں ایمان لایا ہر اس کتاب پر جو اللہ نے نازل کی"۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝

"کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ یہ سب کچھ ایک کتاب میں (لکھا ہوا) ہے۔ بے شک (بلندی اور پستی کی ہر چیز کو جان لینا) اللہ تعالیٰ پر آسان ہے"۔

اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے متعلق مکمل علم رکھتا ہے اور وہ زمین و آسمان کی ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ زمین و آسمان میں ایک ذرہ بلکہ اس سے بھی چھوٹی بڑی چیز اس سے اوجھل نہیں ہو سکتی۔ کائنات کے وجود میں آنے سے پہلے اسے کائنات کا علم تھا اور اسے اس نے لوح محفوظ میں لکھ دیا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھیں، اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا" (1)۔ سنن میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے یہ حدیث مروی ہے: "سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا: لکھ۔ اس نے عرض کی کہ میں کیا لکھوں؟ فرمایا: لکھ جو کچھ ہونے والا ہے چنانچہ جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا، قلم نے اسے لکھ دیا" (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سو سال کی مسافت جیسی لوح محفوظ پیدا کی اور مخلوق کی تخلیق سے پہلے جب اللہ تعالیٰ عرش پر تھا، قلم کو لکھنے کا حکم دیا۔ قلم نے دریافت کیا کہ میں کیا لکھوں؟ فرمایا: قیامت تک مخلوق کے بارے میں جو میرا علم ہے۔ چنانچہ قلم چل پڑا اور اس نے قیامت تک رونما ہونے والے وہ تمام امور جو اللہ تعالیٰ کے علم میں تھے لکھ دیے۔ اسی چیز کا تذکرہ نبی کریم ﷺ سے اس آیت اَلَمْ تَعْلَمْ میں

1۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2044

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 225-226، عارضۃ الاحوذی، ابواب القدر، جلد 8 صفحہ 319-320 وغیرہ

کیا جا رہا ہے۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کا کمال علم ہے کہ اشیاء کے وجود سے پہلے ہی اسے ان کا علم ہے بلکہ اس نے لکھ بھی دیا ہے۔ بندوں نے جو افعال جس طریقے سے کرنے ہیں، اللہ تعالیٰ کو ان کے بارے میں مکمل آگاہی ہے۔ تحقیق سے پہلے ہی اسے معلوم ہے کہ یہ بندہ اپنے اختیار سے اطاعت کرے گا اور یہ اپنے اختیار سے نافرمانی کرے گا اور یہ سب کچھ اس نے کتاب میں لکھ دیا، اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کر لیا اور یہ اللہ تعالیٰ پر بہت آسان اور معمولی ہے۔

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ مَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۞ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ۞

"اور وہ پوجتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا ان کو نہیں اتاری جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کوئی سند اور انہیں خود بھی ان کے بارے میں کوئی علم نہیں۔ اور نہیں ہوگا ظلم وستم کرنے والوں کا کوئی مددگار۔ اور جب تلاوت کی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں صاف صاف، تو آپ پہچان لیتے ہیں کفار کے چہروں پر ناپسندیدگی کے آثار۔ یوں پتہ چلتا ہے کہ وہ عنقریب جھپٹ پڑیں گے ان لوگوں پر جو پڑھتے ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں۔ آپ فرمائیے (اے جبیں بہ جبیں ہونے والو!) کیا میں آگاہ کر دوں تمہیں اس سے بھی تکلیف دہ چیز پر دوزخ کی آگ! وعدہ کیا ہے اس آگ کا اللہ تعالیٰ نے کفار سے۔ اور دوزخ بہت برا ٹھکانا ہے"۔

مشرکین کی جہالت، کفر اور بغیر کسی سند اور حجت کے غیر اللہ کی عبادت کرنے کے متعلق آگاہ کیا جا رہا ہے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: وَ مَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ (المومنون: 117) "اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پوجتا ہے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے، بے شک کافر کامیاب نہیں ہوں گے"۔ اس لئے یہاں فرمایا: مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۔۔ یعنی یہ لوگ بغیر کسی عقلی اور نقلی دلیل کے محض اپنے گمراہ آباؤ اجداد کی تقلید میں اور شیطان کی انگیخت پر ایسا کر رہے ہیں اس لئے دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ یعنی ان ظالموں کا کوئی مددگار نہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا لے۔ پھر فرمایا: وَ اِذَا تُتْلٰى یعنی جب ان کے سامنے آیات کی تلاوت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت والوہیت اور اس کے رسولوں کی حقانیت وصداقت کے واضح دلائل پیش کیے جاتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ قرآنی دلائل پیش کرنے والوں پر جھپٹ پڑیں گے اور ان کے ساتھ دست درازی کرتے ہوئے بدکلامی سے پیش آئیں گے۔ چنانچہ حضور ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ ان سے یہ کہہ دیں: اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ ۔ یعنی آگ کا عبرتناک عذاب تمہارے اس ظلم وستم سے کہیں زیادہ تکلیف دہ اور عظیم ہے جس سے تم اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں کو خوفزدہ کر رہے ہو۔ بفرض محال اگر تم اپنے زعم اور ارادہ کے مطابق اللہ کے ان نیک بندوں کو تکلیف پہنچا بھی لو تو اس کرتوت پر آخرت میں تم جس عذاب کا شکار ہو گے وہ اس سے بہت بڑا ہے، تمہیں جہنم میں دھکیل دیا جائے گا جو بہت برا ٹھکانا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا

ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۷۴﴾

"اے لوگو! ایک مثال بیان کی جا رہی ہے پس غور سے سنو اسے! بے شک جن معبودوں کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یہ تو مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ وہ سب جمع ہو جائیں اس (معمولی سے) کام کے لئے اور اگر چھین لے ان سے مکھی بھی کوئی چیز تو وہ نہیں چھڑا سکتے اسے اس مکھی سے۔ (آہ!) کتنا بے بس ہے ایسا طالب اور کتنا بے بس ہے ایسا مطلوب۔ نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسے اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا طاقتور (اور) سب پر غالب ہے"۔

بتوں کی حقارت اور ان کے پجاریوں کی کم عقلی اور حماقت پر آگاہ کیا جا رہا ہے۔ فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ یعنی اے لوگو! یہ جاہل جن بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں ان کی مثال بیان کی جا رہی ہے، اسے غور سے سنو اور اچھی طرح سمجھ لو۔ یہ کفار و مشرکین اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کی پوجا کرتے ہیں، وہ اس قدر بے بس ہیں کہ مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ وہ سبھی مل کر اس کام کیلئے کوشش کریں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث قدسی میں ہے: "اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو میری طرح کوئی چیز تخلیق کرنا چاہتا ہے، اگر واقعی وہ ایسا کر سکتے ہیں تو میری تخلیق جیسا ایک ذرہ، ایک مکھی یا ایک دانہ بنا کر دکھائیں" (1)۔ صحیحین میں یہ الفاظ ہیں: اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو میری مخلوق جیسی کوئی چیز تخلیق کرنا چاہتا ہے، اگر واقعی انہیں قدرت حاصل ہے تو وہ ایک ذرہ یا ایک جو ہی بنا دیں" (2)۔ پھر فرمایا: وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ ان بتوں کی بے بسی اور عجز کا یہ عالم ہے کہ ایک مکھی پیدا کرنا تو درکنار، یہ تو مکھی کا مقابلہ کرنے سے بھی عاجز ہیں۔ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو یہ اس سے چھڑانے کی قدرت نہیں رکھتے حالانکہ مکھی نہایت ضعیف اور حقیر مخلوق ہے، اس لئے فرمایا: ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ طالب سے مراد بت اور مطلوب سے مراد مکھی ہے (3)۔ سدی وغیرہ کا کہنا ہے کہ طالب سے مراد ان بتوں کا پجاری اور مطلوب سے مراد بت ہے۔ پھر فرمایا: مَا قَدَرُوا اللّٰهَ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس طرح قدر نہیں پہچانی جس طرح اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا ورنہ وہ ان بے بس اور عاجز بتوں کی پوجا نہ کرتے جو مکھی کا مقابلہ کرنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے اپنی قدرت اور قوت کے ساتھ ہر چیز کو پیدا کیا، وہی پیدائش کا آغاز کرتا ہے اور پھر وہی دوبارہ زندہ کرے گا اور ایسا کرنا اس پر بالکل آسان ہے۔ اس کی پکڑ بہت شدید ہے، وہی تخلیق کی ابتدا کرنے والا اور وہی اعادہ کرنے والا ہے، وہی رزق دینے والا اور لامحدود قوت کا مالک ہے اور وہ عزیز اور غالب ہے۔ ہر چیز اس کے ماتحت اور زیر تسلط ہے، کوئی اس پر غلبہ نہیں پا سکتا۔ وہ واحد اور قہار ہے۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۷۵﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾

"اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے فرشتوں سے بعض پیغام پہنچانے والے اور انسانوں سے بھی بعض کو رسول۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 391 2۔ فتح الباری، کتاب اللباس، جلد 10 صفحہ 385، صحیح مسلم، کتاب اللباس، جلد 3 صفحہ 1671
3۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 203

لوٹائے جائیں گے سارے معاملات"۔

اللہ تعالیٰ بعض فرشتوں کو چن لیتا ہے جو اس کے احکام کا نفاذ کرتے ہیں اور اس کی مقرر کردہ شریعت کو اس کے رسولوں تک پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح وہ انسانوں میں سے پیغمبر منتخب فرماتا ہے جو اس کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اقوال کو سننے والا، انہیں دیکھنے والا اور یہ جاننے والا ہے کہ کون اس منصب کا مستحق ہے جیسا کہ فرمایا: اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الانعام:125) "اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے (اس دل کو) جہاں وہ اپنی رسالت کو رکھتا ہے"۔ پھر فرمایا: يَعْلَمُ مَا بَيْنَ.... یعنی وہ رسولوں کے متعلق جانتا ہے اور ان کے امور میں سے کوئی چیز اس پر مخفی نہیں جیسا کہ فرمایا: عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا - - وَ اَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا (الجن:28-26) پس اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کا نگہبان ہے، جو انہیں کہا جاتا ہے، اس کا گواہ ہے، ان کا محافظ اور حامی و ناصر ہے۔ فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ:67) "اے رسول! پہنچا دیجئے جو اتارا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام پہنچایا ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا"۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَ افْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۩ وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ۠

"اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور عبادت کرو اپنے پروردگار کی اور (ہمیشہ) مفید کام کیا کرو تا کہ تم (دین و دنیا میں) کامیاب ہو جاؤ۔ اور (سر توڑ) کوشش کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جس طرح کوشش کرنے کا حق ہے۔ اس نے چن لیا ہے تمہیں (حق کی پاسبانی اور اشاعت کے لئے) اور نہیں روا رکھی اس نے تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی۔ پیروی کرو اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے دین کی۔ اسی نے تمہارا نام مسلم (سر اطاعت خم کرنے والا) رکھا ہے اس سے پہلے اور اس قرآن میں بھی تمہارا یہی نام ہے تا کہ ہو جائے رسول (کریم) گواہ تم پر اور تم گواہ ہو جاؤ لوگوں پر۔ پس (اے دین حق کے علمبردارو!) صحیح صحیح ادا کیا کرو نماز اور دیا کرو زکوۃ اور مضبوط پکڑ لو اللہ تعالیٰ (کے دامن رحمت) کو، وہی تمہارا کارساز ہے، پس وہ بہترین کارساز ہے اور بہترین مدد فرمانے والا ہے"۔

سورۂ حج کے اس دوسرے سجدہ کے متعلق ائمہ کا اختلاف ہے کہ آیا یہ مشروع ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ پہلے ہم حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بیان کر چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "سورۂ حج کو دو سجدوں کے باعث فضیلت دی گئی ہے۔ جو یہ سجدے نہ کرے، وہ یہ پڑھے ہی نہیں" (1)۔ فرمایا: وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 58، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 155،151 وغیرہ

تُقٰتِہٖ (آل عمران:102) اس کے بعد فرمایا: هُوَ اجْتَبٰىكُمْ ۔ یعنی اے عظیم امت! اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمام امتوں سے منتخب کر کے فضیلت اور شرف سے نوازا ہے اور تمہیں یہ خصوصیت حاصل ہے کہ تمہیں سب سے افضل رسول اور سب سے کامل شریعت عطا کی گئی اور دین کے معاملہ میں تم پر کوئی تنگی روا نہیں رکھی۔ تمہیں کسی ایسی چیز کا مکلف نہیں بنایا جو تمہاری استطاعت سے باہر ہو اور نہ کوئی ایسا امر تم پر لازم کیا ہے جو تمہیں شاق گذرے بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے آسانی پیدا کر دی ہے اور ہر مشکل سے نکلنے کی کوئی راہ تجویز کر دی ہے۔ توحید و رسالت کی گواہی کے بعد اسلام کا سب سے بڑا رکن نماز ہے۔ انسان اگر مقیم ہو تو چار فرض پڑھے اور اگر مسافر ہو تو قصر کرے یعنی دو فرض ادا کرے، بعض ائمہ کے نزدیک صلوٰۃ خوف صرف ایک ہی رکعت ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور آدمی سوار ہو یا پیدل، قبلہ رو ہو یا نہ ہو، ہر صورت میں اس کی ادائیگی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح سفر میں نفلی نماز کا بھی یہی حکم ہے یعنی جس طرف رخ ہو اسے ادا کیا جا سکتا ہے پھر نماز میں قیام بیماری کے عذر کی بناء پر ساقط ہو جاتا ہے، مریض بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر، اسی طرح دیگر فرائض و واجبات میں بھی اللہ تعالیٰ نے آسانی اور تخفیف پیدا کر دی ہے اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مجھے آسان دین حنیف دے کر بھیجا گیا ہے'' (1)۔ جب آپ ﷺ نے حضرات معاذ اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما کو امیر بنا کر یمن بھیجا تو انہیں فرمایا: ''بشارت دینا، نفرت نہ دلانا، آسانی پیدا کرنا، مشکل میں نہ ڈالنا'' (2)۔ اس مفہوم کی متعدد احادیث ہیں۔ بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ''حرج'' کا معنی تنگی ہے (3)۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ ''ملة'' کا لفظ حرف جر کے حذف کی وجہ سے منصوب ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی، ''مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ بَلْ وَسَّعَهُ عَلَيْكُمْ كَمِلَّةِ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملہ میں تم پر کوئی سختی روا نہیں رکھی بلکہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت کی طرح اس میں وسعت پیدا کر دی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے پہلے ''اِلْزَمُوْا'' فعل مقدر مانا جائے جس کا ''ملة'' مفعول ہو (4)۔ یہی چیز اس آیت میں بھی ہے: قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا (الانعام:161) ''فرمائیے بے شک میرے رب نے مجھے سیدھی راہ تک پہنچا دیا ہے یعنی دین مستحکم (جو) ملت ابراہیم ہے جو باطل سے ہٹ کر صرف حق کی طرف مائل تھے''، فرمایا: هُوَ سَمّٰىكُمُ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ فاعل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں یعنی آپ علیہ السلام نے تمہارا یہ نام رکھا ہے۔ کیونکہ آپ علیہ السلام نے یہ دعا کی رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (البقرہ:128) ''اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرمانبردار بنا دے اور ہماری اولاد سے بھی اپنی ایک فرمانبردار جماعت پیدا کرنا''۔ لیکن ابن جریر نے اس توجیہہ کو پسند نہیں کیا کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم نے قرآن میں اس امت کا نام مسلم نہیں رکھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے بذات خود یہ نام دیا ہے اور آیت کریمہ میں ''مِنْ قَبْلُ'' سے مراد کتب سابقہ اور ''فِیْ هٰذَا'' سے مراد قرآن کریم ہے۔ مجاہد اس آیت هُوَ سَمّٰىكُمُ ... کا یہی معنی بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کتب سابقہ اور ذکر یعنی قرآن کریم میں تمہارا نام مسلم رکھا اور یہی درست ہے کیونکہ اس سے پہلے فرمایا: هُوَ اجْتَبٰىكُمْ ۔ پھر اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے اس دین کی طرف رغبت دلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ یہ ان کے باپ حضرت خلیل علیہ السلام کا دین ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس امت کو اپنا احسان یاد دلا رہا ہے کہ اس نے سابقہ آسمانی کتابوں میں اس امت کا ذکر خیر کیا ہے، فرمایا: هُوَ سَمّٰىكُمُ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: جو زمانہ

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 266 2۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، جلد 4 صفحہ 79، صحیح مسلم، کتاب الجہاد: 1359

3۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 206 4۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 207

جاہلیت جیسا دعویٰ کرے وہ جہنمی ہے۔ ایک آدمی نے عرض کی: یارسول اللہ! اگر چہ وہ روزے رکھے اور نمازیں پڑھے؟ فرمایا: ہاں، اگر چہ وہ روزے رکھے اور نمازیں پڑھے، پس تم انہی ناموں سے پکارو جو نام اللہ تعالیٰ نے تمہارے رکھے ہیں یعنی مسلمین، مومنین اور عباد اللہ (1)۔ اس آیت یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ... (البقرۃ: 21) کی تفسیر کے تحت یہ حدیث بیان کی جا چکی ہے، اس لیے فرمایا: لِیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا ... یعنی ہم نے تمہیں بہترین، افضل، عمدہ اور عادل امت بنایا ہے اور تمام امتوں میں تمہاری عدالت کا چرچا کر دیا ہے تا کہ تم قیامت کے دن سب لوگوں پر گواہی دو۔ چونکہ اس دن تمام امتیں اس امت کی سیادت اور فضیلت کی معترف ہوں گی اس لئے ان پر قیامت کے دن اس امت کی یہ گواہی قابل قبول ہوگی کہ ہر پیغمبر نے حق تبلیغ ادا کر دیا اور رسول اللہ ﷺ اس امت پر گواہی دیں گے کہ آپ نے ان تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا ہے اور فریضہ رسالت ادا کر دیا ہے۔ اس موضوع کے متعلق بحث اس فرمان: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ۔ (البقرۃ: 143) کے تحت گذر چکی ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ وہاں ہم نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی امت کا واقعہ بھی بیان کر دیا ہے، فرمایا: فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ ... یعنی اس نعمت عظمیٰ کا شکر ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کے حقوق وفرائض کی بجا آوری کرو، فرائض میں سے سب سے اہم نماز قائم کرنا اور زکوۃ دینا ہے۔ سال بھر میں صرف ایک مرتبہ مال میں سے کچھ حصہ بطور زکوۃ نکالنا ہوتا ہے جس سے کمزوروں اور محتاجوں کی کفالت ہوتی ہے اور اس سے مخلوق خدا کے ساتھ ہمدردی کا اظہار ہوتا ہے۔ سورۂ توبہ میں آیت زکوۃ کے تحت زکوۃ کے احکام بیان کیے جا چکے ہیں(2)۔ فرمایا: وَاعْتَصِمُوْا ... یعنی اللہ تعالیٰ کے دامن رحمت کو تھام لو، اسی سے مدد طلب کرو، اسی پر بھروسا کرو اور اسی کی تائید کے خواستگار رہو، وہی تمہارا کارساز، حامی و ناصر اور دشمنوں کے خلاف تمہیں کامیابی سے نوازنے والا ہے۔ وہ بہت ہی اچھا کارساز اور بہت ہی مددگار ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت وہیب بن ورد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اے ابن آدم! جب تجھے غصہ آئے تو مجھے یاد کر، جب مجھے غصہ آئے گا تو میں تمہیں یاد کروں گا اور تمہیں برباد ہونے والوں کے ساتھ برباد نہیں کروں گا اور جب تجھ پر ظلم کیا جائے تو صبر کر اور میری مدد پر راضی رہ کیونکہ میں جو تمہاری مدد کروں گا وہ اس مدد سے بہتر ہے جو تو اپنی لئے کرے گا''۔

1۔ نسائی

2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ توبہ: 60

سورۂ مومنون (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴿۲﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۷﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۸﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾

"بے شک دونوں جہان میں بامراد ہو گئے ایمان والے۔ وہ ایمان والے جو اپنی نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں۔ اور وہ جو ہر بیہودہ امر سے منہ پھیرے ہوتے ہیں۔ اور وہ جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ بجز اپنی بیویوں کے اوران کنیزوں کے جوان کے ہاتھوں ملکیت ہیں تو بے شک انہیں ملامت نہ کی جائے گی۔ اور جس نے خواہش کی ان دو کے ماسوا تو یہی لوگ حد سے بہت زیادہ تجاوز کرنے والے ہیں۔ نیز وہ (مومن بامراد ہیں) جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کی پاسداری کرنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی نمازوں کی پوری حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ وارث ہیں جو وارث بنیں گے فردوس (بریں) کے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر وحی اترتی تو آپ کے رخ انور کے قریب شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ سی سنائی دیتی، ایک مرتبہ یہی کیفیت طاری تھی، تھوڑی دیر کے بعد جب وحی کا اختتام ہوا تو آپ نے قبلہ رو ہو کر اور اپنے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی: "اے اللہ! ہمیں مزید عطا فرما اور کمی نہ کر، ہمیں اعزاز و اکرام بخش اور اہانت نہ کر، ہمیں عطا فرما اور محروم نہ رکھ، ہمیں ترجیح دے اور ہم پر کسی کو ترجیح نہ دے، ہم سے خوش ہو جا اور ہمیں خوش کر دے"۔ "مجھ پر دس آیات اتری ہیں، جو ان پر عمل پیرا ہو گیا وہ جنتی ہے"۔ پھر آپ ﷺ نے مندرجہ بالا دس آیات کی تلاوت کی(1)۔ امام ترمذی نے اسے منکر کہا ہے کیونکہ اس کا راوی صرف یونس بن سلیم ہے جو غیر معروف ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کا خلق قرآن ہی تو تھا، پھر آپ رضی اللہ عنہا نے اس سورت کی ابتدائی نو آیات کی تلاوت کی اور فرمایا کہ یہی آپ ﷺ کے اخلاق تھے(2)۔ حضرات کعب الاحبار، مجاہد اور ابو العالیہ وغیرہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن پیدا کی اور اس میں

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 34، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ مومنون، جلد 12 صفحہ 33-34 وغیرہ
2۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 12 صفحہ 336

اپنے ہاتھ سے درخت وغیرہ لگائے تو اس کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ گفتگو کر۔ جنت نے ان آیات قَدْ اَفْلَحَ کی تلاوت کی۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی تخلیق اس طرح کہ اس کی ایک اینٹ سونے کی ہے اور دوسری چاندی کی اور اس میں درخت وغیرہ لگا کر اسے فرمایا کہ کلام کر تو اس نے مذکورہ بالا آیات کی تلاوت کی۔ جب فرشتے اس میں داخل ہوئے تو کہنے لگے: واہ واہ! یہ تو بادشاہوں کا مقام ہے(1)۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا، اس کی ایک اینٹ سونے کی ہے اور دوسری چاندی کی اور اس کا گارا مشک کا''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کی تخلیق کی تو اس میں وہ چیزیں پیدا کیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا''۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے گفتگو کرنے کیلئے فرمایا تو اس نے مذکورہ آیات کی تلاوت کی(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی حدیث میں آتا ہے: ''جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اس میں جھکے ہوئے پھلوں والے درخت لگا دیے اور اس میں نہریں جاری کر دیں تو اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: کلام کر۔ چنانچہ اس نے یہ کہا: قَدْ اَفْلَحَ... پھر فرمایا: میری عزت اور جلال کی قسم! تجھ میں بخیل ہرگز داخل نہیں ہو سکتا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے جنت عدن کو پیدا کیا، اس کی ایک اینٹ سفید موتی کی، دوسری سرخ یاقوت کی، تیسری سبز زبرجد کی، اس کا گارا مشک ہے، کنکریاں موتی اور گھاس زعفران ہے پھر اسے فرمایا کہ کلام کر تو اس نے یہ تلاوت کی: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! کوئی بخیل تجھ میں میرا قرب نہیں پا سکے گا''۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی: وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الحشر:9) فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ یعنی ان مذکورہ صفات سے متصف اہل ایمان سعادتمند اور بامراد ہو گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ''خٰشِعُوْنَ'' کا معنی بتاتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اور سکون کے ساتھ رہنے والے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خشوع سے مراد دل کی عاجزی، فروتنی اور جھکاؤ ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں خشوع وخضوع ہوتا جس کے باعث وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھتے اور بازو جھکا لیتے۔ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ اصحاب رسول ﷺ نماز میں اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتے تھے، جب یہ آیت کریمہ اتری تو انہوں نے اپنی نگاہیں پست کر کے سجدہ کی جگہ پر مرکوز کر لیں۔ صحابہ کہا کرتے تھے کہ نظر نماز کی جگہ سے ادھر ادھر نہیں جانی چاہیے۔ اگر کوئی اس قسم کی چیز کا عادی ہو تو وہ اپنی نگاہیں جھکا لے(3)۔ ایک مرسل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بھی اس آیت کے نزول تک ایسا کیا کرتے تھے(3)، نماز میں خشوع اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جس کا دل نماز کیلئے فارغ ہو، نماز میں مشغول ہونے کے باعث باقی ہر چیز کا خیال ترک کر دے اور نماز کو باقی امور پر ترجیح دے، اس وقت اسے راحت اور آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں حاصل ہوتی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مجھے خوشبو اور عورتیں محبوب بنادی گئیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی''(4)۔ حضرت محمد بن حنفیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے نماز کے وقت اپنی لونڈی سے کہا کہ وضو کے لئے پانی لاؤ تاکہ میں نماز پڑھ کر راحت حاصل کروں۔ جب انہوں نے

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب صفة الجنة، جلد 4 صفحہ 189-190
2۔ معجم کبیر، جلد 11 صفحہ 184
3۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 2، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 83-84
4۔ سنن نسائی، کتاب عشرة النساء، جلد 7 صفحہ 61-62، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 128

ہمارے چہروں پر اس بات کی وجہ سے تعجب کے آثار دیکھے تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "اے بلال اٹھو اور نماز کے ساتھ ہمیں راحت پہنچاؤ" (1)۔ مومنین کی دوسری صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ یعنی وہ بشمول شرک اور دیگر گناہوں کے ہر باطل، بے ہودہ اور بے فائدہ قول و فعل سے اعراض برتتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (الفرقان:72) "اور جب کسی لغو چیز کے پاس سے گذرتے تو بڑے باوقار ہو کر گذر جاتے ہیں"۔ قتادہ کہتے ہیں کہ وہ توفیق خداوندی کے سبب لغویات سے احتراز کرتے ہیں (2)۔ اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ اس آیت کریمہ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ میں زکوۃ اموال کی ادائیگی کا بیان ہے باوجودیکہ یہ آیت مکی ہے اور زکوۃ مدینہ شریف میں ہجرت کے دوسرے سال فرض ہوئی۔ اصل بات یہ ہے کہ زکوۃ مکہ میں ہی واجب ہو چکی تھی لیکن اس کی مقدار، نصاب اور دیگر احکام مدینہ شریف میں مقرر ہوئے، جیسے سورۂ انعام میں جو کہ مکی ہے، فرمایا: وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ (الانعام:141) "اور ادا کرو اس کا حق جس دن یہ کٹے" آیت کریمہ میں لفظ زکوۃ سے مراد نفس کا شرک اور ہر قسم کی آلودگی سے پاک ہونا بھی لیا جا سکتا ہے جیسا کہ فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا (الشمس:10-9) "یقیناً فلاح پا گیا جس نے (اپنے) نفس کو پاک کر لیا اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اسے خاک میں دبا دیا"، وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ (حم السجدۃ:7-6) "اور مشرکوں کیلئے ہلاکت ہے جو زکوۃ ادا نہیں کرتے"۔ ان دونوں آیات کی دونوں تفسیریں منقول ہیں یعنی زکوۃ مال اور پاکیزگی نفس۔ یہ بھی ممکن ہے کہ لفظ زکوۃ سے مراد زکوۃ نفس اور زکوۃ مال بیک وقت دونوں مراد ہوں کیونکہ یہ دونوں چیزیں نفس کی طہارت اور پاکیزگی کا باعث بنتی ہیں اور کامل مومن وہی ہے جو اپنے نفس کی پاکیزگی کا بھی خیال رکھے اور زکوۃ بھی ادا کرے۔ ان عقت مآب ہستیوں کا ذکر کرتے ہوئے مزید فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۔۔۔ الْعٰدُوْنَ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو حرام کاری سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، زنا اور لواطت جیسے ممنوعہ امور سے اجتناب کرتے ہیں اور سوائے اپنی منکوحہ بیویوں اور مملوکہ لونڈیوں کے کسی اور کے قریب تک نہیں جاتے۔ جو شخص صرف ان حلال ذرائع پر اکتفاء کرتا ہے تو اس پر نہ کوئی ملامت ہے اور نہ کوئی گناہ لیکن وہ لوگ جو ان دو طریقوں کے علاوہ کسی اور طریقہ سے اپنی خواہش پوری کرتے ہیں، وہی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں، حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنے غلام سے تعلق استوار کر لیا اور بطور دلیل یہی آیت پیش کی۔ چنانچہ اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا۔ وہاں موجود صحابہ کرام کہنے لگے کہ اس عورت نے آیت کا غلط مفہوم لیا ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس غلام کو مارا اور اس کا سر منڈوا دیا اور اس عورت سے فرمایا کہ اس کے بعد تو ہر مسلمان پر حرام ہے۔ یہ اثر غریب ہے، امام ابن جریر نے اسے سورۂ مائدہ کی تفسیر کے آغاز میں ذکر کیا ہے (3)۔ لیکن اس کے ذکر کرنے کی موزوں جگہ یہی ہے۔ اس عورت کو تمام مسلمانوں پر حرام کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس کے ساتھ اس کے ارادے کے برعکس معاملہ کیا جائے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے موافقین نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے مشت زنی کو حرام قرار دیا ہے کیونکہ یہ بھی ان دونوں مذکورہ حلال صورتوں سے خارج ہے اور ایسا کرنے والا اس فرمان فَمَنِ ابْتَغٰى ۔۔۔ کے موجب حد سے تجاوز کرنے والا ہے، اس کی ایک اور دلیل حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی وہ حدیث ہے جسے امام حسن بن عرفہ نے اپنے مشہور جزء میں وارد کیا ہے، اس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "سات قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ نظر رحمت فرمائے گا، نہ انہیں پاک کرے گا اور نہ ہی ظالموں کے ساتھ انہیں جمع کرے گا اور انہیں

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 371,364 2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 3۔ تفسیر طبری، جلد 6 صفحہ 106

سب سے پہلے جہنم میں جانے والوں کے ساتھ جہنم میں داخل کرے گا، سوائے ان کے جو توبہ کرلیں اور جو شخص توبہ کرلیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر نظر کرم فرماتا ہے: مشت زنی کرنے والا، اغلام بازی کرنے اور کروانے والا، شراب کا رسیا، اپنے والدین کو مارنے والا حتیٰ کہ وہ فریاد اور چیخ و پکار کرنے لگیں، اپنے پڑوسیوں کو اذیت دینے والا یہاں تک کہ وہ اس پر لعنت بھیجنے لگیں اور اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرنے والا"۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کا ایک راوی مجہول ہے۔ اہل ایمان کا ایک اور وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ یعنی جب انہیں امین بنایا جائے تو یہ امانت میں خیانت نہیں کرتے بلکہ اسے اس کے مالک کو لوٹا دیتے ہیں اور جب یہ کوئی معاہدہ یا عہد و پیمان کرتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں، منافقین کی طرح نہیں جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "منافق کی تین علامتیں ہیں: جب وہ گفتگو کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو وہ اس میں خیانت کرتا ہے" (1)۔ ان حضرات کی ایک اور صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ یعنی یہ لوگ نمازوں کی ان کے مقررہ اوقات پر پابندی کرتے ہیں جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نماز کو اپنے وقت پر ادا کرنا"۔ میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: "والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا"، میں نے پوچھا: پھر کون سا؟ فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا" (2)۔ مستدرک حاکم میں یہ الفاظ ہیں: "اول وقت میں نماز ادا کرنا" (3)۔ حضرت ابن مسعود اور مسروق فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اوقات نماز کی پابندی کا حکم ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اوقات کی پابندی کے علاوہ رکوع و سجود کی حفاظت کا بھی حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی صفات حمیدہ کا افتتاح اور اختتام نماز کے ذکر پر کیا ہے جو اس کی افضلیت کی واضح دلیل ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "استقامت اختیار کرو اور تم اسے کماحقہ ہرگز نہیں کرسکو گے، جان لو کہ تمہارے اعمال میں سے بہترین عمل نماز ہے اور وضو کی حفاظت صرف مومن ہی کرتا ہے" (4)۔ ان صفات حمیدہ اور افعال رشیدہ کی بجا آوری کے بیان کے بعد ان اہل ایمان کے اجر و ثواب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرو تو اس سے جنت الفردوس مانگو کیونکہ یہ سب سے اعلیٰ اور افضل جنت ہے، اس سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں اور اس پر رحمٰن کا عرش ہے" (5)۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے ہر ایک کی دو منزلیں ہیں، ایک منزل جنت میں اور ایک منزل جہنم میں۔ اگر کوئی مرنے کے بعد جہنم میں گیا تو اس کی منزل کے وارث جنتی ہوں گے" اور یہی مطلب اس فرمان اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ کا ہے (6)۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ہر بندے کی دو منزلیں ہیں: ایک جنت میں اور دوسری جہنم میں۔ مومن جنت والا اپنا گھر تعمیر کرتا ہے اور دوزخ والا گھر منہدم کردیتا ہے لیکن کافر اپنے جنتی گھر کو مسمار کردیتا ہے اور جہنمی گھر کی تعمیر کرتا رہتا ہے۔ پس مومن کافروں کی منزلوں کے وارث ہوں گے کیونکہ سب کا مقصد تخلیق یہ تھا کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں۔ اہل ایمان اس پر کاربند رہے جبکہ کافر اس سے اعراض کرتے رہے اس لئے ان کا حصہ بھی اہل ایمان لے گئے، اسی لیے انہیں وارث کہا گیا ہے۔ حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

1۔ فتح الباری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 89، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 78

2۔ صحیح بخاری، جلد 3 صفحہ 236، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 56　　3۔ مستدرک حاکم، کتاب الصلوۃ، جلد 1 صفحہ 181

4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 101　　5۔ صحیح بخاری، جلد 4 صفحہ 19　　6۔ سنن ابن ماجہ، باب الزہد، جلد 2 صفحہ 1453

فرماتے ہیں: "قیامت کے دن کچھ مسلمان پہاڑوں جیسے گناہ لے کر آئیں گے، اللہ تعالیٰ ان کے گناہ بخش دے گا اور انہیں یہود و نصاریٰ پر ڈال دے گا" (1)۔ ایک اور روایت میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایک یہودی یا نصرانی دے گا اور فرمایا جائے گا کہ یہ جہنم سے تمہارا فدیہ ہے"۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے راوی حدیث حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو تین مرتبہ قسم دی تو انہوں نے قسم اٹھا کر کہا کہ یہ واقعی حدیث ہے (2)۔ یہ آیت ان آیات کی طرح ہے: تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا (مریم: 63) "یہ وہ جنت ہے جس کا ہم اسے وارث بنائیں گے جو ہمارے بندوں سے متقی ہوگا"۔ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (الزخرف: 72) "اور یہی وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنائے گئے ہو ان اعمال کے باعث جو تم کیا کرتے تھے"۔ مجاہد اور سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ رومی زبان میں باغ کو فردوس کہتے ہیں۔ کسی سلف کا کہنا ہے کہ باغ کو فردوس اس وقت کہتے ہیں جب اس میں انگور ہوں (3)۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۚ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝ ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَٰلِكَ لَمَيِّتُونَ ۝ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ ۝

"اور بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے جوہر سے۔ پھر ہم نے رکھا اسے پانی کی بوند بنا کر ایک محفوظ مقام میں۔ پھر ہم نے بنا دیا نطفہ کو خون کا لوتھڑا پھر ہم نے بنا دیا اس لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی پھر ہم نے پیدا کر دیں اس بوٹی میں ہڈیاں، پھر ہم نے پہنا دیا ان ہڈیوں کو گوشت۔ پھر (روح پھونک کر) ہم نے اسے دوسری مخلوق بنا دیا۔ پس بڑا بابرکت ہے اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔ پھر یقیناً ان مرحلوں سے گزرنے کے بعد تم مرنے والے ہو۔ پھر بلاشبہ تمہیں روز قیامت (قبروں سے) اٹھایا جائے گا"۔

انسانی تخلیق کی ابتدا کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ آدم علیہ السلام کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا گیا۔ یہ مٹی کیچڑ تھی اور بجنے والی تھی اس کے بعد مادہ منویہ اولاد آدم کی اصل ٹھہرا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ کا معنی بتاتے ہیں صاف پانی اور قتادہ اس سے مراد منی آدم لیتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی، اس لئے انہیں طین (مٹی) کہا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام مشت خاک سے پیدا کیے گئے۔ یہی معنوی لحاظ سے موزوں اور ظاہر کے زیادہ قریب ہے جیسا کہ فرمایا: وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ (الروم: 20) "اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر تم اچانک بشر بن کر (زمین میں) پھیل رہے ہو"۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک مٹھی خاک سے پیدا کیا جو تمام زمین سے لی تھی اس لئے اولاد آدم اس اعتبار سے مختلف ہے۔ کوئی ان میں سے سرخ ہے، کوئی سفید، کوئی سیاہ، کوئی اور رنگ کا، کوئی بد، کوئی نیک اور کوئی ان کے بین بین" (4)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً میں ضمیر مفعول کا مرجع جنس

1۔ صحیح مسلم، کتاب التوبہ، جلد 4 صفحہ 2120 2۔ صحیح مسلم، کتاب التوبہ، جلد 4 صفحہ 2119 3۔ المعرب للجوالیقی، 288-289

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنہ، جلد 4 صفحہ 222، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 400-406، وغیرہ

انسان ہے جیسا کہ ایک اور آیت میں فرمایا: وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ (السجدة: 8-7) ''اور انسان کی تخلیق کا آغاز گارے سے کیا پھر اس کی نسل کو ایک جوہر یعنی حقیر پانی سے پیدا کیا''۔ ''مھین'' کا معنی ہے ضعیف وحقیر جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ۝ فَجَعَلْنٰهُ فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ۝ اِلٰی قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ (المرسلات: 23-20) ''کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا، پھر ہم نے اسے ایک محفوظ جگہ (رحم مادر) میں ایک معین مدت تک رکھ دیا پھر ہم نے ایک اندازہ ٹھہرایا پس ہم کتنے بہتر اندازہ ٹھہرانے والے ہیں''۔ یعنی ایک معین عرصہ تک رحم مادر اس کا ٹھکانا ہے جہاں یہ ایک حالت سے دوسری حالت اور ایک شکل سے دوسری شکل میں منتقل ہوتا رہتا ہے اس لئے یہاں فرمایا: ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً ''یعنی ہم نے نطفہ کو جو مرد کی پیٹھ سے اور عورت کے سینے کی ہڈیوں سے نکلتا ہے، خون کے لوتھڑے کی شکل دے دی، پھر اگلے مرحلہ میں اس جمے ہوئے سرخ خون کو گوشت کا ایک ٹکڑا بنا دیا جس کی نہ کوئی شکل ہوتی ہے اور نہ اس میں خدوخال واضح ہوتے ہیں، پھر اس میں ہڈیاں بنا دیں، سر، ہاتھ اور پاؤں کو ہڈیوں، پٹھوں اور رگوں سمیت تخلیق کیا گیا۔ بعض نے ''عظاما'' کی بجائے ''عظما'' پڑھا ہے، اس سے مراد بقول حضرت ابن عباس پیٹھ کی ہڈی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابن آدم کا تمام جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے سوائے ریڑھ کی ہڈی کے، اسی سے اسے پیدا کیا گیا اور اسی سے اسے ترکیب دیا جاتا ہے''(1)۔ اس کے بعد فرمایا: فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ یعنی ہڈیوں کو چھپانے اور انہیں قوی بنانے کیلئے انہیں گوشت پہنا دیا، پھر اس میں روح پھونک دی تو یہ حرکت کرتی ہوئی ایک اور مخلوق بن گیا اس میں سماعت، بصارت، ادراک، حرکت اور اضطراب کی صلاحیتیں ودیعت کر دی گئیں۔ پس اللہ تعالیٰ بہت بابرکت ہے جو سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نطفہ پر چار مہینے گذر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے جو تین اندھیروں میں اس میں روح پھونکتا ہے، یہی مطلب اس فرمان ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ کا ہے یعنی دوسری قسم کی تخلیق سے مراد روح کا پھونکا جانا ہے(2)۔ حضرت ابن عباس آیت کے اس حصہ کا یہ معنی بتاتے ہیں کہ ہم اسے ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس کی پیدائش کا مرحلہ آ جاتا ہے۔ پیدا ہوتا ہے تو بالکل چھوٹا ناسمجھ بچہ ہوتا ہے، پھر یہ پروان چڑھتے چڑھتے بالغ ہو جاتا ہے، پھر اپنے شباب کو پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد جوانی ڈھلنے لگتی ہے اور وہ پکی عمر کو پہنچ جاتا ہے، پھر بڑھاپا آ جاتا ہے اور آخر کار بالکل بوڑھا ضعیف ہو جاتا ہے۔ الغرض روح پھونکے جانے کے ساتھ ہی یہ تطورات اور تغیرات شروع ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صادق ومصدوق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک کی تخلیق چالیس دن تک اس کی ماں کے شکم میں جمع ہوتی رہتی ہے پھر چالیس دن تک وہ جمے ہوئے خون کی صورت میں رہتا ہے، پھر چالیس دن تک وہ گوشت کے ٹکڑے کی شکل اختیار کیے رہتا ہے پھر ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے اور اسے چار باتوں کے لکھنے کا حکم ہوتا ہے: اس کا رزق، اجل، عمل اور کیا وہ شقی ہوگا یا سعید۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! تم میں سے ایک شخص جنتیوں کے سے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن تقدیر کا لکھا ہوا اس پر غالب آ جاتا ہے اور دوزخیوں کے اعمال کرتے ہوئے اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور وہ جہنم میں چلا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک شخص دوزخیوں کے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کی دوری رہ جاتی ہے تو نوشتہ تقدیر اس پر غالب آ جاتا ہے اور خاتمہ کے وقت وہ جنتیوں کے اعمال

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ نبا، جلد 6 صفحہ 205۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، جلد 4 صفحہ 2270-2271

2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 93

کر کے جنتی بن جاتا ہے"(1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نطفہ رحم میں ٹپکتا ہے تو وہ ہر ہر بال اور ناخن تک پہنچتا ہے پھر چالیس دن کے بعد وہ جمے ہوئے خون کی شکل اختیار کر لیتا ہے(2)۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم سے باتیں کر رہے تھے کہ وہاں ایک یہودی آ گیا۔ قریش کہنے لگے: اے یہودی! یہ شخص نبوت کا دعویدار ہے تو وہ کہنے لگا کہ میں اس سے ایک سوال کرتا ہوں جس کا علم سوائے نبی کے اور کسی کو نہیں۔ چنانچہ وہ حضور ﷺ کے پاس چلا آیا اور آپ سے پوچھنے لگا کہ انسان کی پیدائش کس چیز سے ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے یہودی! انسان کی پیدائش مرد اور عورت دونوں کے نطفے سے ہوتی ہے۔ مرد کا نطفہ غلیظ اور گاڑھا ہوتا ہے، اس سے ہڈیاں اور پٹھے بنتے ہیں جبکہ عورت کا نطفہ رقیق اور پتلا ہوتا ہے اس سے گوشت اور خون بنتا ہے"۔ یہ سن کر یہودی کہنے لگا کہ پہلے انبیاء بھی اسی طرح بتایا کرتے تھے(3)۔ حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نطفہ کو رحم میں قرار پکڑے ہوئے جب چالیس دن گذر جاتے ہیں تو ایک فرشتہ آتا ہے اور دریافت کرتا ہے: اے پروردگار! یہ کیا ہے؟ بدبخت یا نیک بخت، مذکر یا مونث؟ جو جواب ملتا ہے، اسے وہ لکھ لیتا ہے، اس کا عمل، عمر، مصیبت اور رزق سب کچھ لکھ کر اس کا دفتر لپیٹ دیا جاتا ہے، پھر اس میں کمی بیشی کی گنجائش نہیں رہتی"(4)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہے جو عرض کرتا ہے: اے پروردگار! یہ اب نطفہ ہے، اے خدا! یہ اب لوتھڑا ہے، یارب! اب گوشت کا ٹکڑا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اسے پیدا کرنا چاہتا ہے تو فرشتہ عرض کرتا ہے: اے پروردگار مرد ہے یا عورت؟ نیک بخت ہے یا بدبخت؟ رزق اور اجل کیا ہے؟ اس کا جو جواب ملتا ہے، وہ لکھ لیا جاتا ہے"(5)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ یعنی نطفہ کے مختلف مراحل اور تطورات سے گذرنے کے بعد انسان کامل بننے تک جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور لطف و کرم کارفرما ہے اس کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ بابرکت ہے اللہ تعالیٰ جو سب سے اچھا خالق ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چار باتوں میں میری اور میرے رب کی موافقت ہوئی۔ جب یہ آیت وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ اتری تو بے ساختہ میری زبان سے یہ الفاظ نکلے: فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ چنانچہ یہی الفاظ نازل ہو گئے(6)۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس آیت کی املاء کروائی۔ جب آپ "خلقاً آخر" تک لکھوا چکے تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بے ساختہ کہا: فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ ہنس دیئے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کیسے ہنسے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان الفاظ پر ہی آیت کا اختتام ہوا ہے۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی جابر بن زید جعفی بہت ہی ضعیف ہے اور اس کی یہ روایت بہت منکر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور حضرت زید بن ثابت مدینہ شریف میں کتابت وحی کے فرائض انجام دیتے تھے، اسی طرح حضرت معاذ بن جبل نے مدینہ شریف میں ہی اسلام قبول کیا تھا۔ پھر فرمایا: ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۔۔۔ یعنی عدم سے وجود میں آنے کے بعد تمہیں مرنا ہے، اس کے بعد قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ کر کے اٹھائے گا اور سب کا حساب ہو گا اور ہر ایک کو اس کے اچھے برے عمل کی پوری پوری جزا ملے گی۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 6 صفحہ 363۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2036، وغیرہ

2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 91

3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 465

4۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2037۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 6-7

5۔ صحیح بخاری، کتاب الحیض، جلد 1 صفحہ 87۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2038

6۔ مسند ابی داؤد طیالسی، 9-10، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 94

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

''اور بے شک ہم نے تمہارے اوپر سات راستے بنا دیے۔ اور ہم اپنی مخلوق (کی مصلحتوں) سے بے خبر نہ تھے''۔

انسان کی پیدائش کا ذکر کرنے کے بعد اب سات آسمانوں کی تخلیق کا بیان ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ عموماً انسانی تخلیق کے ساتھ زمین و آسمان کی تخلیق کا ذکر فرماتا ہے جیسا کہ فرمایا: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (المومن:57) ''بے شک آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا لوگوں کو پیدا کرنے سے بڑا کام ہے''۔ اسی طرح سورہ الم السجدہ کے شروع میں جسے رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن نماز فجر کی پہلی رکعت میں پڑھا کرتے تھے، پہلے زمین و آسمان کی تخلیق کا ذکر ہے، پھر انسانی پیدائش کا۔ اس کے بعد قیامت، جزا و سزا اور دیگر امور کا بیان ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ''سبع طرائق'' سے مراد سات آسمان ہیں۔ اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ (بنی اسرائیل:44) ''پاکی بیان کرتے ہیں اسی کی ساتوں آسمان اور زمین اور جو چیز ان میں موجود ہے''۔ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا (نوح:15) ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے سات آسمان تہ بہ تہ پیدا کئے''۔ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۭ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ڏ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا (الطلاق:12) ''اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور انہی کی مانند زمین کو بھی۔ ان کے درمیان حکم نازل ہوتا رہتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے''۔ اسی طرح یہاں فرمایا: وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اترتی ہے اور جو اس میں چڑھتی ہے اس سے بھی بخوبی واقف ہے، تم جہاں بھی ہو، وہ تمہارے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے، اس کے لئے ایک آسمان دوسرے آسمان سے اور ایک زمین دوسری زمین سے حجاب نہیں بن سکتی۔ وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور پر پیچ راہوں اور سمندروں کی تہوں سے خوب آگاہ ہے۔ پہاڑ، ٹیلے، سمندر، میدان، جنگل اور درخت ہر چیز اس کے علم میں ہے، فرمایا: وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (الانعام:59)۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ڰ وَاِنَّا عَلٰي ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَي الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

''اور ہم نے اتارا آسمان سے پانی اندازہ کے مطابق پھر ہم نے ٹھہرا لیا اسے زمین میں اور یقیناً ہم اسے بالکل ناپید کرنے پر پوری طرح قادر ہیں۔ پھر ہم نے اگائے تمہارے لئے اس پانی سے باغات کھجوروں اور انگوروں کے تمہارے لئے ان میں بہت سے پھل ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو۔ نیز پیدا کیا ایک درخت جو اگا تا ہے طور سینا میں وہ اگتا ہے تیل لئے ہوئے اور سالن لئے ہوئے کھانے والوں کے لئے۔ اور بے شک تمہارے لئے جانوروں میں بھی غور و فکر کا مقام ہے۔ ہم

پلاتے ہیں تمہیں اس (دودھ) سے جو ان کے شکموں میں ہے۔ اور تمہارے لئے ان میں طرح طرح کے بہت سے فائدے ہیں اور انہیں (کے گوشت) سے تم کھاتے ہو۔ اور ان پر اور کشتیوں پر تمہیں سوار کیا جاتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ بارش کے ساتھ وابستہ ان گنت اور لامحدود نعمتوں کا تذکرہ فرما رہا ہے۔ وہ ایک اندازے اور ضرورت کے مطابق بارش برساتا ہے، نہ اتنی زیادہ کہ زمین اور آبادی بربادی کا شکار ہو جائے اور نہ اتنی کم کہ کھیتوں اور پھلوں کے لئے ناکافی ہو بلکہ پینے، سیراب کرنے اور دیگر ضروریات کے لئے جس قدر پانی درکار ہے وہ بآسانی دستیاب ہو جاتا ہے یہاں تک کہ جس زمین کو زراعت کیلئے پانی کی ضرورت ہوتی ہے لیکن وہاں بارش نہیں برستی تو قدرت نے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ دوسرے علاقوں سے وہاں پانی پہنچ جاتا ہے جیسے مصر کی زمین جو کہ بنجر ہے، اس تک دریائے نیل کا پانی پہنچتا ہے اور وہ اپنے ساتھ حبشہ سے بارش کے موسم میں سرخ مٹی لاتا ہے جو مصر کی زمین کے ساتھ گھل مل کر اسے زرخیز اور قابل کاشت بنا دیتی ہے۔ اس پانی سے مصر کی زمین سیراب ہوتی ہے اور وہ سرخ مٹی یہاں ٹھہر جاتی ہے جو ریتلی اور شور یلی زمین کو زراعت کے قابل بنا دیتی ہے۔ سبحان اللہ، اس لطیف، خبیر، رحیم اور غفور ذات کی قدرت کی کیا کیا کرشمہ سازیاں ہیں: فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ - یعنی ہم بادلوں سے برسنے والے پانی کو زمین میں ٹھہرا دیتے ہیں اور زمین میں یہ صلاحیت ودیعت کر دیتے ہیں کہ وہ اس پانی کو اپنے اندر جذب کر کے اپنے شکم میں موجود دانوں اور گٹھلیوں کو فراہم کرتی رہے اور اگر ہم پانی کو ناپید کرنا چاہیں تو اس پر ہمیں پوری پوری قدرت حاصل ہے یعنی اگر ہم چاہیں تو بارش ہی نہ برسائیں، اگر ہم ارادہ کریں تو شوریلی سنگلاخ زمین، بیابانوں اور پہاڑوں پر بارش برسا دیں، اگر ہماری مرضی ہو تو ہم پانی کو کھاری اور نمکین بنا دیں جو نہ پینے کے کام آئے اور نہ سیراب کرنے کے، اگر ہماری خواہش ہو تو زمین کو پانی جذب کرنے کی صلاحیت سے محروم کر دیں اور پانی اس کی سطح پر ہی کھڑا رہے اور اگر ہماری مشیت ہو تو ہم پانی کو اتنا گہرا لے جائیں جس تک نہ تم پہنچ سکو اور نہ استفادہ کر سکو لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اور اس کی خصوصی رحمت ہے کہ وہ تم پر آسمان سے میٹھا، عمدہ اور خوشگوار پانی نازل کرتا ہے پھر اسے چشموں، ندی نالوں، نہروں اور دریاؤں جیسے آبی ذخائر کی شکل میں ٹھہرا دیتا ہے جو نہ صرف پینے، نہانے دھونے اور پاکیزگی حاصل کرنے کے کام آتا ہے بلکہ اس کے ذریعے کھیتوں اور پھلوں کو بھی سیراب کیا جاتا ہے اور جانوروں کو بھی پلایا جاتا ہے اس کے بعد فرمایا: فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ یعنی ہم نے آسمان سے برسنے والے پانی کے ذریعے کھجوروں اور انگوروں کے خوشنما باغات پیدا کئے۔ اہل حجاز کی پسندیدہ اور ان کے ہاں معروف چیزوں یعنی کھجور اور انگور کا ذکر کیا۔ اسی طرح ہر علاقے کے رہنے والوں کے لئے مختلف پھلوں کے ایسے انعامات ہیں جن کا شکر بجالانے سے وہ قاصر ہیں، پھر فرمایا: لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ یعنی ان میں تمہارے لئے ہر قسم کے پھل ہیں جیسے فرمایا: يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ (النحل: 11) ''وہ تمہارے لئے اس کے ذریعہ کھیت، زیتون، کھجور، انگور اور (ان کے علاوہ) ہر قسم کے پھل اگاتا ہے''۔ اس فرمان وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ کا عطف ایک محذوف کلام پر ہے یعنی تم ان پھلوں کے حسن کو بھی دیکھتے ہو اور ان سے کھاتے بھی ہو۔ پھر فرمایا: وَشَجَرَةً اس درخت سے مراد زیتون ہے اور طور سے مراد پہاڑ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جس پہاڑ پر درخت ہوں اسے طور کہتے ہیں اور جو بغیر درختوں کے ہو اسے جبل کہتے ہیں۔ طور سیناء اور طور سینین ایک ہی پہاڑ کے نام ہیں جہاں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اس پہاڑ کے اردگرد کے پہاڑوں میں زیتون کے درخت ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ میں باء زائدہ ہے جیسے اس قول میں: ''اَلْقٰى فُلَانٌ بِيَدِهٖ'' اگر باء زائدہ نہ ہو تو ''تنبت'' ''تخرج'' کے معنی کو متضمن ہوگا تقدیر کلام یوں ہوگی: ''تَخْرُجُ بِالدُّهْنِ

اَوْ تَاْتِیْ بِالدُّھْنِ ''یعنی وہ تیل نکالتا یالاتا ہے، اس لئے فرمایا: وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِیْنَ صبغ سے مراد سالن ہے۔ حضرت ابواسید مالک بن ربیعہ ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''زیتون کا تیل کھاؤ اور لگاؤ، یہ مبارک درخت سے نکلتا ہے'' (1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''زیتون کا تیل کھاؤ اور لگاؤ کیونکہ یہ مبارک درخت سے نکلتا ہے''۔ شریک بن نمیلہ بیان کرتے ہیں کہ میں عاشوراء کی رات حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرا۔ آپ نے مجھے اونٹ کی سری اور زیتون کھلایا اور فرمایا کہ یہ اس مبارک درخت کا تیل ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے کیا ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَ اِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ یہاں جانوروں اور ان کے ساتھ وابستہ منافع اور فوائد کا ذکر ہو رہا ہے، ان کا دودھ پیا جاتا ہے جو گوبر اور خون کے درمیان سے نکلتا ہے، ان کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان کے بالوں اور اون سے لباس تیار کیا جاتا ہے اور یہ جانور دور دراز علاقوں تک مسافروں اور سامان کو لے جانے کے کام آتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِیْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (النحل: 7) ''اور یہ تمہارے بوجھ ان شہروں تک اٹھا لے جاتے ہیں جہاں تم نہیں پہنچ سکتے مگر مشقت کے ساتھ۔ بے شک تمہارا رب بہت مہربان اور رحیم ہے''۔ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَاۤ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ۝ وَ ذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَ مِنْهَا یَاْكُلُوْنَ ۝ وَ لَهُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَ مَشَارِبُ ؕ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ (یٰسین: 73-71) ''کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے ان کے لئے اس مخلوق سے مویشی پیدا فرمائے جو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی، پھر یہ ان کے مالک ہیں اور ہم نے انہیں ان کا تابعدار بنادیا پس ان میں سے بعض پر وہ سواری کرتے ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں اور ان میں ان کے لئے اور بھی فوائد اور پینے کی چیزیں ہیں، کیا وہ شکر ادا نہیں کرتے''۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْكُمْ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْۤ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِیْنٍ ۝

''اور ہم نے بھیجا نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف تو آپ نے فرمایا اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے بغیر۔ کیا تم (بت پرستی کے انجام سے) نہیں ڈرتے۔ تو کہنے لگے وہ سردار جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا ان کی قوم سے کہ نہیں ہے یہ مگر بشر تمہارے جیسا۔ یہ چاہتا ہے کہ اپنی بزرگی جتلائے تم پر۔ اور اگر اللہ تعالیٰ (رسول بھیجنا) چاہتا تو وہ اتارتا فرشتوں کو۔ ہم نے نہیں سنی یہ بات (جو نوح کہتا ہے) اپنے پہلے آباؤ اجداد میں۔ نہیں ہے یہ مگر ایسا شخص جسے جنون کا مرض ہو گیا ہے سو انتظار کرو اس کے انجام کا کچھ عرصہ''۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تاکہ آپ شرک کرنے والوں، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والوں اور رسولوں کو جھٹلانے والوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں۔ آپ نے اپنی قوم سے فرمایا: یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ۔ یعنی اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور کیا تم شرک کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے؟ ان کے سرداروں اور اکابرین کہنے لگے: مَا

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 497

هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ ۔ یعنی یہ تو تمہاری طرح بشر ہی ہے جو نبوت کا دعویٰ کر کے تم پر اپنی عظمت اور بزرگی جتلانا چاہتا ہے، بھلا اس بشر میں کون سی خصوصیت ہے کہ تمہیں چھوڑ کر اسے نبی بنا دیا گیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو کسی فرشتہ کو نبی بنا کر مبعوث کر دیتا اور وہ نبی بشر کی بجائے فرشتہ ہوتا۔ یہ تو بڑی انہونی بات ہے، ہم نے اپنے آباؤ اجداد میں کوئی ایسی بات نہیں سنی کہ بشر بھی نبی بن سکتا ہے۔ اس شخص کو تو جنون کا مرض لاحق ہو گیا ہے، اسی لئے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر فائز کیا ہے۔ بس کچھ مدت انتظار کرو، گردش زمانہ کی لپیٹ میں آ کر یہ خود ہی ختم ہو جائے گا۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ۝

"آپ نے عرض کی اے رب! (اب) تو ہی میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ تو ہم نے وحی بھیجی ان کی طرف کہ بناؤ ایک کشتی ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہمارے حکم کے مطابق پھر جب آ جائے ہمارا عذاب اور (پانی) ابل پڑے تنور سے۔ تو داخل کر لو اس میں ہر جوڑے میں سے دو دو اور اپنے گھر والوں کو بجز ان کے جن کے بارے میں پہلے فیصلہ ہو چکا ہے ان میں سے۔ اور گفتگو نہ کرنا میرے ساتھ ان کے متعلق جنہوں نے ظلم کیا۔ وہ تو ضرور غرق کیے جائیں گے۔ پھر جب اچھی طرح بیٹھ جائیں آپ اور آپ کے ساتھی کشتی کے عرشہ پر تو کہنا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے ہمیں نجات دی ظالم قوم (کے جور و ستم) سے اور یہ بھی عرض کرنا کہ اے میرے رب! اتار مجھے بابرکت منزل پر اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔ بے شک اس قصہ میں ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں اور ہم ضرور (اپنے بندوں کو) آزمانے والے ہیں"۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے خلاف نصرت الٰہی کی جو دعا مانگی تھی اس کا ذکر ہو رہا ہے جیسا کہ ایک اور آیت میں فرمایا: فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (القمر: 10) "آخر کار آپ نے اپنے رب سے دعا مانگی کہ میں عاجز ہوں پس تو بدلہ لے"۔ اور یہاں یہ دعا کی: رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ایک مضبوط کشتی بناؤ اور اس میں حیوانات، نباتات اور پھلوں وغیرہ سے جوڑا جوڑا رکھ لو۔ اسی طرح اپنے گھر والوں کو بھی اس میں سوار کر لو سوائے ان کے جن کی ہلاکت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس سے مراد آپ کا بیٹا اور بیوی ہے جو آپ کے اہل خانہ میں سے آپ پر ایمان نہیں لائے تھے۔ پھر آپ کو حکم ہوا: وَلَا تُخَاطِبْنِيْ یعنی جب بارش اور دوسرا پانی طوفان کی شکل اختیار کر لے تو اس وقت ایسا نہ ہو کہ قوم کے بارے میں تمہارا دل پسیج جائے اور تم شفقت اور مہربانی کے باعث ان کے لئے مہلت کا تقاضا کرنے لگو، اس امید پر کہ شاید وہ ایمان لے آئیں۔ بس میں نے یہ قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ انہیں کفر و طغیان کے سبب ضرور غرق کر دیا جائے گا۔ یہ واقعہ اپنی تفصیلات سمیت سورۂ ہود میں گزر چکا ہے(1) جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ اس کے بعد

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ہود: 25-48

فرمایا: فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ ... جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ ۝ لِتَسْتَوُوا عَلَىٰ ظُهُورِهِ ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ۝ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ (الزخرف:14-12) حضرت نوح علیہ السلام نے اس حکم کی تعمیل کی جیسا کہ فرمایا: وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرَاهَا وَمُرْسَاهَا (ہود:21)'' اور نوح علیہ السلام نے کہا کہ اس میں سوار ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ہی اس کا چلنا اور اس کا لنگر انداز ہونا ہے''۔ آپ علیہ السلام نے کشتی کے چلنے کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور ٹھہرتے وقت بھی، اور دعا کی: رَبِّ أَنْزِلْنِي　　اس کے بعد فرمایا: إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ　　یعنی مومنین کو نجات دینے اور کافروں کو ہلاک کرنے میں انبیاء کرام علیہ السلام کی صداقت، اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور علم محیط پر واضح دلائل ہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ اپنے رسولوں کو بھیج کر بندوں کو آزماتا ہے۔

ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ۝ فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ۝ وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَخَاسِرُونَ ۝ أَيَعِدُكُمْ أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا أَنَّكُمْ مُخْرَجُونَ ۝ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ ۝ إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ۝ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ۝ قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاءً ۚ فَبُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝

''پھر ہم نے پیدا فرمادی ان کے (غرق ہونے کے) بعد ایک دوسری جماعت۔ پھر ہم نے بھیجا ان میں ایک رسول ان میں سے (اس نے انہیں کہا) عبادت کرو اللہ کی۔ نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے سوا۔ کیا تم (شرک کے انجام سے) نہیں ڈرتے ہو۔ تو بولے ان کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر کیا تھا اور جنہوں نے جھٹلایا تھا قیامت کی حاضری کو اور ہم نے خوشحال بنادیا تھا انہیں دنیوی زندگی میں، (اے لوگو!) نہیں ہے یہ مگر ایک بشر تمہاری مانند۔ یہ کھاتا ہے وہی خوراک جو تم کھاتے ہو اور پیتا ہے اس سے جو تم پیتے ہو۔ اور اگر تم پیروی کرنے لگے اپنے جیسے بشر کی تو تم تب نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔ کیا وہ تم سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ تم جب مرجاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تمہیں (پھر قبروں سے) نکالا جائے گا، یہ بات عقل سے بعید ہے بالکل بعید، جس کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے۔ نہیں ہے کوئی اور زندگی سوائے ہماری اس دنیوی زندگی کے یہی ہمارا مرنا ہے اور یہی ہمارا جینا اور ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔ وہ نہیں مگر ایسا شخص جس نے بہتان لگایا ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اور ہم تو قطعاً اس پر ایمان نہیں لائیں گے اس پیغمبر نے کہا میرے رب! اب تو میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے تو مجھے جھٹلا

دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عنقریب ہی یہ لوگ اپنے کئے پر نادم ہو جائیں گے۔ تو آ پکڑا انہیں حقیقی چنگھاڑ نے تو ہم نے انہیں خس وخاشاک بنادیا تو برباد ہو جائے وہ قوم جو ستم شعار ہے''۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد جس قوم کو پیدا کیا گیا اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس سے مراد قوم عاد ہے کیونکہ نوح علیہ السلام کے بعد متصل یہ قوم ہوئی۔ بعض نے اس سے مراد قوم ثمود لی ہے کیونکہ یہ فرمان فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ اسی کی نشاندہی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی طرف انہی میں سے ایک رسول بھیجا جس نے انہیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے محض اس وجہ سے کہ یہ رسول ان جیسا بشر ہے، تکذیب کی مخالفت پر اتر آئے، اس کی اتباع سے انکار کر دیا اور ایک بشر کی پیروی کرنا گوارہ نہ کیا۔ مزید برآں وہ قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں حاضری کو جھٹلانے لگے اور جسمانی حشر کا انکار کرتے ہوئے کہنے لگے: اَيَعِدُكُمْ...... بِمَبْعُوثِيْنَ یہ لوگ اس رسول کی رسالت، انذار اور قیامت کے متعلق اخبار کا انکار کرتے ہوئے کہنے لگے: اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ... قوم کی مخالفت اور ہرزہ سرائی کے مقابلہ میں اس رسول نے اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت کی درخواست کی اور ان کے خلاف بددعا کرتے ہوئے کہا: عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ اس التجا کو قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ یعنی مخالفت اور عناد کی پاداش میں انہیں عنقریب ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ چنانچہ انہیں ایک حقیقی چنگھاڑ نے آ لیا۔ وہ اپنے کفر اور سرکشی کے باعث واقعی اس عذاب کے مستحق تھے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ سخت چیخ اور دلدوز چنگھاڑ کے ساتھ ساتھ شدید سرد اور تندوتیز آندھی ان پر مسلط کر دی گئی جس سے ہر چیز نیست ونابود ہو گئی، وہ سیلاب کے پانی پر تیرتے ہوئے حقیر، معمولی اور بے فائدہ خس وخاشاک کی طرح ہلاک اور برباد ہو گئے اور ان کے ویران اور کھنڈر گھر دوسروں کے لئے بطور درس عبرت باقی رہ گئے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ایسا ہی ایک اور جگہ فرمان ہے: وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ (الزخرف: 76) ''اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہی (اپنی جانوں) پر ظلم ڈھانے والے تھے''۔ یعنی کفر، عناد اور مخالفت کے باعث ان کی بربادی ہوا پس سامعین کو تکذیب رسول سے بچنا چاہئے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۭ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝

''پھر ہم نے پیدا فرمائیں ان (کی بربادی) کے بعد کئی قومیں۔ آگے نہیں بڑھ سکتی کوئی قوم اپنی مقررہ میعاد سے اور نہ وہ لوگ پیچھے رہ سکتے ہیں۔ پھر ہم بھیجتے رہے اپنے رسول یکے بعد دیگرے۔ جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا تو انہوں نے اسے جھٹلایا پس ہم بھی ایک کے بعد دوسرے کو ہلاک کرتے گئے اور ہم نے (ان جابر) قوموں کو افسانے بنا دیا۔ پس خدا کی پھٹکار ہو ایسی قوم پر جو ایمان نہیں لاتی''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ان کے بعد کئی دوسری قوموں کو پیدا کیا۔ کوئی بھی امت اپنی مقررہ میعاد سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے بلکہ قوموں کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کی جو اجل لوح محفوظ میں مقدر کر رکھی ہے، اس کے مطابق ان پر گرفت کی

جاتی ہے۔ پھر فرمایا: ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا یعنی پھر ہم نے یکے بعد دیگرے اپنے رسول بھیجے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ (النحل: 36) "اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (جو انہیں تعلیم دے) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو سو ان میں سے کچھ وہ تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور ان میں سے بعض پر گمراہی مسلط ہو گئی"۔ پھر فرمایا: كُلَّمَا جَآءَ ... یعنی ہر امت کی اکثریت نے اپنے رسول کو جھٹلایا جیسا کہ فرمایا: يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (یٰسین: 30) "صد افسوس ان بندوں پر انہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ اس کے ساتھ مذاق کرنے لگ گئے"۔ اس کے بعد فرمایا: فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا یعنی ایک کے بعد دوسری قوم کو ہم نے ہلاک کر دیا جیسا کہ ارشاد ہے: وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ (بنی اسرائیل: 17) "اور کتنی قومیں ہیں جنھیں ہم نے نوح کے بعد ہلاک کیا"۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: وَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ یعنی ہم نے انہیں لوگوں کے لئے افسانے اور قصے کہانیاں بنا دیا جیسا کہ اس آیت میں فرمایا: فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ (سبا: 19) "پس ہم نے انہیں افسانہ بنا دیا اور ہم نے انہیں پارہ پارہ کر دیا"۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

"پھر ہم نے بھیجا موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون علیہما السلام کو اپنی نشانیاں اور واضح دلیل دے کر فرعون اور اسکے درباریوں کی طرف تو انہوں نے بھی غرور تکبر کیا اور وہ لوگ بڑے سرکش تھے۔ تو انہوں نے کہا کیا ہم ایمان لے آئیں ان دو آدمیوں پر جو ہماری مانند ہیں حالانکہ ان کی قوم ہماری غلام ہے۔ پس انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بھی برباد ہونے والوں میں شامل ہو گئے۔ اور بے شک ہم نے عطا فرمائی موسیٰ کو کتاب تاکہ (ان کی قوم) ہدایت یافتہ ہو جائے"۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو زبردست معجزات، روشن آیات اور قطعی دلائل کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا لیکن ان فرعونیوں نے بھی سابقہ قوموں کی روش پر چلتے ہوئے ان پیغمبروں کا اس بناء پر انکار کر دیا کہ یہ بھی ان جیسے بشر ہیں۔ ان کے دل بھی پہلی قوموں کے دلوں جیسے ہو گئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی دن میں تمام فرعونیوں کو فرعون سمیت غرق کر کے تباہ و برباد کر دیا۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لوگوں کی ہدایت کے لئے تورات عطا فرمائی۔ فرعونیوں کی ہلاکت اور تورات کے نزول کے بعد کوئی قوم عام عذاب کا شکار نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو کافروں کے ساتھ جہاد کا حکم دیا جیسا کہ ارشاد ہے: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (القصص: 43) "اور ہم نے پہلی قوموں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی، (یہ) لوگوں کے لئے بصیرت افروز اور سراپا ہدایت و رحمت تھی تاکہ وہ نصیحت قبول کریں"۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾

"اور ہم نے بنادیا مریم کے فرزند اور اس کی ماں (مریم) کو (اپنی قدرت کی) نشانی اور انہیں بسایا ایک بلند مقام پر جو رہائش کے قابل تھا اور جہاں چشمے جاری تھے"۔

اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ حضرت مریم علیہا السلام اللہ تعالیٰ کی قدرت کی واضح نشانی اور قطعی دلیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا کیا، حضرت حوا، کو صرف مرد سے بغیر عورت کے پیدا کیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق بن باپ صرف عورت سے کی اور باقی تمام لوگوں کو مرد و زن دونوں سے پیدا فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "ربوۃ" اس بلند جگہ کو کہتے ہیں جہاں سبزہ اور نباتات کی بہتات ہو۔ "ذات قرار" کا معنی ہے زرخیز اور سرسبز و شاداب اور "معین" کا معنی ہے جاری پانی (1)۔ مجاہد اس کا معنی ہموار ٹیلہ کرتے ہیں۔ مفسرین کا اس ربوۃ (اونچی جگہ) کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ کون سی سرزمین تھی؟ عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ ایسے اونچے مقامات مصر میں ہی ہوتے ہیں۔ جب پانی سیلابی شکل میں بہتا ہے تو ان اونچی جگہوں پر دیہات آباد ہو جاتے ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو دیہات غرق ہو جائیں (2) لیکن یہ قول بعید ہے۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ یہ ٹکڑا دمشق میں تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ "معین" سے مراد دمشق کی نہریں لیتے ہیں۔ مجاہد "ربوۃ" سے مراد دمشق اور اس کے مضافات لیتے ہیں۔ (2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس سے مراد فلسطین میں مقام رملہ لیتے ہیں (3)۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا کہ تو ربوہ میں فوت ہوگا لیکن اس کی وفات رملہ (ریتلی زمین) میں ہوئی۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔ ان تمام اقوال میں زیادہ قریب قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ نہر ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے: قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا (مریم: 24) "تیرے رب نے تیرے نیچے ایک ندی جاری کر دی ہے" (4)۔ یہی تفسیر سب سے زیادہ واضح ہے کیونکہ اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہے، سب سے پہلے قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جاتی ہے، پھر حدیث سے اور پھر آثار سے۔

يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾ وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ﴿٥٢﴾ فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿٥٣﴾ فَذَرْهُمْ فِي غَمْرَتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٥٤﴾ أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهِ مِنْ مَالٍ وَبَنِينَ ﴿٥٥﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ ۚ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٥٦﴾

"اے (میرے) پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرو۔ بے شک میں جو اعمال تم کر رہے ہو ان سے خوب واقف ہوں۔ اور یہی تمہارا دین ہے (اور) وہ ایک ہی ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں سو تم ڈرا کرو مجھ سے۔ لیکن کاٹ کر بنا دیا انہوں نے اپنی دینی وحدت کو باہمی اختلاف سے پارہ پارہ۔ ہر گروہ اپنے نظریات پر مسرور ہے۔ پس (اے محبوب!) رہنے دو انہیں اپنی مدہوشی میں کچھ وقت تک۔ کیا یہ تفرقہ باز خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مدد کر رہے ہیں مال واولاد (کی کثرت) سے تو ہم جلدی کر رہے ہیں انکیں بھلائیاں پہنچانے میں (یوں نہیں) بلکہ وہ (حقیقت حال سے) بے خبر ہیں"۔

اللہ تعالیٰ اپنے تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حلال روزی کھانے اور نیک اعمال بجالانے کا حکم فرما رہا ہے، یہ اس بات کی

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 100 | 2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 100 | 3۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 101

4۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ، تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 27، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 101

دلیل ہے کہ حلال روزی اعمال صالحہ کی بجا آوری میں معاون اور مددگار ہے چنانچہ انبیاء کرام علیہم السلام نے اس حکم کی تعمیل میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور اپنے قول، فعل، دلالت اور نصیحت سے ہر قسم کی بھلائیوں کو جمع کر لیا۔ اللہ تعالیٰ تمام بندوں کی طرف سے انہیں جزائے خیر سے نوازے! حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے کسی زرد یا سرخ رنگ اور کسی تلخ و شیریں ذائقہ کا ذکر نہیں کیا بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ حلال کھاؤ۔ حضرت مریم علیہا السلام کو سوت کاتنے سے جو اجرت حاصل ہوتی تھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے کھایا کرتے تھے۔ حدیث صحیح میں ہے: ''کوئی بھی نبی ایسا نہیں ہے جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں''۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ! اور آپ نے بھی؟ فرمایا: ''ہاں، میں بھی چند قیراط پر اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ (1)'' ایک اور حدیث میں ہے: ''حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے'' (2)۔ صحیحین کی حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب روزہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے اور سب سے زیادہ پسندیدہ قیام داؤد علیہ السلام کا قیام ہے۔ وہ آدھی رات سوتے تھے، تہائی رات قیام کرتے تھے اور چھٹا حصہ سو جاتے تھے۔ وہ ایک دن ناغہ کر کے روزہ رکھتے اور دشمن کے مقابلہ میں راہ فرار اختیار نہ کرتے'' (3)۔ حضرت ام عبداللہ اخت شداد رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ روزہ سے تھے، میں نے افطار کے وقت دودھ کا پیالہ آپ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا۔ دن کا آخری حصہ تھا اور دھوپ تیز تھی۔ آپ ﷺ نے یہ کہہ کر قاصد کو واپس کر دیا کہ تمہارے پاس بکری کہاں سے آ گئی (اگر تمہاری بکری کا ہوتا تو پی لیتا)؟ حضرت ام عبداللہ رضی اللہ عنہا نے کہلوا بھیجا کہ میں نے یہ اپنے مال سے خریدا ہے چنانچہ آپ ﷺ نے یہ دودھ پی لیا۔ دوسرے دن ام عبداللہ رضی اللہ عنہا حاضر خدمت ہو کر عرض کرنے لگیں: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے دن کی طوالت اور گرمی کی شدت کو دیکھتے ہوئے آپ ﷺ کے لئے دودھ کا پیالہ بھیجا تھا لیکن آپ ﷺ نے اسے واپس کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''رسولوں کو یہی حکم ہے کہ وہ پاک چیزیں کھائیں اور نیک عمل کریں'' (4)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ صرف پاکیزہ چیز کو ہی قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو دیا ہے کہ اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو، میں تمہارے اعمال سے خوب واقف ہوں۔ اور فرمایا: ''اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں۔'' پھر آپ نے ایک آدمی کا ذکر کیا جو دور دراز کا سفر کرتا ہے، اس کے بال پراگندہ اور غبار آلود ہوتے ہیں، اس کا کھانا، پینا اور پہننا حرام کا ہوتا ہے اور اس کی خوراک بھی حرام سے ہوتی ہے۔ وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف پھیلائے ہوئے یا رب، یا رب کہتا ہے لیکن اس (حرام خور) شخص کی دعا کیسے قبول ہوگی'' (5)۔ اسکے بعد فرمایا: وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ ۔ یعنی اے گروہ انبیاء! تمہارا دین، دین واحد اور تمہاری ملت، ملت واحدہ ہے، وہ ہے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دینا، اس لئے فرمایا: وَاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ اس کی تفسیر سورۂ انبیاء میں بیان ہو چکی ہے (6)۔ اُمَّةً وَّاحِدَةً حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ یعنی ان امتوں نے جن کی طرف انبیاء مبعوث کئے گئے، باہمی اختلاف سے اس دینی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا اور ہر گروہ اپنے نظریات اور گمراہی پر مسرور ہو گیا اور یہ خیال کرنے لگا کہ وہ ہدایت یافتہ ہے، اس لئے انہیں دھمکی

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاجارۃ، جلد 3 صفحہ 115
2۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 74
3۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 52۔ صحیح مسلم، کتاب الصیام، جلد 2 صفحہ 816
4۔ مستدرک حاکم، کتاب الاطعمۃ، جلد 4 صفحہ 125-126، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 102
5۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 702، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 328 وغیرہ
6۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انبیاء: 92

دیتے ہوئے فرمایا: فَذَرْهُمْ ۔ ۔ یعنی آپ انہیں ان کی ہلاکت کے وقت تک گمراہی میں ہی مدہوش اور مست رہنے دیں جیسا کہ فرمایا: فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا (الطارق:17) ''پس آپ کفار کو اور مہلت دے دیں، کچھ وقت انہیں کچھ نہ کہیں''۔ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَ يَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (الحجر:4) ''انہیں رہنے دیجئے وہ کھائیں اور عیش کریں اور (جھوٹی) امید انہیں غافل رکھے پھر کچھ عرصہ بعد وہ جان لیں گے''۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ... یعنی کیا یہ مغرور اور فریب خوردہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں مال واولاد سے اس لئے نواز رہے ہیں کہ انہیں ہمارے ہاں کرامت اور عزت حاصل ہے، ہرگز نہیں، معاملہ یوں نہیں جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے: نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ (سبا:35) ''ہمارا مال بھی (تم سے) زیادہ ہے اور اولاد بھی اور ہمیں عذاب نہیں دیا جاسکتا''۔ یہ ان کی خام خیالی اور غلطی ہے اور ان کی یہ امید کبھی بھی برنہیں آئے گی بلکہ وہ نامراد رہیں گے۔ انہیں جو نعمتیں دی جارہی ہیں وہ بطور استدراج ہیں اور انہیں مہلت دے کر عذاب کے قریب لایا جارہا ہے، اس لئے فرمایا: بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ۔ اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (التوبہ:55) ''سو تمہیں ان کے اموال اور ان کی اولاد تعجب میں نہ ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انہیں دنیوی زندگی میں ان چیزوں سے عذاب دے''۔ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا (آل عمران:178) ''ہم صرف اس لئے مہلت دے رہے ہیں تاکہ وہ اور زیادہ گناہ کرلیں''، فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاُمْلِيْ لَهُمْ (القلم:44-45) ''پس آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور اسے جو اس کتاب کو جھٹلاتا ہے۔ ہم انہیں بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہوگا اور میں نے انہیں مہلت دے رکھی ہے''۔ ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ۔ عَنِيْدًا (المدثر:11-16)، وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا (سبا:37) ''اور نہ تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد ایسی چیزیں ہیں جو تمہیں ہمارا قرب بخش دیں مگر جو ایمان لایا اور نیک عمل کرتا رہا''۔ اس مضمون کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مال واولاد لوگوں کے لئے آزمائش ہیں اس لئے اموال واولاد سے لوگوں کو نہ پرکھو بلکہ ایمان اور عمل صالح لوگوں کو جانچنے کا معیار ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہارے درمیان رزق تقسیم کئے ہیں اسی طرح تمہارے درمیان اخلاق کی تقسیم کی ہے اور اللہ تعالیٰ دنیا اسے بھی دیتا ہے جسے وہ محبوب رکھتا ہے اور اسے بھی جسے وہ محبوب نہیں رکھتا لیکن دین صرف اسے عطا فرماتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے تو جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے دین سے نواز دیا، اسے اپنا محبوب بھی بنالیا، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! کوئی بندہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک اس کا دل اور اس کی زبان مسلمان نہ ہو اور وہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کا پڑوسی اس کی ایذاؤں سے محفوظ نہ ہوجائے۔ صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! اس کی ایذائیں کیا ہیں؟ فرمایا: دھوکہ دہی اور ظلم۔ جو بندہ حرام کھاتا ہے اور اس میں سے خرچ کرتا ہے تو اس میں نہ برکت ہوتی ہے اور نہ اسکا صدقہ قبول کیا جاتا ہے اور جو وہ ترکہ چھوڑ کر جاتا ہے وہ اس کے لئے جہنم کا توشہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو بھلائی سے مٹاتا ہے۔ خبیث خبیث کو نہیں مٹاتا''(1)۔

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَ
الَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 387-388

رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾

"بے شک وہ لوگ جو اپنے رب کے خوف سے ڈر رہے ہیں اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور وہ جو اپنے رب کے ساتھ (کسی کو) شریک نہیں بناتے۔ اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اس حال میں کہ ان کے دل ڈر رہے ہیں (اس خیال سے) کہ وہ (ایک دن) اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہی لوگ جلدی کرتے ہیں بھلائیاں کرنے میں اور وہ بھلائیوں کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں"۔

اہل ایمان کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ وہ احسان، ایمان اور عمل صالح کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈرتے اور کانپتے رہتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن نیکی اور خوف خدا کا مرقع ہوتا ہے جبکہ کافر بدکار اور نڈر رہتا ہے (1)۔ ان قدسی صفات اہل ایمان کا دوسرا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ یعنی یہ لوگ کائنات میں بکھری ہوئی نشانیوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور شرعی نشانیوں پر بھی جیسا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق فرمایا: وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ (التحریم: 12) "اور مریم نے اپنے رب کی باتوں اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی"۔ یعنی انہیں یقین تھا کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس چیز کو مشروع کرتا ہے، اگر وہ امر ہو تو یہ چیز اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسند ہوتی ہے، اگر وہ نہی ہو تو وہ ناپسندیدہ چیز ہوتی ہے اور اگر خبر ہو تو حق ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرتے بلکہ توحید پر یقین رکھتے ہوئے صرف اس کی پوجا کرتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا اور بے نیاز ہے، نہ اس کی بیوی ہے اور نہ اولاد، نہ اس کی کوئی نظیر ہے اور نہ کوئی ہمسر۔ ان حضرات کی ایک اور صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ .... یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال و دولت میں سے عطا کرتے ہیں اور ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ اس بات سے ڈر رہے ہوتے ہیں کہ شاید عطا کرنے میں کوئی کوتاہی ہو جائے اور اس وجہ سے اسے قبول نہ کیا جائے۔ خوف اور احتیاط کے سبب ان کی یہ حالت ہوتی ہے جیسا کہ مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ..... کے متعلق عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو چوری، زنا اور شراب نوشی کے مرتکب ہوتے ہیں اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے صدیق کی بیٹی! ایسا نہیں، بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں اور صدقہ کرتے ہیں، اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں" (2)۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: "نہیں، اے صدیق کی بیٹی! بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز، روزہ اور صدقہ کی ادائیگی کے باوجود اس بات سے ڈرتے ہیں کہ شاید ان کے یہ اعمال مقبول نہ ہوں، یہی وہ لوگ ہیں جو نیکیاں کرنے میں سبک رفتار ہیں۔" اس آیت کی دوسری قراءت "وَيَاْتُوْنَ مَا اَتَوْا" ہے۔ حضرت ابو عاصم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں خوش آمدید کہتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے پاس آنے سے کون سی چیز تمہیں مانع ہے؟ عرض کی کہ مجھے اس بات کا خیال ہے کہ آپ کو تکلیف نہ ہو۔ آپ نے فرمایا کہ ایسی کوئی بات نہیں۔ ابو عاصم عرض کرنے لگے کہ میں اس آیت کے متعلق دریافت کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے "يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا" پڑھا تھا یا "يَاْتُوْنَ مَا اَتَوْا"؟ آپ نے فرمایا کہ تمہیں ان میں سے کون سی قراءت زیادہ محبوب ہے؟ ابو عاصم نے عرض کی: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ان میں سے مجھے "يَاْتُوْنَ مَا اَتَوْا" والی

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 32، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 105

2۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 159، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ مومنون، جلد 12 صفحہ 39-41

قرأت دنیا و مافیہا سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اسے اسی طرح پڑھا کرتے تھے اور اسی طرح اس کا نزول ہوا(1)۔ اس روایت کا ایک راوی اسماعیل بن مسلم مکی ضعیف ہے۔ معنی کی رو سے سب سے زیادہ ظاہر قرأت وہی ہے جو قرآن کریم میں ہے اور یہی جمہور کی قرأت ہے کیونکہ اس کے بعد فرمایا: اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ ۔ اس میں انہیں سبقت لے جانے والے قرار دیا گیا ہے۔ اگر دوسری قرأت کو پیش نظر رکھیں تو یہ سبقت لے جانے والے نہیں بنتے بلکہ درمیانی راہ چلنے والے یا کوتاہی کرنے والے متصور ہوتے ہیں۔

وَ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٦٢﴾ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَ لَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿٦٣﴾ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْــَٔرُوْنَ ﴿٦٤﴾ لَا تَجْــَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿٦٦﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿٦٧﴾

" اور ہم تکلیف نہیں دیتے کسی شخص کو مگر جتنی اس کی طاقت ہے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو سچ بولتی ہے اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ ان کے دل مدہوش ہیں اس (خوفناک حقیقت) سے اور ان کے اعمال مومنوں کے اعمال سے مختلف ہیں۔ یہ (نابکار) ان برے کاموں کو ہی کرنے والے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ہم پکڑیں گے ان کے خوشحال لوگوں کو عذاب سے اس وقت وہ چلائیں گے۔ (ظالمو!) آج نہ چلاؤ۔ تمہاری ہماری طرف سے اب کوئی مدد نہ کی جائے گی۔ (وہ وقت یاد کرو) جب ہماری آیتیں تمہارے سامنے پڑھی جاتی تھیں اور تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جایا کرتے تھے۔ غرور و تکبر کرتے ہوئے (پھر صحن حرم میں) تم داستان سرائی کیا کرتے تھے اور قرآن کی شان میں بکواس کیا کرتے تھے "۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جس شریعت کا پابند بنایا ہے اس میں عدل اور سہولت کا پہلو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی انسان کو صرف اتنی تکلیف دیتا ہے جس قدر اس میں وسعت اور طاقت ہو۔ کوئی ایسا حکم لاگو نہیں کیا جو انسانی قدرت سے بڑھ کر ہو پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کے ان اعمال کے متعلق باز پرس کرے گا جو کتابی صورت میں سب کے سامنے ظاہر کیے جائیں گے، اس لئے فرمایا: وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ ۔ یعنی ہمارے پاس نامہ اعمال ہے جو سچ بولے گا اور کسی پر ایسا ظلم نہیں کیا جائے گا کہ اسکی نیکیاں کم کر دی جائیں البتہ اکثر اہل ایمان کی خطاؤں کو معاف کر دیا جائے گا۔ پھر کفار اور مشرکین کی ہٹ دھرمی پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ ...... یعنی ان کے دل اس قرآن سے بھٹکے ہوئے ہیں اور اس کے علاوہ ان کی شرک جیسی اور بھی بداعمالیاں ہیں جن کا ارتکاب انہوں نے ہر صورت کرنا ہے۔ بعض حضرات نے اس فرمان لَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ ۔ کا یہ مطلب بتایا ہے کہ ان پر برے اعمال لکھ دیئے گئے ہیں جنہیں وہ اپنی موت سے پہلے ضرور کریں گے کیونکہ ان کے متعلق عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! ایک

1۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 95

آدمی جنتیوں کے سے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر تقدیر کا لکھا غالب آجاتا ہے اور وہ جہنمیوں کے سے اعمال کرنا شروع کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ جہنمی بن جاتا ہے"(1)۔ پھر فرمایا: حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا ۔ یعنی جب خوشحال لوگ عذاب الٰہی کا شکار ہوتے ہیں تو وہ چلانے اور فریاد کرنے لگتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَ ذَرْنِیْ وَ الْمُكَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَ مَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا ۝ اِنَّ لَدَیْنَاۤ اَنْكَالًا وَّ جَحِیْمًا ۝ وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّ عَذَابًا اَلِیْمًا (المزمل: 13-11)" آپ چھوڑ دیں مجھے اور ان جھٹلانے والے مالداروں کو اور انہیں تھوڑی سی مہلت دیں، ہمارے پاس ان کے لئے بھاری بیڑیاں اور بھڑکتی آگ ہے اور غذا جو گلے میں پھنس جانے والی ہے اور دردناک عذاب"۔ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّ لَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ (ص: 3)" ان سے پہلے ہم نے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا پس وہ فریاد کرنے لگے اور یہ وقت بچ نکلنے کا نہیں تھا"۔ فرمایا: لَا تَجْـَٔرُوا الْیَوْمَ یعنی آج تمہارا واویلا کرنا بے سود ہے۔ خواہ تم چلاؤ یا خاموش رہو، آج کوئی بھی تمہیں اس عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ یہ عذاب تم پر لازم ہو چکا ہے اور اس سے کوئی مفر نہیں۔ پھر ان کا ایک بڑا گناہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: قَدْ كَانَتْ اٰیٰتِیْ یعنی جب تمہیں ان آیات کی دعوت دی جاتی تو تم انکار کر دیتے تھے اور جب تمہیں حق کی طرف بلایا جاتا تو تم اس سے انحراف کیا کرتے تھے۔ توحید کا انکار اور شرک پر ایمان تمہارا شیوہ تھا۔ اس ارشاد مُسْتَكْبِرِیْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ "مستکبرین" حال ہے یعنی وہ تکبر کرتے ہوئے اور حق اور اہل حق کو حقیر سمجھتے ہوئے حق سے اعراض کرتے۔ اس صورت میں "بہ" کی ضمیر کا مرجع یا تو حرم مکہ ہے کیونکہ وہ اس میں داستان سرائی اور بیہودہ گفتگو کرتے تھے، یا اس کا مرجع قرآن کریم ہے، یہ لوگ قرآن کریم کے متعلق ہرزہ سرائی کرتے ہوئے اسے جادو، شعر، کہانت اور اس طرح کے دیگر نام دیتے، یا اس ضمیر کا مرجع حضور ﷺ ہیں۔ یہ تنجار آپ ﷺ کے متعلق نازیبا باتیں کرتے ہوئے کبھی آپ ﷺ کو شاعر کہتے، کبھی جادوگر، کبھی کذاب اور کبھی مجنون۔ ان کی یہ ساری باتیں باطل تھیں۔ آپ ﷺ تو اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے اور رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین پر غلبہ عطا فرمایا اور انہیں ذلیل و رسوا کر کے حرم شریف سے نکال باہر کیا۔ مُسْتَكْبِرِیْنَ ۖ بِهٖ کے متعلق دوسرا قول یہ ہے کہ "بہ" کی ضمیر کا مرجع بیت اللہ ہے یعنی مشرکین بیت اللہ پر فخر و تکبر کرتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہی اس کے متولی ہیں حالانکہ وہ اس کے اہل ہی نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ ارشاد مُسْتَكْبِرِیْنَ ۖ بِهٖ ۔ نازل ہوا تو رات کے وقت قصہ گوئی مکروہ ہو گئی۔ مشرکین بیت اللہ پر تکبر کرتے ہوئے کہتے کہ ہم ہی اس کے اہل ہیں۔ وہ غرور کرتے اور بیت اللہ شریف میں قصے کہانیوں کی محفلیں جماتے۔ وہ اسے آباد نہیں کرتے تھے بلکہ اس کی بے ادبی کیا کرتے تھے(2)۔ ابن ابی حاتم نے یہاں بہت کچھ لکھا ہے جس کا حاصل یہی ہے۔

اَفَلَمْ یَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ یَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ اَمْ یَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝ وَ لَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِیْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 135,161، صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2036

2۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 4 صفحہ 423-424، مستدرک حاکم تفسیر سورۃ مومنون، جلد 2 صفحہ 394

رَبِّكَ خَيْرٌ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿٧٢﴾ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٧٣﴾ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿٧٤﴾ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿٧٥﴾

"کیا انہوں نے کبھی تدبر نہ کیا قرآن میں؟ یا آئی تھی ان کے پاس ایسی چیز جو نہ آئی تھی ان کے پہلے آباء و اجداد کے پاس۔ یا انہوں نے اپنے رسول (مکرم) کو نہ پہچانا تھا اس لئے وہ اس کے منکر بنے رہے۔ یا کہتے ہیں کہ اسے سودا کا مرض ہے۔ (یوں نہیں) بلکہ وہ تشریف لایا ان کے پاس حق کے ساتھ اور بہت سے لوگ ان میں سے حق کو ناپسند کرتے ہیں۔ اور اگر پیروی کرتا حق ان کی خواہشات (نفسانی) کی تو درہم برہم ہو جاتے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے۔ بلکہ ہم ان کے پاس لے آئے ان کی نصیحت تو وہ اپنی نصیحت سے ہی روگردانی کرنے والے ہیں۔ کیا آپ طلب کرتے ہیں ان سے کچھ معاوضہ (آپ کے لئے) تو آپ کے رب کی عطا بہتر ہے اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ اور بے شک آپ تو انہیں بلاتے ہیں سیدھی راہ کی طرف۔ بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے آخرت پر وہ راہ راست سے منحرف ہونے والے ہیں۔ اور اگر ہم نے ان پر مہربانی بھی فرمائی اور دور بھی کر دیا اس مصیبت کو جس میں مبتلا ہیں پھر بھی وہ بڑھتے جائیں گے اپنی سرکشی میں اندھے بنے ہوئے"۔

قرآن عظیم کو نہ سمجھنے، اس میں غور و تدبر نہ کرنے اور اس سے روگردانی کرنے پر مشرکین کو سرزنش کی جا رہی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خصوصاً انہیں اس کتاب سے نوازا جس سے کامل اور اشرف کتاب کسی رسول پر نازل نہیں ہوئی۔ زمانۂ جاہلیت میں مرنے والے ان کے آباؤ اجداد کتاب اور پیغمبر سے محروم رہے لیکن ان پر اللہ تعالیٰ نے کرم فرماتے ہوئے انہیں قرآن کریم جیسی عظیم اور گراں بہا نعمت مرحمت فرمائی۔ اب چاہئے تو یہ تھا کہ یہ مشرکین اس نعمت کی قدر کرتے، اسے قبول کرتے اور اس کا شکر بجا لاتے ہوئے تندہی اور دلجمعی کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہو جاتے جیسا کہ انہی میں سے عقلمند اور صالح فطرت لوگوں نے اسلام کو قبول کر لیا، اللہ کے نبی ﷺ کی اتباع کی اور اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیا۔ قتادہ اس فرمان اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر وہ قرآن کریم میں غور و تدبر کر کے اسے سمجھنے کی کوشش کرتے تو یقیناً انہیں نصیحت حاصل ہوتی اور وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ جاتے لیکن وہ متشابہات کے پیچھے پڑ کر برباد ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کفار قریش پر اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے فرماتا ہے: اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ یعنی کیا وہ رسول اللہ ﷺ، آپ کی راست گفتاری، دیانتداری، عفت اور پاکیزگی کو نہیں پہچانتے، کیا وہ اس کا انکار کر سکتے ہیں۔ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے شاہ حبش نجاشی کے سامنے اپنی تقریر میں اس بات کا بھی تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: اے بادشاہ! اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک ایسا رسول مبعوث فرمایا ہے جس کے نسب، جس کی صداقت اور جس کی امانت سے ہم خوب واقف ہیں(1)۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بھی نائب کسریٰ کو میدان جنگ میں یہی فرمایا تھا(2) اور جب شاہ روم ہرقل نے ابوسفیان صخر بن حرب سے نبی کریم ﷺ کی صفات، آپ کے نسب اور صدق و امانت کے متعلق پوچھا تھا تو انہیں اس چیز کا اعتراف کرنا پڑا حالانکہ اس وقت وہ کافر تھے، اس کے باوجود انہیں سچ بولنے کے سوا

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 336، البدایۃ والنہایۃ، جلد 3 صفحہ 71 2۔ دیکھئے البدایۃ والنہایۃ، جلد 7 صفحہ 39 وما بعد

کوئی چارہ نہ تھا اور انہوں نے برملا آپ ﷺ کی عالی نسبی، راست گفتاری اور دیانتداری کی گواہی دی(1)۔ اس کے بعد فرمایا: اَمْ یَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ مشرکین نبی کریم ﷺ کے متعلق کہا کرتے تھے کہ اس نے قرآن اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے یا اسے جنون کا مرض لاحق ہے جس کی وجہ سے اسے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں، بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ ان مشرکین کے دل قرآن پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ قرآن کے متعلق ان کی تمام باتیں غلط اور باطل ہیں۔ قرآن کریم تو اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جس کی نظیر لانے سے ساری دنیا عاجز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین اور دنیا کے تمام لوگوں کو چیلنج کیا کہ اگر ان کے بس میں ہے تو اس جیسا قرآن لائیں لیکن کسی کو بھی ہمت نہ ہوئی اور کبھی ہوگی بھی نہیں، اس لئے فرمایا: بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ ...اس آیت میں یہ جملہ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ حال بھی بن سکتا ہے اور خبر یہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا: "مسلمان ہو جا"۔ اس نے کہا کہ آپ مجھے ایسے امر کی دعوت دے رہے ہیں جسے میں ناپسند کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگرچہ تمہیں ناپسند ہو۔" مذکور ہے کہ ایک شخص سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اسلام قبول کر لے"۔ یہ بات اس شخص کو بہت گراں اور ناگوار گزری۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: "مجھے بتاؤ، اگر تم کسی دشوار گزار اور خطرناک راستے پر جا رہے ہو اور تمہاری ملاقات ایک ایسے شخص سے ہو جائے جس کا نام ونسب اور امانت وصداقت کے متعلق تمہیں اچھی طرح واقفیت ہو، وہ تمہیں ایک وسیع اور آسان راستے پر چلنے کے لئے کہے تو کیا تم اس کی بات مان لوگے؟" اس نے کہا: ہاں، ضرور، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! تم اس سے بھی زیادہ دشوار گزار اور خطرناک راستے پر چل رہے ہو اور میں تمہیں اس سے بھی زیادہ آسان اور سیدھے راستے کی دعوت دیتا ہوں، اس لئے میری دعوت قبول کر لو"۔ اسی طرح ایک اور روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے ناگواری کا اظہار کیا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: "مجھے یہ بتاؤ، اگر تمہارے دو ساتھی ہوں، ان میں سے ایک جب تمہارے ساتھ گفتگو کرے تو سچ بولے اور اگر تم اس کے پاس امانت رکھو تو وہ تمہیں جوں کی توں لوٹا دے، کیا یہ ساتھی تمہیں پسند ہے یا وہ ساتھی جو تمہارے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے جھوٹ بولے اور تمہاری امانت میں خیانت کرے؟" اس آدمی نے جواب دیا کہ مجھے وہ ساتھی محبوب ہے جو میرے ساتھ سچ بولے اور میری امانت میں خیانت نہ کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اسی طرح تم اپنے رب کے پاس ہو"(2)۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ مجاہد، ابوصالح اور سدی کہتے ہیں کہ حق سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کی خواہشات کے مطابق شرعی احکام مقرر کرتا تو زمین وآسمان اور ان میں سب چیزیں درہم برہم ہو جاتیں کیونکہ ان کی خواہشات بالکل فاسد ہیں جیسا کہ ان کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا: لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف: 31) "کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن کسی ایسے آدمی پر جو ان دو شہروں میں بڑا ہے"۔ اس کے جواب میں فرمایا: اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ (الزخرف: 32) "کیا وہ آپ کے رب کی رحمت کو بانٹا کرتے ہیں"۔ فرمایا: قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّیْۤ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ (بنی اسرائیل: 100) "فرمایئے اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو اس وقت تم ضرور ہاتھ روک لیتے اس خوف سے کہیں ختم ہی نہ ہو جائیں"۔ ایک اور جگہ فرمایا: اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا (النساء: 53) "کیا ان کا حکومت میں کوئی حصہ ہے اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگوں کو تل برابر بھی نہ دیتے"۔ ان آیات میں بندوں کے عجز، ان کی آراء اور خواہشات کے اختلاف کو

1۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، جلد 1 صفحہ 4 — 2۔ [illegible] الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 110

بیان کرنے کے ساتھ اس حقیقت کو واضح کیا جا رہا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی اپنی تمام صفات، اقوال، افعال، احکام، تقدیر اور ہر قسم کی تدبیر میں کامل ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ اس کے سوا کوئی رب، اس لئے فرمایا: بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ..... ذکر سے مراد قرآن کریم ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا... یعنی آپ دعوت و تبلیغ کے مقابلہ میں ان سے اجرت کا مطالبہ نہیں کرتے بلکہ آپ رضائے الٰہی کی خاطر یہ فریضہ انجام دے رہے ہیں اور اپنے رب سے اجر و ثواب کی امید رکھتے ہیں جیسا کہ فرمایا: قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ (سبا: 47) "فرمایئے جو معاوضہ میں نے تم سے مانگا وہ تم اپنے پاس رکھو، میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے"۔ قُلْ مَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ (ص: 86) "آپ فرمایئے میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں"، قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (الشوریٰ: 23) "آپ فرمایئے میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجر نہیں مانگتا بجز قرابت کی محبت کے"۔ وَجَاۗءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔــلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (یٰس: 20-21) "دریں اثناء شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا، کہنے لگا اے میری قوم! رسولوں کی پیروی کرو، پیروی کرو ان (پاکبازوں) کی جو تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتے"۔ اس کے بعد فرمایا: وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ... لَنٰكِبُوْنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سوئے ہوئے تھے کہ دو فرشتے آپ ﷺ کے پاس آئے۔ ایک آپ ﷺ کی پائنتی بیٹھ گیا اور دوسرا سرہانے۔ پائنتی والا فرشتہ سرہانے والے فرشتے سے کہنے لگا کہ ان کی اور ان کی امت کی مثال بیان کرو۔ وہ کہنے لگا کہ ان کی اور ان کی امت کی مثال ان مسافروں کی سی ہے جو ایک بیابان چٹیل میدان میں پہنچے، ان کے پاس زادِ راہ نہیں تھا جس سے وہ اسے عبور کرتے یا واپس چلے آتے۔ اسی اثناء میں ایک شخص منقش اور عمدہ لباس زیب تن کیے ہوئے ان کے پاس آیا اور انہیں کہنے لگا کہ اگر میں تمہیں پھلوں سے لدے ہوئے باغوں اور پانی سے بھرے ہوئے حوضوں تک پہنچا دوں تو کیا تم میری پیروی کرو گے؟ سب نے کہا: ہاں، ضرور۔ چنانچہ وہ ان سب کو پھلدار باغات اور پانی سے بھرے ہوئے حوضوں تک لے آیا۔ وہاں انہوں نے خوب کھایا پیا یہاں تک کہ موٹے تازے ہو گئے۔ ایک دن اس نے انہیں کہا کہ تم ہلاک ہونے والے تھے لیکن میں نے تمہیں کہا کہ اگر تم میری بات مانو تو میں تمہیں باغات اور حوضوں پر لے چلتا ہوں۔ وہ کہنے لگے: واقعی۔ اب وہ انہیں کہنے لگا کہ اس سے آگے ان سے بھی زیادہ سرسبز و شاداب باغات اور پانی سے لبالب حوض ہیں، میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ اس پر ایک جماعت نے کہا کہ یہ آدمی سچا ہے، ہم ضرور اس کی پیروی کریں گے جبکہ دوسری جماعت کا کہنا تھا کہ ہمیں یہی کافی ہے اور ہم یہاں ہی رہیں گے (1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے پیچھے ہٹا رہا ہوں لیکن تم میرے ہاتھوں سے چھوٹ چھوٹ کر پروانوں اور ٹڈیوں کی طرح آگ میں گھس رہے ہو۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ تم میرے ہاتھوں سے چھوٹ جاؤ گے۔ سنو، میں تم سے پہلے حوض پر پہنچنے والا ہوں، وہاں تم گروہ در گروہ اور تنہا تنہا میرے پاس آؤ گے اور میں تمہیں تمہاری نشانیوں اور ناموں سے پہچان لوں گا جیسے ایک آدمی اپنے اونٹوں میں اجنبی اونٹ کو پہچان لیتا ہے۔ فرشتے تمہیں دائیں اور بائیں جانب لے جانا چاہیں گے تو میں رب العالمین کے حضور التجا کروں گا کہ اے میرے پروردگار! یہ میری قوم ہے، یہ میری امت ہے۔ پس کہا جائے گا: اے محمد ﷺ! آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعتیں نکالی تھیں۔ یہ لوگ آپ کے بعد اپنی ایڑیوں کے بل لوٹتے رہے۔ میں تم میں سے ایک آدمی کو پہچان لوں گا جو قیامت کے دن

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 267

ممیاتی ہوئی بکری کو اٹھائے ہوئے آئے گا اور یا محمد یا محمد کی مدادے گا لیکن میں کہوں گا کہ میں تمہارے کام نہیں آسکتا، میں نے فریضہ تبلیغ ادا کر دیا، میں اس شخص کو بھی پہچان لوں گا جو قیامت کے دن بلبلاتے ہوئے اونٹ کو اٹھا کر حاضر ہوگا اور یا محمد یا محمد پکارے گا لیکن میں اسے کہوں گا کہ میں تیرے لئے کچھ نہیں کر سکتا، میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا۔ اسی طرح میں اس شخص کو بھی پہچان لوں گا جو قیامت کے دن ہنہناتے ہوئے گھوڑے کو اٹھائے ہوئے آئے گا اور یا محمد یا محمد کی مدادے گا لیکن میں اسے کہوں گا کہ میں تیرے لئے کسی چیز کا مالک نہیں، میں نے اپنا فریضہ تبلیغ ادا کر دیا تھا، اور میں اس شخص کو بھی پہچان لوں گا جو قیامت کے دن مشکیزہ اٹھائے اور یا محمد یا محمد کہتے ہوئے میرے پاس آئے گا لیکن میں اسے بھی یہی کہوں گا کہ مجھے تمہارے بارے میں کوئی اختیار نہیں۔ میں نے تو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تھا''۔ علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند تو حسن ہے لیکن اس کا ایک راوی حفص بن حمید مجہول ہے لیکن یحییٰ بن معین نے اسے صالح کہا ہے اور نسائی اور ابن حبان نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ یعنی آخرت پر ایمان نہ لانے والے راہ راست سے منحرف ہونے والے ہیں۔ جب کوئی شخص سیدھی راہ سے ہٹ جائے تو کہا جاتا ہے: ''نَكَبَ فُلَانٌ عَنِ الطَّرِيْقِ''۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ کفر میں ان کی پختگی اور شدت کو بیان کرتے ہوئے بتایا جا رہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان سے تکلیف کو دور کر دے اور انہیں قرآن سمجھا دے تو بھی یہ اطاعت نہیں کریں گے بلکہ اپنے کفر، عناد اور سرکشی پر ڈٹے رہیں گے جیسا کہ فرمایا: وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (الانفال:23) ''اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی جانتا تو انہیں ضرور سنا دیتا اور اگر انہیں سنا دیتا تو وہ روگردانی کرتے ہوئے پیٹھ پھیر دیتے''، وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ يُبْعَثُوْنَ (الانعام:29-27)۔ لفظ ''لو'' امتناع پر دلالت کرتا ہے یعنی یہ وہ بات ہے جو ہوگی نہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اگر یہ ہو جائے تو اس پر کیا نتیجہ مرتب ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس کلام میں ''لو'' ہو، اس کا وقوع نہیں ہوتا۔

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ۝ حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَاۗؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

''اور ہم نے پکڑ لیا انہیں عذاب سے پھر بھی وہ نہ جھکے اپنے رب کی بارگاہ میں اور نہ وہ اب گڑگڑا کر (توبہ کرتے) ہیں۔ یہاں تک کہ جب ہم کھول دیں گے ان پر دروازہ سخت عذاب والا تو وہ اس وقت بالکل مایوس ہو جائیں گے۔ اور وہ وہی ہے جس نے بنائے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل لیکن (عقل و فہم) تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔ اور وہ وہی ہے

جس نے پھیلا دیا تمہیں زمین (کے اطراف) میں اور (انجام کار) اسی کی جناب میں اکٹھے کیے جاؤ گے۔ اور وہ وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کے اختیار میں ہے گردش لیل ونہار۔ کیا (اتنا بھی) تم نہیں سمجھتے؟ بلکہ انہوں نے بھی وہی بات کہی جو پہلے (کفار) کہا کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور بن جائیں گے خاک اور ہڈیاں تو کیا ہمیں پھر اٹھایا جائے گا؟ بلاشبہ یہ وعدہ کیا گیا ہم سے اور ہمارے باپ دادا کے ساتھ بھی آج سے پہلے (لیکن آج تک پورا نہ ہوا) نہیں ہیں یہ باتیں مگر من گھڑت افسانے پہلے لوگوں کے"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا اور مصائب وشدائد سے انہیں دوچار کیا لیکن پھر بھی نہ اپنے رب کے حضور جھکے اور نہ اب گڑگڑا کر توبہ کرتے ہیں یعنی یہ عذاب بھی انہیں کفر اور مخالفت حق سے باز نہ رکھ سکا بلکہ یہ لوگ اپنی گمراہی پر ڈٹے رہے۔ نہ ان کے دل جھکے اور نہ ان کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھے جیسا کہ فرمایا: فَلَوۡلَاۤ اِذۡ جَآءَهُمۡ بَاۡسُنَا تَضَرَّعُوۡا وَلٰـكِنۡ قَسَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ (الانعام: 43) "تو کیوں ایسا نہ ہوا کہ جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو وہ گڑگڑاتے لیکن ان کے دل سخت ہو گئے"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب قریش قحط سالی کا شکار ہو گئے تو ابوسفیان نے رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ اور قرابت داری کا واسطہ دے کر کہا کہ ہم قحط سالی کی وجہ سے گوبر اور خون کھانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اس وقت یہ آیت کریمہ وَلَقَدۡ اَخَذۡنٰهُمۡ نازل ہوئی(1)۔ اس کی اصل صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کی شرارتوں اور ایذارسانیوں سے تنگ آ کر یہ بددعا کی: "اے اللہ! یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے سات سال قحط جیسے قحط میں قریش کو مبتلا کر کے میری مدد فرما"(2)۔ حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کو قید کر دیا گیا۔ وہاں ایک نوعمر شخص نے آپ سے کہا کہ کیا میں دل بہلانے کے لیے آپ کو کچھ اشعار نہ سناؤں؟ آپ نے فرمایا کہ اس وقت ہم عذاب میں ہیں اور اس آیت وَلَقَدۡ اَخَذۡنٰهُمۡ کا تقاضا یہ ہے کہ ہم خدا کے حضور جھکیں اور گڑگڑائیں۔ پھر آپ نے لگاتار تین روزے رکھے۔ جب آپ سے ان روزوں کی بابت سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے لیے ایک نئی چیز (قید) رونما ہوئی، اس لیے ہم نے ایک نئی چیز (مزید عبادت) کی۔ فرمایا: حَتّٰۤى اِذَا فَتَحۡنَا یعنی جب حکم خداوندی آ پہنچے گا اور ان پر اچانک قیامت آ جائے گی تو انہیں ایسے عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا جو ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوگا۔ اس وقت وہ ہر خیر سے ناامید ہو جائیں گے، ہر راحت سے مایوس ہو جائیں گے اور ان کی امیدیں دم توڑ جائیں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ بندوں کو اپنی نعمتیں یاد دلا رہا ہے کہ اس نے انہیں کان، آنکھیں، دل اور عقلیں عطا فرمائیں تاکہ وہ ان کے ذریعے چیزوں کا ادراک کریں اور کائنات میں بکھری ہوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور وتدبر کریں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت کاملہ پر دلالت کرتی ہیں لیکن ان نعمتوں کے باوجود لوگ بہت کم شکر ادا کرتے ہیں جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: وَمَاۤ اَكۡثَرُ النَّاسِ وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ (یوسف: 103) "اور اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں خواہ آپ کتنے ہی حریص ہوں"۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اور سلطنت عظیمہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس نے زمین کے اطراف واکناف میں مختلف اجناس، لغات اور صفات کی حامل مخلوق پھیلائی، پھر قیامت کے دن وہ تمام اگلے اور پچھلے لوگوں کو زندہ کر کے جمع کرے گا، کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، مذکر ہو یا مونث، عظیم ہو یا حقیر، سب کو ابتدائے آفرینش کی طرح پھر زندہ کیا جائے گا۔ اس لیے فرمایا: وَهُوَ الَّذِىۡ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ یعنی وہی بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کرنے والا اور

1۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 5 صفحہ 179، مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، سورۃ المومنون، جلد 2 صفحہ 395، طبع

2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورہ روم، جلد 8 صفحہ 511، صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، جلد 4 صفحہ 2155، 2156

لوگوں کو مارنے والا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ یعنی دن اور رات اس کے حکم کے پابند ہیں اور اس کی مشیت کے مطابق یکے بعد دیگرے گردش میں مصروف ہیں۔ اپنے اپنے مقررہ اوقات کے تحت ہر ایک دوسرے کے فوراً بعد چلا آتا ہے، نہ یہ سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور نہ اپنے وقت سے آگے پیچھے ہوتے ہیں جیسا کہ فرمایا: لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ (یٰسین:40) ''نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ چاند کو آ پکڑے اور نہ رات کی یہ طاقت ہے کہ دن سے آگے نکل جائے''۔ آیت کے اختتام پر غور وتدبر کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا: اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ یعنی کیا تمہاری عقلیں نہیں ہیں جو اس ذات پر تمہاری رہنمائی کریں جو غالب اور ہر چیز سے آگاہ ہے، ہر چیز اس کے ماتحت اور زیر تسلط ہے، پھر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے متعلق خبر دے رہا ہے جو ان سے پہلے قیامت کو جھٹلاتے تھے اور دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کا انکار کرتے تھے، فرمایا: بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ یعنی مر کر مٹی ہو جانے اور ہڈیوں کے بوسیدہ ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کو یہ لوگ محال سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں: لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ یعنی اعادہ ناممکن ہے اور قیامت کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ پہلے لوگوں کے افسانے ہیں جنہیں سابقہ کتابوں سے نقل کر کے سنایا جا رہا ہے، اسی طرح اور مقامات پر ان کے متعلق فرمایا: ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ (النازعات: 11-14) ''کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہوں گے، بولے یہ تو بڑے گھاٹے کی واپسی ہوگی، پس (اس واپسی کے لئے) ایک جھڑک ہی کافی ہے پھر وہ فوراً کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے''۔ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ (یٰسین:79-77)۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝

''(اے حبیب!) آپ پوچھئے کس کی ملکیت ہے یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو۔ وہ کہیں گے (یہ سب) اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ آپ فرمایئے پھر کیا تم غور نہیں کرتے۔ پوچھئے کون ہے مالک سات آسمانوں کا اور (کون ہے) مالک عرش عظیم کا؟ وہ کہیں گے (یہ سب) اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ آپ فرمایئے تم اس سے کیوں نہیں ڈرتے۔ آپ پوچھئے وہ کون ہے جس کے دست قدرت میں ہر چیز کی کامل ملکیت ہے اور وہ پناہ دیتا ہے (جسے چاہے) اور پناہ نہیں دی جا سکتی اس کی مرضی کے خلاف (بتاؤ) اگر تم کچھ علم رکھتے ہو۔ وہ کہیں گے یہ اللہ تعالیٰ کی ہی شان ہے فرمایئے پھر کیسے تم دھوکہ میں مبتلا ہو جاتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے پہنچا دیا انہیں حق اور وہ یقیناً جھوٹے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنی وحدانیت، خالقیت، تصرف اور ملکیت ثابت فرما رہا ہے تاکہ اس حقیقت کی طرف رہنمائی کی جائے کہ وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور عبادت کے لائق صرف وہی وحدہ لاشریک ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے

کہ آپ ان مشرکین سے پوچھیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کی عبادت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اعتراف کرتے ہیں اور اس میں کسی کو اس کا شریک نہیں سمجھتے لیکن اس کے باوجود الوہیت میں اس کے شریک ٹھہرا کر ان کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ یہ اس بات کے معترف ہیں کہ ان کے یہ جھوٹے خدا نہ کچھ پیدا کر سکتے ہیں اور نہ کسی چیز کے مالک ہیں بلکہ ان کا ان بتوں کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہیں جیسا کہ اس آیت میں ہے: مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر:3) ”ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لئے کہ یہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں“۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ آپ ان سے پوچھیں: لِمَنِ الْاَرْضُ۔ یعنی زمین اور اس کے حیوانات، نباتات، پھل اور دیگر انواع و اقسام کی مخلوقات کا مالک کون ہے، بتاؤ اگر تمہیں اس چیز کا علم ہے؟ وہ جواب میں اس بات کا اقرار کریں گے کہ یہ ساری چیزیں اللہ وحدہ لاشریک کی ملکیت ہیں۔ جب حقیقت یہی ہے تو آپ فرما دیں: اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ یعنی کیا تم اس بات کو نہیں سمجھتے کہ عبادت کا سزاوار صرف وہی خالق اور رازق ہے۔ پھر فرمایا: قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ... یعنی عالم علوی اور اس میں روشن ستارے، آسمانوں میں ہر جگہ اطاعت گزار فرشتے اور عرش عظیم کس کی ملکیت ہیں؟ عرش مخلوق کی چھت ہے جیسا کہ ایک حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بڑی ہے، اس کا عرش آسمانوں پر اس طرح ہے“ اور آپ نے اپنے ہاتھ سے قبہ کی شکل بنا کر بتلایا(1)۔ ایک اور حدیث میں ہے: ”ساتوں آسمان، ساتوں زمینیں اور ان میں پائی جانے والی کل مخلوقات کرسی کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے کسی چٹیل میدان میں کوئی حلقہ پڑا ہو“(2)۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ عرش کی ایک جانب سے دوسری جانب کی طرف دو قطروں کے درمیان پچاس ہزار سال کی مسافت ہے اور ساتویں زمین سے اس کی بلندی پچاس ہزار میل کی مسافت پر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ عرش کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسے اس کے بلند ہونے کی وجہ سے عرش کہا جاتا ہے۔ حضرت کعب الاحبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آسمان اور زمین عرش کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے زمین و آسمان کے درمیان کوئی قندیل معلق ہو۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ زمین و آسمان عرش کے مقابلے میں یوں ہیں جیسے ایک چٹیل وسیع میدان میں کوئی حلقہ پڑا ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی عرش کی قدر و عظمت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ عرش سرخ یاقوت کا ہے۔ یہاں فرمایا: رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ یعنی وہ بہت بڑے عرش کا رب ہے۔ اس سورت کے آخر میں فرمایا: رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ (المومنون:116) یعنی وہ بہت خوبصورت اور خوشنما عرش کا رب ہے۔ عرش وسعت، عظمت، ارتفاع اور حسن کا جامع ہے، اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ سرخ یاقوت کا بنا ہوا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہارے رب کے ہاں نہ رات ہے اور نہ دن۔ عرش کا نور اس کی ذات کے نور سے ہے۔ بہرکیف ساتوں آسمانوں اور عرش کے مالک کے متعلق پوچھنے پر مشرکین یہی جواب دیں گے: سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ یعنی جب تم اس بات کا اقرار کرتے ہو کہ آسمانوں اور عرش عظیم کا رب اللہ تعالیٰ ہی ہے تو پھر تم غیر اللہ کی عبادت کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے میں اس کے عقاب اور عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے۔ ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ کتاب التفکر والاعتبار میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اکثر ایک عورت کی بابت بتایا کرتے تھے جو زمانہ جاہلیت میں کسی پہاڑ کی چوٹی پر رہتی تھی۔ اس کے ساتھ اس کا بیٹا بھی تھا جو بکریاں چرایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے اپنی ماں سے دریافت کیا کہ امی جان! آپ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ ماں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے۔ لڑکے نے پھر پوچھا کہ میرے باپ کو کس نے پیدا کیا ہے؟

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 232 2۔ تفسیر طبری، جلد 3 صفحہ 10

جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے۔ پھر اس نے سوال کیا کہ مجھے کس نے پیدا کیا ہے؟ جواب ملا: اللہ تعالیٰ نے۔ لڑکے نے دریافت کیا کہ آسمانوں کا خالق کون ہے؟ ماں نے کہا: اللہ تعالیٰ۔ لڑکے نے پوچھا کہ زمین کا خالق کون ہے؟ جواب دیا: اللہ تعالیٰ۔ سوال کیا کہ پہاڑوں کی تخلیق کس نے کی؟ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے۔ لڑکا پوچھنے لگا کہ ان بکریوں کو کس نے پیدا کیا؟ ماں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے۔ یہ سن کر لڑکا کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ کی شان بہت بلند ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا تصور کرتے ہوئے وہ کانپ گیا اور پہاڑ سے گر پڑا اور جان دے دی۔ اس کے ایک راوی عبید اللہ بن جعفر المدینی کے بارے میں کلام کی گئی ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ یعنی اسی کے قبضہ قدرت میں ہر چیز کی ملکیت ہے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا (ہود: 56) ''کوئی جاندار بھی نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اسے پیشانی کے بالوں سے پکڑا ہوا ہے''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عموماً ان الفاظ میں قسم اٹھایا کرتے تھے: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے''۔ زیادہ تاکیدی قسم اٹھاتے وقت آپ یوں کہتے: ''اس کی قسم جو دلوں کو پھیرنے والا ہے'' (1)۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق، مالک اور متصرف ہے۔ وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ عربوں میں یہ دستور تھا کہ جب سردار قبیلہ کسی کو پناہ دے دیتا تو سارے قبیلہ پر اس کی پابندی ضروری سمجھی جاتی لیکن سردار قبیلہ کے مقابلے میں کسی اور کو پناہ دینے کا حق حاصل نہیں تھا اس لئے فرمایا: وَهُوَ يُجِيْرُ یعنی اللہ تعالیٰ سب سے بڑا اور عظیم ہے، اس سے بڑھ کر کسی کو عظمت حاصل نہیں، ہر قسم کی تخلیق اور ہر امر اسی کے اختیار میں ہے اور اس کے حکم کو نہ ٹالا جا سکتا ہے اور نہ اس کی مخالفت کی جا سکتی ہے۔ وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا، وہ نہیں ہوتا، اس سے کسی کام کے متعلق باز پرس نہیں کی جا سکتی جبکہ لوگوں سے باز پرس ہوگی، اس کی عظمت، کبریائی، غلبہ، قہر، عزت، حکمت اور عدل کے پیش نظر کوئی اس سے باز پرس نہیں کر سکتا لیکن مخلوق کو اپنے اعمال کا حساب دینا پڑے گا جیسا کہ ارشاد ہے: فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الحجر: 92-92) ''پس آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ان کے اعمال کے متعلق پوچھیں گے جو وہ کیا کرتے تھے''۔ فرمایا: سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ یعنی یہ اس حقیقت کا اعتراف کریں گے کہ سب سے بڑا بادشاہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو پناہ دیتا ہے لیکن اس کے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ پھر فرمایا: قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ یعنی تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے کہ تم باوجود اس اعتراف کے، پھر بھی غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو۔ پھر فرمایا: بَلْ اَتَيْنٰهُمْ ... یعنی ہم ان کے سامنے حق لے آئے، انہیں واضح طور پر آگاہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور پھر اس پر صحیح، واضح اور قطعی دلائل قائم کر کے یہ بیان کر دیا کہ یہ غیر اللہ کی عبادت میں جھوٹے ہیں اور ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں جیسا کہ فرمایا: وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ (المومنون: 117) ''اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو پوجتا ہے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے بلاشبہ کافر کامیاب نہیں ہوں گے''۔ مشرکین جس گمراہی اور افترا بازی کا شکار تھے، وہ ایسا کسی دلیل کے باعث نہیں کرتے تھے بلکہ وہ دشت حیرت و ضلالت میں بھٹکنے والے اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید میں ایسا کرتے تھے جیسا کہ ان کے متعلق فرمایا: اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓي اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓي اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ (الزخرف: 23) ''ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم ان کے نقش پا پر چل رہے ہیں''۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا

1۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 13 صفحہ 377

بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۙ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾

''نہیں بنایا اللہ نے کسی کو (اپنا) بیٹا اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے۔ ورنہ لے جاتا ہر خدا ہر اس چیز کو جو اس نے پیدا کی ہوتی اور غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے وہ خدا ایک دوسرے پر۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ ان تمام (نازیبا) باتوں سے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ وہ جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کو پس وہ بلند ہے اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اس سے منزہ اور برتر ہے کہ اس کی اولاد ہو یا بادشاہت، تصرف اور عبادت میں کوئی اس کا شریک ہو فرمایا: مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ یعنی اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ کئی خدا ہیں تو ہر خدا اپنی مخلوق کا مستقل مالک ہوتا اور وہ اپنی مرضی سے تصرف کرتا۔ اس طرح دنیا اور موجودات کا نظام درہم برہم ہو جاتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ عالم علوی اور عالم سفلی میں موجودات کا نظام مقدور حد کامل اور مربوط ہے۔ رحمن کی تخلیق میں کوئی تفاوت یا نقص نظر نہیں آتا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خدا صرف ایک ہی ہے۔ اگر خدا متعدد ہوتے تو ان میں سے ہر ایک دوسرے پر غلبہ پانے اور اسے اپنا تحت بنانے کی کوشش کرتا۔ متکلمین نے دلیل تمانع سے اس بات کو سمجھانے کی کوشش کی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر دو یا دو سے زائد خدا فرض کر لیے جائیں جن میں سے ایک کسی جسم کی حرکت کا ارادہ کرے اور دوسرا اس کے سکون کا۔ اب اگر دونوں کی مراد حاصل نہ ہو تو وہ دونوں ہی عاجز ٹھہرے اور عاجز خدا نہیں بن سکتا کیونکہ واجب الوجود عاجز نہیں ہو سکتا، اور یہ بھی ناممکن ہے کہ دونوں کی مراد پوری ہو کیونکہ دونوں کے ارادوں میں تضاد ہے۔ پس دونوں کی خواہش کا پورا ہونا محال ہے اور اس محال کے لازم آنے کی وجہ یہ ہے کہ متعدد خدا فرض کیے گئے تھے، اس لیے یہ تعدد محال اور باطل ہو گیا۔ اب اگر ایک کی خواہش پوری ہو اور دوسرے کی نہ ہو تو ان میں سے پہلا غالب اور دوسرا مغلوب ہوگا۔ غالب واجب اور مغلوب ممکن ہوا کیونکہ واجب کی یہ صفت نہیں کہ وہ مغلوب ہو، اس لیے فرمایا: وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ یعنی وہ ایک دوسرے پر برتری کی کوشش کرتے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کی اس نازیبا بات سے پاک ہے کہ اس کا بیٹا یا شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ظاہر اور پوشیدہ کو خوب جانتا ہے اور وہ انکار کرنے والے ظالموں کی ہر دوسرائی سے بہت بلند، مقدس اور منزہ ہے۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَ اِنَّا عَلٰۤى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ﴿۹۷﴾ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾

''آپ دعا مانگئے اے میرے پروردگار! اگر تو ضرور مجھے دکھانا چاہتا ہے وہ (عذاب) جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو میرے رب! (ازراہ عنایت) مجھے ان ظالموں کے ساتھ نہ کرنا۔ اور ہم اس بات پر کہ دکھا دیں تجھے وہ عذاب جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے قادر ہیں۔ دور کرو اس چیز سے جو بہت بہتر ہے برائی کو، ہم خوب جانتے ہیں جو باتیں وہ بیان کرتے ہیں۔ اور کہئے میرے رب! میں پناہ طلب کرتا ہوں تیری شیطانوں کے وسوسوں سے۔ اور میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں میرے رب اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو مشکلات کے وقت اس دعا کی تعلیم دے رہا ہے: رَّبِّ اِمَّا تُرِیَنِّیْ یعنی اے میرے پروردگار! اگر تو ان بدکاروں کو عذاب دے اور میں اسے دیکھ رہا ہوں تو مجھے ان میں شامل نہ کرنا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "اور جب تو کسی قوم کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہے تو مجھے فتنہ میں ڈالنے سے پہلے اپنے پاس بلا لے"(1)۔ فرمایا: وَاِنَّا عَلٰۤی اَنْ نُّرِیَكَ ۔۔ یعنی اگر ہم چاہیں تو آپ کو وہ عذاب دکھا دیں جو ہم کفار پر اتارنے والے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ حسن معاشرت کا نفع بخش تریاق بتا رہا ہے، وہ ہے برائی اور بدسلوکی کرنے والے کے ساتھ بھی بھلائی اور حسن سلوک کرنا تاکہ اس کے دل کو مائل کیا جاسکے اور اس طرح اس کی دشمنی دوستی میں اور اس کی نفرت محبت میں بدل جائے۔ فرمایا: اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ (حم السجدة:35-34) "برائی کا تدارک اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے پس ناگہاں وہ شخص، تیرے درمیان اور اس کے درمیان عداوت ہے، یوں بن جائے گا گویا تمہارا جانی دوست ہے اور نہیں توفیق دی جاتی ان (فضائل) کی بجز ان کے جو صبر کرتے ہیں اور نہیں توفیق دی جاتی ہے مگر بڑے خوش نصیب کو"۔ یعنی یہ خصلت، وصف اور نصیحت صرف انہیں حاصل ہوتی ہے جو لوگوں کی ایذا رسانیوں پر صبر کرتے ہیں اور برائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہیں۔ یہ ایسے عظیم لوگ ہیں جو دنیا و آخرت میں بامراد ہیں۔ چونکہ شیطانوں کی وسوسہ اندازی اور فریب کاری کے مقابلہ میں انسان کی کوئی ذاتی تدبیر یا حیلہ کارگر نہیں اور نہ ہی وہ حسن سلوک سے مطیع ہوتے ہیں، اس لئے ان شیاطین سے اللہ تعالیٰ کی پناہ لینے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ ۔۔ استعاذہ کی تفسیر کے تحت ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ کہا کرتے تھے: "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَ نَفْثِهٖ" پھر فرمایا: وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ یعنی اے میرے رب! میں اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ شیطان میرے پاس آئیں اور میرے کسی کام میں دخل اندازی کریں، اسی لئے شیطان کو بھگانے کے لئے ہر کام کے شروع میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہئے۔ کھانا پینا، جماع، ذبح اور دیگر تمام امور کا آغاز کرنے سے پہلے اللہ کا ذکر کرنا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَرَمِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَدْمِ وَ مِنَ الْغَرَقِ وَاَعُوْذُبِكَ اَنْ یَّتَخَبَّطَنِیَ الشَّیْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ" (2)۔ یعنی اے اللہ! میں بڑھاپے سے تیری پناہ مانگتا ہوں، میں دب کر مر جانے اور ڈوب کر مر جانے سے تیری پناہ کا خواستگار ہوں اور میں اس سے تیری پناہ کا طالب ہوں کہ شیطان مجھے موت کے وقت بہکا دے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کو ڈر خوف سے بچنے کے لئے چند کلمات کی تعلیم دیا کرتے تھے کہ وہ سوتے وقت انہیں پڑھ لیا کریں: "بِسْمِ اللّٰهِ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَاَنْ یَّحْضُرُوْنِ" حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنے بالغ بچوں کو یہ کلمات سکھاتے اور سوتے وقت انہیں پڑھنے کی تلقین کرتے اور چھوٹے بچوں کے گلے میں یہ کلمات لکھ کر لٹکا دیتے (3)۔

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآىِٕلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝

"یہاں تک کہ جب آئے گی ان میں سے کسی کو موت تو وہ (بصد حسرت) کہے گا میرے مالک! مجھے (دنیا میں) واپس بھیج

1۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورہ ص، جلد 12 صفحہ 116-114، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 243
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، جلد 2 صفحہ 92
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطب، جلد 4 صفحہ 12، عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13 صفحہ 53-52، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 181

دے۔ شاید میں اچھے کام کروں اس دنیا میں دوبارہ جا کر جسے میں ایک بار چھوڑ آیا ہوں۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہ ایک (لغو)
بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے اور ان کے آگے ایک آڑ ہے اس دن تک جب وہ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے''۔

کفار اور حقوق اللہ میں کوتاہی کرنے والے گنہگار موت کے وقت سخت پشیمان ہوتے ہیں اور واپس دنیا کی طرف لوٹ جانے کی آرزو کرتے ہیں تا کہ وہ نیک کام کر کے اپنی سابقہ بداعمالیوں کا تدارک کر سکیں، اس لئے فرمایا: رَبِّ ارْجِعُوْنِ ... فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ... وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (المنافقون:10-11)، وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ ... مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ (ابراہیم:44)، يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ (الاعراف:53) ''جس روز اس کا انجام ظاہر ہوگا تو کہیں گے جو پہلے اسے بھلائے ہوئے تھے کہ بے شک ہمارے رب کے رسول حق لائے تھے تو کیا (آج) ہمارے کوئی سفارشی ہیں تو وہ ہمارے لئے سفارش کریں یا ہمیں واپس بھیج دیا جائے تا کہ ہم اس کے برعکس عمل کریں جو ہم کیا کرتے تھے''۔ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ (السجدة:12) ''اور کاش تم دیکھو جب مجرم اپنے رب کے ہاں سر جھکائے ہوں گے (کہیں گے) اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا ہمیں واپس بھیج، ہم نیک عمل کریں گے ہمیں اب پورا یقین آ گیا ہے''، وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا ... وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (الانعام:27-28)، وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ (الشوریٰ:44) ''اور آپ ملاحظہ کریں گے ظالموں کو جب وہ عذاب دیکھیں گے، پوچھیں گے کہ کیا واپس لوٹنے کا بھی کوئی راستہ ہے''۔ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ (المومن:11) ''وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دومرتبہ موت دی اور دومرتبہ زندہ کیا پس اب ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں سو کیا (یہاں سے) نکلنے کی بھی کوئی صورت ہے''۔ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ..... مِنْ نَّصِيْرٍ (فاطر:37)۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ یہ بیان فرما رہا ہے کہ ایسے بدکار لوگ موت کے وقت، قیامت کے دن، اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کے وقت اور جہنم میں دھکیلے جانے کے وقت دنیا میں واپس جانے کی آرزو کریں گے اور نیک اعمال بجالانے کا وعدہ کریں گے لیکن ان کی آرزو پوری نہیں ہوگی، اس لئے فرمایا: كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ''كلا'' حرف ردع و زجر ہے یعنی ہم ان کے مطالبہ کو پورا نہیں کریں گے کیونکہ یہ ایسی بات ہے جو وہ خود کہہ رہے ہیں اور ہر ظالم موت کے وقت لامحالہ یہ بات کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ فرمان اِنَّهَا كَلِمَةٌ ... ''كَلَّا'' کی علت ہو۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا: کیونکہ اس بدکار کا دنیا میں واپس لوٹائے جانے کا سوال کرنا اور اچھے اعمال کا وعدہ کرنا ایسی بات ہے جو وہ کر رہا ہے اور اس کے ساتھ عمل کی کوئی ضمانت نہیں۔ اگر اسے دنیا میں لوٹا بھی دیا جائے تو بھی یہ اعمال صالحہ نہیں بجالائے گا، اس لئے یہ اپنی اس بات میں جھوٹا ہے جیسا کہ فرمایا: وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (الانعام:28) قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس روز کافر یہ آرزو نہیں کرے گا کہ اسے اس کے اہل و عیال اور خاندان کی طرف لوٹا دیا جائے اور نہ یہ کہ اسے دنیا مل جائے اور اس کی خواہشات کی تکمیل ہو جائے بلکہ اس کی یہی تمنا ہوگی کہ اسے واپس لوٹا دیا جائے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر سکے۔ پس اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے وہ کام کئے جن کی تمنا کافر اس وقت کرے گا جب اسے عذاب دکھائی دے گا۔ عمر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ جب کافر نیک اعمال کا وعدہ کرتے ہوئے دنیا میں لوٹائے جانے کا مطالبہ کرے گا تو اللہ

تعالیٰ اسے فرمائے گا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، تو جھوٹا ہے۔ حضرت علاء بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تم خود کو یہ باور کراؤ پوری تندہی سے نیک کام کرو۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ کافر کی اس آرزو کو پیش نظر رکھو اور طاعت الٰہی میں اپنے لمحات بسر کرو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کافر کو اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے اور وہ اپنا جہنم کا ٹھکانہ دیکھ لیتا ہے تو کہتا ہے میرے رب! مجھے واپس لوٹا دے، میں توبہ کرلوں گا اور نیک اعمال بجا لاؤں گا، اسے جواب ملتا ہے کہ جس قدر عمر تیرے لئے مقدر تھی، وہ تو گزار چکا، پھر اس کی قبر تنگ ہو کر اس پر مل جاتی ہے اور اس کی حالت برگزیدہ کی سی ہوتی ہے اور حشرات الارض، سانپ اور بچھو اس پر چڑھ دوڑتے ہیں(1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ گنہگار اہل قبور کے لئے ہلاکت ہے، ان کی قبروں میں کالے ناگ انہیں ڈستے رہتے ہیں۔ ایک سانپ سر کی طرف اور ایک پاؤں کی طرف سے ڈسنا شروع کرتا ہے یہاں تک کہ وہ ڈستے ڈستے درمیان میں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ یہ برزخ کا عذاب ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمِنْ وَّرَآىِٕهِمْ بَرْزَخٌ آیت کریمہ میں اللہ وراء "امام" (سامنے) کے معنی میں ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ برزخ دنیا و آخرت کے درمیان آڑ کا نام ہے۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ برزخ دنیا اور آخرت کے درمیان حجاب ہے، وہ نہ تو اہل دنیا کیساتھ ہیں کہ کھائیں پئیں اور نہ اہل آخرت کے ساتھ کہ انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے۔ ابو صخر کہتے ہیں کہ برزخ سے مراد قبریں ہیں جہاں وہ قیامت تک رہیں گے، نہ وہ دنیا میں ہیں اور نہ آخرت میں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان وَمِنْ وَّرَآىِٕهِمْ بَرْزَخٌ میں قریب الموت ظالموں کو عذاب برزخ کی دھمکی ہے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ جَهَنَّمُ (الجاثیہ: 10) اور وَمِنْ وَّرَآىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ (ابراہیم: 17)۔ یہ فرمان اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ظاہر کر رہا ہے کہ ان کا یہ عذاب قیامت تک جاری رہے گا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ اسے اس (زمین) میں لگاتار عذاب ہوتا رہے گا(2)۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ۝

"تو جب صور پھونکا جائے گا تو کوئی رشتہ داریاں نہ رہیں گی ان کے درمیان اس روز اور نہ وہ ایک دوسرے کے متعلق پوچھ سکیں گے۔ البتہ جن کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہی لوگ کامیاب و کامران ہوں گے۔ اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے نقصان پہنچایا اپنے آپ کو، وہ جہنم میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے۔ بری طرح جھلس دے گی ان کے چہروں کو آگ اور وہ اس میں دانت نکالے ہوں گے (اب منہ کیوں بسورتے ہو؟)"۔

جب دوبارہ زندہ کرنے کے لئے صور پھونکا جائے گا اور لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے تو اس دن نہ تو ان کے درمیان رشتہ داریاں باقی رہیں گی اور نہ وہ ایک دوسرے کے متعلق پوچھیں گے۔ اس دن نہ تو باپ کام آئیں گے اور نہ کوئی باپ اپنی اولاد پر ترس کھائے گا جیسا کہ ارشاد ہے: وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۝ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ (المعارج: 11-10) "کوئی دوست اپنے دوست سے کچھ نہیں پوچھے گا حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔ اگر کسی کا دوست اس دن گناہوں کے بوجھ تلے دبا ہوگا تو وجود اس کے کہ وہ دنیا میں بہت عزیز تھا پھر بھی نہ تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوگا اور نہ ہی اس کا مچھر کے پر کے برابر معمولی سا بھی بوجھ اٹھانے کے لئے تیار ہوگا جیسا کہ

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 114

2۔ سنن ابوداؤد، کتاب الجنائز، جلد 4 صفحہ 291، 293

فرمان ہے: يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ (عبس: 36-34) ''اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنے بچوں سے''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اگلوں پچھلوں کو جمع کرے گا پھر ایک منادی ندا دے گا کہ جس کسی کا حق کسی دوسرے کے ذمہ ہو وہ آئے اور اپنا حق لے لے۔ چنانچہ اگر کسی کا اپنے والد، اپنی اولاد یا اپنی بیوی کے ذمے کوئی چھوٹا سا بھی حق ہوگا تو وہ خوش ہوتا ہوا اپنے حق کے لئے دوڑا چلا آئے گا، اس کا مصداق یہ آیت ہے: فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ... (1)۔ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، جو چیز اسے ناراض کرتی ہے، وہ مجھے بھی ناراض کرتی ہے اور جو چیز اسے خوش کرتی ہے وہ مجھے بھی خوش کرتی ہے۔ قیامت کے دن تمام رشتہ داریاں منقطع ہو جائیں گی سوائے میرے نسب، میرے سبب اور میرے سسرال کے تعلق کے'' (2)۔ صحیحین میں یہ الفاظ ہیں: ''فاطمہ میری لخت جگر ہے، جو چیز اسے بے چین کرتی ہے، وہ مجھے بھی بے چین کرتی ہے اور جو چیز اسے اذیت پہنچاتی ہے وہ مجھے بھی اذیت پہنچاتی ہے'' (3)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر فرمایا: ''لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی رشتہ داری آپ ﷺ کے خاندان کو فائدہ نہیں دے گی، ایسا کیوں نہیں، اللہ کی قسم! میرا رشتہ دنیا اور آخرت میں ملا ہوا ہے، اے لوگو! جب تم وہاں آؤ گے تو میں تمہارا پیشرو ہوں گا۔ ایک آدمی کہے گا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں فلاں بن فلاں ہوں۔ میں جواب دوں گا کہ نسب تو میں نے پہچان لیا لیکن تم لوگوں نے میرے بعد بدعتوں کو رواج دیا اور الٹے پاؤں پسپا ہو گئے'' (4)۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے نکاح کیا تو فرمایا کہ میں نے صرف اس غرض کی خاطر یہ نکاح کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''قیامت کے دن ہر سبب اور نسب منقطع ہو جائے گا سوائے میرے سبب اور میرے نسب کے'' (5) یہ بھی مذکور ہے کہ آپ نے ان کے اعزاز و اکرام میں انہیں چالیس ہزار مہر ادا کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن ہر نسبی اور سسرالی تعلق ختم ہو جائے گا سوائے میرے نسبی اور سسرالی تعلق کے''۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے: ''میں نے اپنے پروردگار سے التجا کی کہ میری امت میں سے جہاں میرا نکاح ہوا اور ان میں سے جس کا میرے ہاں نکاح ہوا وہ سب جنت میں میرے ساتھ رہیں تو اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی''۔ فرمایا: فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ یعنی جس کی نیکیاں اس کی برائیوں سے بڑھ گئیں اگرچہ ایک نیکی بھی بڑھ گئی تو ایسے لوگ ہی بامراد ہوں گے، جہنم سے نجات پائیں گے اور جنت کے حصول میں کامیاب ہو جائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے مطلوب کو پا لیا اور ناپسندیدہ چیز سے بچ گئے، ان کے برعکس جن لوگوں کی برائیاں ان کی نیکیوں سے بڑھ گئیں تو یہی لوگ بے مراد، ہلاک ہونے والے اور نقصان اٹھانے والے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں آتا ہے: ''اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ایسا ہے جو میزان پر مقرر ہوگا۔ ابن آدم کو لایا جائے گا اور اسے میزان کے دونوں پلڑوں کے درمیان کھڑا کر دیا جائے گا۔ اگر اس کی نیکیوں والا پلڑا بھاری ہوا تو فرشتہ اونچی آواز سے ندا دے گا جسے تمام مخلوق سنے گی کہ فلاں شخص نے ایسی سعادت حاصل کر لی کہ اس کے بعد کبھی بھی بد بخت نہیں ہوگا اور اگر اس کی نیکیوں والا پلڑا ہلکا ہوا تو فرشتہ اونچی آواز سے ندا دے گا جسے سب سنیں گے کہ فلاں شقاوت کا

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 84، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 117
2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 158، مستدرک حاکم، جلد 3 صفحہ 158
3۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، جلد 5 صفحہ 28، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، جلد 4 صفحہ 1902
4۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 18
5۔ سنن کبریٰ بیہقی، کتاب النکاح، جلد 7 صفحہ 64، 114

مستحق ہوا، اب اس کے بعد کبھی بھی وہ سعادتمند نہیں ہوگا" (1)۔ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کا ایک راوی داؤد بن محبر ضعیف اور متروک ہے، فرمایا: فِيْ جَهَنَّمَ ...... یعنی وہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے چھٹکارے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جہنم کی آگ انہیں جھلسائے گی جیسا کہ فرمایا: وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ (ابراہیم:50) "اور آگ ان کے چہروں کو ڈھانپ رہی ہوگی"، لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ (الانبیاء:39) "کاش! کفار (اس وقت کو) جان لیتے جب وہ نہ روک سکیں گے اپنے چہروں سے آگ کو اور نہ اپنی پشتوں سے"۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جب جہنمیوں کو دھکیل کر جہنم میں لایا جائے گا تو اس کا پہلا شعلہ ہی انہیں جھلسا دے گا اور ان کا گوشت گر کر ان کے قدموں میں آ پڑے گا" (2)۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس آیت تَلْفَحُ ... کی تفسیر میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ آگ انہیں اس طرح جھلسائے گی کہ ان کا گوشت ان کی ایڑیوں پر بہنے لگے گا۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ یعنی وہ جہنم میں منہ بسورے ہوئے اور ہونٹوں کو سکیڑ کر دانت نکالے ہوئے ہوں گے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "وہ وہاں دانت نکالے ہوئے ہوں گے، آگ انہیں بھون ڈالے گی۔ ان کا اوپر والا ہونٹ اتنا چڑھا ہوا ہوگا کہ سر کے درمیان تک پہنچ ہوگا اور نیچے والا ہونٹ لٹک کر ناف تک پہنچا ہوا ہوگا" (3)۔

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

"کیا ہماری آیتیں نہیں پڑھی جاتی تھیں تمہارے سامنے اور تم انہیں جھٹلایا کرتے تھے۔ (معذرت کرتے ہوئے) کہیں گے اے ہمارے رب! غالب آ گئی تھی ہم پر ہماری بدبختی اور ہم گم کردہ راہ لوگ تھے۔ اے ہمارے مالک! (ایک بار) ہمیں نکال اس سے، پھر اگر ہم نافرمانی کی طرف رجوع کریں تو یقیناً پھر ہم ظالم ہوں گے"۔

جہنمیوں کو کفر، معاصی، محارم اور کبیرہ گناہوں کے ارتکاب پر قیامت کے دن جو سرزنش اور زجر و توبیخ ہوگی، اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ ۔ یعنی میں نے تمہاری طرف پیغمبر بھیجے تم پر کتابیں نازل کیں اور تمہارے شبہات کا ازالہ کر دیا یہاں تک کہ تمہاری کوئی حجت باقی نہ رہی جیسا کہ فرمایا: لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (النساء:165) "تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر نہ رہے"۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل:15) "اور ہم عذاب نہیں دیتے یہاں تک کہ کوئی رسول بھیج دیں"۔ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ... فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (الملک:8-11) "اس لئے وہ کہیں گے رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا ۔ یعنی حجت تو ہم پر تمام ہو گئی تھی لیکن ہماری بدبختی آڑے آ گئی اور ہم اس کی اتباع نہ کر سکے۔ اس وجہ سے ہم گمراہ ہوئے اور حرماں نصیبی ہمارا مقدر ٹھہری، پھر وہ کہیں گے: رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا ۔ یعنی ہمیں دنیا میں لوٹا دے، پھر اگر ہم نے نافرمانی کی تو یقیناً ہم ظالم اور مستحق عقوبت ہوں گے جیسا کہ فرمایا: فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ... فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ (المومن:11-12) یعنی تمہارے یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے رہے جبکہ اہل ایمان

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب البعث، جلد 4 صفحہ 160-161
2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 118
3۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ مومنون، جلد 12 صفحہ 41، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 88

عقیدہ توحید پر کار بند رہے۔

قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿١٠٨﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰۤى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَ كُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿١١٠﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ ﴿١١١﴾

"جواب ملے گا پھٹکارے ہوئے پڑے رہو اس میں اور مت بولو میرے ساتھ۔ (تمہیں یاد ہے) ایک گروہ میرے بندوں میں سے ایسا تھا جو عرض کیا کرتا تھا اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے ہیں، تو تو بخش دے ہمیں اور رحم فرما ہم پر اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔ تم نے ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا حتیٰ کہ اس مشغلہ نے غافل کر دیا تمہیں میری یاد سے اور تم ان پر قہقہے لگایا کرتے تھے۔ میں نے بدلہ دے دیا انہیں آج ان کے صبر کا (ذرا دیکھو) وہی ہیں مراد کو پانے والے"۔

کفار جب جہنم سے نکلنے اور دنیا کی طرف لوٹائے جانے کا سوال کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا: اخْسَـُٔوْا فِيْهَا یعنی تم ذلیل ورسوا اور دھتکارے ہوئے یہیں جہنم میں پڑے رہو اور مجھ سے پھر ایسا سوال کرنے کی جرأت نہ کرنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ان کی ہر امید دم توڑ جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جہنمی داروغۂ جہنم کو بلاتے رہیں گے لیکن وہ چالیس سال تک انہیں کوئی جواب نہیں دے گا، پھر وہ انہیں کہے گا کہ تمہیں یہیں رہنا ہے۔ ان کی پکار داروغۂ جہنم کے ہاں بھی بے وقعت ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی۔ پھر وہ اپنے رب کو پکارتے ہوئے کہیں گے: رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا ... فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ۔ اس پکار کا جواب انہیں دنیا کی دوگنی عمر تک نہیں دیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ اس کے بعد ایک کلمہ بھی ان کی زبان سے نہیں نکلے گا بلکہ وہ جہنم میں گدھوں کی طرح چیختے چلاتے اور شور مچاتے رہیں گے(1)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو بھی جہنم سے نہ نکالنے کا ارادہ فرمائے گا تو ان کے چہرے مسخ ہو جائیں گے اور انکے رنگ متغیر ہو جائیں گے۔ اس وقت ایک مومن اللہ تعالیٰ سے ان کی شفاعت کی التجا کرے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جو کسی کو جانتا ہے وہ اسے جہنم سے نکال لائے چنانچہ مومن دیکھے گا تو کسی کو نہیں پہچان سکے گا، جہنمی اسے دیکھ کر پکارے گا کہ میں فلاں ہوں لیکن وہ کہے گا کہ میں تمہیں نہیں پہچانتا۔ اس وقت وہ کہیں گے: رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا مِنْهَا ۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اخْسَـُٔوْا فِيْهَا ۔ جب اللہ تعالیٰ یہ فرمائے گا تو اس وقت ان پر دوزخ کے دروازے بالکل بند کر دیئے جائیں گے اور ان میں سے کوئی بھی باہر نہیں نکل سکے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں یاد دلائے گا کہ وہ دنیا میں گناہوں کے ارتکاب کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کا تمسخر بھی اڑایا کرتے تھے، فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ ۔ یعنی جب میرے بندے میرے حضور مغفرت اور رحم کی دعا کرتے تو تم ان کی دعا اور عجز و نیاز پر ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے یہاں تک کہ ان کے بغض میں تم میری یاد کو بھی بھول گئے اور تمہاری روش یہ تھی کہ تم ان اہل ایمان کی عبادت پر قہقہے لگایا کرتے تھے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿ۖ﴾ وَ اِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ (المطففین: 30-29) "جو لوگ جرم کیا کرتے تھے وہ اہل ایمان پر ہنسا کرتے تھے اور جب ان کے قریب سے گزرتے تو آپس میں آنکھیں مارا کرتے"۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں اور مومن بندوں کے اجر و ثواب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ ۔ یعنی میں نے آج ان اہل ایمان کو ایذا رسانیوں

1۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 395، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 119

اور استہزاء پر صبر کرنے کے باعث بدلہ عطا فرمایا ہے اور یہی سعادت، سلامتی اور جنت حاصل کر کے اور دوزخ سے نجات پا کر فلاح پانے والے ہیں۔

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ۝ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَادِّينَ ۝ قٰلَ إِنْ لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَّوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ۝ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ۝

"اللہ تعالیٰ فرمائے گا (ذرا بتاؤ) کتنے سال تم زمین میں ٹھہرے رہے؟ کہیں گے ہم ٹھہرے تھے بس ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ آپ پوچھ لیں سال گننے والوں سے۔ ارشاد ہوگا تم نہیں ٹھہرے مگر تھوڑا عرصہ، کاش! تم اس (حقیقت) کو (پہلے ہی) جان لیتے۔ کیا تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے۔ پس بہت بلند ہے اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے (بے مقصد تخلیق سے) نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ وہ مالک ہے عزت والے عرش کا"۔

فرمایا جا رہا ہے کہ کافر دنیا کی مختصر زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت سے روگردانی کرتے رہے اور اگر وہ دنیا میں صبر کرتے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں اپنے لمحات صرف کرتے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے متقی بندوں کی طرح بامراد ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ تم دنیا میں کتنے سال ٹھہرے، وہ جواب دیں گے لَبِثْنَا يَوْمًا اللہ تعالیٰ فرمائے گا: إِنْ لَّبِثْتُمْ یعنی اگر تم اس حقیقت کو جان لیتے تو تم فانی کو باقی پر ترجیح نہ دیتے اور نہ اس مختصری مدت میں برائیوں کا ارتکاب کر کے تم اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتے۔ اگر تم اہل ایمان کی طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت پر کاربند ہو جاتے تو آج تم بھی ان کی طرح کامیاب و کامران ہوتے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ جنتیوں کو جنت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں داخل کر دے گا تو فرمائے گا: اے جنتیو! تم دنیا میں کتنے سال ٹھہرے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ پھر تو تم بہت اچھے رہے، تم نے ایک آدھ دن میں میری رحمت، میری رضا اور میری جنت کو حاصل کر لیا، اب اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے دوزخیو! تم دنیا میں کتنا عرصہ ٹھہرے؟ وہ کہیں گے کہ بس آدھ دن۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم بہت برے لوگ ہو تم نے ایک آدھ دن میں مجھے ناراض کر کے جہنم خرید لیا، اب اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو"(1)۔ اگلی آیت میں فرمایا: أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا یعنی کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تمہیں جانوروں کی طرح بے مقصد، عبث اور بغیر کسی ارادہ و حکمت کے پیدا کیا گیا ہے تاکہ تم کھیل کود اور خورد و نوش میں مصروف رہو اور تمہارا خیال ہے کہ اس روش پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی اور نہ ہی دنیاوی اعمال پر کوئی جزا و سزا مرتب ہوگی۔ ایسا ہرگز نہیں، بلکہ تمہاری تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے احکام کی تعمیل کرو۔ مزید برآں تم یہ بھی خیال کئے بیٹھے ہو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا۔ اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُّتْرَكَ سُدًى (القیامۃ: 36) "کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے مہمل چھوڑ دیا جائے گا"۔ پھر فرمایا: فَتَعٰلَى اللّٰهُ یعنی اللہ تعالیٰ بے مقصد اور عبث تخلیق سے بلند اور پاک ہے کیونکہ وہ حقیقی بادشاہ ہے جو

1۔ الدرالمنثور، جلد 6 صفحہ 121

اس چیز سے منزہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عزت والے عرش کا مالک ہے۔ عرش کا ذکر اس لئے کیا کیونکہ وہ تمام مخلوقات کی چھت ہے اور اس کا وصف کریم بیان کیا یعنی وہ خوشنما اور خوبصورت ہے جیسا کہ اس فرمان میں: فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ (لقمان:10) ''پس ہم نے زمین میں ہر نوع کے نفیس جوڑے اگائے''۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آخری خطبہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا: اے لوگو! تمہیں فضول اور عبث نہیں پیدا کیا گیا اور نہ تمہیں یونہی بے مقصد چھوڑا گیا تمہارے لئے ایک وعدہ کا دن مقرر ہے جس میں اللہ تعالیٰ بذات خود تمہارے درمیان فیصلے کرنے اور حکم فرمانے کیلئے نازل ہوگا۔ وہ بندہ بے مراد، ناکام اور بدبخت ہوا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور کردیا اور ایسی جنت سے محروم کردیا جس کا عرض آسمانوں اور زمین کی مثل ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کل وہی عذاب سے محفوظ رہے گا جو آج اس دن سے ڈرا اور فانی کو باقی پر، قلیل کو کثیر پر اور خوف کو امان پر قربان کردیا۔ کیا تم ملاحظہ نہیں کرتے کہ تم ہلاک ہونے والوں کی صلبوں میں ہو، اسی طرح تمہارے مرنے کے بعد اور تمہاری جگہ لے لیں گے یہاں تک کہ وہ وقت آجائے گا جب تم سب خیر الوارثین کی طرف لوٹ جاؤ گے۔ پھر تم ہر روز صبح وشام اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے کے جنازہ میں شریک ہوتے ہو جو وفات پا گیا اور اپنے مقررہ وقت کو پہنچ گیا، پھر تم اسے زمین کے ایک گڑھے میں دفن کرکے بغیر تکیے اور بستر کے چھوڑ دیتے ہو۔ یہ دوستوں سے جدا ہوگیا، مٹی کے ساتھ مل گیا اور حساب کتاب کا سامنا کیا۔ اب یہ اپنے عمل کے ساتھ پابند ہے، اس چیز سے بے نیاز ہے جو اس نے چھوڑی اور اس چیز کا محتاج ہے جو اس نے آگے بھیجی۔ اس لئے اللہ کے بندو! عہد وپیمان ختم ہوجانے اور موت کے آنے سے پہلے اللہ سے ڈرو۔ پھر آپ چادر کے ایک کنارے کو اپنے منہ پر رکھ کر رونے لگے اور سب حاضرین بھی رو دیئے۔ ایک بیمار شخص کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا، اسے کوئی جن لاحق تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے اَفَحَسِبْتُمْ سے لے کر اختتام سورت تک کی آیات اس کے کان میں پڑھیں تو وہ صحت یاب ہوگیا۔ جب اس چیز کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا گیا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم نے اس کے کان میں کیا پڑھا؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بتادیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب یہ آیتیں اس کے کان میں پڑھیں تو انہوں نے اسے جلا دیا''۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر یقین رکھنے والا شخص ان آیات کو پہاڑ پر پڑھ دے تو وہ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائے'' (1)۔ حضرت ابراہیم بن حارث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک لشکر کے ساتھ بھیجا اور ہمیں صبح وشام اس آیت اَفَحَسِبْتُمْ کی تلاوت کا حکم دیا۔ چنانچہ ہم حسب ارشاد اس کی تلاوت کرتے رہے تو سلامتی اور غنیمت کے ساتھ واپس لوٹے (2)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کے لئے غرق ہونے سے بچاؤ کی تدبیر یہ ہے کہ وہ کشتیوں پر سوار ہوتے وقت یہ پڑھا کریں: ''بِسْمِ اللّٰهِ الْمَلِكِ الْحَقِّ، وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ، بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' (3)۔

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝

1۔ تاریخ دمشق، جلد 8، صفحہ 458۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 126۔ مجمع الزوائد، جلد 5، صفحہ 115

2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 122۔ معالم التنزیل، جلد 1، صفحہ 51

3۔ المعجم الکبیر، جلد 12، صفحہ 124-125

”اور جو پوجتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے۔ بلاشبہ نہیں کامیاب ہوں گے حق کا انکار کرنے والے۔ اور اے (محبوب!) آپ (یوں) عرض کرو میرے رب! بخش دے (میری گنہگار امت کو) اور رحم فرما (ہم سب پر) اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے“۔

شرک کا ارتکاب کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کی عبادت کرنے والوں کو دھمکی دیتے ہوئے اور اس بات کی خبر دیتے ہوئے کہ مشرکین کے پاس اپنے شرک کی کوئی دلیل نہیں، فرمایا: وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ..... اس میں لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ جملہ معترضہ ہے اور فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ جواب شرط ہے۔ پھر فرمایا: اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ یعنی قیامت کے دن کفار کے لئے نہ فلاح ہوگی اور نہ نجات۔ اللہ کے نبی ﷺ نے ایک شخص سے دریافت کیا: ”تو کس کی عبادت کرتا ہے؟“ اس نے جواب دیا کہ اللہ کی اور فلاں فلاں کی، یہاں تک کہ اس نے بتوں کے نام شمار کر دیئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ان میں سے کون ہے کہ جب تو اسے مصیبت میں پکارے تو وہ تمہاری مصیبت کو دور کر دے؟“ اس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ۔ پھر آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: ”ان میں سے کون ہے جو بوقت ضرورت تمہاری حاجت روائی کرتا ہے؟“ اس نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ۔ آپ نے فرمایا: ”پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان بتوں کی عبادت کا کیا مقصد ہے، کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ وہ تجھے اکیلا کافی نہیں؟“ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان بتوں کی عبادت کا مقصد یہ ہے کہ اس طرح کما حقہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالا سکوں۔ آپ نے فرمایا: ”تم علم رکھتے ہو لیکن وہ علم نہیں رکھتے۔“ جب اس شخص نے اسلام قبول کر لیا تو بعد میں یہ کہا کرتے تھے کہ حضور ﷺ نے مجھے لاجواب کر دیا(1)۔ سورت کی آخری آیت میں اس دعا کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ... مطلق ”غفر“ کا معنی ہے گناہوں کو مٹا دینا اور انہیں لوگوں سے پوشیدہ کر دینا اور رحمت کا معنی ہے راہ راست پر گامزن کرنا اور اچھے اقوال و افعال کی توفیق مرحمت کرنا۔

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13 صفحہ 24

سورۂ نور (مدنیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۠ وَّ لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَ لْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

''یہ ایک عظیم الشان سورت ہے جو ہم نے نازل فرمائی ہے اور ہم نے فرض کیا ہے اس (کے احکام) کو اور ہم نے اتاری ہیں اس میں روشن آیتیں تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔ جو عورت بدکار ہو اور جو مرد بدکار ہو تو لگاؤ ہر ایک کو ان دونوں میں سے سو (سو) درے۔ اور نہ آئے تمہیں ان دونوں پر (ذرا) رحم اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ تعالیٰ پر اور روز آخرت پر اور چاہئے کہ مشاہدہ کرے دونوں کی سزا کو اہل ایمان کا ایک گروہ''۔

اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر کہ یہ ایسی سورت ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے، اس سورت کی اہمیت اور عظمت پر آگاہ کیا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ باقی سورتیں اہمیت اور عظمت والی نہیں۔ فَرَضْنٰهَا کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس میں حلال وحرام، امر و نہی اور حدود کو بیان کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے تم پر اور تم سے بعد آنے والوں پر اس کے احکام فرض کئے ہیں(1)۔ پھر فرمایا: وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَآ یعنی ہم نے اس میں واضح اور کھلی آیتیں نازل کی ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ پھر حد زنا بیان کرتے ہوئے فرمایا: اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ .. اس مسئلہ میں تفصیل اور علماء کا اختلاف ہے۔ زانی یا تو کنوارا غیر شادی شدہ ہوگا یا محصن (شادی شدہ) ہوگا یعنی عاقل بالغ آزاد جو نکاح صحیح کے ساتھ کسی عورت سے ملا ہو۔ غیر شادی شدہ زانی کی حد سو کوڑے ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں بیان ہوا، علاوہ ازیں جمہور کے نزدیک اسے ایک سال جلاوطنی کی سزا بھی دی جائے گی لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جلاوطنی کی سزا امام کی رائے پر موقوف ہے، اگر وہ چاہے تو جلاوطن کردے اور اگر نہ چاہے تو نہ کرے۔ جمہور کی دلیل صحیحین کی حدیث ہے کہ دو اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ ایک ان میں سے کہنے لگا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرا بیٹا اس کے ہاں ملازم تھا۔ وہ اس کی بیوی کے ساتھ زنا کا ارتکاب کر بیٹھا۔ میں نے اس کے فدیہ میں اسے ایک سو بکریاں اور ایک لونڈی دے دی۔ پھر اہل علم سے اس مسئلہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ میرے بیٹے پر سو کوڑوں اور ایک سال جلاوطنی اور اس شخص کی بیوی پر رجم کی سزا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تم دونوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کروں گا، لونڈی اور بکریاں تمہیں لوٹا دی جائیں گی اور تمہارے بیٹے کو سو دروں اور ایک سال جلاوطنی کی سزا دی جائے گی اور اے انیس (قبیلہ اسلم کے ایک شخص)! تم اس شخص کی بیوی کے

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 124، معانی القرآن للفراء، جلد 2 صفحہ 244

پاس جاؤ، اگر وہ اپنی بدکاری کا اعتراف کرے تو اسے رجم (سنگسار) کر دینا" (1)۔ چنانچہ اس عورت کے اعتراف جرم پر اسے سنگسار کر دیا گیا۔ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ غیر شادی شدہ زانی کو سو کوڑے مارنے کے علاوہ ایک سال جلاوطنی کی سزا بھی دی جائے گی۔ اگر کوئی عاقل، بالغ، آزاد شادی شدہ زنا کا مرتکب ہو تو اس کی سزا رجم ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ پر کتاب نازل کی۔ کتاب اللہ میں رجم کی آیت بھی تھی جسے ہم نے پڑھا اور یاد کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی رجم کے حکم کو نافذ کیا اور ہم نے بھی آپ ﷺ کے بعد رجم کیا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کچھ زمانہ گزرنے کے بعد لوگ یہ نہ کہیں کہ ہم کتاب اللہ میں آیت رجم نہیں پاتے، اس طرح نہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فریضہ کو ترک کرنے کی وجہ سے گمراہ ہو جائیں جسے اس نے نازل کیا۔ کتاب اللہ میں ہر شادی شدہ زانی پر رجم کا حکم ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ زنا پر شرعی دلیل قائم ہو جائے یا حمل ظاہر ہو جائے یا وہ خود اقرار کر لے (2)۔ صحیحین میں یہ حدیث اس سے طویل ہے۔ ہم نے وہ حصہ بیان کر دیا ہے جس کا مسئلہ کے ساتھ تعلق تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ کتاب اللہ میں صرف کوڑے مارنے کا حکم ہے اور رجم کا ذکر نہیں، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے بذات خود رجم کا حکم دیا اور آپ ﷺ کے بعد ہم بھی رجم کرتے رہے۔ اگر مجھے لوگوں کے اس اعتراض کا خوف نہ ہوتا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ میں ایسی چیز کا اضافہ کر دیا ہے جو اس میں نہ تھی تو میں اس میں آیت رجم اس طرح لکھ دیتا جس طرح وہ نازل ہوئی تھی (3)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں رجم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ رجم ضروری ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی حدوں میں سے ایک حد ہے، سنو، رسول اللہ ﷺ نے بھی رجم کیا اور آپ ﷺ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ اگر لوگوں کے اس اعتراض کا اندیشہ نہ ہوتا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ میں ایسی چیز شامل کر دی ہے جو اس میں نہ تھی تو میں مصحف کے ایک طرف رجم کا حکم لکھ دیتا۔ حضرات عمر رضی اللہ عنہ، عبد الرحمٰن بن عوف اور فلاں فلاں گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا اور آپ ﷺ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ سنو، تمہارے بعد کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو رجم، شفاعت، عذاب قبر اور اس بات کو جھٹلائیں گے کہ کچھ لوگ جہنم سے اس وقت نکالے جائیں گے جبکہ وہ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے (4)۔ مسند احمد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آیت رجم کے انکار کی وجہ سے ہلاکت سے بچنا (5)۔ اسے ترمذی نے صحیح کہا ہے۔ کثیر بن صلت بیان کرتے ہیں کہ ہم مروان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور ہمارے درمیان حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم قرآن میں یہ پڑھا کرتے تھے: اَلشَّیْخُ وَالشَّیْخَۃُ اِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْھُمَا اَلْبَتَّۃَ" یعنی جب شادی شدہ مرد اور عورت زنا کریں تو انہیں ضرور رجم کرو۔ مروان نے کہا کہ پھر آپ نے اس آیت کو مصحف میں کیوں نہیں لکھا؟ آپ نے فرمایا کہ اس چیز کا ہم نے ذکر کیا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں میں تمہاری تشفی کر دیتا ہوں۔ ہم نے پوچھا وہ کیسے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور یہ یہ ذکر کرنے کے بعد اس نے رجم کا ذکر کیا۔ اس شخص نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے رجم کی آیت لکھ دیں۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الصلح، جلد 3 صفحہ 240۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، جلد 3 صفحہ 1324-1325

2۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، جلد 3 صفحہ 1317، موطا امام مالک، کتاب الحدود، جلد 2 صفحہ 823

3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 29

4۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 23

5۔ جامع ترمذی، ابواب الحدود، جلد 6 صفحہ 204، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 36

آپ ﷺ نے فرمایا: "اب میں ایسا نہیں کرسکتا" (1)۔ یہ سب روایات اس بات کی دلیل ہیں کہ رجم کی آیت پہلے لکھی ہوئی تھی لیکن پھر اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی اور حکم باقی رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کی بیوی کو رجم کرنے کا حکم دیا جو ملازم کیساتھ بدکاری کی مرتکب ہوئی تھی۔ اسی طرح آپ ﷺ نے ماعز رضی اللہ عنہ اور ایک غامدیہ عورت کو رجم کروایا۔ ان سب روایات میں یہ مذکور نہیں کہ آپ ﷺ نے رجم سے پہلے کوڑے بھی لگوائے۔ مختلف اسناد اور مختلف الفاظ سے مروی احادیث سے صرف رجم کا حکم ثابت ہوتا ہے اور ان میں کوڑے مارنے کا ذکر نہیں ہوا، اس لئے جمہور علماء اور امام ابوحنیفہ، شافعی اور مالک رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شادی شدہ زانی کو پہلے قرآن کے حکم کے مطابق کوڑے مارے جائیں اور پھر سنت کے مطابق اسے رجم کیا جائے تاکہ کتاب وسنت دونوں پر عمل ہوجائے جیسا کہ مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس سراحہ لائی گئی جو شادی شدہ تھی اور زنا کی مرتکب ہوئی تھی۔ آپ نے اسے جمعرات کے دن کوڑے لگوائے اور جمعہ کے دن رجم کروایا، پھر فرمایا کہ کتاب اللہ پر عمل کرتے ہوئے میں نے درے لگوائے اور سنت رسول ﷺ پر عمل کرتے ہوئے اسے رجم کروایا (2)۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری بات سے لو، میری بات سے لو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے رستہ نکال دیا، کنوارہ کنواری کے ساتھ زنا کرے تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی اور شادی شدہ شادی شدہ کے ساتھ کرے تو سو کوڑے اور رجم" (3)۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا یعنی تم حد جاری کرتے وقت رحم اور ترس نہ کھاؤ۔ انسان کے دل میں فطری رحم اور ترس اور چیز ہے جس پر مواخذہ نہیں۔ وہ رحم ممنوع ہے جو حاکم کو ترک حد پر راغب کرے۔ مجاہد اس فرمان کے متعلق کہتے ہیں کہ حدود قائم کرنے میں تساہل نہیں برتنا چاہئے بلکہ جونہی حاکم کے سامنے کوئی واقعہ پیش ہو جو حد کا متقاضی ہو تو فوراً حد قائم کردی جائے اور اسے ترک نہ کیا جائے۔ حدیث شریف میں ہے: "آپس میں حدود سے درگزر کرو اور جو حد مجھ تک پہنچ گئی اس کا نفاذ ضروری ہوگیا" (4)۔ ایک اور حدیث میں ہے: "زمین پر ایک حد کا قائم کرنا اہل زمین کے لئے چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے" (5)۔ بعض نے اس فرمان وَلَا تَأْخُذْكُمْ کا یہ مطلب لیا ہے کہ تم حد جاری کرتے وقت اتنی نرمی سے کام نہ لو کہ ایسی شدید ضرب لگانے سے بھی احتراز کرو جو گناہ سے باز رکھنے کا سبب بننے والی ہو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایسی شدید ضرب لگائی جائے کہ وہ اعضاء کو ہی الگ کردے بلکہ ضرب درمیانی ہو۔ حماد بن ابی سلیمان کہتے ہیں کہ تہمت لگانے والے پر حد جاری کرتے وقت اس کے کپڑے نہ اتارے جائیں لیکن زانی کے کپڑے حد جاری کرتے وقت اتار لئے جائیں کیونکہ فرمان ہے: وَلَا تَأْخُذْكُمْ ۔ حماد سے پوچھا گیا کہ کیا یہ حکم میں ہے؟ فرمایا: ہاں، یہ حکم میں اور کوڑے مارنے میں یعنی حد قائم کرنے اور سخت ضرب لگانے میں ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک لونڈی نے زنا کا ارتکاب کیا تو آپ نے اس کی ٹانگوں اور کمر پر کوڑے مارے تو آپ کے بیٹے حضرت عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کا یہ حصہ وَلَا تَأْخُذْكُمْ تلاوت کیا۔ آپ نے فرمایا: اے میرے بیٹے! کیا تم نے مجھے اس پر ترس کھاتے دیکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے نہ یہ حکم دیا ہے کہ میں اسے قتل کر ڈالوں اور نہ یہ فرمایا کہ میں اس کے سر پر کوڑے ماروں۔ بہرصورت میں

1۔ سنن نسائی، بحوالہ تحفۃ الاشراف للمزی، جلد 3 صفحہ 225

2۔ فتح الباری، کتاب الحدود، جلد 12 صفحہ 117، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 93، 107، 141، 153

3۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، جلد 3 صفحہ 1316-1317، سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 4 صفحہ 144

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 4 صفحہ 133، سنن نسائی، کتاب القطع، جلد 8 صفحہ 70

5۔ سنن نسائی، کتاب القطع، جلد 8 صفحہ 75-76، سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، جلد 2 صفحہ 848

نے اسے دردناک ضربیں لگائیں ہیں(1)۔ فرمایا: اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ یعنی اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے زانیوں پر حد جاری کرو اور انہیں شدید ضربیں لگاؤ تاکہ وہ اور اس قسم کے لوگ اس فعل شنیع سے باز آجائیں۔ ایک صحابی نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! بکری ذبح کرتے وقت مجھے اس پر ترس آتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس پر تمہیں اجر ملے گا"(2)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا ، جب زانیوں کو مجمع عام میں کوڑے لگائے جائیں تو ان کی رسوائی ہوتی ہے اور دوسرے اس سے عبرت پکڑتے ہیں۔ لوگوں کی موجودگی میں سزا زیادہ مفید اور کارگر ہوتی ہے اور فعل شنیع سے باز رکھنے کے لئے یہ موثر تدبیر ہے، مزید برآں اس طریقہ سے زیادہ سرزنش اور رسوائی ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص ہو یا اس سے زیادہ ہوں تو طائفہ ہو گیا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ طائفہ (گروہ) کا اطلاق ایک سے ہزار تک کے افراد پر ہوتا ہے، اس لئے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص بھی طائفہ ہے۔ عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ کم از کم دو افراد ہوں تو طائفہ ہوگا۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ چار افراد اور اس سے زائد پر طائفہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ زہری فرماتے ہیں کہ طائفہ میں کم از کم تین افراد ہوتے ہیں۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ چار اور اس سے زیادہ کیونکہ زنا کے گواہ کم از کم چار ہوتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ ربیعہ کہتے ہیں کہ پانچ ہوں تو طائفہ کہلائے گا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دس ہوں۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ حد جاری کرتے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کا موجود ہونا ضروری ہے تاکہ نصیحت اور عبرت حاصل ہو۔ نصر بن علقمہ کہتے ہیں کہ جماعت کی موجودگی فضیحت و رسوائی کے باعث نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ ان کے لئے توبہ و رحمت کی دعا کریں۔

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۫ وَّ الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

"زانی شادی نہیں کرتا مگر زانیہ کے ساتھ یا مشرکہ کے ساتھ اور زانیہ نہیں نکاح کرتا اس کیساتھ مگر زانی یا مشرک۔ اور حرام کر دیا گیا ہے یہ اہل ایمان پر"۔

اس بات کی خبر دی جا رہی ہے کہ زانی سے زنا جیسے فعل شنیع پر صرف وہی عورت آمادہ ہوتی ہے جو گنہگار بدکار ہو یا مشرکہ ہو جو اسے معیوب نہیں سمجھتی اور اسی طرح زانیہ سے صرف وہی مرد رغبت رکھتا ہے جو اس قماش کا بدکار ہو یا مشرک ہو جو زنا کی حرمت کا قائل ہی نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں نکاح بمعنی جماع ہے(3)۔ یہی قول حضرات مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، عروہ بن زبیر، ضحاک، مکحول، مقاتل اور دیگر علماء کا ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَحُرِّمَ ذٰلِكَ یعنی زنا کا ارتکاب کرنا، زانیہ عورتوں سے نکاح کرنا اور پاکدامن عورتوں کو بدکار مردوں کے نکاح میں دینا حرام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ زنا مومنوں پر حرام ہے۔ قتادہ اور مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ بدکار عورتوں کیساتھ مومنوں کا نکاح حرام ہے، اسی طرح اور آیت میں فرمایا: مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ (النساء: 25) "وہ پاک دامن بن جائیں نہ کہ زنا کار اور نہ بنانے والی ہوں خفیہ یار"۔ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ (المائدۃ: 45) "پاکباز بنتے ہوئے، نہ بدکاری کرتے ہوئے اور نہ چوری چھپے آشنا بناتے ہوئے"۔ اس

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 125، بحوالہ عبد الرزاق، تفسیر طبری، جلد 16، صفحہ 66-67 2۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 436

3۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 126-127، بحوالہ عبد الرزاق وغیرہ

سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دلیل پکڑی ہے کہ پاکدامن مسلمان کا بدکار عورت سے نکاح صحیح نہیں ہوتا جب تک وہ توبہ نہ کرے۔ اگر وہ توبہ کر لے تو عقد نکاح صحیح ہوگا ورنہ نہیں اور اسی طرح آزاد پاکدامن عورت کو بدکار زانی مرد کے نکاح میں دینا بھی صحیح نہیں جب تک وہ بھی توبہ نہ کر لے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے ام مہزول نامی ایک پیشہ ور عورت سے نکاح کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے جواب میں یہی آیت پڑھ کر سنائی(1)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ شادی کے لئے طلب اجازت پر یہ آیت اتری(2)۔ حضرت مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ کا یہ دستور تھا کہ وہ چوری چھپے مکہ سے مسلمان قیدیوں کو رہا کر کے مدینہ لایا کرتے تھے۔ مکہ شریف میں عناق نامی ایک پیشہ ور عورت تھی جس کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں حضرت مرثد کا یارانہ تھا۔ حضرت مرثد بیان کرتے ہیں کہ ایک رات کسی قیدی کو رہا کروانے کے لئے میں مکہ پہنچا۔ چاندنی رات تھی اور میں ایک دیوار کے سائے تلے سمٹا بیٹھا تھا کہ اتفاقاً عناق ادھر آ نکلی۔ جب اس نے میرا سایہ دیکھا تو اور میرے قریب آ گئی اور اس نے مجھے پہچان لیا، پوچھنے لگی کہ مرثد ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں، مرثد ہوں۔ اس نے بڑی خوشی کا اظہار کیا اور خوش آمدید کہتے ہوئے پیشکش کرنے لگی کہ آؤ، آج کی رات میرے ہاں گزارو۔ میں نے کہا: اے عناق! اللہ تعالیٰ نے زنا حرام کیا ہے۔ جب وہ مایوس ہوگئی تو اس نے شور مچا دیا اور کہنے لگی: اے خیمے والو! یہ ہے وہ شخص جو تمہارے قیدیوں کو اٹھا کر لے جاتا ہے۔ چنانچہ آٹھ آدمی میرے تعاقب میں نکلے۔ میں ایک باغ میں داخل ہو گیا اور وہاں سے ایک غار میں گھس گیا۔ وہ لوگ غار تک پہنچ کر میرے سر کے اوپر کھڑے ہو گئے۔ وہاں انہوں نے پیشاب کیا اور ان کا پیشاب میرے سر پر بہنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اندھا کر دیا اور وہ مجھے نہ دیکھ سکے۔ جب وہ واپس پلٹ گئے اور مجھے یقین ہو گیا کہ وہ میری تلاش سے مایوس ہو چکے ہوں گے تو میں وہاں سے نکلا اور مکہ پہنچ کر مطلوبہ مسلمان قیدی کو لیا اور اپنے اوپر بٹھا کر مدینہ کی راہ لی۔ چونکہ وہ بھاری بدن کا تھا، اس لئے اذخر پہنچ کر میں نے اسے اتار کر اس کے بندھن کھول دیئے، پھر اسے اٹھاتا چلاتا مدینے پہنچ گیا۔ جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دو مرتبہ عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اگر اجازت ہو تو عناق سے نکاح کر لوں؟ آپ ﷺ خاموش رہے اور مجھے کوئی جواب نہ دیا، یہاں تک کہ جب یہ آیت کریمہ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اے مرثد! زانی زانیہ یا مشرکہ سے ہی نکاح کرتا ہے اس لئے اس سے نکاح کا ارادہ ترک کردو"(3)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "زانی جسے کوڑے لگ چکے ہوں، وہ اپنے جیسے سے ہی نکاح کر سکتا ہے"(4)۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تین قسم کے لوگ نہ جنت میں جائیں گے اور نہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر رحمت کرے گا: اپنے والدین کا نافرمان، وہ عورت جو مردوں کی مشابہت اختیار کرے اور دیوث اور تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائے گا: اپنے ماں باپ کا نافرمان، شراب کا رسیا اور احسان جتلانے والا"(5)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تین قسم کے آدمی ایسے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر دی ہے: شراب کا رسیا، اپنے والدین کا نافرمان اور اپنے گھر والوں میں خباثت جائز اور برقرار رکھنے والا"(6)۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 158-159
2۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 375
3۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 69، مسند ابی داؤد: 89
4۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 220-221، سنن نسائی، جلد 6 صفحہ 66-67
5۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 221
6۔ سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، جلد 6 صفحہ 80-81، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 134

حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''دیوث (بے غیرت) جنت میں نہیں جائے گا'' (1)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص پاک صاف ہو کر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا خواہشمند ہے، اسے چاہئے کہ وہ شریف آزاد عورت سے نکاح کرے'' (2)۔ اس کی سند میں ضعف ہے۔ جوہری اپنی کتاب الصحاح میں کہتے ہیں کہ دیوث بے غیرت شخص کو کہا جاتا ہے۔ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری بیوی مجھے بہت ہی محبوب ہے لیکن اس میں یہ بری عادت ہے کہ وہ کسی ہاتھ کو واپس نہیں لوٹاتی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے طلاق دے دو۔'' وہ شخص کہنے لگا کہ میں اس سے صبر بھی نہیں کر سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر اس سے فائدہ اٹھا''۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے اور اس کا راوی عبدالکریم قوی نہیں۔ اس کا دوسرا راوی ہارون اس سے زیادہ قوی اور ثقہ ہے۔ لیکن ان کی روایت مرسل اور صحیح ہے (3)۔ یہ روایت مسند بھی مروی ہے لیکن امام نسائی فرماتے ہیں کہ یہ روایت مسند نہیں بلکہ مرسل ہے۔ یہ حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے (4)۔ اس حدیث کے متعلق اختلاف ہے۔ امام نسائی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اسے منکر کرتے ہیں۔ ابن قتیبہ اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس عورت کے کسی ہاتھ کو نہ روکنے کا یہ مقصد ہے کہ وہ سخی ہے اور کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرتی، لیکن اس تاویل کا رد کیا گیا ہے کہ اگر یہی مراد ہوتی تو حدیث میں ''لامس'' کی بجائے ''مُلتمس'' کا لفظ ہوتا۔ بعض نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ اس عورت کی عادت ہی ایسی تھی کہ کسی ہاتھ کو نہیں ہٹاتی تھی، یہ مطلب نہیں کہ وہ بدکاری کا ارتکاب کرتی تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ بدقماش عورت کو رکھنے کی اجازت نہیں دے سکتے، دوسری بات یہ ہے کہ اس قسم کی عورت کو اپنے پاس رکھنے والا دیوث ہے اور دیوث کے متعلق وعید گزر چکی ہے لیکن شاید خاوند کو اس کی اس قسم کی عادت کا شک گزرا اور اس بناء پر اس نے حضور ﷺ سے اس کی شکایت کی کہ اس کی بیوی خلوت میں کسی مرد کو نہیں روکتی ہوگی تو آپ ﷺ نے اسے طلاق کا حکم دے دیا لیکن جب اس نے اس سے اپنی شدید محبت کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے اسے ساتھ رکھنے کی اجازت دے دی کیونکہ محبت تو یقینی طور پر موجود ہے لیکن بدکاری کے وقوع کا صرف وہم ہے، اس لئے وہم کے پیچھے یقینی چیز کو ترک کرنا مناسب نہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ زانیہ اگر توبہ کر لے تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ میں ایک عورت سے حرام کاری کرتا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے توبہ کی توفیق مرحمت فرمائی۔ اب میں اس سے نکاح کرنا چاہتا ہوں لیکن لوگ کہتے ہیں کہ زانی زانیہ یا مشرکہ سے ہی نکاح کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا یہ مطلب نہیں۔ اب تم اس سے بے دھڑک ہو کر نکاح کر لو، اگر کوئی گناہ ہوا تو میرے ذمے (5)۔ بعض دوسرے علماء نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس کی ناسخ یہ آیت ہے: وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ (النور: 32) حضرت سعید بن مسیب سے یہی منقول ہے اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٤﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥﴾

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 69، مسند ابی داؤد: 89
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، جلد 1 صفحہ 598
3۔ سنن نسائی، جلد 6 صفحہ 67-68
4۔ دیکھئے سنن نسائی، کتاب الطلاق، جلد 6 صفحہ 169-170، سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 220
5۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 129 بحوالہ ابن ابی شیبہ

''اور وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر، پھر وہ نہ پیش کر سکیں چار گواہ۔ تو لگاؤ ان (تہمت لگانے والوں) کو اسی درے اور نہ قبول کرنا ان کی کوئی گواہی ہمیشہ کے لئے اور وہی لوگ فاسق ہیں۔ مگر (ان میں سے) وہ لوگ جو توبہ کر لیں ایسا بہتان لگانے کے بعد اور اپنی اصلاح کر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

یہاں حد قذف کا بیان ہو رہا ہے، اگر کوئی پاکدامن آزاد بالغ عورت پر زنا کی تہمت لگائے اور ثبوت پیش نہ کر سکے تو اس کی سزا اسی درے ہیں، اسی طرح اگر کوئی کسی پاکباز مرد پر زنا کی تہمت لگائے اور اسے ثابت نہ کر سکے تو اس کی بھی یہی سزا ہے۔ اس مسئلہ میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں۔ اگر تہمت لگانے والا گواہ پیش کر دے تو اس پر حد نہیں لگے گی لیکن اگر وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ پیش نہ کر سکے تو وہ تین سزاؤں کا مستحق ہوگا: ا۔ اسے اسی کوڑے مارے جائیں گے۔ ۲۔ اس کی گواہی ہمیشہ کے لئے مردود ہوگی۔ ۳۔ وہ فاسق قرار پائے گا، نہ وہ اللہ کے ہاں عادل ہوگا اور نہ لوگوں کے ہاں۔ پھر استثناء کرتے ہوئے فرمایا: اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا۔ اس استثناء کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ اگر یہ صرف آخری جملہ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ سے استثناء ہو تو توبہ سے صرف فسق رفع ہوگا اور وہ ہمیشہ مردود الشہادۃ رہے گا۔ اگر یہ استثناء پچھلے دونوں جملوں سے ہو تو توبہ کے بعد اس کی شہادت بھی مقبول ہوگی اور فسق بھی رفع ہو جائے گا۔ جہاں تک حد قذف کا تعلق ہے، وہ تو ہٹ نہیں سکتی اگرچہ وہ توبہ کرے یا نہ کرے۔ امام مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ کا یہ موقف ہے کہ اگر وہ توبہ کر لے تو اس کی شہادت بھی مقبول ہوگی اور فسق کا حکم بھی اٹھ جائے گا۔ سید التابعین حضرت سعید بن مسیب اور سلف کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ استثناء کا تعلق صرف آخری جملہ کے ساتھ ہے، اس لئے توبہ کے ساتھ اس کا فسق تو ختم ہو جائے گا لیکن اس کی شہادت ہمیشہ مردود ہی رہے گی۔ حضرات قاضی شریح، ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر، مکحول اور عبدالرحمٰن بن زید بن جابر کا بھی یہی موقف ہے۔ شعبی اور ضحاک کہتے ہیں کہ اس کی شہادت قابل قبول نہیں اگرچہ وہ توبہ کر لے لیکن اگر وہ اس بات کا اعتراف کر لے کہ اس نے بہتان باندھا ہے تو اس وقت اس کی شہادت مقبول ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝

''اور وہ (خاوند) جو تہمت لگاتے ہیں اپنی بیویوں پر اور نہ ہوں ان کے پاس کوئی گواہ بجز اپنے ان کی شہادت کا یہ طریقہ ہے کہ وہ خاوند چار مرتبہ گواہی دے کہ بخدا وہ (یہ تہمت لگانے میں) سچا ہے۔ اور پانچویں بار یہ کہے اس پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہو اگر وہ کذب بیانی کرنے والوں میں سے ہو۔ اور ٹل سکتی ہے اس عورت سے حد کہ وہ گواہی دے چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہ وہ (خاوند) جھوٹا ہے۔ اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ خدا کا غضب ہو اس پر اگر وہ (خاوند) سچا ہو۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی (تو تم بڑی الجھنوں میں پڑ جاتے) اور بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا بڑا دانا ہے''۔

اس آیت کریمہ میں خاوندوں کے لئے ایک مسئلہ کا حل اور اس سے چھٹکارے کی صورت بیان کی جا رہی ہے کہ جب ان میں سے کوئی اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے لیکن گواہ پیش نہ کر سکے تو اس صورت میں وہ اور اس کی بیوی باہم لعان کریں۔ لعان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ امام کے پاس آ کر دعویٰ کرے کہ اس کی بیوی نے زنا کیا ہے۔ حاکم چار گواہوں کے قائم مقام اس سے چار مرتبہ یہ حلفی بیان لے گا کہ وہ اس تہمت لگانے میں سچا ہے۔ ہر بار وہ اللہ کی قسم اٹھا کر کہے گا کہ اس نے جو بات کی ہے وہ سچ ہے اور پانچویں دفعہ وہ یہ کہے گا کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہو۔ لعان سے شوافع اور اکثر علماء کے نزدیک عورت اس سے بائنہ ہو جائے گی اور ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہو جائے گی۔ یہ اسے مہر ادا کرے گا اور حد زنا اس پر ثابت ہو جائے گی۔ ایسی عورت حد سے صرف اس وقت بچ سکتی ہے جب وہ بھی لعان کرے، یعنی وہ چار مرتبہ حلفیہ گواہی دے کہ اس کا خاوند تہمت لگانے میں جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر اس کا خاوند سچا ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو۔ آیت کریمہ میں صرف عورت کے لئے غضب کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی مرد خواہ مخواہ اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگا کر رسوائی مول نہیں لینا چاہتا۔ عموماً وہ سچا ہی ہوتا ہے اور سچائی کے باعث وہ معذور سمجھا جاتا ہے لیکن عورت کو چونکہ علم ہوتا ہے کہ اس کا خاوند تہمت لگانے میں سچا ہے اس لئے اس کے لئے غضب کا لفظ استعمال کیا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو اگر اس کا خاوند حق پر ہے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا سزاوار وہی ہوتا ہے جو حق کو جاننے کے باوجود اس سے روگردانی کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ مخلوق پر اپنے لطف وکرم اور رحمت ورأفت کو بیان فرما رہا ہے کہ اس نے ان کے لئے تنگی اور شدت سے نکلنے کی سبیل پیدا کی، فرمایا: وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ۔ یعنی اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم تنگی اور مشقت میں پڑ جاتے اور بہت سے امور تم پر شاق گزرتے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ کو قبول فرمانے والا ہے اگرچہ وہ حلف اور پختہ قسموں کے بعد ہو اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے احکام میں حکیم بھی ہے، اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ ان آیات کے متعلق متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں ان کا شان نزول بیان کیا گیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت کریمہ۔ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ اتری تو انصار کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یا رسول اللہ! کیا یہ آیت اسی طرح اتری ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے گروہ انصار! کیا تم اپنے سردار کی بات نہیں سن رہے؟“ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! انہیں ملامت نہ کریں، یہ غیرت مند شخص ہیں اور ان کی غیرت کا یہ حال ہے کہ صرف کنواری سے نکاح کرتے ہیں۔ اگر یہ کسی عورت کو طلاق دے دیں تو ہم میں سے کسی کو جرأت نہیں ہوتی کہ ان کی مطلقہ کے ساتھ نکاح کرے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! مجھے یقین ہے کہ یہ آیت حق ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی نازل شدہ ہے لیکن مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ اگر میں کسی بدمعاش کو بیوی پر سوار دیکھوں تو بھی کچھ نہیں کر سکتا اور اگر چار گواہ لینے جاؤں گا تو وہ اتنی دیر میں اپنا کام کر کے رفو چکر ہو چکا ہوگا۔ اس بات کو تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ آ گئے۔ یہ ان تین اشخاص میں سے ایک تھے جن کی توبہ کی قبولیت کا حکم قرآن میں نازل ہوا۔ وہ رات کے وقت اپنے کھیتوں سے واپس گھر لوٹے تو اپنی اہلیہ کے ساتھ ایک غیر مرد کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے ان کی باتیں سنیں۔ صبح ہوئی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ عرض کر دیا۔ آپ ﷺ کو ان کر بڑی کوفت ہوئی۔ انصار کہنے لگے کہ سعد بن عبادہ کے قول کی وجہ سے ہم مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ ابھی ہلال پر حد قذف لگے گی اور اس کی شہادت مردود ٹھہرے گی۔ ہلال رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ مجھے امید ہے اللہ تعالیٰ میرے لئے خلاصی کی کوئی صورت پیدا فرما دے گا۔ حضرت ہلال عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! میں دیکھ رہا ہوں کہ اس واقعہ کی

اطلاع پر آپ ﷺ کو سخت تکلیف ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں سچا ہوں۔ چونکہ حضرت ہلال رضی اللہ عنہ گواہ پیش نہ کر سکے اس لئے قریب تھا کہ آپ ﷺ ان پر حد جاری کر دیتے۔ اسی اثناء میں نزول وحی کے آثار ظاہر ہوئے۔ جب آپ ﷺ پر وحی اترتی تو صحابہ کرام آپ ﷺ کے چہرہ پر اس کے آثار دیکھ کر پہچان لیتے کہ اب وحی اتر رہی ہے اس لئے اس دوران وہ خاموش ہو جاتے۔ چنانچہ یہ آیات وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ - نازل ہوئیں۔ وحی کے اختتام پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ہلال! تمہیں خوشخبری ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کشادگی اور چھٹکارے کی صورت پیدا کر دی ہے"۔ حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ مجھے اپنے رب سے اس کی امید تھی۔ آپ ﷺ نے حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کی بیوی کو بلا لیا اور دونوں میاں بیوی کو یہ آیات پڑھ کر سنائیں اور انہیں عذاب آخرت سے ڈراتے ہوئے فرمایا کہ آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے بہت سخت ہے۔ حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کی قسم! میں بالکل سچا ہوں۔ ان کی بیوی نے کہا کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لعان کرو۔ حضرت ہلال رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ گواہی دو تو انہوں نے اللہ کی قسم اٹھا کر چار مرتبہ گواہی دی کہ وہ سچے ہیں۔ پانچویں مرتبہ گواہی سے پہلے انہیں کہا گیا: اے ہلال رضی اللہ عنہ! اللہ سے ڈرو، دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے ہلکا ہے۔ پانچویں دفعہ گواہی سے تم پر عذاب واجب ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میری سچائی کے سبب جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے حد سے بچایا ہے، اسی طرح وہ مجھے عذاب آخرت سے بھی بچا لے گا۔ چنانچہ انہوں نے پانچویں دفعہ یہ گواہی دی کہ اگر وہ جھوٹے ہوں تو ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ پھر ان کی بیوی سے کہا گیا کہ چار مرتبہ حلفیہ گواہی دے کہ اس کا خاوند جھوٹا ہے۔ پانچویں دفعہ اسے کہا گیا کہ اللہ سے ڈر کیونکہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت ہلکا ہے۔ پانچویں بار کی گواہی سے تجھ پر عذاب لازم ہو جائے گا۔ پہلے تو وہ ہچکچائی اور جھجکی اور اعتراف جرم کا ارادہ کر لیا لیکن پھر کہنے لگی کہ میں اپنی قوم کو رسوا نہیں کرنا چاہتی۔ چنانچہ اس نے پانچویں دفعہ گواہی دے دی کہ اگر اس کا خاوند سچا ہو تو اس پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ لعان کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں میں جدائی کرا دی اور یہ فیصلہ دے دیا کہ اس عورت سے پیدا ہونے والے بچے کو ہلال کی طرف منسوب نہ کیا جائے اور نہ اس بچے کو حرامی کہا جائے۔ جس نے اس عورت پر اب تہمت لگائی یا اس کے بچے کو حرامی کہا اس پر حد قذف لگے گی۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فیصلہ فرما دیا کہ اس کا نان ونفقہ اس کے خاوند کے ذمہ نہیں کیونکہ دونوں کے درمیان جدائی ہوئی ہے، نہ طلاق ہوئی ہے اور نہ اس کا خاوند فوت ہوا ہے۔ مزید آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر اس عورت نے سرخ سفید رنگ کا پتلی پنڈلیوں والا بچہ جنا تو وہ ہلال کا ہوگا اور اگر اس نے خاکستری رنگ کا گھنگھریالے بالوں والا، پرگوشت پنڈلیوں والا اور بڑی سرین والا بچہ جنا تو وہ اس کا ہوگا جس کے ساتھ اس پر تہمت لگائی گئی ہے"۔ چنانچہ اس عورت نے مؤخر الذکر صفات کا حامل بچہ جنا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر مسئلہ قسموں کے مطابق طے شدہ نہ ہوتا تو میں اس عورت پر حد نافذ کر دیتا"۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ یہ بچہ بڑا ہو کر مصر کا والی بنا۔ اسے ماں کی طرف منسوب کیا جاتا تھا، باپ کی طرف نہیں (1)۔ صحاح وغیرہ میں اس حدیث کے شواہد موجود ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ تہمت لگائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "گواہ لاؤ ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد لگے گی"۔ ہلال رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! ایک شخص کسی کو اپنی بیوی کے ساتھ حالت غیر میں دیکھے اور گواہ تلاش کرنے کے لئے چلا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "گواہ پیش کرو ورنہ حد لگے گی"۔ حضرت ہلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی: قسم

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، جلد 2 صفحہ 276-278، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 238-239

ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! میں بالکل سچا ہوں اور اللہ تعالیٰ ضرور ایسا حکم نازل فرمادے گا جس کی وجہ سے میں حد سے بچ جاؤں گا۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام یہ آیت وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ لے کر اترے۔ آپ ﷺ نے دونوں کو بلا لیا اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے، کیا وہ توبہ کی طرف راغب ہے؟" اس دوران حضرت ہلال رضی اللہ عنہ گواہی دے چکے تھے۔ عورت نے بھی چار بار گواہی دی۔ جب وہ پانچویں بار گواہی دینے لگی تو صحابہ کرام نے اسے ٹھہرا کر کہا کہ پانچویں دفعہ کی گواہی سے عذاب واجب ہو جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ ذرا ہچکچائی جس سے ہمیں یہ گمان ہونے لگا کہ یہ اپنے سابقہ بیان سے رجوع کر کے جرم کا اقرار کر لے گی لیکن پھر وہ کہنے لگی کہ میں اپنی قوم کو ہمیشہ کے لئے رسوا کرنے پر آمادہ نہیں۔ پس اس نے پانچویں گواہی بھی دے دی۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: "دیکھنا! اگر اس نے سرگیں آنکھوں والے، بڑی سرین والے موٹی پنڈلیوں والے بچے کو جنم دیا تو وہ شریک بن سمحاء کا ہے"۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی بچہ جنم دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو میں اس عورت پر حد لگا دیتا" (1)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی۔ یہ سن کر آپ ﷺ کو بڑی کوفت ہوئی۔ وہ شخص بار بار اس چیز کو بیان کرتا رہا یہاں تک کہ یہ آیت وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے دونوں میاں بیوی کو بلا کر یہ آیت سنائی اور فرمایا کہ یہ تم دونوں کے بارے میں اتری ہے۔ پہلے آپ نے مرد کو بلایا، اس نے چار دفعہ گواہی دی کہ وہ سچا ہے، پھر آپ نے اس کا منہ بند کرنے کا حکم دیا اور اسے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم پر اللہ کی لعنت سے ہر چیز ہلکی ہے۔ پھر آپ نے اس کا منہ کھلوا دیا تو اس نے پانچویں دفعہ کہا کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ پھر آپ ﷺ نے عورت کو بلایا اور اس سے بھی چار حلفیہ گواہیاں لینے کے بعد نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم پر اللہ تعالیٰ کے غضب سے ہر چیز ہلکی ہے۔ اس کا بند منہ کھول دیا گیا تو اس نے کہا کہ اگر اس کا خاوند سچا ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ حضرت ابن زبیر کی امارت کے زمانہ کا واقعہ ہے۔ مجھ سے لعان کرنے والے مرد اور عورت کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا ان میں جدائی کرا دی جائے؟ مجھے اس سوال کا جواب معلوم نہیں تھا۔ میں اپنے گھر سے نکل کر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے ان سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سبحان اللہ! سب سے پہلے فلاں بن فلاں نے اس کے متعلق سوال کیا تھا کہ یا رسول اللہ! ایک شخص اپنی بیوی کو بدکاری کرتے ہوئے دیکھتا ہے، اگر وہ زبان سے نکالے تو بھی بڑی بے حیائی اور رسوائی والی بات ہے اور اگر خاموش رہے تو بھی بڑی بے غیرتی والی بات ہے۔ آپ ﷺ خاموش رہے اور اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد جب وہ شخص آیا تو کہنے لگا: یا رسول اللہ! جو سوال میں نے آپ سے کیا تھا، وہی واقعہ میرے ہاں پیش آیا۔ اس وقت سورۂ نور کی یہ آیات وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ نازل ہوئیں۔ آپ ﷺ نے دونوں کو بلایا اور عذاب سے ڈرایا لیکن دونوں اپنی اپنی بات پر ڈٹے رہے۔ جب دونوں لعان کر چکے تو ان کے درمیان تفریق کر دی گئی (2)۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک جمعہ کی شام مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک انصاری کہنے لگا: ہم میں سے جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو پائے، اگر وہ اسے قتل کر دے تو تم اسے قتل کر دو گے، اگر وہ اس بات کو زبان پر لائے تو تم اس پر حد لگا دو گے اور اگر وہ خاموش رہے تو وہ غصہ کے گھونٹ پیتا رہے۔ واللہ! اگر زندگی رہی تو میں صبح ضرور رسول اللہ ﷺ سے یہ مسئلہ دریافت کروں گا۔ چنانچہ اس نے

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ نور، جلد 6 صفحہ 126 2۔ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، جلد 9 صفحہ 457، صحیح مسلم، کتاب اللعان، جلد 2 صفحہ 1131-1132

اپنے رات والے الفاظ دہرا کر رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اور دعا کی کہ یا اللہ! اس بارے میں فیصلہ نازل فرما۔ اس پر آیت لعان نازل ہوئی۔ سب سے پہلے یہی شخص اس آزمائش سے دوچار ہوا(1)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ دریافت کرو کہ اگر کوئی شخص کسی کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھ کر قتل کر دے تو کیا اسے بھی قتل کر دیا جائے گا؟ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے جب یہ سوال کیا تو آپ کو یہ بہت ناگوار گذرا۔ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ دوبارہ ملے تو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ مسئلہ کا کیا بنا؟ انہوں نے جواب دیا کہ کچھ نہیں، تم کوئی اچھی بات میرے پاس نہیں لائے تھے۔ میں نے آپ ﷺ سے سوال تو کیا لیکن آپ ﷺ کو یہ اچھا نہیں لگا۔ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں آپ ﷺ کے پاس جا کر ضرور یہ مسئلہ دریافت کروں گا۔ جب وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو لعان کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ لعان کے بعد حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یا رسول اللہ! اب اگر میں اس عورت کو اپنے گھر لے جاؤں تو گویا میں نے اس پر جھوٹی تہمت باندھی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ کے حکم سے پہلے ہی انہوں نے عورت کو جدا کر دیا۔ پھر لعان کرنے والوں کا یہی طریقہ مقرر ہو گیا۔ روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دیکھنا اگر اس نے سیاہ رنگ کا، بڑی بڑی آنکھوں والا اور بڑی سرین والا بچہ جنا تو خاوند کی بات درست ہے اور اگر اس نے سرخ رنگ کے بچہ کو جنم دیا تو وہ جھوٹا ہے''۔ چنانچہ اس عورت نے بری صفات کا حامل بچہ جنم دیا(2)۔ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! اگر کوئی کسی کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھے تو کیا اسے قتل کر دے یا کیا کرے؟ اس وقت لعان والی آیات نازل ہوئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے بارے میں اور تمہاری بیوی کے بارے میں فیصلہ ہو چکا''۔ چنانچہ لعان کے بعد ان دونوں میں جدائی کرا دی گئی اور یہی طریقہ مقرر ہو گیا۔ یہ عورت حاملہ تھی لیکن اس کے خاوند نے اس کا انکار کر دیا۔ جب بچہ پیدا ہوا تو اسے اس کی ماں کی طرف منسوب کیا گیا۔ پھر میراث میں سنت طریقہ یہ جاری ہوا کہ بچہ اپنی ماں کا وارث ہوگا اور ماں بچے کی وارث۔ آپ ﷺ نے باری باری حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ اگر تم اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو دیکھ لو تو کیا کرو گے؟ دونوں نے جواب دیا کہ ہم اسے قتل کر دیں گے۔ اس وقت چشم پوشی کرنے والا تو بے غیرت ہے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئیں(3)۔ ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلا لعان حضرت ہلال بن امیہ اور ان کی بیوی کے درمیان ہوا تھا۔ باقی واقعہ پہلے بیان ہو چکا ہے(4)۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾

''بے شک جنہوں نے جھوٹی تہمت لگائی ہے وہ ایک گروہ ہے تم میں سے۔ تم اسے اپنے لئے برا خیال نہ کرو، بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے لئے، ہر شخص کے لئے اس گروہ میں سے اتنا گناہ ہے جتنا اس نے کمایا اور جس نے سب سے زیادہ حصہ لیا ان میں سے (تو) اس کے لئے عذاب عظیم ہوگا''۔

یہاں سے دس آیات ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اس وقت نازل ہوئیں جب منافقین نے بہتان تراشی

1۔ صحیح مسلم، کتاب اللعان، جلد 2 صفحہ 1133، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 421-422

2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ نور، جلد 8 صفحہ 448، صحیح مسلم، کتاب اللعان، جلد 2 صفحہ 1129-1130 وغیرہ

3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، تفسیر سورۂ نور، جلد 3 صفحہ 60-61

4۔ مسند ابی یعلی، جلد 5 صفحہ 207-208

اور افتراء بازی سے کام لیتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہا پر جھوٹی تہمت لگائی۔ چونکہ معاملہ کا تعلق براہ راست حضور ﷺ اور آپ کی زوجہ محترمہ سے تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش میں آئی اور یہ آیات نازل فرما دیں تاکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عفت اور پاکدامنی کی گواہی دی جائے، اور اس صریح بہتان سے آپ کی برأت کا اعلان کیا جائے تاکہ آپ ﷺ کی آبرو پر حرف نہ آئے۔ فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ ... یعنی جنہوں نے جھوٹی تہمت لگائی ہے وہ ایک دو نہیں بلکہ پورا ایک گروہ ہے۔ اس ملعون سازش اور طوفان کا سرغنہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تھا۔ وہی اس واقعہ کی تشہیر کرنے میں پیش پیش تھا۔ اس نے اس شد و مد سے بات کا بتنگڑ بنایا کہ بعض سادہ لوح مسلمان بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ لوگوں میں اس بات کا خوب چرچا ہوا۔ بعض مسلمانوں کی زبان پر بھی یہ بات آ گئی۔ منافقین نے ایک مہینہ تک خوب پراپیگنڈہ کیا یہاں تک کہ قرآن کریم کی آیات نازل ہوئیں۔ احادیث صحیحہ میں یہ واقعہ بالتفصیل مذکور ہے۔ متعدد حضرات نے یہ روایت بیان کی ہے اور ان کی روایات ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب آپ سفر پر روانہ ہونے کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی کرتے، جس کے نام کا قرعہ نکلتا اسے آپ ﷺ اپنے ساتھ لے جاتے۔ ایک غزوہ (غزوہ بنی مصطلق) پر روانہ ہوتے وقت آپ ﷺ نے حسب معمول قرعہ اندازی کی تو میرا نام نکلا۔ چنانچہ میں آپ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوگئی۔ اس وقت پردہ کے احکام نازل ہو چکے تھے۔ مجھے ایک ہودج میں بٹھا دیا گیا اور لشکر اپنی منزل کی طرف چل دیا۔ جب لشکر روانہ ہوتا تو میرا ہودج اونٹ پر رکھ دیا جاتا اور جب پڑاؤ کرتا تو میرا ہودج اتار لیا جاتا۔ جہاد سے فراغت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے واپسی کا قصد کیا۔ ہم مدینہ شریف کے قریب پہنچے اور رات بسر کی۔ جب کوچ کی تیاری ہونے لگی تو مجھے قضائے حاجت کیلئے باہر جانا پڑا۔ جب میں واپس آئی اور اپنے سینہ پر ہاتھ لگایا تو میرے گلے کا ہار غائب تھا۔ وہ ٹوٹ کر کہیں گر پڑا۔ میں اس کی تلاش میں پھر لوٹ گئی۔ ہار تلاش کرتے ہوئے مجھے دیر ہوگئی۔ ہار تو مل گیا لیکن جب واپس آئی تو لشکر وہاں سے کوچ کر چکا تھا۔ جو لوگ میرے ہودج کو رکھنے اور اتارنے پر مامور تھے انہوں نے حسب عادت میرا ہودج اٹھایا اور اونٹ پر کس دیا، انہیں یہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ میں ہودج میں نہیں ہوں، کیونکہ اس زمانہ میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوا کرتی تھیں جس کا سبب سادہ اور غیر مرغن غذا تھی اور میں تو کمسن بھی تھی اس لئے انہیں میرے ہودج میں نہ ہونے کا احساس تک نہ ہوا۔ جب میں ہار تلاش کرنے کے بعد واپس آئی تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ میں یہ خیال کرکے وہیں ٹھہر گئی کہ جب وہ مجھے نہیں پائیں گے تو میری تلاش میں یہاں آئیں گے۔ میں وہاں بیٹھ گئی۔ اسی اثناء میں مجھے نیند آ گئی۔ حضرت صفوان بن معطلؓ کی یہ ڈیوٹی تھی کہ وہ لشکر کے پیچھے پیچھے رہتے۔ وہ رات کے پچھلے حصہ میں چلے تھے اور صبح کے وقت یہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے دور سے کسی کو سویا ہوا دیکھا تو قریب آ گئے اور جب مجھے دیکھا تو پہچان لیا۔ پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا تھا۔ مجھے پہچان کر انہوں نے بلند آواز سے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ ان کی آواز سنتے ہی میری آنکھ کھل گئی اور میں نے چادر کے ساتھ اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ انہوں نے میرے قریب اونٹ بٹھا دیا اور اس کی ٹانگ پر اپنا پاؤں رکھا۔ میں اٹھی اور اونٹ پر سوار ہوگئی۔ اللہ کی قسم! انہوں نے سوائے انا للہ وانا الیہ راجعون کہنے کے میرے ساتھ اور کوئی بات نہ کی۔ ہم دوپہر کے وقت لشکر سے آ ملے۔ بس اتنی سی بات تھی جس کا ہلاک ہونے والوں نے بتنگڑ بنا لیا اور اس میں سب سے زیادہ کردار عبداللہ بن ابی کا تھا۔ جب میں مدینہ پہنچی تو بیمار ہوگئی اور ایک ماہ تک بیمار پڑی رہی۔ لوگوں میں اس جھوٹی بات کا خوب چرچا ہوتا رہا لیکن مجھے قطعاً اس کا علم نہ تھا۔ البتہ مجھے اس بات کا قلق تھا کہ میری علالت کے وقت جو لطف و عنایت حضور ﷺ پہلے مجھ پر فرمایا کرتے تھے، وہ مفقود تھی۔ آپ

ﷺ جب میری مزاج پرسی کے لئے تشریف لاتے تو صرف اتنا دریافت کرتے "کَیْفَ تِیْکُمْ" کہ تمہارا کیا حال ہے؟ یہ بات مجھے کھٹکتی تھی۔ تاہم اس شرانگیز پراپیگنڈے کی مجھے خبر تک نہ تھی۔ بیماری کے بعد مجھے بہت نقاہت اور کمزوری محسوس ہونے لگی۔ ایک رات میں ام مسطح کے ساتھ قضائے حاجت کے لئے مدینہ سے باہر گئی کیونکہ اس وقت گھروں میں بیت الخلاء بنانے کا رواج نہ تھا۔ اس لئے ہم عربوں کے دستور کے مطابق صرف رات کے وقت باہر جنگل میں ہی جایا کرتی تھیں۔ گھروں میں بیت الخلاء بنانا ہمیں پسند نہ تھا۔ میں ام مسطح بنت ابی رہم بن مطلب بن عبد مناف کے ساتھ چلی۔ یہ ام مسطح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں۔ ان کی ماں صخر بن عامر کی بیٹی تھی اور ان کے بیٹے کا نام مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مطلب تھا۔ ہم جب دونوں فارغ ہو کر واپس آ رہی تھیں تو ام مسطح کا پاؤں چادر میں الجھا اور وہ گر پڑیں۔ ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا "تَعِسَ مِسْطَحٌ" کہ مسطح ہلاک ہو۔ میں نے کہا کہ یہ بہت بری بات ہے تم ایک بدری صحابی کے لئے یہ الفاظ استعمال کر رہی ہو؟ وہ کہنے لگیں: اے بھولی لڑکی! کیا تم نے نہیں سنا جو طوفان اس نے برپا کر رکھا ہے؟ میرے استفسار پر انہوں نے سارا واقعہ مجھے سنا دیا۔ یہ سنتے ہی میں اور زیادہ بیمار ہو گئی۔ گھر لوٹی تو حضور ﷺ نے پوچھا: کَیْفَ تِیْکُمْ " تمہارا کیا حال ہے؟" میں نے عرض کی کہ مجھے اپنے والدین کے پاس جانے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ میرا مقصد یہ تھا کہ میں اپنے والدین سے اس خبر کے متعلق تفصیلی حالات دریافت کروں۔ آپ ﷺ نے مجھے اجازت دے دی۔ میں میکے چلی آئی اور اپنی والدہ سے دریافت کیا کہ یہ لوگ کیا باتیں بنا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: بیٹی! زیادہ غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ جب کوئی بیوی خوبصورت ہو اور اس کا شوہر اسے محبوب رکھے اور اس کی سوکنیں بھی ہوں تو اس قسم کی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ میں نے کہا: سبحان اللہ! لوگ میرے متعلق ایسی باتیں کر رہے ہیں؟ میں رات بھر جاگتی اور روتی رہی، صبح ہوئی تب بھی آنسو جاری تھے اور نیند کا نام و نشان تک نہ تھا۔ جب نزول وحی میں تاخیر ہوئی تو حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو میرے متعلق مشورہ کے لئے بلایا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے میری براءت کی اور ان کے دل میں حضور ﷺ کے اہل کی جو محبت تھی اس کو ظاہر کیا اور عرض کی: یا رسول اللہ! ہم آپ کے اہل میں سوائے خیر کے کچھ نہیں جانتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ پر اللہ تعالیٰ نے کوئی تنگی نہیں کی، اس کے علاوہ عورتوں کی کیا کمی ہے۔ اگر آپ تصدیق فرمانا چاہتے ہیں تو بریرہ لونڈی کو بلا کر دریافت کر لیجئے وہ حقیقت حال سے آگاہ کر دے گی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بریرہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر پوچھا: "اے بریرہ! کیا تو نے ایسی کوئی چیز دیکھی ہے جس سے تمہیں عائشہ کے بارے میں کوئی شک ہو"۔ اس نے عرض کی: مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اس کے سوا میں نے عائشہ میں کوئی عیب نہیں دیکھا کہ آٹا گوندھا ہوا رکھا ہوتا ہے، یہ اپنی کمسنی کی وجہ سے سو جاتی ہیں اور بکری آ کر آٹا کھا جاتی ہے۔ چنانچہ اسی دن حضور ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: "اے گروہ مسلمانان! اس شخص کے بارے میں مجھے کون معذور رکھتا ہے جس کی میرے اہل خانہ کے بارے میں اذیت رسانی مجھ تک پہنچی ہے۔ بخدا! میں اپنے اہل میں خیر کے بغیر کچھ نہیں جانتا۔ یہ لوگ جس شخص کا نام لے رہے ہیں، اس کے بارے میں بھی میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ وہ میرے ساتھ ہی گھر میں آتا تھا"۔ حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے کہ میں حاضر ہوں۔ یا رسول اللہ! اگر وہ شخص قبیلہ اوس سے ہے تو ہم اس کی گردن اڑا دیں گے اور اگر وہ بنی خزرج سے ہے تو آپ ہمیں حکم دیں، تعمیل ارشاد کی جائے گی۔ حضرت سعد بن عبادہ اٹھے جو خزرج کے سردار اور بڑے نیک آدمی تھے لیکن ان کی قبائلی عصبیت بیدار ہو گئی۔ وہ سعد بن معاذ سے کہنے لگے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا، نہ تو تم اسے قتل کرو گے اور نہ تم اسے قتل کرنے پر

قادر ہو۔ اگر وہ شخص تمہارے قبیلے کا ہوتا تو تم اس کا قتل کیا جانا پسند نہ کرتے۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ جو حضرت سعد بن معاذ کے چچازاد بھائی تھے اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت سعد بن عبادہ سے کہنے لگے کہ تم جھوٹ کہتے ہو ہم اسے ضرور قتل کر ڈالیں گے، تم منافق ہو اور اس لئے منافقین کی طرفداری کر رہے ہو، غرضیکہ تلخ کلامی یہاں تک بڑھی کہ قریب تھا کہ دونوں قبیلوں (اوس وخزرج) میں لڑائی چھڑ جاتی۔ حضور ﷺ نے منبر پر ہی دونوں کو سمجھایا اور ان کے جوش کو ٹھنڈا کیا یہاں تک کہ معاملہ رفع دفع ہو گیا اور سب خاموش ہو گئے۔ میرے شب وروز گریہ وزاری میں گزرتے اور لمحہ بھر کے لئے بھی نیند نہ آتی۔ میرے والدین کو یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ اس طرح رونے سے میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ ایک دن میں رو رہی تھی۔ میرے والدین بھی میرے پاس بیٹھے تھے۔ ایک انصاری عورت ملنے کے لئے آئی، وہ بھی بیٹھ کر رونے لگی۔ اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، سلام فرمایا اور بیٹھ گئے۔ جب سے یہ تہمت لگی تھی، آج تک آپ ﷺ میرے پاس نہیں بیٹھے تھے۔ ایک مہینہ گزر چکا تھا اور میرے بارے میں کوئی وحی نہیں اتری تھی۔ آپ ﷺ نے تشہد کے بعد فرمایا: ''اے عائشہ! مجھے تمہارے بارے میں ایسی ایسی اطلاع ملی ہے۔ اگر تو پاکدامن ہے تو اللہ تعالیٰ تمہاری براءت کر دے گا اور اگر تجھ سے قصور سرزد ہو گیا ہے تو توبہ واستغفار کر لے کیونکہ بندہ اگر اپنے قصور کا اعتراف کر لے اور توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرماتا ہے''۔ یہ سنتے ہی میری گریہ وزاری جاتی رہی اور یکدم میرے آنسو خشک ہو گئے۔ میں نے اپنے والد گرامی سے کہا کہ حضور ﷺ کو اس بات کا جواب دیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ پھر میں نے والدہ سے کہا تو انہوں نے بھی جواب دینے سے معذوری ظاہر کی۔ میں اگرچہ نو عمر تھی اور زیادہ قرآن بھی نہیں پڑھا تھا لیکن میں نے کہا: بخدا! آپ لوگوں نے ایک بات سنی اور وہ تمہارے دلوں میں جم گئی۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں بے گناہ ہوں اور خدا جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں تو آپ لوگ میری بات نہیں مانیں گے اور اگر میں ایسی بات کا اعتراف کر لوں جس کے متعلق خدا جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں تو آپ فوراً مان لیں گے۔ اب میرے لئے اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں کہ میں وہ بات کہوں جو یوسف کے باپ نے کہی تھی: فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۔ پھر میں منہ پھیر کر بستر پر لیٹ گئی۔ قسم بخدا! چونکہ میں بے گناہ تھی، اس لئے مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور میری براءت فرمائے گا لیکن مجھے یہ خیال نہ تھا کہ میرے بارے میں آیات نازل ہوں گی کیونکہ میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتی تھی، البتہ میرے ذہن میں یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو خواب میں میری پاکدامنی کے متعلق آگاہ فرما دے گا۔ حضور ﷺ ابھی وہیں تشریف فرما تھے اور تمام گھر والے بھی موجود تھے کہ نزول وحی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ سردیوں کے موسم میں بھی نزول وحی کے وقت پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔ جب وہ کیفیت ختم ہوئی تو حضور ﷺ ہنس رہے تھے اور پہلی بات جو آپ ﷺ نے فرمائی، وہ یہ تھی: ''اے عائشہ! تمہیں خوشخبری ہو، اللہ تعالیٰ نے تیری براءت فرما دی ہے''۔ میری والدہ نے مجھے کہا کہ اٹھو اور حضور ﷺ کا شکریہ ادا کرو۔ میں نے کہا: بخدا! نہ میں اٹھوں گی اور نہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا شکریہ ادا کروں گی صرف اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کروں گی۔ جس نے میری براءت فرمائی۔ اس وقت یہ دس آیات اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ -- نازل ہوئیں۔ میری پاکدامنی ثابت ہو جانے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسطح رضی اللہ عنہ کی مالی امداد سے ہاتھ کھینچ لینے کا عزم کر لیا کیونکہ اس پراپیگنڈے میں وہ بھی شریک تھے۔ پہلے انہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کافی مالی تعاون حاصل تھا لیکن آپ رضی اللہ عنہ کو اس ارشاد کے ذریعے اس عزم سے منع کر دیا گیا: وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى ... اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (النور: 22) اس ارشاد کے نزول پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

کہنے لگے: بخدا! میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میری مغفرت ہو۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے مسطح کا وظیفہ جاری کر دیا اور فرمایا کہ اب میں اس میں بالکل کوتاہی نہیں کروں گا۔ اس واقعہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے اپنی زوجہ زینب بنت جحش سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں اپنی آنکھوں اور کانوں کو محفوظ رکھنا چاہتی ہوں۔ بخدا! مجھے خیر کے سوا کسی چیز کا علم نہیں۔ یہی زینب ہی تھیں جو آپ ﷺ کی ازواج میں سب سے زیادہ مجھ سے جذبہ مسابقت رکھتی تھیں لیکن یہ اپنی پرہیزگاری کے باعث بچ گئیں اگرچہ ان کی بہن حمنہ بنت جحش جو تہمت لگانے والوں میں شامل تھی، ان سے لڑی اور انہیں اپنے ساتھ شریک کرنا چاہا لیکن انہوں نے میری پاکدامنی کا ہی اظہار کیا اور حمنہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہوئی (1)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے خطبہ میں تشہد اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد یہ بھی فرمایا تھا کہ مجھے ان لوگوں کے متعلق مشورہ دو جنہوں نے میرے اہل پر تہمت لگائی ہے۔ قسم بخدا! میں اپنے اہل کے متعلق سوائے خیر کے کچھ نہیں جانتا اور مجھے اپنے اہل کے بارے میں کسی برائی کا علم نہیں۔ جس شخص کی طرف وہ منسوب کرتے ہیں، اس میں بھی مجھے کوئی برائی نظر نہیں آئی۔ بخدا! وہ سفر وحضر میں میرے ساتھ رہا اور میری عدم موجودگی میں وہ میرے گھر نہیں آیا۔ حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو ہم ان فتنہ پرور لوگوں کی گردنیں اڑا دیں۔ قبیلۂ خزرج کا ایک آدمی کھڑا تھا، ام حسان بن ثابت کا تعلق اس شخص کے قبیلہ سے تھا۔ وہ شخص حضرت سعد بن معاذ سے کہنے لگا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ اگر یہ لوگ قبیلۂ اوس سے ہوتے تو تم انہیں قتل کرنے پر آمادہ نہ ہوتے۔ جب بحث ومناظرہ نے طول پکڑا تو لڑائی تک نوبت پہنچ گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں ام مسطح کے ساتھ قضائے حاجت کے لئے نکلی تو چادر میں ان کا پاؤں الجھا اور وہ گر پڑیں۔ ان کے منہ سے نکلا کہ مسطح ہلاک ہو۔ میں نے کہا کہ تم اپنے بیٹے کو بددعا دے رہی ہو؟ لیکن وہ خاموش رہیں۔ دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا۔ جب تیسری مرتبہ ایسا ہوا تو وہ کہنے لگیں کہ میں آپ کی خاطر اپنے بیٹے کو برا بھلا کہہ رہی ہوں۔ پھر میرے استفسار پر انہوں نے سارا واقعہ مجھے سنا دیا۔ اس روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ بھی فرماتی ہیں کہ جب میں اپنے میکے جانے لگی تو حضور ﷺ نے میرے ساتھ ایک غلام بھیجا۔ میں میکے پہنچی تو میری والدہ ام رومان نیچے گھر میں موجود تھیں اور والد محترم اوپر بالا خانے میں تلاوت کر رہے تھے۔ میری والدہ نے میری آمد کا سبب پوچھا تو میں نے انہیں سارا قصہ سنا دیا لیکن جس قدر دکھ مجھے تھا، انہوں نے اس قدر دکھ کا اظہار نہ کیا۔ میں نے اپنی والدہ سے پوچھا کہ کیا میرے والد محترم کو اس واقعہ کا علم ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں، میں نے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ کو بھی اس کا علم ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں، پھر میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میری آواز سن کر نیچے آ گئے اور میری والدہ سے پوچھنے لگے کہ کیا بات ہے؟ میری والدہ نے جواب دیا کہ اسے تہمت کے متعلق علم ہو گیا ہے۔ چنانچہ میرے والد کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور مجھ سے کہنے لگے: بیٹی، میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ اپنے گھر لوٹ جاؤ۔ چنانچہ میں واپس لوٹ گئی۔ حضور ﷺ نے کچھ اور لوگوں کی موجودگی میں میری خادمہ سے میرے متعلق پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ مجھے عائشہ میں کوئی برائی نظر نہیں آتی سوائے اس کے کہ وہ گندھا ہوا آٹا چھوڑ کر سو جاتی ہیں اور بکری آ کر اسے کھا جاتی ہے۔ ایک صحابی نے اسے ڈانٹ کر کہا کہ کھل کر صاف صاف بات کرو تو وہ کہنے لگی: سبحان اللہ! میں عائشہ کے متعلق اس طرح جانتی ہوں جس طرح ایک زرگر خالص سرخ سونے کے متعلق علم رکھتا ہے۔ جب اس

1۔ صحیح بخاری، کتاب الشہادات، جلد 3 صفحہ 227، صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، جلد 4 صفحہ 2129-2137، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 194-197، سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 297 ومابعد

شخص تک یہ خبر پہنچی جسے بدنام کیا جا رہا تھا تو وہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں نے آج تک کسی عورت سے پردہ نہیں اٹھایا۔ یہ صحابی اللہ کی راہ میں شہید ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے والدین صبح سے ہی میرے پاس رہے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نماز عصر کی ادائیگی کے بعد تشریف لائے، میرے والدین میرے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی، پھر فرمایا: ”اے عائشہ! اگر تجھ سے غلطی سرزد ہوگئی ہے یا تو نے ظلم کیا ہے تو توبہ کرلے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے“۔ ایک انصاری عورت دروازے پر آکر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے کہا کیسی عجیب بات ہے کہ یہ بات کرتے ہوئے اس عورت کا بھی خیال نہیں۔ آپ ﷺ نے مجھے وعظ و نصیحت کی تو میں نے اپنے والد محترم سے کہا کہ اس کا جواب دیں۔ انہوں نے بھی معذوری ظاہر کی، پھر والدہ سے کہا تو وہ بھی کوئی جواب نہ دے سکیں۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میری براءت کی آیات نازل ہوئیں تو اس وقت میں شدید غصے میں تھی۔ اس لئے جب میرے والدین نے مجھے کہا کہ اٹھو اور حضور ﷺ کا شکریہ ادا کرو تو میں نے کہا کہ نہ میں اٹھوں گی اور نہ آپ کا اور نہ تمہارا شکریہ ادا کروں گی بلکہ میں صرف اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤں گی جس نے میری براءت کا حکم نازل کیا۔ تم لوگوں نے یہ بات سنی لیکن نہ تم نے اس کا انکار کیا اور نہ اس کی تردید کی۔ حمنہ بنت جحش، مسطح اور حسان بن ثابت بھی اس سازش میں شریک ہوگئے۔ اس سازش کا سرغنہ عبد اللہ بن ابی منافق تھا جو ہر ایک کے کان بھرتا تھا(1)۔ ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میری براءت کی آیتیں اتریں تو رسول اللہ ﷺ نے دو مردوں اور ایک عورت کو حد قذف لگائی یعنی حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش(2)۔ یہ حدیث مسانید، سنن اور صحاح وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے متعدد طرق کے ساتھ مروی ہے۔ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ معلوم ہوا کہ ان پر تہمت لگی ہے اور اس کا علم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضور ﷺ کو بھی ہے تو آپ رضی اللہ عنہ بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ جب ہوش آیا تو بخار کی وجہ سے کپکپی طاری تھی۔ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے اسی وقت کمبل اوڑھا دیا۔ نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو پوچھا کہ اسے کیا ہوا؟ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اسے سردی کا بخار چڑھا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ شاید اس خبر کو سن کر ایسا ہوا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اٹھ کر بیٹھ گئیں اور کہنے لگیں: بخدا! اگر میں حلف اٹھا کر بھی کچھ کہوں تو بھی تم لوگ میری تصدیق نہیں کرو گے اور اگر میں عذر پیش کروں تو بھی تم مجھے معذور نہیں جانو گے۔ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام اور آپ کے بیٹوں کی جب آپ نے کہا تھا: فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ۔ حضور ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے تو میری براءت نازل ہوئی۔ آپ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ واپس تشریف لائے اور فرمایا: ”اے عائشہ! اللہ تعالیٰ نے تمہارا عذر نازل کر دیا ہے“۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں کہ اللہ کا شکر ہے نہ کہ آپ کا۔ حضرت ابوبکر فرمانے لگے کہ تم رسول اللہ ﷺ کو یہ کہہ رہی ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں(3)۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ ... یعنی وہ لوگ جنہوں نے کذب بیانی، بہتان تراشی اور افترا بازی سے کام لیتے ہوئے جھوٹی تہمت لگائی، وہ تم میں سے ایک گروہ ہے۔ اے آل ابی بکر! تم اسے اپنے لیے برا نہ سمجھو بلکہ یہ دنیا و آخرت میں تمہارے لئے

1۔ صحیح بخاری تفسیر سورۂ نور، جلد 6 صفحہ 134-136، تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 93-94

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 4 صفحہ 162، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 35 وغیرہ

3۔ صحیح بخاری تفسیر سورۂ نور، جلد 6 صفحہ 132، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 367-368

بہتر ہے۔ دنیا میں تمہاری صداقت اور نیکی نامی ثابت ہوگی اور آخرت میں تمہیں بلند درجات حاصل ہوں گے۔ کیا یہ شرف کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کیلئے اس قرآن کریم میں آیات نازل فرمادیں جس کی طرف باطل کسی جانب سے بھی راہ نہیں پاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا آخری وقت قریب تھا تو اس وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ کو خوشخبری ہو، آپ کو حضور ﷺ کی زوجیت کا شرف حاصل ہے۔ حضور ﷺ آپ رضی اللہ عنہ سے محبت فرماتے تھے اور حضور ﷺ نے آپ کے سوا کسی اور باکرہ سے نکاح نہیں کیا اور آپ کی براءت آسمان سے نازل ہوئی۔(1) ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے اپنے اوصاف حمیدہ پر فخر کرنے لگیں۔ حضرت زینب کہنے لگیں کہ میرا عقد نکاح آسمان سے اترا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں کہ میری براءت کا حکم کتاب اللہ میں اترا جب صفوان بن معطل مجھے اپنی سواری پر بٹھا کر لانے تھے۔ حضرت زینب نے پوچھا کہ تم نے سوار ہوتے وقت کیا پڑھا تھا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: "حسبی اللہ و نعم الوکیل۔" حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہنے لگیں کہ تم نے مومنوں کا کلمہ کہا تھا(2)۔ پھر فرمایا: لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یعنی ہر اس شخص کو بڑا عذاب ہوگا جو اس سازش میں شریک ہوا اور اس نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بدکاری کی تہمت لگائی۔ پھر فرمایا: وَالَّذِي تَوَلّٰى یعنی جس نے اس فتنہ کو جنم دیا اور اس کی تشہیر کرنے میں پیش پیش رہا، اس کے لئے عذاب عظیم ہے۔ اکثر کا یہی خیال ہے کہ اس سے مراد رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی بن سلول ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور پھٹکار ہو۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد حضرت حسان بن ثابت ہیں لیکن یہ قول غریب ہے۔ چونکہ یہ قول بھی ہے، اس لئے ہم نے اسے بیان کر دیا ورنہ اس کے بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے جن کے فضائل و مناقب، خدمات اور کارناموں کا تذکرہ احادیث میں موجود ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہی تھا کہ آپ اپنے اشعار کے ذریعے کفار کی ہجو کرتے اور حضور ﷺ کا دفاع کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہی فرمایا تھا: "کفار کی ہجو کرو جبریل تمہارے ساتھ ہیں"۔ حضرت مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھا تھا کہ حضرت حسان وہاں آ گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں عزت کے ساتھ تکیہ لگا کر بٹھایا۔ جب وہ چلے گئے تو میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آپ انہیں اپنے پاس کیوں آنے دیتی ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَالَّذِي تَوَلّٰى كِبْرَهٗ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اندھے پن سے بڑا عذاب کون سا ہوگا۔ اس وقت حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی بینائی ختم ہو چکی تھی۔ فرمایا کہ شاید یہی عذاب ہو جس میں وہ مبتلا ہیں۔ پھر فرمایا کہ یہی تو اپنے اشعار کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی مدافعت کیا کرتے تھے(3)۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مدح میں شعر پڑھا تھا کہ آپ پاکدامن، سنجیدہ، ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر اور غیبت اور برائی سے احتراز کرنے والی ہیں۔ جواب میں آپ نے فرمایا کہ تم ایسے نہ تھے(3)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حسان کے اشعار سے زیادہ عمدہ اشعار نہیں سنے۔ میں جب بھی ان شعروں کو پڑھتی ہوں تو میرے دل میں خیال آتا ہے کہ حسان جنتی ہیں۔ وہ ابو سفیان کو مخاطب کر کے اپنے اشعار میں کہتے ہیں: تو نے محمد (ﷺ) کی ہجو کی جس کا میں نے جواب دیا اور اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ میرے باپ دادا اور میری عزت حضرت محمد ﷺ کی

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورہ نور، جلد 6 صفحہ 132

2۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 88-89

3۔ صحیح بخاری، تفسیر سورہ نور، جلد 8 صفحہ 485، تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 88

عزت پر قربان ہے۔ کیا تو آپ ﷺ کی ہجو کرتا ہے حالانکہ تو آپ کا ہمسر نہیں۔ پس تم میں سے برا اچھے پر قربان ہو جائے۔ میری زبان تلوار کی طرح تیز اور بے عیب ہے اور میرے سمندر کو ڈول آلودہ نہیں کرتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ کیا یہ لغو کلام نہیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں، لغو کلام تو وہ ہے جو عورتوں کے متعلق کہا جاتا ہے۔ آپ سے کہا گیا کہ کیا قرآن کریم میں یہ نہیں کہ اس تہمت میں زیادہ حصہ لینے والے کیلئے عذاب عظیم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کیا ان کے لئے یہ کافی نہیں کہ بینائی جاتی رہی اور تلوار کا وار برداشت کرنا پڑا؟ جب انہوں نے تہمت لگائی تو صفوان بن معطل تلوار لے کر ان کے پیچھے پڑ گئے اور قریب تھا کہ وہ انہیں قتل کر دیتے(1)۔

لَوۡلَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ ظَنَّ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بِاَنۡفُسِهِمۡ خَيۡرًا ۙ وَّقَالُوۡا هٰذَاۤ اِفۡكٌ مُّبِيۡنٌ ۝ لَوۡلَا جَآءُوۡ عَلَيۡهِ بِاَرۡبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذۡ لَمۡ يَاۡتُوۡا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنۡدَ اللّٰهِ هُمُ الۡكٰذِبُوۡنَ ۝

"ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ (افواہ) سنی تو گمان کیا ہوتا مومن مردوں اور عورتوں نے اپنوں کے بارے میں نیک گمان۔ اور کہہ دیا ہوتا کہ یہ تو کھلا ہوا بہتان ہے۔ (اگر وہ سچے تھے تو) کیوں نہ پیش کر سکے اس پر چار گواہ۔ پس جب وہ پیش نہیں کر سکے گواہ تو (معلوم ہو گیا کہ) وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ ان آیات میں مومنوں کو ادب سکھا رہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں جو نازیبا کلمات ان کی زبان پر آ گئے تھے، وہ ان کے لئے بالکل مناسب نہیں تھے، فرمایا: لَوۡلَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ یعنی ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے ام المومنین رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشی کی بات سنی تھی تو مومن مرد اور مومن عورتیں کم از کم اپنے بارے میں نیک گمان کرتے اور اپنے آپ پر قیاس کرتے ہوئے اپنی شرعی ماں کے متعلق غلط گمان نہ کرتے۔ جب وہ اپنے لئے اس کام کو مناسب نہیں سمجھتے تو ام المومنین کو بدرجہ اولیٰ ایسے فعل سے منزہ اور بری سمجھنا چاہیے تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو ایوب خالد بن زید انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کے متعلق نازل ہوئی۔ آپ کی بیوی ام ایوب نے آپ سے کہا: اے ابو ایوب! کیا آپ نے نہیں سنا کہ لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق کیا باتیں بنا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اور یہ محض جھوٹ ہے۔ اے ام ایوب! ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم ایسا کام کر سکتی ہو؟ وہ کہنے لگیں: نہیں، بخدا! مجھے یہ گوارہ نہیں کہ میں ایسا کام کروں۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تم سے بہتر اور افضل ہیں۔ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو سب سے پہلے حضرت حسان اور ان کے دیگر ساتھیوں کا ذکر کیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے میں شریک تھے، فرمایا: اِنَّ الَّذِيۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡكِ ۔ پھر فرمایا: لَوۡلَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ یعنی مومنوں نے ایسا کیوں نہ کہہ دیا جیسا کہ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ نے کہا تھا(2)۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ بات حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کی تھی(3)۔ فرمایا: ظَنَّ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ یعنی مومنوں نے نیک گمان کیوں نہ کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو اس سے بھی زیادہ نیک گمان کی مستحق تھیں۔ اس (ظن) کا تعلق باطن کے ساتھ ہے۔ مزید فرمایا: وَّقَالُوۡا یعنی چاہیے تھا کہ وہ اپنی زبانوں سے کہہ دیتے کہ یہ ام المومنین رضی اللہ عنہا پر صاف جھوٹ اور صریح بہتان ہے کیونکہ اس واقعہ کے کسی پہلو میں بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دن کے اجالے میں دوپہر کے وقت، سب کے

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 88 2۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 96، سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 302

3۔ کتاب المغازی للواقدی، جلد 2 صفحہ 434

سامنے صفوان بن معطل کی اونٹنی پر سوار لشکر میں پہنچتی ہیں، سارا لشکر اس چیز کا مشاہدہ کرتا ہے اور رسول اللہ ﷺ بھی موجود ہیں۔ اگر کوئی شک وشبہ والی بات ہوتی تو وہ اس طرح کھلے بندوں لوگوں کے سامنے نہ آتے بلکہ بقدر امکان خفیہ خفیہ لشکر میں شامل ہونے کی کوشش کرتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان لوگوں کی یہ افواہ کذب بیانی، بہتان تراشی، بدنیتی اور بے ایمانی پر مبنی تھی۔ فرمایا: لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ ۔۔ یعنی یہ لوگ اپنے دعویٰ کی سچائی پر چار گواہ کیوں نہ لے آئے اگر وہ واقعی سچے تھے۔ جب وہ گواہ نہ لا سکے تو ثابت ہو گیا کہ وہ اللہ کے نزدیک جھوٹے اور بدکار ہیں۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

"اور اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت دنیا اور آخرت میں تو پہنچتا تمہیں اس سخن سازی کی وجہ سے سخت عذاب۔ (جب تم ایک دوسرے سے) نقل کرتے تھے اس (بہتان) کو اپنی زبانوں سے اور کہا کرتے تھے اپنے مونہوں سے ایسی بات جس کا تمہیں کوئی علم ہی نہ تھا۔ نیز تم خیال کرتے تھے کہ یہ معمولی بات ہے حالانکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی تھی"۔

وہ لوگ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازیبا بات اپنی زبان پر لے آئے، اللہ تعالیٰ انہیں فرما رہا ہے کہ اگر تم پر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور رحمت نہ ہوتی کہ وہ دنیا میں تمہاری توبہ فرما لے اور آخرت میں تمہیں تمہارے ایمان کی وجہ سے معاف کر دے تو اس بہتان تراشی کی وجہ سے تم سخت عذاب سے دوچار ہو جاتے۔ یہ آیت ان کے حق میں ہے جنہیں ایمان نصیب تھا اس وجہ سے ان کو توبہ کی قبولیت کی نوید سنائی، جیسے حضرات مسطح، حسان بن ثابت اور حمنہ بنت جحش۔ جہاں تک عبد اللہ بن ابی اور اس قماش کے دوسرے منافقین کا تعلق ہے جنہوں نے اس افواہ کے پھیلانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا، یہ اس آیت کے حکم میں داخل نہیں کیونکہ نہ انہیں ایمان حاصل تھا اور نہ عمل صالح۔ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ جس برائی پر جو وعید آئی ہے وہ اسی وقت ثابت ہوتی ہے جب آدمی توبہ نہ کرے یا اس کے مقابلہ میں اس جیسی یا اس سے بڑی نیکی نہ ہو۔ پھر فرمایا: اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ ۔ یعنی جب تم اس افواہ کو ایک دوسرے سے نقل کر کے پھیلا رہے تھے۔ بعض حضرات کی قرأت میں اِذْ تَلِقُوْنَهٗ ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح پڑھتیں (1) اور فرماتیں کہ یہ "وَلِقَ لِسَانٌ" سے ہے یعنی مسلسل جھوٹ بولنا۔ عربوں کا قول ہے: "وَلِقَ فُلَانٌ فِي السَّيْرِ" یعنی وہ لگا تار چلتا رہا۔ پہلی قرأت زیادہ مشہور ہے اور یہی جمہور کی قرأت ہے۔ دوسری قرأت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور آپ رضی اللہ عنہا یقیناً اس بارے میں دوسروں سے زیادہ علم رکھتی ہیں۔ فرمایا: وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ ۔ یعنی تم وہ بات کر رہے تھے جس کے متعلق تمہیں کوئی علم نہ تھا۔ پھر فرمایا: وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۔۔ یعنی ام المومنین رضی اللہ عنہا کے بارے میں جو ناروا باتیں تم کر رہے تھے، تم تو اسے بہت معمولی اور آسان سمجھتے تھے حالانکہ اگر کسی اور عورت کا بھی معاملہ ہوتا تو بھی یہ بات معمولی نہیں تھی، اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ کی زوجہ محترمہ کے متعلق یہ بات معمولی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی بیوی کے بارے میں ایسی بات کرنا بہت بڑی جسارت اور بہت بڑا گناہ

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورہ نور، جلد 8 صفحہ 482

ہے۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت کسی نبی کی بیوی کے بارے میں ایسی بے حیائی برداشت نہیں کرتی، پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ تمام انبیاء کی بیویوں کی سردار اور سید اولاد آدم کی زوجہ محترمہ اس گناہ کی مرتکب ہوتیں۔ اس لئے فرمایا: وَتَحْسَبُوْنَهٗ حدیث شریف میں ہے: ''بعض اوقات انسان اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ایسا کلمہ نکال بیٹھتا ہے جس کی ضرر رسانی کا اسے اندازہ نہیں ہوتا لیکن اس کی وجہ سے اسے زمین و آسمان کی دوری سے بھی زیادہ مسافت پر جہنم کے نچلے طبقہ میں پھینک دیا جاتا ہے'' (1)۔

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

''اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ (افواہ) سنی تو تم نے کہہ دیا ہوتا ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم گفتگو کریں اس کے متعلق۔ اے اللہ! تو پاک ہے یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ نصیحت کرتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ کہ دوبارہ اس قسم کی بات ہرگز نہ کرنا اگر تم ایماندار ہو۔ اور کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے (اپنی) آیتیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے''۔

قبل ازیں حسن ظن رکھنے کا ادب سکھایا کہ جب نیک لوگوں کے متعلق کسی افواہ اور نازیبا بات کا ذکر ہو تو ان کے متعلق حسن ظن رکھنا چاہیے اور ایسے لوگوں کے متعلق اپنے دل میں بدگمانی کو جگہ نہیں دینی چاہیے۔ یہاں ایک اور ادب سکھایا جا رہا ہے کہ کوشش کے باوجود بھی اگر کوئی وسوسہ یا برا خیال دل میں جگہ پا لیتا ہے تو اسے زبان پر نہیں لانا چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے میری امتی کے دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں سے درگذر فرما لیا ہے جب تک وہ زبان پر یا عمل میں نہ لائیں'' (2)۔ فرمایا: وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ یعنی جب تم نے اس افواہ کو سنا تھا تو سنتے ہی تمہیں کہہ دینا چاہیے تھا کہ ہمیں یہ بات زیب نہیں دیتی کہ ہم اس بات کو اپنی زبان پر لائیں اور نہ ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ہم کسی کے سامنے اس کا تذکرہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے کہ اس کے رسول اور دوست کی بیوی کے متعلق ایسی من گھڑت باتیں کی جائیں۔ پھر فرمایا: يَعِظُكُمُ اللّٰهُ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں سختی کے ساتھ آئندہ ایسی حرکت سے منع فرماتا ہے، اسی لیے فرمایا: اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کی شریعت پر ایمان رکھتے ہو اور اس کے رسول ﷺ کی تعظیم کرتے ہو لیکن جو کفر کے ساتھ آلودہ ہے، اس کا اور حکم ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے لئے شرعی احکام اور تقدیری حکمتیں واضح طور پر بیان فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور وہ اپنی شریعت اور قضاء و قدر میں حکیم ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

''بے شک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ پھیلے بے حیائی ان لوگوں میں جو ایمان لائے ہیں (تو) ان کے لئے دردناک عذاب ہے دنیا اور آخرت میں۔ اور اللہ تعالیٰ (حقیقت کو) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو''۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 125، صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 2290

2۔ صحیح بخاری، جلد 8 صفحہ 168، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 81

یہ تیسری تادیب ہے کہ جو شخص کسی کے متعلق بری بات سنے، اس کے لئے بالکل جائز نہیں ہے کہ وہ اس کی تشہیر اور چرچا کرتا پھرے بلکہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ لوگوں میں بے حیائی عام ہو اور لوگ ان کے پراپیگنڈے سے متاثر ہو کر ان کی افواہوں پر یقین کرنے لگیں، ان کے لئے دنیا و آخرت کا دردناک عذاب ہے۔ دنیا میں حد اور آخرت میں آتش جہنم۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَاللّٰهُ يَعْلَمُ یعنی تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا دو، فائدہ میں رہو گے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بندگان خدا کو اذیت دو، نہ انہیں عار دلاؤ اور نہ ان کی پوشیدہ باتوں کی ٹوہ میں رہو کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی عیب جوئی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے عیب کو ظاہر کر کے اسے اپنے گھر میں ہی رسوا کر دیتا ہے" (1)۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

"اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بہت مہربان (اور) رحیم ہے (تو تم بھی نہ بچ سکتے)۔

اے ایمان والو! نہ چلو شیطان کے نقش قدم پر۔ اور جو چلتا ہے شیطان کے نقش قدم پر تو وہ حکم دیتا ہے (اپنے پیروؤں کو) بے حیائی اور ہر برے کام کا۔ اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تو نہ بچ سکتا تم میں سے کوئی بھی ہرگز۔ ہاں اللہ تعالیٰ پاک کرتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے"۔

فرمایا جا رہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا نہ ہوتا تو اس وقت اور ہی معاملہ ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان اور ان پر ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اس قضیہ سے توبہ کرنے والوں کی توبہ کو قبول فرمالیا اور پاک ہونے والوں کو بذریعہ حد شرعی پاک کر دیا، پھر فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی اے ایمان والو! شیطان کے طریقوں اور اس کی راہوں پر چلتے ہوئے اس کے حکم کی پیروی مت کرو اور جو شخص شیطان کے نقش قدم پر چلتا ہے تو اسے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ وہ بے حیائی اور ہر برے کام کا حکم دیتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں نہایت فصیح و بلیغ اور مختصر عبارت کے ذریعے شیطان سے نفرت دلا کر اس کے ہتھکنڈوں، وسوسوں اور چالوں سے خبردار کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خطوات الشیطان (شیطانی قدم) سے مراد شیطانی اعمال ہیں۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد شیطانی وسوسے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ہر معصیت اس میں داخل ہے۔ ابومجلز کہتے ہیں کہ نافرمانی کے کاموں میں نذریں ماننا اس میں شامل ہے۔ حضرت مسروق بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ میں نے فلاں چیز کھانا حرام کر لیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شیطان کی انگیخت ہے۔ اپنی قسم کا کفارہ دو اور اسے کھاؤ (2)۔ ایک آدمی نے شعبی سے کہا کہ میں نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر مانی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شیطانی بہکاوا ہے۔ ایسا مت کرو بلکہ اس کے عوض ایک مینڈھا ذبح کر دو۔ ابو رافع کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میرا اپنی بیوی سے جھگڑا

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 279

2۔ مستدرک حاکم، کتاب تفسیر، جلد 2 صفحہ 315-316

ہو گیا۔ وہ فرط غضب سے کہنے لگی کہ وہ ایک دن یہودیہ ہے، ایک دن نصرانیہ ہے اور اس کے تمام غلام آزاد ہیں اگر تو اپنی بیوی کو طلاق نہ دے۔ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ شیطانی حرکت ہے۔ حضرت زینب بنت ام سلمہ نے بھی یہی فتویٰ دیا اور یہ اس وقت سب سے زیادہ دینی سمجھ بوجھ رکھنے والی تھیں۔ حضرت عاصم بن عمر سے دریافت کیا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا(1)۔ پھر فرمایا: وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ ... یعنی اگر اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق عطا نہ فرمائے اور نہ نفوس کو شرک، برے اخلاق اور دیگر آلودگیوں سے پاک رکھے تو نہ پاکیزگی حاصل ہو سکتی ہے اور نہ خیر لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہے پاک فرما دیتا ہے اور جسے چاہے گمراہ کر کے گمراہی کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اقوال کو سننے والا ہے اور یہ جاننے والا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون گمراہی کا۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

"اور نہ قسم کھائیں جو برگزیدہ ہیں تم میں سے اور خوش حال ہیں اس پر کہ وہ نہ دیں گے رشتہ داروں اور مسکینوں کو اور راہ خدا میں ہجرت کرنے والوں کو۔ اور چاہئے کہ (یہ لوگ) معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ بخش دے اللہ تعالیٰ تمہیں اور اللہ غفور رحیم ہے"۔

فرمایا جا رہا ہے کہ تم میں سے صدقہ و احسان کرنے والے صاحب ثروت اور خوشحال لوگ اس بات کی قسم نہ کھا لیں کہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں، مسکینوں اور مہاجروں کو کچھ نہیں دیں گے۔ اس آیت میں انتہائی لطف و کرم پر مبنی صلہ رحمی کا درس دیا جا رہا ہے، اس لئے فرمایا: وَلْيَعْفُوا ۔ یعنی انہیں چاہیے کہ ان کی بدسلوکی اور اذیت رسانی سے صرف نظر کرتے ہوئے عفو و درگزر سے کام لیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم اور لطف و احسان ہے کہ وہ اپنے بندوں سے درگزر فرماتا ہے باوجود اس کے کہ وہ اپنے اوپر ظلم ڈھاتے ہیں۔ یہ آیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جب آپ نے مسطح بن اثاثہ کی مالی امداد سے ہاتھ کھینچ لینے کی قسم اٹھائی کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں میں وہ بھی شامل تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کا حکم نازل کر دیا، مومن نفوس مطمئن اور پرسکون ہو گئے، اس تہمت میں شریک مسلمانوں کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی اور بعض پر شرعی حد کا نفاذ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے قریبی رشتہ دار حضرت مسطح بن اثاثہ کی طرف مائل کیا۔ یہ آپ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ ان کی مالی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی ان کا واحد سہارا تھے جو انہیں مالی تعاون فراہم کرتے تھے۔ یہ مہاجرین میں سے تھے۔ لغزش کھا بیٹھے اور تہمت لگانے والوں میں شریک ہو گئے لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول فرمالیا اور ان پر حد لگی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سخاوت مشہور تھی۔ آپ ہر ایک کے ساتھ خواہ وہ رشتہ دار ہوتا یا اجنبی، حسن سلوک سے پیش آتے، ان کی ضروریات کا خیال رکھتے اور ان پر دل کھول کر خرچ کرتے۔ جب یہ آیت اتری: اَلَا تُحِبُّوْنَ تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ ہاں، بخدا! ہم چاہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تو ہماری بخشش فرما۔ اس ارشاد سے یہ واضح کیا جا رہا ہے کہ جیسا عمل ہو گا ویسی ہی اس کی جزا

1۔ ابن آثار کی تخریج کے لئے، دیکھئے تفسیر سورۃ البقرۃ: 168

ہوگی۔ جس طرح تم کسی کی غلطی سے درگذر کرو گے، اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں سے درگذر فرمائے گا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت مسطح کا وظیفہ جاری کر دیا اور فرمایا کہ میں اس کی ناروا حرکت کے باوجود اس کی مالی امداد نہیں روکوں گا، واقعی صدیق صدیق تھے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۪ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۳﴾ یَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ یَوْمَىِٕذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ دِیْنَهُمُ الْحَقَّ وَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ ﴿۲۵﴾

''جو لوگ تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر جو انجان ہیں ایمان والیاں ہیں ان پر پھٹکار ہے دنیا اور آخرت میں اور ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔ وہ یاد کریں اس دن کو جب گواہی دیں گی ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان اعمال پر جو وہ کیا کرتے تھے۔ اس روز پورا پورا دے گا انہیں اللہ تعالیٰ ان کا بدلہ جس کے وہ حقدار ہیں اور وہ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہر بات واضح کرنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کو وعید سنائی جارہی ہے جو پاکدامن بھولی بھالی ایماندار عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں۔ جب عام مسلمان عورتوں کے متعلق یہ حکم نازل فرمایا تو نیک فطرت اور عفت شعار امہات المومنین بدرجہ اولیٰ اس میں داخل ہیں خصوصاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جن کی وجہ سے اس ارشاد کا نزول ہوا۔ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد جو شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو برا بھلا کہتا ہے اور یہ تہمت لگاتا ہے وہ کافر ہے کیونکہ اس نے قرآن کریم کی مخالفت کی اور اگر کوئی باقی امہات المومنین کے بارے میں ایسی باتیں کرتا ہے تو اس کے بارے میں دو قول ہیں جن میں سے صحیح قول یہی ہے کہ وہ بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جیسی ہی ہیں اور سب کا حکم یکساں ہے۔ فرمایا: لُعِنُوْا　اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۔ (الاحزاب: 57) ''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے اور اس نے ان کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے''۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ آیت صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خاص ہے۔ حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر اور مقاتل بن حیان کا یہی کہنا ہے کہ یہ آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہی نازل ہوئی۔ ابن جریر نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ نقل کیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب مجھ پر تہمت لگی تو میں بالکل انجان اور لاعلم تھی۔ اس کے بعد مجھے معلوم ہوا۔ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف فرما تھے کہ آپ پر نزول وحی کے آثار ظاہر ہوئے۔ جب آپ پر وحی اترتی تھی تو آپ پر نیند کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اختتام وحی پر آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور اپنے چہرہ کو پونچھتے ہوئے فرمانے لگے: ''اے عائشہ! تمہیں خوشخبری ہو'' میں نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے نہ کہ آپ کا۔ پھر آپ نے ان آیات اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ　رِزْقٌ كَرِیْمٌ کی تلاوت کی(2)۔ یہ روایت اسی طرح ہے لیکن اس میں اس بات کا ذکر نہیں کہ یہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مخصوص ہے اگرچہ اس کا نزول آپ ہی کے متعلق ہے لیکن حکم عام ہے اور شاید حضرت ابن عباس اور آپ کے ہم خیال حضرات کی مراد بھی یہی ہو۔ ضحاک، ابوالجوزاء اور سلمہ بن نبیط کا قول ہے کہ اس سے مراد

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 103-104　2۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 105

صرف حضور ﷺ کی ازواج مطہرات ہیں۔ باقی مومن عورتیں اس میں شامل نہیں۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اس آیت سے مراد نبی کریم ﷺ کی ازواج ہیں جن پر اہل نفاق نے تہمت لگائی۔ اس کی پاداش میں یہ منافق اللہ تعالیٰ کی لعنت، غضب اور ناراضگی کے مستحق ٹھہرے، اس کے بعد مومن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانے والوں کے متعلق فرمایا: وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا ۔ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ اس میں حد قذف اور توبہ کا حکم نازل ہوا، توبہ تو قبول ہو جائے گی لیکن گواہی مردود رہے گی (1)۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سورۂ نور کی تفسیر بیان کرتے ہوئے جب اس آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ پر پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواج مطہرات کے متعلق نازل ہوئی۔ ان پر تہمت لگانے والوں کی توبہ بھی مقبول نہیں۔ اس آیت میں ابہام ہے۔ پھر آپ نے اس آیت وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ ان کے لئے توبہ کی گنجائش ہے یعنی عام مومن عورتوں پر تہمت لگانے والوں کی توبہ مقبول ہے لیکن حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات پر بہتان باندھنے والوں کے لئے کوئی توبہ نہیں۔ یہ عمدہ تفسیر سن کر بعض حاضرین نے ارادہ کیا کہ آپ کی پیشانی چوم لیں (2)۔ آپ نے جو یہ فرمایا کہ اس آیت میں ابہام ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر پاکدامن عورت پر تہمت لگانے کی حرمت میں یہ آیت عام ہے اور ایسے شخص کے لئے جو جھوٹی تہمت لگاتا ہے، دنیا و آخرت کی لعنت ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن زید فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس سے مراد ساری مسلمان عورتیں ہیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بطریق اولیٰ اس میں داخل ہیں (3)۔ ابن جریر نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے کہ اس آیت کا حکم عام ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ اس کی تائید حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سات مہلک گناہوں سے بچو"۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! وہ کون کون سے ہیں؟ فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، کسی بے گناہ کو قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدان جہاد سے بھاگنا اور پاکدامن انجان مومن عورتوں پر تہمت لگانا" (4)۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "پاکباز عورت پر بدکاری کی تہمت لگانا سو سال کے اعمال برباد کر دیتا ہے" (5)۔ اس کے بعد فرمایا: یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب مشرکین دیکھیں گے کہ جنت میں سوائے نمازیوں کے اور کوئی داخل نہیں ہوتا تو وہ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ آؤ ہم بھی انکار کر دیں۔ چنانچہ جب وہ اپنے شرک کا انکار کرنے لگیں گے تو ان کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی اور ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے اور وہ کوئی بات اللہ سے چھپا نہیں سکیں گے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن کافر اپنے اعمال پہچاننے کے باوجود انکار کر دیں گے اور جھگڑنے لگیں گے۔ انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہیں تمہارے پڑوسی جو تمہارے خلاف گواہی دے رہے ہیں۔ وہ کہیں گے کہ یہ سب جھوٹے ہیں۔ پھر کہا جائے گا کہ تمہارے خاندان اور قبیلے والے؟ وہ کہے گا کہ وہ بھی جھوٹے ہیں۔ اس کے بعد انہیں کہا جائے گا کہ قسمیں کھاؤ۔ پس وہ قسمیں کھا لیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں گونگا کر دے گا تو ان کے ہاتھ اور ان کی زبانیں ان کے خلاف گواہی دیں گی پھر انہیں جہنم میں داخل کر دیا جائے گا" (6)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 104
2۔ صحیح بخاری، جلد 4 صفحہ 12، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 64
3۔ معجم کبیر، جلد 3 صفحہ 168
4۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 105
5۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 2280-2281، سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 1 صفحہ 249
6۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 106

آپ ہنس دیے پھر فرمایا: "کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں کیوں ہنسا؟" ہم نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس جھگڑے کی وجہ سے جو بندہ اپنے رب سے کرے گا۔ وہ کہے گا: اے پروردگار! کیا تو نے مجھے ظلم سے نہیں روکا تھا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیوں نہیں۔ وہ کہے گا کہ آج میں اپنے بارے میں سوائے اپنے کسی اور کو معتبر گواہ نہیں سمجھتا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھر یونہی سہی، آج تو ہی اپنا گواہ ہوگا اور کراماً کاتبین بھی تیرے گواہ ہوں گے۔ چنانچہ اب اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضاء سے کہا جائے گا کہ بولو تو وہ اس کے ایک ایک عمل سے پردہ اٹھا دیں گے۔ اس وقت بندہ کہے گا کہ تم غارت اور برباد ہو جاؤ۔ تمہاری خاطر ہی تو میں جھگڑ رہا تھا" (5)۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں: اے ابن آدم! تیرے جسم کے اعضا تم پر ایسے گواہ ہیں جو تہمت سے بالاتر ہیں، ان کا خیال رکھو اور ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ اس کے سامنے اندھیرا بھی روشنی ہے اور چھپا ہوا بھی اس کے سامنے ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے مرو، اللہ ہی کے ساتھ ہر قسم کی قوت ہے۔ فرمایا: يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمْ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں جہاں بھی "دینهم" کا لفظ آیا ہے، اس کا معنی حساب ہے۔ جمہور کے نزدیک لفظ حق منصوب ہے کیونکہ یہ "دینهم" کی صفت ہے (1)۔ مجاہد نے لفظ جلالت کی صفت بناتے ہوئے اسے مرفوع پڑھا ہے (7)۔ مصحف ابی بن کعب میں یوں ہے: "يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ الْحَقُّ دِيْنَهُمْ" (2)۔ فرمایا: وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ یعنی وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ، وعید اور حساب عین عدل ہے جس میں ظلم و جور کا شائبہ تک نہیں۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۗ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝

"ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لئے اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لئے ہیں اور پاک (دامن) عورتیں پاک (دامن) مردوں کے لئے اور پاک (دامن) مرد پاک (دامن) عورتوں کے لئے ہیں۔ یہ مبرا ہیں ان (تہمتوں) سے جو وہ (ناپاک) لگاتے ہیں۔ ان کے لئے ہی (اللہ کی) بخشش ہے اور عزت والی روزی ہے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ خبیث باتیں خبیث لوگوں کے لئے اور خبیث لوگ خبیث باتوں کے لئے ہیں۔ پاکیزہ باتیں پاکیزہ لوگوں کے لئے ہیں اور پاکیزہ لوگ پاکیزہ باتوں کے لئے۔ یہ آیت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور آپ پر بہتان لگانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی جس میں یہ واضح کر دیا کہ بری کلام کے مستحق برے لوگ ہی ہیں اور اچھی کلام کے مستحق اچھے لوگ ہی ہیں۔ اہل نفاق نے جو تہمت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگائی تھی، در اصل وہی اس کے سزاوار ہیں اور آپ رضی اللہ عنہا کا دامن عصمت اس سے بالکل صاف اور پاک ہے، اس لئے فرمایا: اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ۔ حضرت عبد الرحمن بن زید اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لئے اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کیلئے اور پاکدامن عورتیں پاکدامن مردوں کیلئے اور پاکدامن مرد پاکدامن عورتوں کے لئے ہیں۔ اس تفسیر سے بھی وہی معنی لازم آتا ہے جس کا پہلے ذکر ہوا یعنی یہ ناممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ غیر طیب ہو۔ چونکہ آپ ہر پاکباز سے زیادہ پاکباز ہیں اس لئے ضروری ہے کہ آپ کی زوجہ بھی پاکباز ہی ہو ورنہ وہ کسی صورت میں بھی آپ ﷺ کی زوجیت میں نہیں آ سکتی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ برداشت کرتی ہے کہ نبی کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 106، المحتسب از ابن جنی، جلد 2 صفحہ 107
2۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 106

بیوی کا دامن اس قسم کی چیز سے آلودہ ہو، اس لئے فرمایا: اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ یعنی یہ بہتان تراشنے والے ظالموں کی باتوں سے مبرا اور بہت بعید ہیں۔ ان کے بارے میں جو کذب بیانی کی گئی ہے اس کے باعث ان نفوس قدسیہ کے لئے بخشش اور جنت میں عزت والی روزی ہے۔ اس میں یہ وعدہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ جنتی ہیں۔ حضرت اسیر بن جابر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں نے آج ولید بن عقبہ سے بڑی عمدہ کلام سنی ہے۔ حضرت عبداللہ فرمانے لگے کہ مومن آدمی کے دل میں ایک اچھی بات ہوتی ہے۔ وہ دل میں جاگزیں ہونے کے بعد اس کے سینے میں آ جاتی ہے یہاں تک کہ وہ اسے اپنی زبان سے بیان کر دیتا ہے تو اچھا آدمی اسے اخذ کر کے اپنے دل میں جگہ دیتا ہے۔ اسی طرح برے آدمی کے دل کی بری بات اس کے سینے سے ہوتی ہوئی اس کی زبان پر آ جاتی ہے، برا آدمی اسے سن کر اپنے دل میں محفوظ کر لیتا ہے، پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی(1)۔ اسی طرح کی ایک حدیث ہے: "جو شخص حکمت کی باتیں سنے، پھر وہ ایسی بات بیان کرے جو سب سے زیادہ خراب ہو، اس کی مثال ایسے شخص کی ہے جو کسی بکریوں والے کے پاس آیا اور اس سے ایک بکری مانگی۔ اس نے کہا کہ جاؤ اور ریوڑ میں سے جو بکری تمہیں پسند ہو، لے لو۔ وہ گیا اور ریوڑ کے کتے کا کان پکڑ کر لے گیا"(2)۔ ایک اور حدیث میں ہے: "حکمت مومن کی گمشدہ دولت ہے، جہاں وہ اسے پائے لے لے"(3)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٧﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿٢٨﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٢٩﴾

"اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو (دوسروں کے) گھروں میں اپنے گھروں کے سوا، جب تک تم اجازت نہ لے لو اور سلام نہ کر لو ان گھروں میں رہنے والوں پر۔ یہی بہتر ہے تمہارے لئے، شاید تم (اس کی حکمتوں میں) غور و فکر کرو۔ پھر اگر نہ پاؤ ان گھروں میں کسی کو (جو تمہیں اجازت دے) تو نہ داخل ہو ان میں حتیٰ کہ اجازت دی جائے تمہیں۔ اور اگر کہا جائے تمہیں کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ۔ یہ (طرز معاشرت) بہت پاکیزہ ہے تمہارے لئے اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو خوب جاننے والا ہے۔ کوئی حرج نہیں تم پر اگر تم داخل ہو ایسے گھروں میں جن میں کوئی آباد نہیں، جن میں تمہارا سامان رکھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو"۔

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو شرعی آداب سکھا رہا ہے کہ وہ اجازت مانگے اور سلام کئے بغیر دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہوں۔ تین مرتبہ اذن طلب کرنا چاہیے، اگر اذن مل جائے تو بہتر ورنہ واپس لوٹ آئے جیسا کہ روایت میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور تین دفعہ اجازت مانگی۔ جب اجازت نہ ملی تو واپس لوٹ آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 168
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1396-1397، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 353
3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب العلم، جلد 10 صفحہ 159، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1359

تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ کیا عبداللہ بن قیس کی آواز نہیں تھی جو اذن طلب کر رہے تھے، جاؤ اور انہیں بلا لاؤ لیکن وہ جا چکے تھے۔ دوبارہ جب حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ تم واپس کیوں چلے گئے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے تین مرتبہ اجازت مانگی لیکن مجھے اجازت نہ ملی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "اگر تم میں سے کوئی تین مرتبہ اذن طلب کرے لیکن اسے اذن نہ ملے تو وہ واپس لوٹ جائے"۔ حضرت عمر فرمانے لگے کہ اس پر گواہ پیش کرو ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ انصار کے ایک مجمع میں گئے اور ان کے سامنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات کا تذکرہ کیا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ بات تو سبھی جانتے ہیں۔ ہم میں سے سب سے چھوٹا تمہارے ساتھ جا کر گواہی دے آئے گا۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اس حدیث کی صحت کی گواہی دی۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ افسوس کرتے ہوئے کہنے لگے کہ بازاروں کے لین دین نے مجھے اس مسئلہ سے غافل رکھا(1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ سے اجازت مانگتے ہوئے فرمایا: "السلام علیک ورحمۃ اللہ"۔ حضرت سعد نے چپکے سے وعلیک السلام ورحمۃ اللہ کہا جسے حضور ﷺ نہ سن سکے۔ تین بار ایسا ہی ہوا۔ جب آپ ﷺ واپس جانے لگے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے آئے اور عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں نے آپ کے ہر سلام کو سنا اور جواب بھی دیا لیکن اونچی آواز میں جواب اس لئے نہیں دیا تا کہ آپ کے زیادہ سلام فرمانے سے مجھے زیادہ برکت حاصل ہو۔ پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو اپنے گھر میں لے آئے اور کشمش پیش کی۔ آپ نے اسے تناول فرمایا۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا: "نیک لوگوں نے تمہارا کھانا کھایا، فرشتوں نے تم پر رحمت بھیجی اور روزہ داروں نے تمہارے ہاں افطاری کی"(2)۔ ایک دوسری روایت میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کے بیٹے حضرت قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے اور فرمایا: "السلام علیکم ورحمۃ اللہ"۔ حضرت سعد نے آہستہ سے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا کہ کیا آپ رسول اللہ ﷺ کو اجازت نہیں دیں گے؟ انہوں نے فرمایا: ٹھہرو، حضور ﷺ کو زیادہ سے زیادہ سلام کر لینے دو۔ دوسری مرتبہ حضور ﷺ کے سلام فرمانے پر بھی حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دھیمی سی آواز سے سلام کا جواب دیا، پھر تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا۔ تیسری دفعہ بھی اذن نہ ملنے پر رسول اللہ ﷺ جب واپس تشریف لے جانے لگے تو حضرت سعد آپ ﷺ کے پیچھے لپکے اور عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کے سلام سن رہا تھا اور جواب بھی دے رہا تھا لیکن چپکے چپکے، اس کا مقصد یہ تھا کہ حضور ﷺ مجھے بار بار سلام فرمائیں اور مجھے اس کی برکت حاصل ہو۔ چنانچہ حضور ﷺ حضرت سعد کے ساتھ واپس ان کے گھر تشریف لے آئے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے کہنے پر آپ ﷺ نے غسل فرمایا۔ اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے زعفران یا ورس سے رنگی ہوئی ایک چادر آپ کی خدمت میں پیش کی جسے آپ نے جسم مبارک سے لپیٹ لیا، پھر اپنے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی: "اے اللہ! سعد بن عبادہ کی آل پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرما"۔ پھر آپ ﷺ نے کچھ کھانا تناول فرمایا۔ جب آپ ﷺ واپس تشریف لے جانے لگے تو حضرت سعد اپنے دراز گوش پر پالان کس لائے اور حضور ﷺ کو سواری کیلئے پیش کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ اس پر سوار ہو گئے۔ حضرت سعد نے فرمایا: اے قیس! حضور ﷺ کے ساتھ ساتھ جاؤ۔ حضرت قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے فرمایا کہ تم بھی سوار ہو جاؤ لیکن میں نے معذرت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "یا

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، جلد 8 صفحہ 67۔ صحیح مسلم، کتاب الآداب، جلد 3 صفحہ 1694-1696
2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 138

تو سوار ہو جاؤ یا پھر واپس چلے جاؤ"۔ چنانچہ میں واپس چلا آیا (1)۔ اجازت طلب کرنے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اجازت مانگنے والا دروازے کے بالکل سامنے نہیں بلکہ دروازے کے دائیں یا بائیں جانب کھڑا ہو جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کے گھر تشریف لے جاتے تو دروازے کے بالکل سامنے نہ کھڑے ہوتے، بلکہ دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہو کر السلام علیکم السلام علیکم کہتے، کیونکہ اس وقت دروازوں پر پردے لٹکانے کا رواج نہیں تھا (2)۔ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے گھر کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر اجازت طلب کرنے لگا تو آپ ﷺ نے اسے تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ اس طرح دائیں یا بائیں کھڑے ہو کر اجازت مانگا کرو۔ اجازت اسی لئے مقرر کی گئی ہے تاکہ نظر نہ پڑے (3)۔ ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اگر کوئی شخص تیرے گھر میں تیری اجازت کے بغیر جھانکنے لگا اور تو نے کنکر مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دی تو تجھے کوئی گناہ نہیں ہوگا" (4)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اپنے والد مرحوم کے قرض کی ادائیگی کی فکر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کون ہے؟ میں نے کہا: میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں میں۔ گویا ایسا کہنا آپ کو ناگوار گذرا (5)۔ اور بات بھی ایسے ہی ہے کیونکہ نام یا کنیت ظاہر کئے بغیر صرف میں کہنے سے تو پتہ نہیں چلتا کہ کون ہے۔ "میں" تو ہر شخص اپنے لئے کہہ سکتا ہے، اس لئے صرف "میں" کہہ کر اجازت طلب کرنے سے وہ مقصود حاصل نہیں ہوتا جس کا حکم آیت کریمہ میں دیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "استئناس" کا معنی ہے اذن طلب کرنا اور آیت کریمہ میں "تَسْتَأْنِسُوْا" کی بجائے "تَسْتَأْذِنُوْا" کا لفظ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "تَسْتَأْنِسُوْا" کاتبوں کی غلطی ہے۔ لیکن یہ قرأت غریب ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں یہ ہے: "حَتّٰى تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا وَ تَسْتَاْذِنُوْا"۔ یہ قرأت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے (6)۔ ایک مرتبہ صفوان بن امیہ نے کلدہ بن حنبل کو نبی کریم ﷺ کے پاس بھیجا۔ آپ ﷺ اس وقت وادی کی بالائی طرف تھے۔ کلدہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو نہ میں نے سلام کیا اور نہ ہی اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "واپس جاؤ اور کہو السلام علیکم کیا میں حاضر ہو جاؤں" (7)۔ اس وقت صفوان رضی اللہ عنہ اسلام لا چکے تھے۔ قبیلہ بنو عامر کا ایک شخص آپ ﷺ کے گھر آیا اور اجازت طلب کرتے ہوئے کہنے لگا کہ کیا میں اندر آ جاؤں؟ نبی کریم ﷺ نے اپنے خادم سے فرمایا: "باہر جاؤ اور اس شخص کو اجازت طلب کرنے کا طریقہ سکھاؤ، اسے بتاؤ کہ یوں کہا کرو: السلام علیکم، کیا میں آ سکتا ہوں"۔ اس شخص نے جب یہ بات سنی تو اسی طرح کہنے لگا: السلام علیکم، کیا میں حاضر ہو سکتا ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور وہ اندر آ گیا (8)۔ اسی طرح ایک مرتبہ جب ایک آدمی نے بغیر سلام کئے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو نبی کریم ﷺ نے اپنی روضہ نامی باندی سے فرمایا: "جاؤ، اسے اذن طلب کرنے کی تعلیم دو، اسے اذن طلب کرنے کا طریقہ معلوم نہیں، اسے بتاؤ کہ یوں کہا کرے: السلام علیکم، کیا میں اندر داخل ہو سکتا ہوں"۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 348-347
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 341
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 344
4۔ صحیح بخاری، کتاب الدیات، جلد 9 صفحہ 13، صحیح مسلم، کتاب الآداب، جلد 3 صفحہ 1699
5۔ صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، جلد 8 صفحہ 68، صحیح مسلم، کتاب الآداب، جلد 3 صفحہ 1697
6۔ تفسیر طبری، جلد 18، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 109-110، 112
7۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 344، مسند احمد، جلد 13 صفحہ 414 وغیرہ
8۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 345

اس آدمی نے جب یہ سنا تو اس طریقہ سے اجازت مانگی۔ چنانچہ آپ نے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی(1)۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "پہلے سلام، پھر کلام"(2)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ قضائے حاجت سے واپس آرہے تھے، شدید گرمی کے باعث آپ ایک قریشی عورت کے خیمے پر آئے اور فرمایا: السلام علیکم، کیا میں اندر آسکتا ہوں؟ عورت نے جواب دیا کہ سلامتی کے ساتھ آجاؤ۔ آپ نے پھر ایسا کہا تو اس نے بھی وہی جواب دہرا دیا۔ آپ کے پاؤں جل رہے تھے، کبھی آپ اس قدم پر سہارا لیتے اور کبھی اس قدم پر۔ آپ نے فرمایا یوں کہو کہ داخل ہو جاؤ۔ اس نے کہا داخل ہو جاؤ تو آپ اندر داخل ہو گئے۔ ام ایاس بیان کرتی ہیں کہ ہم چار عورتوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت طلب کرتے ہوئے کہا کہ کیا ہم اندر آجائیں؟ آپ نے فرمایا نہیں، تم میں سے جو اذن طلب کرنے کا طریقہ جانتی ہے، وہ اذن طلب کرے تو ایک عورت نے السلام علیکم کے بعد کہا کہ کیا ہم آجائیں؟ آپ نے انہیں اجازت دے دی اور یہی آیت پڑھ کر سنائی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اپنی ماؤں اور بہنوں کے پاس جاتے ہوئے بھی اجازت طلب کیا کرو۔ ایک انصاری عورت نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں بسا اوقات گھر میں ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ میں نہیں چاہتی کہ مجھے اس حالت میں کوئی دیکھے یہاں تک کہ اگر میرا والد یا بیٹا بھی ہو تو بھی مجھے ان کا آنا اچھا نہیں لگتا لیکن میرے اہل خانہ سے کوئی نہ کوئی مرد اس حالت میں بھی میرے پاس آتا رہتا ہے۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین آیات ایسی ہیں جن پر لوگوں نے عمل ترک کر رکھا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (الحجرات: 13) لیکن لوگ کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ خوشحال ہو۔ لوگوں نے ادب کی آیات کو بھی نظر انداز کر رکھا ہے۔ حضرت عطاء بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا میں اپنی ان یتیم بہنوں سے بھی اجازت مانگوں جو میری کفالت میں میرے ساتھ ایک ہی گھر میں رہ رہی ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ میں نے دوبارہ پھر سوال کیا تاکہ رخصت کی کوئی صورت نکل آئے تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم انہیں برہنہ دیکھنا پسند کرتے ہو؟ میں نے کہا نہیں تو آپ نے فرمایا پھر اذن طلب کیا کرو۔ میں نے ایک بار پھر یہ مسئلہ آپ کے سامنے رکھا تو آپ فرمانے لگے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا پسند کرتے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں، تو آپ نے فرمایا پھر اجازت مانگا کرو۔ حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ محرم عورت کی شرمگاہ پر نظر پڑنے سے زیادہ بری چیز میرے نزدیک کوئی نہیں۔ آپ اس معاملہ میں بہت سخت تھے۔ حضرت عطاء سے پوچھا گیا کہ اپنی بیوی کے پاس جاتے ہوئے بھی اذن ضروری ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں(4)۔ لیکن اسے عدم وجوب پر محمول کیا جائے گا یعنی بیوی سے اذن طلب کرنا ضروری نہیں، البتہ بہتر یہی ہے کہ اطلاع کی جائے اور اچانک آدھمکنے سے احتراز کیا جائے کیونکہ ممکن ہے وہ ایسی حالت میں ہو جس میں وہ نہ چاہتی ہو کہ اس کا خاوند اسے دیکھے۔ حضرت زینب زوجہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت عبداللہ گھر آتے تو دروازہ پر پہنچ کر کھنکارتے اور تھوکتے یا کسی سے بلند آواز کے ساتھ باتیں کرتے کیونکہ آپ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ اچانک کسی ناپسندیدہ چیز پر نظر پڑ جائے(5)۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ کھنکار لیا کرو یا تھوک لیا کرو(6)۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہو تو اس کے

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 110
2۔ ۔ روضۃ الاحوذی، ابواب الاستئذان، جلد 10 صفحہ 173-174
3۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 110-111
4۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 111-112
5۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 112
6۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 111

لئے مستحب ہے کہ وہ کھانسے یا جوتوں کی آہٹ سے انہیں خبردار کر دے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے رات کے وقت بغیر اطلاع کئے اپنے گھر آنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس میں گھر والوں کی خیانت کے تجسس کا شائبہ ہے(1)۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ صبح کے وقت سفر سے واپس آئے اور مدینہ شریف سے باہر ہی ٹھہرنے کا حکم دے دیا اور فرمایا: ''انتظار کرو یہاں تک کہ ہم شام کے وقت گھروں میں داخل ہوں گے تاکہ جن عورتوں کے خاوند غائب ہیں، انہیں ان کی آمد کی اطلاع ہو جائے اور وہ اپنی صفائی ستھرائی کر لیں''(2)۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ سلام تو ہم جانتے ہیں لیکن استیناس کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی سبحان اللہ یا اللہ اکبر یا الحمد للہ کہہ کر یا کھنکار کر گھر والوں کو اپنی آمد کی اطلاع دے''(3)۔ یہ حدیث غریب ہے۔ قتادہ اس فرمان ''تستانسوا'' کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے تین دفعہ اذن طلب کرنا۔ جسے اذن نہ ملے اسے واپس لوٹ جانا چاہیے۔ پہلی دفعہ اذن طلب کرے تاکہ گھر والے سن لیں، دوسری دفعہ، وہ محتاط ہو جائیں اور تیسری دفعہ اذن طلب کرنے پر وہ چاہیں تو اذن دے دیں اور اگر چاہیں تو واپس لوٹا دیں۔ اجازت نہ ملے تو دروازے پر نہیں کھڑا رہنا چاہیے کیونکہ لوگوں کی اپنی مجبوریاں، ضروریات اور مصروفیات ہوتی ہیں۔ مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں جب ایک آدمی دوسرے سے ملتا تو اسے سلام نہ کرتا بلکہ یہ کہتا: حُیِّیْتَ صَبَاحًا (صبح بخیر) اور حُیِّیْتَ مَسَاءً (شب بخیر)۔ یہی ان کا آپس میں سلام تھا اور جب ان میں سے کوئی دوسرے کے گھر جاتا تو بغیر اجازت مانگے اس کے گھر جاتا اور صرف اتنا کہہ دیتا میں آ گیا ہوں۔ صاحب خانہ کو یہ چیز گراں گذرتی کیونکہ بسا اوقات وہ اپنے گھر میں ایسی حالت میں ہوتا کہ اس کا آنا اسے ناگوار گذرتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ برے طریقے تبدیل کرکے ایسا اچھا دستور مقرر کیا جو نہایت پاکیزہ اور مفید ہے۔ مقاتل کا یہ قول بہت عمدہ ہے، اسی لئے فرمایا: ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ یعنی طلب اذن طرفین (اذن طلب کرنے والے اور گھر والوں) کیلئے بہتر ہے۔ پھر فرمایا: فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْا... یعنی اگر کسی کو گھر میں نہ پاؤ جو تمہیں اجازت دے تو بغیر اجازت کے داخل نہ ہو کیونکہ یہ دوسرے کی ملک میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف ہے جو یقیناً ناجائز ہے۔ یہ تو اس کی مرضی پر موقوف ہے کہ اگر وہ چاہے تو اجازت دے اور اگر نہ چاہے تو نہ دے اور اگر اذن طلب کرنے سے پہلے یا بعد میں واپس لوٹ جانے کے لئے کہہ دے تو واپس لوٹ جاؤ۔ تمہارا واپس لوٹنا تمہارے لئے زیادہ موزوں اور پاکیزگی کا باعث ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ کسی مہاجر صحابی رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ ساری عمر اس بات کی خواہش رہی کہ اس آیت پر عمل کرنے کا موقع مل جائے، کبھی ایسا موقع میسر نہیں آیا کہ کسی سے اجازت طلب کرنے پر اس نے کہا ہو کہ واپس چلے جاؤ تاکہ میں خوشی سے واپس چلا جاتا(4)۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ اگر اجازت نہ ملے تو دروازے پر نہ کھڑے رہو۔ پھر فرمایا: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ... یہ آیت کریمہ پہلی آیت سے خاص ہے کیونکہ اس میں ان گھروں میں بغیر اذن کے بھی داخل ہونے کا جواز ہے جن میں کوئی آباد نہیں ہوتا اور وہاں اس کا کوئی سامان وغیرہ ہو، مثلاً مہمان خانہ یہاں اگر پہلی بار اجازت مل گئی تو وہی کافی ہے، ہر بار اجازت کی ضرورت نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت پہلی آیت سے استثناء ہے(5)۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سے مراد سرائیں، مسافر خانے اور دوکانیں وغیرہ ہیں لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اس سے مراد خیمے ہیں۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، جلد 9 صفحہ 339، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1528
2۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، جلد 9 صفحہ 343، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1527
3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2 صفحہ 1221
4۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 113، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 176
5۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 115

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ؀۳۰

''آپ حکم دیجئے مومنوں کو کہ وہ نیچی رکھیں اپنی نگاہیں اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی۔ یہ (طریقہ) بہت پاکیزہ ہے ان کے لئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے ان کاموں سے جو وہ کیا کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ان چیزوں سے نگاہ نیچی رکھنے کا حکم فرما رہا ہے جن کا دیکھنا اس نے حرام قرار دیا ہے، اس لئے نگاہ صرف ان چیزوں پر ڈالنی چاہیے جنہیں دیکھنا مباح ہے اور محارم کی طرف نظر دوڑانے سے بچنا چاہیے۔ اگر اتفاق سے نادانستہ نظر پڑ جائے تو فوراً اس سے نظر کو پھیر لینا چاہیے جیسا کہ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے کسی اجنبیہ عورت پر اچانک نظر پڑ جانے کی بابت دریافت کیا تو آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ نگاہ فوراً ہٹا لیا کرو (1)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نگاہ جھکا لیا کرو۔ نگاہ پھیر لینا جھکانے کی نسبت عام ہے کیونکہ اس میں نگاہ کو زمین کی طرف جھکانا بھی شامل ہے اور کسی دوسری طرف کر لینا بھی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے علی! ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالو، پہلی معاف ہے لیکن دوسری پر مواخذہ ہے'' (2)۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''راستوں پر بیٹھنے سے بچو۔ صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! ہمیں یہاں بیٹھنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں، ہم تو یہاں باتیں کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم یہاں بیٹھنے پر مصر ہو تو راستے کو اس کا حق دو۔ صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! راستے کا کیا حق ہے؟ فرمایا: نگاہ نیچی رکھنا، ایذا رسانی سے باز رہنا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا'' (3)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دو، میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں، جب تم میں سے کوئی بات کرے تو جھوٹ نہ بولے، جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت نہ کرے، جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی نہ کرے، اپنی نگاہیں نیچی رکھو، اپنے ہاتھوں کو روکو اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو'' (4)۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا: ''جو شخص مجھے دو چیزوں کی ضمانت دے کہ جو اس کے جبڑوں کے درمیان (زبان) ہے اور جو اس کی ٹانگوں کے درمیان ہے، میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں'' (5)۔ حضرت عبیدہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ کام گناہ کبیرہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا موجب بنے۔ اللہ تعالیٰ نے دو طرفوں کا ذکر فرمایا۔ نظر چونکہ دل کے فساد کا سبب ہے اس لئے اسے نیچا رکھنے کا حکم دیا جیسا کہ بعض سلف کا کہنا ہے کہ نظر دل کے لئے زہریلا تیر ہے، نگاہیں جو شہوانی جذبات کو مشتعل کرنے کی محرکات ہیں جس طرح انہیں نیچا رکھنے کا حکم دیا، اسی طرح شرمگاہوں کی حفاظت کا بھی حکم دیا۔ شرمگاہ کی حفاظت کبھی تو زنا سے اجتناب کرنے سے ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ (المعارج: 29) اور کبھی نگاہ کو محفوظ رکھنے کے باعث جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ''اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو بجز اپنی بیوی اور اپنی لونڈی کے'' (6)۔ فرمایا: ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ یعنی یہ ان کے دلوں کے لئے پاکیزگی اور ان کے دین کے لئے تقویٰ کا باعث ہے جیسا کہ کہا گیا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الآداب، جلد 3 صفحہ 1699-1700، سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 246 وغیرہ

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 246، عارضۃ الاحوذی، ابواب الادب، جلد 10 صفحہ 229

3۔ صحیح بخاری، کتاب المظالم، جلد 3 صفحہ 173، صحیح مسلم، کتاب اللباس، جلد 3 صفحہ 1675

4۔ معجم کبیر، جلد 8 صفحہ 314

5۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 125

6۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحمام، جلد 4 صفحہ 40-41، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 3-4 وغیرہ

ہے: جس نے اپنی نظر کی حفاظت کی، اللہ تعالیٰ اسے نور بصیرت عطا فرما دیتا ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جس مسلمان کی کسی عورت کے محاسن پر نظر پڑ جائے، پھر وہ اپنی نگاہ نیچی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اسے ایسی عبادت عطا فرماتا ہے جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں پاتا ہے" (1)۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے ہی مرفوعاً مروی ہے: "تمہیں اپنی نگاہیں نیچی رکھنا ہوں گی، تمہیں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنا ہوگی اور تمہیں اپنے چہرے سیدھے رکھنا پڑیں گے ورنہ تمہارے چہرے بگڑ جائیں گے" (2)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیث قدسی میں فرمایا: "نظر شیطان کے تیروں میں سے زہر آلود تیر ہے، جو اسے میرے خوف سے ترک کرتا ہے، میں اسے اس کے بدلہ میں ایمان کی نعمت بخشوں گا جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں پائے گا" (3)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ، اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ (المومن:19) "وہ جانتا ہے خیانت کرنے والی آنکھوں کو اور ان باتوں کو جنہیں سینے چھپائے ہوئے ہیں"۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ابن آدم پر اس کا زنا کا حصہ لکھ دیا گیا ہے جسے وہ لامحالہ پائے گا۔ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، زبان کا زنا بولنا، کانوں کا زنا سننا، ہاتھوں کا زنا پکڑنا، ٹانگوں کا زنا چلنا، نفس تمنا اور خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے" (4)۔ اکثر سلف نے بے ریش لڑکے کو نظر بھر کر اور گھور کر دیکھنے کی ممانعت کی ہے۔ صوفیہ کی اکثریت نے اس معاملہ میں بہت سختی سے کام لیا ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت نے اسے حرام کہا ہے کیونکہ اس میں فتنہ کا اندیشہ ہے۔ بعض دیگر حضرات نے اس سے بھی زیادہ سختی کی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر آنکھ قیامت کے دن روئے گی، بجز اس آنکھ کے جو حرام کردہ چیزوں کو دیکھنے سے بند رہی، اور وہ آنکھ جو خدا کی راہ میں بیدار رہی اور وہ آنکھ جو خوف خدا کے باعث روئی، اگرچہ اس میں سے صرف مکھی کے سر کے برابر ہی آنسو نکلا ہو"۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُیُوْبِهِنَّ ۪ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

"اور آپ حکم دیجئے ایماندار عورتوں کو کہ وہ نیچی رکھا کریں اپنی نگاہیں اور حفاظت کیا کریں اپنی عصمتوں کی اور نہ ظاہر کیا کریں اپنی آرائش کو مگر جتنا خود بخود نمایاں ہو اس سے اور ڈالے رہیں اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر۔ اور نہ ظاہر ہونے دیں اپنی آرائش کو مگر اپنے شوہروں کے لئے یا اپنے باپوں کے لئے یا اپنے شوہروں کے باپوں کے لئے یا اپنے بیٹوں کے لئے یا اپنے

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 264، معجم کبیر، جلد 8 صفحہ 247
2۔ معجم کبیر، جلد 8 صفحہ 246
3۔ معجم کبیر، جلد 10 صفحہ 214
4۔ صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، جلد 8 صفحہ 17، صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2046

خاوند کے بیٹوں کے لئے یا اپنے بھائیوں کے لئے یا اپنے بھتیجوں کے لئے یا اپنے بھانجوں کے لئے یا اپنی ہم مذہب عورتوں پر
یا اپنی باندیوں پر یا اپنے ایسے نوکروں پر جو (عورت کے) خواہشمند نہ ہوں یا ان بچوں پر جو (ابھی تک) آگاہ نہیں عورتوں کی
شرم والی چیزوں پر اور نہ زور سے ماریں اپنے پاؤں (زمین پر) تاکہ معلوم ہو جاوے وہ بناؤ سنگار جو وہ چھپائے ہوئے ہیں۔
اور رجوع کرو اللہ تعالیٰ کی طرف سب کے سب اے ایمان والو! تاکہ تم (دونوں جہانوں میں) بامراد ہو جاؤ''۔

اس آیت کریمہ میں ایماندار عورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، ان کے ایماندار خاوندوں کے لئے اظہار غیرت ہے اور زمانہ جاہلیت کی عورتوں سے ان کی امتیازی شان کا بیان ہے۔ اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت اسماء بنت مرثد رضی اللہ عنہا بنی حارثہ کے محلہ میں رہائش پذیر تھیں۔ عورتیں ان کے پاس بغیر چادر اوڑھے ہوئے آتیں تو ان کے پاؤں میں پازیب نمایاں ہوتے اور ان کے سینے اور سر کے بال کھلے ہوتے۔ حضرت اسماء نے کہا کہ یہ کتنی بری بات ہے! اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (1)۔ فرمایا: وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یعنی ایماندار عورتیں سوائے اپنے شوہروں کو دیکھنے کے ہر اس شخص سے اپنی نگاہیں نیچی کر لیا کریں جس کا دیکھنا اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام کیا ہے۔ اس لئے علماء کی اکثریت کا کہنا ہے کہ اجنبی مردوں کو دیکھنا عورت کے لئے جائز نہیں ہے خواہ شہوت کے ساتھ ہو یا بغیر شہوت کے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ واقعہ پردے کے احکام نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ آپ ﷺ نے ہمیں فرمایا: ''پردہ کر لو''۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! وہ تو نابینا ہیں، نہ ہمیں دیکھیں گے اور نہ پہچانیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم نابینا ہو؟ کیا تم اسے نہیں دیکھ رہی؟'' (2)۔ بعض دیگر علماء کا یہ موقف ہے کہ عورتوں کا بغیر شہوت کے اجنبی مردوں کو دیکھنا جائز ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے کہ ایک مرتبہ عید کے دن حبشی لوگوں نے مسجد میں ہتھیاروں کے کرتب دکھانا شروع کئے۔ حضور ﷺ ان کا کھیل دیکھنے لگے اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی آپ ﷺ کی آڑ میں پیچھے کھڑے ہو کر انہیں دیکھنے لگیں یہاں تک کہ جی بھر گیا تو واپس چلی گئیں (3)۔ فرمایا: وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ سعید بن جبیر اس کا معنی بتاتے ہیں کہ وہ بے حیائی کے کاموں سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ قتادہ اور سفیان فرماتے ہیں کہ وہ ہر اس چیز سے اپنی شرمگاہوں کو بچائیں جو ان کے لئے حلال نہیں ہے۔ مقاتل کہتے ہیں کہ زنا سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں جہاں بھی حفظ فروج کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد زنا سے اجتناب کرنا ہے لیکن یہاں اس سے مراد ستر پوشی ہے تاکہ ان پر نظر نہ پڑے۔ فرمایا: وَلَا یُبْدِیْنَ یعنی اجنبی مردوں کے سامنے اپنی زینت و آرائش ظاہر نہ کریں بجز اس کے کہ جس کا چھپانا ممکن نہیں جیسے چادر بالائی کپڑے اور کپڑوں کے نچلے حصے جن کے اظہار میں کوئی حرج نہیں کیونکہ انہیں پوشیدہ رکھنا ناممکن ہے۔ یہ قول حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حسن، ابن سیرین، ابو الجوزاء اور ابراہیم نخعی وغیرہ کا ہے۔ حضرات ابن عباس، ابن عمر، عطاء، عکرمہ، سعید بن جبیر، ضحاک وغیرہ سے منقول ہے کہ عورت کے لئے جس زینت کا ظاہر کرنا جائز ہے اس سے مراد اس کا چہرہ، ہاتھ اور انگوٹھی ہے، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اس زینت کی تفسیر ہو جس کے اظہار سے عورتوں کو منع کیا گیا ہے

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 179 بحوالہ ابن ابی حاتم

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، جلد 4 صفحہ 64063، عارضۃ الاحوذی، ابواب الادب، جلد 10 صفحہ 230

3۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 549، صحیح مسلم، کتاب صلاۃ العیدین، جلد 2 صفحہ 608-610

جیسا کہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ زینت جس کے اظہار کی ممانعت ہے اس سے مراد بالیاں، چوڑیاں، پازیب اور ہار ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زینت دو قسم کی ہے: ایک وہ جسے صرف خاوند ہی دیکھ سکتا ہے جیسے انگوٹھی اور کنگن اور دوسری زینت وہ جسے اجنبی بھی دیکھتے ہیں جیسے اوپر کے کپڑے۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں مذکور رشتہ داروں کے سامنے اگر کنگن، دوپٹے اور بالیاں از خود کھل جائیں تو کوئی حرج نہیں لیکن عام لوگوں کے سامنے صرف انگوٹھیاں ظاہر ہو جائیں تو قابل مواخذہ نہیں۔ امام موصوف ایک دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ جس زینت کا ظاہر کرنا عورت کے لئے جائز ہے اس سے مراد انگوٹھی اور پازیب ہے۔ ہوسکتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور آپ کے ہم خیال علماء نے مَاظَهَرَ مِنْهَا کی تفسیر چہرے اور ہاتھوں سے کی ہو، جمہور کے نزدیک یہی مشہور ہے اور اس کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما حضور ﷺ کے پاس آئیں، اس وقت انہوں نے باریک کپڑے پہن رکھے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا: ''اے اسماء! جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے لئے اس (چہرہ اور ہاتھ) کے سوا کوئی عضو دکھانا جائز نہیں'' (1)۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ پھر فرمایا: وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ یعنی عورتیں اپنے گریبانوں پر اوڑھنیاں ڈالے رکھیں تاکہ ان کے سینے، گردن وغیرہ لوگوں کی نظروں سے چھپ جائیں۔ زمانہ جاہلیت میں عورتیں ایسا نہیں کرتی تھیں بلکہ وہ اپنے سینے ڈھانپے بغیر ہی مردوں کے سامنے چلی آتی تھیں۔ اس طرح بسا اوقات ان کی گردنیں، بال اور بالیاں صاف نظر آتی تھیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایماندار عورتوں کو حکم دیا کہ وہ خود کو پردہ میں رکھیں جیسا کہ فرمایا: يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ (الاحزاب: 59) ''اے نبی مکرم! آپ اپنی ازواج مطہرات، اپنی صاحبزادیوں اور جملہ اہل ایمان کی عورتوں کو فرما دیجئے کہ وہ (باہر نکلتے وقت) اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو ڈال لیا کریں، اس طرح وہ بآسانی پہچان لی جائیں گی پھر انہیں ستایا نہیں جائے گا''۔ اور یہاں فرمایا: وَلْيَضْرِبْنَ ... خمر خمار کی جمع ہے، اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے سر کو ڈھانپا جاتا ہے یعنی اوڑھنی اور دوپٹہ۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ عورتیں اچھی طرح اپنے دوپٹے اوڑھ لیں تاکہ ان کی گردنیں اور سینے دکھائی نہ دیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ پہلے پہل ہجرت کرنے والی عورتوں پر رحم فرمائے کہ جب انہوں نے یہ فرمان وَلْيَضْرِبْنَ سنا تو انہوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر اوڑھنیاں بنالیں (2)۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ ان عورتوں نے اپنی چادروں کے کنارے کاٹ کر ان سے اپنا سر اور جسم ڈھانپ لیا (2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس چند عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں، انہوں نے قریشی عورتوں کی فضیلت کا ذکر کیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ بلاشبہ انہیں فضیلت حاصل ہے لیکن میں نے کوئی ایسی عورتیں نہیں دیکھیں جو انصاری عورتوں سے بڑھ کر قرآن کریم کی تصدیق اور اس پر ایمان لانے والی ہوں۔ جب سورۂ نور کا یہ حکم وَلْيَضْرِبْنَ ... نازل ہوا اور ان کے مردوں نے گھر جا کر اپنی بیویوں، بیٹیوں، بہنوں اور دوسری رشتہ دار خواتین کو یہ حکم سنایا تو انہوں نے تعمیل ارشاد میں فوراً پردے کی پابندی کو شعار بنا لیا۔ جب وہ صبح کی نماز میں آئیں تو ان کے سروں پر اوڑھنیاں تھیں (3)۔ اس کے بعد فرمایا: وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا - یہاں شوہر کے علاوہ عورت کے محرم رشتہ داروں کا ذکر ہے جن کے سامنے اظہار زینت کی ممانعت نہیں لیکن بناؤ سنگھار کے بغیر اور شرم و حیاء کے ساتھ۔ شعبی اور عکرمہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، جلد 4 صفحہ 62

2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ نور، جلد 6 صفحہ 136

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، جلد 4 صفحہ 61، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 181

فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں چچا اور ماموں کا ذکر نہیں کیا گیا حالانکہ وہ بھی محرم ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کے سامنے ان کے محاسن بیان کر سکتے ہیں اس لئے ان کے سامنے عورتیں بغیر دوپٹے کے نہ آئیں۔ جہاں تک خاوند کا تعلق ہے تو یہ زیب و زینت اسی کے لئے تو ہوتی ہے، اس لئے عورت کو اپنے خاوند کیلئے بن سنور کر رہنا چاہیے۔ خاوند کے علاوہ کسی اور کے لئے ایسا نہیں کیا جا سکتا۔ آیت کریمہ میں نِسَآىِٕهِنَّ سے مراد مسلمان عورتیں ہیں جن کے سامنے اظہار زینت جائز ہے لیکن اہل ذمہ کی عورتوں کے سامنے ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ بہت ممکن ہے کہ وہ اپنے مردوں کے سامنے ان کے محاسن بیان کریں۔ یہ اندیشہ اگرچہ مومن عورتوں کے متعلق بھی ہو سکتا ہے لیکن ذمی عورتوں کے متعلق یہ اندیشہ زیادہ ہے کیونکہ انہیں ایسا کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں۔ اس کے برعکس مسلمان عورتیں جانتی ہیں کہ شریعت نے ایسا کرنا حرام قرار دیا ہے اس لئے وہ عموماً اس سے باز رہتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "کوئی عورت کسی عورت کے اوصاف اپنے خاوند کے سامنے اس طرح بیان نہ کرے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے" (1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ بعض مسلمان عورتیں مشرک عورتوں کے ساتھ حمام میں جاتی ہیں، اس سے روک دو کیونکہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والی کسی عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی غیر مسلم عورت کے سامنے اپنا ستر کھولے (2)۔ حضرت مجاہد بھی "اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مسلمان عورتیں ہیں نہ کہ مشرکہ عورتیں کیونکہ مسلمان عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی مشرکہ کے سامنے اپنا جسم کھولے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مسلمان عورتیں ہیں، ان کے سامنے عورت اپنی وہ زینت ظاہر کر سکتی ہے جو اپنے ذی محرم رشتہ داروں کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے یعنی گلا، بالیاں، ہار۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ مسلمان عورت کسی مشرکہ عورت کے سامنے اپنا دوپٹہ نہیں اتار سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ"۔ اور غیر مسلم عورتیں ان میں داخل نہیں (3)۔ مکحول اور عبادہ نے مسلمان عورت کے لئے یہودی، نصرانی اور مجوسی عورتوں کو بطور دایہ مکروہ قرار دیا ہے۔ مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب بیت المقدس پہنچے تو ان کی عورتوں کے لئے یہودی اور نصرانی عورتیں ہی دایہ تھیں۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو اسے ضرورت پر یا ان عورتوں کی ذلت پر محمول کیا جائے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس میں غیر ضروری جسم کا کھلنا بھی نہیں ہے۔ ابن جریر اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مشرک عورتیں ہیں (4)۔ مشرکہ عورتوں میں سے اپنی لونڈیوں کے سامنے اظہار زینت پر کوئی حرج نہیں۔ حضرت سعید بن مسیب کا یہی مذہب ہے۔ اکثر علماء کا کہنا ہے کہ غلام اور لونڈی کا ایک ہی حکم ہے۔ دونوں کے سامنے اظہار زینت پر کوئی گرفت نہیں۔ اس کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک غلام ہبہ کرنے کے لئے تشریف لائے۔ غلام کو دیکھ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دوپٹہ اوڑھنے لگیں۔ کپڑا چونکہ چھوٹا تھا اس لئے اگر سر ڈھانپتیں تو پاؤں کھلے رہ جاتے اور اگر پاؤں پر ڈالتیں تو سر کھل جاتا۔ یہ دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا: "بیٹی، تم پر کوئی حرج نہیں، تمہارے سامنے تمہارے والد اور غلام کے سوا کوئی اور نہیں" (5)۔ اس سیاہ فام غلام کا نام عبداللہ بن مسعدہ فزاری تھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان کی پرورش کی اور پھر آزاد کر دیا۔ جنگ صفین میں یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہے اور یہ حضرت علی

1۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، جلد 7 صفحہ 49
2۔ سنن بیہقی، کتاب النکاح، جلد 7 صفحہ 95، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 183
3۔ سنن بیہقی، کتاب النکاح، جلد 7 صفحہ 95
4۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 121
5۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، جلد 4 صفحہ 62

رضی اللہ عنہ کے شدید مخالف تھے(1)۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عورتوں سے فرمایا: ''جب تم سے کسی کا مکاتب غلام ہو اور وہ طے شدہ رقم کا بندوبست کر لے تو چاہیے کہ وہ عورت اس سے پردہ کرے''(2)۔ اس کے بعد فرمایا: اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ یعنی وہ کم عقل نوکر چاکر جو قوت مردانہ سے محروم ہوں اور انہیں عورتوں کی کوئی خواہش نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ بدھو لوگ ہیں جن میں شہوت نہ ہو۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نامرد ہیجڑے ہیں۔ بہرصورت اس قسم کے مردوں کے سامنے اظہار زینت پر بھی کوئی پابندی نہیں۔ لیکن شر پھیلانے والا ہیجڑا اس حکم میں داخل نہیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک ہیجڑا حضور ﷺ کے گھر آیا کرتا تھا۔ ازواج مطہرات نے اسے بے ضرر لوگوں میں شمار کرتے ہوئے گھر میں آنے سے منع نہ کیا۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو وہ ایک عورت کے محاسن بیان کرتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ سامنے سے آتے ہوئے اس کے پیٹ پر چار بل پڑتے ہیں اور جاتے ہوئے پشت پر آٹھ۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ یہ تو سب کچھ جانتا ہے خبردار! یہ آئندہ تمہارے پاس نہ آئے''(3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک مخنث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا کے پاس آپ کے بھائی حضرت عبداللہ بھی موجود تھے۔ وہ حضرت عبداللہ سے کہہ رہا تھا: اے عبداللہ! اگر اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو طائف پر فتح عطا فرمائی تو غیلان کی لڑکی کو غور سے دیکھنا۔ سامنے سے آتے ہی اس کے شکم پر چار شکنیں پڑتی ہیں اور واپس جاتے ہوئے پیچھے سے آٹھ دکھائی دیتی ہیں۔ اتفاق سے حضور ﷺ تشریف لے آئے اور آپ نے یہ باتیں سن کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ آئندہ یہ تمہارے پاس نہ آئے(4)۔ چنانچہ اسے نکال دیا گیا یہ بیداء میں رہنے لگا اور ہر جمعہ کو کھانے پینے کی چیزیں لینے کے لئے آ جاتا۔ پھر فرمایا: اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ ... یعنی ان چھوٹے بچوں کے سامنے بھی زینت کو ظاہر کیا جا سکتا ہے جو عورتوں کے حالات، اوصاف، چال ڈھال، خفیہ معاملات اور حرکات وسکنات سے واقفیت نہیں رکھتے۔ اس قسم کے بچے اگر عورتوں کے پاس چلے آئیں تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر کوئی بچہ عورتوں کے معاملات اور خوبیوں کو سمجھتا ہو اور بدصورت اور خوبصورت عورت کے درمیان تمیز کر سکتا ہو تو اگرچہ وہ نابالغ ہو، پھر بھی اس سے پردہ ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''عورتوں کے پاس جانے سے اجتناب کرو''۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! دیور جیٹھ کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دیور جیٹھ تو موت ہے''(5)۔ فرمایا: وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ زمانہ جاہلیت میں کئی عورتیں پازیب پہن کر نکلتیں اور جب ان کا گزر مردوں کے مجمع سے ہوتا تو وہ دانستہ اپنے پاؤں زمین پر مارتیں تاکہ مرد پازیب کی جھنکار سن کر ان کی طرف متوجہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرمان کے ذریعے مسلمان عورتوں کو اس حرکت سے باز آنے کا حکم صادر فرمایا، اس ممانعت میں ہر وہ حرکت داخل ہے جس سے عورت کا مقصد اپنی مخفی زینت کا اظہار ہو اور لوگوں کی توجہ کا مرکز بننا ہو، اسی طرح عطر اور خوشبو لگا کر عورت کا اپنے گھر سے نکلنا اور مردوں کے مجمع میں جانا بھی ممنوع ہے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہر آنکھ زانیہ ہے اور عورت جب عطر لگا کر مجمع عام سے گزرتی ہے تو وہ ایسی ایسی ہے''(6) یعنی زانیہ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

1۔ تہذیب تاریخ دمشق، جلد 4 صفحہ 91
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب العتق، جلد 4 صفحہ 21، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 289
3۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، جلد 4 صفحہ 1716، سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، جلد 4 صفحہ 63 وغیرہ
4۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس، جلد 7 صفحہ 205، صحیح مسلم، کتاب السلام، جلد 4 صفحہ 1715
5۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، جلد 7 صفحہ 48، صحیح مسلم، کتاب السلام، جلد 4 صفحہ 1711
6۔ سنن ابی داؤد، کتاب الترجل، جلد 4 صفحہ 79، سنن نسائی، کتاب الزینۃ، جلد 8 صفحہ 153 وغیرہ

نے ایک عورت کو آتے ہوئے دیکھا جس سے خوشبو کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ آپ نے اسے فرمایا اے خداوند جبار کی بندی! کیا تو مسجد سے آ رہی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے محبوب ابو القاسم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "اللہ تعالیٰ اس عورت کی نماز قبول نہیں فرماتا جو مسجد میں تیز خوشبو لگا کر جائے جب تک وہ گھر لوٹ کر غسل جنابت نہ کرے"(1)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ عورت جو آراستہ پیراستہ ہو کر نامحرموں میں اترا اترا کر چلتی ہے، وہ قیامت کے دن مجسم تاریکی ہوگی جہاں نور بالکل نہیں ہوگا"(2)۔ اسی طرح عورتوں کو راستے کے درمیان میں چلنے سے بھی احتراز کرنا چاہیے۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے رستہ میں مردوں اور عورتوں کو ملے جلے چلتے ہوئے دیکھ کر عورتوں سے فرمایا: "تم ادھر ادھر ہو جایا کرو، تمہارے لئے رستہ کے بیچ میں چلنا مناسب نہیں بلکہ تم راستے کے کنارے کنارے چلا کرو"(3)۔ اس فرمان کے بعد عورتیں بالکل دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگیں یہاں تک کہ ان کے کپڑے دیوار کے ساتھ رگڑ کھاتے تھے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ یعنی اے ایمان والو! میں تمہیں جن صفات جمیلہ اور اخلاق جلیلہ کا حکم دیتا ہوں، انہیں اختیار کرو اور اہل جاہلیت کی رذیل صفات اور قبیح اخلاق سے اجتناب کرو کیونکہ حقیقی اور مکمل فلاح اسی میں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ہر حکم کی تعمیل کی جائے اور جن کاموں سے منع کیا گیا ہے ان سے احتراز کیا جائے۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآىِٕكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَاۗءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ڰ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَي الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾

"اور نکاح کر دیا کرو جو بے نکاح ہیں تم میں سے اور جو نیک ہیں تمہارے غلاموں اور کنیزوں میں سے۔ اگر وہ تنگدست ہوں (تو فکر نہ کرو) غنی کر دے گا انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے۔ اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہمہ دان ہے۔ اور چاہئے کہ پاکدامن بنے رہیں وہ لوگ جو نہیں پاتے شادی کرنے کی قدرت یہاں تک کہ غنی کر دے انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے۔ اور جو مکاتب بننا چاہیں تمہارے غلاموں سے تو مکاتب بنا لو انہیں اگر تم جانو ان میں کوئی بھلائی۔ اور (زر مکاتبت ادا کرنے میں) مدد کرو ان کی اللہ تعالیٰ کے مال سے جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے۔ اور نہ مجبور کرو اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر اگر وہ پاکدامن رہنا چاہیں تاکہ تم حاصل کرو (اس بدکاری سے) دنیوی زندگی کا کچھ سامان۔ اور (کمینہ خصلت) مجبور کرتا ہے انہیں (عصمت فروشی پر) تو بے شک اللہ تعالیٰ ان کے مجبور کیے جانے کے بعد (ان کی لغزشوں کو) بخشنے والا (اور ان پر) رحم

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الترجل، جلد 4 صفحہ 79، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 1326 2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الرضاع، جلد 5 صفحہ 113-114

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 369

فرمانے والا ہے۔ اور ہم نے اتاری ہیں تمہاری طرف روشن آیتیں نیز (ہم نے اتارے ہیں) بعض حالات ان لوگوں کے جو گزر چکے ہیں تم سے پہلے نیز (اتاری ہے) نصیحت پرہیزگاروں کے لئے"۔

ان آیات میں چند قطعی اور محکم احکام بیان کئے جا رہے ہیں، پہلے نکاح کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَ اَنۡكِحُوا　　علماء کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ جو شخص نکاح پر قادر ہو، اس پر نکاح کرنا واجب ہے، اس کی دلیل حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے: "اے نوجوانوں کے گروہ! تم میں سے جو شخص طاقت رکھتا ہو اسے ضرور شادی کر لینی چاہیے کیونکہ یہ نگاہ کو نیچی رکھنے والی اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والی ہے اور جسے قدرت حاصل نہ ہو وہ روزے رکھے کیونکہ یہ شہوت کو توڑنے والے ہیں" (1)۔ سنن میں متعدد اسناد سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس سے زیادہ اولاد کی توقع ہو، اس سے شادی کرو اور نسل بڑھاؤ، میں قیامت کے دن تمہارے ساتھ دیگر امتوں پر فخر کروں گا" (2)۔ ایک اور روایت میں ہے: "یہاں تک کہ نا تمام گرے ہوئے بچے کی گنتی کے ساتھ بھی"۔ "ایامی" "ایم" کی جمع ہے۔ ہر اس عورت کو جس کا خاوند نہ ہو اور ہر اس مرد کو جس کی بیوی نہ ہو "ایم" کہتے ہیں خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ پھر فرمایا: اِنۡ يَّكُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے نکاح کی رغبت دلاتے ہوئے بے نکاح لوگوں کی شادی کرنے کا حکم دیا خواہ وہ آزاد ہوں یا غلام اور ان کے ساتھ خوشحالی کا وعدہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نکاح کا جو حکم تمہیں دیا ہے تم اس کی تعمیل کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ کئے ہوئے خوشحالی کے وعدہ کو پورا فرمائے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نکاح میں خوشحالی تلاش کرو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کی مدد اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے: نکاح کرنے والا جس کا مقصد پاکدامن رہنا ہو، مکاتب غلام جو زر مکاتبت کی ادائیگی کا ارادہ رکھتا ہو اور راہ خدا میں جہاد کرنے والا" (3)۔ نبی کریم ﷺ نے اس شخص کی شادی کرا دی جس کے پاس بجز تہبند کے کچھ نہ تھا یہاں تک کہ لوہے کی انگوٹھی بھی اس کے پاس سے نہ نکلی، اس کے باوجود آپ ﷺ نے اس کی شادی ایک عورت سے کرا دی اور مہر یہ مقرر کیا کہ وہ اس عورت کو قرآن سکھا دے۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور لطف و احسان سے قوی امید تھی کہ وہ انہیں اتنی روزی عطا فرمائے گا جس سے ان کی گذر اوقات آسانی سے ہوتی رہے گی۔ اکثر لوگ یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ فقر کی حالت میں بھی نکاح کیا کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں غنی کر دے گا۔ اس کی کوئی اصل نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی قوی بلکہ ضعیف سند بھی نہیں ہے۔ قرآن اور ہماری بیان کردہ احادیث کی موجودگی میں اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔ دوسری آیت میں فرمایا: وَلۡيَسۡتَعۡفِفِ　　یہاں ان لوگوں کو حرام کاری سے بچنے اور پاکدامن رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے جو نکاح کی قدرت نہیں رکھتے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "اے نوجوانو! تم میں سے جسے طاقت ہو، وہ ضرور نکاح کرے کیونکہ یہ نگاہ کو نیچی رکھنے والا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے اور جسے طاقت نہ ہو، وہ روزہ رکھے کیونکہ یہ شہوت کو توڑنے والا ہے"۔ یہ آیت مطلق ہے جبکہ سورہ نساء کی یہ آیت اس سے خاص ہے: وَمَنۡ لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ مِنۡكُمۡ طَوۡلًا اَنۡ يَّنۡكِحَ الۡمُحۡصَنٰتِ وَاَنۡ تَصۡبِرُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ (النساء: 25) یعنی لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرنے سے صبر کرنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ اس طرح پیدا ہونے والی اولاد غلام ہوتی ہے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کو دیکھے اور اس کے دل میں خواہش پیدا ہو تو اگر اس کی بیوی ہو تو اسے

1۔ صحیح بخاری، جلد 3 صفحہ 34، صحیح مسلم، جلد 4 صفحہ 128　　2۔ سنن نسائی، کتاب النکاح، جلد 6 صفحہ 65، تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 341

3۔ سنن نسائی، کتاب النکاح، جلد 6 صفحہ 61، عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل الجہاد، جلد 7 صفحہ 156-157 وغیرہ

چاہیے کہ وہ اس کے پاس جا کر اپنی حاجت پوری کرے اور اگر اس کی بیوی موجود نہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ زمین و آسمان کی وسیع مملکت میں غور و فکر کرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے غنی کر دے۔ اس کے بعد فرمایا: وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ یہاں آقاؤں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ جب ان کے غلام ان سے مکاتبت (مال کے بدلہ میں آزادی کا معاہدہ) کرنا چاہیں تو انہیں انکے ساتھ یہ معاہدہ کرنا چاہیے بشرطیکہ وہ مال کی اتنی مقدار کما کر اپنے آقا کو دینے پر قادر ہوں جس کی ادائیگی پر ان کی آزادی طے ہوئی تھی۔ اکثر علماء کہتے ہیں کہ یہاں امر ارشاد اور استحباب کے لئے ہے نہ کہ وجوب کے لئے۔ اس لئے آقا کو اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو اپنے غلام کے ساتھ مکاتبت کا معاہدہ کر لے اور اگر چاہے تو نہ کرے۔ بعض دیگر علماء کا کہنا ہے کہ یہاں امر وجوب کے لئے ہے اس لئے اگر کوئی غلام اپنے آقا سے مکاتبت کا مطالبہ کرے تو اس کا قبول کرنا آقا پر واجب ہے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے دریافت کیا کہ اگر مجھے توقع ہو کہ میرا غلام مجھے زر کتابت دے دیگا تو کیا مکاتبت مجھ پر واجب ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میری رائے میں تو یہ واجب ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مالدار غلام سیرین نے ان سے مکاتبت کا سوال کیا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ سیرین نے یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو مکاتبت کا حکم دیا لیکن انہوں نے پھر انکار کیا۔ آپ نے انہیں درے کے ساتھ مارا اور یہی آیت پڑھ کر سنائی یہاں تک کہ وہ مکاتبت پر راضی ہو گئے (1)۔ امام شافعی کا قدیم قول یہی تھا لیکن ان کا جدید قول یہ ہے کہ واجب نہیں کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے: ''مسلمان کا مال اس کی رضامندی کے بغیر حلال نہیں'' (2)۔ امام مالک فرماتے ہیں جب کوئی غلام اپنے آقا سے مکاتبت کا سوال کرے تو اس کا قبول کرنا آقا پر واجب نہیں اور میں نے نہیں سنا کہ کسی امام نے کسی آقا کو اپنے غلام کے ساتھ مکاتبت کا معاہدہ کرنے پر مجبور کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم اذن کے طور پر نہ کہ وجوب کے طور (3)۔ اسی طرح امام ثوری، ابوحنیفہ اور عبدالرحمن بن زید وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابن جریر کا مختار قول وجوب کا ہے کیونکہ آیت کے ظاہری الفاظ اسی کا تقاضا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا میں خیر سے مراد امانت ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد صدق ہے۔ بعض نے اس سے مال مراد لیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد ذریعہ معاش ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں مکاتبت کرنے والے غلاموں کی مال کمانے کی صلاحیت کا علم ہو تو مکاتبت کر دو ورنہ انہیں لوگوں پر بوجھ بنا کر نہ چھوڑو (4)۔ مفسرین کا اس ارشاد وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ کے متعلق اختلاف ہے بعض نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ زر کتابت میں سے کچھ معاف کر دو پھر اس کی مقدار بعض نے ایک چوتھائی مقرر کی ہے، بعض نے ایک تہائی، بعض نے نصف اور بعض نے حد مقرر کئے بغیر مقررہ مال سے کچھ منہا کرنے کا کہا ہے۔ بعض دیگر مفسرین نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ انہیں اموال زکوٰۃ کے اس حصہ میں سے دو جو ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔ یہ قول حضرات حسن، عبدالرحمن بن زید، زید بن اسلم اور مقاتل بن حیان کا ہے۔ ابن جریر نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ لوگوں کو ان کی معاونت پر برانگیختہ کیا گیا ہے خواہ وہ آقا ہو یا دوسرے لوگ (5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں اہل ایمان کو گردنیں آزاد کروانے میں امداد کا حکم ہے۔ یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ تین قسم کے لوگوں کی اعانت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لی ہوئی ہے، ایک ان میں سے وہ مکاتب غلام ہے جو مقررہ رقم کی ادائیگی کا خواہاں ہو۔ لیکن پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک

1۔ صحیح بخاری، کتاب المکاتب، جلد 3 صفحہ 198　　2۔ سنن بیہقی، کتاب الغصب، جلد 6 صفحہ 100　　3۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 127

4۔ مراسیل ابی داؤد: 21　　5۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 131

غلام نے مکاتبت کا معاہدہ کیا جس کی کنیت ابوامیہ تھی۔ جب وہ پہلی قسط لے کر حاضر ہوا تو آپ نے اسے فرمایا کہ جاؤ اور اس کے ذریعے اپنی مکاتبت میں دوسروں سے مدد طلب کرو۔ اس نے عرض کی: اے امیر المومنین! اگر آپ مجھے آخری قسط تک محنت کرنے دیں تو کیا یہ اچھا نہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ہم اس فرمان فَكَاتِبُوهُمْ پر عمل ترک نہ کر بیٹھیں۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ پہلی قسط تھی جو اسلام میں ادا کی گئی (1)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی غلام آپ سے مکاتبت کا معاہدہ کرتا تو آپ شروع کی قسطیں معاف نہ کرتے تھے کیونکہ آپ کو یہ خیال ہوتا تھا کہ ایسا نہ ہو وہ آخر میں عاجز آ جائے اور آپ کا دیا ہوا صدقہ ہی آپ کو واپس مل جائے بلکہ آپ اپنی مرضی سے آخری قسطیں معاف کر دیتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس ارشاد کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کا زر مکاتبت معاف کر دو۔ محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ زر مکاتبت سے کچھ معاف کر دینے سے اہل ایمان کو بہت خوشی ہوتی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ مکاتبت کا چوتھائی حصہ چھوڑ دو۔ یہ حدیث غریب ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہو (2)۔ پھر فرمایا: وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيٰتِكُمْ زمانہ جاہلیت میں ایک قبیح رسم یہ بھی مروج تھی کہ وہ اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور کرتے اور ایک معین رقم کی ادائیگی ان کے ذمے لازم قرار دیتے۔ اسلام نے اہل ایمان کو اس حرام کاری سے منع کر دیا۔ متعدد مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ ارشاد عبداللہ بن ابی منافق کے متعلق نازل ہوا، اس کی چند لونڈیاں تھیں جنہیں وہ قحبہ گری کے پیشہ پر مجبور کرتا تا کہ ان سے آمدنی اور اولاد حاصل ہو اور ہر ایک پر اس کی سروری کی دھاک بیٹھ جائے۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی کی معاذہ نامی ایک لونڈی تھی جسے وہ بدکاری پر مجبور کرتا (3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس لونڈی کا نام مسیکہ تھا لیکن یہ بدکاری سے سخت متنفر تھی۔ اس پر یہ آیت اتری (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی کی ایک لونڈی زمانہ جاہلیت میں یہ پیشہ کرتی تھی۔ یہاں تک کہ اس سے ناجائز اولاد بھی ہوتی لیکن پھر اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا جس پر عبداللہ بن ابی نے اسے زدوکوب کیا تو اس وقت یہ آیت اتری۔ امام زہری بیان کرتے ہیں کہ بدری قیدیوں میں سے ایک قریشی قیدی عبداللہ بن ابی کے پاس تھا۔ عبداللہ بن ابی کی معاذہ نامی ایک لونڈی تھی جس کے ساتھ قریشی قیدی حرام کاری کرنا چاہتا تھا لیکن لونڈی اپنے اسلام کی وجہ سے اس سے احتراز کرتی تھی۔ عبداللہ بن ابی اسے مار پیٹ کر اس کام پر مجبور کرتا تھا تا کہ وہ اس قریشی سے رقم بٹور سکے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (5)۔ سدی کہتے ہیں کہ جب کوئی مہمان رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے پاس ٹھہرتا تو وہ اپنی لونڈی معاذہ کو شب باشی کے لئے اس کے پاس بھیج دیتا تا کہ وہ اس منافق کا احسان یاد رکھے اور ضرورت پڑنے پر وہ اس کے کام آئے۔ یہی لونڈی ایک روز تنگ آ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور اپنی داستان غم بیان کی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب اس چیز کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اس لونڈی کو اپنے قبضہ میں لے لیں۔ عبداللہ بن ابی کو پتہ چلا تو اس نے بڑا شور مچایا کہ دیکھو اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری لونڈیوں کو اپنے قبضہ میں لے رہے ہیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (6)۔ مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ مسیکہ اور معاذہ دو اشخاص کی لونڈیاں تھیں جو انہیں بدکاری پر مجبور کرتے تھے۔ مسیکہ اور اس کی ماں امیمہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی تو اس وقت یہ آیت

1۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 6 صفحہ 371، سنن کبری بیہقی، کتاب المکاتب، جلد 10 صفحہ 329-330

2۔ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب البیوع، جلد 6 صفحہ 369

3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 61

4۔ صحیح مسلم، کتاب التفسیر، جلد 4 صفحہ 2320، سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، جلد 2 صفحہ 294، وغیرہ

5۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 133

6۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 193-194

اجرت ہے۔ بغاء کا معنی ہے زنا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنۡ اَرَدۡنَ تَحَصُّنًا کا یہ مطلب نہیں کہ اگر وہ پاکدامن ہونے کا ارادہ نہ کریں تو پھر ان سے یہ پیشہ کروانے میں کوئی حرج نہیں بلکہ اس سے مقصود عمومی صورت حال بیان کرنا ہے۔ یہ کوئی قید اور شرط نہیں۔ اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ ان سے انہیں مال اور اولاد حاصل ہو جوان کی غلام بنے۔ رسول اللہ ﷺ نے پچھنے لگانے والے کی اجرت، پیشہ کرنے والی عورت کی کمائی اور کاہن کی اجرت سے منع فرمایا ہے(1)۔ ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''زانیہ کی کمائی ناپاک ہے، پچھنے لگانے والے کی کمائی ناپاک ہے اور کتے کی قیمت ناپاک ہے''(2)۔ پھر فرمایا: وَمَنۡ یُّکۡرِهۡهُّنَّ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اگر لوگ اپنی لونڈیوں کو قحبہ گری کے پیشہ پر مجبور کریں تو اللہ تعالیٰ ان لونڈیوں کے لئے غفور رحیم ہے اور بدکاری کا گناہ ان پر ہوگا جنہوں نے انہیں اس پر مجبور کیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں یوں ہے: ''فَاِنَّ اللّٰهَ مِنۡ ۢ بَعۡدِ اِكۡرَاهِهِنَّ لَهُنَّ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ وَ اِثۡمُهُنَّ عَلٰی مَنۡ اَكۡرَهَهُنَّ'' یعنی اس کا گناہ مجبور کرنے والوں پر ہے۔ ایک حدیث مرفوع میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''میری امت سے خطا، بھول چوک اور ہر وہ چیز معاف کر دی گئی ہے جس پر انہیں مجبور کیا جائے''(3)۔ اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کے بعد فرمایا: وَلَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكُمۡ۔ یعنی ہم نے قرآن کریم میں واضح آیات نازل کیں اور گزشتہ قوموں کے حالات اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی صورت میں ان پر اترنے والے عذاب کا ذکر کیا جیسا کہ فرمان ہے: فَجَعَلۡنٰهُمۡ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلۡاٰخِرِیۡنَ (الزخرف:56)'' اور ہم نے انہیں بنا دیا پیش رو اور کہاوت پچھلوں کے لئے''۔ مزید فرمایا: مَوۡعِظَةً لِّلۡمُتَّقِیۡنَ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ قرآن کریم کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس میں تمہارے معاملات کے قطعی فیصلے، گزشتہ قوموں کے حالات اور بعد میں رونما ہونے والے امور کی خبریں موجود ہیں۔ یہ فیصلہ کن اور سنجیدہ کلام ہے، کوئی ہنسی مذاق نہیں۔ جو اسے تکبر سے چھوڑ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے برباد کر دیتا ہے اور جو اس کے سوا کسی اور سے ہدایت طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر دیتا ہے(4)۔

اَللّٰهُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ مَثَلُ نُوۡرِهٖ كَمِشۡكٰوةٍ فِیۡهَا مِصۡبَاحٌ ؕ اَلۡمِصۡبَاحُ فِیۡ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوۡكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیۡتُوۡنَةٍ لَّا شَرۡقِیَّةٍ وَّ لَا غَرۡبِیَّةٍ ۙ یَّكَادُ زَیۡتُهَا یُضِیۡٓءُ وَ لَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡهُ نَارٌ ؕ نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ ؕ یَهۡدِی اللّٰهُ لِنُوۡرِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ یَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿ۙ۳۵﴾

''اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو اس میں چراغ ہو، وہ چراغ شیشہ (کے ایک فانوس) میں ہو۔ وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے جو موتی کی طرح چمک رہا ہے جو روشن کیا گیا ہے برکت والے زیتون کے درخت سے، جو نہ شرقی ہے نہ غربی ہے قریب ہے اس کا تیل روشن ہو جائے، اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے۔ (یہ) نور ہی نور ہے۔ پہنچا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے، اور بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ طرح طرح کی مثالیں لوگوں (کی ہدایت) کے لئے، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 110، صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، جلد 3 صفحہ 1198

2۔ صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، جلد 3 صفحہ 1199، سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 266 وغیرہ

3۔ سنن ابن ماجہ، جلد 1 صفحہ 159 　 4۔ نہج البلاغۃ: 456

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا معنی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین والوں کا ہادی ہے اور وہی ان میں ستاروں سورج اور چاند کی تدبیر کرتا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نور خدا سے مراد ہدایت ہے (1)۔ ابن جریر نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ ''مثل نورہ'' میں مومن کی مثال بیان ہوئی ہے جس کے سینے میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور قرآن رکھ دیا ہے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کا ذکر کیا' پھر مومن کے نور کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے کی مثال یہ ہے، بلکہ حضرت ابی اسے اس طرح پڑھتے: ''مَثَلُ نُوْرِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ''، ''اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے کی مثال'' (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہ قراءت اس طرح منقول ہے: مَثَلُ نُوْرِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ ''بعض کی قراءت میں اَللّٰهُ نَوَّرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو نور بخشا اور اس نور سے وہ منور ہیں (3)۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ جس دن طائف والوں نے آپ کو سخت ایذا پہنچائی تھی اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا میں فرمایا تھا: ''اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ اَشْرَقَتْ بِهِ الظُّلُمٰتُ وَ صَلَحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ اَنْ يَحِلَّ بِيْ غَضَبُكَ اَوْ يَنْزِلَ بِيْ سَخَطُكَ لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو تہجد کے لئے اٹھتے تو یہ فرماتے: ''اے اللہ! تیرے لئے ہی تمام تعریفیں ہیں، تو آسمانوں، زمین اور ان میں تمام موجودات کا نور ہے اور تیرے لیے ہی سب تعریفیں ہیں تو آسمانوں، زمین اور ان میں موجود سب چیزوں کو قائم رکھنے والا ہے'' (4)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہارے رب کے ہاں نہ رات ہے اور نہ دن، عرش کا نور اس کے چہرہ کے نور سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان ''مثل نورہ'' میں ضمیر کے مرجع کے متعلق دو قول ہیں، ایک یہ کہ اس ضمیر کا مرجع ذات خداوندی ہے یعنی قلب مومن میں اسکی ہدایت کی مثال طاق کی سی ہے۔ یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس ضمیر کا مرجع مومن ہے جس پر سیاق کلام دلالت کر رہا ہے یعنی قلب مومن میں نور کی مثال طاق کی سی ہے۔ مومن کے دل اور اس میں جو نور ہدایت اور نور قرآن ہے اسے طاق کے ساتھ تشبیہ دی جیسا کہ ارشاد ہے: اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ (ہود: 17) ''تو کیا وہ شخص انکار کر سکتا ہے ''جس کے پاس اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل ہو اور اس کے بعد اسکی طرف سے ایک سچا گواہ''۔ پس مومن کے دل کو نفاست اور لطافت میں بلور کے صاف شفاف اور چمکدار فانوس کے ساتھ تشبیہ دی۔ اور اسے جو قرآن اور شریعت میسر ہے اسے زیتون کے صاف شفاف لطیف روشن اور معتدل تیل کے ساتھ مشابہت دی۔ مشکوۃ کا معنی بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور محمد بن کعب چراغ کی وہ جگہ ہے جہاں بتی رکھی جاتی ہے اور مصباح سے مراد وہ بتی ہے جو روشن ہوتی ہے۔ یہود نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا نور کیسے آسمانوں کے پار ہوتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال بیان کرتے ہوئے یہ آیت نازل کی۔ مشکوۃ سے مراد چراغ دان ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی مثال بیان ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کو نور فرمایا ہے اور پھر اسے اور بھی بہت سے نام دیئے ہیں (5)۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ لغت حبشہ میں طاق کو مشکوۃ کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ایسا طاق جس کا سوراخ آر پار نہ ہو۔ حضرت مجاہد سے یہ بھی مروی ہے کہ جس چیز سے چراغ کو لٹکایا جاتا ہے اسے مشکوۃ کہتے

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 135
2۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 135-136
3۔ روح المعانی، جلد 18 صفحہ 164
4۔ صحیح بخاری، کتاب التہجد، جلد 2 صفحہ 60۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1 صفحہ 532-533
5۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 137 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ

ہیں لیکن پہلا قول زیادہ موزوں ہے یعنی مشکوۃ سے مراد چراغ میں بتی رکھنے کی جگہ ہے اسلئے بعد میں فرمایا۔ فِيهَا مِصْبَاحٌ یعنی وہ نور جو حق میں ہے حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ مصباح سے مراد نور ہے یعنی وہ نور قرآن اور نور ایمان جو مومن کے سینے میں ہے۔ سدی کے بقول اس سے مراد چراغ ہے پھر فرمایا اَلْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ یعنی یہ روشنی صاف شفاف بلور میں سے چھن چھن کر آرہی ہے حضرت ابی بن کعب کا قول ہے کہ یہ قلب مومن کی مثال ہے پھر فرمایا اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا ... بعض نے دُرِّیٌّ کو دال کے ضمہ کے ساتھ بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے اس وقت یہ دُر سے ماخوذ ہوگا یعنی گویا کہ وہ موتی کا ستارہ ہے۔ بعض نے اسے ہمزہ کے ساتھ اور دال کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ دِرِّیءٌ اور دُرِّیءٌ پڑھا ہے اسوقت یہ دَرءٌ بمعنی دفع سے ماخوذ ہوگا۔ کیونکہ جب کوئی ستارہ ٹوٹتا ہے تو اسوقت وہ انتہائی روشن ہوتا ہے۔ عرب غیر معروف ستاروں کو دراری کہتے ہیں۔ حضرت ابی بن کعب اس کا معنی بتاتے ہیں خوب روشن ستارہ، قتادہ کہتے ہیں کہ وہ بہت بڑا ستارہ جو خوب واضح اور چمکدار ہو۔ فرمایا يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ "زَيْتُونَةٍ" بدل یا عطف بیان ہے یہ زیتون کا درخت نہ شرقی ہے اور نہ غربی یعنی نہ وہ مشرق میں ہے کہ دن کے آغاز سے ہی سورج کی دھوپ اس پر نہ پڑے اور نہ ہی مغرب میں ہے کہ غروب آفتاب سے پہلے ہی سایہ اس سے سکڑ کر ہٹ جائے بلکہ یہ درمیان میں ہے جہاں سارا دن سورج کی کرنیں اسے زندگی بخش اثرات سے سرشار کرتی رہتی ہیں اس لیے اس کا تیل بہت صاف چمکدار لطیف اور معتدل ہوتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس فرمان زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ زیتون کا درخت صحرا میں ہے جہاں اسے کوئی درخت پہاڑ غار یا کوئی دوسری چیز چھپائے ہوئے نہیں اس کا تیل سب سے عمدہ ہے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ یہ درخت صحرا میں ہوتا ہے اس کا تیل بہت صاف شفاف ہوتا ہے۔ ایک آدمی نے حضرت عکرمہؓ سے اس فرمان کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ زیتون کا درخت کھلے میدان میں ہوتا ہے جہاں کھلی ہوا کے ساتھ صبح سے شام تک سورج کی دھوپ اس پر پڑتی رہتی ہے اس وجہ سے اس کا تیل بہت صاف اور لطیف ہوتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ نہ صرف شرقی ہے اور نہ صرف غربی ہے۔ سورج کی کرنیں ہر وقت اس پر پڑتی ہیں خواہ وہ طلوع ہو یا غروب۔ سعید بن جبیر بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس کا تیل سب سے عمدہ ہے جب سورج طلوع ہوتا ہے تو بھی اسکی کرنیں اس پر پڑتی ہیں اور جب غروب ہوتا ہے تو بھی۔ چونکہ صبح وشام اس پر دھوپ پڑتی ہے اس لیے اسے نہ شرقی کہا جا سکتا ہے اور نہ غربی (1)۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ درخت نہ مشرق کے ساتھ خاص ہے اور نہ مغرب کے ساتھ بلکہ یہ پہاڑ کی چوٹی پر ہوتا ہے یا صحرا میں اور سارا دن سورج اس پر پڑتا رہتا ہے۔ بعض نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ درختوں کے وسط میں ہوتا ہے اس وجہ سے یہ نہ مشرق کی طرف نمایاں ہوتا ہے اور نہ مغرب کی طرف۔ حضرت ابی بن کعب اس فرمان کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ یہ سرسبز وشاداب اور لطیف درخت ہے جسے کسی حالت میں بھی سورج کی کرنیں نہیں پہنچتیں نہ طلوع کے وقت اور نہ غروب کے وقت' یہی کیفیت مومن کی ہے۔ اسے فتنوں اور آزمائشوں سے محفوظ رکھا جاتا ہے اور اگر وہ کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدم رکھتا ہے۔ چنانچہ اسے چار خصلتیں میسر آتی ہیں: گفتگو میں سچائی' فیصلہ میں عدل' آزمائش پر صبر اور نعمت پر شکر۔ وہ تمام لوگوں میں اس طرح ہوتا ہے جیسے مردوں میں کوئی زندہ شخص۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں زیتون کا درخت درختوں کے وسط میں ہوتا ہے جس تک نہ مشرق سے سورج کی رسائی ہوتی ہے اور نہ مغرب۔ عطیہ عوفی کہتے ہیں کہ زیتون درختوں کے درمیان ہوتا ہے' اس کے پھل کا سایہ اس کے پتوں سے دکھائی دیتا ہے اور اس پر نہ سورج طلوع ہوتا ہے اور نہ غروب ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ ایسا

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 197

درخت ہے جسکی سمت نہ مشرق ہے اور نہ مغرب بلکہ یہ شرقی غربی ہے۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ یہ قبلہ کی طرف ہے اور زید بن اسلم کہتے ہیں کہ شام۔ میں حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ درخت زمین پر ہوتا تو ضرور شرقی یا غربی ہوتا لیکن یہ تو نور خدا کی مثال ہے (1)۔ ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس درخت سے مراد مرد صالح ہے اور شرقی غربی نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ نہ یہودی ہے اور نہ نصرانی۔ ان تمام اقوال میں سے سب عمدہ اور موزوں قول پہلا ہے یعنی زیتون کا درخت کسی ہموار وسیع جگہ پر ہے جہاں ہر وقت ہوا کی آمد و رفت ہوتی رہتی ہے اور صبح سے شام تک سورج کی کرنیں اس پر پڑتی رہتی ہیں اس لئے اس کا تیل نہایت صاف ستھرا اور لطیف ہوتا ہے اس لئے فرمایا۔ یَّكَادُ زَيْتُهَا یعنی اس کا تیل اس قدر صاف شفاف اور نفیس ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ بغیر جلائے اس طرح روشنی دے رہا ہے جس طرح جلانے سے روشنی حاصل ہوتی ہے۔ پھر فرمایا: نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس سے مراد نور ایمان اور نور عمل ہے۔ سدی اور مجاہد کہتے ہیں کہ تیل کا نور اور آگ کا نور۔ حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ اسے پانچ نور حاصل ہوتے ہیں: اس کا کلام نور ہے، اس کا عمل نور ہے، اس کا داخل ہونا نور ہے۔ اس کا نکلنا نور ہے اور قیامت کے دن اس کا آخری ٹھکانا نور جنت ہوگا۔ حضرت کعب الاحبار اس فرمان یَّكَادُ زَيْتُهَا کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ اس میں نبی کریم ﷺ کی مثال بیان ہوئی ہے یعنی حضور کی شان اسقدر واضح ہے کہ اگر آپ اعلان نبوت نہ بھی کرتے تو بھی یہ لوگوں پر ظاہر ہو جاتی جیسا کہ زیتون کا تیل بغیر روشن کیے بھی روشن ہے (2)۔ سدی اس فرمان نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ کے متعلق کہتے ہیں کہ اس سے مراد آگ کا نور اور زیتون کے تیل کا نور ہے، جب یہ دونوں جمع ہوتے ہیں تو روشنی پیدا ہوتی ہے ایک کے بغیر دوسرے سے روشنی کا حصول ناممکن ہے۔ اسی طرح نور قرآن اور نور ایمان یکجا ہونے سے مومن کا دل روشن ہوتا ہے ان میں سے صرف ایک سے یہ چیز حاصل نہیں ہوسکتی۔ پھر فرمایا یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت کی راہ پر گامزن کر دیتا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا پھر اسی دن ان پر اپنا نور ڈالا۔ اس دن جسے وہ نور پہنچا وہ ہدایت پا گیا اور جو اس سے محروم رہا وہ گمراہ ہو گیا۔ اسی سلسلے میں کہتا ہوں کہ قلم اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق چل کر خشک ہو گیا (3)۔ قلب مومن میں نور ہدایت کی مثال بیان کرنے کے بعد آیت کے اختتام پر فرمایا: وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ یعنی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون گمراہی کا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "دل چار قسم کے ہیں: ایک روشن چراغ کی طرح صاف اور چمکدار، ایک غلاف میں لپٹا ہوا ایک اوندھا اور ایک الٹا پھرا ہوا، صاف اور چمکدار دل مومن کا دل ہے جس میں چراغ کی سی روشنی ہوتی ہے، پردے اور غلاف میں لپٹا ہوا دل کافر کا دل ہے، اوندھا دل منافق کا دل ہے جو پہچاننے کے بعد انجان بن گیا اور الٹا پھرا ہوا دل وہ دل ہے جس میں ایمان بھی ہے اور نفاق بھی۔ اس میں ایمان کی مثال ترکاری کی سی ہے جسے عمدہ پانی نشوونما دیتا ہے اور اس میں نفاق کی مثال پھوڑے کی سی ہے جسے خون اور پیپ ابھارتے ہیں، ان میں سے جو غالب آ گیا وہی دل پر قابض ہو جاتا ہے" (4)۔

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ یُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ ۙ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ۙ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۪ۙ

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 172
2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 198-199
3۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 176
4۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 817

يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۝ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

''ان گھروں میں (جن کے متعلق) حکم دیا ہے اللہ نے کہ بلند کیے جائیں اور لیا جائے ان میں اللہ تعالیٰ کا نام۔ اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں ان گھروں میں صبح اور شام وہ (جواں) مرد جنہیں غافل نہیں کرتی تجارت اور نہ خرید وفروخت یاد الٰہی سے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے، وہ ڈرتے رہتے ہیں اس دن سے گھبرا جائیں گے جس میں دل اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ تا کہ جزا دے انہیں اللہ تعالیٰ ان کے بہترین اعمال کی اور (اس سے بھی) زیادہ عطا فرمائے انہیں اپنے فضل سے اور اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بے حساب''۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مومن کے دل اور اس میں موجود ہدایت اور علم کی مثال بیان کی کہ وہ ایسے چراغ کی سی ہے جو شفاف اور چمکدار فانوس میں ہو اور اسے زیتون کے تیل سے روشن کیا گیا ہو گویا یہ قندیل کی طرح ہے۔ اب یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اس کا محل مساجد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب مقامات ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے گھر ہی ہیں جہاں اسکی عبادت کی جاتی ہے اور اسکی وحدانیت کو بیان کیا جاتا ہے فرمایا: '' فی بیوت '' یعنی اللہ تعالیٰ نے مساجد کی حفاظت کرنے ہر قسم کی غلاظت اور آلودگی سے پاک صاف رکھنے اور ان میں بیہودہ گوئی اور غیر شائستہ حرکات سے باز رہنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر مفسرین نے اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے کہ مسجدوں میں ہر قسم کی لغو چیز کے ارتکاب کی ممانعت ہے(1)۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہی مساجد ہیں جنہیں تعمیر کرنے آباد کرنے شاندار بنانے اور پاک صاف رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت کعب کہا کرتے تھے تورات میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان لکھا ہوا ہے کہ زمین میں میرے گھر مسجدیں ہیں۔ جو شخص اچھی طرح وضو کر کے میرے گھر میں میری ملاقات کے لئے آئے، میں اسے عزت سے نوازتا ہوں اور میزبان پر یہ حق بنتا ہے کہ وہ آنے والے کی تکریم کرے۔ مساجد کی تعمیر ان کے ادب و احترام انہیں خوشبودار اور پاک صاف رکھنے کے متعلق متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں جنہیں میں نے ایک مستقل تالیف کی شکل میں الگ تحریر کر دیا ہے، چند ایک احادیث کا تذکرہ یہاں بھی ہوگا۔ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے مسجد بناتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں اس جیسا گھر تعمیر فرما دیتا ہے''(2)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' جو شخص مسجد بناتا ہے تاکہ اس میں اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لئے گھر تعمیر فرماتا ہے''(3)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آبادیوں میں مسجدیں بنانے اور انہیں صاف ستھرا اور پاک رکھنے کا حکم دیا(4)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں کے لئے ایسی مسجدیں تعمیر کرو جو ان کے سر چھپالیں اور انہیں سرخ یا زرد رنگ کرنے سے اجتناب کرو ورنہ لوگ فتنہ میں پڑ جائیں گے(5)۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' جب تک کسی قوم نے اپنی مساجد کو نقش ونگار اور رنگ وروغن سے

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 144

2۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 122، صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 378

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 243، سنن نسائی، کتاب المساجد، جلد 2 صفحہ 31

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 124، عارضۃ الاحوذی، ابواب السفر، جلد 3 صفحہ 77 وغیرہ

5۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 113

آراستہ نہیں کیا اس وقت تک ان کے اعمال برے نہیں ہوئے"(1)۔ اسکی سند میں ضعف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے مسجدوں کو بلند و بالا اور پختہ بنانے کا حکم نہیں دیا گیا"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم ضرور یہود و نصاری کی طرح اپنی مسجدوں کو نقش و نگار اور رنگ و روغن سے آراستہ کرو گے(2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک لوگ مساجد کے بارے میں ایک دوسرے پر فخر و مباہات نہ کرنے لگیں"(3)۔ ایک شخص اپنے اونٹ کو ڈھونڈتا ہوا مسجد میں آگیا اور کہنے لگا کہ کون مجھے میرے سرخ اونٹ کا پتہ دے گا؟ نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا "اللہ کرے کہ وہ تجھے نہ ملے! مسجدیں تو اسی مقصد کے لئے ہیں جس کے لئے انہیں تعمیر کیا جاتا ہے"(4)۔ رسول اللہ ﷺ نے مسجدوں میں خرید و فروخت، تجارت اور شعر گوئی سے منع فرمایا ہے(5)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم مسجد میں کسی کو خرید و فروخت کرتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ اللہ تعالی تمہاری تجارت کو نفع بخش نہ بنائے اور جب تم کسی کو مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ اللہ کرے وہ چیز تمہیں واپس نہ ملے"(6)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو مسجد کے شایان شان نہیں، مسجد کو رستہ نہ بنایا جائے، اس میں ہتھیار کی نمائش نہ کی جائے اس میں تیر کمان پر نہ چڑھایا جائے، اس میں تیر نہ پھیلائے جائیں اس میں کچا گوشت نہ لایا جائے، اس میں حد نہ لگائی جائے اس میں قصاص نہ لیا جائے اور نہ ہی اسے بازار بنایا جائے(7)۔ حضرت واثلہ بن اسقع سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مساجد کو اپنے بچوں، دیوانوں خرید و فروخت، لڑائی جھگڑے، بلند آواز سے بولنے حدیں قائم کرنے اور تلواریں سونتنے سے بچاؤ۔ ان کے دروازوں پر وضو اور طہارت کی جگہیں بناؤ اور جمعہ کے ایام میں انہیں خوشبودار بناؤ(8)۔ اسکی سند ضعیف ہے۔ علماء نے بلا ضرورت مساجد کو گزرگاہ بنانا مکروہ قرار دیا ہے۔ فرشتے ایسے شخص پر تعجب کرتے ہیں جو نماز پڑھے بغیر مسجد سے گزر جاتا ہے۔ مسجد میں ہتھیار لہرانے کمان پر تیر چڑھانے اور تیر پھیلانے کی ممانعت اس خدشہ کے پیش نظر ہے کہ کہیں کوئی ہتھیار کسی نمازی کو نہ لگ جائے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ جب کوئی شخص تیر لے کر گزرے تو اسے اس کا پھل اپنے ہاتھ میں محفوظ رکھنا چاہیے تاکہ کسی کو ایذا نہ پہنچے(9)۔ مسجد میں کچا گوشت لانا اس وجہ سے منع کیا گیا ہے تاکہ مسجد آلودہ نہ ہو۔ مسجد میں حد اور قصاص کی ممانعت کا سبب اسے نجاست سے پاک رکھنا ہے۔ مسجد کو بازار بنانے اور اس میں خرید و فروخت کرنا ممنوع ہے کیونکہ مسجد اللہ تعالی کے ذکر اور عبادت کے لئے بنائی جاتی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اس اعرابی سے فرمایا تھا جس نے مسجد کے ایک گوشے میں پیشاب کر دیا تھا: "مسجدیں اس لئے نہیں بنائی گئیں بلکہ انہیں اللہ تعالی کے ذکر اور نماز کے لئے بنایا گیا ہے"(10)۔ پھر آپ ﷺ نے اس کے پیشاب پر پانی کا ایک بڑا ڈول بہانے کا حکم دیا۔ بچوں کو مساجد سے دور رکھنے کا حکم اس لئے ہوا کیونکہ وہ مسجدوں میں کھیلتے ہیں اور ایسا کرنا مناسب نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بچوں کو مسجد

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 244-245 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 122

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 123، سنن نسائی، کتاب المساجد، جلد 2 صفحہ 32 وغیرہ 4۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 397

5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 283، سنن نسائی، کتاب المساجد، جلد 2 صفحہ 47-48 وغیرہ

6۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب البیوع، جلد 6 صفحہ 61-62 7۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 247 8۔ ایضا

9۔ فتح الباری، کتاب الفتن، جلد 13 صفحہ 24، صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2019، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 392

10۔ مسند احمد عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ، جلد 2 صفحہ 503

میں کھیلتے ہوئے دیکھتے تو انہیں کوڑے سے پیٹتے اور آپ نماز عشاء کے بعد کسی کو مسجد میں نہ رہنے دیتے۔ دیوانے چونکہ عقل سے عاری ہوتے ہیں اور لوگ ان کا مذاق اڑاتے ہیں اس طرح مسجد میں کھیل تماشہ کا خطرہ ہوتا ہے اور اسی طرح مسجد آلودہ ہونے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے اسلئے مسجد میں ان کے داخلہ پر پابندی لگا دی۔ خرید و فروخت کی ممانعت اسلئے کی کہ مسجد بنانے کا مقصد صرف عبادت ہے تجارت نہیں۔ مسجد میں جھگڑے لے جانا اور ان کے فیصلے کرنا بھی ممنوع ہے کیونکہ جھگڑوں میں آوازیں بلند کی جاتی ہیں اور غیر شائستہ زبان استعمال کی جاتی ہے جو آداب مسجد کے منافی ہے اس لئے حدیث شریف میں آوازیں بلند کرنے کی ممانعت کا ذکر بھی اس کے بعد کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے علماء نے کہا ہے کہ مسجد میں فیصلے نہ کیے جائیں بلکہ مسجد سے باہر کوئی اور جگہ اس غرض کیلئے استعمال کرنی چاہیے۔ سائب بن یزید کندی فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا تھا کہ کسی شخص نے مجھ پر کنکر پھینکا میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر بن خطاب تھے۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ جاؤ اور ان دونوں شخصوں کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ میں ان دونوں کو لیکر آپ کے پاس آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ یا یہ پوچھا کہ تم کہاں سے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم اس شہر کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا تم مسجد نبوی میں اونچی آواز سے بول رہے ہو(1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد میں کسی شخص کی اونچی آواز سن کر فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم کس جگہ ہو؟(2) حدیث مذکور میں مساجد کے دروازے پر وضو اور طہارت کی جگہیں بنانے کا حکم دیا۔ مسجد نبوی کے قریب ہی کچھ کنوئیں تھے جن کا پانی پینے وضو کرنے طہارت حاصل کرنے اور دیگر اغراض کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ جمعہ کے ایام میں مساجد کو خوشبودار بنانے کا حکم دیا کیونکہ اس دن لوگ بکثرت جمع ہوتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ آپ جمعہ کے دن مسجد نبوی میں خوشبو لگایا کرتے تھے(3)۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ باجماعت نماز پڑھنے کا اجر گھر میں یا دوکان پر نماز ادا کرنے سے پچیس گنا زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ اچھی طرح وضو کر کے صرف نماز کے ارادہ سے مسجد کی طرف نکلتا ہے تو ہر قدم کے بدلہ میں اس کا ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے اور ایک گناہ معاف کر دیا جاتا ہے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد جب تک وہ اپنی نماز کی جگہ موجود رہتا ہے فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں اے اللہ اس پر اپنی رحمت نازل فرما اور اس پر رحم کر اور جب تک وہ نماز کے انتظار میں رہتا ہے اسے نماز کا اجر و ثواب ملتا رہتا ہے(4)۔ دارقطنی میں ایک مرفوع روایت ہے: "مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے سوا کسی جگہ نہیں ہوتی" (5)۔ سنن میں ہے "تاریکیوں میں مسجد کی طرف جانے والوں کو خوشخبری سنا دو کہ انہیں قیامت کے دن پورا پورا نور ملے گا" (6)۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت آدمی کے لئے مستحب ہے کہ وہ پہلے اپنا دایاں پاؤں رکھے اور نبی کریم ﷺ کی بتائی ہوئی وہ دعا پڑھے جو آپ ﷺ بھی پڑھا کرتے تھے: "أَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ" جب آدمی یہ پڑھتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ یہ شخص آج کا پورا دن میرے شر سے محفوظ ہو گیا(7)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں کوئی مسجد میں داخل ہو تو یہ کہے اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اور جب باہر نکلے تو یہ کہے اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ

1۔ فتح الباری، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 560
2۔ سنن نسائی، کتاب المواعظ، جلد 8، صفحہ 4
3۔ مسند ابی یعلی، تحقیق، دار ثقافۃ، جلد 1، صفحہ 121
4۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، جلد 1، صفحہ 165۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1، صفحہ 459
5۔ سنن دارقطنی، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 419-420
6۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 154۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 23
7۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 127

مِنْ فَضْلِكَ"(1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو نبی ﷺ پر سلام بھیجے اور یہ کہے اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اور جب باہر نکلے تو بھی نبی ﷺ پر سلام بھیجے اور یہ کہے: "اَللّٰهُمَّ اعْصِمْنِيْ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ"(2)۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو اپنی ذات پر صلوۃ وسلام بھیجتے اور پھر یہ کہتے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ" اور جب آپ ﷺ مسجد سے باہر نکلتے تو بھی اپنی ذات پر درود وسلام پڑھتے اور یہ دعا کرتے: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ"(3)۔ علاوہ ازیں اور بھی متعدد احادیث ہیں جو مسجد کے آداب اور احکام کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں لیکن طوالت کے خوف سے ہم نے انہیں ترک کر دیا ہے۔ فرمایا فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ... اس طرح اور مقامات پر فرمایا: يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف:31) "اے آدم کی اولاد! ہر نماز کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو"۔ وَّاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (الاعراف:29)۔ "اور ہر نماز کے وقت اپنے چہرے سیدھے کر و اور اس کے لئے عبادت کو خالص کرتے ہوئے اسے پکارو"۔ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ (الجن:18)۔ حضرت ابن عباس يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ کا معنی تلاوت قرآن بتاتے ہیں۔ آصال اصیل کی جمع ہے دن کے آخری حصے کو اصیل کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں جہاں تسبیح کا لفظ ہے وہاں اس سے مراد نماز ہے۔ آپ مزید فرماتے ہیں کہ "غدو" سے مراد فجر کی نماز ہے اور "آصال" سے مراد عصر کی نماز۔ یہی دو نمازیں پہلے پہل فرض ہوئی تھیں اور انہی کا تذکرہ کر دیا گیا(4)۔ ایک دوسری قرأت میں يُسَبَّحُ فعل مجہول ہے۔ اس صورت میں "وَالْاٰصَالِ" پر وقف تام ہوگا اور رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ سے نئے جملہ کا آغاز ہوگا گویا کہ یہ فاعل محذوف کی تفسیر ہے۔ گویا یہ پوچھا گیا کہ کون ان میں تسبیح کرتے ہیں؟ جواب دیا گیا: رجال ۔ اگر يُسَبِّحُ فعل معروف پڑھیں تو اس صورت میں اس کا فاعل "رجال" ہوگا اور اسی پر وقف ہوگا کیونکہ کلام فاعل کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ لفظ رجال کہنے میں ان کی بلند ہمتوں، صالح نیتوں اور اعلیٰ عزائم کا شعور دلانا مقصود ہے جن کے باعث یہ ان مساجد کو آباد کرنے میں مشغول ہو گئے جو زمین پر اللہ تعالیٰ کے گھر اور اس کی عبادت، شکر، توحید اور تنزیہ بیان کرنے کے مقامات ہیں جیسا کہ فرمایا: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (الاحزاب:23) "اہل ایمان میں ایسے جوانمرد ہیں جنہوں نے وہ وعدہ سچا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا"۔ جہاں تک عورتوں کا تعلق ہے تو ان کے لئے افضل یہی ہے کہ وہ اپنے گھروں میں ہی نماز ادا کریں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عورت کی اپنے گھر میں نماز، اس کے حجرے کی نماز سے افضل ہے اور اس کی اپنی کوٹھڑی میں نماز، گھر میں نماز سے افضل ہے"(5)۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "عورتوں کے لئے بہترین مسجد ان کے گھروں کا بالکل اندرونی حصہ ہے"(6)۔ حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہ کی زوجہ ام حمید رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ! میری خواہش ہے کہ میں آپ کے ساتھ نماز ادا کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے معلوم ہے کہ تمہیں میرے ساتھ نماز پڑھنا پسند ہے لیکن تمہاری اپنے گھر میں نماز حجرہ کی نماز سے اور حجرہ کی نماز صحن کی نماز سے اور صحن کی نماز محلّہ کی مسجد کی نماز سے اور محلّہ کی مسجد میں تمہاری نماز میری مسجد میں نماز سے بہتر ہے"۔ چنانچہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، جلد 1 صفحہ 494، سنن نسائی، کتاب المساجد، جلد 2 صفحہ 53

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 254، وغیرہ　3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 253-254، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 282

4۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 146　5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 156

6۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 297

انہوں نے اپنے گھر کی انتہائی اندرونی جگہ کو بطور مسجد مقرر کر لیا اور آخر دم تک وہیں نماز پڑھتی رہیں(1)۔ اس کے باوجود عورتوں کے لئے مردوں کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ بناؤ سنگھار کر کے اور تیز خوشبو لگا کر نہ آئیں کیونکہ اس طرح مردوں کے فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی بندیوں کو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے نہ روکو" (2)۔ مسند احمد اور ابوداؤد میں ہے: "عورتوں کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں" (3)۔ ایک روایت میں ہے: "وہ خوشبو لگائے بغیر نکلیں" (4)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی مسجد میں جانا چاہے تو وہ خوشبو نہ لگائے" (5)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مسلمان عورتیں فجر کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک ہوتیں، پھر وہ اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی واپس جاتی تھیں تو اندھیرے کی وجہ سے وہ پہچانی نہ جاتی تھیں(6)۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ ان نئی نئی باتوں کو پا لیتے جو عورتوں نے ایجاد کی ہیں تو آپ ﷺ انہیں ضرور مسجدوں میں آنے سے منع فرما دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا(7)۔ اس کے بعد فرمایا: رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ ۔ ۔ اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَٰلُكُمْ وَلَآ أَوْلَٰدُكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ (المنافقون: 9) "اے ایمان والو! تمہیں غافل نہ کر دیں تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے"۔ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا نُودِىَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ ٱلْجُمُعَةِ فَٱسْعَوْا۟ إِلَىٰ ذِكْرِ ٱللَّهِ وَذَرُوا۟ ٱلْبَيْعَ (الجمعۃ: 9) "اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے بلایا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ کر جاؤ اور خرید و فروخت چھوڑ دو"۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ایسے بلند ہمت اور جوانمرد ہیں کہ دنیا، اس کی زیب و زینت، اس کی لذات اور تجارت انہیں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کرتی جو ان کا خالق اور رازق ہے اور وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جو نعمتیں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں، وہ ان دنیاوی چیزوں سے بہتر اور زیادہ نفع بخش ہیں کیونکہ یہ چیزیں فانی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ باقی ہے، اس لئے فرمایا: لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَٰرَةٌ ... یعنی یہ سعادت مند اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے حکم اور اس کی محبت کو اپنی خواہش اور محبت پر ترجیح دیتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے چند تجارت پیشہ لوگوں کو دیکھا کہ جونہی نماز کے لئے اذان ہوئی، وہ اپنا کام کاج چھوڑ کر مسجد کی طرف چل پڑے۔ یہ دیکھ کر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ انہی میں سے ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ ۔ ۔ میں کیا ہے(8)۔ اسی قسم کی روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ بازار میں تھے۔ جب نماز کا وقت ہو گیا تو لوگوں نے اپنی دکانیں بند کیں اور مسجد میں چلے آئے۔ یہ دیکھ کر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تجارت کروں اور اس سے مجھے ہر روز تین سو دینار نفع حاصل ہو تو بھی میں نماز کے وقت اسے چھوڑ کر مسجد میں چلا جاؤں گا۔ میرا یہ مقصد نہیں کہ تجارت حلال نہیں ہے بلکہ میری خواہش ہے کہ میں ان لوگوں

1۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 371
2۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، جلد 2 صفحہ 7
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 155، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 76-77
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 155، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 438
5۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 328
6۔ فتح الباری، کتاب المواقیت، جلد 2 صفحہ 54، صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 445-446
7۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، جلد 1 صفحہ 219، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 329
8۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 146، معجم کبیر، جلد 9 صفحہ 253

میں شامل ہو جاؤں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ ہے۔ عمرو بن دینار الاعور بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سالم بن عبداللہ کے ساتھ مسجد کی طرف جا رہا تھا۔ جب ہم مدینہ شریف کے بازار سے گزرے تو دیکھا کہ دوکانداراپنے سامان کوڈھانپ کر نماز کے لئے مسجد میں چلے گئے ہیں۔ حضرت سالم نے وہاں جب کسی شخص کو نہ پایا تو اسی آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہوا ہے۔ سعید بن ابی الحسن اور ضحاک اس آیت کے متعلق یہی فرماتے ہیں کہ تجارت اور خرید وفروخت ان لوگوں کو مقررہ وقت پر نماز کی ادائیگی سے غافل نہیں کرتی۔ مطر الوراق کہتے ہیں کہ وہ خرید وفروخت میں مشغول رہتے تھے لیکن جونہی کسی کے کان میں اذان کی آواز پڑتی تھی تو وہ ترازو رکھ کر مسجد کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیت میں ذکر اللہ سے مراد فرض نماز ہے یعنی تجارت اور بیع انہیں فرض نماز سے غافل نہیں کرتی۔ مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ تجارت اور خرید وفروخت کے باعث وہ نماز میں حاضر ہونے اور اس کے اوقات اور آداب کی پابندی کرنے سے غفلت نہیں برتتے۔ اس کے بعد فرمایا۔ يَخَافُونَ يَوْمًا۔ یعنی وہ قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں جس کی ہولنا کی اور شدت کے باعث دل گھبرا جائیں گے اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی جیسا کہ فرمایا: وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ (المومن:18) ''اور آپ انہیں قریب آنے والے دن سے ڈرائیے''۔ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ (ابراہیم:42) ''وہ تو انہیں صرف اس دن کے لئے ڈھیل دے رہا ہے جس میں آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی''۔ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۔۔۔ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا (الدھر:12-8) اور یہاں فرمایا: لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ۔ یعنی یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی نیکیوں کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور ان کی لغزشوں سے درگذر کرتا ہے بلکہ انہیں مزید فضل وکرم سے نوازتا ہے جیسا کہ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۔۔ (النساء:40)، مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۔۔ (الانعام:160) ''جو کوئی ایک نیکی لائے گا تو اس کے لئے اس کی مانند دس ہوں گی اور جو کوئی ایک برائی کرے گا تو اسے اس کے برابر ہی بدلہ ملے گا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا''۔ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۔۔ (الحدید:11) ''کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو (اپنا مال بطور) قرضہ حسنہ دے اور اللہ تعالیٰ اس کے مال کو کئی گنا بڑھا دے اور اسے شاندار اجر بھی ملے''۔ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ (البقرۃ:261) ''اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے''۔ اور یہاں فرمایا: وَاللّٰهُ يَرْزُقُ ۔۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مرتبہ دودھ لایا گیا۔ آپ نے مجلس میں موجود تمام حاضرین کے سامنے باری باری یہ دودھ پیش کیا۔ چونکہ وہ سب روزہ سے تھے اس لئے کسی نے بھی وہ دودھ نہ پیا۔ آپ روزہ دار نہیں تھے اس لئے آپ نے دودھ پی لیا اور پھر اس آیت يَخَافُوْنَ يَوْمًا ۔ کی تلاوت کی(1)۔ حضرت اسماء بنت یزید سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اول آخر تمام لوگوں کو جمع فرمائے گا تو ایک منادی بلند آواز سے ندا دے گا جو ساری مخلوقات کو سنائی دے گی کہ ابھی سب کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے کرم کے سب سے زیادہ مستحق کون ہیں۔ پھر حکم ہوگا کہ وہ لوگ کھڑے ہو جائیں جنہیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کیا کرتی تھی۔ چنانچہ وہ کھڑے ہو جائیں گے اور وہ بہت ہی کم ہوں گے، انکے بعد باقی مخلوق کا حساب ہوگا''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس فرمان ''لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ'' کی وضاحت میں فرمایا کہ ان کی نیکیوں کا اجر جنت ہے اور ان پر مزید فضل یہ ہوگا کہ انہیں ان لوگوں کے متعلق شفاعت کا حق حاصل ہوگا جنہوں نے ان پر دنیا میں کوئی احسان کیا تھا اور وہ مستحق شفاعت

1۔ سنن نسائی، کتاب المواعظ، جلد 7 صفحہ 104، مستدرک حاکم، تفسیر سورۂ نور، جلد 2 صفحہ 399

ہوں گے(1)۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوٓا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْـَٔانُ مَآءً حَتّٰىٓ إِذَا جَآءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهُ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهُ ۗ وَاللّٰهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٣٩﴾ أَوْ كَظُلُمٰتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ۚ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۚ إِذَآ أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۗ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّورٍ ﴿٤٠﴾

”اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چمکتی ہوئی ریت ہو کسی چٹیل میدان میں خیال کرتا ہے اسے پیاسا کہ وہ پانی ہے۔ حتیٰ کہ جب (پینے کے لئے) اس کے قریب آتا ہے تو اسے کچھ نہیں پاتا اور پاتا ہے اللہ کو اپنے قریب تو پورا چکا دیا اس نے اس کا حساب، اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ یا (اعمال کفار) ایسے اندھیروں کی طرح ہیں جو گہرے سمندر میں ہوتے ہیں چھا رہی ہوتی ہے اس پر موج، اس کے اوپر اک اور موج (اور) اسکے اوپر بادل۔ (تہ در تہ) اندھیرے ہیں ایک دوسرے کے اوپر۔ جب وہ نکالتا ہے اپنا ہاتھ تو نہیں دیکھ پاتا اسے۔ اور (سچ تو یہ ہے کہ) جس کے لئے اللہ تعالیٰ نور نہ بنائے تو اس کے لئے کہیں نور نہیں“۔

یہاں دو قسم کے کفار کے لئے دو مثالیں بیان ہو رہی ہیں بالکل اسی طرح جیسا کہ سورۂ بقرہ کے آغاز میں منافقوں کی دو مثالیں بیان ہوئیں، ایک آگ کی اور دوسری پانی کی اور جیسے کہ سورۂ رعد میں پانی اور آگ کی دو مثالیں اس ہدایت اور علم کے لئے بیان ہوئیں جو دلوں میں جاگزیں ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی تفسیر اپنے اپنے مقام پر گزر چکی ہے جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ یہاں دونوں مثالوں میں سے پہلی مثال ان کافروں کی ہے جو دوسروں کو بھی کفر کی دعوت دیتے ہیں اور اپنے بارے میں وہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کے عقائد اور اعمال بالکل درست اور اچھے ہیں اور وہ راہ راست پر گامزن ہیں حالانکہ یہ ان کی خام خیالی ہے اور درحقیقت وہ بے راہ روی کا شکار ہیں۔ ان کی مثال سراب کی سی ہے جو وسیع چٹیل میدان میں دور سے یوں دکھائی دیتا ہے جیسے وہ موجیں مارتا ہوا دریا ہے۔ قیعۃ جمع ہے قاع کی جیسے جیرۃ جمع ہے جار (پڑوسی) کی۔ قاع کی جمع قیعان بھی آتی ہے جیسے جار کی جمع جیران۔ قاع وسیع کشادہ اور ہموار زمین کو کہتے ہیں اور ایسے ہی میدانوں میں سراب نظر آتا ہے۔ دوپہر کے وقت وسیع میدان میں ریت کے چمکتے ہوئے ذرات دور سے یوں دکھائی دیتے ہیں جیسے پانی ہو۔ پیاسا اس سراب کو پانی خیال کر کے اس کی طرف لپکتا ہے تاکہ اس سے اپنی پیاس بجھائے۔ جونہی وہ اس کے قریب پہنچتا ہے تو وہ اسے کچھ بھی نہیں پاتا۔ یہی حال کافر کا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ نیک اعمال کر رہا ہے اور یہ اعمال اس کے کام آئیں گے لیکن جب قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں حساب کے لئے حاضر ہوگا اور اس سے اس کے اعمال کے متعلق باز پرس ہوگی تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ اس کا کوئی عمل بھی مقبول نہیں۔ اس کے سب اعمال غارت جائیں گے یا تو اس وجہ سے کہ ان میں اخلاص نہ تھا یا اس وجہ سے کہ وہ شریعت کے مطابق نہ تھے جیسا کہ ارشاد ہے: وَقَدِمْنَآ إِلٰى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُورًا (الفرقان: 23) ”اور ہم ان کے کاموں کی طرف متوجہ ہوں گے اور انہیں گرد و غبار بنا کر اڑا دیں گے“۔ اور یہاں فرمایا: وَوَجَدَ اللّٰهَ صحیحین میں ہے

1۔ معجم کبیر، جلد 10 صفحہ 248

کہ قیامت کے دن یہود سے دریافت کیا جائے گا کہ تم کس کی عبادت کیا کرتے تھے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم اللہ کے بیٹے عزیر کی عبادت کیا کرتے تھے۔ کہا جائے گا کہ تم جھوٹے ہو، اللہ تعالیٰ کا تو کوئی بیٹا ہے ہی نہیں۔ اب بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم سخت پیاسے ہیں، ہمیں پانی پلا دو۔ ان سے کہا جائے گا کہ تم پانی پر جاتے کیوں نہیں؟ اب انہیں دوزخ دور سے سراب کی طرح دکھائی دے گا۔ دوڑتے ہوئے جائیں گے اور جہنم رسید ہو جائیں گے(1)۔ یہ مثال تو تھی جہل مرکب والوں کی۔ اب جہل بسیط والوں کی مثال ملاحظہ ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جو انتہائی نادان، فریب خوردہ اور ظالم ہیں جو کفر کے سرغنوں کی اندھا دھند تقلید کئے جا رہے ہیں۔ یہ بہرے، گونگے، اندھے اور بے عقل ہیں، ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ فرمایا: اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ یعنی ان کی مثال گہرے سمندر میں تہہ در تہہ تاریکیوں کی سی ہے، اس کے اوپر تہہ در تہہ موجیں ہیں اور مزید یہ کہ گھٹاٹوپ بادل نے اسے ڈھانپ رکھا ہے۔ اب کیفیت یہ ہے کہ سخت تاریکی کے باعث ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔ یہ مثال جاہل اور اندھی تقلید کرنے والے کافر کی ہے جسے اس شخص کا حال بھی معلوم نہیں ہوتا جو اسے گمراہی کی راہ پر چلا رہا ہوتا ہے اور نہ ہی اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس راہ پر گامزن ہے بلکہ اس کی مثال ایسے ہے جیسے جاہل سے کہا جائے کہ تو کہاں جا رہا ہے؟ وہ کہے کہ میں ان کے ساتھ جا رہا ہوں، پھر اس سے پوچھا جائے کہ یہ کہاں جا رہے ہیں؟ وہ کہے کہ مجھے نہیں معلوم۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ پردہ ہے جو دل، کانوں اور آنکھوں پر پڑ جاتا ہے۔ یہ ان ارشادات کی طرح ہے: خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (البقرۃ:7) ''مہر لگادی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے''، اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰي عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰي سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰي بَصَرِهٖ غِشٰوَةً (الجاثیہ:23) ''ذرا اس کی طرف تو دیکھو جس نے بنا لیا ہے اپنا خدا اپنی خواہش کو اور گمراہ کر دیا ہے اسے اللہ نے باوجود علم کے اور مہر لگا دی اس کے کانوں اور اس کے دل پر اور ڈال دیا اس کی آنکھوں پر پردہ''(2)۔ حضرت ابی بن کعب اس فرمان ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ایسا کافر پانچ قسم کے اندھیروں میں گرفتار ہوتا ہے: اس کا کلام تاریکی ہے، اس کا عمل تاریکی ہے، اس کا داخل ہونا تاریکی ہے، اس کا نکلنا تاریکی ہے اور قیامت کے دن اس کا انجام بھی جہنم کی تاریکی میں ہوگا(3)۔ اس کے بعد فرمایا: وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ ۔ یعنی جسے اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دے وہ ہلاک ہونے والا جاہل، گمراہی میں حیران و ششدر رہنے والا کافر ہے جیسا کہ فرمایا: مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ (الاعراف:186) ''جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں''۔ یہ مومنوں کے لئے بیان کی گئی اس مثال (يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ ۔ ۔) کے مقابلہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے التجا ہے کہ وہ ہمارے دلوں کو بھی منور کر دے اور ہمارے دائیں بائیں بھی نور عطا فرمادے اور ہمارے نور کو بڑھاتا رہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝

''کیا تم غور نہیں کرتے کہ بلاشبہ اللہ ہی ہے جس کی تسبیح بیان کرتے ہیں سارے آسمانوں والے اور زمین والے اور پرندے

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ نساء، جلد 6، صفحہ 56۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، 167-1171

2۔ تفسیر طبری، جلد 18، صفحہ 150

3۔ تفسیر طبری، جلد 18، صفحہ 151۔ مستدرک حاکم، تفسیر سورۂ نور، جلد 2، صفحہ 399

پر پھیلائے ہوئے ہر ایک جانتا ہے اپنی (مخصوص) دعا اور اپنی تسبیح کو اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے رہتے ہیں۔
اور اللہ تعالیٰ کے لئے بادشاہی ہے سارے آسمانوں کی اور ساری زمین کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی (سب نے) لوٹنا ہے"۔
یہ بتایا جا رہا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں بسنے والے تمام فرشتے، انسان، جن، حیوانات، حتیٰ کہ جمادات بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول ہیں جیسا کہ فرمان ہے: تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ (بنی اسرائیل: 44) " پاکی بیان کرتے ہیں اسی کی ساتوں آسمان اور زمین اور جو چیز ان میں موجود ہے"، اور پرندے بھی پر پھیلائے ہوئے پرواز کے وقت اپنے رب کی عبادت اور اس کی تسبیح کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں سکھا دی ہے، اسی لئے فرمایا: كُلٌّ قَدْ عَلِمَ　یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو اپنی عبادت کا مخصوص طریقہ سکھا دیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ یہ خبر دے رہا ہے کہ وہ تمام چیزوں سے اچھی طرح واقف ہے اور کوئی چیز اس پر مخفی نہیں، اس لئے فرمایا: وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ۔ اس کے بعد اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، وہی حقیقی حاکم متصرف اور معبود ہے جس کے سوا کوئی اور عبادت کے لائق نہیں اور اس کے حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ قیامت کے دن سب کو اسی کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ وہاں وہ اپنی مشیت کے مطابق ہر ایک کے متعلق فیصلہ فرمائے گا تاکہ ہر نیک و بد کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے۔ وہی خالق مالک معبود اور حاکم ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾

"کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ لے جاتا ہے بادل کو پھر جوڑتا ہے اس (کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں) کو، پھر اسے تہ بہ تہ کر دیتا ہے پھر تو دیکھتا ہے بارش کو کہ نکلتی ہے اس کے درمیان سے اور اتارتا ہے اللہ تعالیٰ آسمان سے برف جو پہاڑوں کی طرح ہوتی ہے پس نقصان پہنچاتا ہے اس سے جسے چاہتا ہے اور پھیر دیتا ہے اس کو جس سے چاہتا ہے۔ قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک لے جائے آنکھوں کی بینائی کو۔ بدلی کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ رات اور دن کی۔ بے شک اس میں عبرت ہے آنکھوں والوں کے لئے"۔

اللہ تعالیٰ پتلے پتلے بادلوں کو اپنی قدرت سے آہستہ آہستہ چلاتا ہے اور پھر ان بکھرے ہوئے بادلوں کے ٹکڑوں کو ملا دیتا ہے، پھر انہیں تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے اور پھر ان کے درمیان سے بارش برستی ہے۔ عبید بن عمیر اللیثی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کچھ ہوائیں بھیجتا ہے جو گرد و غبار کرتی ہیں، پھر بادلوں کو ظاہر کرنے والی ہوائیں بھیجتا ہے، پھر بادلوں کو یکجا کرنے والی ہوائیں روانہ کرتا ہے اور پھر ان سے بارش برسانے والی ہوائیں بھیجتا ہے(1)۔ فرمایا: وَ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ　بعض نحویوں کا کہنا ہے کہ اس میں پہلا "من" "ابتدائے غایت کے لئے ہے، دوسرا تبعیض کے لئے اور تیسرا بیان جنس کے لئے۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس کا یہ معنی کیا جائے کہ آسمان میں برف کے پہاڑ

1۔ تفسیر طبری، جلد 18، صفحہ 153

ہیں جہاں سے اولے اور برف برستی ہے لیکن جن حضرات کے نزدیک یہاں جبال کا لفظ بادل کے لئے بطور کنایہ ہے، ان کے نزدیک دوسرا "من" بھی ابتدائے غایت کے لئے ہے لیکن پہلے "من" سے بدل ہے۔ فرمایا: فَيُصِيبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ... اس کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جہاں چاہے اپنی رحمت سے وہاں بارش اور اولے برساتا ہے اور جہاں نہ چاہے وہاں سے بارش روک لیتا ہے۔ اس فرمان کا دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اولوں کے ذریعے نقصان میں مبتلا کردے اور ان کے پھلوں، درختوں اور کھیتوں کو برف باری کے ذریعے تلف کردے اور جس پر وہ اپنی رحمت کرنا چاہے اسے اس نقصان سے بچالے۔ پھر فرمایا: يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ .. یعنی قریب ہے کہ اس کی بجلی کی شدید چمک آنکھوں کی بینائی لے جائے۔ اس کے بعد فرمایا: يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ یعنی اللہ تعالیٰ ہی دن اور رات میں تصرف کرتا ہے اور انہیں باری باری چھوٹا بڑا کر کے اعتدال پر رکھتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے تصرف، غلبہ، عظمت اور علم کی روشن دلیل ہے لیکن صرف ان کے لئے جن کی آنکھیں روشن ہیں جیسا کہ فرمایا: اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ (آل عمران: 190)۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿45﴾

"اور اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے ہر جانور کو پانی سے۔ تو ان میں کچھ تو رینگتے ہیں پیٹ کے بل، اور ان میں سے بعض چلتے ہیں دو ٹانگوں پر اور ان میں سے بعض چلتے ہیں چار ٹانگوں پر۔ پیدا فرماتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اور سلطنت عظیمہ کو بیان فرمارہا ہے کہ اس نے ایک ہی پانی سے مختلف شکل وصورت، رنگ و روپ اور حرکات وسکنات کی حامل انواع واقسام کی مخلوقات پیدا کی ہیں۔ ان میں سے سانپ اور اس قسم کی دوسری چیزیں اپنے پیٹ کے بل رینگتی ہیں۔ انسان اور پرندے دیکھیں جو دو ٹانگوں پر چلتے ہیں۔ حیوانات اور چوپائے چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کرشمہ سازی ہے کہ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اس لئے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿46﴾

"ہم نے اتاری ہیں ایسی آیتیں جو (حق کو) صاف صاف بیان کرتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ پہنچاتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھی راہ تک"۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بکثرت حکمتیں، احکام اور واضح اور بینہ مثالیں بیان کی ہیں اور اسی نے عقل وبصیرت رکھنے والوں کو ان کے سمجھنے کی صلاحیت سے نوازا ہے، اس لئے فرمایا: وَاللّٰهُ يَهْدِيْ.....۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿47﴾ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ

مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ اِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْۤا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْۤا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَخْشَ اللّٰهَ وَ يَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾

"اور وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور (اس کے) رسول پر اور ہم فرمانبردار ہیں پھر منہ پھیر لیتا ہے ایک فریق ان سے (ایمان واطاعت کے) اس دعویٰ کے بعد، اور یہ لوگ ایماندار نہیں ہیں۔ اور جب وہ بلائے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ فیصلہ کرے ان کے درمیان تو اس وقت ایک جماعت ان میں سے روگردانی کرنے لگتی ہے۔ اور اگر فیصلہ ان کے حق میں ہونا ہو تو (بھاگے) چلے آتے ہیں اس کی طرف تسلیم کرتے ہوئے۔ کیا ان کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے یا وہ (اسلام کے متعلق) شک میں مبتلا ہیں یا انہیں یہ اندیشہ ہے کہ ظلم کرے گا اللہ تعالیٰ ان پر اور اس کا رسول۔ بلکہ (درحقیقت) وہ خود ظالم ہیں۔ ایمانداروں کی بات تو صرف اتنی ہے کہ جب انہیں بلایا جاتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ وہ فیصلہ فرمادے ان کے درمیان، تو وہ کہتے ہیں ہم نے فیصلہ سن لیا اور ہم نے اطاعت کی اور یہی لوگ دونوں جہانوں میں بامراد ہیں۔ اور جو شخص اطاعت کرتا ہے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور ڈرتا رہتا ہے اللہ سے اور بچتا رہتا ہے اس (کی نافرمانی) سے تو یہی لوگ کامیاب ہیں"۔

ان منافقین کی صفات بیان کی جارہی ہیں جو اظہار کسی اور چیز کا کرتے ہیں لیکن ان کے دل میں موجود کوئی اور چیز ہے۔ یہ اپنی زبانوں سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن پھر وہ روگردانی کرنے لگتے ہیں۔ ان کے قول وفعل میں تضاد ہے، یہ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں، اس لئے ان کے متعلق فرمایا کہ یہ ایماندار نہیں ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: وَ اِذَا دُعُوْۤا۔ یعنی جب انہیں رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے پیغام ہدایت کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ تکبر کرتے ہوئے اس کی اتباع سے اعراض کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۔۔ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا (النساء: 60-61) "کیا آپ نے ان کی طرف نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس (کتاب) پر ایمان لائے جو آپ کی طرف اتاری گئی اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے، وہ چاہتے ہیں کہ فیصلہ کرانے کے لئے (اپنے مقدمات) طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا کہ وہ طاغوت کا انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بہت دور تک بہکا دے اور جب انہیں کہا جائے کہ آؤ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کی طرف اور رسول کی طرف تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ آپ سے روگردانی کرتے ہوئے منہ موڑ لیتے ہیں"۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: "جس شخص کو حاکم کے پاس بلایا جائے لیکن وہ نہ جائے تو وہ ظالم ہے اور اس کا کوئی حق نہیں" (1)۔ اس کے بعد فرمایا: وَ اِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ۔۔۔۔۔۔ یعنی اگر انہیں اپنے حق میں فیصلہ ہوتا ہوا نظر آتا ہو تو وہ بھاگم بھاگ اسے تسلیم

1۔ معجم کبیر، جلد 7، صفحہ 225

کرتے ہوئے چلے آتے ہیں لیکن اگر فیصلہ ان کی مرضی اور مفاد کے خلاف ہو تو وہ اس سے اعراض کر کے باطل کے ساتھ چمٹ جاتے ہیں اور اپنے باطل کو رواج دینے کے لئے خواہش رکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے سوا کسی اور سے تصفیہ کروائیں۔ پہلی صورت میں فیصلے کو تسلیم کرنے کی وجہ یہ نہیں کہ وہ اسے برحق یقین کرتے ہیں بلکہ اس لئے کہ یہ ان کی خواہش کے مطابق ہے، اسی لئے جب ان کے مفاد پر زد پڑے اور فیصلہ ان کی مرضی کے خلاف ہو تو یہ حق سے روگردانی کرنے لگتے ہیں، اس لئے فرمایا: اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یعنی ان کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ یا تو ان کے دلوں میں روگ ہے یا انہیں دین میں شک ہے یا انہیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ناحق ظلم کریں گے۔ جو کچھ بھی ان میں سے ہو بہرصورت وہ کفر ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کو بخوبی جانتا ہے اور اسے یہ مکمل آگاہی ہے کہ ہر ایک کے دل میں کونسی صفت پائی جاتی ہے۔ آیت کے آخر میں واضح کر دیا گیا کہ یہی ظالم اور فاجر ہیں۔ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ان کی بدگمانی سے مبرا ہیں کہ وہ ان پر ظلم کریں گے۔ جب کسی منافق کا کسی سے تنازع ہو جاتا اور اس کے تصفیہ کے لئے اسے نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہونے کے لئے کہا جاتا، اگر تو وہ حق پر ہوتا تو وہ تسلیم کر لیتا اور اسے معلوم ہو جاتا کہ حضور ﷺ اس کے حق میں فیصلہ دیں گے لیکن اگر وہ ظالم ہوتا تو آپ ﷺ کے پاس فیصلے کے لئے آنے سے روگردانی کرتا اور کہتا کہ میں تو فلاں سے تصفیہ کراؤں گا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس کا کسی کے ساتھ جھگڑا ہو اور اسے اسلامی حکم کے مطابق فیصلے کی طرف بلایا جائے لیکن وہ قبول نہ کرے تو وہ ظالم ہے اور اس کا کوئی حق نہیں۔'' یہ حدیث غریب اور مرسل ہے۔ اس کے بعد اہل ایمان کا وصف بیان ہو رہا ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں اور کتاب وسنت کے سوا کسی اور دین کے خواہاں نہیں ہوتے، فرمایا: اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ، اسی لئے ان کے متعلق فرمایا کہ یہی وہ لوگ ہیں جو بامراد اور نجات یافتہ ہیں۔ یہ اپنے مطلوب کے حصول میں کامیاب ہیں اور عذاب سے سلامتی پانے والے ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جو بدری صحابی اور انصار کے ایک نقیب بھی ہیں، جب ان کے وصال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بھتیجے جنادہ بن ابی امیہ سے کہا: کیا میں تمہیں آگاہ نہ کروں کہ تمہارے ذمہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ ضرور آگاہ فرمائیے۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تنگی، خوشحالی، خوشی، غمی اور جب کسی کو تجھ پر ترجیح دی جائے، ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو سننا اور اس کی اطاعت کرنا تم پر ضروری ہے، اپنی زبان کو عدل کے ساتھ سیدھا رکھو، امور کو انجام دینے کے اہل لوگوں کے ساتھ امور کو چھیننے کے لئے تنازعہ نہ کھڑا کرنا، البتہ اگر وہ تمہیں کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دیں تو ان کی بات بالکل نہ ماننا۔ اگر تمہیں کتاب اللہ کے منافی کسی چیز کا حکم دیا جائے تو کتاب اللہ کی ہی اتباع کرنا۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بغیر کوئی اسلام نہیں، خیر صرف جماعت کے ساتھ وابستہ ہے اور اخلاص صرف اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور عام مومنوں کے لئے ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: اسلام کا مضبوط حلقہ لا اله الا اللّٰه کی گواہی دینا، نماز قائم کرنا، زکوۃ دینا اور مسلمانوں کے حاکم کی اطاعت کرنا۔ کتاب وسنت، خلفائے راشدین اور مسلمان حکام کی اطاعت کے بارے میں احادیث اور آثار اس قدر زیادہ ہیں کہ یہاں انہیں ذکر کرنا ممکن نہیں۔ فرمایا: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ - یعنی جس نے اللہ اور اس کے رسول کے اوامر اور نواہی کو تسلیم کیا اور گزشتہ گناہوں کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا اور مستقبل میں تقویٰ کو اپنا شعار بنائے رکھا تو ایسے لوگ ہی دنیا و آخرت میں ہر بھلائی کے حصول میں کامیاب ہونے والے اور شر سے محفوظ رہنے والے ہیں۔

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ

مَّعْرُوْفَةٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٥٣﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٥٤﴾

''اور قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی بڑے زور شور سے کہ اگر آپ انہیں حکم دیں تو وہ (گھروں سے بھی) نکل جائیں گے۔ فرمایئے قسمیں نہ کھاؤ۔ تمہاری فرمانبرداری خوب معلوم ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے جو کچھ تم کرتے رہتے ہو۔ آپ فرمایئے اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (مکرم) کی۔ پھر اگر تم نے روگردانی کی تو (جان لو) رسول کے ذمہ اتنا ہے جو ان پر لازم کیا گیا اور تمہارے ذمہ ہے جو تم پر لازم کیا گیا، اور اگر تم اطاعت کرو گے اس کی تو ہدایت پا جاؤ گے۔ اور نہیں ہے (ہمارے) رسول کے ذمہ بجز اس کے کہ وہ صاف صاف پیغام پہنچا دے''۔

منافقین کا حال بیان ہو رہا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے سامنے پختہ قسمیں کھا کھا کر یہ یقین دہانی کراتے کہ اگر آپ ہمیں جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیں گے تو ہم تعمیل ارشاد کرتے ہوئے فوراً نکل کھڑے ہوں گے۔ اس کے جواب میں انہیں فرمایا گیا: لَا تُقْسِمُوْا بعض نے طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ تمہاری اطاعت خوب معلوم ہے، اس کی حقیقت یہی ہے کہ تمہارے قول و فعل میں تضاد ہے اور جب بھی تم قسم اٹھاتے ہو، جھوٹ بولتے ہو جیسا کہ فرمایا: يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ (التوبہ:96) ''وہ تمہارے لیے قسمیں کھاتے ہیں تا کہ تم خوش ہو جاؤ''۔ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً (المنافقون:2)۔ جھوٹ ان کی فطرت اور عادت ہے یہاں تک کہ جس چیز کو وہ خود اختیار کرتے ہیں اس میں بھی جھوٹ بولتے ہیں جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ ... وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ (الحشر:12-11) بعض نے طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تم معمول کے مطابق اطاعت کرتے رہو، قسمیں کھانے کی کوئی ضرورت نہیں، جس طرح اہل ایمان بغیر قسمیں کھائے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں منہمک ہیں تم بھی اسی طرح اطاعت کرتے ہوئے ان جیسے بن جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں اچھی طرح باخبر ہے اور وہ فرمانبرداروں اور نافرمانوں کو خوب جانتا ہے۔ قسمیں اٹھا کر اطاعت کا جھوٹا اظہار کرنے سے مخلوق کو تو دھوکہ دیا جا سکتا ہے لیکن اس خالق سے حقیقت چھپ نہیں سکتی جو پوشیدہ چیزوں کا بھی علم رکھتا ہے بلکہ وہ تو بندوں کے دلوں میں پیدا ہونے والے خیالات سے بھی واقف ہے۔ پھر فرمایا: قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ - یعنی کتاب و سنت کی اتباع کرو۔ اگر تم نے اس سے روگردانی کی اور رسول اللہ ﷺ کی لائے ہوئے پیغام کو پس پشت ڈال دیا تو جان لو کہ رسول اللہ ﷺ کے ذمہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچا دینا اور اس کی امانت کی ادائیگی سے عہدہ برآ ہونا لازم ہے اور تم پر یہ لازم ہے کہ اس پیغام کو قبول کر لو، اس کی تعظیم و تکریم کرو اور اس کے تقاضا کے مطابق عمل کرو۔ اگر تم نے آپ ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا راستہ اختیار کر لیا تو ہدایت پا جاؤ گے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ، اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (الرعد:40) ''سو آپ پر صرف تبلیغ فرض ہے اور حساب لینا ہمارے ذمہ ہے''۔ فَذَكِّرْ ۣ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَۜيْطِرٍ (الغاشیہ:22-21) ''پس آپ انہیں سمجھاتے رہا کریں آپ کا کام تو سمجھانا ہی ہے۔ آپ ان کو جبر سے منوانے والے نہیں ہیں''۔ وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک نبی حضرت شعیاء علیہ السلام کی طرف وحی

کی کہ بنی اسرائیل کے مجمع میں کھڑے ہو جاؤ، میں تمہاری زبان پر وحی جاری کر دوں گا۔ چنانچہ آپ علیہ السلام کھڑے ہوئے اور آپ کی زبان پر یہ خطبہ جاری ہو گیا: اے آسمان! سن، اے زمین! خاموشی سے غور کر، اللہ تعالیٰ ایک معاملہ کی تکمیل اور ایک امر کی تدبیر کرنا چاہتا ہے جسے وہ ہر صورت نافذ کرنے والا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ جنگلوں کو آباد کر دے، ویرانوں کو سرسبز بنا دے، صحراؤں میں نہریں جاری کر دے، فقیروں کو غنی کر دے اور چرواہوں کو بادشاہ بنا دے اور وہ ان پڑھوں میں سے ایک امی نبی بھیجنا چاہتا ہے جو نہ درشت مزاج ہو، نہ سخت دل، نہ بدکلام اور نہ بازاروں میں شور وشغب کرنے والا۔ اگر وہ چراغ کے پاس سے گزرے تو اس کی تواضع، سکون اور وقار کے باعث وہ چراغ بھی نہ بجھے اور اگر وہ سوکھے سرکنڈوں اور بانسوں پر پاؤں رکھ کر چلے تو بھی پاؤں تلے سے آواز سنائی نہ دے۔ میں اسے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجوں گا، کوئی بیہودہ بات اس کی زبان سے نہیں نکلے گی، میں اس کی برکت سے اندھی آنکھیں، بہرے کان اور غلاف میں لپٹے ہوئے دلوں کو کھول دوں گا، میں اسے ہر امر جمیل سے آراستہ کر دوں گا، اسے ہر خلق کریم سے نوازوں گا۔ سکینت اس کا لباس، نیکی اس کا شعار، تقویٰ اس کا ضمیر، حکمت اس کی گفتار، صدق و وفا اس کی طبیعت، عفو و احسان اس کی خصلت، حق اس کی شریعت، عدل اس کی سیرت، ہدایت اس کا امام، اسلام اس کی ملت اور احمد اس کا نام ہو گا۔ میں اس کی برکت سے گمراہی کے بعد ہدایت، جہالت کے بعد علم، گمنامی کے بعد شہرت، ناواقفیت کے بعد پہچان، قلت کے بعد کثرت اور فقر کے بعد خوشحالی سے سرفراز کروں گا اور اس کے طفیل متفرق قوموں، باہمی منافرت کا شکار دلوں اور بکھری ہوئی خواہشات کو یکجا کر کے لوگوں کے درمیان الفت اور محبت پیدا کر دوں گا اور بہت سے لوگوں کو اس کے سبب ہلاکت سے بچا لوں گا۔ اس کی امت سب سے افضل امت ہو گی جو نیکی کا حکم دیں گے، برائی سے منع کریں گے اور یہ موحد مومن مخلص اور تمام رسولوں کی تصدیق کرنے والے ہوں گے (1)۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَ لَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْـًٔا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾

"وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کیے کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں جس طرح اس نے خلیفہ بنایا ان کو جو ان سے پہلے تھے، اور مستحکم کر دے گا ان کے لئے ان کے دین کو جسے اس نے پسند فرمایا ہے ان کے لئے اور وہ ضرور بدل دے گا انہیں ان کی حالت خوف کو امن سے۔ وہ میری عبادت کرتے ہیں، کسی کو میرا شریک نہیں بناتے۔ اور جس نے ناشکری کی اس کے بعد تو وہی لوگ نافرمان ہیں"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے وعدہ فرما رہا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی امت کو خلافت بخش کر لوگوں کا امام اور حکمران بنائے گا، ان کے طفیل ملک آباد ہوں گے اور بندے ان کے تابع فرمان ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خوف کی حالت کو امن میں بدل دے گا اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ سچ ثابت ہوا۔ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں ہی مکہ، خیبر، بحرین، جزیرۂ عرب اور یمن فتح ہوا، ہجر کے مجوسی اور شام کے بعض علاقوں والے لوگ جزیہ دینے لگے اور شاہ روم ہرقل، مقوقس مصر، شاہ عمان اور شاہ حبشہ نجاشی نے آپ ﷺ کی خدمت میں تحائف اور نذرانے ارسال کیے۔ حبشہ کے بادشاہ اصحمہ نے تو اسلام قبول کر لیا۔ ان کی وفات کے بعد تخت حبشہ پر متمکن ہونے والے بادشاہ نے بھی

1۔ کتاب الشفاء از قاضی عیاض، جلد 1، صفحہ 31-32

آپ ﷺ کے ساتھ عقیدت کا اظہار کیا اور تحائف نذر کیے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اپنے پاس دار کرامت میں بلا لیا تو آپ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالی۔ آپ نے خلافت کو کمزور کرنے والوں اور دین میں رخنہ اندازی کرنے والوں کا قلع قمع کیا اور خلافت کو مستحکم بنایا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے ایک لشکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بلاد فارس کی طرف روانہ کیا جنہوں نے وہاں فتوحات کا سلسلہ شروع کیا اور کفر کے سرغنوں کو نیست و نابود کر دیا۔ ایک دوسرا لشکر آپ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں سرزمین شام کی طرف روانہ کیا اور ایک تیسرا لشکر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت مصر کی طرف بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے شام کی طرف پیش قدمی کرنے والے لشکر کو فتوحات عطا فرمائیں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بصریٰ، دمشق اور حران وغیرہ فتح ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ملت اسلامیہ پر عظیم احسان فرمایا کہ اس نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا عظیم خلیفہ عطا فرمایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف الہام ہی تھا جس کے سبب آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کر دیا اور آپ رضی اللہ عنہ نے بھی اس ذمہ داری کو خوب نبھایا اور سلطنت اسلامیہ کو ایک باوقار، پرشکوہ اور بے مثال مقام پر لا کھڑا کیا، یہ حقیقت ہے کہ انبیاء کرام علیہ السلام کے بعد چشم فلک نے آپ جیسا صاحب کردار، نیک سیرت اور عادل شخص نہیں دیکھا۔ آپ کے زریں عہد میں شام و مصر کے تمام علاقے اور ایران کے اکثر علاقے اسلامی قلمرو میں شامل ہوئے۔ کسریٰ کی شان و شوکت خاک میں مل گئی، وہ ذلیل و رسوا ہو کر اور سلطنت چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا اور سلطنت کسریٰ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ قیصر بھی مغلوب ہوا اور بلاد شام سے ہاتھ دھو کر قسطنطنیہ میں جا ٹھہرا۔ ان دونوں سلطنتوں کے خزانے اور اموال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ پورا ہوا جو اس نے اپنے پیارے رسول ﷺ سے کیا تھا، پھر خلافت عثمانیہ میں مملکت اسلامیہ کی سرحدیں مشرق و مغرب میں انتہائی دور دراز علاقوں تک وسیع ہو گئیں۔ مغرب میں فتوحات کا سلسلہ اندلس اور قبرص تک دراز ہوا اور بحر محیط کے ساتھ قیروان اور سبتہ کے علاقے فتح ہوئے۔ مشرق میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ چین کی سرحدوں تک پھیل گیا۔ کسریٰ قتل ہوا اور ساری سلطنت اس کے ہاتھوں سے جاتی رہی، دوسری طرف عراق، خراسان اور اہواز پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ ترکوں کے ساتھ گھمسان کا رن پڑا جس میں بہت سے ترک کام آئے اور ان کے بادشاہ خاقان کو ذلت و رسوائی کا منہ دیکھنا پڑا، مشرق و مغرب سے خراج اکٹھا ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آنے لگا، یہ برکت تھی آپ کی تلاوت قرآن کی، قرآن کی اشاعت کی اور حفظ قرآن کی ترغیب دلانے کی۔ حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا، پس میں نے اس کے مشرق اور مغرب دیکھ لئے اور عنقریب میری امت کی سلطنت ان علاقوں تک پہنچے گی جو میرے لئے سمیٹے گئے'' (1)۔ اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ سچ ثابت ہوا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وسیع و عریض اور عظیم الشان سلطنت سے نوازا جس میں ہم خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایمان پر کاربند رہنے اور اپنے احسانات کا شکر بجا لانے کی توفیق ارزانی فرمائے! حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کا معاملہ اس وقت تک بخیر و خوبی چلتا رہے گا جب تک ان میں بارہ آدمی امور سلطنت چلائیں گے''۔ پھر آپ ﷺ نے کچھ ارشاد فرمایا جو میں نہ سن سکا۔ چنانچہ میں نے اپنے والد گرامی سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ نے کیا فرمایا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے: ''وہ تمام کے تمام قریش سے ہوں گے'' (2)۔ مسلم کی روایت

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، جلد 4 صفحہ 2215　2۔ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، جلد 9 صفحہ 101، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1452-1453

میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بات اس شام کو فرمائی تھی جب حضرت ماعز بن مالک کو رجم کیا گیا تھا(1)۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بارہ عادل خلفاء کا ہونا ضروری ہے لیکن اس سے مراد شیعوں کے بارہ امام نہیں کیونکہ ان کی اکثریت کو خلافت کا کوئی حصہ نہیں ملا۔ حدیث شریف میں جن بارہ افراد کا ذکر ہوا ہے وہ سب قریش سے ہوں گے، خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں گے اور عدل کریں گے۔ ان کی بشارت سابقہ کتابوں میں بھی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ لگاتار ہوں بلکہ امت میں ان کا وجود لگاتار بھی ممکن ہے اور متفرق بھی۔ پہلے چاروں خلفائے راشدین حضرات ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم یکے بعد دیگرے تسلسل کے ساتھ خلافت پر متمکن ہوئے۔ ان کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا، پھر بھی ایسے خلفاء ہوئے اور ممکن ہے آگے چل کر بھی ہوں۔ حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی میں سے ہیں۔ ان کا نام اور کنیت حضور ﷺ کے نام اور کنیت کے مطابق ہوں گے۔ وہ تمام زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے جبکہ وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی ہوگی۔ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی پھر کاٹ کھانے والی بادشاہت آجائے گی“(2)۔ ابوالعالیہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ تقریباً دس سال مکہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت کی دعوت دیتے رہے لیکن یہ خوف اور بے اطمینانی کا زمانہ تھا جس میں جہاد کی اجازت بھی نہ تھی۔ اس کے بعد جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تو وہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں ہتھیار اٹھانے اور جہاد کرنے کا حکم دے دیا۔ یہاں بھی مسلمانوں کو ہر وقت کفار کے حملہ کا کھٹکا لگا رہتا اور وہ صبح و شام ہتھیاروں سے لیس رہتے۔ جب اسی کیفیت میں کچھ عرصہ گزر گیا تو ایک صحابی نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم ہمیشہ اس طرح خوفزدہ رہیں گے؟ کیا ایسا دن نہیں آئے گا جب ہمیں امن نصیب ہوگا اور ہتھیار رکھ دینے کی نوبت آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جب تم آرام سے بے خوف ہو کر مجمع عام میں بیٹھو گے اور تمہارے جسم پر کوئی ہتھیار نہیں ہوگا۔ اس وقت یہ آیت اتری۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی ﷺ کو جزیرہ عرب پر غلبہ عطا فرمایا۔ مسلمان پر امن ہو گئے اور ہتھیار رکھنے کی بھی نوبت آگئی۔ پھر آپ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت میں بھی امن و اطمینان سے زندگی بسر کرتے رہے۔ پھر مسلمان باہمی تنازعات اور جھگڑوں میں پڑ گئے اور ایک بار پھر خوف انہیں دامنگیر ہو گیا جس کی وجہ سے انہیں اپنے لئے پہریدار اور داروغے مقرر کرنا پڑے۔ جب وہ بدلے تو گردش زمانہ کے چکر میں آ گئے(3)۔ کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ خلافت ابوبکر و عمر کتاب اللہ سے ثابت ہے، اس کی تائید میں انہوں نے یہی آیت پیش کی۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب ہم انتہائی خوف اور دہشت کی حالت میں تھے(4)۔ یہ آیت کریمہ اس فرمان کی طرح ہے: وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ ... لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (انفال: 26) ”اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے کمزور اور بے بس سمجھے جاتے تھے ملک میں ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اچک نہ لے جائیں، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں پناہ دی اپنی نصرت سے اور تمہیں پاک چیزیں عطا کیں تاکہ تم شکر گزار ہو جاؤ“۔ فرمایا: كَمَا اسْتَخْلَفَ ... جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ يَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ (الاعراف: 129) وَ نُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ ... اس کے بعد فرمایا: وَلَيُمَكِّنَنَّ۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم سے فرمایا: ”کیا تم نے حیرہ شہر دیکھا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1453
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 211، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 220-221 وغیرہ
3۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 401
4۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 215

ہے؟'' انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اسے دیکھا تو نہیں، البتہ اس کے بارے میں میں نے سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ تعالیٰ ضرور اس دین کو غلبہ عطا فرمائے گا یہاں تک کہ ایک عورت حیرہ سے تنہا اونٹنی پر سوار ہوکر نکلے گی اور آ کر بیت اللہ کا طواف کرے گی۔ اور سنو، تم کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں کو فتح کرو گے۔ حضرت عدی کہتے ہیں کہ میں نے تعجب سے پوچھا کہ کسریٰ بن ہرمز کے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، کسریٰ بن ہرمز کے، اور مال کی اس قدر فراوانی ہو جائے گی کہ کوئی قبول کرنے والا نہیں ملے گا۔'' حضرت عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حیرہ سے اونٹنی پر سوار ہوکر تنہا آنے والی عورت کو کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اور میں ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے کسریٰ کے خزانے فتح کئے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تیسری پیشین گوئی بھی پوری ہوکر رہے گی کیونکہ حضور ﷺ نے ایسا فرمایا ہے (1)۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس امت کو ترقی، رفعت، دین، فتح و نصرت اور غلبہ کی نوید سنا دو۔ پس جس شخص نے دنیا کے لئے آخرت کا عمل کیا، اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا'' (2)۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں گدھے پر رسول اللہ ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، میرے اور آپ ﷺ کے درمیان صرف پالان کی لکڑی تھی۔ آپ نے مجھے آواز دے کر فرمایا: اے معاذ! میں نے عرض کی: ''لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَ سَعْدَیْکَ'' تھوڑی دیر چلنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ بن جبل! میں نے وہی جواب دیا، پھر تھوڑی دور جا کر آپ ﷺ نے یہی فرمایا تو میں نے بھی وہی جواب دیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں''۔ پھر تھوڑی دیر چلنے کے بعد آپ نے فرمایا: اے معاذ بن جبل!'' میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں اور ہر حکم کی بجا آوری کے لئے تیار ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب بندے اللہ تعالیٰ کے حق کی ادائیگی کریں تو بندوں کا اللہ تعالیٰ کے ذمہ کیا حق ہے؟'' میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہی بہتر معلوم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بندوں کا اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ وہ انہیں عذاب نہ دے'' (3)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ۔ یعنی اس کے بعد بھی جس نے میری اطاعت سے اعراض کیا، اس نے میری حکم عدولی کی اور یہ بہت بڑا سخت گناہ ہے۔ چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کے بعد سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور اطاعت گزار تھے، اس لئے اس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح و نصرت اور شان و شوکت سے نوازا۔ انہوں نے دین کی سربلندی کے لئے سب سے زیادہ جدوجہد کی، اس لئے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے انہوں نے تمام دنیا پر حکومت کی۔ جب اس کے بعد مسلمان اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں سستی اور غفلت برتنے لگے تو ان کی گرفت بھی ڈھیلی ہوتی گئی اور ان کی شان و شوکت ماند پڑنے لگی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر اور غالب رہے گا۔ انہیں بے یار و مددگار چھوڑنے والے اور ان کے مخالفین قیامت تک ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ ایک اور روایت میں ہے: یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا امر آ جائے دوراں حالیکہ وہ حق پر ہوں، ایک اور روایت میں ہے: یہاں تک کہ وہ دجال سے جہاد کریں گے، ایک اور روایت میں ہے: یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں اور اس وقت یہ کفار پر

1۔ فتح الباری، کتاب المناقب، جلد 6 صفحہ 610-611، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 257
2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 134
3۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 7 صفحہ 218، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 58-59

غالب ہوں گے (1)۔ یہ تمام روایات صحیح ہیں اور ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۵۶ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۵۷

"اور صحیح صحیح ادا کیا کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ یہ خیال ہرگز نہ کیجئے کہ کفار عاجز کرنے والے ہیں (ہمیں) زمین میں اور ان کا ٹھکانا آتش (جہنم) ہے۔ اور یہ بہت برا ٹھکانا ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو نماز قائم کرنے یعنی صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے، زکوٰۃ دینے یعنی کمزور اور محتاج لوگوں پر احسان کرنے اور رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چلنے اور ہر امر ونہی میں آپ ﷺ کی اطاعت کرنے کا حکم فرما رہا ہے تاکہ اس تعمیل ارشاد کے سبب اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے ان کے احکام بجا لاتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ ضرور رحم فرمائے گا جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: اُولٰٓىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ (التوبہ: 71)۔ دوسری آیت میں فرمایا: لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ۔۔ یعنی اے نبی (ﷺ)! یہ نہ گمان کرنا کہ آپ کی مخالفت کرنے والے اور آپ کو جھٹلانے والے ہمیں عاجز کردیں گے بلکہ ہمیں ان پر پوری پوری قدرت حاصل ہے اور ہم انہیں سخت ترین عذاب سے دوچار کریں گے، اس لئے فرمایا: وَمَاْوٰىهُمُ۔ یعنی دار آخرت میں ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور یہ کفار کے لئے بہت برا ٹھکانا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۭ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاۗءِ ڗ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۭ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۵۸ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۵۹ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاۗءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ۭ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۶۰

"اے ایمان والو! اذن طلب کیا کریں تم سے (گھروں میں داخل ہوتے وقت) تمہارے غلام اور وہ (لڑکے) جو ابھی جوانی کو نہیں پہنچے، تم میں سے تین مرتبہ، نماز فجر سے پہلے اور جب تم اپنے کپڑے اتارتے ہو دوپہر کو اور نماز عشاء کے بعد۔ یہ تین پردے کے وقت ہیں تمہارے لئے۔ نہ تم پر اور نہ ان پر کوئی حرج ہے ان اوقات کے علاوہ۔ کثرت سے آنا جانا رہتا ہے تمہارا ایک دوسرے کے پاس۔ یوں صاف صاف بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے (اپنے) احکام۔ اور اللہ تعالیٰ

1۔ صحیح بخاری، جلد 9 صفحہ 124، صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 95، سنن ابی داؤد، جلد 4 صفحہ 97، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 93

علیم حکیم ہے۔ اور جب پہنچ جائیں تمہارے بچے حد بلوغ کو تو وہ بھی اذن طلب کیا کریں جس طرح اذن طلب کیا کرتے ہیں وہ لوگ (جن کا ذکر) پہلے ہوا یوں صاف صاف بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام کو، اور اللہ تعالیٰ علیم ہے حکیم ہے۔ اور بوڑھی خانہ نشین عورتیں جنہیں آرزو نہ ہو نکاح کی تو ان پر کوئی گناہ نہیں اگر وہ رکھ دیں اپنے بالائی کپڑے بشرطیکہ وہ نہ ظاہر کرنے والی ہوں (اپنی) آرائش۔ اور ان کا اس سے بھی اجتناب کرنا ان کے لئے بہت بہتر ہے۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے"۔

ان آیات کریمہ میں قریبی رشتہ داروں کو ایک دوسرے سے اجازت حاصل کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس سے پہلے سورت کے آغاز میں اذن طلب کرنے کا جو حکم گزرا ہے وہ اجنبیوں کے متعلق تھا۔ یہاں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو حکم دے رہا ہے کہ ان کے خدام اور ان کے نابالغ بچے تین اوقات میں ان سے اجازت لے کر ان کے پاس آئیں۔ فجر کی نماز سے پہلے کیونکہ اس وقت لوگ عموماً سوئے ہوئے ہوتے ہیں، دوپہر کو کیونکہ اس وقت انسان عموماً اپنے بالائی کپڑے اتار کر آرام کرتا ہے اور عشاء کی نماز کے بعد کیونکہ یہ بھی نیند کا وقت ہے۔ ان تین اوقات میں خدام اور بچوں کو پابند کیا جائے کہ وہ بغیر اجازت کے گھر والوں پر نہ آ دھمکیں کیونکہ بہت ممکن ہے کہ ان اوقات میں انسان اپنے اہل کیساتھ ہو یا ایسی حالت میں ہو جس میں کسی کا وجود اس کے لئے ناقابل برداشت ہو، اس لئے فرمایا: ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ... یعنی یہ تین اوقات پردے کے ہیں لیکن ان تین اوقات کے علاوہ اگر کسی اور وقت میں وہ بغیر اجازت کے آ جائیں تو تم پر کوئی حرج ہے اور نہ ان پر کیونکہ خدمت اور کام کاج کی خاطر ان کا بہت زیادہ آنا جانا رہتا ہے اور بار بار اجازت طلب کرنا حرج کا باعث ہے اس لئے صرف انہیں صرف انہی مذکورہ تین اوقات کے سوا باقی تمام اوقات میں بغیر اذن کے آنے کی رخصت دے دی گئی، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بلی کے متعلق فرمایا: "یہ نجس نہیں کیونکہ یہ بھی انہی میں سے ہے جن کا تمہارے پاس بہت زیادہ آنا جانا رہتا ہے" (1)۔ اس آیت کے محکم ہونے کے باوجود لوگوں کا اس پر عمل بہت کم ہے، اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ لوگوں کی اس روش کو بہت ناپسند کرتے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اکثر لوگوں نے تین آیات پر عمل ترک کر رکھا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ؟، وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى (النساء: 8) اور اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (الحجرات: 13) (2)" ایک روایت میں آپ نے فرمایا کہ ان تین آیات کے متعلق شیطان لوگوں پر غالب آ گیا اور انہوں نے ان پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔ ایک اور روایت میں آپ فرماتے ہیں کہ اکثر لوگوں کا آیت اذن پر گویا ایمان نہیں رہا، میں نے تو اپنی لونڈی کو بھی اذن طلب کرنے کا پابند کر رکھا ہے (3)۔ موسیٰ بن ابی عائشہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت شعبی سے اس آیت لِيَسْتَاْذِنْكُمُ ... " کے متعلق دریافت کیا کہ کیا یہ آیت منسوخ ہو گئی ہے؟ فرمایا: نہیں، میں نے پوچھا کہ لوگ تو اس پر عمل نہیں کرتے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کرنی چاہئے (4)۔ دو آدمیوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مستور ہے اور وہ پردہ کو پسند فرماتا ہے۔ دراصل پہلے لوگ اتنے خوشحال نہیں تھے کہ دروازوں پر پردے لٹکاتے یا اپنے گھروں میں کئی کئی کمرے بنا لیتے۔ بعض اوقات آدمی اپنے اہل کے ساتھ ہوتا اور اس کا خادم، اس کا بچہ یا اس کی زیر کفالت یتیم بچہ اچانک اس کے پاس آ دھمکتا، یہ چیز بہت پریشان کن تھی، اس لئے مذکورہ تین اوقات میں اللہ

1۔ موطا امام مالک، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 23، سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 19-20 وغیرہ
2۔ الحجرات: 13 تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 162 — 3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 349 — 4۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 163

تعالیٰ نے انہیں اجازت حاصل کرنے کا حکم دے دیا، اس کے بعد رزق کی فراوانی ہوگئی، لوگ خوشحال ہو گئے اور انہوں نے پردے لٹکا دیئے اور اپنے گھروں میں کئی کئی کمرے بنا لئے، اس لئے لوگ سمجھنے لگے کہ اب اس اذن کی ضرورت نہیں جس کا آیت میں حکم دیا گیا ہے(1)۔ سدی کہتے ہیں کہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ چاہتے تھے کہ ان اوقات میں اپنی بیویوں کے ساتھ ہم بستری کریں اور پھر غسل کر کے نماز کے لئے چلے جائیں، اس لئے انہیں حکم دے دیا گیا کہ ان اوقات میں ان کے غلام اور لڑکے اذن حاصل کئے بغیر ان کے پاس نہ آئیں۔ مقاتل بن حیان بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری اور ان کی بیوی حضرت اسماء بنت مرشد نے نبی کریم ﷺ کی دعوت کی۔ لوگ بغیر اجازت کے آنے لگے۔ حضرت اسماء نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! یہ کتنی بری بات ہے کہ غلام بغیر اجازت کے میاں بیوی کے پاس آ دھمکے جبکہ وہ دونوں ایک ہی کپڑے میں ہوں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اس بات کی دلیل کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں، آیت کے یہ الفاظ ہیں: كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ اس کے بعد فرمایا: وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ ۔ یعنی تمہارے وہ بچے جو پہلے صرف ان تین اوقات میں تم سے اجازت لیتے تھے، جب وہ بلوغت کو پہنچ جائیں تو وہ ہر وقت اجازت طلب کرنے کے پابند ہیں۔ اب ان کا حکم اجنبیوں جیسا ہوگا۔ یحییٰ بن ابی کثیر کہتے ہیں کہ بچہ جب تک نابالغ ہو، وہ صرف ان تین اوقات میں اپنے والدین سے اجازت کا پابند ہوگا لیکن جب بالغ ہو جائے تو اسے ہر حال میں اسی طرح اجازت لینا ہوگی جس طرح آدمی کے بڑے بچے اور قریبی رشتہ دار اجازت لیتے ہیں۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَالْقَوَاعِدُ ۔ اس سے مراد وہ بوڑھی عورتیں ہیں جن کا حیض بالکل بند ہو جائے، بچہ پیدا کرنے کے قابل نہ رہیں اور نہ ہی انہیں شادی کی خواہش ہو۔ ایسی عورتوں پر پردے کی وہ پابندی نہیں جو دوسری عورتوں پر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ (النور: 31) سے مستثنیٰ ہے(2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور بہت سے دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ ایسی عورتوں کو برقعہ اور بالائی چادر اتار دینے کی اجازت ہے(3)۔ ابو صالح کہتے ہیں کہ ایسی عورت برقعہ وغیرہ اتار سکتی ہے لیکن لباس کے علاوہ دوپٹہ اوڑھے گی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں یہ لفظ ہیں: اَنْ يَّضَعْنَ مِنْ ثِيَابِهِنَّ۔ اس سے مراد بھی یہی ہے کہ وہ دوپٹے کے اوپر کی چادر اتار سکتی ہے بشرطیکہ وہ دوپٹہ موٹا ہو۔ اس کے ساتھ اظہار زینت کی پابندی عائد کرتے ہوئے فرمایا: غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ یعنی چادر اتار دینے سے مقصود زینت و آرائش کی نمائش نہ ہو۔ ام مضاء بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مہندی، تہبند، بالیوں، پازیب، سونے کی انگوٹھی اور پتلے کپڑوں کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: اے عورتو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بناؤ سنگار حلال کیا ہے بشرطیکہ مردوں کے سامنے اس کی نمائش مقصود نہ ہو۔ سدی بیان کرتے ہیں کہ مسلم نامی میرا ایک رفیق تھا۔ وہ حضرت حذیفہ بن یمان کی زوجہ کا غلام تھا۔ ایک دن وہ بازار آیا تو مجھے اس کے ہاتھ میں مہندی لگی ہوئی دکھائی دی۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ میں نے حضرت حذیفہ کی بیوی کے سر پر مہندی لگائی تھی۔ مجھے اس پر بہت تعجب ہوا۔ میں مسلم کو لے کر حضرت حذیفہ کی زوجہ محترمہ کے پاس لے گیا تو انہوں نے اس کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا: بیٹے! میں اب ان عمر رسیدہ عورتوں میں سے ہوں جنہیں نکاح وغیرہ کی خواہش نہیں رہتی(4)۔ آخر میں فرمایا: وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ یعنی ان کے لئے افضل یہی ہے کہ وہ بالائی کپڑے اتارنے سے اجتناب کریں۔ اگرچہ انہیں اس کی اجازت تو ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ وہ بالائی

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 349
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، جلد 4 صفحہ 63
3۔ سنن کبریٰ بیہقی، کتاب النکاح، جلد 7 صفحہ 93، معجم کبیر، جلد 9 صفحہ 237 وغیرہ
4۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 2-4 صفحہ 334-335

کپڑے بھی اوڑھے رہیں۔

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى أَنْفُسِكُمْ أَنْ تَأْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ أَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ أَوْ بُيُوْتِ أُمَّهٰتِكُمْ أَوْ بُيُوْتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوْتِ أَخَوٰتِكُمْ أَوْ بُيُوْتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ أَوْ بُيُوْتِ أَخْوَالِكُمْ أَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ أَوْ صَدِيْقِكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوْا جَمِيْعًا أَوْ أَشْتَاتًا ۭ فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦١﴾

''نہ اندھے پر کوئی حرج ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے اور نہ تم پر اس بات میں کہ تم کھاؤ اپنے گھروں سے یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا جن گھروں کی کنجیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوست کے گھر سے۔ نہیں ہے تم پر کوئی حرج اگر تم کھاؤ سب مل کر یا الگ الگ۔ پھر جب تم داخل ہو گھروں میں تو سلامتی کی دعا کرو اپنوں کو وہ دعا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے جو بڑی بابرکت (اور) پاکیزہ ہے۔ یونہی کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے (اپنے) احکام تاکہ تم سمجھ لو''۔

یہاں اندھے، لنگڑے اور مریض سے جس حرج کو رفع کیا گیا ہے، اس کی بابت مفسرین کا اختلاف ہے۔ عطاء خراسانی اور عبدالرحمن بن زید فرماتے ہیں کہ یہ حکم جہاد کے بارے میں ہے یعنی اندھے لنگڑے اور مریض جہاد میں شرکت نہ کریں تو ان پر کوئی حرج نہیں جیسا کہ سورۂ فتح میں ہے اور وہاں جہاد کے متعلق حکم بیان کیا گیا ہے کہ اگر یہ ضعف اور عجز کے باعث جہاد ترک کر دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں، اسی طرح سورۂ برأت میں فرمایا: لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ ۔ اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ (التوبہ:92-91) ''نہیں ہے کمزوروں پر اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جو نہیں پاتے وہ مال جسے خرچ کریں، کوئی حرج جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے مخلص ہوں، نیکوکاروں پر الزام کی کوئی وجہ نہیں اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، اور نہ ان پر (کوئی الزام ہے) جو جب آپ کے پاس حاضر ہوئے تاکہ آپ انہیں سوار کریں تو آپ نے فرمایا میں نہیں پاتا جس پر میں تمہیں سوار کروں، وہ اس حال میں لوٹتے ہیں کہ ان کی آنکھیں اس غم میں آنسو بہا رہی ہوتی ہیں کہ افسوس! انہیں ان کے پاس جو وہ خرچ کریں''۔ حضرت سعید بن جبیر اور مقسم اس آیت کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ لوگ اندھے، لنگڑے اور مریض کے ساتھ کھانا کھانے میں حرج محسوس کرتے تھے کہ ایسا نہ ہو وہ خود زیادہ اور اچھا اچھا کھا لیں لیکن یہ معذور پیٹ بھر کر نہ کھا سکیں۔ اس زیادتی کے پیش نظر لوگ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے ساتھ مل کر کھائیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں اس چیز کی رخصت دے دی گئی۔ ضحاک کہتے ہیں کہ بعثت سے پہلے لوگ ان کے ساتھ مل کر کھانا کھانے سے کراہت محسوس کرتے تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ مجاہد اس آیت کے متعلق کہتے ہیں کہ لوگ اندھے، لنگڑے اور مریض کو لے کر اپنے باپ، بھائی، بہن، پھوپھی یا خالہ کے گھر میں لے جاتے تھے۔ یہ لوگ اس سے عار محسوس کرتے اور کہتے کہ ہمیں

اوروں کے گھر لے جاتے ہیں چنانچہ اس آیت کے ذریعے انہیں رخصت دے دی(1)۔ سدی کہتے ہیں کہ آدمی اپنے باپ، بھائی یا بیٹے کے گھر جاتا، وہ نہ ہوتے اور عورتیں کوئی کھانا پیش کرتیں تو وہ اس وجہ سے نہ کھاتا کہ گھر کا مالک تو یہ نہیں اور نہ ہی اس کی اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان وَلَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ "تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ" واضح تو ہے لیکن اس کے ذکر کرنے میں یہ حکمت کارفرما ہے کہ اس پر کسی اور چیز کا عطف کیا جائے اور اسے اس کے حکم میں داخل کر کے اس کے برابر ٹھہرایا جائے اور یہ بیٹوں کے گھروں کو ضمناً شامل ہے اگرچہ لفظوں میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا، لہٰذا بعض حضرات نے اسی سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ بیٹے کا مال بمنزلہ باپ کے مال کے ہے۔ مسند اور سنن میں متعدد اسناد سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے"(2)۔ اور یہ فرمان اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ ۔ مَّفَاتِحَهٗۤ بالکل واضح ہے۔ اس سے بعض علماء نے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ قرابت داروں کا نان ونفقہ بعض کا بعض پر واجب ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول ہے۔

سعید بن جبیر اور سدی اس فرمان اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد غلام، خادم، داروغے اور کارندے ہیں۔ یہ اپنے آقا کے مال سے حسب ضرورت کھا سکتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے ساتھ جہاد پر روانہ ہوتے وقت اپنی کنجیاں اپنے قابل اعتماد دوستوں کے حوالے کر دیتے اور انہیں کہہ دیتے کہ جس چیز کے کھانے کی تمہیں ضرورت ہو، ہم تمہیں اس کی اجازت دیتے ہیں لیکن وہ کھانے سے باز رہتے اور کہتے کہ ہمارے لئے کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے انہوں نے بادل نخواستہ ہمیں کھانے کی اجازت دی ہو اور ہم تو امین ہیں اس لئے ہم کچھ نہیں کھائیں گے۔ اس پر یہ فرمان اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ نازل ہوا(3)۔ اس کے بعد فرمایا: اَوْ صَدِيْقِكُمْ یعنی دوستوں کے گھروں سے کھانا بھی جائز ہے جبکہ تمہیں علم ہو کہ ان پر یہ شاق نہیں گزرے گا اور نہ ہی وہ اس کا برا منائیں گے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ جب تم اپنے دوست کے گھر جاؤ تو اس کی اجازت کے بغیر کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ پھر فرمایا: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (النساء:29) نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ناحق ایک دوسرے کا مال کھانے سے منع کیا ہے۔ اور کھانے پینے کی چیزیں بھی تو مال ہی ہیں اس لئے ہمارے لئے جائز نہیں ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ہاں کچھ کھائیں چنانچہ سب اس سے احتراز کرنے لگے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ اسی طرح صحابہ کرام تنہا تنہا کھانے کو بھی ناپسند کرتے تھے۔ جب تک کوئی ساتھ نہ ہوتا، نہ کھاتے۔ چنانچہ اس کی رخصت دیتے ہوئے فرمایا: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ...... اس میں دونوں چیزوں کی اجازت دے دی(4)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں قبیلۂ بنی کنانہ کے لوگ تنہا کھانے کو عیب سمجھتے تھے۔ ان کی یہ کیفیت ہوتی کہ بھوک انہیں ستا رہی ہوتی پھر بھی وہ سواری پر سوار کر ایسے شخص کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے جو خورد ونوش میں ان کے ساتھ شریک ہو۔ اس پر یہ ارشاد نازل ہوا جس میں اللہ تعالیٰ نے تنہا اور مل کر دونوں طرح کھانے کی اجازت دے دی لیکن مل کر کھانا زیدہ برکت اور فضیلت کا باعث ہے جیسا کہ مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم کھاتے ہیں لیکن سیر نہیں ہوتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "شاید تم الگ الگ کھاتے ہو، مل کر اور اللہ کا

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 169

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 289، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 214،203،179 وغیرہ

3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، تفسیر سورۂ نور، جلد 3 صفحہ 61-62

4۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 168

نام لے کر کھاؤ، تمہیں اس میں برکت حاصل ہوگی"(1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مل کر کھاؤ، الگ الگ نہ کھاؤ کیونکہ برکت اجتماعیت میں ہے"(2)۔ پھر فرمایا: فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا ۔ یعنی گھروں میں داخل ہوتے وقت ایک دوسرے کو سلام کرو۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم اپنے گھر میں جاؤ تو اپنے گھر والوں کو اللہ تعالیٰ کا تعلیم کردہ بابرکت اور پاکیزہ سلام کرو۔ میں نے اسے سراسر برکت پایا ہے(3)۔ ابن طاؤس کہتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی اپنے گھر میں داخل ہو تو اسے سلام کرنا چاہئے(3)۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ کیا گھر میں داخل ہوتے وقت گھر والوں کو سلام کرنا واجب ہے؟ آپ نے فرمایا: میں اسے واجب تو نہیں کہتا کیونکہ اس کا وجوب کسی سے منقول نہیں ہے لیکن مجھے یہ بہت پسند ہے اور میں نے دانستہ طور پر اسے کبھی ترک نہیں کیا(3)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت السلام علی رسول اللہ کہو، اپنے گھر میں جاتے وقت اپنے اہل خانہ کو سلام کہو اور جب کسی ایسے گھر میں جاؤ جہاں کوئی موجود نہ ہو تو یہ کہو: "اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ"۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ جب گھر میں کوئی نہ ہو تو وہاں داخل ہوتے ہوئے یہ کہو: "بِسْمِ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا مِنْ رَّبِّنَا، اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ"(4)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ گھر میں داخل ہوتے وقت اپنے اہل خانہ کو سلام کرو اور جب تم ایسے گھر میں داخل ہو جہاں کوئی بھی موجود نہ ہو تو یہ کہو: "اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ" کیونکہ اسی چیز کا حکم دیا جارہا ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ایسی صورت میں فرشتے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے پانچ چیزوں کی وصیت کرتے ہوئے فرمایا: "اے انس! کامل طریقے سے وضو کرو، تمہاری عمر میں اضافہ ہوگا، میری امت میں سے جس شخص سے تمہاری ملاقات ہو اسے سلام کرو، تمہاری نیکیاں بڑھیں گی، گھر میں داخل ہوتے وقت گھر والوں کو سلام کیا کرو، تمہارے گھر میں خیر کی کثرت ہوگی، چاشت کے وقت کی نماز پڑھا کرو کیونکہ یہ تم سے پہلے اوابین (اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں) کی نماز ہے۔ اے انس! چھوٹے پر رحم کرو، بڑے کی عزت کرو، قیامت کے دن تم میرے رفقاء میں شامل ہو گے"(5)۔ پھر فرمایا: تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے تشہد اسی فرمان سے سیکھا ہے۔ نماز کا تشہد (اَلتَّحِیَّاتُ) یہ ہے: "اَلتَّحِیَّاتُ الْمُبَارَکَاتُ الصَّلَوٰتُ الطَّیِّبَاتُ لِلّٰهِ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ" اسے پڑھنے کے بعد نمازی اپنے لئے دعا کرے اور سلام پھیر دے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی اس سے مختلف تشہد مروی ہے(6)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ ۔ اس سورت میں محکم اور قطعی احکام بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس بات پر آگاہ فرمارہا ہے کہ وہ ان کیلئے کھول کھول کر اپنی آیات بیان کرتا ہے تاکہ وہ ان میں غور و تدبر کریں اور اچھی طرح سمجھ لیں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمة، جلد 3 صفحہ 346، سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمة، جلد 2 صفحہ 1093 وغیرہ

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمة، جلد 2 صفحہ 1093 3۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 173

4۔ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الادب، جلد 8 صفحہ 461 5۔ مسند بزار 6۔ دیکھئے صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 302-303

فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

''بس سچے مومن تو وہ ہیں جو ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر اور جب ہوتے ہیں آپ کے ساتھ کسی اجتماعی کام کے لئے تو (وہاں سے) چلے نہیں جاتے جب تک کہ آپ سے اجازت نہ لے لیں۔ بلاشبہ وہ لوگ جو اجازت طلب کرتے ہیں آپ سے یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ۔ پس جب وہ اجازت مانگیں آپ سے اپنے کسی کام کے لئے، تو اجازت دیجئے ان میں سے جسے آپ چاہیں اور مغفرت طلب کیجئے ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو ایک اور ادب کی تعلیم دے رہا ہے کہ جس طرح آتے ہوئے اذن طلب کرنا چاہئے، اسی طرح واپس جاتے وقت بھی اجازت مانگنی چاہئے خصوصاً جب وہ نماز جمعہ، نماز عید، مشاورت یا کسی اور اجتماعی کام کی غرض سے رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوں تو اس سے فراغت کے بعد وہ آپ ﷺ کی اجازت کے بغیر واپس نہ جائیں۔ ایسا کرنا کامل مومن ہونے کی دلیل ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرما رہا ہے کہ جب ان میں سے کوئی ضروری کام کے لئے آپ سے اذن طلب کرے تو آپ جسے چاہیں اجازت دے دیں اور ان کے لئے استغفار کریں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی مجلس میں جائے تو سلام کرے اور جب وہاں سے اٹھنے لگے تو بھی سلام کرے۔ پہلا سلام آخری سلام سے کوئی زیادہ واجب نہیں''(1)۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

''نہ بنا لو رسول کے پکارنے کو آپس میں جیسے تم پکارتے ہو ایک دوسرے کو۔ اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے انہیں جو کھسک جاتے ہیں تم میں سے ایک دوسرے کی آڑ لے کر۔ پس ڈرنا چاہئے انہیں جو خلاف ورزی کرتے ہیں رسول کریم ﷺ کے فرمان کی کہ انہیں کوئی مصیبت نہ پہنچے یا انہیں دردناک عذاب نہ آ لے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ نبی کریم ﷺ کو یا محمد اور یا ابا القاسم کہہ کر بلاتے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی تعظیم و تکریم کی خاطر انہیں آپ ﷺ کا نام لے کر پکارنے سے منع کر دیا اور تلقین کی کہ یا نبی اللہ، یا رسول اللہ ﷺ کہہ کر آپ کو مخاطب کیا کرو۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں نبی کریم ﷺ کے ادب، احترام اور عظمت و سیادت کو ملحوظ خاطر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مقاتل اس آیت کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کو آپ کا نام لے کر اور یا محمد یا یا ابن عبداللہ کہہ کر نہ بلاؤ بلکہ ادب و احترام سے یا نبی اللہ یا رسول اللہ ﷺ کہا کرو۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اس آیت میں حضور ﷺ کی تعظیم و تکریم کرنے کا حکم ہے، اس طرح کے اور بھی

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 353، عارضۃ الاحوذی، ابواب الاستئذان جلد 10 صفحہ 177، بغیرہ

ارشادات ہیں: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (البقرۃ:104) "اے ایمان والو (میرے حبیب سے کلام کرتے وقت) راعنا مت کہا کرو بلکہ ہو "انظرنا" اور (ان کی بات) غور سے سنا کرو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے"۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ ... وَ لَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ (الحجرات:2-5) ان سب آیتوں میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ گفتگو کرنے اور آپ کو خطاب کرنے کے آداب سکھائے گئے ہیں، بلکہ پہلے تو یہ حکم بھی نازل ہوا کہ آپ ﷺ کے ساتھ سرگوشیاں کرنے سے پہلے صدقہ کرو۔ اس فرمان کا دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ تم یہ نہ سمجھو کہ حضور ﷺ کی دعا تمہاری دعاؤں کی طرح ہے۔ آپ ﷺ کی دعا تو مقبول ہے۔ آپ کی بددعا سے بچنا ورنہ نیست و نابود ہو جاؤ گے۔ اس کے بعد فرمایا: قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ　مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ اس سے مراد منافق ہیں جنہیں جمعہ کے خطبہ میں موجود رہنا بہت بھاری محسوس ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ صحابہ کرام کی آڑ لے کر چپکے چپکے مسجد سے کھسک جاتے۔ خطبہ شروع ہونے کے بعد کوئی شخص حضور ﷺ کی اجازت کے بغیر وہاں سے نہیں جا سکتا تھا۔ جب کوئی کسی ضرورت کے باعث وہاں سے جانا چاہتا تو وہ انگلی کے اشارے سے اذن طلب کرتا اور آپ ﷺ اسے اذن دے دیتے کیونکہ حضور ﷺ کے خطبہ دیتے وقت اگر کوئی شخص گفتگو کرتا تو اس کا جمعہ باطل ہو جاتا۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ منافق جب حضور ﷺ کے ساتھ جماعت میں ہوتے تو ایک دوسرے کی آڑ لے کر رفو چکر ہو جاتے۔ قتادہ اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور کتاب اللہ سے انحراف کرتے ہوئے یہ منافق ہٹ جاتے ہیں۔ سفیان کہتے ہیں کہ یہ صف سے نکل جاتے ہیں، مجاہد "لواذا" کا معنی بتاتے ہیں کہ مخالفت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ فرمایا: فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ　یعنی جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے حکم، آپ کے طریقے، آپ کی سنت اور آپ کی شریعت سے روگردانی کرتے ہیں، انہیں کسی مصیبت سے دوچار ہونے یا عذاب میں مبتلا ہونے سے بچنا چاہئے پس لوگوں کے اقوال و افعال کا حضور ﷺ کے اقوال و افعال کے ساتھ موازنہ کیا جائے گا، جو ان کے موافق ہوئے، وہ قبول کر لئے جائیں گے اور جو ان کے مخالف ہوئے، وہ رد کر دیئے جائیں گے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "جس نے ہمارے حکم کے خلاف کوئی عمل کیا، وہ مردود ہے" (1)۔ یعنی ظاہر و باطن میں حضور ﷺ کی شریعت کی مخالفت کرنے والوں کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ کہیں وہ کفر، نفاق اور بدعت جیسے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں اور انہیں دنیا میں قتل، حد، قید و بند یا اس قسم کی کسی اور سزا کا سامنا کرنا پڑ جائے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری اور تمہاری مثال ایسے شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی، جب وہ خوب روشن ہوگئی تو پتنگے اور پروانے اندھا دھند اس پر گرنے لگے، وہ شخص انہیں ہٹانے لگا لیکن انہیں آگ کا ایسا اشتیاق ہے کہ اس شخص کو نظر انداز کر کے آگ میں گھسے جا رہے ہیں، یہی میری اور تمہاری مثال ہے۔ میں تمہیں کمربند سے پکڑ پکڑ کر آگ سے دور کر رہا ہوں کہ آگ سے بچو لیکن تم میری بات کو تسلیم نہیں اور آگ میں گھسے چلے جا رہے ہو" (2)۔

اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قَدْ یَعْلَمُ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ ؕ وَ یَوْمَ یُرْجَعُوْنَ اِلَیْهِ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۠

"سن لو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے۔ وہ خوب جانتا ہے جس حالت پر تم ہو۔ اور اس دن

1۔ صحیح بخاری، جلد 3، صفحہ 241، صحیح مسلم، جلد 5، صفحہ 132، مسند احمد، جلد 6، صفحہ 146
2۔ صحیح مسلم، جلد 7، صفحہ 63، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 312 وغیرہ

جب وہ لوٹائے جائیں گے اس (کی بارگاہ) کی طرف تو وہ انہیں آگاہ کرے گا جو انہوں نے کیا تھا، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، ہر پوشیدہ اور ظاہر کو خوب جاننے والا ہے اور بندوں کے خفیہ اور اعلانیہ اعمال سے اچھی طرح واقف ہے۔ فرمایا: قَدْ يَعْلَمُ ۔ اس میں "قد" تحقیقیہ ہے جیسا کہ اس سے پہلی آیت قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ میں اور مندرجہ ذیل آیات میں: قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ (الاحزاب:18)، قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ (المجادلہ:1)، قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (الانعام:33) اور قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ (البقرۃ:144) ان تمام آیات میں "قَدْ" سے مراد تحقیق فعل ہے جیسا کہ مؤذن تحقیق وثبوت کے لئے کہتا ہے: "قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ" فرمایا: قَدْ يَعْلَمُ ۔ یعنی تمہاری ہر حالت اللہ تعالیٰ کے علم اور مشاہدہ میں ہے اور ایک ذرہ بھی اس سے مخفی نہیں رہ سکتا۔ جیسا کہ فرمایا: "وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۔ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (الشعراء:217-220)، وَ مَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّ مَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ ۔ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (یونس:61)" اور نہیں ہوتے آپ کسی حال میں اور نہ آپ تلاوت کرتے ہیں اس حال میں کچھ قرآن اور (اے لوگو) نہ تم کچھ عمل کرتے ہو مگر ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب بھی تم کسی کام میں شروع ہوتے ہو اور نہیں چھپا ہوتا آپ کے رب سے ذرہ برابر بھی زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہیں کوئی چھوٹی چیز اس ذرہ سے اور نہ بڑی مگر وہ روشن کتاب (لوح محفوظ) میں ہے"۔ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ (الرعد:33) "کیا وہ خدا (ان کے بتوں جیسا ہو سکتا ہے) جو نگہبانی فرما رہا ہے ہر نفس کی اس کے اعمال کے ساتھ"، اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ (ہود:5) "سنتے ہو! جس وقت وہ خوب اوڑھ لیتے ہیں اپنے کپڑے تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں"۔ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَ مَنْ جَهَرَ بِهٖ (الرعد:10)، وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (ہود:6) "اور نہیں کوئی جاندار زمین میں مگر اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ وہ جانتا ہے اس کے ٹھہرنے کی جگہ اور اس کے امانت رکھے جانے کی جگہ کو۔ ہر چیز روشن کتاب میں (درج) ہے"، وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ۔۔ وَ لَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (الانعام:59)۔ "اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ انہیں سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور سمندر میں ہے اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ اسے جانتا ہے اور نہ ہی کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر وہ روشن کتاب میں لکھی ہوئی ہے"۔ اس مضمون کی حامل اور بہت سی آیات اور احادیث ہیں۔ فرمایا: وَ يَوْمَ يُرْجَعُوْنَ ۔۔ یعنی قیامت کے دن تمام مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ انہیں ان کے تمام چھوٹے بڑے اعمال سے آگاہ فرمائے گا جیسا کہ فرمایا: يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ (القیامہ:13) "اور اس روز انسان کو آگاہ کر دیا جائے گا جو عمل اس نے پہلے بھیجے اور جو (اثرات) پیچھے چھوڑ آیا"۔ وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ ۔ وَ لَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (الکہف:49)، اس لئے یہاں فرمایا: وَ يَوْمَ يُرْجَعُوْنَ ۔

سورۂ فرقان (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

تَبٰرَكَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِهٖ لِیَكُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرَا ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ لَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّ لَمۡ یَكُنۡ لَّهٗ شَرِیۡكٌ فِی الۡمُلۡكِ وَ خَلَقَ كُلَّ شَیۡءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقۡدِیۡرًا ﴿۲﴾

''بڑی (خیرو) برکت والا ہے وہ جس نے اتارا ہے الفرقان اپنے (محبوب) بندہ پرتا کہ وہ بن جائے سارے جہان والوں کو (غضب الٰہی سے) ڈرانے والا۔ وہ جس کے لئے حکومت ہے آسمانوں اور زمین کی اور نہیں بنایا ہے اس نے کسی کو بیٹا اور نہ اس کا کوئی شریک سلطنت میں اور اس نے پیدا فرمایا ہے ہر چیز کو پس اس نے مقرر کیا ہے ہر چیز کا ایک اندازہ''۔

قرآن کریم کے اتارنے پر اللہ تعالیٰ اپنی حمد بیان فرمارہا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِهِ الۡكِتٰبَ وَ لَمۡ یَجۡعَلۡ لَّهٗ عِوَجًا ؕ﴿ؔ۱﴾ قَیِّمًا لِّیُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِیۡدًا مِّنۡ لَّدُنۡهُ وَ یُبَشِّرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ (الکہف: 2-1) ''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے پر یہ کتاب نازل فرمائی اور اس میں ذرا کجی نہیں پیدا ہونے دی، (معاش و معاد کو) درست کرنے والی ہے تاکہ سخت گرفت سے ڈرائے اور اہل ایمان کو مژدہ سنائے جو نیک اعمال کرتے ہیں''۔ اور یہاں فرمایا: تَبٰرَكَ الَّذِیۡ...، تبارک برکت سے ماخوذ ہے جس میں استقرار، ثبات اور دوام ہو۔ ''نَزَّلَ'' فعل تکرار اور تکثیر کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَ الۡكِتٰبِ الَّذِیۡ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوۡلِهٖ وَ الۡكِتٰبِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنۡ قَبۡلُ (النساء: 136)۔ پہلی کتابیں چونکہ یکبارگی نازل ہوئیں اس لئے ان کے لئے ''اَنۡزَلَ'' کا لفظ استعمال کیا، اور قرآن کریم کے لئے ''نَزَّلَ'' کا لفظ استعمال کیا کیونکہ قرآن کریم قسط وار اور متفرق طور پر نازل ہوا، حسب ضرورت وقتاً فوقتاً اس کی آیات، احکام اور سورتیں اترتی رہیں، اس طرح اس پر عمل پیرا ہونا، یاد کرنا اور اس سے ہدایت حاصل کرنا بہت سہل اور آسان ہے جیسا کہ فرمایا: وَ قَالَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ لَا نُزِّلَ عَلَیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ جُمۡلَةً وَّاحِدَةً ۚ ۔ وَ اَحۡسَنَ تَفۡسِیۡرًا ﴿ؕ﴾ (الفرقان: 33-32)، اسی لئے یہاں قرآن کریم کو فرقان کہا گیا ہے کیونکہ یہ حق اور باطل، ہدایت اور گمراہی، حلال اور حرام کے درمیان فرق اور امتیاز کرتا ہے۔ یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عبد کا لفظ استعمال کرنا آپ کی کمال مدح و ثناء پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت اپنی طرف کی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شب معراج کے موقعہ پر آپ کے اعلیٰ وارفع مقام کو بیان کرتے ہوئے آپ کو اس صفت عبودیت سے متصف کر کے فرمایا: سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ لَیۡلًا (بنی اسرائیل: 1) ''پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں''، اسی طرح مقام دعوت و تبلیغ میں یہی وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبۡدُ اللّٰهِ یَدۡعُوۡهُ كَادُوۡا یَكُوۡنُوۡنَ عَلَیۡهِ لِبَدًا (الجن: 19) ''اور جب اللہ تعالیٰ کا خاص بندہ اس کی عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو لوگ اس پر ہجوم کر کے آجاتے ہیں''۔

آپ ﷺ پر کتاب اور فرشتے کے نزول کو بیان کرتے وقت بھی آپ کی صفت عبودیت کو ہی ذکر کرتے ہوئے فرمایا: تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰي عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا (الفرقان: 1) "بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اپنے بندہ پر الفرقان اتارا ہے تا کہ وہ سارے جہان والوں کو ڈرانے والا بن جائے" یہاں فرمایا: لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا یعنی آپ ﷺ کو نہایت مفصل، محکم، عظیم اور واضح کتاب عطا فرمائی گئی ہے جس کی طرف باطل کسی جانب سے بھی راہ نہیں پا سکتا اور یہ حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے والی ہے اور تمام جہانوں تک اس کا پیغام پہنچانا آپ ﷺ کے ذمہ ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے تمام سرخ و سفید کی طرف مبعوث کیا گیا ہے" (1)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں"۔ ان میں سے ایک آپ نے یہ ذکر کی: "ہر نبی کو صرف اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا لیکن مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے" (2)۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا (الاعراف: 158) "فرمایئے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف"، یعنی مجھے رسول بنا کر بھیجنے والا وہ خدا ہے جو زمین و آسمان کا مالک ہے جس کے صرف کن کہنے سے اس کی مطلوبہ چیز وجود پذیر ہو جاتی ہے اور وہی ہے جو مارتا اور زندہ کرتا ہے، اسی طرح یہاں فرمایا: الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ اللہ تعالیٰ نے اولاد اور شریک سے اپنی تنزیہہ اور پاکی بیان کی۔ پھر فرمایا کہ وہی ہر چیز کا خالق اور ہر چیز کا اندازہ مقرر کرنے والا ہے یعنی ہر چیز کا وہ خالق، مدبر، رب، مالک اور معبود ہے۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ③

"اور بنا رکھے ہیں انہوں نے خدائے برحق کو چھوڑ کر ایسے خدا جو پیدا نہیں کر سکتے کسی چیز کو اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور نہیں قدرت رکھتے اپنے آپ کو نقصان (سے بچانے) کی اور نہ نفع پہنچانے کی اور نہیں طاقت رکھتے کسی کو مارنے کی اور نہ زندہ کرنے کی اور نہ مرنے کے بعد جلانے کی"۔

مشرکین کی جہالت کو بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ ہر چیز کے خالق، مالک، متصرف اور مختار کل خدا کو چھوڑ کر ایسے بتوں کو پوجتے ہیں جو بالکل عاجز اور بے اختیار ہیں، انہیں اتنی قدرت بھی حاصل نہیں کہ وہ مچھر کا پر بنا سکیں بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور اپنے لئے بھی وہ کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں۔ جب ان کے عجز اور بے چارگی کی یہ کیفیت ہے تو وہ کیونکر اپنے پجاریوں کے لیے کسی چیز کے مالک ہو سکتے ہیں؟ مزید برآں ان بتوں کو مارنے، زندہ کرنے اور مرنے کے بعد جلانے کا بھی کوئی اختیار نہیں بلکہ ان چیزوں کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے جو زندہ کرنے والا اور مارنے والا ہے اور وہی تمام مخلوق کو قیامت کے دن زندہ کر کے لوٹائے گا۔ اس کے لئے ایسا کرنا قطعاً مشکل نہیں جیسا کہ فرمایا: مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (لقمان: 28) "نہیں ہے تم سب کو پیدا کرنا اور پھر دوبارہ زندہ کرنا مگر ایک نفس کی مانند"۔ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ (القمر: 50) "اور نہیں ہوتا ہمارا حکم مگر ایک بار جو آنکھ جھپکنے میں واقع ہو جاتا ہے"، فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ (النازعات: 14-13) "پس (واپسی کے لئے) ایک جھڑک ہی کافی ہے پھر وہ کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے"۔ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ (الصافات: 19) "پس قیامت تو فقط ایک جھڑک ہوگی پس وہ

1۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 63، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 250 2۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ آل عمران: 151

(اٹھ کر) دیکھنے لگیں گے"۔ إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ (یٰسین: 53) "نہیں ہوگی مگر ایک زوردار کڑک پھر وہ فوراً سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیے جائیں گے"۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود ہے اور نہ ہی کوئی رب اور اس کے سوا کوئی عبادت کا سزاوار نہیں کیونکہ وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا، وہ نہیں ہوتا، نہ اس کی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد اور نہ ہی اس کا کوئی عدیل ہے، نہ بدیل، نہ وزیر اور نہ نظیر بلکہ وہ یکتا اور بے نیاز ہے جس نے کسی کو نہیں جنا اور نہ اسے جنا گیا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ ۖ فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا ﴿٤﴾ وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٥﴾ قُلْ أَنزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٦﴾

"اور کہنے لگے کفار کہ نہیں یہ (قرآن) مگر محض بہتان جو گھڑ لیا ہے اس نے اور مدد کی ہے اس کی اس معاملہ میں ایک دوسری قوم نے سو یہ (کہہ کر) انہوں نے بڑا ظلم کیا ہے اور سفید جھوٹ بولا ہے۔ اور کفار نے کہا یہ تو افسانے ہیں پہلے لوگوں کے اس شخص نے لکھوا لیا ہے انہیں پھر یہ پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اسے ہر صبح و شام (تا کہ از بر ہو جائیں) آپ فرمایئے اتارا ہے اس کو اس (خدا) نے جو جانتا ہے آسمانوں اور زمین کے سارے رازوں کو۔ واقعی وہ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"۔

جاہل کفار کی نادانی اور کم عقلی بیان ہو رہی ہے جن کا قرآن کریم کے متعلق یہ کہنا تھا کہ یہ محض بہتان اور جھوٹ ہے جسے اس (نبی ﷺ) نے گھڑ لیا ہے اور اس معاملہ میں ایک دوسری قوم نے اس کی مدد کی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا یعنی قرآن کریم کے متعلق ان کفار کا یہ کہنا ظلم اور جھوٹ پر مبنی ہے جس کے باطل اور جھوٹ ہونے کا انہیں بھی یقین ہے۔ مزید برآں قرآن کریم کے متعلق وہ یہ بھی کہتے: أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ یعنی یہ پہلے لوگوں کے افسانے اور قصے کہانیاں ہیں جنہیں انہوں نے لکھوا لیا ہے اور یہ صبح و شام انہیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ ان کا یہ الزام ان کی کم عقلی، جھوٹ اور بہتان کا منہ بولتا ثبوت ہے جس کے باطل ہونے کا انہیں بھی قطعی یقین تھا کیونکہ یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ امی تھے، آپ نے اپنی عمر کے کسی حصہ میں بھی کسی سے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا اور نہ ہی کبھی کچھ لکھا۔ ولادت سے لے کر بعثت تک تقریباً چالیس سال کی زندگی آپ ﷺ نے ان میں گزاری۔ آپ کے شب و روز کے معمولات ان کے سامنے تھے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ آپ صدق، امانت، نیکی اور پاکیزگی کا پیکر ہیں اور یہ بھی انہیں بخوبی معلوم تھا کہ آپ کو جھوٹ، فسق و فجور اور دیگر اخلاق رذیلہ سے شدید نفرت ہے۔ یہ آپ کی سچائی اور نیکوکاری کا ہی کمال تھا کہ بعثت سے پہلے بھی وہ آپ ﷺ کو امین کے لقب سے یاد کرتے تھے، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت پر فائز کیا تو ان کی عداوت کے شعلے بھڑک اٹھے اور انہوں نے آپ پر بے بنیاد اور جھوٹے الزامات لگانے شروع کر دیے جن کے متعلق ہر عقلمند کو علم ہے کہ آپ ﷺ ان سے بالکل پاک ہیں۔ کفار ان الزام تراشیوں میں بذات خود حیران تھے اور انہیں یہ سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ آپ کو کیا کہیں۔ اسی حیرت کا نتیجہ تھا کہ وہ بہتان تراشی کرتے ہوئے کبھی آپ کو جادوگر کہتے، کبھی شاعر، کبھی دیوانہ اور کبھی کذاب۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انْظُرْ

كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا (الفرقان:9)'' ملاحظہ تو کیجئے کیسے آپ کے متعلق طرح طرح کی مثالیں بیان کرتے ہیں، سو وہ گمراہ ہو گئے پس وہ راہ نہیں پا سکتے''۔ ان سرکشوں کے عناد اور افتراء کے جواب میں فرمایا: قُلْ اَنْزَلَهُ ۔ یعنی اس قرآن کریم کو جو ماضی اور مستقبل کے صحیح صحیح حالات بیان کرتا ہے، اور اس میں اگلے پچھلے تمام لوگوں کی خبریں ہیں، اس خدا نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کی غیبی چیزوں سے خوب واقف ہے اور جس طرح وہ ظاہری چیزوں کو جانتا ہے، بالکل اسی طرح وہ پوشیدہ چیزوں کے متعلق بھی علم رکھتا ہے۔ پھر آخر میں اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا فرما کر انہیں توبہ کی دعوت دی اور انہیں یہ باور کرا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے اور اس کا علم بہت عظیم ہے، وہ توبہ کرنے والے کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔ ان کفار کے جھوٹ، بہتان، فسق و فجور، کفر، عناد، رسول کریم ﷺ اور قرآن کریم کے متعلق ان کی افترا پردازی اور ہرزہ سرائی کے باوجود اللہ تعالیٰ انہیں دعوت دیتا ہے کہ وہ اپنی اس روش اور ہٹ دھرمی سے باز آ جائیں اور توبہ کر کے ہدایت اور اسلام کے دامن کو مضبوطی سے تھام لیں جیسا کہ فرمایا: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (المائدہ:74-73)'' بے شک وہ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین (خداؤں) سے تیسرا ہے اور نہیں ہے کوئی خدا مگر ایک اللہ، اور اگر وہ اس سے باز نہ آئے جو وہ کہہ رہے ہیں تو ضرور انہیں دردناک عذاب پہنچے گا جنہوں نے ان میں سے کفر کیا۔ تو کیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے اور کیا اس سے بخشش طلب نہیں کرتے اور اللہ بہت بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے''، اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ (البروج:10)'' بے شک جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایذا دی پھر توبہ بھی نہ کی تو ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لئے جلائے جانے کی سزا ہے''۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ جود و کرم کی انتہا دیکھو، یہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو قتل کرتے اور اذیتیں دیتے ہیں لیکن وہ انہیں توبہ اور رحمت کی طرف بلاتا ہے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَاۗءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ۝ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۝

''اور کفار بولے کیا ہوا ہے اس رسول کو کہ کھانا کھاتا ہے اور چلتا پھرتا ہے بازاروں میں ایسا کیوں نہ ہوا کہ اتارا جاتا اس کی طرف کوئی فرشتہ اور وہ اس کے ساتھ مل کر (لوگوں کو) ڈراتا۔ یا (ایسا کیوں نہ ہوا) کہ اتارا جاتا اس کی طرف خزانہ یا (کم از کم) اس کا ایک باغ ہی ہوتا کھایا کرتا اس (کی آمدنی) سے اور ان ظالموں نے (یہاں تک) کہہ دیا کہ تم پیروی نہیں کر رہے ہو مگر ایک ایسے شخص کی جس پر جادو کیا گیا ہے ملاحظہ تو کیجئے کیسے بیان کرتے ہیں آپ کے متعلق طرح طرح کی مثالیں

سودہ (اس بے ادبی کے باعث) گمراہ ہو گئے پس وہ راہ نہیں پاسکتے۔ بڑی (خیرو) برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو اگر چاہے تو بنا دے آپ کے لئے بہتر اس سے (یعنی ایسے) باغات رواں ہوں جن کے نیچے نہریں اور بنادے آپ کے لئے بڑے بڑے محلات۔ بلکہ یہ تو جھٹلاتے ہیں قیامت کو۔ اور ہم نے تیار کر رکھی ہے ان کے لئے جو جھٹلاتے ہیں قیامت کو بھڑکتی ہوئی آگ۔ جب یہ آگ دیکھے گی انہیں دور سے تو وہ سنیں گے اس کا جوش مارنا اور چنگھاڑنا۔ اور جب انہیں پھینکا جائے گا اس آگ میں کسی تنگ جگہ سے زنجیروں میں جکڑ کر تو پکاریں گے وہاں موت کو۔ (کہا جائے گا بدبختو!) نہ مانگو آج ایک موت بلکہ مانگو بہت سی موتیں''۔

کفار کی سرکشی، عناد اور بلا دلیل ان کے تکذیب حق کو بیان کیا جارہا ہے۔ انہوں نے محض اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا انکار کر دیا ہے کہ آپ بھی ان کی طرح کھاتے پیتے اور بازاروں میں تجارت اور کسب معاش کی خاطر چلتے پھرتے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی فرشتہ اس کی طرف کیوں نہیں اتارا گیا جو اس کے دعویٰ کی صداقت پر گواہی دیتا یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ فرعون نے کہا تھا: فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ (الزخرف:53) '' کیوں نہ اتارے گئے اس پر سونے کے کنگن (اگر وہ سچا نبی ہے) یا کیوں نہ آئے اسکے ساتھ فرشتے قطار در قطار''۔ بالکل اسی طرح ان کفار کا مطالبہ تھا، تمام کفار کے دل یکساں ہوتے ہیں، اس لئے یہ کہنے لگے: اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ...... یعنی ایسا کیوں نہ ہوا کہ اسے کوئی خزانہ دے دیا جاتا تا کہ یہ خود بھی راحت وسکون کی زندگی بسر کرتا اور اس کے ساتھی بھی فقر و فاقہ سے نجات حاصل کر لیتے یا اس کا کوئی باغ ہوتا جو اس کے ساتھ ساتھ چلتا پھرتا اور یہ حسب ضرورت اسے اپنے کام میں لاتا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے بہت ہی آسان ہے لیکن اس کی حکمت اس بات کی مقتضی نہیں۔ یہ ظالم مسلمانوں کو طعنہ دیتے ہوئے کہتے کہ تم تو ایسے شخص کی اتباع کر رہے ہو جس پر جادو کیا گیا ہے۔ فرمایا: اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا...... یعنی یہ کیسے آپ پر بہتان تراشی کرتے ہوئے کبھی کہتے ہیں کہ آپ جادوگر ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ آپ کو جادو کیا گیا ہے، کبھی شاعر کہتے ہیں، کبھی مجنون اور کبھی کذاب۔ ان کی یہ تمام باتیں لغو، باطل اور جھوٹ ہیں۔ معمولی فہم وعقل رکھنے والا انسان بھی جانتا ہے کہ ان کے یہ الزامات بے سروپا اور جھوٹ کا پلندہ ہیں، اس لئے فرمایا: فَضَلُّوْا...... یعنی یہ راہ ہدایت سے بھٹک گئے ہیں اور کبھی سیدھی راہ نہیں پاسکیں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حق اور راہ راست سے انحراف کرنے والا گمراہ ہے، وہ جدھر بھی متوجہ ہو گمراہی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی اور حق ایک ہی ہے اور اس کا رستہ بھی ایک ہے جس میں اختلاف اور تعارض کی گنجائش نہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرمارہا ہے کہ اگر وہ چاہے تو آپ کو دنیا میں کفار کی تجویز کردہ چیزوں سے بھی بہتر اور افضل چیزیں عنایت کر دے۔ فرمایا: تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ۔ عرب پتھر کے بنے ہوئے گھر کو قصر کہتے ہیں خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا (1) حضرت خیثمہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے فرمایا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو ہم آپ کو زمین کے ایسے خزانے اور ان کی چابیاں عطا کر دیں جو ہم نے آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کئے اور نہ ہی آپ کے بعد ہم کسی کو عطا کریں گے اور اس سے ان انعامات میں کوئی کمی نہیں ہوگی جو آپ کو آخرت میں ملنے والے ہیں۔ اس پر آپ نے جواب دیا کہ نہیں، بلکہ انہیں میرے لئے آخرت میں ہی جمع رکھیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (2)۔ اس کے بعد فرمایا: بَلْ كَذَّبُوْا۔ یعنی کفار کی یہ فرمائشیں اور مطالبات ان کے عناد، سرکشی اور تکذیب کے باعث ہیں، اس سے ان کا مقصود طلب ہدایت نہیں ہے۔ یہ روش انہوں نے اس لئے اختیار کر رکھی ہے کہ انہیں

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 186

2۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 166، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 238

قیامت پر یقین نہیں۔ قیامت کو جھٹلانے کی وجہ سے ہی تو یہ اس قسم کی ہرزہ سرائی کر رہے ہیں اور قیامت کی تکذیب کرنے والوں کیلئے بھڑکتی ہوئی آگ کا ناقابل برداشت عذاب تیار ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ سعیر جہنم میں ایسی وادی میں ہے جو پیپ سے بھری ہوئی ہے۔ اس کے بعد فرمایا: اِذَا رَاَتْهُمْ یعنی جہنم جب انہیں میدان حشر میں دور سے بقول سدی سو سال کی مسافت سے دیکھے گا(1)۔ تو انہیں اس کو سخت غیظ و غضب سے جوش مارنا اور چنگھاڑنا سنائی دے گا جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّ هِيَ تَفُوْرُ ۙ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ (الملک: 8-7) ''جب وہ اس میں جھونکے جائیں گے تو اس کی زوردار گرج سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہو گی، گویا مارے غضب کے پھٹا جا رہی ہے''۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص میری طرف ایسی بات منسوب کرے جو میں نے نہیں کہی یا اپنے والدین کے سوا اوروں کو اپنا ماں باپ کہے یا جو غلام اپنے آقا کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف اپنی غلامی کی نسبت کرے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم کی دونوں آنکھوں کے درمیان بنالے''۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا جہنم کی بھی آنکھیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اِذَا رَاَتْهُمْ نہیں سنا(2)۔ ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ کہیں جا رہے تھے، ربیع بن خثیم بھی ہمارے ہمراہ تھے۔ راستے میں لوہار کی دکان آئی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ وہاں ٹھہر گئے اور اس لوہے کو دیکھنے لگے جو آگ میں تپایا جا رہا تھا۔ ربیع بن خثیم نے جب اسے دیکھا تو جہنم کا خیال کر کے ان کی حالت غیر ہوگئی قریب تھا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑتے۔ اس کے بعد فرات کے کنارے پر پہنچے تو وہاں حضرت عبداللہ نے ایک تنور دیکھا جس میں آگ بھڑک رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی بے ساختہ آپ کی زبان سے یہ آیت اِذَا رَاَتْهُمْ نکلی۔ جونہی حضرت ربیع رحمۃ اللہ علیہ نے یہ آیت سنی، بے ہوش ہو کر گر پڑے، انہیں اٹھا کر ان کے گھر پہنچایا گیا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ظہر تک ان کے پاس بیٹھے رہے اور انہیں ہوش میں لانے کی کوشش کرتے رہے لیکن انہیں ہوش نہ آیا(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب جہنمی کو گھسیٹ کر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا تو وہ اس طرح چیخے گا جس طرح خچر جو کو دیکھ کر چیختا ہے اور پھر ایک جھرجھری لے گا کہ سب خوفزدہ ہو جائیں گے۔(3) آپ سے ہی ایک اور روایت میں منقول ہے کہ جب کسی آدمی کو جہنم کی طرف گھسیٹا جائے گا تو جہنم سمٹ جائے گا۔ خداوند رحمٰن اس سے پوچھے گا کہ تمہیں کیا ہوا؟ وہ جواب دے گا کہ یہ بندہ تو مجھ سے تیری پناہ مانگ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے اس بندے کو چھوڑ دو۔ ایک اور بندے کو جب دوزخ کی طرف دھکیلا جائے گا تو وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! تیری نسبت میرا یہ گمان تو نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تمہارا گمان کیا تھا؟ وہ عرض کرے گا کہ میرا گمان تو یہی تھا کہ تیری رحمت میری چارہ سازی فرمائے گی، اس پر حکم ہوگا کہ میرے اس بندے کو چھوڑ دو، اسی طرح ایک شخص کو جہنم کی طرف گھسیٹا جائے گا تو جہنم اسے دیکھ کر خچر کی طرح چنگھاڑے گا اور اس طرح چیختے ہوئے جھرجھری لے گا کہ سب خوفزدہ ہو جائیں گے(4)۔ عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ جہنم اس طرح فرط غضب سے جوش مارے گا اور چنگھاڑے گا کہ تمام مقرب فرشتے اور رسول کانپتے ہوئے گر پڑیں گے یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے اور عرض کریں گے: اے پروردگار! آج میں تجھ سے صرف اپنے بچاؤ کے لئے التجا کرتا ہوں(5)۔ اس کے بعد فرمایا: وَ اِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا ۔ یعنی انہیں جکڑ کر جہنم میں کسی تنگ جگہ یوں ٹھونس دیا جائے گا جیسے نیزے میں پھل۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 187 2۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 187 3۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 187
4۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 187 5۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 187، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 239

رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! انہیں دوزخ میں اس طرح ٹھونسا جائے گا جیسے کیل دیوار میں گاڑا جاتا ہے"۔ جب انہیں جکڑ کر دوزخ میں پھینکا جائے گا تو وہاں وہ ہلاکت، حسرت اور موت کو پکاریں گے۔ انہیں کہا جائے گا کہ آج ایک موت کو نہیں بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سب سے پہلے ابلیس کو آگ کا لباس پہنایا جائے گا، وہ اسے پیشانی پر رکھ کر پیچھے سے گھسیٹتا ہوا اور اپنی ذریت کو پیچھے لگائے ہوئے اور ہائے موت، ہائے موت پکارتا ہوا دوڑتا چلا جائے گا۔ جہنم پر پہنچ کر اس کے ہائے موت پکارنے پر اس کے سبھی ساتھی بھی پکاریں گے ہائے موت، اس وقت انہیں کہا جائیگا کہ آج ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو"(1)۔ ثبور سے مراد موت، ہلاکت، بربادی، خسارہ اور تباہی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا تھا: وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا فِرْعَوْنُ مَثْبُورًا (بنی اسرائیل:102) "اور اے فرعون! میں تیرے متعلق یہ خیال کرتا ہوں کہ تو ہلاک کر دیا جائے گا"۔

قُلْ أَذَٰلِكَ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۚ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَمَصِيرًا ﴿١٥﴾ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ خَالِدِينَ ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ وَعْدًا مَسْئُولًا ﴿١٦﴾

"ان سے پوچھئے (ذرا بتاؤ) یہ بھڑکتی ہوئی آگ بہتر ہے یا دائمی جنت جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے۔ ہوگی یہ جنت ان کے اعمال کا صلہ اور (ان کی زندگی کا) انجام۔ ان کے لئے اس میں ہر وہ نعمت ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ آپ کے رب کے ذمہ وعدہ ہے جس کا ایفاء لازم ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ ہم نے آپ کے سامنے بدبختوں کا جو حال بیان کیا ہے کہ انہیں اوندھے منہ جہنم رسید کر دیا جائے گا، جہنم تحت غیظ وغضب میں جوش مارتے ہوئے اور چنگھاڑتے ہوئے ان کا استقبال کرے گا اور انہیں وہاں زنجیروں میں جکڑ کر تنگ جگہوں میں پھینک دیا جائے گا جہاں یہ نہ حرکت کر سکیں گے، نہ کسی سے مدد طلب کر سکیں گے اور نہ ہی رہائی پا سکیں گے، کیا یہ بہتر ہے یا وہ دائمی جنت جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پرہیزگار بندوں سے کیا ہے، یہ ان کی اطاعت کا بدلہ ہے اور یہی ان کا دائمی ٹھکانا ہے جہاں انہیں حسب خواہش اشیائے خورد و نوش، لباس، سواریاں، رہائش گاہیں، دلکش مناظر، اور ایسی ایسی نعمتیں میسر ہوں گی جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے ان کے متعلق سنا اور نہ کسی دل میں ان کا خیال پیدا ہوا، وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ انہیں موت کا اندیشہ ہوگا اور نہ ہی جنت کی نعمتوں کے چھن جانے یا ختم ہو جانے کا خوف ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو اس نے اپنے فضل و احسان کے باعث اپنے ذمہ لیا ہے اور اس کا ایفاء ضروری ہے، اس لئے فرمایا: كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ وَعْدًا مَسْئُولًا مسئول کا معنی ہے واجب(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے اس وعدہ کے ایفاء کا سوال کرو جو اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے(3)۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ فرشتے بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے اس وعدہ کے ایفاء کا سوال کرتے ہوئے کہتے ہیں: اے پروردگار! انہیں سدا بہار جنتیں عطا فرما جن کا تو نے ان کے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے۔ ابو حازم کہتے ہیں کہ قیامت کے دن اہل ایمان عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم نے تیری رضا کی خاطر وہ اعمال کیے جن کا تو نے ہمیں حکم دیا تھا۔ آج تو وہ وعدہ پورا فرما جو تو نے ہمارے ساتھ کیا تھا، یہی

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 152
2۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 189، معانی القرآن للفراء، جلد 2 صفحہ 263
3۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 189

مطلب اس فرمان كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا کا ہے(1)۔ جس طرح یہاں اہل دوزخ کا ذکر کیا اس کے بعد پھر اہل جنت کا حال بیان ہوا، اسی طرح سورۂ صافات میں جنتیوں کا ذکر کیا پھر سوال کے بعد دوزخیوں کا ذکر کیا: اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ... فَهُمْ عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ (الصافات: 62-70)۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰۤؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ۝ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ۝

"اور جس روز (محشر میں) اللہ انہیں اکٹھا کرے گا اور ان (باطل خداؤں) کو جنہیں یہ پوجتے ہیں اللہ کے سوا تو اللہ پوچھے گا (ان معبودوں سے) کیا تم نے گمراہ کیا میرے ان بندوں کو یا وہ خود ہی سیدھی راہ سے بھٹک گئے تھے۔ وہ کہیں گے تو پاک ہے (ہر عیب سے) ہمیں یہ بات زیبا نہ تھی کہ ہم بناتے تیرے سوا کسی غیر کو دوست، لیکن تو نے آرام و آسائش عطا کی انہیں اور ان کے آباء کو یہاں تک کہ انہوں نے بھلا دیا تیری یاد کو اور (یوں) وہ لوگ تباہ و برباد ہو گئے۔ (اے کفار) تمہارے معبودوں نے تمہیں جھٹلا دیا جو تم کہتے ہو۔ پس اب نہ تم اپنے سے عذاب کو پھیر سکتے ہو اور نہ تمہاری مدد کی جائے گی اور جس نے ظلم کیا تم میں سے تو ہم چکھائیں گے اسے عذاب بڑا"۔

قیامت کے دن کفار کو غیر اللہ کی عبادت کرنے پر جو سرزنش ہو گی اس کا بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ۔ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت عزیر علیہ السلام اور وہ تمام فرشتے موجود ہوں گے جن کی عبادت کی جاتی تھی اور ان کی پرستش کرنے والے بھی حاضر ہوں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ان معبودوں سے دریافت فرمائے گا کہ کیا تم نے میرے ان بندوں کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا تھا یا یہ از خود ایسا کرنے لگے جیسا کہ فرمان ہے: "وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ... مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِيْ بِهٖۤ (المائدہ: 116-117)" اور جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا اے عیسیٰ بن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنا لو۔ وہ عرض کریں گے تو ہر شریک سے پاک ہے، میری کیا مجال تھی کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں، اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو تو اسے ضرور جانتا۔ تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے۔ بے شک تو ہی تمام غیبوں کو جاننے والا ہے۔ میں نے انہیں نہیں کہا مگر وہی کچھ جس کا تو نے مجھے حکم دیا"۔ اس لئے قیامت کے دن یہ معبود جو جواب دیں گے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَاۤ۔ یعنی نہ ہمارے لئے اور نہ ہمارے علاوہ دوسری مخلوق کے لئے زیبا تھا کہ ہم اور وہ تیرے سوا کسی اور کی عبادت کرتے۔ ہم نے نہ انہیں اپنی عبادت کی دعوت دی، نہ حکم دیا اور نہ ہی ہم اس پر راضی تھے بلکہ یہ از خود ہماری عبادت کرنے لگے، ہم ان سے بھی اور ان کی عبادت سے بھی بری الذمہ اور بیزار ہیں

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 241

جیسا کہ فرمایا: وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِیَّاكُمْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ○ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ (سبا:40) ''اور جس روز وہ ان سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے پوچھے گا کیا یہ لوگ تمہاری پوجا کیا کرتے تھے، وہ عرض کریں گے کہ تو ہر شک سے پاک ہے''۔ ایک دوسری قراءت میں ''نَتَّخِذَ'' کی بجائے ''نُتَّخَذَ'' پڑھا گیا ہے(1)۔ یعنی کسی کو یہ زیب نہیں دیتا تھا کہ وہ ہماری عبادت کرتا کیونکہ ہم تو تیرے بندے ہیں اور تیرے ہی محتاج ہیں۔ دونوں قراءتوں کا مطلب تقریباً یکساں ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ یعنی آرام و آسائش میں ان کی طویل عمریں گزریں جس کی وجہ سے انہوں نے رسول کے پیغام توحید کو فراموش کر دیا اور تیری عبادت سے منہ موڑ لیا، اس طرح یہ لوگ تباہ و برباد ہو گئے۔ ''بور'' کا معنی ہے ہلاک ہونے والے۔ اگلی آیت میں فرمایا: فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ یعنی یہ دیکھو تمہارے ان معبودوں نے تمہیں جھٹلا دیا اور تمہارے اس خیال کو بالکل غلط کر دیا کہ یہ معبود تمہارے دوست اور حمایتی ہیں اور تمہارے لئے قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں جیسا کہ فرمایا: وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِیْنَ (الاحقاف:6-5) ''اور کون زیادہ گمراہ ہے اس (بدبخت) سے جو پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کر سکتا اور وہ ان کے پکارنے سے ہی غافل ہیں اور جب لوگ جمع کئے جائیں گے تو وہ معبود ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا صاف انکار کر دیں گے)۔ فرمایا: فَمَا تَسْتَطِیْعُوْنَ۔ یعنی یہ کفار و مشرکین قیامت کے دن نہ اپنے آپ سے عذاب کو ٹال سکیں گے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی اور جو تم میں شرک کر کے ظلم کا ارتکاب کرتا ہے، اسے بہت بڑے عذاب کا ذائقہ چکھایا جائے گا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَیَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَیَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِیْرًا ⓴

''اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے رسول مگر وہ سب کھانا کھایا کرتے اور چلا پھرا کرتے بازاروں میں۔ اور ہم نے بنا دیا تمہیں ایک دوسرے کیلئے آزمائش۔ کیا تم (اس آزمائش میں) صبر کرو گے؟ اور آپ کا رب سب کچھ دیکھ رہا ہے''۔

تمام سابقہ انبیاء و رسل کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ انہیں بھی غذا کی ضرورت تھی اور تجارت اور کسب معاش کی خاطر انہیں بھی بازاروں میں جانا پڑتا تھا۔ کھانا پینا اور بازاروں میں چلنا مقام نبوت اور شان رسالت کے منافی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان نفوس قدسیہ کو وہ اعلیٰ خصوصیات، پاکیزہ سیرت، خوبصورت صفات، عمدہ اقوال، پسندیدہ افعال، حیران کن معجزات اور قطعی دلائل عطا فرمائے جن سے ہر صاحب عقل و بصیرت ان کی نبوت و رسالت کی صداقت پر استدلال کر سکتا ہے۔ اس قسم کی یہ آیات بھی ہیں: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰی (یوسف:109) ''اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے مگر مرد جنکی طرف ہم نے وحی بھیجی بستی والوں سے''۔ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ (الانبیاء:8) ''اور ہم نے ان انبیاء کے ایسے جسم نہیں بنائے کہ وہ کھاتے نہ ہوں'' فرمایا: وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ یعنی ہم تمہیں ایک دوسرے کے لئے آزمائش بناتے ہیں اور تم میں سے ہر ایک کو اپنے مقابل سے آزماتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ فرمانبردار کون ہے اور نافرمان کون، اس لئے فرمایا: اَتَصْبِرُوْنَ یعنی تمہیں صبر کرنا ہوگا اور تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ کون نبوت کا مستحق ہے جیسا کہ فرمایا: اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الانعام:124) ''اللہ تعالیٰ (اس بات کو) بہتر جانتا ہے جہاں وہ اپنی رسالت کو رکھتا ہے''، اور اللہ تعالیٰ یہ بھی پورا پورا علم رکھتا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون نہیں۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ اس

1۔ دیکھئے تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 191، روح المعانی، جلد 18 صفحہ 249، المحتسب از ابن جنی، جلد 2 صفحہ 119-120

فرمان کا مقصد یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اپنے پیغمبروں کو بکثرت دنیا دے دیتا جس کے لالچ میں سب لوگ ان کے پیروکار بن جاتے اور کوئی ان کی مخالفت نہ کرتا لیکن اللہ تعالیٰ آزمانا چاہتا ہے تاکہ سچے اور جھوٹے میں امتیاز ہو جائے(1)۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تجھے اور تمہارے ذریعے لوگوں کو آزمانے والا ہوں''(2)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں چاہتا تو اللہ تعالیٰ میرے ساتھ سونے اور چاندی کے پہاڑ چلا دیتا''(3)۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ اختیار دیا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو نبی اور بادشاہ بن جائیں اور اگر چاہیں تو بندہ اور رسول بن جائیں تو آپ نے بندہ اور رسول بننا پسند کیا(4)۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَ عَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ۝ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَ يَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝ وَ قَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِيْلًا ۝

''اور کہا ان لوگوں نے جو امید نہیں رکھتے تھے ہم سے ملنے کی کہ کیوں نہ اتارے گئے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو۔ وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگے تھے اپنے دلوں میں اور انہوں نے حد سے بڑھ کر سرکشی کی۔ جس روز وہ دیکھیں گے فرشتوں کو تو کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اس روز مجرموں کے لئے اور فرشتے کہیں گے تمہارے لئے (جنت کا داخلہ) قطعاً حرام ہے۔ اور ہم متوجہ ہوں گے ان کے کاموں کی طرف اور انہیں گرد و غبار بنا کر اڑا دیں گے۔ اہل جنت کا اس دن بہت اچھا ٹھکانا ہوگا اور دوپہر گزارنے کی جگہ بڑی آرام دہ ہوگی''۔

کفار کی اپنے کفر میں سرکشی اور عناد کو بیان کیا جا رہا ہے، ان کا مطالبہ تھا کہ جس طرح پیغمبروں کے پاس فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لے کر آتے ہیں، اس طرح وہ ہمارے پاس کیوں نہیں آتے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ان کے متعلق فرمایا: قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ (الانعام: 124) ''کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہمیں بھی ویسا ہی نہ دیا جائے جیسے اللہ کے رسولوں کو دیا گیا''۔ اس فرمان لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتے ہمارے سامنے آ کر ہمیں کیوں نہیں بتاتے کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، بالکل اسی طرح کا یہ فرمان بھی ہے: اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا (بنی اسرائیل: 92) اس کی تفسیر سورۂ سبحان میں گزر چکی ہے۔ یہاں بھی ان کی یہی فرمائش ہے کہ فرشتے ہمارے پاس آ کر حقیقت حال سے آگاہ کریں یا ہم بے حجاب اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں۔ انہیں اس بات کی جسارت اس لئے ہوئی کہ وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگے تھے اور سرکشی کی انتہا کو پہنچ چکے تھے۔ اگر ان کا مطالبہ پورا کر دیا جاتا تو بھی یہ ایمان نہ لاتے جیسا کہ فرمایا: وَ لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى ... يَجْهَلُوْنَ (الانعام: 112) ''اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتارتے اور مردے ان سے باتیں کرنے لگتے اور ہم ہر چیز کو ان کے روبرو جمع کر دیتے تب بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہتا لیکن اکثر لوگ ان سے بالکل غافل ہیں''۔ فرمایا: يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ یعنی انہیں فرشتے دکھائی تو دیں گے لیکن اس دن جو ان کے لئے خیر اور مسرت کا حامل نہیں ہوگا۔ اس سے مراد حالت نزع کا وقت ہے جب فرشتے ان کے پاس

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 194-195
2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2197
3۔ 2۔ ابو الحسن بن عرفۃ، جلد 52-53 عن عائشۃ رضی اللہ عنہا
4۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 231 عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

آتے ہیں اور انہیں آتش جہنم اور غضب الٰہی کی نوید سناتے ہیں۔ جب کافر پر سکرات موت طاری ہوتی ہے تو فرشتے اسے کہتے ہیں: اے خبیث روح جو خبیث جسم میں تھی باہر نکل، گرم ہوا، کھولتے ہوئے پانی اور سیاہ گرم دھوئیں کی طرف نکل۔ وہ نکلنے سے انکار کر دیتی ہے اور بدن میں منتشر ہو کر چھپتی پھرتی ہے، فرشتے اسے مارتے پیٹتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ (الانفال:50) ''اور اگر تو دیکھے جب فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں (اور) مارتے ہیں ان کے چہروں پر اور ان کی پشتوں پر''۔ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ... وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ (الانعام:93) ''کاش تم دیکھو جب ظالم موت کی سختیوں میں (گرفتار) ہوں اور فرشتے بڑھا رہے ہوں (ان کی طرف) اپنے ہاتھ (اور انہیں کہیں کہ) نکالو اپنی جانوں کو۔ آج تمہیں دیا جائے گا ذلت کا عذاب اس وجہ سے کہ تم بہتان لگاتے تھے اللہ تعالیٰ پر ناحق اور تم اس کی آیتوں (کے ماننے) سے تکبر کیا کرتے تھے''۔ موت کے وقت مومنوں کا حال ان کے برعکس ہوتا ہے، انہیں جلیل القدر انعامات اور ابدی مسرتوں کی نوید سنائی جاتی ہے جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ... نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ (حم السجدۃ:30-32) ''بے شک وہ سعادت مند جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ قول پر پختگی سے قائم رہے، ان پر فرشتے اترتے ہیں اور (انہیں کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو، تمہیں بشارت ہو جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے دوست ہیں دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ شے ہے جو تم مانگو گے۔ یہ میزبانی ہے غفور رحیم کی طرف سے''۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے: ''فرشتے مومن کی روح سے کہتے ہیں کہ اے پاک روح جو پاک جسم میں تھی، تو راحت و آرام، عمدہ رزق اور اپنے پروردگار کی طرف چل جو تجھ پر ناراض نہیں ہے۔ سورۂ ابراہیم کی اس آیت يُثَبِّتُ اللّٰهُ ... کے تحت یہ حدیث تفصیل سے گزر چکی ہے(1)۔ بعض دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ اس سے مراد قیامت کے دن فرشتوں کو دیکھنا ہے لیکن ان دونوں اقوال کے درمیان کوئی منافات اور تضاد نہیں کیونکہ موت کے دن اور قیامت کے دن دونوں موقعوں پر فرشتے مومنوں اور کافروں کے سامنے آئیں گے۔ اہل ایمان کو وہ رحمت و رضوان کی نوید سنائیں گے اور کافروں کو خسارہ اور عذاب کی خبر دیں گے۔ یہ دن مجرموں کے لئے خوشی کا دن نہیں ہوگا اور فرشتے انہیں صاف صاف کہہ دیں گے: حِجْرًا مَّحْجُوْرًا یعنی آج فلاح تم پر حرام ہے۔ حجر کا لغوی معنی ہے روکنا۔ قاضی جب کسی کو اس کے افلاس، یا بے وقوفی یا کمسنی یا کسی اور وجہ سے مال میں تصرف کرنے سے روک دے تو کہا جاتا ہے: ''حَجَرَ الْقَاضِيْ عَلٰى فُلَانٍ''۔ حطیم کو بھی حجر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ طواف کرنے والوں کو اپنے اندر طواف کرنے سے روکتا ہے بلکہ اس کے باہر سے طواف کیا جاتا ہے۔ عقل کو بھی حجر کہتے ہیں کیونکہ یہ انسان کو غیر شائستہ اور برے کاموں سے روکتی ہے۔ الغرض وَيَقُوْلُوْنَ کی ضمیر کا مرجع فرشتے ہیں(2)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اس کا معنی بتاتے ہیں کہ فرشتے انہیں کہیں گے کہ تم ان خوشخبریوں سے محروم ہو جو خوشخبریاں مومنوں کو دی جاتی ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وَيَقُوْلُوْنَ کا فاعل کافر ہیں اور حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ان کا مقولہ ہے۔ وہ فرشتوں کو دیکھ کر ان سے پناہ مانگتے ہوئے کہتے ہیں: حِجْرًا مَّحْجُوْرًا۔ اگر کسی پر کوئی مصیبت اتر آئے تو عرب یہی کہتے ہیں۔ اگرچہ ان الفاظ کا اس معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں سیاق کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ معنی بعید ہے خصوصاً اس وقت جب جمہور نے اس کی مخالفت کی ہے۔ البتہ حضرت مجاہد سے اس کا معنی ''عَوْذًا مُّعَاذًا'' (ہمیں بچاؤ) مروی ہے جس میں اس بات کا

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ابراہیم:27 2۔ تفسیر طبری، جلد 19، صفحہ 3

احتمال ہے کہ یہ مقولہ کفار کا ہے لیکن ایک اور روایت میں ان سے صراحتاً مروی ہے کہ یہ قول فرشتوں کا ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا: وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا یہ قیامت کے دن اس وقت ہوگا جب اللہ تعالیٰ بندوں کے نیک و بد اعمال کا محاسبہ کرے گا۔ اس وقت کفار کے اعمال اکارت جائیں گے جنہیں وہ اپنی نجات کا ذریعہ سمجھے ہوئے تھے کیونکہ ان کے اعمال میں قبولیت کی شرط مفقود تھی یعنی نہ ان میں اخلاص کارفرما تھا اور نہ یہ شریعت کے مطابق تھے۔ ہر وہ عمل باطل اور بے کار ہے جس میں نہ خلوص پایا جائے اور نہ وہ شریعت کے موافق ہو۔ کفار کے اعمال نہ صرف ایک شرط سے بلکہ ان دونوں شرطوں سے خالی ہیں اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مردود ہیں اور ان کی قبولیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اس لئے فرمایا: وَقَدِمْنَآ ۔ بعض کے نزدیک قدمنا کا معنی ہے ہم قصد کریں گے اور بعض کے نزدیک اس کا معنی ہے ہم رد کر دیں گے۔ روشندان سے جب دھوپ اندر آ رہی ہو تو اس میں جو باریک باریک ذرے نظر آتے ہیں، انہیں "ھباء" کہا جاتا ہے(1)۔ لیکن اگر کوئی ان ذرات کو پکڑنا چاہے تو نہیں پکڑ سکتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا سے مراد وہ پانی ہے جسے زمین پر بہا دیا گیا ہو۔ یہ جس طرح ہاتھ نہیں آتا اسی طرح کفار کے اعمال بے فائدہ ہیں۔ اس کے اور بھی معانی بیان کئے گئے ہیں یعنی غبار، درختوں کے پتوں کا چورا جسے ہوا ادھر ادھر بکھیر دے اور راکھ۔ ان تمام اقوال سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ کفار کے اعمال جنہیں وہ بہت مفید، نفع بخش اور باعث نجات سمجھ رہے ہیں، جب انہیں عادل و حاکم حقیقی خدا کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا تو وہ بے سود، بے کار اور غیر مفید ثابت ہوں گے۔ ان کی مثال بکھری ہوئی کسی معمولی اور ردی چیز کی سی ہے جس سے کچھ نہیں حاصل ہوتا جیسا کہ فرمایا: مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ (ابراہیم:18) "ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا ایسی ہے کہ ان کے اعمال راکھ کا ڈھیر ہیں جسے تند ہوا تیزی سے اڑا لے گئی"، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۔ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا (البقرہ:264) "اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور دکھ پہنچا کر مت ضائع کرو اس آدمی کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور قیامت کے دن پر یقین نہیں رکھتا، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چکنی چٹان ہو جس پر مٹی پڑی ہو، پھر اس پر زور کی بارش برسے اور اسے چٹیل صاف پتھر بنا چھوڑے۔ (ریاکار) کچھ بھی حاصل نہ کر سکیں گے اس سے جو انہوں نے کمایا"، وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا (النور:39) "اور کفار کے اعمال ایسے ہیں جیسے کسی چٹیل میدان میں سراب ہو جسے پیاسا پانی خیال کرتا ہے حتی کہ جب اس کے قریب آتا ہے تو اسے کچھ نہیں پاتا"۔ ان کے برعکس جنتیوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا: اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَىِٕذٍ ۔ کیونکہ دونوں فریق یکساں اور برابر نہیں ہو سکتے۔ جنتی ہی وہ سعادت مند ہیں جنہیں حقیقی اور مکمل کامیابی حاصل ہوگی۔ جنت میں انہیں اعلیٰ درجات اور پرسکون بالا خانے عطا کئے جائیں گے۔ وہ وہاں ہر قسم کی راحت، دلکش مناظر اور پرفضا مقامات سے لطف اندوز ہوں گے۔ ان کے برعکس جہنمیوں کو دوزخ کے گڑھوں میں پھینک دیا جائے گا، دائمی حسرت و ندامت ان پر مسلط ہوگی اور وہ اس برے اور تکلیف دہ ٹھکانے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انواع واقسام کے عذابوں اور سزاؤں کا سامنا کرتے رہیں گے۔ اہل ایمان چونکہ نیک اعمال کرتے رہے اس لئے انہیں جنت میں اچھا ٹھکانا اور عمدہ قرارگاہ نصیب ہوگی لیکن دوزخی اس دن ہر راحت اور ہر نعمت سے محروم رہیں گے کیونکہ انہوں نے کوئی ایسا عمل کیا ہی نہ تھا جو انہیں دوزخ سے بچا کر جنت میں پہنچانے کا سبب بنتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سعادت مندوں کا حال بیان کر کے بدبختوں کی حالت پر تنبیہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 4

فرمادی کہ خیر نام کی کوئی چیز انہیں بالکل حاصل نہیں ہوگی۔ حضرت ابن عباس وَّ اَحْسَنُ مَقِيْلًا کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد وہ گھڑی ہے جس میں جنتی دوپہر کے وقت اپنی حوروں کے ساتھ آرام کریں گے اور جہنمی اس وقت شیاطین کے ساتھ جکڑے ہوئے کرب و الم کا شکار ہوں گے۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دوپہر کو حساب سے فارغ ہوگا تو جنتی دوپہر کا وقت جنت میں گزاریں گے اور دوزخی دوزخ میں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَىِٕذٍ ... حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ مجھے وہ گھڑی معلوم ہے جس میں جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جائیں گے۔ یہ دوپہر کی گھڑی ہے جس میں لوگ اپنے گھر پلٹ کر قیلولہ کرتے ہیں، اسی گھڑی میں جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جائیں گے۔ جنتیوں کا قیلولہ جنت میں ہوگا اور انہیں مچھلی کی کلیجی کھلائی جائے گی جس سے وہ خوب سیر ہو جائیں گے، یہی مقصد اس فرمان کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آدھا دن گزرنے سے پہلے جہنمی جہنم میں اور جنتی جنت میں قیلولہ کریں گے، پھر آپ نے مذکورہ آیت کے علاوہ یہ آیت بھی پڑھی: ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ (الصافات:68) ''پھر انہیں لوٹا دیا جائے گا جحیم کی طرف''(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنتی جنت کے بالا خانوں میں آرام کریں گے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے حضور صرف سرسری سی پیشی ہوگی اور یہی آسان حساب ہے جس کا ذکر اس فرمان میں ہے: فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۙ وَّ يَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا (الانشقاق:8-7) ''پس جس کا نامہ عمل اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو اس سے حساب آسانی سے لیا جائے گا اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف خوش خوش لوٹے گا''(2)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ مستقر اور مقیل سے مراد ٹھکانا اور منزل ہے۔ صفوان بن محرز فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن دو آدمیوں کو لایا جائے گا، ایک وہ جو ساری دنیا کا بادشاہ تھا، اس سے حساب لیا جائے گا لیکن اس کی عمر بھر میں ایک نیکی بھی نہ نکلے گی، چنانچہ اسے جہنم میں لے جانے کا حکم ہوگا، پھر دوسرا شخص آئے گا جس نے کمبل میں عمر بسر کی تھی، اس سے حساب لیا جائے گا تو وہ کہے گا: اے پروردگار! میرے پاس تو دنیا میں کچھ تھا ہی نہیں جس کا مجھ سے حساب لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے بندے نے سچ کہا ہے، اسے چھوڑ دو۔ چنانچہ اسے جنت میں لے جانے کا حکم ہوگا۔ پھر کچھ عرصہ بعد دونوں کو بلایا جائے گا تو جہنمی بادشاہ سیاہ کوئلے کی طرح ہوگا۔ اس سے پوچھا جائے گا کہ کس حال میں ہو؟ وہ کہے گا کہ بہت برے ٹھکانے میں ہوں۔ اسے کہا جائے گا کہ جہنم میں لوٹ جاؤ۔ پھر جنتی کو بلایا جائے گا، اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح جگمگا رہا ہوگا، اس سے پوچھا جائے گا کہ کس حال میں ہو؟ وہ کہے گا کہ بہترین ٹھکانہ میسر ہے۔ پھر اسے واپس جنت میں لوٹ جانے کا حکم ہوگا۔ سعید صواف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مومن پر قیامت کا دن اس قدر مختصر ہوگا جیسے عصر سے مغرب تک کا وقت۔ لوگوں کے حساب سے فارغ ہونے تک وہ جنتی باغات میں ٹہلیں گے یہی مطلب اس آیت اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ - کا ہے(2)۔

وَ يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ تَنْزِيْلًا ۝ اَلْمُلْكُ يَوْمَىِٕذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَ كَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ۝ وَ يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ۝

1۔ مستدرک حاکم، جلد 2 صفحہ 402
2۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 5

”اور یاد کرو جس روز پھٹ جائے گا آسمان اور بادل نمودار ہوگا اور اتارے جائیں گے فرشتے گروہ در گروہ۔ اس دن سچی بادشاہی (خداوند) رحمٰن کی ہوگی اور وہ دن کافروں کے لئے بڑا مشکل ہوگا۔ اور اس روز ظالم (فرط ندامت سے) کاٹے گا اپنے ہاتھوں کو (اور) کہے گا کاش! میں نے اختیار کیا ہوتا رسول (مکرم) کی معیت میں (نجات کا) راستہ۔ ہائے افسوس! کاش نہ بنایا ہوتا میں نے فلاں کو اپنا دوست۔ واقعی اس نے بہکا دیا مجھے اس قرآن سے اس کے میرے پاس آجانے کے بعد۔ اور شیطان تو ہمیشہ سے انسان کو (مشکل کے وقت) بے یار و مددگار چھوڑنے والا ہے“۔

وقوع قیامت کا ہولناک منظر بیان کیا جارہا ہے کہ آسمان پھٹ جائے گا اور اس کی جگہ سفید بادل نمودار ہوگا جس کی نورانیت سے آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی، پھر فرشتے اتریں گے اور میدان حشر میں تمام مخلوقات کو گھیر لیں گے، پھر اللہ تعالیٰ فیصلے فرمانے کے لئے تشریف لائے گا جیسا کہ ارشاد ہے: هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ (البقرۃ:210) ”کیا وہ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس اللہ چھائے ہوئے بادلوں میں آئے اور فرشتے“۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنات، انسان، حیوانات، چوپائے، درندے، پرندے اور کل مخلوق کو جمع کرے گا، پھر آسمان دنیا پھٹ جائے گا تو اس میں سے تمام جن و انس بلکہ تمام مخلوقات سے بھی زیادہ فرشتے ظاہر ہوں گے اور وہ جن و انس سمیت کل مخلوق کو گھیر لیں گے، پھر دوسرا آسمان پھٹے گا تو اس کے فرشتے اتر کر آسمان سے اترنے والے فرشتوں اور جن و انس سمیت تمام مخلوق کا احاطہ کر لیں گے، ان کی تعداد آسمان دنیا کے فرشتوں اور کل مخلوق کی تعداد سے زیادہ ہوگی، پھر تیسرا آسمان پھٹے گا تو اس میں سے اترنے والے فرشتوں کی تعداد پہلے اور دوسرے آسمان کے فرشتوں اور تمام مخلوق کی تعداد سے زیادہ ہوگی اور یہ سبھی کو گھیر لیں گے، پھر اسی طرح باقی آسمان باری باری پھٹیں گے اور ہر ایک کے فرشتوں کی تعداد پہلے آسمانوں کے فرشتوں کی مجموعی تعداد اور کل مخلوق کی تعداد سے زیادہ ہوگی پھر اللہ تعالیٰ ابر کے سائے میں نزول اجلال فرمائے گا، اس کے اردگرد مقرب فرشتے ہوں گے جن کی تعداد سات آسمانوں کے فرشتوں، جن و انس اور کل مخلوق کی تعداد سے زیادہ ہوگی، ان پر نیزے کی گرہ جیسے سینگوں کے نشانات ہوں گے، عرش تلے خدا کی تسبیح تہلیل اور تقدیس سے ان کی زبانیں زمزمہ سنج ہوں گی، ان میں سے ہر ایک کے تلوے سے لے کر ٹخنے تک کی مسافت پانچ سو سال کی ہوگی اور ٹخنے سے گھٹنے تک بھی پانچ سو سال کا فاصلہ ہوگا، اسی طرح گھٹنے اور ناف کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہوگی، ناف سے لے کر سینے تک بھی اتنا فاصلہ ہوگا، سینے سے کان کی لو تک بھی اتنا ہی فاصلہ ہوگا اور اس سے اوپر بھی اتنی ہی مسافت ہوگی۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب یہ آسمان پھٹے گا تو اس میں سے جن و انس سے زیادہ فرشتے نمودار ہوں گے، چونکہ اس دن زمین و آسمان والے ملیں گے اس لئے اس دن کو یَوْمُ التَّلَاق کہا جاتا ہے۔ زمین والے کہیں گے کہ ہمارا رب تشریف لے آیا؟ فرشتے انہیں بتائیں گے کہ ابھی اللہ تعالیٰ تشریف نہیں لایا، وہ آنے ہی والا ہے، پھر یکے بعد دیگرے سب آسمان پھٹیں گے اور ہر ایک سے پہلے سے زیادہ فرشتوں کا نزول ہوگا۔ ساتوں آسمانوں کے فرشتوں کے نازل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں کا ظہور ہوگا پھر اللہ تعالیٰ عرش پر جلوہ فرما ہوگا جسے آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے، جن میں سے ہر ایک فرشتے کے ٹخنے سے گھٹنے تک ستر سال کی مسافت ہے اور اسی طرح ران اور کندھے کے درمیان بھی ستر سال کا فاصلہ ہے۔ ان میں سے کوئی فرشتہ دوسرے کی طرف متوجہ نہیں ہوگا، ہر ایک اپنا سر سینے پر جھکائے ہوئے ”سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ“ کا ورد کر رہا ہوگا۔ ان

کے سروں پر کھجوروں کے خوشے جیسی کوئی چیز پھیلی ہوئی ہوگی، اس کے اوپر عرش ہوگا(1)۔ یہ روایت منکر ہے اور اس کا راوی علی بن زید بن جدعان ضعیف ہے۔ حدیث صور اس کے قریب قریب ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے: فَيَوْمَىِٕذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ وَ انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَىِٕذٍ وَّاهِيَةٌ ۝ وَّ الْمَلَكُ عَلٰۤى اَرْجَآىِٕهَا ؕ وَ يَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ ثَمٰنِيَةٌ (الحاقۃ: 17-15) ”تو اس روز ہونے والا واقعہ ہو جائے گا اور آسمان پھٹ پڑے گا تو وہ اس دن بالکل بودا ہوگا اور فرشتے اس کے کناروں پر مقرر کر دیئے جائیں گے اور اس روز آپ کے رب کے عرش کو آٹھ فرشتوں نے اپنے اوپر اٹھا رکھا ہوگا“۔ شہر بن حوشب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے عرش کو اٹھانے والے آٹھ فرشتوں میں سے چار کی تسبیح یہ ہے: ”سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ“ ”اے اللہ! تو پاک ہے، تو ہی ہر تعریف کا سزاوار ہے، علم کے باوجود حلم سے کام لینے پر ہم تیری تعریف کرتے ہیں“ اور باقی چار اس تسبیح میں مصروف ہیں: ”سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ“(2)۔ ابوبکر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ زمین والے جب اوپر سے عرش کو اترتا ہوا دیکھیں گے تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، ان کے پیٹوں میں ان کے گردے کانپنے لگیں گے اور ان کے دل منہ کو آئیں گے(3)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف اترے گا تو اس کے اور مخلوق کے درمیان ستر ہزار پردے ہوں گے، بعض نور کے اور بعض ظلمت کے۔ اس ظلمت میں سے ایسی آواز برآمد ہوگی کہ دل دہل جائیں گے۔ یہ روایت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔ اس کے بعد فرمایا: اَلْمُلْكُ يَوْمَىِٕذٍ اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن: 16) ”آج کس کی بادشاہی ہے؟ صرف اللہ کی جو واحد اور قہار ہے“۔ حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں لے لے گا اور دوسرے ہاتھ میں زمینوں کو لے لے گا، پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، میں حساب لے کر بدلہ دینے والا ہوں، کہاں ہیں زمین کے بادشاہ؟ کہاں ہیں وہ سرکش اور کہاں ہیں وہ متکبر؟(3) پھر فرمایا: وَ كَانَ يَوْمًا یعنی کفار پر یہ دن بہت سخت اور بھاری ہوگا کیونکہ یہ عدل اور فیصلہ کا دن ہے جیسا کہ فرمایا: فَذٰلِكَ يَوْمَىِٕذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ (المدثر: 10-9) ”تو وہ دن بڑا سخت ہوگا، کافروں پر آسان نہ ہوگا“۔ اس دن کافروں کا یہ حال ہوگا لیکن مومنوں کی کیفیت وہ ہوگی جو اس آیت میں مذکور ہے: لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ (الانبیاء: 103) ”انہیں وہ بڑی گھبراہٹ غم ناک نہ کرے گی“۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عرض کی گئی: یا رسول اللہ ﷺ! پچاس ہزار سال کا دن، یہ دن کتنا طویل ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے اس کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! یہ طویل مدت مومن کے لئے اتنی ہوگی جتنی فرض نماز جسے وہ دنیا میں ادا کرتا ہے“(4)۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَ يَوْمَ يَعَضُّ ۔۔۔۔ یہاں اس ظالم کی ندامت کا حال بیان ہو رہا ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی، آپ کے لائے ہوئے حق مبین کی تکذیب کی اور غلط روش اختیار کی۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو یہ ظالم حسرت و ندامت سے اپنے ہاتھ کاٹے گا لیکن یہ ندامت اس کے کسی کام نہیں آئے گی۔ اس آیت کا نزول عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں ہو یا کسی اور بدبخت کے متعلق، بہرصورت اس کا حکم ہر ظالم کو شامل ہے جیسا کہ فرمایا: يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۔۔۔ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا (الاحزاب: 66) ”جس روز وہ منہ کے بل آگ میں پھینکے جائیں گے تو کہیں گے اے کاش! ہم نے اطاعت کی ہوتی اللہ کی اور ہم نے اطاعت کی ہوتی رسول اکرم کی“۔ قیامت کے دن ہر ظالم فرط

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 6-7
2۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 7
3۔ صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2148، سنن ابی داؤد، جلد 4 صفحہ 234 وغیرہ 2۔ المدثر: 9-10
4۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 75

ندامت سے اپنے ہاتھ چباتے ہوئے کہے گا: يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ ... خَلِيْلًا۔ امیہ بن خلف، ابی بن خلف اور ان کی روش اختیار کرنے والوں کا یہی حال ہوگا(1)۔ وہ کہے گا: لَقَدْ اَضَلَّنِيْ ... یعنی اس نے مجھے قرآن کریم سے بہکا دیا حالانکہ وہ میرے پاس پہنچ چکا تھا۔ فرمایا: وَكَانَ الشَّيْطٰنُ ... یعنی شیطان انسان کو حق سے منحرف کر کے باطل کی راہ پر لگا دیتا ہے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ۝

"اور رسول عرض کرے گا میرے رب! بلاشبہ میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ اور (اے حبیب!) اسی طرح ہم نے بنائے ہر نبی کے لئے دشمن جرائم پیشہ لوگوں سے۔ اور کافی ہے آپ کا رب (آپ کے لئے) منزل مقصود تک پہنچانے والا اور مدد فرمانے والا"۔

رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ ان لوگوں نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ کیونکہ جب قرآن پڑھا جاتا تو مشرکین نہ خاموشی اختیار کرتے اور نہ اسے غور سے سنتے بلکہ دوسروں کو شوروغل کرنے پر اکساتے جیسا کہ فرمان ہے: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ (حم السجدة:26) "اور کافر کہنے لگے کہ مت سنا کرو اس قرآن کو اور اس کی تلاوت کے درمیان شور مچا دیا کرو"۔ جب قرآن کریم کی تلاوت ہوتی تو مشرکین خوب شوروغل کرتے تا کہ کوئی قرآن کریم کو نہ سنے، یہی ان کا قرآن کریم کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا تھا، اسی طرح قرآن کریم پر ان کا ایمان نہ لانا، اس کی تصدیق نہ کرنا، اس میں غوروتدبر سے کام نہ لینا، اس پر عمل نہ کرنا، اس کے اوامر کی بجا آوری نہ کرنا، اس کے نواہی سے اجتناب نہ کرنا، اس سے انحراف کر کے شعروغنا، لہوولعب، برے کلام اور اس کے منافی طریقے کو اپنانا، یہ سب چیزیں قرآن کے ترک کرنے میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ وہ ہمیں ہر اس چیز سے محفوظ رکھے جو اس کی ناراضگی کا سبب بنے اور ہر اس عمل کی توفیق عطا فرمائے جو اس کی رضا کا موجب بنے اور قرآن کریم کو یاد کرنے، اسے سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے! دوسری آیت میں فرمایا: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ ... یعنی اے میرے پیارے رسول ﷺ! جس طرح آپ کی قوم نے قرآن کریم کو نظر انداز کر دیا، اسی طرح پہلی قوموں نے بھی کیا کیونکہ ہم نے ہر نبی کے لئے جرائم پیشہ لوگوں میں سے دشمن بنا دیئے جو لوگوں کو گمراہی اور کفر کی دعوت دیتے تھے جیسا کہ فرمایا: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ (الانعام:113) "اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے سرکش انسان اور جن دشمن بنا دیئے"۔ اس لئے یہاں فرمایا: وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا یعنی آپ کا رب ہر اس شخص کے لئے کافی ہے جو اس کے رسول ﷺ کی اتباع کرے، اس کی کتاب پر ایمان لائے اور اس کی تصدیق کرتے ہوئے اس کی پیروی کرے اور ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں منزل مقصود تک پہنچانے والا اور اس کی مدد فرمانے والا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات ہادی اور ناصر ذکر کی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین لوگوں کو اتباع قرآن سے روکتے تھے تا کہ کوئی قرآن کریم سے ہدایت نہ حاصل کر سکے اور ان کا طریقہ قرآن کے طریقہ پر غالب رہے اس لئے فرمایا: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ ...

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ

1۔ اس کے متعلقہ آثار کی تفصیل کیلئے دیکھئے تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 7-9، الدر المنثور، حصہ 6 صفحہ 250-254

فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾
اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾

''اور کہنے لگے کفار (ازراہ اعتراض) کیوں نہیں اتارا گیا ان پر قرآن یک بارگی؟ اس طرح اس لئے کیا کہ ہم مضبوط کر دیں اس کے ساتھ آپ کے دل کو اور اسی لئے ہم نے ٹھہر ٹھہر کرا سے پڑھا ہے۔ اور نہیں پیش کریں گے آپ پر کوئی اعتراض مگر ہم لائیں گے آپ کے پاس اس کا صحیح جواب اور عمدہ تفسیر۔ (جو اعتراض کو رد کر دے گی) جو لوگ ہانکے جائیں گے اوندھے منہ جہنم کی طرف، ان کا بہت برا ٹھکانا ہوگا اور وہ سب سے زیادہ گم کردہ راہ ہوں گے''۔

کفار کے اعتراض، ہٹ دھرمی اور لایعنی مطالبہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ جس طرح تورات، انجیل، زبور اور دیگر آسمانی صحیفے یکبارگی نازل ہوئے ہیں، اس طرح قرآن یکبارگی کیوں نازل نہیں ہوا۔ اس کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تئیس سال کے عرصہ میں واقعات اور حوادثات کے پیش نظر جوں جوں ضرورت پڑی، اس کے احکام نازل ہوتے گئے تاکہ اہل ایمان کے دل اس سے مستحکم ہو جائیں اور وقفہ وقفہ سے احکام اترنے کے سبب عمل کرنا ان کے لئے آسان ہو جائے، اسی لئے فرمایا: لِنُثَبِّتَ بِهٖ۔ قتادہ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا کی وضاحت کرتے ہیں کہ ہم نے اسے خوب واضح کر دیا ہے۔ ابن زید اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اس کی تفسیر بیان کر دی ہے(1)۔ اس کے بعد فرمایا: وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ۔ یعنی یہ لوگ حق کے مقابلہ میں جو بھی حجت پیش کریں گے اور جو شبہ اور اعتراض لائیں گے ہم اس کا صحیح اور سچا جواب دیں گے جو ان کی بات سے زیادہ واضح اور فصیح ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ یہ قرآن کریم اور رسول کریم علیہ السلام کے متعلق جب بھی عیب جوئی کریں گے، ہم اس کے جواب کے لئے جبریل علیہ السلام کو بھیج دیں گے۔ صبح و شام، دن رات اور سفر و حضر میں فرشتہ کا بتدریج وحی لے کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونا آپ علیہ السلام کی جلالت شان اور فضیلت کی روشن دلیل ہے۔ پہلے جو آسمانی کتابیں نازل ہوئیں، ان کا نزول یکبارگی تھا لیکن حضور علیہ السلام پر قرآن کریم قسط وار نازل ہوتا رہا اور ہر بار فرشتہ وحی لے کر حاضر خدمت ہوتا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ علیہ السلام کا مقام و مرتبہ تمام پیغمبروں سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ قرآن کریم سب کتابوں سے افضل کتاب ہے اور حضرت محمد علیہ السلام تمام پیغمبروں سے زیادہ جلیل القدر اور صاحب عظمت پیغمبر ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں یہ دونوں صفات (یکبارگی اور تدریجاً نازل ہونے کی) ایک ساتھ موجود ہیں۔ عالم بالا میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا میں بیت العزۃ تک اس کا نزول یکبارگی ہوا پھر وہاں سے زمین تک اس کا نزول بتدریج حسب ضرورت ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آسمان دنیا تک قرآن کا نزول شب قدر میں یکبارگی ہوا پھر وہاں سے بیس سال تک تدریجاً اس کا نزول ہوتا رہا۔ پھر اس کی تائید میں آپ نے یہ آیت وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ... اور اس کے علاوہ یہ آیت پڑھی: وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا (بنی اسرائیل: 106) ''اور قرآن کو ہم نے جدا جدا کر کے نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا اتارا ہے''(2)۔ پھر کافروں کی بدترین حالت اور ذلت آمیز انجام کا ذکر کیا جس کا سامنا انہیں قیامت کے دن کرنا ہوگا، فرمایا: اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ .... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ علیہ السلام! قیامت کے دن کافر کو کس طرح اوندھے منہ گھسیٹا جائے گا؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''وہ جس نے اسے پیروں کے بل چلایا، وہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 14
2۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 5 صفحہ 133

قیامت کے دن اسے منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے"(1)۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ۟ۚۖ فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ۟ؕ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۟ۚۖ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ۟ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ؗ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ۟ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْۤ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ۟

"اور بے شک ہم نے عطا فرمائی موسیٰ کو کتاب اور مقرر کیا ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو (ان کا) وزیر۔ پھر ہم نے حکم دیا دونوں جاؤ اس قوم کی طرف جنہوں نے جھٹلایا ہے ہماری آیتوں کو۔ (وہ گئے، قوم نے ان کو ٹھکرا دیا) تو ہم نے ان کو بالکل برباد کر دیا۔ اور قوم نوح کو یاد کرو جب انہوں نے جھٹلایا رسولوں کو تو ہم نے انہیں غرق کر دیا اور بنا دیا انہیں دوسرے لوگوں کے لئے عبرت اور تیار کر رکھا ہے ہم نے ظالموں کے لئے دردناک عذاب۔ اور یاد کرو قوم عاد و ثمود اور اصحاب الرس کو اور ان کثیر التعداد قوموں کو جو ان کے درمیان گزریں۔ حق سمجھانے کے لئے ہم نے بیان کیں ہر ایک کے لئے مثالیں اور ہم نے سب کو نیست و نابود کر دیا۔ اور کئی بار گزر رہے ہیں یہ مشرک اس قصبہ کے پاس سے جس پر پتھراؤ کیا گیا تھا بری طرح۔ کیا (وہاں سے گزرتے ہوئے) وہ اسے نہیں دیکھا کرتے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہیں دوبارہ جینے کی امید ہی نہیں ہے"۔

حضور ﷺ کی تکذیب اور مخالفت کرنے والے مشرکین کو دردناک اور عبرتناک عذاب کی دھمکی دی جارہی ہے جیسا کہ اپنے رسولوں کو جھٹلانے والی سابقہ قومیں عذاب میں مبتلا ہوئیں۔ پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوا جنہیں اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں کی طرف مبعوث فرمایا اور آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو آپ کا وزیر اور معاون بنایا لیکن فرعونیوں نے دونوں کو جھٹلا دیا جس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ اسی طرح قوم نوح نے حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلایا تو ان کا بھی یہی حشر ہوا۔ چونکہ ایک نبی کی تکذیب سب انبیاء کی تکذیب کے مترادف ہے اس لئے یہاں الرسل جمع استعمال ہوا کیونکہ نفس نبوت و رسالت میں انبیاء کرام کے درمیان کوئی تفاوت اور فرق نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض ان کی طرف تمام رسول بھیجے جاتے تو یہ سبھی کی تکذیب کرتے اس لئے حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کو تمام پیغمبروں کی تکذیب کے قائم رکھتے ہوئے الرسل جمع کا صیغہ ذکر کیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی طرف بہت سے رسول آئے تھے۔ ان کی طرف صرف حضرت نوح علیہ السلام ہی مبعوث ہوئے جو لگاتار ساڑھے نو سال انہیں تبلیغ کرتے رہے اور عذاب سے خبردار کرتے رہے لیکن چند ایک کے سوا کوئی آپ پر ایمان نہ لایا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان تمام کافروں کو غرق کر دیا۔ روئے زمین پر بنی آدم میں سے صرف وہی بچے جو کشتی میں سوار تھے۔ ان کی ہلاکت اور بربادی لوگوں کے لئے درس عبرت بنادی گئی جیسا کہ فرمایا: اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۟ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ (الحاقہ: 12-11) "جب سیلاب حد سے گزر گیا تو ہم

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ فرقان، جلد 6 صفحہ 137۔ صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2161

نے تمہیں کشتی میں سوار کر دیا تا کہ ہم اس واقعہ کو تمہارے لئے یادگار بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اسے محفوظ رکھیں''۔ یعنی کشتی کو ہم نے تمہارے لئے طوفان سے نجات پانے اور سفر طے کرنے کا ذریعہ بنایا تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد رکھو کہ اس نے تمہیں اس طوفان سے بچا لیا اور ان لوگوں کی اولاد میں سے کیا جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔ قوم عاد اور قوم ثمود کا قصہ متعدد سورتوں میں بار ہا بیان ہو چکا ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ اَصْحٰبَ الرَّسِّ کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ قوم ثمود کی ایک بستی والے تھے (1)۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ یمامہ کی ایک بستی فلج میں رہنے والے تھے یہ وہی ہیں جن کا ذکر سورۂ یٰسین میں ہوا ہے۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''الرس'' آذربائیجان میں ایک کنواں ہے۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے نبی کو اس کنویں میں ڈال دیا۔ ابن اسحاق محمد بن کعب سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن ایک سیاہ فام غلام سب سے پہلے جنت میں جائے گا۔'' اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بستی والوں کی طرف اپنا نبی بھیجا لیکن اس بستی والوں میں سے بجز اس سیاہ فام غلام کے کوئی بھی ایمان نہ لایا بلکہ انہوں نے ظلم کی انتہا کرتے ہوئے اللہ کے اس نبی علیہ السلام کو ایک کنویں میں ڈال کر اس کے منہ پر ایک بھاری پتھر رکھ دیا۔ وہ غلام جنگل میں لکڑیاں کاٹ کر لاتا اور انہیں بیچ کر خورد و نوش کی چیزیں خریدتا۔ پھر انہیں لے کر کنویں پر چلا آتا، اور خداداد طاقت سے بھاری پتھر کو سرکاتا اور کھانے پینے کی اشیاء رسی کے ساتھ باندھ کر نیچے لٹکا دیتا، پھر وہ اس پتھر کو جوں کا توں کنویں کے دہانے پر رکھ دیتا۔ کافی عرصہ تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ایک دن اس نے حسب معمول لکڑیاں کاٹ کر گٹھا بنایا۔ جب اس نے اسے اٹھانے کا ارادہ کیا تو اسے اونگھ آ گئی۔ وہ لیٹا تو اس پر نیند مسلط ہو گئی۔ سات سال تک وہ سوتا رہا، اس طویل عرصے کے بعد اس کی آنکھ کھلی، اس نے انگڑائی لی اور کروٹ بدل کر پھر سو گیا۔ سات سال کے بعد وہ بیدار ہوا اور لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر چل پڑا۔ وہ یہی گمان کر رہا تھا کہ وہ تھوڑی دیر سویا ہے۔ چنانچہ اس نے حسب عادت لکڑیاں فروخت کر کے کھانا خریدا اور کنویں کی طرف چل دیا۔ جب وہ کنویں کی جگہ پہنچا تو کنواں وہاں موجود ہی نہ تھا۔ تلاش بسیار کے باوجود اسے کنواں نہ مل سکا۔ دراصل ہوا یہ کہ قوم کے دل میں ایمان لانے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے نبی کو کنویں سے نکالا اور ان پر ایمان لے آئے اور ان کی تصدیق کی۔ وہ نبی قوم سے اس سیاہ فام غلام کے متعلق دریافت کرتے رہے لیکن کسی نے اس کا پتہ نہ بتایا۔ نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد وہ غلام نیند سے بیدار ہوا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''یہ سیاہ فام سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا'' (2)۔ اس روایت میں غرابت اور نکارت ہے اور شاید ادراج بھی ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اصحاب الرس سے یہ لوگ مراد نہیں لئے جا سکتے کیونکہ قرآن کریم میں ان کی ہلاکت کا ذکر ہے لیکن مذکورہ بالا روایت میں جن لوگوں کا ذکر ہے وہ اپنے نبی پر ایمان لے آئے تھے، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی ہلاکت کے بعد ایمان لے آئے ہوں (3)۔ ابن جریر کا مختار قول یہ ہے کہ اصحاب الرس سے مراد اصحاب اخدود (خندق والے) ہیں جن کا ذکر سورۂ بروج میں ہوا ہے۔ پھر فرمایا: وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا یعنی ان کے درمیان گزرنے والی کثیر التعداد قوموں کو ہم نے ہلاک کر دیا، اس لئے فرمایا: وَكُلًّا ضَرَبْنَا یعنی ہم نے ان کے سامنے واضح دلائل پیش کئے اور معجزات دکھا کر ان کے تمام عذر بہانے ختم کر دیئے، اس کے بعد سب کو برباد کر دیا۔ جیسا کہ ارشاد ہے: وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ (بنی اسرائیل: 17) ''اور کتنی قومیں ہیں جنہیں ہم نے نوح علیہ السلام کے بعد ہلاک کر دیا''۔ قرن کا معنی ہے امت جیسا کہ فرمایا: ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ (المومنون: 42) ''پھر ہم نے ان

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 13، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 256　2۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 15-14　3۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 15

(کی بربادی) کے بعد کئی قومیں پیدا فرمائیں"۔ قرن کی مدت بعض کے نزدیک ایک سو بیس سال ہے بعض کے نزدیک سو سال بعض کے نزدیک اسی سال بعض کے نزدیک چالیس سال۔ علاوہ ازیں اس کے بارے میں اور بھی قول ہیں۔ زیادہ ظاہر بات یہی ہے کہ قرن سے مراد وہ امت ہے جس کے افراد ہم عصر ہوں۔ جب وہ مر جائیں اور نئی نسل ان کی جگہ لے لے تو یہ دوسری قرن ہوگی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر وہ جو اس کے بعد ہوں گے اور پھر وہ جو ان کے بعد ہوں گے"(1)۔ پھر فرمایا: وَلَقَدْ اَتَوْا یعنی ان کا گزر کئی بار قوم لوط کی بستی سدوم سے ہوا ہے جسے زمین پر الٹ دیا گیا اور اس پر بری طرح پتھر برسائے گئے جیسا کہ فرمایا: وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ (النمل: 58) "اور ہم نے ان پر پتھر برسائے پس تباہ کن تھا وہ جو ڈرائے جانے والوں پر"۔ وَ اِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَیْهِمْ مُّصْبِحِیْنَ ۙ وَ بِالَّیْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (الصافات: 138-137) "اور تم ان (کے اجڑے ہوئے دیاروں) پر صبح کے وقت اور رات کے وقت گزرتے ہو، کیا تم نہیں سمجھتے"۔ وَ اِنَّهَا لَبِسَبِیْلٍ مُّقِیْمٍ (الحجر: 76) "اور یہ بستی ایک آباد راستے پر واقع ہے"۔ وَ اِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ (الحجر: 79) "اور یہ دونوں بستیاں کھلی شاہراہ پر واقع ہیں"، اس لئے یہاں فرمایا: اَفَلَمْ یَكُوْنُوْا یَرَوْنَهَا یعنی کیا یہ کفار اجڑی ہوئی بستی کو دیکھ کر عبرت حاصل نہیں کرتے کہ اس بستی والوں کو اسلئے ہلاک کر دیا گیا کہ وہ اپنے رسول کو جھٹلاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کرتے تھے۔ دراصل یہ کفار اس لئے عبرت حاصل نہیں کرتے کیونکہ انہیں قیامت کے دن دوبارہ جینے کی امید ہی نہیں۔

وَ اِذَا رَاَوْكَ اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝ اِنْ كَادَ لَیُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْ لَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَیْهَا ؕ وَ سَوْفَ یَعْلَمُوْنَ حِیْنَ یَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ۝ اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا ۝ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ۝

"اور جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں (کہتے ہیں) کیا یہ وہ صاحب ہیں جن کو خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ قریب تھا کہ یہ شخص ہمیں بہکا دیتا اپنے خداؤں سے اگر ہم ثابت قدم نہ رہے ہوتے ان (کی پوجا) پر۔ (اے حبیب!) یہ جان لیں گے جب (ہمارے) عذاب کو دیکھیں گے کہ کون بھٹکا ہوا ہے راہ (راست) سے۔ کیا آپ نے ملاحظہ فرمایا اس (احمق) کو جس نے بنا لیا اپنا خدا اپنی خواہش کو کیا آپ اس کے ذمہ دار ہیں؟ کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے ہیں یا (کچھ) سمجھتے ہیں۔ نہیں ہیں یہ مگر ڈنگروں کی مانند بلکہ یہ تو ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں"۔

مشرکین جب رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے تو آپ ﷺ کا مذاق اڑاتے جیسا کہ ایک مقام پر فرمایا: وَ اِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا (الانبیاء: 36) اور یہاں فرمایا: وَ اِذَا رَاَوْكَ ... یعنی وہ آپ کی تنقیص اور بے ادبی کرتے ہوئے آپ کا مذاق اڑاتے اور کہتے کہ یہ وہ صاحب ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ ہر زمانے کے کافروں کا اپنے نبی کے ساتھ یہی سلوک رہا جیسا کہ فرمایا: وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ (الانعام: 10) "اور بلاشبہ آپ کے پہلے رسولوں کا مذاق اڑایا گیا"۔ مزید ان کا یہ کہنا

1۔ صحیح بخاری، کتاب الشہادات، جلد 3 صفحہ 224۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، جلد 4 صفحہ 1963

تھا: اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا ۔ یعنی قریب تھا کہ یہ شخص ہمیں بتوں کی عبادت سے بہکا دیتا اگر ہم ان کی عبادت پر ڈٹے نہ رہتے۔ اس پر انہیں دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو اس بات پر آگاہ فرما رہا ہے کہ جس شخص نے خواہش نفس کو اپنا خدا بنالیا ہے، اس پر گمراہی اور شقاوت لکھ دی گئی ہے، اب اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ ایسا خواہش پرست شخص ہر بری چیز کو اپنی خواہش کے آئینے میں بہت عمدہ خیال کرتا ہے جیسا کہ فرمایا: اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ۭ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ (فاطر: 8) ''پس کیا وہ شخص جس کے لئے مزین کر دیا گیا ہے اس کا برا عمل اور وہ اسے خوبصورت نظر آتا ہے بے شک اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے''، اس لئے یہاں فرمایا: اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عربوں کی یہ حالت تھی کہ جہاں کسی کو سفید پتھر ملتا، وہ اس کی پرستش میں لگ جاتا، پھر جب اس سے خوبصورت پتھر مل جاتا تو پہلے کی عبادت ترک کر کے اس کی عبادت شروع کر دیتا۔ پھر فرمایا: اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ ۔ یعنی ان کی حالت ڈنگروں سے بھی بدتر ہے کیونکہ یہ تو ان امور کو انجام دیتے ہیں جن کے لئے انہیں پیدا کیا گیا ہے لیکن یہ کافر جنہیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیروں کی عبادت میں لگ گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں حالانکہ پیغمبروں کے ذریعہ انہیں آگاہ کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ یکتا ہے اور وہی معبود حقیقی ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَاۗءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۝ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ۝ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ۝

''کیا آپ نے نہیں دیکھا اپنے رب کی طرف کیسے پھیلا دیتا ہے سایہ کو اور اگر چاہتا تو بنا دیتا اسے ٹھہرا ہوا۔ پھر ہم نے بنا دیا آفتاب کو اس پر دلیل۔ پھر ہم سمیٹے جاتے ہیں سایہ کو اپنی طرف آہستہ آہستہ۔ اور وہی ہے جس نے بنایا ہے تمہارے لئے رات کو لباس اور نیند کو باعث راحت اور بنایا ہے دن کو (طلب معاش کے لئے) دوڑ دھوپ کا وقت''۔

یہاں سے ان دلائل کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور مختلف و متضاد اقسام کی اشیاء پیدا کرنے پر اس کی قدرت کاملہ پر دلالت کرتے ہیں، فرمایا: اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ ۔ حضرات ابن عباس، ابن عمر، ابو العالیہ، مجاہد، سعید بن جبیر اور حسن وغیرہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد طلوع فجر سے لے کر طلوع آفتاب تک کا وقت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس کے سائے کو ٹھہرا ہوا اور ساکن ہی رکھتا جیسا کہ فرمایا: قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا ۔ (القصص: 71) پھر فرمایا: ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ یعنی اس سائے پر اگر سورج طلوع نہ ہوتا تو اس کی پہچان ہی نہ ہوتی کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ قتادہ اور سدی اس کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ ہم نے سورج کو ایسی دلیل بنایا ہے جو سائے کا پیچھا کرتے ہوئے اسے ختم کر دیتی ہے۔ پھر فرمایا: ثُمَّ قَبَضْنٰهُ ۔ یعنی پھر ہم اس سائے کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹے جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ''يسيراً'' کا معنی کیا ہے: تیزی سے۔ بعض نے قبضناہ کی ضمیر مفعول کا مرجع سورج کو بنایا ہے یعنی ہم سورج کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹتے ہیں۔ سدی کہتے ہیں کہ ہم چپکے چپکے اس سائے کو سمیٹتے رہتے ہیں یہاں تک کہ زمین پر سایہ باقی نہیں رہتا۔ صرف چھتوں اور درختوں کے نیچے سایہ باقی رہ جاتا ہے اور ان کے اوپر بھی سورج کی دھوپ ہوتی ہے۔

اگلی آیت میں فرمایا: وَھُوَالَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الَّیۡلَ۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کو ایسا لباس بنایا جو وجود کو ڈھانپ لیتا ہے جیسے فرمان ہے: وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰی (الیل:1) ''قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے'' اور نیند کو بندوں کی راحت کے لئے حرکت کو موقوف کرنے والا بنایا کیونکہ دن کے وقت کام کاج میں مشغول رہنے اور کسب معاش کے لئے دوڑ دھوپ کرنے کی وجہ سے اعضا تھک جاتے ہیں اور ان پر درماندگی چھا جاتی ہے۔ جب رات سایہ فگن ہوتی ہے تو سکون کی لہر دوڑ جاتی ہے، تمام اعضا محو استراحت ہو جاتے ہیں اور نیند انسان کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے جس سے روح و بدن دونوں کو راحت اور سکون حاصل ہوتا ہے اور دن کو اللہ تعالیٰ نے کسب معاش اور دیگر امور انجام دینے کا ذریعہ بنایا جیسا کہ فرمایا: وَمِنۡ رَّحۡمَتِہٖ جَعَلَ لَکُمُ الَّیۡلَ وَالنَّہَارَ لِتَسۡکُنُوۡا فِیۡہِ وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِہٖ (القصص:73) ''اور محض اپنی رحمت سے اس نے تمہارے لئے رات اور دن بنایا تا کہ تم رات میں آرام کرو اور (دن میں) اس کا فضل (رزق) تلاش کرو''۔

وَ ھُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ الرِّیٰحَ بُشۡرًۢا بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِہٖ ۚ وَ اَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَہُوۡرًا ﴿ۙ۴۸﴾ لِّنُحۡیِ بِہٖ بَلۡدَۃً مَّیۡتًا وَّ نُسۡقِیَہٗ مِمَّا خَلَقۡنَاۤ اَنۡعَامًا وَّ اَنَاسِیَّ کَثِیۡرًا ﴿۴۹﴾ وَ لَقَدۡ صَرَّفۡنٰہُ بَیۡنَہُمۡ لِیَذَّکَّرُوۡا ۫ۖ فَاَبٰۤی اَکۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوۡرًا ﴿۵۰﴾

''اور وہ وہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لئے اپنی رحمت (بارش) سے پہلے۔ اور ہم اتارتے ہیں آسمان سے پاکیزہ پانی۔ تا کہ ہم زندہ کر دیں اس پانی سے کسی غیر آباد شہر کو اور ہم پلائیں یہ پانی اپنی مخلوق سے کثیر التعداد مویشیوں اور انسانوں کو۔ اور ہم بانٹتے رہتے ہیں بارش کو لوگوں کے درمیان تا کہ وہ غور و فکر کریں۔ پس انکار کر دیا اکثر لوگوں نے مگر یہ کہ وہ ناشکر گزار بنیں گے''۔

یہاں بھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا ذکر فرما رہا ہے کہ وہ بارش سے پہلے ایسی ہوائیں بھیجتا ہے جو بارش کی خوشخبری دیتی ہیں۔ ہواؤں کی متعدد اقسام ہیں جو مختلف خصوصیات کی حامل ہیں اور ہر قسم کے ذمہ جو کام لگایا گیا ہے وہ اس کی انجام دہی میں مصروف ہے۔ بعض ہوائیں بادلوں کو ادھر ادھر منتشر کر دیتی ہیں، بعض بادلوں کو اپنے دوش پر اٹھاتی ہیں، بعض بادلوں کو لے کر چلتی ہیں، بعض بارش کی خوشخبری دیتی ہیں، کچھ اس سے پہلے گرد و غبار اڑاتی ہیں اور کچھ بادلوں کو پانی سے بوجھل کر دیتی ہیں تا کہ ان سے بارش برسے، اس لئے فرمایا: وَ اَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَہُوۡرًا یعنی ہم آسمان سے ایسا پانی اتارتے ہیں جو پاکیزگی کا آلہ اور ذریعہ ہے۔ ''طَھُوۡر'' کا معنی ہے طہارت کا آلہ، یہ ایسے ہی ہے جیسے سحور اور وَقُود وغیرہ۔ اس بارے میں سب سے بہتر قول یہی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ''طھور'' فعول کے وزن پر فاعل کے معنی میں ہے یا یہ مبالغہ و تعدی کا صیغہ ہے لیکن یہ دونوں توجیہات لغت اور حکم کے اعتبار سے اشکال سے خالی نہیں (1)۔ ان کی شرح و بسط کا یہ مقام نہیں۔ حضرت ثابت البنانی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بارش والے دن میں حضرت ابو العالیہ کے ساتھ نکلا۔ بصرہ کے راستے گندے تھے۔ آپ نے ایسے رستہ پر نماز پڑھی۔ میں نے اس کی بابت دریافت کیا تو آپ نے اس آیت وَ اَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ۔ کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ بارش کے پانی نے اسے پاک کر دیا ہے۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بارش کے پانی کو پاک نازل کیا ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عرض

1۔ دیکھئے تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 39-40، روح المعانی، جلد 19 صفحہ 30

کی گئی: یارسول اللہ ﷺ! کیا ہم بئر بضاعہ کے پانی سے وضو کر لیا کریں حالانکہ اس کنویں میں گندگی اور کتوں کے گوشت پھینکے جاتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی" (1)۔ خالد بن یزید بیان کرتے ہیں کہ ہم عبدالملک بن مروان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ پانی کا ذکر چھڑ گیا۔ خالد بن یزید نے کہا کہ ایک پانی ہے جو آسمان سے نازل ہوتا ہے اور ایک پانی وہ ہے جسے بادل سمندر سے جذب کرتا ہے اور گرج اور بجلی اسے میٹھا کر دیتی ہے۔ سمندر کے پانی سے پیداوار نہیں ہوتی۔ پیداوار اور فصلیں اسی پانی سے ہوتی ہیں جو آسمان سے برستا ہے۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ آسمان سے برسنے والے ہر قطرہ کے ذریعہ زمین پر سبزہ اگتا ہے یا سمندر میں موتی۔ کسی کا قول ہے: "فِي الْبَرِّ بُرٌّ وَ فِي الْبَحْرِ دُرٌّ" یعنی زمین میں گیہوں اور سمندر میں موتی۔ پھر بارش برسانے کی غرض بیان کرتے ہوئے فرمایا: لِّنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا یعنی ہم اس بارش کے ذریعے اس بنجر، غیر آباد اور مردہ زمین کو زندہ کر دیتے ہیں جو طویل عرصے بارش کو ترس رہی ہوتی ہے اور اس میں پیداوار نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ جب ایسی زمین پر بارش برستی ہے تو وہ زندہ ہو جاتی ہے، اس پر سبزہ اور رنگ برنگے پھولوں کی چادر بچھ جاتی ہے اور اس پر فصلیں لہلہانے لگتی ہیں جیسا کہ فرمایا: فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ ۔ قَدِیْرٌ (حم السجدہ: 39) "پھر جب ہم اس (بنجر زمین) پر پانی اتارتے ہیں تو یہ جھومنے لگتی ہے اور کھل اٹھتی ہے۔ بے شک وہ (قادر مطلق) جس نے زمین کو زندہ کر دیا ہے وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے، بلاشبہ وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے"۔ مزید فرمایا: وَ نُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ ۔ یعنی زمین کو زندہ کرنے کے علاوہ یہ پانی انسانوں اور جانوروں کے پینے کے کام آتا ہے اور اس سے کھیتوں اور باغات کو سیراب کیا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَ هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا (الشوریٰ: 28) "اور وہی ہے جو بارش برساتا ہے اس کے بعد کہ لوگ مایوس ہو چکے ہوتے ہیں"۔ فَانْظُرْ اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (الروم: 50) "پس رحمت الٰہی کی علامتوں کی طرف دیکھو وہ کیسے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے"۔ اس کے بعد فرمایا: وَ لَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ یعنی ہم بارش کو تقسیم کر کے کبھی کسی زمین پر برساتے ہیں اور کبھی کسی اور زمین پر۔ بادل اٹھتا ہے لیکن برستا اسی جگہ ہے جہاں ہم چاہتے ہیں اور جہاں ہم نہیں چاہتے وہاں ایک قطرہ بھی نہیں برستا اگرچہ وہ اس کے ساتھ متصل جگہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں بھی خاص حکمت و حجت ہے۔ حضرات ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے کہ ایک سال میں دوسرے سال کی نسبت کم و بیش بارش ہو لیکن اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے اس کی تقسیم کرتا ہے اور جہاں جس مقدار میں چاہتا ہے، اسے نازل کر دیتا ہے، پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی: وَ لَقَدْ صَرَّفْنٰهُ ---(2)۔ یعنی ہم اسے لوگوں کے درمیان تقسیم کرتے رہتے ہیں تاکہ لوگ غور و فکر کریں کہ جو خدا بارش کے ذریعے مردہ زمین کو زندگی بخشنے پر قادر ہے، وہ مردوں اور بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے، یا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس بات میں غور و فکر کریں کہ ان سے بارش روکنے کا سبب ان کے گناہ ہیں، پس انہیں گناہوں سے باز آ جانا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا: "اے جبریل علیہ السلام! میں بادل کے متعلق جاننا چاہتا ہوں"۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! یہ بادلوں کا فرشتہ ہے، ان سے پوچھیں۔ اس فرشتے نے بتایا کہ ہمارے پاس سربمہر حکم نامہ آتا ہے کہ فلاں فلاں علاقہ میں اتنے اتنے قطرے برساؤ(3)۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ آخر میں فرمایا: فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ بارش کے وقت

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 17، سنن نسائی، کتاب المیاہ، جلد 1 صفحہ 174، وغیرہ

2۔ مستدرک حاکم، جلد 20 صفحہ 403، سنن کبریٰ بیہقی، کتاب صلاۃ الاستسقاء، جلد 3 صفحہ 363

3۔ فتح الباری، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 199

کفران کا یہ کہنا ہے کہ فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے ہم پر بارش برسی۔ اس قول کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے بارش برس چکنے کے بعد اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: "کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟" صحابہ عرض کرنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہی بہتر علم ہے۔ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے کچھ بندے مجھ پر ایمان لانے والے ہوگئے اور کچھ کفر کرنے والے، جس نے یہ کہا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش برسی ہے، وہ مجھ پر ایمان لانے والا ہے اور ستاروں کے ساتھ کفر کرنے والا ہے اور جس نے یہ کہا کہ ہم پر فلاں فلاں ستارے کے سبب بارش اتری ہے، وہ میرے ساتھ کفر کرنے والا اور ستاروں پر ایمان لانے والا ہے"(1)۔

وَ لَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾ وَ هُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَ جَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾ وَ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ۗ وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿۵۴﴾

"اور اگر ہم چاہتے تو بھیجتے ہر گاؤں میں ایک ڈرانے والا۔ پس کافروں کی پیروی نہ کرو اور خوب ڈٹ کر مقابلہ کرو ان کا قرآن (کی دلیلوں) سے۔ اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے ملا دیا ہے دو دریاؤں کو، یہ (ایک) بہت شیریں ہے اور یہ (دوسرا) سخت کھاری۔ اور بنادی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کے درمیان آڑ اور مضبوط رکاوٹ۔ اور وہ وہی ہے جس نے پیدا فرمایا انسان کو پانی (کی بوند) سے اور بنا دیا اسے خاندان والا اور سسرال والا۔ اور آپ کا رب بڑی قدرت والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا نبی بھیجتے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا لیکن حکمت کا اب یہ تقاضا نہیں، اس لئے اے رسول مکرم ﷺ! ہم نے صرف آپ کو تمام دنیا والوں کی طرف مبعوث فرمایا ہے اور ان سب تک قرآن کا پیغام پہنچانے کا آپ کو حکم دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ (الانعام: 19) "تاکہ میں اس کے ساتھ تمہیں اور اسے ڈراؤں جس تک یہ پہنچے"، وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ (ہود: 17) "اور جو اس کے ساتھ کفر کرے مختلف گروہوں سے تو آگ ہی اس کے وعدہ کی جگہ ہے"، وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا (الانعام: 92) "تاکہ آپ ڈرائیں مکہ والوں کو اور جو اس کے ارد گرد ہیں"۔ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف: 158) "فرمایئے، اے لوگو! میں تم تمام کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔

حدیث میں ہے: "مجھے سرخ و سفید سب کی طرف بھیجا گیا ہے"(2)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: "پہلے ہر نبی کو صرف اس کی اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا رہا لیکن مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے"(3)۔ اس لئے فرمایا: فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ ... یعنی کافروں کی اطاعت نہ کرو اور قرآنی دلائل کے ساتھ ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرو جیسا کہ ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ (التوبہ: 73) "اے نبی کریم! کافروں اور منافقوں کے ساتھ جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے"، اس کے بعد فرمایا: وَ هُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ ... یعنی اللہ تعالیٰ نے شیریں اور نمکین دو قسم کے پانی پیدا کئے ہیں۔ نہروں، دریاؤں، چشموں اور کنوؤں کا پانی عموماً میٹھا اور خوش

1۔ فتح الباری، کتاب الاستسقاء، جلد 2 صفحہ 522، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 83-84 2۔ بخاری و مسلم 3۔ بخاری و مسلم

ذائقہ ہوتا ہے۔ اس مفہوم میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ کوئی ایسا ساکن سمندر نہیں ہے جس کا پانی شیریں اور خوشگوار ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں حقیقت حال کی خبر دی ہے تا کہ بندے اس کی نعمتوں پر آگاہ ہو کر اس کا شکر بجالائیں۔ پس شیریں سمندر سے مراد وہ پانی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دریاؤں، نہروں اور چشموں کی صورت میں لوگوں کو عطا کیا ہے تا کہ وہ اسے اپنے استعمال میں لاتے ہوئے اپنی ذاتی ضروریات بھی پوری کریں اور زمینوں کو بھی سیراب کریں۔ فرمایا: وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ یعنی یہ سخت کھاری، نمکین اور کڑوا ہے۔ مشرق و مغرب میں ایسے معروف سمندر، بحر محیط، بحر قلزم، بحر یمن، بحر بصرہ، بحر فارس، بحر چین و ہند، بحر روم، بحر خزر اور اس قسم کے سمندر جو ٹھہرے ہوئے ہیں اور بہتے نہیں لیکن یہ موجیں مارتے اور تلاطم خیز رہتے ہیں۔ بعض میں مدوجزر رہتا ہے۔ ہر قمری مہینے کے آغاز میں مد شروع ہوتا ہے اور جوں جوں مہینہ آگے بڑھتا ہے اس کے تلاطم میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ چاند کی چودھویں رات تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس کے بعد جزر شروع ہوتا ہے۔ جوں جوں چاند گھٹتا ہے توں توں سمندر پرسکون ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ آخر مہینے میں بالکل ساکن ہو جاتا ہے۔ جب اگلے مہینے کا چاند طلوع ہوتا ہے تو ایکبار پھر مد شروع ہو جاتا ہے اور چاند کے بڑھنے سے سمندر چڑھتا رہتا ہے۔ چودھویں کے بعد جزر کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ہر سمندر میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ٹھہرے ہوئے اور ساکن سمندروں کو نمکین اور کھاری بنایا ہے تا کہ اس کے سبب سے ہوا صاف رہے اور ہر قسم کی آلودگی اور بدبو سے محفوظ رہے اور انسانی اور حیوانی زندگی فساد اور خطرہ کا شکار نہ ہو۔ مزید برآں ان جانوروں کی سڑاند سے جو مر جاتے ہیں، زمین اور انسان محفوظ رہیں۔ چونکہ سمندروں کا پانی نمکین اور کھاری ہے اس لئے ان کی ہوا لطیف اور صحت افزاء ہے اور ان کا مردہ پاک ہے، اسی لئے جب رسول اللہ ﷺ سے سمندر کے پانی سے وضو کرنے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے''(1)۔ پھر فرمایا: وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے درمیان ایک آڑ اور مضبوط رکاوٹ پیدا کر دی ہے جس کے باعث شیریں اور نمکین پانی آپس میں مل نہیں سکتے۔ یہ آڑ اور رکاوٹ خشکی کا ٹکڑا ہے۔ اس آیت کی طرح ایک اور جگہ فرمایا: مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (الرحمٰن: 21-19) ''اس نے رواں کیا ہے دونوں دریاؤں کو جو آپس میں مل رہے ہیں، ان کے درمیان آڑ ہے، آپس میں گڈمڈ نہیں ہوتے پس (اے جن و انس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (النمل: 61) ''بھلا کس نے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں جاری کر دیں اور زمین کے لئے (پہاڑوں کے) لنگر بنا دیے اور دو سمندروں کے درمیان آڑ بنا دی کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ بے علم ہیں''۔ پھر فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ یعنی وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے انسان کو حقیر اور ضعیف نطفہ سے پیدا کیا، اسے درست کیا، اعتدال پر رکھا، سنوارا اور مکمل خلقت والا بنایا، پھر کسی کو مرد اور کسی کو عورت بنایا، پھر اسے خاندان والا بنایا، اس کے رشتے دار بنا دیے، پھر شادی کے بعد سسرالی رشتے قائم کر دیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ہی کرشمہ ہے کہ اس نے حقیر سے پانی سے اتنا بڑا سلسلہ قائم کر دیا۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۭ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰي رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿۵۵﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 173

يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرَا ﴿۵۸﴾ ڙ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَي الْعَرْشِ ڔ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔــلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۤ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾

''اور وہ پوجتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا ان بتوں کو جو نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں انہیں اور نہ نقصان اور کافر اپنے رب کے مقابلے میں (ہمیشہ شیطان کا) مددگار ہوتا ہے۔ اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر بشارت دینے والا اور ڈرانے والا۔ فرما دیجئے کہ میں نہیں مانگتا تم سے اس (خیر خواہی) پر کچھ اجرت مگر میری اجرت یہ ہے کہ جس کا جی چاہے وہ اپنے رب کا راستہ اختیار کرے۔ اور (اے مصطفیٰ!) آپ بھروسہ کیجئے ہمیشہ زندہ رہنے والے پر جسے کبھی موت نہیں آئے گی اور اس کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کیجئے۔ اور اس کا اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر ہونا کافی ہے۔ جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں پھر وہ متمکن ہوا عرش پر (جیسے اس کی شان ہے)۔ وہ رحمٰن ہے سو پوچھ اس کے بارے میں کسی واقف حال سے۔ اور جب کہا جاتا ہے انہیں کہ رحمٰن (کے حضور) سجدہ کرو وہ پوچھتے ہیں رحمٰن کون ہے۔ کیا ہم سجدہ کریں اس کو جس کے متعلق تم ہمیں حکم دیتے ہو اور وہ زیادہ نفرت کرنے لگتے ہیں''۔

مشرکین کی جہالت کو بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ بغیر کسی دلیل اور حجت کے محض اپنی آراء اور خواہشات سے ان بتوں کی پرستش میں منہمک ہیں جو نہ نفع کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ نقصان کی۔ یہ مشرکین ان بتوں کی دوستی اور محبت کا دم بھرتے ہیں، ان کی خاطر جنگ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور اہل ایمان کے ساتھ عداوت رکھتے ہیں، اس لئے فرمایا: وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا یعنی کافر اللہ تعالیٰ کے گروہ کے مقابلہ میں شیطان کا معاون ہے جیسا کہ فرمایا: وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ (یٰسین: 75-74) ''اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور خدا بنا لئے ہیں تاکہ وہ ان کی مدد کریں۔ یہ جھوٹے خدا ان کی مدد نہیں کر سکتے اور یہ کفار ان معبودوں کے لئے تیار شدہ لشکر ہیں''۔ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسے معبود اختیار کر لئے ہیں جو ان کی مدد کرنے پر قادر نہیں۔ یہ جاہل بت پرست اپنے بتوں کا لشکر ہیں۔ یہ ان کی طرف سے لڑتے ہیں اور ان کا دفاع کرتے ہیں لیکن آخرکار غلبہ اور فتح اہل ایمان کی ہوگی، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ مجاہد اس فرمان وَكَانَ الْكَافِرُ ... کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ کافر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں شیطان کا مددگار ہے۔ سعید بن جبیر اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ کافر اللہ تعالیٰ کی عداوت اور شرک میں شیطان کا معاون ہے۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ کافر اپنے رب کے مقابلہ میں شیطان کا دوست ہے(1)۔ پھر اپنے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ... یعنی ہم نے آپ کو اس لئے بھیجا ہے تاکہ آپ اطاعت گزار مومنوں کو جنت کی خوشخبری سنائیں اور اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کرنے والے کافروں کو عذاب سے ڈرائیں۔ ارشاد ہوتا ہے: قُلْ مَآ اَسْـَٔـلُكُمْ... یعنی آپ لوگوں کو یہ باور کرا دیں کہ میں اس تبلیغ اور خیر خواہی کا تم سے معاوضہ طلب نہیں کرتا بلکہ میری اس تگ و دو کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے، اب تم میں سے جو چاہتا ہے، راہ راست اختیار کر

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 27-26

ملے۔ پھر فرمایا: وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ ... یعنی آپ اپنے تمام معاملات میں اس ہمیشہ رہنے والے خدا پر بھروسہ کریں جسے کبھی موت نہیں آئے گی، وہی اول، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن اور وہی ہر چیز کا مکمل علم رکھنے والا ہے، وہی دائم، باقی، سرمدی، ابدی، حی، قیوم، رب اور مالک ہے، سو اسے ہی اپنا ماوی و ملجا بنائے رکھو۔ وہی تو ہے جس پر توکل کیا جاتا ہے اور مصیبت میں اسی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، وہ آپ کے لئے کافی، آپ کا حامی و ناصر اور آپ کو فتح و نصرت سے نوازنے والا ہے جیسا کہ فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۚ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدۃ: 67) ''اے رسول! پہنچا دیجئے جو آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا''۔

حضرت شہر بن حوشب سے مروی ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ مدینہ شریف کی کسی گلی میں نبی کریم ﷺ سے ملے تو انہوں نے آپ ﷺ کو سجدہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے سلمان! مجھے سجدہ نہ کرو، سجدہ اس ہمیشہ رہنے والے خدا کو کرو جسے کبھی موت نہیں آئے گی''(1)۔ پھر حمد اور تسبیح کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''وسبح بحمدہ'' اسی لئے رسول اللہ ﷺ کہا کرتے تھے: ''سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ''(2)۔ مقصد یہ ہے کہ عبادت بھی صرف اسی کی کرو اور بھروسہ بھی صرف اس ذات پر ہی کرو جیسا کہ فرمایا: رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا (المزمل: 9) ''مالک ہے مشرق و مغرب کا اس کا سوا کوئی معبود نہیں پس اسی کو اپنا کارساز بنائے رکھئے''۔ فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ عَلَيْهِ (ہود: 123) ''سو اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسہ کریں''۔ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا (الملک: 29) ''فرمائیے وہ (میرا خدا) بڑا ہی مہربان ہے ہم اسی پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا''۔ پھر فرمایا: وَ كَفٰى بِهٖ ... یعنی بندوں کے گناہوں کا اسے مکمل علم ہونا ہی کافی ہے، اس پر کوئی چیز مخفی نہیں بلکہ ایک ذرہ بھی اس سے اوجھل نہیں رہ سکتا۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: اَلَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ ... یعنی وہ ہمیشہ رہنے والا خدا ہی ہر چیز کا خالق، رب اور مالک ہے جس نے اپنی قدرت سے بلند اور وسیع سات آسمانوں کو اور پست اور کثیف سات زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر وہ اپنی شان کے مطابق عرش پر متمکن ہوا یعنی وہی ہر امر کی تدبیر کرتا ہے اور سچا فیصلہ فرماتا ہے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ فرمایا: اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ ... یعنی اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس سے دریافت کر جو اس سے باخبر ہے، اور اس کی اتباع کر۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق علم اور واقفیت سب سے زیادہ نبی کریم ﷺ کو ہے جو دنیا و آخرت میں اولاد آدم کے سردار ہیں اور اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے، بلکہ آپ کی ہر بات وحی ہوتی ہے۔ جو آپ ﷺ نے فرمایا، وہی حق ہے اور جو آپ ﷺ نے خبر دی، وہی سچ ہے۔ آپ ﷺ ہی سچے امام ہیں کہ جب لوگوں میں کسی بات پر تنازع ہو جائے تو اس کا فیصلہ آپ ﷺ کی طرف لوٹانا واجب ہے۔ چنانچہ جو آپ ﷺ کے اقوال و افعال کے مطابق ہو وہی حق ہے اور جو مخالف ہو، وہ مردود ہے خواہ اس کا قائل یا فاعل کوئی بھی ہو جیسا کہ فرمایا: فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ (النساء: 59) ''پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑنے لگو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو''۔ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ (الشوریٰ: 10) ''اور جس بات میں تمہارے درمیان اختلاف رونما ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد کر دو''۔ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا (الانعام: 115) ''اور آپ کے رب کی بات سچائی اور عدل سے مکمل ہوگئی''۔ مجاہد اس فرمان فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا کا مطلب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے جس چیز کے بارے میں تمہیں خبر دی وہ اسی طرح ہے جس طرح میں نے تمہیں خبر دی۔ شمر بن عطیہ

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ یوسف: 100

2۔ فتح الباری تفسیر سورۂ نصر جلد 8 صفحہ 733، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 350

کہتے ہیں کہ تیسیر سے مراد قرآن کریم ہے(1)۔ پھر بت پرست مشرکین پر اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے فرمایا: وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا۔۔ یعنی جب انہیں کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمٰن کون ہے؟ ہم تو اسے پہچانتے ہی نہیں۔ ان مشرکین کو اللہ تعالیٰ کا نام رحمٰن پسند ہی نہ تھا جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر معاہدہ تحریر کرتے وقت حضور ﷺ نے کاتب معاہدہ سے جب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کو کہا تو مشرکین کہنے لگے کہ ہم نہ رحمٰن کو جانتے ہیں اور نہ رحیم کو بلکہ رواج کے مطابق "بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ" لکھو(2)۔ اس پر یہ آیت اتری: قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (بنی اسرائیل: 110) "فرمائیے، اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو۔ جس نام سے اسے پکارو اس کے سارے نام ہی اچھے ہیں"۔ یعنی وہی اللہ ہے اور وہی رحمٰن ہے۔ یہاں فرمایا: وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا ۔۔ اہل ایمان کا حال ان کے برعکس ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں جو رحمٰن اور رحیم ہے اور اسی کی الوہیت کا اقرار کرتے ہوئے صرف اس کے حضور سجدہ کرتے ہیں۔ علماء کا اتفاق ہے کہ سورۂ فرقان کی یہ آیت آیت سجدہ ہے۔ اس آیت کو پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ مشروع ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿۶۱﴾ وَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾

"بڑی (خیرو) برکت والا ہے جس نے بنائے ہیں آسمان میں برج اور بنایا ہے اس میں چراغ (آفتاب) اور چاند چمکتا ہوا۔ اور وہ وہی ہے جس نے بنایا ہے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا اس کے لئے جو یہ چاہتا ہے کہ وہ نصیحت قبول کرے یا چاہتا ہے کہ شکر گزار رہے"۔

اللہ تعالیٰ اس بات پر اپنی عظمت، بڑائی اور بزرگی بیان فرما رہا ہے کہ اس نے آسمان میں برج بنائے۔ بعض نے بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے لئے ہیں اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے مراد چوکیداری کے برج ہیں لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے، البتہ یہ ممکن ہے کہ بڑے بڑے ستاروں سے مراد یہی حفاظت کے لئے بنائے گئے برج ہوں، اس طرح دونوں قولوں میں تطبیق ہو جاتی ہے جیسا کہ فرمایا: وَ لَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ (الملک: 5) "اور بے شک ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر دیا ہے اور انہیں شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ بنا دیا ہے"۔ اس لئے یہاں فرمایا: تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ..... سراج سے مراد چمکتا ہوا سورج ہے جو چراغ کی مثل ہے جیسا کہ فرمایا: وَّ جَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا (النبا: 13) "اور ہم نے ہی ایک نہایت روشن چراغ بنایا" اور چاند بنایا جو ایسے دوسرے نور سے منور اور روشن ہے جو نور شمس کے سوا ہے جیسا کہ فرمایا: هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا (یونس: 5) "وہی ہے جس نے سورج کو درخشاں اور چاند کو نور بنایا"، حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا (نوح: 16-15) "نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو کیسے تہ بہ تہ پیدا کیا اور چاند کو ان میں روشنی بنایا اور سورج کو چراغ بنایا ہے"۔ پھر فرمایا: وَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ یعنی دن اور رات یکے بعد دیگرے بغیر کسی سستی اور کمزوری کا مظاہرہ کئے لگاتار آتے رہتے ہیں اور دونوں باری باری فوراً ایک دوسرے کی جگہ لیتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ (ابراہیم: 33) "اور مسخر کر دیا تمہارے لئے آفتاب و مہتاب جو برابر چل رہے ہیں"، يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا (الاعراف: 54) "ڈھانپتا ہے رات سے دن کو درآں حالیکہ طلب کرتا ہے دن رات کو تیزی سے"۔ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 28 2۔ فتح الباری، کتاب الشروط، جلد 5 صفحہ 331، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 325، سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 317

لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ (یٰسین: 40)'' نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ وہ چاند کو آ پکڑے اور نہ رات کی یہ طاقت ہے کہ وہ دن سے آگے نکل جائے''۔ فرمایا: لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ ۔ یعنی دن اور رات کے تسلسل سے عبادت کے اوقات معلوم ہوتے ہیں۔ اگر رات کا کوئی عمل فوت ہو جائے تو دن کے وقت اس کی تلافی ہو سکتی ہے اور اگر کوئی دن کا عمل فوت ہو جائے تو رات کے وقت اس کا تدارک کیا جا سکتا ہے حدیث صحیح میں ہے: ''اللہ تعالیٰ رات کے وقت اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گنہگار توبہ کر لے اور دن کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کا گنہگار توبہ کر لے''(1)۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چاشت کی نماز بہت طویل کر دی جب اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میرا رات کا کچھ وظیفہ باقی رہ گیا تھا۔ میں نے چاہا کہ اسے مکمل کر لوں، یا آپ نے فرمایا کہ میں اسے قضاء کر لوں۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی(2)۔ ''خِلْفَةً'' کا معنی مختلف بھی کیا گیا ہے یعنی رات تاریک ہے اور دن روشن۔

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ وَ الَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا ﴿۶۴﴾ وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿۶۶﴾ وَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾

''اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر آہستہ آہستہ اور جب گفتگو کرتے ہیں ان سے جاہل تو وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ تم سلامت رہو۔ اور جو رات بسر کرتے ہیں اپنے رب کے حضور سجدہ کرتے ہوئے اور کھڑے ہوئے۔ اور جو (بارگاہ الٰہی میں) عرض کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! دور فرما دے ہم سے عذاب جہنم۔ بے شک اس کا عذاب بڑا مہلک ہے۔ بے شک وہ بہت برا ٹھکانہ اور بہت بری جگہ ہے اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ کنجوسی (بلکہ) ان کا خرچ کرنا اسراف اور بخل کے بین بین اعتدال سے ہوتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں کی صفات بیان ہو رہی ہیں کہ وہ زمین پر سکون، وقار اور متانت کے ساتھ بغیر تکبر، تجبر اور اکڑ کے چلتے ہیں جیسا کہ فرمان ہے: وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا (لقمان: 18)'' زمین پر اتراتے ہوئے نہ چل''۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ تصنع اور ریاکاری سے کام لیتے ہوئے مریضوں کی سی چال چلتے ہیں۔ حضور سید اولاد آدم ﷺ جب چلتے تو یوں محسوس ہوتا گویا آپ اونچائی سے اتر رہے ہیں اور زمین آپ کے لئے سمٹی چلی جا رہی ہے(3)۔ بعض سلف نے ایسی چال کو مکروہ قرار دیا ہے جس میں خواہ مخواہ ضعف اور تصنع کا اظہار کیا جائے۔ مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان کو آہستہ آہستہ چلتے دیکھا تو فرمایا: تمہیں کیا ہے، کیا تو مریض ہے؟ اس نے کہا: نہیں، اے امیر المومنین! آپ نے کوڑا لہراتے ہوئے فرمایا کہ خبردار! آئندہ ایسی چال نہ چلنا۔ قوت کے ساتھ چلا کرو(4)۔ آیت کریمہ میں لفظ ''هَوْن'' سے مراد سکون اور وقار ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم نماز کے لئے آؤ، تو دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ سکون اور وقار کو لازم پکڑتے ہوئے آؤ، جو جماعت کیساتھ مل جائے اسے ادا کر لو اور جو فوت ہو جائے، اسے مکمل کر لو''(5)۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، جلد 4 صفحہ 2113۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 472
2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 270
3۔ عارضۃ الاحوذی، کتاب المناقب، جلد 13 صفحہ 116-117۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 96، 116-117
4۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 272
5۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، جلد 2 صفحہ 9۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 420-421

حضرت حسن بصری اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اہل ایمان ایسے لوگ ہیں جن کے کان، آنکھیں اور اعضاء فروتنی اور عاجزی اختیار کرتے ہیں یہاں تک کہ جاہل انہیں مریض گمان کرتا ہے حالانکہ وہ بیمار نہیں ہوتے۔ بخدا! وہ صحت مند ہوتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں خوف ہوتا ہے جو دوسروں کے دلوں میں نہیں ہوتا اور آخرت کے متعلق ان کا علم انہیں دنیا اور اس کی آسائشات سے باز رکھتا ہے۔ یہ قیامت کے دن کہیں گے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم سے غم کو دور کیا۔ بخدا! انہیں دنیا کا غم نہیں ستاتا بلکہ انہیں ہر وقت آخرت کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ حصول جنت کے لئے کوئی کام ان پر بھاری نہیں لیکن آتش جہنم کا خوف انہیں رلاتا رہتا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے صبر دلانے سے بھی صبر نہیں کرتا، اس کا نفس حسرتوں کا شکار ہو کر دنیا پر چل پڑتا ہے اور جو شخص کھانے پینے کو ہی اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھتا ہے، وہ کم علم اور عذاب میں گھرا ہوا ہے(1)۔ فرمایا: وَ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ۔۔۔ یعنی جب جاہل لوگ حماقت اور بے وقوفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں سے نازیبا اور بری بات کرتے ہیں تو یہ ان کے مقابلہ میں ترکی بہ ترکی جواب نہیں دیتے بلکہ درگزر کرتے ہیں، معاف کر دیتے ہیں اور اپنی زبان پر کلمہ خیر کے سوا کوئی اور بات نہیں لاتے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جوں جوں جاہل حماقت سے پیش آتا، آپ اس قدر حلم اور بردباری کا مظاہرہ فرماتے اور جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ (القصص: 55) "اور جب وہ کسی بیہودہ بات کو سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں"۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کسی شخص نے دوسرے شخص کو گالی دی تو اس نے جواب میں کہا کہ تم پر سلام ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم دونوں کے درمیان ایک فرشتہ موجود تھا جو تیری طرف سے گالی دینے والے کو جواب دیتا تھا۔ جب بھی یہ شخص تمہیں گالی دیتا، فرشتہ اسے کہتا کہ یہ نہیں بلکہ تو ایسا ہے اور تو ہی اس کا مستحق ہے اور جب تو اس شخص کے لئے کہتا تھا کہ تجھ پر سلامتی ہو تو فرشتہ کہتا کہ اس پر نہیں بلکہ تجھ پر اور تو ہی سلامتی کا مستحق ہے"(2)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان قَالُوْا سَلٰمًا کا یہ مطلب ہے کہ یہ جاہلوں کے مقابلہ میں سطحی اور نامعقول گفتگو کر کے ان سے الجھتے نہیں بلکہ معقول اور اچھی بات کر کے ان سے اپنا دامن بچا لیتے ہیں۔ حضرت حسن بصری اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگر ان پر جہالت کا مظاہرہ کیا جائے تو یہ درگزر سے کام لیتے ہیں۔ دن بھر اللہ کے بندوں کے ساتھ رہتے ہیں اور ان کی ہر قسم کی باتیں سن کر خاموش رہتے ہیں۔ ان بندوں کے دنوں کی مصروفیات کا ذکر ہوا۔ اب ان کی راتوں کے معمولات سے پردہ اٹھایا جا رہا ہے۔ ان کی راتیں تو بہت ہی اچھی ہوتی ہیں فرمایا: وَ الَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ۔۔۔ اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (الذاریات: 18-17) "یہ لوگ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے اور سحری کے وقت بخشش طلب کرتے تھے"۔ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (السجدۃ: 16) "ان کے پہلو بستروں سے دور رہتے ہیں"۔ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآىِٕمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ يَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ (الزمر: 9) "بھلا جو شخص رات کی گھڑیاں عبادت میں بسر کرتا ہے کبھی سجدہ کرتے ہوئے اور کبھی قیام کرتے ہوئے، آخرت سے ڈرتا ہے اور رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے"۔ اس لئے فرمایا: وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ۔۔۔ یعنی وہ دعا کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہم سے عذاب جہنم کو دور کر دے کیونکہ یہ دائمی اور لازمی ہے۔ غرام کا معنی ہے ہمیشہ رہنے والا جو کبھی جدا نہ ہو۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے: "اِنْ يُعَذِّبْ يَكُنْ غَرَامًا وَ اِنْ يُعْطِ جَزِيْلًا فَاِنَّهٗ لَا يُبَالِيْ"(3)۔ یعنی اگر وہ عذاب دے تو وہ دائمی ہوتا ہے اور اگر وہ بے حساب عطا کر دے تو بھی اسے کوئی پرواہ نہیں۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ جو مصیبت انسان کو پہنچے اور پھر زائل ہو

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 34 2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 445 3۔ دیوان الاعشی الکبیر: 9 تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 35

جائے، اسے غرام نہیں کہا جا سکتا۔ غرام وہ ہے جو ہمیشہ رہے اور کبھی دور نہ ہو(1)۔ محمد بن کعب اس کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ عذاب جہنم کفران نعمت کا تاوان ہے۔ کفار نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا نہ کیا، اس لئے ان پر عذاب جہنم کا تاوان ڈالا جائے گا۔ اور جہنم بہت بری جگہ، بد منظر اور تکلیف دہ ٹھکانا ہے۔ مالک بن حارث بیان کرتے ہیں کہ جب دوزخی کو دوزخ میں پھینکا جائے گا تو وہ نیچے ہی نیچے گرتا چلا جائے گا، طویل مدت کے بعد جب وہ اس کے ایک دروازے تک پہنچے گا تو اسے کہا جائے گا کہ اپنی جگہ پر رک جا تا کہ تیری خاطر تواضع کی جائے، چنانچہ اسے کالے ناگوں اور زہریلے بچھوؤں کے زہر کا ایک پیالہ پلایا جائے گا تو اس کی کھال ادھڑ کر الگ ہو جائے گی، بال جھڑ جائیں گے، پٹھے جدا ہو جائیں گے اور رگیں الگ جا پڑیں گی۔ عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ جہنم میں بڑے بڑے کنوؤں جیسے گڑھے ہیں، ان میں بختی اونٹوں جیسے سانپ ہیں اور سیاہ خچروں جیسے بچھو۔ جب جہنمیوں کو جہنم میں پھینکا جائے گا تو یہ اپنی جگہوں سے نکل کر ان کی طرف لپکیں گے اور ان کے ہونٹوں، سروں اور جسم کے باقی اعضاء کو خوب ڈسیں گے یہاں تک کہ ان کی کھالیں ادھڑ جائیں گی اور گوشت کٹ کٹ کر گرنے لگے گا، پھر وہ واپس چلے جائیں گے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جہنمی ایک ہزار سال تک یَا حَنَّانُ، یَا مَنَّانُ پکارتا رہے گا تب اللہ تعالیٰ جبریل سے فرمائیگا کہ جاؤ اور اس بندے کو میرے پاس لاؤ۔ جبریل علیہ السلام جائیں گے تو دیکھیں گے کہ سب جہنمی سر جھکائے گریہ وزاری کر رہے ہیں۔ جبریل علیہ السلام واپس لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے حضور یہ بات بتائیں گے تو اللہ تعالیٰ پھر فرمائے گا کہ جاؤ، اس بندے کو میرے پاس لاؤ، وہ فلاں جگہ موجود ہے۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام اس بندے کو لا کر اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: اے میرے بندے! تیری جگہ اور ٹھکانا کیسا ہے؟ وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! بہت بری جگہ اور برا ٹھکانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ اس بندے کو واپس جہنم میں لے جاؤ۔ اس پر وہ عرض کرے گا: ”اے میرے پروردگار! جب تو نے مجھے جہنم سے باہر نکالا تو مجھے قوی امید تھی کہ تو پھر دوبارہ مجھے اس میں نہیں لوٹائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے بندے کو چھوڑ دو“(2)۔ اللہ کے بندوں کی ایک اور خوبی بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالَّذِيۡنَ اِذَاۤ اَنۡفَقُوۡا یعنی نہ وہ فضول خرچی کرتے ہوئے ضرورت سے زائد خرچ کرتے ہیں اور نہ ضروری اخراجات میں کنجوسی سے کام لیتے ہیں۔ نہ وہ فضول خرچ ہیں اور نہ بخیل بلکہ ان کا خرچ اسراف اور بخل کے درمیان اعتدال سے ہوتا ہے اور وہ میانہ روی کا دامن کبھی نہیں چھوڑتے اور اعتدال ہی سب سے عمدہ رستہ ہے جیسا کہ فرمایا: وَلَا تَجۡعَلۡ يَدَكَ مَغۡلُوۡلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبۡسُطۡهَا كُلَّ الۡبَسۡطِ (بنی اسرائیل: 29) ”اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کے ارد گرد بندھا ہوا نہ بنالو اور نہ ہی اسے بالکل کشادہ کر دو“۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”معاش میں میانہ روی اختیار کرنا آدمی کی سمجھداری کی دلیل ہے“(3)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”میانہ روی اختیار کرنے والا افلاس کا شکار نہیں ہو سکتا“(4)۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”خوشحالی میں میانہ روی کس قدر اچھی ہے، فقر میں میانہ روی کتنی عمدہ ہے اور عبادت میں میانہ روی کیا ہی خوب ہے!“(5) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ راہ خدا میں خرچ کرنا خواہ کتنا ہی ہو، اسراف نہیں۔ ایاس بن معاویہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تجاوز کرنا اسراف ہے۔ کسی بزرگ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کرنا اسراف ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 34　　2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 230　　3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 194

4۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 447　　5۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 232، مجمع الزوائد، جلد 10 صفحہ 252

وَ الَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا یَزْنُوْنَ ۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ یُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ یَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓىِٕكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۷۰﴾ وَ مَنْ تَابَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ یَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾

"اور جو نہیں پوجتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور خدا کو اور نہیں قتل کرتے اس نفس کو جس کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے مگر حق کے ساتھ، اور نہ بدکاری کرتے ہیں۔ اور جو یہ کام کرے گا تو وہ پائے گا (اس کی) سزا۔ دوگنا کر دیا جائے گا اس کے لیے عذاب روز قیامت اور ہمیشہ رہے گا اس میں ذلیل و خوار ہو کر۔ مگر وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کیے تو یہ وہ لوگ ہیں بدل دے گا اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اور جس نے توبہ کی اور نیک کام کیے تو اس نے رجوع کیا اللہ تعالیٰ کی طرف جیسے رجوع کا حق ہے"۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا: "تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا"، پھر دریافت کیا کہ پھر کون سا؟ فرمایا: "تو اپنی اولاد کو اس اندیشہ کے پیش نظر قتل کرے کہ تجھے اس کو کھلانا پڑے گا"، عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: "تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے"۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ اس کی تصدیق میں یہ آیت وَ الَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ اتری(1)۔ ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لے جانے لگے تو میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہو لیا۔ آپ ﷺ ایک اونچی جگہ پر بیٹھ گئے، میں آپ ﷺ سے نیچے بیٹھ گیا۔ میرا چہرہ آپ ﷺ کے گھٹنوں کے بالمقابل تھا۔ میں نے تنہائی کے موقع کو غنیمت جان کر عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، یہ فرمایئے کہ کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "تو اللہ تعالیٰ کے لئے شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے"۔ میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: "تو اپنی اولاد کو اس لئے قتل کرے کہ اسے کھلانا تجھے ناپسند ہے"۔ میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: "تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرے"۔ پھر آپ نے مذکورہ بالا آیت کی تلاوت کی(2)۔ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: "چار گناہوں سے خبردار رہو: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، کسی ایسی جان کو قتل نہ کرو جس کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ، زنا نہ کرو اور چوری نہ کرو"(3)۔ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے پوچھا: "زنا کے بارے میں کیا کہتے ہو؟" انہوں نے عرض کی کہ اسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اور یہ قیامت تک حرام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "آدمی کا دس عورتوں سے زنا کرنا اپنے پڑوسی کی عورت کے ساتھ زنا کرنے سے کمتر ہے"۔ پھر آپ نے پوچھا کہ چوری کی بابت تم کیا کہتے ہو؟ عرض کی کہ اللہ اور اس کے رسول نے اسے

1۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 7 صفحہ 46، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 370

2۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 42

3۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 4 صفحہ 51

حرام کیا ہے، سو یہ حرام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنے پڑوسی کے گھر سے چوری کرنا دس گھروں سے چوری کرنے کی نسبت زیادہ برا ہے" (1)۔ ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے ہاں شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنا نطفہ ایسے رحم میں ڈالے جو اس کے لئے حلال نہیں" (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چند مشرک جو بکثرت قتل اور زنا کے مرتکب ہوئے تھے، نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے کہنے لگے کہ آپ ﷺ کی باتیں سچی ہیں اور آپ ﷺ کی دعوت بہت اچھی ہے لیکن آپ یہ فرمایئے کہ ہمارے جرائم کا کفارہ کیا ہے۔ اس وقت یہ آیت وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ اور اس کے علاوہ یہ آیت نازل ہوئی: قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا (الزمر: 53) "فرمایئے: اے میرے بندو جنہوں نے اپنے نفس پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے" (3)۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تجھے منع کرتا ہے کہ تو خالق کو چھوڑ کر مخلوق کی عبادت کرے، وہ تمہیں اس بات سے بھی منع کرتا ہے کہ تو اپنی اولاد کو قتل کرے اور اپنے کتے کو کھلائے اور وہ تمہیں پڑوسی کی بیوی کیساتھ بدکاری کرنے سے بھی روکتا ہے۔" حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "اثام" جہنم میں ایک وادی ہے۔ حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد جہنم کی وہ وادیاں ہیں جہاں زانیوں کو عذاب دیا جائے گا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد عبرتناک سزا ہے۔ حضرت لقمان یہ نصیحت بھی کیا کرتے تھے: اے بیٹے! زنا سے بچو کیونکہ اس کا آغاز خوف ہے اور اس کا انجام حسرت و ندامت۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ "غی" اور "آثام" جہنم کی گہرائی میں دو کنویں ہیں (4)۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم سے ان سے محفوظ رکھے! سدی کہتے ہیں کہ "يَلْقَ اَثَامًا" کا معنی ہے: وہ بدلہ پائے گا، یہ ظاہر آیت کے زیادہ مشابہ ہے۔ اس صورت میں اس کے بعد والی کلام يُّضٰعَفْ اس کی تفسیر اور اس سے بدل ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اسے بار بار سخت عذاب دیا جائے گا اور وہ ذلیل ورسوا ہو کر وہاں ہمیشہ رہے گا۔ ان صفات قبیحہ سے آلودہ لوگوں کی جزا کا ذکر کرنے کے بعد اس حکم سے ان لوگوں کی استثناء کردی جو ان گناہوں سے توبہ کرتے ہیں، ایمان لاتے ہیں اور اعمال صالحہ کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ قاتل کی توبہ بھی مقبول ہے۔ اس آیت اور سورۂ نساء کی اس آیت وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا کے درمیان کوئی تعارض نہیں کیونکہ سورۂ نساء کی یہ آیت اگرچہ مدنی ہے، لیکن یہ مطلق ہے اور اسے اس شخص پر محمول کیا جائے گا جو توبہ نہ کرے اور یہ آیت توبہ کے ساتھ مقید ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ (النساء: 116) "بے شک اللہ تعالیٰ اس (جرم) کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے ماسوا سب جرائم جس کے لئے چاہے بخش دیتا ہے"۔ علاوہ ازیں احادیث صحیحہ سے بھی قاتل کی توبہ کے مقبول ہونے کا ثبوت ملتا ہے جیسا کہ اس شخص کا واقعہ ہے جس نے سو آدمی قتل کیے تھے، پھر توبہ کرلی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ کو قبول فرمالیا (5)، اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں۔ پھر فرمایا: فَاُولٰۗىِٕكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ اس کے معنی میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ انہیں برائیوں کے ارتکاب کے بدلہ میں نیکیاں کرنے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مومن ہیں جنہوں نے ایمان لانے

1۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 8

2۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ بنی اسرائیل: 32

3۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ زمر، جلد 8 صفحہ 549، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 113

4۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 44-45، معجم کبیر، جلد 8 صفحہ 206-207، مجمع الزوائد، جلد 10 صفحہ 389

5۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ نساء: 93

سے قبل گناہ کیے تھے۔ ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں گناہوں سے ہٹا کر نیکیوں کی طرف مائل کر دیا اور ان کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیا(1)۔ عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دنیا میں ہوتا ہے کہ ایک آدمی بری خصلت کا شکار ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اسے نیک عادت میں بدل دیتا ہے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بت پرستی کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی، مومنوں سے لڑنے کی بجائے مشرکوں سے جہاد کرنے لگے اور مشرک عورتوں سے نکاح کے بدلہ میں انہوں نے مومن عورتوں سے نکاح کیے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے برے عمل کو نیک عمل سے، شرک کو توحید و اخلاص سے، بدکاری کو پاکدامنی سے اور کفر کو اسلام سے بدل دیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ خالص توبہ کے سبب ان کے گزشتہ گناہ نیکیوں میں بدل جاتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے انسان کو جب گزشتہ گناہ یاد آتے ہیں تو وہ نادم ہوتا ہے، غمزدہ ہوتا ہے اور استغفار کرتا ہے، اس لحاظ سے اس کے گناہ اطاعت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور یہ گناہ اگرچہ اس کے نامہ اعمال میں لکھے تو گئے تھے لیکن قیامت کے دن ان پر کوئی گرفت نہیں ہوگی اور یہ نیکیوں میں بدل جائیں گے جیسا کہ احادیث و آثار سے ثابت ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اس شخص کو پہچانتا ہوں جو سب سے آخر میں جہنم سے نکلے گا اور سب سے آخر میں جنت میں جائے گا۔ ایک آدمی کو لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس کے کبیرہ گناہوں کو چھوڑ دو اور اس کے صغیرہ گناہوں کے متعلق باز پرس کرو۔ اس سے پوچھا جائے گا کہ فلاں دن تو نے فلاں گناہ کیا اور فلاں دن فلاں گناہ کیا تھا، وہ اقرار کرے گا اور اپنے کسی گناہ کا بھی وہ انکار نہیں کر سکے گا، اسے فرمایا جائے گا کہ تمہارے لئے ہر گناہ کے بدلہ میں نیکی ہے، وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! میں نے تو اور بہت سے گناہ کیے تھے وہ مجھے آج دکھائی نہیں دے رہے''۔ (مجھے ان کے بدلہ میں بھی نیکیاں ملتیں)۔ یہ فرما کر حضور ﷺ ہنس دیے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے(2)۔ حضرت ابومالک اشعری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب ابن آدم سو جاتا ہے تو فرشتہ شیطان سے کہتا ہے کہ مجھے اپنا صحیفہ دے، وہ اسے دے دیتا ہے تو فرشتہ اپنے صحیفہ میں ہر ایک نیکی کے بدلہ میں شیطان کے صحیفہ سے دس گناہ مٹا دیتا ہے اور انہیں نیکیاں لکھ لیتا ہے۔ جب تم میں سے کوئی سونے کا ارادہ کرے تو وہ تینتیس بار اللہ اکبر، چونتیس بار الحمد للہ اور تینتیس بار سبحان اللہ پڑھ لیا کرے، یہ سب مل کر سو مرتبہ ہوئے''(3)۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک آدمی کو اس کا نامۂ اعمال دیا جائے گا، وہ اسے پڑھنا شروع کرے گا تو اسے اوپر برائیاں درج کی ہوئی دکھائی دیں گی، انہیں پڑھ کر وہ مایوس سا ہونے لگے گا تو اس کی نظر نیچے پڑے گی، وہاں اسے نیکیاں لکھی ہوئی دکھائی دیں گی۔ اب دوبارہ اوپر دیکھا گا تو اپنے ان گناہوں کو بھی نیکیوں میں بدلا ہوا پائے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے آئیں گے جن کا خیال ہوگا کہ انہوں نے بکثرت گناہ کیے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ یہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ وہ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں بدل دے گا۔

حضرت ابوالضیف فرماتے ہیں کہ جنت میں چار قسم کے جنتی داخل ہوں گے: متقین (پرہیزگار)، شاکرین (شکر گزار)، خائفین (خوف خدا رکھنے والے) اور اصحاب یمین (جنہیں نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا)۔ پوچھا گیا کہ انہیں اصحاب یمین کیوں کہا جاتا

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 46
2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 177، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 170
3۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 282، مجمع الزوائد، جلد 1 صفحہ 120-121

ہے؟ جواب دیا: کیونکہ انہوں نے اچھے برے دونوں قسم کے اعمال کیے تھے، انہیں ان کے نامۂ اعمال دائیں ہاتھوں میں دیے جائیں گے، وہ اپنی برائیوں کا ایک ایک حرف پڑھیں گے اور عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! یہ تو ہمارے گناہ ہیں، ہماری نیکیاں کہاں ہیں؟ اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو مٹا کر ان کی جگہ نیکیاں لکھ دے گا۔ اس پر وہ خوشی خوشی کہیں گے: ھَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ (الحاقۃ: 19) جنت میں ان کی اکثریت ہوگی۔ حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کرنا آخرت میں ہوگا۔ حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ برائیوں کو بخش دے گا اور انہیں نیکیاں بنا دے گا۔ حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ ایک بہت بوڑھا شخص آیا جس کے ابرو آنکھوں پر لٹک گئے تھے۔ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں ایسا شخص ہوں جس نے ہر قسم کے غدر، فسق و فجور اور بدکاری کا ارتکاب کیا ہے۔ اگر میرے گناہ تمام زمین والوں پر تقسیم کر دیے جائیں تو وہ سب کو برباد کر دیں، کیا میرے لئے توبہ کی گنجائش ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم اسلام لاؤ گے؟ اس نے فوراً کلمہ پڑھ لیا: "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمہاری جفا کاریوں اور بدکاریوں کو بخش دے گا اور تمہارے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے گا جب تک تو اسلام پر کاربند رہا۔" اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! میری جفا کاریاں اور بدکاریاں تمام کی تمام معاف ہو جائیں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں سب کی سب"۔ چنانچہ وہ شخص فرطِ مسرت سے تکبیر و تہلیل پکارتا ہوا واپس چلا گیا۔ حضرت ابوطویل رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ آپ فرمائیے، ایک شخص نے ہر قسم کے گناہ کیے ہیں اور کسی چھوٹی بڑی حاجت کو تشنہ نہیں چھوڑا، کیا اس کے لئے توبہ کی کوئی صورت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اسلام قبول کر لیا ہے؟ عرض کی: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر نیک کام کرو اور برائیوں کو ترک کر دو، اللہ تعالیٰ ان سب گناہوں کو نیکیاں بنا دے گا"۔ انہوں نے عرض کی کہ کیا میری جفا کاریاں اور بدکاریاں بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ چنانچہ وہ اللہ اکبر کہتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہو گئے (1)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس ایک عورت آئی اور مجھ سے دریافت کرنے لگی کہ کیا میرے لئے توبہ کی گنجائش ہے؟ میں نے زنا کا ارتکاب کیا، اس سے ناجائز بچہ پیدا ہوا جسے میں نے مار ڈالا۔ میں نے کہا: نہیں، اور نہ تیری آنکھ ٹھنڈی ہو سکتی ہے اور نہ تجھے عزت مل سکتی ہے۔ وہ گریہ وزاری کرتے اور حسرت و ندامت کا اظہار کرتے ہوئے چلی گئی۔ صبح کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ادا کرنے کے بعد میں نے آپ کو سارا ماجرا کہہ سنایا اور یہ بھی بتا دیا کہ میں نے اسے یہ جواب دیا تھا۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: "تم نے بہت بری بات کی، کیا تم نے یہ آیات وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ ... اِلَّا مَنْ تَابَ نہیں پڑھیں"۔ چنانچہ میں اس عورت کے پاس گیا اور اسے یہ آیتیں سنائیں تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ ریز ہو گئی اور کہنے لگی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے میرے لئے رستگاری کی صورت پیدا کر دی (2)۔ اس سند سے یہ حدیث غریب ہے اور اس کے بعض راوی غیر معروف ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ وہ عورت روتے پیٹتے یہ کہے جا رہی تھی کہ کیا یہ حسن و جمال آگ کے لئے پیدا کیا گیا تھا؟ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو جب حضور ﷺ سے مسئلہ کی صحیح نوعیت کا علم ہوا تو آپ اس عورت کی تلاش میں نکلے، ایک ایک گھر چھان مارا لیکن وہ نہ مل سکی۔ اتفاق سے اگلی رات کو وہ پھر آ گئی تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسے صحیح مسئلہ بتایا، یہ سنتے ہی وہ سجدہ میں گر گئی اور کہنے لگی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میرے لئے چھٹکارے اور توبہ کی صورت پیدا کی۔ اسی وقت اس نے نہ صرف اس لونڈی کو آزاد

1۔ معجم کبیر، جلد 7 صفحہ 314، مجمع الزوائد، جلد 1 صفحہ 31-32، جلد 10 صفحہ 202
2۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 43، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 279

کر دیا جو اس کے ساتھ تھی بلکہ اس کی لڑکی کو بھی آزاد کر دیا اور صدق دل سے توبہ کر لی (1)۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت عامہ کی خبر دیتا ہے کہ وہ ہر توبہ کرنے والے کے گناہوں کو بخش دیتا ہے خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے۔ فرمایا: وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا۔ اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (النساء: 110) "اور جو شخص برا کام کر بیٹھے یا اپنے آپ پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بڑا بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا پائے گا"۔ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ (التوبہ: 104) "کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں سے توبہ قبول فرماتا ہے"۔ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر: 53)۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝

"اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب گزرتے ہیں کسی لغو چیز کے پاس سے تو بڑے باوقار ہو کر گزر جاتے ہیں۔ اور وہ جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے ان کے رب کی آیات سے تو نہیں گر پڑتے ان پر بہرے اور اندھے ہو کر۔ اور وہ جو عرض کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! مرحمت فرما ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور بنا ہمیں پرہیزگاروں کے لئے پیشوا"۔

عباد الرحمٰن کی مزید صفات حمیدہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہاں پہلی صفت یہ بیان کی کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ کے متعدد معانی بیان کئے گئے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ شرک اور بت پرستی کا ارتکاب نہیں کرتے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ جھوٹ، فسق و فجور، کفر، لغو اور باطل سے اجتناب کرتے ہیں۔ محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ وہ لغویات اور راگ رنگ سے احتراز کرتے ہیں (2)۔ ابو العالیہ، ابن سیرین، ضحاک وغیرہ کا کہنا ہے کہ مشرکین کی عیدوں اور تہواروں میں شرکت نہیں کرتے۔ عمرو بن قیس اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ وہ بری محفلوں میں نہیں جاتے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اس دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو" (3)۔ مذکورہ بالا صورت میں "يَشْهَدُوْنَ" کا معنی ہے حاضر ہونا۔ اس کا دوسرا معنی ہے گواہی دینا۔ اس صورت میں لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ کا معنی ہے کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کیا میں تمہیں سب سے بڑے بڑے گناہ نہ بتا دوں؟ تین بار آپ ﷺ نے یہ فرمایا۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ضرور آگاہ فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، آپ ﷺ پہلے ٹیک لگائے ہوئے تھے پھر بیٹھ گئے اور فرمایا: خبردار! جھوٹی گواہی"۔ آپ اس آخری بات کو بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم خیال کرنے لگے کہ کاش حضور ﷺ اب خاموش ہو جاتے (4)۔ ظاہری الفاظ کا تقاضا تو یہی ہے کہ اس سے یہ مراد لیا جائے کہ وہ جھوٹ میں حاضر اور شریک نہیں ہوتے، اسی لئے فرمایا: وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ۔ یعنی وہ جھوٹ اور باطل سرگرمی میں شریک نہیں ہوتے اور اگر اتفاقاً ان کا گزر کسی بیہودہ چیز سے ہو جاتا

1۔ تفسیر الطبری، جلد 19 صفحہ 43
2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 283
3۔ سنن دارمی، جلد 2 صفحہ 37
4۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورہ نساء: 31

ہے تو وہ وہاں بیٹھ کر اس سے لطف اندوز نہیں ہوتے بلکہ وہ اس طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے، اس لئے فرمایا: مَرُّوْا كِرَامًا یعنی وہ وقار اور سنجیدگی کے ساتھ وہاں سے گزر جاتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا گذر لہو ولعب کے پاس سے ہوا تو آپ وہاں ٹھہرے بغیر آگے گزر گئے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابن مسعود کریم ہوگیا۔ عباد الرحمٰن کی پھر ایک اور صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَ الَّذِيۡنَ اِذَا ذُكِّرُوۡا۔ اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: اَلَّذِيۡنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَ اِذَا تُلِيَتۡ عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ (الانفال: 2) ''وہ یہ کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور جب ان پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان میں اضافہ کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں''۔ بخلاف کفار کے کہ ان پر قرآن کریم کی تلاوت کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اپنی روش سے باز آتے ہیں بلکہ وہ اپنے کفر، سرکشی، جہالت اور گمراہی پر ڈٹے رہتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَ اِذَا مَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ اَيُّكُمۡ زَادَتۡهُ هٰذِهٖۤ اِيۡمَانًا‌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فَزَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّهُمۡ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ۞ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَتۡهُمۡ رِجۡسًا اِلٰى رِجۡسِهِمۡ (التوبہ: 125-124) پس مومنوں کی حالت کافروں کی حالت کے برعکس ہے۔ یہ کافر قرآن کریم سننے کے باوجود ٹس سے مس نہیں ہوتے بلکہ اپنے کفر وضلالت کے ساتھ چمٹے رہتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ اندھے اور بہرے ہیں جنہوں نے آیات الٰہی کو سنا ہی نہیں لیکن اہل ایمان آیات قرآنی کو سن کر بہروں اور اندھوں کا طرز عمل اختیار نہیں کرتے بلکہ ان آیات کو گوش ہوش سے سنتے ہیں، ان میں جھلکتے ہوئے انوار کو دل کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور غور وفکر کر کے ان کے اسرار ورموز تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو آیات قرآنی پر بہرے اور اندھے بن کر گر جاتے ہیں۔ قتادہ اس آیت کا مفہوم بیان کرتے ہیں کہ رحمٰن کے بندے نہ حق سے بہرے ہیں اور نہ حق میں اندھے بلکہ یہ ایسے زیرک لوگ ہیں جو حق کو خوب سمجھتے ہیں اور آیات قرآنی سے پورا پورا استفادہ کرتے ہیں۔ ابن عون کہتے ہیں کہ میں نے حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ ایک شخص دوسروں کو سجدہ میں دیکھتا ہے لیکن اس نے اس آیت کو نہیں سنا جس کی وجہ سے وہ سجدہ کر رہے ہیں، تو کیا وہ بھی ان کے ساتھ سجدہ کرے؟ آپ نے جواب میں اسی آیت کی تلاوت کی (1)۔ یعنی وہ ان کے ساتھ سجدہ میں شریک نہ ہو کیونکہ نہ اس نے آیت سجدہ تلاوت کی اور نہ اس میں غور وتدبر کیا، چنانچہ مومن کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ بغیر غور وفکر کئے ہاں میں ہاں ملاتا اور اندھی تقلید کرتا چلا جائے بلکہ اسے بصیرت اور یقین حاصل کئے بغیر کوئی کام نہیں کرنا چاہئے۔ عباد الرحمٰن کی صفات بیان کرنے کے بعد ان کی ایک دعا کا ذکر ہو رہا ہے: وَ الَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی اولاد کی التجا کرتے ہیں جو اللہ وحدہ لاشریک کی فرمانبردار اور عبادت گزار ہو تا کہ ایسی صالح اولاد کو دیکھ کر دنیا وآخرت میں ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس دعا سے ان کی مراد خوبصورتی اور حسن وجمال نہیں بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ اطاعت گزار ہوں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد بیوی، بھائی اور دوست احباب کی طرف سے اطاعت الٰہی کا اظہار ہے۔ اللہ کی قسم! ایک مسلمان کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی چیز آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے والی نہیں کہ اس کے اہل وعیال، اولاد، بھائی اور دوست اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہوں۔ ابن جریج اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں وہ خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور جرائم کا ارتکاب نہ کریں۔ عبد الرحمٰن بن زید فرماتے ہیں کہ عباد الرحمٰن اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ ان کے بیوی بچوں کو اسلام کی راہ دکھائے۔ حضرت نفیر بیان

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 51

کرتے ہیں کہ ہم ایک روز حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اسی اثنا میں ایک آدمی گزرا اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر کہنے لگا کہ ان کی آنکھوں کو مبارک ہو جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کا دیدار کیا ہے، کاش ہم بھی حضور ﷺ کی زیارت کرتے اور آپ کی طرح شرف صحبت حاصل کرتے۔ یہ سن کر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ غضبناک ہو گئے۔ مجھے بہت تعجب ہوا کہ اس آدمی نے بری بات تو کوئی نہیں کی پھر آپ کے خفا ہونے کا کیا سبب ہے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسی چیز کی تمنا کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا نہیں کی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اگر یہ اس وقت ہوتے تو ان کا حال کیا ہوتا، بخدا! رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایسے لوگ بھی تو موجود تھے جنہوں نے نہ آپ ﷺ کی تصدیق کی اور نہ آپ ﷺ کی فرمانبرداری کی اور اوندھے منہ جہنم رسید ہو گئے، کیا تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے کہ اس نے تمہیں مسلمان گھرانوں میں پیدا کیا اور پیدا ہوتے ہی تمہارے کانوں میں توحید و رسالت کی آوازیں پڑنے لگیں اور پہلے لوگوں کے سبب تم آزمائش سے بچ گئے؟ رسول اللہ ﷺ ایسے زمانہ میں مبعوث ہوئے جب جاہلیت اپنے عروج پر تھی، اس وقت لوگوں کے نزدیک بت پرستی سے افضل کوئی دین نہ تھا۔ ایسے برے اور سنگین حالات میں حضور ﷺ فرقان لے کر تشریف لائے اور حق و باطل کے درمیان تفریق کی، باپ بیٹا جدا ہو گئے۔ اہل ایمان جب اپنے آباؤ اجداد، اولاد اور بھائیوں کو کفر پر دیکھتے تو انہیں یہ خیال بے چین کر دیتا کہ اگر ان کی موت کفر پر آ گئی تو یہ جہنم میں جائیں گے، اس لئے وہ یہ دعا کرتے تھے: وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا...... (1)۔ دعا کے آخری الفاظ یہ ہیں: وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا یعنی ہمیں ایسا پیشوا بنا کہ نیکی میں لوگ ہماری پیروی کریں۔ بعض نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ ہمیں نہ صرف ہدایت یافتہ بنا بلکہ ہدایت کی راہ پر چلانے والا اور خیر کی دعوت دینے والا بنا یعنی عباد الرحمٰن کی یہ خواہش ہے کہ ان کی اولاد بھی ان کے نقش قدم چلے اور ان کی طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت گزار ہو اور ان کی ہدایت کا نفع ان کے علاوہ دوسروں کو بھی پہنچے۔ یہ چیز زیادہ باعث اجر و ثواب ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب ابن آدم مر جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں بجز تین کے: نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے یا علم جس سے اس کے بعد نفع حاصل کیا جائے یا صدقہ جاریہ" (2)۔

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَ يُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّ سَلٰمًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ۝ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْ لَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ۝

"یہی وہ (خوش نصیب) ہیں جن کو بدلہ میں ملے گا (جنت کا) بالا خانہ ان کے صبر کرنے کے باعث اور ان کا استقبال کیا جائے گا وہاں دعا اور سلام سے۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اس میں: بہت عمدہ ٹھکانہ اور قیام گاہ ہے۔ آپ فرمائیے کیا پروا ہے تمہاری میرے رب کو اگر تم اس کی عبادت نہ کرو۔ اور تم نے (تو الٹا) جھٹلانا شروع کر دیا تو یہ جھٹلانا تمہارے گلے کا ہار بنا رہے گا"۔

اہل ایمان کی صفات جمیلہ، اقوال عظیمہ اور افعال حمیدہ کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ - یعنی مذکورہ اوصاف جلیلہ سے متصف مومنوں کو قیامت کے دن جنت کا بدلہ عطا کیا جائے گا۔ جنت کے بلند ہونے کی وجہ سے اسے "غرفة" کہا گیا ہے۔ یہ بدلہ

1۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 3-2 2۔ صحیح مسلم، جلد 5 صفحہ 73

اس بناء پر ہے کہ وہ صبر کرتے رہے اور صبر کے تقاضوں کو پورا کرتے رہے۔ جنت میں دعا و سلام عزت و توقیر اور احترام و اکرام کے ساتھ ان کا استقبال کیا جائے گا، ان کے لئے ہی سلامتی اور ان پر ہی سلامتی ہے۔ فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ تمہیں سلام ہو، یہ بدلہ ہے تمہارے صبر کرنے کا تمہیں اچھا ٹھکانا عطا ہوا اور وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے، نہ انہیں وہاں سے نکالا جائے گا، نہ وہ وہاں سے نکلنا پسند کریں گے، نہ انہیں وہاں موت آئے گی اور نہ نعمتیں کم ہوں گی جیسا کہ فرمایا: وَ اَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ (ہود: 108)۔ پھر فرمایا: قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِكُمْ...... یعنی اگر تم ایمان نہ لاؤ تو اللہ تعالیٰ کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں۔ اس میں کفار کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ اگر وہ ایمان قبول نہ کریں تو اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر اسے ان کی کوئی ضرورت ہوتی تو وہ ان کے ہاں بھی ایمان کو اس طرح محبوب بنا دیتا جس طرح اس نے اہل ایمان کے دلوں میں ایمان کو محبوب بنا دیا ہے(1)۔ فرمایا: فَقَدْ كَذَّبْتُمْ ۔ یعنی اے کافرو! تم نے جھٹلایا اور عنقریب تمہارا یہ جھٹلانا تمہارے گلے کا ہار بن جائے گا اور دنیا و آخرت میں تمہاری تباہی و بربادی کا سبب بنے گا اور تم بہت بڑے عذاب سے دوچار ہو جاؤ گے۔ اسی عذاب کی ایک کڑی بدر کے دن کفار کی ذلت آمیز شکست ہے جیسا کہ حضرات ابن مسعود، ابی بن کعب، محمد بن کعب قرظی وغیرہ سے اس کی تفسیر منقول ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قیامت کے دن کا عذاب ہے۔ بہر صورت ان دونوں میں کوئی منافات اور تعارض نہیں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 55 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما

سورۂ شعراء (مکیہ)

امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے مروی تفسیر میں اس کا نام سورۂ جامعہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

طٰسٓمّٓ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۝ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

''طا-سین-میم-یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی (اے جان عالم!) شاید آپ ہلاک کر دیں گے اپنے آپ کو اس غم میں کہ وہ ایمان نہیں لا رہے۔ اگر ہم چاہیں تو اتاریں ان پر آسمان سے کوئی نشانی پس ہو جائیں ان کی گردنیں اس کے آگے جھکی ہوئی۔ اور نہیں آیا کرتی ان کے پاس کوئی تازہ نصیحت الرحمٰن کی جانب سے مگر یہ کہ وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ تو بے شک انہوں نے تکذیب کی سو مل جائے گی انہیں اطلاع اس امر کی جس کے ساتھ وہ استہزاء کیا کرتے تھے۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا زمین کی طرف کہ کتنی کثرت سے ہم نے اگائے ہیں اس میں ہر طرح کے مفید پودے۔ بے شک اس میں (ان کے لئے قدرت الٰہی کی) نشانی ہے۔ اور ان سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ اور بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب (اور) ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

سورتوں کے شروع میں آنے والے حروف مقطعات کی بحث سورۂ بقرہ کے اوائل میں گزر چکی ہے۔ فرمایا: تِلْكَ اٰيٰتُ یعنی یہ قرآن کریم کی آیات ہیں جو بالکل واضح، جلی اور حق و باطل اور ہدایت و گمراہی کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ..... یعنی شاید آپ اس غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے کہ وہ ایمان نہیں لا رہے۔ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو کفار کے ایمان نہ لانے پر تسلی دی جا رہی ہے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ (فاطر:8) ''پس ان کے لئے فرط غم سے آپ کی جان نہ نکلے''۔ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا (الکہف:6) ''تو کیا آپ فرط غم سے ان کے پیچھے اپنی جان کو تلف کر دیں گے اگر وہ اس قرآن کریم پر ایمان نہ لائے''۔ پھر فرمایا: اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ... یعنی اگر ہم چاہتے تو ہم ایسی نشانی آسمان سے اتارتے جس کی وجہ سے وہ ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے لیکن ہم ایسا نہیں کرتے کیونکہ ہماری مشیت یہ ہے کہ لوگ اپنی مرضی اور اختیار سے ایمان قبول کریں، اور مقامات پر فرمایا: وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى

یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (یونس:99) ”اور اگر آپ کا رب چاہتا تو ایمان لے آتے جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب، کیا آپ لوگوں کو مجبور کرنا چاہتے ہیں یہاں تک کہ وہ مومن بن جائیں“۔ وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً (ہود:118) ”اور اگر آپ کا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا“۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور قضاء وقدر کے پیش نظر پیغمبروں کو بھیج کر اور کتابیں اتار کر لوگوں پر اتمام حجت کر دی۔ پھر انہیں اختیار دیا کہ وہ اپنی مرضی سے حق و باطل میں سے جسے چاہیں، اپنا لیں، پھر فرمایا: وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِکْرٍ یعنی جب بھی کوئی آسمانی کتاب نازل ہوئی، لوگوں کی اکثریت نے اس سے روگردانی کی جیسا کہ فرمایا: وَ مَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَ لَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ (یوسف:103) ”اور اکثر لوگ، اگرچہ آپ کتنے ہی حریص ہوں، ایمان لانے والے نہیں“۔ یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ (یٰسین:30) ”صد افسوس ان بندوں پر! انہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ اس کے ساتھ مذاق کرنے لگے گئے“۔ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ (المومنون:44) ”پھر ہم کیے بعد دیگرے اپنے رسول بھیجتے رہے جب کبھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا تو انہوں نے اسے جھٹلایا“۔ اس لئے یہاں فرمایا: فَقَدْ كَذَّبُوْا ... یعنی انہوں نے حق کو جھٹلایا اور عنقریب ہی انہیں اس تکذیب کی اطلاع مل جائے گی اور اس کا انجام بھی معلوم ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مخالفت اور اپنی کتاب کی تکذیب کرنے کی جسارت کرنے والوں کو اپنی قوت وسطوت اور جلالت شان پر آگاہ فرما رہا ہے کہ وہی غالب، عظیم اور قادر ہے جس نے زمین کو پیدا کیا اور اس میں کھیتیاں، پھل، حیوانات اور دیگر مفید چیزوں کی تخلیق کی۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگ زمین کی پیداوار سے ہیں، جو ان میں سے جنتی ہے، وہ کریم ہے اور جو دوزخی ہے، وہ لئیم ہے[1]۔ فرمایا: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً یعنی اس میں خالق کائنات کی قدرت کاملہ کی دلیل ہے جس نے وسیع وعریض زمین اور بلند وبالا آسمان پیدا کیا، لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں کو جھٹلاتے ہیں اور اس کے احکام کی مخالفت کر کے ممنوعہ چیزوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ پھر فرمایا: وَاِنَّ رَبَّكَ ۔ یعنی تمہارا رب ہر چیز پر غالب اور اپنی مخلوق پر ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے، وہ اپنے نافرمانوں کو جلدی عذاب میں مبتلا نہیں کرتا بلکہ انہیں ڈھیل اور مہلت دیتا ہے، پھر بھی اگر وہ اپنی روش سے باز نہ آئیں تو انہیں سختی سے پکڑ لیتا ہے اور سخت انتقام لیتا ہے، لیکن ان میں سے جو توبہ کر کے اس کی طرف رجوع کر لیں تو ان پر وہ بہت مہربان ہے۔

وَ اِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰۤى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۙ﴿۱۰﴾ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا یَتَّقُوْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿ؕ۱۲﴾ وَ یَضِیْقُ صَدْرِیْ وَ لَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَ لَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿ۚ۱۴﴾ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰیٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاْتِیَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ﴿۱۶﴾ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿ؕ۱۷﴾ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِیْنَا وَلِیْدًا وَّ لَبِثْتَ فِیْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِیْنَ ۙ﴿۱۸﴾ وَ فَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِیْ فَعَلْتَ وَ اَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلْتُهَاۤ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿ؕ۲۰﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِیْ رَبِّیْ حُكْمًا وَّ جَعَلَنِیْ مِنَ

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 289

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾

''اور یاد کرو جب ندا دی آپ کے رب نے موسیٰ کو (اور فرمایا) کہ جاؤ ظالم لوگوں کے پاس۔ یعنی قوم فرعون کے پاس۔ کیا وہ (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے۔ آپ نے عرض کی میرے رب! میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔ اور گھٹتا ہے میرا سینہ اور رواں نہیں چلتی میری زبان، سو (از راہ کرم) وحی بھیج ہارون کی طرف۔ اور (تو جانتا ہے کہ) ان کا میرے ذمہ ایک جرم بھی ہے اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے۔ اللہ نے فرمایا ایسا نہیں ہوسکتا پس تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں (اور ہر بات) سننے والے ہیں۔ سو دونوں جاؤ فرعون کے پاس اور اسے کہو ہم فرستادے ہیں رب العالمین کے۔ (ہم تمہیں کہتے ہیں) کہ بھیج دے ہمارے ساتھ (ہماری قوم) بنی اسرائیل کو۔ فرعون نے (یہ سن کر) کہا موسیٰ! کیا ہم نے تجھے پالا نہیں تھا اپنے یہاں جب کہ تو بچہ تھا اور بسر کئے تو نے ہمارے پاس اپنی عمر کے کئی سال۔ اور تو نے ارتکاب کیا اس فعل کا جس کا تو نے ارتکاب کیا اور تو بڑا احسان فراموش ہے۔ آپ نے جواب دیا میں نے ارتکاب کیا تھا اس کا اس وقت جب کہ میں ناواقف تھا۔ تو میں بھاگ گیا تھا تمہارے ہاں سے جبکہ میں تم سے ڈرا پس بخش دیا مجھے میرے رب نے حکم اور بنا دیا مجھے رسولوں سے اور یہ نعمت ہے جس کا تو مجھ پر احسان جتاتا ہے، حالانکہ تو نے غلام بنا رکھا ہے بنی اسرائیل کو''۔

اللہ تعالیٰ اپنے اس حکم کا ذکر فرما رہا ہے جو اس نے اپنے بندے، رسول اور کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت دیا تھا جب اس نے آپ علیہ السلام کو طور کی دائیں جانب سے ندا دی، آپ کو ہم کلامی کا شرف بخشا، منصب رسالت پر فائز کیا اور اپنا برگزیدہ پیغمبر بنا کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف روانہ کیا جنہوں نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چند عذر پیش کر کے اللہ تعالیٰ سے ان کے ازالہ کی درخواست کرتے ہوئے عرض کی: رَبِّ اِنِّیْٓ اَخَافُ...... اَنْ يَّقْتُلُوْنِ اس طرح سورۂ طٰہٰ میں ہے: قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿۲۵﴾ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ۔ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى (طٰہٰ: 36-25) آپ علیہ السلام نے اپنے سینے کی گھٹن اور زبان کی لکنت کا عذر پیش کرتے ہوئے قبطی کے قتل کا قصور بھی بیان کیا جس کی وجہ سے آپ کو مصر چھوڑنا پڑا تھا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''كَلَّا'' یعنی ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، تمہیں خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں جیسا کہ فرمایا: سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ (القصص: 35) ''ہم تیرے بازو کو تیرے بھائی سے مضبوط کریں گے اور ہم تمہیں ایسا غلبہ عطا کریں گے کہ وہ ہماری نشانیوں کے باعث تمہیں اذیت نہیں پہنچا سکیں گے۔ تم دونوں اور تمہارے پیروکار ہی غالب ہوں گے''۔ فرمایا: فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ... ، اسی طرح فرمایا: اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى (طٰہٰ: 46) ''میں یقیناً تمہارے ساتھ ہوں، سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں''۔ یعنی تم دونوں کو میری حفاظت، نگہداشت اور تائید و نصرت حاصل ہے۔ تم فرعون کے پاس جاؤ اور اسے بتلا دو کہ ہم رب العالمین کے پیغمبر ہیں جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ (طٰہٰ: 47) یعنی ہم میں سے ہر ایک کو رسول بنا کر تمہاری طرف روانہ کیا گیا ہے اور ہم تمہیں کہتے ہیں کہ ہماری قوم بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے، انہیں اپنی غلامی، قبضہ اور عذاب سے آزاد کر دے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے مومن اور مخلص بندے ہیں اور تم نے انہیں ذلت آمیز عذاب سے دوچار کر رکھا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باتیں سن کر فرعون بہت پیچ و تاب کھایا اور روگردانی کرتے ہوئے حقارت سے کہنے لگا: اَلَمْ نُرَبِّكَ... یعنی کیا تم وہی نہیں جسے ہم نے اپنے گھر میں عرصہ دراز تک بڑے ناز و نعم سے پالا اور ہر طرح کی ناز برداریاں کرتے رہے پھر تم نے اس احسان کا بدلہ یہ دیا کہ تم نے ہمارے ایک آدمی کو قتل کر ڈالا اور احسان فراموشی

کی(1)۔اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: فَعَلْتُهَآ اِذًا ... یعنی مجھ سے اس فعل کا ارتکاب منصب نبوت و رسالت پر فائز ہونے سے پہلے ہوا تھا جب میں ناواقف تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کے نزدیک ''اَلضَّآلِّيْنَ'' بمعنی الجاہلین (ناواقف) ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ''مِنَ الضَّآلِّيْنَ'' کی بجائے ''مِنَ الْجٰهِلِيْنَ'' ہے(2)۔ پھر فرمایا: فَفَرَرْتُ ۔ یعنی وہ حالت ختم ہوئی اور اب ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا رسول بنا کر تمہاری طرف روانہ کیا ہے۔ اگر تو نے میری اطاعت کی تو سلامت رہے گا اور اگر نافرمانی کی تو ہلاک ہوگا۔ پھر فرمایا: وَتِلْكَ نِعْمَةٌ ... یعنی تو مجھ پر احسان جتلاتا ہے کہ تو نے مجھے پالا ہے، تیرا یہ احسان تیرے اس سفاکانہ سلوک کے مقابلہ میں ہیچ ہے جو تو نے میری قوم بنی اسرائیل کے ساتھ روا رکھا ہے، تو نے میری قوم کو غلامی کی بیڑیاں پہنا رکھی ہیں اور تیری قوم ان سے جسمانی مشقت کے کام لیتی ہے۔ کیا ایک فرد کے ساتھ احسان پوری قوم کے ساتھ بدسلوکی کے مقابلہ میں کوئی حیثیت رکھتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿٢٤﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٦﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْۤ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٢٧﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾

''فرعون نے پوچھا کیا حقیقت ہے رب العالمین کی؟ آپ نے فرمایا (رب العالمین وہ ہے جو) مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اگر ہو تم یقین کرنے والے۔ فرعون نے اپنے اردگرد بیٹھنے والوں سے کہا کیا تم سن نہیں رہے۔ آپ نے فرمایا وہ جو تمہارا بھی مالک ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی۔ فرعون بولا بلاشبہ تمہارا یہ رسول جو بھیجا گیا ہے تمہاری طرف یہ تو دیوانہ ہے آپ نے (معاً) فرمایا جو مشرق و مغرب کا رب ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اگر تم کچھ عقل رکھتے ہو''۔

فرعون کے کفر، تمرد، سرکشی اور انکار کو بیان کیا جا رہا ہے کہ اس نے رب العالمین کے متعلق سوال کیا: وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ فرعون اپنی قوم سے کہا کرتا تھا کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، اس طرح اس نے اپنی قوم کو بے وقوف بنا کر راہ راست سے بہکا دیا تو وہ اس کی اطاعت کرتے ہوئے اسے خدا سمجھنے لگے اور خالق حقیقی کا انکار کرتے ہوئے اس عقیدہ پر کاربند ہو گئے کہ فرعون کے سوا ان کا کوئی رب نہیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ میں رب العالمین کا فرستادہ ہوں تو وہ دریافت کرنے لگے کہ تم میرے سوا جسے رب العالمین خیال کئے بیٹھے ہو، وہ کون ہے؟ علماء سلف و خلف نے اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ سدی کا کہنا ہے کہ یہ آیت اس آیت کی طرح ہے: قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿٤٩﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْۤ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (طہ: 50-49) ''فرعون نے پوچھا موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟ فرمایا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو موزوں صورت عطا کی پھر ہر چیز کی رہنمائی کی''۔ اہل منطق وغیرہ میں سے جنہوں نے یہ کہا ہے کہ فرعون کا سوال اللہ تعالیٰ کی حقیقت اور ماہیت کے متعلق تھا، ان کا موقف غلط ہے کیونکہ وہ خالق کائنات کے وجود کا

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 66
2۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 67

اقراری نہیں کرتا تھا کہ اس کی حقیقت و ماہیت دریافت کرتا بلکہ وہ تو سرے سے خدا تعالیٰ کے وجود کا منکر تھا اگرچہ دلائل و براہین اس کے سامنے واضح ہو چکے تھے۔ جب اس نے رب العالمین کے متعلق سوال کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ یعنی وہ سب کا خالق، مالک، متصرف اور معبود ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، وہی اللہ ہی تو ہے جس نے عالم علوی (آسمانوں) میں ستاروں اور سیاروں کو پیدا کیا اور عالم سفلی (زمین) میں سمندر، بیاباں، پہاڑ، میدان، درخت، حیوانات، نباتات، پھل، ہوا، فضا اور پرندوں کی تخلیق کی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجز اور سر تسلیم خم کئے ہوئے بندگی کا اظہار کر رہے ہیں۔ فرمایا: اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ یعنی اگر تمہارے دلوں میں یقین کی دولت ہے اور تمہاری آنکھیں روشن ہیں۔ اس وقت فرعون لاجواب ہو کر اپنے درباریوں کی طرف متوجہ ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑاتے ہوئے اور آپ کی تکذیب کرتے ہوئے کہنے لگے: اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ؟ یعنی کیا تمہیں اس شخص کی بات پر تعجب نہیں آتا جس کا کہنا ہے کہ میرے سوا تمہارا کوئی اور خدا ہے؟ اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ یعنی وہ تمہارا بھی خالق ہے اور تمہارے پہلے گزرے ہوئے آباؤ اجداد کا بھی خالق ہے۔ یہ سن کر فرعون اپنی قوم سے کہنے لگا: اِنَّ رَسُوْلَكُمُ　یعنی اس کا یہ دعویٰ کہ میرے سوا کوئی اور رب ہے، عقل و فہم پر مبنی نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے درباریوں کی طرف متوجہ ہوئے جنہیں فرعون نے شکوک و شبہات میں مبتلا کر رکھا تھا، آپ نے انہیں فرمایا: رَبُّ الْمَشْرِقِ　یعنی وہی اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جس نے مشرق کو پیدا کیا جہاں سے سورج، چاند اور ستارے طلوع ہوتے ہیں اور مغرب کا خالق بھی وہی ہے جہاں یہ سب غروب ہو جاتے ہیں۔ یہ محکم اور پختہ نظام اسی کا وضع کردہ ہے جس سے سرمو انحراف بھی ممکن نہیں۔ اگر فرعون اپنے ربوبیت اور الوہیت کے دعویٰ میں سچا ہے تو اس کے برعکس کر کے دکھائے، مشرق کو مغرب اور مغرب کو مشرق بنا دے۔ یہی دلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیش کی تھی: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ... فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ (البقرۃ: 258) حجت کے میدان میں شکست فاش سے دوچار ہونے کے بعد فرعون طاقت کے استعمال کی دھمکیاں دینے لگا اور یہ یقین کر بیٹھا کہ وہ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر قابو پا لے گا جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات میں اس کا بیان آرہا ہے۔

قَالَ لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ اَوَ لَوْ جِئْتُكَ بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ﴿۳۲﴾ وَّ نَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۳۴﴾ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ وَ ابْعَثْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۳۶﴾ یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِیْمٍ ﴿۳۷﴾

"اس نے (رعب جماتے ہوئے) کہا (یاد رکھو!) اگر تم نے میرے سوا کسی کو خدا بنایا تو میں تمہیں ضرور قیدیوں میں داخل کر دوں گا۔ فرمایا اگرچہ میں لے آؤں تیرے پاس ایک روشن چیز۔ اس نے کہا پھر پیش کرو اسے اگر تم سچے ہو۔ پس آپ نے ڈالا اپنا عصا تو اسی وقت وہ صاف اژدھا بن گیا۔ اور آپ نے باہر نکالا اپنا ہاتھ تو یک لخت وہ سفید ہو گیا دیکھنے والوں کے لئے۔ (یہ دیکھ کر) فرعون نے اپنے آس پاس بیٹھنے والے درباریوں سے کہا واقعی یہ ماہر جادوگر ہے یہ چاہتا ہے کہ نکال دے

تمہیں اپنے ملک سے اپنے جادو (کے زور) سے۔ (اب بتاؤ) تمہاری کیا رائے ہے؟ بولے مہلت دو اسے اور اس کے بھائی کو اور بھیج دو شہروں میں ہرکارے۔ تاکہ وہ لے آئیں تیرے پاس (ملک کے کونے کونے سے) تمام ماہر جادوگر"۔

بحث و مناظرہ اور دلائل کے میدان میں فرعون کو منہ کی کھانا پڑی، اس لئے اس نے اپنی قوت وسطوت کے بل پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دبانے اور مغلوب کرنے کا ارادہ کیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اب بحث وتمحیص کا کوئی فائدہ نہیں۔ کہنے لگا: لَئِنِ اتَّخَذْتَ۔ اس کے جواب میں آپ علیہ السلام نے فرمایا: اَوَلَوْ جِئْتُكَ...... یعنی اگر چہ میں تمہارے پاس کوئی واضح دلیل لے آؤں تو بھی؟ وہ کہنے لگا کہ اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا تو وہ اسی وقت صاف اور واضح اژدھا کی شکل اختیار کر گیا جو منہ کھولے پھنکار رہا تھا، اس کی شکل بہت زیادہ ہیبت ناک اور ڈراؤنی تھی۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال کر باہر نکالا تو وہ چمکتا دمکتا باہر نکلا گویا چاند کا ٹکڑا ہے۔ اب ایک مرتبہ پھر فرعون کی بدبختی آڑے آئی اور ان روشن معجزات کو دیکھنے کے باوجود تکذیب اور عناد کی روش کو ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوا اور اپنے درباریوں سے کہنے لگا کہ یہ ماہر جادوگر ہے۔ فرعون نے اپنے درباریوں کو یہ باور کرایا کہ یہ معجزہ نہیں بلکہ جادو ہے۔ پھر اس نے اپنے درباریوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت اور آپ کے ساتھ کفر پر اکساتے ہوئے کہا: يُرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ۔ یعنی اس کا ارادہ یہ ہے کہ وہ اپنے جادو کے زور سے لوگوں کے دلوں پر اپنا تسلط جما لے اور جب اس کے مددگاروں اور پیروکاروں کی کثرت ہو جائے تو تمہارے ملک پر قبضہ کر لے۔ اب تم مجھے مشورہ دو کہ مجھے اس کے بارے میں کیا کرنا چاہئے؟ درباری کہنے لگے: اَرْجِهْ وَاَخَاهُ۔ یعنی اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دو تاکہ ان کے مقابلہ میں ملک کے کونے کونے سے ماہر جادوگر اکٹھے کیے جائیں اور وہ ان کے جادو کا توڑ کر کے انہیں مغلوب کر دیں۔ چنانچہ فرعون نے ان کی رائے پر عمل کیا۔ درباریوں کے اس مشورہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت کارفرما تھی، وہ یہ کہ جب لوگ ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور جادوگروں کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی روشن نشانیوں، دلائل اور معجزات کا اظہار کریں تو سب کے سامنے حق واضح ہو جائے اور سب کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت کا یقین ہو جائے۔

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٣٨﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿٣٩﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤٠﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤١﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٤٢﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿٤٣﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٤٤﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿٤٥﴾ فَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿٤٦﴾ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٧﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿٤٨﴾

"الغرض جمع کر لئے گئے سارے جادوگر مقررہ وقت پر ایک خاص دن۔ اور کہہ دیا گیا لوگوں سے کیا تم (مقابلہ دیکھنے کے لئے) اکٹھے ہو گے؟ شاید ہم پیروی کرتے رہیں جادوگروں کی اگر وہ (مقابلے میں) غالب آ جائیں۔ جب حاضر ہوئے جادوگر تو انہوں نے فرعون سے پوچھا کیا ہمیں کوئی انعام بھی ملے گا اگر ہم (موسیٰ پر) غالب آ جائیں؟ اس نے کہا ہاں ضرور

ملے گا اور تم اس وقت میرے مقربوں میں شامل کر لئے جاؤ گے۔ موسیٰ نے انہیں فرمایا پھینکو جو تم پھینکنے والے ہو۔ تو انہوں نے پھینک دیں اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں (میدان میں) اور (بڑے وثوق سے) کہا ناموس فرعون کی قسم! ہم ہی یقیناً غالب آئیں گے۔ پھر پھینکا موسیٰ نے اپنا سونٹا تو وہ یکایک نگلنے لگ گیا جو فریب انہوں نے بنا رکھا تھا۔ پس (یہ معجزہ دیکھ کر) گر پڑے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے۔ انہوں نے (برملا) کہہ دیا ہم ایمان لائے رب العلمین پر، جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا''۔

یہاں مناظرہ فعلی کا بیان ہو رہا ہے۔ اس سورت کے علاوہ سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ میں بھی اس کا ذکر ہے۔ قبطی اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانا چاہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اپنے نور کی تکمیل کرے اگرچہ کافروں کو یہ ناپسند اور ناگوار گزرے۔ ہمیشہ سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ جب بھی کفر اور ایمان مقابلہ میں آئے، ایمان کو غلبہ حاصل رہا جیسا کہ فرمایا: بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ (الانبیاء:18) '' بلکہ ہم تو حق سے باطل پر چوٹ لگاتے ہیں پس وہ اسے کچل دیتا ہے اور وہ یکایک ناپید ہو جاتا ہے اور تمہارے لئے (اے باطل پرستو!) ہلاکت ہے ان (نازیبا) باتوں کے باعث جو تم بیان کرتے ہو''۔ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ (بنی اسرائیل:81) '' اور آپ فرما دیجئے حق آگیا ہے اور باطل مٹ گیا ہے''۔ چنانچہ فرعون نے اپنی قلمرو کے گوشے گوشے سے ماہر جادوگر جمع کر لئے جنہیں اپنے فن میں کمال مہارت حاصل تھی اور ان کے مقابلہ میں کوئی دم نہیں مار سکتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جادوگروں کا ایک جم غفیر اکٹھا ہو گیا جن کی تعداد بارہ ہزار یا پندرہ ہزار یا سترہ ہزار یا انیس ہزار یا تیس ہزار سے زائد یا اسی ہزار یا اس سے کم وبیش تھی۔ بہرصورت ان کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ان کے سردار اور استاد چار شخص تھے۔ سابور، عاذور، حطحط اور مصفی (1)۔ چنانچہ مقابلہ کے دن لوگ بڑے جوش وخروش سے جمع ہونے لگے اور کہنے لگے: لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ انہیں یہ کہنے کی توفیق نہ ہوئی کہ ہم حق کی اتباع کریں گے خواہ وہ جادوگروں کی طرف سے ہو یا موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے کیونکہ رعایا اپنے بادشاہ کے دین پر کاربند ہوتی ہے۔ اب وقت مقررہ پر فرعون اپنے جاہ وحشم، امراء، وزراء، رؤساء اور لشکر کے ساتھ نکلا۔ جادوگر فرعون کے دربار میں حاضر ہوئے اور غلبہ کی صورت میں اس سے انعام واکرام اور تقرب کا عہد لیا، کہنے لگے: أَئِنَّ لَنَا لَأَجْرًا اس کے جواب میں فرعون نے انعام واکرام کا وعدہ کرتے ہوئے انہیں اپنے مقربین میں شامل کرنے کی بھی خوشخبری دی۔ اب میدان مناظرہ میں جادوگر کہنے لگے: يٰمُوْسٰٓى إِمَّآ أَنْ تُلْقِيَ وَإِمَّآ أَنْ نَّكُوْنَ أَوَّلَ مَنْ أَلْقٰى ۞ قَالَ بَلْ أَلْقُوْا (طٰہٰ:66-65) '' اے موسیٰ! کیا پہلے آپ پھینکیں گے یا ہم ہی پہلے پھینکنے والے ہو جائیں آپ نے فرمایا کہ تم ہی (پہلے) پھینکو''۔ یہاں اختصار کے ساتھ فرمایا: أَلْقُوْا مَآ أَنْتُمْ ان کا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ کہنا ایسے ہی ہے جیسے کہ جاہل لوگ جب کوئی کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں: هٰذَا بِثَوَابِ فُلَانٍ '' یعنی یہ فلاں کے ثواب سے ہے۔ سورۂ اعراف میں بیان ہوا ہے کہ ان جادوگروں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر کے انہیں ہیبت زدہ کر دیا اور ایک بہت بڑے جادو کا مظاہرہ کیا۔ سورۂ طٰہٰ میں فرمایا: فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ ... وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتٰى (طٰہٰ:66-69) اور یہاں فرمایا: فَأَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ یعنی یکایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہر طرف سے ان جادوگروں کی فریب کاری کو نگلنے لگا اور ان کی رسیوں اور لاٹھیوں میں سے کوئی چیز باقی نہ چھوڑی چنانچہ فرمایا: فَوَقَعَ الْحَقُّ ... رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ (الاعراف:122-118)۔ یہ

1۔ تجمعات الاقران: 150، تاریخ طبری، جلد 1 صفحہ 407-408

ایک عظیم حجت، قطعی دلیل اور روشن معجزہ تھا کہ وہ جادوگر جنہیں فرعون نے اپنی مدد اور غلبہ کے لئے طلب کیا تھا، مغلوب ہوکر فوری طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور اس اللہ رب العالمین کے حضور سجدہ ریز ہوگئے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حق اور قطعی معجزات کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ فرعون کو ایسی شرمناک شکست سے دوچار ہونا پڑا کہ ایسی شکست کا سامنا کسی کو نہیں ہوا لیکن تھا بڑا بے حیا، سرکش اور جری۔ اپنی خفت کو مٹانے کے لئے تکبر، عناد اور جھوٹے دعویٰ سے کام لیتے ہوئے جادوگروں سے کہنے لگا: "اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ" "اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِی الْمَدِیْنَةِ" (الاعراف: 123)۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّ لَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۹﴾ قَالُوْا لَا ضَیْرَ ۫ اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰیٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۱﴾

"فرعون نے (خفت مٹانے کے لئے) کہا تم تو ایمان لا چکے تھے اس پر اس سے پہلے کہ میں تمہیں مقابلہ کی اجازت دیتا۔ یہ تو تمہارا بڑا (گرو) ہے جس نے تمہیں سحر کا فن سکھایا ہے۔ ابھی (اس سازش کا انجام) تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ میں ضرور کاٹ دوں گا تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مخالف طرفوں سے اور میں تم سب کو سولی چڑھا دوں گا۔ انہوں نے جواب دیا ہمیں اس کی ذرا پروا نہیں۔ ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ہمیں یہ امید ہے کہ بخش دے گا ہمارے لئے ہمارا رب ہماری خطائیں۔ کیونکہ ہم (تیری قوم میں سے) پہلے ایمان لانے والے ہیں"۔

فرعون نے جادوگروں کو خوفناک انجام کی دھمکی دی لیکن بے سود، اس نے انہیں سخت عذاب سے ڈرایا لیکن اس سے ان کے ایمان اور جذبہ تسلیم ورضا میں اضافہ ہی ہوا۔ ان کے دلوں سے کفر کے پردے ہٹ گئے اور ان کے سینوں میں حق جاگزیں ہوگیا اور انہیں یقین کامل ہوگیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جس چیز کا ظہور ہوا ہے، وہ کسی بشر کے بس کا روگ نہیں، یہ واقعی معجزہ ہے جسے تائید الٰہی حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی رسالت کی صداقت پر بطور دلیل عطا فرمایا ہے۔ فرعون جادوگروں سے کہنے لگا: اٰمَنْتُمْ لَهٗ یعنی جو کچھ تم نے کیا ہے، اس کی اجازت تمہیں مجھ سے لینی چاہئے تھی۔ اگر میں تمہیں اجازت دے دیتا تو تم ایسا کرتے اور اگر میں تمہیں اس سے روک دیتا تو تم اس سے باز رہتے کیونکہ میں ہی حاکم اور اطاعت کا مستحق ہوں۔ پھر جھٹ ان پر یہ الزام لگا دیا کہ یہ تمہارا بڑا گرو ہے جس نے تمہیں سحر کی تعلیم دی ہے۔ فرعون کا یہ قول محض ہٹ دھرمی پر مبنی تھا جس کے بطلان میں کسی کو کوئی شک وشبہ نہیں کیونکہ مقابلہ کے دن سے پہلے جادوگروں کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہی ثابت نہیں، پھر یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے استاد ہیں جنہوں نے انہیں فن سحر کی تعلیم دی ہے؟ ایک عقلمند شخص ایسی بات نہیں کرسکتا۔ پھر فرعون نے انہیں دھمکی دی کہ وہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر انہیں سولی پر چڑھا دے گا جس کے جواب میں انہوں نے کہا: لَا ضَیْرَ... یعنی ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں، ہمیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور وہ اچھے اعمال کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا اور جو سلوک تو ہمارے ساتھ روا رکھے گا، وہ اس پر مخفی نہیں اور وہ ہمیں اس آزمائش پر پورا پورا بدلہ عطا فرمائے گا، اس لئے کہنے لگے: اِنَّا نَطْمَعُ... یعنی ہمیں امید ہے کہ ہمارا

رب ہمارے سابقہ گناہوں اور جادو کے اس مقابلہ کو معاف فرما دے گا جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا کیونکہ ہم قبطیوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔ چنانچہ فرعون نے ان سب کو قتل کرا دیا۔

وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْۤ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَ اِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ اِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّ كُنُوْزٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ وَ اَوْرَثْنٰهَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾

''اور ہم نے وحی کی موسیٰ کی طرف کہ راتوں رات (یہاں سے) میرے بندوں کو لے جاؤ یقیناً تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔ پس بھیجے فرعون نے سارے شہروں میں ہرکارے۔ (تاکہ لوگوں کو بتائیں) یہ لوگ ایک چھوٹی سی جماعت ہیں۔ اور انہوں نے ہمیں سخت برافروختہ کر دیا ہے۔ (تاہم فکر نہ کرو) ہم سب (ان کے متعلق) بہت محتاط ہیں۔ سو ہم نے نکالا انہیں (سرسبز) باغوں اور (بہتے ہوئے) چشموں اور (بھرپور) خزانوں اور شاندار محلات سے۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان تمام چیزوں کا وارث بنا دیا۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک طویل عرصہ تک مصر میں فرعونیوں کو تبلیغ کرتے رہے اور ان پر پیہم اللہ تعالیٰ کی آیات، دلائل اور معجزات پیش کرتے رہے لیکن ان کے تکبر اور عناد میں کوئی فرق نہ آیا، اس لئے اب یہی صورت باقی تھی کہ انہیں عبرتناک عذاب سے دوچار کر دیا جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ میرے فرمان کے مطابق بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل جائیں اور میرے بتائے ہوئے رستے پر چل دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل ارشاد کی اور بنی اسرائیل کو لے کر رات کے وقت نکل پڑے۔ اس موقع پر بنی اسرائیل نے قوم فرعون سے بہت سے زیورات مستعار لے کر اپنے پاس رکھ لئے۔ متعدد مفسرین کا کہنا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر طلوع قمر کے وقت نکلے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس رات چاند گرہن تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کے متعلق دریافت کیا تو بنی اسرائیل کی ایک بڑھیا نے اس کی نشاندہی کی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے تابوت کو اپنے ساتھ اٹھا لیا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے بذات خود تابوت اٹھایا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی وصیت تھی کہ بنی اسرائیل مصر سے جاتے وقت میرا تابوت اپنے ساتھ لیتے جائیں۔ اس کے متعلق ابن ابی حاتم کی ایک حدیث بھی ہے جس کے راوی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کسی اعرابی کے ہاں مہمان ٹھہرے، وہ بڑی عزت و تکریم سے پیش آیا اور خوب خاطر تواضع کی۔ واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا کہ ہمیں ملتے رہنا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ اعرابی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ''کیا چاہیے؟'' اس نے کہا: ایک اونٹنی کجاوے سمیت اور ایک بکری جو دودھ دیتی ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تو بنی اسرائیل کی بڑھیا جیسا سوال کرنے سے بھی عاجز ہے؟'' صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! بنی اسرائیل کی بڑھیا کا کیا قصہ ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو لے کر نکلے تو رستہ بھول گئے۔ آپ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ علماء بنی اسرائیل نے آپ علیہ السلام کو بتایا کہ بات یہ ہے کہ حضرت

یوسف علیہ السلام نے اپنے وصال کے وقت ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ ہم مصر سے نکلتے وقت آپ کے تابوت کو بھی اپنے ہمراہ لیتے جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ تم میں سے کون جانتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کہاں ہے؟ کہنے لگے کہ اس بارے میں صرف بنی اسرائیل کی ایک بڑھیا کو ہی علم ہے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے اس بڑھیا کو بلا بھیجا اور اس سے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کے متعلق دریافت کیا تو وہ کہنے لگی کہ جب تک آپ میرا مطالبہ پورا نہیں کریں گے، اس وقت تک میں نہیں بتاؤں گی۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارا مطالبہ کیا ہے؟ بڑھیا کہنے لگی کہ میرا مطالبہ یہ ہے کہ میں جنت میں آپ کے ساتھ رہوں۔ گویا یہ سوال آپ علیہ السلام کو بھاری محسوس ہوا، اسی وقت بذریعہ وحی آپ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اس بڑھیا کا مطالبہ تسلیم کرلو۔ اب وہ آپ علیہ السلام کو لے کر ایک جھیل پر آئی اور بنی اسرائیل سے کہا کہ اس کا سارا پانی نکال دو۔ جب وہ سارا پانی نکال چکے تو اس نے انہیں کہا کہ اب یہاں کھودو۔ زمین کو کھودا تو حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر ظاہر ہوگئی۔ انہوں نے آپ علیہ السلام کا تابوت نکال لیا۔ اب تابوت لے کر جونہی چلنے لگے، رستہ دن کی روشنی کی طرف صاف نظر آنے لگا" (1)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے اور اس کا موقوف ہونا زیادہ قرین قیاس ہے۔ صبح کے وقت جب فرعونیوں کی آنکھ کھلی تو انہیں کوئی اسرائیلی نظر نہ آیا۔ فرعون کو جب معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل فرار ہو گئے ہیں تو وہ غصہ سے پیچ و تاب کھانے لگا اور اس نے فوری طور پر شہر میں ہرکارے بھیج کر لشکر جمع کرنے کا حکم دے دیا اور یہ اعلان کر دیا: اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ یعنی بنی اسرائیل ایک مٹھی بھر جماعت ہیں جنہوں نے ہمیں سخت برافروختہ کر رکھا ہے اور ہمیں ہر وقت ان کی شر کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ سلف کی ایک جماعت نے "حٰذِرُوْنَ" پڑھا ہے یعنی ہم اسلحہ سے لیس ہیں اور میری خواہش ہے کہ میں انہیں جڑ سے اکھیڑ کر تباہ و برباد کر دوں لیکن شان خداوندی دیکھیے کہ وہ خود ہی اپنے لاؤ لشکر سمیت نیست و نابود ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ یعنی وہ ان نعمتوں سے نکل کر جہنم میں جا پہنچے اور اپنے عالی شان محلات، باغات، انہار، اموال، ارزاق، سلطنت اور جاہ و منصب سب سے محروم ہو گئے۔ پھر فرمایا: كَذٰلِكَ ۚ وَاَوْرَثْنٰهَا ۔ اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا (الاعراف: 137) "اور ہم نے اس قوم کو جسے حقیر و ذلیل سمجھا جاتا تھا، اس زمین کے شرق و غرب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھ دی تھی"۔ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ (القصص: 5) "اور ہم نے چاہا ان لوگوں پر احسان کریں جنہیں ملک (مصر) میں کمزور بنا دیا گیا تھا اور انہیں پیشوا بنا دیں اور انہیں (تخت فرعون کا) وارث بنا دیں"۔

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ۞ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۞ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۞ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۖ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۞ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ۞ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۞ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۞ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۖ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۞

1۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 404-405، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 306

''پس وہ ان کے تعاقب میں نکلے اشراق کے وقت۔ پس جب ایک دوسرے کو دیکھ لیا دونوں گروہوں نے تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے (ہائے) ہم تو یقیناً پکڑ لئے گئے۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں، بلاشبہ میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا۔ سو ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کی طرف کہ ضرب لگاؤ اپنے عصا سے سمندر کو۔ تو سمندر پھٹ گیا اور ہو گیا پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی مانند۔ اور ہم نے قریب کر دیا وہاں دوسرے فریق کو۔ اور ہم نے بچا لیا (ان تندموجوں سے) موسیٰ اور ان کے سب ہمراہیوں کو۔ پھر ہم نے غرق کر دیا دوسرے فریق کو۔ اس واقعہ میں (بڑی واضح) نشانی ہے۔ اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ اور بے شک (اے حبیب!) آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

متعدد مفسرین نے بیان کیا ہے کہ فرعون ایک جم غفیر لے کر نکلا جس میں اس کے امراء، وزراء، رؤساء، اعیان مملکت اور لشکر بھی شامل تھے۔ یہ اسرائیلی روایت محل نظر ہے کہ فرعون سولہ لاکھ شہسواروں کے ساتھ بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا جن میں سے ایک لاکھ تو صرف سیاہ رنگ کے گھوڑوں پر سوار تھے۔ حضرت کعب الاحبار کا یہ کہنا بھی قابل تامل ہے کہ ان میں سے آٹھ لاکھ سیاہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ بہر صورت یہ بنی اسرائیل کے مبالغہ آمیز اندازے ہیں۔ قرآن کریم نے ان کی تعداد کو معین نہیں کیا کیونکہ تعداد کو بیان کرنے کے ساتھ کوئی فائدہ وابستہ نہیں، البتہ یہ بتا دیا کہ وہ تمام کے تمام بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے اور طلوع آفتاب کے وقت ان کے قریب پہنچ گئے۔ جب دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کہنے لگے: ہائے! ہم تو یقیناً پکڑے گئے۔ بنی اسرائیل کے حواس باختہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ان کے سامنے ٹھاٹھیں مارتا ہوا بحر قلزم تھا اور پیچھے سے فرعونی لشکر گھیرا تنگ کئے ہوئے تھا، اس لئے وہ کہنے لگے: اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا: كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ یعنی یہ فرعونی تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمہیں لے کر یہاں آیا ہوں اور وہ وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ حضرت ہارون علیہ السلام اگلے حصہ پر تھے اور آپ کے ساتھ حضرت یوشع بن نون تھے یا مومن آل فرعون۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے پچھلے حصہ میں تھے۔ کئی ایک مفسرین نے بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل خوفزدہ ہو کر ٹھہر گئے، انہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا کہ وہ کیا کریں۔ حضرت یوشع یا مومن آل فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کرنے لگے کہ اے اللہ کے نبی! کیا آپ کے رب نے اسی راہ پر چلنے کا حکم دیا تھا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ جب فرعون اپنے لشکر سمیت بالکل قریب آ گیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سمندر پر عصا کی ضرب لگانے کا حکم دیا۔ جونہی آپ علیہ السلام نے اپنے عصا کی ضرب لگائی، سمندر اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھٹ گیا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ سمندر پر پہنچ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا مانگی: ''يَا مَنْ كَانَ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَ الْمُكَوِّنَ لِكُلِّ شَيْءٍ وَ الْكَائِنَ بَعْدَ كُلِّ شَيْءٍ اجْعَلْ لَنَا مَخْرَجًا'' یہ دعا کرنے کی دیر تھی کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنا عصا سمندر پر مارو۔(1) قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس رات اللہ تعالیٰ نے سمندر کو یہ حکم دے دیا تھا کہ جب موسیٰ علیہ السلام تجھ پر اپنے عصا کی ضرب لگائیں تو ان کی سننا اور اطاعت کرنا۔ چنانچہ سمندر پوری رات مضطرب اور تلاطم خیز رہا کہ نہ معلوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کب اور کدھر سے آ کر مجھے اپنا عصا مار دیں۔ جب آپ علیہ السلام سمندر پر پہنچے تو آپ علیہ السلام کے نوجوان ساتھی حضرت یوشع بن نون نے عرض کی کہ اے نبی اللہ! اللہ تعالیٰ کا آپ کو کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سمندر کو ضرب لگانے کا حکم دیا ہے۔

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 299

انہوں نے کہا کہ پھر ایسا کر گزر ئیے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سمندر کی طرف وحی کی کہ جب میرے پیغمبر موسیٰ تجھ پر اپنے عصا کی ضرب لگائیں تو پھٹ جانا۔ چنانچہ سمندر اس انتظار میں پوری رات مضطرب رہا اور اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کے خوف سے اس کی موجیں ادھر ادھر سر ٹکراتی رہیں کہ نہ معلوم حضرت موسیٰ کب آ جائیں اور مجھے اپنا عصا ماردیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مارا تو سمندر فوراً پھٹ گیا اور پانی کے ہر حصے نے ایک بڑے پہاڑ کی شکل اختیار کر لی۔ درمیان میں دروں جیسے رستے بن گئے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بارہ رستے بن گئے اور بنی اسرائیل کے قبائل کی تعداد بھی بارہ تھی۔ سدی کہتے ہیں کہ ہر دو رستوں کے درمیان حائل پہاڑ میں طاق بن گئے جن میں سے وہ ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔ پانی دیواروں کی طرح کھڑا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے ہوا کو بھیجا جس نے درمیان سے پانی کو خشک کر کے رستے صاف کر دیئے۔ اس ضمن میں فرمایا: فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخَافُ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ (طٰہٰ: 77) "عصا کی ضرب سے ان کے لئے سمندر میں خشک راستہ بنالینا نہ تمہیں پیچھے سے پکڑے جانے کا ڈر ہوگا اور نہ کوئی اور اندیشہ"۔ اور یہاں فرمایا: وَأَزْلَفْنَا ثَمَّ ... یعنی ہم نے فرعون اور اس کے لشکر کو سمندر کے قریب کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے پیروکار ہمراہیوں کو بچا لیا، ان میں سے کوئی بھی ہلاک نہ ہوا اور فرعونی تمام کے تمام غرق کر دیئے گئے، ان میں سے کوئی بھی زندہ باقی نہ رہا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر نکلے تو اس کی اطلاع پا کر فرعون نے ایک بکری ذبح کرنے کا حکم دیا۔ جب بکری ذبح ہوگئی تو وہ کہنے لگا کہ اس کی کھال اترنے سے پہلے پہلے میرے پاس چھ لاکھ قبطیوں کا لشکر جمع ہونا چاہئے۔ ادھر حضرت موسیٰ جب سمندر پر پہنچے تو آپ نے سمندر سے فرمایا کہ پھٹ جا۔ سمندر آپ سے کہنے لگا کہ آپ کیسی تکبر آمیز باتیں کر رہے ہیں، کیا میں پہلے کسی کے لئے پھٹا ہوں کہ آپ کے لئے بھی پھٹ جاؤں۔ آپ کے ساتھ ایک گھڑ سوار شخص تھا، اس نے آپ سے پوچھا: اے اللہ کے نبی! کس جگہ کا آپ کو حکم ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے اسی سمندر کا حکم ہوا ہے۔ وہ شخص اپنے گھوڑے سمیت سمندر میں گھس گیا پھر باہر نکل کر پوچھنے لگا کہ اے نبی اللہ! آپ کو کہاں کا حکم ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے تو اسی سمندر کا حکم ہوا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ نہ آپ سے جھوٹ بولا گیا ہے اور نہ آپ جھوٹے ہیں۔ دوسری مرتبہ پھر اس نے اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال دیا۔ پھر باہر نکل کر مذکورہ سوال و جواب ہوئے۔ اب اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنا عصا سمندر پر مارو۔ آپ نے عصا کی ضرب لگائی تو بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کے لئے بارہ راستے بن گئے جہاں سے گزرتے ہوئے وہ ایک دوسرے کو دیکھ بھی رہے تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی سلامتی کے ساتھ سمندر کو عبور کر گئے اور فرعونی ان کا تعاقب کرتے ہوئے بالکل سمندر کے اندر آ گئے تو ساکن و جامد پانی نے فوراً بہنا شروع کر دیا، اس طرح وہ تمام کے تمام غرق ہوگئے، اس دن جیسا اجتماع کبھی نہیں دیکھا گیا۔ پھر فرمایا: إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ... یعنی اس عجیب وغریب واقعہ میں اس بات کی قطعی دلیل موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی تائید و نصرت فرماتا ہے لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان کی نعمت سے محروم رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ غالب اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ﴿٦٩﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ﴿٧٢﴾ أَوْ يَنفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ﴿٧٣﴾

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 80

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿74﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿75﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿76﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿77﴾

''اور آپ بیان فرمائیے ان کے سامنے ابراہیم کا قصہ۔ جب آپ نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس کی پرستش کرتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم تو پوجتے ہیں بتوں کو اور ہم انہی کی پوجا میں ہر وقت منہمک رہتے ہیں۔ آپ نے پوچھا (بھلا یہ بتاؤ) کیا وہ سنتے ہیں تمہاری آواز جب تم انہیں پکارتے ہو۔ یا وہ تمہیں (کچھ) نفع پہنچا سکتے ہیں یا ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ انہوں نے (لاجواب ہوکر) کہا بلکہ ہم نے تو پایا اپنے باپوں کو کہ وہ یونہی کیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے دیکھ لیا ان (کی بے بسی) کو جن کی تم پرستش کیا کرتے ہو۔ تم اور تمہارے گزشتہ آباؤ اجداد۔ پس وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے''۔

یہاں سے امام الموحدین حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا ذکر شروع ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ اپنی امت کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ سنائیں تا کہ وہ اخلاص، توکل، اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت اور شرک اور اہل شرک سے بیزاری میں آپ علیہ السلام کی اقتدا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بچپن سے ہی دانائی اور رشد سے نوازا تھا۔ آپ نے پروان چڑھتے ہی بت پرستی کی مذمت شروع کر دی اور لوگوں کو توحید کا درس از بر کرانا شروع کر دیا۔ آپ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ یہ کیا مجسمے ہیں جن کی عبادت پر تم ڈٹے ہوئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور ہم ان کی عبادت پر سختی سے کاربند رہیں گے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہارے یہ بت تمہاری بات سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو یا تمہیں نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ وہ لاجواب ہو کر اس حقیقت کا اعتراف کر کے کہ وہ ایسا کوئی کام نہیں کر سکتے، کہنے لگے: بَلْ وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا... یعنی ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ان کی پرستش کرتے ہوئے پایا اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہم نے بھی ان کی سی روش اختیار کر لی۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کی خدائی پر کاری ضرب لگاتے ہوئے فرمایا: اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ... یعنی جن بتوں کی تم اور تمہارے باپ دادا پوجا کرتے رہے، وہ بے بس اور مجبور محض ہیں۔ اگر ان کی کوئی حیثیت، تاثیر اور قدرت ہے تو وہ میرے خلاف کر گزریں، میں تو ان کا واضح دشمن ہوں، مجھے ان کی کوئی پرواہ اور فکر نہیں۔ اس طرح کا چیلنج حضرت نوح علیہ السلام نے بھی کیا تھا۔ فَاَجْمِعُوْۤا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ (یونس: 71) ''سو تم اپنے شریکوں سے مل کر کوئی متفقہ فیصلہ کر لو''۔ اسی طرح حضرت ہود علیہ السلام نے بھی فرمایا تھا: اِنِّيْۤ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْۤا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿54﴾ مِنْ دُوْنِهٖ ..... اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (ہود: 56-54)، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں سے براءت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: وَكَيْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ (الانعام: 82) ''اور میں ان سے کیسے ڈروں جنہیں تم نے شریک ٹھہرا رکھا ہے حالانکہ تم اس سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا ہے''۔ اور مقامات پر فرمایا: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ (الممتحنہ: 4)، وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖۤ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿26﴾ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿27﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً (الزخرف: 27-26) ''اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ میں ان سے بیزار ہوں جن کی تم پوجا کرتے ہو بجز اس کے جس نے مجھے پیدا فرمایا، بے شک وہی میری رہنمائی کرے گا اور آپ نے کلمہ توحید کو باقی رہنے والا بنا دیا''۔

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ﴿۷۸﴾ وَ الَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِ ﴿۷۹﴾ وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴿۸۰﴾ وَ الَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ﴿۸۱﴾ وَ الَّذِیْۤ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۸۲﴾

''جس نے مجھے پیدا فرمایا پھر (ہر قدم پر) وہ میری رہنمائی کرتا ہے۔ اور وہ جو مجھے کھلاتا بھی ہے اور مجھے پلاتا بھی ہے۔ اور جب میں بیمار ہوتا تو وہی مجھے صحت بخشتا ہے اور وہ جو مجھے مارے گا، پھر مجھے زندہ کرے گا۔ اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بخش دے گا میرے لئے میری خطا کو روز جزا کو''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تو اس خدا کی عبادت کرتا ہوں جس میں مذکورہ اوصاف پائے جاتے ہیں۔ وہ نہ صرف میرا بلکہ ہر چیز کا خالق ہے۔ اس نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر کے اس کی طرف اس کی رہنمائی کر دی۔ ہر چیز مقرر کئے ہوئے انداز ے کے مطابق رواں دواں ہے اور وہی جسے چاہتا ہے، ہدایت سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے، گمراہ کر دیتا ہے، پھر فرمایا کہ وہ میرا رازق بھی ہے، وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ زمین وآسمان کے تمام اسباب اسی نے مہیا کئے ہیں۔ بادلوں کا انتظام کرنا، ان سے بارش برسانا، بارش سے زمین کو زندہ کرنا اور زمین سے قسم قسم کی پیداوار اگانا اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے اور اسی نے میٹھے اور شیریں پانی کا بندوست کیا ہے جو انسانوں اور جانوروں کے پینے کے کام آتا ہے۔ پھر فرمایا: وَ اِذَا مَرِضْتُ حضرت خلیل علیہ السلام کا بارگاہ الٰہی میں حسن ادب ملاحظہ ہو کہ بیماری کی نسبت اپنی طرف کی اور شفا کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف حالانکہ بیماری بھی اسی کی قضاء وقدر اور اسی کی تخلیق سے ہے، بالکل یہی راز سورۂ فاتحہ کی اس دعا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۔ ''میں بھی ہے کہ اس میں کمال ادب کی وجہ سے انعام اور ہدایت کی نسبت تو اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اور غضب کے فاعل کو حذف کیا گیا ہے اور ضلالت کو بندوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے جیسا کہ جنات نے کہا تھا: وَّ اَنَّا لَا نَدْرِیْۤ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا (الجن: 10) ''اور ہم نہیں سمجھتے کیا زمین کے مکینوں کے بارے میں کسی شر کا ارادہ کیا جا رہا ہے یا ان کے رب نے انہیں ہدایت دینے کا ارادہ فرمایا ہے)۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: وَ اِذَا مَرِضْتُ ۔ یعنی جب میں بیمار پڑتا ہوں تو بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی بھی مجھے شفا دینے پر قدرت نہیں رکھتا۔ حصول شفاء کے لئے اسی نے اسباب مقرر کئے ہوئے ہیں۔ پھر فرمایا: وَ الَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ۔ یعنی موت وحیات پر بھی اسے ہی قدرت حاصل ہے۔ پہلی دفعہ بھی وہی پیدا کرتا ہے اور دوبارہ بھی وہی لوٹائے گا اور دنیا وآخرت میں گناہوں کی بخشش پر بھی وہی قادر ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۳﴾ وَ اجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَ اجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ﴿۸۵﴾ وَ اغْفِرْ لِاَبِیْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۸۶﴾ وَ لَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿۸۹﴾

''اے میرے رب! عطا فرما مجھے علم وعمل (میں کمال) اور ملا دے مجھے نیک بندوں کے ساتھ۔ اور بنا دے میرے لئے سچی ناموری آئندہ آنے والوں میں۔ اور بنا دے مجھے ان لوگوں سے جو نعمت والی جنت کے وارث ہیں۔ اور بخش دے میرے باپ کو وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے۔ اور نہ شرمسار کرنا مجھے جس روز لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ جس دن نہ مال کام

آئے گا اور نہ بیٹے۔ مگر وہ شخص جو لے آیا اللہ تعالیٰ کے حضور قلب سلیم"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے حکم کا سوال کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول حکم سے مراد علم ہے، عکرمہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد عقل و دانش ہے، بقول مجاہد اس سے مراد قرآن ہے اور سدی کا کہنا ہے کہ اس سے مقصود نبوت ہے۔ مزید عرض کی: وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ یعنی مجھے دنیا و آخرت میں نیک لوگوں میں شامل فرما۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی آخری وقت میں ایسی ہی دعا مانگی تھی: "اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی" (اے اللہ! مجھے رفیق اعلیٰ میں ملا دے)، تین بار آپ نے یہ دعا کی (1)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ سے یہ دعا مروی ہے: "اَللّٰھُمَّ اَحْیِنَا مُسْلِمِیْنَ وَاَمِتْنَا مُسْلِمِیْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِیْنَ غَیْرَ خَزَایَا وَ لَا مُبَدِّلِیْنَ" (2)۔ یعنی اے اللہ! ہمیں اسلام پر زندہ رکھ اور اسلام کی حالت میں ہی موت دے اور بغیر رسوائی اور تبدیلی کے ہمیں نیکوکاروں کے ساتھ ملا دے۔ پھر مزید دعا کرتے ہیں: وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ۔ یعنی میرے بعد بھی لوگوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ، لوگ مجھے اچھے لفظوں سے یاد کرتے رہیں اور نیکی میں میری پیروی کرتے رہیں جیسا کہ فرمایا: وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۞ سَلٰمٌ عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ ۞ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (الصافات: 110-108) "اور ہم نے آنے والوں میں ان کا ذکر خیر چھوڑا، سلام ہو ابراہیم پر، اسی طرح ہم نیکوکاروں کو بدلہ دیتے ہیں"۔ مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ لِسَانَ صِدْقٍ سے مراد الثناء الحسن یعنی عمدہ تعریف ہے۔ یہ ان ارشادات کی طرح ہے: وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً (النحل: 122) "اور ہم نے انہیں دنیا میں ہر بھلائی مرحمت فرمائی"۔ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا (العنکبوت: 27) "اور ہم نے اس دنیا میں ان کو ان کا اجر عطا کیا"۔ لیث بن ابی سلیم اور عکرمہ کہتے ہیں کہ ہر ملت کے لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے محبت رکھتے ہیں۔ مزید عرض کی: وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ۔ یعنی دنیا میں میرا ذکر خیر باقی رکھ کر اور آخرت میں نعمتوں بھری جنت کے وارثوں میں شامل کر کے مجھ پر انعام فرما۔ پھر اپنے باپ کی مغفرت کے لئے دعا کی: وَاغْفِرْ لِاَبِیْٓ، اسی طرح ایک اور مقام پر یوں دعا کی: رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيَّ (ابراہیم: 41) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے رجوع کر لیا تھا جیسا کہ فرمایا: وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ ۚ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ (التوبہ: 114) "اور ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ کے لئے استغفار نہ تھی مگر ایک وعدہ کی وجہ سے جو انہوں نے اس سے کیا تھا اور جب آپ پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ اس سے بیزار ہو گئے۔ بے شک ابراہیم علیہ السلام بڑے نرم دل (اور) بردبار تھے"۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی نہ کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ کافر کے لئے استغفار جائز نہیں، باقی ہر جگہ آپ علیہ السلام کے اسوہ کو اپنانے کا حکم دیا، فرمایا: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ - وَمَاۤ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ (الممتحنہ: 4) پھر آخر میں یہ التجا کی: وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ یعنی قیامت کے دن جب تمام مخلوقات کو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، مجھے شرمسار نہ کرنا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے ملیں گے کہ اس پر غبار اور سیاہی کی آلودگی ہوگی" (3)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ سے ملاقات ہوگی تو آپ عرض کریں گے: اے پروردگار! تو نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ تو مجھے قیامت کے دن رسوا نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے کافروں پر جنت حرام کر دی ہے" (3)۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: قیامت کے دن ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے ملیں گے اس کا چہرہ غبار آلود ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسے فرمائیں

1۔ تخریج کے لئے، دیکھئے تفسیر سورہ یوسف: 101 2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 424 3۔ صحیح بخاری، تفسیر سورہ شعراء، جلد 6 صفحہ 139

گئے کہ کیا میں نے تمہیں یہ نہیں کہا تھا کہ میری نافرمانی مت کرو۔ آپ کا باپ کہے گا کہ آج میں آپ کی نافرمانی نہیں کرتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے: اے پروردگار! تو نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ تو مجھے قیامت کے دن رسوا نہیں کرے گا، آج اس سے بڑھ کر اور کیا رسوائی ہوگی کہ میرا باپ تیری رحمت سے محروم ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے جنت کافروں پر حرام کردی ہے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ابراہیم! اپنے پاؤں تلے دیکھو۔ آپ دیکھیں گے کہ خون میں لتھڑا ہوا ایک مقتول بجو ہے جس کے پاؤں پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا (1)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے باپ کے چہرہ پر غبار اور سیاہی دیکھیں گے تو اسے فرمائیں گے کہ میں نے تمہیں منع کیا تھا لیکن تم نے میری نافرمانی کی۔ وہ کہے گا کہ آج میں آپ کی ایک بھی نافرمانی نہیں کروں گا۔ آپ عرض کریں گے کہ اے میرے پروردگار! تو نے مجھ سے وعدہ کر رکھا ہے کہ مجھے قیامت کے دن رسوا نہیں کرے گا۔ اگر میرا باپ تیری رحمت سے محروم رہا تو یہ بڑی رسوائی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے ابراہیم! میں نے کافروں پر جنت کو حرام قرار دے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے باپ کو لے لے گا اور فرمائے گا: اے ابراہیم! تمہارا باپ کہاں ہے؟ آپ عرض کریں گے کہ تو نے اسے مجھ سے لے لیا ہے۔ فرمان ہوگا کہ نیچے دیکھو۔ آپ دیکھیں گے کہ ایک بجو لوٹ پوٹ رہا ہے، پھر اسے پاؤں سے پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا" (2)۔ اس کی سند غریب ہے اور اس میں نکارت ہے۔ دراصل آپ علیہ السلام کے باپ کو اس صورت میں بدل دیا جائے گا۔ فرمایا: يَوْمَ لَا يَنْفَعُ یعنی اس دن آدمی کو عذاب سے نہ مال بچا سکے گا اگرچہ وہ زمین بھر سونا فدیہ میں دے دے اور نہ بیٹے بچا سکیں گے اگرچہ وہ تمام اہل زمین کو بطور فدیہ پیش کردے۔ اس روز صرف ایمان، اخلاص، شرک اور اہل شرک سے بیزاری ہی نفع بخش ہوگی، اس لئے فرمایا: اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ یعنی قیامت کے دن صرف وہی فلاح پائے گا جو اللہ تعالیٰ کے پاس شرک، کفر اور گناہوں کی آلودگی سے پاک دل لیکر حاضر ہوگا۔ ابن سیرین فرماتے ہیں کہ قلب سلیم وہ ہے جسے یہ علم ہو کہ اللہ تعالیٰ حق ہے، قیامت یقیناً آئے گی، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں اور اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر کے قبروں سے اٹھائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قلب سلیم وہ ہے جو "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" کی گواہی دے۔ مجاہد اور حسن وغیرہ کہتے ہیں کہ قلب سلیم وہ ہے جو شرک سے پاک ہو۔ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قلب سلیم سے مراد قلب صحیح ہے اور یہ قلب مومن ہے کیونکہ کافر اور منافق کا دل مریض ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ۔ ابو عثمان نیشاپوری فرماتے ہیں کہ قلب سلیم وہ ہے جو بدعت سے محفوظ ہو اور سنت سے مطمئن ہو۔

وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٩٠﴾ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿٩١﴾ وَ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٩٢﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿٩٣﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَ الْغَاوٗنَ ﴿٩٤﴾ وَ جُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿٩٥﴾ قَالُوْا وَ هُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٩٦﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٩٧﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَ مَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٩٩﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿١٠٠﴾ وَ لَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٢﴾ اِنَّ فِيْ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 169　2۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 10 صفحہ 309

ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

''اور قریب کردی جائے گی جنت پرہیز گاروں کے لئے۔ اور ظاہر کردی جائے گی دوزخ بھٹکنے والوں کے لئے۔ اور کہا جائے گا انہیں کہ کہاں ہیں وہ جن کی تم پوجا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر۔ کیا وہ تمہاری (کچھ) مدد کرسکتے ہیں یا انتقام لے سکتے ہیں۔ پس اوندھے پھینک دیئے جائیں گے اس میں وہ اور دوسرے گمراہ۔ اور ابلیس کی ساری فوجیں۔ وہ کہیں گے اس حال میں کہ وہ دوزخ میں باہم جھگڑ رہے ہوں گے۔ خدا کی قسم! ہم کھلی گمراہی میں گرفتار تھے۔ جب ہم تمہیں رب العالمین کے برابر بنائے ہوئے تھے۔ اور نہیں گمراہ کیا ہمیں مگر (ان نامی) مجرموں نے۔ تو (آج) نہیں ہے ہمارا کوئی سفارشی۔ اور نہ کوئی غم خوار دوست۔ پس اگر ہمارے اختیار میں ہوتا (دنیا میں) واپس جانا تو ہم اہل ایمان سے ہوتے۔ بے شک اس واقعہ میں (عبرت) کی نشانی ہے۔ اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے۔ اور (اے حبیب!) بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

جنت کو خوب آراستہ اور مزین کر کے اہل تقویٰ کے قریب کردیا جائے گا جو دنیا میں اس کے حصول کی خاطر نیک اعمال کرتے رہے اور جہنم کو ظاہر اور منکشف کردیا جائے گا۔ اس میں سے ایک گردن نمایاں ہوگی جو دوزخیوں کی طرف لپکے گی اور اس میں سے آگ کے بھڑکنے کی ایسی خوفناک آواز سنائی دے گی کہ مارے دہشت کے دل منہ کو آئیں گے۔ اس وقت جہنمیوں کو سرزنش اور زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہا جائے گا: اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ۔۔۔ یعنی جن بتوں کو تم نے اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا معبود بنا رکھا تھا، وہ آج تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے بلکہ وہ آج اپنی حفاظت بھی نہیں کر پائیں گے۔ تم اور وہ سب آج دوزخ کا ایندھن ہیں۔ یقیناً تمہیں اس میں جھونک دیا جائے گا۔ چنانچہ یہ بت، ان کی پرستش کرنے والے گمراہ لوگ، کفر و شرک کے سرغنے اور ابلیس کے لشکر سب اوپر تلے اوندھے کر کے جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے۔ اس وقت کمزور لوگ بڑے لوگوں سے جھگڑتے ہوئے انہیں کہیں گے: قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ۔۔ یعنی ہم دنیا میں تمہاری پیروی کرتے رہے، کیا آج تم ہمیں عذاب سے بچا سکتے ہو؟ وہ خود کو لعنت و ملامت کرتے ہوئے کہیں گے: اللہ کی قسم! ہم واضح گمراہی میں گرفتار تھے۔ کیونکہ ہم تمہیں رب العالمین کے مساوی اور ہم پلہ سمجھتے تھے اور تمہارے حکم کی تعمیل کو بھی اسی طرح ضروری سمجھتے تھے جس طرح رب العالمین کے حکم کی تعمیل ضروری ہے۔ ہمیں تو مجرموں نے گمراہ کردیا، سو اب تو ہمارا کوئی سفارشی بھی نہیں جیسا کہ ایک اور مقام پر ان کی اس آرزو کو یوں بیان فرمایا: فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَاۗءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ (الاعراف:53)'' تو کیا (آج) ہمارے کوئی سفارشی ہیں تو وہ ہمارے لئے سفارش کریں یا ہمیں واپس بھیج دیا جائے تاکہ ہم اس کے برعکس عمل کریں جو ہم کیا کرتے تھے''۔ اسی طرح وہ کہیں گے: فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ۝ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ یعنی نہ ہمارا کوئی سفارشی ہے اور نہ ہی کوئی غمخوار قریبی دوست۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ انہیں علم ہوگا کہ دوست اگر صالح ہو تو نفع پہنچاتا ہے اور قریبی دوست اگر صالح ہو تو شفاعت بھی کرتا ہے۔ پھر وہ تمنا کریں گے کہ کاش انہیں ایک بار پھر دنیا میں لوٹ جانے کا موقعہ دیا جائے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے اپنے سابقہ گناہوں کی تلافی کرسکیں لیکن یہ ان کی خام خیالی ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اگر انہیں دنیا میں لوٹا بھی دیا جائے تو بھی یہ بداعمالیاں کریں گے اور یہ اپنے اس دعویٰ میں کہ ہم دنیا میں پلٹ کر نیک کام کریں گے، بالکل جھوٹے ہیں۔ سورۂ ص میں بھی ان دوزخیوں کے جھگڑے کو بیان کر کے فرمایا: اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ (ص:84)'' یقیناً یہ سچ ہے دوزخی آپس میں جھگڑیں گے''۔ پھر فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۔۔

یعنی قوم کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مناظرے اور توحید پر مسکت دلائل پیش کرنے میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت پر واضح دلالت موجود ہے لیکن اکثر لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے اور آپ کا رب غالب اور رحیم ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٠٥﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٠٦﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٠٨﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١١٠﴾

''جھٹلایا قوم نوح نے (اللہ کے) رسولوں کو۔ جب کہا انہیں ان کے بھائی نوح نے کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔ بے شک میں تمہارے لئے رسول امین ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو۔ اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔ پس تم ڈرو اللہ سے اور میری پیروی کرو''۔

اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے اور رسول حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ زمین پر بت پرستی کے آغاز کے بعد آپ علیہ السلام پہلے رسول ہیں جنہیں اہل زمین کی طرف اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اور لوگوں کو بت پرستی سے منع کرنے اور اس کے خوفناک انجام سے خبردار کرنے کی ذمہ داری آپ کو سونپی لیکن آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلایا اور بت پرستی اور دیگر افعال خبیثہ پر ڈٹے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کو تمام پیغمبروں کی تکذیب کے قائم مقام رکھا، اس لئے فرمایا: كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ...
حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ کیا تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہوئے ڈرتے نہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کا فرستادہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچانے میں امین ہوں، ان میں کمی بیشی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں اس تبلیغ اور خیر خواہی پر تم سے اجرت کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ میرا اجر و ثواب تو اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میری صداقت، امانت اور خیر خواہی تم پر روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

قَالُوا أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ ﴿١١١﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِي بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١١٢﴾ إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّي ۖ لَوْ تَشْعُرُونَ ﴿١١٣﴾ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٤﴾ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿١١٥﴾

''انہوں نے کہا کیا ہم (قوم کے رئیس) ایمان لائیں تجھ پر حالانکہ تمہاری پیروی صرف گھٹیا لوگ کر رہے ہیں آپ نے فرمایا مجھے کیا خبر کہ وہ کس نیت سے ایمان لائے ہیں۔ ان کا حساب تو میرے رب کے ذمہ ہے اگر تمہیں (حقیقت کا) شعور ہے۔ اور نہیں ہوں میں دور بھگانے والا (غریب و مسکین) مومنوں کو۔ نہیں ہوں میں مگر (عذاب سے) صاف صاف ڈرانے والا''۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ پر قوم کے افراد نے آپ کو یہ جواب دیا کہ ہم نہ تم پر ایمان لائیں گے، نہ تمہاری پیروی کریں گے اور نہ ہی ان رذیل اور گھٹیا لوگوں کا سا طریقہ اپنانے کے لئے تیار ہیں جو تمہاری اتباع اور تصدیق کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: وَمَا عِلْمِي یعنی ان کی اتباع کرنے سے مجھ کیا نقصان ہے، مجھے تو اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ

درداء رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ مسلمانوں نے غوطہ میں بلند و بالا محلات اور وسیع باغات کی تعمیر ضرورت سے زیادہ ہی کر لی ہے تو آپ مسجد میں کھڑے ہوئے اور اہل دمشق کو بلایا۔ جب وہ آپ کے پاس جمع ہو گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد انہیں فرمایا کہ کیا تمہیں کچھ حیا نہیں، کیا تمہیں شرم نہیں آتی، تم وہ کچھ جمع کرتے ہو جسے تم کھا نہیں سکتے، تم وہ مکانات تعمیر کرتے ہو جن میں تمہیں رہنا نہیں اور تم ایسی آرزوئیں کرتے ہو جن کا برآنا محال ہے۔ تم سے پہلے بھی ایسے لوگ ہو گزرے ہیں جو مال و دولت سنبھال سنبھال کر رکھا کرتے تھے، پختہ اور بلند و بالا عمارات تعمیر کیا کرتے تھے اور لمبی لمبی امیدیں باندھتے تھے لیکن ان کی امیدیں دھوکہ کا شکار ہو کر خاک میں مل گئیں، ان کی جمع پونجی برباد ہو گئی اور ان کی رہائش گاہیں اجڑ گئیں۔ سنو! قوم عاد عدن سے لے کر عمان تک گھوڑوں اور اونٹوں کی مالک تھی، پس کون ہے جو عاد کی میراث کو دو درہم کے بدلے خریدنے کے لئے تیار ہو؟ پھر ان کی قوت و سطوت، سنگدلی اور بے دردی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَ اِذَا بَطَشْتُمْ۔۔۔ پھر انہیں خوف خدا اور اپنی اطاعت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَ اتَّقُوا الَّذِیْٓ۔۔۔ آخر میں آپ نے انہیں صاف صاف بتا دیا کہ اگر تم تکذیب اور مخالفت پر ڈٹے رہے تو بڑے دن کا عذاب تمہیں اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ آپ نے ترغیب اور ترہیب دونوں طرح سے انہیں سمجھایا لیکن وہ کسی اسلوب سے بھی متاثر نہ ہوئے۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾

''انہوں نے کہا یکساں ہے ہمارے لئے خواہ آپ نصیحت کریں یا نہ ہوں آپ نصیحت کرنے والوں سے۔ نہیں ہے یہ (محلات کا شوق) مگر ہمارے اسلاف کا دستور۔ (آپ فکر نہ کریں) ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ پس انہوں نے آپ کو جھٹلایا اس لئے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ بے شک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے۔ اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے۔ اور بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

حضرت ہود علیہ السلام کی تحذیر، انذار، ترغیب، ترہیب اور بیان حق کے جواب میں آپ کی قوم ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگی: سَوَآءٌ عَلَيْنَآ۔۔۔ یعنی ہم اپنی روش سے بالکل باز نہیں آئیں گے، جیسا کہ ایک اور جگہ بیان کیا: وَ مَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَ مَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ (ہود: 53) ''اور ہم تمہارے کہنے سے اپنے خداؤں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تجھ پر ایمان لانے والے ہیں''۔ کافروں کا معاملہ بالکل اسی طرح ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (البقرۃ: 6) ''بے شک جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے، ان کے لئے یکساں ہے چاہیں آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے''۔ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (یونس: 96) ''بے شک وہ لوگ جن پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے''۔ بعض حضرات نے اس آیت کریمہ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ میں لفظ خلق کو خاء کی زبر اور لام کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جو باتیں تم ہمیں کہتے ہو، یہ پہلے لوگوں کے من گھڑت افسانے ہیں جیسا کہ مشرکین قریش نے کہا تھا: وَ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا (الفرقان: 5) ''اور کفار نے کہا یہ تو پہلے لوگوں

کے افسانے ہیں جنہیں اس شخص نے لکھا لیا ہے۔ پھر یہ اسے صبح و شام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں"۔ وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ افْتَرٰىهُ وَ اَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚۛ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا ۚۛ وَ قَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ (الفرقان:5-4)" اور کفار کہنے لگے کہ یہ (قرآن) نہیں ہے مگر محض بہتان جو اس نے گھڑ لیا ہے اور اس معاملہ میں ایک دوسری قوم نے اس کی مدد کی ہے۔ سو انہوں نے بڑا ظلم کیا اور سفید جھوٹ بولا اور کہنے لگے یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں"۔ وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ مَّاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ (النحل:24)" اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل فرمایا ہے تو کہتے ہیں کہ پہلے لوگوں کے من گھڑت قصے"۔ بعض دوسرے حضرات نے خُلُق خاء اور لام دونوں کی پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں اس کا معنی ہوگا دین اور دستور۔ یعنی یہ ہمارے آباؤ اجداد کا دین اور دستور ہے، اسی پر ہم کاربند ہیں اور اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انہی کی اتباع کر رہے ہیں۔ ان کی طرح ہم جی رہے ہیں اور جس طرح وہ مر گئے، اسی طرح ہم بھی مر جائیں گے۔ اس کے بعد نہ ہمیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائیگا اور نہ قیامت ہوگی۔ انکار قیامت کے اسی عقیدہ کے پیش نظر وہ کہتے تھے: وَ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ یعنی ہمیں کوئی عذاب نہیں ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا: فَكَذَّبُوْهُ ..... یعنی وہ لگاتار اللہ کے نبی حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب، مخالفت اور عناد پر ڈٹے رہے جس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں نیست و نابود کر دیا۔ قرآن کریم میں کئی مقامات پر بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سخت تند و تیز اور شدید ٹھنڈی آندھی کے ذریعے ہلاک کر دیا۔ چونکہ یہ بڑے سرکش اور جابر تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر ان سے بھی زیادہ سرکش اور قوی چیز مسلط کی جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۙ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ (الفجر:7-6)" کیا آپ نے ملاحظہ نہ کیا کہ آپ کے رب نے کیا کیا عاد ارم کے ساتھ جو اونچے ستونوں والے تھے"۔ اس سے مراد عاد اولیٰ ہے جیسا کہ فرمایا: وَ اَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا ﰳالْاُوْلٰى (النجم:50)" اور یہ کہ اسی نے عاد اول کو ہلاک کیا" یہ ارم بن سام بن نوح کی نسل سے تھے۔ چونکہ یہ "عمد" میں سکونت پذیر تھے اس لئے انہیں ذات العماد کہا۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ارم ان کے شہر کا نام تھا لیکن یہ اسرائیلی روایت ہے جس کی کوئی اصل نہیں، اس لئے فرمایا: الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ (الفجر:8) یعنی قوت، شدت اور جبروت میں ان جیسا کوئی اور قبیلہ پیدا نہیں کیا گیا۔ اگر ارم سے مراد شہر ہوتا تو آیت کے الفاظ یہ ہوتے: "اَلَّتِیْ لَمْ یُبْنَ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ" یعنی اس جیسا کوئی اور شہر نہیں بنایا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ قَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ..... وَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ (حم السجدة:15) ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نتھنے کی مقدار ہوا ان پر چھوڑی تھی، پھر بھی یہ محافظ فرشتوں سے بے قابو ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس زوردار آندھی نے ہر چیز نیست و نابود کر دی جیسا کہ فرمایا: تُدَمِّرُ كُلَّ شَیْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا (الاحقاف:25)" وہ اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو تہس نہس کر دے گی"۔ تُدَمِّرُ كُلَّ شَیْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا .... فَتَرَى الْقَوْمَ فِیْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِیَةٍ (الحاقة:7-6) یعنی ایسی شدت کی تند و تیز اور منہ زور آندھی چلی جس نے تمام قوم کے سر اور دھڑ الگ الگ کر دیئے۔ ہوا ان میں سے ایک شخص کو اٹھا کر اوپر فضا میں بلند کرتی، پھر اسے زور سے سر کے بل زمین پر دے مارتی جس سے اس کا سر پھٹ جاتا۔ وہ ہلاک و برباد ہو کر یوں بے سدھ پڑے تھے جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے۔ باوجودیکہ انہوں نے پہاڑوں، قلعوں، غاروں اور مورچوں میں پناہ لے رکھی تھی، پھر بھی آندھی سے نہ بچ سکے کیونکہ جب اجل آجائے تو اسے ٹالا نہیں جا سکتا۔ اس لئے فرمایا: فَكَذَّبُوْهُ ..... ۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِیْنَ ۚۖ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ اِنِّیْ لَكُمْ

رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

''جھٹلایا قوم ثمود نے رسولوں کو۔ جب کہا انہیں ان کے بھائی صالح علیہ السلام نے کیا تم (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے۔ میں تمہارے لئے رسول امین ہوں۔ سو ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری پیروی کرو۔ اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس پر کوئی معاوضہ میرا معاوضہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے''۔

اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے اور رسول حضرت صالح علیہ السلام کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ آپ کو اپنی قوم ثمود کی طرف مبعوث کیا گیا۔ یہ لوگ عرب تھے اور وادی القریٰ اور ملک شام کے درمیان واقع حجر نامی شہر کے باشندے تھے، ان کے مکانات معروف اور مشہور ہیں۔ سورۂ اعراف کی تفسیر میں ہم وہ احادیث بیان کر چکے ہیں جن میں مذکور ہے کہ شام جاتے وقت رسول اللہ ﷺ کا گزر ان کی اجڑی ہوئی بستیوں سے ہوا تھا، وہاں سے ہوتے ہوئے آپ ﷺ تبوک پہنچے، پھر مدینہ واپس پلٹے۔ یہ عاد کے بعد اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہوئے ہیں۔ ان کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت اور اپنی اطاعت کی دعوت دی لیکن انہوں نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور تکذیب و مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں یقین دلایا کہ میں اس دعوت و تبلیغ سے مالی منفعت حاصل کرنے کا خواہشمند نہیں بلکہ میری اس تگ و دو اور جان سوزی کا بدلہ میرے پروردگار کے ذمہ ہے۔ پھر آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں یاد دلائیں جو اس نے انہیں عطا کر رکھی تھیں(1)۔

اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّ زُرُوْعٍ وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَ تَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ وَ لَا تُطِيْعُوْۤا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَ لَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

''کیا تمہیں رہنے دیا جائے گا اس (عیش و طرب) میں جس میں تم یہاں ہو امن سے، ان باغات میں اور چشموں اور (شاداب) کھیتوں میں اور کھجور کے درختوں میں جن کے شگوفے بڑے نرم و نازک ہیں۔ اور تراشتے رہو گے پہاڑوں میں گھر ماہر (سنگتراش) بنتے ہوئے۔ پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میرا اتباع کرو۔ اور نہ پیروی کرو حد سے بڑھنے والوں کے حکم کی۔ جو فساد برپا کرتے رہتے ہیں زمین میں اور اصلاح (کی کوشش) نہیں کرتے''۔

حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم کو وعظ و نصیحت فرما رہے ہیں، انہیں عذاب الٰہی سے خبردار کر رہے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلا رہے ہیں کہ اس نے انہیں وافر رزق عطا فرمایا، ہر قسم کے خطرات سے امن بخشا، ان کے لئے پھلوں سے لدے ہوئے باغات پیدا کئے، ان کیلئے چشمے جاری کر دیئے اور ان کیلئے کھیتیوں اور پھلوں کا بندوبست کیا۔ مزید برآں کھجور کے ایسے درخت پیدا کر دیئے جن کے شگوفے نرم و نازک ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہضیم کا معنی ہے پکی ہوئی۔ ایک دوسری روایت میں آپ سے اس کا معنی تر و تازہ اور شاداب منقول ہے۔ ایک اور روایت میں آپ سے ہی منقول ہے کہ کھجور کے خوشے جب پک کر جھک جائیں تو انہیں

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اعراف: 73-79

ھضیم کہتے ہیں۔ ابوالعلاء نے اس کا معنی بتایا ہے تہہ بہ تہہ پختہ کھجوریں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ کھجور ہے جو خشک ہونے کے بعد ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائے۔ ایک اور روایت میں مجاہد فرماتے ہیں کہ پختہ کھجور کو ھضیم اور خشک کھجور کو ہشیم کہتے ہیں۔ ضحاک کہتے ہیں کہ کھجوروں کی کثرت کی وجہ سے جو خوشہ بوجھل ہو جائے اسے ھضیم کہا جاتا ہے۔ مرہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ سرسبز خوشہ ہے جس کی کھجوریں بکھری ہوئی ہوں۔ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ کھجور ہے جس کی گٹھلی نہ ہو۔ ابوصخر کا کہنا ہے کہ ھضیم اس بند شگوفے کو کہتے ہیں جس کے اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ چمٹے ہوئے ہوں۔ اس کے بعد فرمایا: وَتَنْحِتُوْنَ حضرت ابن عباس وغیرہ فرماتے ہیں کہ فارھین کا معنی ہے ماہر بنتے ہوئے۔ ایک اور روایت میں آپ سے اس کا معنی مغرور و سرکش منقول ہے۔ بہر صورت ان دونوں معانی کے درمیان کوئی منافات اور تضاد نہیں کیونکہ وہ غرور و سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بغیر کسی ضرورت کے بے فائدہ پہاڑوں میں گھر تراشتے تھے اور سنگتراشی اور نقش و نگار کے فن میں انہیں بڑی مہارت حاصل تھی۔ ان کے ہاتھوں سے بنے ہوئے گھر ان کے فن کی منہ بولتی تصویر ہیں اور جس نے ان کے بنائے ہوئے گھروں کو دیکھا ہے، اسے اس بارے میں اچھی طرح معلوم ہے۔ انہیں نمود و نمائش، اسراف اور اظہار شان و شوکت سے منع کرتے ہوئے فرمایا: فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ یعنی تمہیں اس بے فائدہ شغل کی بجائے اپنے خالق اور رازق رب کی عبادت اور تسبیح کرنی چاہئے اور اسی کی وحدانیت کا اقرار کرنا چاہئے تاکہ تمہیں دنیا و آخرت میں نفع حاصل ہو اور تم اپنے رؤساء اور زعماء کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد بپا کرتے ہیں اور اصلاح کی کوشش نہیں کرتے بلکہ شرک، کفر اور مخالفت حق کی دعوت دیتے ہیں۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾

"جواب ملا (اے صالح!) تم تو ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے۔ نہیں ہو تم مگر ایک انسان ہماری مانند۔ ورنہ لاؤ کوئی معجزہ اگر تم راست بازوں میں سے ہو۔ فرمایا یہ ایک اونٹنی ہے ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک مقررہ دن تمہاری باری ہے۔ اور نہ پہنچانا اسے کوئی اذیت ورنہ آلے گا تمہیں بڑے دن کا عذاب۔ ان (بدبختوں) نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر ہو گئے ندامت (وافسوس) کرنے والے پس آلیا انہیں عذاب نے۔ بے شک اس واقعہ میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے۔ اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے۔ اور بے شک آپ کا رب ہی عزیز رحیم ہے"۔

حضرت صالح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو پروردگار عالم کی عبادت کی دعوت دی تو وہ جواب میں کہنے لگے: اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ یعنی تم ان میں سے ہو جن پر جادو کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کا معنی بیان کیا ہے کہ تم مخلوق میں سے ہو یعنی مسحرین سے مراد وہ ہیں جن کا سحر (پھیپھڑا) ہو لیکن زیادہ ظاہر معنی پہلا ہی ہے یعنی تمہاری ان باتوں سے محسوس ہوتا ہے کہ تم پر جادو کیا

کیا ہے اور تم میں عقل نہیں۔ پھر کہنے لگے: "مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا" یعنی تم بھی ہماری مانند بشر ہی ہو، اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ تم پر وحی اترے اور ہم اس سے محروم رہیں جیسا کہ ایک دوسری جگہ یوں ان کا قول مذکور ہے: ءَاُلْقِیَ الذِّکْرُ عَلَیْهِ مِنْ بَیْنِنَا بَلْ هُوَ کَذَّابٌ اَشِرٌ سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْکَذَّابُ الْاَشِرُ (القمر:26-25) "کیا ہم سب میں سے اس پر وحی اتاری گئی ہے؟ بلکہ وہ بڑا جھوٹا، شیخی باز ہے، کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا اور شیخی باز ہے"۔ پھر انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی صداقت کو پرکھنے کی لئے معجزہ کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے تجویز دی کہ ابھی اس چٹان سے ان ان صفات کی حامل دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نکلے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے پختہ عہد لے لیا کہ اگر ان کے مطالبہ پر ان کی تجویز کردہ نشانی دکھا دی گئی تو انہیں ایمان لانا ہوگا اور آپ علیہ السلام کی اتباع کرنا ہوگی۔ جب انہوں نے پختہ عہد کر لیا تو اللہ کے نبی حضرت صالح علیہ السلام اٹھے، نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا، اسی وقت وہ چٹان پھٹی اور ان کی مطلوبہ اونٹنی اس میں سے برآمد ہوگئی۔ یہ معجزہ دیکھ کر کچھ لوگ ایمان لے آئے لیکن اکثر کفر پر ہی ڈٹے رہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: هٰذِهٖ نَاقَةٌ یعنی یہ ایک اونٹنی ہے، ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک دن تمہاری باری مقرر ہے۔ خبردار! اس اونٹنی کو اذیت نہ پہنچانا ورنہ سخت عذاب سے دوچار ہو جاؤ گے۔ ایک عرصہ تک اونٹنی ان کے سامنے چرتی چگتی اور اپنی باری پر پانی پیتی رہی اور یہ لوگ اس کے دودھ سے سیر ہوتے رہے لیکن طویل عرصہ گزر جانے کے بعد ان کی بدبختی نے انہیں آگھیرا اور ان سب نے متفقہ طور پر اونٹنی کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اس کے نتیجہ میں انہیں سخت ندامت اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔ عذاب الٰہی نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ سخت زلزلہ اور خوفناک چیخ کے باعث ان کے دل اڑ گئے۔ ان پر وہ آفت آپڑی جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی اور سب کے سب تباہ و برباد ہو گئے۔

اس واقعہ میں عبرت کی نشانی ہے لیکن اکثر لوگ پھر بھی ایمان لانے پر آمادہ نہیں اور آپ کا رب ہی عزیز رحیم ہے۔

کَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۴﴾

"جھٹلایا قوم لوط نے اپنے رسولوں کو۔ جب کہا ان سے ان کے بھائی لوط (علیہ السلام) نے کیا تم (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے! بے شک میں تمہارے لئے رسول امین ہوں۔ پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری اطاعت کرو۔ اور میں نہیں مانگتا تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی معاوضہ۔ میرا معاوضہ تو اس کے ذمہ ہے جو رب العالمین ہے"۔

اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے اور رسول حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ آپ لوط بن ہاران بن آزر ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں ہی ایک بہت بڑی امت کی طرف مبعوث فرمایا۔ یہ لوگ سدوم اور اس کے گرد و نواح میں آباد تھے، ان کی بستیوں کو تباہ و برباد کر دیا اور یہاں ایک بدبودار گندے اور خبیث پانی کی جھیل وجود میں آئی۔ یہ بلاد غور میں ابھی تک مشہور ہے جو کہ بیت المقدس اور کرک و شوبک کے درمیان واقع ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت اور اپنی اطاعت کی دعوت دی اور انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس فعل شنیع (اغلام بازی)

سے باز آ جانے کا حکم دیا جس کی پہلے مثال نہیں ملتی۔

أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ ۗ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ إِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ رَبِّ نَجِّنِيْ وَأَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَأَهْلَهٗ أَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ إِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾

''کیا تم بدفعلی کے لئے جاتے ہو مردوں کے پاس ساری مخلوق سے۔ اور چھوڑ دیتے ہو جو پیدا کی ہیں تمہارے لئے تمہارے رب نے تمہاری بیویاں۔ بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو۔ وہ (غصہ سے) کہنے لگے (خاموش!) اے لوط! اگر تم اس سے باز نہ آئے تو تمہیں ضرور ملک بدر کر دیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا (سن لو!) میں تمہارے اس (گندے) فعل سے بیزار ہوں۔ میرے مالک! نجات دے مجھے اور میرے اہل و عیال کو اس (کی شامت) سے جو وہ کرتے ہیں۔ سو ہم نے نجات دے دی اسے اور اس کے سب اہل کو۔ سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی۔ پھر ہم نے نام و نشان مٹا دیا دوسروں کا۔ اور ہم نے برسائی ان پر (پتھروں کی) بارش۔ پس بڑی تباہ کن تھی وہ بارش جو برسی ان پر جنہیں ڈرایا گیا (اور وہ باز نہ آئے) بے شک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے۔ اور بلاشبہ (اے محبوب!) آپ کا پروردگار ہی عزیز رحیم ہے''۔

جب اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں بدکاری کے ارتکاب اور مردوں کے ساتھ بدفعلی کرنے سے منع کیا اور حلال طریقے سے انہیں اپنی بیویوں سے خواہش پوری کرنے کی تلقین کی تو وہ بہت برہم ہوئے اور جواب میں کہنے لگے: لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ ۔ یعنی اے لوط! اگر تم اس سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں ملک بدر کر دیں گے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ إِلَّآ أَنْ قَالُوْٓا أَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ (النمل: 56) ''پس نہیں تھا آپ کی قوم کا جواب بجز اس کے کہ انہوں نے کہا آل لوط کو اپنی بستی سے نکال دو، یہ لوگ بڑے پاکباز بنے پھرتے ہیں''۔ جب یہ بدطینت اپنی بدکاری اور گمراہی سے باز آنے پر تیار نہ ہوئے تو حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: إِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ یعنی مجھے تمہارے اس گندے فعل سے سخت نفرت ہے، نہ مجھے یہ پسند ہے اور نہ ہی میں اس پر راضی ہوں۔ میں تم سب سے براءت کا اظہار کرتا ہوں۔ پھر آپ نے ان کے خلاف بددعا کرتے ہوئے عرض کی: رَبِّ نَجِّنِيْ... اسے قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَنَجَّيْنٰهُ یعنی ہم نے آپ کو اور آپ کے سب گھرانے کو بچا لیا بجز آپ کی بڑھیا بیوی کے۔ جس نے اپنی قوم کا ساتھ دیا اور ان کے ساتھ ہی برباد ہو گئی۔ سورۂ اعراف، سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں یہ واقعہ بالتفصیل بیان ہوا ہے۔ آپ رات کے وقت اپنی بیوی کے سوا باقی تمام اہل خانہ کو لے کر نکلے۔ آپ کو حکم دیا گیا تھا کہ بستی سے نکلتے وقت جب قوم پر عذاب نازل ہو گا تو ان کی چیخ و پکار سن کر پیچھے پلٹ کر ان کی طرف نہ دیکھنا۔ چنانچہ انہوں نے حکم کی تعمیل کی اور

بستی سے نکل گئے، پھر ان پر پتھروں کی بارش برسائی گئی جس نے ان تمام نابکاروں کو برباد کر دیا، اسی لئے فرمایا: ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ...... ۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔیْكَةِ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۷۶﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَیْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۰﴾

''جھٹلایا اہل ایکہ نے بھی (اپنے) رسولوں کو۔ جب فرمایا انہیں شعیب (علیہ السلام) نے کیا تم (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے۔ بیشک میں تمہارے لئے رسول امین ہوں۔ پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری پیروی کرو۔ اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس پر کوئی اجر۔ میرا اجر تو اس کے ذمہ ہے جو سارے جہانوں کو پالنے والا ہے''۔

صحیح بات یہی ہے کہ اصحاب ایکہ اور اہل مدین ایک ہی قوم کے دو نام ہیں۔ اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام انہی میں سے تھے۔ یہاں حضرت شعیب علیہ السلام کو اخوھم یعنی ان کا بھائی نہیں کہا گیا کیونکہ ان کی نسبت ایکہ کی طرف کی گئی ہے جس کی یہ عبادت کیا کرتے تھے۔ درختوں کے گھنے اور گنجان جھنڈ کو ایکہ کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ایکہ کا معنی درخت ہے۔ چونکہ یہ ایکہ کے پجاری تھے اس لئے جس طرح دیگر پیغمبروں کو ان کی قوموں کا بھائی کہا گیا ہے، اس طرح حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کا بھائی نہیں کہا گیا حالانکہ آپ ان کے نسبی بھائی تھے۔ بعض لوگ جو اس بات کو نہیں سمجھ سکے، وہ کہتے ہیں کہ اصحاب ایکہ اور اہل مدین دو الگ الگ قومیں تھیں اور ان دونوں کی ہدایت کے لئے حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔ بعض حضرات نے تو یہ بھی کہا ہے کہ آپ کو ان کے علاوہ ایک تیسری امت کی طرف بھی بھیجا گیا تھا۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو دو مرتبہ مبعوث نہیں فرمایا سوائے حضرت شعیب علیہ السلام کے۔ ایک مرتبہ آپ کو اہل مدین کی طرف بھیجا گیا۔ انہوں نے آپ کی تکذیب کی تو انہیں سخت چنگھاڑ سے برباد کر دیا گیا۔ دوسری مرتبہ آپ کو اصحاب ایکہ پر مقرر کیا گیا جن پر تکذیب کے باعث چھتری والے دن کا عذاب نازل ہوا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اصحاب الرس سے بھی قوم شعیب مراد ہے اور اصحاب الایکہ سے بھی قوم شعیب۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اصحاب ایکہ اور اہل مدین ایک ہی قوم ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قوم مدین اور اصحاب ایکہ دو امتیں ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا''۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کا مرفوع ہونا محل نظر ہے۔ صحیح یہی محسوس ہوتا ہے کہ یہ موقوف ہے۔ بہرصورت صحیح بات یہی ہے کہ دونوں سے مراد ایک ہی امت ہے اور دونوں جگہ ان کا الگ الگ وصف بیان ہوا ہے۔ دونوں جگہ حضرت شعیب علیہ السلام کا وعظ ایک جیسا ہے جس میں آپ نے انہیں ناپ تول درست کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں سے مراد ایک ہی امت ہے۔

اَوْفُوا الْكَیْلَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ﴿۱۸۲﴾ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۱۸۳﴾ وَ اتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۸۴﴾

''پورا کیا کرو ناپ اور نہ ہو جاؤ کم ناپنے والوں سے۔ اور وزن کیا کرو صحیح ترازو سے۔ اور نہ کم دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں

اور نہ پھرا کرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے۔ اور ڈرو اس سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں اور (تم سے) پہلی مخلوق کو“۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں ناپ تول درست کرنے کا حکم دیتے ہوئے اور ان میں کمی کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا: اَوْفُوا الْكَیْلَ ... یعنی جب تم لوگوں کو ان کے حقوق ناپ کر دینے لگو تو بغیر کمی کئے پورے پورے حقوق دیا کرو، اسی طرح جب تم اپنا حق لینے لگو تو بھی زیادہ نہیں بلکہ پورا پورا حق لیا کرو۔ جس طرح تم حق دیتے ہو اسی طرح لو، اور جس طرح لیتے ہو، اسی طرح دو اور صحیح ترازو کے ساتھ وزن کیا کرو۔ قسطاس کا معنی ہے ترازو۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ معرب ہے اور اصل میں رومی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے عدل۔ اپنے وعظ میں مزید فرمایا: وَلَا تَبْخَسُوا ... یعنی لوگوں کو ان کی اشیاء کم کر کے نہ دو اور زمین میں فساد برپا نہ کرتے پھرو یعنی ڈاکہ زنی، قزاقی اور رہزنی نہ کرو جیسا کہ ایک اور آیت میں فرمایا: وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ (الاعراف: 86) ”اور مت بیٹھا کرو راستوں پر کہ تم (راہ گیروں کو) ڈرا رہے ہو“۔ آخر میں آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی گرفت سے ڈرایا اور فرمایا: وَاتَّقُوا الَّذِیْ ... یعنی اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں اور تمہارے پہلے آباؤ اجداد کو پیدا کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اسی طرح فرمایا تھا: رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآىٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ (الشعراء: 26) ”جبلة“ کا معنی ہے مخلوق جیسا کہ اس آیت میں ہے: وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِیْرًا (یٰسین: 62) ”اور شیطان نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا“۔

قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَ مَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَ اِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّیْۤ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۹۱﴾

”انہوں نے (جھلا کر) کہا تم تو ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے اور نہیں ہو تم مگر ایک بشر ہماری مانند اور ہم تو تمہارے متعلق یہ خیال کر رہے ہیں کہ تم جھوٹوں میں سے ہو۔ (ہم تمہاری بات نہیں مانتے) لو اب گرا دو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا اگر تم راست بازوں میں سے ہو۔ آپ نے فرمایا میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔ سو انہوں نے جھٹلایا شعیب علیہ السلام کو تو پکڑ لیا انہیں چھتری والے دن کے عذاب نے۔ بے شک یہ بڑے دن کا عذاب تھا۔ بے شک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے۔ اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے۔ اور یقیناً آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“۔

قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام کو وہی جواب دیا جو جواب قوم ثمود نے اپنے رسول کو دیا تھا، کہنے لگے: اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ... یعنی تم پر جادو کر دیا گیا ہے اور تم ہماری مثل بشر ہی تو ہو۔ ہمارے خیال کے مطابق تم دعویٰ رسالت میں جھوٹے ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا ہی نہیں۔ اگر تم واقعی سچے ہو تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دو۔ سدی کہتے ہیں کہ ”کسف“ کا معنی عذاب ہے۔ قریش نے بھی اسی طرح کہا تھا: وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًا ... اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓىٕكَةِ قَبِیْلًا (بنی اسرائیل: 92-90)، وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ

عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ (الانفال: 32)'' اور جب انہوں نے کہا اے اللہ! اگر یہ قرآن تیری طرف سے واقعی سچ ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا''۔ جواب میں حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: رَبِّیْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بخوبی آگاہ ہے۔ اگر تم عذاب کے مستحق ہوئے تو وہ ضرور تمہیں عذاب میں مبتلا کرے گا اور وہ تم پر ظلم نہیں کرے گا۔ چنانچہ ان کا تجویز کردہ عذاب ان پر نازل ہوا اور انہیں ان کی بداعمالیوں کی پوری پوری سزا مل گئی، اس لئے فرمایا: فَکَذَّبُوْهُ۔ یعنی وہ اسی نوعیت کے عذاب سے دوچار ہوئے جس کا انہوں نے مطالبہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سخت گرمی سے دوچار کر دیا، وہ سات دن شدید حرارت میں تپتے رہے، کوئی سایہ انہیں میسر نہ تھا، پھر ایک بادل آیا اور ان پر سایہ فگن ہو گیا، وہ بھی لپکے اور سورج کی تمازت سے بچنے کے لئے اس بادل تلے جمع ہونے لگے۔ جب وہ سب کے سب اس بادل تلے جمع ہو گئے تو ان پر آگ کے شعلے اور انگارے برسنے لگے، ساتھ ہی زمین زور زور سے جھٹکے کھانے لگی اور ایسی دلدوز اور بھیانک چیخ سنائی دی کہ ان کی جان نکل گئی اور وہ سب ہلاک ہو گئے اس لئے فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ۔ اللہ تعالیٰ نے تین مقامات پر ان کی ہلاکت کا ذکر کیا ہے اور ہر مقام پر اس عذاب کا ذکر کیا ہے جو سیاق کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ سورۂ اعراف میں زلزلہ کے ذریعہ انہیں ہلاک کرنے کا ذکر ہے۔ انہوں نے کہا تھا: لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا (الاعراف: 88)'' اے شعیب! ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے نکال کر رہیں گے یا تمہیں ہماری ملت میں لوٹ آنا ہوگا''۔ چونکہ انہوں نے اہل ایمان کو جلاوطنی کی دھمکی دے کر پریشان کیا تھا اس لئے وہ زلزلہ میں دھر لئے گئے، فرمایا: فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ (الاعراف: 78)'' پس انہیں زلزلہ کے جھٹکوں نے آلیا تو صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل گرے پڑے تھے''۔ سورۂ حجر میں فرمایا: فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ (الحجر: 83)'' پس انہیں ایک چنگھاڑ نے پکڑ لیا''، اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کا مذاق اڑاتے ہوئے اور نفرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا: اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ (ہود: 87)'' کیا تمہاری نماز تمہیں حکم دیتی ہے کہ ہم انہیں چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے یا نہ تصرف کریں اپنے مالوں سے جیسے ہم چاہیں بس تم ہی دانا اور نیک ہو''۔ اس لئے مناسب یہی تھا کہ انہیں سخت چنگھاڑ میں مبتلا کر کے خاموش کر دیا جائے اور یہاں انہوں نے سرکشی اور عناد کے باعث کہا تھا: فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اس لئے یہ اس بات کے سزاوار تھے کہ ان پر وہی عذاب آئے جسے وہ محال سمجھتے تھے، اس لئے فرمایا: فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر سات دن شدید گرمی مسلط کئے رکھی یہاں تک کہ انہیں کوئی سایہ دار چیز نہیں ملتی تھی۔ سات دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک ابر نمودار ہوا۔ ایک آدمی اس کے نیچے پہنچا تو اسے ٹھنڈک اور راحت محسوس ہوئی۔ اس نے اپنی قوم کو اس کی خبر دے کر بلا لیا۔ جب سبھی اس کے نیچے جمع ہو گئے تو اس بادل میں سے آگ برسنے لگی(1)۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سائبان بھیجا۔ جب وہ اس کے نیچے اکٹھے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سائبان ہٹ گیا اور سورج نے ان پر ایسی آگ برسائی کہ سب جل کر خاکستر ہو گئے۔(2) محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ اہل مدین تین قسم کے عذاب میں مبتلا ہوئے، سب سے پہلے زلزلہ آیا جس سے خوفزدہ ہو کر وہ اپنے گھروں سے باہر نکل گئے۔ گھروں سے نکل کر باہر جمع ہوئے ہی تھے کہ شدید گھبراہٹ اور خوف محسوس کرنے لگے، وہاں سے بھاگے لیکن گھروں میں داخل ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔ اسی اثناء

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 320
2۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 111

میں ابر کا ایک ٹکڑا ظاہر ہوا۔ ایک آدمی اس کے نیچے گیا تو اسے ٹھنڈک اور راحت محسوس ہوئی۔ اس نے آواز دے کر سب کو بلا لیا۔ جب وہ تمام اس ابر کے نیچے جمع ہو گئے تو اچانک ایک جان لیوا چیخ سنائی دی جس کی وجہ سے وہ تمام کے تمام مر گئے(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت کڑک اور شدید گرمی بھیجی جس سے ان کے سانس گھٹنے لگے، وہ گھبرا کر باہر بھاگے۔ جب سب کے سب باہر جمع ہو گئے تو ایک بدلی نمودار ہوئی جس نے ان پر سایہ کر دیا۔ انہیں بہت ٹھنڈک اور لذت محسوس ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب پر آگ برسا کر انہیں خاکستر کر دیا۔ یہی سائبان والے بھاری دن کا عذاب تھا(2)۔ اس واقعہ میں عبرت کی ایک بہت بڑی نشانی ہے لیکن اکثر لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے اور آپ کا رب کافروں سے انتقام لینے پر غالب ہے اور اپنے مومن بندوں پر مہربان ہے۔

وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾

”اور بلاشبہ یہ کتاب رب العالمین کی اتری ہوئی ہے۔ اترا ہے اسے لے کر روح الامین (یعنی جبریل علیہ السلام) آپ کے قلب (منیر) پر تاکہ بن جائیں آپ (لوگوں کو) ڈرانے والوں سے۔ یہ ایسی عربی زبان میں ہے جو بالکل واضح ہے“۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب عظیم کا ذکر فرما رہا ہے جو اس نے اپنے پیارے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمائی کہ یہ وہی قرآن کریم ہے جس کا ذکر اس سورت کے آغاز میں کرتے ہوئے فرمایا گیا تھا: ”وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُحْدَثٍ ......“ فرمایا کہ یہ قرآن کریم رب العالمین نے روح الامین یعنی جبریل علیہ السلام کے ذریعے آپ کے قلب انور پر اتارا ہے۔ متعدد سلف کا کہنا ہے کہ روح الامین سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس فرمان کی طرح ہے: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (البقرۃ:97)” فرمایئے جو جبریل علیہ السلام کا دشمن ہو (اسے معلوم ہونا چاہئے) کہ اس نے اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر قرآن اتارا ہے جو اس سے پہلے والی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے“۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس سے روح الامین کلام کرے، اسے زمین نہیں کھاتی۔ فرمایا: عَلٰى قَلْبِكَ۔ یعنی اے میرے پیارے رسول ﷺ! اس معزز، امین، جلیل القدر اور فرشتوں کے سردار فرشتے نے آپ کے قلب منیر پر یہ قرآن کریم اتارا ہے جو ہر قسم کی آلودگی اور کمی بیشی سے پاک ہے۔ اس کے اتارنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ اس کے ساتھ ان لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں جو اس کی مخالفت اور تکذیب کرتے ہیں اور ان اہل ایمان کو خوشخبری دیں جو اس کی اتباع کرتے ہیں۔ فرمایا: بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ یعنی ہم نے یہ قرآن کریم فصیح، بلیغ، جامع اور کامل عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ یہ ہر ایک کے لئے واضح، سہل، عذر ختم کرنے والا اور اتمام حجت کرنے والا ہو۔ ایک دن گھٹا ٹوپ بادل چھائے ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: یہ بادل کے لمبے لمبے ٹکڑے جمع ہوتے ہوئے تمہیں کیسے لگتے ہیں؟ صحابہ نے عرض کی کہ ان کا تہہ بہ تہہ جمع ہونا بہت خوب ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان تھمے ہوئے بادلوں کے چوڑے ٹکڑوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ عرض کی کہ کیا ہی خوبصورت اور سختی سے برقرار ہیں۔ فرمایا: ان کا چلنا تمہیں کیسا لگتا ہے؟ عرض کی کہ بہت خوب اور کیا ہی یہ شدید سیاہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم ان کے گول گول ٹکڑوں کو گھومتے ہوئے کیسا پاتے ہو؟ عرض کی: یہ کس قدر خوبصورت اور کس قدر شدت سے گھومتے ہیں۔ فرمایا: تم بجلی کو جا بجا چمکتے ہوئے ٹھہر کر چمکتے ہوئے یا سیدھا

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 319　2۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 110، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 320، مستدرک حاکم، کتاب التاریخ جلد 2 صفحہ 598-599

اس لئے ان کی اس روش پر اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے اور انہیں دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: اَفَبِعَذَابِنَا یَسْتَعْجِلُوْنَ، اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ (الحج:47) پھر فرمایا: اَفَرَءَیْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ - یعنی اگر ہم کچھ عرصے کے لئے انہیں مہلت دے دیں پھر ان کے پاس وہ عذاب آ جائے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا تو انہیں ان کا مال ومتاع کیا فائدہ پہنچائے گا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَهَا لَمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِیَّةً اَوْ ضُحٰىهَا (النازعات:46) "گویا وہ جس روز اسے دیکھیں گے (انہیں یوں محسوس ہوگا) کہ وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے تھے مگر ایک شام یا ایک صبح"۔ یَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ یُّعَمَّرَ (البقرۃ:96) "ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ اسے ہزار سال زندہ رہنے دیا جائے اور (اتنی مدت) جیتے رہنا اسے عذاب سے نہیں بچا سکتا"۔ وَمَا یُغْنِیْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰی (اللیل:11) "اور اس کا مال اس کے کسی کام نہ آئے گا جب وہ ہلاک ہوگا"۔ اس لئے فرمایا: مَآ اَغْنٰی عَنْهُمْ ..... حدیث پاک میں آتا ہے: "کافر کو جہنم میں ایک غوطہ دیا جائے گا پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا تو نے کبھی بھلائی دیکھی؟ کیا تو نے کبھی نعمت پائی؟ وہ کہے گا: اے پروردگار! اللہ کی قسم نہیں۔ پھر ایک اور شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ مصیبت زدہ تھا۔ اسے ایک دفعہ جنت میں سے گزارا جائے گا، پھر اس سے سوال ہوگا کہ کیا تو نے کبھی کوئی مصیبت دیکھی؟ وہ کہے گا: اے میرے پروردگار! اللہ کی قسم نہیں (1)۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

كَاَنَّكَ لَمْ تُوْتَرْ مِنَ الدَّهْرِ لَیْلَةً   اِذَا اَنْتَ اَدْرَكْتَ الَّذِیْ اَنْتَ تَطْلُبُ (2)

یعنی جب تم نے اپنے مطلوب کو پالیا تو گویا تمہیں کسی تکلیف کا سامنا کرنا ہی نہیں پڑا۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے عدل کی بابت خبر دیتا ہے کہ اس نے اتمام حجت، ازالۂ عذر اور بعثت انبیاء سے پہلے کسی امت کو ہلاک نہیں کیا، اس لئے فرمایا: وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍ - اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل:15) "اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم کسی رسول کو نہ بھیجیں"۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰی حَتّٰی یَبْعَثَ فِیْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ۚ - وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ (القصص:59)۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّیٰطِیْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهُمْ وَمَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾

"اور نہیں اترے اس قرآن کو لے کر شیاطین۔ اور نہ یہ ان کے لئے مناسب ہے اور نہ ہی وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں۔ انہیں (شیطانوں کو) تو اس کے سننے سے بھی محروم کر دیا گیا ہے"۔

بتایا جا رہا ہے کہ یہ کتاب عزیز جس کی طرف باطل راہ نہیں پا سکتا اور جو حکیم وحمید ذات کی نازل کردہ ہے، اسے روح الامین اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں نہ کہ شیاطین اسے لے کر اترے ہیں، پھر بیان فرمایا کہ تین وجوہات کی بناء پر شیاطین کے لئے ایسا کرنا ممتنع ہے: ایک یہ کہ ایسا کرنا ان کیلئے مناسب ہی نہیں یعنی یہ ان کا مقصد ہی نہیں کیونکہ ان کی فطرت ہے فساد بپا کرنا اور بندوں کو گمراہ کرنا لیکن یہ کتاب امر بالمعروف، نہی عن المنکر، نور، ہدایت اور برہان عظیم کا مرقع ہے، اس کے اور شیاطین کے درمیان بہت بڑا تضاد اور منافات ہے، اس لئے فرمایا: وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهُمْ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اس کی قدرت اور استطاعت نہیں رکھتے۔ بفرض محال اگر یہ ان کے لئے

1۔ صحیح مسلم، کتاب صفة القیامة، جلد 4 صفحہ 2162، [illegible] 2۔ [illegible] لابن جوزی: 135

مناسب ہوتو بھی یہ اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (الحشر: 21) ''اگر ہم نے اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارا ہوتا تو آپ اس کو دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے جھک جاتا اور پاش پاش ہو جاتا''۔ تیسری وجہ یہ بیان کی کہ انہیں قرآن کریم سننے سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اگر فرض کریں کہ قرآن کریم ان کے لئے مناسب ہے اور وہ اس کی استطاعت بھی رکھتے ہیں تو بھی وہ اس تک نہیں پہنچ سکتے کیونکہ نزول قرآن کے وقت آسمان پر پہرا سخت کر دیا گیا اور شیاطین کو مار بھگانے کے لئے پہریدار اور شہاب ثاقب بالکل تیار اور مستعد کر دیے گئے، اس طرح ان شیاطین کو استماع قرآن سے روک دیا گیا۔ چنانچہ ان میں سے کوئی بھی ایک حرف تک نہ سن سکا۔ اس سے غرض یہ تھی کہ وحی کا معاملہ مشتبہ نہ ہو جائے۔ اسی لئے فرمایا: اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ۔ اسی طرح جنات کے متعلق فرمایا: وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝ ..... اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا (الجن: 10-8)۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ۝ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ۝ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

''پس نہ پکارا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور خدا کو، ورنہ تو ہو جائے گا ان لوگوں میں سے جنہیں عذاب دیا گیا ہے۔ اور آپ ڈرایا کریں اپنے قریبی رشتہ داروں کو اور آپ بچھے بچھے رہا کیجئے اپنے پروں کو ان لوگوں کے لئے جو آپ کی پیروی کرتے ہیں اہل ایمان سے پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ فرمادیں میں بری الذمہ ہوں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے ہو۔ اور بھروسہ کیجئے سب سے غالب ہمیشہ رحم کرنے والے پر جو آپ کو دیکھتا رہتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور (دیکھتا رہتا ہے جب) آپ چکر لگاتے ہیں سجدہ کرنے والوں (کے گھروں) کا۔ بیشک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے''۔

اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم دیتے ہوئے یہ واضح کر دیا کہ جس نے شرک کیا، اللہ تعالیٰ اسے عذاب دے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں کہ ایمان کے بغیر نجات ممکن نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آپ اہل ایمان کے لئے اپنا پہلو نرم رکھیں اور جو کوئی نافرمانی کرے، اس سے بیزاری کا اظہار کریں اس لئے فرمایا: فَاِنْ عَصَوْكَ۔ قریبی رشتہ داروں کے ساتھ مخصوص یہ انداز عام لوگوں کے انذار کے منافی نہیں کیونکہ یہ اس کا ایک جز ہے جیسا کہ فرمایا: لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (الانعام: 92) ''تا کہ آپ مکہ اور اس کے ارد گرد والوں کو ڈرائیں''، وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ (الانعام: 51) ''ڈرایئے اس (قرآن) سے انہیں جو ڈرتے ہیں اس سے کہ انہیں ان کے رب کی طرف اٹھایا جائے گا''۔ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا (مریم: 97) ''تا کہ آپ اس سے پرہیزگاروں کو مژدہ سنائیں اور اس کے ذریعہ جھگڑالو قوم کو ڈرائیں''۔ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (الانعام: 19) ''تا کہ میں اس کے ساتھ تمہیں اور اسے ڈراؤں جس تک یہ پہنچے''، وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ (ہود: 17) ''اور گروہوں میں سے جس نے اس کے ساتھ کفر کیا تو آگ اس کے وعدہ کی جگہ ہے''۔ حدیث

شریف میں ہے: "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس امت میں سے جس نے میری بعثت کے متعلق سنا خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی، پھر مجھ پر ایمان نہ لایا تو وہ جہنم میں جائے گا" (1)۔ اس آیت کریمہ کے متعلق متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں جنہیں ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ کوہ صفا پر چڑھے اور "یا صباحاہ" کہہ کر لوگوں کو آواز دی۔ لوگ جمع ہو گئے۔ جو بذات خود نہیں آ سکتا تھا اس نے اپنا آدمی بھیج دیا۔ اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: "اے بنی عبدالمطلب، اے بنی فہر، اے بنی لوی! اگر میں تم لوگوں کو یہ بتاؤں کہ اس پہاڑ کی پشت پر سواروں کا ایک دستہ تم پر شب خون مارنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات کی تصدیق کرو گے؟" سب نے جواب دیا: ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "میں تمہیں سخت عذاب کے نازل ہونے سے پہلے خبردار کرنے والا ہوں۔" یہ سن کر ابولہب کہنے لگا کہ آج کا دن تمہارے لئے خرابی ہو، کیا تم نے اس لئے ہمیں بلایا تھا؟ اس کے جواب میں سورۂ تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ نازل ہوئی (2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب یہ آیت وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے اور فرمایا: "اے فاطمہ بنت محمد، اے صفیہ بنت عبدالمطلب، اے بنی عبدالمطلب! میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی چیز کا مالک نہیں، البتہ میرے مال میں سے جو چاہو، لے لو" (3)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے قریش کے سب عوام و خواص کو بلایا اور فرمایا: "اے قریش! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ، اے بنی کعب! خود کو آگ سے بچاؤ، اے بنی ہاشم! اپنے آپ کو آگ سے رہا کروا لو، اے بنی عبدالمطلب! خود کو آگ سے محفوظ کر لو، اے فاطمہ بنت محمد! اپنے آپ کو دوزخ سے بچا لے، اللہ کی قسم! میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی چیز کا مالک نہیں سوائے اس کے کہ تمہارے ساتھ قرابت داری ہے جس کا میں حق ادا کروں گا" (4)۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: "اے بنی عبدالمطلب! اپنی جانوں کو اللہ تعالیٰ سے خرید لو، اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ، اے رسول اللہ کی بیٹی فاطمہ! اپنی جانوں کو اللہ تعالیٰ سے خرید لو، میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتا۔ میرے مال میں سے جو چاہو طلب کر لو" (5)۔ ابویعلی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے بنی ہاشم، اے بنی عبد مناف! میں ڈرانے والا ہوں، موت اچانک حملہ آور ہونے والی ہے اور قیامت وعدہ گاہ ہے" (6)۔ حضرات قبیصہ بن مخارق اور زہیر بن عمرو سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ ایک پہاڑی پر چڑھ گئے جس کی چوٹی پر پتھر تھا اور بلند آواز سے پکارنے لگے: "اے بنی عبد مناف! میں خبردار کرنے والا ہوں، میری اور تمہاری مثال ایسے شخص کی سی ہے جس نے دشمن کو دیکھا اور جلدی سے اپنی قوم کو خبردار کرنے کے لئے آیا تاکہ وہ دشمن کے آنے سے پہلے پہلے اپنے بچاؤ کی تدبیر کر لیں اور وہ انہیں متنبہ کرنے کیلئے زور زور سے آوازیں دینے لگا" (7)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے اپنے اہل بیت کو جمع کیا۔ یہ تیس افراد تھے۔ جب یہ خورد و نوش سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "کون ہے جو میرے قرض کی ادائیگی اور میرے وعدوں کے ایفاء کی ضمانت دیتا ہے، وہ جنت میں

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 193

2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ شعراء، جلد 6 صفحہ 221، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 193-194 وغیرہ

3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 192، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 187

4۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ شعراء، جلد 6 صفحہ 140، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 192-193

5۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 360

6۔ مسند ابی یعلی، تحقیق ارشاد الحق، جلد 5 صفحہ 424

7۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 193، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 60

میرا ساتھی اور میرے اہل میں میرا خلیفہ ہوگا؟" ایک آدمی نے کہا: یارسول اللہ! آپ تو سمندر ہیں، بھلا اس فریضہ کو کون انجام دے سکتا ہے، تین مرتبہ آپ ﷺ نے یہی فرمایا لیکن کسی نے حامی نہ بھری۔ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میں اس کے لئے تیار ہوں(1)۔ اس سے بھی ایک مبسوط اور مفصل روایت ہے جس میں بیان کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو عبدالمطلب کو جمع کیا تھا۔ یہ ایک کافی بڑی جماعت تھی۔ ان میں سے ہر ایک بکری کا بچہ کھا جاتا تھا اور ایک بڑا ڈول پی جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کیلئے صرف ایک مد (تقریباً ایک سیر) کھانا تیار کروایا۔ ان سب نے خوب سیر ہوکر کھانا کھایا لیکن کھانا جوں کا توں باقی بچا رہا، یوں محسوس ہوتا تھا کہ اسے کسی نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ پھر آپ نے مشروب منگوایا جسے سب نے پیا لیکن وہ اسی طرح باقی بچا رہا گویا اسے کسی نے پیا ہی نہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: "اے بنی عبدالمطلب! مجھے تمہاری طرف خصوصاً اور تمام لوگوں کی طرف عموماً مبعوث کیا گیا ہے۔ ابھی تم نے میرا ایک معجزہ بھی دیکھ لیا ہے۔ اب تم میں سے کون ہے جو اس شرط پر میری بیعت کرے کہ وہ میرا بھائی اور ساتھی ہوگا"۔ لیکن بھری محفل میں سے کوئی شخص بھی کھڑا نہ ہوا۔ میں اس وقت سب سے زیادہ کمسن تھا۔ میں اٹھ کھڑا ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: "بیٹھ جاؤ"۔ تین مرتبہ آپ ﷺ نے یہی فرمایا اور تینوں مرتبہ بجز میرے کسی نے اپنی خدمات پیش نہ کیں۔ تیسری مرتبہ آپ ﷺ نے مجھ سے بیعت لی(2)۔ امام بیہقی دلائل النبوۃ میں اس سے بھی مبسوط اور غریب روایت لائے ہیں جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر یہ آیت وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے معلوم تھا کہ اگر میں نے ابھی اپنی دعوت کو اپنی قوم پر پیش کیا تو مجھے ان کی طرف سے ناپسندیدہ چیز کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لئے میں نے خاموشی اختیار کرلی لیکن جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے کہنے لگے کہ اگر آپ ﷺ نے تعمیل ارشاد نہ کی تو خدشہ ہے کہ آپ کا رب آپ کو سزا دے گا"۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اسی وقت آپ ﷺ نے مجھے بلا کر فرمایا: "اے علی! اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کروں لیکن یہ بات عیاں ہے کہ اگر میں نے ابھی ان کو دعوت دی تو مجھے ان کی طرف سے مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا، اس لئے میں نے سردست خاموشی اختیار کرنے کی ٹھان لی۔ پھر جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے کہنے لگے کہ اگر آپ نے حکم خداوندی کی بجا آوری نہ کی تو آپ کو سزا ہوگی۔ اے علی! اب ایک بکری ذبح کرکے اس کا گوشت پکاؤ، ایک صاع (ساڑھے چار سیر) اناج تیار کرو اور ایک بڑا پیالہ دودھ کا بھی مہیا کرو۔ پھر بنو عبدالمطلب کو جمع کرو۔ چنانچہ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ وہ سب کے سب جمع ہوگئے۔ اس وقت ان کی تعداد کم وبیش چالیس تھی۔ ان میں سے آپ کے چچا بھی تھے: ابوطالب، حمزہ، عباس اور کافر خبیث ابولہب۔ میں نے کھانا چن دیا۔ آپ ﷺ نے ایک بوٹی اٹھائی اور اپنے دانتوں کے ساتھ کاٹ کر برتن کے اطراف میں ڈال دی اور فرمایا: "اللہ کا نام لے کر کھاؤ"۔ چنانچہ سب افراد نے خوب پیٹ بھر کر کھایا لیکن گوشت اسی طرح باقی تھا صرف ان کی انگلیوں کے نشانات تھے حالانکہ ان میں سے ایک ایک فرد اتنا گوشت کھا لیتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "اے علی! انہیں دودھ پلاؤ"۔ میں دودھ سے بھرا ہوا بڑا پیالہ لے آیا اور ان سب نے خوب سیر ہوکر پیا۔ اللہ کی قسم! ان میں سے ایک شخص اس قدر دودھ پی جاتا تھا۔ جب آپ ﷺ نے ان کے ساتھ گفتگو کرنے کا ارادہ کیا تو ابولہب جلدی سے کہنے لگا کہ اب معلوم ہوا، اسی مقصد کے لئے جادو کر کرشمہ دکھایا گیا تھا۔ یہ سن کر لوگ منتشر ہوگئے اور آپ ﷺ کو ان کے ساتھ گفتگو کرنے کا موقعہ نہ مل سکا۔ اگلے روز آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: "اے

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 111

2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 159

علی! کل کی طرح خوردونوش کی اشیاء تیار کرو۔ اس شخص نے کل مجھے قوم کے ساتھ گفتگو کرنے کا موقعہ ہی نہیں دیا"۔ چنانچہ میں نے گزشتہ روز کی طرح دعوت کا انتظام کیا اور ان سب کو دعوت پر بلایا۔ آپ ﷺ نے گزشتہ روز جیسا عمل کیا۔ ان سب نے خوب پیٹ بھر کر کھایا پیا۔ کھانے کے بعد حضور ﷺ نے وعظ و نصیحت کا ارادہ کیا ہی تھا کہ ابولہب پہلے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور حاضرین سے کہنے لگا کہ اسی مقصد کی خاطر تمہارے صاحب نے تم پر جادو کیا۔ اس کی بات سن کر لوگ محفل سے اٹھ گئے اور آپ ﷺ ان کے ساتھ کلام نہ کر سکے۔ تیسرے روز پھر حضور ﷺ نے فرمایا: "اے علی! کل کی طرح آج پھر دعوت کا انتظام کرو۔ اس شخص نے مجھے بات تک نہیں کرنے دی۔ چنانچہ آج جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے فوراً اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا: "اے بنی عبدالمطلب! اللہ کی قسم، مجھے نہیں معلوم کہ کوئی عربی نوجوان اپنی قوم کے پاس اس سے افضل چیز لایا ہو جو میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی بھلائی لایا ہوں"(1)۔ ایک اور روایت میں یہ اضافہ بھی ہے: "اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی دعوت دوں۔ اب بتاؤ تم میں سے کون ہے جو اس معاملہ میں میری مدد کریگا، وہ میرا بھائی ہوگا اور اسے یہ یہ درجہ حاصل ہوگا؟ سب لوگ خاموش رہے۔ میں اگرچہ اس وقت ان میں سب سے زیادہ کمسن، دکھتی آنکھوں والا، بڑے پیٹ والا اور دبلی پتلی پنڈلیوں والا تھا، پھر بھی میں نے اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! اس معاملہ میں میں آپ کا مددگار رہوں۔ آپ ﷺ نے میری گردن پکڑ کر فرمایا: "یہ میرا بھائی اور ایسے ایسے درجے والا ہے، اس کی بات سنو اور اطاعت کرو"(2)۔ یہ سن کر سب حاضرین ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ابو طالب سے کہنے لگے کہ اب تمہیں حکم ہو گیا ہے کہ تم اپنے بیٹے کی سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ لیکن اس کا ایک راوی عبدالغفار بن قاسم بن ابی مریم متروک، کذاب اور شیعہ ہے، علی بن المدینی وغیرہ کے بقول یہ حدیثیں گھڑ لیا کرتا تھا اور ائمہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ ایک اور روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بکری کی ایک ٹانگ کا گوشت پکانے، ایک صاع اناج اور ایک پیالہ دودھ کا تیار کرنے کا حکم ارشاد فرمایا، پھر آپ ﷺ نے مجھے بنی ہاشم کو بلانے کے لئے کہا۔ کم وبیش چالیس آدمی جمع ہوئے۔ آپ ﷺ نے گوشت سے بھرا ہوا برتن اٹھایا اور ان سے فرمایا کہ کھاتے جاؤ۔ سب نے خوب پیٹ بھر کر کھایا لیکن کھانے میں بالکل معمولی سی کمی واقع ہوئی۔ پھر سب نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا۔ کھانے سے فراغت کے بعد جب آپ ﷺ نے گفتگو کرنا چاہی تو وہ جلدی سے کہنے لگے کہ ایسا جادو تو ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔ یہ سن کر آپ ﷺ خاموش رہے۔ دوسرے دن پھر ایسا ہی ہوا۔ تیسرے دن جب دعوت سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے جلدی سے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا: "تم میں سے کون ہے جو میرے قرض کی ادائیگی کا ضامن بنے اور میرے اہل میں میرا خلیفہ ہو؟" سب لوگ خاموش رہے۔ عباس بھی اس خدشہ کے پیش نظر خاموش رہے کہ کہیں ان کا سارا مال اس قرض کی نذر نہ ہو جائے۔ عباس چونکہ بڑے تھے، اس لئے احتراماً میں بھی خاموش رہا۔ دوبارہ آپ ﷺ نے یہی فرمایا۔ اب بھی عباس رضی اللہ عنہ کو خاموش دیکھ کر مجھے یارائے ضبط نہ رہا۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں حاضر ہوں حالانکہ اس وقت میں سب سے زیادہ بری حالت والا، چندھیائی ہوئی آنکھوں والا، موٹے پیٹ والا اور کمزور پنڈلیوں والا تھا۔ ان روایات میں حضور ﷺ کا اپنے چچاؤں اور چچازاد بھائیوں سے یہ تقاضا کرنا کہ وہ آپ کے قرض کو ادا کرنے کی ذمہ داری لیں اور آپ کے اہل میں آپ کے جانشین بنیں، یہ اس صورت میں تھا کہ اگر آپ راہ خدا میں شہید ہو جائیں۔ گویا آپ ﷺ کو یہ خدشہ تھا کہ جب آپ دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیں گے تو

1۔ دلائل النبوۃ بیہقی، جلد 2 صفحہ 179-180

2۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 121-122

لوگ آپ کو شہید کر دیں گے۔ چنانچہ جب یہ فرمان نازل ہوا: يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدۃ:67) "اے رسول! پہنچا دیجئے جو آپ کی طرف سے آپ کے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا، اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا" تو اس وقت آپ ﷺ بالکل محفوظ و مامون ہو گئے۔ قبل ازیں آپ کا پہرہ دیا جاتا تھا لیکن اس آیت کے نزول کے بعد پہرہ ہٹا دیا گیا۔ اس وقت بنی ہاشم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ ایمان و ایقان والا اور حضور ﷺ کی تصدیق کرنے والا کوئی نہ تھا، اس لئے آپ رضی اللہ عنہ نے ان سب سے پہلے حضور ﷺ کی دعوت پر لبیک کہی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے کوہ صفاء پر اعلانیہ دعوت دی اور نام لے لے کر قبائل قریش، اپنے چچاؤں، اپنی پھوپھیوں اور اپنی بیٹیوں کو خبردار کیا اور دعوت توحید دی۔ عبدالواحد دمشقی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو وعظ کرتے اور فتویٰ دیتے ہوئے دیکھا۔ لوگ بڑے انہماک سے آپ کی طرف متوجہ تھے لیکن آپ کے بیٹے اور گھر کے کچھ آدمی مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ کسی شخص نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی توجہ اس طرف مبذول کرواتے ہوئے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ لوگ تو آپ سے حصول علم میں دلچسپی لے رہے ہیں لیکن آپ کے گھر کے افراد لاپرواہی سے بیٹھے ہوئے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "دنیا میں سب سے زیادہ کنارہ کشی کرنے والے انبیاء ہیں اور ان پر سب سے زیادہ سخت ان کے قرابت دار ہوتے ہیں"۔ اس بارے میں فرمان ہے: وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ ۔ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ پھر فرمایا: وَتَوَكَّلْ عَلَي الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ یعنی آپ اپنے تمام امور میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں جو غالب اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے، کیونکہ وہی آپ کا مددگار، حامی و ناصر، محافظ اور آپ کے کلمہ کو بلند کرنے والا ہے۔ پھر فرمایا: الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ یعنی وہ آپ کی حفاظت فرمانے والا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا (الطور:48) "اور آپ اپنے رب کے حکم سے صبر فرمائیے۔ بے شک آپ ہماری نظروں میں ہیں"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھتا ہے جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ وہ آپ کے قیام، رکوع اور سجدہ کو دیکھتا ہے۔ حسن فرماتے ہیں کہ وہ آپ کو دیکھتا ہے جب آپ تنہا نماز پڑھتے ہیں۔ ضحاک کہتے ہیں کہ جب آپ اپنے بستر یا مجلس سے کھڑے ہوتے ہیں تو اس وقت وہ آپ کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اٹھتے بیٹھتے اور دیگر تمام حالات میں آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہوتے ہیں۔ قتادہ ان آیات الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھتا ہے جب آپ تنہا نماز پڑھتے ہیں اور اس وقت بھی آپ اس کی نگاہ میں ہوتے ہیں جب آپ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔ حضرات عکرمہ، عطاء خراسانی اور حسن بصری کا یہی قول ہے۔ مجاہد اس آیت وَتَقَلُّبَكَ ... کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جس طرح اپنے سامنے کی چیز دیکھتے، بالکل اسی طرح آپ اپنے پیچھے کی چیز بھی دیکھتے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے: "اپنی صفیں درست کر لیا کرو، میں تمہیں اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں" (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک نبی کی پشت سے دوسرے نبی کی پشت سے منتقل ہوتے ہوئے دیکھتا رہا یہاں تک کہ آپ کو نبی بنا کر اس دنیا میں بھیجا۔ آخر میں فرمایا: اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ یعنی وہ اپنے بندوں کے اقوال کو سننے والا اور ان کی حرکات و سکنات کو خوب جاننے والا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، جلد 1 صفحہ 184، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 324

وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ (یونس: 61) ''اور نہیں ہوتے آپ کسی حال میں اور نہ اس حال میں آپ کچھ تلاوت کرتے ہیں اور (اے لوگو) نہ کچھ تم عمل کرتے ہو مگر (ہر حال میں) ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب بھی تم کسی کام میں شروع ہوتے ہو''۔

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ۞ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۞ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ۞ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۞ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۞ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۞ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۞

''کیا میں بتاؤں تمہیں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں۔ وہ اترتے ہیں ہر جھوٹ گھڑنے والے بدکار پر۔ یہ اپنے کان (شیطانوں کی طرف) لگائے رکھتے ہیں اور ان میں سے اکثر بڑے جھوٹے ہیں اور جو شعراء ہیں تو ان کی پیروی حق سے بہکے ہوئے لوگ ہی کرتے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ شعراء ہر وادی میں سرگرداں پھرتے رہتے ہیں۔ اور وہ کیا کرتے ہیں ایسی باتیں جن پر وہ خود عمل نہیں کرتے۔ بجز ان شعراء کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور انتقام لیتے ہیں اس کے بعد کہ ان پر ظلم کیا گیا۔ اور عنقریب جان لیں گے جنہوں نے ظلم و ستم کئے کہ وہ کس (بھیانک) جگہ لوٹ کر آ رہے ہیں''۔

ان مشرکین سے خطاب ہو رہا ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا لایا ہوا قرآن برحق نہیں بلکہ اسے آپ نے خود گھڑ لیا ہے یا جنوں کا سردار آپ کے پاس یہ کلام لاتا ہے، چنانچہ مشرکین کی اس افتراء بازی اور ہرزہ سرائی سے آپ ﷺ کی پاکیزگی بیان کرتے ہوئے اس حقیقت پر آگاہ کیا گیا کہ یہ قرآن کریم کلام الٰہی ہے جسے ایک معزز اور امانتدار فرشتہ لے کر اترا ہے، یہ شیاطین کی طرف سے نہیں کیونکہ انہیں اس قسم کے قرآن کریم میں کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ تو اپنی قماش کے جھوٹے کاہنوں پر اترتے ہیں، اس لئے فرمایا: هَلْ اُنَبِّئُكُمْ ''اَفَّاك'' کا معنی ہے بہت زیادہ جھوٹا اور اثیم کا معنی ہے بدکار۔ چونکہ شیاطین بھی جھوٹے اور فاسق ہیں اس لئے وہ اپنے جیسے کاہنوں اور دوسرے جھوٹے اور فاسق لوگوں پر اترتے ہیں۔ یہ شیاطین آسمان کے قریب جا کر علم غیب سے کوئی ایک آدھ کلمہ چوری چھپے سن لیتے ہیں، پھر اس کے ساتھ سو جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر اپنے دوست انسانوں کو بتا دیتے ہیں۔ جب وہ دوسرے لوگوں کو ان باتوں سے آگاہ کرتے ہیں تو لوگ بلا تامل ان کی ہر بات کی تصدیق کرتے ہیں کیونکہ جو کلمہ آسمان سے سنا گیا تھا، وہ سچ ثابت ہوتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ کچھ لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے کاہنوں کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ کوئی چیز نہیں ہیں۔'' عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کبھی کبھی وہ ایسی بات کرتے ہیں جو سچ ثابت ہوتی ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''یہ حق پر مبنی وہی بات ہوتی ہے جسے کوئی جن اچک لیتا ہے، پھر اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ سو سے

بھی زیادہ جھوٹ شامل کر کے بتاتا رہتا ہے"(1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ آسمان میں جب کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے پر مارتے ہیں، اس سے ایسی آواز آتی ہے جیسے کسی چٹان پر زنجیر بج رہی ہو، جب گھبراہٹ ان کے دلوں سے زائل ہو جاتی ہے تو آپس میں دریافت کرتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا حکم ارشاد فرمایا؟ دوسرے جواب دیتے ہیں کہ حق فرمایا اور وہ بہت بلند اور بڑی شان والا ہے۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ چوری چھپے سننے والے اسے سن لیتے ہیں اور یہ چوری چھپے سننے والے اس طرح ایک دوسرے کے اوپر کھڑے ہوتے ہیں۔ راوی حدیث حضرت سفیان نے اپنے ہاتھ کو جھکا کر اور انگلیوں کو پھیلا کر ان کی کیفیت واضح کی۔ اوپر والا بات کو سن کر اپنے سے نیچے والے کو بتا دیتا ہے، وہ اپنے سے نیچے والے کو یہاں تک کہ وہ بات جادوگر یا کاہن تک پہنچ جاتی ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بات سن کر نیچے پہنچانے سے پہلے پہلے شہاب (شعلہ) اسے آ دبوچتا ہے لیکن کبھی شہاب کے پہنچنے سے پہلے ہی وہ بات نیچے پہنچا دیتا ہے اور وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ شامل کر دیتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ کیا اس نے فلاں فلاں دن ہمیں یہ یہ باتیں نہیں بتائی تھیں؟ وہ کلمہ سچ ثابت ہوتا ہے جو آسمان سے سنا گیا تھا"(2)۔ مسلم میں بھی یہ روایت ہے(3)۔ جس کا ذکر سورۂ سبا میں اس آیت حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ کے تحت ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "فرشتے بادلوں میں زمین پر ہونے والے معاملہ کی بابت گفتگو کرتے ہیں۔ شیاطین کوئی بات سن لیتے ہیں تو وہ کاہنوں کے کان میں اسے اس طرح انڈیل دیتے ہیں جیسے شیشی انڈیلی جاتی ہے، پھر وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتے ہیں"(4)۔ پھر فرمایا: وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ یعنی کافر شعراء کی اتباع گمراہ جن و انس کرتے ہیں(5)۔ یہ قول حضرات ابن عباس، مجاہد، عبدالرحمٰن بن زید وغیرہ کا ہے۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ دو شاعر ایک دوسرے کی ہجو کا بازار گرم کرتے تو کچھ لوگ اس کے ہم نوا بن جاتے اور کچھ اس کے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مقام عرج میں جا رہے تھے کہ اسی اثناء میں ایک شاعر کچھ گاتا ہوا سامنے آ گیا۔ اسے دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: "اس شیطان کو پکڑ لو یا فرمایا کہ اس شیطان کو روک لو۔ تم میں سے ایک شخص کا پیٹ پیپ سے بھر جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ شعر و شاعری سے بھرے"(6)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ وہ ہر لغو بات میں گھس جاتے ہیں۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ ہی اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ کلام کے ہر فن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ان وادیوں کا علم ہے جن میں یہ سرگرداں پھرتے ہیں، کبھی کسی کی مذمت کر دیتے ہیں اور کبھی کسی کی مدح میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ شاعر کسی کی ناحق مدح کر دیتا ہے اور کسی کی ناحق مذمت۔ پھر فرمایا: وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں دو اشخاص کے درمیان ہجو کا مقابلہ ہو گیا۔ ان میں سے ایک انصاری تھا اور دوسرا کسی اور قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ ہر ایک کی قوم کے بے وقوف لوگ اس کی تائید کرنے لگے۔ اس وقت یہ آیات وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ... نازل ہوئیں(7)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ سبا، جلد 6 صفحہ 152 | 2۔ صحیح مسلم، کتاب اسلام، جلد 4 صفحہ 1751 | 3۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، جلد 4 صفحہ 152

4۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 127 | 5۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 8 | 6۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 127

7۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 266، الروض الانف، جلد 2 صفحہ 252 وغیرہ

شعراء کی اکثر باتیں جھوٹ پر مبنی ہوتی ہیں۔ آپ کا یہ قول واقع کے عین مطابق ہے، کیونکہ شعراء فخریہ طور پر ایسے اقوال و افعال کا اظہار کرتے ہیں جن کا ان سے صدور نہیں ہوتا اور وہ عموماً ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں جنہیں وہ عملی طور پر انجام نہیں دیتے، اس لئے علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اگر ایک شاعر اپنے شعر میں ایسے گناہ کا اعتراف کرلے جو حد کا موجب ہو تو اس اعتراف کی وجہ سے کیا اس پر حد لگائی جائے گی یا نہیں کیونکہ وہ ایسی باتیں کرتے ہیں جنہیں وہ کرتے نہیں؟ اس مسئلہ کے متعلق دو قول ہیں۔ محمد بن اسحاق اور محمد بن سعد نے طبقات میں اور زبیر بن بکار نے کتاب الفکاھۃ میں ذکر کیا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نعمان بن عدی بن نضلہ کو سرزمین بصرہ کے شہر میسان کا گورنر مقرر کیا۔ وہ شاعر تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے ایسے اشعار کہے جن میں شراب، حسیناؤں، ان کے گیتوں اور رقص و سرود کا ذکر تھا۔ جب یہ اشعار حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچے تو آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میں نے اسے اس کے عہدے سے معزول کر دیا ہے۔ معزولی کے حکم کے ساتھ آپ نے ایک خط بھی بھیجا جس میں درج تھا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ... اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (المومن: 3-1) مجھے تمہارے اشعار سے سخت کوفت پہنچی ہے، اس لئے میں نے تمہیں تمہارے عہدے سے معزول کیا۔ نعمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے: امیر المومنین! میں نے کبھی شراب نہیں پی۔ یہ اشعار یونہی میری زبان پر جاری ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میرا بھی خیال ہے لیکن میں تمہیں کوئی ذمہ داری نہیں دوں گا کیونکہ تم نے ایسے اشعار کہے ہیں(6)۔ یہ بات ثابت نہیں کہ اپنے اشعار میں شراب کا ذکر کرنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نعمان پر حد لگائی کیونکہ شاعر جو کہتے ہیں، وہ کرتے نہیں بلکہ آپ رضی اللہ عنہ نے نعمان کی مذمت اور ملامت کی اور انہیں معزول کر دیا، اس لئے حدیث شریف میں آیا ہے: "کسی کا اپنے پیٹ کو پیپ سے بھر لینا شعر و شاعری سے بھر لینے کی نسبت بہتر ہے"(1)۔

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جن پر یہ قرآن نازل ہوا، نہ کاہن ہیں نہ شاعر اور نہ ساحر کیونکہ آپ کا حال ان کے حال کے منافی اور متضاد ہے جیسا کہ فرمایا: وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ (یٰسین: 69) "اور ہم نے اپنے نبی کو شعر نہیں سکھایا اور نہ یہ ان کے شایان شان ہے۔ نہیں ہے یہ مگر نصیحت اور بالکل واضح قرآن"۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۚ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الحاقۃ: 43-40) "بے شک یہ ایک عزت والے رسول کا قول ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں (لیکن) تم بہت کم ایمان لاتے ہو اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا قول ہے، تم لوگ بہت کم توجہ کرتے ہو بلکہ یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے"۔ اسی طرح اس سورت میں فرمایا: وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ... وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ اس کے بعد فرمایا: اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... اس کا شان نزول یہ ہے کہ جب یہ آیت وَالشُّعَرَاۗءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ نازل ہوئی تو حضرات حسان بن ثابت، عبد اللہ بن رواحہ اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہم روتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم بھی تو شاعر ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے استثناء والی آیت اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... تلاوت کی اور فرمایا کہ تم اس آیت کا مصداق ہو(2)۔ ایک دوسری روایت میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا نام شامل نہیں(3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ صرف حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! میں بھی تو شاعر ہوں۔ اس پر یہ آیت اتری(4)۔ حضرات ابن عباس، عکرمہ،

1۔ فتح الباری، کتاب الادب، جلد 10 صفحہ 548، صحیح مسلم، کتاب الشعر، جلد 4 صفحہ 1770

2۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 128-129، مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الادب، جلد 8 صفحہ 518-519

3۔ مستدرک حاکم، کتاب معرفۃ الصحابہ، جلد 3 صفحہ 488

4۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 334

مجاہد، قتادہ، زید بن اسلم اور دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ یہ آیت اِلَّا الَّذِیْنَ ۔ قبل سے استثناء ہے۔ اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ استثناء ہے لیکن یہ سورت مکی ہے، اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ ان آیات کا نزول شعراء انصار کے بارے میں ہے؟ یہ بات قابل غور ہے۔ جو روایات بیان ہوئی ہیں، وہ مرسل ہیں، اس لئے وہ قابل اعتماد نہیں، البتہ اس استثناء میں نہ صرف انصاری اور دیگر شعراء داخل ہیں بلکہ اس سے جاہلی دور کے وہ شعراء بھی داخل ہیں جو اسلام اور اہل اسلام کی مذمت میں ملوث تھے، پھر وہ ایمان لے آئے، صدق دل سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا، نیک اعمال کئے اور سابقہ فحش گوئی کے مقابلہ میں بکثرت اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کیونکہ نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں اور سابقہ مذمت کے عوض اسلام اور اہل اسلام کی مدح و تعریف کی جیسا کہ عبداللہ بن زبعری نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے اشعار میں رسول اللہ ﷺ کی ہجو کی تلافی کرنے کی کوشش کی اور اعتراف کیا کہ شیطان کی انگیخت کے باعث ایسا ہوا۔ اسی طرح آپ ﷺ کا چچازاد بھائی ابوسفیان بن حارث آپ کا سخت دشمن تھا اور بکثرت آپ کی ہجو کیا کرتا تھا۔ جب اسلام قبول کر لیا تو رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر انہیں کوئی محبوب نہ تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت ابوسفیان اکثر آپ ﷺ کی مدح کرتے اور آپ کے ساتھ اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوسفیان صخر بن حرب جب اسلام لائے تو انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے تین چیزیں عطا فرمائیں: ایک یہ کہ معاویہ کو اپنا کاتب بنا لیں، دوسری بات یہ ہے کہ آپ مجھے اجازت فرمائیں تاکہ میں کفار کے ساتھ اس طرح جہاد کروں جس طرح پہلے مسلمانوں کے خلاف لڑتا رہا اور ایک تیسری درخواست بھی کی۔ آپ ﷺ نے تینوں مطالبات منظور فرما لئے(1)۔ اس لئے فرمایا: اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ... بعض نے اس فرمان وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا کا یہ معنی کیا ہے کہ وہ اپنے کلام میں اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کریں، بعض نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ وہ اپنے شعروں میں اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کریں۔ بہر صورت ان دونوں میں سے ہر ایک صحیح اور سابقہ گناہوں کا کفارہ ہے۔ آیت کے اس حصہ وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا کا مفہوم حضرات ابن عباس، مجاہد اور قتادہ کے بقول یہ ہے کہ انہوں نے ان کفار کا رد کیا جو اہل ایمان کی ہجو کیا کرتے تھے، یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "ان کی ہجو کرو، جبریل تمہارے ساتھ ہیں"(2)۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوی ﷺ میں عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے شعراء کی مذمت میں آیات نازل کر دی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: "مومن اپنی تلوار سے بھی اور اپنی زبان سے بھی جہاد کرتا ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم لوگوں کے اشعار انہیں تیروں کی طرح لگتے ہیں"(3)۔ پھر فرمایا: وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا ... اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: یَوْمَ لَا یَنْفَعُ الظّٰلِمِیْنَ مَعْذِرَتُهُمْ (المومن: 52) ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کی شکل میں ظاہر ہوگا"(4)۔ قتادہ ابن دعامہ کہتے ہیں کہ آیت کے آخری حصہ میں ظالموں سے مراد شعراء اور دیگر لوگ ہیں(5)۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سے ایک نصرانی کا جنازہ گزرا تو آپ نے آیت کے اس حصہ کی تلاوت کی۔ عبداللہ بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ حضرت صفوان بن محرز جب اس آیت کو پڑھتے تو اس قدر روتے کہ ہچکی بندھ جاتی(6)۔ شریح اسکندرانی بیان کرتے ہیں کہ کچھ شیوخ سرزمین روم میں تھے، رات کا وقت تھا، وہ آگ پر کچھ بھون رہے تھے یا آگ تاپ رہے تھے کہ اسی اثناء میں وہاں ایک قافلہ پہنچ گیا، انہوں نے اہل قافلہ کا استقبال کیا۔ حضرت فضالہ بن

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1945
2۔ صحیح بخاری، جلد 4 صفحہ 136، صحیح مسلم، جلد 7 صفحہ 163، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 286
3۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 387
4۔ صحیح مسلم، جلد 8 صفحہ 17، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 92
5۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 336
6۔ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الزہد، جلد 14 صفحہ 10

عبید بھی قافلہ میں موجود تھے۔ انہوں نے حضرت فضالہ کو خوش آمدید کہا، سواری سے اتارا اور اپنے پاس بٹھا لیا۔ اس وقت ہمارا ایک ساتھی نماز پڑھ رہا تھا، جب اس نے اس آیت وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا ۔ کی تلاوت کی تو حضرت فضالہ فرمانے لگے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بیت اللہ کی بربادی کرنے والے ہیں (1)۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد اہل مکہ ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد مشرکین ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس آیت کا حکم عام ہے اور یہ ہر ظالم کو شامل ہے جیسا کہ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میرے والد محترم نے اپنی وصیت میں صرف دو سطریں تحریر کیں، وہ وصیت یہ تھی: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، یہ ہے ابوبکر بن ابی قحافہ کی وصیت، دنیا سے رخصت ہوتے وقت جب کافر بھی مومن ہو جاتا ہے، فاجر بھی توبہ کر لیتا ہے اور جھوٹا بھی سچ پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ میں نے تم پر عمر بن خطاب کو اپنا خلیفہ نامزد کیا۔ اگر اس نے عدل کیا تو یہی اس کے متعلق میرا گمان ہے اور مجھے اس سے یہی امید ہے اور اگر اس نے ظلم اور تبدیلی کی تو میں غیب نہیں جانتا۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ (2)۔

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 338 2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 339

سورۂ نمل (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝ وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝

طا-سین یہ آیتیں ہیں قرآن (حکیم) اور روشن کتاب کی ۔(یہ) سراپا ہدایت اور خوشخبری ہے اہل ایمان کے لئے جو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں نماز اور دیا کرتے ہیں زکوٰۃ اور وہ جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ بے شک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے خوبصورت بنا دیئے ان (کی نظروں) میں ان کے اعمال (بد) پس وہ سرگرداں پھر رہے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے لئے بدترین عذاب ہے اور یہی آخرت میں سب سے زیادہ گھاٹے میں ہوں گے۔ اور بے شک آپ کو سکھایا جاتا ہے قرآن حکیم بڑے دانا سب کچھ جاننے والے کی جانب سے''۔

سورتوں کے اوائل میں آنے والے حروف مقطعات پر بحث سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔اس کے بعد فرمایا: تِلْكَ اٰيٰتُ یعنی یہ قرآن کریم اور واضح کتاب کی روشن آیات ہیں جو اہل ایمان کے لئے سراپا ہدایت اور بشارت ہیں یعنی قرآن کریم سے ہدایت اور بشارت صرف اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو اس پر ایمان لاتا ہے، اس کی اتباع کرتا ہے، اس کی تصدیق کرتا ہے، اس پر عمل پیرا ہوتا ہے، فرض نمازیں قائم کرتا ہے، زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور دار آخرت، موت کے بعد کی زندگی، اچھے برے اعمال کے بدلہ اور جنت و دوزخ پر یقین رکھتا ہے جیسا کہ فرمایا: قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ (حم السجدۃ:44)'' فرمادیجئے یہ قرآن ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے''۔ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا (مریم:97)'' تاکہ آپ اس سے پرہیزگاروں کو مژدہ سنائیں اور اس کے ذریعہ جھگڑالو قوم کو ڈرائیں''۔ اس لئے یہاں فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ .... یعنی وہ لوگ جو آخرت کو جھٹلاتے ہیں اور اس کے وقوع کو محال سمجھتے ہیں، ان کے لئے ہم نے ان کے اعمال بد کو آراستہ اور حسین بنا دیا ہے اور گمراہی میں ان کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی ہے، اس لئے وہ بادیہ ضلالت میں سرگرداں پھر رہے ہیں۔ یہ سزا ہے تکذیب قیامت کی جیسا کہ فرمایا: وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ (الانعام:10)'' اور ہم ان کے دلوں اور ان کی آنکھوں کو پھیر دیں گے جس طرح وہ پہلی مرتبہ اس پر ایمان نہیں لائے تھے''۔ پھر فرمایا: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ یعنی یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے دنیا و آخرت میں بدترین عذاب ہے اور اہل محشر میں سے سب سے زیادہ یہی خسارہ اٹھانے والے ہوں گے۔ اگلی

آیت میں نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: وَإِنَّكَ لَتُلَقَّى یعنی آپ اس ذات سے قرآن کریم اخذ کرتے ہیں جو اپنے ہر امر اور نہی میں حکیم ہے اور اسے تمام چھوٹے بڑے امور کا بخوبی علم ہے۔ اس کی خبر صدق محض ہے اور اس کا حکم عدل تام ہے جیسا کہ فرمایا: وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا (الانعام: 116) ''اور آپ کے رب کی بات سچائی اور عدل سے مکمل ہوگئی''۔

إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا سَآتِيكُم مِّنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ آتِيكُم بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿٧﴾ فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَن بُورِكَ مَن فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٨﴾ يَا مُوسَىٰ إِنَّهُ أَنَا اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٩﴾ وَأَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّىٰ مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ يَا مُوسَىٰ لَا تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ ﴿١٠﴾ إِلَّا مَن ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١١﴾ وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ فِي تِسْعِ آيَاتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿١٢﴾ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ آيَاتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿١٣﴾ وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٤﴾

''(یاد فرماؤ) جب کہا موسیٰ نے اپنی زوجہ سے کہ میں نے دیکھی ہے آگ۔ ابھی لے آتا ہوں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر یا لے آؤں گا تمہارے پاس (اس آگ سے) کوئی شعلہ سلگا کر تاکہ تم اسے تاپو۔ پھر جب اس کے پاس پہنچے تو ندا کی گئی کہ بابرکت ہو جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے اور (ہر تشبیہ وتمثیل سے) پاک ہے اللہ جو رب العالمین ہے۔ اے موسیٰ وہ میں اللہ ہی ہوں عزت والا دانا۔ اور ذرا زمین پر ڈال دو اپنے سونٹے کو۔ اب جو اسے دیکھا تو وہ (اس طرح) لہرا رہا تھا جیسے سانپ ہو، آپ پیٹھ پھیر کر وہاں سے چل دیئے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ (فرمایا) موسیٰ! ڈرو نہیں۔ میرے حضور ڈرا نہیں کرتے جنہیں رسول بنایا جاتا ہے۔ مگر وہ شخص جو زیادتی کرے (وہ ڈرے) پھر (وہ ظالم بھی اگر) نیکی کرنے لگے برائی کرنے کے بعد تو میں بے شک غفور رحیم ہوں۔ اور ذرا ڈالو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں وہ نکلے گا سفید چمکتا ہوا بغیر کسی تکلیف کے (یہ دو معجزے) ان نو معجزات میں سے ہیں جن کے ساتھ آپ کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا گیا۔ بے شک وہ بڑے سرکش لوگ ہیں۔ پس جب آئیں ان کے پاس ہماری نشانیاں بصیرت افروز بن کر تو انہوں نے کہا یہ تو جادو ہے کھلا ہوا۔ اور انہوں نے انکار کر دیا ان کا حالانکہ یقین کر لیا تھا ان کی صداقت کا ان کے دلوں نے (ان کا انکار) محض ظلم اور تکبر کے باعث تھا۔ پس آپ ملاحظہ فرمایئے کیا (ہولناک) انجام ہوا فساد برپا کرنے والوں کا''۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یاد دلا رہا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں منصب رسالت کے لئے چن لیا، انہیں اپنے ساتھ ہم کلامی کا شرف بخشا اور عظیم الشان معجزات اور جلیل القدر دلائل سے نواز کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا لیکن انہوں نے آپ کے معجزات اور دلائل کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، کفر کی روش پر بضد رہے اور آپ کی اطاعت

واتباع سے تکبر کا مظاہرہ کیا۔ فرمایا: اِذْ قَالَ مُوْسٰى..... یعنی یاد کرو جب موسیٰ اپنے اہل کو لے کر چلے اور رستہ بھول گئے۔ رات کا وقت تھا اور سخت اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس وقت آپ کو کوہ طور کی جانب بھڑکتی ہوئی آگ کا شعلہ دکھائی دیا۔ آپ نے اپنے اہل سے فرمایا کہ میں نے آگ دیکھی ہے۔ میں وہاں جاتا ہوں، ممکن ہے وہاں کسی سے رستہ کی بابت معلوم ہو جائے یا میں وہاں سے آگ سلگا کر لے آؤں گا تا کہ تم اسے تاپ لو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا۔ آپ وہاں سے ایک بڑی عظیم الشان خبر لائے اور بہت بڑا نور حاصل کیا، اس لئے فرمایا: فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ ..... یعنی جب آپ وہاں پہنچے تو بڑا عجیب و غریب منظر دیکھا، ایک سرسبز درخت ہے جس سے آگ کے شعلے برآمد ہو رہے ہیں۔ آگ مزید بھڑکتی جا رہی ہے اور درخت مزید سرسبز اور تر و تازہ ہو رہا ہے، پھر جب آپ نے اپنا سر اٹھا کر نگاہ آسمان کی طرف دوڑائی تو آسمان تک اس نور کو پہنچتے ہوئے دیکھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ آگ نہیں تھی بلکہ نور تھا۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ رب العالمین کا نور تھا۔ حضرت موسیٰ متعجب ہو کر ٹھہر گئے تو اس وقت ندا آئی: اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ یعنی وہ ذات نہایت مقدس ہے جو اس آگ میں ہے(1)۔ وَ مَنْ حَوْلَهَا سے مراد فرشتے ہیں یعنی وہ فرشتے بھی مقدس ہیں جو اس کے ارد گرد ہیں۔ یہ قول حضرات ابن عباس، عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن اور قتادہ کا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ سوتا نہیں اور سونا اس کے شایان شان بھی نہیں، وہ ترازو کو پست اور اونچا کرتا ہے، رات کے اعمال دن سے پہلے اور دن کے اعمال رات سے پہلے اس کے حضور بلند کیے جاتے ہیں، اس کا حجاب نور ہے یا آگ ہے، اگر وہ اسے ہٹا دے تو اس کے چہرے کی تجلیاں ہر اس چیز کو جلا ڈالیں جس پر اس کی نگاہ پڑ رہی ہے"۔ پھر راوی حدیث ابو عبیدہ نے یہ آیت اَنْۢ بُوْرِكَ تلاوت کی۔ اس حدیث کی اصل صحیح مسلم میں ہے(2)۔ پھر تشبیہ و تمثیل سے اپنی پاکی بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی وہ اللہ جو تمام جہانوں کا رب ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، مخلوقات میں سے کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں اور اس کی مصنوعات میں سے کوئی چیز اس کا احاطہ نہیں کر سکتی، وہی سب سے بلند، اعلیٰ اور تمام مخلوقات سے مختلف ہے اور زمین و آسمان اسے نہیں گھیر سکتے بلکہ وہی یکتا، بے نیاز اور مخلوقات کی مماثلت سے پاک اور منزہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ذات کے متعلق آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: یٰمُوْسٰۤى اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ یعنی اے موسیٰ! جو تم سے خطاب اور سرگوشیاں کر رہا ہے، وہ تمہارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جو ہر چیز پر غالب اور اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیار مطلق اور قدرت کاملہ پر واضح دلیل ظاہر کرنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس عصا کے زمین پر پھینکنے کا حکم دیا جو آپ کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جونہی اپنا عصا زمین پر ڈالا، وہ فوراً ایک بہت بڑے، خوفناک اور سریع الحرکت اژدھے کی شکل اختیار کر گیا۔ "جانّ" اس سانپ کو کہتے ہیں جو سب سے زیادہ پھرتیلا اور تیزی سے حرکت کرتا ہے۔ حدیث شریف میں گھروں میں رہنے والے ایسے سانپوں کو قتل کرنے کی ممانعت کی گئی ہے(3)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنے عصا کو سانپ کی طرح لہراتے اور پھنکارتے دیکھا تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور شدت خوف سے اپنے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اس وقت ارشاد ہوا: یٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۔ یعنی اس سے مت ڈرو، میں تو تمہیں اپنا برگزیدہ رسول اور جلیل القدر نبی بنانا چاہتا ہوں۔ پھر فرمایا: اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ۔ یہ استثناء منقطع ہے اور اس میں انسان کے لئے بہت بڑی بشارت ہے، وہ یہ کہ جس نے کوئی برا کام کیا پھر

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 133 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ
2۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 11
3۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، جلد 4 صفحہ 154، صحیح مسلم، کتاب السلام، جلد 14، جلد 1751

اس سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف اس نے رجوع کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کر کے اس پر کرم فرماتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَ اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى (طٰہٰ:82) ”اور میں باشبہ اسے بہت بخشنے والا ہوں جو توبہ کرتا ہے اور ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے پھر ہدایت پر مستحکم رہتا ہے“۔ وَ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ..... (النساء:110) ”اور جو شخص برا کام کر بیٹھے یا اپنے آپ پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا پائے گا“۔ اس مضمون کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔ پھر دوسرا معجزہ عطا کرتے ہوئے فرمایا: وَ اَدْخِلْ یَدَكَ .... اس میں بھی اللہ تعالیٰ کے اختیار و قدرت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی روشن دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیں۔ جب آپ نے تعمیل ارشاد کرتے ہوئے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر باہر نکالا تو وہ چاند کی طرح چمکتا ہوا باہر نکلا۔ فرمایا: فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ یعنی یہ دو معجزے ان نو معجزات میں سے ہیں جن کے ساتھ میں تمہاری تائید کروں گا اور ان سے نواز کر تمہیں فرعون اور اس کی قوم کی طرف روانہ کروں گا تاکہ فرعونیوں کے مقابلہ میں انہیں بطور دلیل پیش کیا جا سکے۔ یہ وہ نو معجزات ہیں جن کے متعلق فرمایا: وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ (بنی اسرائیل:101) اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ.. جب یہ واضح اور روشن معجزات فرعونیوں نے دیکھے تو کہنے لگے کہ یہ کھلا جادو ہے۔ وہ اپنے زعم میں انہیں جادو خیال کیے ہوئے تھے اس لئے انہوں نے اپنے جادو کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہا لیکن ذلیل و رسوا ہو کر مغلوب اور ناکام ہو گئے۔ فرعونی ظلم اور اتباع حق سے تکبر کی بناء پر ان معجزات کا انکار کرتے تھے حالانکہ ان کے دل ان معجزات کی صداقت اور حقانیت پر یقین کیے ہوئے تھے، اس لئے فرمایا: فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ یعنی اے میرے پیارے رسول ﷺ! دیکھیں، ان فساد برپا کرنے والوں کا انجام کیا ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ایک ہی صبح دریا میں غرق کر کے ہلاک کر دیا۔ اس خطاب سے مقصود ان لوگوں کو خبردار کرنا ہے جو رسول اللہ ﷺ کو جھٹلاتے اور آپ ﷺ کے پیغام کا انکار کرتے ہیں یعنی اے نبی مکرم ﷺ کو جھٹلانے والو اور آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کرنے والو! خبردار، ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی ایسا عذاب اپنی لپیٹ میں لے لے جس طرح کا عذاب فرعونیوں کو پہنچا تھا بلکہ تم تو عذاب کے زیادہ مستحق ہو کیونکہ حضرت محمد ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ عظمت اور فضیلت کے مالک ہیں۔ آپ ﷺ کے دلائل و معجزات ان کے دلائل و معجزات سے زیادہ قوی ہیں بلکہ آپ کا تو وجود ہی سراپا معجزہ ہے۔ سابقہ انبیاء آپ کی بشارتیں دیتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں سے آپ کی اتباع اور تائید کرنے کا عہد لیا۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَ قَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵﴾ وَ وَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَ قَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَ اُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۶﴾ وَ حُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَ الطَّیْرِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰى وَالِدَیَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾

"اور یقیناً ہم نے عطا فرمایا داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کو علم۔ اور انہوں نے کہا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے برگزیدہ کیا ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر۔ اور جانشین بنے سلیمان داؤد علیہ السلام کے اور فرمایا اے لوگو! ہمیں سکھائی گئی ہے پرندوں کی بولی اور ہمیں عطا کی گئی ہیں ہر قسم کی چیزیں۔ بے شک یہی وہ نمایاں بزرگی ہے (جو ہمیں مرحمت ہوئی) اور فراہم کئے گئے سلیمان علیہ السلام کے لئے لشکر جنوں، انسانوں اور پرندوں سے پس وہ نظم وضبط کے پابند ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ گزرے چیونٹیوں کی وادی سے۔ تو ایک چیونٹی کہنے لگی اے چیونٹیو! گھس جاؤ اپنی بلوں میں۔ کہیں کچل کر نہ رکھ دیں تمہیں سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر، اور انہیں معلوم ہی نہ ہو (کہ تم پر کیا گزر گئی) تو سلیمان علیہ السلام ہنستے ہوئے مسکرا دیئے اس کی اس بات سے اور عرض کرنے لگے میرے مالک! مجھے توفیق دے تاکہ میں شکر ادا کروں تیری نعمت (عظمیٰ) کا جو تو نے مجھ پر فرمائی اور میرے والدین پر نیز (مجھے توفیق دے کہ) میں وہ نیک کام کروں جسے تو پسند فرمائے اور شامل کر لے مجھے اپنی رحمت کے باعث اپنے نیک بندوں میں"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے دو پیارے بندوں اور نبیوں حضرت داؤد علیہ السلام اور آپ کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام کو جن انعامات جزیلہ، عنایات عظیمہ، صفات جمیلہ، سعادت دارین، وسیع بادشاہت، مکمل اقتدار اور نبوت و رسالت سے نوازا، اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو نعمتوں سے نوازے اور وہ ان پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرے تو اس کی حمد ان نعمتوں سے افضل ہے، اگر اس کی دلیل درکار ہو تو یہ آیت وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ ۔ پڑھ لیں۔ جو نعمت حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کو مرحمت ہوئی، اس سے افضل کون سی نعمت ہو سکتی ہے (1)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ میں ملک ونبوت کی میراث مراد ہے نہ کہ مال کی میراث کیونکہ اگر مالی وراثت مراد ہوتی تو حضرت داؤد علیہ السلام کی ساری اولاد میں سے صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کو مخصوص نہ کیا جاتا کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں بلکہ اس سے مراد ملک ونبوت کی وراثت ہے کیونکہ انبیاء کرام اموال کا وارث نہیں بناتے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "ہم خصوصاً گروہ انبیاء وارث نہیں بناتے، ہمارا ترکہ صدقہ ہے" (2)۔ پھر فرمایا: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ ۔ یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان نعمتوں کی بابت خبر دی جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ارزانی فرمائی تھیں۔ وسیع سلطنت اور زبردست اقتدار آپ کو بخشا یہاں تک کہ انسان، جن اور پرندے آپ علیہ السلام کے تابع فرمان بنا دیئے گئے۔ آپ پرندوں اور حیوانوں کی بولیاں بھی سمجھ لیتے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنا فضل وکرم ہے جو کسی اور انسان پر نہیں ہوا۔ بعض جاہلوں کا خیال ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے حیوانات انسان کی طرح بولتے تھے۔ یہ قول جہالت اور بے علمی پر مبنی ہے۔ اگر واقعی معاملہ ایسا ہوتا تو پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس میں کوئی خصوصیت نہیں اور نہ ہی اس سے آپ کی تخصیص کرنے کا کوئی فائدہ ہے۔ کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اس وقت بھی لوگ پرندوں اور جانوروں کی بولیاں سنتے اور سمجھتے تھے لیکن بات اس طرح نہیں جس طرح ان لوگوں کا خیال ہے بلکہ حیوانات، پرندے اور تمام مخلوقات ہمیشہ سے اسی طرح چلے آ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر انعام فرمایا کہ انہیں پرندوں اور حیوانوں کی بولیاں سکھا دیں اس لئے فرمایا: عُلِّمْنَا یعنی ہمیں پرندوں کی بولیاں سکھا دی گئی ہیں اور ضرورت کی ہر چیز فراہم کر دی گئی اور یہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا واضح فضل ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 344

2۔ صحیح بخاری، جلد 8 صفحہ 185، صحیح مسلم، جلد 5 صفحہ 153، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 4

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حضرت داؤد علیہ السلام بہت غیرت والے تھے، جب آپ گھر سے باہر جاتے تو دروازے بند کر دیے جاتے، پھر آپ کی واپسی تک کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔ ایک دن آپ گھر سے باہر چلے گئے اور دروازے بند کر دیے گئے۔ آپ کی ایک زوجہ صحن میں نکلیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ ایک آدمی کھڑا ہے۔ انہوں نے گھر میں موجود افراد سے دریافت کیا کہ یہ شخص گھر میں کہاں سے داخل ہو گیا حالانکہ دروازے بند ہیں؟ اللہ کی قسم! حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے ہماری رسوائی ہو گی۔ اسی اثناء میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی آ گئے۔ آپ نے اس آدمی کو گھر کے وسط میں کھڑا دیکھ کر پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں وہ ہوں جسے نہ بادشاہوں کا ڈر ہے اور نہ دربانوں کا خوف۔ یہ سن کر آپ فرمانے لگے کہ تم تو ملک الموت ہو، حکم الٰہی سر آنکھوں پر۔ اسی جگہ آپ کی روح قبض کر لی گئی، سورج کی دھوپ آپ پر پڑنے لگی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو حکم دیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر سایہ کر دو۔ انہوں نے پر پھیلا کر آپ کو سایہ کر دیا یہاں تک کہ زمین پر تاریکی سی چھا گئی۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو حکم دیا کہ ایک ایک کر کے اپنے پر سمیٹ لو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! پرندوں نے پر کیسے سمیٹے؟ آپ نے اپنا ہاتھ سمیٹ کر اس کی کیفیت بتائی۔ اس دن سرخ رنگ کے گدھ غالب آ گئے تھے“(1)۔ فرمایا: وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ ۔ یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے بڑی شان وشوکت کے حامل لشکر تیار کر دیے گئے جو جنوں، انسانوں اور پرندوں پر مشتمل تھے۔ اس لشکر کی ترتیب یہ ہوتی کہ آپ کے قریب انسان ہوتے، پھر جن اور پرندے آپ کے سر کے اوپر۔ گرمی میں پرندے اپنے پروں سے سایہ کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ کا معنی یہ ہے کہ وہ سب نظم وضبط کے پابند تھے، جس کے لئے جو مقام اور جگہ معین تھی، وہ اس سے سر مو انحراف نہ کرتا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ہر صنف پر کچھ محافظ مقرر تھے جو انہیں نظم وضبط اور ترتیب کا پابند رکھتے جیسا کہ بادشاہوں کا دستور ہے(2)۔ پھر فرمایا: حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ..... یعنی جب حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لشکروں کو لے کر ایسی وادی سے گزرنے لگے جہاں چیونٹیوں کی آبادی تھی، تو ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا کہ اپنی بلوں میں گھس جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان علیہ السلام اور آپ کے لشکر تمہیں روند ڈالیں اور انہیں خبر تک نہ ہو۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس چیونٹی کا نام حرس تھا، وہ بنو شیصان قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی، لنگڑی تھی اور بقدر بھیڑیے کے، اسے یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ سب چیونٹیاں گھوڑوں کے پاؤں تلے روندی جائیں گی، اس لئے اس نے انہیں بلوں میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ چیونٹی کی بات سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام ہنستے ہوئے مسکرائے اور بارگاہ خداوندی میں عرض کرنے لگے: رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ ۔ یعنی اے میرے پروردگار! تو مجھے ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا الہام فرما جن سے تو نے مجھے سرفراز فرمایا کہ پرندوں اور حیوانوں کی بولیاں سکھا دیں اور جو انعام تو نے میرے والدین پر فرمایا کہ وہ تجھ پر ایمان لائے اور تیرے حضور سر تسلیم خم کیا اور تو مجھے یہ توفیق بھی مرحمت فرما کہ میں تیری خوشنودی کے لئے نیک کام کروں اور جب میری وفات کا وقت آئے تو تو مجھے اپنے صالح بندوں اور جلیل القدر دوستوں کے ساتھ ملا دے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ وادی شام یا کسی اور جگہ تھی، اس چیونٹی کے مکھیوں جیسے دو پر تھے، اسی طرح کے اور بھی اقوال ہیں لیکن یہ تمام لاحاصل ہیں۔ نوف بکالی کا کہنا ہے کہ وہ چیونٹیاں بھیڑیوں جیسی تھیں۔ یہ کاتب کی غلطی کا شاخسانہ ہے اصل میں لفظ ذباب ہے یعنی وہ مکھیوں جیسی تھیں لیکن کاتب کی غلطی سے ذئاب (بھیڑیے) لکھ دیا گیا۔ الغرض حضرت سلیمان علیہ السلام چیونٹی کی بات سمجھ گئے اور اس کی بات پر ہنس دیے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 419
2۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 141، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 347، مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 13، جلد 417

سلیمان علیہ السلام استسقاء کے لئے نکلے۔ اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چیونٹی الٹا لیٹے ہوئے اور اپنے پاؤں آسمان کی طرف بلند کئے ہوئے یہ دعا کر رہی ہے: اے اللہ! ہم بھی تیری مخلوق ہیں، پانی کی ہمیں بھی ضرورت ہے، اگر تو نے پانی نہ برسایا تو ہم ہلاک ہو جائیں گی۔ یہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے لوگوں سے فرمایا کہ چلو، کسی اور کی دعا سے تمہیں پانی مل گیا(1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ایک چیونٹی نے کسی نبی کو کاٹ لیا، انہوں نے چیونٹیوں کی آبادی کو آگ لگا دینے کا حکم دے دیا، اسی وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے ایک چیونٹی کے کاٹنے پر ایک پوری آبادی ہلاک کر ڈالی جو ہماری تسبیح خواں تھی؟ اس ایک چیونٹی سے ہی انتقام کیوں نہ لیا؟(2)

وَ تَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ۝ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝

''اور آپ نے (ایک روز) پرندوں کا جائزہ لیا۔ تو فرمانے لگے کیا وجہ ہے کہ مجھے (آج) ہدہد نظر نہیں آرہا۔ یا وہ ہے ہی غیر حاضر۔ (اگر وہ غیر حاضر ہے) تو میں ضرور اسے سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح ہی کر ڈالوں گا یا اسے لانا پڑے گی میرے پاس کوئی روشن سند''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے کہ ہدہد علم ہندسہ کا ماہر تھا اور وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے پانی کی نشاندہی کیا کرتا تھا۔ جب آپ علیہ السلام جنگل میں ہوتے تو پانی تلاش کرنے کی ذمہ داری اسے سونپ دیتے۔ زمین کے اندر کا پانی اسے اس طرح دکھائی دیتا جس طرح انسان کو زمین کے اوپر پڑی ہوئی چیز نظر آتی ہے۔ چنانچہ یہ پانی کی نشاندہی کر دیتا اور سطح زمین سے اس کی گہرائی بھی بتا دیتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جنات کو حکم دیتے وہ اس جگہ کنواں کھود لیتے، اس طرح وہاں سے پانی پھوٹ پڑتا۔ ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام کسی جنگل میں اترے، پرندوں کا جائزہ لیا لیکن ہدہد دکھائی نہ دیا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ...... ایک دن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ نے یہ تفسیر بیان کی۔ محفل میں اس وقت نافع بن ازرق خارجی بھی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ آپ پر بہت زیادہ اعتراضات کیا کرتا تھا، کہنے لگا: ٹھہریئے، آج آپ مغلوب ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: وہ کیسے؟ وہ کہنے لگا کہ آپ ہدہد کے متعلق بتا رہے ہیں کہ وہ زمین کے نیچے کا پانی دیکھ لیا کرتا تھا حالانکہ ایک بچہ جال بچھا کر اسے مٹی سے ڈھانپ دیتا ہے اور دانہ ڈال کر ہدہد کو شکار کر لیتا ہے۔ زمین کے اوپر رکھا ہوا جال تو اسے نظر آتا نہیں، بھلا زمین کے نیچے پانی کیسے دیکھتا ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے اس شخص کی اس لاف زنی کا اندیشہ نہ ہوتا کہ ابن عباس لا جواب ہو گیا تو میں اسے جواب ہی نہ دیتا۔ پھر آپ اسے فرمانے لگے کہ جب تقدیر آ جاتی ہے تو آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں اور احتیاط جاتی رہتی ہے۔ اس پر نافع لا جواب ہو کر کہنے لگا: بخدا! آئندہ میں کبھی بھی قرآن کریم کے متعلق آپ سے بحث نہیں کروں گا(3)۔ حضرت عبداللہ برزی ایک صالح شخص تھے۔ پیر اور جمعرات کا روزہ رکھنا ان کا معمول تھا۔ اسی سال کی عمر تھی اور ایک آنکھ سے کانے تھے۔ ابو سلیمان بن زید نے ان سے ایک آنکھ کے جاتے رہنے کا سبب دریافت کیا لیکن انہوں نے بتانے سے انکار کر دیا۔ وہ مسلسل کئی ماہ اصرار کرتے رہے۔ جب اصرار حد سے بڑھ گیا تو وہ بتانے لگے کہ دو خراسانی میرے پاس جمعہ کے دن برزہ (دمشق کے قریب شہر) میں آئے اور مجھے کہنے لگے کہ برزہ کی وادی کی طرف ہماری رہنمائی کریں۔ میں انہیں وہاں لے گیا۔ انہوں نے

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 347 2۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، جلد 4 صفحہ 1759 3۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 349

انگیٹھیاں نکالیں اور ان میں بہت زیادہ بخور جلائے یہاں تک کہ وادی دھوئیں سے اٹ گئی۔ ہر طرف سے سانپوں کی آمد شروع ہو گئی لیکن یہ دونوں بے نیازی سے بیٹھے کسی کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے تھے۔ آخرکار ہاتھ بھر کا ایک سانپ نکلا جس کی آنکھیں دینار کی طرح چمک رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر یہ بہت مسرور ہوئے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمارا سال بھر کا سفر رائیگاں نہیں گیا۔ انہوں نے انگیٹھیاں توڑ ڈالیں اور سانپ پکڑ لیا، پھر اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر وہی سلائی اپنی آنکھوں میں پھیر لی۔ میں نے ان سے تقاضا کیا کہ میری آنکھوں میں بھی یہ سلائی پھیر دو لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ میرے پیہم اصرار اور مخبری کی دھمکی سے متاثر ہو کر انہوں نے میری دائیں آنکھ میں وہ سلائی پھیر دی۔ اب زمین مجھے شیشے کی طرح نظر آنے لگی اور اس کے نیچے کی چیزیں مجھے صاف دکھائی دینے لگیں۔ وہ مجھے کہنے لگے کہ آپ کچھ دور ہمارے ساتھ چلیں۔ میں ان سے گفتگو کرتا ہوا ان کے ساتھ چل پڑا۔ جب ہم بستی سے کافی دور نکل گئے تو انہوں نے مجھے پکڑ کر باندھ دیا اور ایک نے میری وہ آنکھ پھوڑ کر باہر پھینک دی اور دونوں چلتے بنے۔ میں یونہی بندھا ہوا پڑا تھا کہ اتفاقاً وہاں سے ایک قافلہ گزرا۔ انہوں نے میری حالت زار پر ترس کھاتے ہوئے مجھے بندھن سے رہائی دلوائی۔ یہ ہے میری آنکھ کا قصہ۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہدہد کا نام عنبر تھا(1)۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی مجلس میں ہر قسم کے پرندے باری باری حاضر ہوتے۔ ایک مرتبہ سب پرندے حاضر ہوئے بجز ہدہد کے، اس پر آپ نے فرمایا کہ کیا بات ہے مجھے ہدہد دکھائی نہیں دے رہا۔ میں اسے نہیں دیکھ سکا یا وہ موجود ہی نہیں ہے(2)۔ فرمایا: لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیْدًا یعنی میں اس کے پر نچوا دوں گا، یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے(3)۔ عبد اللہ بن شداد اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ میں اس کے پر نچوا کر اسے دھوپ میں پھینک دوں گا۔ اسی طرح دیگر حضرات نے بھی اس کا تقریباً یہی معنی بیان کیا ہے کہ میں اس کے پر نچوا کر اسے پھینک دوں گا اور کیڑے مکوڑے اور چیونٹیاں اسے کھا جائیں گی، یا میں اسے ذبح کر دوں گا یا یہ کہ وہ اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بیان کرے۔ سفیان بن عیینہ اور عبد اللہ بن شداد بیان کرتے ہیں کہ جب ہدہد آیا تو پرندے اسے کہنے لگے کہ آج تمہاری خیر نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام تمہیں قتل کرنے کا عہد کر چکے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ کیا آپ نے استثناء کی؟ وہ کہنے لگے: ہاں، آپ نے یہ فرمایا: لَاُعَذِّبَنَّهٗ ۔ ۔ ۔ وہ کہنے لگا کہ پھر تو میں بچ گیا۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ماں کے ساتھ حسن سلوک کے باعث نجات دی۔

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَ جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ۝ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّ لَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ۝ وَجَدْتُّهَا وَ قَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ يَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ۝ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝

”پس کچھ زیادہ دیر نہ گزری (کہ وہ آ گیا) اور کہنے لگا میں ایک ایسی اطلاع لے کر آیا ہوں جس کی آپ کو خبر تک نہ تھی، اور (وہ یہ

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 349، مفحمات الاقران للسیوطی: 152
2۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 144
3۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 405، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 349

کہ) میں لے آیا ہوں آپ کے پاس ملک سبا سے ایک یقینی خبر۔ میں نے پایا ایک عورت کو جوان کی حکمران ہے اور اسے دی گئی ہے ہر قسم کی چیز سے اور اس کا ایک عظیم (الشان) تخت ہے۔ میں نے پایا ہے اسے اور اس کی قوم کو کہ وہ سب سجدہ کرتے ہیں سورج کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور آراستہ کر دیئے ہیں ان کے لئے شیطان نے ان کے (یہ مشرکانہ) اعمال۔ پس اس نے روک دیا ہے انہیں (سیدھے) راستہ سے پس وہ ہدایت قبول نہیں کرتے۔ وہ کیوں نہ سجدہ کریں اللہ تعالیٰ کو جو نکالتا ہے پوشیدہ چیزوں کو آسمانوں اور زمین سے اور وہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نہیں ہے کوئی معبود بجز اس کے وہ مالک ہے عرش عظیم کا"۔

تھوڑی دیر کی غیر حاضری کے بعد ہد ہد آ گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کرنے لگا کہ میں ایسی اطلاع لے کر آیا ہوں جس کا آپ کو علم نہیں اور میں سبا سے ایک یقینی اور سچی خبر آپ کے پاس لایا ہوں۔ سبا سے مراد شاہان یمن (حمیر) ہیں۔ پھر ہد ہد کہنے لگا: اِنِّیْ وَجَدْتُّ ... حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس وقت جو عورت ان کی حکمران تھی، اس کا نام بلقیس بنت شراحیل تھا۔(1) قتادہ کہتے ہیں کہ بلقیس کی ماں جنیہ تھی، اس کے پاؤں کا پچھلا حصہ چوپائے کے کھر جیسا تھا۔ زہیر بن محمد کہتے ہیں کہ بلقیس بنت شراحیل بن مالک بن ریان کی ماں کا نام فارعہ تھا۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ اس کے باپ کا نام ذی شرخ اور ماں کا نام بلتعہ تھا(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بلقیس کے ساتھ ایک لاکھ سردار ہوتے اور ہر سردار کے ماتحت ایک لاکھ جنگجو ہوتے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ بلقیس کے ماتحت بارہ ہزار سردار اور ہر سردار کے ماتحت ایک لاکھ جنگجو تھے۔ اس کی مجلس مشاورت تین سو بارہ افراد پر مشتمل تھی، ان میں سے ہر ایک فرد کے ماتحت دس ہزار کی جمعیت تھی۔ صنعاء سے تین میل دور مآرب کے علاقہ پر اس کی بادشاہت قائم تھی۔ اس کا زیادہ تر حصہ یمن میں ہے۔ یہی قول زیادہ قرین قیاس ہے۔ ہد ہد مزید کہنے لگا: وَ اُوْتِیَتْ... یعنی اسے وہ تمام دنیاوی ساز و سامان اور اسباب مہیا کئے گئے ہیں جن کی ضرورت ایک صاحب اقتدار بادشاہ کو ہوا کرتی ہے اور اس کا ایک عظیم الشان تخت ہے جو سونے اور انواع اقسام کے موتیوں سے آراستہ ہے۔ زہیر بن محمد کہتے ہیں کہ تخت بلقیس سونے کا بنا ہوا تھا اور یاقوت اور زمرد سے مزین تھا۔ اس کا طول اسی ہاتھ اور عرض چالیس ہاتھ تھا۔ ابن اسحاق کا قول ہے کہ بلقیس کا تخت سونے کا تھا اور اس میں یاقوت، زمرد اور موتیوں کے جڑاؤ کا کام ہوا تھا۔ چھ سو عورتیں ملکہ کی خدمت گزار تھیں۔ علماء تاریخ کا کہنا ہے کہ یہ تخت ایک عظیم الشان اور بہت بڑے پختہ محل میں رکھا ہوا تھا جس کی مشرقی جانب تین سو ساٹھ طاق تھے اور اتنی تعداد میں ہی مغربی جانب۔ اس کی وضع ایسی تھی کہ ہر روز سورج ایک طاق سے داخل ہوتا اور اس کے بالمقابل طاق سے غروب ہوتا، اس کے درباری صبح و شام اسے سجدہ کر لیتے، اس لئے فرمایا: وَجَدْتُّهَا وَ قَوْمَهَا۔ یعنی میں نے اسے اور اس کی قوم کو پایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سورج کی پرستش میں لگے ہوئے تھے، شیطان نے ان کے اعمال بد ان کے لئے آراستہ کر دیئے اور انہیں راہ راست سے برگشتہ کر دیا، سو وہ حق کی راہ کو پہچانتے ہی نہیں جو یہ ہے کہ سورج، چاند، ستاروں اور دیگر اشیاء کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا جائے جیسا کہ فرمایا: وَ مِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَ النَّهَارُ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَ اسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (حم السجدۃ: 37) "اور اس کی نشانیوں میں سے رات بھی ہے اور دن بھی، سورج بھی ہے اور چاند بھی، مت سجدہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو بلکہ سجدہ کرو اللہ کو جس نے انہیں پیدا فرمایا ہے اگر تم واقعی اس کے پرستار ہو"۔ ایک دوسری قرأت میں

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 351 مصنفات، ہلا قرآن السیوطی: 152

" اَلَا یَسْجُدُوْا " کی بجائے " اَلَا یَا اسْجُدُوْا " پڑھا گیا ہے(1)۔ اس صورت میں " اَلَا " استفتاح کے لئے اور " یا " ندا کے لئے ہو گا۔ منادی محذوف ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی: " اَلَا یَا قَوْمِ اسْجُدُوْا لِلّٰهِ "۔ حضرت ابن عباس، عکرمہ، مجاہد، سعید بن جبیر اور قتادہ فرماتے ہیں کہ اس فرمان اَلَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ... کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ جو زمین و آسمان کی ہر پوشیدہ چیز کو جانتا ہے۔ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ " الخب " کا معنی ہے پانی۔ عبدالرحمن بن زید کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہر قسم کا رزق ہے: آسمان سے پانی اور زمین سے پیداوار۔ یہ معنی ہدہد کی کلام کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے جس میں بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ خصوصیت تھی کہ وہ زمین کے نیچے چلتے ہوئے پانی کو دیکھ لیا کرتا تھا۔ پھر فرمایا: وَیَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ بندوں کے ان تمام اقوال و افعال کو جانتا ہے جنہیں وہ چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّیْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ (الرعد: 10) " سب یکساں ہیں تم میں سے وہ بھی جو آہستہ بات کرتا ہے اور جو بلند آواز سے بات کرتا ہے اور وہ بھی جو رات کے وقت چھپا رہتا ہے اور وہ بھی جو دن کو چلتا رہتا ہے "۔ اگلی آیت میں فرمایا: اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ... یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود حقیقی ہے اور وہی عرش عظیم کا رب ہے جس سے بڑی چیز کوئی نہیں۔ ہدہد چونکہ خیر، صرف خدائے واحد کی عبادت اور صرف اسے ہی سجدہ کرنے کی دعوت دینے والا تھا، اس لئے اس کے قتل کی ممانعت کردی گئی جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چار جانوروں کے قتل سے منع فرمایا: " چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور لٹورا " (2)۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿27﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا یَرْجِعُوْنَ ﴿28﴾ قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّیْۤ اُلْقِیَ اِلَیَّ كِتٰبٌ كَرِیْمٌ ﴿29﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿30﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ﴿31﴾

" آپ نے فرمایا ہم پوری تحقیق کریں گے اس بات کی کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو بھی غلط بیانی کرنے والوں سے ہے۔ لے جا میرا یہ مکتوب اور پہنچا دے ان کی طرف پھر ہٹ کر کھڑا ہو جا ان سے اور دیکھ وہ ایک دوسرے سے کیا گفتگو کرتے ہیں۔ (خط پڑھ کر) ملکہ نے کہا اے سرداران قوم! پہنچایا گیا ہے میری طرف ایک عزت والا خط۔ یہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمٰن (اور) رحیم ہے۔ تم لوگ غرور و تکبر نہ کرو میرے مقابلہ میں اور چلے آؤ میرے پاس فرمانبردار بن کر "۔

ہدہد نے جب اہل سبا اور ان کی ملکہ کے متعلق حضرت سلیمان علیہ السلام کو آگاہ کیا تو آپ فرمانے لگے کہ ہم تحقیق کریں گے کہ کیا تو نے سچ بولا ہے یا سزا سے بچنے کے لئے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ پھر آپ علیہ السلام نے ملکہ اور اس کی قوم کے نام ایک مکتوب تحریر کر کے ہدہد کے حوالے کیا اور فرمایا: اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ　چنانچہ ہدہد اس خط کو اپنے پر یا چونچ میں لے کر پرواز کرتے ہوئے بلقیس کے محل تک پہنچ گیا۔ وہ اس وقت اپنے خلوت خانہ میں تھی۔ ہدہد نے ایک روزن میں سے وہ خط اس کے سامنے رکھ دیا اور ادب کے ساتھ ایک طرف ہٹ گیا۔ دیکھ کر ملکہ کو سخت حیرت ہوئی اور کچھ وحشت بھی محسوس کی، پھر خط اٹھایا اور اسے کھول کر پڑھا تو اس کا مضمون یہ تھا: اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ... مُسْلِمِیْنَ　اسی وقت اس نے اپنے امراء، وزراء اور اعیان مملکت کی مجلس مشاورت منعقد کی اور انہیں کہا: یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّیْۤ اُلْقِیَ

1۔ ابن قانع لابن الساذش، جلد 2 صفحہ 719-720　2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الصید، جلد 2 صفحہ 1074، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 367 وغیرہ

اِنِّیْ کِتٰبٌ کَرِیْمٌ۔ ملکہ کے خط کو کریم (عزت والا) کہنے کی وجہ یہ تھی کہ خط کا معاملہ بہت حیرت انگیز اور عجیب وغریب تھا، ایک پرندے نے یہ خط اس تک پہنچایا پھر وہ ادب سے ایک طرف ہٹ گیا۔ یہ ایسا امر ہے جس پر کوئی بادشاہ قدرت نہیں رکھتا۔ جب اس نے درباریوں کو یہ خط پڑھ کر سنایا تو وہ سمجھ گئے کہ یہ خط اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے اور ان میں آپ کے مقابلہ کی تاب نہیں۔ وہ خط ایجاز، فصاحت و بلاغت، جامعیت اور دلکش اسلوب کا مرقع تھا۔ علماء کرام کا کہنا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے کسی نے خط میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی۔ ابن ابی حاتم میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے ایک ایسی آیت کا علم ہے جو مجھ سے پہلے سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے بعد کسی نبی پر نہیں اتری"۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کون سی آیت؟ آپ نے فرمایا: "میں مسجد سے جانے سے پہلے تمہیں بتا دوں گا"۔ اب آپ مسجد سے باہر نکلنے لگے اور اپنا ایک قدم باہر رکھ دیا تو میں نے سوچا کہ شاید آپ ﷺ بھول گئے۔ اتنے میں آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور یہ آیت اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ ... پڑھی۔ یہ حدیث غریب اور اس کی سند ضعیف ہے۔ حضرت میمون بن مہران کہتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے رسول اللہ ﷺ "بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ" تحریر کیا کرتے تھے۔ اس آیت کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا شروع کر دیا۔ فرمایا: اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ۔ یعنی میرے مقابلہ میں سرکشی اور تکبر نہ کرو بلکہ موحد، مخلص اور مطیع بن کر میرے پاس چلے آؤ۔

قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْۤ اَمْرِیْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِیْدٍ ۙ۬ وَّ الْاَمْرُ اِلَیْكِ فَانْظُرِیْ مَاذَا تَاْمُرِیْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَ كَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَ اِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

"ملکہ نے کہا اے سرداران قوم! مجھے مشورہ دو میرے اس معاملہ میں۔ میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا کرتی جب تک تم موجود نہ ہو۔ وہ کہنے لگے ہم بڑے طاقتور اور سخت جنگجو ہیں۔ اور فیصلہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے آپ غور کر لیں کہ آپ کیا حکم دینا چاہتی ہیں۔ ملکہ نے کہا اس میں شک نہیں کہ بادشاہ جب داخل ہوتے ہیں کسی بستی میں تو اسے برباد کر دیتے ہیں اور بنا دیتے ہیں وہاں کے معزز شہریوں کو ذلیل۔ اور یہی ان کا دستور ہے۔ (اس لئے جنگ کرنا قرین دانشمندی نہیں) اور میں بھیجتی ہوں ان کی طرف ایک تحفہ پھر دیکھوں گی کہ قاصد کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں"۔

ملکہ نے شاہی مشیروں کو خط پڑھ کر سنایا اور اس معاملہ میں ان سے مشورہ طلب کرتے ہوئے کہنے لگی: قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ۔ جواب میں وہ کہنے لگے: نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِیْدٍ یعنی ہم طاقتور اور سخت جنگجو ہیں۔ بعد ازاں وہ فیصلہ کا اختیار ملکہ کو سونپتے ہوئے کہنے لگے: وَّ الْاَمْرُ اِلَیْكِ۔ یعنی اگر آپ جنگ پر آمادہ ہوں تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں اور نہ ہی ہماری طرف سے کوئی رکاوٹ ہے، بہرصورت فیصلہ کا اختیار آپ کو حاصل ہے، آپ حکم کریں، ہم اس کی پیروی کریں گے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشیروں نے فیصلہ کا اختیار ملکہ کے سپرد کر دیا جو سخت اضطراب کا شکار تھی، وہ اپنے درباریوں سے زیادہ محتاط اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت و سطوت سے زیادہ واقف تھی، اسے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ آپ کے لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتی جس میں جن، انسان

اور پرندے شامل تھے اور ہدہد کے ذریعے موصولہ خط کا عجیب وغریب معاملہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھی۔ وہ اپنے درباریوں سے کہنے لگی کہ مجھے خدشہ ہے کہ جنگ کی صورت میں سلیمان اپنا لشکر لے ہم پر چڑھائی کردیں گے اور بلا استثناء ہم سب کو برباد کردیں گے، اس لئے کہنے لگی: اِنَّ الْمُلُوْكَ یعنی بادشاہ جب زبردستی کسی ملک کو فتح کرتے ہیں تو اسے وہ برباد کردیتے ہیں اور وہاں کے معزز لوگوں خصوصاً اعیان مملکت اور قائدین لشکر کو قتل کرکے یا قیدی بنا کر ذلیل ورسوا کردیتے ہیں اور یہی ان کا دستور ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بلقیس کے قول کی تائید اپنے اس فرمان وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ سے کی(1)، پھر ملکہ نے ایک چال چلتے ہوئے صلح پر آمادگی ظاہر کی اور کہنے لگی: وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ۔ یعنی میں ایک گرانقدر تحفہ انہیں بھیجتی ہوں جو ان کے شایان شان ہوگا، پھر دیکھوں گی کہ وہ اس کے بعد کس ردعمل کا اظہار کرتے ہیں۔ بہت ممکن ہے وہ ہمارا تحفہ قبول کرکے ہم سے صرف نظر کرلیں یا ہم پر سالانہ خراج مقرر کرکے جنگ سے باز رہیں۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ملکہ نے قبول اسلام میں کیسی دانائی سے کام لیا، اسے معلوم تھا کہ تحفہ بڑی پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ملکہ نے اپنے درباریوں سے کہا کہ اگر سلیمان نے ہدیہ قبول کرلیا تو سمجھ لیناوہ بادشاہ ہیں، اس لئے ان سے جنگ کرنا اور اگر انہوں نے ہمارا ہدیہ قبول نہ کیا تو سمجھ لیناوہ نبی ہیں، اس لئے ان کی اتباع کرنا۔

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

"سو جب قاصد آپ کے پاس (ہدیہ لے کر) آیا تو آپ نے فرمایا کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو (سنو!) جو عطا فرمایا ہے مجھے اللہ تعالیٰ نے وہ بہتر ہے اس سے جو تمہیں دیا ہے۔ بلکہ تم تو اپنے ہدیہ پر پھولے نہیں سمارہے (گویا کوئی بڑی نادر چیز لائے ہو) تو واپس چلا جا ان کے پاس اور ہم آرہے ہیں ان کی طرف اپنے لشکر لے کر جن کے مقابلہ کی ان میں تاب نہیں اور ہم یقیناً نکال دیں گے انہیں اس شہر سے ذلیل کرکے اور وہ خوار اور رسوا ہوچکے ہوں گے"۔

اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ ملکہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف جو تحفہ بھیجا تھا، وہ سونے، ہیرے جواہرات وغیرہ پر مشتمل تھا۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس نے سونے کی ایک اینٹ بھیجی تھی۔ صحیح یہ ہے کہ اس نے سونے کا ایک برتن تحفہ میں روانہ کیا تھا، حضرت مجاہد، سعید بن جبیر وغیرہ کہتے ہیں کہ اس نے لڑکوں کے بھیس میں کچھ لڑکیاں اور لڑکیوں کے بھیس میں کچھ لڑکے روانہ کئے اور کہنے لگی کہ اگر سلیمان ان کے درمیان تفریق کرگئے تو وہ واقعی نبی ہیں۔ جب یہ لڑکے لڑکیاں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ نے انہیں وضو کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ لڑکیاں اپنے ہاتھوں پر پانی انڈیلنے لگیں اور لڑکے برتن میں ڈال کر چلو بھرنے لگے، اس سے آپ علیہ السلام نے دونوں میں امتیاز کرلیا۔ بعض کہتے ہیں کہ لڑکیوں نے پہلے اپنے ہاتھوں کا اندرونی حصہ دھویا اور لڑکوں نے ان کے برعکس پہلے بیرونی حصہ دھویا۔ بعض دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ لڑکیوں نے اپنے ہاتھ دھوتے وقت انگلیوں سے آغاز کیا اور کہنیوں تک بازو دھوئے لیکن لڑکوں نے کہنیوں سے آغاز کرتے ہوئے انگلیوں تک ہاتھ دھوئے، بہرصورت ان تمام اقوال میں کوئی منافات اور تضاد نہیں۔ بعض نے ذکر کیا ہے کہ ملکہ نے

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 154-155، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 357

حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف ایک برتن بھیجا اور فرمائش کی کہ آپ اسے ایسے پانی سے بھر دیں جو نہ آسمان کا ہو اور نہ زمین کا۔ چنانچہ آپ نے گھوڑے دوڑائے اور ان کے پسینہ سے وہ برتن بھر دیا، اسی طرح اس نے ایک منکا اور لڑی بھیجی تاکہ آپ اسے اس میں پرو دیں۔۔ مذکورہ اقوال میں سے اکثر اسرائیلی روایات میں سے لیے گئے ہیں جن کی صحت کے متعلق اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ البتہ یہ بات واضح ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ کے تحفے کی طرف نہ تو التفات کیا اور نہ اس میں دلچسپی کا اظہار کیا بلکہ اس سے اعراض برتتے ہوئے اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمانے لگے: اَتُمِدُّوْنَنِ - یعنی کیا تم مجھے رشوت پیش کرتے ہو تاکہ میں تمہیں تمہارے شرک اور بادشاہت پر برقرار رکھوں؟! اللہ تعالیٰ نے مجھے جس بادشاہت، مال و دولت اور لاؤ لشکر سے نواز رکھا ہے وہ تمہارے مال و متاع سے بہتر ہے، بلکہ تم اس فطرت کے لوگ ہو کہ تحائف قبول کر کے جھک جاتے ہو۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو سن لو میری رضا مندی اسی میں ہے کہ اسلام قبول کر لو ورنہ تلوار فیصلہ کرے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے جنات نے سونے اور چاندی کے ایک ہزار محلات تیار کر دیے۔ جب ملکہ کے قاصدوں نے انہیں دیکھا تو دم بخود ہو کر آپس میں کہنے لگے کہ ایسی شان و شوکت والے بادشاہ کے سامنے ہمارے تحفہ کی کیا حیثیت ہے۔ اس میں اس بات کا جواز ہے کہ قاصدوں اور سفارتکاروں کے سامنے اظہار زینت میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام قاصدوں سے فرمانے لگے: اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ یعنی یہ ہدیے ان کے پاس واپس لے جاؤ اور انہیں یہ پیغام دے دو کہ ہم ایسا لشکر لے کر حملہ آور ہونے والے ہیں جس کے مقابلہ کی ان میں تاب نہیں اور ہم انہیں ان کے ملک سے ذلیل و رسوا کر کے نکال باہر کریں گے۔ جب قاصد تحائف واپس لے کر ملکہ کے پاس پہنچے اور اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کا پیغام پہنچایا تو اس نے اور اس کی قوم نے اسے سن کر اطاعت کا مظاہرہ کیا۔ اس نے اپنا لشکر اپنے ساتھ لیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی اتباع اور قبول اسلام کی نیت سے آپ کی طرف چل پڑی۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان لوگوں کے ارادہ کی بابت علم ہوا تو آپ بہت مسرور ہوئے۔

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۗ لِيَبْلُوَنِيْۤ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۚ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿۴۰﴾

"آپ نے فرمایا اے (میرے) درباریو! کون تم سے لے آئے گا میرے پاس اس کے تخت کو اس سے پہلے کہ وہ آجائیں میری خدمت میں فرمانبردار بن کر۔ عرض کی ایک عفریت نے جنات میں سے (حکم ہو تو) میں لے آتا ہوں آپ کے پاس اسے پیش ازیں کہ آپ کھڑے ہوں اپنی جگہ سے۔ اور بے شک میں اس کو اٹھا لانے کی طاقت بھی رکھتا ہوں (اور) امین بھی ہوں۔ عرض کی اس نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا (اجازت ہو تو) میں لے آتا ہوں اسے آپ کے پاس اس سے پہلے کہ آپ کی آنکھ جھپکے۔ پھر جب آپ نے اسے دیکھا کہ وہ رکھا ہوا ہے آپ کے نزدیک تو فرمانے لگے یہ میرے رب کا

فضل (وکرم) ہے۔ تا کہ وہ آزمائے مجھے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔ اور جس نے شکر کیا تو وہ شکر کرتا ہے اپنے بھلے کے لئے۔ اور جو ناشکری کرتا ہے (وہ اپنا نقصان کرتا ہے) بلاشبہ میرا رب غنی بھی ہے (اور) کریم بھی"۔

جب قاصد حضرت سلیمان علیہ السلام کا پیغام لے کر ملکہ بلقیس کے پاس لوٹے تو وہ کہنے لگی کہ اب مجھے سمجھ آ گئی ہے کہ آپ بادشاہ نہیں۔ ہم نہ تو ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ ہی ہمیں ان کے ساتھ تکبر وغرور کرنے سے کچھ حاصل ہوگا۔ چنانچہ اس نے آپ علیہ السلام کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ میں اپنی قوم کے سرداروں کے ساتھ آپ کے پاس حاضر ہو رہی ہوں تا کہ میں اپنی آنکھوں سے آپ کے احوال کا مشاہدہ کروں اور آپ کے دین کے متعلق معلومات حاصل کروں۔ پھر اس نے ہیرے جواہرات سے مزین اپنا سنہری تخت سات محلات میں مقفل کر دیا اور اپنے نائب کو امور سلطنت کی انجام دہی کی ذمہ داری سونپتے ہوئے تاکید کی کہ تخت کی حفاظت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا، کوئی شخص اس تک نہ پہنچنے پائے بلکہ کوئی اسے دیکھنے کی بھی جرأت نہ کرے۔ یہ تاکیدی احکام صادر کرنے کے بعد اس نے یمن کے بارہ ہزار سردار اپنے ساتھ لئے جن میں سے ہر ایک کے ماتحت ہزار ہا افراد تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف عازم سفر ہوگئی۔ جنات ملک کی پل پل کی خبر آپ علیہ السلام تک پہنچا رہے تھے۔ جب وہ قریب پہنچ گئی تو آپ نے اپنے دربار میں موجود جن وانس سے فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ..... قتادہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے تخت بلقیس کا تذکرہ ہوا کہ وہ سونے کا بنا ہوا ہے، اس کے پائے ہیرے جواہرات کے ہیں، اس پر ریشم کے پردے لٹکتے ہیں اور اس کے نو دروازے ہیں تو یہ آپ کو بہت پسند آیا۔ یہ بات آپ کو ناپسند تھی کہ ان لوگوں کے اسلام لانے کے بعد آپ وہ تخت لے لیں کیونکہ آپ کو علم تھا کہ جب وہ اسلام لے آئیں گے تو ان کے مال اور ان کے خون حرام ہو جائیں گے (1)۔ عطاء خراسانی، سدی اور زہیر بن محمد کا بھی یہی قول ہے۔ آپ کا حکم سن کر کوزن نامی پہاڑ جیسا ایک سرکش جن کہنے لگا: اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ... یعنی آپ کے مجلس برخاست کرنے سے پہلے پہلے میں اسے لے آؤں گا۔ (2) سدی وغیرہ کہتے ہیں کہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے اور ان کے تنازعات حل کرنے اور انصاف فراہم کرنے کے لئے صبح سے زوال آفتاب تک دربار عام لگاتے وہ جن مزید کہنے لگا: وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ یعنی میں اس تخت کو اٹھانے کی طاقت بھی رکھتا ہوں اور اس میں جو قیمتی جواہرات جڑے ہوئے ہیں، ان پر امین بھی ہوں اور ان میں ہرگز خیانت نہیں کروں گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میری خواہش تو یہ ہے کہ وہ تخت اس سے بھی پہلے میرے پاس پہنچ جائے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس تخت کو منگوانے سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک غرض تو اس شان وشوکت اور قوت واقتدار کا اظہار تھا جس سے صرف آپ کو نوازا گیا اور دوسری غرض ایک عظیم الشان معجزے کا اظہار تھا تا کہ بلقیس کے سامنے یہ معجزہ آپ کی نبوت کی دلیل بن جائے کہ ان کی آمد سے پہلے پہلے آپ نے وہ تخت منگوا لیا جو سات محلات میں مقفل تھا اور پہریدار اس کی حفاظت پر مامور تھے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے جلدی تخت لانے کا تقاضا کیا تو وہ شخص بولا جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول یہ شخص حضرت سلیمان علیہ السلام کے کاتب آصف تھے۔ ان کے باپ کا نام برخیا تھا۔ یہ صدیق تھے اور اسم اعظم جانتے تھے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ مومن تھے اور ان کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ان کا نام اسطوم تھا۔ قتادہ سے ایک دوسری روایت میں ان کا نام بلیخا منقول ہے۔ زہیر بن محمد کہتے ہیں کہ ان کا لقب ذوالنور تھا۔ عبداللہ بن لہیعہ کا خیال ہے کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے لیکن یہ قول بہت ہی غریب ہے۔ وہ کہنے لگے: اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 359 2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 359، مفحمات الاقران السیوطی: 154

قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ ... یعنی آپ حسب قدرت اپنی نگاہ دوڑائیں۔ آپ کے دیکھتے دیکھتے تخت آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا۔ وہب بن منبہ اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ آپ اپنی نظر دوڑائیں، اس کے اپنی انتہائی حد کو پہنچنے سے پہلے تخت آپ کی خدمت میں حاضر کروں گا۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کی کہ آپ یمن کی طرف نظر کریں جہاں مطلوبہ تخت موجود ہے، پھر یہ کھڑے ہوئے، وضو کیا اور بارگاہ الٰہی میں دعا کرنے لگے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ انہوں نے "يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ" کہا۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کی دعا یہ تھی: "يَا اِلٰهَنَا وَاِلٰهَ كُلِّ شَيْءٍ اِلٰهًا وَاحِدًا لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ائْتِنِيْ بِعَرْشِهَا"۔ یہ دعا کرنے کی دیر تھی کہ تخت فوراً سامنے حاضر ہوگیا۔ حضرات مجاہد، سعید بن جبیر، محمد بن اسحاق اور زہیر بن محمد کہتے ہیں کہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے تخت بلقیس لانے کی درخواست کی تو وہ تخت زمین میں غائب ہوگیا۔ تخت یمن میں تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس میں۔ پھر وہ تخت فوراً حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے ظاہر ہوگیا۔ جب آپ علیہ السلام نے تخت اپنے سامنے موجود پایا تو فرمایا: هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ یعنی یہ ان نعمتوں میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے ارزانی فرمائی ہیں تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ کیا میں شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں اور جو شخص شکر گزاری کرتا ہے، وہ اپنے مفاد کے لئے ہی ایسا کرتا ہے جیسا کہ فرمایا: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا (حم السجدۃ: 46) "جو نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے بھلے کے لئے کرتا ہے اور جو برائی کرتا ہے اس کا وبال اس پر ہے"۔ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ (الروم: 44) "اور جنہوں نے نیک عمل کئے وہ اپنے لئے ہی راہ ہموار کر رہے ہیں"۔ پھر فرمایا: وَمَنْ كَفَرَ۔ یعنی جو ناشکری کرتا ہے وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ بندوں اور ان کی عبادت سے بے نیاز ہے اور وہ کریم ہے اگرچہ کوئی بھی اس کی عبادت نہ کرے کیونکہ اس کی عظمت کسی کی محتاج نہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ (ابراہیم: 8) "اگر ناشکری کرنے لگو تم اور وہ سب جو سطح زمین پر ہیں تو بے شک اللہ تعالیٰ غنی (اور) سب تعریفوں کا مستحق ہے"۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے جن اور انسان تم میں سے سب سے زیادہ متقی شخص جیسے ہو جائیں تو میرے ملک میں ذرہ بھر بھی اضافہ نہیں کر سکتے۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے جن اور انسان تم میں سے سب سے زیادہ فاجر شخص جیسے ہو جائیں تو میرے ملک میں کوئی کمی واقع نہیں کر سکتے۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جنہیں میں تمہارے لئے شمار کر رہا ہوں، پھر میں تمہیں ان کا پورا پورا بدلہ دوں گا۔ جو شخص بھلائی پائے تو اسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور جو اس کے برعکس پائے تو وہ صرف اپنے نفس کو ہی ملامت کرے" (1)۔

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْۤ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ۭ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ۝ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ۬ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ رعد: 29، تفسیر سورۂ ابراہیم: 7

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾

"آپ نے حکم دیا شکل بدل دو اس کے لئے اس کے تخت کی ہم دیکھتے ہیں کہ وہ حقیقت پر آگاہ ہوتی ہے یا ہو جاتی ہے ان لوگوں سے جو حقیقت کو نہیں پہنچتے۔ سو جب وہ آئی تو اس سے پوچھا گیا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے۔ کہنے لگی یہ تو ہو بہو وہی ہے اور ہمیں اطلاع مل گئی تھی اس واقعہ کی اس سے پہلے اور ہم تو فرمانبردار بن کر حاضر ہوئے ہیں۔ اور روک رکھا تھا اسے (ایمان لانے سے) ان بتوں نے جن کی وہ عبادت کیا کرتی تھی اللہ تعالیٰ کے سوا۔ بے شک وہ قوم کفار سے تھی۔ اسے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو جاؤ۔ پس جب اس نے دیکھا اس (کے بلوریں فرش) کو تو اس نے خیال کیا کہ یہ گہرا پانی ہے اور اس نے کپڑا اٹھا لیا اپنی دونوں پنڈلیوں سے۔ آپ نے فرمایا (یہ پانی نہیں) یہ چمکدار محل ہے بلور کا بنا ہوا (اس کی آنکھیں کھل گئیں) کہنے لگی اے میرے رب! میں (آج تک) ظلم ڈھاتی رہی ہوں اپنی جان پر اور ایمان لائی ہوں سلیمان کے ساتھ اللہ پر جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے"۔

بلقیس کے پہنچنے سے پہلے جب اس کا تخت حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے لایا گیا تو آپ علیہ السلام نے اس میں کچھ ردوبدل کرنے کا حکم دیا تا کہ ملکہ کی آزمائش کی جا سکے کہ آیا وہ اپنے تخت کو پہچانتی ہے یا نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت میں کچھ پتھر اور جواہرات نکلوا دیئے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ آپ نے اس کے رنگ و روغن میں تبدیلی کروا دی۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ اس میں کچھ کمی بیشی کر دی گئی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ تخت کے زیریں حصہ کو بالائی اور سامنے والے حصہ کو پچھلا حصہ بنا دیا گیا، علاوہ ازیں کمی بیشی کر دی۔ جب ملکہ بلقیس آئی تو تبدیل شدہ تخت اس کے سامنے پیش کیا گیا اور اس سے دریافت کیا گیا کہ کیا یہ تمہارا تخت ہے۔ ملکہ بہت عقلمند، زیرک، ہوشیار اور محتاط تھی، اس لئے اس نے یہ نہیں کہا کہ یہ وہی تخت ہے کیونکہ وہ تو بہت دور یمن میں پڑا ہوا تھا لیکن یہ بھی نہیں کہا کہ یہ کوئی اور تخت ہے کیونکہ وہ اپنے تخت کے آثار اور علامات دیکھ چکی تھی اگرچہ اس میں ردوبدل کر دیا گیا تھا اس لئے اس نے کمال دانائی اور ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے تشبیہ کا اسلوب اختیار کیا اور کہا: كَاَنَّهٗ هُوَ یعنی گویا کہ یہ وہی ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ آیت کا یہ حصہ وَ اُوْتِيْنَا الْعِلْمَ ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول ہے(1) اور بقول مجاہد اور سعید بن جبیر یہ آیت وَ صَدَّهَا ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے کلام کا تتمہ ہے۔ حضرات مجاہد اور سعید کا یہ قول عمدہ ہے۔ ابن جریر کا بھی یہی قول ہے(2)۔ پھر ابن جریر کہتے ہیں کہ صَدَّهَا کی ضمیر فاعل کا مرجع حضرت سلیمان علیہ السلام بھی ہو سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات بھی، مفہوم یہ ہوگا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام (یا اللہ تعالیٰ) نے اسے غیر اللہ کی عبادت سے روک دیا کیونکہ اس کا تعلق کافر قوم سے تھا۔ میں کہتا ہوں کہ مجاہد کا قول اس کی تائید کرتا ہے کہ ملکہ نے محل میں داخل ہونے کے بعد اسلام لانے کا اعلان کیا اس کا بیان عنقریب ہوگا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے جنات نے بلور کا ایک بہت بڑا عظیم الشان محل تعمیر کیا اور اس کے بلوری فرش کے نیچے پانی جاری کر دیا۔ انجان شخص یہی سمجھتا کہ یہ پانی ہے حالانکہ پانی شیشے کے فرش کے نیچے تھا۔ اس بات میں اختلاف ہے کہ اس کرشمہ سازی سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی غرض کیا تھی۔ بعض کا کہنا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ اسلام اس سے شادی کرنا چاہتے تھے لیکن باوجود اس کے کہ وہ بہت حسین و جمیل تھی، اس کے متعلق آپ نے سن رکھا تھا کہ اس کی پنڈلیوں پر بہت زیادہ بال ہیں اور اس کے ٹخنے چوپاؤں کے کھروں جیسے ہیں۔ اس بات کی تحقیق کے لئے

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 362
2۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 168

آپ نے یہ طریقہ اختیار کیا۔ جب وہ محل میں داخل ہوئی اور اس نے اپنی پنڈلیوں سے پائنچے اٹھائے تو آپ نے دیکھا کہ اس کی پنڈلیاں اور پاؤں بہت خوبصورت اور بے عیب ہیں۔ چونکہ وہ غیر شادی شدہ تھی، اس لئے اس کی پنڈلیوں پر بال تھے۔ آپ علیہ السلام نے استرے کے ساتھ یہ بال منڈوا دینے کا مشورہ دیا لیکن ملکہ کہنے لگی کہ یہ میرے بس کی بات نہیں۔ چونکہ یہ بال آپ کو ناپسند تھے اس لئے آپ نے جنات سے کہا کہ کوئی ایسی چیز تیار کرو جس سے یہ بال دور ہو جائیں۔ چنانچہ انہوں نے چونا پیش کیا۔ یہ دوا سب سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے تلاش کی گئی۔ پھر آپ نے اسے اپنے محل میں داخل ہونے کے لئے کہا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ اسے اپنے ملک، سلطنت اور اقتدار کا مشاہدہ کروائیں جس کے مقابلہ میں اس کا اپنا ملک، سلطنت اور اقتدار کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ جب وہ محل میں داخل ہوئی تو بلوری فرش کو دیکھ کر گمان کرنے لگی کہ یہ پانی کا حوض ہے اور اس نے اپنی پنڈلیوں سے پائنچے اوپر اٹھا لئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہیں غلطی لگی، یہ تو بلور کا چمکتا ہوا محل ہے۔ جب وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچی تو آپ علیہ السلام نے اسے خدائے واحد کی عبادت کی دعوت دی اور سورج پرستی پر اس کی مذمت کی۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ محل دیکھتے ہی ملکہ کی آنکھ کھل گئی اور اسے معلوم ہو گیا کہ اس کے ملک کے مقابلہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملک بہت بڑا ہے۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے جنات نے بلور کا محل تعمیر کیا جو سفیدی میں پانی جیسا محسوس ہوتا تھا، اس کے فرش تلے آپ نے پانی جاری کروا دیا، پھر وہاں اپنا تخت بچھوایا اور اس پر جلوہ فرما ہوئے۔ پرندے اوپر سایہ کئے ہوئے تھے اور جن وانس دست بستہ حاضر تھے۔ جب آپ نے ملکہ کو توحید کی دعوت دی اور سورج پرستی پر اس کی مذمت کی تو اس نے زندیقوں جیسا جواب دیا اور شان باری تعالیٰ میں گستاخی کی۔ ملکہ کی اس جسارت پر آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو گئے، آپ کے ساتھ باقی لوگ بھی سجدہ میں گر گئے۔ یہ دیکھ کر ملکہ بہت نادم اور پشیمان ہوئی۔ جب آپ علیہ السلام نے سجدہ سے سر اٹھایا تو ملکہ سے فرمایا کہ تم نے یہ کیا کہہ دیا؟ اس نے کہا کہ مجھ سے بھول ہو گئی۔ پھر وہ بارگاہ خداوندی میں عرض کرنے لگی رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ چنانچہ وہ صدق دل سے مشرف بہ اسلام ہو گئی (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک غریب اثر مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب تخت پر تشریف فرما ہوتے تو اس کے ارد گرد کرسیاں بچھا دی جاتیں جن پر پہلے انسان بیٹھتے، پھر جن، پھر شیطان، پھر ہوا اس تخت کو فضا میں بلند کر دیتی، پرندے اپنے پروں سے سایہ کر لیتے، پھر آپ کے حکم سے ہوا تخت کو اپنے دوش پر اٹھائے ہوئے چلتی اور مہینہ بھر کی مسافت صبح صبح طے کر لیتی، اسی طرح شام کو مہینہ بھر کی دوری پر پہنچا دیتی۔ ایک دن آپ اسی طرح جا رہے تھے کہ دوران سفر جب پرندوں کا جائزہ لیا تو ہدہد کو مفقود پایا، فرمانے لگے: مَالِیَ لَآ اَرَی الْهُدْهُدَ۔ ایسے موقعہ پر پرندے کی سزا یہ ہوتی کہ اس کے پر نچوا کر زمین پر پھینک دیا جاتا اور کیڑے مکوڑے اسے کھا جاتے۔ تھوڑی دیر بعد ہدہد حاضر ہوا اور ملکہ بلقیس کی بابت آپ کو خبر دی۔ آپ نے اس کی صداقت آزمانے کے لئے ملکہ کے نام ایک مکتوب تحریر کیا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد جس کا مضمون یہ تھا: "اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَ اْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ"۔ جونہی ہدہد نے یہ خط ملکہ تک پہنچایا اور اس نے پڑھا، اس کے دل میں اس کی عظمت گھر کر گئی۔ اس نے اس معاملہ میں اپنے درباریوں سے مشاورت کی تو انہوں نے اپنی قوت و طاقت کا اظہار کرتے ہوئے مقابلہ پر آمادگی ظاہر کر دی لیکن ملکہ تباہی اور فساد کے خوف سے جنگ کے ارادہ سے باز رہی اور خیر سگالی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کچھ تحائف حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پیش کئے۔ آپ نے یہ تحائف قبول کرنے سے انکار کر دیا اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 168

جنگ کی دھمکی دی۔ ملکہ سرتسلیم خم کرتے ہوئے اپنے لاؤلشکر سمیت آپ علیہ السلام کی طرف عازم سفر ہوئی۔ جب وہ قریب پہنچی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کے لشکر کا گردوغبار دکھائی دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ کے درمیان اتنی مسافت تھی جس قدر رہنا رے اور حرہ کے درمیان۔ بعض کہتے ہیں کہ دو ماہ کی مسافت تھی۔ جب آپ علیہ السلام نے گردوغبار دیکھا تو فرمایا: اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا؟ اس پر ایک سرکش جن نے کہا: اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ...... حضرت سلیمان علیہ السلام فرمانے لگے کہ میں اس سے جلد چاہتا ہوں۔ اس پر وہ شخص کہنے لگا جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اپنے رب کی کتاب میں دیکھوں گا پھر پلک جھپکنے کی دیر سے پہلے اس تخت کو آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا۔ اتنی دیر میں اس کرسی تلے سے ملکہ کا تخت برآمد ہو گیا۔ جس پر پاؤں رکھ کر آپ علیہ السلام اپنے تخت پر چڑھتے تھے۔ تخت کو سامنے پا کر آپ نے فرمایا: هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ...... پھر آپ نے ملکہ بلقیس کے تخت میں کچھ ردوبدل کروا دیا اور اس سے پوچھا کہ کیا ایسا ہی تمہارا تخت ہے؟ اس نے جواب دیا: كَاَنَّهٗ هُوَ۔ ملکہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے دو مطالبات کیے، ایک یہ کہ ایسا پانی مطلوب ہے جو زمین کا ہو اور نہ آسمان کا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دستور یہ تھا کہ جب آپ سے کسی چیز کے متعلق دریافت کیا جاتا تو پہلے آپ انسانوں سے پوچھتے، پھر جنات سے اور پھر شیاطین سے۔ شیطان کہنے لگے کہ یہ تو بہت آسان چیز ہے، گھوڑے دوڑایے اور ان کے پسینہ سے برتن بھر دیجئے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ دوسرا سوال اس نے یہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کا رنگ کیسا ہے؟ اس سوال کو سنتے ہی حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے تخت سے جست لگائی اور سجدہ میں گر گئے، عرض کرنے لگے: اے پروردگار! اس عورت نے مجھ سے ایسا سوال کیا ہے جسے میں اپنی زبان پر بھی نہیں لا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم بے فکر ہو کر واپس اپنے تخت پر چلے جاؤ، میں تمہاری کفایت کرنے والا ہوں۔ چنانچہ آپ واپس اپنے تخت پر بیٹھ گئے اور ملکہ سے فرمانے لگے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیا سوال کیا تھا؟ وہ کہنے لگی کہ میں نے تو آپ سے صرف پانی کے متعلق سوال کیا تھا۔ پھر آپ نے اپنے لشکر سے دریافت کیا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے متعلق کیا سوال کیا تھا؟ وہ کہنے لگے کہ اس کا سوال تو صرف پانی کے متعلق تھا۔ سب کے سب اس سوال کو بھول گئے۔ شیطان سوچنے لگے کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ کو پسند کر لیا اور اسے اپنا حرم بنا لیا پھر اولاد بھی ہو گئی تو ہم ان کی غلامی سے کبھی بھی نجات نہیں پا سکیں گے۔ چنانچہ انہوں نے بلور کا چمکتا ہوا محل تعمیر کیا جس کے فرش تلے پانی رواں کر دیا۔ ملکہ جب اس محل میں داخل ہوئی اور اس نے پانی سمجھ کر اپنی پنڈلیوں سے پائنچے اوپر چڑھائے تو حضرت سلیمان نے اس کی پنڈلیوں پر بال دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ آپ کو مشورہ دیا گیا کہ استرے سے ان بالوں کو زائل کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ استرے کا نشان مجھے ناپسند ہے، کوئی اور ترکیب دریافت کرو۔ چنانچہ شیاطین نے چونے سے بال صفا پوڈر تیار کر دیا۔ سب سے پہلے بال صفا پوڈر حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے ہی تیار ہوا (1)۔ ابوبکر بن ابی شیبہ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ روایت کیا ہی خوب ہے! لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ منکر اور بہت ہی غریب ہے۔ عطاء بن سائب نے اپنے وہم کی بنیاد پر اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا۔ زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ اس کا تعلق اسرائیلی روایات سے ہے جن کی صحت کی یقین دہانی بہت مشکل امر ہے جبکہ یہ بات واضح ہے کہ بنی اسرائیل تحریف، ردوبدل اور نسخ کے عادی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان سے بے نیاز کرتے ہوئے قرآن وحدیث کی صورت میں ایسی نعمت عظمیٰ ارزانی فرمائی جو بالکل صحیح، بہت زیادہ نفع رساں اور اعلیٰ وارفع ہے۔ لغت عرب میں ''صرح'' کا معنی ہے محل اور ہر بلند

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 364-363

عمارت۔ فرعون نے اپنے وزیر ہامان سے کہا تھا: اِبْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ (المومن: 36) "میرے لئے ایک اونچا محل بنا تا کہ میں ان راہوں تک پہنچ جاؤں"۔ "صرح" یمن میں ایک بلند و بالا محل تھا۔ "ممرد" سے مراد پختہ اور ملائم ہے۔ قواریر کا معنی ہے شیشہ۔ اور بلور۔ تمرید البناء کا معنی ہے عمارت کو محکم اور ملائم بنانا۔ "مارد" دومۃ الجندل میں ایک قلعہ کا نام ہے۔ الغرض حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کو اپنی شان و شوکت، قوت و سطوت اور عظمت و اقتدار کا مشاہدہ کروانے کیلئے بلور کا ایک عظیم الشان اور بلند و بالا محل تعمیر کروایا۔ ملکہ نے جب آپ کی عظمت، جلالت شان اور شان و شوکت کا مشاہدہ کیا اور آپ کے حالات اور آپ کی دعوت پر غور و فکر کیا تو اسے یقین ہو گیا کہ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سچے نبی اور عظیم بادشاہ ہیں۔ چنانچہ اس نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اسلام قبول کر لیا اور کہنے لگی رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ ... یعنی میں کفر و شرک کا ارتکاب اور سورج کی پرستش کر کے اپنے اوپر ظلم توڑھاتی رہی۔ اب میں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دین کی اتباع کرتے ہوئے اس خدائے واحد کے حضور اپنا سر جھکا لیا ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور جس نے ہر چیز کو پیدا کر کے اس کا انداز ہ مقرر کیا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٤٥﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٤٦﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۭ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿٤٧﴾

"اور بے شک ہم نے رسول بنا کر بھیجا ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو، کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی تو وہ دو گروہ بن گئے (اور آپس میں) جھگڑنے لگے۔ صالح علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم! کیوں تیزی کرتے ہو برائی کرنے میں نیک کام کرنے سے پہلے۔ تم کیوں نہیں بخشش طلب کرتے اللہ تعالیٰ سے شاید تم پر رحم کر دیا جائے۔ کہنے لگے ہم تو برا شگون سمجھتے ہیں تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو۔ آپ نے فرمایا تمہارا برا شگون تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے بلکہ تم ایسی قوم ہو جو فتنہ میں مبتلا کر دی گئی ہے"۔

قوم ثمود کا ذکر ہو رہا ہے کہ جب حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں توحید اور خدائے واحد کی عبادت کی دعوت دی تو وہ مومن اور کافر دو گروہوں میں منقسم ہو گئے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ (الاعراف: 76-75)۔ آپ علیہ السلام اپنی قوم سے فرمانے لگے: لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۔ یعنی تم کیوں نزول عذاب کا مطالبہ کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت طلب نہیں کرتے، اس لئے فرمایا: لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُوْنَ ۔ قوم نے آپ کو یہ جواب دیا: اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ یعنی ہم نے نہ کبھی تمہارے چہرے پر بھلائی نام کی کوئی چیز دیکھی ہے اور نہ تمہارے مریدین کے چہروں پر۔ ہم جن مصائب سے دوچار ہوتے ہیں، وہ تمہاری اور تمہارے پیروکاروں کی نحوست کا نتیجہ ہیں۔ فرعونی بھی اسی طرح کہا کرتے تھے: فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ (الاعراف: 131) "اور جب ان پر خوشحالی آتی تو کہتے کہ ہم اس کے مستحق

ہیں اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچتی تو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں سے بدفالی پکڑتے''۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۗ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (النساء:78) ''اور اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچے تو کہتے ہیں کہ یہ آپ کی طرف سے ہے۔ آپ فرمائیے سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے''۔ اہل قریہ نے اپنے رسولوں کی دعوت کے جواب میں کہا تھا: قَالُوْۤا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ (یٰسین:18) ''وہ کہنے لگے ہم تو تمہیں اپنے لئے فال بد سمجھتے ہیں۔ اگر تم باز نہ آئے تو ہم ضرور تمہیں سنگسار کر دیں گے اور تمہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔ رسولوں نے فرمایا تمہاری بدفالی تمہیں نصیب ہو''۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو جواب میں فرمایا: طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ...... یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری بدشگونی کا بدلہ دے گا بلکہ تمہیں تو فتنہ سے دوچار کیا گیا ہے۔ قتادہ تُفْتَنُوْنَ کا معنی بتاتے ہیں کہ تمہیں اطاعت اور معصیت سے آزمایا جاتا ہے۔ بظاہر اس سے مراد یہ ہے کہ جس گمراہی میں تم مبتلا ہو، اس میں تمہیں ڈھیل دی جا رہی ہے۔

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۞ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۞ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۞ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۞ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۞ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۞

''اور اس شہر میں نو شخص تھے جو فتنہ و فساد برپا کیا کرتے تھے اس علاقہ میں اور اصلاح کی کوئی کوشش نہ کرتے۔ انہوں نے کہا آؤ اللہ کی قسم کھا کر یہ عہد کر لیں کہ شبخون مار کر صالح علیہ السلام اور اس کے اہل خانہ کو ہلاک کر دیں گے۔ پھر کہہ دیں گے اس کے وارث سے کہ ہم تو (سرے سے) موجود ہی نہ تھے جب انہیں ہلاک کیا گیا اور (یقین کرو) ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں۔ اور انہوں نے بھی خفیہ سازش کی اور ہم نے بھی خفیہ تدبیر کی اور وہ سمجھ ہی نہ سکے (ہماری تدبیر کو) تم (خود ہی) دیکھ لو کیا (ہولناک) انجام ہوا ان کے مکر کا۔ ہم نے برباد کر کے رکھ دیا انہیں اور ان کی ساری قوم کو۔ پس یہ ان کے گھر ہیں جو اجڑے پڑے ہیں ان کے ظلم کے باعث۔ بے شک اس میں عبرت ہے اس قوم کے لئے جو (کچھ) جانتی ہے۔ اور ہم نے بچا لیا انہیں جو ایمان لائے تھے اور (اپنے رب سے) ڈرتے رہتے تھے''۔

قوم ثمود کے سرکش رؤساء کا ذکر ہو رہا ہے جو اپنی قوم کو گمراہی، کفر اور تکذیب صالح علیہ السلام کی دعوت دیتے اور انہی کے اکسانے پر قوم کے بدبختوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ یہ نو شر پسند سردار کہنے لگے کہ ہم بے خبری میں شب خون مار کر صالح علیہ السلام اور اس کے گھر والوں کو ہلاک کر والیں گے، پھر اس کے وارثوں سے کہہ دیں گے کہ ہمیں تو اس واقعہ کا علم ہی نہیں اور نہ ہی ہم اس حادثہ کے وقت موجود تھے۔ چونکہ یہ رؤساء اور سردار تھے، اس لئے پوری قوم ان کے تابع تھی اور انہی ملعونوں کے مشورہ سے اونٹنی کو قتل کیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ان کے یہ نام مروی ہیں: زرمی، زعیم، ہرم، ہریم، داب، صواب، ریاب، مسطیع اور قدار بن سالف۔ اس موخر الذکر

نے اپنے ہاتھ سے اونٹنی کی کوچیں کاٹی تھیں(1)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ (القمر:29) ''پس ثمودیوں نے اپنے ایک ساتھی کو بلایا پس اس نے وار کیا اور کوچیں کاٹ دیں''۔ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا (الشمس:12) ''جب ان میں سے ایک بڑا بدبخت اٹھ کھڑا ہوا''۔ ان آیات میں اس بدبخت کا ذکر ہے۔ عطاء بن ابی رباح ان کے فساد کی ایک صورت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ دراہم کے سکوں میں سے کچھ کاٹ لیتے اور اسے چلاتے(2)۔ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سونے اور چاندی کے سکوں کو کاٹنا بھی فساد کے زمرے میں آتا ہے(3)۔ ابوداؤد وغیرہ کی حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بلاضرورت اس سکہ کو کاٹنے سے منع فرمایا ہے جو مسلمانوں میں رائج ہو(4)۔ الغرض ہر ممکن طریقہ سے فتنہ برپا کرنا اس کافر اور فاسق گروہ کی فطرت میں شامل تھا۔ ان کے فساد کی کئی صورتیں تھیں جن میں سے بعض کا اوپر ذکر ہوا۔ فتنہ پرور سردار کہنے لگے: تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ یعنی اللہ کی قسم اٹھاکر اللہ کے نبی صالح (علیہ السلام) اور ان کے اہل خانہ کو بے خبری کے عالم میں شبخون مار کر ہلاک کرنے کا عہد کریں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تدبیر کو الٹ دیا اور ان کی سازش کو خاک میں ملا دیا۔ حضرت صالح علیہ السلام تک پہنچنے سے پہلے ہی عذاب الٰہی نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آئی جس نے ان تمام نابکاروں کو کچل کر رکھ دیا(5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اونٹنی کو قتل کرنے کے بعد ان بدبختوں نے یہ سازش تیار کی کہ ہم رات کے وقت حملہ کر کے صالح اور اس کے اہل خانہ کو ہلاک کر دیں گے، پھر صالح کے وارثوں سے کہہ دیں گے کہ ہمیں اس واقعہ کے متعلق کوئی علم نہیں اور نہ ہی ہم اس وقت وہاں موجود تھے لیکن اس سازش کی تکمیل سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ نے انہیں برباد کر دیا(6)۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ اونٹنی کو قتل کرنے کے بعد کفر و شرک کے یہ نو سرغنے کہنے لگے کہ آؤ صالح علیہ السلام کا بھی کام تمام کر دیں۔ اگر وہ سچا نبی ہے تو ہم اسے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا انجام اونٹنی جیسا ہوگا۔ چنانچہ یہ بدبخت رات کے وقت حملہ آور ہونے کے لئے جونہی آپ کے مکان پر آئے، فرشتوں نے پتھر مار مار کر ان کے سر کچل دیئے۔ جب یہ کافی دیر واپس نہ لوٹے تو قوم کے افراد ان کی خبر لینے کے لئے حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پہنچے۔ یہاں آکر کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے ساتھیوں کے سر کچلے ہوئے ہیں اور بھیجے باہر نکلے پڑے ہیں۔ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے سر ان کے قتل کا الزام تھوپ دیا اور پھر آپ کو قتل کرنے کے درپے ہو گئے۔ آپ علیہ السلام کے خاندان کے لوگ مسلح ہو کر آپ کی مدد کو پہنچ گئے اور کافروں کو کہنے لگے کہ تم کسی صورت میں صالح علیہ السلام کو قتل نہیں کر سکتے، دیکھو انہوں نے تم سے وعدہ کر رکھا ہے کہ تین دن میں تم پر عذاب آنے والا ہے۔ اگر یہ سچے ہیں تو انہیں قتل کر کے اللہ تعالیٰ کے غضب کو مزید نہ بھڑکاؤ اور اگر یہ جھوٹے ہیں تو یہ تم سے بچ نہیں سکتے۔ چنانچہ اس رات وہ لوگ واپس چلے گئے(7)۔ عبدالرحمن بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ جب انہوں نے اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈالیں تو حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں فرمایا: تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ (ہود:65) ''اپنے گھروں میں تین دن تک لطف اٹھا لو۔ یہ وعدہ ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا''۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے کہ صالح ہمیں تین دن کی مہلت دے رہا ہے لیکن ہم اس سے پہلے ہی صالح اور اس کے اہل خانہ سے فارغ ہو جائیں گے۔ جس چٹان سے اونٹنی نکلی تھی، وہاں حضرت صالح علیہ السلام کی مسجد تھی جہاں آپ نماز پڑھا کرتے تھے۔ رات کے وقت وہ اس

1۔ الدرالمنثور، جلد 6 صفحہ 370، مفحمات الاقرآن: 155
2۔ الدرالمنثور، جلد 6 صفحہ 370
3۔ موطا امام مالک، کتاب البیوع، جلد 2 صفحہ 635
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 271-272، سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، جلد 2 صفحہ 761
5۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 174، عن قتادہ
6۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 177، الدرالمنثور، جلد 6 صفحہ 370
7۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 173

چٹان کے قریب واقع غار کی طرف نکلے اور کہنے لگے کہ جب صالح نماز پڑھنے کے لئے یہاں آئے گا تو ہم اسے قتل کر ڈالیں گے۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد اس کے گھر والوں کی خبر لیں گے اور انہیں بھی موت کے گھاٹ اتاریں گے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آرہی ہے، انہیں خدشہ لاحق ہوگیا کہ یہ تو انہیں کچل کر رکھ دے گی۔ چنانچہ مارے خوف کے جلدی سے غار میں گھس گئے۔ چٹان غار کے دہانے پر ٹھہر گئی اور اس کا منہ بند کر دیا۔ وہ سب وہاں ہلاک ہوگئے۔ ان کی قوم کو پتہ ہی نہ چل سکا کہ وہ کہاں ہیں اور ان پر کیا بیتی۔ ان پر تو یہ عذاب آیا اور باقی اپنی جگہ عذاب میں گرفتار ہو کر برباد ہوگئے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو بچا لیا۔ پھر انہوں نے ان آیات کی تلاوت کی: وَمَكَرُوْا مَكْرًا... وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ (1)۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿٥٤﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿٥٥﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿٥٦﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٥٧﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٥٨﴾

"اور یاد کرو لوط علیہ السلام کو جب آپ نے اپنی قوم کو فرمایا کیا تم ارتکاب کرتے ہو بے حیائی کا حالانکہ تم دیکھ رہے ہوتے ہو۔ کیا تم جاتے ہو مردوں کے پاس شہوت رانی کے لئے (اپنی) بیویوں کو چھوڑ کر۔ بلکہ تم تو بڑے نادان لوگ ہو۔ پس نہیں تھا آپ کی قوم کا جواب بجز اس کے کہ انہوں نے کہا نکال دو آل لوط کو اپنی بستی سے۔ یہ لوگ تو بڑے پاک باز بنے پھرتے ہیں۔ سو ہم نے بچا لیا لوط کو اور ان کے اہل خانہ کو سوائے ان کی بیوی کے۔ ہم نے فیصلہ کر دیا اس کے متعلق کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی۔ اور ہم نے ان پر خوب پتھر برسائے۔ پس تباہ کن پتھراؤ تھا (بارہا) ڈرائے جانے والوں پر"۔

اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ آپ نے اپنی قوم کو ان کی اس بدکاری پر سرزنش کی اور ڈرایا جس کی مثال پہلے موجود نہ تھی یعنی اغلام بازی۔ وہ لوگ اس قدر اخلاق باختہ اور بے حیا تھے کہ مرد مردوں سے اور عورتیں عورتوں سے شہوت رانی اور مطلب برآری کر لیا کرتی تھیں۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں فرمایا: اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ - یعنی تم سرعام لوگوں کی موجودگی میں بھی اس فعل شنیع کا ارتکاب کرتے ہو تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو تم تو بہت ہی نادان اور جاہل ہو کہ نہ تمہیں طبعی پاکیزگی کا خیال ہے اور نہ تم شرعی احکام کا علم رکھتے ہو جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٥﴾ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ (الشعراء: 166-165) "کیا تم بدفعلی کے لئے ساری مخلوق سے مردوں کے پاس جاتے ہو اور چھوڑ دیتے ہو جو تمہارے رب نے تمہارے لئے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو"۔
اس کا جواب انہوں نے یہ کہہ کر دیا: اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ ...... یعنی لوط کے گھرانے کو جلاوطن کر دو کیونکہ یہ تمہارے اس فعل سے نالاں ہیں اور اس سبب سے ان کے ساتھ مل جل کر رہنا محال ہے۔ جب ان ناہنجاروں نے آپ کو جلاوطن کرنے کا عزم مصمم کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا اور حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کے اہل کو عذاب سے نجات دی بجز آپ کی بیوی کے، جس کے متعلق یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 173-174

وہ بھی ہلاک ہونے والوں میں شامل ہوگئی کیونکہ وہ کافر قوم کی پشت پناہ تھی، ان کی بداعمالیوں کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتی تھی، اور حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آنے والے مہمانوں کی خبر قوم کو دیا کرتی تھی لیکن یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ وہ بذات خود بدکاری کا ارتکاب نہیں کیا کرتی تھی کیونکہ یہ چیز اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام کی عظمت وکرامت کے منافی ہے کہ اس کی بیوی بدکاری کی مرتکب ہو، اس بدکار قوم کو اللہ تعالیٰ نے ایسے پتھر برسا کر برباد کردیا جن پر ان کے نام لکھے ہوئے تھے، اس لئے فرمایا: فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ یعنی ان لوگوں پر بہت بری بارش برسی جنہیں بار ہا تنبیہ کی گئی، اتمام حجت کردی گئی اور انہیں خوب ڈرایا دھمکایا گیا لیکن اس کے باوجود انہوں نے اللہ کے رسول علیہ السلام کی مخالفت اور تکذیب کی اور انہیں دیس نکالا دینے پر اتر آئے۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ یَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾

''فرمائیے سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور سلام ہو اس کے ان بندوں پر جنہیں اس نے چن لیا (بتاؤ) کیا اللہ بہتر ہے یا جنہیں وہ شریک بناتے ہیں۔ بھلا وہ کون ہے جس نے بنایا آسمانوں اور زمین کو۔ اور جس نے اتارا تمہارے لئے آسمان سے پانی۔ پھر ہم نے اگائے اس پانی سے خوش منظر باغات۔ تمہاری طاقت نہ تھی کہ تم اگا سکتے ان کے درخت۔ کیا کوئی دوسرا خدا ہے اللہ کے ساتھ؟ بلکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو راہ راست سے پرے ہٹ رہے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو یہ کہنے کا حکم دے رہا ہے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندوں کو ان گنت اور لا محدود نعمتوں سے نوازا اور جو صفات عالیہ اور اسماء حسنیٰ سے متصف ہے، مزید برآں یہ بھی حکم ہو رہا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں پر سلام بھیجیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے چن لیا۔ عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ یہاں برگزیدہ بندوں سے مراد انبیاء کرام ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الصافات: 180-182) ''پاک ہے آپ کا رب جو عزت کا مالک ہے، ان (ناروا باتوں) سے جو وہ کیا کرتے ہیں اور سب رسولوں پر سلامتی ہو اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے''۔ امام ثوری اور سدی فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں برگزیدہ بندوں سے مراد نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں (1)۔ جب صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں تو انبیاء کرام بدرجہ اولیٰ اس میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کی نجات اور ان کی نصرت وتائید اور اپنے دشمنوں کے رسوا کن اور عبرتناک عذاب کا ذکر کرنے کے بعد اپنے رسول ﷺ اور آپ کے پیروکاروں کو حکم دیا کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ستائش کریں اور اس کے مقبول بندوں پر سلام بھیجیں۔ اس کے بعد مشرکین کو سرزنش کرتے ہوئے اور ان کے شرک پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے ان سے سوال کیا: آٰللّٰهُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِكُوْنَ۔ پھر اللہ تعالیٰ یہ بیان فرما رہا ہے کہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا، ہر ایک کو رزق پہنچانے والا اور ہر امر کی تدبیر کرنے والا صرف وہی ہے، فرمایا: اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ۔ یعنی وہ کون ہے جس نے یہ بلند اور صاف آسمان پیدا کئے اور پھر انہیں ستاروں کے ساتھ آراستہ کیا اور نیچے یہ کثیف زمین بنائی اور اس میں پہاڑ، میدان، جنگل، صحرا، کھیتیاں، درخت، پھل، سمندر، انواع واقسام کے جاندار اور دیگر چیزیں تخلیق کیں، پھر

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 2

آسمان سے پانی اتارا جو بندوں کے رزق کا سبب ہے۔ اور اس کے ذریعے خوش منظر باغات پیدا کیے جن کے درختوں کو پیدا کرنا انسان کے بس کا روگ نہیں۔ صرف وہی اللہ تعالیٰ اس پر قدرت رکھتا ہے جو ہر چیز کا خالق اور رازق ہے۔ اس کے سوا کسی بت کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس کا اعتراف مشرکین بھی کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (الزخرف: 87) ''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو یقیناً کہیں گے اللہ نے''۔ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (العنکبوت: 63) ''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کے بنجر بن جانے کے بعد زندہ کیا تو وہ ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے'' باوجودیکہ یہ مشرکین اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہر چیز کا خالق صرف اللہ وحدہ لاشریک ہے، پھر بھی یہ ان بتوں کی پرستش کرتے ہیں جن کے متعلق یہ اس بات کے معترف ہیں کہ یہ بت نہ خالق ہیں اور نہ رازق۔ اس لئے عبادت کے لائق صرف وہی ہے جو خالق اور رازق ہے، اس لئے فرمایا: ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ یعنی کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی عبادت کا مستحق ہے حالانکہ ہر عقلمند پر واضح ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی خالق اور رازق ہے۔ ایک مفسر نے اس کا یہ معنی کیا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی ایسا معبود ہے جس نے ایسا کیا ہو۔ یہ معنی پہلے معنی کے قریب قریب ہے کیونکہ مشرکین کا اس صورت میں بھی یہی جواب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی ایسا معبود نہیں جس نے ایسا کیا ہو بلکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو ایسا کرتا ہے یعنی پیدا کرتا ہے اور رزق فراہم کرتا ہے۔ اس پر ان سے دریافت کیا جا سکتا ہے کہ جب صرف اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرنے والا، رزق بہم پہنچانے والے اور تدبیر کرنے والا ہے تو پھر تم کیونکر اس کے ساتھ اوروں کی عبادت کرتے ہو؟ جیسا کہ فرمایا: اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ (النحل: 17) ''کیا وہ ذات جس نے سب کچھ پیدا فرمایا اس کی مانند ہو سکتی ہے جس نے کچھ بھی نہیں بنایا'' اور یہاں فرمایا: اَمَّنْ خَلَقَ جن آیات میں ''اَمَّنْ'' آیا ہے وہاں اس کا یہی معنی ہے کہ کیا وہ جو ان امور کو انجام دے سکے، اس کی طرح ہے جو ان امور کی انجام دہی پر بالکل قدرت نہیں رکھتا؟ یہ معنی سیاق سے ماخوذ ہے۔ اگرچہ دوسری طرف مذکور نہیں پھر بھی سیاق کلام سے اس کی نشاندہی ہوتی ہے اور اس فرمان آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ میں تو دونوں طرفیں واضح ہیں، پھر دوسری آیت میں فرمایا: بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا عدیل اور مثیل ٹھہراتے ہیں، اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ (الزمر: 9) ''بھلا جو شخص رات کی گھڑیاں عبادت میں بسر کرتا ہے کبھی سجدہ کرتے ہوئے اور کبھی قیام کرتے ہوئے، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے''۔ یعنی کیا وہ جو ان مذکورہ صفات کا حامل ہے، اس شخص کی طرح ہے جو ان صفات سے عاری ہے؟ اس لئے فرمایا: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ (الزمر: 9) ''آپ پوچھئے کیا علم والے اور جاہل کبھی برابر ہو سکتے ہیں، البتہ صرف عقلمند ہی نصیحت قبول کرتے ہیں''۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰي نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (الزمر: 22) ''بھلا وہ جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کشادہ فرما دیا ہو تو وہ اپنے رب کی طرف سے دیے ہوئے نور پر ہے پس ہلاکت ہے ان سخت دلوں کے لئے جو ذکر خدا سے متاثر نہیں ہوتے۔ یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں''۔ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰي كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ (الرعد: 33) ''کیا وہ خدا جو ہر نفس کی اس کے اعمال کے ساتھ نگہبانی فرما رہا ہے''۔ یعنی کیا وہ جو مخلوق کے اعمال اور ان کی حرکات و سکنات پر گواہ ہے اور چھوٹی بڑی پوشیدہ چیز کا علم رکھتا ہے، ان بتوں کی طرح ہے جو نہ کسی چیز کا علم رکھتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں؟ اس لئے فرمایا: وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ ۭ قُلْ سَمُّوْهُمْ (الرعد: 33) ''اور ان مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک بنا

لئے ہیں، فرمایئے ذرا ان کا نام تو لو"۔ اسی طرح ان تمام آیات کا بھی یہی مفہوم ہے۔

أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ أَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ ءَ إِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦١﴾

"بھلا کس نے بنایا ہے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور جاری کر دیں اس کے درمیان نہریں اور بنا دیئے زمین کے لئے (پہاڑوں کے) لنگر اور بنادی دو سمندروں کے درمیان آڑ۔ کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ؟ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ بے علم ہیں"۔

ارشاد ہوتا ہے کہ وہ کون ہے جس نے زمین کو ساکن، ثابت اور قرار کی جگہ بنایا ہے، یہ اپنے مکینوں سمیت نہ لرزتی ہے، نہ اضطراب کا شکار ہوتی ہے اور نہ ڈولتی ہے کیونکہ اگر یہ ایسے ہوتی تو اس پر زندگی دوبھر ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور رحمت سے اسے ہموار اور ثابت بچھونا بنایا ہے، نہ یہ متزلزل ہوتی ہے اور نہ متحرک جیسا کہ ایک اور آیت میں فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً (المومن:64) "اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قیام کی جگہ اور آسمان کو چھت بنایا"۔ پھر فرمایا: وَجَعَلَ خِلٰلَهَآ أَنْهٰرًا یعنی اس نے زمین میں نہریں اور دریا جاری کر دیئے اور ہر علاقہ میں بندوں کی مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے چاروں اطراف میں پانی کی بہم رسانی کا انتظام کر دیا اور حسب ضرورت لوگوں کو رزق کے اسباب مہیا کر دیئے۔ پھر فرمایا: وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ یعنی زمین کی اضطراری حرکت کو روکنے کے لئے اس میں بلند و بالا پہاڑ گاڑ دیئے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا یعنی اللہ تعالیٰ نے شیریں اور نمکین پانیوں کے درمیان ایک مضبوط آڑ اور رکاوٹ قائم کر دی ہے جو دونوں قسم کے پانیوں کو باہم ملنے سے مانع ہے، اس طرح شیریں پانی فساد کا شکار نہیں ہوتا کیونکہ حکمت الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ ہر پانی اپنی مخصوص صفت پر برقرار رہے۔ دونوں قسم کے پانیوں کے اپنے اپنے فوائد ہیں۔ نہروں اور دریاؤں کا پانی شیریں اور خوش ذائقہ ہے جو جانداروں کے پینے اور کھیتوں اور باغات وغیرہ کو سیراب کرنے کے کام آتا ہے اور زمین کے اطراف و اکناف میں نمکین اور کھاری پانی کے سمندر رواں ہیں جو ہوا کو خراب ہونے سے بچاتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا (الفرقان:53) "اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے دو دریاؤں کو ملا دیا ہے یہ بہت شیریں ہے اور یہ سخت کھاری اور اس نے ان کے درمیان آڑ اور مضبوط رکاوٹ بنادی"۔ اس لئے فرمایا: ءَ إِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ یعنی کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی ایسا معبود ہے جس نے ایسا کیا ہو یا جو عبادت کے لائق ہو؟ یہ دونوں معانی باہم متلازم اور صحیح ہیں۔ آخر میں فرمایا: بَلْ أَكْثَرُهُمْ یعنی اکثر لوگ بے علمی کی وجہ سے غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

أَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْأَرْضِ ۗ ءَ إِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾

"بھلا کون قبول کرتا ہے ایک بیقرار کی فریاد جب وہ اسے پکارتا ہے اور (کون) دور کرتا ہے تکلیف کو اور (کس نے) بنایا ہے تمہیں زمین میں (اگلوں کا) خلیفہ۔ کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ؟ تم بہت کم غور و فکر کرتے ہو"۔

اس حقیقت پر متنبہ کیا جا رہا ہے کہ مشکلات اور مصائب کے وقت اللہ تعالیٰ سے ہی فریاد کی جاتی ہے اور اسی سے کشائش اور رستگاری

کی امید کی جاتی ہے جیسا کہ فرمایا: وَاِذَا مَسَّکُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِیَّاہُ ۚ (بنی اسرائیل: 7-6) ''اور جب سمندر میں تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو وہ (معبود) گم ہو جاتے ہیں جنہیں تم پکارا کرتے ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے''۔ ثُمَّ اِذَا مَسَّکُمُ الضُّرُّ فَاِلَیْہِ تَجْئَرُوْنَ (النحل: 53) ''پھر جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کی جناب میں گڑگڑاتے ہو''۔ اسی طرح یہاں فرمایا: اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ۔ یعنی کون ہے وہ جس کی مجبور اور بے قرار پناہ لیتے ہیں اور اس کے سوا کوئی اور مصیبت زدہ لوگوں کی تکلیف کو دور نہیں کرتا۔ ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں خدائے واحد کی طرف بلاتا ہوں، وہ خدا کہ جب تو کسی مصیبت سے دوچار ہو کر اس کے حضور دعا کرتا ہے تو وہ تمہاری مصیبت کو دور کر دیتا ہے، وہ کہ جب تو جنگل میں راہ بھول کر اسے پکارتا ہے تو وہ تمہاری رہنمائی کرتا ہے اور وہ کہ جب تجھے قحط سالی آ لیتی ہے تو دعا کرنے پر وہ تمہارے لئے فصلیں اگاتا ہے''۔ اس شخص نے عرض کی کہ مجھے وصیت فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کسی کو برا بھلا نہ کہو، کسی نیکی میں عدم دلچسپی کا اظہار نہ کرو اگرچہ وہ تمہارا اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرنا ہو اور اگرچہ وہ اپنا ڈول کسی کے برتن میں انڈیلنا ہو اور اپنے تہبند کو نصف پنڈلی تک باندھو اور اگر تم یہ نہیں چاہتے تو ٹخنوں تک۔ اس سے نیچے چادر لٹکانے سے بچو کیونکہ چادر لٹکانا فخر و تکبر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے''(1)۔ مسند احمد میں یہ حدیث ایک اور سند سے مروی ہے جس میں صحابی کا نام بھی مذکور ہے۔ ان کا نام جابر بن سلیم ہجیمی ہے، بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ اس وقت چادر سے گوٹ لگائے بیٹھے تھے اور اس کا پلو آپ کے پاؤں پر لٹک رہا تھا۔ میں نے کہا کہ تم میں اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کون ہیں؟ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اپنی طرف اشارہ کیا۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں دیہاتی علاقے سے تعلق رکھتا ہوں اور مجھ میں دیہاتیوں کی درشتی پائی جاتی ہے، آپ مجھے نصیحت فرمائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کسی نیکی کو حقیر مت جانو اگرچہ وہ اپنے بھائی سے خندہ روئی کے ساتھ ملاقات ہی ہو اور اگرچہ وہ اپنے ڈول سے کسی پانی مانگنے والے کے برتن میں پانی ڈال دینا ہی ہو اور اگر کوئی شخص تمہیں ایسی بری بات کہہ ڈالتا ہے جس کے متعلق اسے علم ہے کہ وہ تجھ میں پائی جاتی ہے تو تو اس میں موجود ایسی بری بات اسے نہ کہہ جس کا تمہیں علم ہے، اس طرح تمہیں اجر حاصل ہوگا اور گناہ کا بوجھ اس پر ہوگا اور تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکانے سے احتراز کرو کیونکہ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا تکبر ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں کرتا اور کسی کو گالی مت دو''۔ اس کے بعد میں نے کسی انسان بلکہ کسی جانور تک کو بھی گالی نہیں دی(2)۔ عبید اللہ بن ابی صالح بیان کرتے ہیں کہ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ میری عیادت کے لئے آئے تو میں نے ان سے کہا کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ تم خود اپنے لئے دعا کرو کیونکہ جب بے قرار اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتا ہے تو وہ اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سابقہ آسمانی کتاب میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مجھے میری عزت کی قسم! جو میرا دامن رحمت تھام لیتا ہے، میں اس کے لئے نجات کی سبیل پیدا کر دیتا ہوں اگرچہ آسمان، زمین اور تمام مخلوق اسے گزند پہنچانے پر کمربستہ ہو جائے اور جو میرا دامن رحمت نہیں تھامتا تو میں اسے بے یار و مددگار اس کے نفس کے سپرد کر دیتا ہوں اور اگر چاہوں تو اس کے پاؤں تلے سے اسے زمین میں دھنسا دوں۔ حافظ ابن عساکر ایک شخص کا واقعہ بیان کرتے ہیں، اس شخص کا کہنا ہے کہ میں لوگوں کو اپنے خچر پر سوار کر کے دمشق سے زبدانی لے جایا کرتا اور ان سے کرایہ وصول کرتا۔ ایک دن ایک شخص خچر پر سوار ہوا اور ہم چل پڑے۔ چلتے چلتے ہمارا گزر ایک غیر معروف رستہ سے ہوا تو وہ کہنے لگا کہ یہ راہ لو

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 64

2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 63-64، سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، جلد 4 صفحہ 56-58 وغیرہ

کیونکہ یہ بہت قریب ہے۔ میں نے اسے کہا کہ میں تو اس رستہ سے واقف نہیں ہوں۔ اس نے کہا: نہیں، اسی راہ پر چلیں، میں اس سے اچھی طرح واقف ہوں اور یہ بہت نزدیکی راستہ ہے۔ اس کی یقین دہانی پر ہم نے وہ رستہ اختیار کر لیا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد ہم ایک دشوار گزار اور دہشت ناک جگہ پر پہنچے جہاں ایک گہری وادی میں بہت سی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ مجھ سے کہنے لگا کہ ذرا خچر کی لگام تھامو تا کہ میں اتر سکوں۔ اس نے اتر کر آستین چڑھائی، کپڑے ٹھیک کئے اور چھری نکال کر میری طرف لپکا، میں وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا لیکن اس نے میرا تعاقب جاری رکھا، میں نے اسے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہا کہ مال و متاع سمیت یہ خچر لے لو اور مجھے چھوڑ دو۔ وہ کہنے لگا کہ خچر تو اب میرا ہو ہی گیا لیکن میں تمہیں قتل کر کے چھوڑوں گا۔ میں نے اسے اللہ کا خوف دلایا اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا لیکن وہ کسی قیمت پر مجھے چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوا۔ آخر کار میں نے اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا۔ اس مایوسی کے عالم میں میں نے اس سے درخواست کی کہ مجھے دو رکعت نماز پڑھنے دیں۔ اس نے کہا: اچھا! جلدی کرو۔ میں نے نماز شروع کی لیکن قرآن کریم کا ایک حرف بھی میری زبان پر جاری نہ ہوا۔ میں حیران پریشان اسی طرح کھڑا تھا، ادھر وہ شور مچائے جا رہا تھا کہ جلدی کرو۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے میری زبان پر یہ آیت اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ جاری کر دی۔ جونہی میں نے اس آیت کی تلاوت کی، ایک شہسوار وادی کے دہانے سے نکلا، اس کے ہاتھ میں نیزہ تھا۔ اس نے آتے ہی وہ نیزہ اس ڈاکو کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ نیزہ اس کے دل کے پار ہو گیا اور وہ ڈھیر ہو گیا۔ میں نے اس شہسوار کا دامن تھام لیا اور اسے کہا: خدارا مجھے بتایئے کہ آپ کون ہیں؟ اس نے کہا: میں اس کا بھیجا ہوا قاصد ہوں جو مجبور اور بے قرار کی دعا کو قبول فرماتا ہے اور تکلیف کو دور کرتا ہے۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنا خچر اور سامان لیا اور صحیح و سالم واپس لوٹ آیا۔ ایک اور واقعہ میں مذکور ہے کہ ایک جنگ میں مسلمان کافروں سے شکست کھا کر لوٹے۔ مسلمانوں کے لشکر میں ایک خوشحال اور صالح شخص تھا۔ اس نے اپنے برق رفتار گھوڑے کو ایڑی لگائی لیکن وہ اڑ گیا اور چلنے سے انکار کر دیا۔ کوشش بسیار کے باوجود جب وہ نہ چلا تو عاجز ہو کر اس شخص نے اپنے گھوڑے سے کہا کہ تمہیں کیا ہے، ایسے ہی موقعہ کے لئے میں نے تمہیں تیار کیا تھا۔ گھوڑے کو قوت گویائی مل گئی، اس نے اپنے مالک کو جواب دیا کہ میں اب سستی کیوں نہ کروں جب کہ تم چارہ جانوروں کی نگہداشت کرنے والوں کے سپرد کر دیا کرتے تھے، وہ مجھ پر ظلم ڈھاتے اور بہت کم کھانے کو دیتے۔ مالک نے اسے کہا کہ میں اللہ کے نام پر تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ آج کے بعد میں تمہیں اپنی گود میں چارہ کھلایا کروں گا۔ یہ عہد لے کر گھوڑا سرپٹ دوڑا اور اپنے مالک کو بچا لیا۔ اس کے بعد یہ نیک شخص حسب وعدہ اپنی گود میں چارہ ڈال کر گھوڑے کو کھلاتا رہا۔ یہ قصہ لوگوں میں عام ہو گیا اور لوگ یہ قصہ سننے کے لئے جوق در جوق اس کے پاس آنے لگے۔ اس کی شہرت پھیلتے پھیلتے شاہ روم تک بھی پہنچ گئی۔ اس نے اس صالح شخص کو اپنے پاس بلانے کے لئے بہت کوشش کی لیکن بے سود۔ آخر کار اس نے ایک سازش تیار کی جس کی تکمیل کے لئے اس نے ایک ایسے شخص کو اس نیک آدمی کی طرف روانہ کیا جو پہلے مسلمان تھا لیکن اب مرتد ہو چکا تھا اور اس کے ذمہ لگایا کہ اس نیک شخص کو کسی بہانے سے میرے پاس لے آؤ۔ وہ مرتد جب اس صالح شخص کے پاس پہنچا، تو اس نے اسلام کے بارے میں حسن نیت کا اظہار کیا اور پارسا بن کر رہنے لگا یہاں تک کہ اس نے اس صالح شخص کا اعتماد حاصل کر لیا۔ دوسری طرف اس مرتد نے بادشاہ کو یہ پیغام بھیج دیا کہ فلاں وقت کسی شخص کو ساحل پر روانہ کر دینا جو مطلوبہ شخص کی گرفتاری پر مجھ سے تعاون کرے۔ مقررہ وقت پر یہ دونوں ساحل پر چہل قدمی کر رہے تھے کہ بادشاہ کا بھیجا ہوا آدمی نمودار ہو گیا۔ دونوں نے جب صالح شخص کو گرفتار کرنے کے لئے گھیر لیا تو اس نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور عرض کی: اے اللہ! اس شخص نے مجھے تیرے نام پر دھوکہ دیا ہے، اب تو ہی مجھے ان سے

جیسے چاہے بچا لے۔ اسی وقت دو درندے نکلے جنہوں نے ان دونوں بدمعاشوں کو چیر پھاڑ کر ہلاک کر دیا اور وہ اللہ کا بندہ صحیح سالم واپس لوٹ آیا۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ یعنی وہی تمہیں زمین پر جانشین بناتا ہے کہ مسلسل ایک کے بعد دوسرا چلا آتا ہے جیسے کہ اور مقامات پر فرمایا: إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَا يَشَاءُ كَمَا أَنْشَأَكُمْ مِنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ آخَرِينَ (الانعام: 133) ''اگر چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہارے بعد تمہاری جگہ جسے چاہے لے آئے جیسے تمہیں دوسری قوم کی اولاد سے پیدا کیا''۔ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ (الانعام: 165) ''اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین پر (اپنا) خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں بلند کیا ہے''۔ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (البقرۃ: 30) ''اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں ایک نائب مقرر کرنے والا ہوں''۔ اس کی وضاحت ہو چکی ہے(1)۔ اسی طرح یہ آیت وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ہے یعنی اللہ تعالیٰ ایک امت کے بعد دوسری امت، ایک نسل کے بعد دوسری نسل اور ایک قوم کے بعد دوسری قوم تسلسل کے ساتھ لاتا ہے اور اگر وہ چاہتا تو تمام کو ایک ساتھ پیدا کر دیتا اور ایک ساتھ فنا کر دیتا لیکن اگر وہ ایسا کرتا تو زمین تنگ پڑ جاتی، معیشت بدحالی کا شکار ہو جاتی اور کسب معاش کے معاملہ میں لوگوں کو دقت کا سامنا کرنا پڑتا اس لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت کا تقاضا یہ تھا کہ یکے بعد دیگرے لوگوں کو پیدا کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے نسل انسانی کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے کیا، پھر ان کی نسل بڑھتے بڑھتے زمین پر پھیل گئی اور اس سے کئی قومیں وجود میں آئیں۔ وقت مقررہ پر ہر ایک فنا ہو جاتا ہے پھر قیامت قائم ہوگی اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، اس لئے فرمایا: أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ ... آخر میں فرمایا: ءَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے جو ایسا کرنے کی قدرت رکھتا ہے یا کوئی اور ہے جو عبادت کے لائق ہو، حالانکہ یہ بات بالکل عیاں ہے کہ ایسا کرنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے لیکن اس کے باوجود لوگ بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ ۚ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٣﴾

''بھلا کون راہ دکھاتا ہے تمہیں بر و بحر کے اندھیروں میں اور کون بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لئے اپنی (باران) رحمت سے پہلے کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ برتر ہے اللہ تعالیٰ ان سے جنہیں وہ شریک بناتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان میں ایسے دلائل اور نشانیاں ودیعت کر دی ہیں جن کے ذریعے بر و بحر کی تاریکیوں میں راہ یاب ہونا ممکن ہے جیسا کہ فرمایا: وَعَلَامَاتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ (النحل: 16) ''اور علامتیں بنادی ہیں اور ستاروں کے ذریعے سے وہ راہ یاب ہوتے ہیں''۔ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الانعام: 97) ''اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے ہیں تاکہ تم ان سے خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں سیدھی راہ معلوم کرو''۔ پھر فرمایا: وَمَنْ يُرْسِلُ یعنی وہ کون ہے جو باران رحمت سے پہلے ٹھنڈی ٹھنڈی اور فرحت بخش ہوائیں چلاتا ہے اور قحط سالی اور مایوسی کا شکار ہونے والوں کو بارش سے نوازتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام سے اعلیٰ و ارفع ہے جنہیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۃ البقرۃ: 30، تفسیر سورۃ الانعام: 165,133

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٦٤﴾

''بھلا کون ہے جو آغاز کرتا ہے آفرینش کا پھر دوبارہ پیدا کرے گا اسے، اور کون ہے جو رزق دیتا ہے تمہیں آسمان سے اور زمین سے؟ کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ؟ فرمایئے (اے مشرکو!) پیش کرو اپنی کوئی دلیل اگر تم سچے ہو''۔

فرمایا جا رہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اپنی قدرت اور حاکمیت کے ذریعے آفرینش کا آغاز کرتا ہے، پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿﴾ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ﴿﴾ (البروج:13-12) ''بے شک آپ کے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ بے شک وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا''۔ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (الروم:27) ''اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے پھر (فنا کرنے کے بعد) اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ آسان تر ہے''۔ پھر فرمایا: وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ... یعنی وہ کون ہے جو آسمان سے بارش برسا کر زمین سے انواع و اقسام کی اشیاء اگاتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ (الطارق:12-11) ''قسم ہے آسمان کی جس سے بارش برستی ہے اور زمین کی جو پھٹ جاتی ہے''۔ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا (الحدید:4) ''وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس کی طرف عروج کرتا ہے''۔ یعنی اللہ تعالیٰ آسمان سے بابرکت پانی نازل کرتا ہے اور اسے زمین میں پھیلا کر طرح طرح کی کھیتیاں، پھل پھول اور دیگر چیزیں پیدا کرتا ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا: كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى (طٰہٰ:54) ''خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ بے شک اس میں دانشوروں کے لئے نشانیاں ہیں''۔ اس لئے فرمایا: ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ... یعنی کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے جو ایسے کام کر سکے یا کوئی اور معبود ہے جو عبادت کے لائق ہو۔ اگر تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ کوئی اور بھی عبادت کے لائق ہے تو اس دعویٰ کی صحت پر دلیل پیش کرو لیکن ان کے پاس کوئی دلیل اور حجت نہیں جیسا کہ فرمایا: وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ (المومنون:117) ''اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پوجتا ہے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے بلاشبہ کافر کامیاب نہیں ہوں گے''۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٦٥﴾ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۫ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿٦٦﴾

''آپ فرمایئے (خود بخود) نہیں جان سکتے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں غیب کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور وہ (یہ بھی) نہیں سمجھتے کہ انہیں کب اٹھایا جائے گا۔ بلکہ گم ہو گیا ہے ان کا علم آخرت کے متعلق بلکہ وہ تو اس کے بارے میں شک میں ہیں۔ بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو یہ حکم فرما رہا ہے کہ آپ تمام مخلوق کو اس حقیقت سے آگاہ کر دیں کہ بجز اللہ تعالیٰ کے زمین و آسمان کے مکینوں میں سے کوئی بھی (از خود) غیب نہیں جانتا۔ آیت کریمہ میں استثناء منقطع ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا جیسا کہ

فرمایا: وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ(الانعام:59) ''اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، انہیں سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا''۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ(لقمان:34) اس مضمون کی حامل اور بھی متعدد آیات ہیں۔ پھر فرمایا: وَمَا يَشْعُرُوْنَ یعنی زمین وآسمان میں بسنے والی مخلوقات کو وقوع قیامت کے وقت کا کوئی علم نہیں جیسا کہ فرمایا: ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً(الاعراف:187) ''یہ آسمانوں اور زمین میں بہت گراں ہے، یہ نہ آئے گی تم پر مگر اچانک''۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس شخص کا یہ خیال ہے کہ آپ ﷺ کو کل کی بات کا علم تھا اس نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ (1)۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں میں تین فوائد رکھے ہیں، یہ آسمان کے لئے زینت، راہ یابی کا ذریعہ اور شیطانوں کو مار بھگانے کا آلہ ہیں۔ جو شخص ان تین فوائد کے سوا ستاروں سے کسی اور چیز کا اعتقاد رکھتا ہے تو وہ خود ساختہ رائے اور جہالت پر مبنی بات کرتا ہے اور اپنے نصیب کو ضائع کرتا ہے۔ جاہل لوگوں نے علم نجوم اور کہانت پر یقین کر کے اپنے امور ستاروں کے ساتھ وابستہ کر رکھے ہیں، کہتے ہیں کہ جس نے فلاں ستارے کو دیکھ کر شادی کی تو یوں ہوگا، جس نے فلاں ستارے کو دیکھ کر سفر کیا تو یوں ہوگا اور جس کے ہاں فلاں ستارے کے وقت بچہ پیدا ہوا تو یوں ہوگا، یہ سب من گھڑت اور جاہلانہ باتیں ہیں اور نجومیوں کی باتیں عموماً غلط ہوتی ہیں۔ ہر ستارے کے وقت سرخ بھی پیدا ہوتا ہے سیاہ بھی، پست قد بھی اور دراز قد بھی، خوبصورت بھی اور بدصورت بھی، کسی ستارے، کسی جانور اور کسی پرندے سے غیب حاصل نہیں ہوسکتا۔ غیب جاننے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور لوگوں کو کچھ بھی شعور نہیں کہ انہیں دوبارہ زندہ کر کے کب اٹھایا جائے گا(2)۔ قتادہ کا یہ کلام بہت وقیع، پختہ اور صحیح ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ یعنی آخرت کے وقت کی معرفت سے مخلوق کا علم عاجز اور قاصر ہے۔ ایک دوسری قرأت میں ''اَدْرَكَ'' ہے(3) یعنی آخرت کے متعلق عدم واقفیت میں تمام مخلوق برابر ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے وقوع قیامت کے وقت کے متعلق جبریل علیہ السلام کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا: ''مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ''(4) یعنی وقت قیامت کے ادراک میں سائل اور مسئول دونوں کا علم عاجز ہے۔ حضرت ابن عباس ''اِدّٰرَكَ'' کا معنی بتاتے ہیں غائب ہونا یعنی آخرت کے متعلق مخلوق کا علم غائب اور گم ہے(5)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ کفار چونکہ اپنے رب سے جاہل ہیں اس لئے آخرت کے بارے میں انہیں کوئی علم نہیں۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس اس آیت کی یہ وضاحت کرتے ہیں کہ آخرت میں انہیں اس وقت علم حاصل ہوگا جب اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ عطاء خراسانی اور سدی بھی یہی کہتے ہیں کہ قیامت کے دن انہیں مکمل علم حاصل ہوگا لیکن بے سود جیسا کہ فرمایا: اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ(مریم:38) ''یہ خوب سنیں گے اور خوب دیکھیں گے جس دن ہمارے پاس آئیں گے لیکن یہ ظالم آج تو کھلی گمراہی میں ہیں''۔ حضرت حسن ''اِدّٰرَكَ'' پڑھا کرتے تھے یعنی جب یہ آخرت کا مشاہدہ کریں گے تو دنیا کے متعلق ان کا علم کافور ہو جائے گا۔ پھر فرمایا: بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا اس میں ضمیر کا مرجع جنس مذکور ہے لیکن مراد کافر ہیں جیسا کہ فرمایا: وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا(الکہف:48) ''اور وہ آپ کے رب کی بارگاہ میں صفیں باندھے ہوئے پیش کئے جائیں

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ نجم، جلد 8 صفحہ 606، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 159
2۔ تفسیر طبری، سورۂ نمل، جلد 8 صفحہ 92-91
3۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 60، الاتقاع لابن الباذش، جلد 2 صفحہ 720
4۔ فتح الباری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 114، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 39
5۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 70

گے۔ (ہم کہیں گے) آج تم ہمارے پاس آ گئے ہو جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ ہاں تم تو یہ خیال کئے ہوئے تھے کہ ہم تمہارے لئے وعدہ کا وقت مقرر نہیں کریں گے''۔ یہاں بھی مراد کفار ہیں، آیت کے آخر میں فرمایا: بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ یعنی یہ لوگ قیامت کے متعلق کھلی گمراہی اور جہالت کا شکار ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ۝ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝

''اور کفار کہنے لگے کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادا بھی تو کیا ہمیں (پھر) نکالا جائے گا۔ بے شک قیامت کے آنے کا وعدہ ہم سے بھی کیا گیا اور ہمارے باپ دادا سے بھی اس سے پہلے۔ نہیں ہے یہ وعدہ مگر پہلے لوگوں کے من گھڑت افسانے۔ آپ فرمایئے سیر و سیاحت کرو زمین میں، پھر اپنی آنکھوں سے دیکھو کہ کیسا ہولناک انجام ہوا مجرموں کا۔ (اے محبوب!) آپ غمزدہ نہ ہوں ان (کے رویہ) پر اور دل تنگ نہ ہوا کریں ان کے مکر و فریب سے''۔

قیامت اور اعادۂ حیات کا انکار کرنے والے مشرکین کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ یہ بات ان کی سمجھ سے بالاتر ہے کہ جسموں کے گل سڑ جانے اور مٹی ہو جانے کے بعد انہیں از سر نو پیدا کرنا کیسے ممکن ہے، اسی لئے وہ وقوع قیامت کو محال سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیامت کی یہ دھمکی صرف ہمیں ہی نہیں دی جا رہی بلکہ ہمارے آباؤ اجداد کو بھی یہی دھمکی ملتی رہی ہے، ہمیں اس پر کوئی یقین نہیں۔ قیامت اور اعادۂ حیات کی یہ باتیں پہلے لوگوں کے من گھڑت افسانے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ ان منکرین قیامت کے جواب میں فرمایا: قُلْ سِيْرُوْا - یعنی اے میرے پیارے رسول ﷺ! آپ انہیں فرما دیں کہ تم زمین میں سیر و سیاحت کرو اور دیکھو کہ پیغمبروں کو جھٹلانے والوں اور قیامت کا انکار کرنے والوں کا کیسا عبرتناک انجام ہوا، اللہ تعالیٰ نے انہیں ہولناک عذاب سے دوچار کر کے برباد کر دیا اور اپنے پیغمبروں اور ان کی اتباع کرنے والے اہل ایمان کو بچا لیا۔ یہ پیغمبروں کی سچائی اور حقانیت کی دلیل ہے، پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے: وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ - یعنی آپ ان جھٹلانے والوں پر رنج اور افسوس نہ کریں اور نہ ہی ان کے مکر و فریب سے دل تنگ ہوا کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر اور آپ کے دین کو اطراف عالم میں مخالفین اور معاندین پر غالب کرنے والا ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ وَمَا مِنْ غَآىِٕبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

''اور وہ پوچھتے ہیں کب (پورا ہوگا) یہ وعدہ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو۔ آپ فرمایئے قریب ہے کہ تمہارے پیچھے آ لگا ہو اس عذاب کا کچھ حصہ جس کے لئے تم جلدی مچا رہے ہو۔ اور بے شک آپ کا رب بہت فضل (و کرم) فرمانے والا ہے لوگوں پر، لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔ اور یقیناً آپ کا رب خوب جانتا ہے جو کچھ چھپا رکھا ہے ان کے سینوں نے اور جو وہ ظاہر

کرتے ہیں۔ اور نہیں کوئی پوشیدہ چیز آسمان اور زمین میں مگر اس کا بیان کتاب مبین میں موجود ہے“۔

مشرکین وقوع قیامت کو محال سمجھتے ہوئے دریافت کرتے: مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ ... اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو یہ فرمانے کا حکم دے رہا ہے: عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ ۔ یعنی ممکن ہے کہ وہ عذاب تمہارے قریب پہنچ چکا ہو جس کی تم جلدی مچا رہے ہو۔ یہی مراد اس فرمان سے ہے: وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۗ قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا (بنی اسرائیل: 51) ”اور پوچھیں گے ایسا کب ہوگا؟ فرمایئے شاید اس کا وقت قریب ہی ہو“۔ ایک اور مقام پر فرمایا: يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ (العنکبوت: 54) ”وہ جلدی آپ سے عذاب لانے کا مطالبہ کرتے ہیں اور جہنم یقیناً ان کافروں کو گھیر لے گا“۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان رَدِفَ لَكُمْ میں لام، صلہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ فعل ”عجل“ کے معنی کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے۔ پھر فرمایا: وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ ... یعنی لوگوں کے اپنی جانوں پر ظلم کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ ان پر اپنا کرم فرماتا ہے اور انہیں فراخ نعمتوں سے نوازتا ہے لیکن اکثر لوگ پھر بھی ناشکری کرتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: وَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ ... یعنی اللہ تعالیٰ جس طرح ظاہری چیزوں کو جانتا ہے، اسی طرح پوشیدہ چیزوں کا بھی علم رکھتا ہے جیسا کہ فرمایا: سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ (الرعد: 10) ”سب یکساں ہیں تم میں سے وہ بھی جو آہستہ بات کرتا ہے اور جو بلند آواز سے بات کرتا ہے“۔ يَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰى (طٰہٰ: 7) ”وہ جانتا ہے رازوں کو بھی اور دل کے بھیدوں کو بھی“۔ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ (ہود: 5) ”سنتے ہو! جس وقت وہ اپنے کپڑے خوب اوڑھ لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں“۔ اس کے بعد بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی پوشیدہ چیزوں سے اچھی طرح واقف ہے، فرمایا: وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ ... اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ (الحج: 70) ”کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ زمین و آسمان میں ہے یہ سب کچھ ایک کتاب میں (درج) ہے۔ بے شک یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے“۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾ وَ اِنَّهٗ لَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَمَاۤ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾

”بلاشبہ یہ قرآن بیان کرتا ہے بنی اسرائیل کے سامنے اکثر ان امور (کی حقیقت) کو جن میں وہ جھگڑتے رہتے ہیں۔ اور بلاشبہ یہ قرآن سراپا ہدایت اور مجسم رحمت ہے مومنین کیلئے۔ یقیناً آپ کا رب فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان اپنے حکم سے۔ اور وہی ہے زبردست سب کچھ جاننے والا۔ سو آپ بھروسہ کریں اللہ تعالیٰ پر۔ بے شک آپ روشن حق پر ہیں۔ بے شک آپ نہیں سنا سکتے مردوں کو اور نہ آپ سنا سکتے ہیں بہروں کو اپنی پکار جب وہ بھاگے جا رہے ہوں پیٹھ پھیرے ہوئے۔ اور نہیں آپ ہدایت دینے والے (دل کے) اندھوں کو ان کی گمراہی سے۔ نہیں سناتے آپ بجز ان کے جو ایمان لاتے ہیں

ہماری آیتوں پر پھر وہ فرمانبردار بن جاتے ہیں''۔

قرآن کریم ہدایت اور بیان پر مشتمل کتاب فرقان ہے اور یہ بنی اسرائیل (حاملین تورات وانجیل) کے سامنے ان کے اختلافی امور کو بیان کرتا ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان کا شدید اختلاف ہے۔ یہود آپ پر بہتان باندھتے اور تہمت لگاتے ہیں جب کہ نصاریٰ غلو کرتے ہوئے آپ کو حد سے بڑھا دیتے ہیں، قرآن کریم نے اس افراط وتفریط کو مسترد کرتے ہوئے حق وعدل پر مبنی صحیح بات بیان کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہیں جیسا کہ فرمایا: ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ (مریم:34) ''یہ ہے عیسیٰ بن مریم (اور یہ وہ) سچی بات ہے جس میں لوگ شک کر رہے ہیں''۔ قرآن کریم کے متعلق مزید فرمایا کہ یہ اہل ایمان کے لئے سراپا ہدایت اور مجسم رحمت ہے، پھر فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ... یعنی آپ کا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ فرمائے گا اور وہ اپنے انتقام میں غالب اور بندوں کے اقوال وافعال کو خوب جاننے والا ہے۔ پھر نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا: فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ... یعنی آپ اپنے تمام امور میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں اور رسالت کی ذمہ داریاں نبھائیں، آپ واضح حق پر ہیں اور آپ مخالفت کرنے والے بدبختوں کی مخالفت کو خاطر میں نہ لائیں کیونکہ ان کے متعلق فیصلہ ہو چکا ہے کہ یہ ازلی بدبخت کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ ان کے پاس ہر قسم کی نشانیاں آ جائیں، اس لئے فرمایا: اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى . یعنی جس طرح آپ مردوں کو کوئی ایسی چیز نہیں سنا سکتے جو ان کے لئے نفع رساں ہو اسی طرح یہ بدبخت ہیں ان کے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور ان کے کانوں میں کفر کی گرانی ہے۔ یہ نابنجار کبھی بھی گمراہی سے باز نہیں آئیں گے اور نہ آپ کی باتوں سے متاثر ہو کر ایمان لائیں گے۔ آپ کی بات کو تو وہ قبول کرتا ہے جس کی سماعت، بصارت اور غور وفکر کی استعداد سلامت ہو اور حق بات کو سمجھنے اور قبول کرنے کے لئے صلاحیت اور بصیرت موجود ہو۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾ .

''اور جب ہماری بات کے ان پر پورا ہونے کا وقت آ جائے گا تو ہم نکالیں گے ان کے لئے ایک چوپایہ زمین سے جو ان سے گفتگو کرے گا۔ کیونکہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے''۔

جس دابہ (جانور) کا یہاں ذکر ہے، یہ آخری زمانہ میں مکہ یا کسی اور جگہ سے اس وقت ظاہر ہوگا جب لوگوں میں بگاڑ انتہا کو پہنچ چکا ہوگا، لوگ احکام الٰہی ترک کر چکے ہوں گے اور دین حق میں ردوبدل کر دیا گیا ہوگا۔ یہ جانور لوگوں سے باتیں کرے گا اور انہیں کہے گا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ابن جریر کا مختار قول یہی ہے(1) لیکن یہ قول محل نظر ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں کہ یہ جانور لوگوں کو زخمی کرے گا، ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ دونوں کام کرے گا، یہ بھی اور وہ بھی۔ یہ قول عمدہ ہے اور دونوں میں کوئی منافات اور تضاد نہیں۔ دابہ کے متعلق کثیر تعداد میں احادیث اور آثار مروی ہیں جن میں سے کچھ ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔ حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ بیٹھے قیامت کا ذکر کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے بالاخانہ سے ہمیں جھانک کر دیکھا اور فرمایا: ''قیامت ا

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 16

س وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو: "سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، دھواں، دابہ، یاجوج ماجوج کا نکلنا، عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا ظہور، دجال کا نکلنا، مغرب، مشرق اور جزیرۂ عرب میں تین خسف (زمین کا دھنسنا) اور آگ جو عدن سے نکلے گی اور لوگوں کا پیچھا کرے گی جہاں لوگ رات گزاریں گے وہ بھی وہاں ان کے ساتھ ہوگی اور جہاں لوگ دوپہر گزاریں گے وہاں وہ بھی ان کے ساتھ ہوگی" (1)۔ ابوداؤد طیالسی کی روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دابہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "یہ تین مرتبہ نکلے گا۔ پہلے یہ دور دراز جنگل سے ظاہر ہوگا اور اس کا ذکر شہر مکہ تک نہ پہنچے گا، پھر ایک طویل عرصہ کے بعد ذرا قریب سے ظاہر ہوگا تو اس کی شہرت دیہاتی علاقوں میں عام ہوتے ہوتے شہر مکہ تک بھی پہنچ جائے گی۔ لوگ اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حرمت وعظمت والی مسجد میں ہوں گے کہ اسی اثناء میں یہ دابہ وہاں ظاہر ہوگا۔ وہاں یہ لوگوں کو خوفزدہ تو نہیں کرے گا البتہ رکن اور مقام کے درمیان اپنے سر سے مٹی جھاڑتے ہوئے قریب ہوگا۔ لوگ جماعت در جماعت اور ایک ایک کر کے تتر بتر ہو جائیں گے۔ مومنوں کی ایک جماعت وہاں رہ جائے گی، یہ ان کے پاس آئے گا اور ان کے چہروں کو بڑے روشن ستارو ے کی طرح بنا ڈالے گا، پھر زمین میں چکر لگائے گا، نہ کوئی اسے پکڑ سکے گا اور نہ کوئی بھاگ کر اس سے بچ سکے گا یہاں تک کہ ایک آدمی نماز شروع کر کے اس سے پناہ چاہے گا لیکن یہ پیچھے سے آ کر اسے کہے گا کہ اے فلاں! تو اب نماز پڑھنے لگا ہے۔ وہ شخص اس کی طرف متوجہ ہوگا تو یہ اس کی پیشانی پر نشان لگا کر چلتا بنے گا۔ لوگوں کے اموال مشترک ہوں گے اور وہ شہروں میں ایک ساتھ رہیں گے۔ اس وقت کافر اور مومن کی پہچان واضح طور پر ہوگی یہاں تک کہ مومن کافر سے کہے گا کہ میرا حق ادا کر اور کافر مومن سے کہے گا کہ میرا حق ادا کر" (2)۔ یہ روایت حضرت حذیفہ بن اسید سے موقوفاً مروی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں نکلے گا، اس وقت آپ علیہ السلام بیت اللہ کا طواف کر رہے ہوں گے لیکن اس کی سند صحیح نہیں (2)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث یاد کی جسے میں آج تک نہیں بھولا، آپ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کی اولین علامتوں سے سورج کا مغرب سے طلوع ہونا اور چاشت کے وقت دابۃ (جانور) کا نکلنا ہے۔ ان دو میں سے جو بھی پہلے واقعہ ہوا، دوسرا اس کے فوراً بعد ہوگا" (2)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "چھ چیزوں کے ظہور سے پہلے پہلے نیک اعمال کر لو: سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، دھواں، دجال، دابہ، تم میں سے کسی کا اپنے لئے کوئی چیز مخصوص کر لینا اور عوام الناس کا حکم" (3)۔ یہ حدیث ابن ماجہ میں ایک اور سند سے مروی ہے۔ (4) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دابۃ الارض نکلے گا تو اس کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی۔ وہ عصا مار کر کافر کی ناک کو نشان زدہ کر دے گا اور انگوٹھی کے ساتھ مومن کے چہرے کو روشن کر دے گا یہاں تک کہ لوگ ایک دسترخوان پر جمع ہوں گے تو مومن اور کافر کے درمیان بآسانی امتیاز ہو جائے گا" (5)۔ ایک اور روایت میں ہے: "یہ کافر کی ناک پر انگوٹھی سے نشان لگائے گا اور مومن کے چہرہ کو عصا کے ساتھ منور کر دے گا یہاں تک کہ ایک دسترخوان پر جمع ہونے والے لوگوں کے متعلق کہا جائے گا کہ یہ مومن ہے اور یہ کافر ہے" (6)۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ کے قریب ایک جنگل

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۃ انعام: 158
2۔ مسند ابی داؤد طیالسی، جلد 144، تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 14-15
3۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، جلد 4 صفحہ 2267
4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 1348
5۔ مسند ابی داؤد طیالسی: 334
6۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 295-491، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 1351-1352

میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک خشک زمین دکھائی دی جس کے اردگرد ریت تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: "اس جگہ سے دابہ نکلے گا"۔ ابن بریدہ کہتے ہیں کہ اس کے کئی سال بعد میں حج کے لئے گیا تو میرے والد محترم نے مجھے ایک عصا دکھایا جو میرے اس عصا کے برابر تھا(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ بالوں والا جانور ہوگا جس کے چار پاؤں ہوں گے اور یہ تہامہ کی وادی سے نکلے گا۔ ایک اور روایت میں آپ فرماتے ہیں کہ یہ صفا کے شگاف سے گھوڑے کی سی تیز رفتاری سے برآمد ہوگا لیکن تین دن میں اس کا ایک تہائی حصہ بھی نہ نکلے ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے دابہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ جیاد کی ایک چٹان تلے سے ظاہر ہوگا۔ اگر میں وہاں ہوتا تو وہ چٹان دکھا دیتا۔ آپ سے مزید دریافت کیا گیا کہ وہ کیا کرے گا تو آپ نے فرمایا کہ وہ مشرق کا رخ کرے گا اور ایسی زوردار چیخ مارے گا کہ ہر طرف اس کی آواز سنائی دے گی، پھر شام کی طرف جائیگا اور ایسی سخت چیخ مارے گا کہ ہر چیز تھرا جائے گی، پھر مغرب کا رخ کرے گا اور وہاں بھی ایسی دلدوز آواز سے چلائے گا کہ ہر جگہ اس کی آواز پہنچے گی، پھر یمن کی سمت لے گا اور وہاں بھی زور سے چلائے گا، پھر شام کے وقت مکہ سے چل کر صبح کے وقت عسفان پہنچ جائے گا۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ پھر کیا ہوگا؟ فرمایا: پھر مجھے معلوم نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دابہ مزدلفہ کی رات نکلے گا(2)۔ حضرت عزیر علیہ السلام سے منقول ہے کہ سدوم کے نیچے سے ایک جانور نکلے گا جو لوگوں سے گفتگو کرے گا، سب اس کی گفتگو سنیں گے، اس وقت حاملہ عورتوں کے حمل قبل از وقت گر جائیں گے، شیریں پانی کڑوا ہو جائے گا، دوست دشمن بن جائیں گے، حکمت جل جائے گی، علم اٹھ جائے گا اور اس کے ساتھ متصل زمین کلام کرے گی۔ اس زمانہ میں لوگ ایسی آرزوئیں کریں گے جو کبھی پوری نہ ہوں گی، ایسی چیزوں کے حصول کے لئے سخت محنت کریں گے جنہیں حاصل کرنا ناممکن ہوگا اور کام کریں گے لیکن کھانے کو کچھ نہ حاصل ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے جسم پر تمام رنگ ہوں گے، اس کے دونوں سینگوں کے درمیان ایک فرسخ (تین میل) کی مسافت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک عظیم نیزے کی مثل ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بال و پر، کھر اور داڑھی ہوگی لیکن دم نہیں ہوگی۔ یہ برق رفتار گھوڑے کی سی رفتار سے ظاہر ہوگا لیکن تین دن میں بمشکل اس کا ایک تہائی حصہ نکلے گا۔ حضرت ابو زبیر دابہ کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کا سر بیل کے سر جیسا، اس کی آنکھیں خنزیر کی آنکھوں جیسی، اس کے کان ہاتھی کے کانوں جیسے، اس کے سینگ بارہ سنگھے کے سینگ جیسے، گردن شتر مرغ کی گردن جیسی، سینہ شیر کا سا، رنگ چیتے کا سا، کمر بلی کی سی، دم مینڈھے جیسی اور پاؤں اونٹ جیسے ہوں گے۔ ہر دو جوڑوں کے درمیان بارہ ہاتھ کا فاصلہ ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی اس کے ساتھ ہوگی۔ وہ عصا کے ساتھ ہر مومن کے چہرہ پر ایک سفید نشان لگا دے گا جو پھیل جائے گا اور اس کا سارا چہرہ روشن ہو جائے گا اور انگوٹھی کے ساتھ ہر کافر کے چہرہ پر نشان لگا دے گا جو پھیل جائے گا اور اس کا تمام چہرہ سیاہ ہو جائے گا یہاں تک کہ لوگ خرید و فروخت کرتے وقت کہیں گے کہ اے مومن! یہ چیز کتنے کی ہے اور اے کافر! اس کی قیمت کتنی ہے؟ اس وقت یہ کیفیت ہوگی کہ ایک گھر کے افراد دسترخوان پر بیٹھے ہوں گے اور یہ بات عیاں ہوگی کہ ان میں سے کون مومن ہے اور کون کافر۔ پھر دابہ لوگوں سے کہے گا کہ اے فلاں! تمہیں خوشخبری ہو، تو جنتی ہے، اے فلاں! تو دوزخی ہے۔ یہی مطلب اس آیت کا ہے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْ

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 1352
2۔ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الفتن، جلد 15 صفحہ 180-181

قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾

''اور جس روز ہم اکٹھا کریں گے ہر امت سے ایک گروہ جو جھٹلایا کرتا تھا ہماری آیتوں کو تو ان کو (اپنی اپنی جگہ پر) روک لیا جائے گا۔ حتیٰ کہ جب وہ آجائیں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم نے جھٹلایا میری آیتوں کو حالانکہ تم نے اچھی طرح انہیں جانا بھی نہ تھا یا اس کے علاوہ اور کیا تھا جو تم کیا کرتے تھے۔ اور پوری ہوگئی (اللہ کی) بات ان پر بوجہ ان کے ظلم کے تو وہ (اس وقت) بول نہیں سکیں گے۔ کیا انہوں نے غور نہ کیا کہ ہم نے بنایا ہے رات کو اس لئے تاکہ وہ اس میں آرام کریں اور بنایا ہے دن کو بینا۔ بے شک اس میں (ہماری قدرت کی) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں''۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان ظالموں کو اپنے سامنے اکٹھا کرے گا جو اس کی آیات اور اس کے پیغمبروں کو جھٹلاتے رہے اور ان کے اعمال کے متعلق باز پرس فرمائے گا، اس وقت ان کی خوب سرزنش اور تذلیل وتحقیر ہوگی۔ ہر قوم اور ہر زمانے کے ایسے لوگوں کے گروہ پیش ہوں گے جیسا کہ فرمایا: اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ (الصافات: 22) ''جمع کرو انہیں جنہوں نے ظلم کیا اور ان کے ساتھیوں کو''۔ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ (التکویر: 7) ''اور جب جانیں جوڑ دی جائیں گی''۔ ''یوزعون'' کا معنی ہے: انہیں دھکیلا جائے گا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ قتادہ اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ ان میں سے اول آخر پر لوٹائے جائیں گے (1)۔ عبدالرحمٰن بن زید فرماتے ہیں کہ انہیں ہانکا جائے گا، یہاں تک کہ جب یہ حساب کتاب کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہوں گے تو وہ انہیں فرمائے گا: اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ۔ یعنی ان سے ان کے عقیدہ اور اعمال کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔ یہ اہل سعادت سے نہیں ہوں گے بلکہ اس فرمان کا مصداق ہوں گے: فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۙ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى (القیامۃ: 32-31) ''نہ اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی بلکہ اس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا'' چنانچہ اس وقت ان پر حجت قائم ہو جائے گی اور یہ کوئی عذر پیش نہیں کرسکیں گے جیسا کہ فرمایا: هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ۙ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ (المرسلات: 36-35) ''یہ وہ دن ہوگا جس میں وہ بول نہ سکیں گے اور نہ انہیں اجازت ملے گی کہ وہ کچھ عذر پیش کریں''۔ اسی طرح یہاں فرمایا: وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ ..... یعنی یہ مبہوت ہو جائیں گے اور ان سے کوئی جواب نہیں بن پڑے گا کیونکہ دنیا میں یہ اپنے اوپر ظلم ڈھاتے رہے اور اب اس ذات کے سامنے کھڑے ہوں گے جسے پوشیدہ اور ظاہر کا بخوبی علم ہے اور اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ، سلطنت عظیمہ اور رفعت شان پر آگاہ فرمارہا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی اطاعت، اس کے احکام کی بجا آوری اور اس کے پیغمبروں کی تصدیق ہر حال میں ضروری ہے، فرمایا: اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا۔ یعنی کیا انہوں نے غور و فکر نہیں کیا کہ ہم نے رات کو پرسکون بنایا تاکہ وہ اس کی تاریکی میں آرام کریں اور دن بھر کی تھکاوٹ سے راحت پائیں اور دن کو ہم نے روشن بنادیا تاکہ اس میں وہ روزی کمائیں، سفر کریں، تجارت کریں اور دیگر ضروری امور سرانجام دیں، اس میں اہل ایمان کے لئے واضح نشانیاں موجود ہیں۔

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۗ وَكُلٌّ

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 17

أَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۭ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۭ إِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٨٨﴾ مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَىِٕذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿٨٩﴾ وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٠﴾

''اور جس دن پھونکا جائے گا صور تو گھبرا جائے گا ہر کوئی جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے مگر جنہیں خدا نے چاہا (وہ نہیں گھبرائیں گے) اور سب حاضر ہوں گے اس کی بارگاہ میں عاجزی کرتے ہوئے۔ اور تو جب (اس روز) پہاڑوں کو دیکھے گا تو گمان کرے گا کہ یہ ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ چل رہے ہوں گے بادلوں کی سی چال۔ یہ کاریگری ہے اللہ کی جس نے (اپنی حکمت سے) مضبوط بنایا ہر چیز کو۔ بے شک وہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔ جو شخص نیک عمل لے کر آئے گا تو اسے کہیں بہتر اجر ملے گا اس نیک عمل سے۔ اور یہ نیک بندے اس دن کی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے۔ اور جو برائی لے کر آئے گا تو ان کو منہ کے بل اوندھا پھینک دیا جائے گا آگ میں (اے بدکارو!) کیا تمہیں بدلا ملے گا بجز اسکے جو تم عمل کیا کرتے تھے''۔

جس دن گھبراہٹ اور دہشت طاری کر دینے والے صور پھونکا جائے گا، اس کی ہولناکی کو بیان کیا جا رہا ہے۔ حدیث صور میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسرافیل علیہ السلام پہلے صور میں پھونکیں گے تو ہر ایک خوفزدہ ہو جائے گا، یہ نفخہ بہت طویل ہوگا۔ آخر زمانہ ہوگا، بدترین لوگ زمین پر بس رہے ہوں گے اور انہی پر قیامت قائم ہوگی۔ اس وقت زمین و آسمان والے گھبرا جائیں گے سوائے شہداء کے کیونکہ وہ زندہ ہیں اور پروردگار عالم کے ہاں انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ یہ کیا حدیث بیان کرتے ہیں کہ اتنی اتنی مدت تک قیامت آ جائے گی؟ آپ نے سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ یا اس قسم کا کوئی اور کلمۂ تعجب کہا اور فرمایا کہ اب تو دل چاہتا ہے کہ کسی سے کوئی حدیث بیان ہی نہ کروں۔ میں نے تو یہ کہا تھا کہ تم عنقریب بڑے بڑے امور دیکھو گے، بیت اللہ برباد ہوگا اور یہ یہ ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں دجال ظاہر ہوگا جو چالیس تک ٹھہرے گا۔ .. مجھے نہیں معلوم کہ چالیس دن یا چالیس ماہ یا چالیس سال .. پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجے گا، وہ شکل و صورت میں عروہ بن مسعود جیسے ہیں، وہ دجال کو تلاش کر کے ہلاک کر ڈالیں گے، پھر سات سال ایسے گزریں گے کہ کوئی دو شخص ایسے نہ ہوں گے جن کے درمیان عداوت ہو، پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلائے جو ہر اس شخص کی روح قبض کرے گی جس کے دل میں ذرہ بھر بھی خیر یا ایمان ہوگا یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی پہاڑ کی کھوہ میں گھس گیا تو یہ ہوا وہاں داخل ہو کر اس کی روح قبض کر لے گی۔ اب زمین پر پرندوں کی طرح ہلکے اور درندوں جیسے بے عقل بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جنہیں نیکی بدی کی کوئی تمیز نہیں ہوگی، شیطان ان کے پاس آ کر انہیں کہے گا کہ کیا تم میری بات نہیں مانو گے؟ وہ کہیں گے کہ آپ کا کیا حکم ہے؟ چنانچہ شیطان انہیں بت پرستی کا حکم دے گا۔ اس وقت یہ لوگ بہت خوشحال ہوں گے اور ان کے پاس رزق کی فراوانی ہوگی، پھر صور پھونکا جائے گا، جس کے کان میں اس کی آواز پڑی وہ مضطرب ہو کر کان کھڑے کر لے گا۔ سب سے پہلے اسے سننے والا وہ شخص ہے جو اپنے اونٹوں کے لئے حوض درست کر رہا ہوگا، وہ سنتے ہی بے ہوش ہو کر

گر پڑے گا اور اسی طرح سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ شبنم جیسی بارش برسائے گا جس سے لوگوں کے جسم اگنے لگیں گے پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب اٹھ کھڑے ہوں گے، پھر اعلان ہوگا کہ اے لوگو! اپنے رب کے پاس چلو اور وہاں ٹھہرو، تم سے باز پرس ہوگی، پھر حکم ہوگا کہ آگ کا حصہ نکالو، پوچھا جائے گا کہ کتنا؟ فرمایا جائے گا کہ ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے۔ یہ ایسا دن ہوگا جس میں بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور پنڈلی سے پردہ اٹھا دیا جائے گا'' (1)۔ پہلا نفخہ (صور میں پھونکنا) گھبراہٹ اور دہشت کا ہوگا، دوسرا موت کا اور تیسرا دوبارہ زندہ ہوکر رب العالمین کے حضور پیش ہونے کا، اس لئے فرمایا: وَكُلٌّ أَتَوْهُ دَاخِرِينَ فعل ''اتوہ'' کے الف کو مد کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور بغیر مد کے بھی۔ بہر حال یہ دونوں ہم معنی ہیں۔ ''داخرین'' کا معنی ہے عاجزی اور اطاعت کرتے ہوئے کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی نہیں کر سکے گا جیسا کہ فرمایا: يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ (بنی اسرائیل:52) ''اس دن کو یاد کرو جب اللہ تمہیں بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے جواب دو گے''۔ ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْأَرْضِ إِذَا أَنتُمْ تَخْرُجُونَ (الروم:25) ''جب تمہیں زمین سے بلائے گا تو تم فوراً باہر نکل آؤ گے''۔ حدیث صور میں ہے کہ تمام روحیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے صور کے سوراخ میں رکھی جائیں گی، جب اجسام قبروں میں اور اپنی اپنی جگہوں پر اگ آئیں گے تو حضرت اسرافیل صور میں تیسری مرتبہ پھونکیں گے، اب روحیں اڑنے لگیں گی، مومنوں کی روحیں نورانی ہوں گی اور کافروں کی روحیں تاریک اور سیاہ، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: مجھے میری عزت اور میرے جلال کی قسم! ہر روح اپنے جسم میں لوٹ جائے۔ چنانچہ تمام ارواح اپنے اجسام میں اس طرح پھیل جائیں گی جیسے زہر جسم میں سرایت کرتا ہے پھر وہ مٹی جھاڑتے ہوئے قبروں سے اٹھیں گے جیسا کہ فرمایا: يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ يُوفِضُونَ (المعارج:43) ''اس روز وہ جلدی جلدی قبروں سے نکلیں گے گویا وہ (اپنے بتوں کے) استھانوں کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہیں''۔ اس وقت پہاڑوں کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَتَرَى الْجِبَالَ یعنی پہاڑ یوں دکھائی دیں گے کہ وہ اپنی اصلی حالت پر ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ یہ اپنی جگہوں سے اکھڑ کر بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے جیسا کہ فرمایا: يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا ۝ وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا (الطور:9-10) ''جس روز آسمان بری طرح تھرتھرا رہا ہوگا اور پہاڑ تیزی سے چلنے لگیں گے''۔ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَّا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا (طٰہٰ:105-106) ''اور وہ آپ سے پہاڑوں کے انجام کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ فرمائیے میرا رب انہیں جڑوں سے اکھیڑ کر رکھ دے گا پھر اس پہاڑی علاقہ کو کھلا ہموار میدان بنا چھوڑے گا، نہ تجھے اس میں کوئی موڑ نظر آئے گا اور نہ ٹیلہ''۔ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً (الکہف:47) ''اور جس روز ہم پہاڑوں کو ہٹا دیں گے اور تم زمین کو دیکھو گے کہ کھلا میدان ہے''۔ پھر فرمایا: صُنْعَ اللَّهِ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی کاریگری ہے جس نے اپنی عظیم قدرت سے ہر چیز کو پختگی اور مہارت سے بنایا اور اس میں خاص حکمت ودیعت فرمائی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اچھے برے اعمال کو خوب جاننے والا ہے اور وہ عنقریب ان کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ پہلے قیامت کے دن سعادتمندوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا: مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ۔ یہاں بقول قتادہ نیکی سے مراد اخلاص ہے اور امام زین العابدین کے بقول اس سے مراد توحید ہے۔ ایک دوسرے مقام پر بیان فرمایا گیا ہے کہ جو ایک نیکی کرتا ہے اس کے لئے دس گنا اجر ہے۔ یہ نیکوکار اس دن کی گھبراہٹ اور وحشت سے محفوظ ہوں گے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ (الانبیاء:103) ''بڑی گھبراہٹ انہیں غمناک نہ کرے گی''۔ أَفَمَن يُلْقَىٰ فِي النَّارِ خَيْرٌ أَم مَّن يَأْتِي آمِنًا

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ نساء، 159

يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ (حم السجدة:40) ”تو کیا جو آگ میں پھینکا جائے گا وہ بہتر ہے یا جو قیامت کے دن امن وسلامتی سے آئے گا“۔ وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ (سبا:37) ”اور وہ بالا خانوں میں امن وامان سے رہیں گے“۔ پھر بدکاروں کا انجام بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ یعنی جس شخص کے پاس ایک نیکی بھی نہ ہوگی یا جس کی برائیاں اس کی نیکیوں پر غالب ہوں گی تو ہر ایک کو اس کی برائیوں کے مطابق سزا ملے گی۔ اکثر مفسرین کا کہنا ہے کہ یہاں سیئہ (برائی) سے مراد شرک ہے۔

إِنَّمَآ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ۡ وَّأُمِرْتُ أَنْ أَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٩١﴾ وَأَنْ أَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَإِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَآ أَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿٩٢﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾

”مجھے تو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں عبادت کروں اس (مقدس) شہر کے رب کی جس نے عزت وحرمت والا بنایا ہے اس کو اور اسی کی ہے ہر شے۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں شامل ہو جاؤں فرمانبرداروں کے زمرہ میں۔ نیز (یہ بھی کہ) میں تلاوت کیا کروں قرآن کی۔ پس جو ہدایت قبول کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کیلئے ہدایت قبول کرتا ہے۔ اور جو گمراہ ہوتا ہے (تو اس کی قسمت) فرماؤ میں تو صرف ڈرانے والوں سے ہوں۔ اور آپ کہیے سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں وہ ابھی دکھائے گا تمہیں اپنی نشانیاں تو تم انہیں پہچان لو گے۔ اور نہیں ہے آپ کا رب بے خبر ان کاموں سے جو (اے لوگو!) تم کیا کرتے ہو“۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ لوگوں میں یہ اعلان کر دیں: إِنَّمَآ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: قُلْ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ أَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ أَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ (یونس: 104) ”فرمایئے اے لوگو! اگر تمہیں میرے دین کے بارے میں شک ہو تو (سن لو) میں ان (بتوں) کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو لیکن میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں مارتا ہے“۔ یہاں بلدۃ (شہر مکہ) کی طرف ربوبیت کی اضافت تشریف و اہتمام کے طور پر ہے جیسا کہ فرمایا: فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ﴿٣﴾ الَّذِيْٓ أَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿٤﴾ (قریش:4-3) ”پس چاہئے کہ وہ عبادت کیا کریں اس خانہ (کعبہ) کے رب کی جس نے انہیں بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن عطا کیا“۔ فرمایا: الَّذِيْ حَرَّمَهَا یعنی اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو عزت وحرمت والا بنایا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو اسی دن سے حرمت والا بنایا ہے جس دن اس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حرمت عطا کرنے کے سبب قیامت تک حرمت والا ہی رہے گا۔ نہ اس کی گھاس اور کانٹے کاٹے جائیں، نہ اس کے شکار کو خوفزدہ کیا جائے اور نہ اس میں کسی کی گری ہوئی کوئی چیز اٹھائی جائے بجز اس کے کہ اگر کوئی شخص اسے پہچان کر مالک کو پہنچانا چاہے“(1)۔ یہ حدیث احادیث کی کتابوں میں متعدد سندوں سے مروی ہے۔ فرمایا: وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ یہ عام کا خاص پر عطف ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس شہر مقدس اور ہر چیز

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۃ البقرۃ 126

کا رب اور مالک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ یعنی مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں ان مخلص موحدین میں سے ہو جاؤں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرنے والے اور اس کے مطیع ہیں نیز مجھے یہ بھی حکم ملا ہے کہ لوگوں کو قرآن سناؤں جیسا کہ ارشاد ہے: ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ (آل عمران:58) ''یہ جو ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں آیتیں ہیں اور حکمت والی نصیحت''۔ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ (القصص:3) ''ہم آپ کو موسیٰ اور فرعون کا کچھ واقعہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں''۔ یعنی میں تبلیغ کا فریضہ انجام دینے والا اور بروقت خبردار کرنے والا ہوں پس جو شخص ہدایت قبول کرتا ہے تو وہ اپنے بھلے کے لئے ہدایت پاتا ہے اور جو شخص گمراہی اختیار کرتا ہے تو آپ کہہ دیں کہ میں تو ڈرانے والوں میں سے ہوں یعنی میرے سامنے پہلے پیغمبروں کا اسوہ موجود ہے جنہوں نے اپنی قوموں کو خبردار کیا اور ان تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا کر اپنی ذمہ داری اور فریضہ سے عہدہ برآ ہو گئے۔ اب ان قوموں کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے جیسا کہ فرمایا: فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (الرعد:40) ''بے شک آپ کے ذمہ (اللہ کا) پیغام پہنچانا ہے اور حساب لینا ہمارے ذمہ ہے''۔ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ (ہود:12) ''آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگہبان ہے''۔ آخری آیت میں فرمایا: وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ یعنی تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہیں جو اتمام حجت اور انذار سے پہلے کسی کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا اس لئے فرمایا: سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (حم السجدة:53) آیت کے آخر میں فرمایا: وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں بلکہ وہ تو ہر چیز کا مکمل علم رکھتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! تم میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکہ نہ کھائے، اگر وہ کسی چیز سے غافل ہوتا تو مچھر، رائی اور ذرہ سے ضرور غافل ہوتا۔'' حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی چیز سے بے خبر ہوتا تو وہ ابن آدم کے قدموں کے ان نشانات سے ضرور بے خبر ہوتا جنہیں ہوا مٹا دیتی ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ دو شعر پڑھا کرتے تھے، یا تو یہ اشعار آپ کے ہیں یا کسی اور کے[1]

اِذَا مَا خَلَوْتَ الدَّهْرَ يَوْمًا فَلَا تَقُلْ خَلَوْتُ وَلٰكِنْ قُلْ عَلَيَّ رَقِيْبُ
وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ يَغْفُلُ سَاعَةً وَلَا اَنَّ مَا يَخْفٰى عَلَيْهِ يَغِيْبُ

''جب تو کسی وقت تنہائی میں ہو تو یوں نہ کہہ کہ میں اکیلا اور تنہا ہوں بلکہ یوں کہہ کہ مجھ پر ایک نگہبان ہے۔ تو یہ گمان نہ کر کہ اللہ تعالیٰ کسی گھڑی غافل ہو سکتا ہے اور نہ یہ خیال کر کہ کوئی مخفی چیز اس سے اوجھل ہو سکتی ہے۔''

1۔ البدایہ والنہایہ، جلد 10 صفحہ 244

سورۂ قصص (مکیہ)

مسند احمد میں حضرت معدیکرب بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے گزارش کی کہ ہمیں سورۂ طسم پڑھ کر سنائیں تو آپ نے فرمایا کہ وہ مجھے تو یاد نہیں البتہ تم خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کے پاس چلے جاؤ جنہوں نے یہ سورت رسول اللہ ﷺ سے سیکھی ہے، چنانچہ ہم حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انہوں نے ہمیں یہ سورت پڑھ کر سنائی(1)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

طٰسٓمٓ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآىِٕفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝

طا۔سین۔میم۔ یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی۔ ہم پڑھ کر سناتے ہیں آپ کو موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا کچھ واقعہ ٹھیک ٹھیک ان لوگوں (کے فائدہ) کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔ بے شک فرعون متکبر (و سرکش) بن گیا سرزمین (مصر) میں اور اس نے بنا دیا وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ وہ کمزور کرنا چاہتا تھا ایک گروہ کو ان میں سے ذبح کیا کرتا ان کے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑ دیتا ان کی عورتوں کو۔ بے شک وہ فساد برپا کرنے والوں سے تھا۔ اور ہم نے چاہا کہ احسان کریں ان لوگوں پر جنہیں کمزور بنا دیا گیا تھا ملک (مصر) میں اور بنا دیں انہیں پیشوا اور بنا دیں انہیں (فرعون کے تاج وتخت کا) وارث۔ اور تسلط بخشیں انہیں سرزمین (مصر) میں اور ہم دکھائیں فرعون اور ہامان اور ان کی فوجوں کو ان کی جانب سے (وہی خطرہ) جس کا وہ اندیشہ کیا کرتے تھے"۔

حروف مقطعات کے متعلق بحث گزر چکی ہے۔ فرمایا: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ یعنی یہ اس واضح اور جلی کتاب کی آیتیں ہیں جو حقائق اور ماضی و مستقبل کی خبروں کا انکشاف کرنے والی ہے۔ پھر فرمایا: نَتْلُوْا عَلَيْكَ اس طرح ایک اور مقام پر فرمایا: نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ (یوسف:3) یعنی ہم یہ واقعہ اس طرح آپ کے لئے بیان کرتے ہیں گویا آپ اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور وہاں موجود ہیں۔ فرعون کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ یعنی فرعون نے سرزمین مصر میں تکبر، ظلم اور سرکشی کی اور وہاں کے باشندوں میں پھوٹ ڈال کر انہیں گروہ گروہ بنا دیا اور اپنے مفاد میں انہیں استعمال کرنے لگا۔ بنی اسرائیل کا وجود اس کے لئے ناقابل

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 419

پیش خیمہ ثابت ہوئی اس لئے فرمایا: فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ ۔ یہاں بقول محمد بن اسحاق "لِيَكُوْنَ" کا لام، لام عاقبت ہے نہ کہ لام تعلیل (1) کیونکہ آپ کو باہر نکالنے سے ان کا ارادہ یہ نہ تھا کہ آپ علیہ السلام ان کے دشمن اور باعث رنج وملال بن جائیں۔ ظاہری الفاظ تو اسی کا تقاضا کرتے ہیں لیکن سیاق کو پیش نظر رکھیں تو یہ لام تعلیل ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں صندوق اٹھانے کے لئے مسخر کر دیا تھا تاکہ آپ کو ان کے لئے دشمن اور باعث رنج والم بنا دے اور ان کی احتیاطی تدابیر کو خاک میں ملا دے اسی لئے فرمایا: اِنَّ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا ۔ مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے قدریہ کو جو تقدیر کے منکر ہیں، ایک خط میں لکھا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے علم سابق میں فرعون کے دشمن اور اس کے لئے باعث رنج وغم تھے جیسا کہ فرمان ہے: وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ لیکن تم کہتے ہو کہ اگر فرعون چاہتا تو موسیٰ علیہ السلام اس کے دوست اور حامی وناصر ہوتے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۔ اس کے بعد فرمایا: وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ ۔ فرعون نے جب اس بچے کو دیکھا تو اسے خیال آیا کہ یہ کہیں بنی اسرائیل کا وہی بچہ نہ ہو جو اس کی بربادی کا باعث بننے والا ہے، اس لئے اس نے قتل کرنا چاہا لیکن اس کی بیوی آسیہ بنت مزاحم نے مزاحمت کی۔ فرعون کو اس کے ارادے سے باز رکھا اور اس بچے کو فرعون کے ہاں محبوب بناتے ہوئے کہنے لگی: قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۔ یہ سن کر فرعون کہنے لگا کہ یہ تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک تو ہو سکتا ہے لیکن میرے لئے نہیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طفیل آسیہ کو ہدایت سے نوازا اور فرعون کو آپ کے ہاتھوں نیست ونابود کر دیا، سورۂ طٰہٰ کی تفسیر میں بیان کردہ حدیث فتون میں یہ طویل قصہ بیان ہو چکا ہے (2)۔ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طفیل ہدایت اور جنت ارزانی فرما کر نفع پہنچایا۔ مزید کہنے لگیں: اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا چونکہ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کا کوئی بیٹا نہ تھا اس لئے انہوں نے چاہا کہ آپ علیہ السلام کو متبنیٰ بنالیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ یعنی انہیں اس بات کا احساس تک نہ تھا کہ ان کے ہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کروانے میں اللہ تعالیٰ کی کون سی حکمت اور حجت کارفرما ہے۔

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ؗ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

"اور موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل بے قرار ہو گیا۔ قریب تھا کہ وہ ظاہر کر دے اس راز کو اگر ہم نے مضبوط نہ کر دیا ہوتا اس کے دل کو تاکہ وہ بنی رہے اللہ کے وعدہ پر یقین کرنے والی۔ اور اس نے کہا موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کہ اس کے پیچھے پیچھے ہو لے، پس وہ اسے دیکھتی رہی دور سے اور وہ اس (حقیقت کو) نہ سمجھتے تھے۔ اور ہم نے حرام کر دیں اس پر ساری دودھ پلانے والیاں اس سے پہلے۔ تو موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا کیا میں پتہ دوں تمہیں ایسے گھر والوں کا جو اس کی پرورش

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 32　　2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ طٰہٰ: 40

کریں تمہاری خاطر اور وہ اس بچہ کے خیر خواہ بھی ہوں گے۔ تو (اس طرح) ہم نے لوٹا دیا اس کو اس کی ماں کی طرف تاکہ اسے دیکھ کر اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور (اس کے فراق میں) غمزدہ نہ ہو اور وہ یہ بھی جان لے کہ بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے لیکن اکثر (اس حقیقت کو) نہیں جانتے"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جب آپ کو صندوق میں رکھ کر دریا میں بہا دیا تو بہت بے قرار ہوئیں اور سوائے اپنے نور نظر کی یاد کے دل دنیا کے ہر امر سے خالی ہو گیا۔ صرف اپنے بیٹے کا خیال بے چین کیے ہوئے تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ انہیں صبر اور دلجمعی عطا نہ کرتا تو وہ شدید غم اور فرط افسوس سے بے قابو ہو کر راز فاش کر دیتیں اور لوگوں کو بتا دیتیں کہ میرا بیٹا دریا کی نذر ہو گیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی ڈھارس بندھائی اور ان کے مضطرب دل کو سکون عطا فرمایا تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں شامل رہیں۔ ام موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بڑی بیٹی سے کہا جو ذرا سمجھدار تھیں کہ اس صندوق کے پیچھے پیچھے چلتی رہو اور تمام حالات پر نظر رکھو، پھر مجھے آگاہ کرنا۔ چنانچہ یہ دور سے دیکھتے ہوئے اس طرح چلنے لگیں کہ گویا اس صندوق سے لاتعلق ہیں۔ ادھر فرعون کے محل میں جب حضرت آسیہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی دست برد سے بچا لیا تو آپ کو دودھ پلانے کے لئے محل میں موجود ہر دایہ کے باری باری سپرد کیا گیا لیکن آپ نے کسی دایہ کے دودھ کو منہ تک نہ لگایا۔ آخر کار اس بچے کو باہر لایا گیا تاکہ کوئی ایسی عورت تلاش کی جائے جو اس بچے کو دودھ پلانے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ جب آپ علیہ السلام کی ہمشیرہ نے آپ کو باہر لوگوں کے ہاتھوں میں دیکھا تو پہچان گئیں لیکن نہ تو اس چیز کا اظہار کیا اور نہ ہی کسی کو اس کا احساس تک ہونے دیا۔ قدرت کو منظور نہ تھا کہ آپ اپنی والدہ کے سوا کسی اور عورت کا دودھ پئیں۔ یہ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا اعزاز ہے۔ اس میں دوسری حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طریقے سے آپ علیہ السلام کو اپنی والدہ کے پاس حسب وعدہ لوٹانا چاہتا تھا تاکہ وہ خوف و دہشت کے بعد سکون اور اطمینان سے اپنے لخت جگر کو دودھ پلائیں۔ لوگوں کو حیران دیکھ کر آپ علیہ السلام کی بہن کہنے لگیں: هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَیْتٍ...... ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے جب یہ بات کہی تو لوگوں کو کچھ شک گزرا۔ وہ انہیں پکڑ کر دریافت کرنے لگے کہ تمہیں کیسے معلوم ہے کہ وہ لوگ اس کے لئے خیر خواہ اور مشفق ہیں؟ کہنے لگیں کہ ان کی خیر خواہی اور شفقت اس بناء پر واضح ہے کہ وہ بادشاہ کی خوشنودی اور اس کے انعام و اکرام کے خواہاں ہیں۔ یہ سن کر انہوں نے چھوڑ دیا۔ ان کی گزند سے محفوظ ہونے کے بعد انہوں نے ان لوگوں کو اپنے ساتھ لیا اور اپنے گھر لے آئیں۔ جونہی انہوں نے بچے کو اپنی والدہ کے سپرد کیا، بچہ فوراً ان کا دودھ پینے لگا۔ یہ دیکھ کر وہ لوگ بہت خوش ہوئے۔ فوراً ایک آدمی نے حضرت آسیہ کو یہ خوشخبری پہنچائی تو انہوں نے ام موسیٰ علیہ السلام کو اپنے پاس بلا لیا اور اعزاز و اکرام سے نوازا لیکن انہیں یہ علم ہی نہ تھا کہ دراصل وہی اس بچے کی ماں ہیں۔ بہر صورت چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کا دودھ پیا تھا اس لئے آسیہ ان سے بہت خوش ہوئیں۔ آسیہ نے ان سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ میرے ہاں ٹھہر جاؤ اور یہیں دودھ پلاتی رہو لیکن آپ علیہ السلام کی والدہ نے جواب دیا کہ ایسا ممکن نہیں کیونکہ میرے شوہر اور بچے ہیں جنہیں چھوڑ کر میں آپ کے پاس قیام نہیں کر سکتی البتہ میں اپنے گھر میں رہ کر اس بچے کو دودھ پلانے کے لئے تیار ہوں، ملکہ نے اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا اور انعام و اکرام سے نوازا۔ اس طرح ام موسیٰ علیہ السلام اپنے بیٹے کو لئے ہوئے راضی خوشی اپنے گھر لوٹیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے خوف کو امن سے بدل دیا اور عزت و جاہ اور رزق فراخ عطا فرمایا، حدیث شریف میں آتا ہے: "جو شخص کام کرتا ہے اور اپنے کام میں خیر کا طلب گار ہوتا ہے، اس کی مثال ام موسیٰ کی سی ہے جو اپنے بیٹے کو دودھ پلاتیں اور اس کی اجرت بھی لیتیں" (1)۔ شدت

1۔ سنن کبریٰ بیہقی، کتاب السیر، جلد 9 صفحہ 27

اور راحت کے درمیان بہت قلیل فاصلہ تھا تقریباً ایک دن اور رات، پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر قسم کا امر ہے، جو وہ چاہتا ہے، وہی ہوتا ہے اور جسے وہ نہیں چاہتا، وہ نہیں ہوتا۔ وہی غم اور تنگی سے نجات دیتا ہے، اس لئے فرمایا: فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ یعنی ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی رہیں اور وہ اس پر غمزدہ نہ ہو اور وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا کیا ہوا وعدہ برحق ہے کہ وہ اسے اس کی طرف لوٹا دے گا اور اسے منصب رسالت پر فائز فرمائے گا۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے پاس واپس آ گئے تو انہیں یقین ہو گیا کہ وہ واقعی رسول بننے والے ہیں اس لئے وہ پوری دلجمعی سے آپ کی تربیت میں مشغول ہو گئیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ یعنی اکثریت کو اللہ تعالیٰ کے افعال کی حکمتوں اور ان کے قابل ستائش مقاصد کا علم نہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی ذات حمد کے لائق ہے۔ بعض اوقات ایک چیز ناپسندیدہ محسوس ہوتی ہے حالانکہ اس کا انجام اچھا ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَیْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ (البقرۃ:216) "اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے تم کسی چیز کو پسند کرو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو"۔ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّیَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا (النساء:19) "شاید تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ نے اس میں خیر کثیر رکھ دی ہو"۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۴﴾ وَدَخَلَ الْمَدِیْنَةَ عَلٰى حِیْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِیْهَا رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلٰنِ ۗ هٰذَا مِنْ شِیْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَى الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَیْهِ ۗ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۷﴾

"اور جب پہنچ گئے موسیٰ علیہ السلام اپنے شباب کو اور ان کی نشوونما مکمل ہو گئی تو ہم نے انہیں حکم اور علم عطا فرمایا۔ اور ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو وہ شہر میں داخل ہوئے اس وقت جب بے خبر سو رہے تھے اس کے باشندے پس آپ نے پایا وہاں دو آدمیوں کو آپس میں لڑتے ہوئے۔ یہ ایک ان کی جماعت سے تھا اور یہ دوسرا ان کے دشمنوں سے۔ پس مدد کے لئے پکارا آپ کو اس نے جو آپ کی جماعت سے تھا اس کے مقابلہ میں جو آپ کے دشمن گروہ سے تھا۔ تو سینہ میں گھونسا مارا موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اور اس کا کام تمام کر دیا۔ آپ نے فرمایا یہ کام شیطان کی انگیخت سے ہوا ہے۔ بے شک وہ کھلا دشمن ہے بہکا دینے والا۔ آپ نے عرض کی میرے پروردگار! میں نے ظلم کیا اپنے آپ پر پس بخش دے مجھے تو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا اسے۔ بے شک وہی غفور رحیم ہے۔ عرض کرنے لگے میرے رب! مجھے ان انعامات کی قسم جو تو نے مجھ پر فرمائے۔ اب میں ہرگز مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپن کا ذکر کرنے کے بعد اب آپ کی جوانی کا ذکر ہو رہا ہے، فرمایا: وَلَمَّا بَلَغَ یعنی جب آپ اپنی بھرپور جوانی کو پہنچے تو ہم نے انہیں حکم و علم یعنی بقول مجاہد نبوت سے نوازا اور نیکوکاروں کو ہم یونہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ پھر اس واقعہ کا ذکر ہو

رہا ہے جس کے باعث آپ کو مصر چھوڑ کر مدین کا رخ کرنا پڑا اور پھر یہی واقعہ آپ کے منصب نبوت پر فائز ہونے کا سبب بنا۔ فرمایا: وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ ... یعنی آپ اس وقت شہر میں داخل ہوئے جب اس کے باشندے غفلت اور بے خبری میں تھے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ مغرب اور عشاء کا درمیانی وقت تھا اور ایک دوسری روایت میں آپ سے ہی مروی ہے کہ دوپہر کا وقت تھا، لوگ بے خبری سے آرام کر رہے تھے۔ اس وقت آپ نے دو آدمیوں کو لڑتے جھگڑتے دیکھا۔ ایک آپ کے گروہ سے یعنی اسرائیلی تھا اور دوسرا آپ کے دشمنوں سے یعنی قبطی تھا۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبطی کے مقابلہ میں مدد کی درخواست کی تو آپ نے موقعہ پر کر قبطی کو پکڑ لیا اور اسے ایسا گھونسہ رسید کیا کہ اس کا کام تمام ہو گیا۔ آپ پریشان ہو کر کہنے لگے: هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ یعنی یہ حرکت شیطان کی انگیخت سے سرزد ہوئی ہے، شیطان بلاشبہ کھلا دشمن اور گمراہ کرنے والا ہے، پھر عرض کی: اے میرے پروردگار! میں نے اپنے اوپر ظلم کیا سو میری بخشش فرما تو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا، بے شک وہی غفور رحیم ہے۔ عرض کی: اے میرے پروردگار! مجھے اس جاہ و مرتبہ اور انعام و اکرام کی قسم جو تو نے مجھے ارزانی فرمایا ہے، میں آئندہ کبھی بھی ان مجرموں کا معاون نہیں بنوں گا جو تیرے ساتھ کفر اور تیرے احکام کی مخالفت کرتے ہیں۔

فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝ فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝

"پھر آپ نے صبح کی اس شہر میں ڈرتے ہوئے اس انتظار میں کہ کیا ہوتا ہے تو اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی آج پھر انہیں مدد کے لئے پکار رہا ہے موسیٰ نے اسے فرمایا بے شک تو کھلا ہوا گمراہ ہے۔ پس جب آپ نے ارادہ کیا کہ جھپٹ پڑیں اس پر جو ان دونوں کا دشمن تھا۔ وہ کہنے لگا اے موسیٰ علیہ السلام! کیا تو چاہتا ہے کہ مجھے بھی قتل کر ڈالے جیسے کل تو نے ایک شخص کو قتل کیا تھا۔ تو نہیں چاہتا بجز اس کے کہ تو ملک میں بڑا جابر بن جائے اور تو نہیں چاہتا کہ اصلاح کرنے والوں میں سے ہو"۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قبطی مر گیا تو آپ صبح صبح حالات کا جائزہ لینے کے لئے ڈرتے ڈرتے شہر میں آئے۔ ایک راستے سے آپ کا گزر ہوا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہی اسرائیلی آج کسی اور قبطی سے لڑ رہا ہے۔ جب اس کے پاس سے آپ گزرنے لگے تو اس نے فریاد شروع کر دی۔ آپ نے اسے فرمایا: اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ یعنی تو واضح گمراہ اور بہت شر پسند ہے۔ آپ نے جب ظالم قبطی کو روکنے کے لئے اسے پکڑنا چاہا تو اسرائیلی اپنی بزدلی، خست اور کمزوری کے باعث اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ڈانٹ ڈپٹ کے سبب یہ سمجھ بیٹھا کہ آپ مجھ پر گرفت کرنا چاہتے ہیں، اس لئے اپنی جان بچانے کی خاطر وہ کہنے لگا: يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ گزشتہ روز کے واقعہ کا علم صرف حضرت موسیٰ اور اس اسرائیلی کو تھا، آج جب اس کی زبانی راز فاش ہوا تو قبطی کو بھی معلوم ہو گیا۔ جونہی اس نے اسرائیلی کی زبان سے یہ بات سنی، وہ فوراً بھاگم بھاگ فرعون کے دربار میں پہنچا اور مخبری کر دی۔ جب یہ بات فرعون کے علم میں آئی تو وہ بہت پیچ و تاب کھانے لگا۔ اس

نے عزم کر لیا کہ وہ موسیٰ کو قتل کر کے ہی دم لے گا چنانچہ اس نے آپ کو گرفتار کرنے کے لئے سپاہی روانہ کر دیئے۔

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۫ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّىْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝

''اور آیا ایک آدمی شہر کے آخری گوشہ سے دوڑتا ہوا۔ اس نے (آ کر) بتایا اے موسیٰ علیہ السلام! سردار لوگ سازش کر رہے ہیں آپ کے بارے میں کہ آپ کو قتل کر ڈالیں، اس لئے نکل جائیے (یہاں سے) بے شک میں آپ کا خیر خواہ ہوں''۔

یہاں آدمی کی رجولیت (مردانگی) کا وصف بیان ہوا ہے کیونکہ جب اس نے دیکھا کہ فرعون کے سپاہی آپ کے تعاقب میں جا رہے ہیں تو اس نے ایک دوسرا قریبی رستہ اپنایا اور سپاہ کے پہنچنے سے پہلے پہلے آپ کو تازہ صورت حال کی اطلاع دیتے ہوئے کہنے لگا: يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ ۔۔۔

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۫ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّىْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِىْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۫ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِىْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٽ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ۝ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَىَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ۝

''پس آپ نکلے وہاں سے ڈرتے ہوئے (اپنی گرفتاری کا) انتظار کرتے ہوئے۔ عرض کی میرے رب! بچا لے مجھے ظلم وستم کرنے والوں سے۔ اور جب روانہ ہوئے مدین کی جانب (تو دل میں) کہنے لگے امید ہے میرا رب میری رہنمائی فرمائے گا سیدھے راستہ کی طرف۔ اور جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پر لوگوں کا ایک انبوہ ہے جو (اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہا ہے۔ اور دیکھیں اس انبوہ سے الگ تھلگ دو عورتیں کہ اپنے ریوڑ کو روکے ہوئے ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ تم کیوں اس حال میں کھڑی ہو۔ ان دونوں نے کہا ہم نہیں پلا سکتیں جب تک چرواہے اپنے مویشیوں کو لے کر واپس نہ چلے جائیں۔ اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں۔ تو آپ نے پانی پلا دیا ان (کے ریوڑ) کو پھر لوٹ کر سایہ کی طرف آ گئے اور عرض کرنے لگے میرے مالک! واقعی میں اس خیر و برکت کا جو تو نے میری طرف اتاری ہے محتاج ہوں''۔

جب اس خیر خواہ کی زبانی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور دیگر اعیان مملکت کے ارادہ کا علم ہوا تو آپ تن تنہا مصر سے نکل کھڑے ہوئے۔ قبل ازیں آپ ناز و نعم میں پر سکون زندگی بسر کر رہے تھے لیکن اب پیش آمدہ صورتحال آپ کے لئے پریشان کن تھی اور اس سے پہلے اس قسم کی پریشانی سے آپ کو واسطہ نہیں پڑا تھا، چنانچہ آپ خوف و ہراس کے عالم میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے وہاں سے نکلے اور عرض کی: اے میرے پروردگار! مجھے ان ظالموں یعنی فرعون اور اس کے درباریوں کی شر سے نجات دے۔ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی رہنمائی کے لئے ایک گھوڑ سوار فرشتہ بھیجا۔ چلتے چلتے جنگلوں کو عبور کرنے کے بعد جب آپ نے مدین کی راہ لی تو بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ مجھے امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھی راہ دکھا دے گا۔ چنانچہ آپ کی امید بر آئی اور اللہ تعالیٰ نے نہ صرف دنیا و آخرت میں

آپ کی رہنمائی فرمائی بلکہ آپ کو دوسروں کے لئے ہادی اور رہنما بھی بنا دیا۔ جب آپ مدین کے چشمہ پر پہنچے تو وہاں آپ نے لوگوں کا ایک انبوہ دیکھا جو چشمے سے پانی نکال نکال کر اپنے جانوروں کو پلا رہے تھے۔ وہاں آپ نے ان لوگوں سے الگ تھلگ دو عورتوں کو دیکھا جو اپنے ریوڑ کو روکے کھڑی تھیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اس طرح بے چارگی کے عالم میں دیکھا تو آپ کا دل پسیج گیا اور ان عورتوں پر رحم آیا، آپ ان سے پوچھنے لگے کہ تمہارا کیا معاملہ ہے، تم ان لوگوں کے ساتھ اپنے ریوڑ کو پانی کیوں نہیں پلاتیں، وہ کہنے لگیں: لَا نَسْقِىْ حَتّٰى يُصْدِرَ ۔ یعنی ہم اس وقت تک پانی نہیں پلا سکتیں جب تک یہ لوگ اپنے جانوروں کو لے کر واپس نہ چلے جائیں اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم اس کیفیت سے دوچار ہیں۔ یہ بات سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فوراً پانی نکال کر ان کے ریوڑ کو پلا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ چرواہے پانی پلانے سے فارغ ہوئے تو انہوں نے ایک بھاری چٹان حسب معمول کنوئیں کے دہانے پر رکھ دی جسے کم از کم دس آدمی سرکا سکتے تھے۔ آپ نے تنہا اس چٹان کو ہٹا دیا اور ایک ڈول پانی کا نکالا جس سے تمام ریوڑ سیراب ہو گیا(1)۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے مدین کی طرف عازم سفر ہوئے تو آپ کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا، صرف گھاس پھوس اور درختوں کے پتوں پر گزر اوقات ہوتی تھی۔ آپ کا جوتا ٹوٹ کر گر گیا اور آپ برہنہ پا مدین پہنچے اور ستانے کے لئے سائے تلے بیٹھ گئے۔ اللہ تعالیٰ کے یہ برگزیدہ بندے جب مدین پہنچے تو بھوک کی شدت سے ان کا پیٹ پیٹھ سے لگا ہوا تھا اور گھاس کی سبزی پیٹ کے اندر سے دکھائی دے رہی تھی۔ اس وقت آپ کو کھجور کا ٹکڑا تک میسر نہ تھا۔ حضرات ابن عباس، ابن مسعود اور سدی فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اونٹ پر سوار ہوا اور دو راتوں کے سفر کے بعد مدین پہنچا۔ وہاں لوگوں سے میں نے اس درخت کی بابت دریافت کیا جس کے سائے تلے حضرت موسیٰ علیہ السلام ستانے کے لئے بیٹھے تھے۔ لوگوں نے اس درخت کی نشاندہی کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ایک سرسبز و شاداب درخت ہے۔ میرا اونٹ بھوکا تھا۔ اس نے اس درخت کے پتے لئے اور کچھ دیر بڑی دقت سے چباتا رہا اور آخر وہ پتے نکال کر پھینک دیئے۔ میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے دعا کی اور واپس پلٹ آیا(2)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس درخت کو دیکھنے کے لئے گئے تھے جہاں سے اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہم کلام ہوا تھا۔ اس کا ذکر عنقریب ہوگا۔ سدی کہتے ہیں کہ وہ ببول کا درخت تھا۔ عطاء بن سائب کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا: رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ ... کو اس عورت نے بھی سنا(3)۔

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْیَآءٍ٘ قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٚ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ٘ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَ مَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ ؕ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ

1۔ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الفضائل، جلد 11 صفحہ 530-531 2۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 58 3۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 59

شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۞ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۞

''کچھ دیر بعد آئی آپ کے پاس ان دونوں میں سے ایک خاتون شرم وحیاء سے چلتی ہوئی۔ (اور آ کر) کہا میرے والد تمہیں بلاتے ہیں تا کہ تم نے ہماری بکریوں کو جو پانی پلایا ہے اس کا تمہیں معاوضہ دیں۔ پس جب آپ ان کے پاس آئے اور اپنا واقعہ ان کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے (تسلی دیتے ہوئے) کہا ڈرو نہیں۔ تم بچ کر نکل آئے ہو ظالموں (کے پنجے) سے۔ ان دو میں سے ایک خاتون نے کہا میرے (محترم) باپ اسے نوکر رکھ لیجئے۔ بے شک بہتر آدمی جس کو آپ نوکر رکھیں وہ ہے جو طاقتور بھی ہو، دیانتدار بھی ہو۔ آپ نے کہا میں چاہتا ہوں کہ میں بیاہ دوں تمہیں ایک ان اپنی دو بچیوں سے بشرطیکہ تو میری خدمت کرے آٹھ سال تک۔ پھر اگر تم پورے کرو دس سال تو یہ تمہاری اپنی مرضی۔ اور میں نہیں چاہتا کہ تم پر سختی کروں۔ تو پائے گا مجھے اگر اللہ نے چاہا نیک لوگوں سے (جو وعدہ ایفا کرتے ہیں)۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے پا گئی۔ ان دو میعادوں سے جو میعاد میں گزار دوں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ جو قول وقرار ہم نے کیا ہے اس پر نگہبان ہے''۔

جب یہ دونوں عورتیں معمول سے پہلے جلد ہی گھر واپس لوٹیں تو ان کے والد گرامی کو بہت تعجب ہوا۔ دریافت کرنے پر انہوں نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ انہوں نے اسی وقت اپنی دونوں بیٹیوں میں سے ایک کو بھیجا تا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلا لائیں۔ چنانچہ وہ عفت مآب اور عصمت شعار شریف عورتوں کی طرح شرم وحیاء سے چلتی ہوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنی چادر کے کنارے سے منہ ڈھانپ رکھا تھا اور حیاء سے چلتی ہوئی آئیں نہ کہ ان عورتوں کی طرح جو بڑی بے باکی سے مردوں کے پاس آتی جاتی ہیں اور انہیں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی(1)۔ پھر انہوں نے صرف یہی نہیں کہا کہ میرے والد آپکو بلا رہے ہیں کیونکہ اس میں شبہ کی گنجائش تھی بلکہ یہ کہا کہ میرے والد آپ کو اس لئے بلا رہے ہیں تا کہ وہ آپ کو پانی پلانے کا معاوضہ دیں۔ اس بات سے اس خاتون کی دانائی مترشح ہوتی ہے۔ جب آپ ان خواتین کے والد کے پاس آئے اور اپنی بپتا انہیں سنائی تو انہوں نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ ڈرو نہیں، اطمینان رکھو۔ اب تم ان ظالموں کی دست برد سے محفوظ ہو کیونکہ یہاں ان کی حکومت نہیں۔ مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ بزرگ کون تھے؟ مشہور قول یہی ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے جنہیں نبی بنا کر اہل مدین کی طرف بھیجا گیا۔ حضرت حسن بصری وغیرہ کا یہی کہنا ہے۔ طبرانی کی ایک روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت سلمہ بن سعد عنزی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: ''شعیب علیہ السلام کی قوم اور موسیٰ علیہ السلام کے سسرال والوں کو خوش آمدید کہ تمہیں ہدایت دی گئی'' (2)۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ قوم شعیب کے ایک مومن مرد تھے۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے طویل عرصہ پہلے ہوئے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا: وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ (ہود: 89) ''اور قوم لوط علیہ السلام تو تم سے کچھ دور نہیں''۔ اور قرآن کریم سے یہ بات ثابت ہے کہ قوم لوط کی ہلاکت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی تھی اور یہ معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ

1۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 407
2۔ معجم کبیر، جلد 7 صفحہ 55

السلام کے درمیان چار سو سال سے بھی زائد کا عرصہ ہے۔ بعض لوگوں نے اس اشکال سے بچنے کے لئے کہا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے بہت لمبی عمر پائی۔ اس قول سے یہ اشکال تو رفع ہو سکتا ہے لیکن بات یہ ہے کہ اگر یہ بزرگ حضرت شعیب علیہ السلام ہی ہوتے تو قرآن کریم میں صاف طور پر ان کا ذکر کر دیا جاتا، اور وہ احادیث جن میں صراحتاً حضرت شعیب علیہ السلام کا نام مذکور ہے، ان کی سندیں صحیح نہیں جیسا کہ عنقریب ان کا ذکر ہوگا۔ بنی اسرائیل کی کتابوں میں ان کا نام یثرون مذکور ہے(1)۔ حضرت ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اثرون حضرت شعیب علیہ السلام کے بھتیجے تھے(1)۔ بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہ یہ یثربی تھے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اگر کوئی خبر وارد ہوتی تو یقینی طور پر نام کا تعین ہو جاتا لیکن ایسی کوئی خبر ہے ہی نہیں جس سے نام کا تعین ہو سکے(2)۔ ایک صاحبزادی نے اپنے والد سے کہا: یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ٘ ... ۔ کہتے ہیں کہ یہ وہی تھیں جو آپ کو بلانے کے لئے گئی تھیں۔ انہوں نے اپنے والد سے کہا کہ آپ انہیں بکریاں چرانے کے لئے نوکر رکھ لیں کیونکہ سب سے بہتر نوکر وہی ہے جو طاقتور اور دیانتدار ہو۔ یہ سن کر باپ نے بیٹی سے پوچھا کہ تمہیں اس کی قوت اور دیانتداری کا علم کیسے ہوا؟ بیٹی نے جواب دیا کہ انہوں نے تنہا اس چٹان کو کنوئیں سے ہٹا دیا جسے دس آدمی مل کر سرکا سکتے ہیں۔ اس سے ان کی قوت کا اندازہ ہو گیا اور ان کی دیانتداری کا علم مجھے اس طرح ہوا کہ جب میں انہیں بلانے کے لئے گئی تو میں ان کے آگے آگے چل پڑی کیونکہ یہ رستہ سے ناواقف تھے لیکن یہ مجھے کہنے لگے کہ میرے پیچھے پیچھے چلو اور جہاں رستہ تبدیل کرنے کی ضرورت پیش آئے، اس طرف کنکر پھینک دینا، اس سے مجھے معلوم ہو جائے گا کہ کون سی سمت اختیار کرنی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ زیرک اور صاحب فراست تین شخص ہوئے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب انہوں نے اپنی فہم وفراست کو بروئے کار لاتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا، حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدنے والا عزیز مصر جس نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ انہیں اچھی طرح رکھو اور وہ خاتون جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت اپنے والد سے کہا تھا: یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ٘ .. (3)۔ اس خاتون کے باپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ میں اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح آپ کے ساتھ کر دوں بشرطیکہ آپ آٹھ سال تک میری بکریاں چرائیں۔ شعیب جبائی کہتے ہیں کہ ایک خاتون کا نام صفورا اور دوسری کا لیا تھا(4)۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ ایک کا نام صفورا اور دوسری کا شرفا تھا اور اسے لیا بھی کہتے تھے۔ احناف نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے ان دو غلاموں میں سے ایک کو ایک سو کے بدلہ فروخت کیا اور خریدار نے اسے منظور کر لیا تو یہ بیع صحیح ہوگی۔ وہ بزرگ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ میں اس شرط پر آپ کو اپنی ایک بیٹی بیاہ دوں گا کہ آپ آٹھ سال میری بکریاں چرائیں اور اگر مزید دو سال آپ یہ خدمت انجام دیں تو یہ آپ کی مرضی ہے ورنہ آٹھ سال کافی ہیں۔ میں آپ کو مشقت میں نہیں ڈالنا چاہتا اور آپ مجھے ان شاء اللہ صالح آدمی پائیں گے۔ میں نہ آپ کے لئے مشکل پیدا کروں گا، نہ اذیت دوں گا اور نہ بد دیانتی کروں گا۔ امام اوزاعی کے مسلک کی تائید میں اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے یہ چیز نقد دس کے بدلہ میں بیچی اور ادھار بیس کے عوض تو یہ بیع درست ہے اور خریدار کو اختیار ہے کہ وہ دونوں میں سے جسے چاہے اختیار کر لے اور سنن ابی داؤد کی یہ حدیث کہ ''جو شخص ایک بیع میں دو بیع کرے، اس کے لئے کمی والی بیع ہے ورنہ سود''(5)۔ اسی

1۔ مبہمات الاقران للسیوطی: 159 2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 62 3۔ تخریج کے لئے، دیکھئے تفسیر سورۂ یوسف: 21

4۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 62، مبہمات الاقران للسیوطی: 158 5۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 274

مسلک پر محمول کی جائے گی، لیکن اس مسلک کے مطابق اس آیت اور حدیث سے استدلال کرنا محل نظر ہے جس کی تفصیلات کا یہ مقام نہیں۔ اصحاب امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کھانے اور کپڑے کے عوض نوکر رکھنا درست ہے۔ وہ اس کی تائید میں ایک حدیث پیش کرتے ہیں جو ابن ماجہ میں اس باب کے تحت مذکور ہے کہ پیٹ بھر کھانے کے معاوضہ پر نوکر رکھنا۔ اس حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ طٰسم کی تلاوت کی۔ جب آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ تک پہنچے تو فرمایا: ''موسیٰ علیہ السلام نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت اور پیٹ بھر کھانے کی خاطر آٹھ یا دس سال کے لئے خود کو نوکر رکھ دیا'' (1)۔ یہ حدیث اس سند سے ضعیف ہے کیونکہ اس کا ایک راوی مسلمہ بن علی خشنی دمشقی ضعیف ہے۔ ایک اور سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے لیکن یہ سند بھی محل نظر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شرط کو قبول کرتے ہوئے فرمایا: ذٰلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے سسر سے کہنے لگے کہ میرے اور آپ کے درمیان یہ بات طے پا گئی کہ میں آٹھ سال آپ کے ہاں مزدوری کروں گا اور اگر میں نے دس سال پورے کر دیئے تو یہ میری اپنی مرضی پر موقوف ہے، بہر صورت آٹھ سال کی خدمت کے بعد میں اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جاؤں گا اور شرط پوری ہو جائے گی، اس لئے فرمایا: اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ... یعنی جو مدت بھی میں نے پوری کر دی، مجھ پر کوئی حرج نہیں۔ اگرچہ دس سال کی تکمیل مباح ہے لیکن یہ فاضل ہے، ضروری نہیں۔ ضروری صرف آٹھ سال کی مدت ہے جیسا کہ منی کے آخری دو دنوں کے متعلق فرمایا: فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ (البقرۃ: 203) اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا جو بکثرت روزہ رکھا کرتے تھے اور انہوں نے آپ ﷺ سے سفر کے روزہ کے متعلق دریافت کیا تھا، اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''اگر چاہو تو روزہ رکھ لو اور اگر چاہو تو نہ رکھو'' (2) حالانکہ ایک دوسری دلیل سے ثابت ہے کہ روزہ رکھنا راجح ہے۔ بہر صورت یہ دلیل موجود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال کی مدت پوری کی۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حیرہ کے ایک یہودی نے مجھ سے سوال کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں میں سے کون سی مدت پوری کی؟ میں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں البتہ میں عربوں کے سب سے بڑے عالم سے دریافت کروں گا چنانچہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے وہ مدت پوری کی جو زیادہ مفید تھی کیونکہ اللہ کے رسول جب کوئی بات کہتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں (3)۔ حدیث فتون میں آتا ہے کہ حضرت سعید بن جبیر سے سوال کرنے والا نصرانی تھا (4) لیکن پہلی بات زیادہ درست ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے جبریل سے دریافت کیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے دونوں میں سے کون سی مدت پوری کی تو انہوں نے جواب دیا کہ ان دونوں میں سے جو کامل اور مکمل تھی (5)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کون سی مدت پوری کی؟ آپ نے فرمایا: ''مجھے اس کا علم نہیں''۔ آپ نے جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا تو انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔ جبریل علیہ السلام نے اپنے سے اوپر والے فرشتے سے پوچھا تو اس نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔ پھر اس فرشتے نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے دونوں میں سے زیادہ مفید اور پاکیزہ مدت کی تکمیل کی۔ یہ روایت مرسل ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جبریل علیہ

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الرھون، جلد 2 صفحہ 817
2۔ صحیح مسلم، کتاب الصوم، جلد 2 صفحہ 790؛ سنن ابی داؤد، کتاب الصوم، جلد 2 صفحہ 316
3۔ صحیح بخاری، کتاب الشہادات، جلد 3 صفحہ 236
4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ طٰہٰ: 40
5۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 68

السلام سے پوچھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کون سی مدت پوری کی؟ انہوں نے کہا کہ میں اسرافیل سے پوچھوں گا۔ ان سے پوچھا تو وہ کہنے لگے کہ میں اللہ تعالیٰ سے پوچھوں گا۔ اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا تو فرمایا گیا کہ دونوں میں سے زیادہ نافع اور مکمل (1)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے جب یہ دریافت کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کون سی مدت پوری کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "دونوں میں سے جو زیادہ کامل اور مکمل تھی اور اگر تم سے یہ پوچھا جائے کہ دونوں میں سے کس خاتون کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نکاح کیا تھا تو کہہ دینا کہ دونوں میں سے چھوٹی کے ساتھ" (2)۔ ایک اور روایت میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "جب موسیٰ علیہ السلام شعیب علیہ السلام سے رخصت ہونے لگے تو اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ گزر اوقات کے لئے اپنے والد سے کچھ بکریاں مانگ لو۔ انہوں نے اپنے والد سے سوال کیا تو وہ کہنے لگے کہ اس سال پیدا ہونے والی چتکبری بکریاں تمہاری ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بکریوں کے پیٹ پر اپنا عصا مارا تو ہر بکری نے دو دو، تین تین بچے جنے جو تمام کے تمام چتکبرے تھے اور سب کے سب بے عیب، بڑے بڑے بھرے ہوئے تھنوں والے اور زیادہ دودھ دینے والے تھے"۔ آپ نے فرمایا: "جب تم شام فتح کر دگے تو اس کی باقی ماندہ نسل پاؤ گے اور یہ سامریہ ہے" (3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں خوبصورت سیاہ رنگ کی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں پانی پلانے کے لئے حوض پر لے گئے۔ جونہی کوئی پانی پی کر واپس آتی، آپ اس کے پہلو پر عصا مار دیتے، اس طرح سوائے ایک دو بکریوں کے تمام بکریوں نے چتکبرے بچے جنم دیئے جو سب بے عیب تھے۔ ان روایات کا دارو مدار عبداللہ بن لہیعہ مصری پر ہے جن کا حافظہ کمزور تھا اور خدشہ ہے کہ یہ روایات مرفوع نہ ہوں۔ ایک اور سند سے اس قسم کی روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے کہ تکمیل مدت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سسر نے آپ سے کہا کہ جو بکریاں اپنے رنگ کے برعکس بچے جنم دیں گی وہ آپ کی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانی کے اوپر رسیاں بلند کر دیں جنہیں دیکھ کر بکریاں خوفزدہ ہو گئیں اور سوائے ایک کے سب نے چتکبرے بچے جنم دیئے۔ آپ ان سب کو لے کر رخصت ہو گئے (4)۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۰﴾ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ؗ وَّاضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ىٕهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۳۲﴾

"پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے مقررہ مدت پوری کر دی اور (وہاں سے) چلے اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر تو آپ نے دیکھی طور

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 69
2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 63
3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 63-64
4۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 69

کے ایک طرف آگ۔ آپ نے اپنے اہل خانہ سے کہا تم ذرا ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے (میں وہاں جاتا ہوں) شاید میں لے آؤں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر یا آگ کی کوئی چنگاری تا کہ تم اسے تاپ سکو۔ پس جب آپ وہاں گئے تو ندا آئی وادی کے دائیں کنارہ سے اس بابرکت مقام میں ایک درخت سے کہ اے موسیٰ علیہ السلام! بلا شبہ میں ہی ہوں اللہ جو رب العالمین ہے۔ اور (ذرا) ڈال دو (زمین پر) اپنے عصا کو۔ اب جو اسے دیکھا تو وہ اس طرح لہرا رہا تھا جیسے وہ سانپ ہو آپ پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ (آواز آئی) اے موسیٰ علیہ السلام! سامنے آؤ اور ڈرو نہیں۔ یقیناً تم (ہر خطرہ سے) محفوظ ہو۔ ڈالو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں وہ نکلے گا سفید (چمکتا ہوا) بغیر کسی تکلیف کے اور رکھ لے اپنے سینے پر اپنا ہاتھ خوف دور کرنے کے لئے تو یہ دو دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے درباریوں (کی طرف لے جانے) کے لئے بے شک وہ نافرمان لوگ ہیں"۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال کی مدت پوری کی۔ یہاں آیت کریمہ میں "الاجل" کا لفظ بھی اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے دس سال پورے کیے۔ مجاہد کا کہنا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال کی تکمیل کے بعد مزید دس گزارے لیکن اس بات کا کوئی اور قائل نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے وطن اور گھر والوں کی یاد ستا رہی تھی، اپنے خویش و اقارب کے ساتھ ملاقات کے شوق میں آپ نے فرعون اور اس کی قوم سے خفیہ خفیہ اپنے گھر جانے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے اہل خانہ اور ان بکریوں کو ساتھ لیا جو آپ کے سسر نے آپ کو ہبہ کی تھیں اور مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔ رات کو بارش ہونے لگی، سخت اندھیرا چھا گیا اور سردی انتہا کو پہنچ گئی۔ آپ ایک جگہ ٹھہر گئے اور چقماق سے آگ جلانے کی بہت کوشش کی لیکن بے سود۔ اس صورتحال سے آپ بہت متعجب ہوئے، اسی اثناء میں کچھ دور طور کی جانب آپ کو آگ دکھائی دی تو آپ نے اپنے اہل خانہ سے کہا کہ ذرا ٹھہرو، مجھے آگ دکھائی دی ہے۔ میں وہاں جاتا ہوں شاید وہاں کوئی ایسا آدمی مل جائے جس سے رستہ دریافت کرلوں یا آگ کی چنگاری لے آؤں جسے تم تاپ لو اور سردی سے محفوظ ہو جاؤ۔ جب آپ وہاں پہنچے تو مغربی سمت سے دائیں جانب پہاڑ کے ساتھ وادی کی طرف سے آواز آئی جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ (القصص:44) " اور آپ (طور کی) مغربی سمت میں نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف حکم بھیجا"۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کے قصد سے قبلہ کی جانب چلے تھے اور مغربی پہاڑ آپ کی دائیں طرف تھا۔ وہاں پہاڑ کے دامن میں ایک سرسبز درخت میں بھڑکتی ہوئی آگ دکھائی دی۔ آپ اسے دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ اس وقت اس مبارک مقام میں وادی کے دائیں کنارے درخت سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس درخت کو دیکھا ہے جہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا دی گئی تھی۔ یہ سرسبز و شاداب درخت ہے جو چمک رہا ہے(1)۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ یہ علیق کا درخت ہے۔ بعض اہل کتاب کا کہنا ہے کہ یہ عوسج کا درخت تھا (2) اور آپ علیہ السلام کا عصا بھی اسی درخت کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَنْ يّٰمُوْسٰٓى ۔یعنی تمہارے ساتھ جو مخاطب اور ہم کلام ہے وہ اللہ رب العالمین ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب۔ وہ اپنی ذات، صفات، اقوال اور افعال میں بے مثل اور مخلوق کی مشابہت سے منزہ اور اعلیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عصا پھینکنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ یعنی اپنا وہ عصا زمین پر

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 71

2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ طٰہٰ: 17-23

ڈال دو جو تمہارے ہاتھ میں ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى ۝ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى (طٰہٰ: 18-17) ''اے موسیٰ یہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ عرض کی یہ میرا عصا ہے میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور میں اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور میرے لئے اس میں کئی اور فائدے بھی ہیں'' یعنی آپ اپنا معروف عصا پھینکیں۔ جب آپ نے عصا پھینکا تو وہ فوراً سانپ بن کر دوڑنے لگا۔ اس سے آپ علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ آپ سے کلام کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے کن کہنے سے مطلوبہ چیز وجود میں آ جاتی ہے۔ سورۃ طہ میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ یہاں فرمایا: فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ ...

آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ عصا نے ایک خوفناک، بھاری بھرکم اور تیز رفتار اژدھے کی شکل اختیار کر لی ہے جس کا بہت بڑا منہ ہے اور اس کے دانت ایک دوسرے کے ساتھ بج رہے ہیں، جس چٹان کے پاس سے گزرتا ہے، اسے ہڑپ کر لیتا ہے اور وہ اس کے منہ سے لڑھکتی ہوئی نیچے چلی جاتی ہے، بشری تقاضا کے باعث حضرت موسیٰ علیہ السلام خوفزدہ ہو کر وہاں سے بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! سامنے آؤ اور ڈرو مت، تم امن میں ہو۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس اپنی پہلی جگہ لوٹ آئے تو ارشاد ہوا: اُسْلُكْ يَدَكَ ... یعنی جب تم اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالو گے تو وہ چاند کی طرح چمکتا ہوا باہر نکلے گا، اس لئے فرمایا: مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ یعنی بغیر برص کی بیماری کے۔ پھر فرمایا: وَاضْمُمْ اِلَيْكَ ... یعنی سانپ کے سبب حاصل ہونے والے خوف کو دور کرنے کے لئے اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیں۔ یہ قول عبدالرحمٰن بن زید اور ابن جریر کا ہے (1)۔ بہر کیف بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد عام معنی ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ جب بھی آپ کو کسی چیز سے خوف محسوس ہو تو اس خوف کو دور کرنے کے لئے آپ اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیا کریں۔ مذکور ہے کہ جب کوئی شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اقتدا کرتے ہوئے خوف کے وقت اپنا ہاتھ اپنے دل پر رکھ لے تو ان شاء اللہ اس کا خوف جاتا رہے گا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ شروع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں فرعون کا رعب طاری تھا۔ جب آپ اسے دیکھتے تو یہ دعا کرتے: ''اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَدْرَاُ بِكَ فِيْ نَحْرِهِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے دل سے یہ رعب و خوف ختم کر کے فرعون کے دل میں ڈال دیا۔ اس کے بعد جب بھی وہ آپ علیہ السلام کو دیکھتا، گدھے کی طرح اس کا پیشاب نکل جاتا۔ فرمایا: فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ ... یعنی عصا کا اژدھا بن جانا اور ہاتھ کا گریبان سے بغیر کسی تکلیف کے چمکتا ہوا باہر نکلنا یہ دونوں معجزے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی صحت پر قطعی اور واضح دلائل ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو فرعون اور اس کی قوم کے رؤساء، عظماء اور پیروکاروں کی طرف بھیجا، کیونکہ یہ لوگ اطاعت الٰہی سے منحرف اور اس کے دین کے مخالف تھے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝ وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۫ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ۝

'' آپ نے عرض کی میرے رب! میں نے تو قتل کیا تھا ان سے ایک شخص کو پس میں ڈرتا ہوں کہیں وہ مجھے قتل نہ کر دائیں۔ اور میرا بھائی ہارون وہ زیادہ فصیح ہے مجھ سے گفتگو کرنے میں تو اسے بھیج میرے ساتھ میرا مددگار بنا کر تا کہ وہ میری تصدیق

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 73

کرے۔ میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم مضبوط کریں گے تیرے بازو کو تیرے بھائی سے اور ہم عطا کریں گے تمہیں ایسا غلبہ (اور شوکت) کہ وہ تمہیں (اذیت) نہیں پہنچ سکیں گے۔ ہماری نشانیوں کے باعث۔ تم دونوں اور تمہارے پیروکار ہی غالب آئیں گے"۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا جس کے خوف سے آپ نے جلاوطنی اختیار کی تھی تو آپ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی: اِنِّیۡ قَتَلۡتُ ... یعنی مجھ سے ان کا ایک شخص (قبطی) قتل ہو گیا تھا، مجھے اندیشہ ہے کہ وہ کہیں مجھے قتل نہ کر دیں۔ پھر عرض کی: وَاَخِیۡ هٰرُوۡنُ ... اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں کچھ لکنت تھی اور اس کا سبب وہ واقعہ ہے جو فرعون کے محل میں آپ کے ساتھ اس وقت پیش آیا جب آپ ابھی معصوم بچے تھے، بطور آزمائش آپ کے سامنے آگ کا ایک انگارہ، ایک کھجور اور ایک موتی رکھا گیا۔ آپ نے انگارہ اٹھایا اور منہ میں ڈال لیا، اس وجہ سے آپ کی زبان لکنت کا شکار ہو گئی اور خیالات کی تعبیر میں آپ کو دشواری ہونے لگی، اسی لئے عرض کی: وَاحۡلُلۡ عُقۡدَةً مِّنۡ لِّسَانِیۡ ۙ﴿۲۷﴾ یَفۡقَهُوۡا قَوۡلِیۡ ۪﴿۲۸﴾ وَاجۡعَلۡ لِّیۡ وَزِیۡرًا مِّنۡ اَهۡلِیۡ ۙ﴿۲۹﴾ هٰرُوۡنَ اَخِی ۙ﴿۳۰﴾ اشۡدُدۡ بِهٖۤ اَزۡرِیۡ ۙ﴿۳۱﴾ وَاَشۡرِکۡهُ فِیۡۤ اَمۡرِیۡ (طٰہٰ:32-27)" اور میری زبان کی گرہ کھول دے تا کہ وہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ سکیں اور میرے خاندان سے میرا وزیر مقرر فرما یعنی میرا بھائی ہارون۔ اس سے میری کمر مضبوط کر دے اور اسے میری اس مہم میں شریک کر دے"۔ یعنی بار نبوت اٹھانے اور اس سرکش، متکبر اور جابر بادشاہ کو دعوت توحید دینے میں میرا بھائی میرا معاون ثابت ہو اس لئے یہاں بارگاہ خداوندی میں عرض کی: وَاَخِیۡ هٰرُوۡنُ ... یعنی میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہے، اسے میرے ساتھ رسول بنا کر بھیج تا کہ وہ میرا وزیر اور معاون ہو اور منصب رسالت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں میری تقویت کا باعث بنے، وہ میری باتوں کی تصدیق کرے کیونکہ دو آدمیوں کا پیغام ایک آدمی کے پیغام سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے، اس لئے فرمایا: اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یُّکَذِّبُوۡنِ۔ محمد بن اسحاق "یُصَدِّقُنِیۡۤ" کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ وہ میری ترجمانی کرتے ہوئے میری باتیں لوگوں کے سامنے وضاحت سے بیان کرے کیونکہ وہ میری ایسی باتیں سمجھ لیتا ہے جنہیں لوگ نہیں سمجھ سکتے(1)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَنَشُدُّ عَضُدَکَ بِاَخِیۡکَ یعنی ہم تمہارے بھائی کو تمہارے ساتھ نبی بنا کر تمہیں تقویت پہنچائیں گے اور مضبوط سہارا فراہم کریں گے جیسا کہ ارشاد ہے: قَدۡ اُوۡتِیۡتَ سُؤۡلَکَ یٰمُوۡسٰی (طٰہٰ:36)" اے موسیٰ علیہ السلام! آپ کی درخواست منظور کر لی گئی ہے"۔ وَوَهَبۡنَا لَهٗ مِنۡ رَّحۡمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوۡنَ نَبِیًّا (مریم:53)" اور ہم نے انہیں اپنی خاص رحمت سے ان کا بھائی ہارون بخشا جو نبی تھا"۔ اسی لئے کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ کسی بھائی نے اپنے بھائی پر اس سے بڑھ کر احسان نہیں کیا جو احسان حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام پر کیا۔ آپ علیہ السلام کی سفارش پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو نبی اور رسول بنا دیا، اسی عظمت کے باعث اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے: وَکَانَ عِنۡدَ اللّٰهِ وَجِیۡهًا (الاحزاب:69)" اور آپ اللہ کے نزدیک بڑی شان والے تھے"۔ پھر فرمایا: وَنَجۡعَلُ لَکُمَا یعنی ہم تم دونوں کو زبردست حجت سے نوازیں گے، سو میری آیات کی تبلیغ کے سبب فرعونی تم دونوں کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکیں گے جیسا کہ فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ... وَاللّٰهُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (المائدۃ:67)، اَلَّذِیۡنَ یُبَلِّغُوۡنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ ... وَکَفٰی بِاللّٰهِ حَسِیۡبًا (الاحزاب:39) یعنی اللہ تعالیٰ ہی ان کا حامی و ناصر اور معین و مددگار کافی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 74

ان دونوں حضرات کو آگاہ کر دیا کہ دنیا و آخرت میں اچھا انجام تمہارا اور تمہارے پیروکاروں کا ہی ہے، فرمایا: اَنْتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (المجادلہ: 21)" اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آ کر رہیں گے، بے شک اللہ تعالیٰ طاقتور (اور) زبردست ہے"۔ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (المومن: 51)" بے شک ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی اس دنیوی زندگی میں"۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ "بِاٰيٰتِنَآ" کا تعلق بعد والی کلام کے ساتھ ہے یعنی تم دونوں کو اور تمہارے پیروکاروں کو ہماری دی ہوئی آیات کے سبب غلبہ حاصل رہے گا(1)۔ بلا شبہ یہ معنی صحیح ہے لیکن پہلی توجیہ کا بھی یہی معنی ہے اس لئے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَ قَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾

" پھر جب آئے فرعونیوں کے پاس موسیٰ (علیہ السلام) ہماری روشن نشانیاں لے کر انہوں نے کہا نہیں ہے یہ مگر جادو گھڑا ہوا اور ہم نے نہیں سنیں اس قسم کی باتیں اپنے پہلے آباؤ اجداد کے زمانہ میں۔ اور موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا میرا رب خوب جانتا ہے اسے جو اس کی بارگاہ سے (نور) ہدایت لے کر آیا ہے۔ اور وہی جانتا ہے کہ اس کا انجام اچھا ہو گا۔ بے شک بامراد نہیں ہوتے ظلم و ستم کرنے والے"۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس گئے، انہیں توحید اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اتباع کی تلقین کی اور اپنی نبوت کی صداقت پر زبردست معجزات پیش کیے جنہیں دیکھ کر فرعونیوں کو یقین ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام واقعی اللہ تعالیٰ کے فرستادہ ہیں لیکن انہوں نے اپنے کفر، تکبر اور عناد کے باعث انکار اور ہٹ دھرمی کی روش اختیار کیے رکھی اور کہنے لگے: مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى یعنی یہ تو مصنوعی اور گھڑا ہوا جادو ہے۔ انہوں نے حیلہ و فریب اور قوت و سطوت کو بروئے کار لاتے ہوئے حق کے ساتھ مقابلہ کرنے کا عزم کر لیا لیکن انہیں منہ کی کھانا پڑی اور وہ ذلیل و رسوا ہو کر نیست و نابود ہو گئے۔ پھر کہنے لگے: مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا ۔۔ یعنی نہ تو ہم نے اپنے آباؤ اجداد میں سے کسی کو خدائے واحد کی عبادت کرتے دیکھا اور نہ ہی ان میں سے کسی کو اس دین پر کاربند پایا۔ ہم تو یہی دیکھتے چلے آ رہے ہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیگر معبودوں کو بھی شریک ٹھہراتے ہیں۔ انہیں جواب دیتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ ... یعنی میرا رب خوب جانتا ہے کہ مجھ سے اور تم سے کون اس کی جناب سے ہدایت یافتہ ہے اور وہ عنقریب میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا اس لئے فرمایا: وَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ یعنی اللہ تعالیٰ یہ بھی جانتا ہے کہ کس کو اس کی تائید اور نصرت حاصل ہو گی۔ آخر میں فرمایا: اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے ظالم کبھی بامراد نہیں ہوں گے۔

وَ قَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَ اِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَ اسْتَكْبَرَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 76

هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَیْنَا لَا یُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ ﴿۴۲﴾

’’یہ (سن کر) فرعون نے کہا اے اہل دربار! میں تو نہیں جانتا کہ تمہارے لئے میرے سوا کوئی اور خدا ہے۔ پس آگ جلا میرے لئے اے ہامان! اور اس پر اینٹیں پکوا میرے لئے ایک اونچا محل تعمیر کر شاید (اس پر چڑھ کر) میں سراغ لگا سکوں موسیٰ کے خدا کا۔ اور میں تو اس کے بارے میں یہ خیال کرتا ہوں کہ یہ جھوٹا ہے۔ اور تکبر کیا اس نے اور اس کی فوجوں نے زمین میں ناحق اور وہ یہ گمان کرتے رہے کہ انہیں ہماری طرف نہیں لوٹایا جائے گا۔ پس ہم نے پکڑ لیا اسے اور اس کے لشکریوں کو اور پھینک دیا انہیں سمندر میں۔ دیکھو! کیسا (ہولناک) انجام ہوا ظلم وستم کرنے والوں کا۔ اور ہم نے بنایا تھا انہیں ایسے پیشوا جو بلاتے تھے (اپنی رعایا کو) آگ کی طرف۔ اور روز حشر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ اور ہم نے ان کے پیچھے اس دنیا میں بھی لعنت لگادی۔ اور قیامت کے دن بھی ان کا شمار ملعونوں میں ہوگا‘‘۔

فرعون کے کفر، سرکشی اور دعوائے الوہیت کا ذکر ہو رہا ہے جیسا کہ فرمایا: فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ (الزخرف: 54) ’’یوں اس نے اپنی قوم کو احمق بنا دیا سو وہ اس کی پیروی کرنے لگے‘‘۔ اس نے اپنی قوم کو دعوت دی کہ وہ اس کے دعویٰ کو درست تسلیم کرتے ہوئے اسے اپنا خدا بنالیں، چنانچہ انہوں نے اپنی کم عقلی اور بے وقوفی کے باعث فرعون کو اپنا معبود بنالیا۔ فرعون کہنے لگا: یٰٓاَیُّهَا ۔ ایک اور مقام پر فرعون کے متعلق فرمایا: ’’فَحَشَرَ فَنَادٰی ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰی ﴿۲۵﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی (النازعات: 26-23) ’’پھر (لوگوں کو) جمع کیا پس پکارا اور کہا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں، آخر کار اللہ تعالیٰ نے اسے آخرت اور دنیا کے عذاب میں مبتلا کر دیا۔ بے شک اس میں اس کے لئے عبرت ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے‘‘۔ ان بدقماشوں نے فرعون کو اس قدر بد دماغ بنا دیا کہ وہ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کو دھمکی دیتے ہوئے کہنے لگا: لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ (الشعراء: 29) ’’اگر تم نے میرے سوا کسی کو خدا بنایا تو میں تمہیں قیدیوں میں داخل کر دوں گا‘‘ فرعون نے اپنے وزیر خاص، مشیر خصوصی اور منتظم اعلیٰ ہامان کو حکم دیا کہ وہ اینٹیں پکوا کر اس کے لئے ایک بلند وبالا محل تعمیر کروائے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَقَالَ فِرْعَوْنُ یٰهَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓی اِلٰهِ مُوْسٰی ۔ وَمَا كَیْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِیْ تَبَابٍ (المومن: 37-36) ’’اور فرعون نے کہا اے ہامان! میرے لئے ایک اونچا محل بنا تاکہ (اس پر چڑھ کر) میں راہوں تک پہنچ جاؤں یعنی آسمان کی راہوں تک پھر میں جھانک کر موسیٰ کے خدا کو دیکھوں اور میں تو یقین کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے اور یوں فرعون کیلئے اس کا برا عمل آراستہ کر دیا گیا اور اسے راہ راست سے روک دیا گیا اور فرعون کا سارا فریب نہیں تھا مگر اس کی اپنی تباہی کے لئے‘‘۔ فرعون نے ایسا محل تعمیر کروایا جس سے بلند عمارت دنیا میں نہیں دیکھی گئی، اس سے اس کا مقصد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس دعویٰ کی تردید اور تکذیب کرنا تھا کہ فرعون خدا نہیں بلکہ خدا اور ہے اس لئے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہنے لگا: وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ یعنی میں خیال کرتا

ہوں کہ موسیٰ اس بات میں جھوٹا ہے کہ میرے سوا کوئی اور رب ہے۔ اس کا مقصد دعویٰ رسالت میں آپ کو جھٹلانا نہیں تھا کیونکہ وہ نہ صرف آپ کی رسالت کا منکر تھا بلکہ وہ تو سرے سے وجود باری تعالیٰ کا ہی قائل نہ تھا، اسی لئے وہ کہنے لگا: وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (الشعراء: 23) ''رب العالمین کی کیا حقیقت ہے'' لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ، یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ یہ قول ابن جریر کا ہے(1)۔ اس کے بعد فرمایا: وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ...... یعنی فرعون اور اس کے لشکروں نے زمین میں ناحق تکبر، سرکشی اور ظلم کرتے ہوئے فساد برپا کر دیا اور یہ یقین کر بیٹھے کہ نہ قیامت آئے گی اور نہ دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ چنانچہ پروردگار عالم کے عذاب کا کوڑا ان پر برسا کیونکہ وہ ظالموں کی تاک میں ہے اور انہیں برباد کر کے رکھ دیا، اس لئے یہاں فرمایا: فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ یعنی ہم نے فرعون اور اس کے لشکروں کو پکڑا اور ایک ہی صبح انہیں سمندر میں پھینک کر غرق کر دیا، دیکھو، ظالم کیسے عبرتناک انجام سے دوچار ہوئے اور ہم نے انہیں ایسا پیشوا بنا دیا جو ان لوگوں کو جہنم کی طرف بلاتے جو ان کی اتباع میں پیغمبروں کو جھٹلاتے تھے اور وجود باری تعالیٰ کا انکار کرتے تھے اور قیامت کے دن ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی، اس طرح یہ دنیا میں بھی رسوا ہوئے اور آخرت میں بھی ذلت ان کا مقدر ہو گی جیسا کہ فرمایا: اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ (محمد: 13) ''ہم نے انہیں ہلاک کر دیا پس کوئی ان کا مددگار نہ تھا''۔ پھر فرمایا: وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا یعنی جس طرح دنیا میں انبیاء کرام اور ان کے متبعین کی زبانی ان پر لعنت برستی رہی، اسی طرح پیغمبروں کی اتباع کرنے والے اہل ایمان ان پر لعنت بھیجتے رہیں گے اور قیامت کے دن بھی یہ ملعونوں میں سے ہوں گے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اس فرمان کی طرح ہے: وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ (ہود: 99) ''اور ان پر اس دنیا میں لعنت بھیجی جاتی رہے گی اور قیامت کے دن بھی۔ بہت برا عطیہ ہے جو انہیں دیا جائے گا''۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾

''اور ہم نے دی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب اس کے بعد کہ ہم نے ہلاک کر دیا پہلی (نافرمان) قوموں کو (یہ کتاب) لوگوں کے لئے بصیرت افروز اور سراپا ہدایت و رحمت تھی تاکہ وہ نصیحت قبول کریں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول حضرت کلیم علیہ السلام پر اپنے خصوصی انعام کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے فرعونیوں کو ہلاک کرنے کے بعد آپ کو تورات عطا فرمائی۔ آیت کے ان الفاظ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى سے ظاہر ہوتا ہے کہ نزول تورات کے بعد کسی امت پر عمومی عذاب نہیں آیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو دشمنان خدا کے خلاف جہاد کا حکم دیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۚ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِیَةً (الحاقۃ: 10-9) ''اور فرعون اور جو اس سے پہلے تھے اور الٹائی جانے والی بستیوں کے باشندوں نے غلطی کا ارتکاب کیا پس انہوں نے اپنے رب کے رسولوں کی نافرمانی کی تو اللہ نے انہیں بڑی سختی سے پکڑ لیا''۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تورات نازل ہونے کے بعد روئے زمین پر اللہ تعالیٰ نے کسی پوری قوم کو آسمانی یا زمینی عذاب سے ہلاک نہیں کیا بجز اس بستی والوں کے جنہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مسخ کر کے بندر بنا دیا گیا کیونکہ وہ سنیچر کی بے حرمتی کرتے ہوئے شکار کھیلا کرتے تھے، پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی(2)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 78　　2۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 18

کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو آسمانی یا زمینی عذاب سے ہلاک نہیں کیا مگر موسیٰ علیہ السلام سے پہلے''(1)۔ پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ اس کے بعد تورات کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرمایا: بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى۔ یعنی یہ کتاب اندھے پن اور گمراہی سے بصیرت عطا کرنے والی، حق کی راہ دکھانے والی اور لوگوں کے لئے سراپا رحمت ہے تا کہ لوگ اس سے نصیحت اور ہدایت حاصل کریں۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْۤ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

''اور آپ نہیں تھے (طور) کی مغربی سمت میں جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف (رسالت کا) حکم بھیجا اور نہ آپ گواہوں میں شامل تھے۔ لیکن ہم نے پیدا فرمائیں کئی قومیں (یکے بعد دیگرے) اور کافی لمبا عرصہ گزر گیا ان پر۔ (اور انہوں نے عہد خداوندی بھلا دیا) اور آپ اہل مدین میں مقیم نہ تھے تا کہ آپ پڑھ کر سناتے انہیں ہماری آیتیں۔ لیکن ہم ہی رسول بنا کر بھیجنے والے تھے۔ اور آپ (اس وقت) طور کے کنارہ پر بھی نہ تھے جب ہم نے (موسیٰ علیہ السلام کو) ندا فرمائی لیکن یہ آپ کے رب کی محض رحمت ہے (کہ اس نے آپ کو ان حالات پر آگاہ کر دیا) تا کہ آپ (قہر الٰہی سے) ڈرائیں اس قوم کو جن کے پاس نہیں آیا کوئی ڈرانے والا آپ سے پہلے شاید وہ نصیحت قبول کریں۔ (اور اس کی وجہ یہ ہے) کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب پہنچے انہیں کوئی مصیبت ان اعمال کے باعث جو انہوں نے کئے ہیں تو وہ یہ نہ کہنے لگیں کہ اے ہمارے رب! کیوں نہ بھیجا تو نے ہماری طرف کوئی رسول تا کہ ہم پیروی کرتے تیری آیات کی اور ہم ہو جاتے ایمان والوں سے''۔

اللہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ کی نبوت کی دلیل پر آگاہ فرما رہا ہے کہ آپ غیب کی گزشتہ خبریں دے رہے ہیں اور ماضی کے واقعات بلا کم و کاست اس طرح بیان کر رہے ہیں گویا آپ اس وقت موجود تھے اور آپ نے اپنی آنکھوں سے ان چیزوں کا مشاہدہ کیا ہے حالانکہ آپ امی ہیں، کسی سے ایک حرف تک نہیں پڑھا اور پھر آپ ایسے ماحول میں پروان چڑھے جہاں لوگوں کو علمی مشاغل سے کوئی دلچسپی نہ تھی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو ان چیزوں کے متعلق آگاہی بخشی جیسا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا: وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ (آل عمران: 44) ''اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنی قلمیں پھینک رہے تھے (یہ فیصلہ کرنے کے لئے) کہ کون ان میں سے مریم کی سرپرستی کرے گا اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے''۔ یعنی آپ اس وقت وہاں موجود نہیں تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو اس سے

1۔ مستدرک حاکم، جلد 2 صفحہ 408، کشف الاستار عن زوائد البزار تفسیر سورۃ القصص، جلد 3 صفحہ 64-65

مطلع کر دیا، اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَ لَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ ؕ فَاصْبِرْ ۛ ؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ (ہود:49) ''یہ قصہ غیب کی خبروں سے ہے جنہیں ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے نہ آپ اسے جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم، پس آپ صبر کریں یقیناً نیک انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے''۔ سورت کے آخر میں فرمایا: ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَیْكَ (ہود:100) ''یہ ان بستیوں کی بعض خبریں ہیں جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں''۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَ هُمْ یَمْكُرُوْنَ (یوسف:102) ''یہ (واقعات) غیب کی خبروں سے ہیں جنہیں ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب وہ اس بات پر متفق ہو گئے تھے دراں حالیکہ وہ مکر کر رہے تھے''۔ سورۂ طٰہٰ میں فرمایا: كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ (طٰہٰ:99) ''یوں ہم آپ سے ان لوگوں کی خبریں بیان کرتے ہیں جو پہلے گزر چکے''۔ اور یہاں اول سے لے کر آخر تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ یعنی اے میرے پیارے رسول ﷺ! آپ مغربی پہاڑ کے کنارے موجود نہ تھے جہاں اس درخت سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کا شرف بخشا جو وادی کے کنارے پر مشرقی سمت میں ہے اور نہ ہی آپ اس کے گواہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو اس سے آگاہ کر دیا تا کہ یہ ان امتوں پر آپ کی نبوت کی دلیل بن جائے جن پر طویل عرصہ گزر گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس پیغام کو فراموش کر بیٹھے جو سابقہ انبیاء علیہم السلام لائے تھے۔ پھر فرمایا: وَ مَا كُنْتَ ثَاوِیًا یعنی آپ اہل مدین میں مقیم نہ تھے کہ آپ (حضرت) شعیب علیہ السلام کے حالات بیان کرتے لیکن ہم نے بذریعہ وحی آپ کو ان حالات پر مطلع کر دیا اور لوگوں کی طرف آپ کو رسول بنا کر بھیجا۔ پھر فرمایا: وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ ۔ سنن نسائی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ ندا دی گئی: اے امت محمد ﷺ! تمہارے سوال کرنے سے پہلے میں نے تمہیں عطا کر دیا اور تمہارے دعا کرنے سے پہلے میں نے تمہاری دعا قبول کر لی(1)۔ مقاتل بن حیان اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ طور کے کنارے نہیں تھے جب ہم نے آپ کے امتیوں کو جو اپنے آباؤ اجداد کی پشتوں میں تھے، ندا دی کہ جب آپ ﷺ کو نبی بنا کر مبعوث کیا جائے تو وہ آپ پر ایمان لائیں(2)۔ قتادہ اس آیت کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ آپ طور کی جانب موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو آواز دی اور یہی مفہوم زیادہ موزوں ہے کیونکہ اس سے پہلے یہ بیان ہوا: وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ ۔ اوپر عام ذکر تھا اور یہاں خاص (ندا) ہے جیسا کہ فرمایا: وَ اِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰۤى (الشعراء:10) ''اور یاد کرو جب آپ کے رب نے موسیٰ کو ندا دی''۔ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۚ (النازعات:16) ''جب ان کے رب نے انہیں طویٰ کی مقدس وادی میں پکارا تھا''۔ وَ نَادَیْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَیْمَنِ وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِیًّا (مریم:52) ''اور ہم نے انہیں طور کی دائیں جانب سے ندا دی اور ہم نے راز کی باتیں کرنے کے لئے انہیں قریب کیا''۔ پھر فرمایا: وَ لٰكِنْ رَّحْمَةً...... یعنی آپ نے ان میں سے کسی چیز کا مشاہدہ نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ پر اور بندوں پر اپنی رحمت کرتے ہوئے آپ کی طرف وحی کی اور ان سب واقعات و اخبار سے آپ کو آگاہ کر دیا تا کہ آپ ان لوگوں کو بروقت خبردار کریں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں آیا، ممکن ہے وہ آپ کے پیغام کو سن کر ہدایت قبول کر لیں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے اعمال کے باعث ان پر کوئی مصیبت نازل ہو اور وہ کہنے لگیں: اے ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہ بھیجا، اس لئے ہم نے آپ کو رسول بنا

1۔ سنن نسائی، کتاب و تفسیر، جلد 10 صفحہ 441
2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 419

کر ان کی طرف بھیجا ہے تا کہ ان پر حجت قائم ہو جائے اور ان کے عذر بہانے ختم ہو جائیں اور جب عذاب الٰہی انہیں اپنی لپیٹ میں لے لے تو حجت بازی کرتے ہوئے یہ نہ کہنے لگ جائیں کہ ہمارے پاس تو کوئی پیغمبر آیا ہی نہیں جیسا کہ نزول قرآن کے ذکر کے بعد فرمایا: اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآىِٕفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۔ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ (الانعام:158-157)، رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (النساء:165) "یہ رسول (ہم نے بھیجے) خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تا کہ رسولوں کے (آنے کے) بعد لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر نہ رہے"۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ (المائدۃ:19) "اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے، صاف بیان کرتا ہے تمہارے لئے (احکام الٰہی) بعد اس کے کہ رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا تھا تا کہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس نہ کوئی خوشخبری دینے والا آیا تھا اور نہ کوئی ڈرانے والا۔ اب تو تمہارے پاس بشیر اور نذیر آ گیا ہے"۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ۭ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۣ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ۝ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ۭ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ۧ وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ۭ

"پھر جب آ گیا ان کے پاس حق ہماری جناب سے تو وہ کہنے لگے کیوں نہ دیئے گئے انہیں اس قسم کے معجزے جو موسیٰ کو دیئے گئے تھے۔ (ان نابکاروں سے پوچھو) کیا انہوں نے انکار نہیں کیا تھا ان معجزات کا جو موسیٰ کو دیئے گئے تھے۔ انہیں نے کہا (موسیٰ وہارون علیہما السلام) دو جادوگر ہیں، جو ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں نیز انہوں نے کہا تھا ہم ان تمام کا انکار کرتے ہیں۔ آپ فرمائیے تم لے آؤ کوئی کتاب اللہ کے پاس سے جو زیادہ ہدایت بخش ہو ان دونوں (قرآن وتورات) سے تو میں اس کی پیروی کروں گا اگر تم سچے ہوئے۔ پس اگر وہ قبول نہ کریں آپ کے اس ارشاد کو تو جان لو کہ وہ صرف اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور کون زیادہ گمراہ ہے اس سے جو پیروی کرتا ہے اپنی خواہش کی اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی رہنمائی کے بغیر۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں کو اور ہم مسلسل بھیجتے رہے ان کی طرف اپنا کلام تا کہ وہ نصیحت قبول کریں"۔

فرمایا جا رہا ہے کہ اگر لوگوں کو اتمام حجت سے پہلے عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا تو وہ یہ عذر پیش کر سکتے تھے کہ ہمارے پاس تو کوئی رسول نہیں آیا۔ جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت محمد ﷺ کی زبانی حق آ گیا تو یہ کفر، عناد، جہالت اور الحاد کے باعث کہنے لگے: لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى یعنی انہیں اس قسم کے معجزات کیوں نہیں دیئے گئے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئے جیسے عصا، ید بیضاء، طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک، خون، اناج اور پھلوں میں کمی جس کی وجہ سے دشمنان خدا تنگی کا شکار ہو گئے، دریا کو چیرنا، بادل کا سایہ کرنا، من وسلویٰ کا اترنا اور ان جیسے دیگر معجزات جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعونیوں اور بنی اسرائیل پر بطور حجت و برہان

عطا فرمائے، اس کے باوجود فرعونی متاثر نہ ہوئے بلکہ کفر کی روش اپنائے رکھی جیسا کہ انہوں نے حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے کہا تھا: اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ (یونس: 78) ''کیا تم اس لئے آئے ہو تاکہ تم ہمیں اس (دین) سے ہٹا دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اور سرزمین (مصر) میں تم دونوں کے لئے بڑائی ہو جائے اور ہم تو تمہیں نہیں ماننے کے''۔ ایک اور مقام پر فرمایا: فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ (المومنون: 48) ''پس انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا، سو وہ برباد ہونے والوں میں شامل ہو گئے'' اس لئے یہاں فرمایا: اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا یعنی ان لوگوں نے ان معجزات کا انکار کیا جو معجزات موسیٰ کو دیئے گئے اور کہنے لگے کہ یہ دونوں بھائی جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کی معاونت کر رہے ہیں۔ مزید کہنے لگے کہ ہم دونوں کا انکار کرنے والے ہیں۔ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے درمیان شدت تلازم، مصاحبت اور تقارب کے باعث دونوں میں سے ایک کا ذکر دوسرے کے ذکر پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ شاعر کے اس شعر میں

فَمَا اَدْرِيْ اِذَا يَمَّمْتُ اَرْضًا اُرِيْدُ الْخَيْرَ اَيُّهُمَا يَلِيْنِيْ

یعنی جب میں کسی جگہ کا قصد کرتا ہوں تو مجھے نہیں معلوم کہ وہاں مجھے نفع حاصل ہوگا یا نقصان۔ یہاں شاعر نے خیر کے ساتھ اگرچہ شر کا ذکر نہیں کیا لیکن اس کی دلالت موجود ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہود نے قریش کو اکسایا کہ وہ حضور علیہ السلام پر اعتراض کرتے ہوئے کہیں لَوْلَآ اُوْتِيَ... اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا ... یہاں آیت کریمہ میں دونوں جادوگروں سے مراد حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام ہیں(1)۔ یہ قول قوی اور عمدہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دونوں جادوگروں سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد علیہ السلام ہیں۔ حسن اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد علیہ السلام ہیں لیکن یہ قول بہت بعید ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تو یہاں ذکر ہی نہیں ہوا۔ یہ معنی اس صورت میں ہے جب قراءت ''سَاحِرَانِ'' ہو لیکن بعض علماء کی قراءت میں ''سِحْرَانِ'' ہے۔ اس صورت میں اس سے مراد قرآن اور تورات ہے جو ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والی ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد تورات اور انجیل ہے(2)۔ ضحاک اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد انجیل اور قرآن ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

''سِحْرَانِ'' کی قراءت پر بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مراد تورات اور قرآن ہے کیونکہ اس کے بعد ارشاد ہے: قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ ..... (الانعام: 92) ''آپ پوچھئے کس نے اتاری تھی وہ کتاب جسے موسیٰ لائے تھے جو (سراسر) نور اور لوگوں کیلئے ہدایت تھی ...''۔ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ ... وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (الانعام: 155-156) ''پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی ... اور یہ مبارک کتاب ہے جسے ہم نے اتارا سو اس کی پیروی کرو اور ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے''۔ جنات نے کہا: اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (الاحقاف: 30) ''ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد اتاری گئی، یہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے''۔ ورقہ بن نوفل نے کہا تھا کہ یہ وہی ناموس ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھیجے گئے تھے۔ اصحاب عقول سلیمہ پر یہ حقیقت واضح ہے کہ آسمانی کتابوں میں سب سے زیادہ کامل، جامع، فصیح، عظیم اور افضل کتاب قرآن کریم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی حضرت محمد علیہ السلام پر نازل فرمایا، اس کے بعد تورات کا مرتبہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتارا، یہی وہ کتاب ہے جس کے متعلق ارشاد ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 84
2۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 85

نُوْرٌ ۚ ۔ ۔ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ (المائدة:44) اور انجیل تو تورات کی تکمیل کرنے والی اور ان بعض چیزوں کو حلال کرنے والی ہے جو بنی اسرائیل پر حرام قرار دی گئی تھیں اس لئے فرمایا: قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ اس کے بعد فرمایا: فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ ۔۔ یعنی اگر یہ آپ کی بات نہ مانیں اور نہ ہی حق کی اتباع کریں تو جان لیں کہ یہ بغیر کسی دلیل و حجت کے محض اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کر رہے ہیں اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کی اتباع کیے جا رہا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ پھر فرمایا: وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ مجاہد اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ان کے سامنے تفصیل سے اپنا کلام بیان کر دیا ہے، سدی کہتے ہیں کہ ہم نے اپنا قول بیان کر دیا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہیں بتا دیں کہ اس نے گزشتہ لوگوں کے ساتھ کیا کیا اور بعد والوں کے ساتھ کیا کرنے والا ہے(1)۔ ''لھم'' کی ضمیر کا مرجع قریش ہیں لیکن رفاعہ کہتے ہیں کہ یہ آیت دس آدمیوں کے متعلق نازل ہوئی جن میں سے ایک میں تھا(2)۔ یہ رفاعہ حضرت صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہا کے ماموں ہیں، یہود کے قبیلہ بنو قریظہ سے ان کا تعلق تھا اور یہ وہی ہیں جنہوں نے تمیمہ بنت وہب کو طلاق دی تھی، پھر بعد میں عبدالرحمٰن بن زبیر بن باطا نے اس سے نکاح کر لیا تھا۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ۝

''جن کو ہم نے عطا فرمائی کتاب (نزول) قرآن سے پہلے وہ اس پر ایمان لائے ہیں۔ اور جب یہ ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اس کے ساتھ بے شک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم اس سے پہلے ہی سر تسلیم خم کر چکے تھے۔ یہ لوگ ہیں جنہیں دیا جائے گا ان کا اجر دو مرتبہ بوجہ ان کے صبر کے اور دور کرتے ہیں نیکی کے ساتھ برائی کو نیز اس مال سے جو ہم نے ان کو دیا ہے خرچ کرتے ہیں۔ اور جب وہ سنتے ہیں کسی بیہودہ بات کو تو منہ پھیر لیتے ہیں اس سے اور کہتے ہیں ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں۔ تم سلامت رہو۔ ہم جاہلوں (سے الجھنے) کے خواہاں نہیں ہیں''۔

اہل کتاب میں سے خدا دوست علماء کی بابت بتایا جا رہا ہے کہ وہ قرآن کریم پر ایمان لاتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ''اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ (البقرة:121) جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں، وہی اس پر ایمان لائے ہیں''۔ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ (آل عمران:199)'' اور بعض اہل کتاب ایسے ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو تمہاری طرف اتارا گیا اور اس پر جو ان کی طرف اتارا گیا، اللہ تعالیٰ کے لئے عاجزی کرنے والے ہیں''۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا (بنی اسرائیل:107-108)'' بے شک وہ لوگ جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا ہے جب ان کے سامنے اسے پڑھا جاتا

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 87-88
2۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 88 معجم کبیر، جلد 5 صفحہ 53

ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارا رب پاک ہے، بے شک ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے"۔ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ... فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ (المائدہ:83-82) سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیات ان ستر علماء نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئیں جنہیں نجاشی نے تحقیق حال کے لئے نبی کریم ﷺ کے پاس بھیجا۔ جب یہ آپ کے پاس آئے تو آپ نے انہیں سورۂ یٰسین سنائی جسے سن کر یہ رونے لگے اور مشرف باسلام ہوگئے۔ انہی کے متعلق یہ آیات اتریں: اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ ... یعنی جن کو ہم نے قرآن سے پہلے کتاب دی وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جب ان پر یہ قرآن پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے۔ ہم تو اس سے پہلے ہی سر تسلیم خم کرتے ہوئے موحد اور مخلص مومن بن گئے تھے، پھر فرمایا: اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ... یعنی وہ لوگ جو پہلی کتاب پر ایمان لانے کے بعد قرآن کریم پر ایمان لائے، انہیں اس وجہ سے دو مرتبہ اجر عطا کیا جائے گا کہ وہ اتباع حق پر ڈٹے رہے اور حق پر ڈٹ جانا کوئی معمولی بات نہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جنہیں دوہرا اجر عطا کیا جاتا ہے: اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لانے کے بعد مجھ پر ایمان لایا، عبد مملوک جو اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرے اور اپنے آقا کا حق بھی اور وہ شخص جس کی کوئی لونڈی ہو، وہ اسے اچھا ادب سکھائے اور پھر اسے آزاد کر کے اس سے شادی کر لے"(1)۔ حضرت قاسم بن ابی امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن میں رسول اللہ ﷺ کی سواری کے بالکل پاس ہی تھا۔ آپ نے نہایت عمدہ باتیں ارشاد فرمائیں جن میں ایک ارشاد یہ بھی تھا: "یہود و نصاریٰ میں سے جو اسلام لے آئے، اس کے لئے دوہرا اجر ہے، اس کے وہی حقوق و فرائض ہوں گے جو ہمارے ہیں"(2)۔ پھر ان نفوس قدسیہ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَيَدْرَءُوْنَ ...... یعنی یہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے حلال رزق سے خرچ کرتے ہیں۔ اپنے اہل و عیال اور عزیز و اقارب پر خرچ کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتے اور زکوٰۃ کے علاوہ صدقہ و خیرات بھی کرتے ہیں اور جب وہ کوئی بیہودہ بات سنتے ہیں تو ایسی مجلس میں شریک نہیں ہوتے بلکہ ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (الفرقان:72) "اور جب وہ کسی لغو چیز کے پاس سے گزرتے ہیں تو بڑے باوقار ہو کر گزر جاتے ہیں"۔ اللہ کے ان بندوں کو جب کسی احمق اور بے وقوف سے واسطہ پڑ جائے اور وہ ان سے ایسی غیر شائستہ گفتگو کرے جو جواب کے لائق نہ ہو تو یہ اس سے الجھتے نہیں، نہ ہی اسے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہیں اور نہ ہی غیر مناسب الفاظ ان کی زبان پر جاری ہوتے ہیں بلکہ یہ شائستہ زبان استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں: لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ..... یعنی ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، تم سلامت رہو، ہم جاہلوں سے الجھنے کے خواہاں نہیں اور نہ ہی ان کا وطیرہ ہمیں پسند ہے۔ محمد بن اسحاق سیرت میں بیان کرتے ہیں کہ حبشہ سے تقریباً بیس نصرانی مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے، انہوں نے آپ سے بات چیت کی اور کچھ سوالات کئے۔ اس وقت قریش کے کچھ لوگ کعبہ شریف کے اردگرد اپنی محفلیں جمائے بیٹھے تھے، عیسائی علماء کا یہ وفد جب بات چیت سے فارغ ہوا اور ان کی تشفی ہوگئی تو آپ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ جب انہوں نے تلاوت قرآن سنی تو ان کا دل پسیج گیا اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، پھر وہ مشرف بہ اسلام ہوگئے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آئے کیونکہ جو

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 35، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 93
2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 259

جو اوصاف انہوں نے اپنی کتاب میں پڑھے تھے، وہ انہوں نے بعینہٖ آپ ﷺ کی ذات میں موجود پائے۔ جب یہ لوگ وہاں سے اٹھے تو ابوجہل اور ان کے ساتھیوں نے ان کا رستہ روک لیا اور انہیں کہنے لگے کہ خدا تمہارے وفد کو نامراد اور ذلیل کرے! تمہاری قوم نے تمہیں اس شخص کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا لیکن تم نے آن واحد میں اپنا دین ترک کر کے اس کی تصدیق بھی کر دی، ہم نے تم سے بڑھ کر احمق اور نادان وفد کبھی نہیں دیکھا۔ اس کے جواب میں وہ نفوس قدسیہ انہیں کہنے لگے کہ تم سلامت رہو، ہم تمہارے مقابلہ میں جاہلانہ روش اختیار کرنا پسند نہیں کرتے۔ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے، ہمیں جس چیز میں اپنے لئے بھلائی دکھائی دی ہے ہم نے بلا تامل اسے قبول کر لیا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ وفد نجران کے عیسائیوں کا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیات ان کے بارے میں نازل ہوئیں۔ امام زہری رحمتہ اللہ علیہ سے ان آیات کا شان نزول پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں تو اپنے علماء سے یہی سنتا آیا ہوں کہ یہ آیات اور سورۂ مائدہ کی یہ آیات ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا - فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ نجاشی اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئیں (1)۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

"بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں، البتہ اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت یافتہ لوگوں کو۔ اور انہوں نے کہا اگر ہم اتباع کریں ہدایت کا آپ کی معیت میں تو ہمیں اچک لیا جائے گا ہمارے ملک سے۔ کیا ہم نے بسا نہیں دیا انہیں حرم میں جو امن والا ہے کھنچے چلے آتے ہیں اس کی طرف ہر قسم کے پھل یہ رزق ہے ہماری طرف سے لیکن ان کی اکثریت کچھ نہیں جانتی"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے اور یہ آپ کی ذمہ داری بھی نہیں بلکہ آپ کے ذمہ صرف تبلیغ ہے اور ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہ اپنی حکمت کے پیش نظر جسے چاہتا ہے، ہدایت سے نواز دیتا ہے جیسا کہ فرمایا: لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (البقرۃ: 272) "انہیں ہدایت دینا آپ کی ذمہ داری نہیں لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے"۔ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ (یوسف: 103) "اور اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں خواہ آپ کتنے ہی خواہاں ہوں"۔ یہ آیت ان تمام سے خاص ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ ہدایت نہیں دے سکتے جسے آپ پسند کریں لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے، ہدایت دے دیتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون گمراہی کا۔ صحیحین میں ہے کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے چچا جناب ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی جو آپ ﷺ کا بہت زیادہ خیال رکھتے، ہر ممکن تعاون کرتے، آپ ﷺ کی طرفداری کرتے اور ٹوٹ کر آپ سے محبت کرتے لیکن یہ محبت طبعی تھی نہ کہ شرعی۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی لیکن تقدیر کا نوشتہ غالب آ گیا موت نے انہیں ہاتھوں سے اچک لیا اور وہ کفر پہ برقرار رہے۔ حضرت مسیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب جناب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ ان کے

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 391-392

پاس تشریف لائے۔ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ وہاں بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”چچا جان! لا الہ الا اللہ کہہ دو، میں اس کلمہ کے سبب اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری سفارش کروں گا“۔ ابوجہل اور عبداللہ نے کہا: اے ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟ رسول اللہ ﷺ مسلسل اپنی دعوت پیش کرتے رہے اور یہ دونوں بھی لگاتار اپنی بات دہراتے رہے۔ آخر کار انہوں نے کہہ دیا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر قائم ہوں اور کلمہ توحید پڑھنے سے انکار کردیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! میں تمہارے لئے اس وقت تک استغفار کرتا ہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہیں کردیا جاتا“۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ (التوبہ:113) ”نبی کے لئے اور ایمان والوں کے لئے درست نہیں ہے کہ وہ مشرکوں کے واسطے مغفرت طلب کریں اگرچہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی ہوں“۔ اور ابوطالب کے متعلق یہ آیت إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ اتری(1)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابوطالب کے انتقال کے وقت ان کے پاس آئے اور فرمایا: ”اے چچا جان! لا الہ الا اللہ کہہ دو، میں اس کی وجہ سے قیامت کے دن تمہاری گواہی دوں گا“۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر مجھے قریش کے اس طعنہ کا خوف نہ ہوتا کہ ابوطالب نے موت کی گھبراہٹ کے سبب اس کلمہ کا اقرار کرلیا تو میں یہ کلمہ پڑھ کر ضرور تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈا کرتا لیکن پھر بھی میں تمہاری خوشی کی خاطر یہ کلمہ پڑھتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی(2)۔ ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔ حضرات ابن عباس، ابن عمر، مجاہد، شعبی اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے کی تلقین کی لیکن انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ میں اپنے بڑوں کے دین پر قائم ہوں۔ ایک مرتبہ قیصر کا قاصد رسول اللہ ﷺ کے نام قیصر کا خط لایا۔ آپ ﷺ نے اسے اپنی گود میں رکھا اور اس سے فرمایا کہ تو کس قبیلے سے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تنوخ قبیلے سے آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ”کیا تم اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف کو اپنانے میں رغبت رکھتے ہو؟“ اس نے جواب دیا کہ سردست تو میں جس قوم کا قاصد ہوں، اسی کے دین پر قائم ہوں۔ جب تک ان کے پاس پیغام کا جواب لے کر واپس نہیں چلا جاتا، میں ان کے دین کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اس پر آپ ﷺ مسکرا دیئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف دیکھ کر اس آیت إِنَّكَ لَا تَهْدِي ..... کی تلاوت کی۔ اس کے بعد فرمایا: وَقَالُوا إِنْ نَتَّبِعِ الْهُدَىٰ ۔ اس آیت میں بعض کفار کے ایمان نہ لانے اور ہدایت کی اتباع نہ کرنے کا عذر لنگ ذکر کیا جارہا ہے، یہ کافر رسول اللہ ﷺ سے کہتے کہ اگر ہم نے آپ کی لائی ہوئی ہدایت کی اتباع کرلی تو ہمیں خطرہ ہے کہ ہمارے اردگرد بسنے والے قبائل عرب ہمارے دشمن بن جائیں گے، ہمیں تکلیفیں پہنچائیں گے اور ہم پر دھاوا بول کر ہمیں نیست و نابود کردیں گے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: أَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا یعنی ان کفار کا یہ بہانہ محض جھوٹ اور باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں امن والے شہر اور عظمت والے حرم میں بسایا ہے جہاں شروع سے لے کر اب تک امن کی حکمرانی رہی ہے، اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ کفر و شرک کی حالت میں تو یہ حرم ان کے لئے باعث امن ہو اور جب یہ اسلام قبول کر کے حق کی اتباع کرلیں تو اس حرم سے ان کے لئے امن ختم ہو جائے۔ پھر فرمایا: يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ..... یعنی طائف وغیرہ سے ہر قسم کے پھل، مال تجارت اور دیگر سامان یہاں بکثرت آتا ہے۔ یہ ہماری طرف سے عطا کردہ رزق ہے لیکن اکثر لوگ بے علم اور نادان ہیں اس لئے وہ ایسے بہانے تراشتے ہیں۔ مروی

1۔ صحیح بخاری، جلد 5 صفحہ 65، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 40

2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 55، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ قصص، جلد 12 صفحہ 63 وغیرہ

ہے کہ یہ عذر لنگ پیش کرنے والا حارث بن عامر بن نوفل تھا(1)۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا ۖ وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ﴿٥٨﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ﴿٥٩﴾

''اور ہم نے کتنے شہر برباد کر دیے جب وہ فخر کرنے لگے اپنی خوشحالی پر۔ پس یہ ہیں ان کے گھر جن میں سکونت نہیں کی گئی ان کے بعد مگر بہت کم عرصہ۔ اور (آخرکار) ہم ہی ان کے وارث بنے۔ اور نہیں ہے آپ کا رب ہلاک کرنے والا بستیوں کو یہاں تک کہ بھیجے ان کے مرکزی شہر میں کوئی رسول جو پڑھ کر سنائے وہاں کے رہنے والوں کو ہماری آیتیں۔ اور نہیں ہیں ہم ہلاک کرنے والے بستیوں کو مگر یہ کہ ان کے بسنے والے ظالم ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اہل مکہ کو سمجھاتے ہوئے فرماتا ہے کہ ہم نے کتنی ہی بستیوں کو برباد کر دیا جن کے مکینوں کو اپنی خوشحالی پر بڑا ناز تھا، وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر اتراتے اور سرکشی کی روش اختیار کرتے ہوئے ناشکری کرتے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّن كُلِّ مَكَانٍ ۔ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظَالِمُونَ (النحل:113-112) اس لئے فرمایا: فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ ۔ یعنی یہ ان کی اجڑی ہوئی بستیاں ہیں جن میں ان کے بعد بہت کم سکونت کی گئی۔ ان کی ہلاکت کے بعد ان کے کھنڈرات میں الو بولنے لگے اور وہاں وحشت نے ڈیرے جمالئے۔ آخرکار ہم ہی ان کے وارث ٹھہرے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت کعب رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے الو سے دریافت کیا: تو اناج کیوں نہیں کھاتا؟ اس نے جواب دیا: اس لئے کہ اس کے سبب آدم علیہ السلام جنت سے نکالے گئے۔ آپ علیہ السلام نے پھر پوچھا کہ تو پانی کیوں نہیں پیتا؟ اس نے جواب دیا: اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کو اس میں غرق کر دیا۔ پھر سوال کیا کہ کیا وجہ ہے تو صرف ویرانے میں ہی رہتا ہے؟ اس نے جواب دیا: کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی میراث ہے۔ پھر حضرت کعب نے وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ پڑھا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے عدل و انصاف کو بیان فرما رہا ہے کہ وہ اتمام حجت سے پہلے کسی قوم کو برباد نہیں کرتا، اس لئے فرمایا: وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ ۔ یہاں ''اُم'' سے مراد مکہ شریف ہے۔ اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ حضور نبی امی ﷺ ام القریٰ (مکہ) سے تمام عرب و عجم کی طرف رسول مبعوث ہوئے جیسا کہ فرمایا: لِتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا (الانعام:93) ''تاکہ آپ مکہ (والوں) کو اور اس کے اردگرد والوں کو ڈرائیں''۔ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (الاعراف:158) ''فرمائیے: اے لوگو! میں تم تمام کی طرف اللہ کا رسول ہوں''۔ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ (الانعام:19) ''تاکہ میں اس سے تمہیں اور اسے ڈراؤں جس تک یہ پہنچے''۔ وَمَن يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ (ہود:17) ''اور جو گروہوں میں سے اس کے ساتھ کفر کرے تو آگ اس کے وعدہ کی جگہ ہے''۔ وَإِن مِّن قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا (بنی اسرائیل:58) ''اور کوئی بستی نہیں ہے مگر ہم روز قیامت سے پہلے اسے برباد کر دیں گے یا اسے سخت عذاب دیں گے''۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا (بنی اسرائیل:17) ''اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم کسی رسول کو نہ بھیجیں''۔ آپ ﷺ کی بعثت عام ہے اور دنیا کی تمام بستیوں کو شامل ہے کیونکہ آپ کو

1۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 5 صفحہ 190

مکہ شریف میں مبعوث کیا گیا جو تمام بستیوں کا اصل اور مرکز ہے۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: "مجھے تمام سرخ و سیاہ کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے"(1)۔ اسی لئے نبوت و رسالت کو آپ پر ختم کر دیا گیا۔ آپ کے بعد نہ کوئی نبی ہے اور نہ کوئی رسول بلکہ آپ کی شریعت قیامت تک باقی رہنے والی ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ "امھا" سے مراد اصل اور بڑا قریہ اور مرکزی شہر ہے(2)۔ یہ قول بعید نہیں۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝

"اور جو چیز دی گئی ہے تمہیں تو یہ سامان ہے دنیوی زندگی کا اور اس کی زیب و زینت ہے۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر اور دیرپا ہے کیا تم اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ (تم خود سوچو) آیا وہ (نیک بخت) جس کے ساتھ ہم نے وعدہ کیا ہے بہت اچھا وعدہ اور وہ اس کے پانے والا بھی ہے۔ اس (بدبخت) کی مانند ہو سکتا ہے جسے ہم نے دنیوی زندگی کا سامان دیا ہے پھر وہ (اس چند روزہ آسائش کے بعد) روز قیامت (مجرموں کے کٹہرے میں) پیش کیا جائے گا"۔

دنیا کی حقارت، بے ثباتی، گھٹیا زیب و زینت، فانی لذت اور ناپائیدار آسودگی کا ذکر ہو رہا ہے اور اس کے مقابلہ میں آخرت کی دائمی، پائیدار اور عظیم نعمتوں کا بیان ہو رہا ہے جیسا کہ دیگر مقامات پر فرمایا: مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (النحل: 96) "جو تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا"۔ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ (آل عمران: 198) "اور جو (ابدی نعمتیں) اللہ کے پاس ہیں وہ نیکوں کے لئے بہت بہتر ہیں"۔ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ (الرعد: 26) "اور آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی نہیں ہے مگر متاع حقیر"۔ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (الاعلیٰ: 17-16) "بلکہ تم دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت اس سے کہیں بہتر اور باقی رہنے والی ہے"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! آخرت کے مقابلے میں دنیا ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈبو کر نکال لے، پھر دیکھ لے کہ انگلی کے ساتھ کس قدر پانی آتا ہے"(3)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ یعنی کیا وہ لوگ عقل نہیں رکھتے جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔ اگلی آیت میں فرمایا: اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا۔ یعنی کیا وہ شخص جسے ایمان کی دولت ارزانی ہوئی ہے اور وہ اپنے نیک اعمال پر ملنے والے یقینی ثواب کے وعدہ کی تصدیق کرنے والا ہے، کیا وہ اس کافر جیسا ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات، اس کے وعدہ اور وعید کو جھٹلانے کے ساتھ ساتھ، اس چند روزہ زندگی کی فانی لذات میں منہمک ہے پھر قیامت کے دن یہ عذاب کے مستحق لوگوں میں سے ہوگا۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ اور ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس آیت کا نزول حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابو جہل کے متعلق ہے(4)۔ بہرصورت یہ آیت عام ہے جیسا کہ فرمان ہے کہ مومن جنت کے درجات سے جھانک کر کافر کو جہنم کی گھاٹیوں میں دیکھ کر کہے گا: وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ (الصافات: 57) "اور اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی (آج) پکڑ کر لائے جانے والوں میں سے ہوتا"۔ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ (الصافات: 158) "حالانکہ جن خود جانتے ہیں کہ انہیں (پکڑ کر) پیش کیا جائے گا"۔

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ آل عمران: 20
2۔ الکشاف، جلد 3 صفحہ 175، زاد المسیر، جلد 6 صفحہ 243
3۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ آل عمران: 185، تفسیر سورۂ رعد: 26
4۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 97

وَ يَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٦٢﴾ قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا ۚ أَغْوَيْنَاهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۖ تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ ۖ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ﴿٦٣﴾ وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَرَأَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ ﴿٦٤﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنْبَاءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿٦٦﴾ فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ﴿٦٧﴾

''اور اس دن اللہ انہیں آواز دے گا تو فرمائے گا کہاں ہیں وہ شریک جنہیں تم (میرا شریک) گمان کیا کرتے تھے۔ کہیں گے وہ لوگ جن پر عذاب کا فرمان ثابت ہو چکا اے ہمارے رب! یہ ہیں وہ جنہیں ہم نے گمراہ کیا۔ ہم نے انہیں بھی گمراہ کیا جیسے ہم خود گمراہ ہوئے۔ ہم (ان سے) بیزار ہو کر تیری طرف متوجہ ہوتے ہیں اور وہ ہماری پوجا نہیں کیا کرتے تھے۔ اور (انہیں) کہا جائے گا (لو) اب پکارو اپنے شریکوں کو تو وہ انہیں پکاریں گے لیکن وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور دیکھ لیں گے عذاب کو۔ کیا اچھا ہوتا اگر وہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ اور اس دن اللہ تعالیٰ آواز دے گا انہیں پھر پوچھے گا تم نے کیا جواب دیا تھا (ہمارے) رسولوں کو۔ تو اندھی ہو جائیں گی ان پر خبریں اس دن۔ پس وہ (مارے دہشت کے) ایک دوسرے سے کچھ پوچھ نہ سکیں گے۔ تو وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے یقیناً وہ کامیاب و کامران لوگوں میں ہوگا''۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مشرکین کو سرزنش کرتے ہوئے آواز دے گا اور فرمائے گا کہ کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جنہیں تم میرا شریک ٹھہراتے تھے اور دنیا میں جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے، کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں یا خود اپنی مدد کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں؟ یہ ارشاد دھمکی اور ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر ہوگا جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ ... وَضَلَّ عَنْكُمْ مَا كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ (الانعام:95) ''اور بے شک تم ہمارے پاس اکیلے اکیلے آئے ہو جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو جو ہم نے تمہیں عطا فرمایا تھا اور ہم تمہارے ساتھ ان سفارشیوں کو نہیں دیکھ رہے جن کے متعلق تم خیال کیا کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں (ہمارے) شریک ہیں۔ بے شک تمہارے سارے رشتے ٹوٹ گئے اور کھو گئے تم سے جو تم دعوے کیا کرتے تھے''۔ پھر فرمایا: قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ ۔ یعنی شیاطین، سرکش لوگ اور کفر کی دعوت دینے والے جن پر عذاب کا فرمان ثابت ہو چکا، وہ کہیں گے: رَبَّنَا هَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا ...... ۔ چنانچہ یہ گواہی دیں گے کہ ہم نے انہیں گمراہ کیا پھر وہ ان کی عبادت سے بیزاری ظاہر کریں گے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ﴿﴾ كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿﴾ (مریم:82-81) ''اور انہوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا لئے ہیں تا کہ وہ ان کے لئے مددگار بنیں ہرگز نہیں! وہ جھوٹے خدا ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور وہ (الٹے) ان کے دشمن ہو جائیں گے''۔ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ... وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ (الاحقاف:6-5)۔ حضرت خلیل علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا (العنکبوت:25) ''تم نے اس دنیوی زندگی میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ

کر بتوں کو باہمی محبت کا ذریعہ بنالیا ہے پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا انکار کرو گے اور ایک دوسرے پر پھٹکار بھیجو گے"۔ایک اور جگہ فرمایا: اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا ۔ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ (البقرۃ:166-17) اس لئے فرمایا: وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ..... یعنی انہیں کہا جائے گا کہ اپنے شرکاء کو بلاؤ تا کہ وہ تمہیں عذاب سے چھٹکارا دلائیں جیسا کہ تم نے دنیا میں ان سے بہت امید وابستہ کر رکھی تھی۔ چنانچہ وہ انہیں پکاریں گے لیکن وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے۔ وہ عذاب کو دیکھ لیں گے اور اب انہیں یقین ہو جائے گا کہ انہیں ہر صورت جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ جب وہ عذاب کا مشاہدہ کر لیں گے تو خواہش کریں گے کہ کاش وہ دنیا میں ہدایت یافتہ ہوتے۔ اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ ۔ وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا (الکھف:53-52)" اور اس روز اللہ تعالیٰ فرمائے گا بلاؤ میرے شریکوں کو جنہیں تم (میرا شریک) خیال کیا کرتے تھے تو وہ انہیں پکاریں گے پس وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور ہم ان کے درمیان ایک آڑ حائل کر دیں گے اور مجرم آگ کو دیکھیں گے اور خیال کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور وہ اس سے نجات کی جگہ نہ پائیں گے"۔ پھر فرمایا: وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ پہلی ندا میں توحید کے متعلق سوال تھا اور یہاں نبوت کے متعلق ان سے باز پرس کرتے ہوئے پوچھا جا رہا ہے کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا اور ان کے ساتھ تمہارا سلوک کیسا تھا؟ یہ ایسے ہے جیسے قبر میں بندے سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا نبی کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ مومن جواب میں گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں لیکن کافر ہائے ہائے کہتا ہوا جواب دیتا ہے کہ مجھے نہیں معلوم۔ اس لئے قیامت کے دن کافر سے کوئی جواب نہیں بن پڑے گا اور لاچار اسے سکوت اختیار کرنا پڑے گا کیونکہ جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا اور گم کردہ راہ ہوگا اس لئے فرمایا: فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ ۔ یعنی دلائل ان سے اوجھل ہو جائیں گے اور نسب ناموں کا کوئی سوال نہ ہوگا(1)۔ اگلی آیت میں فرمایا: فَاَمَّا مَنْ تَابَ ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے "عَسٰى" یقین اور تحقیق پر دلالت کرتا ہے یعنی مومن ضرور بامراد ہوگا۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۗ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٧٠﴾

"اور آپ کا رب پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے (جسے چاہتا ہے) نہیں ہے انہیں کچھ اختیار۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور برتر ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔ اور آپ کا رب خوب جانتا ہے جو چھپائے ہوئے ہیں ان کے سینے اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور وہی اللہ ہے نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ اسی کو زیبا ہے ہر قسم کی تعریف دنیا میں اور آخرت میں۔ اور اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے"۔

بتایا جا رہا ہے کہ ہر قسم کی تخلیق اور ہر قسم کے اختیار کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس میں نہ کوئی اس کا شریک ہے، نہ کوئی اس سے جھگڑنے والا ہے اور نہ ہی کوئی اسے چیلنج کرنے والا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے پسند فرمالیتا ہے اور وہی ہوتا ہے جو وہ چاہے اور جو وہ نہ چاہے، وہ نہیں ہو سکتا۔ اچھے برے تمام امور اس کے دست قدرت میں ہیں اور ان کا مرجع اسی کی ذات ہے۔ پھر فرمایا:

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 99

مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ صحیح قول یہی ہے کہ یہاں "ما" نافیہ ہے، اسی طرح اس آیت میں بھی "ما" نافیہ ہے: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (الاحزاب: 36) "نہ کسی مومن مرد کو یہ حق پہنچتا ہے اور نہ کسی مومن عورت کو کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ فرما دیں تو پھر انہیں اپنے اس معاملہ میں کوئی اختیار رہے"۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہاں ما بمعنی الذی ہے یعنی اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے جس میں ان کے لئے بھلائی ہو۔ اسی معنی کو پیش نظر رکھتے ہوئے معتزلہ نے مراعات اصلح کے وجوب پر استدلال کیا ہے لیکن صحیح بات یہی ہے کہ یہاں "ما" نافیہ ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے کیونکہ یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ تخلیق، تقدیر اور اختیار میں اللہ تعالیٰ کی ذات منفرد ہے اور اس میں اس کا کوئی مثیل نہیں، اس لئے فرمایا: سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ ان بتوں سے پاک اور برتر ہے جنہیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں حالانکہ وہ نہ کچھ پیدا کر سکتے ہیں اور نہ کوئی اختیار رکھتے ہیں۔ پھر فرمایا: وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ یعنی اللہ تعالیٰ کو سینوں میں پوشیدہ راز اور دلوں میں مخفی بھیدوں کا بالکل اسی طرح علم ہے جس طرح کھلی اور ظاہر چیزوں کا جیسا کہ فرمایا: سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ (الرعد: 10) "سب یکساں ہیں تم میں سے وہ بھی جو آہستہ بات کرتا ہے اور جو بلند آواز سے بات کرتا ہے اور وہ بھی جو رات کے وقت چھپا رہتا ہے اور جو دن کے وقت چلتا رہتا ہے"۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یعنی وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو الوہیت میں منفرد اور یکتا ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب، اور وہی ہر چیز کا خالق اور مختار ہے۔ دنیا و آخرت میں ہر قسم کی تعریف صرف اسے ہی زیبا ہے کیونکہ اس کا ہر فعل عدل و حکمت پر مبنی ہے اور حکم بھی اسی کا ہی ہے جسے کوئی ٹالنے والا نہیں کیونکہ غلبہ، حکمت اور رحمت اسے ہی حاصل ہے اور اسی کی طرف تمام کو قیامت کے دن لوٹ کر جانا ہے۔ وہاں وہ ہر ایک کو اس کے اچھے برے اعمال کا بدلہ دے گا اور اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

"آپ فرمائیے بھلا اتنا تو سوچو اگر بنا دے اللہ تعالیٰ تم پر رات ہمیشہ کے لئے قیامت کے دن تک تو کون سا خدا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا جو لا دے تمہیں روشنی۔ کیا تم سن نہیں رہے ہو۔ فرمائیے بھلا اتنا تو سوچو اگر بنا دے اللہ تعالیٰ تم پر دن ہمیشہ کے لئے روز قیامت تک تو کون سا خدا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا جو لا دے تمہیں رات جس میں تم آرام کر سکو کیا تمہیں (کچھ) نظر نہیں آتا؟ اور محض اپنی رحمت سے اس نے بنا دیا ہے تمہارے لئے رات اور دن کو تا کہ تم آرام کرو رات میں اور تلاش کرو (دن میں) اس کے فضل (رزق) سے اور تا کہ تم شکر گزار بنو"۔

اللہ تعالیٰ کا بندوں پر احسان عظیم ہے کہ اس نے بندوں کے لئے دن اور رات کو پیدا کیا جن کا وجود ان کے لئے بہت ضروری ہے۔ اگر قیامت تک ہمیشہ کے لئے رات ہی رہے تو یہ بھی لوگوں کے لئے ضرر، اکتاہٹ اور تکلیف کا باعث ہے اس لئے فرمایا: مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ

اللہ ...یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود ہے جو تمہارے لئے روشنی لائے جس میں تم دیکھ سکو اور اپنے امور کی انجام دہی کر سکو۔ کیا تم سنتے نہیں ہو؟ پھر اس بات کی خبر دی جارہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لئے قیامت تک صرف دن بنا دیتا تو بھی لوگ تکلیف کا شکار ہو جاتے، زندگی کا نظام تلپٹ ہو جاتا، حرکات اور مشاغل کی کثرت کے باعث جسم تھکاوٹ اور درماندگی سے چکنا چور ہو جاتے، اس لئے فرمایا: مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِلَیْلٍ.... یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کون خدا ہے جو تمہارے پاس رات لائے جس میں تم راحت اور سکون حاصل کر سکو، کیا تم دیکھتے نہیں؟ پھر فرمایا: وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ ۔ یعنی اس نے اپنی رحمت سے رات اور دن کو پیدا کیا تاکہ تم رات میں سکون حاصل کرو اور دن میں دوڑ دھوپ کر کے رزق تلاش کرو۔ اس آیت میں لف ونشر مرتب ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تاکہ تم دن رات مختلف قسم کی عبادات کر کے اللہ کا شکر ادا کرو۔ اگر رات کے وقت کوئی چیز فوت ہو جائے تو اس کا تدارک دن کو ممکن ہے اور اگر دن کے وقت کوئی قصور ہو جائے تو اس کی تلافی رات کو ہو سکتی ہے جیسا کہ فرمایا: وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا (الفرقان:62) "اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا اس کے لئے جو یہ چاہتا ہے کہ نصیحت حاصل کرلے یا چاہتا ہے کہ شکر گزار بنے"۔

وَیَوْمَ یُنَادِیْهِمْ فَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَكَآءِیَ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْۤا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾

"اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں آواز دے کر فرمائے گا کہاں ہیں وہ جنہیں تم میرا شریک خیال کرتے تھے۔ اور ہم نکالیں گے ہر امت سے گواہ پھر (ان امتوں کو) ہم کہیں گے لے آؤ اپنی دلیل تو وہ جان لیں گے کہ بے شک حق اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور گم ہو جائیں گے ان سے جو افتراء وہ باندھا کرتے تھے"۔

مشرکین کو دوسری دفعہ سرزنش کرتے ہوئے اور ڈانٹ پلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کہاں ہیں وہ جنہیں تم دنیا میں میرا شریک خیال کیا کرتے تھے۔ پھر فرمایا: وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ... یعنی ہم ہر امت سے ایک گواہ (رسول) لائیں گے اور مشرکین سے کہیں گے کہ اپنے شرک کے دعویٰ کی صحت پر دلیل پیش کرو تو وہ جان لیں گے کہ حق صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس وقت یہ حیران و ششدر رہوں گے، کوئی جواب ان سے نہ بن پڑے گا اور جو افتراء یہ باندھا کرتے تھے، اسے بالکل فراموش کر بیٹھیں گے۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰی فَبَغٰی عَلَیْهِمْ ۪ وَاٰتَیْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ ﴿۷۶﴾ وَابْتَغِ فِیْمَاۤ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْیَا وَاَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۷۷﴾

"بے شک قارون موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم میں سے تھا پھر اس نے سرکشی کی ان پر، اور ہم نے دے دیئے تھے اسے اتنے خزانے کہ ان کی چابیاں (اپنے بوجھ سے) جھکا دیتی تھیں ایک طاقت ور جتھے (کی کمروں) کو۔ جب کہا اسے اس کی قوم نے زیادہ خوش نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا اترانے والوں کو۔ اور طلب کر اس (مال و زر) سے جو دیا ہے تجھے

اللہ تعالیٰ نے آخرت کا گھر اور نہ فراموش کر اپنے حصہ کو دنیا سے اور احسان کیا کر (غریبوں پر) جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان فرمایا ہے اور نہ خواہش کر فتنہ وفساد کی ملک میں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا فساد برپا کرنے والوں کو"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا۔ ابراہیم نخعی، عبداللہ بن حارث بن نوفل، سماک بن حرب، قتادہ، مالک بن دینار اور ابن جریج وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریج نے اس کا نسب یہ لکھا ہے: قارون بن یصہر بن قاہث اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نسب یہ ہے: موسیٰ بن عمران بن قاہث۔ محمد بن اسحاق بن یسار کا خیال ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا تھا لیکن اکثر علماء کا کہنا ہے کہ وہ آپ کے چچا کا لڑکا تھا(1)۔ یہ بہت خوش آواز تھا اور تورات خوش الحانی سے پڑھتا تھا، اس لئے اس کا نام منور پڑ گیا لیکن یہ دشمن خدا سامری کی طرح منافق بن گیا۔ مال و دولت کی فراوانی کے باعث یہ متکبر اور سرکش ہو گیا اور یہی چیز اس کی بربادی کا سبب بنی(2)۔ شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ یہ متکبر قوم پر اپنی امتیازی شان ظاہر کرنے کے لئے مروجہ لباس سے اپنا لباس بالشت بھر زیادہ لمبا بنوایا کرتا تھا۔ فرمایا: وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ ...یعنی ہم نے اسے مال و دولت کے اتنے خزانے عطا فرمائے کہ ان کی چابیاں اٹھانے سے ایک طاقتور جتھے کی کمریں جھک جاتیں۔ خیثمہ کہتے ہیں کہ قارون کے خزانوں میں ہر خزانے کی علیحدہ کنجی تھی جس کی لمبائی انگلی کے برابر تھی اور ساٹھ خچروں پر اس کی چابیاں لادی جاتی تھیں(3)۔ فرمایا: اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ ..... یعنی بنی اسرائیل کے صالح لوگوں نے اسے وعظ ونصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اپنے مال و دولت پر مت اتراؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ اترانے والوں، تکبر کرنے والوں اور ناشکری کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں فراوانی سے جو مال و دولت عطا کر رکھا ہے، اسے اپنے رب کی اطاعت اور اس کا قرب اور ثواب حاصل کرنے کے لئے نیک کاموں میں خرچ کر۔ اس کے ساتھ ساتھ ان دنیاوی نعمتوں سے استفادہ کو فراموش نہ کرنا جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مباح کی ہیں یعنی اچھا کھاؤ، عمدہ لباس پہنو، پرسکون رہائش اختیار کرو اور نکاح سے حظ اٹھاؤ کیونکہ تمہارے رب کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے اہل کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے، چنانچہ ہر حقدار کو اس کا حق دو اور مخلوق خدا پر اسی طرح احسان کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ہے اور زمین پر فساد اور مخلوق کے ساتھ بدسلوکی سے باز رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾

"وہ کہنے لگا مجھے دی گئی ہے یہ (دولت و ثروت) اس علم کی وجہ سے جو میرے پاس ہے۔ کیا اس (مغرور) کو اتنا علم بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر ڈالیں اس سے پہلے قومیں جو اس سے قوت میں کہیں سخت اور دولت جمع کرنے میں کہیں زیادہ تھیں۔ اور نہیں دریافت کئے جائیں گے مجرموں سے ان کے گناہ"۔

بنی اسرائیل کے صالح افراد کی نصیحت اور خیر خواہی کے جواب میں قارون کہنے لگا کہ مجھے تمہارے وعظ وارشاد کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ مال و دولت اس لئے عطا کیا ہے کہ اسے میرے ساتھ محبت ہے اور اسے علم ہے کہ صرف میں ہی اس کی اہلیت اور استحقاق رکھتا ہوں۔ یہ اس فرمان کی طرح ہے: فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 105 2۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 106 3۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 106-107

علیہم (الزمر:49) "پس جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم اسے اپنی جناب سے نعمت عطا فرماتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ مجھے اپنے علم کے باعث دی گئی ہے"۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ (حم السجدۃ:50) "اور اگر ہم اسے اپنی جناب سے رحمت چکھائیں اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچتی ہے تو کہتا ہے کہ میں اسی کا مستحق ہوں"۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ قارون علم کیمیا جانتا تھا لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ علم کیمیا فی الواقع باطل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کے عین کو بدلنے کی قدرت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ (الحج:73) "اے لوگو! ایک مثال بیان کی جارہی ہے پس اسے غور سے سنو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم جن معبودوں کو پکارتے ہو، یہ تو کبھی بھی نہیں پیدا کر سکتے اگرچہ وہ سب اس کام کے لئے جمع ہو جائیں"۔ ایک حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو میری طرح کوئی چیز تخلیق کرنا چاہتا ہے، اگر اس میں قدرت ہے تو اسے چاہئے کہ ایک ذرہ یا ایک جو ہی پیدا کر دے۔(1)" یہ حدیث ان لوگوں کے بارے میں ہے جو تصویریں اتارتے ہیں اور صرف ظاہری شکل وصورت کی نقل کرتے ہیں جب ان کی بے بسی کا یہ عالم ہے تو کسی شخص کے اس دعویٰ کو کیسے درست تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایک چیز کی ماہیت کو دوسری چیز کی ماہیت میں منتقل کر سکتا ہے۔ ایسا دعویٰ کرنا بالکل جھوٹ، محال، جہالت اور گمراہی ہے البتہ کسی چیز پر کوئی رنگ چڑھا کر دھوکہ دہی اور فریب کاری ممکن ہے لیکن کیمیا گری اور ایک دھات کو دوسری دھات سے تبدیل کرنا یہ محض جھوٹ اور ملمع سازی ہے۔ شریعت کی رو سے بھی فن کیمیا گری کی کوئی حقیقت نہیں اور کیمیا گر جاہل، فاسق اور جھوٹے ہیں لیکن ایک بات ملحوظ خاطر رہے کہ بعض اولیاء اللہ کے ہاتھوں بطور کرامت بعض چیزیں سونے، چاندی وغیرہ میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس کا نہ کوئی مسلمان انکار کرتا ہے اور نہ کوئی مومن اسے رد کرتا ہے لیکن اس کا تعلق فن کیمیا گری سے نہیں بلکہ یہ زمین وآسمان کے مالک کی مشیت اور اس کے اختیار کی کرشمہ سازی ہے جیسا کہ مروی ہے کہ ایک مرتبہ کسی سائل نے حضرت حیوۃ بن شریح مصری رحمتہ اللہ علیہ سے سوال کیا۔ اس وقت آپ کے پاس دینے کو کچھ نہ تھا لیکن اس کی ضرورت کے باعث آپ بے قرار تھے۔ چنانچہ آپ نے زمین سے ایک کنکر اٹھایا، کچھ دیر اسے اپنے ہاتھوں میں گھمایا اور پھر اس سائل کو دے دیا تو وہ سونے کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ اس قسم کی احادیث اور آثار بکثرت موجود ہیں لیکن انہیں یہاں بیان کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ قارون اسم اعظم جانتا تھا جس کی برکت سے وہ مالدار بن گیا لیکن صحیح پہلا معنی ہی ہے اس لئے اس کے دعویٰ کا رد کرتے ہوئے فرمایا: اَوَلَمْ يَعْلَمْ ۔۔ یعنی ہم نے اس سے پہلے ایسے لوگوں کو ہلاک کر دیا جو اس سے زیادہ قوی اور مالدار تھے۔ کسی کو قوت اور دولت سے نوازنے کا یہ مطلب نہیں اسے ہماری محبت بھی حاصل ہے۔ پہلے لوگوں کو ان کے کفر اور ناشکری کے باعث برباد کر دیا گیا۔ اس لئے فرمایا: وَلَا يُسْـَٔلُ ۔۔۔ یعنی ان کے اس قدر بکثرت گناہ ہیں کہ ان کے گناہوں کے متعلق سوال بھی نہیں کیا جائے گا۔ قتادہ عَلٰي عِلْمٍ عِنْدِيْ کا معنی بتاتے ہیں: عَلٰي عِلْمٍ عِنْدِيْ یعنی یہ دولت وثروت اس خیر کی وجہ سے مجھے عطا ہوئی ہے جو مجھے حاصل ہے۔ سدی اس کا یہ معنی بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ میں اس کا اہل ہوں۔ عبدالرحمن بن زید نے اس آیت کی بڑی عمدہ تفسیر بیان کی ہے کہ قارون کہتا تھا اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے خوش نہ ہوتا اور اسے میری فضیلت کا علم نہ ہوتا تو وہ مجھے یہ دولت وثروت عطا نہ کرتا۔ کم علم لوگ جب کسی پر رزق اور مال ودولت کی فراوانی دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اگر یہ اس کا مستحق نہ ہوتا تو

1۔ فتح الباری، کتاب اللباس، جلد 10 صفحہ 385، صحیح مسلم، کتاب اللباس، جلد 3 صفحہ 1671 وغیرہ

پیاسے نہ ملتا۔

فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ۝ وَ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۚ وَ لَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝

"الغرض (ایک دن) وہ نکلا اپنی قوم کے سامنے بڑی زیب و زینت کے ساتھ۔ کہنے لگے وہ لوگ جو آرزومند تھے دنیوی زندگی کے اے کاش! ہمیں بھی اسی قسم کا (جاہ و جلال) نصیب ہوتا جیسے دیا گیا ہے قارون کو۔ واقعی وہ تو بڑا خوش نصیب ہے۔ اور کہا ان لوگوں نے جنہیں (دنیا کی بے ثباتی کا) علم دیا گیا تھا حیف ہے تمہاری عقل پر اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کے لئے جو ایمان لے آیا اور نیک عمل کئے۔ اور نہیں مرحمت کی جاتی یہ نعمت بجز صبر کرنے والوں کے"۔

قارون کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ وہ ایک دن پوری طرح آراستہ ہو کر، زرق برق لباس پہنے ہوئے اور عمدہ سواری پر سوار ہو کر اپنے خدام کے جلو میں اتراتا ہوا باہر نکلا۔ اس کے نوکر چاکر بھی خوبصورت لباس زیب تن کئے ہوئے سواریوں پر سوار تھے۔ اس امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ اور جاہ و حشمت کو دیکھ کر ان لوگوں کے منہ میں پانی بھر آیا جو دنیا اور اس کی زیب و زینت کے حریص تھے۔ وہ تمنا کرتے ہوئے کہنے لگے کہ کاش ہمیں بھی یہ جاہ و جلال مل جاتا جو قارون کو دیا گیا ہے۔ یہ تو واقعی بڑا خوش نصیب ہے جسے دنیا کا وافر حصہ میسر آیا ہے۔ جب نفع رساں علم کے حامل لوگوں نے ان کی بات سنی تو کہنے لگے: وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ ۔ یعنی حیف ہے تم پر! اللہ تعالیٰ اپنے صالح اور مومن بندوں کو آخرت میں جو اجر دے گا وہ اس ٹھاٹھ باٹھ سے بہتر ہے جسے تم دیکھ رہے ہو۔ حدیث شریف میں ہے: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیکوکار بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں بلکہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال تک بھی نہیں آیا" (1)۔ اور اگر چاہو تو یہ ارشاد پڑھ لو: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (السجدۃ: 17) "پس کوئی شخص نہیں جانتا جو (نعمتیں) ان کے لئے چھپا رکھی گئی ہیں جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی یہ صلہ ہے ان اعمال کا جو وہ کیا کرتے تھے"۔ پھر فرمایا: وَ لَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ۔ سدی کہتے ہیں کہ "ھا" ضمیر کا مرجع جنت ہے یعنی جنت کو صرف صابر ہی پائیں گے۔ اس صورت میں یہ اہل علم کے کلام کا تتمہ ہوگا۔ ابن جریر نے اس ضمیر کا مرجع اس کلمہ کو بنایا ہے جو پہلے مذکور ہے یعنی یہ بات ان لوگوں کو میسر آتی ہے جو دنیا سے اعراض کر کے آخرت میں رغبت رکھتے ہیں۔ اس صورت میں یہ ان اہل علم واعظین کا کلام نہیں ہوگا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہوگی۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِیْنَ ۝ وَ اَصْبَحَ الَّذِیْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ یَقُوْلُوْنَ وَیْكَاَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ یَقْدِرُ ۚ لَوْ لَاۤ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَیْكَاَنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ سجدۃ، جلد 6 صفحہ 186، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 176

"پس ہم نے غرق کر دیا اسے بھی اور اس کے گھر کو بھی زمین میں۔ تو نہ تھی اس کے حامیوں کی کوئی جماعت جو (اس وقت) اس کی مدد کرتی اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں۔ اور وہ خود بھی اپنا انتقام نہ لے سکا۔ اور صبح کی ان لوگوں نے جو کل تک اس کے مرتبہ کی آرزو کر رہے تھے یہ کہتے ہوئے اوہو! (اب پتہ چلا) کہ اللہ تعالیٰ کشادہ کر دیتا ہے رزق کو جس کے لئے چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لئے چاہتا ہے) اگر اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہمیں بھی زمین میں گاڑ دیتا۔ اوہو! (اب پتہ چلا) کہ کفار بامراد نہیں ہوتے"۔

قارون کی اکڑ فوں، تکبر اور سرکشی کا ذکر کرنے کے بعد اب یہاں اس کے عبرتناک انجام کا بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے گھر سمیت زمین میں غرق کر دیا۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "ایک آدمی اپنا تہبند گھسیٹتے ہوئے تکبر سے جا رہا تھا کہ اسے زمین میں دھنسا دیا گیا۔ وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا" (1)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم سے پہلے ایک شخص دو سبز چادروں میں ملبوس اتراتا ہوا نکلا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین نے اسے نگل لیا، وہ قیامت تک اس میں دھنستا ہی چلا جائے گا" (2)۔ کتاب العجائب میں نوفل بن مساحق بیان کرتے ہیں کہ میں نے نجران کی مسجد میں ایک دراز قد، کامل اور نہایت خوبصورت نوجوان دیکھا۔ میں اسے دیکھے جا رہا تھا اور اس کے جمال وکمال پر تعجب بھی کر رہا تھا۔ اس نے پوچھا کہ تم کیوں اس طرح مجھے دیکھ رہے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ میں تمہارے جمال وکمال پر متعجب ہوں۔ اس نے کہا کہ تمہاری کیا حیثیت ہے، مجھ پر تو اللہ تعالیٰ کو بھی تعجب ہے۔ بس یہ بات کہنے کی دیر تھی کہ اس کی جوانی خزاں کا شکار ہو گئی، اس کا رنگ روپ جاتا رہا اور اس کا قد پست ہونے لگا یہاں تک کہ وہ ایک بالشت کے برابر رہ گیا۔ اس کے ایک قریبی رشتہ دار نے اسے اپنی آستین میں ڈالا اور لے کر چلا گیا۔ مذکور ہے کہ قارون کی ہلاکت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے ہوئی اور اس کے سبب میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ قارون نے ایک فاحشہ عورت کے ساتھ مل کر سازش تیار کی اور اسے رشوت دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ جب حضرت موسیٰ بنی اسرائیل میں کھڑے خطبہ دے رہے ہوں اور کتاب اللہ کی تلاوت کر رہے ہوں تو عین اس وقت وہ آئے اور آپ پر بدکاری کا الزام دھرتے ہوئے کہے کہ آپ نے میرے ساتھ یہ یہ کیا ہے۔ منصوبے کے مطابق جب اس بدکار عورت نے مجمع عام میں آپ پر بہتان باندھا تو آپ علیہ السلام کانپ اٹھے اور اسی وقت دو رکعتیں ادا کرنے کے بعد اس عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ میں تمہیں اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے سمندر کو شق کیا، تمہیں اور تمہاری قوم کو فرعون سے نجات دی اور یہ یہ احسانات فرمائے، مجھے سچ سچ بتا کہ تمہیں اس بہتان تراشی پر کس نے اکسایا ہے؟ عورت کہنے لگی کہ آپ نے مجھے اللہ کی قسم دی ہے اس لئے میں صحیح صورتحال سے آپ کو آگاہ کر دیتی ہوں۔ بات یہ ہے کہ قارون نے رشوت دے کر مجھے اس چیز پر اکسایا تھا لیکن میں اللہ تعالیٰ سے استغفار اور صدق دل سے توبہ کرتی ہوں۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام سجدہ میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ سے قارون کے متعلق درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ میں نے زمین کو حکم دے دیا ہے کہ وہ قارون کے متعلق تمہارے حکم کی تعمیل کرے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ وہ قارون کو اس کے گھر سمیت نگل جائے چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ دوسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ قارون خوب آراستہ و پیراستہ ہو کر اپنے خدام کے جلوس میں اکڑتا ہوا نکلا۔ سب ارغوانی رنگ کی بیش قیمت پوشاکیں پہنے سفید رنگ کے قیمتی خچروں پر سوار تھے۔ اس سج دھج

1۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس، جلد 7 صفحہ 173
2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 40

اور طمطراق سے اس کا قافلہ نکلا۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے مجمع میں وعظ و نصیحت فرما رہے تھے۔ جب اس مجمع کے پاس سے قارون گزرنے لگا تو حاضرین کی نگاہیں اس پر مرکوز ہو گئیں اور وہ اس کے جاہ و حشمت کو دیکھنے میں مشغول ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ اس نمود و نمائش کے اظہار کا مقصد کیا ہے؟ وہ آپ علیہ السلام سے کہنے لگا کہ آپ کو نبوت کی وجہ سے مجھ پر فضیلت حاصل ہے اور مجھے دنیا کے سبب آپ پر فضیلت حاصل ہے۔ اگر آپ کو کوئی شک ہو تو آؤ باہر چل کر ایک دوسرے کے خلاف بددعا کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر اپنی رضامندی ظاہر کر دی۔ باہر جا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ پہلے تم دعا کرو گے یا میں دعا کروں؟ اس نے کہا کہ پہلے میں دعا کرتا ہوں۔ اس نے دعا کی لیکن اسے قبولیت حاصل نہ ہوئی۔ اب حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ میں دعا کروں؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی: اے اللہ! زمین کو حکم دے کہ وہ آج میری اطاعت کرے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ میں نے زمین کو آپ کا مطیع کر دیا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین سے فرمایا کہ قارون اور اس کے ساتھیوں کو پکڑ لے۔ زمین نے تعمیل ارشاد کرتے ہوئے قدموں تک انہیں پکڑ لیا، پھر آپ نے فرمایا کہ ان بدقماشوں کو پکڑ لے تو یہ گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے، پھر آپ کے حکم پر زمین نے انہیں کندھوں تک نگل لیا، پھر آپ نے زمین سے فرمایا کہ ان کے خزانے اور اموال بھی یہاں لے آ۔ اسی وقت ان کے تمام خزانے اور اموال وہاں آ گئے یہاں تک کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کر لیا۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ انہیں ان کے خزانوں سمیت نگل جا۔ اسی وقت یہ سب زمین میں غرق ہو گئے اور زمین پہلے کی طرح برابر ہو گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ساتویں زمین تک انہیں دھنسا دیا گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ہر روز انہیں قد انسان کے برابر دھنسایا جاتا ہے اور یہ قیامت تک اسی طرح نیچے غرق ہوتے چلے جائیں گے۔ اس مقام پر اور بھی عجیب و غریب اسرائیلی روایات ہیں جن سے ہم صرف نظر کرتے ہیں۔ فرمایا: فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ ۔ یعنی مال و دولت کے انبار بھی اس کے کسی کام نہ آئے اور نہ ہی نوکر چاکر اسے اللہ تعالیٰ کے عبرتناک عذاب سے بچا سکے۔ نہ کوئی اس کی مدد کو پہنچا اور نہ یہ خود اپنے بچاؤ کی تدبیر کر سکا۔ اس خوفناک انجام کو دیکھ کر ان لوگوں کی آنکھوں سے بھی غفلت کی پٹی اتر گئی جو قارون کے مال و دولت اور جاہ و جلال کو دیکھتے تھے تو ان کے منہ میں پانی بھر آتا تھا اور وہ تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش ہمیں بھی ایسی دولت اور ایسا مقام نصیب ہو۔ جب انہوں نے اسے زمین میں غرق ہوتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے: وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ ..... یعنی مال و دولت اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ مالدار شخص پر راضی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کبھی فراخ رزق عطا فرماتا ہے اور کبھی رزق میں تنگی کر دیتا ہے، کبھی بلند کرتا ہے اور کبھی پست، اس کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں آتا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہارے درمیان رزق کی تقسیم کی ہے، اسی طرح اس نے تمہارے درمیان اخلاق کو بھی تقسیم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مال اس کو بھی دیتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے اور اسے بھی جس کے ساتھ اسے محبت نہیں ہوتی لیکن ایمان صرف اسے عطا فرماتا ہے جسے وہ پسند فرماتا ہے'' (1)۔ پھر کہنے لگے: لَوْلَاۤ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ ... یعنی اگر ہم پر اللہ تعالیٰ کا لطف و احسان نہ ہوتا تو وہ ہمیں بھی قارون کی طرح زمین میں غرق کر دیتا کیونکہ ہم نے اس جیسا مالدار ہونے کی آرزو کی تھی۔ وہ کافر تھا اور کافر اللہ تعالیٰ کے ہاں بامراد نہیں ہوتے، نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ علمائے نحو کا ''وَيْكَاَنَّ'' کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ''وَيْلَكَ اِعْلَمْ اَنَّ'' کے معنی میں ہے لیکن تخفیف کے بعد ''وَيْكَ'' رہ گیا اور ''اَنَّ'' کا فتحہ

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 387

اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں "اِعْلَمْ" محذوف ہے۔ ابن جریر نے اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے(1) لیکن یہ قول قوی ہے۔ قرآن کریم میں اس کی کتابت کا متصل ہونا اشکال کا باعث بنتا ہے لیکن یہ اس قول کے ضعیف ہونے کی دلیل نہیں کیونکہ کتابت ایک اختراعی اور اصطلاحی امر ہے جس میں اسی کا اعتبار کیا جائے گا جو رواج پا جائے۔ اس سے معنی متاثر نہیں ہوتا۔ بعض نے کہا کہ یہ "اَلَمْ تَرَ اَنَّ" کے معنی میں ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اصل میں وَی کَاَنَّ ہے "وَیْ" تعجب یا تنبیہ کے لئے ہے اور "کَاَنَّ"، "اَظُنُّ" اور "اَحْتَسِبُ" کے معنی میں ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ ان اقوال میں سے سب سے زیادہ قوی قول قتادہ کا ہے کہ یہ "اَلَمْ تَرَ اَنَّ" کے معنی میں ہے۔ اس کی تائید میں انہوں نے عربی شعر بھی پیش کیا ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

"یہ آخرت کا گھر ہم مخصوص کر دیں گے اس (کی نعمتوں) کو ان لوگوں کے لئے جو خواہش نہیں رکھتے زمین میں بڑا بننے کی اور نہ فساد برپا کرنے کی۔ اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ جو کرتا ہے نیکی تو اس کے لئے بہتر صلہ ہے اس کی نیکی سے اور جو ارتکاب کرتا ہے برائی کا تو نہ بدلہ دیا جائے گا انہیں جنہوں نے بدکاریاں کیں مگر اتنا جتنا انہوں نے کیا"۔

بتایا جا رہا ہے کہ دار آخرت کی دائمی اور ناقابل تغیر نعمتیں صرف ان اہل ایمان کو مرحمت ہوں گی جو تواضع اور عاجزی اختیار کرتے ہیں اور نہ لوگوں پر بڑا بنتے ہیں، نہ ان پر ظلم کرتے ہیں اور نہ ہی ان میں فساد برپا کرتے ہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ "علو" کا معنی ہے جبر و ظلم۔ سعید بن جبیر نے اس کا معنی سرکشی بتایا ہے۔ مسلم البطین کہتے ہیں کہ "علو" کا معنی ہے: ناحق تکبر کرنا اور فساد کا معنی ہے ناحق مال چھیننا(2)۔ ابن جریج کا کہنا ہے کہ "علو" کا معنی ہے بڑا اور جابر بننا اور "فساد" کا معنی ہے گناہوں کا ارتکاب کرنا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو یہ بات اچھی لگے کہ اس کی جوتی کا تسمہ ساتھی کے تسمے سے بہتر ہے تو وہ بھی اس آیت میں داخل ہے(3)۔ اس قول سے مقصود یہ ہے کہ اگر وہ فخر و تکبر کرے۔ تکبر مذموم ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "مجھے یہ وحی کی گئی ہے کہ تواضع اختیار کرو یہاں تک کہ کوئی کسی پر نہ فخر کرے اور نہ سرکشی"(4)۔ لیکن اگر صرف زیبائش اور اظہار نعمت مقصود ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے یہ چیز محبوب ہے کہ میری چادر بھی عمدہ ہو اور جوتی بھی اچھی ہو، کیا یہ تکبر کے زمرہ میں آتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں، اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال اسے محبوب ہے"(5)۔ فرمایا: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ ... یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والا اجر و ثواب بندے کی نیکی سے کہیں زیادہ بہتر ہے کیونکہ نیکی کا اجر کئی گناہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ مقام فضل ہے۔ پھر فرمایا: وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (النمل: 90) یہ مقام عدل ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 121 2۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 122 3۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 122
4۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2198-2199، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 274، وغیرہ
5۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 93، عارضۃ الاحوذی، ابواب البر والصلۃ، جلد 8 صفحہ 163-165

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَى مَعَادٍ ۚ قُلْ رَّبِّي أَعْلَمُ مَن جَاءَ بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٨٥﴾ وَمَا كُنتَ تَرْجُو أَن يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ ﴿٨٦﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنزِلَتْ إِلَيْكَ ۖ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٨٧﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۘ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٨﴾

"(اے محبوب!) یقیناً وہ (قادر مطلق) جس نے آپ پر قرآن کی تبلیغ فرض کی ہے آپ کو واپس لے جائے گا جہاں آپ چاہتے ہیں۔ آپ فرمائیے میرا رب خوب جانتا ہے اسے جو آیا ہدایت یافتہ ہو کر اور اسے بھی جو کھلی گمراہی میں ہے۔ اور آپ کو تو یہ امید نہ تھی کہ نازل کی جائے گی آپ کی طرف کتاب مگر یہ محض رحمت ہے آپ کے رب کی (جو آپ کو صاحب قرآن بنا دیا) تو آپ ہرگز کافروں کے مددگار نہ بنیں۔ اور (خیال رہے) وہ ہرگز نہ روکیں آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیات سے اس کے بعد کہ وہ اتاری گئیں آپ کی طرف اور بلائیے (لوگوں کو) اپنے رب کی طرف اور ہرگز نہ ہو جانا شرک کرنے والوں سے۔ اور نہ پکارو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو۔ نہیں ہے کوئی معبود بجز اس کے۔ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے اسی کی حکمرانی ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو تبلیغ رسالت اور لوگوں کو قرآن کریم سنانے کا حکم دینے کے ساتھ یہ خبر دے رہا ہے کہ وہ آپ کو معاد یعنی قیامت کی طرف لوٹائے گا اور نبوت کی ذمہ داریوں کی انجام دہی کے متعلق باز پرس کرے گا جیسا کہ فرمایا: فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ (الاعراف:6) "سو ہم ضرور پوچھیں گے ان سے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور ہم ضرور رسولوں سے پوچھیں گے"۔ يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ (المائدۃ:109) "جس دن اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع کرے گا پھر پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب ملا؟"۔ وَجِيءَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ (الزمر:69) ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے "معاد" سے مراد جنت منقول ہے، ایک دوسری روایت میں آپ سے اس کا معنی موت مروی ہے۔ مجاہد اس سے مراد لیتے ہیں دوبارہ کی زندگی۔ حضرت حسن بصری اس کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دوبارہ زندہ کر کے جنت میں داخل فرمائے گا۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے "معاد" سے مراد مکہ منقول ہے یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو مکہ کی طرف لوٹائیگا(1)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اس سے مراد آپ کی جائے پیدائش مکہ ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے جحفہ کے مقام پر پہنچے تو آپ کے دل میں مکہ کا شدید اشتیاق پیدا ہوا۔ اس وقت یہ آیت اتری جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ وعدہ فرمایا کہ وہ آپ کو مکہ واپس لوٹائے گا۔ اس قول کا تقاضا ہے کہ یہ آیت مدنی ہو حالانکہ پوری سورت مکی ہے۔ نعیم القاری کا کہنا ہے کہ "معاد" سے مراد بیت المقدس ہے۔ یہ قول بھی اس قول کی طرح راجع ہے جس میں معاد سے مراد قیامت کا دن لیا گیا ہے کیونکہ بیت المقدس ارض محشر ہے۔ ان تمام اقوال میں تطبیق کی یہ صورت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کبھی تو اس سے مراد لیا ہے مکہ کی طرف لوٹنا۔ یہ بات فتح مکہ کے

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ قصص، جلد 6 صفحہ 142

دن پوری ہوئی اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک نبی کریم ﷺ کے وصال کے قرب کی نشانی ہے جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے سورہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ کی تفسیر میں اس چیز کی نشاندہی کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر اپنی موافقت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں بھی اس کی وہی تفسیر جانتا ہوں جو تم جانتے ہو، اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کبھی "معاد" سے مراد موت لیتے ہیں، کبھی قیامت کا دن جو کہ موت کے بعد ہے اور کبھی جنت جو آپ کا ٹھکانہ اور تبلیغ کا صلہ ہے کیونکہ آپ نے بڑی دلسوزی اور جانفشانی کے ساتھ جن وانس کو تبلیغ کی اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ ﷺ مخلوق خدا میں سب سے زیادہ کامل، فصیح اور افضل ہیں۔ پھر فرمایا: قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ ..... یعنی آپ مخالفت اور تکذیب کرنے والے مشرکین اور کفر وشرک میں ان کی اتباع کرنے والوں سے کہہ دیں کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ ہم میں سے کون ہدایت یافتہ ہے اور کون گمراہ ہے اور عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اچھا انجام کس کا ہوتا ہے اور کس کو دنیا و آخرت میں فتح ونصرت سے نوازا جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ پر اور بندوں پر اپنی نعمت کبریٰ یاد دلا رہا ہے کہ اس نے آپ ﷺ کو رسول بنا کر لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا، فرمایا: وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا یعنی نزول وحی سے پہلے آپ کو یہ امید نہ تھی کہ آپ پر وحی نازل ہوگی لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی آپ پر اور آپ کے طفیل بندوں پر خصوصی رحمت ہے کہ اس نے آپ کو منصب نبوت کے لئے چن لیا اور آپ پر وحی نازل کی۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ عظیم انعام عطا فرمایا ہے تو آپ کافروں کے مددگار نہ بنیں بلکہ ان کی مخالفت کریں اور ان سے الگ تھلگ رہیں۔ اس کے بعد فرمایا: وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ..... یعنی آپ اس چیز کو خاطر میں نہ لائیں کہ کافر آپ کی مخالفت کرتے ہیں اور نہ اس بات کی پرواہ کریں کہ وہ لوگوں کو راہ حق سے برگشتہ کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کے کلمہ کو بلند کرنے والا، آپ کے دین کی تائید کرنے والا اور آپ کی رسالت کو غلبہ عطا فرمانے والا ہے، اسی لئے فرمایا: وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ یعنی اپنے وحدہ لاشریک رب کی عبادت کی دعوت دو اور مشرکین کا ساتھ نہ دو۔ پھر فرمایا: وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کے لائق ہے اور الوہیت بھی صرف اس عظیم ذات کو ہی زیبا ہے۔ اس کے بعد اپنے اس فرمان كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ میں بتا دیا کہ وہی حی وقیوم اور ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ تمام مخلوق کو موت آنی ہے لیکن اس کی ذات اس سے منزہ اور برتر ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ (الرحمٰن: 27-26) "جو کچھ زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے اور آپ کے رب کی ذات باقی رہے گی جو بڑی عظمت اور احسان والی ہے"۔ "وجہ" (چہرہ) سے مراد ذات ہے یعنی ذات باری تعالیٰ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سب سے زیادہ سچی بات لبید شاعر کا یہ قول ہے: "اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ" یعنی خبردار! اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے (1)۔ مجاہد اور ثوری کہتے ہیں کہ وجہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا جوئی ہے۔ اس کی دلیل یہ شعر ہے (2)۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ذَنْبًا لَسْتُ مُحْصِيَهٗ رَبَّ الْعِبَادِ اِلَيْهِ الْوَجْهُ وَالْعَمَلُ

یعنی میں اپنے لاتعداد گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا ہوں جو بندوں کا رب ہے، اسی کی خوشنودی مطلوب ہے اور اسی کے لئے ہر عمل ہے۔ یہ قول پہلے قول کے منافی نہیں کیونکہ اس میں یہ خبر دی جا رہی ہے کہ تمام اعمال باطل ہیں بجز ان صالح اعمال کے جو

1۔ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، جلد 5 صفحہ 53۔ صحیح مسلم، کتاب الشعر، جلد 4 صفحہ 1768

2۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 127، معانی القرآن للفراء، جلد 2 صفحہ 314

شریعت کے مطابق ہوں اور ان سے اللہ تعالٰی کی رضا مقصود ہو۔ پہلے قول کا مدعا یہ ہے کہ سب ذاتیں فانی اور زوال پذیر ہیں سوائے اللہ تبارک وتعالٰی کی ذات کے کیونکہ وہی اول ہے اور وہی آخر۔ ہر چیز سے پہلے بھی وہی تھا اور ہر چیز کے بعد بھی وہی ہوگا۔ کتاب التفکر و الاعتبار میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب اپنے دل کو جھنجھوڑنا چاہتے تو کسی ویرانے کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے اور غمزدہ آواز سے اسے مخاطب کر کے دریافت کرتے کہ تمہارے مکین کہاں ہیں؟ پھر خود ہی جواب میں پڑھتے: كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ آیت کے آخر میں فرمایا: لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ یعنی اسی کی حکمرانی اور بادشاہی ہے، اسے ہی ہر چیز میں تصرف کرنے کا اختیار حاصل ہے اور اس کے حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا اور قیامت کے دن سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہاں وہ سب کو ان کے اچھے برے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

سورۂ عنکبوت (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝

''الف-لام-میم۔ کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہیں ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا۔ اور بے شک ہم نے آزمایا تھا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے گزرے، پس اللہ تعالیٰ ضرور دیکھے گا انہیں جو (دعوائے ایمان میں) سچے تھے اور ضرور دیکھے گا (ایمان کے) جھوٹے (دعویداروں) کو۔ کیا خیال کر رکھا ہے انہوں نے جو کر رہے ہیں برے کرتوت کہ وہ ہم سے آگے نکل جائیں گے۔ بڑا غلط فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہیں''۔

حروف مقطعات کی بحث سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ فرمایا: اَحَسِبَ النَّاسُ۔ یہاں استفہام انکاری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ان کے ایمان کے مطابق ضرور آزمائش میں ڈالتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ''سب سے زیادہ سخت آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے، پھر صالحین کی پھر ان سے کم درجہ رکھنے والوں کی اور پھر ان سے کمتر درجہ والوں کی۔ آدمی کو اس کے دین کے مطابق آزمایا جاتا ہے۔ اگر وہ اپنے دین میں سخت ہو تو اس کی آزمائش بھی زیادہ سخت ہوتی ہے''(1)۔ اسی طرح قرآن میں دیگر مقامات پر فرمایا: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ (آل عمران: 142)، اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۔۔۔ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ (البقرۃ: 214)۔ اس لئے یہاں فرمایا: وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ یعنی ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو بھی آزمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہیں اور کون جھوٹے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ پہلے جانتا ہی نہ تھا۔ وہ تو ہر اس بات کو جانتا ہے جو ہو چکی، جو ہو گی اور جو نہیں ہوئی اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اگر وہ چیز ہوتی تو کیسے ہوتی۔ اس پر اہل سنت و جماعت کا اجماع ہے۔ چنانچہ یہاں علم رؤیت (دیکھنے) کے معنی میں ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ وغیرہ نے لِنَعْلَمَ (البقرۃ: 143) کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ ''لِنَرٰی'' کے معنی میں ہے کیونکہ رؤیت کا تعلق موجود کے ساتھ ہے اور علم رؤیت سے عام ہے اس لئے اس کا تعلق موجود اور معدوم دونوں سے ہے۔ پھر فرمایا: اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ یعنی وہ لوگ جو ایمان نہیں لائے، وہ یہ خیال کریں کہ وہ فتنہ اور آزمائش سے بچ جائیں گے۔ انہیں عبرتناک عذاب سے ضرور دوچار کیا جائے گا۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9 صفحہ 343-344۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 172

يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

''جو شخص امید رکھتا ہے اللہ تعالیٰ سے ملنے کی تو (وہ سن لے کہ) اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا وقت ضرور آنے والا ہے۔ اور وہی ہر بات سننے والا ہر چیز کو جاننے والا ہے اور جو شخص کوشش کرتا ہے (حق کو سر بلند کرنے کی) تو وہ اپنے فائدہ کے لئے ہی کوشاں ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ غنی ہے تمام کائنات سے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے تو ہم دور کر دیں گے ان سے ان کی برائیوں (کی نحوست) کو اور ہم انہیں بہت عمدہ بدلہ دیں گے ان (اعمال حسنہ) کا جو وہ کیا کرتے تھے''۔

فرمایا جا رہا ہے کہ جو شخص دار آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقات کی امید رکھتا ہے۔ نیک اعمال کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کا خواہاں ہے، اللہ تعالیٰ اس کی امید بر لائے گا اور اسے اس کے اعمال کا وافر اجر عطا فرمائے گا۔ یہ ہر صورت میں ہو کر رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ دعاؤں کو سننے والا اور کل کائنات کو دیکھنے والا ہے، اس لئے فرمایا: مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ اس کے بعد فرمایا: وَمَنْ جَاهَدَ... یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ (الجاثیہ: 15) یعنی جو شخص نیک عمل کرتا ہے اس کا فائدہ اسے ہی پہنچے گا، اللہ تعالیٰ تو بندوں کے اعمال سے بے نیاز ہے۔ اگر سب لوگ تقویٰ کے اعلیٰ معیار پر فائز ہو جائیں تو بھی وہ اس کی سلطنت میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تلوار چلانا ہی جہاد نہیں بلکہ ہر نیک کام میں کوشش کرنا جہاد ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ وہ تمام مخلوق سے بے نیاز ہونے کے باوجود ان پر لطف و کرم اور احسان فرماتا ہے اور انہیں ان کے اعمال کا بہترین صلہ عطا کرتا ہے۔ چھوٹی سی نیکی کو بھی وہ ضائع نہیں کرتا بلکہ اسے شرف قبول عطا فرماتے ہوئے اس پر دس گناہ سے لے کر سات سو گنا تک اجر عطا کرتا ہے لیکن برائی کی سزا اس کے برابر ہوتی ہے یا وہ اسے معاف کر دیتا ہے جیسا کہ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا (النساء: 40) ''بے شک اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر معمولی سی نیکی ہو تو اسے دگنا کر دیتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا کرتا ہے''۔ اور یہاں فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ...

وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۭ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۭ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ۝

''اور ہم نے حکم دیا انسان کو کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اور اگر وہ یہ کوشش کریں تیرے ساتھ کہ تو شریک بنائے کسی کو میرا جس کے متعلق تجھے کوئی علم نہیں تو (اس بات میں) ان کی اطاعت نہ کر۔ میری طرف ہی تمہیں لوٹنا ہے، پھر میں آگاہ کروں گا تمہیں ان اعمال سے جو تم کیا کرتے تھے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال بھی کئے تو ہم ضرور شامل کر لیں گے انہیں نیکوں (کے زمرہ) میں''۔

توحید کا دامن مضبوطی سے تھام لینے کے حکم کے بعد اب والدین کے ساتھ حسن سلوک کا تاکیدی حکم دیا جا رہا ہے کیونکہ انسان کا وجود والدین کا مرہون منت ہے اور ان کا اس پر بہت بڑا احسان ہے۔ باپ خرچ کرتا ہے اور ماں محبت و شفقت کے ساتھ پرورش کرتی ہے،

اس لئے ایک اور مقام پر فرمایا: وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ... وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا (بنی اسرائیل:23) والدین کے احسان کے مقابلہ میں ان کے ساتھ محبت، رحمت اور حسن سلوک کا تاکیدی حکم دینے کے باوجود شرک میں ان کی اتباع سے منع کرتے ہوئے فرمایا: وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ... یعنی جب تمہارے مشرک والدین تمہیں اپنے دین کی متابعت پر اکسائیں تو ان سے اجتناب کر لینا اور اس معاملہ میں ان کی ہرگز اتباع نہ کرنا۔ یاد رکھو تم سب کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اس وقت میں تمہیں والدین کے ساتھ، حسن سلوک کرنے اور دین اسلام پر کاربند رہنے کی جزا دوں گا اور تمہارا حشر نیک لوگوں کے ساتھ کروں گا، نہ کہ تمہارے مشرک والدین کے ساتھ اگرچہ دنیا میں ان کے ساتھ تمہارا سب سے زیادہ قریبی تعلق تھا کیونکہ قیامت کے دن آدمی کا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے دینی محبت تھی، اس لئے فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ... حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے بارے میں چار آیتیں اتریں۔ وہ اپنا قصہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ (میرے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد) میری ماں نے مجھے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے ساتھ نیکی کرنے کا حکم نہیں دیا؟ اللہ کی قسم! اگر تم نے دین اسلام کو ترک نہ کیا تو میں تادم مرگ بھوک ہڑتال کر لوں گی۔ چنانچہ اس نے یہی کیا یہاں تک کہ لوگ زبردستی اس کا منہ کھول کر غذا ڈالتے تھے۔ اس وقت یہ آیت وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ ... نازل ہوئی(1)۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَاۤ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝

''اور بعض لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اللہ تعالیٰ پر۔ پھر جب ستایا جائے اسے راہ خدا میں تو بنا لیتا ہے لوگوں کی آزمائش کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے برابر۔ اور اگر آ جائے نصرت آپ کے رب کی طرف سے تو وہ کہنے لگتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ تھے۔ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہر اس چیز کو جو لوگوں کے سینوں میں (پنہاں) ہے۔ اور ضرور دیکھ لے گا اللہ تعالیٰ انہیں جو ایمان لائے اور ضرور دیکھ لے گا منافقوں کو''۔

ان منافقوں کا حال بیان ہو رہا ہے جو زبانی ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ایمان ان کے دلوں میں قرار پذیر نہیں ہوا کہ دنیا میں جب بھی ان پر آزمائش کی گھڑی آتی ہے اور کوئی مصیبت انہیں آ گھیرتی ہے تو وہ اسے خدائی عذاب یقین کر کے اسلام سے مرتد ہو جاتے ہیں، اس لئے فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فتنہ سے یہی مراد لیتے ہیں کہ اذیت کے وقت دین سے پھر جانا۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ ... ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝ (الحج:12-11)۔ پھر فرمایا: وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ... یعنی اے میرے پیارے رسول ﷺ! اگر آپ کو اپنے رب کی طرف سے فتح و نصرت اور غنیمت حاصل ہو تو یہ ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے اس بات کی یقین دہانی کرانے لگتے ہیں کہ ہم تمہارے دینی بھائی ہیں جیسا کہ فرمایا: الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْۤا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْۤا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ

1۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، جلد 4 صفحہ 1878۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 77-78

الْمُؤْمِنِيْنَ (النساء:141) " وہ جو تمہارے انجام کار کا انتظار کر رہے ہیں۔ تو اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح ہو جائے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم بھی تمہارے ساتھ ہی نہیں تھے اور اگر کافروں کیلئے کچھ (کامیابی) ہو تو کہتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہیں آئے تھے اور کیا ہم نے تم کو مومنوں سے نہیں بچایا تھا"۔ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ (المائدۃ:52) " وہ وقت دور نہیں جب اللہ تعالیٰ (تمہیں) مکمل فتح دے دے یا اپنی طرف سے کوئی بات تو پھر ہو جائیں گے اس پر نادم جو انہوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھا تھا"۔ اور یہاں ان کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ یعنی اگر تمہارے رب کی طرف سے فتح و نصرت آ جائے تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اگرچہ یہ منافقین تمہارے لئے اپنی موافقت کا اظہار کرتے ہیں پھر بھی اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں پنہاں باتوں کو خوب جانتا ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَلَيَعْلَمَنَّ یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کو ضرور مصیبت اور راحت سے آزمائے گا تا کہ پہچان ہو جائے کہ ان دونوں حالتوں میں کون اس کی اطاعت کرتا ہے اور کون نفس کا پرستار بنا رہتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ (محمد:31) " اور ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے تا کہ ہم دیکھ لیں تم میں سے جو مصروف جہاد رہتے ہیں اور جو صبر کرتے ہیں اور ہم تمہارے حالات کو پرکھیں گے"۔ غزوۂ احد میں پیش آنے والی آزمائش کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (آل عمران:179) " نہیں ہے (اللہ کی شان) کہ چھوڑے رکھے مومنوں کو اس حال پر جس پر تم اب ہو جب تک الگ الگ نہ کر دے پلید کو پاک سے"۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۡ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

" اور کہا کافروں نے ایمان والوں سے تم چلو ہماری راہ پر اور ہم اٹھا لیں گے تمہارے گناہوں (کے بوجھ) کو۔ اور وہ نہیں اٹھا سکتے ان کے گناہوں سے کچھ بھی۔ وہ بالکل جھوٹ بول رہے ہیں۔ اور وہ ضرور اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور دوسرے کئی بوجھ اپنے (گناہوں کے) بوجھوں کے ساتھ۔ اور ان سے باز پرس ہو گی قیامت کے دن ان (جھوٹوں) کے متعلق جو وہ گھڑا کرتے تھے"۔

کفار قریش اہل ایمان کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے۔ وہ اس کوشش میں انہیں یہ بھی کہتے کہ اپنے دین کو ترک کر کے ہمارے دین کی طرف لوٹ آؤ اور ہماری راہ اپنا لو۔ اگر اس میں کوئی گناہ ہوا تو ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔ ہم تمہارے گناہوں کا بوجھ اٹھا لیں گے۔ کفار کے اس دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ یعنی یہ لوگ اپنی اس بات میں جھوٹے ہیں کہ وہ ان کے گناہوں کا بوجھ خود اٹھائیں گے حالانکہ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا جیسا کہ فرمایا: وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (فاطر:18) " اور اگر پشت پر بوجھ اٹھانے والا (کسی کو) اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے بلائے گا تو اس کے بوجھ سے کوئی چیز نہ اٹھائی جا سکے گی اگرچہ کوئی قریبی رشتہ دار ہو"۔ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۝ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ (المعارج:10-11) " اور کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کا حال نہ پوچھے گا۔ ایک دوسرے کو دکھائی دیں گے"۔ اور یہاں کفر اور گمراہی کی دعوت دینے والوں کے متعلق فرمایا: وَ

لَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ ۔ یعنی یہ قیامت کے دن اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور ان لوگوں کے گناہوں کے بوجھ بھی اٹھائیں گے جنہیں انہوں نے گمراہ کیا جبکہ ان کے گمراہ ہونے والوں کے بوجھوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی جیسا کہ فرمایا: لِيَحْمِلُوٓا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ (النحل: 25) ''تا کہ وہ قیامت کے دن اپنے پورے بوجھ اٹھائیں اور ان لوگوں کے بوجھ بھی جنہیں وہ جہالت سے گمراہ کرتے رہتے ہیں''۔ حدیث صحیح میں ہے: ''جس نے ہدایت کی دعوت دی اس کے لئے قیامت تک اس پر عمل پیرا ہونے والوں جیسا اجر ہوگا اور ان کے اجر میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی اور جس نے گمراہی کی دعوت دی، اس پر قیامت تک گمراہی اختیار کرنے والوں جیسا گناہ ہوگا جبکہ ان گمراہوں کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی'' (1)۔ ایک اور حدیث میں ہے: ''جو بھی جان ناحق قتل کی جاتی ہے تو اس کے خون کا وبال آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے پر بھی پڑتا ہے کیونکہ اسی نے قتل کا طریقہ ایجاد کیا تھا'' (2)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ... یعنی قیامت کے دن ان سے ان کے جھوٹ، افتراپردازی اور بہتان تراشی کے متعلق ضرور باز پرس ہوگی۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حق تبلیغ ادا کردیا، پھر فرمایا: ''ظلم سے بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: مجھے اپنی عزت اور اپنے جلال کی قسم! آج کوئی ظلم مجھ سے نہیں چھوٹ سکتا، پھر ایک منادی ندا دے گا کہ فلاں بن فلاں کہاں ہے؟ وہ شخص آئے گا اور نیکیوں کے پہاڑ اس کے ساتھ ہوں گے۔ لوگ اپنی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھیں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے آکر کھڑا ہو جائے گا۔ پھر منادی ندا دے گا کہ کسی کا اس کے ذمہ کوئی حق ہو یا اس نے کسی پر ظلم کیا ہو تو وہ آئے اور اپنا بدلہ لے لے۔ چنانچہ بہت سے لوگ اپنا اپنا حق وصول کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے حضور اکٹھے ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس بندے کے ذمہ لوگوں کے حقوق دلواؤ۔ فرشتے عرض کریں گے کہ ہم کیسے حقوق دلوائیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس کی نیکیاں لے کر انہیں دے دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا جائے گا یہاں تک کہ ایک نیکی بھی باقی نہیں بچے گی جبکہ حقدار ابھی اور باقی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ انہیں حقوق دلواؤ، فرشتے کہیں گے کہ اب تو اس کے پاس ایک نیکی بھی باقی نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ان حقداروں کے گناہ اس پر لاد دو۔ پھر خوفزدہ ہو کر آپ ﷺ نے اس آیت وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ ... کی تلاوت کی (3)۔ اسی طرح کی ایک اور حدیث میں ہے: ''قیامت کے دن ایک آدمی نیکیوں کے پہاڑ لے کر آئے گا لیکن اس نے کسی پر ظلم کیا ہوگا، کسی کا مال ہڑپ کیا ہوگا اور کسی کی عزت پامال کی ہوگی، یہ سبھی اس کی نیکیاں لے لیں گے۔ جب کوئی نیکی باقی نہیں رہے گی تو ان کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے'' (4)۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''اے معاذ! قیامت کے دن مومن سے اس کی تمام کوششوں کے متعلق باز پرس ہوگی یہاں تک کہ آنکھوں میں سرمہ ڈالنے اور انگلیوں سے مٹی کو ریزہ ریزہ کرنے کے متعلق بھی۔ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن کوئی تجھ سے زیادہ سعادت مند تمہاری نیکیاں لے جائے''۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِۦ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَٰلِمُونَ ﴿١٤﴾ فَأَنجَيْنَٰهُ وَأَصْحَٰبَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَٰهَآ ءَايَةً لِّلْعَٰلَمِينَ ﴿١٥﴾

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 201، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 397 وغیرہ

2۔ صحیح مسلم، کتاب القسامۃ، 1303-1304، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 383 وغیرہ

3۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 454-455

4۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1997

"اور بے شک ہم نے بھیجا نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف تو وہ ٹھہرے رہے ان میں پچاس کم ہزار سال۔ آخر کار آ لیا انہیں طوفان نے اس حال میں کہ وہ ظالم تھے۔ پس ہم نے نجات دے دی نوح (علیہ السلام) کو اور کشتی والوں کو اور ہم نے بنا دیا اس کشتی کو ایک نشانی سارے جہان والوں کے لئے"۔

اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کی طویل اور صبر آزما جدوجہد کی داستان سنا کر اپنے پیارے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کو تسلی دے رہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو سال کا طویل عرصہ اپنی قوم کو دن اور رات، پوشیدہ اور اعلانیہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا لیکن اس کے باوجود وہ اور زیادہ حق سے دور ہوتے گئے، ان کی سرکشی بڑھتی ہی گئی اور ان کی تکذیب میں مزید شدت آتی گئی۔ صرف چند سعادت مند افراد تھے جو ان میں سے ایمان لائے، اس لئے فرمایا: فَلَبِثَ فِيْهِمْ ۔ یعنی اس طویل مدت کی تبلیغ سے بھی وہ متاثر نہ ہوئے، اس لئے اے میرے پیارے رسول ﷺ! آپ ان لوگوں پر رنجیدہ خاطر اور افسردہ نہ ہوں جو آپ کا انکار کرتے ہیں کیونکہ ہدایت اور گمراہی بلکہ ہر امر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جن لوگوں کا جہنمی ہونا طے ہو چکا ہے وہ کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ ان کے پاس ہر قسم کی نشانیاں آ جائیں۔ آپ یقین کر لیں کہ اللہ تعالیٰ عنقریب آپ کو غلبہ عطا فرمائے گا اور آپ کے دشمنوں کو ذلیل اور پست کر دے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چالیس سال کی عمر میں حضرت نوح علیہ السلام کو منصب نبوت پر فائز کیا گیا۔ اس کے بعد ساڑھے نوسو سال آپ اپنی قوم کو تبلیغ کرتے رہے۔ طوفان کے بعد آپ ساٹھ سال زندہ رہے یہاں تک کہ اولاد آدم بکثرت ادھر ادھر پھیل گئی(1)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کی کل عمر ساڑھے نوسو سال تھی۔ تین سو سال تو دعوت وتبلیغ کے بغیر گزرے، تین سو سال آپ نے دعوت وتبلیغ میں گزارے اور پھر طوفان کے بعد ساڑھے تین سو سال زندہ رہے، لیکن یہ قول غریب ہے۔ آیت کے ظاہری الفاظ سے تو اس چیز کی نشاندہی ہی ہوتی ہے کہ آپ نے ساڑھے نوصدیاں تبلیغ کی۔ عون بن ابی شداد کہتے ہیں کہ ساڑھے تین سو سال کی عمر میں آپ کو نبوت ملی۔ اس کے بعد ساڑھے نوسو سال آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے رہے پھر آپ ساڑھے تین سو سال مزید زندہ رہے۔ یہ قول بھی غریب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول درست معلوم ہوتا ہے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا کہ حضرت نوح علیہ السلام کتنی مدت اپنی قوم میں رہے؟ میں نے عرض کی کہ ساڑھے نوسو سال۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس وقت سے آج تک لوگوں کی عمریں، عقلیں اور اخلاق گھٹتے ہی گئے(2)۔ فرمایا: فَاَنْجَيْنٰهُ ۔ حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ سورۂ ہود میں بالتفصیل گزر چکا ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ یعنی ہم نے اس کشتی کو لوگوں کے لئے نشانی بنا دیا، یا تو بعینہ اس کشتی کو جیسا کہ قتادہ کا قول ہے کہ آغاز اسلام تک وہ کشتی جودی پہاڑ پر باقی رہی یا اس کی نوع کو لوگوں کے لئے یادگار بنا دیا کہ کشتیوں کو دیکھ اللہ تعالیٰ کا احسان یاد آ جاتا ہے کہ اس نے کس طرح اپنے بندوں کو طوفان سے نجات دی جیسا کہ فرمایا: وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ... وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ (یٰسین: 41-44)، اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۙ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ (الحاقۃ: 11-12) "جب سیلاب حد سے گزر گیا تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر دیا تا کہ ہم تمہارے لئے اس واقعہ کو یادگار بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اسے محفوظ رکھیں" اور یہاں فرمایا: فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ یہاں شخص سے جنس کی طرف صعود ہے جیسا کہ اس آیت میں: وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ (الملک: 5)

1۔ مستدرک حاکم، کتاب التاریخ، جلد 2 صفحہ 545-546، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 455
2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 455

یعنی ہم نے ستاروں کی نوع کو شیطانوں کو مار بھگانے کا آلہ بنایا کیونکہ جو ستارے شیاطین پر پھینکے جاتے ہیں وہ آسمان کے لئے زینت نہیں اور اس طرح اس آیت میں بھی: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ (المومنون: 13-12) یہاں مٹی سے تخلیق انسان کا ذکر کرنے کے بعد نطفہ کو اس کی اصل قرار دینے کا بیان فرمایا، اس قسم کی اور بھی مثالیں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَجَعَلْنٰهَا میں ھا ضمیر کا مرجع عقوبت بھی ہو سکتا ہے (1)۔

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝

''اور ابراہیم علیہ السلام کو یاد کرو جب آپ نے فرمایا اپنی قوم کو کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس سے ڈرتے رہا کرو۔ یہی بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔ تم تو پوجا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی اور تم گھڑا کرتے ہو نرا جھوٹ۔ بے شک جن کو تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر وہ مالک نہیں تمہارے رزق کے پس طلب کیا کرو اللہ تعالیٰ سے رزق کو اور اس کی عبادت کیا کرو اور اس کا شکر ادا کیا کرو اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور اگر تم جھٹلاتے ہو تو (یہ کوئی نئی بات نہیں) جھٹلایا (اپنے نبیوں کو) ان امتوں نے بھی جو تم سے پہلے تھیں اور رسول پر فرض نہیں بجز اس کے کہ وہ (اللہ کا حکم) صاف طور پر پہنچا دے۔''

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندے، رسول اور خلیل امام الموحدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بیان فرما رہا ہے کہ آپ نے اپنی قوم کو خدائے واحد کی عبادت، اخلاص، تقویٰ، اسی سے طلب رزق اور اسی کا شکر بجالانے کی دعوت دی کیونکہ صرف وہی نعمتیں عطا فرمانے والا ہے اور وہی شکر کے لائق ہے: فرمایا: اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ..... یعنی صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو۔ جب تم ایسا کرو گے تو تمہیں دنیا و آخرت کی ہر خیر حاصل ہو گی اور ہر شر دور ہو جائے گی۔ پھر فرمایا کہ جن بتوں کی تم پرستش کرتے ہو، وہ کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں۔ یہ تو تمہارے خود تراشیدہ ہیں۔ خود ہی تم نے ان کے نام اور اجسام تراش کر انہیں اپنا معبود بنا لیا ہے حالانکہ یہ تمہاری طرح مخلوق ہیں۔ یہ تمہارے رزق کے مالک نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہی رزق طلب کرو۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ میں حصر کا بلیغ انداز ہے جیسا کہ ان آیات میں بھی ہے: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (الفاتحہ: 4)، رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ (التحریم: 11) اس لئے فرمایا کہ صرف اللہ تعالیٰ کے ہاں ہی رزق طلب کرو نہ کہ کسی اور کے ہاں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی کسی چیز کا مالک نہیں۔ پھر فرمایا: وَاعْبُدُوْهُ..... یعنی اس کا رزق کھاؤ، صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے اور وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ اس کے بعد فرمایا: وَاِنْ تُكَذِّبُوْا ..... یعنی اگر تم جھٹلاتے ہو تو یہ کوئی نئی بات نہیں، تم سے پہلے قوموں نے بھی اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی۔ اس کی پاداش میں وہ عبرتناک عذاب سے دوچار ہوئے۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی اسی طرح

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 136

کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ اور رسول کا فریضہ صرف یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو واضح طور پر لوگوں تک پہنچا دے۔ باقی رہا مسئلہ ہدایت اور گمراہی کا تو اس کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے ہدایت سے نواز دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اس لئے تم اپنی فکر کرو اور اہل سعادت کے زمرے میں داخل ہونے کی کوشش کرو۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو تسلی اور دلاسا دے رہا ہے۔ قتادہ کے اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ یہاں سے "فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ" تک کلام بطور جملہ معترضہ ہے لیکن ظاہری الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کلام سے ہے کیونکہ آپ قیامت کے قائم ہونے کی دلیلیں پیش کر رہے ہیں۔ اس کے بعد قوم کا جواب مذکور ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۡ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَاۗىِٕهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ يَىِٕسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾

"کیا انہوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کس طرح آغاز فرماتا ہے اللہ تعالیٰ پیدا کرنے کا پھر وہ (کس طرح) اس کا اعادہ کرتا ہے۔ بلاشبہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے لئے بالکل آسان ہے۔ فرمائیے سیر و سیاحت کرو زمین میں اور غور سے دیکھو کس طرح اس نے خلق کی ابتداء فرمائی پھر اللہ تعالیٰ (اسی طرح) پیدا فرمائے گا دوسری بار۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور رحم فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے۔ اور اسی کی طرف تم پھیرے جاؤ گے۔ اور نہیں ہو تم بے بس کرنے والے (اللہ تعالیٰ کو) زمین میں (بھاگ کر) اور نہ آسمان میں (پناہ لے کر) اور نہیں ہے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست اور کوئی مددگار۔ اور جن لوگوں نے انکار کیا اللہ تعالیٰ کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا، وہ لوگ مایوس ہو گئے ہیں میری رحمت سے اور وہی لوگ ہیں جن کے لئے عذاب الیم ہے"۔

حضرت خلیل علیہ السلام کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ آپ نے لوگوں کے سامنے قیامت اور دوبارہ زندہ کئے جانے کے اثبات میں ابتدائے آفرینش کی دلیل پیش کی۔ پہلے لوگ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں وجود بخشا اور سماعت، بصارت اور دیگر صلاحیتوں سے آراستہ کیا، وہ ذات جس نے آفرینش کا آغاز کیا، وہ اعادہ پر بھی قادر ہے بلکہ دوبارہ زندہ کرنا اس کے لئے بہت ہی آسان اور نہایت سہل ہے۔ دلائل انفس کے ذکر کے بعد آپ علیہ السلام نے لوگوں کی توجہ دلائل آفاق کی طرف مبذول کی۔ آسمان اور اس میں ستارے، زمین اور اس میں میدان، پہاڑ، وادیاں، جنگل، ریگستان، درخت، دریا، سمندر، نہریں، پھل اور کھیتیاں، یہ تمام اشیاء اپنے حدوث اور اس صانع مختار کے وجود کی دلیل ہیں جس کے امر کن (ہو جا) سے ہر چیز وجود میں آ جاتی ہے، اس لئے فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ   اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (الروم: 27) "اور وہی ہے جو تخلیق

کی ابتدا کرتا ہے اور پھر (فنا کرنے کے بعد) اسے دوبارہ زندہ کرے گا اور یہ آسان تر ہے"۔ پھر فرمایا: قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ... اس کے مشابہ یہ آیات بھی ہیں: سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (حم السجدة:53) "ہم انہیں آفاق میں اور ان کے اپنے نفسوں میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ قرآن واقعی حق ہے"۔ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ (الطور:36-35) "کیا وہ بغیر کسی (خالق) کے پیدا ہو گئے یا وہ خود ہی (اپنے) خالق ہیں؟ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے بلکہ وہ یقین سے محروم ہیں"۔ اس کے بعد فرمایا: يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ یعنی اللہ تعالیٰ ہی حاکم اور متصرف ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ کوئی اس کے حکم کو ٹالنے والا نہیں۔ اس کے کسی کام کے متعلق باز پرس نہیں کی جاتی جبکہ وہ لوگوں سے باز پرس کرے گا۔ اسی کے لئے ہر قسم کی تخلیق اور ہر امر ہے۔ اس کا ہر فعل عین عدل ہے اور وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: "اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان والوں اور تمام زمین والوں کو عذاب دے تو بھی وہ ظالم نہیں" (1)۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ یعنی اسے نہ کوئی زمین والا عاجز کر سکتا ہے اور نہ کوئی آسمان والا بلکہ وہ ہر ایک پر غالب ہے۔ ہر چیز اس سے خائف اور اس کی محتاج ہے جبکہ وہ ہر ایک سے بے نیاز ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا اور قیامت کا انکار کیا، انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا اور انہی کے لئے دنیا و آخرت میں المناک عذاب ہے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝

"آپ کی قوم سے کوئی جواب نہ بن آیا بجز اس کے کہ انہوں نے کہا کہ اسے قتل کر ڈالو یا اسے جلا دو، سو بچا لیا اسے اللہ تعالیٰ نے آگ سے۔ بے شک اس واقعہ میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ تم نے بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو باہمی محبت (و پیار) کا ذریعہ اس دنیوی زندگی میں۔ پھر قیامت کے دن تم انکار کرو گے ایک دوسرے کا اور پھٹکار بھیجو گے ایک دوسرے پر اور تمہارا ٹھکانا آتش (جہنم) ہوگا اور نہیں ہوگا تمہارا کوئی مددگار"۔

قوم ابراہیم نے اپنے کفر، تکبر اور شقاوت کے باعث حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہدایت پر مبنی وعظ و ارشاد کے جواب میں کہا: اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ اس کی وجہ یہ تھی کہ قوم کو جب دلیل و حجت کے میدان میں شکست فاش ہوئی تو وہ طاقت کے استعمال پر اتر آئے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ۝ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ (الصافات:98-97) "انہوں نے کہا کہ اس کے لئے وسیع آتش کدہ بناؤ پھر اسے بھڑکتی آگ میں پھینک دو۔ انہوں نے تو آپ کے ساتھ مکر کرنا چاہا لیکن ہم نے انہیں ذلیل کر

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 225، سنن ابن ماجہ، المقدمۃ، جلد 1 صفحہ 29 وغیرہ

دیا''۔ چنانچہ وہ ایک طویل عرصہ لکڑیاں اکٹھی کرتے رہے اور ایک گڑھے میں لکڑیاں رکھ کر اس کے چاروں طرف دیواریں چن دیں اور لکڑیوں کو آگ لگا دی۔ اس طرح ایک بہت بڑی آگ بھڑک اٹھی جس کی پہلے مثال نہیں ملتی، جب اس کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے اور اس کے انگارے خوب چٹخنے لگے تو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باندھ کر منجنیق میں رکھا اور آگ میں ڈال دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آگ کو آپ کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی کا باعث بنا دیا۔ آگ میں کچھ دن گزارنے کے بعد آپ بالکل صحیح وسالم وہاں سے نکل آئے۔ یہ اور اس جیسی دوسری آزمائشوں میں پورا اترنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کا امام بنا دیا۔ آپ نے اپنی ذات رحمٰن کے لئے، جسم آگ کے لئے، بیٹا قربانی کے لئے اور مال مہمانوں کے لئے پیش کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام ادیان کے ماننے والے آپ سے محبت رکھتے ہیں۔ آپ نے اپنی قوم کو بت پرستی پر سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ یعنی تم نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان بتوں کو اس لئے اپنا معبود بنا رکھا ہے تاکہ دنیا میں تمہاری باہمی محبت اور دوستی قائم رہے۔ اس معنی کی صورت میں ''مودۃ'' مفعول لہ ہونے کی بناء پر منصوب ہوگا۔ اگر اسے مرفوع پڑھیں تو معنی یہ ہوگا کہ انہیں معبود بنانے سے تمہارا مقصد یہ ہے کہ صرف دنیا میں تمہیں محبت حاصل ہو جائے لیکن قیامت کے دن معاملہ برعکس ہو جائے گا اور یہ محبت وصداقت بغض اور دشمنی میں بدل جائے گی، تم ایک دوسرے کا انکار کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے جیسا کہ فرمایا: كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا (الاعراف: 38) ''جب بھی کوئی امت داخل ہوگی تو وہ دوسری امت پر لعنت بھیجے گی''۔ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَىِٕذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ (الزخرف: 67) ''گہرے دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے بجز پرہیزگاروں کے''۔ اور یہاں فرمایا: ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ یہاں کافروں کا حال بیان فرمایا کہ ان کا انجام جہنم ہے، نہ کوئی ان کا مددگار ہوگا اور نہ ہی کوئی انہیں عذاب سے بچانے والا ہوگا لیکن اہل ایمان کا حال ان کے برخلاف ہوگا۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمام اگلوں پچھلوں کو قیامت کے دن ایک بڑے میدان میں جمع کرے گا، کون جانتا ہے کہ دونوں سمتوں میں سے کس طرف؟'' حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ پھر ایک منادی عرش تلے سے ندا دے گا کہ اے اہل توحید! تو اہل توحید اپنے سر اٹھائیں گے، پھر ندا ہوگی: اے اہل توحید! پھر تیسری مرتبہ ندا ہوگی: اے اہل توحید! اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف فرما دیا ہے۔ اب لوگ دنیا میں کی گئی زیادتیوں کے بدلہ کا مطالبہ کریں گے تو ندا آئے گی: اے اہل توحید! تم ایک دوسرے کو معاف کر دو، اللہ تعالیٰ تمہیں اجر عطا فرمائے گا''۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝

''تو ایمان لائے ان پر لوط علیہ السلام اور ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا میں ہجرت کرنے والا ہوں اپنے رب کی طرف۔ بے شک وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے۔ اور ہم نے عطا فرمایا آپ کو اسحاق (جیسا فرزند) اور یعقوب (جیسا پوتا) اور ہم نے رکھ دی ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب اور ہم نے دیا ان کو ان (کی جاں نثاری) کا اجر اس دنیا میں۔ اور بلاشبہ وہ آخرت میں صالحین (کے زمرہ) میں ہوں گے''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت پر آپ کی قوم میں سے صرف آپ کے بھتیجے حضرت لوط بن ہاران بن آزر اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا آپ پر ایمان لائے لیکن اس آیت اور اس حدیث میں تطبیق کیسے ہوگی جس میں آتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ظالم بادشاہ کے علاقہ سے گزرے تو اس نے آپ سے پوچھا کہ سارہ سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ میری بہن ہے۔ پھر آپ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور فرمایا کہ میں نے تمہاری بابت بادشاہ سے کہا ہے کہ تم میری بہن ہو۔ اب بادشاہ کے سامنے مجھے مت جھٹلانا اور یہی رشتہ بتلانا کیونکہ اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں اس لئے تم میری دینی بہن ہو۔ اس سے یہ مراد ہو سکتی ہے کہ اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے علاوہ کوئی ایسا جوڑا نہیں جو اسلام پر کاربند ہو۔ آپ علیہ السلام کی قوم میں سے صرف حضرت لوط علیہ السلام آپ پر ایمان لائے اور آپ کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کی پھر آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں ہی رسول بنا کر اہل سدوم کی طرف بھیجا گیا جس کا ذکر گزر بھی چکا ہے اور آگے بھی آئے گا۔ اس ارشاد وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ میں ضمیر کا مرجع حضرت لوط علیہ السلام بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ مرجع اقرب ہے اور ضمیر کا مرجع حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ضحاک کا قول ہے(1)۔ اور اس فرمان فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ میں مکنی عنہ آپ ہی ہیں۔ پھر آپ علیہ السلام کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ آپ نے غلبہ دین کی خاطر ہجرت کو ترجیح دی، اس لئے فرمایا: اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ یعنی عزت و غلبہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے، اس کے رسول کے لئے اور اس پر ایمان لانے والوں کے لئے ہے اور وہ اپنے اقوال، افعال اور تقدیری اور شرعی احکام میں حکیم بھی ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ حضرات ابراہیم و لوط علیہما السلام نے کوفہ کے نواحی علاقہ کوثی سے شام کی طرف ہجرت کی۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''ہجرت کے بعد ہجرت ہوگی، لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت گاہ کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔ اس وقت زمین پر بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جنہیں زمین پھینک دے گی، اللہ تعالیٰ ان سے نفرت کرے گا اور آگ انہیں بندروں اور خنزیروں کے ساتھ لئے پھرے گی، جہاں یہ رات گزاریں گے وہاں یہ بھی ان کے ساتھ رات گزارے گی، جہاں یہ دوپہر گزاریں گے وہاں یہ بھی ان کے ساتھ ہوگی اور یہ لوگوں میں ہر اس کو کھا جائے گی جو ان میں سے گر پڑے گا۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ آگ اسے کھا جائے گی جو ان میں سے پیچھے رہ جائے گا۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں سے کچھ لوگ مشرق کی جانب سے نکلیں گے جو قرآن پڑھیں گے لیکن یہ ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا۔ جب بھی ان کی ایک نسل ختم ہوگی دوسری آ جائے گی یہاں تک کہ بیس سے زیادہ مرتبہ آپ نے اس بات کو دہرایا کہ ایک گروہ کے ختم ہونے پر دوسرا گروہ آ جائے گا حتی کہ ان کے آخری گروہ میں دجال کا خروج ہوگا(2)۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک وقت وہ تھا جب ہم دولت مند شخص کو اپنے مسلمان بھائی پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔ اب وہ زمانہ ہے کہ لوگوں کو درہم اور دینار اپنے مسلمان بھائی سے زیادہ عزیز ہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اگر تم بیلوں کی دموں کے پیچھے لگ گئے، تجارت میں مشغول ہو گئے اور جہاد کو ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ تمہاری گردنوں میں ذلت کے طوق ڈال دے گا جو اس وقت تک تم سے نہیں ہٹائے جائیں گے جب تک تم پہلی حالت کی طرف لوٹ کر توبہ نہ کر لو''۔ اس کے بعد ہجرت والی وہی حدیث بیان کی جو اوپر مذکور ہے۔ ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو بدکاریاں کریں گے، وہ قرآن پڑھیں گے لیکن یہ ان کے حلق سے نیچے

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 143

2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 198-199، 209

نہیں اترے گا۔ ان کے علم کے مقابلہ میں تم اپنے علم کو حقیر جانو گے۔ وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے۔ جب یہ لوگ ظاہر ہوں گے تو انہیں قتل کر دینا، پھر جب دوبارہ رونما ہوں تو انہیں قتل کر دینا، پھر جب وہ سر نکالیں تو انہیں قتل کر دینا۔ وہ شخص خوش نصیب ہے جو انہیں قتل کرے گا اور وہ بھی خوش نصیب ہے جو ان کے ہاتھوں قتل ہوگا۔ جب بھی ان کی کوئی جماعت ظاہر ہوگی اللہ تعالیٰ اسے برباد کر دے گا"۔ آپ ﷺ نے بیس سے زیادہ مرتبہ اس بات کو دہرایا(1)۔ دوسری آیت میں فرمایا: وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا (مریم: 49) یعنی جب آپ علیہ السلام اپنی قوم سے الگ تھلگ اور بیزار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو صالح فرزند اور آپ کی زندگی میں ہی صالح پوتا عطا کر کے اور ان دونوں کو منصب نبوت پر فائز کر کے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا۔ اسی طرح فرمایا: وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً (الانبیاء: 72) "اور ہم نے عطا فرمایا انہیں اسحاق (جیسا فرزند) اور یعقوب (جیسا) پوتا"، جیسا کہ فرمایا: فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ (ہود: 71) یعنی آپ علیہ السلام کی زندگی میں ہی آپ کے فرزند حضرت اسحاق علیہ السلام کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا۔ قرآن کریم اور سنت نبویہ سے ثابت ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کے فرزند ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۔۔۔ اِلٰهًا وَّاحِدًا (البقرۃ: 133)۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "کریم بن کریم بن کریم بن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام" (2)۔ حضرت ابن عباس سے جو مروی ہے کہ حضرات اسحاق علیہ السلام و یعقوب علیہ السلام دونوں حضرات ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے(3)، اس سے مراد یہ ہے کہ پوتا بھی بمنزلہ فرزند کے ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ دونوں آپ علیہ السلام کے صلبی فرزند تھے۔ یہ ایسی بات ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کم درجہ والے شخص پر بھی مخفی نہیں۔ فرمایا: وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل اور لوگوں کا امام بنایا، اس کے ساتھ ساتھ ایک اور بہت بڑا انعام فرمایا کہ آپ کی ذریت میں نبوت اور کتاب رکھ دی۔ آپ علیہ السلام کے بعد ہونے والے تمام پیغمبر آپ کی اولاد سے ہیں۔ بنی اسرائیل کے تمام پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے نبی عربی قریشی ہاشمی خاتم الرسل اور سید اولاد آدم ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت دی جنہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چن لیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں آپ کے سوا کوئی اور نبی نہیں ہوا۔ فرمایا: وَاٰتَيْنٰهُ ۔۔۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں اخروی سعادت کے ساتھ دنیوی سعادت سے بھی نوازا۔ دنیا میں آپ کو فراخ رزق، کشادہ رہائش گاہ، میٹھا چشمہ، نیک صورت اور نیک سیرت بیوی، ثنائے جمیل اور عمدہ ذکر عطا ہوا، ہر ایک آپ سے محبت اور عقیدت رکھتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر طرح سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطاعت کی توفیق ارزانی فرمائی جیسا کہ فرمایا: وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى (النجم: 37) یعنی ابراہیم جو اپنے رب کے تمام احکام بجا لائے اور کامل اطاعت کا مظاہرہ کیا، اس لئے فرمایا: وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ ۔۔۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: "اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔۔۔ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (النحل: 122-120)" "بلاشبہ ابراہیم ایک مرد کامل، اللہ تعالیٰ کے مطیع اور یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھے اور وہ مشرکوں سے نہ تھے۔۔۔ اور وہ آخرت میں نیک لوگوں سے ہوں گے"۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۡ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 84 2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ یوسف، جلد 8 صفحہ 361، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 96 3۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 143

أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ ۙ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنْكَرَ ۖ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٩﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ ﴿٣٠﴾

"اور (ہم نے) لوط کو رسول بنا کر بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تم ایسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو کہ نہیں پہل کی تم سے اس (بے حیائی) کی طرف کسی قوم نے دنیا بھر میں۔ کیا تم بدفعلی کرتے ہو مردوں کے ساتھ اور ڈاکے ڈالتے ہو عام راستوں پر اور اپنی کھلی مجلسوں میں گناہ کرتے ہو۔ تو نہیں تھا کوئی جواب آپ کی قوم کے پاس بجز اس کے کہ انہوں نے کہا اے لوط! لے آؤ ہم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو۔ آپ نے عرض کی میرے مالک! میری مدد فرما ان فسادی لوگوں کے مقابلہ میں"۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو ان کی بدکاری اور مردوں کے ساتھ بدفعلی کرنے جیسے قبیح اعمال پر ٹوکا اور اغلام بازی پر ناپسندیدگی اور نفرت کا اظہار کیا جس کی نظیر پہلے نہ تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے، اس کے رسول کی تکذیب اور مخالفت کرتے۔ عام راستوں پر ڈاکے ڈالتے اور راہ گیروں کو قتل کر کے ان کے اموال چھین لیتے۔ علاوہ ازیں بھری محفل میں وہ فحش گفتگو کرتے اور نازیبا حرکات کا ارتکاب کرتے اور کسی کو ان چیزوں پر تعجب نہ ہوتا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ وہ سرعام لواطت کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ برسرمجلس باآواز بلند ہوا خارج کرتے اور اس پر خوب ہنستے۔ بعض کا کہنا ہے کہ وہ مینڈھے اور مرغ لڑواتے تھے۔ بہرکیف ایسے تمام افعال شنیعہ کا وہ ارتکاب کیا کرتے تھے بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ شریر لوگ تھے۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس فرمان وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنْكَرَ کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ راہ گیروں پر کنکریاں پھینکتے اور ان کا مذاق اڑاتے یہی وہ منکر (گناہ) ہے جس کا وہ ارتکاب کیا کرتے تھے" (1)۔ مجاہد اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ وہ سیٹیاں بجاتے، کبوتر بازی کرتے، غلیل سے کنکریاں پھینکتے، مجلس میں سوال کرتے، سرعام برہنہ ہو جاتے۔ ان کے کفر، استہزاء اور عناد کے باعث ان کا جواب یہ تھا: فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ ۔ اس لئے آخر کار حضرت لوط علیہ السلام نے ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہوئے عرض کی: رَبِّ انْصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ۔

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا إِنَّا مُهْلِكُو أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۖ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ ﴿٣١﴾ قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا ۚ قَالُوا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَنْ فِيهَا ۖ لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٣٢﴾ وَلَمَّا أَنْ جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۖ إِنَّا مُنَجُّوكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا امْرَأَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٣٣﴾ إِنَّا مُنْزِلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا

1۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ عنکبوت، جلد 12 صفحہ 65-66، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 341

يَفْسُقُونَ ۝ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

''اور جب آئے ہمارے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوشخبری لے کر۔ انہوں نے بتایا کہ ہم ہلاک کرنے والے ہیں اس گاؤں کے باشندوں کو۔ بے شک یہاں کے رہنے والے بڑے ظالم تھے۔ آپ نے کہا اس میں تو لوط بھی رہتا ہے۔ فرشتوں نے عرض کی ہم خوب جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں۔ ہم ضرور بچالیں گے اسے اور اس کے گھر والوں کو سوائے اس کی عورت کے۔ وہ پیچھے رہ جانے والوں سے ہے۔ اور جب آئے ہمارے فرشتے لوط (علیہ السلام) کے پاس تو بڑے غمزدہ ہوئے ان کی آمد سے اور دل تنگ ہوئے اور (انہیں پریشان دیکھ کر) فرشتوں نے کہا نہ خوفزدہ ہو اور نہ رنجیدہ خاطر۔ ہم نجات دینے والے ہیں تجھے اور تیرے کنبہ کو سوائے تمہاری بیوی کے۔ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے۔ بے شک ہم اتارنے والے ہیں اس بستی کے باشندوں پر عذاب آسمان سے اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔ اور بے شک ہم نے باقی رہنے دیئے اس بستی کے کچھ واضح آثار ان لوگوں (کی عبرت) کے لئے جو عقلمند ہیں''۔

جب حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد کے لئے فرشتے بھیج دیئے۔ یہ فرشتے مہمانوں کے روپ میں پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو آپ ان کی ضیافت کے لئے کھانا لے آئے لیکن جب آپ نے دیکھا کہ یہ تو کھانے میں دلچسپی ہی نہیں لے رہے تو آپ کو ان پر بڑا تعجب ہوا اور آپ ان سے خوف محسوس کرنے لگے لیکن فرشتوں نے دلجوئی کرتے ہوئے اور تسلی دیتے ہوئے آپ کو بیٹے کی ولادت کی خوشخبری سنائی۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا جو وہاں موجود تھیں، یہ سن کر بہت متعجب ہوئیں جیسا کہ سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں اس کا بیان ہو چکا ہے۔ جب فرشتوں نے اپنا اصلی ارادہ ظاہر کرتے ہوئے بتایا کہ ہمیں قوم لوط کی بربادی کے لئے بھیجا گیا ہے تو آپ نے انہیں اس ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کی شاید وہ قوم لوط کو کچھ مزید مہلت دے دیں اور وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر راہ راست پر آجائیں۔ جب فرشتوں نے بتایا کہ ہم اس بستی کے باشندوں کو ہلاک کرنے والے ہیں تو آپ نے فرمایا: اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا کہ اس بستی میں تو لوط بھی ہیں۔ اس کے جواب میں فرشتے کہنے لگے: نَحْنُ اَعْلَمُ یعنی ہمیں خوب معلوم ہے کہ اس میں کون ہے۔ ہم لوط اور ان کے کنبہ کو ضرور بچالیں گے سوائے ان کی بیوی کے، وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے اور اسے بھی باقی قوم کے ساتھ ہلاک کر دیا جائے گا کیونکہ وہ کفر اور سرکشی میں اپنی قوم کی معاون تھی۔ پھر وہ فرشتے وہاں سے رخصت ہونے کے بعد خوبرو لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ انہیں دیکھتے ہی حضرت لوط علیہ السلام بڑے غمزدہ اور دل تنگ ہوئے۔ آپ بڑی نازک اور مشکل صورتحال سے دوچار ہو گئے۔ اگر انہیں اپنے پاس ٹھہراتے ہیں تو خدشہ ہے کہ قوم کے بدقماش لوگ دندناتے ہوئے آئیں گے اور ان مہمانوں کے ساتھ دست درازی کریں گے اور اگر انہیں اپنے پاس نہیں ٹھہراتے تو یہ قوم کے بدمعاشوں کے ہاتھ چڑھ جائیں گے۔ اس وقت آپ کو کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا کہ کیا کریں۔ آپ کی پریشانی اور قلق کو دیکھ کر فرشتے کہنے لگے: لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۔۔۔ اِنَّا مُنْجُوْكَ ۔۔۔ يَفْسُقُوْنَ۔ حضرت جبریل علیہ السلام ان کی بستیوں کو زمین سے اکھیڑ کر آسمان تک لے گئے اور وہاں سے نیچے پلٹ دیں اور ساتھ ہی ان پر ان کے ناموں کے نشان زدہ پتھر برسائے گئے اور وہ عذاب جسے وہ بعید اور محال سمجھتے تھے، بالکل قریب اور جلد ہی وقوع پذیر ہو گیا۔ ان کا علاقہ گندی اور بدبودار جھیل بن گیا اور یہ بدطینت لوگ قیامت تک نشان عبرت بن گئے۔ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب کے مستحق بھی یہی ہوں گے، اس لئے فرمایا: وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ۝ وَبِالَّيْلِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (الصافات:138-137)'' اور تم ان (کے اجڑے دیاروں) پر صبح کے وقت اور رات کے وقت گزرتے ہو۔ کیا تم نہیں سمجھتے''۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝

''اور (ہم نے بھیجا) مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو۔ آپ نے کہا: اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور امید رکھو پیچھے آنے والے دن کی اور ملک میں فتنہ وفساد برپا نہ کرو۔ پھر انہوں نے آپ کو جھٹلایا تو آ لیا انہیں زلزلہ (کے جھٹکوں) نے پس صبح ہوئی تو وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل گرے پڑے تھے''۔

اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے اور رسول حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر ہو رہا ہے کہ آپ نے اپنی قوم اہل مدین کو خبردار کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں اور قیامت کے عذاب سے خوف کھائیں۔ بعض مفسرین نے وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ کا معنی بتایا ہے کہ یوم آخرت سے ڈریں۔ یہ اس ارشاد کی طرح ہے: لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ (الممتحنۃ:6)'' اس کے لئے جو اللہ اور روز آخرت سے ڈرتا ہے''۔ پھر آپ علیہ السلام نے انہیں زمین میں فساد بپا کرنے اور لوگوں پر زیادتی کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا: وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۔ یہ لوگ ناپ تول میں کمی کیا کرتے تھے، راستے بند کر کے ڈاکے ڈالتے اور کفر کا جرم اس پر مستزاد تھا۔ ان جرائم کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں زلزلے کے شدید جھٹکوں اور ایسی سخت چنگھاڑ سے جس سے ان کے دل اڑنے لگے اور چھتری والے دن کے ایسے عذاب سے دوچار کر دیا جس سے ان کی روحیں پرواز کر نے لگیں۔ اس قصہ کی تفصیلات سورۃ اعراف، سورۃ ہود اور سورۃ شعراء میں گزر چکی ہیں۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۣ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ۝ وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۣ وَلَقَدْ جَاۗءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ۝ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

''اور (ہم نے برباد کیا) عاد اور ثمود کو اور واضح ہیں تمہارے لئے ان کے مکانات۔ اور آراستہ کر دیا تھا ان کے لئے شیطان نے ان کے (برے) عملوں کو اور روک لیا انہیں راہ (راست) سے حالانکہ وہ اچھے بھلے سمجھدار تھے۔ اور (ہم نے ہلاک کر دیا) قارون، فرعون اور ہامان کو اور بلاشبہ تشریف لائے ان کے پاس موسیٰ روشن دلیلوں کے ساتھ پھر بھی وہ غرور و تکبر کرتے رہے زمین میں اور وہ (ہم سے) آگے بڑھ جانے والے نہ تھے۔ پس ہر (سرکش) کو ہم نے پکڑا اس کے گناہ کے باعث۔ پس ان میں سے بعض پر ہم نے برسائے پتھر۔ اور ان میں سے بعض کو آ لیا شدید کڑک نے اور بعض کو ہم نے غرق کر دیا زمین میں۔ اور بعض کو ہم نے (دریا میں) ڈبو دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں کہ وہ ان پر ظلم کرے بلکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم

ڈھاتے رہے تھے"۔

ان قوموں کا ذکر ہو رہا ہے جنہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ اس وجہ سے وہ مختلف قسم کے عذابوں سے دوچار ہو کر برباد ہو گئیں۔ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد احقاف میں آباد تھی جو یمن کے شہر حضر موت کے قریب ہے۔ ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی اور یہ لوگ وادی القریٰ کے قریب حجر کے مقام پر رہتے تھے۔ ان دونوں قوموں کی بستیاں اہل عرب کی گزرگاہ پر واقع تھیں۔ یہ انہیں اچھی طرح پہچانتے تھے اور اکثر ان کے پاس سے گزرتے تھے۔ قارون وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس قدر مال و دولت سے نوازا کہ اس کے خزانوں کی چابیاں اٹھاتے ہوئے ایک جتھے کی کمریں جھک جاتیں۔ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں مصر کا بادشاہ تھا اور ہامان اس کا وزیر اعظم تھا۔ یہ دونوں قبطی کافر تھے۔ فرمایا: فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ یعنی ہر ایک کو وہی سزا دی گئی جو اس کے حال سے مناسبت رکھتی تھی۔ قوم عاد کو ناز تھا کہ ہم سے بڑھ کر کوئی طاقتور نہیں، اس لئے ان پر تند و تیز اور سخت ٹھنڈی ہوا مسلط کر دی گئی جو زمین سے پتھر اڑا اڑا کر ان پر برساتی۔ اس ہوا کی شدت اور تندی کا یہ عالم تھا کہ یہ ان بد قماشوں کو زمین سے اٹھا کر آسمان تک لے جاتی اور پھر اوندھا کر کے انہیں سر کے بل زمین پر پٹخ دیتی جس سے ان کے سر بدن سے الگ ہو جاتے۔ یوں محسوس ہوتا جیسے وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں۔ قوم ثمود پر حجت تمام ہوئی اور ان کی فرمائش پر اونٹنی کا معجزہ رونما ہوا۔ ان کے مطالبہ کے عین مطابق چٹان سے اونٹنی برآمد ہوئی۔ اس کے باوجود وہ حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان نہ لائے بلکہ اپنی سرکشی اور کفر پر ڈٹے رہے۔ حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے ساتھی اہل ایمان کو سنگسار کرنے اور جلاوطن کرنے کی دھمکیاں دینے لگے۔ چنانچہ انہیں ایسی شدید کڑک نے آ گیا جس نے ان کی آوازوں کو خاموش اور حرکات کو جامد کر دیا۔ قارون بھی بڑا سرکش، باغی اور اللہ تعالیٰ کا نافرمان تھا۔ زمین پر اتراتا اور اکڑ اکڑ کر چلتا اور کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا بلکہ وہ اس غلط فہمی کا بھی شکار تھا کہ وہ سب سے افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے محل سمیت زمین میں غرق کر دیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا ہی چلا جائے گا۔ فرعون، اس کے وزیر ہامان اور اس کے لشکروں کو ایک ہی صبح دریا میں ڈبو دیا اور ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا شخص باقی نہ رہا جو ان کا ذکر کرنے والا ہوتا۔ آخر میں فرمایا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ ..... یعنی ان کا جو حشر ہوا، وہ ظلم نہیں تھا بلکہ یہ ان کے اعمال بد کی پوری پوری جزا تھی۔ یہ بیان یہاں بطور لف و نشر کے ہے۔ پہلے جھٹلانے والی قوموں کا ذکر ہوا پھر ان میں سے ہر ایک کے عذاب کا بیان ہوا جس سے اسے ہلاک کیا گیا۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک جس قوم پر پتھر برسائے گئے اس سے مراد قوم لوط ہے اور جسے غرق کیا گیا اس سے مراد قوم نوح ہے لیکن یہ قول درست نہیں کیونکہ اس سند میں انقطاع ہے اور ابن جریج نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اسی سورت میں پہلے ان دونوں قوموں کی ہلاکت کا ذکر ہو چکا ہے۔ پھر بہت سے فاصلے کے بعد یہ بیان ہوا ہے۔ قتادہ کا کہنا ہے کہ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا سے مراد قوم لوط ہے اور وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ سے مراد قوم شعیب ہے(1)۔ لیکن یہ قول بھی بعید ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 149

دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴۲﴾ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَ مَا يَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾

"ان نادانوں کی مثال جنہوں نے بنا لئے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور دوست، مکڑی کی سی ہے اس نے (جالے کا) گھر بنایا۔ اور (تم سب جانتے ہو کہ) تمام گھروں سے کمزور ترین مکڑی کا گھر ہوا کرتا ہے۔ کاش! وہ بھی اس (حقیقت) کو جانتے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جس چیز کو وہ پوجتے ہیں اس کو چھوڑ کر۔ اور وہی سب پر غالب حکمت والا ہے۔ اور یہ مثالیں ہیں ہم بیان کرتے ہیں انہیں لوگوں (کو سمجھانے) کے لئے۔ اور نہیں سمجھتے انہیں مگر اہل علم"۔

ان مشرکین کی مثال بیان ہو رہی ہے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیروں کو اپنا معبود اور دوست بناتے ہیں، ان سے مدد اور رزق کی امید وابستہ کرتے ہیں اور مشکلات میں انہی کا دامن تھامتے ہیں۔ ان کی مثال مکڑی کے کمزور اور ضعیف جالے کی سی ہے۔ بتوں سے امید یں وابستہ کرنے میں ان کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو مکڑی کے جالے میں پناہ لیتا ہے لیکن بے سود۔ اگر انہیں بتوں کی بے بسی کا علم ہوتا تو یہ کبھی بھی انہیں اپنا دوست نہ بناتے۔ مومن کا حال ان کے برعکس ہے۔ اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف لگا رہتا ہے، وہ شریعت کی اتباع کرتے ہوئے نیک کام کرتا ہے اور وہ اسلام کے مضبوط حلقے کو مضبوطی سے تھامے رکھتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ مشرکین کو دھمکی دے رہا ہے کہ وہ ان کے اعمال اور ان کے معبودان باطلہ سے خوب آگاہ ہے، اس لئے وہ انہیں ان کے جرائم کی پوری پوری سزا دے گا۔ پھر فرمایا: وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا... یعنی یہ مثالیں ہیں جنہیں ہم لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں لیکن انہیں سمجھتے وہی ہیں جنہیں علم میں رسوخ، کمال اور تعمق حاصل ہوتا ہے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک ہزار مثالیں سیکھی ہیں (1)۔ یہ آپ رضی اللہ عنہ کے لئے کمال شرف اور فضیلت ہے۔ حضرت عمرو بن مرۃ فرماتے ہیں کہ تلاوت کرتے وقت کتاب اللہ کی جس آیت کا معنی میری سمجھ میں نہ آئے تو مجھے دکھ لگتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ ...

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ اُتْلُ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾

"پیدا فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ بے شک اس میں (اس کی قدرت کی) نشانی ہے ایمان والوں کے لئے۔ آپ تلاوت کیجئے اس کتاب کی جو وحی کی گئی آپ کی طرف اور نماز صحیح صحیح ادا کیجئے۔ بے شک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور گناہ سے۔ اور واقعی اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم کرتے ہو"۔

اللہ تعالیٰ اپنی عظیم قدرت کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے زمین و آسمان کی تخلیق حق کے ساتھ کی ہے، نہ کہ کھیل تماشے کے طور پر عبث اور بے کار۔ پھر لوگوں کو آباد کیا تا کہ قیامت کے دن ہر ایک کو اس کی کوشش کا بدلہ دیا جائے۔ بدکاروں کو عذاب ہوگا اور نیکوکاروں کو عمدہ اجر و ثواب سے نوازا جائے گا۔ فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ یعنی اس میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ تخلیق، تدبیر اور الوہیت

1۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 203

میں منفرد ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کو قرآن کی تلاوت و تبلیغ اور نماز قائم کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے:

اُتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ نماز اگر پابندی سے صحیح صحیح ادا کی جائے تو یہ بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ''جس شخص کو اس کی نماز بے حیائی اور گناہ سے باز نہیں رکھتی، وہ نماز اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دوری کا باعث ہے۔'' حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے اس فرمان اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''جس نمازی کو نماز بے حیائی اور برے کام سے نہ روکے، اس کی کوئی نماز نہیں''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کو اس کی نماز بے حیائی اور گناہ سے باز نہ رکھے وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا چلا جاتا ہے'' (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ جس شخص کی نماز اسے نیکی کا حکم نہ دے اور برائی سے منع نہ کرے تو یہ نماز اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دوری کا سبب بنتی ہے (2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس شخص کی کوئی نماز نہیں جو نماز کی اطاعت نہیں کرتا''۔ نماز کی اطاعت یہ ہے کہ بے حیائی اور گناہ سے احتراز کرنا۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ (ہود: 87) کی تفسیر میں فرمایا کہ بخدا! نماز حکم بھی دیتی ہے اور منع بھی کرتی ہے (2)۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ فلاں شخص بڑی لمبی لمبی نمازیں پڑھتا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز صرف اسے نفع دیتی ہے جو اس کی اطاعت کرے۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''جو شخص نماز پڑھتا ہے لیکن وہ اسے بے حیائی اور گناہ سے نہیں روکتی تو وہ شخص اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا چلا جاتا ہے'' (2)۔ صحیح یہی ہے کہ یہ تمام روایات موقوف ہیں۔ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی کہ فلاں رات کو نماز میں مشغول رہتا ہے اور دن کو چوری کا ارتکاب کرتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی نماز عنقریب اسے اس برائی سے منع کر دے گی (3)۔ نماز بھی ذکر خدا ہی ہے اور یہی سب سے بڑا مقصود ہے اس لئے فرمایا: وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ یعنی یاد خدا بہت بڑی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اقوال و افعال سے واقف ہے۔ حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز میں تین چیزیں ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی نہ ہو تو وہ کوئی نماز نہیں: اخلاص، خوف خدا اور ذکر اللہ۔ اخلاص نیکی کا حکم دیتا ہے، خوف خدا برائی سے منع کرتا ہے اور ذکر اللہ یعنی قرآن کریم حکم بھی دیتا ہے اور منع بھی کرتا ہے (4)۔ حضرت ابن عون انصاری فرماتے ہیں کہ جب تو نماز میں مشغول ہو تو تو نیکی میں ہے اور نماز تجھے بے حیائی اور گناہ سے باز رکھے ہوئے ہے اور اس میں جو تو یاد خدا کر رہا ہے وہ بہت بڑی چیز ہے۔ حماد بن ابی سلیمان اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ جب تو نماز پڑھ رہا ہو تو کم از کم اس وقت نماز ضرور بے حیائی اور گناہ سے بچاتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس فرمان وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ جب بندے اللہ کو یاد کرتے ہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو یاد کرنا بہت بڑی چیز ہے (5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کھانا کھاتے وقت بھی اللہ کو یاد کرو اور سوتے وقت بھی۔ ایک آدمی نے آپ رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ میرے ایک صاحب تو اس کا اور مطلب بیان کرتے ہیں۔ آپ نے دریافت کیا کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ اس آدمی نے جواب دیا کہ وہ اس کی وضاحت میں یہ ارشاد فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ (البقرۃ: 152) پڑھتے ہوئے کہتے ہیں کہ

1۔ معجم کبیر، جلد 11 صفحہ 54، مجمع الزوائد، جلد 2 صفحہ 258
2۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 155
3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، ابواب صلاۃ التطوع، جلد 1 صفحہ 346، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 447
4۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 464
5۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 156، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 466

اللہ تعالیٰ کا ہمیں یاد کرنا ہمارے ذکر سے بڑا ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے۔ بہر صورت یہ دونوں مطلب درست ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ دونوں مروی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اور اللہ تعالیٰ کا بندوں کو یاد کرنا۔ حضرت عبداللہ بن ربیعہ رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھے فرمایا کہ کیا تم اس فرمان وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ کا مطلب جانتے ہو؟ میں نے عرض کی: جی ہاں۔ فرمایا کہ وہ کیا ہے؟ میں نے عرض کی کہ اس سے مراد نماز میں تسبیح، تحمید، تکبیر اور تلاوت قرآن وغیرہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے بڑی عجیب بات کہی ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ امر اور نہی کے وقت اللہ تعالیٰ کا تمہیں یاد کرنا تمہارے ذکر اللہ سے بہتر اور بڑا ہے(1)۔ حضرت ابن مسعود، ابوالدرداء، سلمان فارسی رضی اللہ عنہم اور دیگر حضرات سے بھی یہی مروی ہے اور ابن جریر نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے۔

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

''اور (اے مسلمانو!) بحث مباحثہ نہ کیا کرو اہل کتاب سے مگر شائستہ طریقہ سے مگر وہ جنہوں نے ظلم کیا ان سے اور تم کہو ہم ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا ہماری طرف اور اتارا گیا تھا تمہاری طرف اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہم اس کے سامنے گردن جھکانے والے ہیں''۔

قتادہ اور دیگر متعدد حضرات کا کہنا ہے کہ یہ آیت آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے۔ اب ان کے ساتھ مجادلہ اور بحث مباحثہ باقی نہیں رہا بلکہ اب تو یہی ہے کہ یا تو اسلام قبول کر لیں یا جزیہ ادا کریں یا جنگ کریں لیکن باقی حضرات کا کہنا ہے کہ یہ آیت باقی اور محکم ہے اور اس کا حکم اہل کتاب میں سے اس شخص کے لئے قائم ہے جو دینی امور میں سمجھ بوجھ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ شائستہ انداز سے بحث و تمحیص کر کے اسے سمجھا دینا چاہئے تاکہ وہ اچھی طرح قائل ہو جائے جیسا کہ فرمایا: اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (النحل: 125) ''اور اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت سے دعوت دیں''۔ فرعون کی طرف بھیجتے وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام سے فرمایا: فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (طہ: 44) ''اور اس سے نرم انداز میں گفتگو کریں شاید وہ نصیحت قبول کر لے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے''۔ ابن جریر نے اسی قول کو پسند کیا ہے اور ابن زید سے اسے نقل کیا ہے۔ پھر استثناء کرتے ہوئے فرمایا: اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ یعنی بجز ان کے جو ان میں سے راہ حق سے بھٹک جائیں، واضح حجت کا انکار کر دیں اور عناد و تکبر کی روش اختیار کر لیں تو ان سے بحث مباحثہ بے سود ہے بلکہ ان کے خلاف تو جنگ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ ... اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (الحدید: 25) حضرت جابر فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ کی مخالفت کرنے والوں کے ساتھ ہمیں لڑائی کرنے کا حکم دیا گیا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ سے مراد اہل حرب اور ان کے وہ لوگ ہیں جو جزیہ کی ادائیگی سے انکار کر دیں۔ اس کے بعد فرمایا: وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا یعنی جب وہ تمہیں ایسی چیز کی خبر دیں جس کے صدق و کذب کے متعلق تمہیں کوئی علم نہ ہو تو فوری طور پر نہ اس کی تکذیب کیا کرو کیونکہ ممکن ہے کہ وہ حق ہو اور نہ ہی اس کی بلا تامل تصدیق کر دیا کرو کیونکہ ہوسکتا ہے وہ باطل ہو بلکہ اجمالی طور پر اس شرط کے ساتھ ایمان لاؤ کہ اگر اسے واقعی اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے اور اس میں کسی قسم کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 156

تبدیلی اور تحریف واقع نہیں ہوئی تو ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اہل کتاب عبرانی زبان میں تورات پڑھتے اور مسلمانوں کے سامنے عربی زبان میں اس کا ترجمہ کرتے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب بلکہ یوں کہو: اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا - (1)۔ ایک یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ کیا یہ جنازہ کلام کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ وہ یہودی کہنے لگا کہ میں گواہی دیتا ہوں یہ کلام کرتا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: '' جب اہل کتاب تمہیں کوئی بات بتائیں تو تم نہ اس کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب بلکہ یوں کہو کہ ہم اللہ، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ اس طرح اگر وہ بات حق ہوئی تو تم اس کی تکذیب کے مرتکب نہیں ہو گے اور اگر وہ باطل ہوئی تو تم اس کی تصدیق کرنے والے نہیں ہو گے(2)۔ اہل کتاب کی اکثر باتیں جھوٹ اور بہتان پر مبنی ہیں کیونکہ ان میں ردوبدل، تحریف اور تاویل کا عام رواج تھا اس لئے ان میں صداقت بہت کم ہے۔ بالفرض اگر ان میں سچائی ہو بھی تو ہمیں ان سے نہ کوئی سروکار ہے اور نہ ہی ہمارا کوئی فائدہ ان سے وابستہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب سے کوئی چیز دریافت نہ کرو، چونکہ وہ خود گمراہ ہیں اس لئے وہ تمہاری رہنمائی نہیں کر سکتے لیکن اس سے تمہیں یہ نقصان ہوگا کہ یا تو تم حق کی تکذیب کر بیٹھو گے یا باطل کی تصدیق۔ ہر اہل کتاب کے دل میں اپنے دین کے لئے مال کی حرص جیسا تعصب ہے(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم اہل کتاب سے کسی چیز کے متعلق کیونکر سوال کر سکتے ہو حالانکہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ نئی نئی کتاب موجود ہے جو بالکل خالص ہے اور اس میں باطل کی آمیزش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے متعلق تمہیں صاف صاف بتا دیا ہے کہ انہوں نے کتاب میں ردوبدل اور تحریف کر دی بلکہ اپنے ہاتھوں سے لکھی ہوئی کتاب کو خدا کی کتاب کہنے لگے۔ اس سے ان کا مقصد دنیا کا حصول تھا۔ جو علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں عطا ہوا ہے، اس کے ہوتے ہوئے تمہیں ان سے سوال کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ حالانکہ ان کی یہ کیفیت ہے کہ وہ تم سے اس چیز کے متعلق پوچھنا گوارہ نہیں کرتے جو تمہاری طرف اتاری گئی ہے(4)۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قریش کی ایک جماعت کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ ان اہل کتاب اور ان کے متعلق باتیں کرنے والوں میں سب سے زیادہ سچے کعب الاحبار ہیں۔ اس کے باوجود ان کی باتوں میں کبھی کبھی جھوٹ کی آمیزش ہو جاتی ہے(5)۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ دانستہ جھوٹ بولتے تھے بلکہ اس سے مراد نادانستہ جھوٹ ہے کیونکہ حضرت کعب اہل کتاب کے ان صحیفوں سے پڑھ کر باتیں بیان کرتے تھے جن کے متعلق انہیں حسن ظن تھا حالانکہ ان میں من گھڑت اور جھوٹی چیزیں بھی موجود ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح اس امت میں روایات کی چھان بین کرنے والے اور انہیں محفوظ کرنے والے علماء موجود ہیں، اس طرح کے علماء ان میں موجود نہ تھے۔ اس احتیاط اور انتظام کے باوجود اس امت میں بھی بہت سی موضوع احادیث جمع ہو گئیں ہیں اگرچہ علماء حدیث نے چھان پھٹک کر کے باطل کو حق سے بالکل الگ کر دیا ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 25 | 2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 136 | 3۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 3
4۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، جلد 9 صفحہ 136 | 5۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، جلد 9 صفحہ 139

اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَ مَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۹

''اور (اے حبیب!) اس طرح ہم نے نازل کی آپ کی طرف کتاب۔ پس وہ جنہیں ہم نے دی تھی کتاب (تورات) وہ ایمان لاتے ہیں قرآن پر۔ اور اہل مکہ سے بھی کئی لوگ ایمان لا رہے ہیں قرآن پر۔ اور نہیں انکار کرتے ہماری آیتوں کا مگر کفار۔ اور نہ آپ پڑھ سکتے تھے اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ ہی اسے لکھ سکتے تھے اپنے دائیں ہاتھ سے (اگر آپ لکھ پڑھ سکتے) تو ضرور شک کرتے اہل باطل بلکہ وہ روشن آیتیں ہیں جو ان کے سینوں میں محفوظ ہیں جنہیں علم دیا گیا۔ اور ظالموں کے بغیر ہماری آیتوں کا کوئی انکار نہیں کر سکتا''۔

ابن جریر اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس طرح ہم نے سابقہ پیغمبروں پر کتابیں نازل کیں اسی طرح ہم نے آپ پر یہ کتاب اتاری(1)۔ ابن جریر کا یہ قول عمدہ ہے جس میں مناسبت بھی ہے اور ربط بھی۔ فرمایا: فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ یعنی اہل کتاب کے وہ جید اور زیرک علماء جنہوں نے قرآن کریم کی قدر کی اور اس کی تلاوت کا حق ادا کر دیا، وہ اس پر ایمان لاتے ہیں جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ اس فرمان وَ مِنْ هٰۤؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ سے مراد قریش اور دیگر عرب کے وہ لوگ ہیں جو قرآن کریم پر ایمان لا رہے ہیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَ مَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ یعنی ہماری آیات کی تکذیب اور ان کی حقانیت کا انکار وہی کرتے ہیں جو حق کو باطل کے پردے میں چھپانے والے اور سورج کی روشنی کو کپڑے سے ڈھانپنے والے ہیں۔ پھر فرمایا: وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ یعنی اے میرے رسول ﷺ! اس قرآن کریم کے نزول سے قبل آپ نے اپنی عمر کا ایک طویل عرصہ اپنی قوم میں گزارا ہے۔ نہ آپ پڑھتے تھے نہ لکھتے تھے بلکہ آپ کی قوم اور دوسرے لوگوں کو اچھی طرح علم ہے کہ آپ امی ہیں، نہ آپ پڑھ سکتے ہیں اور نہ آپ لکھ سکتے ہیں۔ سابقہ کتب میں بھی آپ کا یہ وصف مذکور ہے جیسا کہ فرمایا: اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ ٘ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ (الاعراف: 157) ''جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے جس (کے ذکر) کو وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ نبی انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے اور انہیں برائی سے روکتا ہے''۔ اسی طرح پوری زندگی آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ایک حرف تک نہ لکھا بلکہ آپ ﷺ نے کاتب مقرر کر رکھے تھے جو وحی کے علاوہ دوسرے ممالک کے حکمرانوں کے نام خطوط بھی تحریر کرتے تھے۔ قاضی ابوالولید باجی اور متاخرین فقہاء میں سے ان کے بعض ہم نوا حضرات کا یہ کہنا درست نہیں کہ صلح حدیبیہ کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اپنے ہاتھ سے صلح نامہ میں یہ الفاظ تحریر کیے تھے: ''هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ'' یعنی یہ وہ شرائط ہیں جن پر محمد بن عبداللہ نے صلح کی ہے۔ قاضی صاحب کو یہ وہم بخاری شریف کی روایت کے ان الفاظ کی وجہ سے ہوا ہے: ''ثُمَّ اَخَذَ فَكَتَبَ'' (2)۔ یعنی آپ ﷺ نے صلح نامہ لے کر لکھا لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے لکھنے کا حکم دیا جیسا کہ ایک روایت میں صاف الفاظ ہیں: ''ثُمَّ اَمَرَ فَكُتِبَ'' یعنی پھر آپ ﷺ نے حکم دیا تو لکھا گیا۔ مشرق و مغرب کے فقہاء نے باجی کے اس قول کو رد کیا ہے اور اس سے بیزاری کا اظہار کیا ہے اور اپنے اشعار اور خطبات میں بھی اس کی تردید کی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ قاضی باجی کا یہ مقصد ہو کہ آپ ﷺ نے بطور معجزہ لکھا تھا(3)، نہ یہ کہ آپ اچھی طرح لکھنا جانتے تھے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے دجال کی خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ دجال کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہوگا، ایک اور روایت میں ہے کہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 4 2۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 499 3۔ دیکھئے الرحمٰن، الف، جلد 2 صفحہ 230

''ک ف ر'' لکھا ہوا ہوگا جسے ہر مومن پڑھ لے گا(1)۔ یعنی اگرچہ کوئی مومن ان پڑھ ہو تو بھی وہ یہ پڑھ لے گا۔ بعض لوگ ایک روایت لائے ہیں کہ آپ ﷺ کا اس وقت تک انتقال نہ ہوا جب تک آپ نے لکھنا نہ سیکھ لیا۔ یہ روایت ضعیف ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تاکید بالائے تاکید لگاتے ہوئے پہلے ''من کتب'' اور پھر وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ کے الفاظ استعمال فرمائے۔ آیت کریمہ میں دائیں ہاتھ کے ساتھ لکھنے کی قید باعتبار عموم اور غالب کے ہے یعنی عموماً دائیں ہاتھ سے لکھا جاتا ہے جیسا کہ اس ارشاد وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ (الانعام:38) میں پروں کی قید لگائی گئی ہے حالانکہ ہر پرندہ پروں سے ہی اڑتا ہے۔ فرمایا: اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ یعنی اگر آپ لکھنا پڑھنا جانتے ہوتے تب تو یہ اہل باطل آپ کی نسبت شک کر سکتے تھے کہ آپ سابقہ آسمانی کتابوں سے پڑھ کر نقل کر لیتے ہیں لیکن تعجب ہے کہ یہ علم ہونے کے باوجود کہ آپ امی ہیں اور لکھ نہیں سکتے، وہ آپ پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ قرآن پہلے لوگوں کے افسانے ہیں جنہیں انہوں نے لکھ لیا ہے اور یہ صبح و شام انہیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ اس الزام کے جواب میں فرمایا: قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الفرقان:6) ''فرمایئے اس کو اس (خدا) نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کے سارے رازوں کو جانتا ہے''۔ اور یہاں فرمایا: بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ ۔ یعنی یہ قرآن کریم ایسی آیات پر مشتمل ہے جو واضح طور پر حق پر دلالت کرتی ہیں، علماء کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کا حفظ، تلاوت کرنا اور اس کی تفسیر آسان کر دی ہے جیسا کہ فرمایا: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (القمر:17) ''اور بے شک ہم نے قرآن کو نصیحت پذیری کے لئے آسان بنا دیا ہے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟''۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کو وہ چیز عطا کی گئی جس کے باعث لوگ اس پر ایمان لائے۔ مجھے جو چیز عطا کی گئی ہے وہ وحی خدا ہے، مجھے امید ہے کہ سب انبیاء سے زیادہ میرے تابعدار ہوں گے''(2)۔ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ حضور ﷺ سے فرماتا ہے: ''میں تمہیں آزمانے والا ہوں اور تمہاری وجہ سے لوگوں کو بھی آزماؤں گا اور تم پر ایسی کتاب نازل کروں گا جسے پانی نہ دھو سکے، تم سوتے جاگتے اس کی تلاوت کرو گے''(3)۔ مقصد یہ ہے کہ اگر قرآن کریم کا لکھا ہوا حصہ دھل بھی جائے اور پانی سے اس کے حروف دھو بھی دیئے جائیں تو بھی یہ محفوظ ہے کیونکہ ایک اور حدیث میں ہے: ''اگر قرآن کسی چمڑے میں ہو تو آگ اسے نہیں جلا سکتی''(4)۔ قرآن کے محفوظ رہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سینوں میں محفوظ ہے، زبانوں پر آسان ہے، دلوں میں جاگزیں ہے اور لفظ و معنی کے اعتبار سے ایک عظیم معجزہ ہے، یہی وجہ ہے کہ سابقہ کتابوں میں اس امت کا ایک وصف یہ بھی مروی ہے کہ ان کی کتاب ان کے سینوں میں ہوگی۔ ابن جریر نے اس آیت بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ کا یہ معنی پسند کیا ہے: بلکہ اس چیز کا علم کہ آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ لکھتے تھے، یہ ایسی آیات بینات ہیں جو اہل کتاب کے علماء کے سینوں میں ہیں۔ یہ قول انہوں نے قتادہ اور ابن جریج سے نقل کیا ہے اور پہلا قول حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے اور یہی قول عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ضحاک کا بھی یہی قول ہے اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔ آخر میں فرمایا: وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ یعنی ہماری آیات کی تکذیب اور حق تلفی وہی ظالم کرتے ہیں جو حد سے تجاوز کرتے ہیں، تکبر کرتے ہیں اور جان بوجھ کر حق سے اعراض کرتے ہیں جیسے کہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس:97-96) ''بے شک وہ لوگ جن پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی

1۔ صحیح بخاری، کتاب الفتن، جلد 13 صفحہ 91
2۔ صحیح بخاری، جلد 9 صفحہ 113 صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 92
3۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2197
4۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 151-155

ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے اگر چہ ان کے پاس ساری نشانیاں آ جائیں جب تک وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں''۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

''اور انہوں نے کہا کہ کیوں نہ اتاری گئی ان پر نشانیاں ان کے رب کی طرف سے۔ آپ فرمایئے نشانیاں تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ اور میں تو صرف صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ کیا انہیں کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر اتاری ہے کتاب جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ بے شک اس میں رحمت اور نصیحت ہے مومنوں کے لئے۔ آپ فرمایئے کافی ہے اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان گواہ۔ وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں باطل پر اور انکار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا وہی لوگ گھاٹے میں ہیں''۔

مشرکین کی ہٹ دھرمی، سرکشی اور ضد کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ سے ایسی نشانیاں اور معجزات طلب کر رہے ہیں جن سے یہ ثابت ہو جائے کہ واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں جس طرح حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کی فرمائش پر اونٹنی کا معجزہ دکھایا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو فرما رہا ہے کہ آپ انہیں کہہ دیں: اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ یعنی نشانیاں اور معجزات دکھانے کا اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر اس کے علم میں ہوتا کہ تم ان نشانیوں کو دیکھ کر ہدایت حاصل کر لو گے تو وہ ضرور تمہارا مطالبہ پورا فرما دیتا کیونکہ یہ اس کے لئے نہایت آسان ہے لیکن وہ بخوبی جانتا ہے کہ ایسے مطالبات سے تمہارا مقصد صرف ہٹ دھرمی، سرکشی اور آزمائش ہے، اس لئے وہ تمہاری فرمائش کو پورا نہیں کرے گا جیسا کہ فرمایا: وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا (بنی اسرائیل: 59) ''اور نہیں روکا ہمیں اس امر سے کہ ہم بھیجیں نشانیاں مگر اس بات نے کہ پہلوں نے انہیں جھٹلایا تھا اور ہم نے دی تھی قوم ثمود کو ایک اونٹنی جو روشن نشانی تھی پس انہوں نے اس پر زیادتی کی'' فرمایا: وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ یعنی مجھے مبعوث کرنے کا مقصد یہ ہے کہ میں تمہیں صاف صاف ڈراؤں، اس لئے میری ذمہ داری یہی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے پیغام کو تم تک پہنچا دوں۔ باقی رہا ہدایت اور گمراہی کا معاملہ تو یہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جسے وہ ہدایت سے نوازے، وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ ایک اور جگہ فرمایا: لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ (البقرۃ: 272) ''انہیں سیدھی راہ پر چلانا آپ کی ذمہ داری نہیں ہاں اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ پر چلاتا ہے''۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کی جہالت، کم عقلی اور بے وقوفی کو بیان کر رہا ہے کہ یہ ایسی نشانیوں کا مطالبہ کرتے ہیں جو نبی کریم ﷺ کی نبوت و رسالت کی صداقت پر ان کی رہنمائی کریں حالانکہ ان کے پاس ایسی کتاب عزیز آ چکی ہے جس کی طرف باطل کسی جانب سے بھی راہ نہیں پا سکتا۔ یہ سب سے بڑا معجزہ ہے جس نے بڑے بڑے فصیح و بلیغ اہل زبان کو اس جیسا کلام لانے سے عاجز کر دیا۔ پورے قرآن کی نظیر لانا تو بہت دور کی بات ہے وہ اس کی مثل دس سورتیں بلکہ اس جیسی ایک سورت بھی نہ لا سکے۔ فرمایا: اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ یعنی کیا انہیں یہی نشانی اور معجزہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر یہ عظیم کتاب نازل کی ہے جس میں

ماضی کی خبریں، مستقبل کی پیشین گوئیاں اور جھگڑوں کے فیصلے ہیں حالانکہ آپ ای ہیں نہ لکھتے ہیں، نہ پڑھتے ہیں اور نہ ہی کبھی کسی اہل علم کی صحبت اختیار کی ہے۔ اس کے باوجود آپ ان لوگوں کے سامنے سابقہ کتابوں کی وہ خبریں بیان کرتے ہیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور آپ ان کے سامنے حق کو بالکل واضح کر دیتے ہیں جیسا کہ فرمایا: اَوَلَمۡ تَاۡتِهِمۡ بَيِّنَةُ مَا فِى الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰى (طٰہٰ: 133) ''کیا ان کے پاس واضح بیان نہیں آ گیا جو پہلی نازل شدہ کتابوں میں ہے''۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کو ایسی نشانیاں عطا کی گئیں جن کے باعث لوگ اس نبی پر ایمان لائے۔ مجھے جو عطا کیا گیا ہے وہ وحی خدا ہے، مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے تابعدار ہوں گے''(1)۔ فرمایا: اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَرَحۡمَةً وَّذِكۡرٰى لِقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ یعنی اس قرآن کریم میں اہل ایمان کے لئے رحمت، حق کا بیان، باطل کا ازالہ اور گنہگاروں کے عبرتناک عذاب کے ذکر سے نصیحت ہے۔ پھر فرمایا: قُلۡ كَفٰى بِاللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے جس جھوٹ میں تم ملوث ہو اور اسے میری صداقت کا بھی خوب علم ہے۔ اگر میں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتا تو وہ ضرور مجھ سے انتقام لیتا جیسا کہ فرمایا: وَلَوۡ تَقَوَّلَ عَلَيۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِيۡلِ ۙ لَاَخَذۡنَا مِنۡهُ بِالۡيَمِيۡنِ ۙ ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡهُ الۡوَتِيۡنَ ۖ فَمَا مِنۡكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ عَنۡهُ حٰجِزِيۡنَ (الحاقۃ: 47-44) ''اگر وہ خود گھڑ کر بعض باتیں ہماری طرف منسوب کرتا تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے پھر اس کی رگ دل کاٹ دیتے پھر تم میں سے کوئی بھی اس سے روکنے والا نہ ہوتا''۔ میں اپنے پیغام میں بالکل سچا ہوں، اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے واضح معجزات اور قطعی دلائل کے ساتھ میری تائید فرمائی ہے۔ زمین و آسمان کی کوئی چیز اس پر مخفی نہیں۔ باطل پر ایمان رکھنے والے اور اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والے قیامت کے دن گھاٹے میں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کی بداعمالیوں، انکار حق، اتباع باطل، تکذیب رسول اور اطاعت غیر اللہ کی پوری پوری سزا دے گا۔

وَيَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ بِالۡعَذَابِ ؕ وَلَوۡلَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الۡعَذَابُ ؕ وَلَيَاۡتِيَنَّهُمۡ بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ۝ يَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ بِالۡعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيۡطَةٌ ۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ ۙ ۝ يَوۡمَ يَغۡشٰهُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ فَوۡقِهِمۡ وَمِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِهِمۡ وَيَقُوۡلُ ذُوۡقُوۡا مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝

''وہ آپ سے جلدی عذاب نازل ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور اگر میعاد مقرر نہ ہوتی تو آ جاتا ان پر عذاب۔ اور (اپنے وقت پر) وہ ان پر اچانک آئے گا اور انہیں ہوش تک نہ ہوگا۔ وہ آپ سے جلدی عذاب لانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ (ذرا سی دیر ہے) جہنم یقیناً گھیر لے گا ان کافروں کو۔ جس دن ڈھانپ لے گا انہیں عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا لو اب چکھو اپنے کرتوتوں کا مزہ''۔

مشرکین اپنی جہالت کے باعث جلد عذاب کے وقوع کا مطالبہ کرتے جیسا کہ وہ دعا کرتے تھے: وَاِذۡ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنۡ كَانَ هٰذَا هُوَ الۡحَقَّ مِنۡ عِنۡدِكَ فَاَمۡطِرۡ عَلَيۡنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ۝ (الانفال: 32) ''اور جب انہوں نے کہا اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے حق ہو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر دردناک عذاب لے آ''۔ ان کے اس مطالبہ کے جواب میں فرمایا: وَلَوۡلَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّى۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے قیامت تک عذاب کو موخر نہ کر دیا ہوتا تو ان کے مطالبہ پر فوراً عذاب آ جاتا۔ پھر فرمایا: وَلَيَاۡتِيَنَّهُمۡ بَغۡتَةً۔ لَمُحِيۡطَةٌ ۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جہنم یہی بحر اخضر ہے۔ ستارے گر کر اس میں بکھر جائیں گے

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 451,341

اور سورج اور چاند کو لپیٹ کر اور بے نور کر کے اسی میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر اسے بھڑکایا جائے گا تو یہ جہنم بن جائے گا(1)۔ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "سمندر ہی جہنم ہے" (2)۔ راوی حدیث حضرت یعلی سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا (الکہف:29) "انہیں اس آگ کی دیوار نے گھیر لیا ہے"۔ پھر فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں یعلی کی جان ہے! میں اس میں ہرگز داخل نہ ہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جاؤں اور مجھے اس کا ایک قطرہ بھی نہیں پہنچے گا یہاں تک کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جاؤں۔ یہ تفسیر بھی بہت غریب ہے اور حدیث بھی۔ پھر فرمایا: يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ... اسی طرح دیگر مقامات پر فرمایا: لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ (الاعراف:41) "ان کے لئے دوزخ کا ہی بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر (اسی کا) اوڑھنا"۔ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ (الانبیاء:39) "کاش کفار جانتے جب وہ نہ روک سکیں گے اپنے چہروں سے آگ کو اور نہ اپنی پشتوں سے"۔ آگ انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہوگی۔ یہ تو ہے حسی اور جسمانی عذاب۔ پھر انہیں سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے کہا جائے گا: ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ یہ سرزنش اور زجر و توبیخ روحانی اور معنوی عذاب ہے جیسا کہ فرمایا: يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ۭ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۝ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (القمر:48-49) "اس روز انہیں آگ میں منہ کے بل گھسیٹا جائے گا (کہا جائے گا) چکھو اب آگ میں جلنے کا مزہ۔ ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے سے پیدا کیا ہے"۔ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا - اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الطور:13-16)۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۣ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ڰ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ڮ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

"اے میرے بندو! جو ایمان لے آئے ہو میری زمین بڑی کشادہ ہے سو تم میری ہی عبادت کیا کرو۔ ہر ایک موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ پھر ہماری طرف ہی تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے انہیں ہم ٹھہرائیں گے جنت کے بالا خانوں میں رواں ہوں گی جن کے نیچے نہریں وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ کتنا عمدہ صلہ ہے نیک کام کرنے والوں کا۔ وہ جنہوں نے (ہر حال میں) صبر کیا اور صرف اپنے رب پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔ اور کتنے ہی زمین پر چلنے والے ہیں جو اٹھائے نہیں پھرتے اپنا رزق۔ اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے انہیں بھی اور تمہیں بھی اور وہ سب باتیں سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے"۔

یہاں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ہجرت کا حکم دے رہا ہے کہ جہاں وہ دین کو قائم رکھنے کی قدرت نہ رکھتے ہوں، وہاں سے اس جگہ منتقل ہو جائیں جہاں ان کے لئے دین پر کاربند رہنا اور خدائے واحد کی عبادت کرنا ممکن ہو، اس لئے فرمایا: يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 473 2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 223

آمِنَ فِیْ ۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "تمام شہر اللہ کے شہر ہیں اور تمام بندے اللہ کے بندے ہیں پس جہاں تمہیں بھلائی ملے وہیں قیام کرلو"(1)۔ یہی وجہ ہے کہ جب صحابہ کرام پر مکہ کی سرزمین تنگ ہوگئی اور وہاں قیام کرنا مشکل ہوگیا تو انہوں نے اپنے دین کو محفوظ رکھنے کی خاطر حبشہ کی طرف ہجرت کرلی۔ وہاں انہیں شاہ حبشہ اصحمہ نجاشی رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں بہترین میزبان مل گیا۔ نجاشی نے ان مہاجرین کی بھرپور تائید ونصرت کی اور ہر قسم کی سہولیات بہم پہنچائیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اور باقی صحابہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر فرمایا: كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۔ یعنی تم جہاں کہیں بھی ہو، موت تمہیں ضرور آلے گی، اس لئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہو۔ اس کا ہر حکم تمہارے لئے بہتر ہے اور موت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ پھر سب کو لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف جانا ہے۔ جو شخص اس کی اطاعت کرتا رہا، اسے وہ بہترین اور کامل اجر وثواب سے نوازے گا، اسی لئے فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۔ یعنی ہم ان نیکوکار اہل ایمان کو جنت کے ایسے بالاخانوں میں ٹھہرائیں گے جن کے نیچے پانی، شراب، شہد اور دودھ کی نہریں رواں ہوں گی اور جنتی جہاں چاہیں گے وہاں ہی یہ نہریں بہیں گی۔ یہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے کسی اور جگہ منتقل ہونے کا انہیں خیال تک بھی نہ آئے گا۔ یہ بالاخانے ان اہل ایمان کے اعمال کا بہترین صلہ ہے جو اپنے دین پر سختی سے ڈٹے رہے، اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کی، دشمنوں کی مخالفت کی اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور حصول ثواب کی خاطر اپنے اہل وعیال اور اقرباء سے جدا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایسے بالاخانے ہیں جن کا ظاہر باطن سے اور باطن ظاہر سے دکھائی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے لئے تیار کیا ہے جو کھانا کھلائیں، پاکیزہ گفتگو کریں، پابندی سے لگاتار نماز پڑھیں اور روزے رکھیں اور رات کو اٹھ کر نماز پڑھیں جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں(2)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ یعنی وہ اپنے تمام دینی اور دنیوی امور میں صرف اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اس بات پر آگاہ فرمارہا ہے کہ رزق کسی جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا رزق تمام مخلوق کے لئے عام ہے۔ جہاں کوئی ہو اس کا رزق وہاں پہنچ جاتا ہے۔ مہاجرین کو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہجرت گاہ میں، بہت زیادہ فراخ اور پاکیزہ رزق عطا فرمایا اور وہ قلیل عرصہ میں دنیا کے ایک وسیع وعریض خطہ کے حکمران بن گئے، اس لئے فرمایا: وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ ۔ یعنی بہت سے جانور ایسے ہیں جو نہ رزق حاصل کرسکتے ہیں، نہ جمع کرسکتے ہیں اور نہ ہی کل کے لئے بچا کر رکھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو انہیں بھی رزق پہنچاتا ہے اور تمہیں بھی۔ ہر ایک کے لئے اس نے رزق کا حصول آسان بنادیا ہے اور ہر مخلوق کو اس کے حال کے مطابق روزی عطا کرتا ہے یہاں تک کہ چیونٹیوں کو زمین کے اندر، پرندوں کو خلا میں اور مچھلیوں کو پانی میں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (ہود:6) " اور نہیں کوئی جاندار زمین میں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمہ ہے، وہ جانتا ہے اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو اور اس کے امانت رکھے جانے کی جگہ کو۔ ہر چیز روشن کتاب میں ہے"۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلا۔ آپ مدینے کے ایک باغ میں داخل ہوئے اور گری ہوئی کھجوریں اٹھا کر کھانے لگے۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ تم کیوں نہیں کھاتے؟ میں نے عرض کی کہ مجھے خواہش نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تو خواہش ہے کیونکہ یہ چوتھے دن کی صبح ہے کہ میں نے کھانا چکھا تک نہیں اور نہ ہی مجھے کھانا ملا ہے۔ اگر میں چاہتا تو اپنے رب سے دعا کرتا اور وہ مجھے قیصر وکسریٰ جیسی بادشاہت عطا کر دیتا۔ اے ابن عمر! اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہوگی جب تو ایسے لوگوں میں ہوگا جو یقین کی کمزوری کے باعث سال بھر کا غلہ ذخیرہ کرلیا کریں گے۔ اسی اثناء میں یہ آیت وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ ۔ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " اللہ تعالیٰ نے مجھے نہ تو دنیا جمع کرنے کا

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 166
2۔ تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 7 صفحہ 231

حکم دیا ہے اور نہ شہوات کی پیروی کرنے کا۔ جو شخص باقی ماندہ زندگی کے لئے دنیا ذخیرہ کرتا ہے، وہ جان لے کہ زندگی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ سنو، میں نہ دینار جمع کرتا ہوں اور نہ درہم اور نہ ہی کل کے لئے رزق بچا کر رکھتا ہوں"(1)۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کا راوی ابو العطوف الجزری ضعیف ہے۔ کہتے ہیں کہ جب کوے کے بچے نکلتے ہیں تو ان کے بال و پر سفید ہوتے ہیں۔ اس حالت میں دیکھ کر ان کے والدین ان سے نفرت کرتے ہوئے بھاگ جاتے ہیں۔ چند دنوں کے بعد ان کے پر سیاہ ہو جاتے ہیں تو یہ اپنا منہ کھولے اپنے والدین کو تلاش کرتے ہیں۔ ان ابتدائی دنوں میں جبکہ ان کے والدین انہیں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی طرف مچھر اور اس جیسے چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑے بھیجتا ہے جو ان کی غذا بن جاتے ہیں، پھر جب ان کے بال و پر سیاہ ہو جاتے ہیں تو ان کے والدین ان کے پاس واپس آ جاتے ہیں، ان کی نگہداشت کرتے ہیں اور غذا فراہم کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "سفر کرو صحت مند رہو گے اور رزق پاؤ گے"۔ ایک اور روایت میں ہے: "سفر کرو، صحت اور غنیمت پاؤ گے"(2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سفر کرو نفع پاؤ گے، روزے رکھو صحت مند رہو گے اور جہاد کرو غنیمت حاصل ہو گی"(3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ قسمت والوں اور خوشحال لوگوں کے ساتھ سفر کرو۔ آخر میں فرمایا: وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ یعنی وہ اپنے بندوں کے اقوال کو سننے والا اور ان کی حرکات و سکنات کو خوب جاننے والا ہے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَأَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٦٢﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۗ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۗ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٣﴾

"اور (اے حبیب!) اگر آپ پوچھیں ان (مشرکوں) سے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور کس نے فرمانبردار بنایا ہے سورج اور چاند کو تو وہ ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے پھر وہ کہاں (توحید سے) پھیرے جاتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لئے چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور تنگ کرتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ اور اگر آپ پوچھیں ان سے کہ کس نے اتارا آسمان سے پانی، پھر زندہ کر دیا اس کے ساتھ زمین کو اس کے بنجر بن جانے کے بعد تو ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے۔ آپ فرمایئے الحمد للہ (حق واضح ہو گیا) بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نادان ہیں"۔

اللہ تعالیٰ ثابت کر رہا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں کیونکہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کی عبادت کرنے کے باوجود یہ اعتراف کیا کرتے تھے کہ زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا، سورج چاند اور دن رات کو مسخر کرنے والا، ہر چیز کا خالق اور رازق اور موت و حیات پر قادر صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی نے کسی کو غنی بنا دیا ہے اور کسی کو فقیر، کسی کو کم رزق دیا ہے اور کسی کو زیادہ۔ وہ ہر ایک کی مصلحت سے خوف واقف ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ کون غنا کا مستحق ہے اور کون فقر کا اور اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کی تخلیق و تدبیر میں منفرد ہے۔ جب یہ حقائق واضح ہیں تو یہ مشرکین کیوں غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور کیوں غیر اللہ پر توکل کرتے ہیں؟ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے ملک میں

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 475　2۔ سنن کبریٰ بیہقی، کتاب النکاح، جلد 7 صفحہ 102　3۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 380

منفرد اور واحد ہے اسی طرح عبادت میں بھی وہ منفرد اور واحد ہے۔ قرآن کریم میں اکثر توحید ربوبیت کے اعتراف کے ساتھ مقام الوہیت کا ذکر آتا ہے۔ مشرکین توحید ربوبیت کے معترف تھے جیسا کہ وہ اپنے تلبیہ میں کہا کرتے تھے: "لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ اِلَّا شَرِیْکًا هُوَ لَکَ تَمْلِکُهٗ وَ مَا مَلَکَ" یعنی اے اللہ! ہم حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں بجز اس کے کہ جسے تو نے اپنا شریک بنایا، تو اس کا بھی مالک ہے اور اس کی ملک کا بھی۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِىَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٤﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٥﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ڔ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ڟ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٦﴾

"اور نہیں یہ دنیوی زندگی مگر لہو و لعب۔ اور دار آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے (جسے موت نہیں) کاش! وہ (اس حقیقت کو) جانتے۔ پھر جب سوار ہوتے ہیں کشتی میں تو دعا مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ سے خالص کرتے ہوئے اس کے لئے اپنے دین کو۔ پھر جب وہ سلامتی سے پہنچا تا ہے انہیں خشکی پر تو اس وقت وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔ وہ ناشکری کر لیں جو نعمت ہم نے انہیں دی ہے اور لطف اٹھالیں (اس سے) وہ عنقریب جان لیں گے (حقیقت کو)"۔

دنیا کی حقارت، بے ثباتی، ناپائیداری اور اس کے زوال و فنا کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہ دنیا تو محض لہو و لعب ہے اور آخرت کی زندگی کو ہی بقاء، دوام اور ثبات حاصل ہے۔ اگر لوگ اس حقیقت کو جان لیں تو فانی کو باقی پر ترجیح نہ دیں۔ اس کے بعد مشرکین کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ وہ اضطرار اور بے بسی کے وقت ہی صرف اللہ وحدہ لاشریک کو پکارتے ہیں۔ بھلا وہ ہمیشہ ایسا کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا: فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ۔ اسی طرح فرمایا: وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ (بنی اسرائیل: 67) "اور جب سمندر میں تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو وہ (معبود) گم ہو جاتے ہیں جن کو تم پکارا کرتے ہو بجز اللہ تعالیٰ کے۔ پس جب وہ تمہیں ساحل پر پہنچا دیتا ہے تو تم روگردانی کرنے لگتے ہو" اور یہاں فرمایا: فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ۔ فتح مکہ کے موقع پر عکرمہ بن ابی جہل مکہ سے بھاگ نکلا۔ جب وہ حبشہ جانے کے لئے کشتی پر سوار ہوا تو طوفان آ گیا اور کشتی ہچکولے کھانے لگی۔ کشتی کے سوار کہنے لگے کہ خلوص کے ساتھ اپنے رب حقیقی سے دعا کرو کیونکہ اس وقت اس کے سوا کوئی اور نجات نہیں دے سکتا۔ یہ سن کر عکرمہ نے کہا کہ اگر سمندر میں اس کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا تو خشکی پر بھی اس کے سوا کوئی نجات دہندہ نہیں۔ اے اللہ! میں عہد کرتا ہوں کہ اگر میں یہاں سے صحیح وسالم نکل آیا تو سیدھا محمد (ﷺ) کے پاس جاؤں گا اور ان کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دوں گا اور میں انہیں یقیناً رؤف رحیم پاؤں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا[1]۔ اکثر مفسرین اور علماء اصول کا کہنا ہے کہ "لِيَكْفُرُوْا" اور "لِيَتَمَتَّعُوْا" میں لام، لام عاقبت ہے کیونکہ ان کا قصد یہ نہیں ہوتا لیکن ان کے حال کو دیکھتے ہوئے معاملہ ایسا ہی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو دیکھیں تو یہ لام تعلیل ہے۔ اس کی وضاحت ہم اس فرمان لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا (القصص: 8) کے تحت کر چکے ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 5 صفحہ 50، 59-60، البدایۃ والنہایۃ از ابن کثیر، جلد 4 صفحہ 297

جَآءَهٗ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًی لِّلْكٰفِرِیْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝

''کیا انہوں نے (غور سے) نہیں دیکھا کہ ہم نے بنا دیا ہے حرم کو امن والا حالانکہ اچک لیا جاتا ہے لوگوں کو ان کے آس پاس سے۔ کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں۔ اور کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگایا یا حق کو جھٹلایا جب وہ اس کے پاس آیا۔ کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانہ کفار کے لئے اور جو (بلند ہمت) مصروف جہاد رہتے ہیں ہمیں راضی کرنے کے لئے ہم ضرور دکھا دیں گے انہیں اپنے راستے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ہر وقت) محسنین کے ساتھ ہے''۔

اللہ تعالیٰ قریش کو اپنا احسان یاد دلا رہا ہے کہ اس نے انہیں اپنے امن والے حرم میں بسایا۔ جو شخص بھی اس میں داخل ہو جائے، اسے امن حاصل ہو جاتا ہے حالانکہ اس کے اردگرد لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم رہتا ہے جیسا کہ سورۂ قریش میں فرمایا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ۔ یعنی اس نعمت عظمیٰ پر کیا ان کا شکر یہی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کو شریک ٹھہراتے ہیں اور بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو کفر میں بدل دیا۔ خود بھی برباد ہوئے اور اپنی قوم کو بھی ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے اور اس کے رسول کی تصدیق و تعظیم کرتے لیکن الٹا انہوں نے شرک کا ارتکاب کیا، اللہ کے رسول ﷺ کو جھٹلایا، انہیں تکلیفیں پہنچائیں اور ظلم و طغیان کی حد کرتے ہوئے انہیں مکہ سے ہجرت کر جانے پر مجبور کر دیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی نعمتیں سلب کر لیں، غزوۂ بدر میں ان کے بہت سے لوگ قتل ہوئے، حق کو غلبہ حاصل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مکہ پر فتح عطا کر کے مشرکین کو سرنگوں اور ذلیل و رسوا کر دیا۔ پھر فرمایا: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی۔۔۔ یعنی اس شخص سے بڑھ کر کوئی سزا کا مستحق نہیں جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی حالانکہ اس کی طرف وحی آئی ہی نہیں اور جو یہ کہتا ہے کہ میں بھی اس جیسا کلام نازل کر سکتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا۔ اسی طرح اس شخص سے بڑھ کر بھی کوئی عقوبت کا سزاوار نہیں جو حق آ جانے کے بعد حق کو جھٹلاتا ہے۔ پہلا افترا پرداز اور دوسرا جھٹلانے والا، اس لئے فرمایا: اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًی لِّلْكٰفِرِیْنَ۔ آخری آیت میں فرمایا: وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا اس سے مراد رسول اللہ ﷺ، آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور قیامت تک آنے والے آپ ﷺ کے پیروکار ہیں۔ ابو احمد عباس ہمدانی کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے علم کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان امور میں بھی ان کی رہنمائی فرماتا ہے جن کا انہیں علم نہیں ہوتا۔ ابو سلیمان دارانی سے جب یہ ذکر کیا گیا تو انہیں یہ بات بہت پسند آئی، فرمانے لگے کہ اگر کسی کے دل میں کوئی بات جنم لے اگرچہ وہ اچھی ہو، پھر بھی اسے اس پر اس وقت تک عمل پیرا نہیں ہونا چاہئے جب تک قرآن و حدیث سے اس کی تصدیق نہ ہو جائے۔ جب قرآن و حدیث سے ثابت ہو جائے تو اس پر عمل کرے اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرے کہ اس کے دل میں جنم لینے والی بات کو قرآن و حدیث کی موافقت حاصل ہو گئی۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: احسان یہ ہے کہ تو اپنے ساتھ بدسلوکی کرنے والے کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ احسان اس چیز کا نام نہیں کہ تو اس کے ساتھ حسن سلوک کرے جو تیرے ساتھ نیک سلوک کرتا ہے۔

سورۂ روم (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓمّٓ ۞ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۞ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۞ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۗ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۞ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۞ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ښ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۞

الف۔لام۔میم، ہرا دیے گئے رومی پاس کی زمین میں اور وہ ہار جانے کے بعد ضرور غالب آئیں گے۔ چند برس کے اندر اللہ ہی کا حکم ہے پہلے بھی اور بعد بھی۔ اور اس روز خوش ہوں گے اہل ایمان۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے۔ وہ مدد فرماتا ہے جس کی چاہتا ہے، اور وہی سب پر غالب ہے ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے یہ وعدہ اللہ نے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔ وہ جانتے ہیں دنیوی زندگی کے ظاہری پہلو کو۔ اور وہ آخرت سے بالکل غافل ہیں"۔

یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب شاہ ایران شاپور نے شام، جزیرہ اور روم کے کچھ دیگر علاقوں پر قبضہ کرلیا اور شاہ روم ہرقل لاچار اور بے بس ہو کر قسطنطنیہ میں محصور ہو گیا، یہ محاصرہ ایک طویل عرصہ جاری رہا، بالآخر حالات نے اپنا رخ بدلا اور ہرقل کو فتح ہو گئی۔ اس کی تفصیلات عنقریب بیان ہوں گی۔ اس آیت کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رومیوں کو پے در پے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اہل فارس چونکہ مشرک تھے، اس لئے طبعی طور پر مشرکین مکہ کی ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں اور وہ چاہتے تھے کہ ان کے مشرک ایرانی بھائی رومیوں پر غالب آجائیں جبکہ اہل کتاب ہونے کے ناطے مسلمانوں کی خواہش تھی کہ رومیوں کو فتح نصیب ہو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب اس بات کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا: "سنو، رومی عنقریب غالب آئیں گے"۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس پیشین گوئی کا ذکر مشرکین سے کیا تو وہ کہنے لگے کہ آؤ شرط بد لو اور مدت مقرر کرلو۔ اگر اس مدت میں ایرانی غالب آگئے تو تمہیں اتنا اتنا ہمیں دینا ہوگا اور اگر اس دوران رومی غالب آگئے تو ہم تمہیں اتنا اتنا دیں گے۔ چنانچہ پانچ سال کی مدت طے ہوئی لیکن رومی فتح یاب نہ ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے جب اس بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تم نے دس سال کی مدت کیوں مقرر نہ کی"۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ لفظ بضع کا اطلاق دس سے کم پر ہوتا ہے۔ بعد ازاں دس سال کے عرصہ میں رومی غالب آگئے (1)۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔ حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے دن ہی

1۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ روم، جلد 12 صفحہ 68-69، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 304,276

رومیوں کو ایرانیوں پر فتح حاصل ہوئی (1)۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پانچ چیزیں گزر چکی ہیں: دخان (دھواں)، لزام (جنگ بدر یا قحط)، بطشہ (جنگ بدر)، شق قمر اور غلبہ روم (2)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایرانی رومیوں پر غالب آ گئے۔ مشرکین کی یہ آرزو تھی کہ ان کے ہم عقیدہ مشرک ایرانی رومیوں پر غالب رہیں۔ اور مسلمانوں کی خواہش تھی کہ ان کے ہم مسلک اہل کتاب رومیوں کو ایرانیوں پر فتح حاصل ہو۔ جب مذکورہ بالا آیتیں اتریں تو مشرکین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ تمہارے صاحب کا کہنا ہے کہ چند سالوں میں رومی ایرانیوں پر فتح پالیں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ حضور ﷺ نے سچ فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا آؤ شرط بدلیں۔ چنانچہ چار جوان اونٹنیوں کی شرط پر سات سال کی مدت مقرر ہوئی۔ سات سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود رومیوں کو فتح نہ ہوئی۔ اس پر مشرکین خوشیوں کے شادیانے بجانے لگے اور مسلمان بہت رنجیدہ خاطر ہوئے۔ جب نبی کریم ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کے ہاں بضع کا اطلاق کتنے پر ہوتا ہے؟ عرض کی کہ دس سے کم پر، تو آپ نے فرمایا: "جاؤ، شرط میں بھی اضافہ کر دو اور مدت میں بھی دو سال کی توسیع کر دو"۔ چنانچہ اس مدت کے گزرنے سے پہلے پہلے رومی اہل فارس پر غالب آ گئے اور مسلمانوں کو اس پر بہت مسرت ہوئی۔ ان آیات میں اسی چیز کا بیان ہے (3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو مشرکین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ تمہارے نبی (ﷺ) کے اس دعویٰ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے کہ اہل روم کو اہل فارس پر فتح حاصل ہوگی؟ آپ نے جواب دیا کہ میرے آقا نے سچ فرمایا ہے۔ چنانچہ شرط اور مدت طے ہوگئی۔ مدت گزر جانے کے باوجود رومی فتحیاب نہ ہوئے۔ جب حضور ﷺ کو اس چیز کا علم ہوا تو آپ بڑے آزردہ ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "تم نے ایسا کیوں کیا؟" عرض کی: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق کی خاطر۔ فرمایا: "ان کے پاس جاؤ، شرط میں بھی اضافہ کر دو اور مدت بھی دس سال مقرر کر لو"۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ مشرکین کے پاس گئے تو انہوں نے شرط میں زیادتی اور مدت میں توسیع کے مطالبہ کو منظور کر لیا۔ ابھی طے شدہ مدت گزری بھی نہ تھی کہ رومی فارسیوں پر غالب آ گئے، ان کا لشکر پایہ تخت مدائن میں پہنچ گیا اور انہوں نے رومیہ کی بنا ڈالی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس شرط کا مال لے کر حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اسے صدقہ کر دو" (4)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ جب یہ آیتیں نازل ہوئیں اس وقت ایرانی رومیوں پر غالب تھے۔ اہل کتاب ہونے کے باعث مسلمانوں کی دلچسپی رومیوں کی فتح کے ساتھ تھی لیکن مشرکین کی ہمدردیاں ایرانیوں کے ساتھ تھیں کیونکہ وہ ان کی طرح نہ اہل کتاب تھے اور نہ قیامت پر یقین رکھتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مکہ کے گلی کوچوں اور اس کے گردونواح میں علی الاعلان یہ آیات پڑھ کر لوگوں کو سنائیں۔ کفار کے ساتھ آپ کی شرط بدگئی۔ یہ واقعہ شرط کی حرمت سے پہلے کا ہے۔ چنانچہ چھ سال مدت مقرر ہوئی۔ اس روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ اس پیشین گوئی کے پورا ہونے پر بہت سے لوگ اسلام لے آئے (5)۔ امام سنید بن داؤد نے اپنی تفسیر میں ایک عجیب وغریب روایت بیان کی ہے کہ ایران میں ایک عورت تھی جس کے بیٹے بڑے جوانمرد، بہادر اور حکمران ہوتے تھے۔ کسریٰ نے اسے اپنے پاس بلایا اور رومیوں پر لشکر کشی کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے اس سے کہا کہ میں تمہارے بیٹوں میں سے کسی کو اس لشکر کا قائد بنانا چاہتا ہوں، اس لئے مجھے مشورہ دو کہ کون اس مہم کے لئے موزوں ہے؟ اس نے کہا کہ میرا فلاں بیٹا لومڑی سے زیادہ مکار اور شکرے

1۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 17-16
2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ دخان، جلد 6 صفحہ 164، صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2157
3۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 20
4۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 497
5۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ روم، جلد 12 صفحہ 72-69

سے زیادہ ہوشیار ہے۔ میرا دوسرا بیٹا فرخان تیر سے زیادہ کارگر ہے اور تیسرا بیٹا شہریراز سب سے زیادہ حلیم الطبع ہے۔ اب آپ کی مرضی ہے جسے چاہیں قائد مقرر کر دیں۔ غور و فکر کے بعد بادشاہ نے شہریراز کو قائد لشکر مقرر کر دیا۔ یہ لشکر لے کر رومیوں کی طرف بڑھا، ان پر فتح پائی، قتل و غارت کا بازار گرم کیا، شہروں کو برباد کر دیا اور زیتون کے باغات کاٹ کر رکھ دیئے۔ عطاء خراسانی نے ابوبکر بن عبداللہ سے پوچھا کہ کیا تم نے بلاد شام کو دیکھا ہے؟ جواب دیا: نہیں۔ فرمانے لگے کہ اگر تم وہاں جاؤ تو اس تباہی و بربادی کے آثار تمہیں وہاں نظر آئیں گے۔ ابوبکر کہتے ہیں کہ میں شام گیا تو واقعی ایسا ہی دیکھا۔ یحییٰ بن یشمر بیان کرتے ہیں کہ قیصر نے قطمہ کی قیادت میں اور کسریٰ نے شہریزار کی قیادت میں لشکر بھیجے۔ اذرعات اور بصریٰ کے درمیان دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ اس خونریز معرکہ میں اہل فارس رومیوں پر غالب آ گئے۔ اس پر کفار قریش بڑے خوش ہوئے اور مسلمان رنجیدہ ہوئے۔ مشرکین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو طعنہ دیتے ہوئے کہنے لگے کہ تم اور نصاریٰ اہل کتاب ہو جبکہ ہم اور اہل فارس ان پڑھ ہیں۔ ہمارے فارسی بھائی تمہارے اہل کتاب بھائیوں پر غالب آ گئے ہیں۔ اگر ہمارے ساتھ تمہاری جنگ ہوئی تو ہم بھی اسی طرح ضرور تم پر فتح پائیں گے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کفار کے پاس گئے اور انہیں کہنے لگے کہ اس فتح پر اترانے اور خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔ عنقریب پانسہ پلٹے گا اور رومی ایرانیوں پر غالب آ جائیں گے۔ یہ بات ہمیں ہمارے نبی ﷺ نے بتائی ہے۔ یہ سن کر ابی بن خلف اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اے ابوفضیل! تم جھوٹ کہتے ہو۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے دشمن خدا! تم جھوٹے ہو۔ اس نے کہا آؤ دس جوان اونٹنیوں کی شرط بد لیتے ہیں۔ اگر تین سال تک رومی غالب آ گئے تو میں تمہیں دس اونٹنیاں دوں گا۔ بصورت دیگر تم مجھے دس اونٹنیاں دینا۔ شرط طے ہو جانے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورتحال سے آگاہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اس طرح تو نہیں کہا تھا۔ بضع کا اطلاق تین سے نو پر ہوتا ہے۔ جاؤ شرط میں بھی زیادتی کر دو اور مدت میں بھی توسیع کرو''۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ابی کے پاس گئے تو وہ آپ سے کہنے لگا کہ شاید تمہیں ندامت ہوئی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ میں تو شرط میں اضافہ اور مدت میں توسیع کے لئے آیا ہوں۔ اونٹنیاں سو کر دیں اور مدت نو سال۔ اس نے یہ مطالبہ منظور کر لیا۔ نو سال کی مدت گزرنے سے پہلے پہلے رومی ایرانیوں پر اور مسلمان مشرکین پر غالب آ گئے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ جب فارسی رومیوں پر غالب آ گئے تو شہریزار کا بھائی فرخان شراب کے نشہ میں دھت اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ میں نے دیکھا ہے کہ گویا میں کسریٰ کے تخت پر متمکن ہوں۔ جب یہ بات کسریٰ تک پہنچی تو اس نے شہریزار کو لکھا کہ جب تمہیں میرا یہ خط موصول ہو تو اسی وقت فرخان کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دینا۔ شہریزار نے بادشاہ کو لکھا کہ اس قدر عجلت سے کام نہ لیں۔ فرخان کو دشمن پر رعب، دبدبہ اور غلبہ حاصل ہے، اس جیسا شخص آپ کو نہیں ملے گا۔ اس لئے اسے قتل نہ کروائیں۔ بادشاہ نے اسے لکھا کہ میری سلطنت میں اس جیسے کثیر جوانمرد موجود ہیں، اس لئے جلد از جلد اس کا سر میرے پاس بھیجو۔ شہریزار نے پھر وہی جواب دیا۔ اس پر کسریٰ بہت خشمناک ہوا۔ اس نے اعلان کروا دیا کہ میں نے شہریزار کو معزول کر کے فرخان کو قائد لشکر بنا دیا ہے اور اس کی معزولی کا فرمان لکھوا کر اس کی طرف بھیج دیا۔ اس کے ساتھ ہی بادشاہ نے ایک پوشیدہ خط قاصد کے حوالہ کیا اور تاکید کی کہ جب فرخان قیادت سنبھال لے اور اس کا بھائی اس کی اطاعت قبول کر لے تو اس وقت یہ خط اسے دینا۔ شہریزار نے اپنی معزولی کا فرمان پڑھتے ہی کہا کہ میں اپنے بادشاہ کے حکم کو تسلیم کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ تخت سے اتر گیا اور اس کے بھائی فرخان نے تخت سنبھال لیا۔ جب فرخان اچھی طرح اقتدار پر قابض ہو گیا تو بادشاہ کا پوشیدہ خط اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے خط پڑھتے ہی شہریزار کو پیش کرنے اور اسے قتل کرنے کا فرمان

جاری کر دیا۔ شہریزار نے وصیت تحریر کرنے کے لئے مہلت مانگی جو اسے دے دی گئی۔ شہریزار نے اپنا دفتر منگوایا اور فرخان کے قتل کے متعلقہ تمام کاغذات اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا کہ یہ دیکھو، تمہارے قتل کے بارے میں میرے اور بادشاہ کے درمیان اتنی خط و کتابت ہوئی، پھر بھی میں نے عجلت سے کام نہیں لیا اور تم صرف ایک خط کے باعث میرے قتل کے درپے ہو گئے۔ ان خطوط کو دیکھ کر فرخان کی آنکھیں کھل گئیں اور اس نے اقتدار فوراً اپنے بھائی شہریزار کے سپرد کر دیا۔ اب شہریزار نے قیصر شاہ روم کو لکھا کہ میں آپ سے ایک اہم امر کے سلسلہ میں خفیہ ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ میں اپنی بات آپ تک نہ قاصد کے ذریعے پہنچا سکتا ہوں اور نہ ہی خط میں تحریر کر سکتا ہوں۔ پچاس آدمی آپ کے ساتھ ہوں گے اور پچاس ہی میرے ساتھ۔ قیصر ملاقات کے لئے نکلا تو اس نے احتیاطاً پانچ سو رومیوں کا دستہ اپنے ساتھ لے لیا اور کسی سازش کے خدشہ کے پیش نظر کچھ جاسوس آگے بھیج دیئے۔ جاسوسوں نے واپس آ کر اطلاع دی کہ خطرے کی کوئی بات نہیں اور شہریزار کے ساتھ پچاس آدمی ہی ہیں۔ دونوں کی ملاقات کے لئے ایک ریشمی خیمہ نصب کیا گیا۔ وہاں دونوں کی ملاقات ہوئی، چھریوں کے سوا کوئی ہتھیار کسی کے پاس نہ تھا اور دونوں کی طرف سے ایک ایک ترجمان کے علاوہ کوئی اور شخص نہ تھا۔ شہریزار نے قیصر کو بتایا کہ میں اور میرا بھائی ہم دونوں نے اپنی تدبیر اور شجاعت کے سبب تمہارے ملک کو برباد کیا ہے لیکن کسریٰ حسد کا شکار ہو گیا۔ پہلے اس نے میرے ہاتھوں میرے بھائی کو قتل کروانا چاہا لیکن جب میں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو وہ میرے بھائی کو میرے قتل پر اکسانے لگا۔ ہم نے اس کی اطاعت کا جوا اتار پھینکا ہے اور یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم آپ کے ساتھ مل کر کسریٰ کے خلاف نبرد آزما ہوں گے۔ قیصر نے کہا کہ تم دونوں بھائیوں نے بہت درست فیصلہ کیا ہے۔ پھر دونوں نے اشارے کنائے میں ایک دوسرے کو سمجھایا کہ راز وہی ہے جو دو کے درمیان محدود رہے، اگر ان سے تجاوز کر جائے تو وہ لوگوں پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ دونوں ترجمان قتل کر دیئے جائیں۔ چنانچہ دونوں نے اپنی چھریوں کے ساتھ دونوں ترجمان ڈھیر کر دیئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کسریٰ کو ہلاک کر دیا اور حدیبیہ والے دن جب یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو ملی تو آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت خوش ہوئے (1)۔ اب ہم ان آیات کریمہ کے الفاظ پر گفتگو کرتے ہیں۔

فرمایا: الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ سورتوں کے اوائل میں آنے والے حروف مقطعات کی بحث سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکی ہے۔ رومی بنی اسرائیل کے چچازاد بھائی ہیں اور عیص بن اسحاق بن ابراہیم کی نسل سے ہیں۔ انہیں بنو اصفر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ اہل یونان کے دین پر کاربند تھے۔ یونانی ترکوں کے چچازاد بھائی اور یافث بن نوح کی نسل سے ہیں یہ ستارہ پرست تھے۔ سات ستاروں کی پرستش کرتے تھے جنہیں متحیرہ کہا جاتا ہے۔ یہ قطب شمالی کو قبلہ مانتے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے دمشق کی بنیاد رکھی اور وہاں اپنی عبادت گاہ تعمیر کی جس کے محراب شمال کی طرف ہیں۔ رومی حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت کے بعد بھی تین سو سال تک اپنے دین پر جمے رہے۔ ان میں سے جو شام اور جزیرے کا حکمران بن جاتا، اسے قیصر کہا جاتا تھا۔ شاہان روم میں سے سب سے پہلے قسطنطین بن قسطنطین نے نصرانی دین قبول کیا۔ اس کی ماں مریم، ہیلانیہ غندقانیہ حران کی رہنے والی تھی۔ وہ پہلے ہی نصرانیت قبول کر چکی تھی۔ اس کی دعوت پر اس کے بیٹے نے بھی نصرانیت اختیار کر لی۔ قسطنطین بڑا زیرک اور فلسفی شخص تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے صدق دل سے نصرانیت کو قبول نہیں کیا تھا۔ بہر کیف اس کے دور میں مذہبی اختلافات شدت اختیار کر گئے۔ عیسائیوں کے عبداللہ بن اریوس کے ساتھ بہت سے مناظرے ہوئے، جھگڑے عام ہو گئے اور ہر سو انتشار پھیل گیا، البتہ تین سو اٹھارہ پادریوں نے اتفاق کر کے بادشاہ کے لئے عقائد پر مبنی ایک کتاب وضع کی، اسی کو امانت

1۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 18-19

کبیرہ کہا جاتا ہے حالانکہ یہ خیانت حقیرہ ہے۔ ان پادریوں نے اپنی خواہش کے مطابق حلت وحرمت کے مسائل بیان کیے۔ دین مسیح علیہ السلام میں ردوبدل اور کمی بیشی کردی، مشرق کو قبلہ بنالیا، ہفتہ کی بجائے اتوار کو مبارک دن مقرر کردیا، صلیب کی پرستش کا آغاز کردیا، خنزیر کو حلال قرار دے دیا، بہت سی عیدیں اور تہوار ایجاد کر لئے جیسے عید صلیب، عید قداس، عید غطاس وغیرہ۔ ان کے پادریوں کے درجہ بدرجہ عہدے قائم ہوگئے جیسے پوپ جو سب سے بڑا ہوتا ہے، لاٹ پادری اور بشپ وغیرہ اور رہبانیت کی بدعت ایجاد کرلی۔ بادشاہ نے ان کے لئے بہت سے کنیسے اور گرجے تعمیر کیے اور اپنے نام کی مناسبت سے شہر قسطنطنیہ کی بنیاد رکھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے عہد میں بارہ ہزار گرجے اور تین محرابوں سے بیت لحم بنوایا، اس کی ماں نے قمامہ بنوایا۔ جو لوگ بادشاہ کے دین پر تھے وہ ملکیہ کہلوائے، ان کے بعد یعقوب الاسکاف کے پیروکار یعقوبیہ، پھر نسطورا کے ساتھی نسطوریہ وجود میں آئے اور رفتہ رفتہ نصرانی بہت سے گروہوں اور فرقوں میں بٹ گئے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ بہتر فرقوں میں تقسیم ہوگئے (1)۔ الغرض رومی نصرانیت پر کاربند ہوگئے۔ ایک قیصر کی موت کے بعد دوسرا قیصر اس کا جانشین بن جاتا یہاں تک کہ آخر میں ہرقل سریر آرائے سلطنت ہوا۔ یہ تمام بادشاہوں سے زیادہ زیرک، دانا، ہشیار، دور اندیش اور صائب رائے والا تھا۔ یہ ایک بہت بڑی سلطنت اور شان وشوکت والا بادشاہ تھا۔ کسریٰ شاہ فارس اس کے مقابلہ پر اٹھ کھڑا ہوا جو ایران، عراق، خراسان، رے اور دیگر بلاد عجم پر مشتمل وسیع وعریض سلطنت کا مالک تھا۔ اس کی سلطنت قیصر کی سلطنت سے وسیع تھی۔ یہ لوگ مجوسی تھے اور آگ کی پوجا کیا کرتے تھے۔ اس بادشاہ کو عجمیوں کی قوت اور فارسیوں کی حماقت حاصل تھی۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ اس نے ایک لشکر جرار مقابلہ کیلئے بھیجا لیکن مشہور یہی ہے کہ اس نے بذات خود لشکر کشی کی اور قیصر کو شکست فاش دے کر اس کی سلطنت کے اکثر حصے پر قبضہ جمالیا۔ قیصر اپنے پایہ تخت قسطنطنیہ میں محصور ہوگیا اور صرف یہی شہر اس کے قبضہ میں باقی بچا۔ کسریٰ نے ایک طویل عرصہ تک اس کا محاصرہ کیے رکھا لیکن اسے فتح نہ کرسکا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس شہر کے ساتھ نصاریٰ کی عقیدت وابستہ تھی، وہ اس کی بہت تعظیم کرتے تھے اور کسی قیمت پر اسے دشمن کے حوالے کرنے پر تیار نہ تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ قسطنطنیہ محفوظ شہر تھا۔ اس کا نصف حصہ خشکی کی طرف تھا اور باقی نصف سمندر کی طرف۔ سمندر کے راستے قیصر کو کمک اور رسد برابر پہنچتی رہی۔ جب محاصرہ نے بہت طول پکڑا تو قیصر نے ایک چال چلی۔ اس نے کسریٰ سے مطالبہ کیا کہ میں آپ کی مقرر کردہ شرائط پر مصالحت کرنے پر آمادہ ہوں۔ جو چاہیں مجھ سے لے لیں اور میرے ملک سے واپس چلے جائیں۔ کسریٰ نے اس کے مطالبہ کو قبول کرتے ہوئے اس قدر مال ودولت، زروجواہرات، لونڈیاں، غلام، کپڑے اور دیگر چیزیں طلب کیں جن کا مہیا کرنا دنیا کے کسی بادشاہ کے بس کا روگ نہ تھا بلکہ وہ اور یہ دونوں مل کر اس کا دسواں حصہ بھی جمع نہیں کرسکتے تھے۔ پھر بھی قیصر نے حامی بھرلی اور کسریٰ کو یقین دلایا کہ یہ سب کچھ اس کے پاس موجود ہے کیونکہ کسریٰ کی شرائط سے اسے اس کی کم عقلی کا اندازہ ہوگیا تھا۔ اس نے کسریٰ سے درخواست کی کہ مجھے آزاد کردیا جائے تاکہ میں شام اور اپنی سلطنت کے دوسرے علاقوں کا دورہ کرکے مطلوبہ دولت اکٹھی کرلوں۔ کسریٰ نے اس کی درخواست منظور کرلی۔ جب قیصر نے قسطنطنیہ سے نکلنے کا ارادہ کیا تو اس نے اپنے ساتھیوں اور لشکر کو جمع کیا اور کہنے لگا کہ میں ایک اہم کام کے سلسلے میں اپنے لشکر میں سے مخصوص فوجی چن کر جارہا ہوں۔ اگر ایک سال کے اندر اندر میں اپنی مہم سے فارغ ہوکر تمہارے پاس لوٹ آیا تم تمہارا بادشاہ رہوں گا ورنہ تمہیں اختیار ہے۔ چاہو تو میری بیعت پر ہی قائم رہنا اور اگر چاہو تو کسی اور کو اپنا بادشاہ مقرر کرلینا۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب تک آپ زندہ ہیں اس وقت تک آپ ہی ہمارے بادشاہ ہیں

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 197-198۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 1322

اگرچہ آپ دس سال تک غائب رہیں۔ چنانچہ قیصر فوج سے ایک جاں نثار دستہ لے کر چپکے سے نکلا۔ کسریٰ قسطنطنیہ کے قریب خیمہ زن اس کی واپسی کا منتظر تھا۔ قیصر نے کمال ہوشیاری اور تیزی سے بلادِ فارس کی طرف پیش قدمی کی اور یلغار کر کے قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ قتل عام کرتے کرتے وہ فارس کے قلب اور پایہ تخت مدائن تک پہنچ گیا۔ یہاں بھی اس نے ہر اس شخص کو تہ تیغ کر دیا جو اس کے سامنے آیا، مال و دولت اور زر و جواہرات لوٹ لئے، کسریٰ کی عورتوں اور لونڈیوں کو گرفتار کر لیا، اس کے بیٹے کا سر منڈوا کر گدھے پر بٹھایا اور اسے کسریٰ کی طرف اس پیغام کے ساتھ روانہ کر دیا کہ یہ لو جو تم نے مانگا تھا۔ جب کسریٰ کو یہ اطلاع ملی تو وہ غصہ سے پیچ و تاب کھانے لگا اور اسے سخت صدمہ پہنچا۔ غصہ سے بے قابو ہو کر اس نے شہر کا محاصرہ مزید تنگ کر دیا لیکن فتح کرنے میں ناکام رہا۔ اس ناکامی کے بعد اس نے قیصر کا راستہ روکنے کے لئے دریائے جیحوں کی طرف پیش قدمی کی کیونکہ قسطنطنیہ جانے کے لئے قیصر کے پاس صرف یہی راستہ تھا۔ قیصر کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے ایک بے مثال چال چلی۔ وہ یہ کہ اس نے اپنا لشکر اور مال و متاع دریا کے اس دہانے کے پاس چھوڑ دیا اور خود تھوڑی سی فوج اور گھاس پھوس، گوبر اور لید کی بوریاں لے کر پانی کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ روانہ ہو گیا۔ تقریباً ایک دن چلنے کے بعد اس نے گھاس پھوس اور گوبر وغیرہ دریا میں ڈلوا دیا۔ جب یہ چیزیں بہتی ہوئی کسریٰ اور اس کے لشکر کے پاس سے گزریں تو وہ سمجھ گئے کہ قیصر یہاں سے گزر گیا ہے۔ چنانچہ وہ قیصر کے تعاقب میں نکلے اور تلاش کرتے کرتے آگے نکل گئے۔ ادھر دہانہ ایرانیوں سے خالی ہو گیا قیصر نے موقعہ غنیمت جانتے ہوئے دریا کا دہانہ عبور کیا اور اپنے لشکر سمیت ایرانیوں سے بچتے بچاتے قسطنطنیہ میں داخل ہو گیا۔ قیصر کے اپنے شہر میں داخل ہونے پر نصاریٰ نے بہت خوشیاں منائیں۔ جب کسریٰ کو اس بات کا علم ہوا تو وہ حیران و ششدر رہ گیا، فارسیوں کو اب سمجھ ہی نہ آتی تھی کہ وہ کیا کریں۔ قیصر کی سلطنت پر کیا قبضہ کرتے، الٹا اپنا ملک برباد کروا بیٹھے اور اپنے مال و متاع اور اپنی عورتوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ یہ ہے وہ غلبہ اور فتح جو نو سال کے بعد رومیوں کو فارسیوں پر حاصل ہوئی اور انہوں نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت واپس لے لی۔ جس معرکہ میں رومیوں کو غلبہ حاصل ہوا تھا، وہ اذرعات اور بصریٰ کے درمیان حجاز کی طرف ملک شام میں پیش آیا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ جنگ جزیرہ میں ہوئی تھی جس کی سرحد فارس سے ملتی ہے۔ نو سال کے اندر اندر رومیوں کو فتح ہوئی۔ قرآن کریم میں بضع کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا اطلاق تین سے لے کر نو تک کے اعداد پر ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں بھی اس کی یہی تشریح مذکور ہے۔ حضور علیہ السلام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم نے احتیاط کیوں نہ کی کیونکہ بضع کا لفظ تین سے نو تک کے اعداد پر بولا جاتا ہے(1)۔ آیت کریمہ میں "قَبْلُ" اور "بَعْدُ" مبنی بر ضم ہیں کیونکہ ان کا مضاف الیہ محذوف ہے اور اس کے معنی کی نیت کی گئی ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ بِنَصْرِ اللّٰهِ یعنی اس دن اہل ایمان بہت خوش ہوں گے جس دن رومی فارس کے مجوسیوں پر غالب آ جائیں گے۔ حضرات ابن عباس، سدی، ثوری اور ان جیسے دیگر علماء کا قول ہے کہ غزوۂ بدر والے دن رومی ایرانیوں پر فتح یاب ہوئے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے کہ بدر کے دن اہل روم نے اہل فارس کو شکست دی تو مسلمان بہت مسرور ہوئے(2)۔ حضرات عکرمہ، قتادہ اور زہری وغیرہ کا کہنا ہے کہ روم کی فارس پر فتح حدیبیہ کے سال ہوئی۔ بعض نے اس قول کی یہ توجیہہ بیان کی ہے کہ قیصر نے نذر مان رکھی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اسے کسریٰ پر فتح عطا فرمائی تو وہ شکرانہ کے طور پر پیدل حمص سے ایلیا (بیت المقدس) جائے گا۔ جب اسے فتح حاصل ہوئی تو اس نے اپنی نذر

1۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ روم، جلد 12 صفحہ 66-67، تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 17

2۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ روم، جلد 12 صفحہ 67، تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 20

پوری کی۔ ابھی وہ بیت المقدس میں ہی قیام پذیر تھا کہ اسے رسول اللہ ﷺ کا گرامی نامہ موصول ہوا جو آپ ﷺ نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ذریعے بصری کے گورنر کو بھیجا تھا اور اس نے ہرقل تک پہنچایا تھا۔ مکتوب گرامی پاتے ہی قیصر نے حجاز کے ان عربوں کو اپنے پاس بلوا لیا جو اس وقت شام میں موجود تھے۔ ان میں ابوسفیان اور قریش کے بڑے بڑے لوگ موجود تھے۔ یہ اس وقت غزہ میں تھے۔ ان سب کو لا کر بادشاہ کے سامنے حاضر کیا گیا۔ اس نے دریافت کیا کہ تم میں سے سب سے زیادہ اس شخص کا قریبی رشتہ دار کون ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ میں ہوں۔ بادشاہ نے ابوسفیان کو آگے اور باقی ساتھیوں کو پیچھے بٹھا کر ان سے کہا کہ میں اس شخص سے چند سوالات کروں گا۔ اگر اس نے جھوٹ بولا تو اس کی نشاندہی کرنا۔ ابوسفیان کا کہنا ہے کہ اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میرے ساتھی میرے جھوٹ کا پول کھول کر مجھے جھوٹا کہیں گے تو میں ضرور جھوٹ بولتا۔ ہرقل نے حضور ﷺ کے نسب اور دیگر اوصاف کے متعلق متعدد سوالات کئے جن میں سے ایک سوال یہ تھا کہ کیا وہ غداری کرتا ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ آج تک تو اس نے کبھی بے وفائی اور غدر نہیں کیا۔ البتہ آج کل ہمارا اور اس کا ایک معاہدہ چل رہا ہے، معلوم نہیں اس میں وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہے(1)۔ اس سے ابوسفیان کی مراد صلح حدیبیہ تھی جس میں یہ طے ہوا تھا کہ مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان دس سال تک لڑائی موقوف رہے گی۔ اس واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے ان علماء کا کہنا ہے کہ فارس پر روم کو فتح حدیبیہ کے سال ہوئی کیونکہ قیصر نے حدیبیہ کے بعد ہی اپنی نذر پوری کی تھی۔ پہلے قول والے اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ سلطنت روم پیہم جنگوں کے سبب برباد ہوگئی تھی اور اس کی معیشت اور اقتصادی حالت بہت دگرگوں ہوگئی تھی، اس لئے وہ چار سال اصلاح احوال اور اقتصادی بحالی کی طرف متوجہ رہا۔ چار سال کے بعد وہ اپنی نذر پوری کرنے پر قادر ہوا۔ یہ اختلاف کوئی زیادہ اہم اور نازک مسئلہ نہیں البتہ یہ واضح ہے کہ پہلے فارسی غلبہ کے باعث مسلمان بہت رنجیدہ ہوئے پھر جب اہل روم کو فتح نصیب ہوئی تو مسلمان بہت مسرور ہوئے کیونکہ رومی اہل کتاب تھے اور مجوس کی نسبت مسلمانوں کے زیادہ قریب تھے جیسا کہ فرمایا: لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ... فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ (المائدہ:83-82)۔ حضرت زبیر کلابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے پہلے رومیوں پر فارسیوں کا غلبہ، پھر فارسیوں پر رومیوں کا غلبہ اور پھر روم و فارس دونوں پر مسلمانوں کا غلبہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یہ سب کچھ پندرہ سال کے قلیل عرصہ میں ہوا(2)۔ فرمایا: وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں سے انتقام لینے پر غالب ہے اور اپنے اہل ایمان بندوں پر رحیم ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَعْدَ اللّٰهِ ... یعنی اے میرے رسول ﷺ! یہ جو ہم نے آپ کو خبر دی کہ ہم عنقریب روم کو فارس پر غلبہ عطا کریں گے، یہ ایسا برحق وعدہ اور سچی خبر ہے جس کی خلاف ورزی نہیں ہوگی بلکہ اس کا وقوع یقینی اور حتمی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ اس گروہ کی مدد فرماتا ہے جو حق کے قریب ہو اور اس کے تمام افعال اور فیصلے حق پر مبنی ہوتے ہیں لیکن اکثر لوگ اس کی حکمتوں کا علم نہیں رکھتے۔ یہ صرف دنیا کے ظاہری پہلو کو پیش نظر رکھتے ہیں، انہیں صرف دنیا اور اس کے امور کا علم ہے اور حصول دنیا اور کسب معاش میں انہیں بڑی مہارت اور سمجھ بوجھ حاصل ہے لیکن دین کے امور اور آخرت میں نفع رساں چیزوں سے یہ بالکل غافل اور بے خبر ہیں، یوں محسوس ہوتا ہے کہ اخروی امور میں یہ بالکل احمق ہیں، نہ ان کا ذہن اس بارے میں کام کرتا ہے اور نہ فکر۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دنیادار لوگوں میں سے بعض ایسے ماہر ہیں کہ درہم چٹکی میں لیتے ہی اس کا وزن بتا دیتے ہیں لیکن انہیں نماز پڑھنے کا طریقہ نہیں

1۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، جلد 1 صفحہ 4 2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 482

آتا(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس فرمان یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کفار ہیں جو زمین کی آباد کاری کا خوب علم رکھتے ہیں لیکن امور دین سے بالکل بے خبر ہیں(2)۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوا السُّوْۗآٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

"کیا انہوں نے کبھی غور نہیں کیا اپنے جی میں نہیں پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ اور ایک مقررہ مدت تک کے لئے۔ اور بلاشبہ اکثر لوگ اپنے رب کی ملاقات کے سخت منکر ہیں۔ کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ وہ دیکھتے کیسا ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے۔ وہ زیادہ تھے ان سے زور میں اور انہوں نے خوب ہل چلائے زمین میں اور انہوں نے اسے آباد کیا اس سے زیادہ جتنا انہوں نے اسے آباد کیا اور آئے ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر۔ پس نہ تھی اللہ کی یہ شان کہ وہ ان پر ظلم کرتا بلکہ وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے رہتے تھے۔ آخر کار ان کا انجام جنہوں نے برائی کی تھی بہت برا ہوا، کیونکہ انہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو اور وہ ان کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے"۔

مخلوقات میں غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے وجود، وحدانیت، الوہیت اور ربوبیت کی دلیل ہیں۔ فرمایا: اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ یعنی کیا انہوں نے عالم علوی، عالم سفلی اور ان میں انواع و اقسام کی موجودات پر غور و تدبر نہیں کیا تاکہ انہیں علم ہو جاتا کہ انہیں فضول اور بے کار نہیں پیدا کیا گیا بلکہ ان کی تخلیق حق کے ساتھ کی گئی ہے اور ایک مقررہ وقت یعنی قیامت کے دن تک ان کی مدت معین ہے، اس لئے فرمایا: وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ پھر اللہ تعالیٰ لوگوں کو اپنے پیغمبروں کی صداقت پر آگاہ فرما رہا ہے کہ اس نے انہیں دلائل و معجزات سے نوازا، ان کا انکار کرنے والوں کو ہلاک کر دیا اور ان کی تصدیق کرنے والوں کو نجات دی، فرمایا: اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ یعنی کیا ان لوگوں نے زمین میں سیر و سیاحت نہیں کی اور کیا انہیں پہلے لوگوں کے واقعات کا علم نہیں کہ ان سے پہلے آنے والی قوموں کا کیسا عبرتناک انجام ہوا، حالانکہ وہ لوگ ان سے زیادہ طاقتور اور زیادہ اموال و اولاد والے تھے۔ اے عرب والو! تم تو ان کا عشر عشیر بھی نہیں۔ انہیں زمین پر وہ اقتدار ملا جو تمہیں حاصل نہیں، انہوں نے تم سے زیادہ زمین کی آباد کاری کی اور زرعی مہارت اور صنعتی قابلیت میں وہ تم سے بڑھ کر تھے۔ اس کے باوجود جب انہوں نے ہمارے پیغمبروں کے لائے ہوئے دلائل و معجزات کو جھٹلا دیا اور دنیا کے مال و متاع پر اترانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں پکڑ لیا۔ اس وقت کوئی بھی انہیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 484
2۔ تفسیر طبری، جلد 21، صفحہ 23

نہ بچا سکا اور ان کے اموال و اولاد بھی ان کے کسی کام نہ آئے۔ یہ عذاب ان کی سیاہ کاریوں کا نتیجہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ ان پر ظلم کرتا بلکہ انہوں نے آیات الٰہی کو جھٹلانے، ان کا تمسخر اڑانے، پیغمبروں کی تکذیب کرنے اور گناہوں کا ارتکاب کرنے کے سبب خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا، اس لئے فرمایا: ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ۔ اسی طرح فرمایا: وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (الانعام: 111) "اور ہم ان کے دل اور ان کی آنکھیں پھیر دیں گے جس طرح وہ پہلی مرتبہ اس پر ایمان نہیں لائے تھے اور ہم انہیں چھوڑ دیں گے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں"۔ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (الصف: 5) "پھر جب انہوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا"۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ (المائدہ: 49) "اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دینے کا ارادہ کر لیا ہے"۔ اس صورت میں "السوآی"، "اساءوا" فعل کا مفعول ہونے کی بناء پر منصوب ہوگا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ "کان" کی خبر ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ برائی کرنے والوں کا انجام برا ہی تھا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا اور ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ یہ توجیہہ ابن جریر نے حضرت ابن عباس اور قتادہ سے نقل کی ہے[1] اور ظاہر بھی یہی ہے کیونکہ اس کے بعد فرمایا: وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ۔

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

"اللہ تعالیٰ ابتداء کرتا ہے تخلیق کی پھر (فنا کرنے کے بعد) دوبارہ پیدا کرے گا اسے پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور جس روز برپا ہوگی قیامت مجرموں کی آس ٹوٹ جائے گی۔ اور نہیں ہوں گے ان کے لئے ان کے شریکوں میں سے شفاعت کرنے والے اور وہ اپنے شریکوں کے منکر ہو جائیں گے۔ اور جس روز برپا ہوئی قیامت اس دن وہ جدا جدا ہو جائیں گے۔ تو وہ جو ایمان لائے تھے اور نیک عمل کرتے رہے تھے، وہ باغ (جنت) میں مسرور (اور محترم) ہوں گے۔ اور جنہوں نے کفر کیا تھا اور جھٹلایا تھا ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو تو وہ عذاب میں حاضر رکھے جائیں گے"۔

فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ابتدائے آفرینش پر قادر ہے اور اعادہ پر بھی صرف اسے ہی قدرت حاصل ہے۔ پھر قیامت کے دن ہر ایک کو اس کی بارگاہ میں لوٹ کر جانا ہے اور وہاں ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ پھر فرمایا: وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن مجرم مایوس ہو جائیں گے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ وہ ذلیل و رسوا ہوں گے۔ ایک اور روایت میں یہ معنی منقول ہے کہ وہ خاموش اور لاجواب ہو جائیں گے۔ جن معبودان باطلہ کی یہ پرستش کیا کرتے تھے، وہ ان کی سفارش نہیں کریں گے بلکہ وہ ان سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے اس وقت ان سے آنکھیں پھیر لیں گے جس

1۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 25

وقت انہیں ان کی اعانت کی اشد ضرورت ہوگی۔ پھر فرمایا: وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ قتادہ فرماتے ہیں کہ نیک و بد کے درمیان یہ ایسی جدائی اور تفریق ہوگی کہ اس کے بعد اجتماع کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا یعنی جب نیکوکار علیین میں اور بدکار سجین میں پہنچ جائیں گے تو اس کے بعد ان کا ایک جگہ اکٹھا ہونا ناممکن ہوگا اس لئے فرمایا: فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ... یعنی نیکوکار اہل ایمان جنت میں مسرور اور محترم ہوں گے جبکہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور آخرت کو جھٹلانے والے کافر ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ مجاہد اور قتادہ ''یُحْبَرُوْنَ'' کا معنی بتاتے ہیں کہ وہ نعمتوں سے شادکام ہوں گے۔ یحییٰ بن ابی کثیر اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں کہ وہ غناء سنیں گے لیکن یہ لفظ عام ہے، ان کے علاوہ اور معانی کو بھی شامل ہے۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِیْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ عَشِیًّا وَّ حِیْنَ تُظْهِرُوْنَ ۝ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ یُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ وَ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝

''سو پاکی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو۔ اور اسی کے لئے ساری تعریفیں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں نیز (پاکی بیان کرو) سہ پہر کو اور جب تم دوپہر کرتے ہو۔ نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد۔ اور یونہی (قبروں سے) تمہیں نکالا جائے گا''۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات مقدسہ کی خود بھی تسبیح بیان فرماتا ہے اور اپنے بندوں کو بھی پے در پے آنے والے ان اوقات میں اپنی تسبیح و تحمید کا حکم ارشاد فرماتا ہے جو اس کی کمال قدرت پر دلالت کرتے ہیں۔ شام کے وقت اس کی تسبیح کرو جب رات اپنی تاریکی کے ساتھ سایہ فگن ہو رہی ہوتی ہے اور صبح کے وقت بھی جب دن کا اجالا ہر سو پھیل رہا ہوتا ہے۔ صبح و شام کے ذکر کے بعد تسبیح کی مناسبت سے درمیان میں اپنی تحمید کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَلَهُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی زمین و آسمان کی تخلیق پر وہی لائق حمد اور قابل ستائش ہے۔ پھر فرمایا: وَعَشِیًّا وَّ حِیْنَ تُظْهِرُوْنَ یعنی عشاء اور ظہر کے وقت بھی اس کی پاکی بیان کرو۔ عشاء رات کی وہ گھڑی ہے جب تاریکی شدت اختیار کر جاتی ہے اور ظہر دن کا وہ وقت ہے جب روشنی خوب پھیل جاتی ہے۔ پاک ہے وہ ذات جو رات کی تاریکی اور دن کے اجالے کو پیدا کرنے والا، صبح کو ظاہر کرنے والا اور رات کو باعث سکون بنانے والا ہے جیسا کہ فرمایا: وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۝ وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰىهَا (الشمس: 4) ''اور قسم ہے دن کی جب آفتاب کو روشن کر دے اور رات کی جب وہ اسے چھپا لے''۔ وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰى ۝ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى (اللیل: 2-1) ''قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے اور دن کی جب وہ خوب چمک اٹھے''۔ وَالضُّحٰى ۝ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰى (الضحیٰ: 2-1) ''قسم ہے روز روشن کی اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ چھا جائے''۔ اس قسم کی اور بھی آیات ہیں۔ حضرت معاذ بن انس جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل وفادار کا نام کیوں دیا؟ اس وجہ سے کہ وہ صبح و شام یہ کلمات فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ ... وَحِیْنَ تُظْهِرُوْنَ کہا کرتے تھے''(1)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص صبح کے وقت ان دونوں آیات کی تلاوت کرتا ہے، اس نے دن میں فوت ہو جانے والی چیز کی تلافی کر لی اور جس شخص نے شام کے وقت ان آیات کی تلاوت کی، اس نے رات میں فوت ہو جانے والی چیز کا تدارک کر لیا''(2)۔ اگلی آیت میں فرمایا:

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 439 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 319، معجم کبیر، جلد 12 صفحہ 239

یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ ..... یعنی زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے پر وہی قدرت رکھتا ہے۔ اس قسم کی آیات میں مذکور ہے کہ مختلف چیزیں اور ان کی ضدیں اسی نے پیدا کی ہیں۔ ان اضداد کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کی واضح دلیل ہے، دانے سے درخت، درخت سے دانے، مرغی سے انڈا، انڈے سے مرغی، نطفہ سے انسان، انسان سے نطفہ، کافر سے مومن اور مومن سے کافر پیدا کرنا اس کی قدرت کی کرشمہ سازی ہے پھر فرمایا: وَیُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا، اسی طرح فرمایا: وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ ۚۖ اَحْیَیْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ یَاْكُلُوْنَ ۔ وَفَجَّرْنَا فِیْهَا مِنَ الْعُیُوْنِ (یٰسین: 34-33)، وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ ۔ وَاَنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ (الحج: 7-5)، وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۭ حَتّٰۤى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ۔ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (الاعراف: 57)۔ اس لئے یہاں فرمایا: وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۝ وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

''اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے (ایک یہ) ہے کہ اس نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے پھر تم اچانک بشر بن کر (زمین میں) پھیل رہے ہو۔ اور اس کی (قدرت کی) ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے پیدا فرمائیں تمہارے لئے تمہاری جنس سے بیویاں تاکہ تم سکون حاصل کرو ان سے اور پیدا فرما دیئے تمہارے درمیان محبت اور رحمت (کے جذبات) بے شک اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کمال قدرت پر دلالت کرنے والی بے شمار نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے باپ آدم (علیہ السلام) کو مٹی سے پیدا کیا پھر تم اچانک بشر بن کر زمین میں پھیل رہے ہو۔ تمہاری اصل مٹی ہے اور پھر حقیر سے پانی کا قطرہ جو پہلے جمے ہوئے خون کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور پھر گوشت کے ٹکڑے کی، پھر ہڈیاں بنتی ہیں، بعد ازاں ہڈیوں کو گوشت پہنایا جاتا ہے، پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے تو وہ قوت سماعت وبصارت سے آراستہ انسان بن جاتا ہے۔ پھر اپنی ماں کے شکم سے باہر آتا ہے تو یہ بہت چھوٹا اور کمزور ہوتا ہے اور حرکت کرنے کے قابل بھی نہیں ہوتا۔ پھر جوں جوں اس کی عمر بڑھتی ہے، اس کی قوتیں اور حرکتیں تکمیل کے مراحل طے کرتی جاتی ہیں یہاں تک کہ جب یہ مضبوط اور طاقتور جوان بن جاتا ہے تو اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے شہر اور قلعے تعمیر کرتا ہے، مختلف ممالک کا سفر کرتا ہے، سمندروں پر سواری کرتا ہے، زمین کے کونے کونے میں گھومتا پھرتا ہے اور مال ودولت جمع کرتا ہے۔ ہر شخص کو اس کے حال کے مطابق دینی اور دنیوی امور میں عقل، سمجھ بوجھ، دور اندیشی، دانائی، رائے اور علم سے نوازا جاتا ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے لوگوں کو قدرت عطا کر کے طرح طرح کے امور میں لگا دیا اور علوم وفنون، غور وتدبر کی استعداد، حسن وقبح، غنا وفقر اور سعادت و شقاوت میں ان کے درمیان تفاوت پیدا کر دیا۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹھی بھر مٹی سے پیدا کیا جو اس نے تمام زمین سے لی، اس لئے زمین کے مختلف حصوں کے مطابق اولاد آدم مختلف ہوگئی، ان میں سے کوئی سفید ہے، کوئی سرخ، کوئی سیاہ، کوئی ان کے بین بین رنگت والا، کوئی خبیث، کوئی طیب، کوئی نرم مزاج، کوئی سخت مزاج اور کوئی ملا جلا'' (1)۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 222، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 400 وغیرہ

پھر فرمایا: وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے عورتیں پیدا کیں جو تمہاری بیویاں بنتی ہیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّجَعَلَ مِنْھَا زَوْجَھَا لِیَسْکُنَ اِلَیْھَا (الاعراف:189) "وہ (خدا ہے) جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا فرمایا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ وہ اس سے اطمینان حاصل کرے"۔ اس سے مراد حضرت حوا علیہا السلام ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں طرف کی سب سے چھوٹی پسلی سے پیدا کیا۔ اگر اللہ تعالیٰ تمام اولاد آدم کو مذکر بنا دیتا اور جنات یا حیوانات کی جنس سے ان کی بیویاں بنا دیتا تو ان کے اور ان کی بیویوں کے درمیان موجودہ الفت اور رحمت حاصل نہ ہو پاتی بلکہ جنس مختلف ہونے کی وجہ سے نفرت پیدا ہو جاتی۔ اولاد آدم پر اللہ تعالیٰ کی کمال رحمت ہے کہ اس نے انہی کی جنس سے ان کے لئے جوڑے بنائے اور پھر ان کے درمیان محبت اور رحمت کے جذبات پیدا کر دیئے۔ مرد یا تو محبت کے باعث عورت کا خیال رکھتا ہے یا اس پر رحم کھا کر، اس لئے کہ اس سے اس کی اولاد ہوتی ہے یا اس وجہ سے کہ مرد اس کی ضروریات کا کفیل ہے یا اس سبب سے کہ دونوں میں باہمی محبت اور الفت کے جذبات موجود ہیں۔ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ۝ وَمِنْ اٰیٰتِہٖ مَنَامُکُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَابْتِغَآؤُکُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ۝

"اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق ہے، نیز تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف۔ بے شک اس میں بھی نشانیاں ہیں اہل علم کے لئے۔ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے تمہارا سونا رات کے وقت اور دن کے وقت اور تمہارا تلاش کرنا اس کے فضل کو، بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو (غور سے) سنتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ پر دلالت کرنے والی نشانیوں میں سے زمین و آسمان کی تخلیق ہے۔ اس قدر بلند اور وسیع آسمان، اس میں متعدد اجرام اور ثابت و متحرک درخشاں ستارے، پست اور کثیف زمین، اس میں پہاڑ، وادیاں، سمندر، جنگل، حیوانات اور درخت ان سب چیزوں کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کرشمہ سازی ہے۔ اسی طرح زبانوں اور رنگوں کا اختلاف بھی اس کی قدرت کاملہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ ہر قوم کی اپنی مخصوص زبان ہے۔ عرب، تاتار، کرج، رومی، افرنگی، بربر، تکرور، ہندو، کرد اور دیگر ایسی لاتعداد قومیں ہیں جو مختلف زبانیں بولتی ہیں۔ یہی کیفیت رنگوں میں اختلاف کی بھی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والے انسانوں کے اعضاء ایک جیسے ہیں۔ ہر ایک کی دو آنکھیں، دو ابرو، ایک ناک، ایک پیشانی، ایک منہ اور دو رخسار وغیرہ ہیں لیکن اعضاء میں یکسانیت کے باوجود کوئی شخص دوسرے کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا بلکہ ہیئت، صورت اور طرز کلام میں ہر شخص دوسرے سے ممتاز ہے اور غور و فکر کرنے سے یہ امتیاز اور اختلاف نمایاں طور پر نظر آنے لگتا ہے۔ اگر کچھ لوگ خوبصورتی یا بدصورتی میں ایک دوسرے کی موافقت رکھتے ہوں تو بھی ان کے درمیان فرق اور تفاوت ضرور ہوگا۔ اس میں اہل علم کیلئے نشانیاں ہیں۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَمِنْ اٰیٰتِہٖ مَنَامُکُمْ یعنی یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کرشمہ سازی ہے کہ اس نے راحت و سکون کے حصول اور درماندگی اور تھکاوٹ دور کرنے کے لئے نیند جیسی نعمت پیدا

فرمائی اور سفر کے لئے اور کسب معاش کی خاطر دوڑ دھوپ کرنے کے لئے دن پیدا کیا۔ یہ نیند کی ضد ہے۔ اس میں سننے اور سمجھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رات کو بے خوابی کی بیماری لگ گئی۔ میں نے نبی کریم ﷺ سے اس امر کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ دعا پڑھا کرو: ”اَللّٰهُمَّ غَارَتِ النُّجُوْمُ وَ هَدَأَتِ الْعُيُوْنُ وَاَنْتَ حَيٌّ قَيُّوْمٌ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ اَنِمْ عَيْنِيْ وَاَهْدِئْ لَيْلِيْ“۔ میں نے یہ دعا پڑھی تو بے خوابی کی شکایت جاتی رہی(1)۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ڰ مِّنَ الْاَرْضِ ڰ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ۝

”اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ دکھاتا ہے تمہیں بجلی ڈرانے اور امید دلانے کے لئے اور اتارتا ہے آسمان سے پانی اور زندہ کرتا ہے اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو عقلمند ہیں۔ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ قائم ہے آسمان اور زمین اس کے حکم سے۔ پھر جب بلائے گا تمہیں زمین سے تو تم فوراً باہر نکل آؤ گے“۔

بجلی بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت پر دلالت کرنے والی ایک بہت بڑی نشانی ہے۔ بعض اوقات تم اس کی کڑک اور اس کے بعد برسنے والی شدید بارش سے دہشت زدہ ہو جاتے ہو اور کبھی تم اس کی گرج چمک کا انتظار کرتے ہو اور بوقت ضرورت اس سے بارش برسنے کی امید وابستہ کر لیتے ہو، اس لئے فرمایا: وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً یعنی اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برساتا ہے اور اس کے ذریعے بنجر اور خشک ہو جانے والی زمین کو زندگی اور روئیدگی کی قوت عطا فرماتا ہے۔ جب اس زمین پر بارش برستی ہے تو ہر طرف انواع واقسام کی فصلیں لہلہانے لگتی ہیں اور زمین سرسبز وشاداب ہو جاتی ہے۔ اس میں عبرت کا سامان اور دوبارہ زندہ کئے جانے اور قیامت کی واضح دلیل ہے۔ پھر فرمایا: وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ اسی طرح فرمایا: وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (الحج: 65) ”اور اس نے آسمان کو روکا ہوا ہے کہ زمین پر گر نہ پڑے بجز اس کے فرمان کے“۔ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا (فاطر: 41) ”بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے تاکہ وہ اپنی جگہ سے سرک نہ جائیں“۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کوئی تاکیدی قسم اٹھاتے تو یوں کہتے: قسم ہے اس ذات کی جس کے حکم سے زمین وآسمان قائم اور ثابت ہیں۔ پھر قیامت کے دن زمین وآسمان کو بدل دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی آواز پر مردے قبروں سے زندہ ہو کر نکل کھڑے ہوں گے، اس لئے فرمایا: ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل: 52) ”اس دن کو یاد کرو جب تمہیں اللہ بلائے گا سو تم اس کی حمد کرتے ہوئے جواب دو گے اور یہ گمان کر رہے ہو گے کہ تم نہیں ٹھہرے مگر تھوڑا عرصہ“۔ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۝ (النازعات: 14-13) ”بس (واپسی کے لئے) ایک جھڑک ہی کافی ہے پھر وہ فوراً کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے“۔ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ (یٰسین: 53) ”نہیں ہوگی مگر ایک زوردار کڑک پھر وہ فوراً سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے“۔

1۔ معجم کبیر، جلد 5 صفحہ 124

وَ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝ وَ هُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ وَ لَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

''اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ سب اس کے تابع فرمان ہیں۔ اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے۔ پھر (فنا کرنے کے بعد) اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ آسان تر ہے۔ اور اسی کے لئے برتر شان ہے آسمانوں اور زمین میں۔ اور وہی سب پر غالب حکمت والا ہے''۔

زمین وآسمان کی کل مخلوق اللہ تعالیٰ کی ملک اور غلام ہے۔ ہر ایک چار و ناچار اس کا تابع فرمان اور اس کے سامنے عاجز، بے بس اور سرافگندہ ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں قنوت کا لفظ مذکور ہے، وہاں اس مراد اطاعت ہے (1)۔ اس کے بعد فرمایا: وَ هُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا یعنی وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو تخلیق کا آغاز کرتا ہے اور وہی اس کا اعادہ کرے گا اور اعادہ ابتداء کی نسبت اس کے لئے زیادہ آسان ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے اور یہ اسے زیب نہیں دیتا، وہ مجھے برا بھلا کہتا ہے حالانکہ یہ اس کے لئے مناسب نہیں۔ اس کا مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے پہلی مرتبہ پیدا کیا اس طرح وہ دوبارہ مجھے پیدا نہیں کرسکتا حالانکہ اعادہ ابتدائے آفرینش کی نسبت زیادہ آسان ہے۔ اس کا مجھے برا بھلا کہنا یہ ہے کہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے حالانکہ میں یکتا اور بے نیاز ہوں جس کی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ ہی کوئی اس کا ہمسر ہے'' (2)۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے ابتداء اور اعادہ دونوں یکساں اور آسان ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ میں ضمیر کا مرجع خلق ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت وَ لَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى اس فرمان کی طرح ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ (الشوریٰ: 11) ''اس کی مثل کوئی چیز نہیں'' (3)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہاں مثل سے مراد توحید الوہیت اور توحید ربوبیت ہے۔ کسی عارف نے اپنے اشعار میں کہا ہے کہ جب کوئی حوض صاف شفاف ہو، اس کا پاکیزہ پانی ٹھہرا ہوا ہو اور باد نسیم کے جھونکے اسے حرکت نہ دے رہے ہوں تو اس میں آسمان، سورج اور ستارے واضح طور پر دکھائی دیتے ہیں، اسی طرح تجلیات کے حامل وہ دل ہیں جن کے صاف شفاف آئینے میں خدائے بزرگ و برتر کے جلوے نظر آتے ہیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ یعنی وہ ایسا غالب ہے جسے نہ زیر کیا جاسکتا ہے اور نہ مغلوب بلکہ اس کی قدرت و سطوت کے سامنے ہر چیز مغلوب ہے اور وہ اپنے شرعی اور تقدیری اقوال و افعال میں حکیم ہے۔ محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مثل اعلیٰ سے مراد ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' ہے۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝

1۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 75 2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ اخلاص، جلد 6، صفحہ 222، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 350 3۔ تفسیر طبری، جلد 21، صفحہ 38

"اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے تمہارے لئے ایک مثال تمہارے ہی حالات میں سے۔ (یہ بتاؤ) کیا تمہارے غلام تمہارے حصہ دار ہوتے ہیں اس مال میں جو ہم نے تم کو عطا فرمایا ہے یوں کہ تم (اور وہ) اس میں برابر کے حصہ دار بن جاؤ۔ حتیٰ کہ تم ڈرنے لگو ان سے جیسے تم ڈرتے ہو آپس میں ایک دوسرے سے۔ یوں ہم کھول کر بیان کرتے ہیں (اپنی) نشانیاں اس قوم کے لئے جو عقلمند ہے۔ بلکہ پیروی کرتے ہیں ظالم اپنی (نفسانی) خواہشات کی بغیر کسی دلیل کے۔ پس کون ہدایت دے سکتا ہے جسے (تمہاری نافرمانی کے باعث) اللہ تعالیٰ گمراہ کردے۔ اور ان لوگوں کا کوئی مددگار نہیں"۔

مشرکین کی مثال بیان ہو رہی ہے کہ وہ غیر اللہ کی عبادت کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کو شریک ٹھہرانے کے باوجود اس چیز کے معترف تھے کہ ان کے بت اللہ تعالیٰ کے غلام اور اس کی ملک ہیں جیسا کہ وہ اپنے تلبیہ میں کہا کرتے تھے: "لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ إِلَّا شَرِيْكٌ هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ" یعنی ہم حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں بجز اس کے جسے تو نے خود اپنا شریک ٹھہرایا۔ تو اس کا بھی مالک ہے اور اس چیز کا بھی جس کا وہ مالک ہے۔ فرمایا: ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا ... یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے حالات سے ہی ایک مثال بیان فرما رہا ہے جس کا تم خود مشاہدہ بھی کرتے ہو اور اسے اچھی طرح سمجھتے بھی ہو فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی اس بات پر رضامند ہے کہ اس کے مال میں اس کا غلام برابر کا شریک ہو اور وہ اور اس کا غلام ہر چیز کے یکساں طور پر مالک بن جائیں حتیٰ کہ تم خوفزدہ ہو کہ کہیں وہ مال میں تمہارے ساتھ برابر کے حصہ دار نہ بن جائیں۔ جب تم اپنے لئے یہ بات پسند نہیں کرتے تو پھر تم کیونکر مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ کے شریک اور مدمقابل ٹھہراتے ہو۔ یہ اس ارشاد کی طرح ہے: وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ (النحل: 62) یعنی یہ مشرکین اپنے لئے تو لڑکیاں ناپسند کرتے ہیں اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ٹھہراتے ہیں۔ بیٹیوں سے ان کی نفرت کا یہ عالم ہے کہ جب ان میں سے کسی کے ہاں بچی پیدا ہوتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے۔ لوگوں سے منہ چھپائے پھرتا ہے اور سوچتا ہے کہ آیا تو اسے ذلت و رسوائی کے ساتھ اپنے پاس رکھوں یا پھر اسے زندہ درگور کر دوں۔ کفر کی انتہاء ہے کہ یہ بذات خود بیٹیوں سے متنفر ہیں لیکن فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں۔ بالکل اسی طرح یہاں بھی ان کی ایسی ہی کیفیت ہے کہ وہ اپنے غلاموں کو اپنا شریک بنانے پر تیار نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے غلاموں کو اس کا شریک ٹھہرا رہے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل شرک یہ تلبیہ کہتے: "لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ إِلَّا شَرِيْكٌ هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ"۔ اس پر یہ آیت کریمہ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ ... نازل ہوئی(1)۔ اللہ تعالیٰ نے اس مثال کے ذریعے شرک سے اپنی پاکی، نزاہت اور برأت بیان کرنے کے بعد فرمایا: كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔ پھر یہ بیان کرتے ہوئے کہ مشرکین محض اپنی حماقت اور جہالت کے باعث غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، فرمایا: بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا ... یعنی مشرکین اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے بغیر علم کے بتوں کی پوجا کر رہے ہیں۔ ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جب وہ کسی کے مقدر میں گمراہی لکھ دے تو اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور قیامت کے دن کوئی بھی کفار کو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچانے والا نہ ہوگا اور نہ ہی کوئی انہیں عذاب سے پناہ دے سکے گا کیونکہ وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو وہ نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا

1۔ مجمع الزوائد، جلد 3، صفحہ 223، بروایت طبرانی

الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝

"پس آپ کر لیں اپنا رخ دین (اسلام) کی طرف پوری یکسوئی سے (مضبوطی سے پکڑ لو) اللہ کے دین کو جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے۔ کوئی ردوبدل نہیں ہو سکتا اللہ کی تخلیق میں۔ یہی سیدھا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔ (اے غلامان مصطفیٰ تم بھی اپنا رخ اسلام کی طرف کر لو) اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اور ڈرو اس سے اور قائم کرو نماز کو اور نہ ہو جاؤ (ان) مشرکوں میں سے۔ جنہوں نے پارہ پارہ کر دیا اپنے دین کو اور خود گروہ گروہ ہو گئے۔ ہر گروہ جو اس کے پاس ہے اسی پر خوش ہیں"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنا رخ سیدھا کر لیں اور اس دین پر کاربند رہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقرر کیا ہے یعنی ملت ابراہیم حنیف جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے تمہاری راہنمائی کی ہے اور تمہارے لئے اسے انتہائی کمال تک پہنچا دیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ فطرت سلیمہ پر قائم رہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو پیدا کیا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت، توحید اور الوہیت اپنی مخلوق کی فطرت میں رکھ دی ہے جیسا کہ اس فرمان" وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي (الاعراف:173) کے تحت بیان ہو چکا ہے۔ حدیث قدسی میں آتا ہے:" میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا لیکن شیطانوں نے انہیں ان کے دین سے برگشتہ کر دیا" (1)۔ عنقریب ہم ان احادیث کو بیان کریں گے جن میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو دین اسلام پر پیدا کیا پھر بعض لوگوں پر ادیان فاسدہ چھا گئے جیسے یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت۔ فرمایا: لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ بعض نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں ردوبدل کر کے لوگوں کو اس دین فطرت سے نہ ہٹاؤ جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا ہے۔ اس صورت میں یہ جملہ خبریہ طلب کے معنی میں ہوگا جیسا کہ یہ فرمان ہے: وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (آل عمران:97)" اور جو بھی اس میں داخل ہو جاتا ہے، وہ محفوظ ہے"۔ یہ معنی عمدہ اور صحیح ہے۔ دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ یہ جملہ خبریہ اپنے اصل پر ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو دین فطرت پر پیدا کرنے میں یکسانیت قائم کر دی، ہر ایک اسی دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور اس میں لوگوں کے درمیان کوئی تفاوت نہیں، اس لئے حضرات ابن عباس، ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر، مجاہد، عکرمہ، قتادہ، ضحاک اور ابن زید کے نزدیک لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ کا معنی ہے کہ اللہ کے دین میں کوئی ردوبدل نہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی خلق اللہ کا یہی معنی بتایا ہے یعنی دین اور فطرت سے مراد اسلام ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جیسا کہ ایک جانور صحیح سالم بچہ جنتا ہے لیکن بعد میں لوگ اس کے کان وغیرہ کاٹ دیتے ہیں"۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت فِطْرَتَ اللّٰهِ تلاوت کی (2)۔ اس حدیث کی ہم معنی اور بھی متعدد احادیث صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہیں۔ حضرت اسود بن سریع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جہاد کیا، ہمیں فتح نصیب ہوئی۔ اس دن مسلمان خوب لڑے یہاں تک کہ انہوں نے بڑوں کے علاوہ بہت سے چھوٹے بچوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا:" لوگوں کو کیا ہو گیا کہ وہ حد سے تجاوز کرتے ہوئے بچوں کو قتل کرنے لگ گئے؟" ایک آدمی نے عرض

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، 2197

2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ روم، جلد 6 صفحہ 43

کی: یارسول اللہ ﷺ! یہ بھی تو مشرکین کے ہی بچے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں تم میں سے بہترین مشرکین کے بچے ہیں۔ پھر فرمایا: بچوں کو مت قتل کرو، بچوں کو مت قتل کرو۔ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ زبان سے اظہار پر قادر ہو جائے۔ پھر اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔"(1) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ مافی الضمیر کا اظہار کرنے لگے۔ جب وہ اپنی زبان سے خیالات کا اظہار کرنے لگے تو یا شکر گزار بنتا ہے یا ناشکرا"(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کی اولاد کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے جب انہیں پیدا کیا تو اسے ہی خوب معلوم تھا کہ وہ کیسے کیسے اعمال کرنے والے ہیں"(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عرصہ میرا یہی موقف رہا کہ مسلمانوں کی اولاد مسلمانوں کے ساتھ اور مشرکین کی اولاد مشرکین کے ساتھ ہے یہاں تک کہ فلاں شخص سے مجھ تک یہ حدیث پہنچی جس میں مذکور ہے کہ مشرکین کی اولاد کے متعلق سوال پر آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا اعمال کرتے۔" اس حدیث کو سن کر میں نے اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا(4)۔ حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: "میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں وہ سکھا دوں جو اس نے آج مجھے سکھایا ہے اور جس سے تم جاہل ہو: ہر وہ چیز حلال ہے جو میں نے اپنے بندوں کو عطا کی، میں نے اپنے تمام بندوں کو موحد پیدا کیا لیکن شیطان ان کے پاس آتے ہیں اور انہیں ان کے دین سے برگشتہ کر دیتے ہیں، ان پر وہ چیزیں حرام کر دیتے ہیں جو میں نے ان کے لئے حلال کی ہیں اور انہیں حکم دیتے ہیں کہ وہ میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائیں جس کی میں نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف نگاہ ڈالی اور تمام عرب و عجم کو ناپسند فرمایا بجز اہل کتاب کے بقایا کے۔ وہ فرماتا ہے کہ میں نے تمہیں مبعوث کیا تا کہ تمہیں بھی آزماؤں اور تمہارے سبب اوروں کو بھی او۔ میں نے تم پر ایسی کتاب نازل کی جسے پانی نہیں دھو سکتا۔ سوتے جاگتے تم اس کی تلاوت کرو گے، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں قریش کو متنبہ کروں۔ میں نے عرض کی: اے میرے پروردگار! کہیں وہ میرا سر کچل کر روٹی جیسا نہ بنا دیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں انہیں اس طرح نکالوں گا جس طرح وہ تمہیں نکالیں گے۔ ان کے ساتھ جہاد کرو، میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ خرچ کرو، ہم تمہیں عطا کریں گے۔ لشکر بھیجو، میں اس سے پانچ گنا زیادہ لشکر بھیجوں گا اور اپنے اطاعت گزاروں کے ساتھ اپنے نافرمانوں کا مقابلہ کریں۔ فرمایا: اہل جنت تین قسم کے ہیں: عادل، سخی اور توفیق یافتہ حکمران، ہر قریبی رشتہ دار اور مسلمان پر رحم کرنے والا نرم دل شخص اور پاکباز سوال سے احتراز کرنے والا عیالدار آدمی۔ دوزخی پانچ قسم کے ہیں: وہ گھٹیا اور کمینے لوگ جو دوسروں کے مرہون منت ہوں نہ ان کا گھر بار ہو اور نہ مال و دولت، وہ خائن جس کا طمع مخفی نہ ہو اور وہ حقیر سی چیز وں میں بھی خیانت سے باز نہ آئے، وہ دھوکہ باز جو صبح و شام تمہیں تمہارے اہل و عیال اور مال میں دھوکہ دینے میں کوشاں رہتا ہے، پھر آپ نے بخیل یا کذاب کا ذکر کیا اور بدزبان فحش گو"(1)۔ فرمایا: ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ یعنی شریعت اور فطرت سلیمہ کو مضبوطی سے تھام لینا ہی سیدھا اور راست دین ہے، لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے، اس لئے وہ اس سے پہلو تہی کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ

1۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 345
2۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 353
3۔ فتح الباری، کتاب الجنائز، جلد 3، صفحہ 245، صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4، صفحہ 2049
4۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 73
5۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ: 2197-2198، مسند احمد، جلد 4، صفحہ 162-266

يُؤْمِنُوْنَ (یوسف: 103) ''اور نہیں اکثر لوگ ایمان لانے والے اگرچہ آپ کتنے ہی حریص ہوں''۔ وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الانعام: 117) ''اور اگر تو اطاعت کرے اکثر لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے''۔ فرمایا: مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ یعنی اسی کی طرف رجوع کرتے ہوئے اپنا رخ اسلام کی طرف کر لیں، اسی سے ڈریں اور نماز قائم کریں، یہی بڑی اطاعت ہے اور مشرکین میں سے نہ ہو جانا بلکہ ان موحدین میں سے ہونا جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اس امت کا دارومدار کن چیزوں پر ہے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ تین چیزوں پر اور یہی نجات دہندہ ہیں: اخلاص اور یہی فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا فرمایا، نماز اور یہی ملت ہے اور اطاعت جو عصمت سے بچاؤ ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ نے سچ کہا ہے(1)۔ پھر فرمایا: مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ یعنی ان مشرکین میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین کو پارہ پارہ کر کے بدل دیا اور بعض پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کر دیا۔ بعض نے فَرَّقُوْا کی بجائے ''فَارَقُوْا'' پڑھا ہے(2) یعنی انہوں نے اپنے دین کو چھوڑ دیا اور پس پشت ڈال دیا جیسے یہود، نصاریٰ، مجوس، بت پرست اور باقی باطل ادیان والے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ (الانعام: 160) ''بے شک وہ جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی گروہ ہو گئے، ان سے آپ کا کوئی علاقہ نہیں ہے۔ ان کا معاملہ صرف اللہ ہی کے حوالے ہے''۔ پہلی امتیں مختلف گروہوں میں بٹ گئیں جن میں سے ہر گروہ اپنے آپ کو ہدایت یافتہ سمجھتا تھا۔ یہ امت بھی تفرقہ اور گروہ بندی کا شکار ہوگئی۔ یہ سب فرقے گمراہ ہیں بجز ایک فرقے کے اور وہ ہے اہل سنت و جماعت جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کو تھامنے والے ہیں اور اس پر صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ مسلمین کاربند رہے جیسا کہ مستدرک حاکم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے نجات یافتہ فرقے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''مَنْ كَانَ عَلٰى مَا اَنَا عَلَيْهِ الْيَوْمَ وَاَصْحَابِيْ'' یعنی وہ لوگ جو اس طریقے پر کاربند ہوں جس پر آج میں اور میرے صحابہ قائم ہیں(3)۔

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۪ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ۝ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

''اور جب پہنچتی ہے لوگوں کو کوئی تکلیف تو پکارنے لگتے ہیں اپنے رب کو رجوع کرتے ہوئے اس کی طرف پھر جب (ان کی فریاد کو قبول فرما کر) چکھاتا ہے انہیں رحمت اپنی جانب سے تو یکایک ایک گروہ ان میں سے اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔ (اچھا!) ناشکری کریں اس نعمت کی جو ہم نے دی ہے انہیں۔ پس (اے ناشکرو!) لطف اٹھا لو۔ تمہیں (اس کا انجام) معلوم ہو جائے گا۔ کیا ہم نے اتاری ہے ان پر کوئی دلیل۔ پس وہ گواہی دیتی ہے اس شرک (کی سچائی) کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 40　　2۔ دیکھیے الاتقان لابن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 645　　3۔ مستدرک حاکم، کتاب العلم، جلد 1 صفحہ 128-129

جو وہ کرتے ہیں۔ اور جب ہم چکھاتے ہیں لوگوں کو رحمت (کا مزہ) تو وہ اس پر پھولے نہیں سماتے۔ اور اگر پہنچتی ہے انہیں کوئی تکلیف بوجہ ان کے کرتوتوں کے جو آگے بھیجے ہیں ان کے ہاتھوں نے تو وہ مایوس ہو جاتے ہیں۔ کیا انہوں نے (یہ) مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ کشادہ کر دیتا ہے رزق کو جس کے لئے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لئے چاہتا ہے) بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لے آئے ہیں"۔

لوگوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ وہ مصیبت اور مجبوری کے وقت بڑی عاجزی کے ساتھ اللہ وحدہ لاشریک کو ہی پکارتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ اپنا کرم کرتے ہوئے ان پر اپنی نعمتوں کی بارش کرتا ہے تو حالت اختیار میں یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے لگتے ہیں اور غیروں کی عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک "لیکفروا" میں لام عاقبت ہے۔ اور بعض کے نزدیک لام تعلیل لیکن یہ لام تعلیل ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ان کے لئے مقدر کر دیا ہے پھر انہیں دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ کسی بزرگ کا فرمان ہے کہ اگر کوئی محافظ مجھے دھمکائے تو میں اس سے ڈر جاتا ہوں، یہاں کیا عالم ہو گا جبکہ دھمکی دینے والی وہ ذات ہے جس کے "امر کن" سے ہر چیز وجود میں آ جاتی ہے۔ پھر غیر اللہ کی بلا دلیل عبادت کرنے پر مشرکین کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا یہاں انسان کی عمومی حالت بیان کر کے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ انسان اس بری خصلت کا شکار ہے کہ نعمت ملنے پر یہ خوشی سے پھولے نہیں سماتا اور تکبر کا اظہار کرنے لگتا ہے اور شدت اور مصیبت کے وقت اس قدر مایوس ہو جاتا ہے کہ اسے آئندہ کسی بھلائی کے ملنے کی توقع ہی نہیں رہتی لیکن وہ بندگان خدا جنہیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اور اپنی توفیق خاص سے نوازے، وہ اس کیفیت سے دوچار نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (ہود: 11) یعنی وہ لوگ قدرے اس سے مستثنیٰ ہیں جو مصیبت کے وقت صبر اور خوشحالی کے دور میں نیک اعمال کرتے رہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "مومن کا معاملہ عجیب ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جو بھی فیصلہ فرماتا ہے، وہ اس کے لئے بہتر ہے۔ راحت پر شکر ادا کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہے اور تکلیف کے وقت صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہے"(1)۔ اگلی آیت میں فرمایا: اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اپنی حکمت اور عدل کے مطابق تصرف کرتے ہوئے کسی کے رزق کو فراخ کر دیتا ہے اور کسی کے رزق کو تنگ۔ اس میں اہل ایمان کے لئے نشانیاں ہیں۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَاۤ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَاۤ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

"پس دو رشتہ دار کو اس کا حق نیز مسکین اور مسافر کو۔ یہ بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو رضائے الٰہی کے طلب گار ہیں۔ اور وہی لوگ دونوں جہانوں میں کامیاب ہوں گے۔ اور جو روپیہ تم دیتے ہو سود پر تاکہ وہ بڑھتا رہے لوگوں کے مالوں میں

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد: 2295

(سن لو!) اللہ کے نزدیک یہ نہیں بڑھتا۔ اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو رضائے الٰہی کے طلبگار بن کر، پس یہی لوگ ہیں جو (اپنے مالوں کو) کئی گنا کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا پھر تمہیں رزق دیا پھر (مقررہ وقت پر) تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے (ٹھہرائے ہوئے) شریکوں میں بھی کوئی ہے جو کر سکتا ہو ان کاموں میں سے کوئی۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ (ہر عیب سے) اور بلند ہے ان سے جنہیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں"۔

قرابت داروں کے ساتھ نیکی اور صلہ رحمی کرنے کا حکم ہو رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مسکین اور مسافر کا خیال رکھنے کا بھی حکم ہے۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے کچھ بھی نہ ہو یا اس قدر ہو جو اس کی کفایت نہ کر سکے۔ ابن سبیل سے مراد مسافر ہے جس کے پاس سفر کے دوران سفر خرچ ختم ہو جائے۔ فرمایا: ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ یعنی یہ ان کے لئے بہتر ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دیدار کے طلب گار ہیں اور یہی دراصل مقصود اصلی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو دنیا و آخرت میں بامراد ہیں۔ پھر فرمایا: وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا... یعنی جو شخص اس ارادے سے عطیہ دے کہ عطیہ لینے والے لوگ اسے اس سے زیادہ دیں تو اگرچہ یہ مباح تو ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے اس کا کوئی اجر و ثواب حاصل نہیں ہوگا۔ حضرات ابن عباس، مجاہد، ضحاک، قتادہ، عکرمہ، محمد بن کعب اور شعبی نے اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ ایسا کرنا مباح ہونے کے باوجود باعث ثواب نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس سے بھی منع فرما دیا اور یہ حکم آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔ ضحاک نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے اپنے موقف کو ثابت کیا ہے: وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (المدثر: 6) یعنی آپ زیادہ لینے کی نیت سے کسی کو عطا نہ کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ربا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تجارت والا جسے بیاج کہتے ہیں، یہ حرام ہے اور دوسرا ربا یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو اس ارادے سے تحفہ دے کہ وہ اسے جواب میں زیادہ دے گا۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا تلاوت کی(1)۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب زکوٰۃ ادا کرنے سے حاصل ہوتا ہے، اس لئے فرمایا: وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ یعنی رضائے الٰہی کے لئے زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے اجر و ثواب کو اللہ تعالیٰ کئی گنا زیادہ کر دے گا جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے: "جو شخص حلال کمائی سے ایک کھجور بھی صدقہ کرے تو خدائے رحمٰن اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے اور اسے اس طرح بڑھاتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی بچھیرے یا ٹوڈے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ کھجور احد پہاڑ سے بھی بڑی ہو جاتی ہے"(2)۔ پھر فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ یعنی وہی خالق اور رازق ہے جو انسان کو ماں کے شکم سے اس حالت میں نکالتا ہے کہ وہ برہنہ ہوتا ہے اور علم، سماعت، بصارت اور دیگر تمام قوتوں سے محروم ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے یہ تمام نعمتیں ارزانی فرما دیتا ہے۔ مال سے بھی نوازتا ہے اور لباس سے بھی اور پھر ذرائع معاش کی راہیں بھی اس کے سامنے کھول دیتا ہے۔ حضرات حبہ رضی اللہ عنہ و سواء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ کسی کام میں مشغول تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب تک تمہارے سر ہلتے رہیں، رزق سے مایوس نہ ہو جانا۔ انسان کو اس کی ماں جنم دیتی ہے تو یہ سرخ ہوتا ہے اور اس پر لباس تک نہیں ہوتا پھر اللہ تعالیٰ اسے سب کچھ عطا کر دیتا ہے(3)۔ فرمایا: هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ یعنی تمہارے شرکاء میں سے کوئی بھی ایسا کرنے پر قادر نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرنے والا، رزق دینے والا، زندہ کرنے والا، مارنے والا اور قیامت کے دن تمام

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 495
2۔ فتح الباری، کتاب الزکاۃ، جلد 3، صفحہ 278، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ 702، وغیرہ
3۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 469

مخلوقات کو زندہ کر کے اٹھانے والا ہے، اس لئے یہ سب توجیہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ اس چیز سے برتر، مقدس، منزہ اور بالا ہے کہ اس کا کوئی شریک، مثیل، مدمقابل، بیٹا یا باپ ہو بلکہ وہ یکتا، اکیلا اور بے نیاز ہے۔ نہ اس کی اولاد ہے اور نہ ماں باپ اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۚ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ۝۴۲

"پھیل گیا ہے فساد بر اور بحر میں بوجہ ان کرتوتوں کے جو لوگوں نے کئے ہیں، تاکہ اللہ تعالیٰ چکھائے انہیں کچھ سزا ان کے (برے) اعمال کی شاید وہ باز آ جائیں۔ (اے محبوب!) آپ (انہیں) فرمائیے سیر و سیاحت کرو زمین میں اور دیکھو کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے۔ ان میں سے اکثر مشرک تھے"۔

حضرت ابن عباس، عکرمہ، ضحاک اور سدی فرماتے ہیں کہ یہاں "بر" سے مراد میدان اور جنگل ہیں اور بحر سے مراد شہر اور دیہات۔ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ بر و بحر کا معروف معنی ہی مراد ہے یعنی بر سے مراد خشکی اور بحر سے مراد سمندر اور تری۔ زید بن رفیع کہتے ہیں کہ خشکی پر فساد ظاہر ہونے سے مراد ہے بارش کا نہ ہونا جس کے نتیجے میں قحط سالی آ جاتی ہے اور تری میں فساد سے مراد جانوروں کا اندھا ہو جانا(1)۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ فساد بر سے مراد قتل اولاد آدم ہے اور فساد بحر سے مراد کشتیوں کو جبراً چھین لینا۔ عطا خراسانی کہتے ہیں کہ بر سے مراد شہر و دیہات اور بستیاں ہیں اور بحر سے مراد اس کے جزیرے لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے اور اسی پر اکثر کا اتفاق ہے۔ اس کی تائید سیرت ابن اسحاق کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایلہ کے بادشاہ سے صلح کی اور اس کا بحر یعنی شہر اس کے نام کر دیا(2)۔ آیت کریمہ کا معنی یہ ہے کہ گناہوں کے سبب اناج اور پھلوں میں نقصان ظاہر ہو گیا۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اس نے زمین پر فساد برپا کیا کیونکہ زمین و آسمان کی اصلاح اطاعت پر موقوف ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "زمین پر ایک حد کا قائم ہونا زمین والوں کے لئے چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے"(3)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حدود قائم کی جائیں تو کم از کم لوگوں کی اکثریت محرمات کے ارتکاب سے باز آ جاتی ہے۔ اور جب گناہ نہیں ہوں گے تو زمین و آسمان کی برکتیں انسان کو حاصل ہوں گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آخر زمانہ میں اتریں گے تو اس شریعت مطہرہ کے مطابق فیصلے کرتے ہوئے خنزیر کو قتل کر دیں گے، صلیب توڑ ڈالیں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے، پھر یا تو اسلام قبول کرنا پڑے گا یا جنگ کرنا پڑے گی۔ آپ کے عہد میں جب دجال، اس کے پیروکار اور یاجوج ماجوج ہلاک ہو جائیں گے تو زمین کو حکم ہوگا کہ اپنی برکتیں باہر نکال۔ چنانچہ اس وقت یہ کیفیت ہوگی کہ لوگوں کی ایک جماعت ایک انار کھا کر خوب سیر ہو جائے گی اور اس کا چھلکا اتنا بڑا ہوگا کہ یہ سب لوگ اس کا سایہ حاصل کر سکیں گے اور ایک اونٹنی کا دودھ ایک جماعت کے لئے کافی ہوگا(4)۔ یہ ساری برکتیں صرف شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ کی وجہ سے حاصل ہوں گی۔ یہ قاعدہ ہے کہ

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 497-496　2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 526-525

3۔ سنن نسائی، باب الترغیب، جلد 8، صفحہ 76-75، سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 848

4۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن 2255-2250، مسند احمد، جلد 4، صفحہ 183-182 وغیرہ

جوں جوں عدل قائم ہوگا، خیر و برکت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ فاجر کی موت پر بندے، شہر، درخت اور جانور راحت پالیتے ہیں(1)۔ مسند احمد میں ہے کہ زیاد کے دور میں ایک تھیلی ملی جس میں کھجور کی گٹھلی جیسے گندم کے دانے تھے اور اس میں لکھا ہوا تھا کہ یہ اس زمانہ کی پیداوار ہے جس میں عدل و انصاف کا دور دورہ تھا(2)۔ زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ یہاں فساد سے مراد شرک ہے لیکن یہ قول محل نظر ہے۔ پھر فرمایا: لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا یعنی جان، مال اور پیداوار میں کمی ان کے لئے آزمائش اور ان کے کرتوتوں کا بدلہ ہے تاکہ یہ گناہوں سے باز آجائیں جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (الاعراف: 168) "اور ہم نے انہیں نعمتوں اور تکلیفوں کے ساتھ آزمایا تاکہ وہ (اللہ تعالیٰ کی طرف) رجوع کریں"۔ پھر فرمایا: قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ... یعنی زمین میں سیر و سیاحت کرکے دیکھو کہ تم سے پہلے پیغمبروں کو جھٹلانے والوں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَىِٕذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ۝ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ۝ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝

"پس کر لو اپنا رخ اس دین قیم کی طرف اس سے پہلے کہ آجائے وہ دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے جسے ٹلنا نہیں، اس روز یہ لوگ جدا جدا ہو جائیں گے۔ جس نے کفر کیا تو اس پر ہے اس کے کفر کا وبال۔ اور جنہوں نے نیک عمل کئے تو وہ اپنے لئے ہی راہ ہموار کر رہے ہیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ بدلہ دے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، اپنے فضل و کرم سے۔ بے شک وہ پسند نہیں کرتا کفار کو"۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی اطاعت پر استقامت اختیار کرنے اور نیک اعمال بجالانے کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے: فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ... یعنی اپنا رخ وقوع قیامت سے پہلے پہلے اس مستحکم اور راست دین کی طرف کر لو۔ قیامت کا دن ایسا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس کے وقوع کا ارادہ فرمالے گا تو کوئی اسے ٹالنے والا نہیں ہوگا اور اس دن لوگ جدا جدا ہو جائیں گے۔ ایک جماعت جنت میں اور ایک جماعت بھڑکتی ہوئی آگ میں، اس لئے فرمایا: مَنْ كَفَرَ... یعنی جس نے کفر کیا، اس کے کفر کا وبال اسی پر ہوگا اور جنہوں نے نیک اعمال کئے، وہ اپنے لئے جنت کی راہ ہموار کر رہے ہیں۔ ان سعادتمندوں کو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے کہیں زیادہ اجر عطا فرمائے گا یعنی ایک نیکی کا بدلہ دس سے سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ۔ کفار کو ناپسند کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ ان پر ظلم نہیں کرتا بلکہ عدل سے کام لیتا ہے۔

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّ لِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ۭ وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

1۔ فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 12 صفحہ 362، صحیح مسلم، کتاب الجنائز، جلد 2 صفحہ 656　　2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 296

"اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ بھیجتا ہے ہواؤں کو (بارش کا) مژدہ سناتے ہوئے نیز تاکہ وہ تمہیں چکھائے اپنی رحمت سے اور تاکہ چلیں کشتیاں اس کے حکم سے اور تاکہ تم طلب کرو اس کے فضل سے اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔ اور بے شک ہم نے بھیجے آپ سے پہلے پیغمبر ان کی قوموں کی طرف پس وہ لے کر آئے ان کے پاس روشن دلیلیں۔ پس ہم نے بدلہ لیا ان سے جنہوں نے جرم کئے۔ اور ہمارے ذمہ کرم پر ہے اہل ایمان کی امداد فرمانا"۔

مخلوق پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ وہ اپنی رحمت یعنی بارش سے پہلے ایسی ہوائیں بھیجتا ہے جو بارش کا مژدہ سناتی ہیں، اس لئے فرمایا: وَلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ رحمت سے مراد بارش ہے جس کے برسنے سے ہر چیز میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور ہر سو رونق اور شادابی چھا جاتی ہے۔ پھر فرمایا: وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ کشتیوں کا چلنا بھی ہوا پر موقوف ہے۔ اس سبب سے تم تجارت، کسب معاش اور دیگر اغراض کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف سفر کرتے ہو۔ اب تم پر فرض ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی ان گنت ظاہری اور باطنی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ یعنی یہ لوگ اگر آپ کو جھٹلاتے ہیں تو اس پر آپ افسردہ نہ ہوں۔ آپ سے پہلے بھی پیغمبر واضح دلائل و معجزات لے کر آئے لیکن ان کی قوموں نے انہیں بھی جھٹلا دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان جھٹلانے والوں اور پیغمبروں کی مخالفت کرنے والوں کو برباد کر دیا اور ان پر ایمان لانے والوں کو نجات بخشی اور اہل ایمان کی مدد کرنا ایسا حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لیا ہوا ہے جیسا کہ فرمایا: كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام: 54) " آپ کے رب نے رحمت فرمانا اپنے آپ پر لازم کر لیا ہے"۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " جو مسلمان اپنے بھائی کی آبرو کی حفاظت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ قیامت کے دن آتش جہنم کو اس سے دور کر دے"۔ پھر آپ نے یہ الفاظ تلاوت کئے: وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (1)۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ۝ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ۝

"اللہ تعالیٰ ہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو پس وہ اٹھاتی ہیں بادل کو پس اللہ تعالیٰ پھیلا دیتا ہے اسے آسمان پر جس طرح چاہتا ہے اور کر دیتا ہے اسے ٹکڑے ٹکڑے پھر تو دیکھتا ہے بارش کو کہ ٹپکنے لگتی ہے اس میں سے۔ پھر جب پہنچاتا ہے اسے جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں سے اس وقت وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں۔ اگرچہ وہ بندے اس سے پہلے کہ ان پر بارش ہوتی مایوس ہو چکے تھے۔ پس (چشم ہوش سے) دیکھو رحمت الہی کی علامتوں کی طرف (تمہیں پتہ چلے گا) کہ وہ کیسے زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد۔ بے شک وہی خدا مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

1۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 449

اور اگر ہم بھیج دیتے ایسی ہوا (جس کے اثر سے) وہ دیکھتے اپنے سرسبز کھیتوں کو کہ وہ زرد ہو گئے ہیں تو اس کے باوجود وہ کفر پر اڑے رہتے"۔

بارش برسانے والے بادلوں کے پیدا ہونے کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہے جو ایسی ہوائیں بھیجتا ہے جو بادلوں کو سمندر سے یا اس جگہ سے اٹھا لاتی ہیں جہاں سے وہ چاہے۔ پھر اللہ تعالیٰ بادل کو آسمان پر پھیلا دیتا ہے یعنی اسے بڑھا کر تھوڑے کو زیادہ کر دیتا ہے۔ یہ موسم دیکھنے میں آتا رہتا ہے کہ دھواں کی مانند ابر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا آسمان پر نظر آتا ہے پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ ٹکڑا پھیل جاتا ہے اور آسمان کے کناروں کو ڈھانپ لیتا ہے اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ سمندر سے پانی کے بھرے ہوئے بادل اٹھتے ہیں جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ ... كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (الاعراف: 57) اور یہاں فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ مجاہد، ابو عمرو بن العلاء، مطر الوراق اور قتادہ کہتے ہیں کہ "کِسَفًا" کا معنی ہے ٹکڑے۔ ضحاک نے اس کا معنی تہ بہ تہ کیا ہے۔ بعض نے اس کا معنی بتایا ہے: پانی کی بہتات کے باعث سیاہ بادل جو بھاری اور زمین کے قریب دکھائی دیتے ہیں۔ پھر ان بادلوں سے بارش برسنے لگتی ہے اور جہاں برستی ہے وہاں کے لوگ بڑے خوش ہوتے ہیں اگرچہ وہ پہلے بارش سے مایوس ہو چکے تھے اور جب ناامیدی کے بعد بوقت ضرورت بارش برسی تو وہ نہال اور مسرور ہو گئے۔ آیت کریمہ میں "مِنْ قَبْلِ" کو مکرر لانے کے متعلق علمائے نحو کا اختلاف ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ تکرار بطور تاکید ہے(1)۔ بعض دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ "مِنْ قَبْلِهٖ" کی ضمیر کا مرجع انزال ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ دلالت تاسیس کے باعث اسے دوبارہ ذکر کیا گیا ہو یعنی بارش برسنے سے پہلے وہ اس کے محتاج تھے اور اس سے پہلے بھی وہ وقتاً فوقتاً بارش اس سے فوت ہوتی رہی، یا اس کے انتظار میں رہے لیکن اس کے برسنے میں تاخیر ہوتی گئی، پھر کچھ مدت کے بعد وہ بارش کی امید کرنے لگے لیکن اب بھی بارش مؤخر ہو گئی پھر ناامید ہو جانے اور زمین کے خشک اور بنجر ہو جانے کے بعد جب اچانک بارش برسی تو ہر طرف جل تھل ہو گئی، افسردہ چہروں پر رونق چھا گئی اور زمین پر کھیتیاں لہلہانے لگیں اس لئے فرمایا: فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ ۔ یعنی بارش کے آثار کو دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے۔ پھر اس مثال کے ذریعے لوگوں کو متنبہ کیا کہ زمین کو زندگی بخشنے والا خدا اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ مردوں کو دوبارہ زندگی عطا کر دے جبکہ ان کے جسم گل سڑ کر ادھر ادھر بکھر چکے ہوں گے، فرمایا: اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى پھر فرمایا: وَلَىِٕنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا یعنی اگر ہم کھیتیوں پر ایسی مضر ہوا چلا دیں جو انہیں زرد بنا کر تباہ کر ڈالے تو بھی یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرنے سے باز نہیں آئیں گے جیسا کہ فرمایا: اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ... بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ (الواقعہ: 67-63)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہوائیں آٹھ ہیں۔ ان میں سے چار باعث رحمت ہیں اور چار باعث زحمت۔ رحمت والی ہوائیں یہ ہیں: ناشرات، مبشرات، مرسلات اور ذاریات اور زحمت و عذاب والی ہوائیں یہ ہیں: عقیم، صرصر، عاصف اور قاصف۔ ان میں سے پہلی دو خشکی کی ہیں اور باقی دو تری کی۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، رحمت کی ہوا چلا دیتا ہے اور اسے بارش سے پہلے باعث مسرت و رحمت، بشارت اور بادلوں کو پانی کیسہ تھو اس طرح باروار کرنے والا بنا دیتا ہے جیسے مذکر مونث کو باروار بنا دیتا ہے، اور اگر وہ چاہے تو زحمت والی ہوا چلا کر بندوں میں سے جنہیں چاہے، تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ مختلف سمتوں سے چلنے والی ہواؤں کے نام بھی مختلف ہیں: صبا (پروائی ہوا)، دبور (پچھوائی ہوا)،

1۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 54

جنوب اور شمال۔ اسی طرح ہوائیں نفع اور تاثیر میں بھی مختلف ہیں۔ کچھ ہوائیں نرم خرام اور تر ہوتی ہیں جو نباتات اور اجسام کی غذا ہیں، بعض ہوائیں خشک کرتی ہیں، بعض ہلاکت خیز ہوتی ہیں، بعض سے سختی پیدا ہوتی ہے اور بعض کمزوری اور ضعف کا سبب بنتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہوائیں دوسری زمین میں مسخر ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ہواؤں کے محافظ فرشتے کو حکم دیا کہ وہ قوم عاد پر ایسی ہوا بھیجے جس کے سبب وہ سب تباہ و برباد ہو جائیں۔ فرشتے نے عرض کی: اے پروردگار! کیا میں بیل کے نتھنے کی مقدار ان پر ہوا چھوڑ دوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نہیں، اس طرح تو ساری زمین اور اس پر ساری چیزیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔ اس قدر نہیں بلکہ انگوٹھی کے سوراخ کی مقدار ان پر ہوا چھوڑو۔ یہی وہ ہوا ہے جس کے متعلق فرمایا: مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِیْمِ (الذاریات: 42) "نہیں چھوڑتی تھی کسی چیز کو جس پر گزرتی تھی مگر اسے چورا چورا کر دیتی"۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کا مرفوع ہونا منکر ہے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہے۔

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿52﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿53﴾

"پس آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں اپنی پکار (خصوصاً) جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں۔ اور نہ آپ ہدایت دے سکتے ہیں اندھوں کو ان کی گمراہی سے۔ آپ نہیں سناتے مگر انہیں جو ایمان لائے ہماری آیتوں پر پس وہ گردن جھکائے ہوئے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح مردوں کو قبروں میں سنانا اور اعراض برتنے والے بہروں تک اپنی بات پہنچانا آپ کی قدرت سے باہر ہے، اسی طرح حق سے اندھے بننے والوں کو ہدایت دینے اور انہیں گمراہی سے باز رکھنے پر بھی آپ قادر نہیں ہیں۔ اس پر صرف اللہ تعالیٰ کو قدرت حاصل ہے۔ وہ اپنی قدرت سے جب چاہے مردوں کو زندوں کی آواز سنا سکتا ہے اور جسے چاہے ہدایت سے نواز سکتا ہے اور جسے چاہے گمراہ کر سکتا ہے۔ اس کے سوا کسی اور کے بس میں یہ بات نہیں، اسی لیے فرمایا: اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ یعنی آپ صرف انہیں سناتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ سر تسلیم خم کرنے والے اور اطاعت کرنے والے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو حق کو سنتے بھی ہیں اور اس کی اتباع بھی کرتے ہیں۔ یہ حال اہل ایمان کا ہے اور اس سے پہلے کافروں کا حال بیان ہوا جیسا کہ فرمایا: اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ۭ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ (الانعام: 36) "صرف وہی قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان مردوں کو اٹھائے گا پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے"۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت کریمہ: اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى سے سماع موتی کی نفی پر استدلال کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کی تاویل کی ہے جس میں آتا ہے کہ غزوۂ بدر میں قتل ہونے والے کفار کی لاشوں کو ایک گڑھے میں پھینک دیا گیا۔ اس کے تین دن بعد جب نبی کریم ﷺ وہاں تشریف لائے اور ان کے نام لے لے کر ان سے خطاب کیا اور انہیں سرزنش کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ایسے لوگوں کو خطاب فرما رہے ہیں جو بے جان لاشے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میری بات ان سے زیادہ نہیں سن رہے لیکن وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے"۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس روایت کی تاویل کرتے ہوئے

فرمایا ہے: کہ اس سے آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ وہ اب جانتے ہیں کہ میں ان سے جو کچھ کہتا تھا، وہ حق ہے(1)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا یہاں تک کہ انہوں نے آپ ﷺ کی وہ بات سن لی جو آپ نے بطور سرزنش انہیں فرمائی تھی۔ علماء کے نزدیک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت بالکل صحیح ہے کیونکہ اس کے متعدد شواہد موجود ہیں۔ ان میں سے ایک مرفوع اور مشہور روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ہے: "جو آدمی اپنے اس مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جسے وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور اسے وہ سلام دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی روح کو لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے"(2)۔ امت کے لئے نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ جب وہ اہل قبور کو سلام کرنا چاہیں تو انہیں زندوں کی سا سلام کریں اور یہ کہا کریں: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ"(3)

یہ خطاب اس شخص کے لئے ہے جو سنتا بھی ہے اور سمجھتا بھی ہے۔ اگر یہ خطاب مقصود نہ ہوتا تو ان سے خطاب کرنا ایسے ہی ہوتا جیسے معدوم اور جماد سے خطاب کیا جاتا ہے۔ سلف صالحین کا اس بات پر اجماع ہے اور متواتر روایات سے یہ مسئلہ ثابت ہے کہ میت اپنے زیارت کرنے والے کو پہچانتی ہے اور خوش ہوتی ہے۔ ابن ابی الدنیا نے کتاب القبور میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کے لئے جاتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے تو صاحب قبر کو اس سے بڑی تسکین ہوتی ہے اور وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے یہاں تک کہ وہ وہاں سے اٹھ جائے۔" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کے ساتھ اس کی جان پہچان تھی اور اسے سلام دیتا ہے تو وہ سلام کا جواب دیتا ہے۔ آل عاصم الجحدری میں سے کسی شخص نے بیان کیا ہے کہ میں نے عاصم الجحدری کو ان کی وفات کے دو سال بعد خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ آپ تو فوت نہیں ہو گئے؟ انہوں نے کہا کہ بالکل ایسا ہی ہے۔ میں نے کہا کہ اس وقت آپ کہاں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں اور میرے ساتھی جنت کے ایک باغ میں ہیں۔ ہم ہر جمعہ کی رات اور صبح کو بکر بن عبداللہ المزنی کے پاس اکٹھے ہوتے ہیں اور تم لوگوں کی خبریں وصول کرتے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ اجسام اکٹھے ہوتے ہیں یا ارواح؟ انہوں نے جواب دیا کہ جسم تو بوسیدہ ہو چکے ہیں۔ ملاقات روحوں کی ہوتی ہے۔ میں نے پوچھا کہ جب ہم تمہاری زیارت کو آتے ہیں تو کیا تمہیں اس چیز کا علم ہوتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جمعہ کی رات، جمعہ کا پورا دن اور ہفتہ کے دن طلوع آفتاب تک ہمیں تم لوگوں کی زیارت کا علم ہوتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ باقی دنوں میں کیوں نہیں؟ انہوں نے کہا کہ جمعہ کے دن کی فضیلت اور عظمت کے باعث۔ حسن القصاب کہتے ہیں کہ میں محمد بن واسع کے ساتھ ہر ہفتہ کی صبح کو زیارت قبور کے لئے جاتا۔ ہم وہاں ٹھہرتے، انہیں سلام کرتے اور ان کے لئے دعا کرتے پھر واپس لوٹ آتے۔ ایک دن میں نے سوچا کہ اگر اس کی بجائے پیر کا دن مقرر کر لیا جائے؟ وہ کہنے لگے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مردے اپنے زائرین کو صرف جمعہ، جمعرات اور ہفتہ کے دن پہچانتے ہیں۔ حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہفتہ کے دن طلوع آفتاب سے پہلے کسی قبر کی زیارت کی جائے تو صاحب قبر کو اس زیارت کا علم ہوتا ہے۔ ان سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ یوم جمعہ کے مقام و مرتبہ کے باعث۔ ابوالتیاح کہتے ہیں کہ مطرف عموماً صبح کے وقت زیارت قبور کے لئے جاتے لیکن جمعہ کو شب کے آخر میں جاتے۔ ایک رات وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر قبرستان آئے تو انہوں نے دیکھا کہ ہر صاحب قبر اپنی قبر پر بیٹھا ہوا ہے۔ قبروں والے ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ

1۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 301، صحیح مسلم، کتاب الجنائز، جلد 2 صفحہ 643

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 2 صفحہ 218

3۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، جلد 2 صفحہ 619، سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 219، وغیرہ

یہ معطوف ہیں جو جمعہ کو تمہارے پاس آتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں؟ کہنے لگے: ہاں اور ہمیں یہ بھی علم ہے کہ یہ پرندے ان کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ دریافت کیا کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ سلام علیکم کہتے ہیں۔ فضل بن موفق کہتے ہیں کہ جب میرے والد محترم کی وفات ہوئی تو میں بہت غمزدہ اور پریشان ہوا۔ میرا یہ معمول بن گیا کہ میں ہر روز ان کی قبر کی زیارت کے لئے جاتا۔ پھر کچھ عرصہ یہ سلسلہ منقطع ہو گیا، کچھ دنوں کے انقطاع کے بعد ایک دن میں اپنے والد کی قبر پر حاضر ہوا اور قبر کے پاس بیٹھ گیا۔ اسی اثناء میں میری آنکھ لگ گئی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میرے والد محترم کی قبر کھل گئی ہے اور وہ کفن پہنے مردوں کے روپ میں قبر کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہیں دیکھ کر مجھے رونا آ گیا۔ وہ مجھ سے پوچھنے لگے: بیٹا! میری زیارت میں تاخیر کا سبب کیا ہے؟ میں نے دریافت کیا کہ کیا آپ کو میری آمد کا علم ہوتا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ تم میری قبر پر آتے تھے تو تمہاری دعا کی وجہ سے نہ صرف مجھے مسرت ہوتی تھی بلکہ میرے ارد گرد قبروں والے بھی خوش ہوتے تھے۔ اس کے بعد میں اکثر اپنے والد کی قبر پر جایا کرتا تھا۔ عثمان بن سوید طفاوی بیان کرتے ہیں کہ میری والدہ بہت عبادت گزار تھیں۔ انہیں رابعہ کہا جاتا تھا۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرنے لگیں کہ اے وہ ذات جس پر زندگی میں اور موت کے بعد اعتماد ہے! مجھے موت کے وقت بے یارومددگار چھوڑنا اور نہ وحشت زدہ کرنا۔ ان کی وفات کے بعد میں ہر جمعہ کو ان کی قبر پر جاتا اور ان کے لئے اور دوسرے اہل قبور کے لئے دعا اور استغفار کرتا۔ ایک دن میں نے اپنی والدہ کو خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا: امی جان! آپ کیسی ہیں؟ وہ کہنے لگیں: بیٹا! موت سخت تکلیف دہ چیز ہے۔ اب میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے برزخ کی قابل ستائش زندگی بسر کر رہی ہوں جہاں پھولوں کی سیج اور ریشمی لباس میسر ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟ وہ کہنے لگیں: ہاں۔ میں نے دریافت کیا کہ وہ کیا؟ وہ کہنے لگیں کہ ہماری قبروں کی زیارت اور ہمارے لئے دعا کرنے کا اپنا معمول ترک نہ کرنا۔ جمعہ کے دن مجھے تمہاری آمد کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ جب تم اپنے گھر سے یہاں آتے ہو تو مجھے کہا جاتا ہے: اے رابعہ! تمہارا بیٹا آیا ہے تو اس سے مجھے اور میرے ارد گرد اہل قبور کو بہت خوشی ہوتی ہے۔ بشر بن منصور کہتے ہیں کہ طاعون کے زمانہ میں ایک شخص قبرستان جاتا اور نماز جنازہ میں شرکت کرتا۔ جب شام ہوتی تو اہل قبور سے خطاب کر کے کہتا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری وحشت کو دور کرے، تمہاری تنہائی پر رحم فرمائے، تمہارے گناہوں کو بخشش دے اور تمہاری نیکیوں کو قبول فرمائے۔ وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتا تھا۔ اس شخص نے بتایا کہ میں ایک دن شام کو اپنے گھر لوٹا اور حسب معمول قبرستان جا کر دعا نہ کر سکا۔ رات کو خواب میں میرے پاس بہت سے لوگ آئے۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ تم کون ہو اور تمہاری ضرورت کیا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ہم قبروں والے ہیں، تمہارا یہ معمول تھا کہ تم شام کو اپنے گھر لوٹتے وقت ہمیں ہدیہ دیا کرتے تھے؟ میں نے پوچھا کہ وہ کون سا؟ وہ کہنے لگے کہ وہ دعا میں جو تم ہمارے لئے کیا کرتے تھے۔ پھر میں نے زیارت قبور کو اپنا معمول بنا لیا اور اسے کبھی ترک نہ کیا۔ اس سے بھی بڑھ کر بات یہ ہے کہ میت کو اپنے عزیز و اقارب کے اعمال کا بھی علم ہوتا ہے۔ ابو ایوب کہتے ہیں کہ زندوں کے اعمال مردوں پر پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر وہ اعمال اچھے ہوں تو انہیں دیکھ کر وہ بہت خوش ہوتے ہیں اور اگر وہ اعمال برے ہوں تو انہیں دیکھ کر وہ کہتے ہیں: یا اللہ! انہیں لوٹا دے(1)۔ عباد بن عباد فلسطین کے گورنر ابراہیم بن صالح کے پاس آئے۔ ابراہیم کہنے لگے کہ مجھے کوئی نصیحت کریں۔ عباد کہنے لگے کہ میں تمہیں کیا نصیحت کروں، اللہ تعالیٰ تمہاری اصلاح فرمائے؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ زندوں کے اعمال ان کے رشتہ دار مردوں پر پیش کئے

1۔ المنامات لابن ابی الدنیا 20-21، کتاب الزہد لعبد اللہ بن المبارک 149-150

جاتے ہیں، اس لئے دیکھو کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے کیسے اعمال پیش کرتے ہو۔ یہ بن کر ابراہیم اتنا روئے کہ آنسوؤں سے ان کی داڑھی تر ہوگئی۔ صدقہ بن سلیمان جعفری کہتے ہیں کہ عالم شباب میں مجھ سے کئی گناہ سرزد ہوئے۔ میرے والد صاحب کی وفات ہوئی تو مجھے اپنے گناہوں پر بہت ندامت ہوئی اور میں نے توبہ کر لی۔ اس کے بعد پھر مجھ سے کچھ لغزشوں کا صدور ہوا۔ ایک رات خواب میں میرے والد محترم مجھے کہنے لگے: بیٹا! پہلے نیکوکار لوگوں جیسے تمہارے اعمال جب ہم پر پیش کئے جاتے تھے تو میں خوشی سے پھولے نہیں سماتا تھا، لیکن اس بار جب تمہارے اعمال پیش ہوئے تو مجھے بڑی شرمساری کا سامنا کرنا پڑا، مجھے میرے پڑوسی اہل قبور کے سامنے رسوا نہ کرو(1)۔ اس ضمن میں صحابہ کرام سے بھی بہت سے آثار مروی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ایک رشتہ دار حضرت عبداللہ کی شہادت کے بعد یوں دعا کیا کرتے تھے۔ اے اللہ! میں ایسے عمل سے تیری پناہ مانگتا ہوں جس کے باعث عبداللہ بن رواحہ کے ہاں میری رسوائی ہو۔ مردوں کو سلام دینا مشروع ہے اور ایسے شخص کو سلام دینا محال ہے جو نہ محسوس کرتا ہو اور نہ مسلمان کو جانتا ہو۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو تعلیم دی ہے کہ وہ زیارت قبور کے وقت یہ کہا کریں: "سَلَامٌ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ يَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَمِنْكُمْ وَالْمُسْتَاْخِرِيْنَ نَسْاَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ" (2)۔

یہ سلام، خطاب اور نداء اس موجود کیلئے ہے جو سنتا ہو، خطاب کرتا ہو، سمجھتا ہو اور جواب دیتا ہو اگرچہ سلام دینے والا مسلمان اس کے جواب کو نہ سن سکے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿۵۴﴾

"اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں (ابتداء میں) کمزور پیدا فرمایا پھر عطا کی (تمہیں) کمزوری کے بعد قوت۔ پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دے دیا۔ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے، اور وہی سب کچھ جاننے والا بڑی قدرت والا ہے"۔

انسان اپنی پیدائش سے لے کر جن مراحل اور تبدیلیوں سے گزرتا ہے، ان کا حال بیان ہو رہا ہے۔ انسان کی اصل پہلے مٹی ہے اور پھر نطفہ۔ یہ نطفہ پہلے جمے ہوئے خون کی شکل اختیار کر لیتا ہے، پھر گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے، پھر ہڈیاں پیدا ہوتی ہیں، پھر ہڈیوں کو گوشت پہنایا جاتا ہے اور اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ پھر جب اس کی ولادت ہوتی ہے تو یہ بہت کمزور، نحیف اور ناتواں ہوتا ہے، پھر آہستہ آہستہ پروان چڑھتا اور بڑھتا رہتا ہے۔ بچپن سے لڑکپن اور پھر قرب بلوغت کا مرحلہ آجاتا ہے۔ اس کے بعد کمزوری اور ناتوانی کا دور اختتام پذیر ہو جاتا ہے اور قوت سے لبریز جوانی اپنی بہار دکھانے کیلئے آجاتی ہے۔ بالآخر شباب بھی رخصت ہو جاتا ہے اور ایک بار پھر ضعف اور نقص کے دور کا آغاز ہو جاتا ہے۔ انسان ادھیڑ عمر کا ہو جاتا ہے، پھر عمر رسیدہ اور پھر بہت ہی بوڑھا ضعیف۔ یہ قوت کے بعد ضعف کا مرحلہ ہے۔ یہ ایسی عمر ہے جس میں کمزوری اپنے پنجے گاڑ لیتی ہے، ہمت جواب دے جاتی ہے، چلنا پھرنا دوبھر ہو جاتا ہے، بال سفید ہو جاتے ہیں اور تمام ظاہری اور باطنی صفات میں انقلاب رونما ہو جاتا ہے۔ اس لئے فرمایا: ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ یعنی اس نے قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دے دیا، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جیسے اس کی مرضی ہو، اسی طرح اپنے بندوں میں تصرف کرتا ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر اور ہر امر پر قادر ہے۔ عطیہ عوفی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ضعفا تک اس آیت کی تلاوت

1۔ المنامات: 30-29 2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، جلد 2 صفحہ 671، سنن نسائی، کتاب الجنائز، جلد 4 صفحہ 93

کی تو آپ نے بھی اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح تم نے میرے سامنے یہ آیت پڑھی، اسی طرح میں نے بھی رسول اللہ ﷺ کے سامنے اتنی مقدار ہی تلاوت کی تھی کہ آپ ﷺ اس آیت کو پڑھنے لگے (1)۔

وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ۝ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَ الْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ؗ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَ لٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَ لَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝

''اور جس روز قیامت قائم ہوگی قسمیں اٹھائیں گے مجرم، کہ نہیں ٹھہرے وہ (دنیا میں) مگر ایک گھڑی۔ یونہی وہ (پہلے بھی) غلط بیانی کیا کرتے تھے۔ اور کہیں گے وہ لوگ جنہیں علم اور ایمان دیا گیا (انہیں) کہ تم ٹھہرے رہے ہو نوشتہ الٰہی کے مطابق روز حشر تک۔ پس یہ (آ گیا) ہے یوم محشر لیکن تم نہیں جانتے تھے۔ پس اس دن میں نہ نفع دے گی ظالموں کو ان کی عذر خواہی اور نہ اجازت ہوگی کہ توبہ کر کے اللہ کو راضی کر لیں''۔

اس بات کی خبر دی جا رہی ہے کہ کافر دنیا و آخرت کے امور میں بالکل جاہل اور احمق ہیں۔ دنیا میں ان کی جہالت یہ ہے کہ بت پرستی اور شرک کو اپنا شیوہ بنائے رہے اور آخرت میں بھی اپنی انتہائی جہالت کا مظاہرہ کرتے ہوئے قسم اٹھا کر کہیں گے کہ ہم تو دنیا میں صرف ایک گھڑی ٹھہرے۔ اس بات سے ان کا مقصود یہ ہوگا کہ ان پر نہ تو حجت قائم ہوئی اور نہ ہی انہیں مہلت دی گئی تاکہ ان کا کوئی عذر باقی نہ رہتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ۔ یعنی مومن علماء جس طرح دنیا میں ان پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم کرتے رہے، اسی طرح وہ قیامت کے دن کفار کے اس بے سروپا دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے کہیں گے کہ تم یوم حشر تک نوشتہ اعمال میں ٹھہرے رہے لیکن تم حقائق سے نابلد رہے۔ قیامت کے دن ان ظالموں کو نہ ان کی عذر خواہی کچھ فائدہ دے گی اور نہ انہیں دنیا میں لوٹایا جائے گا جیسا کہ فرمایا: وَ اِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ (حم السجدۃ: 24) ''اور اگر وہ رضائے الٰہی چاہیں گے تو وہ ان میں سے نہیں ہوں گے جن پر اللہ راضی ہوا''۔

وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَ لَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ۝

''اور بے شک ہم نے بیان فرمائی ہے لوگوں (کے بھلے) کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال۔ اور اگر آپ لے آئیں ان کے پاس کوئی نشانی تو (جواباً) یہی کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا نہیں ہو تم مگر باطل پرست۔ یونہی مہر لگا دیتا ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں پر جو (حق کو) نہیں جانتے۔ سو آپ صبر فرمائیں بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور آپ کو پھسلا نہ دیں (راہ حق سے) وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے''۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحروف، جلد 4 صفحہ 32، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 58 وغیرہ

فرمایا جارہا ہے کہ ہم نے اس قرآن کریم میں حق کو واضح طور پر لوگوں کے سامنے بیان کر دیا ہے اور اس میں ان کیلئے مثالیں بھی ذکر کی ہیں تاکہ یہ حق کو سمجھ کر اس کی اتباع کرنے لگ جائیں اور اگر یہ ہر قسم کے معجزات اور نشانیاں دیکھ لیں تو بھی یہ ان پر ایمان نہیں لائیں گے بلکہ یہی خیال کریں گے کہ یہ جادو کا کرشمہ ہے اور بالکل جھوٹ اور باطل ہے۔ ان کے سامنے چاند دو ٹکڑے ہوا اور دیگر متعدد معجزات کا مشاہدہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے کیا لیکن اس کے باوجود اپنے کفر و شرک سے باز نہ آئے جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس: 97-96) "بے شک وہ لوگ جن پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ ان کے پاس ساری نشانیاں آ جائیں جب تک وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں"۔ اس لئے یہاں فرمایا: كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ . . یعنی اسی طرح اللہ تعالیٰ جاہلوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ آپ ان کی مخالفت اور عناد پر صبر کریں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ فتح و نصرت کا جو وعدہ فرمایا ہے، وہ اسے ضرور پورا کرے گا اور دنیا و آخرت میں صرف آپ کو اور آپ کے پیروکاروں کو سرخرو فرمائے گا۔ یہ لوگ جو ایقان کی دولت سے محروم ہیں۔ آپ کو پھسلا نہ دیں بلکہ آپ اللہ تعالیٰ کے پیغام پر ثابت قدم اور ڈٹے رہیں اور اس سے سرمو انحراف نہ کریں کیونکہ یہی حق ہے جو ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے، اسی میں حق منحصر ہے اور باقی سب کچھ باطل ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک خارجی نے باآواز بلند اس آیت کو پڑھا: وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الزمر: 65) "اور بے شک وحی کی گئی ہے آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے تھے کہ اگر (بفرض محال) آپ نے بھی شرک کیا تو آپ کے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور آپ بھی خسرین میں سے ہو جائیں گے"۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو غور سے سنا اور اس خارجی کی غرض سمجھ گئے۔ چنانچہ آپ نے نماز کے دوران ہی جواباً یہ آیت فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ تلاوت کی (1)۔ اب وہ حدیث ذکر کی جاتی ہے جو اس سورت کی فضیلت اور نماز فجر میں اس کی قرأت کے استحباب کے متعلق مروی ہے۔ کسی صحابی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن صبح کی نماز پڑھاتے ہوئے سورۂ روم کی قرأت کی۔ دوران قرأت آپ کو کچھ وہم ہو گیا۔ جب فارغ ہوئے تو فرمانے لگے: "ہم پر بعض اوقات قرآن کریم مشتبہ ہو جاتا ہے کیونکہ تم میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو ہمارے ساتھ نماز میں شریک ہوتے ہیں لیکن وضو اچھی طرح نہیں کرتے۔ تم میں سے جو بھی ہمارے ساتھ نماز میں شامل ہو، اسے چاہیے کہ وہ اچھی طرح وضو کرے" (2)۔ اس کا متن اور سند دونوں حسن ہیں۔ اس میں ایک عجیب راز اور انوکھی خبر ہے، وہ یہ کہ آپ ﷺ اپنے مقتدیوں کے وضو کے نقص سے متاثر ہوئے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ساتھ معلق ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 59، مستدرک حاکم، جلد 3 صفحہ 146، سنن کبریٰ بیہقی، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 145
2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 471-472

سورۂ لقمان (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ۙ﴿۲﴾ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِیْنَ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ؕ﴿۴﴾ اُولٰٓىِٕكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾

''الف-لام-میم، یہ آیتیں ہیں کتاب حکیم کی۔ سراپا ہدایت اور رحمت ہے نیکوکاروں کیلئے۔ وہ جو صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور یہی لوگ ہیں جو آخرت پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔ یہ لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی توفیق سے اور یہی لوگ دونوں جہانوں میں کامران ہیں''۔

سورۂ بقرہ کی تفسیر کے آغاز میں اس سورت کی ابتدائی آیات کی متعلقہ تفسیر گزر چکی ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کریم کو ان نیکوکاروں کیلئے سراپا ہدایت، شفاء اور رحمت بنایا ہے جو شریعت کے مطابق نیک اعمال بجالاتے ہیں، فرض نمازیں اور نوافل ان کی حدود اور اوقات کی پابندی کرتے ہوئے صحیح صحیح ادا کرتے ہیں، مستحق لوگوں کو زکوٰۃ دیتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، دار آخرت میں اپنے نیک اعمال کے اجر و ثواب کا یقین رکھتے ہیں اور نہ ریاکاری کرتے ہیں اور نہ لوگوں کی داد تحسین کی امید رکھتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں فرمایا: اُولٰٓىِٕكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ... یعنی انہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت، بصیرت اور صراط مستقیم میسر ہے اور یہی دنیا و آخرت میں بامراد ہیں۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ ۖۗ وَّ یَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿۶﴾ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِیْۤ اُذُنَیْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۷﴾

''اور کئی ایسے لوگ بھی ہیں جو بیوپار کرتے ہیں (مقصد حیات سے) غافل کر دینے والی باتوں کا تاکہ بھٹکاتے رہیں راہ خدا سے (اس کے نتائج بد سے) بے خبر ہو کر۔ اور اس کا مذاق اڑاتے رہیں۔ یہ لوگ ہیں جن کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔ اور جب پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اسے ہماری آیتیں تو منہ پھیر لیتا ہے تکبر کرتے ہوئے گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں، جیسے اس کے دونوں کان بہرے ہیں۔ سو آپ اسے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں''۔

قبل ازیں نیک بختوں کا ذکر ہوا جو کتاب اللہ سے ہدایت پاتے ہیں اور اسے سن کر نفع اٹھاتے ہیں جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ۖۗ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ

اتنو(الزمر:23)'' اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے نہایت عمدہ کلام یعنی وہ کتاب جس کی آیات ایک جیسی ہیں، بار بار دہرائی جاتی ہیں اور اس سے ان کے بدن کانپنے لگتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کے بدن اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں''۔ اب یہاں ان بدبختوں کا حال بیان ہو رہا ہے جو کتاب اللہ سے اعراض برتتے ہیں اور اسے سن کر استفادہ نہیں کرتے بلکہ غنا، گانے بجانے اور موسیقی سننے میں محو رہتے ہیں جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ'' لَهْوَ الْحَدِيْثِ '' سے مراد غنا اور گانا بجانا ہے۔ ایک مرتبہ آپ سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے تین مرتبہ قسم اٹھا کر فرمایا کہ اس سے مراد گانا اور غناء ہے(1)۔ حضرات ابن عباس، جابر، عکرمہ، سعید بن جبیر، مجاہد، مکحول، عمرو بن شعیب اور علی بن بذیمہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت غناء اور گیتوں کے متعلق نازل ہوئی(2)۔ اس آیت کی تشریح میں حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں صرف وہی مراد نہیں جو لہو ولعب میں پیسے خرچ کرتا ہے بلکہ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اسے محبوب رکھتا ہے اور خریدنے سے یہی مراد ہے۔ انسان کو یہی گمراہی کافی ہے کہ وہ حق بات پر باطل کو اور نفع رساں چیز پر ضرر رساں چیز کو ترجیح دے۔ بعض نے لہو ولعب کے بیوپار سے مراد لیا ہے مغنیہ لونڈیاں خریدنا(3)۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مغنیہ عورتوں کی خرید و فروخت حلال نہیں اور ان کی کمائی کھانا حرام ہے اور انہی کے متعلق یہ آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ نازل ہوئی(4)۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے اور اس کے ایک راوی علی بن یزید کو ضعیف قرار دیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ علی، ان کے شیخ اور ان کے شاگرد سبھی ضعیف ہیں۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ'' لَهْوَ الْحَدِيْثِ '' سے مراد شرک ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہر وہ کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے راستہ کی اتباع سے روکے۔ فرمایا: لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی لہو ولعب کا بیوپار کرنے سے اس کی غرض اسلام اور اہل اسلام کی مخالفت ہے۔'' لِيَضِلَّ '' کی ایک قرأت یاء کے فتحہ کے ساتھ بھی ہے۔ اس صورت میں لام، لام عاقبت ہوگا یا امر تقدیری کے لئے لام تعلیل یعنی ایسا کرنا ان کے لئے مقدر کر دیا گیا تا کہ وہ ایسے ہو جائیں۔ پھر فرمایا: وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا یعنی وہ راہ خدا کو ہنسی مذاق بنا لے۔ مجاہد نے ھا ضمیر کا مرجع سبیل (رستہ) کو بنایا ہے جبکہ قتادہ نے اس کا مرجع آیات کو بنایا ہے یعنی وہ آیات الٰہی کو مذاق بنا لے۔ مجاہد کا قول زیادہ موزوں ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے راستہ کا تمسخر اڑایا، اس لئے قیامت کے دن دائمی عذاب میں مبتلا کر کے ان کی اہانت کی جائے گی، پھر فرمایا: وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا یعنی اس لہو ولعب اور موسیقی وطرب میں منہمک رہنے والے شخص پر جب قرآنی آیت پڑھی جاتی ہیں تو یہ ان سے منہ پھیر لیتا ہے اور جان بوجھ کر بہرا بن جاتا ہے گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں۔ چونکہ وہ ان آیات سے کسی فائدہ کی توقع نہیں رکھتا اس لئے وہ انہیں سننے سے ہی متنفر ہے۔ دنیا میں جس طرح اسے آیات قرآن سننے سے تکلیف ہوتی ہے، اسی طرح آخرت میں اسے الم ناک عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

'' بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے خوشیوں والے باغات ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں

1۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 61
2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 505
3۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 61
4۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 60، جامع ترمذی، ابواب البیوع، جلد 5 صفحہ 281-282

گے۔ اللہ کا یہ سچا وعدہ ہے۔ اور وہی سب پر غالب، بڑا دانا ہے“۔

یہاں قیامت کے دن ان سعادت مند نیکوکاروں کا انجام بیان ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، پیغمبروں کی تصدیق کی اور شریعت کے مطابق نیک کام کیے، ان کے لئے نعمتوں بھری جنتیں ہیں جہاں انہیں لذیذ کھانے، عمدہ لباس، آرام دہ رہائش گاہیں، بہترین سواریاں، نیک سیرت اور نیک صورت بیویاں اور دیگر ایسی اعلیٰ اور عظیم الشان نعمتیں حاصل ہوں گی جن کا کسی انسان کے دل میں خیال تک نہ آیا ہوگا۔ یہ نعمتیں انہیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حاصل رہیں گی اور یہ اس جنت سے کسی اور جگہ منتقل ہونے کا تصور بھی نہیں کریں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو ہر صورت پورا ہو کر رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کریم، محسن اور قادر ہے۔ وہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور وہ اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے۔ اسی نے قرآن کریم کو اہل ایمان کیلئے سرچشمۂ ہدایت بنا دیا ہے جیسے کہ فرمایا: قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاۗءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى (حم السجدة:44) ” آپ فرمائیے یہ قرآن ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفاء ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور وہ ان پر (ہر حال میں) مشتبہ رہتا ہے“۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (بنی اسرائیل:82) ” اور ہم قرآن میں وہ چیزیں نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لئے شفاء اور رحمت ہیں اور قرآن نہیں بڑھاتا ظالموں کے لئے مگر خسارہ کو“۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَاۗبَّةٍ ۭ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

” اس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو ایسے ستونوں کے بغیر جنہیں تم دیکھ سکو۔ اور کھڑے کر دیئے ہیں زمین میں اونچے اونچے پہاڑ تاکہ زمین ڈولتی نہ رہے ساتھ تمہارے اور پھیلا دیئے ہیں اس میں ہر قسم کے جانور۔ اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی، پس اگائے ہم نے زمین میں ہر نوع کے نفیس جوڑے۔ یہ تو ہے اللہ کی تخلیق۔ (اے مشرکو!) اب ذرا دکھاؤ مجھ کو کیا بنایا ہے اوروں نے اس کے سوا؟! (کچھ بھی نہیں) مگر یہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں“۔

اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی کرشمہ سازی ہے کہ اس نے زمین و آسمان اور ان کے اندر اور ان کے درمیان تمام مخلوق کو پیدا کیا۔ حسن اور قتادہ اس آیت خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ آسمانوں کے ستون نہیں ہیں نہ مرئی اور نہ غیر مرئی۔ حضرات ابن عباس، عکرمہ اور مجاہد فرماتے ہیں کہ آسمانوں کے ستون تو ہیں لیکن تمہیں نظر نہیں آتے۔ سورۂ رعد کے شروع میں اس مسئلہ کو بیان کیا جا چکا ہے، اس لئے اس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں (1)۔ فرمایا: وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ یعنی زمین کو متوازن رکھنے اور جنبش سے بچانے کیلئے اس میں بھاری بھرکم اور اونچے اونچے پہاڑ گاڑ دیئے تاکہ زمین اپنے مکینوں سمیت ڈولتی نہ رہے اور اس نے زمین میں مختلف شکلوں اور رنگوں والے ان گنت اقسام کے حیوانات پھیلا دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو ثابت کرنے کے بعد کہ وہی خالق ہے، یہ بیان فرمایا کہ رازق بھی وہی ہے، ارشاد ہوتا ہے: وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً یعنی ہم نے آسمان سے پانی اتارا اور زمین میں ہر چیز کے خوشنما جوڑے اگائے۔ شعبی فرماتے ہیں کہ انسان بھی زمین کی پیداوار ہے۔ جنتی کریم ہے اور دوزخی لئیم۔ فرمایا: هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ یعنی زمین و آسمان

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ رعد: 2

اور ان میں تمام مخلوقات کی تخلیق صرف اللہ وحدہ لاشریک کی قدرت اور تقدیر کی کرشمہ سازی ہے۔ پس اے مشرکو! مجھے دکھاؤ کہ تمہارے بتوں نے کیا پیدا کیا ہے جن کی پوجا پاٹ میں تم ہر وقت لگے رہتے ہو بلکہ اصل بات یہ ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کرنے والے شرک واضح گمراہی، جہالت اور اندھے پن کا شکار ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑫

"اور ہم نے عنایت فرمائی لقمان کو حکمت (و دانائی) اور فرمایا اللہ کا شکر ادا کرو۔ اور جو شکر ادا کرتا ہے تو وہ شکر ادا کرتا ہے اپنے بھلے کے لئے، اور جو کفران نعمت کرتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ غنی ہے حمید ہے"۔

سلف کا حضرت لقمان کے متعلق اختلاف ہے کہ آیا وہ نبی تھے یا بغیر نبوت کے مرد صالح تھے؟ اکثر کا اتفاق دوسرے قول پر ہے کہ وہ اللہ کے نیکوکار بندے تھے، نبی نہیں تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان حبشی غلام اور بڑھئی تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جب ان کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ پستہ قد چپٹی ناک والے نوبہ کے باشندے تھے(1)۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ آپ موٹے موٹے ہونٹوں والے سوڈان کے رہنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمت عطا فرمائی لیکن نبوت سے نہیں نوازا۔(2) ایک مرتبہ حضرت سعید بن مسیب نے ایک سیاہ فام شخص سے کہا کہ اپنے سیاہ فام ہونے پر رنجیدہ نہ ہو۔ اچھے اور صالح لوگوں میں سے تین اشخاص ایسے ہیں جن کا تعلق سیاہ فام علاقے سے تھا: حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت مہجع رضی اللہ عنہ اور لقمان حکیم جو نوبہ کے بڑے بڑے ہونٹوں والے سیاہ فام باشندے تھے(3)۔ خالد ربعی کہتے ہیں کہ حضرت لقمان حبشی غلام اور بڑھئی تھے۔ ایک روز ان کے آقا نے انہیں کہا کہ ایک بکری ذبح کرو اور اس کے دو نفیس ترین ٹکڑے میرے پاس لاؤ۔ انہوں نے بکری ذبح کی اور زبان اور دل نکال کر لے آئے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد آقا نے حکم دیا کہ ایک بکری ذبح کرو اور اس میں سے دو خبیث ترین ٹکڑے نکال کر میرے پاس لے آؤ۔ انہوں نے بکری ذبح کی اور زبان اور دل نکال کر پیش کر دیئے۔ آقا بہت حیران ہوا۔ پوچھنے لگا کہ جب میں نے گوشت کے دو بہترین ٹکڑے لانے کیلئے کہا تو بھی تم یہ دونوں اعضاء لے آئے اور جب میں نے بدترین ٹکڑے لانے کو کہا تو بھی تم یہی اعضاء لے آئے۔ یہ کیا معاملہ ہے؟ حضرت لقمان نے جواب دیا کہ جب یہ دونوں پاکیزہ بن جائیں تو ان سے بڑھ کر پاکیزہ چیز کوئی نہیں اور جب یہ خبیث ہو جائیں تو ان سے بڑھ کر کوئی چیز خبیث نہیں(4)۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ لقمان عبد صالح تھے، نبی نہ تھے، وہ موٹے موٹے ہونٹوں والے اور چوڑے چوڑے قدموں والے سیاہ فام غلام تھے۔ ایک اور روایت میں مجاہد فرماتے ہیں کہ وہ بنی اسرائیل کے قاضی تھے۔ کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل کے قاضی تھے۔ عمرو بن قیس کہتے ہیں کہ حضرت لقمان ایک مرتبہ بھری محفل میں وعظ کر رہے تھے کہ ایک چرواہا آپ سے کہنے لگا کہ کیا تم فلاں فلاں جگہ میرے ساتھ بکریاں نہیں چرایا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، بات ایسی ہی ہے۔ پھر وہ پوچھنے لگا کہ تم اس مرتبہ پر کیسے فائز ہوئے؟ آپ نے جواب دیا کہ سچ بولنے اور لایعنی کلام سے احتراز کرنے کے سبب(5)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکمت کے باعث لقمان حکیم کو بلند

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 509
2۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 67، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 509
3۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 67
4۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 67-68، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 519
5۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 68

مقام عطا فرمایا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے جو پہلے آپ کو جانتا تھا، آپ سے کہا کہ کیا تم وہی غلام نہیں ہو جو کل تک بکریاں چرایا کرتے تھے؟ فرمایا: میں وہی ہوں، اس نے دریافت کیا کہ پھر یہ مقام کیسے حاصل ہوا؟ فرمایا: اللہ کے فضل، امانت کی ادائیگی، راست گوئی اور لایعنی چیزوں کو ترک کرنے کے سبب۔ یہ تمام آثار صراحتاً یا اشارتاً اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت لقمان نبی نہ تھے کیونکہ ان میں مذکور ہے کہ آپ غلام تھے اور غلام ہونا منصب نبوت پر فائز ہونے کے منافی ہے۔ انبیاء کرام علیہ السلام حسب ونسب اور خاندانی لحاظ سے سب سے اعلیٰ اور برتر ہوا کرتے ہیں اس لئے جمہور سلف کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ نبی نہیں تھے۔ صرف حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ نبی تھے (1)۔ بشرطیکہ یہ روایت ثابت ہو کیونکہ اس کے ایک راوی جابر بن یزید جعفی ضعیف ہیں۔ ایک آدمی حضرت لقمان سے کہنے لگا کہ کیا تم بنی الحسحاس کے غلام نہیں؟ فرمایا: واقعی ہوں۔ اس نے پھر پوچھا کہ کیا تم چرواہے نہیں ہو؟ فرمایا: بات اسی طرح ہے۔ پھر پوچھنے لگا کہ کیا تم سیاہ فام نہیں؟ فرمایا کہ بظاہر ایسا ہی ہے لیکن تمہیں مجھ پر تعجب کیوں ہو رہا ہے؟ وہ شخص کہنے لگا کہ مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہتا ہے اور لوگ بڑی عقیدت اور شوق سے تمہاری باتیں سنتے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ اگر تم میری باتوں پر عمل کرو تو تم بھی میرے جیسے بن سکتے ہو۔ سنو نگاہ کو نیچا رکھنا، زبان کو قابو میں رکھنا، حلال کھانا کھانا، شرمگاہ کی حفاظت کرنا، سچ بولنا، وعدہ ایفاء کرنا، مہمان کی عزت کرنا، پڑوسی کا خیال رکھنا اور لایعنی باتوں کو ترک کرنا میرا شیوہ ہے۔ یہی وہ چیزیں ہیں جن کے باعث میں اس مقام پر پہنچا ہوں۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے ایک دن حضرت لقمان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ کسی امیر اور بڑے خاندان سے تعلق نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی ان میں زیادہ دنیاوی خصوصیات پائی جاتی تھیں بلکہ وہ سیدھے سادھے خاموش طبع شخص تھے، اکثر غور و فکر میں مشغول رہتے، گہری نظر والے تھے، دن کو کبھی نہ سوتے تھے، کسی نے کبھی انہیں نہ تھوکتے دیکھا، نہ ناک صاف کرتے، نہ پیشاب کرتے، نہ قضائے حاجت کرتے، نہ غسل کرتے، نہ ہنستے اور نہ لہو ولعب میں مصروف دیکھا ان کی ہر بات حکمت سے لبریز ہوتی تھی۔ اپنی اولاد کی وفات پر وہ روئے تک نہیں۔ بادشاہوں اور حکمرانوں کے پاس اس لئے جاتے تاکہ وہ غور وفکر کریں اور عبرت حاصل کریں۔ اسی وجہ سے انہیں یہ اعلیٰ مقام نصیب ہوا (2)۔ قتادہ سے ایک غریب اثر مروی ہے کہ لقمان حکیم کو نبوت اور حکمت کے درمیان اختیار دیا گیا تو انہوں نے نبوت کی بجائے حکمت کو اختیار کر لیا۔ وہ سوئے ہوئے تھے کہ جبریل علیہ السلام آئے اور ان پر حکمت برسا دی۔ صبح ہوئی تو حکیمانہ باتیں زبان پر جاری ہو گئیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ حضرت لقمان سے دریافت کیا گیا کہ جب آپ کے رب نے آپ کو اختیار دیا تو آپ نے نبوت پر حکمت کو کیوں ترجیح دی؟ انہوں نے جواب دیا کہ اگر مجھے منصب نبوت پر فائز کرنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے قطعی فیصلہ ہو چکا ہوتا تو میں اسے قبول کر لیتا اور اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ سے توفیق کی درخواست کرتا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا تو مجھے یہ خدشہ لاحق ہوا کہ شاید میں اس منصب کی ذمہ داریوں کو نہ نبھا سکوں، اس لئے میں نے حکمت کو پسند کر لیا۔ اس روایت میں سعید بن بشیر راوی کے سبب ضعف ہے۔ حضرت قتادہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کو حکمت یعنی دین اسلام کی سمجھ عطا فرمائی۔ نہ وہ نبی تھے اور نہ ان کی طرف وحی اتری۔ فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ ۔ یعنی ہم نے لقمان کو فہم، علم اور تعبیر کی صلاحیت سے نوازا اور انہیں حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کا جو فضل و کرم تمہیں ارزانی ہوا اور دوسروں پر جو فضیلت تمہیں بخشی گئی اس پر اس کا شکر ادا کرو۔ پھر فرمایا: وَمَنْ يَّشْكُرْ... یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتا ہے اس کا نفع

1۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 68
2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 517

اور ثواب اسے ہی حاصل ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ (الروم: 44) "اور جنہوں نے نیک عمل کئے تو وہ اپنے لئے راہ ہموار کر رہے ہیں"۔ پھر فرمایا: وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ یعنی اللہ تعالیٰ بندوں سے بے نیاز ہے۔ اگر تمام زمین والے اس کی ناشکری کریں تو بھی اسے کوئی نقصان نہیں کیونکہ وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں۔

وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّ اتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

"اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے کو کہا اسے نصیحت کرتے ہوئے اے میرے پیارے فرزند! کسی کو اللہ کا شریک نہ بنانا۔ یقیناً شرک ظلم عظیم ہے۔ اور ہم نے تاکیدی حکم دیا انسان کو کہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ شکم میں اٹھائے رکھا ہے اسے اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری کے باوجود اور اس کا دودھ چھوٹنے میں دو سال لگے (اس لئے ہم نے حکم دیا) کہ شکر ادا کرو میرا اور اپنے ماں باپ کا۔ (آخرکار) میری طرف ہی (تمہیں) لوٹنا ہے۔ اور اگر وہ دباؤ ڈالیں تم پر کہ تو میرا شریک ٹھہرائے اس کو جس کا تجھے علم تک نہیں، تو ان کا یہ کہنا نہ مان البتہ گزران کر وان کے ساتھ دنیا میں خوبصورتی سے۔ اور پیروی کر واس کے راستہ کی جو میری طرف مائل ہوا۔ پھر میری طرف ہی تمہیں لوٹنا ہے، پس میں آگاہ کروں گا تمہیں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے تھے"۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو جو پند و نصیحت کی، اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہ لقمان بن عنقاء بن سدون تھے۔ ایک قول کے مطابق ان کے بیٹے کا نام ثاران تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت کی دولت سے مالا مال کیا تھا۔ یہاں بہترین وصف کے ساتھ ان کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ انہوں نے نہایت قیمتی مواعظ سے اپنے بیٹے کے دامن کو بھر دیا اور ظاہر ہے کہ اولاد انسان کو سب سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور اسی کے ساتھ سب سے زیادہ دلی تعلق ہوتا ہے، اس لئے وہی اس بات کی مستحق ہے کہ اس کا باپ اسے سب سے زیادہ مفید اور انمول چیز عطا کرے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے پہلے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے کا حکم دیا۔ پھر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ یعنی شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْۤا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (الانعام: 83) تو یہ صحابہ کرام پر بہت شاق گزری۔ عرض کرنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کون ہے جس نے کوئی ظلم نہیں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ظلم سے مراد عام گناہ نہیں بلکہ اس سے مراد وہ ظلم ہے جس کا ذکر لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کیا تھا: يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (1)۔ اللہ وحدہ لا

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ لقمان، جلد 6 صفحہ 143، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 114-115

شریک کی عبادت اور شرک سے اجتناب کی وصیت کرنے کے بعد والدین کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرنے کی نصیحت کی جیسے کہ فرمایا: وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (بنی اسرائیل: 23) "اور آپ کے رب نے حکم دیا ہے کہ نہ عبادت کرو مگر اس کی اور والدین کے ساتھ احسان کرو"۔ قرآن کریم میں عموماً ان دونوں چیزوں کو ایک ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ یہاں فرمایا: وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ وھن کا معنی ہے مشقت، تکلیف اور ضعف۔ اس فرمان وَفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ کا مطلب یہ ہے کہ وضع حمل کے بعد ماں اپنے بچے کو دوسال دودھ پلاتی رہتی ہے اور اس کی تربیت میں لگی رہتی ہے جیسے کہ فرمایا: وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ (البقرة: 233) "اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دوسال دودھ پلائیں، (یہ مدت) اس کے لئے ہے جو دودھ کی مدت پوری کرنا چاہتا ہے"۔ اس سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ نے استنباط کیا ہے کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے کیونکہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا (الاحقاف: 15) "اور اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے"۔ اللہ تعالیٰ ان صبر آزما اور جانگسل مراحل کا ذکر کرتا ہے جن سے گزر کر ماں اپنی اولاد کی تربیت کرتی ہے اور اپنے بچوں کی خاطر دن رات جاگ کر مشقت اٹھاتی اور تھکاوٹ کا شکار ہوتی ہے تاکہ اولاد اپنی ماں کے احسان کو یاد رکھے جیسا کہ فرمایا: وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا (بنی اسرائیل: 24) "اور عرض کرو اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا تھا"۔ یہاں فرمایا: اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ یعنی میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو، تمہیں لوٹ کر میرے پاس ہی آنا ہے اور میں تمہیں اس کا وافر بدلہ دوں گا۔ سعید بن وہب بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے امیر بنا کر ہماری طرف بھیجا۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر خطبہ دیا جس میں حمد و ثناء کے بعد انہوں نے فرمایا کہ میں تمہاری طرف رسول اللہ ﷺ کا فرستادہ ہوں اور میں یہ پیغام لے کر آیا ہوں کہ تم لوگ صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ اور میری اطاعت کرو، میں تمہاری خیر خواہی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کروں گا، سب کو لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف جانا ہے پھر جنت یا جہنم میں دائمی ٹھکانا ہوگا، وہاں سے نہ کوچ ہوگا اور نہ موت آئے گی۔ پھر فرمایا: وَاِنْ جَاهَدٰكَ ... یعنی اگر وہ دباؤ ڈال کر تمہیں اپنا غیر اسلامی دین قبول کرنے پر مجبور کریں تو ہرگز ان کی یہ بات نہ ماننا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم دنیا میں ان کے ساتھ حسن سلوک سے بھی ہاتھ کھینچ لو، بلکہ اچھے طریقے سے ان کے ساتھ گزران کرو، ان کے دنیوی حقوق ادا کرو اور ان اہل ایمان کی راہ اپناؤ جنہوں نے میری طرف رجوع کیا، پھر تم سب کو میری طرف لوٹنا ہے اور میں تمہیں تمہارے اعمال سے آگاہ کروں گا۔ طبرانی میں ہے کہ حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت وَاِنْ جَاهَدٰكَ میرے بارے میں نازل ہوئی۔ میں اپنی ماں کا بہت فرمانبردار اور خدمت گزار تھا۔ جب میں نے اسلام قبول کر لیا تو میری ماں بہت برافروختہ ہوئی اور مجھے کہنے لگی کہ اے سعد! یہ تم نے کون سا نیا دین اختیار کر لیا ہے۔ تم اس نئے دین سے منحرف ہو جاؤ ورنہ میں کھانا پینا ترک کر دوں گی اور یونہی بھوکی مر جاؤں گی اور لوگ تمہیں اپنی ماں کا قاتل کہہ کر عار دلایا کریں گے۔ میں نے اپنی ماں سے کہا کہ ایسا مت کیجئے، میں اپنے دین کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہی۔ اس نے تین دن فاقے میں گزار دیئے۔ اب اس کی حالت بہت ہی خراب ہوگئی۔ جب میں نے یہ حالت دیکھی تو فیصلہ کن انداز میں اپنی ماں سے کہا کہ یقین کر لو اگر تمہاری سو جانیں ہوں اور وہ ایک ایک کر کے نکل جائیں تو بھی میں اپنے دین سے دستبردار ہونے پر تیار نہیں۔ اگر تمہاری مرضی ہے تو کھانا شروع کرو ورنہ اسی طرح فاقے میں رہو۔ میرا یہ عزم مصمم دیکھ کر اس نے بھوک ہڑتال ختم کر دی(1)۔

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 521، اسد الغابۃ، جلد 2، صفحہ 368

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝

"(لقمان نے کہا) پیارے فرزند! اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر وزنی یا پھر وہ کسی چٹان میں یا آسمانوں یا زمین میں (چھپی) ہوتو لے آئے گا اسے اللہ تعالیٰ۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت باریک بین، ہر چیز سے باخبر ہے۔ میرے پیارے بچے! نماز صحیح ادا کیا کرو، نیکی کا حکم دیا کرو اور برائی سے روکتے رہو اور صبر کیا کرو ہر مصیبت پر جو تمہیں پہنچے۔ بے شک وہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔ اور (تکبر کرتے ہوئے) نہ پھیر لے اپنے رخسار کو لوگوں کی طرف سے اور نہ چلا کر زمین میں اتراتے ہوئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا کسی گھمنڈ والے، فخر کرنے والے کو۔ اور درمیانہ روی اختیار کر اپنی رفتار میں اور دھیمی کر اپنی آواز۔ بے شک سب سے وحشت انگیز آواز گدھے کی آواز ہے"۔

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کی مزید وصیتیں اور حکمت بھری باتیں بیان ہو رہی ہیں تاکہ لوگ انہیں اپنے لئے مشعل راہ بنائیں اور ان کی پیروی کریں۔ فرمایا: يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ یعنی اگر رائی کے دانہ کے برابر وزنی کوئی ظلم، زیادتی یا گناہ ہو تو اسے بھی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس وقت لا حاضر کرے گا جب عدل وانصاف کے ترازو نصب کئے جائیں گے اور اچھے برے اعمال کی جزا دی جائے گی جیسا کہ فرمایا: وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا (الانبیاء: 47) "اور ہم قیامت کے دن صحیح تولنے والے ترازو رکھیں گے پس کسی پر ذرہ بھر ظلم نہ کیا جائے گا"۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (الزلزال: 8-7) "پس جو ذرہ برابر نیکی کرتا ہے وہ اسے دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر برائی کرتا ہے وہ بھی اسے دیکھ لے گا"۔ اللہ تعالیٰ رائی کے دانہ جیسی چیز بھی ظاہر کر دے گا اگرچہ وہ کسی چٹان کے اندر پوشیدہ ہو یا زمین وآسمان کے کسی کونے میں چھپی ہوئی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایک ذرہ کے برابر وزنی چیز بھی مخفی نہیں اس لئے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ یعنی اللہ تعالیٰ بہت باریک بین اور لطیف علم والا ہے۔ تمام اشیاء، خواہ وہ کتنی ہی باریک، لطیف اور معمولی ہوں، اس سے اوجھل نہیں، وہ تو سخت اندھیری رات میں چیونٹیوں کے رینگنے سے بھی پوری طرح باخبر ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ "اِنَّهَا" کی ضمیر ضمیر شان وقصہ ہے۔ اس صورت میں انہوں نے "مثقال" کو مرفوع پڑھنا جائز قرار دیا ہے لیکن پہلا قول ہی زیادہ موزوں ہے کہ اس ضمیر کا مرجع مظلمۃ (ظلم وزیادتی) یا "خطیئۃ" (برائی) ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ "صخرۃ" سے مراد وہ چٹان ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ صحابہ کی ایک جماعت سے یہ قول مروی ہے۔ سدی نے اس کی اسناد ذکر کی ہیں بشرطیکہ وہ صحیح ہوں۔ محسوس ہوتا ہے کہ یہ قول ان اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہے جن کی نہ تصدیق کی جا سکتی ہے اور نہ تکذیب۔ بظاہر اس کا یہی معنی ہے کہ اگر کوئی معمولی اور حقیر سا دانہ بھی کسی چٹان کے اندر ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے علم لطیف سے اسے بھی ظاہر کر دے گا جیسے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر تم میں سے کوئی شخص کسی ایسی ٹھوس چٹان کے اندر کوئی عمل کرے جس میں نہ

کوئی دروازہ ہو اور نہ کوئی سوراخ، تو اس کا عمل جیسا بھی ہو لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائے گا" (1)۔ پھر فرمایا: يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ... یعنی اے میرے بیٹے! نماز کو صحیح صحیح ادا کرو اور اس کی حدود، شرائط، فرائض اور اوقات کی پابندی کرو، مقدور بھر نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو اور مصائب پر صبر کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بہت کٹھن ہے۔ اس راہ میں لوگوں کی مخالفت اور ایذاء کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے اس لئے یہاں صبر کا حکم دیا اور فرمایا کہ لوگوں کی ایذا رسانیوں پر صبر کرنا بہت ہمت اور جوانمردی کا کام ہے۔ پھر فرمایا: وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ یعنی گفتگو کرتے وقت از راہ غرور و نخوت لوگوں سے اپنا چہرہ نہ پھیر لیا کرو بلکہ نرمی اور خندہ پیشانی سے پیش آیا کرو جیسا کہ حدیث میں آیا ہے "تمہارا اپنے بھائی کے ساتھ کشادہ روئی اور خندہ پیشانی سے ملاقات کرنا بھی نیکی ہے، تہبند کو ٹخنے سے نیچا نہ کرو کیونکہ یہ تکبر ہے اور تکبر اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں" (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایسا نہ ہو تم تکبر و غرور کے باعث اللہ کے بندوں کو حقیر جانو اور جب وہ تمہارے ساتھ کلام کریں تو تم ان سے اپنا منہ موڑ لو۔ زید بن اسلم رحمتہ اللہ علیہ اس کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ اس حالت میں گفتگو نہ کرو کہ تم اعراض کئے ہوئے ہو۔ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے باچھیں کھول کر گفتگو کرنا۔ صحیح قول پہلا ہی ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ فعل صعر سے ماخوذ ہے اور صعر ایک ایسی بیماری ہے جو اونٹوں کی گردن یا سر میں ظاہر ہوتی ہے اور اس سے گردن ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ متکبر شخص کو اس سے تشبیہ دی جاتی ہے جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے (3)۔

وَكُنَّا اِذَا الْجَبَّارُ صَعَّرَ خَدَّهُ　　اَقَمْنَا لَهُ مِنْ مَيْلِهِ فَتَقَوَّمَا

یعنی جب کوئی جابر از راہ تکبر اپنا رخسار پھیر لیتا ہے تو ہم قوت کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کی کجی کو درست کر دیتے ہیں تو وہ سیدھا ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا: وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا یعنی زمین پر تکبر، سرکشی اور فخر و غرور سے اتراتے ہوئے نہ چلو کیونکہ یہ چال اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے اس لئے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ یعنی اللہ تعالیٰ ہر گھمنڈ کرنے والے اور فخر و غرور کرنے والے خود پسند کو محبوب نہیں رکھتا۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا (بنی اسرائیل: 37) اس کی وضاحت اس کے مقام پر گزر چکی ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے تکبر کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے اس کی سخت مذمت کرتے ہوئے فرمایا: "اللہ تعالیٰ ہر خود پسند اور متکبر کو پسند نہیں کرتا۔" اس پر ایک صحابی نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنے کپڑے دھوتا ہوں تو مجھے ان کی صفائی اور سفیدی بھلی لگتی ہے، اسی طرح مجھے اپنے جوتے کا تسمہ اور اپنے کوڑے کا غلاف بہت اچھا لگتا ہے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تکبر اس چیز کا نام نہیں، تکبر تو یہ ہے کہ تو حق کی بے حرمتی کرے اور لوگوں کو حقیر خیال کرے" (4)۔ یہ روایت ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔ اس میں ایک طویل قصہ ہے اور اس میں حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کے انتقال اور آپ کی وصیت کا بھی ذکر ہے (5)۔ پھر درمیانی چال چلنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ یعنی اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کرو، نہ بالکل سست اور نہ بہت زیادہ تیز بلکہ اعتدال کے ساتھ۔ اس کے بعد گفتار کا ادب سکھاتے ہوئے فرمایا: وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ یعنی کلام میں مبالغہ نہ کرو اور نہ اونچی آواز سے بے فائدہ گفتگو کرو کیونکہ سب سے زیادہ بھیانک اور وحشت انگیز آواز گدھے کی ہے۔ مجاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ قبیح ترین آواز گدھے کی ہے۔

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 28　　2۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، جلد 4 صفحہ 56　　3۔ دیوان المتلمس: 24
4۔ معجم کبیر، جلد 2 صفحہ 69　　5۔ معجم کبیر، جلد 2 صفحہ 70-71

چنانچہ جو شخص بلاوجہ چیختا چلاتا ہے اسے گدھے کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مبغوض بھی ہوتا ہے۔ گدھے کے ساتھ یہ تشبیہ اس کی حرمت اور اسکے انتہائی مذموم ہونے کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بری مثالیں ہمیں زیبا نہیں، اپنی ہبہ کی ہوئی چیز کو واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کر کے پھر اسے چاٹ لیتا ہے" (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جب تم مرغ کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست کرو اور جب گدھے کے ہینگنے کی آواز سنو تو شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو کیونکہ وہ شیطان کو دیکھتا ہے" (2)۔ یہ تو حضرت لقمان کی وہ نفع بخش وصیتیں ہیں جو قرآن کریم میں بیان کی گئی ہیں، ان کے علاوہ اور بھی متعدد مواعظ اور حکیمانہ اقوال ان سے مروی ہیں۔ بطور نمونہ اور دستور کے ان میں سے بعض کا ہم ذکر کرتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لقمان حکیم کہا کرتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز سونپ دی جائے تو وہ اس کی حفاظت کرتا ہے" (3)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: اے میرے بیٹے! ڈھاٹا باندھنے سے اجتناب کرو کیونکہ یہ رات کو خوفزدہ کرنے والی اور دن کو مذمت والی چیز ہے" (4)۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ حکمت مسکینوں کو بادشاہ بنا دیتی ہے۔ فرمایا کہ جب تم کسی محفل میں جاؤ تو انہیں سلام کرو پھر ایک طرف بیٹھ جاؤ۔ جب تک وہ گفتگو نہ کریں، خاموش رہو۔ اگر وہ اللہ کا ذکر کریں تو بغیر کسی تاخیر کے ان کے ساتھ شامل ہو جاؤ اور اگر وہ کسی دوسری چیز میں لگ جائیں تو تم ان سے الگ ہو جاؤ۔ حفص بن عمر فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان نے رائی سے بھری ایک تھیلی اپنے پاس رکھ لی اور اپنے بیٹے کو وعظ و نصیحت کرنے لگے۔ ہر نصیحت کے بعد تھیلی سے ایک دانہ نکال لیتے۔ جب تھیلی خالی ہو گئی تو اپنے بیٹے سے فرمانے لگے کہ اگر میں اس قدر وعظ و نصیحت کسی پہاڑ کو کرتا تو وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ چنانچہ آپ کے بیٹے کا بھی یہی حال ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "حبشیوں کا خیال رکھو کیونکہ ان میں سے تین اہل جنت کے سرداروں میں سے ہیں: لقمان حکیم، نجاشی اور بلال مؤذن" (5)۔

گمنامی اور تواضع کا بیان

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اس کی بھی وصیت کی تھی۔ حافظ ابوبکر بن ابی الدنیا نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے۔ اس میں سے ہم بعض اہم باتیں ذکر کرتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بہت سے پراگندہ بالوں والے اور بوسیدہ کپڑوں والے ایسے لوگ ہیں جنہیں لوگوں کے دروازوں سے دھتکار دیا جاتا ہے لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ پر کوئی قسم اٹھالیں تو وہ ضرور ان کی قسم پوری کرتا ہے" (6)۔ ایک اور روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ براء بن مالک انہی میں سے ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ان متقی صاحب ثروت لوگوں کو مبارک ہو کہ جب وہ لوگوں کے سامنے آئیں تو انہیں کوئی پہچانتا نہیں اور جب وہ غائب ہوں تو کوئی ان کا حال دریافت نہیں کرتا۔ یہ چراغ ہیں جو ہر پراگندہ کرنے والے غبار آلود فتنہ سے محفوظ ہیں"۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو روضہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الہبہ، جلد 3 صفحہ 215۔ صحیح مسلم، کتاب الہبات، جلد 5 صفحہ 1240-1241

2۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، جلد 4 صفحہ 155۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر، جلد 4 صفحہ 2092　　3۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 87

4۔ مستدرک حاکم، تفسیر سورۂ لقمان، جلد 2 صفحہ 411　　5۔ معجم کبیر، جلد 11 صفحہ 198۔ مجمع الزوائد، جلد 4 صفحہ 236　　6۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 145

رسول ﷺ کے پاس روتے ہوئے دیکھا تو ان سے رونے کا سبب دریافت کیا۔ وہ کہنے لگے کہ میرے رونے کا سبب ایک حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''معمولی سی ریاکاری بھی شرک ہے اور اللہ تعالیٰ ان متقی صاحب ثروت گمنام لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جنہیں ان کی عدم موجودگی میں یاد نہیں کیا جاتا اور موجودگی میں انہیں پہچانا نہیں جاتا۔ ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں اور یہ ہر غبار آلود تاریکی سے نجات یافتہ ہیں''(1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بعض ایسے بوسیدہ اور پھٹے پرانے کپڑوں والے ہیں جنہیں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی لیکن (اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا یہ مقام ہے کہ) اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھا لیں تو وہ ضرور ان کی قسم پوری فرما دے۔ اگر وہ کہیں: یا اللہ! ہم تم سے جنت کا سوال کرتے ہیں تو وہ انہیں ضرور جنت مرحمت فرما دے اگرچہ اس نے انہیں دنیا سے محروم ہی رکھا ہو''۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اگر تمہارے دروازے پر آکر درہم، دینار یا ایک پیسہ بھی مانگیں تو اسے وہ بھی نہ دے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کریں تو وہ ضرور انہیں عطا فرما دے لیکن اگر وہ دنیا کا سوال کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا نہ عطا کرے اور نہ ہی ان سے روکے کیونکہ دنیا بے وقعت چیز ہے۔ یہ لوگ دو پھٹی پرانی دو چادروں میں ملبوس رہتے ہیں۔ انہیں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی لیکن ان کا مقام یہ ہے کہ اگر یہ قسم کھا لیں تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی قسم کو پورا کر دے''(2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت کے بادشاہوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو پراگندہ بالوں والے، غبار آلود چہروں والے اور دو بوسیدہ چادریں پہننے والے ہیں، انہیں کسی خاطر میں نہیں لایا جاتا۔ جب یہ امراء کے پاس جانے کے لئے اجازت طلب کرتے ہیں تو انہیں اجازت نہیں ملتی، جب یہ شادی کے لئے رشتہ مانگتے ہیں تو انہیں رشتہ نہیں ملتا اور جب یہ بات کرتے ہیں تو ان سے منصفانہ برتاؤ نہیں کیا جاتا، ان کی ضروریات اور آرزوئیں ان کے سینوں میں ہی دم توڑ دیتی ہیں۔ قیامت کے دن انہیں اس قدر نور میسر ہوگا کہ اگر اسے لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے تو سب کو کافی ہو جائے۔ عبد اللہ بن مبارک اپنے اشعار میں کہتے ہیں کہ بوسیدہ کپڑوں والے وہ لوگ جنہیں دنیا میں کوئی اہمیت اور وقعت نہیں دی جاتی، انہیں جنت میں ایسا مقام حاصل ہوگا جہاں عالی شان مسندیں بچھی ہوں گی، گاؤ تکیے لگے ہوں گے، ان کے محلات کے ارد گرد انوار و تجلیات کی بارش ہوگی اور باغات کی پر بہار فضاؤں میں یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے شاد کام ہو رہے ہوں گے(3)۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مجھے سب سے زیادہ محبوب ولی وہ مومن ہے جو کم مال والا اور نمازی ہو، اپنے رب کی خوب عبادت کرے اور خلوت میں بھی اپنے رب کو یاد کرے، لوگوں میں گمنام ہو اور اسے کوئی شہرت حاصل نہ ہو بشرطیکہ وہ اس پر صبر کرے''۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ جھاڑ کر فرمایا: ''اس کی موت جلد آجائے، اس کی میراث کم ہو اور اس پر رونے والیاں بھی قلیل ہوں''(4)۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب بندے غرباء ہیں۔ دریافت کیا گیا کہ غرباء کون ہیں؟ فرمایا کہ وہ لوگ جو متاع ایمان کو خطرہ لاحق ہونے پر اپنے دین کو لے کر کسی اور جگہ منتقل ہو جاتے ہیں۔ قیامت کے دن انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جمع کیا جائے گا(5)۔ فضیل بن عیاض کہتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے فرمائے گا کہ کیا میں نے تم پر انعام نہیں فرمایا؟ کیا میں نے تمہیں عطا نہیں کیا؟ کیا میں نے تمہیں چھپایا نہیں؟ کیا میں نے یہ نہیں کیا؟ کیا میں نے یہ نہیں کیا؟ کیا میں نے تمہیں نیک نامی نہیں

1۔ التواضع والخمول لابن ابی الدنیا: 28-30 2۔ التواضع والخمول، ابن ابی الدنیا: 15-17 3۔ التواضع والخمول، ابن ابی الدنیا: 24-25

4۔ عارضة الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9 صفحہ 209، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 252-255 5۔ الفقر والفقیر، جلد 42-43

بخشی؟ پھر حضرت فضیل فرمانے لگے کہ اگر ہو سکے تو گمنام رہو۔ اس صورت میں اگر لوگ تمہاری تعریف نہ کریں تو بھی کوئی حرج نہیں اور اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم لوگوں کے ہاں مذموم ہو بشرطیکہ اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب رکھتا ہو۔ ابن محیریز دعا کیا کرتے تھے: یا اللہ! میں تم سے گمنامی کی درخواست کرتا ہوں۔ خلیل بن احمد یہ دعا کرتے تھے: یا اللہ! مجھے اپنی نظروں میں بلند مقام عطا فرما اور مجھے میری نظروں میں حقیر بنا دے اور لوگوں کی نگاہوں میں مجھے اوسط درجے کا بنا دے (1)۔

شہرت کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آدمی کو یہی شر کافی ہے کہ اس کی دینداری یا دنیاداری میں لوگ انگلیوں سے اس کی طرف اشارہ کر کے اسے شہرت دیں (بجز اس کے جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے) اور اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں بلکہ تمہارے قلوب اور اعمال کو دیکھتا ہے" (2)۔ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ سے یہ روایت مرسلاً مروی ہے۔ جب آپ نے یہ روایت بیان کی تو کسی شخص نے آپ سے کہا کہ آپ کی طرف بھی تو انگلیوں کے ساتھ اشارے کئے جاتے ہیں یعنی آپ کو شہرت حاصل ہے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دین کے بارے میں بدعت کے ساتھ اور دنیا کے متعلق فسق و فجور کے ساتھ کسی پر انگلیاں اٹھیں (3)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حصول شہرت میں نہ پڑو، اپنے آپ کو اونچا نہ کرو کہ لوگوں میں تمہارے تذکرے ہونے لگیں، علم حاصل کرو، گمنام رہو اور خاموشی اختیار کرو، سلامتی پا جاؤ گے، نیکوکاروں کو خوش رکھو اور بدکاروں کو غضبناک کرو۔ ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شہرت کو محبوب رکھنے والا اللہ کا دوست نہیں۔ ایوب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کا دوست پسند کرتا ہے کہ اس کے مقام و مرتبہ پر کوئی آگاہ نہ ہو۔ محمد بن علاء فرماتے ہیں: جو شخص اللہ تعالیٰ کو محبوب رکھتا ہے، وہ اس بات کو بھی محبوب رکھتا ہے کہ لوگ اسے نہ پہچانیں۔ سماک بن سلمہ فرماتے ہیں کہ زیادہ دوست بنانے سے اجتناب کرو۔ ابان بن عثمان رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر تم اپنے دین میں عافیت اور سلامتی کے خواہاں ہو تو لوگوں سے کم جان پہچان رکھو۔ حضرت ابوالعالیہ رحمتہ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جب ان کے پاس تین سے زیادہ آدمی جمع ہو جاتے تو وہ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوتے۔ حضرت طلحہ نے اپنے ساتھ لوگوں کا ہجوم دیکھا تو فرمانے لگے: طمع کی مکھیاں اور آگ کے پروانے۔ لوگ حضرت حنظلہ کو گھیرے کھڑے تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو اپنا کوڑا تان کر فرمایا کہ اس میں تابع کی ذلت اور متبوع کے لئے فتنہ ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ باہر نکلے تو بہت سے لوگ آپ کے ساتھ ہو لئے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تمہیں میری پوشیدہ باتوں کا علم ہو جائے تو تم میں سے دو آدمی بھی میرے پیچھے چلنا گوارا نہ کریں۔ حماد بن زید بیان کرتے ہیں کہ جب ہم کسی مجلس کے پاس سے گزرتے اور ہمارے ساتھ حضرت ایوب رحمتہ اللہ علیہ ہوتے تو ان کے سلام کرنے پر لوگ سختی سے سلام کا جواب دیتے۔ یہ ایک نعمت تھی۔ حضرت ایوب رحمتہ اللہ علیہ لمبی قمیص پہنتے۔ اس بارے میں آپ سے دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ پہلے زمانہ میں قمیص لمبا کرنے میں شہرت تھی اور اب قمیص چھوٹا رکھنے میں شہرت ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے نبی کریم ﷺ کے جوتوں جیسے جوتے بنوائے اور انہیں کچھ دن پہننے کے بعد اتار دیا اور فرمایا کہ لوگ ایسے جوتے نہیں پہنتے۔ ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسا لباس مت پہنو جو شہرت کا باعث بنے اور ایسے لباس سے بھی احتراز کرو جسے دیکھ کر لوگ نفرت کرنے لگیں۔ ثوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سلف صالحین نہ تو اتنا عمدہ اور قیمتی لباس پہنتے تھے جس کے سبب انہیں شہرت حاصل ہو اور لوگ نگاہیں اٹھا اٹھا کر اسے دیکھیں اور نہ ہی اتنا گھٹیا

1۔ المتجر الرابح، جلد 4، 44-46   2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9 صفحہ 279   3۔ الفتح والخصال، 61-63

لباس پہنتے تھے جو ذلت نفس اور حقارت دین کا باعث بنے۔ ابو قلابہ کے پاس ایک شخص نہایت قیمتی پوشاک پہنے ہوئے آیا تو آپ نے فرمایا کہ اس ہینگنے والے گدھے سے بچو۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنے دلوں میں تکبر اور کپڑوں میں تواضع ڈال رکھی ہے۔ ایک چادر والا ایک ہتھوڑی والے سے زیادہ محبوب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تمہیں کیا ہے تم میرے پاس درویشوں کے لباس میں لیکن بھیڑیوں جیسے دلوں کے ساتھ آتے ہو۔ بادشاہوں جیسا لباس پہنو لیکن دلوں کو خوف خدا سے نرم رکھو(1)۔

حسن خلق کا بیان

رسول اللہ ﷺ سب سے اچھے اخلاق والے تھے(2)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عرض کی گئی: یا رسول اللہ ﷺ! کون سا مومن بہتر ہے؟ فرمایا: "سب سے اچھے اخلاق والا"۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: "ایک بندہ حسن خلق کے باعث آخرت کے درجات اور جنت میں اعلیٰ مقامات حاصل کر لیتا ہے حالانکہ وہ کم عبادت کرنے والا ہوتا ہے اور ایک عبادت گزار اپنی بدخلقی کے سبب جہنم کے گڑھوں میں پہنچ جاتا ہے"(3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی ایک اور مرفوع حدیث مروی ہے: "حسن خلق دنیا و آخرت کی خیر کا موجب ہے۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک مرفوع حدیث میں آتا ہے: "بندہ اپنے حسن خلق کی وجہ سے رات کو قیام کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے شخص کا درجہ پا لیتا ہے"(4)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ حصول جنت کا عموماً کیا موجب ہے؟ فرمایا: "خوف خدا اور حسن اخلاق"۔ پھر آپ سے جہنم میں لے جانے والی چیزوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "دو کھوکھلی چیزیں: منہ اور شرمگاہ"(5)۔ ایک مرتبہ بہت سے اعرابی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! انسان کو سب سے بہتر چیز کون سی عطا ہوئی ہے؟ فرمایا: "حسن خلق(6)"۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میزان میں حسن خلق سے زیادہ وزنی چیز کوئی نہیں(7)۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: "تم میں سے سب سے زیادہ بہتر وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں"(8)۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس طرح راہ خدا میں جہاد کرنے والے کو صبح و شام اجر ملتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ بندے کو حسن اخلاق پر بھی ثواب عطا فرماتا ہے"(9)۔ حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: "تم میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ مجھ سے قریب وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق سب سے اچھے ہیں اور تم میں میرے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت اور جنت میں مجھ سے سب سے زیادہ دور وہ ہیں جو بد اخلاق، باچھیں پھیلا پھیلا کر فضول گوئی کرنے والے اور بدزبان ہوں"(10)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے: "کیا میں تمہیں آگاہ نہ کروں کہ تم میں سے کامل ایمان والے کون ہیں؟ وہ جو تم میں سب

1۔ التواضع والخمول: 193 — 2۔ فتح الباری، کتاب الادب، جلد 10 صفحہ 582، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1805

3۔ معجم کبیر، جلد 1 صفحہ 260 — 4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 252، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 64-90-132

5۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب البر والصلۃ، جلد 8 صفحہ 168، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1418

6۔ مستدرک حاکم، کتاب العلم، جلد 1 صفحہ 121، کتاب الطب، جلد 4 صفحہ 198-199، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 279

7۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب البر والصلۃ، جلد 8 صفحہ 167-168، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 442

8۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 8 صفحہ 16، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1810 — 9۔ التواضع والخمول: 225 — 10۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 193

سے زیادہ اچھے اخلاق والے اور تواضع کرنے والے ہیں جو دوسروں سے محبت کرتے ہیں اور دوسرے ان سے محبت رکھتے ہیں"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے جس شخص کی سیرت اور صورت کو خوبصورت بنایا ہے وہ اسے آگ کا لقمہ نہیں بنائے گا"۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے "دو خصلتیں ایسی ہیں جو کسی مومن میں جمع نہیں ہو سکتیں: بخل اور بد خلقی"۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے ہاں بد خلقی سے بڑا کوئی گناہ نہیں"۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بد اخلاق ایک گناہ سے نکل کر دوسرے گناہ میں پڑ جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے ہاں بد خلقی سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں۔ اچھے اخلاق گناہوں کو اس طرح گھٹا دیتے ہیں جس طرح سورج برف کو پگھلا دیتا ہے اور برے اخلاق اعمال کو اس طرح فاسد کر دیتے ہیں جس طرح سرکہ شہد کو(1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: "تم لوگوں کو مال سے اپنا گرویدہ نہیں بنا سکتے بلکہ خندہ پیشانی اور خوش خلقی سے انہیں اپنا بنا سکتے ہو"۔ محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ خوش خلقی دینی امور میں معاون ہے۔

تکبر کی مذمت کا بیان

حضور ﷺ فرماتے ہیں: "وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو اور وہ شخص جہنم میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو"(2)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: "جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہے، اسے اوندھے منہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا(3)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایک آدمی خود پسندی کا شکار رہتا ہے یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں جابروں کی فہرست میں لکھ لیا جاتا ہے اور اسے انہی جیسا عذاب پہنچتا ہے"(4)۔ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام تخت پر رونق افروز ہوئے۔ دو لاکھ انسان اور دو لاکھ جن ساتھ تھے۔ آپ کو آسمان تک بلند کیا گیا یہاں تک کہ آپ فرشتوں کی تسبیح کی آواز سننے لگے پھر آپ کو نیچے لایا گیا یہاں تک کہ آپ کے پاؤں سمندر کے پانی کو چھونے لگے۔ پھر آپ کو ایک آواز سنائی دی جو یہ پیغام دے رہی تھی کہ اگر ان کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہوتا تو انہیں جس قدر بلند کیا گیا تھا، اس سے بھی زیادہ نیچے انہیں دھنسا دیا جاتا(5)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے انسان کی پیدائش کا ذکر کیا اور فرمایا کہ انسان دو شخصوں کی پیشاب گاہ سے نکلتا ہے۔ آپ کا یہ بیان ایسا تھا کہ سامعین سے ہر شخص خود کو حقیر سمجھنے لگا۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس نے دو شخصوں کو قتل کیا وہ بڑا سرکش اور جابر ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: اَتُرِيدُ اَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيدُ اِلَّآ اَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ (القصص: 19) "کیا تو مجھے بھی قتل کرنا چاہتا ہے جیسے کل تو نے ایک شخص کو قتل کیا تھا، تو نہیں چاہتا بجز اس کے کہ تو ملک میں بڑا جابر بن جائے"۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن آدم پر تعجب ہے! دن میں دو مرتبہ اپنے ہاتھ سے اپنا پاخانہ دھوتا ہے اور پھر بھی آسمانوں کے جبار کا مقابلہ کرتے ہوئے تکبر کرتا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا کی مثال اس چیز سے دی ہے جو انسان سے خارج ہوتی ہے(6)۔ امام محمد بن حسین بن علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کے دل میں جس قدر تکبر ہوتا ہے، اسی مقدار میں اس کی عقل کم ہو جاتی ہے(7)۔ یونس بن عبید فرماتے ہیں کہ سجدہ کے ساتھ تکبر اور توحید کے ساتھ نفاق نہیں ہوتا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز

1۔ التواضع والخمول: 233
2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 93 سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، جلد 4 صفحہ 59
3۔ مجمع الزوائد عن احمد والطبرانی فی المعجم الکبیر، جلد 1 صفحہ 98
4۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب البر، جلد 8 صفحہ 165-166، التواضع والخمول: 248-249
5۔ التواضع والخمول: 250
6۔ التواضع والخمول: 257
7۔ التواضع والخمول: 273، حلیۃ الاولیاء، جلد 3 صفحہ 180

خلافت سنبھالنے سے پہلے ایک مرتبہ اتراتے ہوئے چل رہے تھے۔ حضرت طاؤس نے ان کے پہلو میں اپنی انگلی کے ساتھ کچوکا لگایا اور فرمایا کہ یہ چال اس شخص کو زیب نہیں دیتی جس کا پیٹ پاخانے سے بھرا ہوا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز یہ سن کر بہت شرمندہ ہوئے اور معذرت کے انداز میں کہنے لگے کہ اے بچا جان! مجھے مار مار کر یہ چال سکھائی گئی ہے، اس لئے میں اس کا خوگر ہو گیا ہوں۔ ابوبکر بن ابی الدنیا بیان کرتے ہیں کہ بنو امیہ اپنی اولاد کو مار پیٹ کر ایسی چال سکھایا کرتے تھے۔

خود پسندی اور گھمنڈ کا بیان

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "جو شخص فخر و گھمنڈ سے اپنا کپڑا زمین پر گھسیٹتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتا" (1)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: "اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کو نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا جو اپنا تہبند زمین پر گھسیٹتا ہے۔ ایک شخص دو قیمتی چادریں اوڑھے از راہ غرور و تکبر اتراتے ہوئے جا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا۔ وہ قیامت تک نیچے دھنستا ہی چلا جائے گا" (2)۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۭ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمانبردار بنا دیا ہے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور تمام کر دی ہیں اس نے تم پر ہر قسم کی نعمتیں ظاہری بھی اور باطنی بھی اور بعض ایسے نادان لوگ بھی ہیں جو جھگڑتے ہیں (رسول کریم سے) اللہ تعالیٰ کے بارے میں نہ ان کے پاس علم ہے نہ ہدایت اور نہ کوئی روشن کتاب۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے، کہتے ہیں (نہیں) بلکہ ہم تو پیروی کریں گے اس کی جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو۔ کیا وہ (انہیں کا اتباع کریں گے) خواہ شیطان انہیں (اس طرح) دعوت دے رہا ہو بھڑکتے ہوئے عذاب کی"۔

اللہ تعالیٰ مخلوق کو اپنی بے شمار نعمتوں پر آگاہ فرما رہا ہے۔ آسمانوں میں ستارے پیدا کر دیئے جن سے لوگ روشنی حاصل کرتے ہیں، مزید برآں آسمان، بادل، بارش، برف اور اولوں کا منبع ہے اور یہ لوگوں کے لئے ایک محفوظ چھت بھی ہے۔ زمین کو قرار گاہ بنا دیا، اس میں سمندر، دریا اور نہریں جاری کر دیں، درخت، کھیتیاں اور پھل اگائے اور پیغمبر بھیج کر، کتابیں نازل کر کے اور شبہات دور کر کے لوگوں پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تمام کر دیں۔ اس کے باوجود بھی سب لوگ ایمان نہیں لائے بلکہ ان میں سے ایسے بھی ہیں جو توحید اور پیغمبروں کی بعثت کے متعلق جھگڑتے ہیں حالانکہ نہ ان کے پاس علم ہے، نہ انہیں نور ہدایت حاصل ہے، نہ ان کے پاس کوئی صحیح حجت ہے اور نہ ہی کوئی واضح کتاب ہے، اس لئے فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ اگلی آیت میں فرمایا: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کے متعلق

1۔ التواضع والخمول: 285، فتح الباری، کتاب اللباس، جلد 10 صفحہ 258، صحیح مسلم، کتاب اللباس، جلد 3 صفحہ 1651

2۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس، جلد 7 صفحہ 143، صحیح مسلم، کتاب اللباس، جلد 3 صفحہ 1654

جھگڑنے والوں سے جب یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ کے رسول کی شریعت کو اپنا لو تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں، بلکہ ہم تو اسی کی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا یعنی ان کے پاس آباؤ اجداد کی تقلید کے سوا کوئی حجت نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (البقرۃ:170) "اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھ سکتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں" یعنی اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کرنے والو! کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر تمہارے آباؤ اجداد گمراہ ہوں تو بھی تم آنکھیں بند کر کے ان کی روش پر چلتے رہو گے۔ اس لئے فرمایا: اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ۔

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۭ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۭ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝

"اور جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے درآنحالیکہ وہ محسن ہو تو بے شک اس نے مضبوطی سے پکڑ لیا مضبوط حلقہ کو اور اللہ کی طرف ہی ہے تمام کاموں کا انجام۔ اور جس نے کفر کیا تو نہ غمزدہ کرے آپ کو اس کا کفر۔ ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے پس ہم آگاہ کریں گے انہیں جو انہوں نے کیا تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں (چھپا) ہے۔ ہم لطف اندوز ہونے دیں گے انہیں تھوڑی دیر پھر ہم انہیں ہانک کر لے جائیں گے سخت عذاب کی طرف"۔

فرمایا جا رہا ہے کہ جو شخص خود کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے یعنی اخلاص کے ساتھ عمل کرے، اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرے اور اس کی شریعت کی اتباع کرے درایں حالیکہ وہ اوامر کی اتباع اور نواہی سے اجتناب کے باعث نیکوکار ہو تو اس نے مضبوط حلقہ تھام لیا یعنی اس نے اللہ تعالیٰ سے یہ پختہ عہد لے لیا کہ وہ اسے عذاب نہیں دے گا اور تمام امور کا انجام اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ پھر فرمایا: وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ یعنی اے میرے پیارے رسول ﷺ! آپ ان کے کفر اور تکذیب پر رنجیدہ نہ ہوں۔ ان کے متعلق تقدیر الٰہی نافذ ہو چکی ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے اور وہ انہیں ان کے اعمال کی پوری پوری سزا دے گا۔ اس پر کوئی بات مخفی نہیں۔ پھر فرمایا: نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا... یعنی ہم انہیں دنیا میں کچھ عرصہ لطف اندوز ہونے دیں گے پھر انہیں سخت بھیانک عذاب میں دھکیل دیں گے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ (یونس:70-69)۔

وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝

"اور اگر آپ دریافت کریں ان سے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ فرمایئے الحمد للہ (حق واضح ہو گیا) بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ یقیناً اللہ ہی بے نیاز ہے (اور) ہر تعریف کے لائق"۔

مشرکین کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ وہ اس حقیقت کو پہچاننے کے باوجود کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی زمین و آسمان کا خالق ہے، ان بتوں کی

پوچھا کرتے ہیں جن کے متعلق وہ خود معترف ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کی ملک ہیں، اس لئے فرمایا: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ .. یعنی جب ان کے اس اعتراف کے سبب ان پر حجت قائم ہو گئی تو آپ کہہ دیں اللہ کا شکر ہے کہ حق واضح ہو گیا۔ پھر فرمایا: لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یعنی زمین و آسمان میں ہر چیز اسی کی مخلوق اور اسی کی ملکیت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بے نیاز ہے، ہر چیز اس کی محتاج ہے اور وہ اپنی تمام تخلیق میں قابل ستائش ہے۔ زمین و آسمان میں پیدا کرنے اور احکام لاگو کرنے میں اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں اور تمام امور میں وہی محمود ہے۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾

”اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائے اور اس کے علاوہ سات سمندر اسے (مزید) سیاہی مہیا کریں تو پھر بھی ختم نہیں ہوں گی اللہ کی باتیں۔ بے شک اللہ سب پر غالب، بڑا دانا ہے۔ نہیں ہے تم سب کو پیدا کرنا اور مارنے کے بعد پھر زندہ کرنا (اللہ کے نزدیک) مگر ایک نفس کی مانند۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، دیکھنے والا ہے“۔

اللہ تعالیٰ اپنی عظمت، کبریائی اور جلالت شان کا اظہار کرتے ہوئے اپنے اسمائے حسنیٰ، صفات علا اور کلمات تامہ کی خبر دے رہا ہے جن کا کوئی شخص احاطہ نہیں کر سکتا اور نہ کوئی بشر ان کی حقیقت پر آگاہی حاصل کر سکتا ہے اور نہ انہیں شمار کر سکتا ہے جیسا کہ حضور سید البشر خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ”اے اللہ! میں اس طرح تیری ثناء کا احاطہ نہیں کر سکتا جس طرح تو نے اپنی ثناء بیان فرمائی ہے“(1)۔ فرمایا: وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ یعنی اگر روئے زمین کے تمام درخت قلمیں بن جائیں، سمندر سیاہی بنا دیا جائے اور مزید سات سمندر اسے سیاہی فراہم کریں اور ان اقلام اور سیاہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے وہ کلمات لکھنے شروع کئے جائیں جو اس کی عظمت، صفات اور جلالت پر دلالت کرتے ہیں تو قلمیں ٹوٹ جائیں اور سمندر کی روشنائی ختم ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی باتیں پھر بھی ختم نہ ہوں۔ یہاں سات سمندروں کا ذکر بطور مبالغہ ہے۔ اس سے حصر مقصود نہیں یعنی یہ مطلب نہیں کہ اگر سات سے زیادہ سمندر ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے کلمات لکھنے کے لئے کافی ہو جائیں گے اور یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ سات سمندر موجود ہیں جو تمام عالم کو گھیرے ہوئے ہیں جیسا کہ اسرائیلی روایات سے استفادہ کرنے والوں کا کہنا ہے لیکن ان روایات کی نہ تصدیق کی جا سکتی ہے اور نہ تکذیب۔ ہمارے قول کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے: قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (الکہف: 109) ”فرمایئے اگر سمندر میرے رب کے کلمات لکھنے کے لئے روشنائی ہو جائے تو میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پیشتر ختم ہو جائے اگرچہ ہم اس کی مدد کو اتنی روشنائی اور لے آئیں“۔ یہاں ”بمثلہ“ سے مراد کوئی دوسرا ایک سمندر نہیں بلکہ مراد ہے اس جیسا، پھر اس جیسا، پھر اس جیسا الغرض اس جیسے کتنے ہی سمندر ہوں وہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے کلمات کو نہیں لکھ سکتے کیونکہ ان کا حصر ممکن ہی نہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تمام درخت قلمیں بن جائیں اور سمندر روشنائی بن جائے اور اللہ تعالیٰ لکھوانا شروع کر دے کہ میرا ایسا امر یوں ہے اور

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1 صفحہ 352

یہ امر یوں ہے تو سمندروں کے پانی ختم ہو جائیں اور قلمیں گھس جائیں (1)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ مشرکین کہا کرتے تھے یہ ایسا کلام ہے جو عنقریب ختم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل کر کے ان کے زعم باطل کی تردید کر دی کہ اگر تمام درخت قلمیں اور سمندر سیاہی بن جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ کے عجائبات، اس کی حکمت، صفت اور علم ختم نہ ہو۔ ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں تمام بندوں کا علم ایسا ہے جیسے تمام سمندروں کے مقابلہ میں ایک قطرہ۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ اس کے کلمات کو ضبط تحریر میں لانے کے لئے سمندر سیاہی بن جائیں اور درخت قلمیں تو قلمیں گھس جائیں گی اور سمندروں کا پانی ختم ہو جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے کلمات جوں کے توں باقی ہوں گے اور یہ فنا نہیں ہو سکتے کیونکہ کوئی بھی نہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات کا ادراک کر سکتا ہے اور نہ کوئی کما حقہ اس کی ثنا کر سکتا ہے بلکہ وہی بذات خود اپنی ثنا کا حق ادا کرتا ہے۔ بلاشبہ ہمارا رب ایسے ہی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اور وہ ہمارے خیالات سے بہت بالا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہود کے علماء نے مدینہ شریف میں رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ اس آیت وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل: 85) "اور نہیں دیا گیا تمہیں علم مگر تھوڑا سا" سے مراد ہم ہیں یا آپ کی قوم؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "دونوں"۔ وہ کہنے لگے کہ پھر اس آیت سے کیا مقصود ہوگا جس میں مذکور ہے کہ ہمیں تورات عطا ہوئی جس میں ہر چیز کا بیان ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ اللہ کے علم کے مقابلہ میں قلیل ہے اور اس میں سے جو تمہیں عطا ہوا وہ تمہارے لئے کافی ہے"۔ یہود کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ.... نازل فرمادی (2)۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت مکی نہیں بلکہ مدنی ہے حالانکہ مشہور یہی ہے کہ یہ مکی ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے، نہ کوئی اس کے ارادہ کی مخالفت کر سکتا ہے اور نہ کوئی اس کے حکم کو ٹال سکتا ہے اور وہ اپنی تخلیق، امر، اقوال، افعال، شریعت اور دیگر تمام امور میں حکیم بھی ہے۔ اس کے بعد فرمایا: مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ..... یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے تمام لوگوں کو پیدا کرنا اور پھر دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا ایسے ہی ہے جیسے ایک شخص کو پیدا کرنا۔ یہ سب کچھ اس پر بہت آسان ہے۔ وہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو صرف "کُن" (ہو جا) کہتا ہے اور آنکھ جھپکنے کی دیر سے بھی پہلے وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ یعنی وہ صرف ایک مرتبہ ہی حکم دیتا ہے، اسے بار بار حکم دینے اور اس کی تعمیل پر زور دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایک مقام پر فرمایا: فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ؕ (النازعات: 14-13) "پس ایک جھڑک ہی کافی ہوگی تو یہ سب ایک کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے"۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ یعنی جس طرح تمام بندوں کے اقوال سننا اور ان کے افعال دیکھنا اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے ہی ہے جیسے ایک شخص کے اقوال سننا اور اس کے افعال دیکھنا، اسی طرح تمام لوگوں پر اور ایک شخص پر بھی اسے یکساں قدرت حاصل ہے اس لئے فرمایا: مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۡ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝

"کیا تم نے ملاحظہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور اس نے کام میں لگا دیا ہے سورج اور چاند کو، ہر ایک چل رہا ہے (اپنے مدار میں) وقت مقرر تک اور یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب

1۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 81، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 528
2۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 81، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 527-526

جاننے والا ہے۔ یہ ہیں اس کی قدرت کے کرشمے تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ ہی حق ہے اور بلاشبہ جنہیں وہ پکارتے ہیں اس کے سوا وہ سب باطل ہیں اور بلاشبہ اللہ ہی بڑی شان والا بزرگ ہے۔"

بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی دن رات میں کمی بیشی کرتا ہے۔ موسم گرما میں دن بڑے اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں جبکہ موسم سرما میں دن چھوٹے اور راتیں بڑی ہوتی ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کرشمہ سازی ہے اور یہ بھی اس کی قدرت کا کمال ہے کہ اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا، ان میں سے ہر ایک اپنی مقررہ میعاد تک رواں دواں ہے۔ بعض نے "اَجَلٍ مُّسَمًّى" سے مراد مقررہ جگہ لی ہے اور بعض نے اس سے مراد قیامت کا دن لیا ہے۔ یہ دونوں معانی صحیح ہیں۔ پہلے قول کی تائید حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے ابوذر! کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟" میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: "یہ عرش تلے سجدہ کرنے کے لئے جاتا ہے پھر اپنے رب سے اجازت طلب کرتا ہے۔ قریب ہے کہ اسے کہہ دیا جائے کہ جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا"(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورج بمنزلہ رہٹ کے ہے دن کو آسمان کے اپنے مدار میں محو گردش رہتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو زمین کے نیچے رات کو اپنے مدار میں گردش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ یہ مشرق سے طلوع ہو۔ اسی طرح چاند بھی ہے۔ فرمایا: وَاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ یہ اس فرمان کی طرح ہے: اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الحج: 70) "کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے"۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تمام اشیاء کا خالق اور عالم ہے جیسا کہ فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ (الطلاق: 12) "اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور زمین کو بھی انہی کی مانند" پھر فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے لئے یہ نشانیاں ظاہر فرماتا ہے تاکہ ان کے ذریعے تم اس حقیقت پر استدلال کر سکو کہ وہی ذات برحق ہے، وہی معبود برحق ہے اور اس کے سوا سب کچھ باطل ہے کیونکہ وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے اور ہر چیز اس کی محتاج ہے کیونکہ زمین و آسمان کی تمام مخلوق اسی کی تخلیق کردہ اور اسی کی غلام ہے۔ کوئی شخص اس کی اجازت کے بغیر ایک ذرہ کو حرکت دینے پر بھی قادر نہیں اور اگر سب زمین والے اکٹھے ہو کر ایک مکھی بنانا چاہیں تو سب اس سے بھی عاجز آ جائیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی حق ہے اور اسے چھوڑ کر یہ جن کو پکارتے ہیں وہ سب باطل ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی بڑی شان والا اور بزرگ ہے، نہ اس سے کوئی اعلیٰ ہے اور نہ بڑا۔ وہ ہر چیز سے بڑا ہے اور ہر چیز اس کے سامنے عاجز اور حقیر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ۝

"کیا تم ملاحظہ نہیں کرتے کہ کشتی چلتی ہے سمندر میں محض اس کی مہربانی سے تاکہ وہ دکھائے تمہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں۔ بے شک اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لئے۔ اور جب ڈھانپ لیتی ہیں انہیں پہاڑوں جیسی موجیں اس وقت پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کو خالص کرتے ہوئے اس کے لئے اپنے عقیدہ کو۔ پھر جب بچا لاتا ہے انہیں ساحل تک تو ان میں سے (چند ہی) حق پر رہتے ہیں۔ اور نہیں انکار کرتا ہماری آیتوں کا مگر ہر وہ شخص جو غدار (اور)

1۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 153، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 139

ناشکرا ہے''۔

بتایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے سمندر کو مسخر بنایا ہے تاکہ اس کے حکم، لطف وکرم اور تسخیر سے اس میں کشتیاں چلیں۔ اگر وہ جہاز رانی کے لئے پانی میں قوت اور صلاحیت نہ رکھتا تو اس میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا ناممکن ہوتا۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھانا چاہتا ہے اور اس میں واقعی ہر اس شخص کے لئے نشانیاں ہیں جو مصیبت کے وقت صبر کرنے والا اور راحت کے وقت شکر بجالانے والا ہے۔ پھر فرمایا: وَ اِذَا غَشِیَهُمۡ مَّوۡجٌ ۔ یعنی جب پہاڑوں اور بادلوں جیسی موجیں انہیں گھیر لیتی ہیں تو یہ کافر اپنے عقیدہ کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کرتے ہوئے اسی کو پکارنے لگ جاتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِی الۡبَحۡرِ ضَلَّ مَنۡ تَدۡعُوۡنَ اِلَّاۤ اِیَّاهُ ۚ (بنی اسرائیل:) ''اور جس سمندر میں تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو گم ہو جاتے ہیں وہ (معبود) جنہیں تم پکارا کرتے ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے''۔ فَاِذَا رَكِبُوۡا فِی الۡفُلۡكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ ۚ (العنکبوت:65) پھر فرمایا: فَلَمَّا نَجّٰىهُمۡ اِلَى الۡبَرِّ یعنی جب اللہ تعالیٰ انہیں بچا کر ساحل تک پہنچا دیتا ہے تو ان میں سے اکثر کفر پر اڑے رہتے ہیں۔ مجاہد نے مقتصد کا معنی کافر کیا ہے گویا یہاں انہوں نے اس لفظ کی تفسیر جاحد (منکر) سے کی ہے جیسا کہ فرمایا: فَلَمَّا نَجّٰىهُمۡ اِلَى الۡبَرِّ اِذَا هُمۡ یُشۡرِكُوۡنَ (العنکبوت:65) ''پھر جب وہ سلامتی سے انہیں خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو وہ شرک کرنے لگتے ہیں)۔ ابن زید کے بقول مقتصد کا معنی ہے اوسط درجے کے اعمال والا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بھی اس لفظ سے یہی مراد ہے: فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ۚ وَ مِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ۚ (فاطر:32) ''پس بعض ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض درمیانہ رو ہیں''۔ یہاں بھی اس لفظ سے مراد ہے: اعمال میں میانہ رو۔ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہاں دونوں ہی مراد ہوں۔ اس صورت میں اس شخص پر اظہار ناپسندیدگی ہوگا جس نے سمندر کی ہولناکیوں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھا، اللہ تعالیٰ نے اس پر انعام فرمایا اور اسے ڈوبنے سے بچایا۔ اب اسے چاہئے تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس انعام پر شکر بجالاتے ہوئے اس کی عبادت میں اور اعمال صالحہ کی بجا آوری میں منہمک ہو جاتا لیکن اس نے کوتاہی کی اور اوسط درجے کے اعمال کرنے لگے اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو انعامات کے باوجود کفر پر بضد رہتے ہیں۔ آیت کریمہ میں ''ختار'' کا معنی ہے غدار یعنی جو عہد شکنی کا مرتکب ہو اور کفور کا مطلب ہے ناشکرا جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کر دے۔ نہ ان کا شکر ادا کرے اور نہ انہیں یاد رکھے بلکہ جان بوجھ کر فراموش کر دے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ وَ اخۡشَوۡا یَوۡمًا لَّا یَجۡزِیۡ وَالِدٌ عَنۡ وَّلَدِهٖ ۫ وَ لَا مَوۡلُوۡدٌ هُوَ جَازٍ عَنۡ وَّالِدِهٖ شَیۡـًٔا ؕ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَا ٝ وَ لَا یَغُرَّنَّكُمۡ بِاللّٰهِ الۡغَرُوۡرُ ﴿۳۳﴾

''اے لوگو! ڈرتے رہا کرو اپنے رب سے اور ڈرو اس دن سے کہ نہ بدلہ دے سکے گا کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے اور نہ ہی بیٹا بدلہ دے سکے گا اپنے باپ کی جانب سے کچھ بھی۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور نہ دھوکہ دے تمہیں دنیوی زندگی اور نہ فریب میں مبتلا کرے تمہیں اللہ سے، وہ بڑا مکار دھوکہ باز''۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو تقویٰ کا حکم دیتے ہوئے قیامت کے دن سے ڈرا رہا ہے جس دن باپ اور بیٹا ایک دوسرے کے کام نہیں آئیں گے۔ اگر کوئی باپ اور بیٹا ایک دوسرے کے لئے اپنے آپ کو بطور فدیہ پیش کرنا چاہیں گے تو یہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ پھر پند و نصیحت کرتے ہوئے

فرمایا: فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ یعنی یہ دنیاوی زندگی تمہیں دھوکہ میں مبتلا کر کے دار آخرت سے مشغول نہ کر دے اور نہ ہی دھوکہ باز شیطان تمہیں اللہ تعالیٰ سے فریب دے۔ شیطان ابن آدم کو فریب دیتا رہتا ہے، اس سے جھوٹے وعدے کرتا رہتا ہے اور اسے سنہری آرزوئیں دلاتا رہتا ہے حالانکہ ان کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ ایسے ہی ہیں جیسا کہ فرمایا: يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا (النساء:120) "شیطان ان سے (جھوٹے) وعدے کرتا ہے اور انہیں (غلط) امیدیں دلاتا ہے اور نہیں وعدہ کرتا ان سے شیطان مگر فریب کا"۔ وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے فرمایا کہ جب میں نے اپنی قوم کی تکلیف اور آزمائش دیکھی تو میں بہت رنجیدہ ہوا اور مجھے بہت فکر لاحق ہوگئی حتیٰ کہ میری نیند اچاٹ ہوگئی۔ میں عجز و نیاز سے اپنے رب کی بارگاہ میں خوب گڑگڑایا، نمازیں پڑھیں، روزے رکھے اور اس دوران عجز و انکساری سے خوب روتا رہا۔ اسی اثناء میں ایک فرشتہ میرے پاس آیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا نیکوکار بروں کی یا باپ اپنے بیٹوں کی شفاعت کریں گے؟ فرشتے نے جواب دیا کہ قیامت فیصلوں کا دن ہے، اللہ تعالیٰ بذات خود جلوہ فرما ہوگا اور کوئی اس کی اجازت کے بغیر بات نہیں کر سکے گا۔ اس دن نہ باپ کو بیٹے کے بدلہ میں، نہ بیٹے کو باپ کے بدلے میں، نہ بھائی کو بھائی کے بدلہ میں، نہ غلام کو آقا کے بدلہ میں اور نہ کسی اور کو کسی دوسرے کے بدلہ میں پکڑا جائے گا۔ اس دن نہ کوئی کسی کے متعلق دلچسپی لے گا، نہ کسی کے غم پر رنجیدہ ہوگا، نہ کسی پر رحم کریگا بلکہ ہر انسان صرف اپنے بارے میں متفکر اور لرزاں و ترساں ہوگا، ہر ایک کو صرف اپنی فکر دامن گیر ہوگی اور ہر ایک کو اپنا رونا پڑا ہوگا اور ہر ایک اپنا بوجھ اٹھائے گا۔ کوئی کسی کا بوجھ اٹھانے پر آمادہ نہ ہوگا۔

إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿٣٤﴾

"بے شک اللہ کے پاس ہی ہے قیامت کا علم۔ اور وہی اتارتا ہے مینہ۔ اور جانتا ہے جو کچھ (ماؤں کے) رحموں میں ہے۔ اور کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائے گا۔ اور کوئی نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں مرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ علیم (اور) خبیر ہے"۔

یہ غیب کی کنجیاں ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بتلائے بغیر انہیں کوئی از خود نہیں جان سکتا۔ وقوع قیامت کا علم ایسا ہے جسے نہ کوئی نبی مرسل اور نہ کوئی مقرب فرشتہ خود بخود جان سکتا ہے بلکہ اس کے صحیح وقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور وہی وقت مقررہ پر اسے ظاہر کرے گا۔ اسی طرح بارش برسانے کا علم بھی صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے لیکن جب وہ بارش کا حکم دیتا ہے تو ان فرشتوں کو بھی اس کا علم ہو جاتا ہے جو اس پر مقرر ہیں اور ان لوگوں کو بھی جنہیں اللہ تعالیٰ معلوم کروانا چاہے۔ اسی طرح رحموں میں جو کچھ ہے اور جو اللہ تعالیٰ پیدا کرنا چاہتا ہے، اسے بھی صرف وہی جانتا ہے لیکن جب اس کام پر مامور فرشتوں کو حکم ہوتا ہے تو انہیں بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ نر ہوگا یا مادہ، شقی ہوگا یا سعید اور مخلوق میں سے ان کو بھی اس کا علم ہو جاتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ آگاہ فرما دے۔ اسی طرح کسی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ دنیا و آخرت کے معاملہ میں کل کیا کمائے گا اور نہ ہی کسی کو یہ علم ہے کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا، اپنے وطن میں یا کسی اور جگہ۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ (الانعام:59) "اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، انہیں سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا"۔ حدیث شریف میں ان پانچ چیزوں کو مفاتیح الغیب (غیب کی کنجیاں) کہا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان کا بیان اس آیت إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ... میں

ہے(1)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جنہیں صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ۔ (2)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے ہر چیز کی چابیاں عطا ہوئیں بجز پانچ کے۔" پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی(3)۔ عمرو بن مرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلمہ نے فرمایا کہ تمہارے نبی کو بجز پانچ کے ہر چیز کی کنجیاں دی گئیں(4)۔ شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن مرہ سے پوچھا کہ کیا تم نے یہ بات عبداللہ سے سنی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں، پچاس سے بھی زیادہ مرتبہ(5)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ لوگوں کی مجلس میں تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی چلتے ہوئے آیا اور پوچھنے لگا: یارسول اللہ ﷺ! ایمان کیا ہے؟ فرمایا: "ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے پیغمبروں، اس کی ملاقات اور دوبارہ جی اٹھنے کو تسلیم کرے"۔ پھر اس نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: "اسلام یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے"۔ پھر دریافت کیا کہ احسان کیا ہے؟ فرمایا: "احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ مقام نصیب نہ ہو تو کم از کم یہ تصور پختہ کرلے کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے"۔ پھر سوال کیا: یارسول اللہ ﷺ! قیامت کب ہوگی؟" فرمایا: "اس بارے میں مسئول سائل سے زیادہ علم نہیں رکھتا لیکن میں تمہیں اس کی نشانیاں بتلائے دیتا ہوں۔ جب لونڈی اپنی مالکن کو جنم دے۔ یہ اس کی نشانیوں میں سے ہے۔ جب ننگے پیروں اور ننگے بدنوں والے لوگوں کے سردار بن جائیں یہ بھی قیامت کی ایک علامت ہے۔ قیامت کا علم ان پانچ چیزوں میں سے ہے جنہیں صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ پھر جب وہ شخص واپس لوٹ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اسے میرے پاس لوٹاؤ"۔ لوگ اسے واپس لانے کے لئے دوڑے لیکن وہ دکھائی نہ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ جبریل علیہ السلام تھے جو لوگوں کو دین سکھانے آئے تھے"(6)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ صحابہ کی محفل میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی اثناء میں جبریل آگئے اور دو زانو آپ ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کے گھٹنوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے اور پوچھنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! اسلام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اسلام یہ ہے کہ تو خود کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے اور یہ گواہی دے کہ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔" جبریل علیہ السلام پوچھنے لگے کہ جب میں نے ایسا کرلیا تو کیا میں مسلمان ہوگیا؟ فرمایا: "جب تو نے ایسا کرلیا تو تو مسلمان ہوگیا۔" پھر پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے بتایئے کہ ایمان کیا ہے؟ فرمایا: "ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ، یوم آخرت، فرشتوں، کتابوں، رسولوں، موت، موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے، جنت، دوزخ، حساب، میزان اور اچھی بری تقدیر پر یقین رکھے"۔ دریافت کیا کہ اگر میں نے ایسا کرلیا تو کیا میں مومن بن گیا؟ فرمایا: "اگر تو نے ایسا کیا تو تو مومن بن گیا۔" عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! احسان کیا ہے؟ فرمایا: "احسان یہ ہے کہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اس طرح عمل کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی تو کم از کم یہ تصور رکھے کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔" پھر عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! قیامت کب ہے؟ آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کرتے

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 353 — 2۔ صحیح بخاری، کتاب الاستسقاء، جلد 2 صفحہ 41، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 24

3۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 85-86 — 4۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 386 — 5۔ مسند احمد جلد 1 صفحہ 445،438

6۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 19، تفسیر سورۂ لقمان، جلد 6 صفحہ 144، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 39

ہوئے فرمایا: ”سبحان اللہ! یہ ان پانچ چیزوں میں سے ہے جنہیں بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ لیکن اگر تمہاری خواہش ہو تو میں تمہیں اس کی نشانیاں بتا دیتا ہوں۔ عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! مجھے ضرور آگاہ فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب لونڈی اپنے آقا کو جنم دے، لوگ اونچی اونچی عمارتیں بنانے میں مقابلہ کرنے لگیں اور بھوکے ننگے لوگ سردار بن جائیں۔ یہ قیامت کی علامتوں اور نشانیوں میں سے ہیں۔“ عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! یہ بھوکے ننگے بڑی بڑی عمارتوں والے کون ہیں؟ فرمایا: ”عرب“ (1)۔ بنو عامر قبیلے کا ایک شخص نبی کریم ﷺ سے اذن طلب کرتے ہوئے کہنے لگا کہ کیا میں داخل ہو جاؤں؟ آپ ﷺ نے اپنی خادمہ سے فرمایا: ”باہر اس کے پاس جاؤ، اسے تو اجازت طلب کرنے کا طریقہ ہی نہیں آتا، اسے سمجھاؤ کہ السلام علیکم کہنے کے بعد کہے کہ کیا میں داخل ہو جاؤں۔“ وہ شخص کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی بات سن لی تو میں نے اسی طرح اجازت طلب کرتے ہوئے کہا: السلام علیکم، کیا میں آسکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے مجھے اجازت مرحمت فرما دی۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ آپ ہمارے لئے کیا لے کر آئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں تمہارے لئے بھلائی کے سوا کچھ نہیں لایا، میں تمہارے پاس یہ پیغام لے کر آیا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرو، لات وعزیٰ کو چھوڑ دو، دن رات میں پانچ نمازیں پڑھا کرو، سال میں ایک مہینہ کے روزے رکھا کرو، بیت اللہ کا حج کرو اور مالدار لوگوں سے زکوٰۃ لے کر فقراء کے درمیان تقسیم کرو“۔ پھر اس شخص نے پوچھا کہ کیا کوئی ایسی چیز بھی ہے جس کا آپ کو علم نہیں؟ فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مجھے بھلائی کی تعلیم دی ہے اور کچھ علم ایسا بھی ہے جسے بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا“۔ پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت کی (2)۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میری بیوی حاملہ ہے، یہ بتایئے کہ وہ کیا جنے گی؟ ہمارے علاقہ میں قحط پڑا ہوا ہے بتایئے کہ بارش کب ہوگی؟ اس بات کا تو مجھے علم ہے کہ میں کب پیدا ہوا، اب یہ بتایئے کہ میں کب مروں گا؟ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ یہی غیب کی کنجیاں ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ“ (3) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو شخص تمہیں یہ بتائے کہ رسول اللہ ﷺ کل کی بات جانتے تھے، وہ جھوٹا ہے۔ پھر آپ نے ان کلمات وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا کی تلاوت کی۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کیا ہے۔ ان پر نہ تو کوئی مقرب فرشتہ مطلع ہو سکتا ہے اور نہ کوئی نبی مرسل۔ اللہ تعالیٰ کے پاس ہی قیامت کا علم ہے اور لوگوں میں سے کوئی بھی یہ نہیں جانتا کہ قیامت کس سال، کس مہینے، کس دن یا کس رات کو آئے گی۔ بارش بھی اللہ تعالیٰ ہی نازل کرتا ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ دن یا رات کو کس وقت بارش برسے گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ رحم مادر میں کیا ہے، نر ہے یا مادہ، سرخ ہے یا سیاہ، نیک ہے یا بد۔ اسی طرح کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کل نیکی کرے گا یا برائی۔ اے ابن آدم! تمہیں نہیں معلوم کہ تو کب مرے گا، ممکن ہے کل تمہیں موت آجائے یا کل تمہیں کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑ جائے اور کسی شخص کو یہ معلوم نہیں کہ مرنے کے بعد زمین میں کہاں اس کا ٹھکانا ہوگا، سمندر میں یا خشکی پر یا میدان میں یا پہاڑ میں۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ”جب اللہ تعالیٰ کسی زمین میں کسی بندے کی روح قبض کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو وہاں اس کی کوئی ضرورت رکھ دیتا ہے“ (4)۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ جس جگہ کسی بندے کی موت مقدر کرتا ہے وہاں اس کی کوئی حاجت پیدا کر دیتا

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 319-318
2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 369-368
3۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 88-87
4۔ معجم کبیر، جلد 1 صفحہ 178، مجمع الزوائد، جلد 7 صفحہ 196

ہے"۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ کسی جگہ کسی بندے کی روح قبض کرنا چاہتا ہے تو وہاں اس کی کوئی حاجت پیدا کر دیتا ہے اور وہیں اس کی موت آتی ہے"(1)۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ جب کسی کی موت کسی جگہ مقدر ہو تو کوئی ضرورت اسے وہاں لے آتی ہے۔ جب اس کا وقت مقرر آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی روح قبض کر لیتا ہے۔ قیامت کے دن زمین عرض کرے گی: اے پروردگار! یہ ہے تیری امانت جو تو نے میرے سپرد کی تھی(2)۔

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب القدر، جلد 8 صفحہ 313-314، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 227

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1424-1425

سورۃ السجدۃ (مکیہ)

امام بخاری کتاب الجمعہ میں یہ حدیث لائے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں الٓمّٓ السجدۃ اور ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ پڑھا کرتے تھے(1)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سونے سے پہلے الٓمّٓ السجدۃ اور تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْكُ کی تلاوت کیا کرتے تھے(2)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓمّٓ ۝ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ۝

”الف-لام-میم، اس کتاب کا نزول، اس میں ذرہ شک نہیں، سب جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے کیا وہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اسے خود گھڑا ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ وہی حق ہے آپ کے رب کی طرف سے تاکہ آپ ڈرائیں اس قوم کو نہیں آیا جن کے پاس کوئی ڈرانے والا آپ سے پہلے تاکہ وہ ہدایت پائیں“۔

حروف مقطعات کی بحث سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ فرمایا: تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ یعنی اس کتاب کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ پھر نبی کریم ﷺ کے متعلق مشرکین کی ہرزہ سرائی کو بیان کیا کہ وہ آپ پر الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے۔ فرمایا کہ ایسا نہیں بلکہ یہی آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ انہیں ڈرائیں، ممکن ہے یہ حق کی اتباع کرلیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا شَفِیْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝

”اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، چھ دنوں میں پھر متمکن ہوا تخت (سلطانی) پر نہیں تمہارے لئے اس کے بغیر کوئی مددگار اور نہ کوئی سفارشی۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ تدبیر فرماتا ہے ہر (چھوٹے بڑے) کام کی آسمانوں سے زمین تک پھر رجوع کرے گا ہر کام اس کی طرف اس روز جس کی مقدار ہزار سال ہے اس اندازہ سے جس سے تم شمار کرتے ہو۔ وہی جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کا سب پر غالب، ہمیشہ رحم فرمانے والا“۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، جلد 2 صفحہ 5، صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، جلد 2 صفحہ 599
2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 340

بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام اشیاء کا خالق ہے۔ اس نے زمین و آسمان اور ان کے درمیان ہر چیز کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا، پھر وہ عرش پر متمکن ہوا۔ اس کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے (1)۔ فرمایا: مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی مددگار اور سفارشی نہیں بلکہ تمام امور کی زمام اسی کے ہاتھ میں ہے، وہی ہر چیز کا خالق اور مدبر ہے اور اسے ہی ہر چیز پر پوری پوری قدرت حاصل ہے۔ اس کے سوا مخلوق کا کوئی حامی و ناصر نہیں اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کرنے والا نہیں۔ اسے غیر اللہ کی عبادت کرنے والو اور غیر اللہ پر بھروسہ رکھنے والو! کیا تم سمجھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ یکتا ہے اور تمام قدرتوں کا مالک ہے، وہ نظیر، شریک، وزیر، مدمقابل اور مثیل سے منزہ اور بالا ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ اس کے سوا کوئی رب۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ تھام کر فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا کیا پھر وہ ساتویں دن عرش پر متمکن ہوا۔ اس نے مٹی ہفتہ کے دن پیدا کی، پہاڑ اتوار کے دن، درخت پیر کے دن، بری چیزیں منگل کے دن، نور بدھ کے دن، جانور جمعرات کے دن اور آدم علیہ السلام جمعہ کے دن عصر کے بعد دن کی آخری گھڑی میں۔ آدم کو روئے زمین کی سرخ، سیاہ، اچھی اور بری ہر قسم کی مٹی سے پیدا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اولاد آدم میں نیک بھی ہیں اور بد بھی" (2)۔ یہ روایت مسلم میں بھی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے معلل کہا ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کی حضرت کعب الاحبار سے روایت صحیح ہے لیکن محدثین نے اسے بھی معلل قرار دیا ہے۔ فرمایا: يُدَبِّرُ الْاَمْرَ یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم ساتوں آسمانوں کے اوپر سے اترتا ہے اور ساتوں زمینوں کے نیچے تک پہنچتا ہے جیسا کہ فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ (الطلاق: 12) "اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور زمین کو بھی انہی کی مانند، ان کے درمیان حکم نازل ہوتا رہتا ہے"۔ تمام اعمال آسمان دنیا کے اوپر واقع اپنے دیوان کی طرف اٹھائے جاتے ہیں۔ آسمان دنیا اور زمین کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے اور آسمان کی موٹائی بھی پانچ سو سال کی مسافت کی ہے۔ مجاہد، قتادہ اور ضحاک کہتے ہیں کہ اس قدر مسافت فرشتہ پلک جھپکنے میں طے کر لیتا ہے (3) اس لئے فرمایا: فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ ...... ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ یعنی اللہ تعالیٰ ہی ان امور کی تدبیر فرمانے والا ہے اور وہی اپنے بندوں کے اعمال پر گواہ ہے، تمام چھوٹے بڑے اعمال اس کی طرف بلند ہوتے ہیں۔ وہ عزیز ہے جسے ہر چیز پر مکمل غلبہ حاصل ہے اور تمام بندے اس کے مطیع ہیں اور وہ اپنے اہل ایمان بندوں پر رحم فرمانے والا ہے۔ وہ اپنی رحمت میں عزیز ہے اور اپنی عزت میں رحیم۔ عزت کے ساتھ رحمت اور رحمت کے ساتھ عزت و غلبہ یہی کمال ہے۔

الَّذِيْۤ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۚ﴿۷﴾ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۚ﴿۸﴾ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۹﴾

"وہ جس نے بہت خوب بنایا جس چیز کو بھی بنایا اور ابتداء فرمائی انسان کی تخلیق کی گارے سے پھر پیدا کیا اس کی نسل کو ایک جوہر سے یعنی حقیر پانی سے۔ پھر اس (کے قد و قامت) کو درست فرمایا اور پھونک دی اس میں اپنی روح اور بنا دیئے

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اعراف: 54، تفسیر سورۂ یونس: 3، تفسیر سورۂ رعد: 2 اور تفسیر سورۂ فرقان: 59

2۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 10 صفحہ 264، صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار

3۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 91-92

تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل۔ تم لوگ بہت کم شکر بجالاتے ہو"۔

خبر دی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمام اشیاء کو بہت خوب، پختہ اور محکم بنایا۔ زید بن اسلم اس کا معنی بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی تخلیق کو خوبصورت بنایا۔ گویا ان کے نزدیک یہاں تقدیم و تاخیر ہے۔ زمین و آسمان کی تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد یہاں انسان کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ ... یعنی اللہ تعالیٰ نے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو گارے سے پیدا کیا پھر ان کی نسل کا سلسلہ حقیر سے نطفے سے جاری کر دیا جو مرد کی پیٹھ اور عورت کے سینہ کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کرنے کے بعد درست کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی اور تمہیں کان، آنکھیں، دل اور عقل عطا فرمائی لیکن تم اس عطاء پر بہت کم شکر بجالاتے ہو۔ سعادتمند وہی ہے جو ان اعضاء کو اپنے رب کی اطاعت میں استعمال کرے۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۬ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝
قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝

"اور کہنے لگے کیا جب (مرنے کے بعد) ہم گم ہو جائیں گے زمین میں تو کیا ہم از سرِ نو پیدا کئے جائیں گے۔ درحقیقت یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات سے انکار کر رہے ہیں۔ فرمایئے جان قبض کرے گا تمہاری موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کر دیا گیا ہے، پھر اپنے رب کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے"۔

مشرکین اعادۂ حیات کو محال سمجھتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا جب ہم زمین میں گم ہو جائیں گے، خاک میں مل جائیں گے، ہمارے جسم شکست و ریخت کا شکار ہو جائیں گے اور ہمارے اجزا زمین میں بکھر جائیں گے تو کیا اس کے بعد ہمیں از سرِ نو زندہ کیا جائے گا؟ وہ اس چیز کو بعید اور محال سمجھتے کیونکہ ایسا کرنا ان کی محدود اور عاجز قدرت کے بس کا روگ نہ تھا لیکن اس ذات کی قدرت کے سامنے یہ بعید اور ناممکن نہیں جس نے انہیں عدم سے وجود بخشا اور جس کے امر کن سے ہر چیز وجود میں آجاتی ہے، اس لئے فرمایا: بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ۔ پھر فرمایا: قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ ... اس آیت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ملک الموت ایک معین اور مخصوص فرشتہ ہے جیسا کہ سورۂ ابراہیم کی تفسیر میں مذکور حدیث براء رضی اللہ عنہ سے ظاہر ہوتا ہے(1)۔ بعض آثار میں ان کا نام عزرائیل بیان ہوا ہے اور یہی مشہور ہے۔ ان کے معاون فرشتے بھی ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ان کے معاون فرشتے تمام جسم سے روح کو نکالتے ہیں یہاں تک کہ جب روح گلے تک پہنچ جاتی ہے تو ملک الموت اسے قبض کر لیتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ زمین ان کے لئے سمیٹ دی گئی ہے اور اس طرح بنا دی گئی ہے جیسے کوئی سینی ہو۔ جب چاہیں کسی کو لے لیں(2)۔ رسول اللہ ﷺ نے ملک الموت کو ایک انصاری کے سرہانے دیکھ کر فرمایا: "اے ملک الموت! میرے صحابی پر نرمی اور شفقت کرنا کیونکہ یہ مومن ہے"۔ ملک الموت نے کہا کہ آپ اطمینان رکھیں اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں۔ میں ہر مومن کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں ہر روز پانچ مرتبہ خشکی اور تری میں موجود ہر کچے پکے گھر کا چکر لگاتا ہوں۔ اس میں ہر چھوٹے بڑے کو اس سے بھی زیادہ جانتا ہوں جس قدر وہ خود کو جانتے ہیں۔ اللہ کی قسم! جب تک مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو میں ایک مچھر کی روح قبض کرنے پر بھی قادر نہیں(3)۔ حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ملک الموت نمازوں کے اوقات میں لوگوں کی جستجو کرتے ہیں۔ اگر کوئی نماز کا پابند ہو تو ملاقاتِ موت کے وقت فرشتہ اس کے قریب ہوتا ہے اور

1۔ دیکھئے [illegible] صفحہ 27
2۔ [illegible] جلد 6 صفحہ 541-540
3۔ [illegible] جلد 6 صفحہ 543

شیطان اس سے دور ہوتا ہے۔ اس نازک گھڑی میں فرشتہ اسے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تلقین کرتا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ روئے زمین پر ہر گھر میں ملک الموت دن میں دو مرتبہ آتے ہیں۔ کعب الاحبار فرماتے ہیں کہ ملک الموت روزانہ ہر دروازے پر کھڑے ہوکر سات مرتبہ نظر ڈالتے ہیں کہ اس میں کوئی ایسا تو نہیں جس کی روح قبض کرنے کا حکم ہو چکا ہو۔ آیت کے آخر میں فرمایا: ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ یعنی قیامت کے دن قبروں سے اٹھ کر تمہیں جزا کے لئے اپنے رب کی بارگاہ میں لوٹنا ہوگا۔

وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

''اور کاش! تم دیکھو جب مجرم اپنے سر جھکائے ہوئے اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے۔ (کہیں گے) اے ہمارے رب! ہم نے (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیا اور (کانوں سے) سن لیا۔ پس (ایک بار) بھیج ہمیں (دنیا میں) اب ہم نیک عمل کریں گے ہمیں اب پورا یقین آ گیا ہے۔ (جواب ملے گا) اور اگر ہم چاہتے تو ہم دے دیتے ہر شخص کو اس کی ہدایت لیکن یہ بات طے ہو چکی ہے میری طرف سے کہ میں ضرور بھروں گا جہنم کو تمام (سرکش) جنوں اور (نافرمان) انسانوں سے۔ پس اب چکھو سزا اس جرم کی کہ تم نے بھلا دیا تھا اپنے اس روز کی ملاقات کو۔ ہم نے تم کو نظر انداز کر دیا اور چکھو ابدی عذاب ان (کرتوتوں) کے عوض جو تم کیا کرتے تھے''۔

قیامت کے دن مشرکین جس رسوا کن حالت سے دوچار ہوں گے، اس کی خبر دی جا رہی ہے۔ جب وہ اعادۂ حیات کا خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں گے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حقیر و ذلیل ہو کر شرم و حیاء سے سر جھکائے کھڑے ہوں گے تو اس وقت وہ کہیں گے: رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا یعنی اب ہم تیرے فرمان کو سنتے ہیں اور تیرے حکم کی تعمیل کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا (مریم:38) ''وہ بہت سنیں گے اور دیکھیں گے جس روز ہمارے پاس آئیں گے''۔ اسی طرح جب وہ جہنم رسید ہوں گے تو اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوئے کہیں گے: لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْۤ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (الملک:10) ''کاش ہم سنتے اور سمجھتے تو آج (ہم) دوزخیوں میں نہ ہوتے''۔ اسی طرح یہاں کہیں گے: رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا یعنی ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا۔ اب ہمیں دنیا کی طرف لوٹا، ہم نیک عمل کریں گے کیونکہ اب ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ تیرا وعدہ بھی برحق ہے اور تیری ملاقات بھی برحق۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ اگر انہیں دنیا میں لوٹا بھی دیا گیا تو بھی یہ پہلے کی طرح کافر ہی ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلائیں گے اور اس کے رسولوں کی مخالفت کریں گے جیسا کہ فرمایا: وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ وُقِفُوْا عَلَی النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ ... مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (الانعام:27) اور یہاں فرمایا: وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا، اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا (یونس:99) ''اور اگر آپ کا رب چاہتا تو زمین میں سب کے سب لوگ ایمان لے آتے''۔ فرمایا: وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ یعنی یہ بات طے ہو چکی ہے کہ میں جن و انس سے جہنم کو بھر دوں گا۔ اس سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ جہنمیوں کو بطور سرزنش کہا جائے گا: فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ یعنی

تم قیامت کی تکذیب، اس کے وقوع کو محال سمجھنے اور اللہ تعالیٰ کو فراموش کر دینے کے سبب عذاب کا ذائقہ چکھو۔ فرمایا: اِنَّا نَسِیْنٰكُمْ یعنی ہم تمہارے ساتھ اس شخص جیسا معاملہ کریں گے جو کسی کو فراموش کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھول چوک سے پاک ہے اس لئے یہاں نسیان بطور مقابلہ و مشاکلہ کے ہے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا: اَلْیَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا (الجاثیہ: 34) ''آج ہم تمہیں فراموش کر دیں گے جس طرح تم نے اپنے اس دن کی ملاقات کو فراموش کیے رکھا''۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ یعنی اپنے کفر اور تکذیب کی پاداش میں ہمیشہ کے عذاب کا مزہ چکھو جیسا کہ فرمایا: لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّ لَا شَرَابًا ... فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِیْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا (النبا: 24-30)۔

اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ هُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾

''صرف وہی لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں جنہیں جب ہماری آیتوں سے نصیحت کی جاتی ہے تو گر پڑتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور پاکی بیان کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اور وہ غرور و تکبر نہیں کرتے۔ دور رہتے ہیں ان کے پہلو (اپنے) بستروں سے، پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے۔ اور ان نعمتوں سے جو ہم نے ان کو دی ہیں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ پس نہیں جانتا کوئی شخص جو (نعمتیں) چھپا کر رکھی گئی ہیں ان کے لئے جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، یہ صلہ ہے ان (اعمال حسنہ) کا جو وہ کیا کرتے تھے''۔

فرمایا جا رہا ہے کہ ہماری آیات کی تصدیق صرف وہی اہل ایمان کرتے ہیں جو انہیں توجہ اور انہماک سے سن کر قولاً اور فعلاً ان کی اطاعت کرتے ہیں، وہ اپنے رب کی حمد بیان کرتے ہوئے پاکی بیان کرتے ہیں اور اطاعت و انقیاد سے فاسق فاجر اور جاہل کفار کی طرح تکبر نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ (المومن: 60) ''بے شک وہ لوگ جو میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے''۔ پھر فرمایا: تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ اس سے مراد ہے رات کو قیام کرنا اور نیند اور نرم بستر پر لیٹنے کو ترک کر دینا۔ حضرات انس، عکرمہ، محمد بن منکدر، ابو حازم اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد مغرب و عشاء کے درمیان کی نماز (اوابین) ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد ہے عشاء کی نماز کا انتظار کرنا (1)۔ ضحاک کہتے ہیں کہ اس سے مراد عشاء اور فجر کی نماز باجماعت ادا کرنا۔ فرمایا: یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ یعنی وہ عذاب سے ڈرتے ہوئے اور اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں یعنی یہ ایسی نیکیاں بھی کرتے ہیں جن کا فائدہ ان کی ذات تک محدود ہوتا ہے اور ایسی نیکیاں بھی جن کا فائدہ دوسروں کو پہنچتا ہے۔ ان میں سر فہرست سید اولاد آدم اور فخر دو جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ آپ کی مدح کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 101

وَفِينَا رَسُولُ اللهِ يَتْلُو كِتَابَهُ ... إِذَا انْشَقَّ مَعْرُوفٌ مِنَ الصُّبْحِ سَاطِعُ

أَرَانَا الْهُدٰى بَعْدَ الْعَمٰى فَقُلُوبُنَا ... بِهِ مُوقِنَاتٌ أَنَّ مَا قَالَ وَاقِعُ

يَبِيتُ يُجَافِي جَنْبَهُ عَنْ فِرَاشِهِ ... إِذَا اسْتَثْقَلَتْ بِالْمُشْرِكِينَ الْمَضَاجِعُ

یعنی ہم میں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں۔ جب صبح طلوع ہونے لگتی ہے تو آپ کتاب اللہ کی تلاوت کر رہے ہوتے ہیں۔ گمراہی کے بعد آپ ﷺ نے ہمیں ہدایت کی راہ پر گامزن کیا۔ چنانچہ ہمارے دل اس بات پر یقین رکھنے والے ہیں کہ جو آپ ﷺ نے فرمایا، وہ یقیناً وقوع پذیر ہوگا۔ رات بھر آپ اپنے پہلو کو بستر سے دور رکھتے ہیں جبکہ مشرکین گہری اور میٹھی نیند سو رہے ہوتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ہمارا رب دو شخصوں پر بہت خوش ہوتا ہے، ایک وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں رغبت اور اس کے عذاب سے خوف کے باعث اپنا بستر اور لحاف چھوڑ کر اپنے اہل وعیال کے درمیان سے صرف نماز پڑھنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور دوسرا وہ شخص جس نے راہ خدا میں جہاد کیا، اس کے ساتھی شکست کھا کر پسپا ہو گئے لیکن یہ جان کر کہ فرار ہونے میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے اور میدان جہاد کی طرف لوٹنے میں اس کی رضامندی مضمر ہے، وہ ثواب کی امید پر اور عذاب سے خوف کے سبب واپس پلٹا اور اپنی جان قربان کر دی۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرے اس بندے کو دیکھو جو میرے ثواب کی امید پر اور میرے عذاب سے ڈر کر واپس گیا اور اپنی جان نثار کر دی“(1)۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ سفر میں تھا۔ چلتے چلتے ایک صبح میں آپ کے قریب آ گیا اور عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنت میں داخل کر دے اور جہنم سے دور کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم نے ایک بہت بڑے امر کے متعلق سوال کیا ہے لیکن یہ اس پر آسان ہے جس پر اللہ تعالیٰ اسے آسان بنا دے، اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو۔ پھر فرمایا کہ کیا میں بھلائی کے دروازوں پر تمہاری رہنمائی نہ کروں؟ روزہ ڈھال ہے، صدقہ گناہوں کو بھسم کر دیتا ہے اور انسان کا آدھی رات کو نماز پڑھنا۔ پھر آپ ﷺ نے ان آیات تَتَجَافٰى يَعْمَلُوْنَ کی تلاوت کی۔ پھر فرمایا کہ کیا میں تمہیں یہ خبر نہ دے دوں کہ اس امر کا سر، اس کا ستون اور اس کی کوہان کی چوٹی کیا ہے؟ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ضرور آگاہ فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس امر کا سر اسلام ہے، اس کا ستون نماز ہے اور اس کی کوہان کی چوٹی راہ خدا میں جہاد کرنا ہے۔ پھر فرمایا کہ کیا میں تمہیں ان تمام چیزوں کی اصل نہ بتا دوں؟ میں نے عرض کی کہ ضرور ارشاد فرمائیے۔ آپ ﷺ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا کہ اسے اپنے قابو میں رکھو۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا گفتگو پر بھی ہم سے باز پرس ہوگی؟ فرمایا: اے معاذ! تمہاری ماں تم پر روئے، زبانوں کی باتوں کے باعث ہی لوگوں کو اوندھے منہ جہنم رسید کیا جائے گا“(2)۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”کیا میں ابواب خیر پر تمہاری رہنمائی نہ کروں؟ روزہ ڈھال ہے، صدقہ گناہ کا کفارہ ہے اور بندہ کا نصف شب کو قیام کرنا“۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت تَتَجَافٰى کی تلاوت کی۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کہ اس سے مراد ہے رات کو قیام کرنا(3)۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ تبوک میں میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا کہ آپ ﷺ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3، صفحہ 20-19، مسند احمد، جلد 1، صفحہ 461

2۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 231، عارضۃ الاحوذی، ابواب الایمان، جلد 10، صفحہ 88-87 وغیرہ

3۔ تفسیر طبری، جلد 21، صفحہ 103-102

نے مجھے فرمایا: ''اگر تم چاہو تو میں تمہیں خیر کے دروازے بتائے دیتا ہوں، روزہ ڈھال ہے، صدقہ گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اور آدھی رات کو قیام کرنا''۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اول و آخر سب لوگوں کو جمع کرے گا تو ایک منادی آواز دے گا جسے تمام مخلوق سنے گی کہ آج سب کو معلوم ہو جائے گا کہ سب سے زیادہ معزز کون ہے، پھر ندا آئے گی کہ وہ لوگ اٹھ کھڑے ہوں جن کے پہلو بستروں سے دور رہتے تھے۔ یہ لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور ان کی تعداد بہت کم ہو گی (1)۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری تو ہم ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اور کچھ صحابہ مغرب کے بعد عشاء تک نماز میں مشغول رہے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (2)۔ پھر فرمایا: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ یعنی کوئی شخص ان مجاہدوں اور ریاضتوں کی عظمت کو نہیں جانتا جن میں ان کے لئے ایسی دائمی نعمتیں اور لذتیں مخفی ہیں جن پر کوئی شخص مطلع نہیں ہو سکتا۔ چونکہ انہوں نے اپنے اعمال کو مخفی رکھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اجر و ثواب کو مخفی کر دیا۔ یہ پورا پورا بدلہ ہے کیونکہ جیسا عمل ویسا بدلہ۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے پوشیدہ طور پر اعمال کئے، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسی پوشیدہ نعمتیں تیار کی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال تک آیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میں نے اپنے صالح بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں جنہیں کسی آنکھ نے دیکھا تک نہیں، کسی کان نے سنا تک نہیں اور کسی بشر کے دل میں ان کا خیال تک بھی نہیں آیا'' (3)۔ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر چاہو تو یہ آیت فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ پڑھ لو۔ ایک اور روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ یہ ایسا ذخیرہ ہے جس پر تم آگاہ نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی قرأت میں قرۃ کے بجائے ''قرأت'' ہے۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ''جو شخص جنت میں داخل ہوگا، اسے نعمتیں میسر ہوں گی۔ نہ وہ محتاج ہوگا، نہ اس کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے اور نہ اس کی جوانی رخصت ہو گی۔ جنت میں ایسی ایسی نعمتیں ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ وہ کسی بشر کے دل میں کھٹکیں'' (4)۔ حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مجلس میں میں نے رسول اللہ ﷺ کو جنت کا وصف بیان کرتے ہوئے سنا، آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس میں ایسی نعمتیں ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا، نہ کسی کان نے سنا ہوگا اور نہ کسی بشر کے دل میں وہ کھٹکی ہوں گی۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی (5)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ سب سے ادنیٰ درجہ والا جنتی کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ شخص جو تمام جنتیوں کے جنت میں داخل ہو جانے کے بعد آئے گا۔ اسے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جا۔ وہ عرض کرے گا: یا اللہ! میں کیسے جنت میں جاؤں، لوگ تو اپنی اپنی جگہوں پر قابض ہو چکے ہیں اور وہ اپنا اپنا حصہ لے چکے ہیں؟ اسے کہا جائے گا کہ کیا تو اس بات پر راضی ہے کہ تمہیں اس قدر مل جائے جس قدر دنیا کے کسی بادشاہ کو حاصل تھا؟ وہ عرض کرے گا کہ اے پروردگار! میں اس پر راضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ تیرا ہوا، اتنا اور، اتنا اور، اتنا اور۔ پانچویں مرتبہ یہ فرمانے پر وہ عرض کرے گا: پروردگار! میں راضی ہو گیا، میں خوش ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ بھی تجھے عطا ہوا اور اس

1۔ ابن ابی حاتم
2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، جلد 3 صفحہ 65
3۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 145 صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2174 وغیرہ
4۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2180، تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 106
5۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2175، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 234

سے دس گنا زیادہ مزید بھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہر وہ چیز تمہیں عنایت کی جس کی تمہیں خواہش ہوا اور جس سے تیری آنکھیں ٹھنڈک محسوس کریں۔ وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! بس بس میں خوش ہوں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ سب سے اعلیٰ درجہ والا جنتی کون ہے؟ فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی کرامت میں نے اپنے ہاتھ سے بوئی اور اس پر مہر لگا دی پھر نہ کسی آنکھ نے اسے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کو اس کا خیال آیا۔ اس کا مصداق یہ آیت فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ ہے(1)۔ حضرت عامر بن عبدالواحد فرماتے ہیں مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایک جنتی ستر سال اپنی جگہ پر ٹھہرا رہے گا پھر وہ التفات کرے گا تو اسے نہایت خوبصورت حور دکھائی دے گی جو کہے گی کہ میں تمہارا حصہ ہوں۔ وہ اس حور کے ساتھ ستر سال ٹھہرا رہے گا پھر جو التفات کرے گا تو اسے اس سے بھی بڑھ کر حسن و جمال کا پیکر حور نظر آئے گی جو اسے کہے گی کہ میں تمہاری ہوں۔ وہ پوچھے گا کہ تم کون ہو؟ وہ جواب دے گی کہ میں مزید سے ہوں۔ اس کے ساتھ ستر سال لطف اندوز ہونے کے بعد پھر جب وہ متوجہ ہوگا تو اسے اس سے بھی بڑھ کر مرقع حسن و جمال حور ملے گی جو اسے کہے گی کہ اب وقت آگیا ہے کہ مجھے بھی آپ سے میرا حصہ نصیب ہو۔ وہ پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ کہے گی کہ میں وہی ہوں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (2)۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرشتے جنتیوں کے پاس دنیا کے دنوں کے انداز ے کے مطابق ہر روز تین مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت عدن کے وہ تحفے لائیں گے جو ان کی جنت میں نہیں ہوں گے۔ اس آیت میں اسی کا بیان ہے اور وہ فرشتے انہیں خبر دیں گے کہ اللہ تعالیٰ تم پر راضی ہے(3)۔ حضرت ابوالیمان فزاری یا کسی اور سے مروی ہے کہ جنت کے سو درجے ہیں۔ پہلا درجہ چاندی کا ہے، اس کی زمین بھی چاندی کی، اس کے محلات بھی چاندی کے، اس کے برتن بھی چاندی کے اور اس کی مٹی مشک ہے۔ دوسرا درجہ سونے کا ہے، اس کی زمین بھی سونے کی، اس کے محلات بھی سونے کے، اس کے برتن بھی سونے کے اور اس کی مٹی مشک ہے۔ تیسرا درجہ موتی کا ہے اس کی زمین بھی موتیوں کی، رہائش گاہیں بھی موتیوں کی اور برتن بھی موتیوں کے اور مٹی مشک ہے۔ اور اس کے بعد باقی ستانوے درجے ایسے ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے، نہ کسی کان نے سنے اور نہ کسی دل میں گزرے پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی(4)۔ نبی کریم ﷺ حضرت روح الامین سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بندے کی نیکیاں اور بدیاں لائی جائیں گی جن میں سے بعض بعض سے کم کی جائیں گی۔ پھر اگر ایک نیکی بھی بچ گئی تو اللہ تعالیٰ جنت میں اسے کشادگی عطا فرمائے گا۔ راوی نے یزداد سے پوچھا کہ نیکیاں کہاں چلی گئیں؟ انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ (الاحقاف: 16) ''یہی وہ ہیں جن کے عمدہ اعمال کو ہم قبول کرتے ہیں اور ان کی برائیوں سے درگزر کرتے ہیں''۔ پھر دریافت کیا کہ اس آیت فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ کا مطلب کیا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ جب بندہ لوگوں سے چھپا کر کوئی نیکی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے وہ نعمتیں عطا فرمائے گا جو اس نے اس کے لئے پوشیدہ کر رکھی تھیں(5)۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۗ لَا يَسْتَوٗنَ ۝ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۫ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَاۤ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَ قِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 176۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ سجدہ، جلد 2، صفحہ 78-75
2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 550-549
3۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 550
4۔ تفسیر طبری، جلد 21، صفحہ 105
5۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 551

النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ۝

''تو کیا جو شخص ایماندار ہو وہ اس کی مانند ہو سکتا ہے جو فاسق ہو؟ (نہیں) یہ یکساں نہیں۔ پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو ان کے لیے جنتیں ہمیشہ ٹھکانہ ہیں بطور ضیافت ان (نیکیوں) کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور جنہوں نے نافرمانی کی تو ان کا ابدی ٹھکانا آگ ہے۔ جتنی مرتبہ وہ ارادہ کریں گے کہ (کسی طرح) یہاں سے نکل جائیں تو (ہر بار) انہیں لوٹا دیا جائے گا اس میں اور انہیں کہا جائے گا چکھو آگ کا عذاب جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ اور ہم ضرور چکھاتے رہیں گے انہیں تھوڑا تھوڑا عذاب بڑے عذاب سے پہلے تاکہ وہ (فسق و فجور سے) باز آجائیں۔ اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جسے نصیحت کی گئی اس کے رب کی آیتوں سے پھر اس نے روگردانی کی ان سے۔ بے شک ہم مجرموں سے ضرور بدلہ لیں گے''۔

اللہ تعالیٰ کے عدل اور کرم کا بیان ہو رہا ہے کہ اس کے نزدیک اس کی آیات پر ایمان رکھنے والا اور اس کے رسولوں کی اتباع کرنے والا مومن اور اس کی نافرمانی کرنے والا اور اس کے پیغمبروں کی تکذیب کرنے والا فاسق یکساں نہیں ہو سکتے جیسے کہ اور مقامات پر فرمایا: اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (الجاثیہ: 21) ''کیا ان لوگوں نے خیال کر رکھا ہے جو برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں کی مانند بنا دیں گے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے کہ یکساں ہو جائے ان کا جینا اور مرنا۔ بڑا غلط فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں'' اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ (ص: 28) ''کیا ہم بنا دیں گے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان لوگوں کی طرح جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں یا ہم پرہیزگاروں کو فاجروں کی طرح بنا دیں گے''۔ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ (الحشر: 20) ''دوزخی اور جنتی یکساں نہیں ہو سکتے''۔ عطا بن یسار اور سدی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عقبہ بن ابی معیط کے متعلق نازل ہوئی (1)۔ پھر ان دونوں قسموں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی وہ لوگ جو صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان لائے اور ان کے تقاضا کے مطابق نیک اعمال کرتے رہے ان کے لیے ایسی جنتیں ہیں جن میں محلات، رہائش گاہیں اور بالا خانے ہیں۔ یہ بطور ضیافت و کرامت کے ہے ان اعمال کے سبب جو وہ کیا کرتے تھے اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منحرف رہے ان کا دائمی ٹھکانہ جہنم ہے، جب بھی وہ اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے، انہیں اس میں لوٹا دیا جائے گا جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا (الحج: 22) ''فرط رنج و الم کے باعث جب بھی وہ اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو انہیں اس میں لوٹا دیا جائے گا''۔ فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ان کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہوں گے، آگ کے شعلے ان کی طرف لپک رہے ہوں گے اور فرشتے ان پر کوڑے برسا رہے ہوں گے، اور انہیں زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ اس آگ کے عذاب کو چکھو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ پھر فرمایا: وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ

1۔ الدر منثور، جلد 6، صفحہ 553۔ تفسیر طبری، جلد 21، صفحہ 107

الْاَدْنٰی ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عذاب ادنیٰ سے مراد دنیا کے مصائب، بیماریاں، آفات اور دوسری آزمائشیں ہیں جن میں مبتلا کرنے سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ لوگ توبہ کرلیں۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی منقول ہے حدود کا نفاذ۔ حضرات براء بن عازب، مجاہد اور ابوعبیدہ نے اس سے مراد عذاب قبر لیا ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قحط سالی ہے(1)۔ حضرت ابی بن کعب اس آیت کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ انشقاق قمر اور دھواں یہ دونوں گزر چکے ہیں، سخت پکڑ اور تباہ کن عذاب(2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ عذاب ادنیٰ کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد بدر کے دن کفار کا قتل اور قید کیا جانا ہے کیونکہ بدر کے دن انہیں ایسی شرمناک ہزیمت اٹھانا پڑی کہ مکہ کے ہر گھر میں صف ماتم بچھ گئی، کسی کا عزیز قتل ہوا اور کسی کا قید ہوا اور بعض کے رشتہ دار قتل بھی ہوئے اور قید بھی(3)۔ اس کے بعد فرمایا: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ یعنی اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جسے اللہ تعالیٰ کی آیات سے نصیحت کی گئی لیکن اس نے ان سے روگردانی کرتے ہوئے انہیں فراموش کردیا۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض نہ کرو کیونکہ ایسا کرنے والا شخص فریب خوردہ، بے وقعت اور گنہگار ہے۔ اس نے ایسے لوگوں کو دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین کام ایسے ہیں جنہیں کرنے والا مجرم ہے، جس نے بغیر حق کے جھنڈا باندھا، جس نے اپنے والدین کی نافرمانی کی، جس نے ظالم کی حمایت کی۔ یہ لوگ مجرم ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم مجرموں سے انتقام لیں گے۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآىٕهٖ وَ جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۲۳﴾ وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۛؕ وَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾

”اور بے شک ہم نے عطا فرمائی تھی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب۔ تو آپ شک میں مبتلا نہ ہوں اس کتاب کے ملنے سے اور ہم نے بنایا تھا اسے ہدایت بنی اسرائیل کے لئے۔ اور ہم نے بنایا ان میں سے بعض کو پیشوا، وہ رہبری کرتے رہے ہمارے حکم سے جب تک وہ صابر رہے۔ اور جب تک وہ ہماری آیتوں پر پختہ یقین رکھتے تھے۔ بے شک آپ کا پروردگار، وہی فیصلہ کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن جن امور میں وہ (باہمی) اختلاف کیا کرتے تھے“۔

اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ ہم نے اپنے بندے اور رسول موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات عطا کی۔ قتادہ اس ارشاد فَلَا تَكُنْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآىٕهٖ کی یہ وضاحت کرتے ہیں کہ آپ معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات کے بارے میں شک و شبہ میں نہ رہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے معراج کی رات حضرت موسیٰ بن عمران کو دیکھا گندمی رنگ والے، دراز قد اور گھونگھریالے بالوں والے جیسے قبیلہ شنوءہ کے آدمی ہوتے ہیں۔ میں نے عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، میانہ قد، رنگت سرخ و سفید اور سیدھے بالوں والے اور میں نے جہنم کے داروغے مالک اور دجال کو بھی دیکھا“۔ یہ سب ان نشانیوں میں سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دکھائیں۔ سو اس کی ملاقات میں شک نہ کرو۔ یقیناً آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معراج کی شب دیکھا اور ان سے

1۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 7، صفحہ 129 2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ دخان، جلد 6، صفحہ 164؛ صحیح مسلم، کتاب صفۃ یوم القیامۃ، جلد 4، صفحہ 2157 وغیرہ
3۔ مستدرک حاکم، جلد 2، صفحہ 414؛ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 554

ملاقات کی(1)۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا اور فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ میں حضرت موسیٰ علیہ اسلام کی اپنے رب سے ملاقات مراد ہے(2)۔ ''وَجَعَلْنٰهُ'' کی ضمیر مفعول کا مرجع کتاب بھی ہو سکتی ہے یعنی ہم نے اس کتاب کو جو ہم نے موسیٰ کو عطا کی، بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنا دیا جیسا کہ فرمایا: وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا (بنی اسرائیل: 2) ''اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسے ہم نے بنی اسرائیل کے لئے باعث ہدایت بنایا کہ میرے بغیر کسی اور کو (اپنا) کارساز نہ بنانا''۔ پھر فرمایا: وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً۔ یعنی جب تک یہ اوامر کی بجا آوری، نواہی سے اجتناب، رسولوں کی تصدیق اور ان کے لائے ہوئے پیغام کی اتباع پر ڈٹے رہے تو ہم نے ان میں سے ایسے امام اور پیشوا بنائے رکھے جو اللہ کے حکم سے حق کی راہ دکھاتے، بھلائی کی دعوت دیتے، نیکی کا حکم کرتے اور برائی سے منع کرتے۔ پھر جب انہوں نے کتاب اللہ میں رد و بدل اور تحریف و تاویل کا ارتکاب کیا تو ان سے یہ مقام سلب کر لیا گیا اور ان کے دل سخت ہو گئے۔ نہ ان کا عمل نیک رہا اور نہ ان کا عقیدہ درست رہا۔ قتادہ اور سفیان لَمَّا صَبَرُوْا کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ جب وہ دنیا سے بچے رہے۔ سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ایسے ہی تھے اور ایک پیشوا کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ دنیا سے احتراز کرے۔ مزید فرماتے ہیں کہ دین کیلئے علم اس طرح ضروری ہے جیسے جسم کے لئے روٹی۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کے متعلق دریافت کیا گیا کہ صبر کا ایمان میں ایسا درجہ ہے جیسے سر کا جسم میں تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے یہ فرمان وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا نہیں سنا۔ جب انہوں نے تمام کاموں کے سر کو تھام لیا تو وہ رئیس اور امام بن گئے۔ کسی عالم کا قول ہے کہ دین میں امامت صبر اور یقین سے حاصل کی جاتی ہے، اس لئے فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ (الجاثیہ: 17-16) اسی طرح یہاں فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ یعنی اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے دن ان کے درمیان ان عقائد اور اعمال کا فیصلہ فرمائے گا جن میں یہ اختلاف کیا کرتے تھے۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ۝

''کیا یہ چیز ان کی ہدایت کا باعث نہ بنی کتنی قومیں تھیں جن کو ہم نے ان سے پہلے ہلاک کر دیا حالانکہ یہ چل پھر رہے ہیں ان کے مکانوں میں۔ بے شک ان میں (عبرت کی) کئی نشانیاں ہیں۔ کیا وہ (ان درودیوار سے داستان عبرت) نہیں سن رہے؟ کیا انہوں نے ملاحظہ نہیں کیا کہ ہم لے جاتے ہیں پانی بنجر زمین کی طرف پھر ہم نکالتے ہیں اس کے ذریعے سے کھیتی، کھاتے ہیں اس سے ان کے چوپائے اور وہ خود بھی کیا وہ (یہ بھی) نہیں دیکھتے؟''

کیا رسولوں کو جھٹلانے والے یہ بدبخت اس سے بھی ہدایت کو قبول نہیں کرتے کہ ان سے پہلے ہم نے بہت سی قوموں کو برباد کر دیا کیونکہ وہ پیغمبروں کی تکذیب اور ان کے لائے ہوئے پیغام کی مخالفت کیا کرتے تھے۔ اس جرم کی پاداش میں انہیں صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا اور ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا، اس لئے فرمایا: يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ یعنی یہ جھٹلانے والے ان جھٹلانے والوں کی اجڑی

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ بنی اسرائیل: 1 2۔ تفسیر کبیر، جلد 12 صفحہ 160

ہوئی بستیوں میں چلتے پھرتے ہیں اور یہاں انہیں ان لوگوں میں سے کوئی بھی نظر نہیں آتا جنہوں نے ان بستیوں کو آباد کیا تھا۔ ان ویران مکانوں کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا وہاں آباد ہوئے ہی نہیں تھے جیسے کہ فرمایا: فَتِلۡكَ بُیُوۡتُهُمۡ خَاوِیَةًۢ بِمَا ظَلَمُوۡا (النمل: 52) ''پس یہ ان کے گھر ہیں جو ان کے ظلم کے باعث اجڑے پڑے ہیں''۔ فَكَاَیِّنۡ مِّنۡ قَرۡیَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا ۔۔۔ وَ لٰكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِیۡ فِی الصُّدُوۡرِ (الحج: 46-45) اس لئے یہاں فرمایا: اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ ؕ اَفَلَا یَسۡمَعُوۡنَ یعنی پیغمبروں کی تکذیب کرنے والوں کی تباہی و بربادی اور ان پر ایمان لانے والوں کی نجات میں عبرت اور پند و نصیحت کی بہت سی نشانیاں اور دلیلیں ہیں۔ کیا یہ لوگ پہلے گزرے ہوئے لوگوں کی عبرتناک داستان نہیں سنتے کہ ان کا کیا انجام ہوا۔ پھر اگلی آیت میں فرمایا: اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا نَسُوۡقُ الۡمَآءَ ۔۔۔ اس میں اللہ تعالیٰ مخلوق پر اپنے لطف و کرم اور احسان کو بیان فرما رہا ہے کہ وہ آسمان سے بارش برسا کر اور نہروں اور دریاؤں کو جاری کر کے پانی مہیا کرتا ہے علاوہ ازیں پہاڑوں اور اونچی جگہوں سے پانی ڈھلکتا ہوا آتا ہے اور ندیوں اور نالوں کے ذریعے ادھر ادھر پھیل کر بنجر زمین کو سیراب کرتا ہے۔ الۡاَرۡضِ الۡجُرُزِ سے مراد بنجر زمین ہے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: وَ اِنَّا لَجٰعِلُوۡنَ مَا عَلَیۡهَا صَعِیۡدًا جُرُزًا (الکہف: 8) ''اور ہم ہی ان چیزوں کو جو زمین پر ہیں، چٹیل غیر آباد میدان بنانے والے ہیں'' اس سے مراد صرف سرزمین مصر نہیں، بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد مصر کی زمین ہے لیکن یہ درست نہیں۔ یہاں صرف مصر کی زمین مقصود نہیں بلکہ اس سے مراد ہر وہ زمین ہے جو سوکھ گئی ہو، سخت ہو اور پانی کی محتاج ہو۔ بلاشبہ مصر کی زمین شوریلی اور ریتیلی ہے اسے پانی کی اشد ضرورت رہتی ہے۔ اگر اس پر بارشیں برسیں تو مکانات اور عمارات کے منہدم ہونے کا خطرہ لاحق ہو جائے اس لئے اللہ تعالیٰ نے احسان فرماتے ہوئے دریائے نیل کے ذریعے پانی کا انتظام کر دیا۔ اب نہ صرف بلاد حبشہ کی بارشوں کا پانی دریائے نیل میں شامل ہو کر مصر تک پہنچتا ہے بلکہ وہ سرخ مٹی بھی اپنے ساتھ لاتا ہے جو مصر کی زمین میں شامل ہو کر اسے زرخیز اور قابل کاشت بنا دیتی ہے۔ بارش کسی اور علاقے میں برستی ہے، سرخی مٹی کسی اور علاقے کی ہوتی ہے لیکن ان سے استفادہ مصری کرتے ہیں اور ہر سال نئے پانی اور نئی مٹی کے سبب بہت زیادہ پیداوار حاصل کرتے ہیں۔ اس حکیم، کریم، منان اور محمود کی یہ کرم نوازیاں ہیں۔ مروی ہے کہ جب مصر فتح ہوا تو بؤونہ مہینے میں وہاں کے باشندے امیر مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے نیل کی ایک عادت ہے جس کے مطابق یہ جاری ہوتا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ اس ماہ کی بارہ تاریخ کے بعد ہم والدین کی اکلوتی باکرہ بچی لیتے ہیں، اس کے والدین کو کسی نہ کسی طرح راضی کر لیتے ہیں اور پھر اسے خوبصورت کپڑوں اور زیورات سے آراستہ کر کے دریائے نیل کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ اگر ہم ایسی لڑکی دریا کی نذر نہ کریں تو اس میں پانی جاری نہیں ہوتا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا بلکہ اسلام تو ایسی جاہلانہ اور ظالمانہ رسموں کو مٹاتا ہے۔ آپ نے اس رسم کو موقوف کر دیا تو وہ اس سے باز آ گئے لیکن جب دریائے نیل جاری نہ ہوا تو لوگ تنگ آ کر مصر کو چھوڑنے کے متعلق سوچنے لگے۔ اب حضرت عمرو بن العاص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک خط تحریر کیا اور آپ کو اس صورتحال سے آگاہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب لکھا کہ تم نے بہت اچھا کیا۔ میں دریائے نیل کے نام ایک رقعہ بھیج رہا ہوں، اسے نیل میں ڈال دینا۔ فاتح مصر نے اس رقعہ کو نکال کر پڑھا تو اس میں تحریر تھا کہ اللہ کے بندے عمر کی طرف سے اہل مصر کے نیل کے نام، اما بعد، اگر تو اپنی مرضی سے چلتا تھا تو بے شک نہ چل اور اگر تمہیں خدائے واحد جاری کرتا ہے تو ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ تمہیں جاری کر دے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے وہ رقعہ دریائے نیل میں ڈال دیا تو ہفتہ کی صبح دریائے نیل جاری ہو گیا اور ابھی ایک رات بھی نہ گزری تھی کہ

دریائے نیل میں سولہ ہاتھ گہرا پانی چلنے لگا۔ اس طرح مصر میں اس قبیح رسم کا خاتمہ ہو گیا(1)۔ اس آیت جیسی یہ آیہ بھی ہیں: فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا (عبس: 26-24) اسی طرح یہاں فرمایا: اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ارض جرز سے مراد وہ زمین ہے جس پر بارش نا کافی برستی ہے پھر یہ سیلاب کے پانی سے سیراب ہوتی ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ زمین یمن میں ہے۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یمن اور شام کے درمیان ایسی بستیاں ہیں۔ عکرمہ، ضحاک، قتادہ، سدی اور ابن زید کہتے ہیں کہ یہ ایسی غبار آلود زمین ہے جس میں پیداوار نہ ہو۔ یہ اس فرمان کی طرح ہے: وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۔ فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ (یٰسٓ:33)۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

"اور (باربار) پوچھتے ہیں یہ فیصلہ کب ہوگا؟ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو۔ آپ فرمایئے فیصلہ کے دن نہ فائدہ پہنچائے گا کافروں کو ان کا ایمان لانا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی پس (اے حبیب!) رخ (انور) پھیر لیجئے ان سے اور انتظار فرمایئے، وہ بھی منتظر ہیں"۔

وقوع عذاب کے متعلق کفار کی جلد بازی کا ذکر کیا جارہا ہے کہ وہ نزول عذاب کو محال سمجھتے ہوئے، اسے جھٹلاتے ہوئے اور سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ کے نبی ﷺ سے کہا کرتے تھے کہ یہ فیصلہ کب ہوگا، کب تم ہم پر غالب آؤ گے، وہ وقت کب آئے گا جب تم ہمیں مغلوب کر کے ہم سے انتقام لو گے؟ ہم عرصہ سے تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو مغلوب، بے وقعت اور خوفزدہ دیکھ رہے ہیں۔ ہمارا اتنا خوف چھایا ہوا ہے کہ تم لوگ چھپ چھپ کر اپنی جان بچاتے ہو۔ اس کے جواب میں فرمایا: قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ یعنی جب دنیا اور آخرت میں تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب اور غضب آپڑا تو نہ اس وقت کا ایمان فائدہ دے گا اور نہ مزید مہلت دی جائے گی جیسا کہ فرمایا: فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ۔ (المومن:83) "پس جب ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر آئے تو انہوں نے کفر کیا اور نازاں رہے اس علم پر جو ان کے پاس تھا اور (آخرکار) انہیں گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے"۔ جس شخص نے یہاں فتح سے مراد فتح مکہ لی ہے وہ بہت دور کی کوڑی لایا ہے اور خطا کا مرتکب ہوا ہے کیونکہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے تقریباً دو ہزار کافروں کے اسلام لانے کو قبول کر لیا تھا، اگر اس سے مراد فتح مکہ ہوتی تو آپ ﷺ ان کا اسلام قبول نہ کرتے کیونکہ اس آیت میں مذکور ہے کہ اس دن نہ کافروں کا ایمان انہیں نفع بخش ہوگا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی بلکہ اس فتح سے مراد ہے فیصلہ کرنا جیسا کہ فرمایا: فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا (الشعراء:118) "پس تو میرے اور ان کے درمیان قطعی فیصلہ فرما دے"۔ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ (سبا:26) "فرمایئے ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا، پھر وہ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا"۔ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ (ابراہیم:15) "اور رسولوں نے حق کی فتح کے لئے التجا کی اور نامراد ہو گیا ہر سرکش، منکر حق"۔ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (البقرۃ:89) "وہ اس سے پہلے (اس نبی کے وسیلہ سے) کافروں پر فتح مانگتے تھے"۔ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ (الانفال:19) "اگر تم فیصلے کے طلبگار تھے تو (لو) تمہارے پاس فیصلہ آگیا"۔ پھر فرمایا: فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ یعنی آپ ان

1۔ البدایہ والنہایہ، جلد 7 صفحہ 102

مشرکین سے اعراض کرلیں اور ان کی باتوں کو خاطر نہ لاتے ہوئے فریضہ تبلیغ پوری دلجمعی کے ساتھ ادا کرتے رہیں جیسا کہ فرمایا: اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ(الانعام:106)'' آپ اس وحی کی پیروی کریں جو آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف کی جاتی ہے نہیں کوئی معبود بجز اس کے''۔ یہ کافر تمہارے متعلق حوادثات زمانہ کے منتظر ہیں اور آپ بھی انتظار کریں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ فتح ونصرت کا جو وعدہ کر رکھا ہے، وہ اسے ضرور ایفاء کرے گا۔ عنقریب آپ دیکھ لیں گے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر اور تبلیغ کا اجر عطا کرتے ہوئے شاندار غلبہ عطا فرمائے گا اور آپ کے دشمنوں کو عبرتناک اور ہولناک عذاب سے دوچار کردے گا۔

سورۂ احزاب (مدنیہ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت زر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سورۂ احزاب کی کتنی آیتیں شمار کی جاتی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا تہتر آیتیں۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں نے اسے دیکھا کہ یہ سورۂ بقرہ کے قریب قریب تھی اور اس میں یہ آیت بھی تھی: ''الشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا الْبَتَّةَ نَكَالًا مِّنَ اللهِ وَاللهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ'' یعنی جب بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت بدکاری کریں تو انہیں ضرور رجم (سنگسار) کرو۔ یہ عبرتناک سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے(1)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت میں کچھ اور آیات بھی تھیں پھر ان کے الفاظ منسوخ کردیے گئے اور حکم بھی۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ﴿۱﴾ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ﴿۲﴾ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۳﴾

''اے نبی (مکرم!) (حسب سابق) ڈرتے رہیے اللہ تعالیٰ سے اور نہ کہنا مانیے کفار اور منافقین کا۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا، بڑا دانا ہے۔ اور پیروی کرتے رہیے جو وحی کیا جاتا ہے آپ کی طرف اپنے رب کی جانب سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔ اور (اے محبوب!) بھروسہ رکھیے اللہ پر، اور کافی ہے اللہ تعالیٰ (آپ کا) کارساز''۔

یہاں اعلیٰ کو حکم دے کر ادنیٰ کو تنبیہ مقصود ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول کو یہ حکم دیتا ہے تو دوسروں پر بدرجہ اولیٰ یہ حکم لاگو ہوگا۔ طلق بن حبیب کے بقول تقویٰ یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل شدہ نور ہدایت کی روشنی میں ثواب کی امید پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور ہدایت کی روشنی میں اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس کی نافرمانی ترک کردے۔ فرمایا: وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ یعنی آپ کافروں اور منافقوں کی نہ بات سنیں اور نہ ان سے مشورہ لیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے احکام کی اتباع کی جائے کیونکہ وہی امور کے انجام سے باخبر ہے اور اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے۔ اس لئے فرمایا: وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ یعنی آپ اس قرآن و سنت کی اتباع کریں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز مخفی نہیں اور اپنے تمام امور اور احوال میں اسی پر بھروسہ کرو۔ اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کے لئے کارساز کافی ہے جو اس پر توکل کرے اور اسی کی طرف رجوع کرے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ

1۔ سنن نسائی، کتاب الرجم، جلد 1، صفحہ 1، مسند احمد، جلد 5، صفحہ 132

أُمَّهَاتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُم بِأَفْوَاهِكُمْ ۖ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ۝ ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ ۚ فَإِن لَّمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ ۚ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُم بِهِ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝

''نہیں بنائے اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کے لئے دو دل اس کے شکم میں۔ اور نہیں بنایا اس نے تمہاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری مائیں۔ اور نہیں بنایا اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے فرزند۔ یہ صرف تمہارے منہ کی باتیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تو سچی بات کہتا ہے اور وہ ہدایت دیتا ہے سیدھی راہ پر چلنے کی۔ بلایا کرو انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے۔ یہ زیادہ قرین انصاف ہے اللہ کے نزدیک۔ اگر تمہیں علم نہ ہو تو ان کے باپوں کا تو پھر وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور تمہارے دوست ہیں۔ اور نہیں ہے تم پر کوئی گرفت جو تم نادانستہ کر بیٹھو۔ البتہ وہ کام جو تمہارے دل قصداً کرتے ہیں (ان پر ضرور گرفت ہوگی) اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

مقصود معنوی بیان کرنے سے پہلے یہاں ایک معروف حسی مثال بطور تمہید اور مقدمہ کے بیان فرمائی کہ جس طرح ایک شخص کے دو دل نہیں ہوتے اور بیوی سے ظہار کرنے اور اسے صرف اتنا کہہ دینے سے کہ تو مجھ پر ایسے ہے جیسے میری ماں کی پشت، وہ اس کی ماں نہیں بن جاتی، اسی طرح کسی کے بیٹے کو اپنا متبنیٰ بنا لینے سے وہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں بن جاتا۔ فرمایا: مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: مَّا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ ۖ إِنْ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا اللَّائِي وَلَدْنَهُمْ (المجادلۃ: 2) ''وہ ان کی مائیں نہیں ہیں، نہیں ہیں ان کی مائیں بجز ان کے جنہوں نے انہیں جنا ہے''۔ اس تمہید کے بعد مقصود اصلی بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ یعنی تمہارے منہ بولے بیٹے تمہارے حقیقی بیٹے نہیں۔ یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے انہیں اپنا متبنیٰ بنا لیا تھا، اس لئے انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ کے ذریعے اس الحاق اور اس نسبت کو ختم کر دیا جیسا کہ فرمایا: مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (الاحزاب: 40) ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔ اور یہاں فرمایا: ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُم بِأَفْوَاهِكُمْ یعنی تمہارا کسی کو متبنیٰ بنا لینے کا یہ مقصد نہیں کہ وہ حقیقی بیٹا بن گیا۔ جس طرح یہ ناممکن ہے کہ ایک شخص کے دو دل ہوں، اس طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ ایک لڑکے کے دو باپ ہوں۔ اس کا باپ وہی ہے جس کی صلب سے یہ نکلا ہے اور اللہ تعالیٰ حق بات کہتا ہے اور سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ یہاں حق سے مراد عدل ہے اور قتادہ کہتے ہیں کہ السبیل سے مراد صراط مستقیم ہے۔ متعدد حضرات نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت ایک قریشی کے بارے میں نازل ہوئی جسے ذوالقلبین (دو دلوں والا) کہا جاتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے دو دل ہیں اور دونوں عقل و فہم سے لبریز ہیں۔ اس کے رد میں یہ آیت اتری (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن نماز پڑھ رہے

1۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 119

تھے کہ آپ کو کوئی خیال گزرا۔ اس پر آپ کی امامت میں نماز پڑھنے والے منافقین کہنے لگے کہ کیا تم نہیں دیکھتے اس کے دو دل ہیں۔ ایک تمہارے ساتھ اور ایک ان کے ساتھ۔ اس وقت یہ آیت اتری (1)۔ امام زہری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بارے میں بطور مثال نازل ہوئی۔ یعنی جس طرح کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں ہوتے اسی طرح لے پالک کسی کا حقیقی صلبی بیٹا نہیں بن سکتا (2)۔ یہ ہماری بیان کردہ تفسیر کے موافق ہے۔ آغاز اسلام میں پہلے اس چیز کی اجازت تھی کہ لے پالک لڑکے کو اس کے پالنے والے کی طرف منسوب کر کے اس کا بیٹا کہا جائے لیکن اس فرمان اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ کے ذریعے اسے منسوخ کر دیا اور حکم دے دیا کہ ان کے جو حقیقی باپ ہیں، انہیں ان کی طرف ہی منسوب کر کے پکارو، یہی عدل، انصاف اور نیکی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کے نزول سے پہلے ہم حضرت زید رضی اللہ عنہ کو زید بن محمد ہی کہہ کر پکارتے تھے (3)۔ عربوں میں یہ دستور تھا کہ منہ بولے بیٹوں کو بھی حقیقی اور صلبی بیٹوں جیسے حقوق اور مراعات حاصل ہوتیں حتیٰ کہ گھر کی مستورات کے ساتھ ان کا اختلاط بے حجابانہ اور بے تکلفانہ ہوتا جس سے بعض لوگوں کو بہت کوفت ہوتی تھی۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت سہلہ بنت سہیل نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کرنے لگیں: یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے سالم کو منہ بولا بیٹا بنا رکھا تھا۔ اب اس بارے میں قرآن نے فیصلہ فرما دیا ہے۔ اب تک تو وہ میرے پاس بے حجابانہ آتا رہا لیکن مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ابوحذیفہ کو یہ چیز ناگوار گزرتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اسے دودھ پلا دو، تم اس پر حرام ہو جاؤ گی" (4)۔ لہٰذا جب اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے منہ بولے بیٹے کی بیوی کے ساتھ شادی کو بھی مباح کر دیا اور خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی مطلقہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کر کے اس جاہلانہ رسم کا خاتمہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا (الاحزاب: 37) "تاکہ (اس عملی سنت کے بعد) ایمان لانے والوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی حرج نہ ہو جب وہ انہیں طلاق دینے کا ارادہ پورا کر لیں"۔ اسی طرح جہاں حرام عورتوں کا ذکر ہے وہاں فرمایا: وَحَلَآىِٕلُ اَبْنَآىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ (النساء: 23) "اور (حرام کی گئیں) تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری پشتوں سے ہیں"۔ یہاں بھی منہ بولے بیٹے کی بیوی کی حرمت کو بیان نہیں کیا، کیونکہ لے پالک صلبی بیٹا نہیں۔ جہاں تک رضاعی بیٹے کا تعلق ہے تو وہ شرعاً حقیقی اور صلبی بیٹے کے حکم میں ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو رشتہ نسب سے حرام ہو جاتا ہے وہ رضاعت سے حرام ہو جاتا ہے" (5)۔ البتہ محبت اور تکریم کے طور پر کسی کو بیٹا کہہ دینے کی ممانعت اس آیت سے ثابت نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم خاندان عبدالمطلب کے چھوٹے لڑکوں کو رسول اللہ ﷺ نے رات کو ہی روانہ کر دیا اور آپ ہماری رانوں کو تھپکتے ہوئے فرمانے لگے: "میرے بیٹو! سورج طلوع ہونے سے پہلے جمرات پر کنکریاں نہ مارنا" (6)۔ یہ واقعہ حجۃ الوداع 10ھ کا ہے اور اس کی دلالت بالکل واضح ہے۔ یہ حکم اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوا۔ آپ

1۔ ترمذی، ابواب التفسیر سورۃ احزاب، جلد 11 صفحہ 79-80، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 367-368
2۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 119
3۔ صحیح البخاری، تفسیر سورۃ احزاب، جلد 8 صفحہ 517، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4، صفحہ 1884 وغیرہ
4۔ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، جلد 4، صفحہ 1076-1077، سنن نسائی، کتاب النکاح، جلد 6 صفحہ 104-106 وغیرہ
5۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ احزاب، جلد 6 صفحہ 151، صحیح مسلم، کتاب الرضاعۃ، جلد 2 صفحہ 1068
6۔ سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، جلد 2 صفحہ 194، سنن نسائی، کتاب المناسک، جلد 5 صفحہ 270-272

۸ھ میں جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنا بیٹا کہہ کر بلایا(1)۔ اس کے بعد فرمایا: فَإِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ یعنی اگر تمہیں لے پالک بچوں کے باپوں کا علم ہو تو انہیں ان کی نسبت سے پکارو اور اگر ان کے باپوں کا علم ہی نہ ہو تو اس کے عوض وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔ رسول اللہ ﷺ جب عمرۃ القضاء کے سال مکہ شریف سے واپس لوٹے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی چچا چچا کہتی ہوئی آپ ﷺ کے پیچھے دوڑی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کر دیا اور فرمایا کہ یہ تمہاری چچازاد بہن ہے اسے اپنے پاس رکھو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے درمیان اس بچی کے متعلق جھگڑا ہو گیا کہ کون اس کی کفالت کرے گا، ہر ایک نے اپنا حق ثابت کرنے کے لئے دلیل پیش کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں اس کا زیادہ مستحق ہوں کیونکہ یہ میری چچازاد بہن ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ یہ میری بھتیجی ہے اور حضرت جعفر بن ابی طالب کہنے لگے کہ یہ میری چچازاد بہن ہے اور اس کی خالہ اسماء بنت عمیس میری بیوی ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ بچی اپنی خالہ کے پاس رہے گی اور فرمایا: ''خالہ ماں کے قائم مقام ہے۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔'' حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم سیرت اور صورت میں میرے مشابہ ہو۔'' حضرت زید سے فرمایا: ''تم ہمارے بھائی اور دوست ہو''(2)۔ اس حدیث میں بہت سے احکام ہیں، ان میں سے سب سے بہتر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نہ صرف حق کے ساتھ فیصلہ فرمایا بلکہ تنازعہ کرنے والوں میں سے ہر ایک کو راضی بھی کر دیا اور حضرت زید سے فرمایا کہ تم ہمارے بھائی اور دوست جیسا کہ یہاں فرمایا: فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ مَوَالِیْكُمْ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ میرا باپ غیر معروف ہے، اس لئے میں تمہارا دینی بھائی ہوں۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر انہیں یہ بھی معلوم ہوتا کہ ان کا باپ گدھا تھا تو بھی ضرور اس کی طرف اپنی نسبت کرتے(3)۔ حدیث شریف میں ہے: ''جو شخص جان بوجھ کر کسی غیر باپ کی طرف منسوب ہوا اس نے کفر کیا''(4)۔ اس حدیث میں معروف نسب سے برأت پر سخت وعید اور سرزنش ہے اس لئے فرمایا: اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ۔ اس کے بعد فرمایا: وَ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ فِیْمَاۤ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ یعنی اگر تم پوری تحقیق اور مقدور بھر اجتہاد کے بعد کسی کو غلطی سے اس کے باپ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کر دو تو اس غلطی پر تم سے باز پرس نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نادانستہ غلطی پر گرفت کرتا ہے اور نہ یہ گناہ کا باعث ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اس دعا کی تعلیم دی ہے: رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِیْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا (البقرۃ: 286) ''اے ہمارے رب! نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھول لیں یا خطا کر بیٹھیں''۔ صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ جب مسلمانوں نے یہ دعا پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اسے قبول کیا(5)۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب حاکم اجتہاد کرے اور اس میں وہ صحت کو پہنچ جائے تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور اگر وہ اجتہاد کرے اور اس میں غلطی کر جائے تو اس کے لئے ایک اجر ہے''(6)۔ ایک اور حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا، نسیان اور ہر اس امر کو معاف کر دیا ہے جس پر انہیں مجبور کیا جائے''(7)۔ یہاں فرمایا: وَ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ ... یعنی نادانستہ غلطی پر پکڑ اور گناہ نہیں بلکہ گناہ تو وہ ہے جو دانستہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الاداب، جلد 3، صفحہ 1963، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 291 وغیرہ
2۔ صحیح بخاری، کتاب الصلح، جلد 3، صفحہ 241
3۔ تفسیر طبری، جلد 21، صفحہ 121
4۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، جلد 4، صفحہ 219، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 79
5۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 116، مسند احمد، جلد 1، صفحہ 233
6۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۃ انبیاء: 79
7۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق: 259

باطل کا ارتکاب کرے جیسا کہ فرمایا: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ (البقرۃ:225) ''اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری لایعنی قسموں پر نہیں پکڑے گا''۔ مذکورہ بالا حدیث کے الفاظ بھی یہی ہیں کہ اگر کسی نے جان بوجھ کر اپنی نسبت غیر باپ کی طرف کی تو اس نے کفر کیا۔ قرآن کریم کی آیت جس کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے، اس میں یہ حکم تھا کہ تمہارا اپنے باپوں کی نسبت سے اعراض کرنا کفر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ کو کتاب عطا فرمائی۔ اس میں رجم کی آیت بھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے خود بھی رجم کیا اور ہم نے بھی آپ ﷺ کے بعد رجم کیا۔ ہم قرآن میں یہ آیت بھی پڑھا کرتے تھے کہ اپنے باپوں کی نسبت سے اعراض نہ کرو کیونکہ ایسا کرنا کفر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری تعریف میں اس طرح مبالغہ نہ کرو جیسا کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ساتھ ہوا، میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں، مجھے اللہ کا بندہ اور رسول کہو''۔ ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''جس طرح نصاریٰ نے ابن مریم کی تعریف میں حد سے بڑھ کر مبالغہ کیا'' (1)۔ ایک اور حدیث میں ہے: ''لوگوں میں تین خصلتیں کفر ہیں: نسب میں طعن، میت پر نوحہ اور ستاروں سے بارش طلب کرنا'' (2)۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰۗىِٕكُمْ مَّعْرُوْفًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝

''نبی (کریم) مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔ اور قریبی رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں، کتاب اللہ کی رو سے عام مومنوں اور مہاجرین سے مگر یہ کہ تم کرنا چاہو اپنے دوستوں سے کوئی بھلائی (تو اس کی اجازت ہے) یہ (حکم) کتاب (الٰہی) میں لکھا ہوا ہے''۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی امت پر مہربان اور ان کے خیر خواہ ہیں اس لئے اس نے آپ کو ان کی جانوں سے بھی زیادہ ان کا حق دار بنا دیا اور ان کی ذاتوں پر آپ کو حکمرانی عطا فرمائی۔ آپ ﷺ کو ان کے نفسوں پر جو اختیار حاصل ہے وہ ان کے اپنے اوپر اختیار پر مقدم ہے جیسا کہ فرمایا: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (النساء:65) ''تیرے رب کی قسم! یہ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ آپ کو ان جھگڑوں میں حاکم بنائیں جو ان کے درمیان پھوٹ پڑیں پھر اپنے نفسوں میں اس سے تنگی نہ پائیں جو فیصلہ آپ نے کیا اور دل و جان سے تسلیم کر لیں''۔ حدیث شریف میں ہے: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کی جان، مال، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں'' (3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ مجھے بجز میری ذات کے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، اے عمر! جب تک میں تمہیں تمہاری ذات سے بھی زیادہ محبوب نہ بن جاؤں''۔ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کی قسم، آپ مجھے ہر چیز سے حتیٰ کہ میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ تو آپ نے فرمایا: ''اب اے عمر'' (4)۔ اس آیت میں فرمایا: اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 47 2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، جلد 2 صفحہ 644، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 342، 343-344

3۔ فتح الباری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 58، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 67 4۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 336

اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی بھی ایسا مومن نہیں جس کا میں دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ حقدار نہیں اگر چاہو تو آیت پڑھ لو: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ جو مومن ترکہ چھوڑے، اس کے وارث اس کے قریبی رشتہ دار ہیں اور اگر کوئی شخص قرض یا بال بچے چھوڑ کر مرے تو میں اس کا والی ہوں'' (1)۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں ہر مومن کا اس کی جان سے بھی زیادہ حقدار ہوں، جو شخص قرض چھوڑ کر مرے تو وہ میرے ذمہ ہے اور جو مال چھوڑے، وہ اس کے وارثوں کا ہے'' (2)۔ پھر فرمایا: وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ یعنی آپ ﷺ کی ازواج مطہرات حرمت، عزت، احترام، توقیر، تکریم اور تعظیم میں اہل ایمان کی مائیں ہیں البتہ ان کے ساتھ خلوت جائز نہیں اور نہ ہی ان کی بیٹیوں اور بہنوں کے ساتھ نکاح حرام ہے۔ اس پر علماء کا اجماع ہے اگرچہ بعض حضرات نے ان کی بیٹیوں کو مومنوں کی بہنیں کہا ہے جیسا کہ امام شافعی نے المختصر میں اس کا ذکر کیا ہے لیکن یہ اطلاق عبارت ہے نہ کہ اثبات حکم۔ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور امہات المومنین کے دوسرے بھائیوں کو مومنوں کا ماموں کہا جائے گا؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ موقف ہے کہ انہیں ایسا کہا جا سکتا ہے، اور کیا حضور ﷺ کو ابوالمومنین (مومنوں کا باپ) کہا جا سکتا ہے جب کہ جمع مذکر سالم کے صیغہ میں بطور تغلیب عورتیں بھی شامل ہوں؟ اس بارے میں بھی دو قول ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایسا نہیں کہہ سکتے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قولوں میں سے زیادہ صحیح قول یہی ہے جبکہ حضرات ابی بن کعب اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت میں اُمَّهٰتُهُمْ کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں ''وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ'' یعنی آپ ﷺ ان کے باپ ہیں (3)۔ حضرات معاویہ، عکرمہ، مجاہد اور حسن سے بھی یہی مروی ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول یہی ہے اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہارے لئے بمنزلہ باپ کے ہوں، میں تمہیں تعلیم دیتا ہوں، جب تم میں سے کوئی پاخانہ کے لئے جائے تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرے اور نہ پیٹھ اور نہ ہی اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ طہارت کرے''۔ آپ ﷺ تین ڈھیلے لینے کا حکم دیتے تھے اور گوبر اور ہڈی کے ساتھ استنجاء کرنے سے منع کرتے تھے (4)۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کو مومنوں کا باپ نہ کہا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ (الاحزاب: 40) ''محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں''۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم میں عام مومنوں اور مہاجروں کی نسبت قرابتدار ورثے کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس آیت میں وراثت کا وہ قانون منسوخ ہو گیا جس کے تحت پہلے کسی کا حلیف بننے یا بھائی چارہ قائم ہو جانے سے بھی وہ ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کا کہنا ہے کہ مہاجرین اور انصار بغیر کسی قرابتداری کے محض اس مواخات کی بناء پر ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے جو حضور ﷺ نے ان کے درمیان قائم کی تھی۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ خاص ہم مہاجرین اور انصار کے متعلق نازل ہوا۔ جب ہم ہجرت کر کے مدینہ آئے تو ہمارے پاس کچھ نہ تھا۔ یہاں انصار ہمارے بہترین بھائی ثابت ہوئے۔ ہم ایک دوسرے کے بھائی بھی تھے اور ایک دوسرے کے وارث بھی بنتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فلاں کے بھائی بنے۔ حضرت

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الاحزاب، جلد 6 صفحہ 145، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 335-334

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والامارۃ والفئ، جلد 3 صفحہ 137، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 296

3۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 122، روح المعانی، جلد 21 صفحہ 152، تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 507

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 3، سنن نسائی، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 38 وغیرہ

عثمان رضی اللہ عنہ اور بنی زریق کے ایک شخص کے درمیان بھائی چارہ قائم ہوا۔ میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا بھائی بنا۔ یہ سخت زخمی ہوئے۔ اگر اس وقت ان کا انتقال ہو جاتا تو میرے سوا کوئی ان کا وارث نہ بنتا۔ یہاں تک کہ یہ آیت ہم مہاجرین اور انصار کے بارے میں نازل ہوئی اور ہم پر بھی میراث کا عام قانون لاگو ہو گیا(1)۔ پھر فرمایا: اَنْ تَفْعَلُوْٓا یعنی ان کیلئے میراث کا استحقاق تو ختم ہو گیا، البتہ ان کے ساتھ نیکی، حسن سلوک، نصرت اور احسان وصیت کے ذریعے ممکن ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: کَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا یعنی یہ حکم کہ قرابتدار ایک دوسرے کے مستحق ہیں، پہلے سے ہی لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا تھا جس میں ردوبدل ممکن نہیں اگرچہ ایک محدود مدت کے لئے ایک خاص حکمت کے پیش نظر اس کے خلاف وراثت کا حکم نافذ کیے رکھا لیکن اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ اس عبوری قانون کو منسوخ کر کے وہی اصلی قانون لاگو کر دے گا جو پہلے سے مقدر تھا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ لِّيَسْــَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

”اور (اے حبیب!) یاد کرو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے بھی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے بھی، اور ہم نے ان سب سے پختہ عہد لیا تھا۔ یہ کہ (آپ کا رب) پوچھے سچوں سے ان کے سچ کے متعلق۔ اور اس نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لئے دردناک عذاب“۔

بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پانچ اولوالعزم رسولوں اور دوسرے انبیاء سے یہ پختہ عہد لیا کہ وہ اس کے دین کو قائم کریں گے، اس کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں گے، ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں گے اور اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کریں گے جیسا کہ فرمایا: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ - وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ(آل عمران: 81)” اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے پختہ وعدہ لیا کہ قسم ہے تمہیں اس کی جو میں تمہیں کتاب و حکمت سے عطا کروں پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لے آئے جو تصدیق کرنے والا ہو ان (کتابوں) کی جو تمہارے پاس ہیں تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لے لیا؟ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کر دیا۔ فرمایا تو گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں“۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں خاص کا عام پر عطف کرتے ہوئے پہلے سب انبیاء کا ذکر کیا پھر نام لے کر پانچ اولوالعزم پیغمبروں کا۔ اسی طرح ان کے نام اس آیت میں بھی مذکور ہیں: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (الشوریٰ: 13)” اس نے تمہارے لئے وہ دین مقرر کیا ہے جس کا اس نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا اور جسے ہم نے بذریعہ وحی آپ کی طرف بھیجا اور جس کا ہم نے ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا اور اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا“۔ اس آیت میں پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہوا، پھر درمیان میں حضور فاتح و خاتم ﷺ کا اور پھر ان رسولوں کا جو بالترتیب ان دونوں ہستیوں کے درمیان مبعوث ہوئے لیکن مذکورہ بالا آیت میں سب سے پہلے حضور خاتم النبیین کا ذکر ہوا کیونکہ آپ ﷺ سب سے افضل اور اشرف ہیں پھر ترتیب زمنی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے باقی پیغمبروں کا ذکر کیا جو یکے بعد دیگرے

(1) مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 4 صفحہ 344-345، تفسیر قرطبی، جلد 14 صفحہ 124

مبعوث ہوئے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی وضاحت میں فرمایا: "میں پیدائش میں سب انبیاء سے اول ہوں اور بعثت میں سب سے آخر، پس مجھی سے ابتداء کی ہے"(1)۔ اس کا راوی سعید بن بشیر ضعیف ہے۔ بعض نے قتادہ سے اسے مرسلاً اور بعض نے موقوفاً روایت کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اولادِ آدم میں سب سے افضل پانچ ہیں: نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد علیہم السلام اور ان میں سے سب سے افضل حضرت محمد ﷺ ہیں(2)۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میثاق سے مراد وہ عہد و پیمان ہے جو اللہ تعالیٰ نے روزِ ازل اس وقت ان سے لیا تھا جب اس نے آدم علیہ السلام کی پشت سے تمام ذریت کو نکالا تھا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو بلند کیا گیا آپ نے اپنی اولاد کو دیکھا تو اس میں کوئی غریب تھا، کوئی امیر، کوئی خوبصورت اور کوئی اور طرح تھا، یہ دیکھ کر عرض کی: اے میرے پروردگار! کیا ہی اچھا ہوتا اگر تو میری تمام اولاد کو یکساں بنا دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اس لئے ہے تاکہ میرا شکر ادا کیا جائے۔ آپ نے ان میں انبیاء کو بھی دیکھا جو چراغوں کی طرح روشن تھے۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کے متعلق دوسرا خصوصی عہد و پیمان لیا جس کا ذکر اس آیت وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ میں ہوا ہے(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پختہ عہد کو میثاق کہتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ۔ یعنی جو رسولوں کا پیغام پہنچانے والے تھے، ان سے فریضہ تبلیغ کے متعلق سوال ہو اور ان کی امتوں میں سے کفر کرنے والوں کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تمام پیغمبروں نے حق تبلیغ ادا کر دیا، انہوں نے اپنی امتوں کی خیر خواہی کی اور اس واضح حق کو بیان کر دیا جس میں نہ کوئی شک ہے اور نہ کوئی التباس، اگرچہ جاہل سرکش ظالم اور کافر لوگ انہیں جھٹلاتے رہے۔ جو پیغمبر لے کر آئے وہی حق ہے اور جس نے ان کی مخالفت کی، وہ گمراہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝

"اے ایمان والو! یاد کرو اللہ تعالیٰ کے احسان کو جو اس نے تم پر کیا۔ جب (حملہ آور ہو کر) آ گئے تھے تم پر (کفار کے) لشکر۔ پس ہم نے بھیج دی ان پر آندھی اور ایسی فوجیں جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے تھے خوب دیکھ رہا تھا۔ جب انہوں نے حملہ بول دیا تھا تم پر اوپر کی طرف سے بھی اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی اور جب مارے دہشت کے آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگ گئے"۔

یہاں اس عنایت اور فضل و احسان کا ذکر ہو رہا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غزوۂ خندق کے سال سرفراز فرمایا تھا جب کفر و شرک کی طاقتیں اکٹھی ہو کر مسلمانوں کے خلاف صف آرا تھیں اور مدینہ شریف کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے پر تلی ہوئی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے کفر و شرک کے ان سرغنوں کا رخ موڑ دیا اور انہیں شرمناک ہزیمت سے دوچار کیا۔ صحیح اور مشہور یہی ہے کہ غزوۂ خندق شوال 5ھ میں ہوا۔ موسیٰ بن عقبہ وغیرہ کا کہنا ہے کہ یہ غزوہ 4ھ میں پیش آیا(4)۔ اس غزوہ کا پس منظر اور سبب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود کے قبیلے

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 570، دلائل النبوۃ از ابی نعیم، 11-12
2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب علامات النبوۃ، جلد 3، صفحہ 114
3۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 135، تفسیر طبری، جلد 9، صفحہ 115
4۔ دیکھئے دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 3، صفحہ 292-297، البدایہ والنہایہ، جلد 4، صفحہ 95

بنی نضیر کو ان کی عہد شکنی کے باعث مدینہ سے خیبر جلا وطن کر دیا جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں اسلام سے عداوت کے شعلے اور شدت سے بھڑ کنے لگے، ان کے کچھ سرکردہ لوگ جن میں سلام بن ابی الحقیق، سلام بن مشکم اور کنانہ بن ربیع شامل تھے، مکہ پہنچے اور قریش کو نبی کریم ﷺ کے خلاف جنگ پر اکسانا شروع کر دیا اور انہیں ہر طرح کے تعاون اور امداد کا یقین دلایا۔ قریش نے ان کا ساتھ دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ یہاں سے وہ بنی غطفان کے پاس پہنچے اور ساز باز کر کے انہیں بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ چنانچہ قریش اور بنو غطفان تقریباً دس ہزار کا لشکر جرار لے کر نکلے قریش کا قائد ابوسفیان صخر بن حرب تھا اور غطفان کا عیینہ بن حصن بن بدر۔ جب رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ ایک لشکر جرار مدینہ پر دھاوا بولنے کے لئے آ رہا ہے تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے اس لشکر کی یلغار کو روکنے کے لئے مدینہ شریف کے اردگرد مشرق کی جانب خندق کھودنے کا حکم دیا جس میں تمام مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ رسول اللہ ﷺ بذات خود خندق کھودنے اور مٹی اٹھا اٹھا کر باہر پھینکنے میں مصروف تھے۔ اس نازک موقعہ پر بھی کئی معجزات اور دلائل کا ظہور رہا۔ مشرکین بغیر کسی مزاحمت کا سامنا کئے مدینہ شریف پہنچ گئے اور احد پہاڑ کے قریب مدینہ طیبہ کی مشرقی جانب پڑاؤ ڈال دیا اور ان کا ایک دستہ شہر کی بالائی جانب خیمہ زن ہو گیا جیسا کہ فرمایا: اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ۔ رسول اللہ ﷺ تقریباً تین ہزار اور بقول بعض صرف سات سو جانثاروں کی جمعیت کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنے کیلئے نکلے۔ کوہ سلع کو پشت کی طرف رکھ کر اور دشمنوں کی طرف متوجہ ہو کر آپ ﷺ نے اپنے لشکر کی صف بندی کی۔ دشمن کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے خندق حائل تھی جس میں پانی نہیں چھوڑا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو مدینہ کے ایک محلے میں جمع کر دیا۔ یہود کا ایک قبیلہ بنو قریظہ مدینہ شریف میں آباد تھا، مشرقی جانب ان کا مضبوط قلعہ تھا۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ان کا دوستی کا معاہدہ تھا۔ ان میں تقریباً آٹھ سو جنگجو تھے۔ ایک دن موقعہ پا کر بنو نضیر کا رئیس حیی بن اخطب ان کے پاس گیا اور انہیں سبز باغ دکھا کر عہد شکنی پر اکساتا رہا یہاں تک کہ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ توڑ دیا اور طاغوتی لشکروں کا ساتھ دینے کی حامی بھر لی۔ چنانچہ اب حالات مزید نازک ہو گئے، پریشانی حد سے بڑھ گئی اور معاملہ سنگین ہو گیا جیسا کہ فرمایا: هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا (الاحزاب: 11) '' اس موقعہ پر ایمان والوں کو خوب آزمایا گیا اور وہ خوب سختی سے جھنجھوڑے گئے''۔ کفار نے تقریباً ایک ماہ تک محاصرہ کئے رکھا لیکن انہیں حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور نہ ہی دونوں لشکروں میں دست بدست لڑائی ہوئی البتہ ایک دن عرب کا مشہور شہسوار اور جنگجو عمرو بن عبدود عامری اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہو کر خندق کے پار کود گئے۔ مسلمانوں کی طرف جا کر اس نے دعوت مبارزت دی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے شہسواروں کو اس کا مقابلہ کرنے کی ترغیب دلائی لیکن کسی کو تیار نہ پا کر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ دونوں میں پنجہ آزمائی شروع ہو گئی اور دونوں پے در پے حملے کرنے کے لئے ایک دوسرے پر جھپٹتے رہے بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے مدمقابل کو زیر کر کے قتل کر دیا۔ یہ مسلمانوں کے لئے فتح و نصرت کی علامت تھی پھر اللہ تعالیٰ نے کفر و شرک کے ان جتھوں پر سخت آندھی بھیجی جس سے ان کے خیمے اکھڑ گئے، ہر چیز الٹ پلٹ گئی، نہ آگ روشن ہوتی تھی اور نہ انہیں قرار نصیب تھا یہاں تک کہ سراسیمگی اور بدحواسی کے عالم میں وہ نامراد ہو کر واپس فرار ہو گئے جیسا کہ فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہاں جس ہوا کا ذکر ہے اس کا نام صبا (پروائی ہوا) ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے: '' مجھے صبا سے مدد دی گئی ہے اور قوم عاد کو دبور (پچھوائی ہوا) سے ہلاک کیا گیا'' (1)۔ حضرت

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاستسقاء، جلد 2 صفحہ 40، صحیح مسلم، جلد 20 صفحہ 617

عکرمہ فرماتے ہیں کہ جنوبی ہوا نے غزوہ احزاب کی رات شمالی ہوا سے کہا کہ آؤ، ہم رسول اللہ ﷺ کی مدد کریں تو شمالی ہوا نے کہا کہ گرم ہوا رات کو نہیں چلا کرتی۔ پھر ان پر صبا ہوا بھیجی گئی(1)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے میرے ماموں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے خندق کی رات سخت سردی اور تیز آندھی میں مدینہ شریف بھیجا اور کھانا اور لحاف لانے کے لئے کہا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے مجھے اجازت دے دی اور فرمایا: ''میرے جو صحابی تمہیں ملیں انہیں کہہ دینا کہ میرے پاس واپس لوٹ آئیں۔ اب میں وہاں سے چل پڑا۔ آندھی اس قدر شدید تھی کہ ہر چیز کو اڑائے لئے جارہی تھی۔ جو بھی مسلمان مجھے ملتا، میں نبی کریم ﷺ کا پیغام اس تک پہنچا دیتا۔ پیغام ملتے ہی ہر ایک حضور ﷺ کی طرف پلٹا اور کسی نے بھی روگردانی نہ کی۔ میرے پاس ڈھال تھی، اسے ہوا کے ایسے زوردار تھپیڑے پڑتے کہ وہ شدت سے مجھ پر لگتی۔ اس قیامت خیز طوفان میں میری ڈھال میں سے کچھ لوہا میرے ہاتھ پر گر پڑا جسے میں نے زمین پر پھینک دیا(2)۔ فرمایا: وَجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا اس سے مراد فرشتے ہیں جنہوں نے کفار و مشرکین کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور ان کے دلوں پر رعب اور خوف وہراس طاری کر دیا۔ اس رعب اور خوف کی وجہ سے ہر سردار اپنے ماتحتوں سے کہہ رہا تھا کہ میرے پاس آؤ اور نجات کی کوئی تدبیر کرو۔ کوفے کے ایک نوجوان نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے ابوعبداللہ! تم لوگ بہت خوش نصیب ہو کہ تم نے نبی کریم ﷺ کی زیارت کی اور تمہیں آپ کی صحبت نصیب ہوئی۔ یہ فرمایئے کہ تم لوگ کیا کرتے تھے؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہم جانثاری کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔ نوجوان کہنے لگا کہ اگر ہمیں حضور ﷺ کا زمانہ نصیب ہوتا تو ہم آپ کو زمین پر نہ چلنے دیتے بلکہ ہم آپ ﷺ کو اپنی گردنوں پر اٹھاتے۔ یہ سن کر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! اگر غزوۂ خندق کے موقعہ پر تم ہمیں دیکھ لیتے تو پھر تمہیں ہماری جانثاری اور فدائیت کا اندازہ ہوتا۔ آپ ﷺ رات کا کچھ حصہ نماز پڑھتے رہے پھر آپ نے صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''تم میں سے کون ہے جو جا کر لشکر کفار کی خبر لائے گا، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔'' نبی کریم ﷺ نے یہ شرط لگا کر اطمینان بھی دلا دیا کہ وہ ضرور واپس آئے گا۔ لیکن کوئی شخص کھڑا نہ ہوا۔ پھر آپ کچھ دیر کے لئے نماز میں مصروف ہو گئے۔ فراغت کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے اور پھر وہی بات فرمائی لیکن پھر بھی کوئی شخص کھڑا نہ ہوا۔ اس کے بعد پھر آپ کافی دیر نماز پڑھنے کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''کون شخص ہے جو لشکر کفار کے حالات کا جائزہ لے کر پھر واپس لوٹ آئے''۔ حضور ﷺ نے اس کے لئے صحیح سالم واپس لوٹ آنے کی شرط لگائی۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ جنت میں میرا رفیق ہو''۔ خوف، بھوک اور سردی کی شدت کے باعث کوئی بھی جانے کے لئے آمادہ نہ ہوا۔ آخرکار حضور ﷺ نے مجھے بلایا۔ اب آپ کے حکم پر لبیک کہنے کے سوا میرے لئے کوئی چارہ نہ تھا۔ میں حاضر خدمت ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے حذیفہ! جاؤ اور لشکر کفار میں گھس کر دیکھو کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ میرے پاس واپس آنے تک کوئی نیا کام نہ کرنا''۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے تعمیل ارشاد کی اور کفار کے لشکر میں داخل ہو گیا۔ وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آندھی اور خدائی لشکر ان کا برا حشر کر رہے ہیں، خیمے اکھڑ رہے ہیں، دیگیں الٹ رہی ہیں، آگ جلتی نہیں جس کی وجہ سے وہ سخت بے قرار اور سراسیمہ ہیں۔ اس وقت ابوسفیان قریش سے کہنے لگا کہ تم میں سے ہر ایک کڑی نظر رکھے ایسا نہ ہو کہ کوئی اجنبی تم میں گھس آئے۔ میں نے فوراً اپنے ساتھ والے قریشی کا ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے بتایا کہ میں فلاں بن فلاں ہوں۔ ابوسفیان مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اب یہاں قیام ممکن نہیں، گھوڑے، اونٹ اور دوسرے جانور

1۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 127

2۔ معجم کبیر، جلد 12 صفحہ 368-369، مجمع الزوائد، جلد 6 صفحہ 135

ہلاک ہو رہے ہیں، بنو قریظہ نے ہمارے ساتھ بدعہدی کی اور ان کی طرف سے ہمیں بہت تکلیف پہنچی، آندھی قیامت ڈھا رہی ہے، ہماری ہانڈیاں الٹ رہی ہیں، آگ جلتی نہیں اور نہ کوئی خیمہ سلامت ہے۔ اس لئے اب عافیت اسی میں ہے کہ یہاں سے کوچ کر جاؤ، میں تو جا رہا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے بدحواسی کے عالم میں اپنے اونٹ کو ایڑ لگا کر اٹھانا چاہا لیکن اسے معلوم ہی نہ تھا کہ اس کا ایک پاؤں رسی کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ اس پر بیٹھ کر اس نے اسے مارا تو وہ تین پاؤں پر ہی کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے اس کا پاؤں کھولا۔ اگر رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم نہ ہوتا کہ کوئی نیا کام نہ کرنا تو ابوسفیان کو قتل کرنے کا اب سنہری موقع تھا۔ اگر میں چاہتا تو تیر چلا کر اس کا کام تمام کر دیتا۔ میں واپس لوٹا تو رسول اللہ ﷺ اپنی کسی زوجہ محترمہ کی منقش چادر اوڑھے نماز پڑھ رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر آپ ﷺ نے مجھے اپنے قدموں میں بٹھا لیا اور چادر کا ایک کونہ مجھ پر ڈال دیا۔ اسی حالت میں آپ ﷺ نے رکوع و سجود کیا۔ جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو میں نے تازہ صورت حال سے آپ کو آگاہ کر دیا۔ جب قبیلہ غطفان کو قریش کے ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے بھی واپسی کی راہ لی (1)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کو پا لیتا تو آپ کے ساتھ مل کر جہاد کرتا اور خوب داد شجاعت دیتا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تم واقعی ایسا کرتے؟ سنو، غزوۂ احزاب کی رات بلا کی سردی پڑ رہی تھی اور تند و تیز آندھی چل رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا کوئی ایسا مرد ہے جو قوم کفار کی خبر لائے، وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہو گا۔ آپ ﷺ نے تین بار ایسا فرمایا لیکن ہم میں سے کوئی تیار نہ ہوا پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے حذیفہ! اٹھو اور قوم کے حالات معلوم کر کے ہمیں آگاہ کرو۔ جب آپ نے میرا نام لے کر مجھے بلایا تو پھر اٹھنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قوم کی خبر لاؤ اور کوئی ایسی حرکت نہ کرنا جس کے باعث وہ میرے خلاف بھڑک اٹھیں۔ چنانچہ میں ادھر چل نکلا مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ گویا میں گرم حمام میں ہوں۔ وہاں جا کر دیکھا کہ ابوسفیان آگ تاپ رہا ہے۔ میں نے تیر کمان پر چڑھایا اور ابھی تیر چلانے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ مجھے آپ ﷺ کا فرمان یاد آ گیا۔ اس وقت ابوسفیان بالکل زد میں تھا۔ اگر میں تیر چلا دیتا تو ضرور اسے لگتا۔ میں واپس لوٹا تو اس وقت بھی سردی نام کی کوئی چیز مجھے محسوس نہیں ہو رہی تھی بلکہ میں تو یہ خیال کر رہا تھا گویا میں گرم حمام میں ہوں۔ جب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا تو پھر مجھے سردی نے آ لیا۔ آپ ﷺ نے مجھے اپنی اس چادر کا کچھ حصہ اوڑھا دیا جس میں آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ صبح تک میں اسی طرح سویا رہا۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا: ''قُمْ یَا نَوْمَانُ'' (2) کہ اے زیادہ سونے والے اٹھو۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ آپ لوگوں کو حضور ﷺ کی صحبت میسر رہی لیکن ہم اس سے محروم رہے، آپ لوگ حضور ﷺ کا دیدار کرتے رہے لیکن ہم آپ کا دیدار نہ کر سکے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں تمہارے اس پختہ ایمان پر رشک آتا ہے کہ حضور ﷺ کی زیارت کے بغیر تمہارا عقیدہ اس قدر پختہ ہے۔ اے میرے بھتیجے! تمہیں نہیں معلوم کہ اگر تم حضور ﷺ کے زمانہ کو پاتے تو کیا کرتے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے مندرجہ بالا خندق کی رات والا واقعہ بیان کیا (3)۔ ایک مرتبہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان غزوات کا تذکرہ کیا جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کی معیت میں جاں سپاری کا مظاہرہ کیا تو آپ کے ساتھی کہنے لگے کہ اگر ہم اس وقت موجود ہوتے تو بہادری اور جوانمردی کے جوہر دکھاتے اس پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اہل مجلس سے فرمانے لگے کہ ایسی تمنا نہ کرو۔ غزوہ

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 392-393، سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 231-232

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 1414-1415، مستدرک حاکم، کتاب المغازی، جلد 3 صفحہ 31 — 3۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 3 صفحہ 454-455

احزاب کی رات ہم صف آرا تھے ابوسفیان اور اس کے ساتھ لشکر بالائی جانب خیمے ڈالے ہوئے تھے اور بنو قریظہ ہماری زیریں جانب گھات لگائے بیٹھے تھے اوران کی طرف سے ہماری عورتوں اور بچوں پر ہر وقت یلغار کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ رات اس قدر تاریک تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا اور اس قدر زناٹے کی آندھی چل رہی تھی گویا بجلی کڑک رہی ہے۔ اس طرح کی سخت بھیانک، تاریک اور وحشت ناک رات ہم نے نہیں دیکھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ منافقین حضور ﷺ سے اجازت طلب کرتے ہوئے اور یہ بہانا بناتے ہوئے ہمارے حوصلے پست کر رہے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے۔ ان میں سے جس نے بھی حضور ﷺ سے گھر جانے کی اجازت چاہی، آپ نے اسے اجازت دے دی۔ وہ ایک ایک کر کے کھسکنے لگے یہاں تک کہ ہم تقریباً تین سو جانثار باقی رہ گئے۔ حضور ﷺ ہم میں سے ہر ایک کا جائزہ لیتے ہوئے میرے پاس تشریف لائے۔ میرے پاس دشمن سے محفوظ رہنے کے لئے نہ ڈھال تھی اور نہ ہی سردی سے بچاؤ کے لئے کوئی کپڑا تھا سوائے میری بیوی کی چادر کے جو بمشکل میرے گھٹنوں تک پہنچتی تھی۔ جب آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں اپنے گھٹنوں میں سر ڈالے دبکا بیٹھا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کون ہے؟ میں نے عرض کی: حذیفہ۔ فرمایا: حذیفہ۔ یہ سن کر زمین مجھ پر تنگ ہوگئی کہ کہیں مجھے اٹھنا نہ پڑے۔ آخر کار ہمت کر کے اٹھ کھڑا ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: ”قوم کفار میں ایک نئی بات رونما ہونے والی ہے، جاؤ ان کی خبر لاؤ“۔ اس وقت مجھ سے زیادہ وحشت زدہ اور سردی میں کپکپاتا ہوا کوئی شخص نہ ہوگا لیکن جونہی حضور ﷺ کا حکم ہوا، میں نکل کھڑا ہوا۔ اس وقت آپ ﷺ نے میرے لئے یہ دعا فرمائی: ”اے اللہ! اس کے آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے، بائیں سے، اوپر سے اور نیچے سے اس کی حفاظت فرما“۔ یہ دعا کرنے کی دیر تھی کہ میرے دل سے خوف وہراس بھی جاتا رہا اور سردی بھی زائل ہوگئی۔ جب میں ادھر روانہ ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے آواز دے کر فرمایا: ”اے حذیفہ! میرے پاس واپس آنے تک وہاں کوئی نئی بات نہ کرنا“۔ میں جب دشمن کے لشکر کے قریب پہنچا تو وہاں جلنے والی آگ کی روشنی میں میں نے ایک شخص کو دیکھا، سیاہی مائل بھاری بھرکم جسم والا، وہ آگ تاپ رہا تھا اور اپنے ساتھیوں کو کوچ کرنے اکسا رہا تھا۔ اس سے پہلے میں ابوسفیان کو نہیں جانتا تھا۔ میں نے اپنے ترکش سے تیر نکالا اور کمان میں رکھ کر چلانا چاہا لیکن اسی وقت مجھے حضور ﷺ کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ وہاں کوئی نئی بات نہ کرنا۔ میں نے اپنا ارادہ بدل دیا اور تیر واپس ترکش میں لوٹا دیا، پھر میں حوصلہ کر کے لشکر کے اندر گھس گیا، بنو عامر سب سے زیادہ میرے قریب تھے۔ وہ کہہ رہے تھے: اے آل عامر! کوچ، کوچ، اب یہاں ٹھہرنا تمہارے لئے ممکن نہیں۔ میں نے ایک تعجب خیز معاملہ ملاحظہ کیا کہ آندھی صرف ان کے لشکر کے اندر چل رہی تھی اور ایک بالشت بھر بھی اس سے باہر نہ تھی۔ پتھر اڑ اڑ کر ان کے خیموں اور بستروں کو اپنی زد میں لے رہے تھے، سخت آندھی کے تھپیڑے لگ لگ کر ان کا برا حال کر رہے تھے، پھر وہاں سے نکل کر جب میں نبی کریم ﷺ کی طرف روانہ ہوا تو رستہ میں مجھے تقریباً بیس شہسوار ملے جو عمامے باندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو خبر دے دینا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفایت کر دی اور آپ کے دشمنوں کو ہزیمت سے دوچار کر دیا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس آیا تو آپ اس وقت چادر اوڑھے نماز پڑھ رہے تھے۔ جونہی میں واپس پہنچا، سردی نے دوبارہ مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور میں کانپنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے دوران نماز اپنے ہاتھ سے میری طرف اشارہ کیا۔ میں آپ کے قریب ہوا تو آپ ﷺ نے اپنی کچھ چادر مجھے اوڑھا دی۔ آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب بھی آپ کو کوئی مشکل درپیش ہوتی، آپ نماز میں مشغول ہو جاتے۔ میں نے آپ کو کفار کے متعلق بتا دیا کہ وہ کوچ کی تیاری کر رہے ہیں۔ اس وقت یہ آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ ۔ نازل

ہوئی(1)۔ فرمایا: اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ یعنی جب تمہاری بالائی جانب سے کفر و شرک کے ان لشکروں نے حلہ بول دیا اور تمہاری زیریں جانب سے بنو قریظہ نے اور شدت خوف سے تمہاری آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجے منہ کو آنے لگے اور تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ بعض وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، کہہ رہے تھے کہ اس بار کفار کو مومنوں پر غلبہ حاصل ہوگا۔ منافقین طرح طرح کی ہوائیاں اڑا کر سراسیمگی پھیلا رہے تھے یہاں تک کہ ان کا ایک سرغنہ معتب بن قشیر یہ ہرزہ سرائی کر رہا تھا کہ محمد (ﷺ) ہمارے ساتھ تو یہ وعدہ کر رہے تھے کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانوں کے مالک بنیں گے لیکن اب یہ حالت ہے کہ ہمارے لئے قضائے حاجت کو جانا دوبھر ہو رہا ہے(2)۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ یہ مختلف گمان کرنے والے مختلف لوگ تھے۔ منافقوں کا گمان تھا کہ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کا (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ) خاتمہ ہو جائے گا لیکن مومنوں کو پختہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا کیا ہوا وعدہ برحق ہے اور اللہ تعالیٰ ضرور دین اسلام کو غلبہ عطا فرمائے گا اگرچہ مشرکین کو یہ ناگوار گزرے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس خوف و ہراس کے عالم میں جب کلیجے منہ کو آ رہے تھے، ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں گھبراہٹ سے بچاؤ کے لئے کوئی دعا تلقین فرمائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دعا مانگو: "اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَ اٰمِنْ رَوْعَاتِنَا" یعنی اے اللہ! ہماری پردہ پوشی فرما اور ہمارے خوف کو امن میں بدل دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کے ذریعے انہیں شرمناک ہزیمت سے دوچار کر دیا(3)۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ وَ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ وَ اِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَ يَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ وَ مَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝

"اس موقع پر خوب آزمایا گیا ایمان والوں کو اور وہ خوب سختی سے جھنجھوڑے گئے۔ اور اس وقت کہنے لگے تھے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا۔ کہ نہیں وعدہ کیا تھا ہم سے (فتح کا) اللہ اور اس کے رسول نے مگر صرف دھوکہ دینے کے لئے۔ اور یاد کرو جب کہتی پھرتی تھی ان میں سے ایک جماعت کہ اے یثرب والو! تمہارے لئے اب یہاں ٹھہرنا ممکن نہیں (جان عزیز ہے) تو لوٹ چلو (اپنے گھروں کو) اور اجازت مانگنے لگا ان میں سے ایک گروہ نبی کریم ﷺ سے یہ کہہ کر (حضور) ہمارے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے (اس بہار سازی سے) ان کا ارادہ محض (میدان جنگ سے) فرار تھا"۔

اس سنگین صورتحال کا ذکر ہو رہا ہے جس سے مسلمان غزوۂ احزاب کے موقع پر دوچار ہوئے۔ ہر طرف سے دشمن نے دھاوا بول دیا تھا، مسلمان سخت تنگی کی حالت میں محصور تھے، سخت آزمائش کا سامنا تھا، انہیں سختی سے جھنجھوڑا گیا۔ اس نازک گھڑی میں منافقین کا نفاق کھل کر سامنے آ گیا۔ وہ اور دوسرے وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کا روگ تھا کہنے لگے: مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ ۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول نے محض دھوکہ دینے کے لئے ہمارے ساتھ فتح کا وعدہ کیا۔ اس طرح نہ صرف منافقین کے نفاق سے پردہ اٹھ گیا بلکہ وہ لوگ جو اپنے ایمان کی کمزوری اور حالات کی سنگینی کے باعث اسلام کے متعلق کسی شبہ کا شکار تھے یا اسلام کے متعلق بغض و عناد رکھتے تھے، وہ بھی اب برملا اپنے

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، کتاب المغازی، جلد 3 صفحہ 451-453، البدایہ والنہایہ، جلد 4 صفحہ 116

2۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 131، سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 222 3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 3، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 573، تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 137

دل میں پیدا ہونے والے خدشات اور وسوسوں کا اظہار کرنے لگے۔ ان میں ایک اور گروہ تھا جو اہل مدینہ کو نصیحت کرتے ہوئے کہہ رہا تھا: یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ ... یثرب سے مراد مدینہ ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے: "مجھے خواب میں تمہاری ہجرت گاہ دکھائی گئی ہے جو دو سنگلاخ میدانوں کے درمیان ہے، پہلے تو مجھے یہ خیال گزرا کہ یہ ہجر ہے لیکن پھر معلوم ہوا کہ یہ جگہ یثرب ہے" (1)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ وہ جگہ مدینہ طیبہ ہے۔ جہاں تک مسند احمد کی اس حدیث کا تعلق ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مدینہ کو یثرب کہا، وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے، یہ تو طابہ ہے طابہ (2)۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عمالیق کا ایک شخص یثرب بن عبیل بن مہلاییل بن عوض بن عملاق بن لاوذ بن ارم بن سام بن نوح یہاں آکر ٹھہرا، اس کے نام پر اس کا نام یثرب پڑ گیا۔ مروی ہے کہ تورات میں اس شہر کے گیارہ نام مندرج ہیں: مدینہ، طابہ، طیبہ، مسکینہ، جابرہ، محبہ، محبوبہ، قاصمہ، مجبورہ، عذراء اور مرحومہ (3)۔ حضرت کعب الاحبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تورات میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ شریف سے فرمایا: اے طیبہ، اے طابہ، اے مسکینہ! خزانوں میں مبتلا نہ ہو، میں تمام بستیوں پر تیرا مقام بلند کروں گا (4)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان لَا مُقَامَ لَكُمْ کا مطلب یہ ہے کہ یہاں نبی کریم ﷺ کے پاس میدان جنگ میں تمہارے لئے ٹھہرنا ممکن نہیں اس لئے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس فرمان وَ یَسْتَاْذِنُ فَرِیْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِیَّ میں جس گروہ کے اجازت طلب کرنے کا ذکر ہے اس سے مراد بنو حارثہ ہیں جنہوں نے کہا تھا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں اور وہاں ہمیں چوری کا شدید خطرہ ہے (5)۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ بہانہ تراشنے والا اوس بن قیظی تھا (6)۔ بہرصورت ان لوگوں نے واپس لوٹنے کی خاطر یہ عذر پیش کیا کہ ہمارے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں اور دشمن کی یلغار سے بچاؤ کرنے کے لئے وہاں کوئی نگہبان نہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا هِیَ بِعَوْرَةٍ یعنی ان کے گھر بالکل غیر محفوظ نہیں جیسا کہ ان کا گمان ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ یہ نامرد جنگ سے بھاگ رہے ہیں۔

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَیْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُىِٕلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَاۤ اِلَّا یَسِیْرًا ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا یُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ یَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ﴿۱۷﴾

"اور اگر گھس آتے (کفار کے لشکر) ان پر مدینہ کے اطراف سے پھر ان سے درخواست کی جاتی فتنہ انگیزی میں شرکت کی تو فوراً اسے قبول کر لیتے اور توقف نہ کرتے اس میں مگر بہت کم۔ حالانکہ یہی لوگ پہلے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کر چکے تھے کہ وہ پیٹھ نہیں پھیریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا جاتا ہے اس کے متعلق ضرور باز پرس کی جاتی ہے۔ فرما دیجئے (اے جھگوڑو)

1۔ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، جلد 4 صفحہ 347، صحیح مسلم، کتاب الرؤیا، جلد 4 صفحہ 1779

2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 285، مسند ابی یعلیٰ، جلد 2 صفحہ 90، مجمع الزوائد، جلد 3 صفحہ 300

3۔ الروض الانف، جلد 2 صفحہ 16، التعریف والاعلام للسہیلی: 102، تفسیر قرطبی، جلد 14 صفحہ 148

4۔ الروض الانف، جلد 2 صفحہ 16 5۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 135 6۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 136

تمہیں نفع نہیں دے گا بھاگنا اگر تم بھاگنا چاہتے ہو موت سے یا قتل سے اور (اگر بھاگ کر تم نے جان بچا بھی لی) تو تم لطف اندوز نہ ہو سکو گے مگر تھوڑی مدت۔ فرمایئے کون بچا سکتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ سے اگر وہ تمہیں عذاب دینے کا ارادہ کر لے یا اگر وہ تم پر رحمت فرمانا چاہے۔ اور نہیں پائیں گے وہ لوگ اپنے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار"۔

ان لوگوں کے متعلق بتایا جا رہا ہے جنہوں نے یہ عذر لنگ پیش کر کے میدان جہاد سے راہ فرار اختیار کی تھی کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، ان کی نسبت فرمایا کہ اگر ان پر مدینہ کی ہر جانب سے دشمن ٹوٹ پڑیں، پھر ان سے فتنہ انگیزی یعنی کفر میں داخل ہو جانے کی درخواست کی جائے تو یہ بلا تامل کفر کو قبول کر لیں گے۔ ان کی حالت یہ ہے کہ معمولی سے خوف کے باعث یہ ایمان کے دامن کو چھوڑنے پر تیار ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں وہ عہد یاد کروا رہا ہے جو انہوں نے اس آزمائش سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا تھا کہ وہ کسی صورت میں بھی میدان جہاد سے پیٹھ پھیر کر نہیں بھاگیں گے، اللہ تعالیٰ اس عہد کے متعلق ان سے ضرور باز پرس فرمائے گا۔ اس کے بعد انہیں صاف صاف بتا دیا کہ ان کا جہاد سے فرار اختیار کرنا نہ انہیں موت سے بچا سکتا ہے اور نہ ان کی عمروں کے طویل ہونے کا سبب بن سکتا ہے بلکہ بہت ممکن ہے کہ یہ اچانک پکڑ کا سبب بن جائے، اس لئے فرمایا: وَ اِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا یعنی اگر تم قتل سے بچ بھی گئے تو بھی تم بہت کم عرصہ لطف اندوز ہو گے۔ متاع دنیا بہت قلیل ہے اور اہل تقویٰ کے لئے آخرت ہی بہتر ہے۔ پھر فرمایا: قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ - یعنی نہ ان کے لئے اور نہ دوسروں کے لئے کوئی ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ سے پناہ دے سکے اور مدد کر سکے۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَ الْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَ لَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚۖ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۚ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۚ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾

"اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاد سے روکنے والوں کو تم میں سے اور انہیں جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں (اسلامی کیمپ چھوڑ کر) ہماری طرف آ جاؤ اور خود بھی جنگ میں شرکت نہیں کرتے مگر برائے نام۔ پرلے درجے کے کنجوس ہیں تمہارے معاملہ میں۔ پھر جب خوف (و دہشت) چھا جائے تو آپ انہیں ملاحظہ فرمائیں گے کہ وہ آپ کی طرف یوں دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرا رہی ہوتی ہیں اس شخص کی مانند جس پر موت کی غشی طاری ہو۔ پھر جب خوف دور ہو جائے تو تمہیں سخت اذیت پہنچاتے ہیں اپنی تیز زبانوں سے، بڑے حریص ہیں مال غنیمت کے حصول میں۔ (درحقیقت) یہ لوگ ایمان ہی نہیں لے آئے۔ پس اللہ نے ضائع کر دیئے ہیں ان کے اعمال۔ اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے بالکل آسان ہے"۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے متعلق اپنے علم محیط کی خبر دے رہا ہے جو دوسروں کو جہاد سے منع کرتے ہیں اور اپنے دوست احباب کو آرام دہ زندگی کی دعوت دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہماری طرف آؤ اور جس طرح ہم درختوں کے سائے تلے ان کے پھلوں سے شاد کام ہوتے ہوئے پرسکون زندگی بسر کر رہے ہیں، تم بھی ایسی ہی زندگی اختیار کرو، اس کے باوجود وہ میدان جنگ کا ایک آدھ چکر لگا کر کبھی کبھی اپنی موجودگی کا احساس دلاتے ہیں۔ یہ تم پر محبت اور شفقت کرنے میں پرلے درجے کے بخیل ہیں۔ سدی "اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ" کا معنی بتاتے

ہیں کہ وہ مال غنیمت کے بہت حریص ہیں اور اس میں تمہارے حصہ پر ناخوش ہیں۔ ان نامردوں اور بزدلوں کی حالت یہ ہے کہ جب خوف چھا جاتا ہے تو خوف و ہراس کی شدت کے باعث ان کی آنکھیں چکرانے لگتی ہیں اور ان کی حالت دیدنی ہوتی ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان پر موت کی غشی طاری ہے اور جب امن کا دور دورہ ہو تو قینچی کی طرح ان کی تیز زبانیں چلنے لگتی ہیں، فصیح و بلیغ گفتگو اور اپنی شجاعت اور مردانگی کے بلند بانگ جھوٹے دعوے کرنے لگ جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سَلَقُوْكُمْ کا معنی بتاتے ہیں کہ وہ تیز زبانوں کے ساتھ تمہارا سامنا کرتے ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ غنیمت کے وقت یہ بدترین حریص ہوتے ہیں جو غل مچادیتے ہیں کہ ہمیں دو، ہمیں دو، ہم نے بہت سی جنگی خدمات انجام دی ہیں لیکن جنگ کے وقت یہ بدبخت نہایت بزدل اور حق کے ساتھ قطع تعلق کرنے والے ہوتے ہیں(1)۔ ان میں بھلائی نام کی کوئی چیز نہیں۔ بھلائی سے خالی ہونے کے علاوہ یہ بزدل بھی ہیں اور جھوٹے بھی۔ حالت امن میں یہ گدھوں جیسے ہیں اور حالت جنگ میں حائضہ عورتوں کی طرح الگ تھلگ، اس لئے فرمایا: اُولٰٓئِكَ لَمْ یُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ ـ

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَ اِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ۗ وَ لَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْۤا اِلَّا قَلِيْلًا ۝

"(دشمن بھاگ گیا لیکن یہ بزدل) یہی خیال کر رہے ہیں کہ ابھی جتھے نہیں گئے۔ اور اگر جتھے (دوبارہ پلٹ کر) آجائیں تو یہ پسند کریں گے کہ کاش! وہ صحرا میں بدوؤں کے ہاں ہوتے (آنے جانے والوں سے) تمہاری خبریں پوچھتے۔ اور اگر یہ (بزدل) تم میں موجود بھی ہوتے تو یہ (دشمن سے) جنگ نہ کرتے مگر برائے نام"۔

یہاں بھی ان کی بزدلی اور سراسیمگی کی تصویر کشی کی جارہی ہے کہ کفر و شرک کے لشکر لوٹ جانے کے باوجود انہیں دھڑکا لگا ہوا ہے کہ وہ ابھی لوٹے نہیں بلکہ ان کے قریب ہی موجود ہیں اور ان کی یلغار کا سخت خطرہ ہے۔ جب لشکر امڈ کر آتے ہیں تو ان کی تمنا ہوتی ہے کہ کاش ہم یہاں تمہارے ساتھ مدینہ میں رہائش پذیر نہ ہوتے بلکہ بادیہ نشین ہوتے اور وہاں سے ہی معلوم کر لیتے کہ تم لوگوں پر کیا بیتی۔ فرمایا: وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ ـ یعنی اگر یہ نامرد تم میں موجود ہوتے تو اپنی بزدلی، ذلت اور ضعف یقین کی وجہ سے برائے نام لڑتے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ وَ لَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۫ وَ مَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًا ۝

"بے شک تمہاری رہنمائی کے لئے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔ یہ نمونہ اس کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔ (منافقین کا حال آپ پڑھ چکے) اور جب ایمان والوں نے (کفار کے) لشکروں کو دیکھا تو (فرط جوش سے) پکار اٹھے یہ ہے وہ لشکر جس کا وعدہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا تھا اور سچ فرمایا تھا اللہ اور اس کے رسول نے۔ اور دشمن کے لشکر جرار نے ان کے ایمان اور جذبہ تسلیم میں اور اضافہ کر دیا"۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 141

تمام اقوال، افعال اور احوال میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے میں یہ آیت کریمہ بہت بڑی دلیل ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ حضور ﷺ کے اس اسوہ کی تقلید کریں جسے آپ ﷺ نے غزوہ احزاب کے موقع پر پیش کرتے ہوئے صبر و تحمل، شجاعت اور توکل کی عدیم النظیر مثال قائم کی، جہاد کی تیاری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمہ وقت مستعد رہے اور اللہ تعالیٰ سے اس سختی سے کشائش کی امید لگائے رہے۔ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لئے آپ ﷺ کا یہ اسوہ اور نمونہ قائم رہے گا اور مشکل حالات میں ان کی رہنمائی کرتا رہے گا، اسلئے جب غزوۂ احزاب کے موقع پر مسلمان سنگین حالات سے دوچار ہوئے اور ان پر خطرات کے مہیب بادل منڈلانے لگے تو اس وقت ان کی تسلی اور تشفی کے لئے فرمایا: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ یعنی اس وقت تم نے حضور ﷺ کے خصائل کی اقتداء کیوں نہ کی اور آپ ﷺ کے اسوہ کو کیوں نہ اپنایا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو خبر دے رہا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے وعدوں کی تصدیق کی اور یہی ایسے لوگ ہیں جن کا دنیا و آخرت میں اچھا انجام ہے۔ فرمایا: وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ... حضرت ابن عباس اور قتادہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جس وعدہ کا ذکر ہے، اس سے مراد ابتلاء اور آزمائش کا وہ وعدہ ہے جس کے بعد فتح و نصرت حاصل ہوگی اور اس کا بیان اس آیت میں ہے: أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصْرُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ (البقرۃ: 214) "کیا تم خیال کر رہے ہو کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم پر وہ حالات نہیں گزرے جو تم سے پہلے لوگوں پر گزرے۔ انہیں سختی اور مصیبت پہنچی اور وہ لرز اٹھے یہاں تک کہ رسول اور اس کے ساتھ ایمان لانے والے کہہ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ سن لو! یقیناً اللہ کی مدد قریب ہے"۔ اس لئے فرمایا: وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ یعنی اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا۔ یہ فرمان وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا بہ نسبت دوسرے لوگوں کے ان کے ایمان کی زیادتی اور قوت کی دلیل ہے جیسا کہ جمہور ائمہ کا کہنا ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ شرح بخاری کے شروع میں ہم نے اس مسئلہ کی وضاحت کر دی ہے۔ آیت کے اس آخری حصے کا مطلب یہ ہے کہ تنگی اور شدت کی اس حالت نے ان کے ایمان اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے جذبہ کو بڑھا دیا۔

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ۖ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ﴿٢٣﴾ لِيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِنْ شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٢٤﴾

"اہل ایمان میں ایسے جوانمرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا۔ ان جواں مردوں سے کچھ تو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعض (اس ساعت سعید کا) انتظار کر رہے ہیں۔ (جنگ کے مہیب خطرات کے باوجود) ان کے رویہ میں ذرا تبدیلی نہیں ہوئی۔ (اذن جہاد میں ایک حکمت یہ بھی ہے) کہ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اپنا وعدہ سچا کرنے والوں کو ان کے سچ کے باعث اور عذاب دے منافقوں کو اگر اس کی مرضی ہو یا ان کی توبہ قبول فرمالے۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے"۔

منافقین، ان کی عہد شکنی اور بزدلی کا حال بیان کرنے کے بعد اب اہل ایمان اور ان کے ایفائے عہد کا وصف بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا ہوا اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ ان میں سے بعض نے اپنی نذر اور عہد کو پورا کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر لیا اور

بعض ابھی منتظر ہیں، انہوں نے اللہ کے عہد کو نہ تبدیل کیا اور نہ توڑا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم قرآن لکھ رہے تھے تو مجھے سورۂ احزاب کی ایک آیت نہیں مل رہی تھی حالانکہ میں خود رسول اللہ ﷺ سے وہ آیت سنا کرتا تھا۔ بالآخر یہ آیت صرف خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملی جن کی گواہی کو رسول اللہ ﷺ نے دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار دیا تھا۔ وہ آیت یہی ہے: وَمِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ . . . (1)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے چچا (حضرت) انس بن نضر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی (2)۔ انہیں غزوۂ بدر میں عدم شرکت کا بہت ملال تھا، فرماتے کہ سب سے پہلے غزوہ میں ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں شریک جہاد نہ ہو سکا۔ اب اگر موقع ملا تو میں بہادری اور جوانمردی کے جوہر دکھاؤں گا، اس سے زیادہ کوئی دعویٰ کرنے سے انہوں نے گریز کیا۔ چنانچہ غزوۂ احد میں انہیں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جہاد کرنے کا موقع مل گیا۔ سامنے سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی تو حضرت انس رضی اللہ عنہ انہیں کہنے لگے: اے ابو عمرو! کہاں جا رہے ہو، مجھے تو جنت کی خوشبو آرہی ہے اور یہ خوشبو مجھے احد پہاڑ کے پیچھے سے آرہی ہے۔ یہ کہتے ہوئے کفار کے لشکر میں گھس گئے اور داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کے جسم پر تلواروں، نیزوں اور تیروں کے اسی سے زائد زخم تھے جن کی وجہ سے انہیں پہچاننا مشکل ہو رہا تھا۔ آخر کار ان کی بہن ربیع بنت نضر نے انہیں انگلیوں کے پوروں سے پہچانا۔ اس وقت آپ رضی اللہ عنہ اور آپ جیسے دیگر جانثار صحابہ کے متعلق یہ آیت اتری (3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب لشکر اسلام میں کھلبلی مچ گئی اور مسلمان پسپا ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اے اللہ! میں مسلمانوں کے اس فعل پر معذوری ظاہر کرتا ہوں اور مشرکوں کے فعل سے بیزار ہوں۔ یہ کہہ کر آپ آگے بڑھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان کی طرح داد شجاعت نہ دے سکا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ احد سے واپس آکر رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی، اس غزوہ میں پیش آنے والی مصیبت پر مسلمانوں کو تسلی دی اور انہیں اجر وثواب کی نوید سنائی پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ ایک مسلمان نے کھڑے ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! یہ کون لوگ ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے؟ میں اس وقت سبز رنگ کے دو حضرمی کپڑوں میں ملبوس سامنے سے آرہا تھا۔ آپ ﷺ نے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''اے سوال کرنے والے! یہ ان لوگوں میں سے ہے'' (4)۔ حضرت موسیٰ بن طلحہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ جب وہاں سے رخصت ہو کر باہر نکلنے لگا تو آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے واپس بلا لیا اور فرمایا کہ کیا میں تمہیں وہ حدیث نہ سناؤں جو میں نے رسول خدا ﷺ سے سنی ہے؟ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''طلحہ ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے اپنی نذر پوری کر دی'' (5)۔ مجاہد اس فرمان فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے اپنے عہد کو ایفا کر دیا اور بعض ایسے دن کے منتظر ہیں جس میں کفار کے ساتھ لڑائی ہو اور وہ صبر واستقامت سے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ ان میں بعض ایسے ہیں جن کی وفات صدق ووفا پر ہوئی اور ان میں سے بعض ایسی موت کے منتظر ہیں اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے صدق ووفا کی خو کو نہیں بدلا۔ بعض حضرات نے ''نحب'' کا معنی نذر کیا ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا یعنی انہوں

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ احزاب، جلد 8 صفحہ 518، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 188-189 وغیرہ
2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ احزاب، جلد 6 صفحہ 146
3۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1509-1510، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 194 وغیرہ
4۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ احزاب، جلد 12 صفحہ 83-84، کتاب المناقب، جلد 13 صفحہ 160
5۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 147

نے اپنے عہد کو نہیں بدلا اور نہ ہی وفا کی بجائے غدر اور بیوفائی کے مرتکب ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے عہد پرختی سے ڈٹے رہے اور منافقوں کی طرح انہوں نے یہ کہہ کر عہد شکنی نہیں کی: اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ (الاحزاب:13) اگلی آیت میں فرمایا: لِّیَجْزِیَ اللّٰهُ الصّٰدِقِیْنَ .. یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوف و دہشت سے آزماتا ہے تا کہ اچھے اور برے، خبیث اور طیب کے درمیان تمیز ہو جائے اور ہر ایک کا حال لوگوں کے سامنے عیاں ہو جائے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق ہے، وہ تو اشیاء کے وجود میں آنے سے پہلے ہی انہیں جانتا ہے، لیکن وہ محض اپنے علم کی بنا پر کسی کو عذاب نہیں دیتا۔ عذاب اسی وقت دیتا ہے جب لوگ برے اعمال کا ارتکاب کر لیں جیسے کہ فرمایا: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ (محمد:31) ''اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے تا کہ ہم دیکھ لیں تم میں سے جو مصروف جہاد رہتے ہیں اور جو صبر کرنے والے ہیں اور ہم تمہارے حالات کو پرکھیں گے''۔ یہ علم کسی چیز کے وجود پذیر ہونے کے بعد کا ہے اگرچہ اس کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم تھا، اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: مَا كَانَ اللّٰهُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَی الْغَیْبِ (آل عمران:179) ''نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ چھوڑے رکھے مومنوں کو اس حال پر جس پر تم اب ہو جب تک الگ الگ نہ کر دے پلید کو پاک سے اور نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ وہ تمہیں غیب پر آگاہ کرے''۔ اس لئے یہاں فرمایا: لِّیَجْزِیَ اللّٰهُ .. یعنی یہ اس لئے تا کہ اللہ تعالیٰ وعدہ سچ کر دکھانے والوں کو ان کے صدق و صبر کا اجر عطا فرمائے اور منافقوں کو ان کی عہد شکنی پر عذاب میں مبتلا کر دے لیکن دنیا میں ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، اگر اس کی مرضی ہو تو وہ انہیں نفاق کی حالت پر ہی برقرار رہنے دے جس کا خمیازہ انہیں قیامت کے دن بھگتنا ہو گا اور اگر وہ چاہے تو ان پر نظر کرم فرماتے ہوئے انہیں نفاق سے ایمان کی طرف اور فسق و فجور اور نافرمانی سے اعمال صالحہ کی طرف متوجہ کر دے۔ چونکہ مخلوق پر اس کی رحمت اور مہربانی غالب ہے اس لئے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِغَیْظِهِمْ لَمْ یَنَالُوْا خَیْرًا ؕ وَكَفَی اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِیًّا عَزِیْزًا ﴿۲۵﴾

''اور (ناکام) لوٹا دیا اللہ تعالیٰ نے کفار کو در آنحالیکہ اپنے غصہ میں (پیچ و تاب کھا رہے) تھے (اس لشکر کشی سے) انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اور بچا لیا اللہ نے مومنوں کو جنگ سے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا طاقت ور، ہر چیز پر غالب ہے''۔

کافروں کے ان لشکروں کی خبر دی جا رہی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے سخت آندھی اور اپنے غیر مرئی لشکر کے ساتھ پسپا کر دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر نہ بھیجا ہوتا تو یہ ہوا ان کے لئے قوم عاد پر بھیجی جانے والی بے برکت ہوا سے بھی زیادہ تباہ کن ثابت ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ (الانفال:33) ''اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ انہیں عذاب دے حالانکہ آپ ان میں تشریف فرما ہیں''۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسی ہوا مسلط کر کے ان کی شرارت کا مزہ چکھایا جس نے ان کی جمعیت کو منتشر کر دیا چونکہ یہ مختلف الخیال گروہ محض خواہش نفسانی کے باعث اکٹھے ہو کر یلغار کرنے کے لئے آئے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس مناسبت سے ان پر ایسی ہوا بھیجی جس نے ان کے غیر فطری اتحاد کو پارہ پارہ کر کے ان کے جتھوں کو تتر بتر کر دیا اور انہیں خائب و خاسر اور نامراد واپس لوٹا دیا۔ وہ غصہ سے پیچ و تاب کھا رہے تھے کہ انہیں کوئی نفع حاصل نہ ہوا۔ دنیا میں بھی فتح و ظفر اور غنیمت کے حصول میں ناکام رہے اور آخرت میں بھی انہیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عداوت رکھنے، مقابلہ کرنے اور آپ اور آپ کے صحابہ کا استیصال کرنے کے عزم

کی پوری پوری سزا ملے گی کیونکہ جو شخص کسی کام کے کرنے کا پختہ ارادہ اور عزم کر لیتا ہے وہ ایسے ہی ہے جیسے وہ کام کرنے والا۔ فرمایا: وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ یعنی اہل ایمان کو ان کا مقابلہ کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جنگ سے بچا لیا، اس نے اپنے محبوب بندے اور رسول ﷺ کی مدد کی اور اپنے لشکر کو غلبہ عطا فرمایا، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس نے اپنے وعدہ کو سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی، اپنے لشکر کو غالب کیا اور اکیلے ہی تمام جتھوں کو شکست دی۔ اس کے بعد کوئی چیز نہیں''(1)۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ احزاب کے موقعہ پر کفار کے جتھوں کے لئے یہ بددعا کی: ''اے اللہ، اے کتاب کے اتارنے والے، جلد حساب لینے والے! ان جتھوں کو شکست دے۔ اے اللہ! انہیں ہزیمت سے دوچار کر اور انہیں سختی سے جھنجھوڑ ڈال''(2)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ میں مسلمانوں اور قریش کے درمیان جنگ بندی کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد اسی طرح ہوا۔ اس غزوہ کے بعد مشرکین کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہ ہوئی بلکہ مسلمانوں نے ہی ان پر ان کے وطن میں چڑھائی کی۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ غزوہ خندق کے موقع پر کفار کے پسپا ہو جانے کے بعد حضور ﷺ نے پیشین گوئی کرتے ہوئے صحابہ سے فرمایا: ''اس سال کے بعد قریش تم سے ہرگز جنگ نہیں کریں گے بلکہ تم ان پر یلغار کرو گے''(3)۔ چنانچہ اسی طرح ہوا۔ اس کے بعد قریش کو حملہ آور ہونے کی ہمت نہ ہوئی بلکہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ان پر چڑھائی کرتے رہے یہاں تک کہ مکہ فتح ہو گیا۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی قوت سے ان کافروں کو بے نیل مرام واپس لوٹا دیا اور وہ کچھ فائدہ حاصل نہ کر سکے اور اس نے اسلام اور اہل اسلام کو غلبہ اور عزت عطا کی، اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندے اور رسول ﷺ کی تائید و نصرت کی۔

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝

''اہل کتاب سے جن لوگوں نے کفار کی امداد کی تھی، اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے قلعوں سے اتار لیا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو اور دوسرے گروہ کو قیدی بنا رہے ہو۔ اور اس نے وارث بنا دیا تمہیں ان کی زمینوں اور ان کے مکانوں اور ان کے مال و متاع کا اور وہ ملک بھی تمہیں دے دیے جہاں تمہارے قدم ابھی نہیں پہنچے۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے''۔

یہ بیان ہو چکا ہے کہ جب مشرکین اور یہود کے لشکر مدینہ شریف پر حملہ آور ہوئے تو یہودی قبیلہ بنو قریظہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کئے ہوئے دوستی کے معاہدہ کو توڑ ڈالا۔ یہ عہد شکنی بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھی۔ ایک دن وہ لعین موقعہ پا کر بنو قریظہ کے قلعہ میں داخل ہوا اور ان کے سردار کعب بن اسد کو ورغلاتا رہا اور مسلمانوں کے ساتھ کئے ہوئے معاہدہ کو توڑنے پر اکساتا

1۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 406، صحیح مسلم کتاب الذکر والدعا، جلد 4 صفحہ 2089

2۔ فتح الباری، کتاب الجہاد، جلد 6 صفحہ 106۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 1363

3۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 405، مسند احمد جلد 4 صفحہ 262

رہا یہاں تک کہ اس نے معاہدہ توڑ دیا۔ حیی نے کعب کو قائل کرنے کے لئے یہ بھی کہا تھا کہ میں تمہارے پاس زمانہ بھر کی عزت لایا ہوں، میں تمہارے پاس قریش، غطفان اور ان کے حلفاء کا لشکر جرار لے کر آیا ہوں۔ وہ اس وقت تک یہاں ڈیرے جمائے رکھیں گے جب تک محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ اس کے جواب میں کعب نے اسے کہا کہ تم میرے پاس زمانہ بھر کی عزت نہیں بلکہ جہاں بھر کی ذلت لائے ہو تم منحوس شخص ہو، اس لئے ہمیں اپنے حال پر چھوڑ دو لیکن حیی اسے عہد شکنی پر برانگیختہ کرتا رہا یہاں تک کہ وہ اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو گیا۔ آخر وہ کہنے لگا کہ اگر بالفرض قریش اور غطفان فرار ہو جائیں تو میں اپنی جمعیت کو لے کر تمہارے قلعہ میں آ جاؤں گا اور تمہارے ساتھ ہر قسم کے حالات کا سامنا کروں گا۔ اس قسم کی باتیں سن کر کعب نے مسلمانوں سے دوستی کے معاہدہ کو بالائے طاق رکھ دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو بنو قریظہ کی عہد شکنی کا علم ہوا تو آپ کو سخت کوفت ہوئی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی بہت صدمہ ہوا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی تائید و نصرت فرمائی، آپ کے دشمنوں کو زیر کر دیا اور انہیں نامراد واپس لوٹا دیا، رسول اللہ ﷺ مظفر و منصور واپس مدینہ شریف آئے اور صحابہ نے ہتھیار اتار دیئے تو ابھی رسول اللہ ﷺ اپنا سر مبارک دھونے اور گرد و غبار سے پاک صاف ہونے کے لئے غسل کی تیاری کر رہے تھے کہ جبریل علیہ السلام نمودار ہوئے۔ وہ ریشمی عمامہ باندھے خچر پر سوار تھے جس پر مخملی گدی تھی۔ عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ نے ہتھیار اتار بھی دیئے لیکن فرشتوں نے ابھی تک ہتھیار نہیں کھولے، میں ابھی کافروں کے تعاقب سے واپس آ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ آپ بنو قریظہ کی گوشمالی کریں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی حکم دیا ہے کہ میں انہیں زیر و زبر کر دوں۔ حضور ﷺ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ نے صحابہ کو بنو قریظہ کی طرف پیش قدمی کرنے کا حکم دیا۔ بنو قریظہ کی گڑھی یہاں سے چند میلوں کے فاصلہ پر تھی۔ نماز ظہر کے بعد آپ ﷺ نے کوچ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک نماز عصر بنو قریظہ میں ادا کرے''۔ یہ اعلان سنتے ہی مسلمان ہتھیار سجائے چل پڑے۔ راستہ میں ہی عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ بعض صحابہ نے راستہ میں ہی نماز ادا کر لی۔ ان کا موقف یہ تھا کہ حضور ﷺ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ ہم تیز رفتاری کے ساتھ چلیں جبکہ دوسرے صحابہ کا اصرار تھا کہ ہم تو بنی قریظہ میں پہنچ کر ہی نماز پڑھیں گے۔ حضور ﷺ نے ان دونوں فریقوں میں سے کسی کو بھی سرزنش نہیں کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ شریف پر اپنا نائب مقرر کیا اور جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا کیا اور صحابہ کے پیچھے بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ چنانچہ پچیس روز تک آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ کئے رکھا۔ جب محاصرہ طول پکڑ گیا اور یہود تنگی کا شکار ہو گئے تو انہوں نے اپنے زمانہ جاہلیت کے حلیف قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم مقرر کرنے کا مطالبہ کیا۔ انہیں یقین تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ان کے معاملہ میں اسی طرح رعائت اور تخفیف سے کام لیں گے جس طرح عبداللہ بن ابی کی سفارش پر بنی قینقاع سے نرمی برتی گئی تھی اور ان کی جان بخشی کر دی گئی تھی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو خندق کے دنوں میں اکحل نامی رگ میں تیر لگا جس کے باعث وہ زخمی تھے، رسول اللہ ﷺ نے زخم پر داغ لگوایا اور انہیں مسجد کے قریب خیمے میں ٹھہرایا تاکہ ان کی عیادت میں آسانی ہو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جو دعائیں کی ان میں سے ایک دعا یہ بھی تھی: اے اللہ! اگر اب بھی قریش کی کوئی جنگ باقی ہے تو اس کا مقابلہ کرنے کے لئے مجھے زندہ رکھ اور اگر ہمارے اور ان کے درمیان لڑائی ختم ہو گئی ہے تو بے شک میرے زخم سے خون بہتا رہے اور مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک بنی قریظہ کے استیصال سے میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی دعا کو شرف قبول عطا فرمایا اور ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ بنی قریظہ نے خود حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا نام بطور حکم تجویز کیا۔ رسول اللہ ﷺ

نے انہیں مدینہ شریف سے بلوا لیا تا کہ وہ ان یہود کے متعلق فیصلہ سنائیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ گدھے پر سوار اپنے قبیلہ اوس کے آدمیوں کے ہمراہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے کے لئے چل پڑے۔ راستہ میں بنی اوس آپ سے لپٹ گئے اور آپ کو ہموار کرنے کی کوشش کرتے رہے کہ آپ حکم مقرر ہوئے ہیں۔ بنو قریظہ آپ کے حلیف ہیں اور ان سے ہمارے قدیمی دوستانہ تعلقات ہیں، اس لئے ان پر رحم کرنا اور نرم برتاؤ کرنا، وہ لگا تار آپ کو قائل کرنے کی کوشش کرتے رہے لیکن آپ نے چپ سادھے رکھی اور انہیں کوئی جواب نہ دیا۔ جب انہوں نے افہام و تفہیم اور منت سماجت کی حد کر دی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے صرف اتنا فرمایا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سعد کو متاثر نہیں کر سکتی۔ یہ سن کر انہیں یقین ہو گیا کہ اب بنو قریظہ کی بقا ممکن نہیں۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی سواری حضور ﷺ کی قیام گاہ کے قریب پہنچی تو آپ نے حاضرین سے فرمایا: "قُوْمُوْٓا اِلٰی سَیِّدِکُمْ" یعنی اپنے سردار کے استقبال کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ چنانچہ سب مسلمان تعمیل ارشاد کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ انہیں سواری سے اتارا اور بطور حکم آپ کے منصب کا خیال کرتے ہوئے پورے احترام کے ساتھ ٹھہرایا تا کہ ان کا فیصلہ پوری طرح قابل نفاذ سمجھا جائے۔ جب آپ بیٹھے تو رسول اللہ ﷺ نے بنو قریظہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ تمہارے فیصلے پر رضامند ہو گئے ہیں۔ اب ان کے بارے میں جو چاہو فیصلہ کرو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میرا حکم ان پر نافذ ہو گا؟ فرمایا: ہاں۔ عرض کی کہ اس خیمے والوں پر بھی یہ حکم لاگو ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ پھر اس طرف اشارہ کرتے ہوئے جہاں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے لیکن آپ کے احترام میں اس جگہ کی جانب نہ دیکھتے ہوئے عرض کرنے لگے کہ کیا اس طرف والوں پر بھی میرے فیصلے کی تعمیل ضروری ہو گی؟ فرمایا: ہاں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میرا فیصلہ تو یہ ہے کہ ان کے بالغوں کو قتل کر دیا جائے، ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور ان کے مال قبضے میں لے لئے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم نے وہی فیصلہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر فرمایا ہے"۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ تم نے اللہ تعالیٰ کا جو فیصلہ تھا، وہی سنا دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے خندق کھودی گئی اور انہیں رسیوں میں جکڑ کر لایا گیا اور ان کی گردنیں مار دی گئیں۔ ان کی تعداد سات آٹھ سو کے درمیان تھی۔ ان کی عورتیں اور نابالغ بچے غلام بنا لئے گئے اور مال اور جائیدادوں پر قبضہ کر لیا گیا۔ یہ سب کچھ ہم نے کتاب السیرۃ میں بیان کر دیا ہے۔ فرمایا: وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ..... یعنی اللہ تعالیٰ نے ان اہل کتاب کو ان کے قلعوں سے نکال باہر کیا جنہوں نے کفر و شرک کے جتھوں کے ساتھ تعاون اور ساز باز کی تھی۔ ان اہل کتاب سے مراد یہود بنی قریظہ ہیں جن کے آباؤ اجداد قدیم زمانہ میں محض اس طمع پر حجاز میں آباد ہو گئے تھے کہ وہ اس امی نبی کی اتباع کریں گے جن کا ذکر تورات و انجیل میں موجود ہے اور حجاز میں ان کا ظہور ہو گا لیکن جب آپ ﷺ کی تشریف آوری ہوئی تو ان ناخلفوں نے آپ ﷺ کی تکذیب کی۔ صیاصی کا معنی ہے قلعے۔ سینگوں کو بھی اسی مناسبت سے کہ وہ بھی بلند ہوتے ہیں، صیاصی کہا جاتا ہے۔ فرمایا: وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یعنی ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا کیونکہ یہی وہ بدبخت تھے جنہوں نے مشرکین کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے پر اکسایا، عالم اور جاہل یکساں نہیں ہوتے اور انہوں نے ہی مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کا عزم مصمم کیا لیکن معاملہ برعکس ہو گیا، پانسہ پلٹ گیا اور انہیں لینے کے دینے پڑ گئے، مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے لڑائی مول لی، مشرکین انہیں بے یار و مددگار چھوڑتے ہوئے دم دبا کر بھاگ گئے اور انہیں دشمن کے ساتھ ساز باز کرنے کا سودا مہنگا پڑا۔ عزت حاصل کرتے کرتے ذلیل و رسوا ہو گئے اور مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کی بجائے خود ختم ہو گئے اور آخرت کی بدبختی اس پر مستزاد ہے۔ الغرض یہ ان کے

لئے گھاٹے کا سودا تھا جس میں وہ اپنی ہر چیز سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ان میں جو جنگ لڑنے کے قابل تھے، انہیں قتل کر دیا گیا اور بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا گیا۔ عطیہ قرظی کا کہنا ہے کہ جب مجھے نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو لوگوں کو میرے بارے میں کچھ تردد ہوا کہ آیا میں بالغ ہوں یا نابالغ۔ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ دیکھو اگر اس کے زیر ناف بال اگے ہیں تو قتل کر دو ورنہ قیدیوں میں شامل کر دو۔ صحابہ نے دیکھا تو میں نابالغ نکلا، اس لئے مجھے قیدیوں میں شامل کر دیا(1)۔ پھر فرمایا: وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ یعنی ان کے قتل کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کی زمینوں، مکانوں اور مال کا مالک بنا دیا۔ علاوہ ازیں ایسی سرزمین بھی تمہارے تصرف میں دے دی جہاں ابھی تک تمہارے قدم نہیں لگے۔ اس سے مراد خیبر ہے یا مکہ یا فارس و روم۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ سب علاقے مراد لئے جا سکتے ہیں(2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں خندق والے دن لشکر کا حال معلوم کرنے کے لئے نکلی۔ مجھے اپنے پیچھے سے کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ میں نے دیکھا تو وہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے جو زرہ پہنے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھ باہر نکلے ہوئے تھے۔ میں سمٹ کر ایک جگہ بیٹھ گئی۔ یہ رجز پڑھتے ہوئے میرے پاس سے گزر گئے۔ میں وہاں سے اٹھی اور ایک باغ میں گھس گئی، وہاں کچھ مسلمان موجود تھے جن میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہاں ایک اور آدمی بھی تھا جو خود پہنے ہوئے تھا۔ مجھے دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ تمہارا یہاں کیسے آنا ہوا؟ تم نے اس قدر جرأت کی کہ میدان کارزار میں بے خوف و خطر آ گئیں۔ نہ معلوم کیا نتیجہ برآمد ہو۔ انہوں نے مجھے اس قدر ملامت کی کہ میں تمنا کرنے لگی کاش ابھی زمین پھٹ جاتی اور میں اس میں داخل ہو جاتی۔ یہ باتیں سن کر خود والے شخص نے اپنے چہرہ سے خود ہٹایا تو وہ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ کہنے لگے: اے عمر! صد افسوس تم نے بہت باتیں کر لیں، آج بھلا کوئی بھاگ کر کہاں جائے گا۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس پر بھروسہ اور اعتماد ہے۔ ایک قریشی نے جسے ابن عرقہ کہا جاتا تھا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو تیر مارا اور کہا لے میں ابن عرقہ ہوں۔ وہ تیر ان کی اکحل نامی رگ میں لگا اور اسے کاٹ ڈالا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے کہا: اے اللہ! مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک بنو قریظہ سے میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔ بنو قریظہ زمانہ جاہلیت میں ان کے حلیف اور دوست تھے۔ اسی وقت ان کے زخم سے خون بہنا بند ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو سخت آندھی کے ذریعے پسپا کر کے اہل ایمان کو جنگ سے بچا لیا۔ ابو سفیان اور اس کے ساتھی بھاگ کر تہامہ چلے گئے، عیینہ بن بدر اور اس کے ساتھیوں نے نجد کی راہ لی، بنو قریظہ اپنے قلعوں میں پناہ گزین ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ واپس مدینہ شریف تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ کے حکم سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لئے مسجد میں چمڑے کا خیمہ نصب کر دیا گیا۔ اسی وقت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے، آپ کا چہرہ گرد آلود تھا، کہنے لگے کہ آپ نے ہتھیار کھول بھی دیئے لیکن فرشتوں نے ابھی تک ہتھیار نہیں اتارے۔ بنی قریظہ کی طرف نکلیں اور ان کے ساتھ جنگ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فوراً زرہ پہنی اور بنو قریظہ کی طرف پیش قدمی کرنے کے لئے صحابہ میں منادی کروا دی۔ بنو تمیم کے مکانات مسجد نبوی سے متصل تھے۔ ان کے پاس سے گزرتے ہوئے آپ نے پوچھا کہ یہاں سے جاتے ہوئے تم نے کسی کو دیکھا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ہمارے پاس سے دحیہ کلبی ابھی ابھی گزرے ہیں، حالانکہ وہ جبریل علیہ السلام تھے لیکن ان کی داڑھی اور حلیہ حضرت دحیہ سے ملتا جلتا تھا۔ اب رسول اللہ ﷺ نے بنی قریظہ کا محاصرہ کر لیا اور پچیس روز تک محاصرہ جاری رہا۔ جب ان کا ناطقہ بند ہو گیا اور وہ تنگدل ہو گئے تو انہیں کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کو تسلیم کر لو۔ انہوں نے حضرت ابولبابہ بن عبد المنذر سے مشورہ کیا تو انہوں نے اشارہ سے بتایا کہ

1۔ سنن ابی داؤد کتاب الحدود جلد 4 صفحہ 141 مسند احمد جلد 5 صفحہ 312 وغیرہ 2۔ تفسیر طبری جلد 21 صفحہ 155

یہ فیصلہ ذبح کا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ہمیں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ منظور ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس مطالبہ کو مان لیا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بلوالیا۔ وہ گدھے پر سوار ہو کر آئے جس پر کھجور کی چھال کی گدی تھی۔ آپ کی قوم آپ کو گھیرے ہوئے تھی اور وہ بنوقریظہ کے حق میں آپ کو ہموار کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ یہ آپ کے حلیف، دوست اور اہل کتاب ہیں لیکن آپ نے انہیں کوئی جواب نہ دیا بلکہ ان کی طرف کوئی توجہ ہی نہ دی۔ جب آپ ان کی گڑھی کے قریب پہنچے تو اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ اب وقت آ گیا ہے مجھے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں کسی ملامت کی کوئی پرواہ نہیں۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی سواری نمودار ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے سید (سردار) کے لئے اٹھو اور انہیں اتار دو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ ہمارا سید تو اللہ تعالیٰ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں اتار دو۔ جب لوگ انہیں سواری سے اتار چکے تو حضور ﷺ نے انہیں فرمایا کہ ان کے متعلق فیصلہ کرو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا فیصلہ یہی ہے کہ ان کے جوان قتل کر دیئے جائیں، ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور ان کے مال تقسیم کر دیئے جائیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے ان کے بارے میں وہی فیصلہ کیا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے۔ پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ دعا کی: اے اللہ! اگر تیرے نبی پر قریش کی کوئی یلغار باقی ہو تو اس کے لئے مجھے زندہ رکھ ورنہ مجھے اپنے پاس بلالے۔ اسی وقت ان کے اس زخم سے خون بہنے لگا جو پہلے تقریباً مندمل ہو چکا تھا اور معمولی سا باقی تھا۔ پھر انہیں اس خیمہ میں منتقل کر دیا گیا جو حضور ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کے لئے لگوایا تھا اور وہیں شہید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ بذات خود وہاں تشریف لائے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں آئے۔ سب رو رہے تھے اور مجھے اپنے حجرہ سے ان کے رونے کی آوازوں میں تمیز ہو رہی تھی۔ صحابہ کرام ایسے ہی تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح: 29) ''آپس میں بڑے رحم دل ہیں''۔ حضرت علقمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ ایسے موقعوں پر حضور ﷺ کی کیا کیفیت ہوتی تھی؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ کی آنکھوں سے کسی پر آنسو تو نہیں بہتے تھے، البتہ غم و رنج کے موقعہ پر آپ اپنی داڑھی مبارک پکڑ لیتے تھے (1)۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

''اے نبی مکرم! آپ فرما دیجئے اپنی بیبیوں کو کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی آرائش (و آسائش) کی خواہاں ہو تو آؤ تمہیں مال و متاع دے دوں اور پھر تمہیں رخصت کر دوں بڑی خوبصورتی کے ساتھ۔ اور اگر تم چاہتی ہو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور دار آخرت کو تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے جو تم میں سے نیکوکار ہیں اجر عظیم''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ اپنی بیویوں کو دو چیزوں میں سے ایک کو منتخب کرنے کا اختیار دے دیں۔ یا تو وہ حضور ﷺ سے الگ ہو کر دنیاوی زندگی اور اس کی زیب و زینت کو اختیار کر لیں یا وہ اسی فقر و فاقہ کی زندگی پر صبر کریں۔ اس صورت میں انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر عظیم حاصل ہو گا۔ چنانچہ مومنوں کی ان ماؤں نے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور دار آخرت کو پسند کر لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں نہ صرف آخرت کی سعادت سے نوازا بلکہ دنیا کی مسرتیں بھی عطا فرما دیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

1۔ الفتح: 29 2۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 411-412 صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 1389، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 141-142

جب اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنی بیویوں کو یہ اختیار دے دیں تو آپ سب سے پہلے میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ایک بات کرنے آیا ہوں، جلد بازی نہ کرنا بلکہ اپنے والدین سے مشورہ کر کے جواب دینا۔ یہ تو آپ کو بخوبی علم تھا کہ میرے والدین کبھی بھی مجھے آپ سے جدائی کا مشورہ نہیں دیں گے۔ پھر آپ نے مجھے یہ دو آیتیں سنائیں۔ میں نے عرض کی: کیا میں اس معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کروں گی؟ مجھے اللہ تعالیٰ، اس کا رسول کریم اور دار آخرت پسند ہے(1)۔ ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ بھی فرماتی ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ دوسری بیویوں کے پاس گئے بعد میرے تشریف لائے تو انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو میں نے دیا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے تین بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ میں ایک اہم بات کا ذکر تمہارے سامنے کرنے والا ہوں، اپنے والدین سے مشورہ کیے بغیر اس معاملہ میں فیصلہ نہ کرنا۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور دار آخرت کو پسند کرتی ہوں تو یہ سن کر حضور ﷺ بہت خوش ہوئے(1)۔ ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب آیت تخییر نازل ہوئی تو سب سے پہلے حضور ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا! میں تمہارے سامنے ایک معاملہ پیش کرنے والا ہوں، اپنے والدین ابوبکر اور ام رومان سے مشورہ کے بغیر اس معاملہ میں کوئی فیصلہ نہ کرنا۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! وہ معاملہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے یہ دو آیات سنائیں۔ جب میں نے عرض کی کہ میں اللہ، اس کے رسول اور دار آخرت کو پسند کرتی ہوں اور مجھے اس معاملہ میں اپنے والدین کے ساتھ مشورہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تو آپ ﷺ ہنس دیے۔ پھر آپ باری باری باقی ازواج کے حجروں میں تشریف لے گئے اور یہی بات ان سے کی۔ ساتھ آپ ﷺ یہ بھی فرما دیتے تھے کہ عائشہ نے یہ جواب دیا ہے۔ تمام ازواج مطہرات نے عرض کی کہ ہمارا جواب بھی وہی ہے جو عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہے(2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اختیار دیا تو ہم نے آپ ﷺ کو پسند کیا۔ یہ اختیار طلاق شمار نہیں ہوتا(3)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ گھر کے اندر تشریف فرما تھے، لوگ آپ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے، اسی اثناء میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے اجازت طلب کی لیکن اجازت نہ ملی۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے لیکن انہیں بھی اجازت نہ ملی۔ کچھ دیر بعد ان دونوں حضرات کو اندر آنے کی اجازت مل گئی۔ دونوں اندر داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ بالکل خاموش بیٹھے ہیں اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات آپ کے اردگرد حلقہ بنائے بیٹھی ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں ایسی بات کروں گا کہ نبی کریم ﷺ ہنس پڑیں گے۔ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! اگر میری بیوی مجھ سے خرچہ مانگتی تو میں اس کی گردن مار دیتا۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ ہنس پڑے اور فرمانے لگے: "یہ سب میرے اردگرد بیٹھی مجھ سے خرچہ کا مطالبہ کر رہی ہیں۔" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مارنے کے لئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو مارنے کے لئے لپکے اور کہنے لگے کہ تم حضور ﷺ سے اس چیز کا سوال کرتی ہو جو آپ کے پاس نہیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں منع کر دیا۔ وہ کہنے لگیں کہ ہم اس کے بعد حضور ﷺ سے ایسی چیز کی فرمائش نہیں کریں گی جو آپ کے پاس نہ ہو۔ اس وقت یہ آیات اتریں۔

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ احزاب، جلد 8 صفحہ 519-520
2۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 158
3۔ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، جلد 7 صفحہ 55، صحیح مسلم، کتاب الطلاق، جلد 2 صفحہ 1104، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 45

سب سے پہلے آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: "میں تمہارے ساتھ ایک امر بات کرنے والا ہوں، میں نہیں چاہتا کہ تم جلد بازی کا مظاہرہ کرو بلکہ اپنے والدین کے ساتھ مشورہ کر کے جواب دینا"۔ عرض کی کہ وہ کیا بات ہے؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے ان دونوں آیات کی تلاوت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عرض کرنے لگیں: یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس بات میں میں اپنے والدین سے مشورہ کروں گی؟ بلکہ میں اللہ اور اس کے رسول کو پسند کرتی ہوں اور میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ میرے اس فیصلے کا ذکر اپنی کسی بیوی کے سامنے نہ کریں۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سخت مزاج بنا کر نہیں بھیجا بلکہ میں سکھانے والا اور آسانی پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میری جو بیوی مجھ سے تمہارے اختیار کے متعلق پوچھے گی، میں اسے بتا دوں گا(1)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو دنیا و آخرت میں سے کسی ایک کے انتخاب کا اختیار دیا تھا۔ آپ نے انہیں طلاق کا اختیار نہیں دیا تھا(2)۔ اس کی سند منقطع ہے اور یہ آیت کے ظاہری الفاظ کے خلاف ہے کیونکہ فرمایا: فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا یعنی آؤ میں تمہارے حقوق ادا کر کے تمہیں خوبصورتی سے رخصت کر دیتا ہوں۔ علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر آپ ﷺ طلاق دے دیں تو کسی کے لئے ان کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں جن میں سے صحیح یہ ہے کہ جائز ہے تاکہ اس طلاق سے انہیں حصول دنیا کا مقصود حاصل ہو جائے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس وقت آپ ﷺ کی نو بیویاں تھیں، پانچ کا تعلق قریش سے تھا: عائشہ، حفصہ، ام حبیبہ، سودہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہن اور صفیہ بنت حیی نضریہ، میمونہ بنت حارث ہلالیہ، زینب بنت جحش اسدیہ اور جویریہ بنت حارث مصطلقیہ رضی اللہ عنہن۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۞ وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ۞

"اے نبی کریم کی بیبیو! جس کسی نے تم میں سے کھلی بیہودگی کی تو اس کے لئے عذاب کو دوچند کر دیا جائے گا۔ اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے۔ اور جو تم میں سے فرمانبردار بنی رہی اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نیک عمل کرتی رہی تو ہم اس کو اس کا اجر بھی دوچند دیں گے۔ اور ہم نے اس کے لئے عزت والی روزی تیار کر رکھی ہے"۔

اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کو وعظ و نصیحت فرما رہا ہے جنہوں نے دنیا کی بجائے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول مکرم ﷺ اور دار آخرت کو پسند کیا اور ہر حال میں آپ ﷺ کی زوجیت میں رہنے پر نازاں رہیں۔ اس خصوصی مقام کے پیش نظر ان کے لئے خاص حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر نبی کریم ﷺ کی کوئی زوجہ کھلی ہوئی بیہودگی کرے تو اس کے لئے عذاب دوچند کر دیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فاحشہ سے مراد حضور ﷺ کی نافرمانی اور بد خلقی ہے۔ بہر صورت جو بھی مفہوم ہو یہ فرمان بطور شرط کے ہے اور شرط کا وقوع ضروری نہیں ہوتا جیسا کہ فرمایا: وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر: 65) "اور بے شک وحی کی گئی ہے آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے تھے کہ اگر (بفرض محال) آپ نے بھی شرک کیا تو آپ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، جلد 2 صفحہ 1104-1105، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 328 وغیرہ
2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 78

کے اعمال ضائع ہو جائیں گے"۔ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الانعام:89) "اور اگر وہ شرک کرتے تو ضرور ان کے اعمال ضائع ہو جاتے"۔ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ (الزخرف:81) "فرمائیے اگر رحمٰن کا کوئی بچہ ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کا پجاری ہوتا"۔ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ سُبْحٰنَهٗ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (الزمر:4) "اگر اللہ تعالیٰ کسی کو بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا، وہ پاک ہے، وہی اللہ ہے جو ایک ہے، سب سے زبردست"۔ یعنی جس طرح ان ارشادات میں شرط کا وقوع نہیں ہوا، اسی طرح اس آیت میں بھی یہ نہ سمجھا جائے کہ امہات المومنین سے واقعی ایسی کوئی حرکت سرزد ہوئی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں بڑا اونچا مقام اور عظمت حاصل ہے، اس لئے اس رفعت شان کا تقاضا ہے کہ اگر بالفرض ان میں سے کسی سے کوئی ناشائستہ حرکت صادر ہو جاتی تو اس کے لئے عذاب بھی دوگنا ہوتا، اس لئے فرمایا: مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ یہاں دنیا و آخرت کا عذاب مراد ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے عدل اور فضل کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ ...یعنی تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، اس کے لئے دو چند اجر ہے اور جنت میں باعزت روزی بھی تیار ہے۔ امہات المومنین رضی اللہ عنہن حضور ﷺ کے ساتھ تمام جنتیوں کی منازل سے اوپر اعلیٰ علیین میں ہوں گی۔ اسی کا نام وسیلہ ہے۔ یہ جنت کی سب سے اعلیٰ اور بالاتر منزل ہے جو عرش کے سب سے زیادہ قریب ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾

"اے نبی کی ازواج (مطہرات) تم نہیں ہو دوسری عورتوں میں سے کسی عورت کی مانند اگر تم پرہیزگاری اختیار کرو، پس ایسی نرمی سے بات نہ کرو کہ طمع کرنے لگے وہ (بے حیا) جس کے دل میں روگ ہے اور گفتگو کرو تو باوقار انداز سے کرو۔ اور ٹھہری رہو گھروں میں اور اپنی آرائش کی نمائش نہ کرو جیسے سابق دور جاہلیت میں رواج تھا اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اطاعت کیا کرو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی۔ اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے دور کر دے پلیدی کو اے نبی کے گھر والو! اور تم کو پوری طرح پاک صاف کر دے۔ اور یاد رکھو اللہ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا لطف فرمانے والا ہر بات سے باخبر ہے"۔

اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کو اور ان کی وساطت سے امت کی تمام خواتین کو آداب سکھا رہا ہے۔ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تقویٰ اختیار کریں تو دنیا کی کوئی عورت ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور انہیں وہ فضیلت اور مقام حاصل ہوگا جس کا کوئی عورت تصور بھی نہیں کر سکتی، پھر مردوں کے ساتھ طرز تخاطب میں نرمی کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا: فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ یعنی اگر کسی نامحرم سے بات کرنی پڑ جائے تو ایسی نرمی اور نزاکت سے بات نہ کرو کہ وہ شخص

طمع کرنے لگے جس کے دل میں روگ ہے اور جب گفتگو کرو تو باوقار انداز سے اچھی گفتگو کرو۔ اس آیت کے ذریعے عورتوں کو اجنبی مردوں کے ساتھ نرم اور لطیف لہجہ میں بات کرنے سے منع کر دیا۔ اس کے بعد امہات المومنین کو اپنے گھروں میں سکون ووقار کے ساتھ ٹھہرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ یعنی اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور بغیر کسی ضرورت کے باہر نہ نکلو۔ نماز کے لئے مسجد میں آنا شرعی ضروریات میں شامل ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مساجد سے منع نہ کرو، لیکن انہیں چاہئے کہ وہ بغیر زیب وزینت کئے سادگی میں ہی باہر نکلیں" (1)۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: "اور ان کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں" (2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عورتیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں: یارسول اللہ! مرد ساری فضیلتیں لے گئے اور جہاد میں شرکت کا شرف بھی صرف انہیں نصیب ہوتا ہے، کیا کوئی ایسا عمل ہے جس کے کرنے سے ہمیں مجاہدین کا درجہ حاصل ہو جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے جو عورت اپنے گھر میں بیٹھے گی، اسے راہ خدا میں جہاد کرنے والوں کا درجہ ملے گا" (3)۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عورت سراپا پردہ ہے۔ جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے جھانکنے لگتا ہے جب تک وہ اپنے گھر کی چار دیواری میں رہتی ہے وہ اپنے رب کی رحمت کے زیادہ قریب ہوتی ہے" (4)۔ ایک اور حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا: "عورت کا اپنی خواب گاہ میں نماز پڑھنا گھر میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور گھر میں نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے" (5)۔ پھر فرمایا: وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ یعنی اپنی آرائش کی نمائش نہ کرو جیسے سابقہ دور جاہلیت میں رواج تھا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عورتیں بے حجابانہ مردوں کے سامنے نکلا کرتی تھیں، یہی جاہلیت کا تبرج ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عورتیں ناز وادا سے مٹکتی اور لچکتی ہوئی سر بازار بے پردہ ٹہلا کرتی تھیں، اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا۔ مقاتل بن حیان کے بقول تبرج یہ ہے کہ عورت اپنا دوپٹہ سر پر ڈال لے اور اس سے اپنے جسم کو اچھی طرح نہ ڈھانپے جس سے اس کی گردن اور کانوں کے زیورات ظاہر ہوتے رہیں۔ یہی تبرج یعنی اظہار زینت ہے جس سے تمام مسلمان خواتین کو روک دیا گیا (6)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت وَلَا تَبَرَّجْنَ ۔ کی تلاوت کرتے ہوئے بیان کیا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا زمانہ تھا، اس دوران حضرت آدم علیہ السلام کی دو نسلیں آباد تھیں، ایک میدانی علاقے میں اور دوسری پہاڑی علاقہ میں۔ پہاڑی علاقے کے مرد خوبصورت اور عورتیں سانولے رنگ کی تھیں جبکہ میدانی علاقہ کی عورتیں خوبصورت اور مرد سانولے رنگ کے تھے۔ ابلیس لعین نے انسانی شکل اختیار کی اور میدانی علاقہ کے ایک شخص کا خادم بن کر رہنے لگا۔ اس دوران اس نے بانسری جیسی ایک چیز بنائی اور اسے بجانے لگا۔ انوکھی وضع کی اس چیز کو دیکھ کر اور اس کی آواز سن کر لوگ بہت متعجب اور مسرور ہوئے۔ اردگرد کے لوگوں کو جب اس کا علم ہوا تو وہ بھی اس کی آواز سننے کے لئے امڈ آئے اور میلے کا ایک دن مقرر ہو گیا جس میں ہر سال مرد وزن کثیر تعداد میں اکٹھے ہوتے۔ عورتیں خوب بن سنور کر اپنے حسن وجمال کی نمائش کیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ میلے کے دن ایک پہاڑی آدمی اتفاقاً ادھر آ نکلا اور ان کی عورتوں کے حسن وجمال سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے واپس جا کر اپنے لوگوں کے سامنے جب اس

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، جلد 2 صفحہ 382، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 327، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 155 وغیرہ

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 155، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 76

3۔ میزان الاعتدال، از ذہبی، جلد 2 صفحہ 61

4۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الرضاع، جلد 5 صفحہ 122

5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 156

6۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 607

چیز کا تذکرہ کیا تو انہیں بھی ان عورتوں کا بہت اشتیاق پیدا ہوا۔ چنانچہ انہوں نے ادھر کا رخ کر لیا اور ان عورتوں کے ساتھ جنسی مراسم قائم کر لئے۔ اس طرح ان میں بدکاری عام ہو گئی۔ یہی مطلب اس فرمان وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ کا ہے(1)۔ امہات المومنین کو شر سے منع کرنے کے بعد خیر کی طرف متوجہ کیا نماز قائم کرنے، زکوۃ ادا کرنے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ نماز قائم کرنا اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت ہے اور زکوۃ ادا کرنا مخلوق پر احسان ہے۔ نماز و زکوۃ کا حکم خاص ہے اور اس پر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے عام حکم کا عطف کیا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ اس بات پر نص ہے کہ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات یہاں اہل بیت میں شامل ہیں کیونکہ انہی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے اور آیت کا شان نزول آیت کے حکم میں ضرور داخل ہوتا ہے۔ یا تو صرف وہی مراد ہوتا ہے یا وہ بھی اور اس کے سوا بھی۔ یہ دوسرا قول زیادہ صحیح ہے۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ بازار میں منادی کرتے کہ یہ آیت خصوصاً حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عکرمہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی چاہے تو اس مسئلہ کے بارے میں مجھ سے مباہلہ کر لے۔ یہ آیت امہات المومنین کے متعلق نازل ہوئی۔ اگر اس قول سے یہ مطلب ہے کہ اس آیت کا شان نزول حضور ﷺ کی ازواج مطہرات ہیں نہ کہ کوئی اور تو یہ صحیح ہے لیکن اگر اس سے یہ مراد ہو کہ اہل بیت سے صرف یہی مراد ہیں اور ان کے علاوہ کوئی اس میں شامل نہیں تو یہ بات محل نظر ہے کیونکہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل بیت میں امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے سوا اور بھی داخل ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نماز صبح کے لئے تشریف لاتے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان کے پاس سے گزرتے اور فرماتے: "اے اہل بیت! نماز کا وقت ہو گیا ہے"۔ پھر یہ آیت إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ پڑھ کر سناتے۔ چھ ماہ تک حضور ﷺ کا یہ معمول رہا(3)۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔ حضرت ابو الحمراء بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سات ماہ قیام پذیر رہا۔ اس عرصہ کے دوران میں نے دیکھا کہ فجر کے وقت حضور ﷺ حضرات علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر تشریف لاتے اور فرماتے: "نماز، نماز، إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ (4)۔ اس کا ایک راوی ابوداؤد اعمی نفیع بن حارث کذاب ہے۔ شداد بن عمار کہتے ہیں کہ میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ اس وقت ان کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر ہو رہا تھا اور یہ لوگ آپ کو برا بھلا کہہ رہے تھے، میں نے بھی ان لوگوں کا ساتھ دیا۔ جب وہ لوگ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے تو حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے مجھے فرمایا کہ تم نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ان لوگوں کو دیکھ کر مجھ سے بھی گستاخی ہو گئی۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ بات بتاتا ہوں جس کا میں نے رسول اللہ ﷺ سے بذات خود مشاہدہ کیا۔ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گیا اور ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ بارگاہ رسالت میں گئے ہیں۔ میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ اسی اثناء میں حضور ﷺ تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ حضرات علی، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ دونوں شہزادے حضور ﷺ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے یہاں تک کہ آپ گھر تشریف لائے۔ حضرات علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے قریب کیا اور اپنے

1۔ مستدرک حاکم، کتاب التاریخ، جلد 2 صفحہ 548، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 601، تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 4
2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 8
3۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ احزاب، جلد 12 صفحہ 85، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 285
4۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 6

سامنے بٹھا لیا۔ دونوں شہزادوں کو اپنی رانوں پر بٹھا لیا پھران پر اپنی چادر ڈال دی، اور اس آیت اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ کی تلاوت کی پھر فرمایا: ''اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں اور میرے اہل بیت زیادہ حقدار ہیں''(1)۔ ایک اور روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ حضرت واثلہ بیان کرتے ہیں: میں نے یہ دیکھ کر عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں بھی آپ کے اہل بیت سے ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم بھی میرے اہل سے ہو''۔ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا یہ فرمان میرے لئے سب سے بڑی امید ہے(1)۔ شداد بن ابی عمار کا بیان ہے کہ میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرنے لگے۔ ان کے چلے جانے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے فرمایا کہ بیٹھو، میں تمہیں اس شخص کی شان کے متعلق بتاتا ہوں جن کی شان میں یہ گستاخی کر رہے تھے۔ سنو، میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرات علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم آگئے۔ حضور ﷺ نے ان پر چادر ڈال کر فرمایا: ''اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، اے اللہ! ان سے ناپاکی دور فرما دے اور انہیں خوب پاک فرما''۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم بھی''۔ اللہ کی قسم! میرے نزدیک یہ سب سے زیادہ قابل وثوق عمل ہے(2)۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ذکر کرتی ہیں کہ حضور ﷺ میرے گھر تشریف فرما تھے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حریرے (دودھ، گھی اور آٹے سے تیار شدہ کھانا) کی ایک پتیلی لے آئیں اور حضور ﷺ کی خدمت میں اسے پیش کیا۔ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ اپنے شوہر اور دونوں بیٹوں کو بھی بلا لو۔ وہ بھی آگئے اور سب مل کر وہ کھانا کھانے لگے۔ حضور اس وقت اپنے بستر پر تشریف فرما تھے اور آپ کے نیچے خیبری بنی ہوئی چادر بچھی ہوئی تھی۔ میں حجرے میں نماز پڑھ رہی تھی۔ اس وقت یہ آیت اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ ... نازل ہوئی۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ان حضرات پر اپنی چادر ڈال دی، پھر چادر سے اپنا ہاتھ نکالا اور آسمان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''اے اللہ! یہ میرے اہل بیت اور میرے خواص ہیں، ان سے ناپاکی دور کر دے اور انہیں خوب پاک فرما''۔ میں نے اپنا سر خوابگاہ میں داخل کر کے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہوں؟ فرمایا: تم خیر کی طرف ہو، تم خیر کی طرف ہو''(3)۔ اس روایت کی سند میں عطا کے شیخ کا نام مذکور نہیں۔ باقی راوی ثقہ ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی خدمت میں حریرہ لائیں تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ تمہارے خاوند اور دونوں بیٹے کہاں ہیں؟ عرض کی کہ وہ گھر میں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں بلاؤ۔ جب وہ آئے تو حضور ﷺ نے اپنے بستر پر بچھی ہوئی چادر اٹھائی اور اسے بچھا کر ان حضرات کو اس پر بٹھا دیا۔ پھر بائیں ہاتھ سے چادر کے چاروں کونوں کو پکڑ کر ملایا اور ان کے سروں پر ڈال دیا، پھر دائیں ہاتھ سے اپنے رب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے پلیدی کو دور کر دے اور انہیں اچھی طرح پاک فرما''(4)۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیت میرے گھر میں نازل ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ حضور ﷺ میرے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ کسی کو آنے کی اجازت نہ دینا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آگئیں، میری مجال نہ تھی کہ میں انہیں اپنے والد محترم کی ملاقات سے روکتی، پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ آگئے، میں انہیں بھی منع نہ کر سکی، اس کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ آگئے، انہیں اندر آنے سے روکنا بھی میرے بس کی بات نہ تھی، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ آگئے، انہیں روکنا بھی میرے لئے ناممکن تھا۔ جب چاروں

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 107، تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 7

2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 6-7

3۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 292

4۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 7

حضرات اکٹھے ہو گئے تو آپ ﷺ نے انہیں اپنی چادر اوڑھا دی اور فرمایا: "یہ میرے اہل بیت ہیں، اے اللہ! ان سے پلیدی دور کر دے اور انہیں خوب پاک کر دے۔" یہ آیت اس وقت اتری جب یہ چادر پر اکٹھے ہو چکے تھے۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں بھی؟ لیکن اس وقت آپ نے مسرت کا اظہار نہ کیا اور فرمایا: "تم خیر کی طرف ہو" (1)۔ ایک اور روایت میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تشریف فرما تھے۔ اسی اثناء میں خادمہ نے اطلاع دی کہ دروازے پر حضرات علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما ہیں۔ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: "اٹھو اور میرے اہل بیت سے ایک طرف ہو جاؤ"۔ میں اٹھی اور قریب ہی ایک طرف بیٹھ گئی۔ ان کے ساتھ ان کے دونوں فرزند حسن و حسین بھی تھے۔ چاروں حضرات اندر داخل ہوئے۔ اس وقت حضرات حسن و حسین ابھی چھوٹے بچے تھے۔ آپ نے دونوں شہزادوں کو گود میں لیا، بوسہ دیا اور پیار کیا اور اپنا ایک ہاتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گردن میں اور دوسرا فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گردن میں ڈالا، انہیں بوسہ دیا اور پیار کیا۔ پھر ان سب پر اپنی سیاہ چادر ڈال کر فرمایا: "اے اللہ! تیری طرف، نہ کہ آگ کی طرف، میں اور میرے اہل بیت"۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں بھی؟ فرمایا: "تم بھی" (2)۔ ایک اور روایت میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اس وقت گھر کے دروازے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم بھلائی کی طرف ہو، تم نبی ﷺ کی بیویوں میں سے ہو"۔ اس وقت گھر میں رسول اللہ ﷺ اور حضرات علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم تھے (3)۔ ایک اور روایت میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرات علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور پھر انہیں اپنے کپڑے کے نیچے داخل کر کے عجز و نیاز سے بارگاہ خداوندی میں دعا کی اور فرمایا: "یہ میرے اہل بیت ہیں"۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے بھی ان میں شامل فرما دیں۔ آپ نے فرمایا: "تو میری اہل سے ہے" (4)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک دن صبح کے وقت حضور ﷺ نکلے۔ آپ اس وقت سیاہ رنگ کی منقش چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ آئے تو آپ نے انہیں اپنے ساتھ چادر میں داخل کر لیا، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ آئے تو انہیں بھی چادر میں داخل کر لیا۔ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں تو انہیں بھی چادر میں داخل کر لیا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے تو انہیں بھی ساتھ شامل کر لیا۔ پھر اس آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ کی تلاوت کی (5)۔ ایک مرتبہ کسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سب سے زیادہ محبوب لوگوں میں سے تھے اور ان کے گھر میں آپ ﷺ کی صاحبزادی تھیں جو آپ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرات علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور ان پر اپنا کپڑا ڈال کر یہ دعا کی: "اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے پلیدی دور کر دے اور انہیں خوب پاک فرما دے"۔ میں ان کے قریب ہوئی اور عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں بھی آپ کے اہل بیت میں ہوں؟ فرمایا: ایک طرف ہٹ جاؤ، تم خیر پر ہو"۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ آیت پانچ افراد کے متعلق نازل ہوئی، میرے بارے میں اور علی، حسن، حسین اور فاطمہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں (6)۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور ﷺ پر وحی اتری تو آپ نے ان چاروں حضرات کو اپنے کپڑے کے نیچے لے کر فرمایا: اے میرے پروردگار! یہ میرے

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 8 2۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 296 3۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 7

4۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 8 5۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 6، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، جلد 4 صفحہ 1883 6۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 6

اہل اور میرے اہل بیت ہیں۔ حضرت یزید بن حیان کہتے ہیں کہ میں، حصین بن سبرہ اور عمر بن مسلمہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حصین حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ آپ نے تو خیر کثیر حاصل کر لی، آپ کو اعزاز حاصل ہوا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی، آپ سے احادیث سنیں، آپ کی معیت میں جہاد کیا اور آپ ﷺ کی امامت میں نمازیں پڑھیں، بخدا! آپ کو بہت زیادہ بھلائی مرحمت ہوئی۔ آپ ہمیں کوئی حدیث سنائیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھتیجے! اب میں عمر رسیدہ ہو گیا ہوں اور حضور ﷺ کا زمانہ بھی کافی دور ہو گیا اس لئے مجھے بعض باتیں فراموش ہو گئی ہیں جنہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر یاد کیا تھا۔ جو باتیں میں تمہیں از خود بتا دوں، انہیں قبول کر لینا ورنہ مجھے تکلیف نہ دینا۔ پھر فرمایا: ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع خم نامی چشمہ پر خطبہ دیا، آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی، وعظ و نصیحت کی اور فرمایا: ''اے لوگو! میں بشر ہوں، قریب ہے کہ میرے رب کا قاصد میرے پاس آئے اور میں اس کی دعوت پر لبیک کہوں۔ میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے، کتاب اللہ کو لو اور اسے مضبوطی سے تھام لو''۔ آپ نے کتاب اللہ کو تھام لینے پر ابھارا اور اس پر عمل کی خوب ترغیب دلائی۔ پھر فرمایا: ''اور میرے اہل بیت، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں خدا کو یاد دلاتا ہوں''۔ یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی۔ حصین نے آپ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ ﷺ کی بیویاں آپ کے اہل بیت میں سے نہیں ہیں؟ فرمایا کہ آپ ﷺ کی بیویاں بلاشبہ آپ کے اہل بیت میں سے ہیں لیکن آپ کے اہل بیت وہ ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ لینا حرام ہے۔ عرض کی کہ وہ کون ہیں؟ فرمایا کہ وہ آل علی، آل عقیل، آل جعفر اور آل عباس رضی اللہ عنہم ہیں۔ پھر پوچھنے لگے کہ کیا حضور ﷺ کے بعد ان سب پر صدقہ حرام ہے؟ فرمایا: ہاں (1)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ ﷺ کی بیویاں بھی اہل بیت میں شامل ہیں؟ فرمایا: نہیں، بخدا! عورت کا تو یہ معاملہ ہے کہ وہ اگر عرصہ دراز تک بھی اپنے خاوند کے پاس رہے لیکن پھر اگر اسے طلاق ہو جائے تو وہ اپنے میکے اور قوم میں واپس چلی جاتی ہے۔ آپ ﷺ کے اہل بیت آپ کی اصل اور عصبہ ہیں جن پر آپ ﷺ کے بعد صدقہ حرام ہے۔ یہ روایت اسی طرح ہے لیکن پہلی روایت ہی زیادہ موزوں ہے اور اسے لینا ہی بہتر ہے۔ دوسری روایت میں اس بات کا احتمال ہے کہ حدیث میں مذکور اہل سے ان کی مراد آپ ﷺ کی آل ہو جن پر صدقہ حرام ہے یا اہل سے مراد صرف ازواج مطہرات ہی نہیں بلکہ وہ بھی اور آپ ﷺ کی آل بھی۔ یہی احتمال زیادہ راجح ہے، اس طرح ان دونوں روایات میں بھی تطبیق ہو جاتی ہے اور قرآن اور سابقہ احادیث کے درمیان بھی بشرطیکہ وہ احادیث صحیح ہوں کیونکہ ان میں سے بعض کی اسناد محل نظر ہیں۔ قرآن کریم میں غور و تدبر کرنے والے شخص کے لئے یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات اس آیت اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ میں داخل ہیں کیونکہ سیاق کلام اسی کا تقاضا کرتا ہے اور اس فرمان سے پہلے بھی کلام انہی کے متعلق ہے اور بعد میں بھی، اس لئے اس کے بعد فرمایا: وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ ۔ یعنی جو قرآن و سنت تمہارے گھروں میں اتر رہا ہے اس پر عمل کرو اور اس خصوصی نعمت کو یاد رکھو کہ وحی صرف تمہارے گھروں میں ہی اترتی ہے نہ کہ کسی اور کے گھر میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ شرف بدرجہ اولیٰ حاصل تھا۔ آپ کو اس رحمت عامہ سے خصوصی اور وافر حصہ میسر تھا کیونکہ بجز آپ رضی اللہ عنہا کے بستر کے کسی دوسری زوجہ کے بستر پر حضور ﷺ کی طرف وحی نازل نہیں ہوئی، اس کی وجہ علماء یہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے آپ کے سوا کسی باکرہ سے

1۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، جلد 4 صفحہ 1873

نکاح تھیں اور آپ رضی اللہ عنہا کا بستر صرف حضور علیہ السلام کے لئے مخصوص رہا لیکن جب آپ علیہ السلام کی ازواج آپ کے اہل بیت میں سے ہیں تو آپ کے قرابتدار بطریق اولیٰ آپ کے اہل بیت ہیں جیسا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے اہل بیت زیادہ حقدار ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسا کہ رسول اللہ علیہ السلام سے جب اس مسجد کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی بنیاد پہلے دن سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی تھی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: "وہ میری یہ مسجد ہے"۔ یہ بھی اسی قبیل سے ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ (التوبہ: 108) تو مسجد قبا کے بارے میں اتری جیسا کہ دوسری احادیث سے ثابت ہے، لیکن جب مسجد نبوی میں بھی یہ وصف پایا جا رہا ہے اور اس کی بنیاد بھی تقویٰ ہی ہے تو اس مناسبت سے حضور علیہ السلام نے اسے بھی یہی نام دیا اور سائل کے جواب میں فرمایا کہ مسجد تقویٰ سے مراد یہی مسجد نبوی ہے(1) کیونکہ یہ بدرجہ اولیٰ اس نام کی مستحق ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے کہ بنو اسد کا ایک شخص آپ پر جھپٹ پڑا اور سجدہ کی حالت میں آپ کے جسم میں خنجر گھونپ دیا۔ خنجر سرین میں لگا جس کی وجہ سے آپ کئی ماہ تک بیمار رہے۔ صحت یاب ہونے کے بعد آپ نے منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا اور فرمایا: اے اہل عراق! ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرو، ہم تمہارے حاکم اور تمہارے مہمان ہیں۔ ہم اہل بیت ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ آپ بار بار یہ باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ مسجد میں تمام حاضرین زار و قطار رونے لگے۔ ایک مرتبہ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما نے شام کے ایک شخص سے فرمایا کہ کیا تم نے سورۂ احزاب کی یہ آیت اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ نہیں پڑھی؟ اس نے کہا: ہاں اور کیا اس سے مراد تم ہو؟ فرمایا: ہاں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا یعنی اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کی وجہ سے تم نے یہ بلند مقام حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم ہی اس رفعت شان کی اہل ہو، اس لئے اس نے تمہیں یہ خصوصی مرتبہ ارزانی فرمایا۔ ابن جریر اس آیت وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اے نبی علیہ السلام کی بیبیو! اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد رکھو کہ اس نے تمہیں ایسے گھروں میں آباد کیا جہاں اللہ تعالیٰ کی آیات اور حکمت پڑھی جاتی ہے اور اس انعام پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ تم پر لطف و کرم فرمانے والا ہے کہ اس نے تمہیں ایسے گھروں میں جگہ دی، اور اللہ تعالیٰ تمہارے متعلق پوری طرح باخبر ہے کیونکہ اس نے اپنے رسول علیہ السلام کی زوجیت کے لئے تمہیں چن لیا۔ حکمت سے مراد سنت ہے(2)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے اس انعام کو یاد رکھنے کی تلقین فرما رہا ہے(2)۔ عطیہ عوفی اس فرمان کی اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا وضاحت میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان آیات کے لانے میں لطیف اور ان کے موقع و محل سے باخبر ہے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾

"بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، سچ بولنے والے مرد

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 7-89، جلد 5 صفحہ 331، صحیح مسلم، کتاب الحج، 1015 وغیرہ
2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 9

اور سچ بولنے والی عورتیں، صابر مرد اور صابر عورتیں، عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے والیاں، خیرات کرنے والے اور خیرات کرنے والیاں، روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اپنی عصمت کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والیاں اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں تیار کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان سب کے لئے مغفرت اور اجر عظیم"۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے جس طرح قرآن کریم میں مردوں کا ذکر آتا ہے اس طرح ہم عورتوں کا ذکر نہیں کیا جاتا؟ ایک دن میں کنگھی کر رہی تھی کہ میں نے منبر پر حضور ﷺ کی آواز سنی، میں نے یونہی اپنے بالوں کو لپیٹا اور حجرے میں آ کر آپ ﷺ کی بات سننے لگی تو آپ اس وقت منبر پر یہی آیت تلاوت فرما رہے تھے(1)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اس کی کیا وجہ ہے کہ میں قرآن کریم میں مردوں کا ذکر تو سنتی ہوں لیکن عورتوں کا ذکر نہیں کیا جاتا؟ اس وقت یہ آیت اتری(2)۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہر چیز میں مردوں کا ہی ذکر آتا ہے جبکہ ہمارا ذکر نہیں آتا۔ اس وقت یہ آیت اتری۔ ابن جریر کی ایک روایت میں آیا ہے کہ عورتوں نے نبی کریم ﷺ سے یہ بات کی تھی(3)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ کچھ عورتوں نے امہات المومنین سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں تمہارا ذکر کیا ہے لیکن ہمارا کوئی ذکر نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت کریمہ میں اسلام اور ایمان کو الگ الگ بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان اسلام کا غیر ہے اور ایمان اسلام سے خاص ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ آیت ہے: قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۖ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (الحجرات: 14) "اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ فرمایئے تم ایمان تو نہیں لائے البتہ یہ کہو کہ ہم نے اطاعت اختیار کر لی ہے اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا"۔ اور دوسری دلیل یہ حدیث ہے کہ "زانی زنا کے وقت مومن نہیں ہوتا"(4)۔ زنا سے ایمان سلب ہو جاتا ہے لیکن اس سے کفر لازم نہیں آتا۔ علماء کا اس پر اجماع ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان اسلام سے خاص ہے جیسا کہ شرح بخاری کے شروع میں ہم نے اس مسئلہ کو بیان کر دیا ہے۔ فرمایا: وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ قنوت کا معنی ایسی اطاعت ہے جس میں عاجزی شامل ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ (الزمر: 9) "بھلا جو شخص رات کی گھڑیاں عبادت میں بسر کرتا ہے کبھی سجدہ کرتے ہوئے اور کبھی قیام کرتے ہوئے، وہ آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے"، وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ (الروم: 26) "اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اس کے تابع فرمان ہیں"۔ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (آل عمران: 43) "اے مریم! اپنے رب کی خلوص سے عبادت کرتی رہ اور سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر"۔ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ (البقرۃ: 238) "اور اللہ کے لئے عاجزی کرتے ہوئے کھڑے رہا کرو"۔ پس اسلام سے اوپر ایمان کا مرتبہ ہے اور ان دونوں کے اجتماع سے قنوت یعنی فرمانبرداری جنم لیتی ہے۔ پھر سچائی کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ

1۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 13 صفحہ 22، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 305 وغیرہ

2۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 13 صفحہ 42، تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 10

3۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 10

4۔ فتح الباری، کتاب الحدود، جلد 12 صفحہ 58، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 76

یعنی اپنے اقوال میں سچے مرد اور سچی عورتیں۔ سچائی قابل ستائش خصلت ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کبھی جھوٹ نہ بولا، نہ جاہلیت میں اور نہ اسلام میں۔ سچائی ایمان کی علامت ہے جبکہ جھوٹ نفاق کی نشانی ہے۔ سچا آدمی نجات پاتا ہے، سچائی اختیار کرو کیونکہ سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کی راہ دکھاتی ہے۔ جھوٹ سے اجتناب کرو کیونکہ جھوٹ بدی کی طرف لے جاتا ہے اور بدی جہنم کی طرف۔ ایک آدمی سچ بولتا رہتا ہے اور سچ کی تلاش میں کوشاں رہتا ہے یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق (سچا) لکھ لیا جاتا ہے اور ایک آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے اور ہمیشہ جھوٹ کی تلاش میں رہتا ہے یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں کذاب (جھوٹا) لکھ لیا جاتا ہے(1)۔ اس مضمون کی متعدد احادیث ہیں۔ پھر صبر کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ۔ یہ ثابت قدم رہنے والوں اور مستقل مزاج لوگوں کی خصلت ہے یعنی صبر اور ثابت قدمی سے مصائب کا سامنا کرنا اور یہ یقین رکھنا کہ تقدیر کا لکھا ہوا ٹلتا نہیں بلکہ ہر صورت وقوع پذیر ہوتا ہے۔ سب سے سخت اور حقیقی صبر تو پہلی چوٹ اور صدمہ کے آغاز پر ہوتا ہے، اس کے بعد وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ صبر آسان ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر ایک اور خصوصیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ خشوع کا معنی ہے عاجزی، سکون، اطمینان، سنجیدگی، وقار اور تواضع اور یہ پیدا اس وقت ہوتا ہے جب دل میں خوف خدا ہو اور یہ یقین پختہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے ہر وقت دیکھ رہا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی تو کم از کم یہ تصور پختہ ہونا چاہئے کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے" (2)۔ پھر فرمایا: وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ صدقہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور مخلوق پر احسان کی خاطر ان کمزور ضرورت مند لوگوں کو اپنا فالتو مال دینا جن کی نہ کوئی کمائی ہو اور نہ ان کا کوئی کمانے والا ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ سات قسم کے لوگ ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے عرش تلے سایہ دیگا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ان میں سے ایک شخص وہ ہے جو صدقہ کرتا ہے لیکن اس طرح پوشیدہ طور پر کہ اس کے بائیں ہاتھ کو اس کے دائیں ہاتھ کے خرچ کرنے کا علم تک نہیں ہوتا(3)۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے: "صدقہ خطاؤں کو اسطرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے" (4)۔ علاوہ ازیں اور بھی متعدد احادیث ہیں جن میں صدقہ کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ پھر فرمایا: وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ روزہ کے متعلق حدیث شریف میں آتا ہے: "روزہ بدن کی زکوٰۃ ہے" (5)۔ یعنی روزہ جسم کو ہر قسم کی طبعی اور اخلاقی آلائشوں سے پاک صاف کر دیتا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ جو شخص رمضان کے روزوں کے علاوہ ہر ماہ تین روزے رکھے، وہ اس فرمان وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ میں داخل ہوگیا۔ روزہ چونکہ شہوت کو توڑنے میں بہت زیادہ معاون ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "اے نوجوانو! تم میں سے جسے قدرت حاصل ہو وہ ضرور نکاح کرے کیونکہ یہ نگاہ کو نیچی رکھنے والا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے اور جسے استطاعت نہ ہو وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ شہوت کو توڑنے والا ہے" (6)۔ اس لئے موزوں یہی تھا کہ اس کے بعد یہ ذکر کیا جاتا: وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ یعنی حرام کاری اور گناہوں سے اجتناب کرنے والے مرد اور خواتین۔ بجز اس کے کہ جسے مباح کیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ

1۔ فتح الباری، کتاب الادب، جلد 10 صفحہ 507، صحیح مسلم، کتاب البر: 2012

2۔ فتح الباری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 114، صحیح مسلم، کتاب الایمان: جلد 1 صفحہ 37

3۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2 صفحہ 143، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ: 715

4۔ سنن ابن ماجہ، جلد 2 صفحہ 1408، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 399

5۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الصیام، جلد 1 صفحہ 555، معجم کبیر، جلد 6 صفحہ 193

6۔ فتح الباری، کتاب الصوم، جلد 4 صفحہ 119، صحیح مسلم، کتاب النکاح: 1018-1019 وغیرہ

فَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ ۔۔۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ○ (المعارج:3-29)۔ اس کے بعد ان کی ایک اور صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب آدمی رات کے وقت اپنی بیوی کو جگائے اور دونوں دو رکعتیں ادا کرلیں تو اس رات انہیں ان لوگوں میں لکھ لیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرتے ہیں“(1)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں کس کا درجہ سب سے بلند ہوگا؟ فرمایا: ”بکثرت اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے مرد اور عورتوں کا۔“ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا راہ خدا کے مجاہد سے بھی زیادہ؟ فرمایا: ”اگرچہ وہ کافروں اور مشرکوں پر اس قدر تلوار چلائے کہ وہ تلوار ٹوٹ جائے اور خون سے خوب رنگین ہو جائے پھر بھی اللہ کا ذکر کرنے والے اس سے افضل ہیں“(2)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے رستہ میں جا رہے تھے۔ جب آپ جمدان پر پہنچے تو فرمایا: ”یہ جمدان ہے، سفر جاری رکھو، مفرد سبقت لے گئے۔“ صحابہ نے عرض کی کہ مفرد سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: وہ مرد و زن جو بکثرت اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے ہیں“۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے اللہ! حج و عمرہ میں سر منڈوانے والوں کی مغفرت فرما۔“ صحابہ نے عرض کی کہ بال کتروانے والوں کی بھی۔ فرمایا: ”اے اللہ! سر منڈوانے والوں کی بخشش فرما“۔ صحابہ نے کہا کہ بال کتروانے والوں کی بھی۔ فرمایا: ”اور بال کتروانے والوں کی بھی مغفرت فرما“(3)۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یاد خدا سے بڑھ کر کوئی ایسا عمل نہیں جو انسان کو نجات دلانے والا ہو“۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں سب سے بہتر، سب سے پاکیزہ اور سب سے بلند درجہ کا حامل عمل نہ بتاؤں جو تمہارے لئے سونا چاندی صدقہ کرنے سے بھی بہتر ہو اور اس سے بھی کہ تم اپنے دشمن کا مقابلہ کرو، تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں؟“ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ضرور آگاہ فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ عزوجل کا ذکر“(4)۔ ایک آدمی نے دریافت کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کون سا مجاہد افضل ہے؟ فرمایا: سب سے زیادہ اللہ کو یاد کرنے والا“۔ پھر پوچھا کہ کس روزہ دار کا درجہ سب سے بلند ہے؟ فرمایا: ”سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے کا“۔ پھر اس شخص نے نماز، زکوٰۃ، حج اور صدقہ کے متعلق پوچھا تو حضور ﷺ نے سب کا یہی جواب دیا۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ اس طرح تو ذکر کرنے والے ہر بھلائی لے گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں(5)۔ کثرت ذکر کی فضیلت میں وارد شدہ باقی احادیث کا بیان ہم ان شاء اللہ اس سورت کی اس آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۙ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا (الاحزاب:42-41) کی تفسیر کے تحت کریں گے۔ مذکورہ بالا صفات کے حامل لوگوں کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا: اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا یعنی ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے مغفرت اور اجر عظیم یعنی جنت تیار کر رکھی ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۳۶

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب التطوع، جلد 2 صفحہ 33۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 423-424 وغیرہ

2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 75

3۔ صحیح مسلم، کتاب الدعوات، جلد 4 صفحہ 2062، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 411

4۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 239

5۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 438

''نہ کسی مومن مرد کو یہ حق پہنچتا ہے اور نہ کسی مومن عورت کو کہ جب فیصلہ فرما دے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا تو پھر انہیں کوئی اختیار ہو اپنے اس معاملہ میں۔ اور جو نافرمانی کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی تو وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گیا''۔

رسول اللہ ﷺ اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی شادی کا پیغام لے کر حضرت زینب بنت جحش اسدیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ کہنے لگیں کہ میں ان سے نکاح نہیں کروں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انکار نہ کرو بلکہ ان سے نکاح کرلو۔ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اپنے بارے میں سوچنے اور مشاورت کرنے کی مہلت عطا فرمائیں۔ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ اسے سن کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ میرے لئے اس نکاح پر رضامند ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ کہنے لگیں کہ پھر تو مجھے مجال انکار نہیں، میں رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی نہیں کرسکتی، میں نے خود کو زید کے نکاح میں دیا(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ پیغام لے کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو وہ اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے کہنے لگیں کہ میں حسب ونسب کے اعتبار سے زید سے بہتر ہوں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے مزاج میں ذرا حدت اور تیزی تھی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی(1)۔ مجاہد، قتادہ اور مقاتل بن حیان بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے پہلے حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کردیا لیکن اس آیت کے نزول کے بعد اس رشتہ کو قبول کرلیا۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہا کے بارے میں اتری۔ صلح حدیبیہ کے بعد ہجرت کرنے والی پہلی خاتون یہی تھیں۔ انہوں نے اپنا نفس نبی کریم ﷺ کو ہبہ کردیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے قبول ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ان کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کردیا۔ یہ نکاح حضرت زینب سے علیحدگی کے بعد ہوا۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی بہت ناراض ہوئے کہ ہمارا ارادہ تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکاح کا تھا لیکن آپ نے اپنے غلام کے ساتھ نکاح کرا دیا۔ اس وقت یہ آیت اتری۔ اور اس سے بھی جامع حکم اس آیت میں ہے: اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ (الاحزاب:6) پس مذکورہ بالا آیت وَمَا کَانَ لِمُؤۡمِنٍ خاص ہے اور یہ اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی ''اس سے بھی جامع(2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنی لڑکی کا رشتہ جلیبیب کو دے دیں۔ انصاری نے کہا کہ میں لڑکی کی ماں کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد کچھ بتاؤں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بہت اچھا۔ وہ انصاری اپنی بیوی کے پاس گیا اور اسے حضور ﷺ کی خواہش سے آگاہ کیا۔ وہ کہنے لگی کہ تعجب ہے۔ ہماری بیٹی کے لئے جلیبیب ہی رہ گیا ہے۔ اس سے بڑے بڑے فلاں فلاں آدمیوں نے ہم سے رشتہ مانگا لیکن ہم نے انکار کردیا اور اب اس سے نکاح کردیں۔ لڑکی پردے کی اوٹ میں کھڑی یہ ساری باتیں سن رہی تھی۔ جب وہ انصاری حضور ﷺ کو اپنے فیصلہ سے آگاہ کرنے کے لئے جانے لگا تو لڑکی بول پڑی کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو رد کرنا چاہتے ہو، اگر حضور ﷺ اس رشتہ پر رضامند ہیں تو تم بھی اسے قبول کرلو۔ دونوں میاں بیوی نے یہ بات سنی تو کہنے لگے کہ ہماری بیٹی نے سچ کہا ہے۔ اسی وقت اس کا باپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ اگر آپ کی خوشی اسی میں ہے تو ہم بھی اس رشتہ پر راضی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس پر رضامند ہوں۔ چنانچہ اس انصاری کے رضامند ہو جانے پر نکاح ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 11   2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 12، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 610

اہل مدینہ دشمن سے نبرد آزما ہونے کیلئے نکلے۔ ان میں حضرت جلیبیب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے جو اس جنگ میں شہید ہو گئے۔ لوگوں نے دیکھا کہ انہوں نے بہت سے مشرکین کو قتل کیا جن کی لاشیں ان کے ارد گرد پڑی تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ شریف میں ان کا گھرانہ بہت شاہ خرچ تھا۔(1) حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جلیبیب خوش مزاج شخص تھے، وہ عورتوں سے بھی مزاح کر لیتے تھے۔ میں نے اپنے اہل خانہ سے کہہ دیا تھا کہ جلیبیب تمہارے پاس نہ آئے۔ اگر یہ تمہارے پاس آیا تو میں بہت برا سلوک کروں گا۔ انصار کا یہ معمول تھا کہ وہ اس وقت تک کسی عورت کا نکاح نہیں کرتے تھے جب تک وہ یہ نہ معلوم کر لیتے کہ حضور ﷺ کو اس رشتہ میں دلچسپی ہے یا نہیں۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ایک انصاری سے کہا کہ مجھے اپنی بیٹی کا رشتہ دو۔ اس نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ بات ہمارے لئے باعث صد افتخار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے لئے اس کا خواہشمند نہیں۔ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! پھر کس کے لئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جلیبیب کے لئے۔ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے لڑکی کی ماں کے ساتھ مشاورت کا موقعہ عنایت فرمائیں۔ اس انصاری نے اپنی بیوی سے کہا کہ حضور ﷺ تمہاری بیٹی کا رشتہ مانگ رہے ہیں۔ پہلے تو اس نے بڑی مسرت کا اظہار کیا لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ جلیبیب کے لئے رشتہ لینا چاہتے ہیں تو اس نے انکار کر دیا۔ بیٹی اپنے والدین کی باتیں سن رہی تھی، کہنے لگی کہ کیا تم حضور ﷺ کے حکم کو رد کر رہے ہو، مجھے حضور ﷺ کے سپرد کر دیں۔ آپ ﷺ مجھے ضائع نہیں ہونے دیں گے۔ چنانچہ اس کے باپ کی رضامندی کے بعد حضور ﷺ نے اس کا نکاح جلیبیب سے کر دیا۔ ایک غزوہ میں فتح کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کیا کوئی ایسا شخص ہے جسے تم مفقود پاتے ہو؟ عرض کی کہ فلاں فلاں مفقود ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو کیا کوئی ایسا شخص ہے جو تمہیں نہیں مل رہا؟ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تو جلیبیب نظر نہیں آ رہا، انہیں مقتولوں میں تلاش کرو۔ صحابہ تلاش کرتے کرتے ان تک پہنچے تو دیکھا کہ ان کے نعش کے قریب سات کافروں کی لاشیں پڑی ہیں جنہیں قتل کرنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ جب صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کو آگاہ کیا تو آپ اپنے اس شہید صحابی کی نعش کے قریب کھڑے ہو کر فرمانے لگے: "اس نے سات کو قتل کیا پھر خود شہید ہوا، یہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔" دو تین مرتبہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا۔ پھر قبر کھدوا کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر انہیں قبر میں اتارا۔ کوئی چار پائی وغیرہ نہ تھی، حضور ﷺ کا دست مبارک ہی ان کا جنازہ تھا۔ یہ بھی مذکور نہیں کہ انہیں غسل دیا گیا۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس انصاریہ خاتون سے بڑھ کر کوئی عورت شاہ خرچ نہ تھی جس نے حضور ﷺ کے حکم کو بلا تامل قبول کرتے ہوئے خود کو حضرت جلیبیب کی زوجیت میں دے دیا۔ حضور ﷺ نے اس سعادتمند خاتون کے لئے یہ دعا کی تھی: "اے اللہ! اس پر اپنی رحمتوں کی بارش برسا اور اس کی زندگی مشکلات سے محفوظ رکھ"(2)۔ حافظ ابو عمر بن عبد البر استیعاب میں ذکر کرتے ہیں کہ جب اس لڑکی نے اپنے والدین سے کہا تھا کہ کیا تم حضور ﷺ کے فرمان کو رد کرنے کا ارادہ رکھتے ہو، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی(3)۔ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھی جا سکتی ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے منع کرتے ہوئے اسی آیت کی تلاوت کی(3)۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس آیت کا حکم عام ہے اگرچہ شان نزول کے لحاظ سے یہ خاص ہے۔ جب اللہ اور اس کے

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 136
2۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1918، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 422 وغیرہ
3۔ سنن بیہقی، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 453، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 610

رسول علیہ السلام کسی چیز کا حکم دیں تو نہ کوئی مخالفت کر سکتا ہے، نہ کسی کا کوئی اختیار باقی رہتا ہے اور نہ کسی کے لئے رائے زنی کی گنجائش ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (النساء:65) ''پس تمہارے رب کی قسم! یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ آپ کو ہر اس جھگڑے میں حاکم بنائیں جو ان کے درمیان پھوٹ پڑے پھر اپنے نفسوں میں اس سے تنگی نہ پائیں جو فیصلہ آپ نے کیا اور تسلیم کر لیں''۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش اس چیز کے تابع نہ ہو جائے جسے میں لایا ہوں''۔ اس لئے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی پر شدید حکم لگاتے ہوئے فرمایا: وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (النور:63) ''پس انہیں ڈرنا چاہئے جو رسول کریم علیہ السلام کے فرمان کی خلاف ورزی کرتے ہیں کہ انہیں کوئی مصیبت نہ پہنچے یا انہیں دردناک عذاب نہ آئے''۔

وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾

''اور یاد کیجئے جب آپ نے فرمایا اس شخص کو جس پر اللہ نے بھی احسان فرمایا اور آپ نے بھی احسان فرمایا اپنی بی بی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور آپ مخفی رکھے ہوئے تھے اپنے جی میں وہ بات جسے اللہ ظاہر فرمانے والا تھا اور آپ کو اندیشہ تھا لوگوں (کے طعن و تشنیع) کا، حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔ پھر جب پوری کر لی زید نے اسے طلاق دینے کی خواہش تو ہم نے اس کا آپ سے نکاح کر دیا تاکہ (اس عملی سنت کے بعد) ایمان والوں پر کوئی حرج نہ ہو اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں جب وہ انہیں طلاق دینے کا ارادہ پورا کریں۔ اور اللہ کا حکم تو ہر حال میں ہو کر رہتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ اس کے نبی علیہ السلام نے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے اور اپنے گھر کو آباد رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو اور اس معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ وہ شخص تھے جن پر اللہ اور اس کے رسول کا انعام تھا۔ اللہ تعالیٰ کا انعام یہ تھا کہ اس نے انہیں اسلام قبول کرنے اور حضور علیہ السلام کی اتباع کرنے کی توفیق ارزانی فرمائی اور رسول اللہ علیہ السلام کا یہ احسان تھا کہ آپ علیہ السلام نے انہیں غلامی سے آزاد کر دیا۔ یہ بڑے جلیل القدر، عظیم الشان اور حضور علیہ السلام کے محبوب صحابی تھے۔ انہیں حب الرسول (رسول اللہ علیہ السلام کے محبوب) اور ان کے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو حب بن حب کہا جاتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام جس لشکر میں انہیں بھیجتے، اس لشکر کا امیر انہی کو ہی بناتے۔ اگر یہ زندہ رہتے تو آپ علیہ السلام انہیں اپنا خلیفہ نامزد کر دیتے (1)۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں تھا۔

1۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 27،-281،254

حضرات عباس وعلی رضی اللہ عنہما میرے پاس آئے اور مجھے کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لئے ہمارے لئے اذن طلب کرو۔ میں نے آپ کو خبر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ وہ کس مقصد کے لئے آئے ہیں؟'' میں نے عرض کی: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لیکن مجھے معلوم ہے''۔ چنانچہ انہیں اندر آنے کی اجازت دے دی گئی دونوں حضرات عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! ہم یہ معلوم کرنے کے لئے آپ کے پاس آئے ہیں کہ آپ کو اپنے اہل میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ فرمایا: ''میرے اہل میں مجھے سب سے زیادہ محبوب فاطمہ بنت محمد ہے''۔ کہنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! ہم فاطمہ کے متعلق نہیں پوچھنا چاہتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر زید بن حارثہ جس پر اللہ تعالیٰ نے بھی انعام کیا اور میں نے بھی'' (1)۔ حضور ﷺ نے خود حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نکاح اپنی پھوپھی زاد حضرت زینب بنت جحش اسدیہ رضی اللہ عنہا سے کیا، ان کی والدہ کا نام امیمہ بنت عبد المطلب تھا۔ آپ ﷺ نے انہیں دس دینار اور ساٹھ درہم مہر، کچھ پارچات اور خورونوش کا کچھ سامان دیا۔ تقریباً ایک سال حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضرت زید رضی اللہ عنہ کے گھر آباد رہیں، پھر دونوں میں ناچاقی ہوگئی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی تو آپ ﷺ انہیں فرمانے لگے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس آباد رکھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ...... اس مقام پر ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے بہت سی غیر صحیح روایات ذکر کی ہیں جن سے ہم عدم صحت کی بناء پر صرف نظر کرتے ہوئے درج نہیں کرتے۔ مسند احمد میں بھی ایک غریب روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اسے بیان کرنا بھی ہم مناسب نہیں سمجھتے۔ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری (2)۔ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اپنے رسول ﷺ کو یہ خبر دے دی تھی کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں آئیں گی۔ یہی وہ بات تھی جسے آپ اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے والا تھا۔ جب حضرت زید رضی اللہ عنہ شکایت لے کر آئے تو آپ نے یہی فرمایا: اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ (3)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اگر کتاب اللہ میں سے کچھ چھپاتے تو یہ آیت وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ... چھپاتے (4)۔ پھر فرمایا: فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا۔ وطر کا معنی ہے حاجت یعنی جب زید نے زینب کو طلاق دے کر اپنی خواہش پوری کر لی تو ہم نے تمہارا اس کے ساتھ نکاح کر دیا۔ اس نکاح کا ولی بذات خود اللہ تعالیٰ تھا یعنی اس کی وحی سے یہ نکاح ہوا اس لئے کسی ولی، ایجاب وقبول، مہر اور گواہوں کی ضرورت ہی نہ رہی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عدت گزر گئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم جاؤ اور زینب کو میرے نکاح کا پیغام دو۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ اس وقت وہ آٹا گوندھ رہی تھیں۔ حضرت زید خود بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے انہیں دیکھا تو مجھ پر اس قدر ان کی عظمت چھا گئی کہ میں سامنے کھڑا ہو کر بات بھی نہ کر سکا میں نے منہ پھیر لیا اور کہا: اے زینب! تمہیں خوشخبری ہو، رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے شادی کا پیغام دے کر مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ وہ کہنے لگیں کہ میں اپنے رب سے استخارہ کئے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ یہ کہہ کر وہ اپنی جائے نماز پر کھڑی ہو کر نماز پڑھنے لگیں۔ اسی وقت وحی اتری جس میں اللہ تعالیٰ

1۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 417، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 611
2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 147
3۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 13، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 616
4۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 53

نے اپنے رسول ﷺ کو آگاہ کر دیا کہ ہم نے زینب کے ساتھ آپ کا نکاح کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ اسی وقت بغیر اجازت کے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس چلے آئے۔ پھر آپ ﷺ نے دعوت ولیمہ میں ہمیں روٹی اور گوشت کھلایا۔ دعوت کھا کر لوگ چلے گئے لیکن کچھ آدمی وہاں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ آپ باہر نکل کر باری باری اپنی ازواج کے حجروں میں تشریف لے گئے۔ آپ انہیں سلام کرتے اور وہ آپ ﷺ سے پوچھتیں کہ آپ نے اپنے اہل کو کیسا پایا؟ مجھے یہ یاد نہیں کہ میں نے آپ کو خبر دی یا آپ کو خبر دی گئی کہ لوگ چلے گئے ہیں۔ پھر آپ گھر میں تشریف لے گئے۔ میں نے بھی آپ کے ساتھ جانا چاہا لیکن آپ ﷺ نے پردہ گرا دیا۔ اس وقت پردہ کا حکم نازل ہوا اور صحابہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا گیا: لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ (الاحزاب: 53) "نبی کریم کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو بجز اس کے کہ تمہیں اجازت دی جائے" (1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا باقی امہات المومنین پر فخر کرتے ہوئے انہیں کہا کرتی تھیں کہ تم سب کے نکاح تمہارے ولیوں نے کیے لیکن میرا نکاح خود اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے کرایا (2)۔ سورۂ نور کی تفسیر میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک دوسرے پر اظہار فخر کرنے لگیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں ہی ہوں جس کا نکاح آسمان سے اترا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں کہ میں ہی ہوں جس کی براءت آسمان سے اتری۔ اس فضیلت کا اعتراف حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بھی کیا۔ (3) حضرت زینب رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ سے کہا کرتی تھیں کہ مجھ میں تین خصوصیات ایسی ہیں جو آپ کی کسی اور زوجہ میں نہیں: (۱) میرا اور آپ کا دادا ایک ہے، (۲) اللہ تعالیٰ نے آسمان سے میرا نکاح آپ کے ساتھ کیا اور (۳) سفیر جبریل علیہ السلام تھے (4)۔ اس کے بعد فرمایا: لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ "یعنی ہم نے آپ کے لئے زینب کے ساتھ نکاح اس لئے مباح کر دیا تا کہ منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ عورتوں کے ساتھ شادی کرنے میں اہل ایمان پر کوئی حرج باقی نہ رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے نبوت سے پہلے حضرت زید بن حارثہ کو اپنا متبنی بنایا تھا اور انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا۔ قرآن کریم نے اس نسبت کو اس فرمان کے ذریعے ختم کر دیا: وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ - اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ (الاحزاب: 5-4) "اور اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے فرزند نہیں بنایا، یہ صرف تمہارے منہ کی باتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ سچی بات کہتا ہے اور وہ سیدھی راہ پر چلنے کی ہدایت دیتا ہے۔ انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے پکارا کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ قرین انصاف ہے"۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت زید بن حارثہ کی مطلقہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور ﷺ کا نکاح کر کے اس حکم کو مزید واضح اور پختہ کر دیا۔ اس لئے لے پالک لڑکوں سے احتراز کرتے ہوئے آیت تحریم میں فرمایا: وَحَلَآىٕلُ اَبْنَآىٕكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ (النساء: 23) "یعنی تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں تم پر حرام ہیں۔ اس میں منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے ساتھ نکاح کی حرمت کو بیان نہیں کیا۔ بہر صورت عربوں میں متبنی بنانے کا بہت رواج تھا جس پر حکم الٰہی اور حضور ﷺ کے عمل کے ذریعے کاری ضرب لگا دی گئی۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا "یعنی یہ امر جو وقوع پذیر ہوا، اسے اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی مقدر کر رکھا تھا، اس کا وقوع حتمی تھا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے لئے یہ شرف لکھا جا چکا تھا کہ وہ امہات المومنین میں شامل ہوں گی۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 1048-1049، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 195-196

2۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 152

3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نور: 11

4۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 14

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ﴿۳۸﴾

''نہیں ہے نبی پر کوئی مضائقہ ایسے کام کرنے میں جنہیں حلال کر دیا ہے اللہ نے اس کے لئے۔ اللہ تعالیٰ کی یہی سنت ہے ان (انبیاء) کے بارے میں جو پہلے گزر چکے ہیں اور اللہ کا حکم ایسا فیصلہ ہوتا ہے جو طے پا چکا ہوتا ہے''۔

فرمایا جا رہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے اپنے رسول ﷺ کے لئے حلال کر دیا کہ آپ اپنے منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی مطلقہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیں تو اب اس میں حرج کی کوئی بات نہیں۔ آپ ﷺ سے پہلے سابقہ انبیاء علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو احکام نازل ہوتے تھے، ان پر عمل پیرا ہونے میں ان پر کوئی حرج نہ تھا یہ دستور الٰہی پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ اس سے غرض منافقین کا رد ہے جو حضور ﷺ پر حرف گیری کرتے ہوئے کہتے تھے کہ دیکھو آپ نے اپنے لے پالک لڑکے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم ایسا فیصلہ ہے جو حتمی اور قطعی ہوا کرتا ہے اور اس کا وقوع ہو کر رہتا ہے، وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ يَخْشَوْنَهٗ وَ لَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾

''وہ لوگ جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں وہ نہیں ڈرا کرتے کسی سے اللہ تعالیٰ کے سوا۔ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ حساب لینے والا۔ نہیں ہیں محمد (فداہ روحی) کسی کے باپ تمہارے مردوں میں سے بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ ان نفوس قدسیہ کی مدح فرما رہا ہے جو اس کے پیغامات مخلوق تک پہنچاتے ہیں اور امانت خداوندی کی ادائیگی کرتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اس کے سوا کسی سے خوف نہیں کھاتے اور کسی کی قوت و سطوت سے مرعوب اور خوفزدہ ہو کر دعوت و تبلیغ کے فریضہ کی ادائیگی کو ترک نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہی حامی و ناصر کافی ہے۔ دعوت و تبلیغ کے منصب پر فائز ہونے والوں میں سرفہرست سید اولاد آدم حضرت محمد ﷺ ہیں، صرف اس میں ہی نہیں بلکہ ہر امر میں آپ کو سیادت اور قیادت حاصل ہے۔ آپ ﷺ نے مشرق و مغرب میں تمام اولاد آدم تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور تبلیغ کا حق ادا کر دیا، آپ نے اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ دین اسلام کی اشاعت میں بسر کر دیا اور ثابت قدمی سے ہر قسم کے مصائب کا سامنا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلمہ کو بلند کیا اور اپنے دین اور شریعت کو تمام ادیان اور شریعتوں پر غالب کیا۔ حضور ﷺ سے پہلے ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا لیکن آپ ﷺ کو تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا خواہ وہ عرب ہوں یا عجم جیسا کہ ارشاد ہے: قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف: 158) ''فرما دیجئے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں''۔ پھر آپ ﷺ کے وصال کے بعد منصب تبلیغ کے وارث آپ کے امتی ہوئے۔ اس امت میں فریضہ تبلیغ ادا کرنے والوں میں سب سے اعلیٰ مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہے۔ ان جلیل القدر ہستیوں نے جو کچھ حضور ﷺ سے

سیکھا تھا، اسے بعینہ لوگوں تک پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال، افعال اور احوال دنیا کے سامنے رکھ دیئے خواہ ان کا وقوع دن میں ہوا یا رات میں، سفر میں یا حضر میں، اعلانیہ یا پوشیدہ۔ پھر تابعین نے یہ ذمہ داری لے لی، ان کے بعد ہر زمانہ کے علماء اس منصب کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے رہے اور یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ ہدایت یافتہ لوگ انہی کی اقتدا کرتے ہیں اور ان کی روشن کردہ شاہراہ پر گامزن رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہماری درخواست ہے کہ وہ ہمیں بھی ان میں شامل فرما دے! حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کوئی اپنے آپ کو حقیر نہ بنائے کہ خلاف شرع کام دیکھ کر بھی خاموش رہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے باز پرس کرتے ہوئے فرمائے گا کہ تو خاموش کیوں رہا؟ وہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار! میں لوگوں سے ڈر گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں اس بات کا زیادہ حقدار تھا کہ تو مجھ سے ڈرتا" (1)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مرد کا باپ کہنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ۔ حضرت زید کو زید بن محمد کہنے کی بھی ممانعت کر دی گئی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے باپ نہیں اگرچہ آپ نے انہیں اپنا متبنی بنایا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد ہوئی لیکن بلوغت تک پہنچنے سے پہلے ہی سب کا انتقال ہو گیا۔ حضرات قاسم، طیب اور طاہر یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین صاحبزادے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے بطن سے پیدا ہوئے لیکن تینوں بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چوتھے فرزند حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے متولد ہوئے لیکن ابھی شیر خوار بچے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں: زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن۔ آپ کی تین بیٹیوں کی وفات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہی ہو گئی جبکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد فوت ہوئیں۔ پھر فرمایا: وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔۔ یہ اس فرمان کی طرح ہے: اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الانعام: 124) "اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنی رسالت رکھتا ہے"۔ یہ آیت اس بات پر نص ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں تو آپ کے بعد کوئی رسول کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ رسالت نبوت سے خاص ہے۔ ہر رسول نبی ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں۔ متواتر احادیث سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نبیوں میں میری مثال ایسی ہے جیسے کسی نے بہت حسین و جمیل اور مکمل مکان بنایا لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی اور اس میں کچھ نہ رکھا لوگ اس عمارت کے اردگرد پھرتے، اس کی خوبصورتی پر حیران ہوتے اور کہتے کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اس اینٹ کی جگہ بھی پر کر دی جاتی۔ پس میں نبیوں میں اس اینٹ کی جگہ ہوں" (2)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا، میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ کوئی نبی"۔ صحابہ کو یہ بات شاق گزری تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن مبشرات (خوشخبریاں دینے والے)۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مبشرات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: "مسلمان کے خواب اور یہ اجزائے نبوت میں سے ایک جز ہیں" (3)۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری اور انبیاء کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جس نے ایک گھر بنایا، اسے مکمل اور حسین و جمیل کیا، صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ جو بھی اس میں داخل ہوتا اور اسے دیکھتا، وہ کہتا کہ یہ گھر کتنا خوبصورت ہے بجز

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 30

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب المناقب، جلد 13 صفحہ 101، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 136

3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الرؤیا، جلد 9 صفحہ 126-127، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 267

اس اینٹ کی جگہ کے، میں اینٹ کی جگہ ہوں، مجھ پر انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ ختم ہو گیا"(1)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا: "میری اور انبیاء کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جس نے عمارت بنوائی، سوائے ایک اینٹ کی جگہ کے سب عمارت مکمل کر دی۔ میں آیا اور اس اینٹ کی جگہ کو بھی پر کر دیا" (2)۔ حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: "میرے بعد نبوت نہیں بجز مبشرات کے"۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ علیہ السلام! مبشرات کیا ہیں؟ فرمایا: "اچھے خواب یا فرمایا: نیک خواب" (3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: "میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے مکمل اور حسین وجمیل عمارت بنائی لیکن ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹ گئی، لوگ اس عمارت کا چکر لگاتے، اسے دیکھ کر خوش ہوتے اور کہتے کہ یہاں اینٹ کیوں نہ رکھی گئی تا کہ عمارت مکمل ہو جاتی۔ فرمایا کہ میں ہی وہ اینٹ ہوں" (4)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: "مجھے چھ باتوں میں انبیاء پر فضیلت دی گئی: مجھے جوامع الکلم (ایسے مختصر کلمات جن میں معانی کا سمندر ہو) سے نوازا گیا، رعب کے ذریعے میری مدد فرمائی گئی، میرے لئے غنیمت کا مال حلال کیا گیا، میرے لئے تمام زمین کو مسجد بنا دیا گیا اور اس سے تیمم کی اجازت دی گئی، مجھے تمام مخلوق کے لئے رسول بنایا گیا اور میری ذات سے انبیاء علیہ السلام کا سلسلہ ختم کر دیا گیا" (5)۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے مجھے فرمایا کہ میں اس وقت اللہ تعالیٰ کے ہاں خاتم النبیین تھا جب کہ آدم علیہ السلام کا ابھی جسم تیار ہو رہا تھا (6)۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "میرے کئی نام ہیں: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی (مٹانے والا) ہوں، میرے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے، میں حاشر ہوں، تمام لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہوگا اور میں عاقب (پیچھے آنے والا) ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں" (7)۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ علیہ السلام ہمارے پاس الوداع کرنے والے کے انداز میں تشریف لائے اور تین بار فرمایا: "میں محمد امی نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ مجھے فاتح کلمات، جامع کلمات اور خاتم کلمات کی خوبیوں سے نوازا گیا ہے۔ مجھے علم ہے کہ جہنم کے داروغے اور عرش کے اٹھانے والے کتنے ہیں۔ میرا میری امت سے تعارف کروایا گیا۔ جب تک میں تم میں ہوں، میری سنو اور اطاعت کرو۔ جب میں رخصت ہو جاؤں تو کتاب اللہ کو تھام لینا، اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھنا" (8)۔ اس مضمون کی اور بھی متعدد احادیث ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بندوں پر خصوصی رحمت ہے کہ اس نے حضرت محمد علیہ السلام کو ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا، پھر انہیں یہ شرف عطا فرمایا کہ آپ علیہ السلام کو خاتم الانبیاء والمرسلین بنایا اور آپ کے ہاتھوں دین کی تکمیل کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول اللہ علیہ السلام نے متواتر احادیث میں صاف طور پر بتا دیا کہ آپ علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں تا کہ لوگوں پر عیاں ہو جائے کہ آپ علیہ السلام کے بعد نبوت و رسالت کا دعویٰ کرنے والا شخص جھوٹا، افترا پرداز، دجال، دھوکہ باز، گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے اگرچہ وہ شعبدہ بازی، جادو اور طلسمات کے ذریعے بڑے بڑے

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، جلد 4 صفحہ 226، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1791 وغیرہ
2۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1791، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 9
3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 554
4۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1790، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 312
5۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 371، عارضۃ الاحوذی، ابواب السیر، جلد 7 صفحہ 41-42 وغیرہ
6۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 127
7۔ فتح الباری تفسیر سورۂ صف، جلد 8 صفحہ 640-641، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1828
8۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 212,172

حیران کن کرتب، کمالات اور نیرنگیاں دکھائے لیکن اصحاب عقول جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ دجل، فریب اور گمراہی ہے جیسا کہ اسود عنسی نے یمن میں اور مسیلمہ کذاب نے یمامہ میں نبوت کا دعویٰ کیا جن کے فاسد احوال اور جھوٹے اقوال سے ہر ذی فہم اور ہر ذی عقل پر واضح ہو گیا کہ وہ جھوٹے اور گمراہ ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو! قیامت تک ہر مدعی نبوت کا یہی حال ہو گا یہاں تک کہ ان سب کا اختتام مسیح دجال پر ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نبوت کے جھوٹے دعویداروں میں ایسی علامات پیدا کر دیتا ہے جنہیں دیکھ کر اہل علم اور اہل ایمان ان کے جھوٹ کو پہچان لیتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا مخلوق پر خصوصی لطف و کرم ہے کیونکہ ایسے کذاب لوگوں کو یہ توفیق ہی نہیں ہوتی کہ وہ نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں۔ البتہ ان احکام پر وہ بہت زور دیتے ہیں جن میں ان کی اپنی کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ ان کے اقوال اور افعال جھوٹ اور فسق و فجور پر مبنی ہوتے ہیں جیسا کہ فرمایا: هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ۝ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ (الشعراء: 221-222) ''کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں۔ وہ ہر جھوٹ گھڑنے والے بدکار پر اترتے ہیں''۔ لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا حال ان کے برعکس ہوتا ہے۔ وہ اپنے ہر قول، ہر امر اور ہر نہی میں انتہائی نیک، سچے، ہدایت یافتہ، عادل اور استقامت والے ہوتے ہیں، علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں معجزات، خرق عادت اشیاء اور دلائل و براہین کے ذریعے تائید و نصرت حاصل ہوتی ہے۔ ان ہستیوں پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی بے پایاں اور مسلسل رحمتیں برستی رہیں!

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ۝ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَ اَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ۝

''اے ایمان والو! یاد کیا کرو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے۔ اور اس کی پاکی بیان کیا کرو صبح و شام۔ اللہ وہ ہے جو رحمت نازل کرتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے بھی (تم پر نزول رحمت کی دعا کرتے ہیں) تاکہ وہ نکال کر لے جائے تمہیں (طرح طرح کے) اندھیروں سے نور کی طرف۔ اور وہ مومنوں پر ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ انہیں یہ دعا دی جائے گی جس روز وہ اپنے رب کریم سے ملیں گے ہمیشہ سلامت رہو۔ اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے عزت والا اجر''۔

بندوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں جس نے انہیں طرح طرح کی نعمتوں اور قسم قسم کے احسانات سے نوازا ہے اور اس پر بہت زیادہ اجر و ثواب اور اچھے انجام کا وعدہ فرمایا۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں سب سے بہتر، سب سے پاکیزہ اور سب سے بلند درجہ عمل نہ بتاؤں جو اللہ کے ہاں سونا چاندی خیرات کرنے سے بھی افضل ہو اور اس سے بھی بہتر ہو کہ تمہاری دشمن سے مڈبھیڑ ہو جس میں تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں۔'' صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! وہ کون سا عمل ہے؟ فرمایا: ''اللہ عزوجل کا ذکر'' (1)۔ یہ حدیث اسی سورت میں اس فرمان وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ کی تفسیر کے تحت گزر چکی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک دعا سنی جسے میں کسی وقت ترک نہیں کرتا: ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ اُعَظِّمُ شُكْرَكَ وَاَتَّبِعُ نَصِيْحَتَكَ وَاُكْثِرُ ذِكْرَكَ وَاَحْفَظُ وَصِيَّتَكَ'' (2)۔ یعنی اے اللہ! تو مجھے توفیق دے کہ میں تیرا بہت زیادہ شکر ادا کروں، تیری نصیحت کی اتباع کروں، کثرت سے تجھے یاد کروں اور تیری وصیت کو یاد رکھوں۔

1۔ جامع ترمذی، ابواب الدعوات، جلد 12 صفحہ 270، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2 صفحہ 1245 وغیرہ

2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 477

دو اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ ایک پوچھنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! لوگوں میں کون سا شخص سب سے بہتر ہے؟ فرمایا: "جس کی عمر لمبی ہو اور عمل اچھا ہو"۔ دوسرے نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اسلام کے احکام تو بہت زیادہ ہو گئے ہیں، مجھے ایک حکم بتا دیں جس پر میں مضبوطی سے کار بند رہوں۔ فرمایا: "تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے"(1)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس طرح کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کہ لوگ تمہیں مجنون کہنے لگیں"(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس قدر بکثرت اللہ کو یاد کرو کہ منافقین تمہیں ریاکار کہنے لگیں"(3)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کریں، تو یہ مجلس قیامت کے دن ان کے لئے باعث حسرت ہوگی"(4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر فریضہ کی حد مقرر کی ہے اور عذر کی صورت میں وہ معاف بھی ہو جاتا ہے بجز ذکر کے۔ اس کی نہ کوئی حد مقرر ہے اور نہ یہ کسی حالت میں معاف ہے سوائے اس کے کہ کوئی دیوانہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ (النساء: 103) "ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے"۔ یعنی شب و روز ہر حال میں اللہ کا ذکر کرو خواہ تم خشکی پر ہو یا تری میں، سفر میں یا حضر میں، امیر ہو یا غریب، بیمار ہو یا صحتمند، پوشیدہ یا اعلانیہ۔ پھر فرمایا: وَ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا۔ جب تم یہ بجا لاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے گا اور فرشتے تمہارے لئے دعائیں کریں گے(5)۔ کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کے متعلق بہت سی آیات، احادیث اور آثار وارد ہوئے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں بھی بکثرت اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کی ترغیب دلائی جا رہی ہے۔ دن اور رات کی تمام گھڑیوں کے متعلق اذکار اور وظائف کے سلسلہ میں بزرگوں نے کتابیں تصنیف کی ہیں مثلاً نسائی، معمری وغیرہ۔ ذکر اللہ کے موضوع پر سب سے بہترین کتاب شیخ محی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الاذکار ہے۔ اس فرمان وَ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا کی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ۞ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ عَشِيًّا وَّ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ (الروم: 18-17) "سو پاکی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو اور اسی کے لئے ساری تعریفیں ہیں آسمانوں اور زمین میں نیز (پاکی بیان کرو) سہ پہر اور دوپہر کو"۔ پھر ذکر پر برانگیختہ کرتے ہوئے فرمایا: هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں یاد کرتا ہے، اس لئے تم بھی اسے یاد کرو جیسا کہ فرمایا: كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ ... فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِيْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ (البقرۃ: 152-151) حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے، میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھے کسی محفل میں یاد کرتا ہے، میں اسے اس سے بہتر محفل میں یاد کرتا ہوں"(6)۔ صلوٰۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا مطلب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کے سامنے بندے کی تعریف کرنا(7)۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ کا معنی رحمت ہے۔ ان دونوں اقوال کے درمیان کوئی تضاد نہیں۔ جب صلوٰۃ کی اضافت فرشتوں کی طرف ہو تو اس کا مطلب ہوا کرتا ہے لوگوں کیلئے دعا اور استغفار کرنا جیسا کہ فرمایا: اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ ... وَ قِهِمُ

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 12 صفحہ 269، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2 صفحہ 1246 وغیرہ　2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 68

3۔ معجم کبیر، جلد 12 صفحہ 169　4۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 224　5۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 17، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 618-619

6۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 8 صفحہ 147، صحیح مسلم، کتاب الذکر: 2061، 2068　7۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ احزاب، جلد 6 صفحہ 151 عن ابی العالیہ

الثَّیِّبٰتِ (المومن: 7-9) " جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے اردگرد ہیں، وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں، (کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار! تو اپنی رحمت اور علم سے ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے پس انہیں بخش دے جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستہ کی پیروی کی اور انہیں عذاب جہنم سے بچالے، اے ہمارے رب! انہیں سدا بہار باغوں میں داخل فرما جن کا تو نے ان کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے اور ان کے والدین، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد سے جو قابل بخشش ہیں بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے اور انہیں سزاؤں سے بچالے"۔ فرمایا: لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمت وثناء اور فرشتوں کی دعا کے سبب تمہیں جہالت اور گمراہی کی تاریکیوں سے ہدایت ویقین کے نور کی طرف نکالتا ہے اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر دنیا وآخرت میں ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ دنیا میں اس کی رحمت یہ ہے کہ اس نے اہل ایمان کو حق کی راہ دکھائی جس سے دوسرے نابلد رہے، ان کے لئے ہدایت کی شاہراہ روشن کی جس سے کفر وبدعت کے داعی کنارہ کش رہے اور انہیں باعزت روزی عطا کی۔ آخرت میں اس کی رحمت یہ ہے کہ وہ انہیں بہت بڑی گھبراہٹ اور خوف سے امن بخشے گا اور وہ فرشتوں کو حکم دے گا کہ وہ جنت کے حصول اور جہنم سے نجات کی نوید سناتے ہوئے اہل ایمان کا استقبال کریں۔ یہ کرم نوازی اس لئے ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان نفوس قدسیہ کے ساتھ محبت ہے اور وہ ان پر بہت مہربان ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ جارہے تھے۔ راستہ میں ایک چھوٹا بچہ تھا۔ جب اس بچے کی ماں نے لوگوں کو دیکھا تو اسے اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں اس کا بچہ روند نہ دیا جائے۔ وہ میرا بیٹا میرا بیٹا کہتی ہوئی دوڑی اور اپنے بچے کو اٹھالیا۔ یہ دیکھ کر صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ممکن نہیں کہ یہ عورت اپنے بیٹے کو آگ میں ڈال دے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا مدعا سمجھتے ہوئے فرمایا: "نہیں، بخدا! اللہ تعالیٰ بھی اپنے دوستوں کو آگ میں نہیں ڈالے گا" (1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک قیدی عورت کو دیکھا جو اپنے شیر خوار بچے کو اپنے سینے کے ساتھ چمٹائے دودھ پلارہی تھی۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: "تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ عورت خوشی سے اپنے بیٹے کو آگ میں ڈال دے گی؟" عرض کی: نہیں۔ فرمایا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ رحم فرمانے والا ہے جس قدر یہ اپنے بیٹے کے ساتھ" (2)۔ پھر فرمایا: تَحِیَّتُهُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ بظاہر اس سے یہی مراد ہے کہ وہ جس دن اللہ تعالیٰ سے ملیں گے، اس دن ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعا اور تحفہ سلام ہوگا جیسا کہ فرمایا: سَلٰمٌ ۟ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ (یٰسین: 58) " تم سلامت رہو، یہ رب رحیم کی طرف سے کہا جائے گا"۔ قتادہ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ دار آخرت میں جب ان کی ملاقات اللہ تعالیٰ سے ہوگی تو اس دن یہ ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔ ابن جریر نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ اس کی دلیل یہ فرمان بھی ہوسکتا ہے: دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ۚ وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (یونس: 10) " ان کی صدا جنت میں یہ ہوگی پاک ہے تو اے اللہ! اور ان کی دعا یہ ہوگی کہ سلامتی ہو اور ان کی آخری پکار یہ ہوگی کہ سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں"۔ آخر میں فرمایا: وَ اَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِیْمًا یعنی جنت اور اس میں خورد ونوش کا سامان، عمدہ لباس، پرسکون محلات، لذت بخش عورتیں، خوش کن مناظر اور دیگر نعمتیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی دل میں کھٹکیں۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۙ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 104

2۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 8 صفحہ 9

مُّنِيْرًا ۝ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ۝ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ دَعْ اَذٰىهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝

''اے نبی (مکرم!) ہم نے بھیجا ہے آپ کو (سب سچائیوں کا) گواہ بنا کر اور خوشخبری بنانے والا اور بروقت ڈرانے والا۔ اور دعوت دینے والا اللہ کی طرف اس کے اذن سے اور آفتاب روشن کردینے والا۔ اور آپ مژدہ سنا دیں مومنوں کو ان کے لئے اللہ کی جناب سے بڑا ہی فضل ہے۔ اور نہ کہنا مانو کافروں اور منافقوں کا اور پرواہ نہ کرو ان کی اذیت رسانی کی اور بھروسہ رکھو اللہ پر اور کافی ہے اللہ تعالیٰ (آپ کا) کارساز''۔

عطاء بن یسار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے وہ اوصاف بتائیں جو تورات میں مذکور ہیں تو آپ نے فرمایا کہ قرآن کریم میں مذکور آپ کے اوصاف میں سے بعض تورات میں بھی ہیں، تورات میں ہے: اے نبی! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا، بروقت ڈرانے والا اور امیوں کیلئے پناہ گاہ بنا کر بھیجا ہے، تم میرے بندے اور رسول ہو، میں نے تمہارا نام متوکل رکھا ہے، نہ وہ تندخو ہیں، نہ سخت مزاج، نہ بازاروں میں شوروغل مچانے والے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں بلکہ معاف کردیتے ہیں اور درگزر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس وقت تک اپنے پاس واپس نہیں بلائے گا جب تک آپ کی ذات سے کجی کی شکار ملت کو سیدھا نہ کردے اور وہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کے قائل نہ ہو جائیں، اس سے اندھی آنکھیں، بہرے کان اور پردوں میں لپٹے ہوئے دل کھل جائیں گے (1)۔ حضرت وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے اک نبی حضرت شعیاء علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اپنی قوم بنی اسرائیل میں کھڑے ہو جاؤ۔ میں تمہاری زبان پر وحی جاری کروں گا، میں امیوں میں سے ایک امی نبی بنا کر بھیجنے والا ہوں، وہ نہ تندخو ہیں، نہ درشت مزاج اور نہ بازاروں میں شوروغل کرنے والے، اس قدر سکون ووقار والے کہ اگر چراغ کے قریب سے گزر جائیں تو وہ نہ بجھے اور اگر بانسوں اور سرکنڈوں پر چلیں تو پاؤں کی چاپ سنائی نہ دے، میں انہیں خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجوں گا، وہ فحش گو نہیں ہوں گے، ان کے طفیل میں اندھی آنکھیں، بہرے کان اور پردے میں مستور دل کھول دوں گا، میں ہر امر جمیل کی طرف ان کی رہنمائی کروں گا اور ہر اچھا خلق انہیں مرحمت کروں گا۔ سکینت ان کا لباس ہوگی، نیکی ان کا شعار، تقویٰ ان کا ضمیر، حکمت ان کی گفتار، صدق و وفا ان کی فطرت، عفو ودرگزر ان کا خلق، حق ان کی شریعت، عدل ان کی سیرت، ہدایت ان کی امام، اسلام ان کی ملت اور احمد ان کا نام ہوگا، ان کے طفیل میں گمراہوں کو ہدایت سے، جاہلوں کو علم سے، گمناموں کو شہرت سے، غیر معروف لوگوں کو ناموری سے نوازوں گا، میں ان کے سبب قلت کو کثرت میں، اور فقر کو تونگری میں، اختلاف کو اتفاق میں اور فرقت کو الفت میں بدل ڈالوں گا، میں ان کے ذریعہ ایسی قوموں کو وحدت اور اتفاق کی لڑی میں پرو دوں گا جو انتشار کا شکار ہوں گے، جن کے دلوں میں باہمی نفرت ہوگی اور جن کی خواہشات مختلف ہوں گی، میں ان کے طفیل دنیا کو ہلاکت سے بچا لوں گا اور ان کی امت کو سب سے افضل امت بناؤں گا جن کی تخلیق کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیں اور برائیوں سے منع کریں، وہ موحد، مومن، مخلص اور رسولوں کی تصدیق کرنے والے ہوں گے، وہ اپنی مساجد، مجالس اور بستروں میں چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے میری تسبیح، حمد و ثناء، توحید اور بڑائی بیان کرتے رہا کریں گے، وہ میری خاطر کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر نمازیں پڑھا کریں گے، صفیں باندھ کر راہ خدا میں جہاد

1۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 78، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 174

کریں گے، میری رضا کی طلب میں ان کے ہزار ہا لوگ اپنا گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوں گے، وہ اپنے چہرے اور ہاتھ پاؤں وضو میں دھویا کریں گے، وہ اپنے تہبند آدھی پنڈلی تک باندھا کریں گے، میری راہ میں قربانیاں دیں گے، میری کتاب ان کے سینوں میں محفوظ ہو گی، راتوں کو عبادت گزار اور دنوں کو شیروں جیسے مجاہد ہوں گے، میں ان کے اہل بیت اور اولاد میں سبقت لے جانے والے، صدیق، شہید اور صالح لوگ پیدا کروں گا، ان کی امت ان کے وصال کے بعد حق کے ساتھ لوگوں کو ہدایت کی راہ دکھائے گی اور حق کے ساتھ ہی عدل کرے گی۔ ان کی امداد کرنے والوں کو میں عزت سے نوازوں گا اور ان کیلئے دعا کرنے والوں کو میری تائید حاصل ہوگی، ان کی مخالفت کرنے والوں، ان کے ساتھ بغاوت کرنے والوں اور ان کے بدخواہوں کو میں برے انجام سے دوچار کروں گا، میں انہیں انبیاء کا وارث بناؤں گا، یہ لوگوں کو اپنے رب کی طرف بلائیں گے، نیکی کا حکم دیں گے، برائی سے منع کریں گے، نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے اور اپنے عہد و پیمان کو پورا کریں گے۔ میں ان کے ہاتھوں اس خیر کی تکمیل کروں گا جس کا آغاز پہلوں سے ہوا۔ یہ میرا فضل ہے، جسے میں چاہتا ہوں عطا کر دیتا ہوں اور میں فضل عظیم کا مالک ہوں (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ حضرات علی و معاذ رضی اللہ عنہما کو بطور حاکم یمن بھیج رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: "جاؤ خوشخبری دینا، نفرت نہ دلانا، آسانی کرنا، سختی نہ کرنا کیونکہ مجھ پر یہ آیت یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا۔ اتری ہے"۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر یہ وحی اتری ہے کہ اے نبی! ہم نے آپ کو اپنی امت پر گواہ، جنت کی بشارت دینے والا، دوزخ سے ڈرانے والا اللہ کے حکم سے شہادت توحید کی طرف لوگوں کو دعوت دینے والا اور قرآن کے ساتھ روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے (2)۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے گواہ ہیں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور قیامت کے دن آپ لوگوں کے اعمال پر گواہ ہوں گے جیسا کہ فرمایا: وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا (النساء: 41) "ہم آپ کو ان سب پر گواہ لے آئیں گے"۔ لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ یَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا (البقرۃ: 143) "تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور (ہمارا) رسول تم پر گواہ ہو"۔ آپ اہل ایمان کو اجر عظیم کی نوید سنانے والے ہیں اور کافروں کو تباہ کن عذاب سے ڈرانے والے ہیں، آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مخلوق کو اپنے رب کی عبادت کی طرف بلانے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو روشن چراغ بنایا ہے یعنی آپ جو حق لے کر آئے ہیں، اس میں آپ کی صداقت آفتاب عالمتاب کی طرح واضح ہے جس کا انکار سوائے ضدی اور سرکش کے کوئی نہیں کرتا۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ یعنی آپ کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیں بلکہ ان کی کسی بات پر کان ہی نہ دھریں۔ ان کی ایذا رسانیوں کی پرواہ نہ کریں بلکہ درگزر کریں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں، وہی ان سے نمٹنے کے لئے کافی ہے، اس لئے فرمایا: وَّ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَ سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ﴿۴۹﴾

"اے ایمان والو! جب تم نکاح کرو مومن عورتوں سے پھر تم انہیں طلاق دے دو اس سے پہلے کہ تم انہیں ہاتھ لگاؤ پس تمہارے لئے ان پر عدت گزارنا ضروری نہیں جسے تم شمار کرو۔ لہٰذا انہیں کچھ مال دے دو اور انہیں رخصت کرو خوبصورتی سے"۔

1۔ کتاب الشفاء از قاضی عیاض، جلد 1 صفحہ 31-32، ابن ابی حاتم

2۔ معجم کبیر، جلد 12 صفحہ 312

اس آیت کریمہ میں بہت سے احکام ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ صرف عقد پر بھی نکاح کا اطلاق ہوتا ہے، اس کے ثبوت میں اس سے زیادہ صراحت والی اور کوئی آیت نہیں۔ لفظ نکاح کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ آیا اس کا حقیقی استعمال صرف عقد کے لئے ہے یا صرف جماع کے لئے یا دونوں کے لئے؟ اس بارے میں تین اقوال ہیں۔ قرآن کریم میں اس لفظ کا اطلاق عقد اور وطی دونوں پر ہوتا ہے سوائے اس آیت کریمہ کے کہ اس میں اس لفظ کا اطلاق صرف عقد پر ہے۔ اس آیت میں اس بات کی بھی دلیل موجود ہے کہ دخول سے پہلے بیوی کو طلاق دینا مباح ہے۔ آیت کریمہ میں "مومنات" کا لفظ عمومی اور غالب معمول کو ظاہر کرنے کے لئے ذکر کیا گیا ہے ورنہ مومنہ اور کتابیہ سبھی عورتوں کے لئے بالاتفاق یہ حکم یکساں ہے۔ حضرات ابن عباس، سعید بن مسیب، حسن بصری، امام زین العابدین اور کچھ دیگر سلف اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ طلاق اسی وقت واقع ہوتی ہے جب اس سے پہلے نکاح ہو چکا ہو کیونکہ آیت کریمہ میں نکاح کے بعد طلاق کا ذکر ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح سے پہلے نہ طلاق صحیح ہے اور نہ ہی واقع ہوتی ہے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل اور سلف وخلف کی ایک بہت بڑی جماعت کا یہی مسلک ہے۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ نکاح سے پہلے بھی طلاق صحیح ہو جاتی ہے مثلاً کوئی شخص کہے اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق ہے۔ یہ کہنے سے جب بھی وہ اس عورت سے شادی کرے گا، اسے طلاق ہو جائے گی لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جس عورت سے نکاح کروں، اسے طلاق ہے تو اس بارے میں ان دونوں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تک وہ کسی عورت کی تعیین نہیں کرے گا، اس وقت تک ایسا کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی لیکن امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسا کہنے سے ہر اس عورت کو طلاق ہو جائے گی جس سے وہ نکاح کرے گا۔ جمہور جن کا موقف ان کے خلاف ہے اور جو نکاح سے پہلے وقوع طلاق کے قائل نہیں، ان کی حجت یہی آیت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو بطور دلیل پیش کر کے فرمایا کہ جب کوئی شخص یہ کہے کہ ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں، اسے طلاق ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ طلاق تو نکاح کے بعد ہوتی ہے (1)۔ ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا کہ نکاح سے پہلے کوئی طلاق نہیں۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس میں کوئی طلاق نہیں جس کا ابن آدم مالک نہ ہو" (2)۔ ایک اور حدیث میں ہے: "نکاح سے پہلے کوئی طلاق نہیں" (3)۔ پھر فرمایا: فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا علماء کا اس امر پر اجماع ہے کہ جب کسی عورت کو دخول سے پہلے طلاق ہو جائے تو اس پر کوئی عدت نہیں۔ وہ اسی وقت جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ اس حکم سے مستثنیٰ صرف وہ عورت ہے جس کا خاوند فوت ہو جائے، اگرچہ دخول نہ بھی ہوا ہو تو بھی ایسی عورت پر چار ماہ اور دس دن کی عدت گزارنا ضروری ہے۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے۔ آخر میں فرمایا: فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا۔ بیوی کو چھونے سے پہلے اگر خاوند نے طلاق دے دی تو اس صورت میں اگر مہر مقرر ہو چکا تھا تو اس کا نصف ادا کرنا ہوگا ورنہ تھوڑا بہت مال دینا کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ (البقرۃ: 237) "اور اگر تم انہیں چھونے سے پہلے طلاق دو اور مقرر کر چکے ان کے لئے مہر تو نصف مہر دو جو تم نے مقرر کیا ہے"۔ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ... حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ (البقرۃ: 236)۔ رسول اللہ ﷺ نے امیمہ بنت شراحیل سے نکاح کیا۔ رخصتی کے بعد

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 628
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، جلد 2 صفحہ 258، عارضۃ الاحوذی، کتاب الطلاق، جلد 5 صفحہ 147-148، غیرہ
3۔ سنن ابن ماجہ، جلد 1 صفحہ 660

آپ ﷺ نے ہاتھ بڑھایا تو گویا اس نے ناپسند کیا۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس کا سامان تیار کریں اور دو ازرقی کپڑے دے کر رخصت کر دیں(1)۔ حضرت علی بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر مہر مقرر تھا تو اس کا نصف دینا ضروری ہے ورنہ بساط کے مطابق دے۔ یہی سراح جمیل یعنی عمدہ طریقے سے رخصت کرنا ہے(2)۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۡ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

''اے نبی (مکرم!) ہم نے حلال کر دی ہیں آپ کے لئے آپ کی ازواج جن کے مہر آپ نے ادا کر دیئے ہیں اور آپ کی کنیزیں جو اللہ نے بطور غنیمت آپ کو عطا کی ہیں اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے ہجرت کی آپ کے ساتھ اور مومن عورت اگر وہ اپنی جان نبی کی نذر کر دے اگر نبی اس سے نکاح کرنا چاہے۔ یہ (اجازت) صرف آپ کے لئے ہے دوسرے مومنوں کے لئے نہیں۔ ہمیں خوب علم ہے جو ہم نے مقرر کیا ہے مسلمانوں پر ان کی بیویوں اور کنیزوں کے بارے میں، تاکہ آپ پر کسی قسم کی تنگی نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ کی وہ تمام بیویاں آپ کے لئے حلال ہیں جنہیں آپ نے مہر ادا کر دیئے ہیں۔ آپ کی تمام ازواج مطہرات کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ تھا جس کے پانچ سو درہم بنتے ہیں سوائے حضرت ام حبیبہ بنت ابو سفیان، حضرت صفیہ بنت حیی اور حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہن کے۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر حضرت نجاشی نے اپنے پاس سے چار سو دینار ادا کیا تھا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اسیران خیبر میں شامل تھیں۔ آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا اور ان کی آزادی ان کا مہر ٹھہرا اور حضور ﷺ نے حضرت جویریہ کی طرف سے ان کا زر کتابت حضرت ثابت بن قیس کو ادا کیا اور ان سے نکاح کر لیا(3)۔ پھر فرمایا: وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ یعنی اسی طرح وہ لونڈیاں بھی آپ کے لئے مباح ہیں جو مال غنیمت میں آپ کے ہاتھ آئیں۔ آپ ﷺ مال غنیمت میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے مالک ہوئے۔ آپ نے دونوں کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا، اسی طرح حضرت ریحانہ بنت شمعون نضریہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کی ملکیت میں آئیں(4)۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ نکاح کے معاملہ میں یہود و نصاریٰ کے افراط و تفریط سے اجتناب کرتے ہوئے درمیانی اور عادلانہ راہ واضح کر دی۔ نصاریٰ کا یہ معمول تھا کہ اگر مرد اور عورت کا کم از کم سات

1۔ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، جلد 9 صفحہ 356، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 498
2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 19
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 152-153، سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 294-295
4۔ دیکھئے البدایہ والنہایہ، جلد 5 صفحہ 255، 256، 261، 265، 266، 284

پشتوں تک نسب نہ ملتا، تو وہ اس شادی کو جائز سمجھتے تھے اور یہود کی یہ کیفیت تھی کہ وہ اپنی بھتیجیوں اور بھانجیوں سے بھی نکاح کر لیتے تھے۔ اس شریعت کاملہ وطاہرہ نے نصاریٰ کے افراط کوختم کرتے ہوئے چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی بیٹیوں سے نکاح جائز قرار دیا اور یہود کی تفریط کا قلع قمع کرتے ہوئے بھتیجی اور بھانجی کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دے دیا۔ اسلام اس امر شنیع کی اجازت نہیں دیتا۔ اس آیت کریمہ میں مذکر یعنی چچا اور ماموں کو مفرد اور مونث یعنی پھوپھیوں اور خالاؤں کو جمع ذکر کیا گیا ہے جو مذکر کے شرف اور مونث کے نقص پر دلالت کرتا ہے اور اس سے مردوں کی عورتوں پر فضیلت ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: عَنِ الْيَمِيْنِ وَ الشَّمَآئِلِ (النحل: 48) اور يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (المائدة: 16) ان آیات میں یمین اور نور کو ان کی فضیلت کے باعث مفرد لایا گیا ہے اور اس کی اور بھی کئی مثالیں موجود ہیں۔ پھر فرمایا: الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ یعنی وہ عورتیں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے شادی کا پیغام بھیجا تو میں نے معذوری ظاہر کی جسے آپ ﷺ نے قبول فرمالیا اور یہ آیت اتری۔ میں ان عورتوں میں سے نہ تھی جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی بلکہ میں ان میں سے تھی جنہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا (1)۔ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہاں وہ عورتیں مراد ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ مدینہ شریف کی طرف ہجرت کی۔ ایک روایت میں قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اسلام لائیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں وَالّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ہے (1)۔ اس کے بعد فرمایا: وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ...... یعنی اے نبی کریم! اگر کوئی مومنہ عورت اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دے تو اگر آپ کی خواہش ہو تو آپ اس سے بغیر مہر کی ادائیگی کے نکاح کر سکتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں لگاتار دو شرطوں کے ساتھ حکم بیان کیا گیا ہے جیسا کہ اس فرمان میں جس میں حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ (ہود: 34) ''اور تمہیں میری خیر خواہی فائدہ نہیں پہنچائے گی اگرچہ میرا ارادہ ہو کہ میں تمہاری خیر خواہی کروں اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہو کہ وہ تمہیں گمراہ کر دے''۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول میں بھی: يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ (یونس: 84) ''اے میری قوم! اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم سچے مسلمان ہو''۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی: یارسول اللہ ﷺ! میں نے خود کو آپ کی نذر کیا، پھر وہ کافی دیر تک کھڑی رہی۔ ایک آدمی اٹھ کر کہنے لگا: یارسول اللہ ﷺ! اگر آپ کو اس کی ضرورت نہیں تو میرے ساتھ اس کا نکاح کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا مہر ادا کرنے کے لئے تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟'' عرض کی کہ اس تہبند کے سوا میرے پاس کچھ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم یہ اسے دے دو گے تو بغیر تہبند کے رہ جاؤ گے، کوئی اور چیز تلاش کرو''۔ اس نے کہا میرے پاس اور کچھ موجود نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تلاش کرو اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو''۔ تلاش بسیار کے باوجود اسے کچھ نہ ملا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمہیں کچھ قرآن یاد ہے؟'' اس نے عرض کی: جی ہاں! مجھے فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا تو تمہیں جو قرآن حفظ ہے اسی پر میں نے اس عورت کو تمہارے نکاح میں دے دیا'' (2)۔ حضرت ثابت بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ان کی ایک بیٹی بھی ان کے پاس موجود تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگی: یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ مجھ سے نکاح کرنے کے

1۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورہ احزاب، جلد 12 صفحہ 89-90، تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 20-21

2۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، جلد 7 صفحہ 17، صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 1040-1041

خوبیاں ہیں؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بیٹی کہنے لگی کہ اس عورت میں حیا کس قدر کم تھا! حضرت انس رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ وہ تم سے بہتر تھی۔ حضور ﷺ کے ساتھ ناطہ جوڑنے میں وہ رغبت رکھتی تھی، اس لئے اس نے خود کو حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا(1)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ کے سامنے اپنی بیٹی کے حسن و جمال کی تعریف کرتے ہوئے کہنے لگی کہ میں چاہتی ہوں آپ اس سے نکاح کر لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے قبول ہے۔ اس کے بعد بھی وہ اپنی بیٹی کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتی رہی یہاں تک کہ وہ کہنے لگی کہ میری بیٹی کو نہ کبھی سر میں درد ہوا ہے اور نہ کبھی کسی اور بیماری کی شکایت ہوئی ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تمہاری بیٹی کی کوئی ضرورت نہیں'' (2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس عورت نے خود کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ہبہ کیا وہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کا تعلق قبیلہ بنو سلیم سے تھا اور یہ بہت صالح اور پارسا خاتون تھیں(3)۔ ممکن ہے ام سلیم ہی حضرت خولہ ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کوئی دوسری خاتون ہو۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیرہ عورتوں کے ساتھ نکاح کیا۔ ان میں سے چھ کا تعلق قریش سے تھا: خدیجہ، عائشہ، حفصہ، ام حبیبہ، سودہ اور ام سلمہ، تین قبیلہ بنو عامر بن صعصعہ سے تھیں اور دو قبیلہ بنو ہلال بن عامر سے تھیں۔ حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا وہ خاتون ہیں جنہوں نے اپنا نفس حضور ﷺ کو ہبہ کیا تھا، ام المساکین حضرت زینب رضی اللہ عنہا، ایک عورت جس نے آپ سے پناہ طلب کی تھی، حضرت زینب بنت جحش جن کا تعلق بنو اسد سے تھا، علاوہ ازیں دو کنیزیں تھیں: حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب اور حضرت جویریہ بنت حارث بن عمرو بن مصطلق خزاعیہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس عورت نے خود کو حضور ﷺ کی نذر کیا تھا، وہ میمونہ بنت حارث تھیں لیکن اس روایت میں انقطاع ہے اور یہ مرسل ہے۔ یہ مشہور بات ہے کہ ام المساکین حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ تھیں جن کا تعلق انصار سے تھا اور ان کی وفات حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی ہوئی۔ یہ سب کچھ بیان کرنے سے مقصد یہ ہے کہ وہ عورتیں جنہوں نے خود کو حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا، وہ بہت سی ہیں جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ مجھے ان عورتوں پر بہت غیرت آتی تھی جنہوں نے اپنے آپ کو حضور ﷺ کی خدمت میں ہبہ کر دیا تھا، مجھے تعجب ہوتا کہ کیا عورتیں خود کو ہبہ کرتی ہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی: تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ۗ وَمَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ (الاحزاب: 51) ''آپ اپنی ازواج میں سے جسے چاہیں دور کر دیں اور جسے چاہیں اپنے پاس رکھیں اور اگر آپ (دوبارہ) طلب کریں جن کو آپ نے علیحدہ کر دیا تھا تو بھی آپ پر کوئی حرج نہیں'' تو میں نے کہا کہ آپ ﷺ کا رب جلد ہی آپ کی خواہش پوری فرماتا ہے(4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی ایسی عورت نہ تھی جس نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا ہو۔ بقول یونس بن بکیر اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ان عورتوں میں سے کسی کو قبول نہ کیا جنہوں نے خود کو حضور ﷺ کی نذر کیا اگرچہ یہ آپ کے لئے مباح اور آپ کے ساتھ مخصوص تھا کیونکہ یہ امر آپ کی مشیت اور مرضی پر موقوف تھا جیسا کہ فرمایا: اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا (5)۔ اس کے بعد فرمایا: خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ یعنی یہ بات صرف آپ کے ساتھ مخصوص ہے، البتہ اگر کوئی شخص مہر ادا کر دے تو اس کے لئے وہ عورت حلال ہوگی جس نے اپنا نفس اسے ہبہ کر دیا ہو۔ مجاہد اور شعبی وغیرہ بھی یہی

1۔ صحیح بخاری، کتاب نکاح، جلد 7 صفحہ 17، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 268
2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 155
3۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 23
4۔ صحیح بخاری، تفسیر سورہ احزاب، جلد 6 صفحہ 147
5۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 23

کہتے ہیں کہ اگر کوئی عورت اپنا نفس کسی مرد کے حوالے کر دے تو دخول کے وقت مرد پر مہر مثل ادا کرنا ضروری ہوگا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بروع بنت واشق کے متعلق فیصلہ کیا تھا۔ انہوں نے اپنا نفس سونپ دیا تھا جب ان کے خاوند کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ نے ان کے لئے مہر مثل کا فیصلہ فرمایا تھا۔ مہر کے اثبات اور اپنے نفس کو سونپنے والی عورت کے متعلق مہر مثل کے واجب کرنے میں موت اور دخول کا حکم یکساں ہے یعنی دونوں سے مہر واجب ہو جاتا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اگرچہ آپ اسی عورت سے دخول بھی کریں تو بھی آپ پر مہر واجب نہیں ہوگا کیونکہ آپ کے لئے بغیر مہر کے، بغیر ولی اور بغیر گواہوں کے نکاح کرنا جائز ہے جیسے کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے قصہ میں مذکور ہے۔ قتادہ آیت کے اس حصہ کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ کسی عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ ولی اور مہر کے بغیر اپنا نفس کسی مرد کو ہبہ کر دے سوائے نبی کریم ﷺ کے۔ پھر فرمایا: قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ یعنی ہمیں خوب علم ہے کہ ہم نے اہل ایمان کو چار آزاد عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے تک محدود کر دیا ہے، علاوہ ازیں وہ جس قدر چاہیں لونڈیاں رکھ سکتے ہیں، اسی طرح ان پر ولی، مہر اور گواہوں کی شرط عائد کر دی۔ یہ حکم امت کے لئے ہے لیکن اس میں ہم نے آپ ﷺ کو رخصت عطا فرمائی اور یہ پابندیاں آپ پر لاگو نہیں کیں تاکہ آپ پر کوئی تنگی نہ رہے اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ۭ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ۝

"(آپ کو اختیار ہے) دور کر دیں جس کو چاہیں اپنی ازواج سے اور اپنے پاس رکھیں جس کو آپ چاہیں۔ اور اگر آپ (دوبارہ) طلب کریں جن کو آپ نے علیحدہ کر دیا تھا تب بھی آپ پر کوئی مضائقہ نہیں۔ اس (رخصت) سے پوری توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور وہ آزردہ خاطر نہ ہوں گی اور سب کی سب خوش رہیں گی جو کچھ آپ انہیں عطا فرمائیں گے۔ اور (اے لوگو!) اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا بردبار ہے"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے ان عورتوں پر بہت غیرت آتی جو خود کو حضور ﷺ کی نذر کرتیں۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتیں کہ کیا عورت کو بغیر مہر کے اپنا نفس سپرد کرنے سے شرم نہیں آتی؟ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عائشہ کہنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ کی مرضی اور خواہش کا بہت خیال ہے (1)۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ ان عورتوں میں سے جنہوں نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کیا ہے، جنہیں چاہیں الگ کر دیں جنہیں چاہیں آپ قبول کر کے اپنے پاس رکھیں اور جنہیں چاہیں قبول نہ کریں۔ پھر بھی جن عورتوں کو آپ نے قبول نہیں کیا، ان میں آپ کو اختیار حاصل ہے۔ اگر آپ کی خواہش ہو تو آپ انہیں نوازتے ہوئے اپنے پاس لا سکتے ہیں۔ عامر شعبی اس آیت کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ کچھ عورتیں ایسی تھیں جنہوں نے خود کو حضور ﷺ کی نذر کر دیا۔ ان میں سے بعض کو آپ نے شرف صحبت بخشا اور بعض کو موخر کر دیا جنہوں نے پھر کسی سے نکاح نہیں کیا۔ حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا ان میں سے تھیں۔ بعض دوسرے حضرات اس آیت کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ آپ کو اپنی بیویوں کے بارے میں اختیار ہے، اگر آپ باری کی تقسیم ترک کر دیں تو بھی آپ پر کوئی مضائقہ نہیں، جسے چاہیں مقدم کریں اور جسے چاہیں موخر کریں، جس سے چاہیں ہم بستری کریں اور جس

1۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 158

سے چاہیں ترک کر دیں۔ اس اختیار کے باوجود حضور ﷺ کا اپنی ازواج طاہرات کے ساتھ سلوک مساویانہ اور عادلانہ تھا، اور آپ ہمیشہ ان میں برابری کی تقسیم کرتے رہے۔ بعض فقہائے شافعیہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ پر تقسیم واجب نہ تھی، ان کی دلیل یہی آیت کریمہ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی حضور ﷺ ہم سے اجازت لیا کرتے تھے۔ مجھ سے دریافت فرماتے تو میں کہتی کہ یا رسول اللہ ﷺ! اگر میرے بس میں ہوتو میں آپ کو کسی اور کے پاس نہ جانے دوں (1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے مراد تقسیم کا عدم وجوب ہے جبکہ آپ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی پہلی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت ان خواتین کے متعلق اتری جنہوں نے اپنا نفس حضور ﷺ کو ہبہ کر دیا تھا۔ یہاں سے ابن جریر نے اختیار کیا ہے کہ یہ عام آیت ہے جو اپنا نفس ہبہ کرنے والی خواتین اور آپ کی ازواج طاہرات کو شامل ہے۔ اپنا نفس سونپنے والیوں کے بارے میں نکاح کرنے یا نہ کرنے کا آپ کو اختیار حاصل ہے اور ازواج کے بارے میں تقسیم یا عدم تقسیم کا اختیار حاصل ہے۔ ابن جریر کا یہ قول بہت عمدہ اور قوی ہے۔ اس سے احادیث کے درمیان تطبیق ہو جاتی ہے، اس لئے فرمایا: ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ - یعنی جب حضور ﷺ کی ازواج طاہرات یہ جان لیں گی کہ آپ باریوں کے پابند نہ ہونے کے باوجود ان کے ساتھ مساویانہ اور عادلانہ سلوک فرما رہے ہیں تو انہیں اس پر انتہائی مسرت ہوگی، وہ آپ کی ممنون احسان ہوں گی اور عدل وانصاف پر مبنی مساویانہ سلوک کی وہ معترف رہیں گی۔ پھر فرمایا: وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ - یعنی اللہ تعالیٰ بخوبی آگاہ ہے کہ تم لوگوں کا اپنی بعض بیویوں کی طرف قلبی میلان زیادہ ہے اور یہ فطری بات ہے اور بس سے باہر ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج کے درمیان مساویانہ تقسیم فرماتے اور عدل وانصاف سے پیش آتے اس کے باوجود فرماتے: "اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے جس کا میں مالک ہوں اور اس میں مجھ سے مواخذہ نہ کرنا جو تیرے اختیار میں ہے اور میرے بس سے باہر ہے (2)۔ یعنی دل کے معاملہ میں، اس لئے اس کے بعد فرمایا: وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿52﴾

"حلال نہیں آپ کے لئے دوسری عورتیں اس کے بعد اور نہ اس کی اجازت ہے کہ آپ تبدیل کر لیں ان ازواج سے دوسری بیویاں اگرچہ آپ کو پسند آئے ان کا حسن بجز کنیزوں کے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگران ہے"۔

حضرات ابن عباس، مجاہد، ضحاک، قتادہ، ابن زید، ابن جریر اور دیگر علماء فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات نے اختیار ملنے کے بعد دنیا اور اس کی زیب وزینت کی بجائے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور دار آخرت کو پسند کیا اور کاشانہ نبوت میں عسرت اور تنگی کی زندگی کو ترجیح دی تو اس وقت بطور جزا اور رضا کے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اختیار کر لیا تو دنیا میں انہیں یہ بدلا ملا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دے دیا کہ آپ ان کے علاوہ نہ کسی اور عورت سے نکاح کر سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں چھوڑ کر ان کے بدلے میں دوسری عورتیں اپنے عقد میں لا سکتے ہیں اگرچہ ان کا حسن وجمال آپ کو بہت بھائے بجز کنیزوں اور لونڈیوں کے، ان کے متعلق آپ پر کوئی حرج نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ ممانعت اور تنگی ختم کرتے ہوئے اس آیت کے حکم کو منسوخ کر دیا اور نکاح کی

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الاحزاب، جلد 6 صفحہ 147 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 242، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 144 وغیرہ

اجازت دے دی لیکن پھر آپ ﷺ نے کوئی نکاح نہیں کیا تا کہ آپ ﷺ کا یہ احسان اپنی بیویوں پر رہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اور عورتیں حلال کر دی تھیں (1)۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کی وفات سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے حلال کر دیا تھا کہ آپ جس عورت سے چاہیں نکاح کریں سوائے محرم عورتوں کے۔ یہ اجازت اس آیت کے ذریعے ہوئی: تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ جو اس آیت سے پہلے گزر چکی ہے، وہ آیت تلاوت میں اپنے بعد والی آیت کے لئے ناسخ ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں عدت وفات کی پہلی آیت بعد والی آیت کے لئے ناسخ ہے۔ بعض دوسرے حضرات اس آیت کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ آیت نمبر پچاس میں عورتوں کی جن اصناف کا ذکر کیا گیا ہے، وہ آپ ﷺ کے لئے حلال ہیں، ان کے سوا اور عورتیں آپ کے حلال نہیں۔ ایک انصاری بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اگر حضور ﷺ کی ازواج آپ کی زندگی میں انتقال کر جاتیں تو کیا اور عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی آپ کو اجازت تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ اس سے مانع کون سی چیز ہے؟ میں نے کہا کہ یہ آیت: لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ حضرت ابی فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ... کے ذریعے عورتوں کی وہ اصناف بیان کیں جن کے ساتھ نکاح کرنا آپ ﷺ کے لئے حلال تھا۔ اس کے بعد مذکورہ بالا آیت لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ کے ذریعے ان عورتوں کے ساتھ نکاح کی ممانعت کر دی جن میں یہ اوصاف نہ ہوں (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے آپ کو مہاجر مومن عورتوں کے سوا دیگر عورتوں کے ساتھ نکاح کی ممانعت کر دی گئی، ایماندار کنیزیں اور وہ عورتیں بھی آپ کے لئے حلال ہیں جو اپنا نفس حضور ﷺ کو ہبہ کر دیں اور غیر مسلم عورتوں سے نکاح حرام قرار دے دیا، پھر فرمایا: وَمَنْ یَّكْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ (المائدہ: 5)۔ چنانچہ اس آیت یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ میں عورتوں کی مذکورہ اقسام کے علاوہ اور عورتیں آپ ﷺ کے لئے حرام ہیں (3)۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ان کے سوا ہر قسم کی عورتیں حرام ہیں خواہ وہ مسلمان ہوں، یہودیہ ہوں، نصرانیہ ہوں یا کافرہ (4)۔ ابو صالح کہتے ہیں کہ جن عورتوں سے آپ کو نکاح کی اجازت تھی، ان میں سے اگر آپ سینکڑوں سے نکاح کر لیں تو بھی حلال ہے، ان کے سوا کسی اعرابیہ اور عربیہ سے نکاح کی ممانعت کر دی گئی (5)۔ عکرمہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ان مذکورہ عورتوں کے سوا دیگر عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں۔ ابن جریر کا پسندیدہ قول یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے جو ان عورتوں کو بھی شامل ہے جو آپ کی زوجیت میں تھیں اور ان عورتوں کو بھی جن کی اصناف پہلے بیان ہوئیں۔ یہ قول بہت عمدہ ہے اور جن لوگوں سے اس کے خلاف مروی ہے شاید ان کی مراد بھی یہی ہو کیونکہ ان میں سے اکثریت سے یہ دونوں قول مروی ہیں اس لئے منافات اور تضاد والی کوئی بات نہیں، پھر ابن جریر نے اپنے اوپر ایک اعتراض اٹھایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دی، پھر رجوع کر لیا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے علیحدگی کا عزم کیا یہاں تک کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے حق میں اپنی باری والے دن سے دستبردار ہو گئیں۔ اعتراض اٹھانے کے بعد امام ابن جریر خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ واقعہ اس آیت لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ... کے نزول سے پہلے کا ہے۔ یہ بات بالکل صحیح ہے لیکن اس جواب کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ آیت کریمہ اس بات پر

1۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ احزاب، جلد 12 صفحہ 91، سنن نسائی، کتاب النکاح، جلد 6 صفحہ 56

2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 29

3۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ نساء، جلد 12 صفحہ 90-91

4۔ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب النکاح، جلد 4،2 صفحہ 269، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 637، تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 30

5۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 29

دلالت کرتی ہے کہ آپ ان عورتوں کے سوا جو آپ کی حرم ہیں، دیگر عورتوں سے نہ نکاح کر سکتے ہیں اور نہ انہیں دوسری عورتوں سے تبدیل کر سکتے ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ تبدیل کئے بغیر ان میں سے کسی کو طلاق بھی نہیں دے سکتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا والے قضیہ میں یہ آیت اتری تھی: وَإِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا (النساء: 128) "اور اگر کوئی عورت خوف کرے اپنے خاوند سے زیادتی یا روگردانی کی وجہ سے تو ان دونوں پر کوئی حرج نہیں کہ وہ آپس میں صلح کر لیں" (1)۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں طلاق دینے کے بعد رجوع کر لیا (2)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو وہ رو رہی تھیں۔ پوچھا: کیوں رو رہی ہو؟ شاید رسول اللہ ﷺ نے تمہیں طلاق دے دی ہے، سنو آپ ﷺ نے میری خاطر رجوع فرمایا ہے اگر آئندہ ایسی نوبت ہوئی تو میں تم سے کبھی بھی کلام نہیں کروں گا (3)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ کے ذریعے آپ ﷺ کو ان ازواج پر اضافہ کرنے اور ان کے بدلے میں دوسری بیویاں لانے سے منع فرما دیا بجز کنیزوں کے، یہ آپ ﷺ کے لئے حلال ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں تبدیل کرنے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ دو آدمی اپنی بیویوں کا تبادلہ کرتے۔ ایک اپنی بیوی دوسرے کو دے دیتا اور دوسرا اپنی بیوی اس کے حوالے کر دیتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ عیینہ بن حصن فزاری بغیر اجازت لئے حضور ﷺ کے پاس اندر داخل ہو گیا۔ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پاس موجود تھیں، آپ نے اسے فرمایا کہ تم نے اجازت کیوں نہیں طلب کی؟ وہ کہنے لگا کہ میں نے قبیلہ مضر کے کسی شخص سے کبھی اجازت نہیں مانگی، پھر وہ پوچھنے لگا کہ یہ آپ کے پاس کون بیٹھی ہوئی تھیں؟ فرمایا کہ یہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ وہ کہنے لگا کہ کیا میں آپ کے حق میں اپنی خوبصورت بیوی سے دستبردار نہ ہو جاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے عیینہ! اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دیا ہے"۔ جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دریافت کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ احمق سردار ہے اور اپنی حماقت کے باوجود اپنی قوم کا سردار ہے" (4)۔ اس کا ایک راوی اسحاق بن عبداللہ نہایت ادنیٰ درجے کا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۡ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ۭ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔــلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاۗءِ حِجَابٍ ۭ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۭ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿53﴾ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـــًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿54﴾

1۔ سنن ابی داود، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 242-243، مستدرک حاکم، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 186 وغیرہ

2۔ سنن ابی داود، کتاب الطلاق، جلد 2 صفحہ 285، سنن نسائی، جلد 6 صفحہ 213 وغیرہ

3۔ مسند ابی یعلیٰ، جلد 1 صفحہ 115

4۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 65-66

"اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو نبی کریم کے گھروں میں بجز اس (صورت) کے کہ تم کو کھانے کیلئے آنے کی اجازت دی جائے (اور) نہ کھانا پکنے کا انتظار کیا کرو۔ لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو اندر چلے آؤ پس جب کھانا کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جاؤ۔ اور نہ وہاں جا کر دل بہلانے کے لئے باتیں شروع کر دیا کرو۔ تمہاری یہ حرکتیں (میرے) نبی کے لئے تکلیف کا باعث بنتی ہیں پس وہ تم سے حیا کرتے ہیں (اور چپ رہتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کسی کی شرم نہیں کرتا حق بیان کرنے میں۔ اور جب تم مانگو ان سے کوئی چیز تو مانگو پس پردہ ہو کر۔ یہ طریقہ پاکیزہ تر ہے تمہارے دلوں کے لئے نیز ان کے دلوں کے لئے۔ اور تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم اذیت پہنچاؤ اللہ کے رسول کو اور تمہیں اس کی بھی اجازت نہیں کہ تم نکاح کرو ان کی ازواج سے ان کے بعد کبھی۔ بے شک ایسا کرنا اللہ کے نزدیک گناہ عظیم ہے۔ چاہے تم کسی بات کو ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز سے خوب آگاہ ہے"۔

یہ پردے کی آیت ہے، اس میں بہت سے شرعی احکام اور آداب کا بیان ہے۔ یہ ان آیات میں سے ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق نازل ہوئیں جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ تین چیزیں ایسی ہیں جو میں نے کہیں اور ان کے موافق اللہ تعالیٰ نے احکام نازل فرمائے۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ مقام ابراہیم کو جائے نماز بنالیں تو کیا ہی بہتر ہے۔ اس پر یہ آیت اتری: وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى (البقرۃ: 125) "اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو جائے نماز بنالو"۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے یہ پسند نہیں کہ ہر نیک و بد کو آپ کی ازواج کے پاس آنے کی اجازت ہو۔ اگر آپ انہیں پردے کا حکم دے دیں تو اچھا ہے۔ اس پر آیت حجاب نازل ہوئی۔ جب حضور ﷺ کی ازواج نے غیرت کی وجہ سے محاذ بنالیا تو میں نے کہا: عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ (التحریم: 5) چنانچہ اسی طرح سورۂ تحریم میں یہ آیت اتری۔(1) مسلم کی روایت میں اسیران بدر والا قضیہ بھی مذکور ہے، یہ چوتھی موافقت ہے۔ اس آیت کا نزول ذوالقعدہ ۵ھ میں اس صبح کو ہوا جب اللہ تعالیٰ نے بذات خود رسول اللہ ﷺ کا نکاح حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کیا۔ ابو عبیدہ معمر بن مثنی اور خلیفہ بن خیاط کہتے ہیں کہ یہ واقعہ ۳ھ کا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت میں لیا تو آپ نے دعوت ولیمہ کی۔ خورد و نوش کے بعد لوگ وہیں بیٹھے باتیں کرنے لگے۔ آپ ﷺ نے اٹھنے کا ارادہ کیا لیکن اس کے باوجود وہ نہ اٹھے۔ آخر کار آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ بہت سے لوگ اٹھ کر چلے گئے لیکن تین اشخاص پھر بھی بیٹھے رہے۔ آپ ﷺ نے واپس آکر دیکھا تو یہ ابھی تک وہاں ہی موجود تھے، آپ پھر لوٹ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ لوگ چلے گئے تو میں نے نبی کریم ﷺ کو آگاہ کیا۔ اب آپ گھر تشریف لے گئے۔ میں نے بھی اندر جانا چاہا لیکن آپ نے اپنے اور میرے درمیان پردہ کروا دیا۔ اس وقت یہ آیت اتری(2)۔ ایک اور روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کے موقعہ پر دعوت ولیمہ میں گوشت روٹی کا انتظام کیا۔ آپ نے مجھے لوگوں کو بلانے کے لئے کہا۔ جو کوئی مجھے ملتا، میں اسے دعوت دے دیتا، لوگ آتے اور کھا کر چلے جاتے یہاں تک کہ مجھے کوئی ایسا آدمی نہ ملا جسے میں دعوت دیتا۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ

1۔ فتح الباری، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 504۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ: 1864-1865، وغیرہ

2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ احزاب، جلد 6 صفحہ 149۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 1050، وغیرہ

ﷺ! اب مجھے کوئی ایسا شخص دکھائی نہیں دیتا جس نے دعوت میں شرکت نہ کی ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ دستر خوان اٹھا دو۔ سب لوگ چلے گئے۔ صرف تین آدمی گھر میں بیٹھے مصروف گفتگو ہے۔ نبی کریم ﷺ وہاں سے نکل کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف لائے اور فرمایا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں عرض کی: "وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ" پھر دریافت کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ نے اپنی اہل کو کیسا پایا؟ اللہ تعالیٰ آپ کو برکت دے! پھر آپ باری باری اپنی ازواج کے حجروں میں تشریف لے گئے اور اسی طرح انہیں سلام کیا جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیا تھا اور سب نے وہی بات کی جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کی تھی۔ پھر آپ ﷺ واپس لوٹے تو وہ تینوں اشخاص ابھی تک باتوں میں مصروف تھے۔ چونکہ آپ بہت حیاء والے تھے اس لئے آپ نے انہیں کچھ نہ کہا۔ اب آپ ایک مرتبہ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی طرف جانے لگے۔ اب معلوم نہیں کہ میں نے آپ کو خبر دی یا آپ کو خبر دی گئی کہ لوگ چلے گئے ہیں تو آپ واپس لوٹے۔ آپ نے اندر جانے کے لئے دہلیز میں قدم رکھا، ایک پاؤں اندر تھا اور ایک باہر کہ آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ کروا دیا۔ اس وقت آیت حجاب نازل ہوئی(1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ حضور ﷺ کے کسی نکاح کے موقعہ پر حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے مالیدہ تیار کر کے برتن میں ڈالا اور مجھے کہا کہ اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے جاؤ، میری طرف سے آپ کو سلام عرض کرنا اور کہہ دینا کہ یہ ہماری طرف سے حقیر سا نذرانہ قبول فرمائیں۔ اس وقت لوگ تنگدستی کا شکار تھے۔ میں نے اسے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! یہ میری والدہ محترمہ نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے، وہ آپ کو سلام عرض کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہماری طرف سے یہ حقیر سا تحفہ قبول فرمائیں۔ آپ ﷺ نے اسے دیکھا اور فرمایا کہ اسے رکھ دو۔ میں نے گھر کے کونے میں اسے رکھ دیا۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ فلاں فلاں کو بلا لاؤ، آپ نے بہت سے لوگوں کے نام لئے، پھر فرمایا کہ ان کے علاوہ جو بھی مسلمان ملے اسے دعوت دے دینا۔ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ میں نے واپس آکر دیکھا تو تمام گھر لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ یہ تقریباً تین سو افراد تھے۔ حضور ﷺ نے مجھے فرمایا کہ مالیدہ لاؤ۔ میں اسے لے آیا تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ میں لیا اور دعا کی جو اللہ نے چاہی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ دس دس آدمی حلقہ بنا کر بیٹھتے جائیں اور بسم اللہ پڑھ کر اپنے سامنے سے کھانا شروع کریں۔ چنانچہ مسلمان آتے رہے اور بسم اللہ پڑھ کر کھاتے رہے یہاں تک کہ تمام لوگ فارغ ہو گئے۔ اب رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ برتن اٹھا لو۔ جب میں نے برتن اٹھایا تو میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ جب میں نے برتن رکھا تھا تو اس وقت اس میں کھانا زیادہ تھا یا اب جب میں نے اسے اٹھایا۔ کچھ لوگ آپ ﷺ کے گھر بیٹھے بات چیت میں مصروف رہے۔ ام المومنین جن سے آپ کی شادی ہوئی تھی، وہ دیوار کی طرف منہ پھیرے بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان لوگوں کا دیر تک محو گفتگو رہنا آپ کو ناگوار گزر رہا تھا۔ چونکہ آپ بہت حیا والے تھے اس لئے آپ نے ان سے کچھ نہیں کہا، اگر انہیں معلوم ہو جاتا تو وہ نکل جاتے۔ چنانچہ آپ ﷺ باری باری اپنی ازواج کے حجروں میں تشریف لے گئے اور انہیں سلام فرمایا۔ جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو ان لوگوں کو یہ محسوس کر کے بڑی ندامت ہوئی کہ ان کا بیٹھنا آپ ﷺ پر شاق گزر رہا ہے۔ چنانچہ وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ اندر تشریف لے گئے۔ میں حجرہ میں ہی تھا کہ آپ نے پردہ لٹکا دیا۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد یہ آیت حجاب نازل ہوئی اور آپ اس کی تلاوت کرتے ہوئے باہر نکلے۔ سب سے پہلے عورتوں نے اس آیت کو سنا اور میں تو ان سے بھی

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ احزاب، جلد 6 صفحہ 149

پہلے سن چکا تھا(1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت گزر چکی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عدت گزر جانے کے بعد حضور علیہ السلام نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف شادی کا پیغام دے کر بھیجا تھا۔ یہ حدیث اس آیت فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا (الاحزاب:37) کی تفسیر کے تحت گزر چکی ہے۔ بعض روایات میں اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ اس کے بعد لوگوں کو نصیحت کی گئی(2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام کی ازواج رات کو قضائے حاجت کے لئے جنگل کو جایا کرتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ چیز ناگوار گزرتی تھی۔ آپ رسول اللہ علیہ السلام سے عرض کرتے کہ اپنی ازواج کو پردہ کروائیں اور اس طرح باہر نہ جانے دیں لیکن آپ علیہ السلام منع نہ فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا باہر نکلیں، وہ دراز قد خاتون تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خواہش کے پیش نظر کہ پردہ کا حکم نازل ہو جائے، باآواز بلند کہا کہ اے سودہ! ہم نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ اس وقت پردے کا حکم نازل ہوا(3)۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ یہ واقعہ حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حجاب کے حکم کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لئے نکلیں۔ چونکہ وہ دراز قد تھیں اس لئے ہر دیکھنے والا انہیں پہچان لیتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھ کر کہا: اے سودہ! تم ہماری نظروں سے پوشیدہ نہیں، ذرا دیکھو تم اس طرح کیسے باہر نکلنا گوارہ کرتی ہو۔ حضرت سودہ فرماتی ہیں کہ میں اسی وقت گھر کو چلی۔ اس وقت رسول اللہ علیہ السلام رات کا کھانا کھا رہے تھے اور آپ کے ہاتھ میں ہڈی تھی۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ علیہ السلام! میں قضائے حاجت کے لئے باہر گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ یہ مجھے کہا۔ اس وقت جبکہ ہڈی آپ کے ہاتھ میں ہی تھی، آپ پر وحی نازل ہوئی، پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کسی حاجت کے لئے تمہیں باہر جانے کی اجازت ہے(4)۔ اس آیت کریمہ میں مومنوں کو رسول اللہ علیہ السلام کے گھروں میں بغیر اجازت داخل ہونے سے منع کر دیا گیا جیسا کہ زمانہ جاہلیت اور ابتدائے اسلام میں لوگوں کا دستور تھا کہ وہ بغیر اذن لئے یونہی گھروں میں گھس آتے تھے لیکن اس امت کے لئے اللہ تعالیٰ کی غیرت کو یہ بات قابل برداشت نہ تھی اس لئے اس امت کے اکرام کی خاطر یہ حکم نازل فرمایا، اسی لئے رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: ”عورتوں کے پاس جانے سے اجتناب کرو“(5)۔ پھر اس حکم سے استثناء کرتے ہوئے فرمایا: اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ ۔ یعنی کھانا پکنے اور دسترخوان پر لگنے کا انتظار نہ کرو یعنی کھانے کی تاک میں نہ رہو اور ایسا نہ ہو کہ کھانا چنے جانے کے وقت تم اندر جانے کے لئے پر تولنے لگو۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ یہ طفیلی (بن بلایا مہمان) بننے کی حرمت پر دلیل ہے۔ خطیب بغدادی نے طفیلیوں کی مذمت میں ایک کتاب لکھی ہے اور ان کے متعلق بہت کچھ تحریر کیا ہے جسے یہاں ذکر کرنا طوالت کا باعث ہوگا، پھر فرمایا: وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو دعوت دے تو اسے ضرور قبول کر لینی چاہئے، خواہ دعوت ولیمہ ہو یا کوئی اور“(6)۔ ایک اور حدیث میں آپ علیہ السلام نے فرمایا: ”اگر مجھے دستی کے گوشت کی دعوت دی جائے تو میں ضرور قبول کروں اور اگر مجھے پائے تحفہ میں دیئے جائیں تو انہیں بھی ضرور قبول کر لوں۔ جب تم دعوت سے فارغ ہو جاؤ تو (میزبان کے) اہل خانہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 1051-1052، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ احزاب، جلد 12 صفحہ 92-94 وغیرہ

2۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 1048-1049، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 195-196

3۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 39

4۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ احزاب، جلد 6 صفحہ 149، صحیح مسلم، کتاب السلام، جلد 4 صفحہ 1709 وغیرہ

5۔ فتح الباری، کتاب النکاح، جلد 9 صفحہ 330، صحیح مسلم، کتاب السلام، جلد 4 صفحہ 1711

6۔ فتح الباری، کتاب النکاح، جلد 9 صفحہ 240، صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 1053

سے فوراً رخصت ہو کر زمین میں بکھر جاؤ"(1)۔ اس لئے فرمایا: وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ یعنی باتوں میں مشغول نہ ہو جایا کرو جیسا کہ ان تین افراد نے حضور ﷺ کے گھر میں کیا تھا اور اس سے آپ ﷺ کو تکلیف ہوئی لیکن شرم و حیا کے باعث آپ خاموش رہے۔ بعض نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تمہارا اجازت کے بغیر حضور ﷺ کے گھر میں داخل ہونا آپ پر شاق گزرتا ہے اور اس سے آپ کو اذیت پہنچتی ہے لیکن شدت حیا کے باعث انہیں منع کرنا آپ ﷺ کو پسند نہ تھا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا: وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ یعنی اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے شرم نہیں کرتا، اسی لئے اس چیز سے منع فرما دیا۔ پھر فرمایا: وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا ۔ یعنی جس طرح حضور ﷺ کی ازواج طاہرات کے پاس جانا تمہارے لئے ممنوع ہے، اسی طرح ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی حرام ہے۔ اگر کسی ضرورت کے پیش نظر تمہیں ان کے ہاں جانا پڑے یا کوئی چیز لینی دینی ہو تو یہ پس پردہ ہونا چاہئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ مالیدہ کھا رہی تھی۔ اسی اثناء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے تو آپ ﷺ نے انہیں دعوت دی، وہ بھی کھانے میں شریک ہو گئے۔ کھاتے ہوئے ان کی انگلیاں میری انگلیوں کے ساتھ لگ گئیں تو وہ بے ساختہ کہنے لگے کہ اگر میری بات مان لی جاتی اور پردے کا حکم دے دیا جاتا تو تم "امہات المومنین" پر کسی کی نگاہ بھی نہ پڑتی۔ اس وقت پردے کا حکم نازل ہوا(2)۔ اس کے بعد پردے کی افادیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ یعنی پردے کا یہ حکم مرد و زن سب کے دلوں کی پاکیزگی کا سبب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ فرمان وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا ... اس شخص کے متعلق نازل ہوا جس نے آپ ﷺ کے بعد آپ کی کسی زوجہ محترمہ سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا۔ مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اس کا یہ ارادہ تھا(3) لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دے دیا، اس لئے تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی ازواج طاہرات سے نکاح کرنا حرام ہے کیونکہ وہ دنیا و آخرت میں آپ ﷺ کی ازواج اور مومنوں کی مائیں ہیں لیکن اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جس بیوی کو آپ ﷺ نے اپنے کاشانہ اقدس میں آباد کرنے کے بعد اپنی زندگی میں طلاق دے دی تو کیا اس کے ساتھ کوئی اور نکاح کر سکتا ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ یہ اختلاف پیش آنے کا سبب یہ ہے کہ کیا یہ بات مِنْۢ بَعْدِهٖٓ کے عموم میں داخل ہے یا نہیں؟ البتہ وہ عورت جسے آپ ﷺ نے دخول سے پہلے طلاق دے دی، اس کے ساتھ کسی اور کے نکاح میں کوئی ممانعت نہیں۔ قیلہ بنت اشعث بن قیس نبی کریم ﷺ کی ملکیت میں آ گئی تھی۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ چیز بہت ناگوار گزری لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں سمجھایا کہ اے خلیفہ رسول! یہ آپ ﷺ کی بیوی نہ تھی، نہ اسے آپ ﷺ نے اختیار دیا اور نہ ہی اسے پردہ کا حکم دیا، اور اس کی قوم کی ردت کے ساتھ اس کی ردت کے باعث اللہ تعالیٰ نے اسے حضور ﷺ سے بری کر دیا۔ یہ سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مطمئن ہو گئے(4)۔ اللہ تعالیٰ نے سختی سے ان دونوں چیزوں یعنی آپ ﷺ کو اذیت دینا اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد امہات المومنین سے نکاح کرنے کی حرمت اور ان کے گناہ کبیرہ ہونے کی بابت خبر دیتے ہوئے فرمایا: اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا۔ پھر فرمایا: اِنْ تُبْدُوْا شَيْئًا اَوْ تُخْفُوْهُ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے سینوں میں پوشیدہ بھیدوں، دلوں میں چھپی ہوئی باتوں اور تمہاری آنکھوں کی خیانت سے بھی بخوبی آگاہ ہے۔

1۔ فتح الباری، کتاب النکاح، جلد 9، صفحہ 246
2۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 12، صفحہ 295، الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 640-641
3۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 643
4۔ تفسیر طبری، جلد 22، صفحہ 41

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآىِٕهِنَّ وَلَآ اَبْنَآىِٕهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآىِٕهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿55﴾

"کوئی حرج نہیں ان پر اگر ان کے سامنے آئیں ان کے باپ، ان کے بیٹے، ان کے بھائی، ان کے بھتیجے اور ان کے بھانجے اسی طرح مسلمان عورتوں اور لونڈیوں کی آمد ورفت پر بھی کوئی پابندی نہیں۔ (اے عورتو!) ڈرا کرو اللہ (کی نافرمانی) سے، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے"۔

اجنبی مردوں سے پردہ کرنے کے حکم کے بعد اس آیت کریمہ میں ان قریبی رشتہ داروں کا بیان ہو رہا ہے جن سے پردہ ضروری نہیں، یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ سورۂ نور میں استثناء کرتے ہوئے فرمایا: وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ ... اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰي عَوْرٰتِ النِّسَآءِ (النور: 31)۔ اس آیت میں مذکورہ بالا آیت کی نسبت کچھ اضافہ ہے۔ اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔ ان دونوں آیتوں میں چچا اور ماموں کا ذکر بقول عکرمہ اور شعبی اس لئے نہیں ہوا کیونکہ ممکن ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کے سامنے ان کے اوصاف بیان کریں۔ یہ دونوں حضرات چچا اور ماموں کے سامنے عورت کا دوپٹہ اتارنا مکروہ قرار دیتے تھے(1)۔ اس فرمان وَلَا نِسَآىِٕهِنَّ سے مراد مومنہ عورتیں ہیں یعنی ان سے بھی کوئی پردہ نہیں اور وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ سے مراد لونڈی غلام ہیں جیسا کہ اس کا بیان اور اس کے متعلق حدیث گزر چکی ہے(2)۔ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صرف لونڈیاں ہیں۔ فرمایا: وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ یعنی جلوت اور خلوت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہا کرو کیونکہ وہ ہر چیز پر گواہ ہے اور کوئی چیز اس سے مخفی نہیں، اور اس ہمہ دان اور ہمہ بین خدا کا لحاظ رکھو۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰۗىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَي النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿56﴾

"بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی مکرم پر۔ اے ایمان والو تم بھی آپ پر درود بھیجا کرو اور (بڑے ادب ومحبت سے) سلام عرض کیا کرو"۔

بخاری شریف میں حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلاۃ (درود) یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کی بھری محفل میں اپنے محبوب کریم ﷺ کی تعریف وثنا کرتا ہے اور فرشتوں کی صلاۃ آپ کے لئے دعا کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کا مطلب بتاتے ہیں کہ وہ برکت کی دعا کرتے ہیں(3)۔ بہت سے اہل علم کا کہنا ہے کہ اگر صلوٰۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے رحمت اور اگر اس کی نسبت فرشتوں کی طرف ہو تو اس سے استغفار مراد لیا جاتا ہے(4)۔ حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ "سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ سَبَقَتْ رَحْمَتِيْ غَضَبِيْ" ہے یعنی میں انتہائی پاک اور مقدس ہوں، میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ اس آیت سے مقصود بندوں کو حضور نبی کریم ﷺ کے مقام ومرتبہ پر آگاہ کرنا مقصود ہے کہ عالم بالا میں اللہ تعالیٰ مقرب فرشتوں کے سامنے آپ ﷺ کی تعریف وتوصیف فرماتا ہے اور ان گنت فرشتے آپ کی جناب میں ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ عالم بالا کی خبر دینے کے بعد اب اہل زمین کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ بھی آپ ﷺ کی خدمت میں درود وسلام کا نذرانہ پیش کریں تاکہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 42
2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نور: 31
3۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ احزاب، جلد 6 صفحہ 532
4۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الوتر، جلد 2 صفحہ 271

عالم علوی اور عالم سفلی کے مکینوں کا اس پر اجتماع ہو جائے۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا آپ کا رب آپ پر صلوٰۃ بھیجتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا دی کہ ان لوگوں کو جواب دو کہ نہ صرف میں بلکہ میرے فرشتے بھی میرے انبیاء و رسل پر درود بھیجتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اور مقامات پر یہ بھی خبر دی ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں پر بھی صلوٰۃ بھیجتا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ (الاحزاب: 43-41) "اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کیا کرو اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کیا کرو اللہ وہ ہے جو تم پر رحمت نازل کرتا ہے اور اس کے فرشتے بھی"۔ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿﴾ الَّذِيْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ (البقرۃ: 155-157) "اور خوشخبری سنا دیجئے ان صبر کرنے والوں کو کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں بے شک ہم صرف اللہ ہی کے لئے ہیں اور یقیناً ہم اسی طرف لوٹنے والے ہیں، یہی ہیں جن پر ان کے رب کی طرح طرح کی نوازشیں ہیں"۔ حدیث شریف میں ہے: "اللہ تعالیٰ اور فرشتے صفوں کے دائیں طرف والوں پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔(1)" ایک اور حدیث میں یہ دعا مروی ہے: "اے اللہ! آل ابی اوفی پر اپنی صلوٰۃ (رحمت) نازل فرما"(2)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ مجھ پر اور میرے خاوند پر صلوٰۃ بھیجیں تو آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تم پر اور تمہارے خاوند پر صلوٰۃ (رحمت) نازل فرمائے!"(3)۔ احادیث متواترہ میں بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کا حکم اور اس کی کیفیت بیان ہوئی ہے، ان میں سے ہم چند احادیث یہاں بیان کرتے ہیں۔ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عرض کی گئی: یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں آپ پر سلام بھیجنے کا تو علم ہے لیکن یہ فرمایئے کہ صلوٰۃ کی کیا کیفیت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہا کرو! "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ"(4) ابن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی مجھ سے ملاقات ہوئی تو فرمانے لگے کہ کیا میں تمہیں ہدیہ نہ دوں؟ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہے لیکن صلوٰۃ کا طریقہ بتلایئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہا کرو: "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ ... اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ"(5)۔ یہ روایت متعدد کتب احادیث میں متعدد اسناد سے مروی ہے۔ بعض روایات میں "وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ" کے الفاظ ہیں اور بعض میں نہیں۔ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ تو آخر میں "وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ" بھی کہا کرتے تھے۔ ترمذی کی روایت میں یہ اضافہ موجود ہے(6)۔ صحابہ کرام نے جس سلام کے معلوم ہونے کی بات کی تھی اس سے مراد تشہد اور التحیات والا سلام "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ" ہے۔ حضور ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ تشہد اور التحیات قرآن کریم کی سورت کی مثل سکھایا کرتے تھے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں درود کے یہ الفاظ مذکور ہیں: "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ"(7) یزید بن الہاد کی روایت میں یہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 181، سنن ابن ماجہ، کتاب الاقامۃ، جلد 1 صفحہ 321

2۔ صحیح بخاری، جلد 8 صفحہ 95، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 256-257

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 88-89 وغیرہ

4۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 152

5۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 241

6۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الوتر، جلد 2 صفحہ 268-269

7۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الاحزاب، جلد 6 صفحہ 151

الفاظ ہیں: ''كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَ آلِ إِبْرَاهِيْمَ'' (1)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ صحابہ کے استفسار پر حضور ﷺ نے درود کا طریقہ بتاتے ہوئے فرمایا کہ یہ کہا کرو: ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ أَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ أَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ'' (2)۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم اس وقت حضرت سعد بن عبادہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بشیر بن سعد نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ پر درود بھیجنے کا حکم فرمایا ہے، آپ ہمیں اس کا طریقہ سکھا دیں؟ آپ نے اس قدر سکوت اختیار فرمایا کہ ہم تمنا کرنے لگے کہ کاش آپ سے سوال نہ کیا جاتا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کہا کرو! اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اور سلام وہی ہے جو تمہیں معلوم ہے'' (3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم اپنی نماز میں کس طرح آپ پر درود بھیجیں تو آپ ﷺ نے یہ درود تعلیم فرمایا (4)۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آخری تشہد میں درود شریف پڑھنا ضروری ہے اگر کسی نے اسے ترک کر دیا تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ بعض متاخرین نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس مسئلہ میں رد کرتے ہوئے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ ان کا انفرادی موقف ہے اور اس کے خلاف اجماع ہے لیکن یہ قول اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے خلاف اجماع کا دعویٰ کرنا حقیقت سے دور اور لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ متعدد روایات میں درود و سلام کا وجوب مروی ہے اور آیت کریمہ میں بھی امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ صحابہ کرام میں سے حضرات ابن مسعود، ابو مسعود بدری اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے حضرات شعبی، ابو جعفر باقر اور مقاتل بن حیان اور شوافع کا یہی موقف ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا آخری قول یہی ہے جیسا کہ ابو زرعہ دمشقی نے آپ سے نقل کیا ہے، اسحاق بن راہویہ اور فقیہ امام محمد بن ابراہیم کا بھی یہی مذہب ہے یہاں تک کہ بعض حنبلی ائمہ کا کہنا ہے کہ نماز میں آپ ﷺ پر درود پڑھتے ہوئے کم از کم ﷺ کہنا ضروری ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے صحابہ کو تعلیم دی اور ہمارے بعض ساتھیوں نے تو آپ ﷺ کی آل پر بھی درود بھیجنا واجب قرار دیا ہے۔ بندنیجی، سلیم رازی اور نصر بن ابراہیم مقدسی نے اسے نقل کیا ہے۔ امام الحرمین اور امام غزالی نے امام شافعی سے یہ ایک قول بیان کیا ہے۔ لیکن جمہور اس کے خلاف ہیں اور انہوں نے اس کے خلاف اجماع نقل کیا ہے۔ اور آپ کی آل پر درود کا وجوب حدیث کے ظاہری الفاظ سے ثابت ہوتا ہے، الغرض امام شافعی کے نزدیک نماز میں حضور ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے۔ سلف وخلف میں اور ائمہ بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمنوا ہیں اور اس مسئلہ میں اس قول کے خلاف کوئی اجماع نہیں، اس کی تائید ایک اور حدیث سے ہوتی ہے جس کے راوی حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے اپنی نماز میں دعا کرتے وقت نہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور نہ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے بہت جلدی کی، پھر آپ ﷺ نے اسے بلا کر فرمایا یا کسی اور سے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرے پھر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے، پھر جو

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ احزاب، جلد 6 صفحہ 151؛ سنن نسائی، کتاب الصلاۃ، جلد 3 صفحہ 49 وغیرہ

2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 424

3۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 305؛ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 258 وغیرہ

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 258؛ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 119 وغیرہ

چاہے دعا کرے“(1)۔ایک اور حدیث میں فرمایا: ”جس کا وضو نہیں اس کی نماز نہیں۔ جو بسم اللہ نہ پڑھے، اس کا وضو نہیں، جو نبی ﷺ پر درود نہ بھیجے اس کی نماز نہیں اور جو انصار سے محبت نہ رکھے اس کی بھی نماز نہیں“(2)۔اس کا ایک راوی عبدالمہیمن متروک ہے۔طبرانی میں یہ روایت اس کے بھائی ابی بن عباس سے مروی ہے لیکن یہ بھی محل نظر ہے۔حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں آپ پر سلام بھیجنے کی کیفیت تو معلوم ہے لیکن ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ کہا کرو! اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا جَعَلْتَهَا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَاٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ“(3) حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں کو اس دعا کی تعلیم دیتے تھے: ”اَللّٰهُمَّ دَاحِيَ الْمَدْحُوَّاتِ وَبَارِئَ الْمَسْمُوْكَاتِ وَجَبَّارَ الْقُلُوْبِ عَلٰى فِطْرَتِهَا شَقِيِّهَا وَسَعِيْدِهَا، اجْعَلْ شَرَائِفَ صَلَوَاتِكَ وَنَوَامِيَ بَرَكَاتِكَ وَرَأْفَةَ تَحَنُّنِكَ وَفَضَائِلَ آلَائِكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ الْفَاتِحِ لِمَا أُغْلِقَ وَالْخَاتِمِ لِمَا سَبَقَ وَالْمُعْلِنِ الْحَقَّ بِالْحَقِّ وَالدَّامِغِ لِجَيْشَاتِ الْأَبَاطِيْلِ كَمَا حُمِّلَ فَاضْطَلَعَ بِأَمْرِكَ لِطَاعَتِكَ مُسْتَوْفِزًا فِيْ مَرْضَاتِكَ غَيْرَ نَكِلٍ فِيْ قَدَمٍ وَلَا وَاهٍ فِيْ عَزْمٍ وَاعِيًا لِوَحْيِكَ حَافِظًا لِعَهْدِكَ مَاضِيًا عَلٰى نَفَاذِ أَمْرِكَ حَتّٰى أَوْرٰى قَبَسًا لِقَابِسٍ، آلَاءُ اللّٰهِ تَصِلُ بِأَهْلِهِ أَسْبَابَهُ، بِهِ هُدِيَتِ الْقُلُوْبُ بَعْدَ خَوْضَاتِ الْفِتَنِ وَالْإِثْمِ وَأَبْهَجَ مُوْضِحَاتِ الْأَعْلَامِ وَنَائِرَاتِ الْأَحْكَامِ وَمُنِيْرَاتِ الْإِسْلَامِ فَهُوَ أَمِيْنُكَ الْمَأْمُوْنُ وَخَازِنُ عِلْمِكَ الْمَخْزُوْنِ وَشَهِيْدُكَ يَوْمَ الدِّيْنِ وَبَعِيْثُكَ نِعْمَةً وَرَسُوْلُكَ بِالْحَقِّ رَحْمَةً - اَللّٰهُمَّ افْسَحْ لَهُ فِيْ عَدْنِكَ وَاجْزِهِ مُضَاعَفَاتِ الْخَيْرِ مِنْ فَضْلِكَ لَهُ مُهَنَّآتٍ غَيْرَ مُكَدَّرَاتٍ مِنْ فَوْزِ ثَوَابِكَ الْمَعْلُوْلِ وَجَزِيْلِ عَطَائِكَ الْمَجْلُوْلِ، اَللّٰهُمَّ أَعْلِ عَلٰى بِنَاءِ النَّاسِ بُنْيَانَهُ وَأَكْرِمْ مَثْوَاهُ لَدَيْكَ وَنُزُلَهُ وَأَتْمِمْ لَهُ نُوْرَهُ وَاجْزِهِ مِنِ ابْتِعَاثِكَ لَهُ مَقْبُوْلَ الشَّهَادَةِ مَرْضِيَّ الْمَقَالَةِ ذَا مَنْطِقٍ عَدْلٍ وَخُطَّةٍ فَصْلٍ وَحُجَّةٍ وَبُرْهَانٍ عَظِيْمٍ“(4)۔یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مشہور دعا ہے۔ابن قتیبہ نے مشکل القرآن میں اور اسی طرح ابوالحسین احمد بن فارس اللغوی نے اس پر گفتگو کی ہے لیکن اس کی سند محل نظر ہے۔اس کا راوی سلامہ کندی غیر معروف ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کی ملاقات ثابت نہیں۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجو تو بہت عمدہ طریقے سے درود بھیجو، بہت ممکن ہے کہ تمہارا یہ درود حضور ﷺ پر پیش کیا جائے۔لوگوں کی فرمائش پر آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ درود سکھایا: ”اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَإِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ إِمَامِ الْخَيْرِ وَقَائِدِ الْخَيْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَةِ اَللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا يَّغْبِطُهُ الْأَوَّلُوْنَ وَالْآخِرُوْنَ“یعنی اے اللہ! اپنے بندے اور رسول سید المرسلین، امام المتقین، خاتم النبیین، امام خیر، قائد خیر اور رسول رحمت حضرت محمد ﷺ پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرما۔اے اللہ! آپ کو مقام محمود پر فائز فرما جس پر اگلے اور پچھلے تمام لوگ آپ پر رشک کریں۔اس کے بعد نماز والا درود شریف ”اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ - “بتایا(5)۔یہ روایت موقوف ہے۔یونس بن حباب نے فارس میں اپنے خطبہ کے دوران اس آیت اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے

1۔سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 77، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 18 وغیرہ
2۔سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 140
3۔مسند احمد، جلد 5 صفحہ 353
4۔کتاب الشفاء از قاضی عیاض، جلد 2 صفحہ 643-644، مجمع الزوائد، جلد 10 صفحہ 163-164، شرح البلاغۃ، خطبہ 70 صفحہ 80-81
5۔سنن ابن ماجہ، کتاب الاقامۃ، جلد 1 صفحہ 293-294

روایت کرتے ہوئے ایک شخص نے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے صحابہ کے استفسار پر اس طرح درود سکھایا: ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَ آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّ آلَ مُحَمَّدٍ كَمَا رَحِمْتَ آلَ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَآلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ'' (1)۔ اس حدیث سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کے لئے رحم کی دعا جائز ہے۔ جمہور کا یہی مسلک ہے۔ اس کی تائید ایک اعرابی والی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں اس نے دعا مانگتے ہوئے کہا تھا: اے اللہ! مجھ پر اور محمد (ﷺ) پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ کسی اور پر رحم نہ کرنا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے انتہائی فراخ چیز کو تنگ کر دیا(2)۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور مالکیہ سے اس کی ممانعت کا قول نقل کیا ہے جبکہ ابو محمد بن ابی زید نے اسے جائز قرار دیا ہے(3)۔ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''جب تک کوئی شخص مجھ پر درود پڑھتا رہتا ہے اس وقت تک فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔'' اب یہ بندے کا اختیار ہے چاہے تو وہ اس میں کمی کرے یا اسے کثرت سے پڑھے(4)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے قریب وہ ہوگا جو سب سے زیادہ مجھ پر درود پڑھا کرتا تھا'' (5)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ''میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک فرشتہ آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ جو بندہ مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا، اللہ تعالیٰ اس پر اپنی دس رحمتیں نازل فرمائے گا''۔ یہ سن کر ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ ﷺ کیا میں اپنا آدھا وقت درود شریف کے لئے نہ وقف کر دوں؟ فرمایا: ''اگر تمہاری مرضی ہو۔'' اس نے پھر عرض کی کیا میں اپنا دو تہائی وقت درود شریف میں نہ صرف کیا کروں؟ فرمایا: ''جیسے تمہاری مرضی''۔ اس نے پھر عرض کی کہ کیا میں اپنا تمام وقت درود شریف کے لئے مخصوص نہ کر دوں؟ فرمایا: ''پھر تو اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا و آخرت کے غم و اندوہ سے نجات عطا فرما دے گا'' (6)۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ آدھی رات کو باہر نکلتے اور فرماتے: ''تھرتھرا دینے والی (قیامت) آ گئی جس کے پیچھے ایک اور جھٹکا ہے، موت اپنی سختیوں سمیت آ گئی''۔ میں نے ایک مرتبہ عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں رات کے وقت نماز پڑھتا ہوں، کیا میں اس کا تہائی حصہ آپ پر درود شریف پڑھنے کے لئے خاص کر دوں؟ فرمایا: ''آدھا حصہ۔'' میں نے عرض کی کہ کیا میں اس کا نصف حصہ آپ پر درود شریف پڑھتا رہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دو تہائی'' میں نے عرض کی کہ کیا میں اپنا یہ تمام وقت درود شریف کے لئے وقف کر دوں؟ فرمایا: پھر تو اللہ تعالیٰ تمہارے تمام گناہ بخش دے گا'' (7)۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ جب دو تہائی رات گزر جاتی تو رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوتے اور فرماتے: ''اے لوگو! اللہ کو یاد کرو، اللہ کو یاد کرو، کپکپا دینے والی آ گئی جس کے پیچھے ایک اور جھٹکا ہے، موت اپنی سختیوں کے ساتھ آ گئی، موت اپنی آفات سمیت آ پہنچی''۔ ایک مرتبہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ پر کثرت سے درود بھیجتا ہوں، یہ فرمائیے کہ میں اس کے لئے کتنا وقت صرف کروں؟ فرمایا: جس قدر چاہو، میں نے عرض کی: ایک چوتھائی، فرمایا: جتنی مرضی ہو، اگر زیادہ ہو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے کہا: نصف۔ فرمایا: جیسے چاہو اور اگر اس پر اضافہ ہو سکے تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے عرض کی:

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 43-44
2۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 8 صفحہ 11
3۔ کتاب الشفاء، جلد 2 صفحہ 249
4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاقامۃ، جلد 1 صفحہ 294، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 445
5۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 2 صفحہ 608 ابواب الوتر
6۔ کتاب الشفاء، از قاضی عیاض
7۔ کتاب الشفاء

دو تہائی۔ فرمایا: جیسے تمہاری مرضی لیکن اس پر بھی اگر زیادہ ہو تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کی کہ میں اپنا تمام وقت اس کے لئے خاص کرتا ہوں۔ فرمایا: ''پھر تو تمہارے مصائب ختم ہو جائیں گے اور تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے'' (1)۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ پھر تو اللہ تعالیٰ تمہاری دنیا و آخرت کی تمام مشکلیں آسان کر دے گا (2)۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ باہر نکلے، میں بھی آپ کے ساتھ ہو لیا۔ آپ کھجوروں کے ایک باغ میں داخل ہوئے اور وہاں سجدہ ریز ہو گئے، آپ نے اس قدر طویل سجدہ کیا کہ مجھے یہ خدشہ لاحق ہو گیا کہ کہیں آپ کی روح پرواز نہ کر گئی ہو۔ میں آپ کو دیکھنے کے لئے قریب ہوا تو آپ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا: ''اے عبدالرحمن! کیا بات ہے؟'' میں نے آپ کو اپنے اس خدشہ سے آگاہ کر دیا جو میرے دل میں پیدا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جبریل علیہ السلام نے مجھے کہا کہ میں آپ کو خوشخبری سناتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو شخص آپ پر درود بھیجے گا، میں اس پر درود بھیجوں گا اور جو شخص آپ پر سلام بھیجے گا میں بھی اس پر سلام بھیجوں گا'' (3)۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ حضور ﷺ نے جب کافی دیر تک سجدہ سے سر نہ اٹھایا تو میں قریب ہو کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا کون ہے؟ میں نے عرض کی: عبدالرحمن۔ فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے اس قدر لمبا سجدہ کیا کہ مجھے آپ کی روح کے پرواز کر جانے کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جبریل مجھے یہ بشارت دینے کے لئے آئے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو آپ پر صلوٰۃ بھیجے گا میں بھی اس پر صلوٰۃ (رحمت) بھیجوں گا اور جو آپ پر سلام بھیجے گا میں بھی اس پر سلام بھیجوں گا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ کیا'' (4)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لئے باہر نکلے۔ آپ کے ساتھ جانے کے لئے کوئی نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پانی کا کوزہ لئے پیچھے پیچھے چل دیئے۔ باہر جا کر دیکھا کہ آپ ایک وادی میں سر بسجود ہیں۔ وہ کچھ دور ہٹ کر پیچھے کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ نے سر اٹھایا اور فرمایا: ''اے عمر! تم نے بہت اچھا کیا کہ مجھے سجدہ میں دیکھ کر مجھ سے دور ہٹ گئے۔ جبریل میرے پاس یہ پیغام لائے تھے کہ آپ کا جو امتی آپ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا اور اس کے دس درجات بلند کر دے گا'' (5)۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ صحابہ کے پاس تشریف لائے۔ رخ انور پر خوشی اور مسرت کے آثار نمایاں تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آج تو چہرہ مبارک خوشی سے تاباں ہے۔ فرمایا: ''میرے پاس فرشتہ آیا اور اس نے مجھے کہا: کیا آپ اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ آپ کے رب نے فرمایا ہے کہ آپ کا جو امتی آپ پر ایک بار درود پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود پڑھے گا اور آپ کا جو امتی آپ پر ایک بار سلام پڑھے گا، اللہ تعالیٰ دس بار اس پر سلام بھیجے گا۔ میں نے جواب دیا کہ میں اس نوازش پر از حد خوش ہوں'' (6)۔ حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ اس قدر خوش تھے کہ مسرت آپ کے چہرہ سے عیاں ہو رہی تھی۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! آج تو آپ بہت مسرور ہیں۔ فرمایا: ''ہاں، میرے پاس میرے رب کی طرف سے فرشتہ یہ پیغام لے کر آیا کہ آپ کی امت میں سے جو آپ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں دس نیکیاں لکھے گا، دس گناہ معاف کر دے گا، دس درجات بلند فرمائے گا اور اسی کا مثل اس پر

1۔ ترمذی عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ القیامۃ، جلد 9 صفحہ 280-281
2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 136
3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 191
4۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 191
5۔ معجم طبرانی
6۔ سنن نسائی، کتاب الصلاۃ، جلد 3 صفحہ 44-50، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 30

لوٹایا جائے گا"(1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا، اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا"(2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھ پر درود پڑھا کرو، یہ تمہارے لئے زکوٰۃ ہے اور میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کا سوال کیا کرو جو جنت میں ایک اعلیٰ درجہ ہے۔ یہ صرف ایک شخص کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں"(3)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر ستر مرتبہ درود بھیجتے ہیں۔ اب بندے کو اختیار ہے، چاہے وہ کم درود پڑھے یا زیادہ۔ آپ رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ الوداع کہنے والے شخص کے انداز میں ہمارے پاس تشریف لائے اور تین بار فرمایا: "میں محمد امی نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں، مجھے فاتح کلمات، جامع کلمات اور خاتم کلمات سے نوازا گیا، مجھے علم ہے کہ جہنم کے داروغوں اور عرش کے اٹھانے والے فرشتوں کی کتنی تعداد ہے، مجھ پر خصوصی کرم ہوا اور مجھے اور میری امت کو عافیت عطا ہوئی، جب تک میں تم میں موجود ہوں، سنتے رہو اور اطاعت کرتے رہو، میرے وصال کے بعد کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھام لینا اور اس کی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور اس کی حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھنا"(4)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس کے سامنے میرا ذکر ہو، اسے چاہئے کہ وہ مجھ پر درود پڑھے۔ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا"(5)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: "جو مجھ پر ایک بار درود بھیجے گا، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرے گا اور اس کے دس گناہ معاف کردے گا"(6)۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: "بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا"(7)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بخیل ترین شخص وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہوا لیکن اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا"۔ ایک اور روایت میں فرمایا: "آدمی کو یہی بخل کافی ہے کہ اس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے لیکن وہ مجھ پر درود نہ بھیجے"۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے، اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس ماہ رمضان آیا اور اس سے پہلے کہ اس کی مغفرت ہوتی، وہ رخصت ہو گیا اور اس شخص کی ناک بھی خاک آلود ہو جس کی زندگی میں اس کے والدین بڑھاپے کو پہنچے لیکن وہ اسے جنت میں نہ پہنچا سکے"(8)۔ یہ حدیث متعدد صحابہ اور متعدد اسناد سے مروی ہے۔ یہ حدیث اور اس سے پہلے بیان کی گئی احادیث اس امر کی دلیل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھنا واجب ہے، امام طحاوی، حلیمی اور علماء کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے: "جس شخص نے مجھ پر درود بھیجنا فراموش کر دیا، وہ جنت کی راہ بھول گیا"(9)۔ یہ روایت مرسل ہے اور مذکورہ بالا احادیث اس کے لئے باعث تقویت ہیں۔ دوسرے حضرات کا موقف یہ ہے کہ ایک مجلس میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے پھر بقیہ مجلس میں واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ اس کی تائید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے ہوتی ہے: "جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور اس میں نہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور نہ اپنے نبی پر درود پڑھیں تو وہ مجلس قیامت کے دن ان کے لئے وبال ہو گی۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 29
2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 306، سنن ابی داود، کتاب الوتر، جلد 2 صفحہ 88، غیرہ
3۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 365
4۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 172
5۔ مسند ابی داؤد طیالسی، 283
6۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 102
7۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 201، عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13 صفحہ 62-63
8۔ عارضۃ الاحوذی الادب الدعوات، جلد 13 صفحہ 62، الادب المفرد: 280
9۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاقامۃ، جلد 1 صفحہ 294

انہیں عذاب دے اور اگر چاہے تو انہیں بخش دے" (1)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جو لوگ بیٹھتے ہیں اور پھر نبی ﷺ پر درود پڑھے بغیر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو قیامت کے دن وہ مجلس ان کے لئے باعث حسرت ہوگی۔ اگر وہ جنت میں داخل ہو بھی جائیں تو ثواب سے محرومی کے باعث انہیں ندامت ہوگی"۔ بعض حضرات کا یہ مسلک ہے کہ اس آیت کے حکم کے پیش نظر عمر بھر میں ایک مرتبہ آپ ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے، پھر ہر حال میں مستحب ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ پر درود پڑھنے کے وجوب پر اجماع نقل کرنے کے بعد اس قول کی تائید کی ہے، لیکن امام طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے استحباب ثابت ہوتا ہے اور اس پر انہوں نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ شاید ان کا مطلب یہ ہو کہ ایک مرتبہ درود شریف واجب ہے اور ایک سے زائد مرتبہ مستحب۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ پر درود پڑھنا اسی طرح واجب ہے جیسا کہ ایک مرتبہ آپ کی نبوت کی گواہی دینا واجب ہے اور اس سے زائد مستحب، مرغوب فیہ اور شعائر اسلام سے ہے (2)۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ بہت سے اوقات ایسے ہیں جن میں درود شریف پڑھنے کا حکم وارد ہوا ہے، ان میں سے بعض واجب ہیں اور بعض مستحب۔ اذان کے بعد بھی درود شریف پڑھنے کا حکم ہے جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں آتا ہے: "جب تم مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو وہی جملے دہراؤ جو وہ کہہ رہا ہے، پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود پڑھتا ہے، پھر میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ مانگو، یہ جنت میں ایک ایسا مقام ہے جو صرف ایک ہی بندے کو حاصل ہوگا اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں۔ جس نے میرے لئے وسیلہ کا سوال کیا، اس کے لئے میری شفاعت حلال ہوگئی" (3)۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: "جس نے میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کی درخواست کی، وہ قیامت کے دن میری شفاعت کا مستحق ہوگیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھ پر درود بھیجا کرو، کیونکہ یہ تمہارے لئے زکوٰۃ ہے اور میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کا سوال کرو۔ وسیلہ جنت میں ایک اعلیٰ درجہ ہے جسے صرف ایک آدمی پائے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ آدمی میں ہی ہوں۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: "جو شخص محمد (ﷺ) پر درود پڑھے اور کہے: "اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ" (اے اللہ! قیامت کے دن آپ کو اپنے جوار قدس میں بلند مقام پر فائز فرما)، اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی" (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ شَفَاعَةَ مُحَمَّدٍ الْكُبْرٰى وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ الْعُلْيَا وَاَعْطِهٖ سُؤْلَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى كَمَا اٰتَيْتَ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ" یعنی اے اللہ! حضور ﷺ کی شفاعت کبریٰ قبول فرما، آپ کے مقام رفیع کو بلند فرما اور دنیا و آخرت میں آپ کی مانگی ہوئی چیز آپ کو عطا فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام کو نوازا۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت اور باہر نکلتے وقت بھی درود شریف پڑھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں جاتے تو خود پر صلوٰۃ و سلام پڑھ کر یہ دعا کرتے: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ" اور جب مسجد سے باہر آتے تو صلوٰۃ و سلام کے بعد یہ دعا پڑھتے: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ" (5)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم مساجد میں جاؤ تو نبی

1۔ جامع ترمذی، ابواب الدعوات، جلد 12 صفحہ 272، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 453
2۔ کتاب الشفاء، قاضی عیاض، جلد 2 صفحہ 627
3۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1 صفحہ 282-283، سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1 صفحہ 144، وغیرہ
4۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 108
5۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 282

کریم ﷺ پر درود بھیجا کرو۔ جہاں تک نماز کے آخری تشہد میں درود شریف پڑھنے کا تعلق ہے تو اس بارے میں ہم تفصیل بحث کر چکے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے واجب قرار دیا ہے۔ پہلے تشہد میں درود شریف کو کسی نے بھی واجب قرار نہیں دیا، البتہ اس کے مستحب ہونے اور نہ ہونے کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں۔ اسی طرح نماز جنازہ میں بھی درود شریف مشروع ہے۔ سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلی تکبیر میں سورۂ فاتحہ پڑھے، دوسری تکبیر میں درود شریف پڑھے، تیسری میں میت کے لئے دعا کرے اور چوتھی میں یہ دعا کرے: ''اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ''۔ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ امام پہلی تکبیر کہنے کے بعد آہستہ سے سورۂ فاتحہ پڑھے، پھر نبی ﷺ پر درود پڑھے اور جنازہ کے لئے اخلاص سے دعا کرے اور تکبیروں میں کچھ نہ پڑھے، پھر آہستہ سے سلام پھیر دے (1)۔ نسائی نے اسے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور صحابی سے روایت مرفوع کے حکم میں ہے۔ نماز عید میں درود شریف پڑھنے کے متعلق مروی ہے کہ ولید بن عقبہ نے عید کے دن حضرات ابن مسعود، ابو موسیٰ اور حذیفہ رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا کہ آج عید کا دن ہے، آپ یہ فرمائیں کہ اس میں تکبیروں کی کیا کیفیت ہے؟ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تکبیر تحریمہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد کی جائے اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا جائے پھر دعا مانگی جائے، پھر تکبیر کے بعد اسی طرح کیا جائے، پھر تکبیر کہہ کر یہی عمل دہرایا جائے، پھر تکبیر کہنے کے بعد ایسا کیا جائے، پھر قراءت کے بعد تکبیر کہہ کر رکوع کیا جائے، پھر کھڑے ہو کر قراءت کی جائے، اللہ تعالیٰ کی حمد کی جائے اور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھا جائے، پھر دعا کی جائے اور تکبیر کہنے کے بعد اسی طرح رکوع کیا جائے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کی۔ درود شریف پر دعا کا اختتام کرنا مستحب ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دعا زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے، جب تک نبی کریم ﷺ پر درود نہ پڑھو، وہ اوپر نہیں چڑھتی (2)۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''دعا زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے اور اس وقت تک اوپر نہیں چڑھتی جب تک مجھ پر درود نہ پڑھا جائے، مجھے سوار کے پیالے کی طرح نہ سمجھو، دعا کے شروع میں بھی مجھ پر درود پڑھو، آخر میں بھی اور درمیان میں بھی''۔ یہ اضافہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے سوار کے پیالے کی طرح نہ بنالو کہ جب وہ تمام ضروریات سفر لے لیتا ہے تو پانی کا پیالہ بھی بھر لیتا ہے۔ اگر وضو کی ضرورت پڑی تو اس سے وضو کر لیا اور اگر پیاس لگی تو پی لیا ورنہ اس کا پانی بہا دیا، مجھے دعا کے شروع میں، دعا کے درمیان میں اور دعا کے آخر میں رکھا کرو''۔ یہ حدیث غریب ہے۔ دعائے قنوت میں درود شریف کی زیادہ تاکید ہے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے کچھ کلمات سکھائے جنہیں میں وتروں میں پڑھتا ہوں: ''اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ، وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ، وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ، وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ، وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ فَاِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ، وَاِنَّہٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ، وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ، تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ'' (3)۔ نسائی کی روایت میں اس کے بعد یہ اضافہ بھی ہے: ''وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ''۔ (4) جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات کو درود شریف بکثرت پڑھنا مستحب ہے۔ حضرت اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے، اسی میں آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور اسی میں ان کی وفات ہوئی، اسی میں صور پھونکا جائے گا اور اسی میں ہر۔

1۔ ترتیب مسند الشافعی، جلد 1 صفحہ 210-211، سنن نسائی، کتاب الجنائز، جلد 4 صفحہ 75
2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الوتر، جلد 2 صفحہ 271-272
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 63، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 199 وغیرہ
4۔ سنن نسائی، کتاب الصلاۃ، جلد 3 صفحہ 248

ایک پر موت طاری ہوگی۔ اس دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے"۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے وصال کے بعد جب کہ آپ زمین میں دفن ہوں گے، آپ پر ہمارا درود کیسے پیش کیا جائے گا؟ فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کو کھانا حرام کر دیا ہے" (1)۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھو، کیونکہ اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں، اس دن جو شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے، اس کا درود اس کے فارغ ہونے تک مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، میں نے عرض کی کہ کیا موت کے بعد بھی؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے، اللہ کے نبی زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے" (2)۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس میں عبادہ بن نسی اور حضرت ابوالدرداء کے درمیان انقطاع ہے۔ جمعہ کی رات اور جمعہ کے دن کو بکثرت درود شریف پڑھنے کے متعلق حضرات ابوامامہ رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیہقی میں بھی حدیث مروی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ حضرت حسن بصری سے مروی ایک مرسل حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "زمین اس کا جسم نہیں کھاتی جس سے روح القدس نے کلام کیا ہو"۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: "جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات کو مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو" (3)۔ یہ حدیث بھی مرسل ہے۔ اسی طرح خطیب پر واجب ہے کہ وہ جمعہ کے دن دونوں خطبوں میں درود شریف پڑھے، اس کے بغیر خطبے صحیح نہیں ہوتے کیونکہ یہ عبادت ہے اور اس میں اللہ کا ذکر شرط ہے، اس لئے اذان اور نماز کی طرح اس میں ذکر رسول ﷺ بھی واجب ہے۔ یہ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا مذہب ہے۔ حضور ﷺ کی قبر انور کی زیارت کرتے وقت درود وسلام کا نذرانہ پیش کرنا مستحب ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے جو مجھ پر سلام پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں" (4)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ، میری قبر پر میلے نہ لگانا۔ مجھ پر درود پڑھا کرو، جہاں کہیں بھی تم ہو، تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے" (5)۔ قاضی اسماعیل بن اسحاق اپنی کتاب فضل الصلوٰۃ میں ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کا معمول تھا کہ وہ ہر صبح حضور ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضری دیتا اور آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام کا ہدیہ پیش کرتا۔ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے اس کا سبب پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ حضور ﷺ پر درود وسلام پڑھنا مجھے بہت محبوب ہے۔ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے اسے کہا کہ میں تمہیں اپنے والد محترم سے مروی ایک حدیث نہ سناؤں؟ عرض کی: ضرور سنایئے۔ فرمایا کہ میرے والد محترم نے میرے دادا جان سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنانا، اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ اور جہاں کہیں تم ہو مجھ پر صلوٰۃ وسلام پڑھو تمہارا صلوٰۃ وسلام مجھ تک پہنچتا ہے"۔ اس کا ایک راوی مبہم ہے جس کا نام مذکور نہیں۔ مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے روضہ انور پر کچھ لوگوں کو دیکھ کر یہ حدیث سنائی تھی۔ ممکن ہے وہ لوگ وہاں ضرورت سے زیادہ اپنی آوازیں بلند کر رہے ہوں گے یا کسی اور بے ادبی کے مرتکب ہوئے ہوں گے، اس لئے آپ نے انہیں ممانعت کرتے ہوئے یہ حدیث سنائی۔ (6) یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے ایک شخص کو پے در پے روضہ شریف پر حاضری دیتے ہوئے دیکھا تو اسے

1۔ سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 88، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 8 وغیرہ
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، جلد 1 صفحہ 524
3۔ ترتیب مسند الشافعی، جلد 1 صفحہ 172
4۔ سنن ابی داود، کتاب المناسک، جلد 2 صفحہ 218
5۔ سنن ابی داود، کتاب المناسک، جلد 2 صفحہ 218، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 367
6۔ مصنف عبدالرزاق، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 577

فرمایا کہ حضور ﷺ تک سلام پہنچنے کے معاملہ میں تم اور وہ شخص جو اندلس میں ہے، یکساں ہیں۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم جہاں بھی ہو، مجھ پر درود پڑھو۔ تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے"(1)۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ ۔۔۔ کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ ایک سربستہ راز ہے، اگر تم مجھ سے اس کے متعلق نہ پوچھتے تو میں تمہیں نہ بتاتا، سنو، میرے ساتھ دو فرشتے مقرر ہیں۔ جب کسی مسلمان کے سامنے میرا ذکر کیا جاتا ہے اور وہ مجھ پر درود پڑھتا ہے تو وہ فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے۔ ان فرشتوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے آمین کہتے ہیں"(2)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے فرشتے ہیں جو زمین پر گشت کرتے رہتے ہیں اور میری امت کے سلام مجھ پر پہنچاتے ہیں"(3)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: "جو میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے، میں اسے سنتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے، وہ مجھ تک پہنچایا جاتا ہے"۔ اس کی سند محل نظر ہے۔ اس کا راوی محمد بن مروان سدی صغیر متروک ہے۔ ہمارے اصحاب کا کہنا ہے کہ احرام باندھنے والے شخص کے لئے مستحب ہے کہ وہ تلبیہ کے بعد درود شریف پڑھے جیسا کہ امام شافعی اور دار قطنی نے قاسم بن محمد بن ابی بکر سے روایت بیان کی ہے کہ جب آدمی تلبیہ سے فارغ ہو جاتا تو اسے ہر حال میں درود شریف پڑھنے کا حکم دیا جاتا(4)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم مکہ شریف پہنچو تو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے سات چکر لگاؤ اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعتیں ادا کرو پھر صفا پر اس طرح کھڑے ہو جاؤ کہ تمہیں بیت اللہ شریف دکھائی دے اور سات تکبیریں کہو، ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرو، نبی کریم ﷺ پر درود بھیجو اور اپنے لئے دعائیں کرو، پھر مروہ پر جا کر بھی ایسا ہی کرو۔ ہمارے اصحاب کا یہ بھی کہنا ہے کہ ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ بطور دلیل انہوں نے یہ آیت پیش کی ہے: وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الانشراح:4) "اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو بلند کر دیا"۔ کیونکہ اس کی تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوگا وہاں آپ کا بھی ذکر ہوگا لیکن جمہور نے اس کی مخالفت کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہاں صرف اللہ تعالیٰ کا نام ہی لیا جاتا ہے جیسا کہ خورد و نوش، جماع اور دیگر مواقع پر جہاں درود شریف پڑھنا سنت سے ثابت نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء و رسل پر بھی درود بھیجو کیونکہ میری طرح انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے"(5)۔ اس کی سند میں دو راوی عمرو بن ہارون اور ان کے شیخ ضعیف ہیں۔ کان کی سنسناہٹ کے وقت بھی درود شریف پڑھنا مستحب ہے جیسا کہ حدیث میں ہے بشرطیکہ اس کی سند صحیح ہو۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کسی کا کان بجنے لگے تو وہ مجھے یاد کرے اور مجھ پر درود بھیجے اور یہ کہے کہ جس نے مجھے بھلائی کے ساتھ یاد کیا، اللہ تعالیٰ اسے یاد کرے"۔ اس کی سند غریب ہے اور اس کا ثبوت مشکوک ہے۔

مسئلہ: کاتب اس بات کو مستحب سمجھتے ہیں کہ وہ جب بھی حضور ﷺ کا نام لکھیں، اس کے ساتھ درود شریف لکھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص کسی کتاب میں مجھ پر درود لکھے تو اس درود کا ثواب اس وقت تک ملتا رہتا ہے

1۔ معجم کبیر، جلد 3 صفحہ 82
2۔ معجم کبیر، جلد 3 صفحہ 89، مجمع الزوائد، جلد 7 صفحہ 93
3۔ سنن نسائی، کتاب السہو، جلد 3 صفحہ 43، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 441
4۔ الام للشافعی، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 134، سنن دار قطنی، باب المواقیت، جلد 2 صفحہ 238
5۔ مصنف عبد الرزاق، جلد 2 صفحہ 216

جب تک اس کتاب میں میرا نام موجود رہے"(1)۔ لیکن یہ حدیث صحیح نہیں۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ تو اسے موضوع سمجھتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اس قسم کی حدیث مروی ہے لیکن وہ بھی صحیح نہیں۔ خطیب بغدادی اپنی کتاب "الجامع لآداب الراوی والسامع" میں ذکر کرتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی تحریر میں متعدد مقامات پر حضور علیہ السلام کا اسم گرامی لکھا ہوا دیکھا جہاں درود شریف تحریر نہ تھا۔ آپ زبانی درود پڑھ لیا کرتے تھے۔

فصل: غیر انبیاء پر تبعا صلوۃ بھیجنا جائز ہے جیسا کہ حدیث شریف میں گزر چکا ہے: "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ"۔ اختلاف تو اس بات میں ہے کہ اگر انبیاء سے الگ کسی کا نام لیا جائے تو کیا اس پر صلوۃ بھیجنا جائز ہے؟ بعض حضرات نے اسے جائز قرار دیا ہے اور قرآن وسنت سے دلائل پیش کیے ہیں۔ جن آیات سے انہوں نے استدلال کیا ہے، وہ یہ ہیں: هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ (الاحزاب: 43)، اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ (البقرۃ: 157) اور خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ (التوبہ: 103) اور ان احادیث سے حجت پکڑی ہے: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام کے پاس جب کسی قوم کا صدقہ آتا تو آپ ان کے لئے یہ دعا کرتے: "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِمْ"۔ جب میرے والد اپنا صدقے کا مال لائے تو آپ نے فرمایا: "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ اَبِيْ اَوْفٰى" (2)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی بیوی نے عرض کی: یا رسول اللہ علیہ السلام مجھ پر اور میرے خاوند پر صلوٰۃ بھیجئے تو آپ نے فرمایا: "صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكِ وَ عَلٰى زَوْجِكِ" (3) لیکن جمہور علماء اس کے خلاف ہیں اور وہ غیر انبیاء پر صلوٰۃ بھیجنے کو جائز نہیں سمجھتے جب انبیاء سے الگ ان کا ذکر کیا جائے کیونکہ صلوٰۃ وسلام انبیاء کے لئے شعار کی حیثیت اختیار کر گیا ہے اور ان کے ساتھ مخصوص ہو گیا ہے اس لئے غیر انبیاء کے لئے یہ الفاظ استعمال نہ کئے جائیں اور یہ نہ کہا جائے: ابوبکر صلی اللہ علیہ یا علی صلی اللہ علیہ، اگرچہ معنوی لحاظ سے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسا کہ محمد عزوجل نہیں کہا جا سکتا اگرچہ آپ علیہ السلام عزیز بھی ہیں اور جلیل بھی، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہو گئے ہیں اور کتاب وسنت میں غیر انبیاء کے لئے جہاں صلوٰۃ کا لفظ وارد ہوا ہے، وہ دعا کے معنی میں ہے، اس لئے یہ نہ آل ابی اوفی کے لئے شعار بنا، نہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے لئے اور نہ ان کی بیوی کے لئے۔ بعد میں ان کے ناموں کے ساتھ کسی نے بھی صلوٰۃ کا ذکر نہیں کیا۔ یہ مسلک بہت اچھا ہے۔ بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ غیر انبیاء پر صلوٰۃ جائز نہیں کیونکہ یہ خواہش پرستوں اور بدمذہبوں کا شیوا ہے۔ جن لوگوں کے ساتھ انہیں دلی عقیدت ہوتی ہے، ان پر وہ صلوٰۃ بھیجتے ہیں اس لئے اس معاملہ میں ان کی اقتداء سے احتراز کرنا چاہئے۔ پھر ان منع کرنے والوں کے درمیان اختلاف ہے کہ کیا ایسا کرنا حرام ہے یا مکروہ تنزیہی یا خلاف اولی؟ یہ تین اقوال ہیں جنہیں امام نووی نے کتاب الاذکار میں بیان کیا ہے، پھر فرماتے ہیں کہ صحیح مسلک جس پر اکثریت کا اتفاق ہے، یہی ہے کہ ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ اہل بدعت کا شعار ہے اور ہمیں ان کے شعار کی تقلید سے منع کیا گیا ہے۔ اور مکروہ وہی ہوتا ہے جس میں نہی مقصود ہو۔ ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ اس میں زیادہ دارومدار اس بات پر ہے کہ سلف کی زبان میں صلوٰۃ کا لفظ انبیاء کے ساتھ مخصوص ہو گیا جیسا کہ عزوجل اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے تو ہم جس طرح باوجود حضور علیہ السلام کے عزیز اور جلیل ہونے کے محمد عزوجل نہیں کہہ سکتے، اسی طرح ابوبکر یا علی صلی اللہ علیہ نہیں کہا جا

1۔ کتاب الشفاء از قاضی عیاض، جلد 2 صفحہ 639

2۔ صحیح بخاری، جلد 8 صفحہ 95، صحیح مسلم، کتاب زکاۃ، جلد 2 صفحہ 256-257

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 88-89

سکتا(1)۔ جہاں تک سلام کا تعلق ہے تو بقول شیخ ابو محمد الجوینی یہ صلوۃ کے معنی میں ہے۔ نہ کسی غائب کے لئے اسے استعمال کیا جا سکتا ہے اور نہ صرف غیر نبی کے لئے، چنانچہ علی علیہ السلام نہیں کہا جائے گا۔ اس میں زندوں اور مردوں کا یکساں حکم ہے۔ البتہ جو شخص سامنے حاضر ہو، اسے مخاطب کر کے "سلامٌ عَلَيْكَ"، والسلام علیک یا السلام علیکم کہنا جائز ہے۔ اس پر اجماع ہے(2)۔ یہ بات توملحوظ خاطر رہے کہ اکثر لوگ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ علیہ السلام یا کرم اللہ وجہہ کہتے یا لکھتے ہیں، باقی صحابہ کے متعلق ایسا نہیں کرتے۔ معنی کے لحاظ سے یہ اگرچہ درست ہے لیکن تمام صحابہ میں یکسانیت ضرورت ہے، ان کے احترام تعظیم اور تکریم کا یہی تقاضا ہے۔ حضرات ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم ان الفاظ کے زیادہ مستحق ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے سوا کسی پر صلوٰۃ بھیجنا صحیح نہیں بلکہ مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے دعائے مغفرت کرنی چاہئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے ایک خط میں لکھا کہ کچھ لوگ آخرت کے اعمال سے دنیا جمع کرنے کی فکر میں منہمک ہیں اور بعض واعظین خلفاء اور امراء پر بالکل اسی طرح صلوۃ بھیجتے ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ پر بھیجی جاتی ہے۔ جب تمہارے پاس میرا یہ خط پہنچے تو انہیں یہ بتا دینا کہ صلوۃ صرف نبیوں کے لئے خاص ہونی چاہئے اور عام مسلمانوں کے لئے دعا کریں اور صلوٰۃ کے علاوہ جو چاہیں دعا کریں(3)۔ حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہر طلوع فجر کے وقت ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں اور حضور ﷺ کی قبر انور کو گھیر لیتے ہیں اور اپنے پروں کو سمیٹ کر نبی کریم ﷺ پر درود پڑھتے ہیں اور ستر ہزار رات کو آتے ہیں یہاں تک کہ قیامت کے دن جب آپ کی قبر شق ہوگی تو آپ کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ پر درود بھیجتے وقت صلوۃ وسلام دونوں ایک ساتھ بھیجے جائیں، صرف ایک پر اکتفا کرتے ہوئے نہ صرف صلی اللہ علیہ کہنا چاہئے اور نہ صرف علیہ السلام۔ یہ قول اسی آیت صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا سے ماخوذ ہے۔ بہتر یہی ہے کہ یوں کہا جائے۔ "صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا"۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿٥٧﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿٥٨﴾

"بے شک جو لوگ ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے رسوا کن عذاب۔ اور جو لوگ دل دکھاتے ہیں مومن مردوں اور مومن عورتوں کا بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی (معیوب) کام کیا ہو تو انہوں نے اٹھا لیا (اپنے سر پر) بہتان باندھنے اور کھلے گناہ کا بوجھ"۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عذاب کی دھمکی دے رہا ہے جو اس کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اس کی نواہی کا ارتکاب کرتے ہیں اور پھر اس پر بضد رہتے ہیں، علاوہ ازیں وہ رسول اللہ ﷺ کی بے ادبی اور عیب جوئی کر کے آپ کی دل آزاری کرتے ہیں۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تصویریں بنانے والے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ابن آدم مجھے اذیت دیتا ہے، وہ زمانے کو گالی دیتا ہے حالانکہ زمانہ میں ہی ہوں، میں ہی دن

1۔ الاذکار للنووی، 4، المجلس: 108 2۔ الاذکار: 109 3۔ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الزہد، جلد 13 صفحہ 468

رات کو الٹ پلٹ کرتا ہوں''(1)۔ مطلب یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت والے کہا کرتے تھے کہ ہائے زمانہ کی خرابی! اس نے ہمارے ساتھ یہ یہ کیا۔ وہ اللہ کے افعال زمانہ کی طرف منسوب کر کے زمانہ کو برا بھلا کہا کرتے تھے۔ تمام افعال کا فاعل چونکہ اللہ تعالیٰ ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہتے تھے اس لئے اس سے منع کر دیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، ابو عبیدہ اور دیگر علما نے اسی طرح بیان کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ۔ ان لوگوں کے بارے میں اتری جنہوں نے اس بناء پر حضور علیہ السلام پر طعن کرتے ہوئے آپ کو اذیت دی کہ آپ علیہ السلام نے حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کیا(2)۔ بہر صورت یہ آیت عام ہے اور ہر اس شخص کو شامل ہے جو کسی طرح سے بھی آپ کی دل آزاری کا سبب بنتا ہے۔ جس نے آپ کو اذیت دی، اس نے اللہ کو ایذا پہنچائی جیسا کہ جس نے آپ علیہ السلام کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ ایک حدیث میں رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: ''میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے بعد انہیں اپنے طعن و تشنیع کا ہدف نہ بنا لینا۔ جس نے ان کے ساتھ محبت رکھی۔ اس نے میری محبت کے باعث ایسا کیا اور جس نے ان کے ساتھ بغض رکھا، اس نے میرے بغض کی وجہ سے ایسا کیا، جس نے انہیں ایذا دی اس نے مجھے ایذا پہنچائی، جس نے مجھے ایذا پہنچائی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو وہ ضرور اسے پکڑ لے گا''(3)۔ پھر اگلی آیت میں فرمایا: وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی وہ لوگ جو اہل ایمان کی طرف ان کی ناکردہ برائیوں کو منسوب کرتے ہیں اور ان کے متعلق ایسی افواہیں اڑاتے ہیں جن کے ساتھ ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا، وہ بہت بڑے بہتان اور کھلے گناہ کا بھاری بوجھ اٹھاتے ہیں۔ اس وعید میں سب سے پہلے کفار داخل ہیں، پھر رافضی شیعہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی عیب جوئی کرتے ہیں اور ان کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں حالانکہ وہ ان کی الزام تراشیوں سے بری ہیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان نفوس قدسیہ کی مدح کرتے ہوئے یہ خبر دے دی کہ وہ مہاجرین و انصار سے راضی ہے لیکن اس کے باوجود یہ احمق اور جاہل لوگ ان کو برا بھلا کہتے ہیں، ان کی بے ادبی کرتے ہیں اور ان کے متعلق ایسی ناروا اور غیر شائستہ باتیں برملا کرتے ہیں جن سے وہ بالکل پاک ہیں۔ دراصل ان کے دل ٹیڑھے ہیں۔ یہ قابل ستائش لوگوں کی مذمت کرتے ہیں اور قابل مذمت لوگوں کی ستائش و توصیف کرتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عرض کی گئی: یا رسول اللہ علیہ السلام! غیبت کیا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''تمہارا اپنے بھائی کا ایسا ذکر کرنا جو اسے ناپسند ہو''۔ عرض کی گئی کہ اگر میرا بیان کردہ عیب اس میں ہو تو؟ فرمایا: ''اگر تمہارا بیان کردہ عیب اس میں موجود ہو تو یہ اس کی غیبت ہے اور اگر اس میں نہ ہو تو یہ اس پر بہتان ہے''(4)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے اپنے صحابہ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑا سود کون سا ہے؟ عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑا سود کسی مسلمان کی عصمت دری کرنا ہے''۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ لَىِٕنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 168، صحیح مسلم، کتاب الالفاظ من الادب، جلد 4 صفحہ 1762
2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 45
3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب المناقب، جلد 13 صفحہ 244، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 87
4۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2001، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 269 وغیرہ

قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۚ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝

"اے نبی مکرم! آپ فرمائیے اپنی ازواج مطہرات کو، اپنی صاحبزادیوں کو اور جملہ اہل ایمان کی عورتوں کو کہ (جب وہ باہر نکلیں تو) ڈال لیا کریں اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو۔ اس طرح وہ بآسانی پہچان لی جائیں گی پھر انہیں ستایا نہیں جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہر دم رحم فرمانے والا ہے۔ اگر (اپنی حرکتوں سے) باز نہ آئے منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے اور شہر میں جھوٹی افواہیں اڑانے والے، تو ہم آپ کو مسلط کر دیں گے ان پر پھر وہ نہ ٹھہر سکیں گے آپ کے پاس مدینہ طیبہ میں مگر چند روز۔ وہ بھی اس حال میں کہ ان پر لعنت برس رہی ہوگی۔ جہاں پائے جائیں گے پکڑ لئے جائیں گے اور جان سے مار ڈالے جائیں گے۔ اللہ کی سنت ان (بدقماشوں) کے متعلق بھی یہی تھی جو پہلے گزر چکے۔ اور آپ سنت الٰہی میں ہرگز کوئی تغیر و تبدل نہ پائیں گے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ مومن مسلمان عورتوں کو حکم دیں خصوصاً اپنی بیویوں اور صاحبزادیوں کو کیونکہ انہیں تمام عورتوں پر خصوصی شرف اور فضیلت حاصل ہے کہ وہ اپنی چادریں اپنے اوپر ڈال لیا کریں تاکہ وہ جاہلیت کی عورتوں اور لونڈیوں سے ممتاز ہو جائیں۔ جلباب دوپٹہ سے بڑی چادر کو کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمان خواتین کو حکم فرما رہا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت کے لئے اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو ان چادروں کے پلوؤں سے اپنے چہرے ڈھانپ لیں جو انہوں نے اپنے سروں پر اوڑھ رکھی ہوں اور صرف ایک آنکھ کھلی رکھیں (1)۔ امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبیدہ سلمانی سے اس آیت کی وضاحت چاہی تو آپ نے اپنے چہرے اور سر کو ڈھانپ کر اور بائیں آنکھ کھلی رکھ کر اس آیت کی وضاحت کی۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ عورت اپنے اوپر بڑی چادر اوڑھ کر اپنے سینے کے بالائی حصہ کو ڈھانپ لے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد انصار کی عورتیں سیاہ چادروں سے اپنے آپ کو ڈھانپ کر اس طرح سکون اور وقار سے باہر نکلتیں گویا ان کے سروں پر کوے ہیں۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا لونڈی بھی چادر اوڑھے خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ؟ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ شادی شدہ ہے تو وہ دوپٹہ اوڑھے لیکن جلباب (بڑی چادر) اوڑھنے سے اسے منع کیا جائے گا کیونکہ آزاد محصنہ عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا لونڈیوں کے لئے مکروہ ہے، اس کی دلیل یہی آیت کریمہ ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذمیوں کی عورتوں کی آرائش اور زینت دیکھنے میں کوئی حرج نہیں، اس کی ممانعت فتنہ میں مبتلا ہو جانے کے خوف سے ہے نہ کہ ان کی حرمت و عزت کے باعث کیونکہ آیت کریمہ میں وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ کے الفاظ ہیں۔ پھر فرمایا ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ۔ یعنی اگر وہ اس حکم کو بجا لاتے ہوئے چادر اوڑھ کر باہر نکلیں گی تو بآسانی پہچان ہو جائے گی کہ یہ عفت مآب اور آزاد عورتیں ہیں، نہ یہ لونڈیاں ہیں اور نہ ہی فاحشہ عورتیں۔ سدی فرماتے ہیں کہ مدینہ کے کچھ اوباش لوگ شام کے دھندلے میں گھروں سے باہر نکل آتے اور عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے خصوصاً رات کے وقت جب مستورات قضائے حاجت کے لئے

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 49

باہر نکلتیں تو یہ بدقماش انہیں پھانسنے کی کوشش کرتے۔ جب وہ کسی عورت کو بڑی چادر میں ملبوس دیکھتے تو یہ کہہ کر اس سے تعرض نہ کرتے کہ یہ آزاد عورت ہے، لیکن جب کوئی عورت چادر اوڑھے ہوئے نہ ہوتی تو وہ اسے لونڈی سمجھ کر چھیڑ چھاڑ کرنے لگ جاتے(1)۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ آزاد عورتیں چادریں اوڑھے ہوئے ہوں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ عصمت شعار آزاد عورتیں ہیں اس طرح کسی فاسق کو یہ جرأت نہیں ہوتی کہ وہ انہیں ستائے یا کسی شک وشبہ کا اظہار کرے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا یعنی زمانہ جاہلیت میں جب کہ انہیں ان احکام کا علم نہ تھا، جو قصور ان سے سرزد ہوئے، اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمانے والا ہے۔ پھر منافقین کو دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ حضرت عکرمہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہاں اس سے مراد بدکار لوگ ہیں۔ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ سے مراد وہ لوگ ہیں جو جھوٹی افواہیں پھیلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ دشمن یلغار کرنے والا ہے۔ ان کے بارے میں فرمایا کہ اگر یہ بدقماش اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے اور انہوں نے حق کی طرف رجوع نہ کیا تو ہم اے ہمارے پیارے رسول ﷺ آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ کا مفہوم یہ ہے کہ ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے۔ قتادہ اس کا معنی بتاتے ہیں کہ ہم آپ کو ان پر غالب کر دیں گے(2)۔ سدی کہتے ہیں کہ ہم آپ کو ان کی حقیقت پر آگاہ کر دیں گے، پھر وہ آپ کے پاس مدینہ میں کچھ دیر ہی ٹھہر سکیں گے وہ بھی اس حال میں کہ ان پر لعنت برس رہی ہوگی اور عنقریب انہیں دھتکار دیا جائے گا۔ یہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے، انہیں ان کی ذلت اور قلت کے باعث پکڑ لیا جائے گا اور انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ پھر فرمایا: سُنَّةَ اللّٰهِ یعنی اپنے نفاق اور کفر پر ڈٹے رہنے والے اور ایمان کی طرف نہ لوٹنے والے منافقین کے متعلق ہماری یہی سنت رہی ہے کہ اہل ایمان کے ذریعے انہیں مغلوب و مقہور کیا جاتا ہے اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ مَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَ اَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ۝ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ۝ۚ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَاۤ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۝ وَ قَالُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝ رَبَّنَاۤ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَ الْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ۝

”لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں فرمایئے اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اور (اے سائل!) تو کیا جانے شاید وہ گھڑی قریب ہی ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے محروم کر دیا کفار کو اور تیار کر رکھی ہے اس نے ان کے لئے بھڑکتی آگ۔ وہ ہمیشہ رہیں گے اس میں تا ابد۔ نہ پائیں گے کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار۔ جس روز وہ منہ کے بل آگ میں پھینکے جائیں گے تو (بصد یاس) کہیں گے اے کاش! ہم نے اطاعت کی ہوتی اللہ تعالیٰ کی اور ہم نے اطاعت کی ہوتی رسول اکرم کی۔ اور عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم نے پیروی کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑے لوگوں کی پس ان (ظالموں نے) ہمیں بہکا دیا سیدھی راہ سے۔ اے ہمارے رب! ان کو دوگنا عذاب دے اور لعنت بھیج ان پر بہت

1۔ الدرالمنثور، جلد 6 صفحہ 661 2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 48

بڑی لعنت"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو آگاہ فرما رہا ہے کہ آپ کو قیامت کے وقت کا علم نہیں اگرچہ لوگ آپ سے اس کے متعلق دریافت کرتے ہیں، اور فرمایا جا رہا ہے کہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض کریں جیسا کہ سورۂ اعراف میں بھی یہی فرمان ہے۔ سورۂ اعراف مکی ہے اور یہ سورت مدنی۔ چنانچہ وقوع قیامت کا علم اسی ذات کی طرف لوٹایا جاتا رہا جس نے اسے قائم کرنا ہے لیکن اپنے اس فرمان وَمَا يُدْرِيكَ کے ذریعے خبر دے دی کہ یہ عنقریب وقوع پذیر ہوگی۔ اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ الْقَمَرُ (القمر: 1) "قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا"۔ اقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ (الانبیاء: 1) "لوگوں کے لئے ان کے حساب کا وقت قریب آ گیا اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں"۔ أَتَىٰ أَمْرُ اللَّهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ (النحل: 1) "حکم الٰہی قریب آ گیا ہے پس اس کے لئے عجلت نہ کرو"۔ پھر فرمایا: إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكَافِرِينَ یعنی اللہ تعالیٰ نے کافروں کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور دار آخرت میں ان کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے، وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہاں سے رہائی اور چھٹکارے کی کوئی امید نہیں اور نہ ہی وہ وہاں کوئی دوست پائیں گے اور نہ ہی مددگار جو انہیں اس عذاب سے نجات دلا سکے۔ پھر فرمایا: يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ یعنی انہیں منہ کے بل جہنم میں گھسیٹا جائے گا، اس وقت وہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی ان لوگوں میں سے ہوتے جو دنیا میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہے۔ اسی طرح میدان قیامت میں ان کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا　وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولًا (الفرقان: 27)، رُّبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ (الحجر: 2) "کفار بہت آرزو کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے"۔ اسی طرح یہاں ان کی حالت سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرمایا کہ وہ قیامت کے دن تمنا کریں گے کہ کاش وہ دنیا میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے۔ وہ مزید کہیں گے: رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا　طاؤس فرماتے ہیں کہ سادۃ سے مراد سردار اور کبراء سے مراد علماء ہیں یعنی ہم اپنے امراء و زعماء اور علماء و مشائخ کی پیروی کرتے رہے اور رسولوں کی مخالفت پر کمربستہ رہے اور ہم یہ سمجھتے رہے کہ ہمارے سردار اور بڑے لوگ ہدایت پر ہیں لیکن وہ تو اس سے کوسوں دور تھے اس لئے اے ہمارے پروردگار! انہیں ان کے کفر اور ہمیں گمراہی کی پاداش میں دوگنا عذاب دے اور ان پر بہت بڑی لعنت بھیج۔ ایک دوسری قرأت میں "کبیرا" کی بجائے "کثیرا" ہے یہ دونوں قریب المعنی ہیں جیسے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے ایسی دعا سکھایئے جسے میں اپنی نماز میں پڑھا کروں۔ آپ ﷺ نے اس دعا کی تعلیم دی: "اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ" (1) یعنی اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا اور تیرے سوا کوئی گناہوں کو بخشنے والا نہیں، پس تو اپنی بخشش سے مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما، بے شک تو ہی غفور رحیم ہے۔ اس حدیث میں بھی کثیرا اور کبیرا دونوں الفاظ مروی ہیں۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس دعا میں ان دونوں لفظوں کو ملا کر پڑھنا مستحب ہے لیکن یہ بات محل نظر ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ کبھی کثیرا کہے اور کبھی کبیرا یعنی دونوں میں سے جسے چاہے اختیار کرے جیسا کہ آیت کریمہ میں دونوں قرأتوں میں سے قاری جسے چاہے پڑھ لے لیکن دونوں کو جمع کرنا مناسب نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک ساتھی آپ کے مخالفین سے کہا کرتے تھے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کی جناب میں حاضر ہو کر یہ کہو گے: رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا

1۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 144۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر، جلد 2 صفحہ 2078

سَدِیْدًا (1)۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا ﴿۶۹﴾

''اے ایمان والو! نہ بن جاؤ ان (بدبختوں) کی طرح جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ستایا۔ پس بری کر دیا انہیں اللہ تعالیٰ نے اس سے جو انہوں نے کہا۔ اور آپ اللہ کے نزدیک بڑے شان والے تھے''۔

امام بخاری اس آیت کی تفسیر کے تحت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت باحیا اور شرم والے تھے اور یہی اس آیت کا مطلب ہے (2)۔ اس مقام پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نہایت اختصار سے لائے ہیں، البتہ احادیث انبیاء کے بیان میں اسی سند سے اسے مفصل بیان کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''موسیٰ علیہ السلام بہت حیا والے، ستر کا خاص خیال رکھنے والے اور بہت پاکدامن تھے، سخت شرم و حیا کے باعث ان کے جسم کا کوئی عضو برہنہ نہیں ہوتا تھا، بنی اسرائیل کے کچھ لوگ آپ کو ستانے لگے اور کہنے لگے کہ اس قدر پردہ داری کی وجہ یہ ہے کہ ان کے جسم پر کوئی عیب ہے، یا تو برص کے داغ ہوں گے یا انہیں آماس خصیہ کا مرض ہے یا کوئی اور آفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی بدگمانی سے بری کرنے کا ارادہ فرمایا۔ ایک دن خلوت میں انہوں نے اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے اور پھر غسل کرنے لگے۔ غسل سے فراغت کے بعد آپ نے کپڑے لینے چاہے لیکن پتھر آپ کے کپڑوں کو لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ آپ نے اپنا عصا لیا اور پتھر کا تعاقب کرنے لگے اور ساتھ ساتھ یہ کہتے جاتے تھے: اے پتھر! میرے کپڑے، اے پتھر! میرے کپڑے، یہاں تک کہ آپ بنی اسرائیل کی بھری محفل تک جا پہنچے۔ وہاں بنی اسرائیل نے آپ کے سارے جسم کو دیکھ لیا جو بے عیب اور بہت خوبصورت تھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان لوگوں کی بدگمانی سے بری کر دیا۔ وہاں پتھر ٹھہر گیا اور آپ نے اپنے کپڑے پہن لئے، پھر آپ (فرط غضب سے) اپنا عصا لے کر اس پتھر کو مارنے لگے، اللہ کی قسم! آپ نے عصا کو اس قدر شدید ضربیں لگائیں کہ پتھر پر تین، چار یا پانچ نشانات پڑ گئے۔ یہی مطلب اس آیت کا ہے (3)، یہ حدیث مسلم میں نہیں ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ (4) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ کے خصیے بڑھے ہوئے ہیں چنانچہ ایک دن آپ غسل کرنے کے لئے نکلے اور کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے۔ پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ آپ بھی برہنہ اس کے تعاقب میں نکل پڑے یہاں تک کہ بنی اسرائیل کی مجلس تک پتھر کا تعاقب کرتے کرتے پہنچ گئے۔ بنی اسرائیل نے آپ کے جسم کو دیکھ لیا اور انہیں یقین ہو گیا کہ آپ میں یہ عیب نہیں ہے (5)۔ مسند بزار میں بھی یہ روایت مذکور ہے (6)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام ایک مرتبہ پہاڑ پر گئے۔ وہاں حضرت ہارون علیہ السلام کا وصال ہو گیا۔ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کو یہ کہہ کر ستانے لگے کہ آپ نے انہیں قتل کر دیا ہے، وہ آپ سے زیادہ نرم خو اور باحیا تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے

1۔ اسد الغابہ، ترجمہ حجاج بن عمر، جلد 1 صفحہ 458
2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 151
3۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 190
4۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 515-514
5۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 51
6۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، تفسیر سورۃ الاحزاب، جلد 3 صفحہ 69-66

انہیں اٹھا لائے اور بنی اسرائیل کی مجالس کے پاس سے گزرتے ہوئے ان کی موت کی تصدیق کی۔ آپ کی قبر کی جگہ غیر معروف تھی(1)۔ اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد ابن جریر فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ ایذا سے مراد یہی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد وہ ہو جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول سے بہتر کوئی قول نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ نہ صرف یہ دونوں مراد لی جاسکتی ہیں بلکہ ان کے ساتھ ساتھ اور ایذائیں مراد لینا بھی ممکن ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے لوگوں میں کچھ تقسیم کیا۔ اس پر ایک انصاری کہنے لگا کہ اس تقسیم میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی پیش نظر نہیں رکھی گئی۔ میں نے کہا: اے دشمن خدا! میں تمہاری اس بات سے رسول اللہ ﷺ کو ضرور آگاہ کروں گا۔ جب میں نے آپ ﷺ کے سامنے اس بات کا ذکر کیا تو آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا، پھر فرمایا: ''موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی رحمت ہو، انہیں اس سے بھی زیادہ اذیت دی گئی لیکن انہوں نے صبر کیا''(2)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ''میرے صحابہ میں سے کوئی کسی کے متعلق کوئی بات مجھ تک نہ پہنچائے کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس آؤں تو میرا سینہ ہر قسم کی بدگمانی سے محفوظ ہو''۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ کے پاس کچھ مال آیا۔ آپ ﷺ نے اسے تقسیم فرمادیا۔ اس کے بعد میں دو آدمیوں کے پاس سے گزرا جن میں سے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ اس تقسیم میں حضور ﷺ کے پیش نظر نہ اللہ تعالیٰ کی رضا تھی اور نہ دار آخرت۔ میں وہاں ٹھہر گیا اور چپکے سے ان کی باتیں سنتا رہا، پھر میں نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے تو ہمیں یہ فرمایا تھا کہ کوئی کسی کی بات مجھ تک نہ پہنچائے لیکن ابھی ابھی دو آدمیوں کو میں نے یہ باتیں کرتے ہوئے سنا ہے۔ یہ سنتے ہی آپ ﷺ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور یہ بات آپ کو بہت شاق گزری، پھر فرمایا: ''جانے دو، موسیٰ علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ ایذا دی گئی لیکن انہوں نے صبر کیا''(3)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ بہت جاہ و مرتبہ والے تھے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ مستجاب الدعوات تھے۔ دیگر سلف کا کہنا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جس چیز کا سوال کرتے، اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرما دیتا سوائے رؤیت باری تعالیٰ کے کیونکہ اس میں مشیت الٰہی یہی تھی۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی وجاہت عظیمہ کا ثبوت یہ ہے کہ آپ کی سفارش پر اللہ تعالیٰ نے آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو منصب نبوت پر فائز فرمادیا۔ اس ضمن میں فرمان ہے: وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا (مریم: 53) ''اور ہم نے انہیں ان کا بھائی ہارون بخش دیا جو نبی تھا''۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور ہمیشہ سچی (اور درست) بات کہا کرو۔ تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو درست کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو بھی بخش دے گا۔ اور جو شخص حکم مانتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا تو وہی شخص حاصل کرتا ہے بہت بڑی کامیابی''۔

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو تقویٰ اختیار کرنے اور ایسی عبادت کرنے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہے ہیں اور ایسی سچی اور سیدھی بات

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 52 2۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 191، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 739، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 380

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 265، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 395-396 وغیرہ

کرنے کا حکم دے رہا ہے جس میں نہ کوئی کجی ہو اور نہ کوئی انحراف۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو درست فرما دے گا یعنی انہیں اعمال صالحہ کی مزید توفیق سے نوازے گا، گزشتہ گناہوں کو بخش دے گا اور مستقبل میں سرزد ہونے والے گناہوں سے توبہ کی توفیق ارزانی فرمائے گا۔ پھر فرمایا: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والے کو نار جہنم سے محفوظ رکھا جائے گا اور جنت کی ابدی نعمتوں سے اسے شاد کام کیا جائیگا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے ہمیں اشارہ کیا تو ہم بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے کہ میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور درست بات کہنے کا حکم دوں"۔ پھر آپ عورتوں کے پاس آئے اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے کہ میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور سچی بات کہنے کا حکم دوں" (1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے ہمیشہ اسی آیت کی تلاوت فرماتے ہوئے سنا۔ یہ روایت بہت غریب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے کہ جس شخص کے لئے یہ بات خوش کن ہو کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ معزز ہو تو اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ قول سدید سے مراد لا الہ الا اللہ ہے۔ بعض کے بقول سدید کا معنی صدق ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد درست بات ہے۔ بعض دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ حق وصواب پر مبنی بات کو سدید کہتے ہیں۔ یہ سب معانی درست ہیں۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

"ہم نے پیش کی یہ امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے (کہ وہ اس کی ذمہ داری اٹھائیں) تو انہوں نے انکار کر دیا اس کے اٹھانے سے اور وہ ڈر گئے اس سے اور اٹھالیا اس کو انسان نے۔ بے شک یہ ظلوم بھی ہے (اور) جہول بھی۔ تاکہ عذاب دے اللہ تعالیٰ نفاق کرنے والوں اور نفاق کرنے والیوں کو اور شرک کرنے والوں اور شرک کرنے والیوں کو اور نگاہ لطف و کرم فرمائے اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور ایمان والیوں پر۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہر دم رحم فرمانے والا ہے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امانت سے مراد اطاعت ہے، اللہ تعالیٰ نے اس امانت کو حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کرنے سے پہلے زمین، آسمان اور پہاڑوں پر پیش کیا لیکن ان سب نے اس امانت کے بھاری بوجھ کو اٹھانے سے معذوری ظاہر کی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ میں نے اس امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا لیکن انہوں نے بار امانت اٹھانے سے عدم استطاعت کا اظہار کیا، کیا تم اسے اس میں مضمر نتائج سمیت قبول کرو گے؟ عرض کی: اے پروردگار! اس میں کیا نتائج مضمر ہیں؟ فرمایا: اگر تم عمدہ طریقہ سے اس کا حق ادا کرو گے تو تمہیں اجر و ثواب سے نوازا جائے گا اور اگر کوتاہی کرو گے تو سزا ملے گی، چنانچہ

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 667

حضرت آدم علیہ السلام نے اسے قبول کر کے اس بوجھ کو اٹھا لیا (1)۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول امانت سے مراد فرائض ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا کہ اگر وہ اس امانت کی ذمہ داری نبھائیں گے تو انہیں اجر و ثواب عطا ہوگا اور اگر وہ اس ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہوئے تو انہیں عذاب دیا جائے گا۔ اس پر انہوں نے اس بار امانت کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے خوفزدہ ہو گئے لیکن یہ انکار نافرمانی کے باعث نہ تھا بلکہ اس خدشہ کے پیش نظر تھا کہ وہ اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکیں گے۔ بالآخر جب اللہ تعالیٰ نے اس امانت کو حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کیا تو آپ نے اسے اس کی ذمہ داریوں سمیت قبول کر لیا۔ انسان نے چونکہ عاقبت اندیشی کی بنا پر بار امانت کو اٹھانے کی حامی بھری تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (2)۔ حضرت ابن عباس اس آیت سے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر اس امانت کو پیش کر کے فرمایا کہ اسے اس کے نتائج کی ذمہ داری کے ساتھ قبول کر لو، اگر تم نے اطاعت کی تو تمہاری مغفرت ہوگی اور اگر نافرمانی کی تو میں تمہیں عذاب دوں گا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی کہ میں نے اسے قبول کیا، پھر اسی دن عصر سے رات تک کی مقدار ہی وقت گزرا تھا کہ آپ سے لغزش کا ارتکاب ہو گیا (2)۔ ضحاک نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے قریب قریب روایت کی ہے لیکن اس میں شک وشبہ کی گنجائش ہے کیونکہ اس میں دونوں حضرات کے درمیان انقطاع ہے۔ حضرات مجاہد، سعید بن جبیر، ضحاک، حسن بصری وغیرہ فرماتے ہیں کہ امانت سے مراد فرائض ہیں جبکہ دیگر حضرات کے بقول اس سے مراد اطاعت ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ عورت کا اپنے گوہر عصمت کی حفاظت کرنا بھی امانت میں شامل ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ دین، فرائض اور حدود سب امانت ہیں۔ بعض نے غسل جنابت کو امانت کہا ہے۔ حضرت زید بن اسلم کے بقول تین چیزیں امانت ہیں: نماز، روزہ اور غسل جنابت۔ ان تمام اقوال کے درمیان کوئی تضاد نہیں بلکہ ان تمام سے مقصود یہ ہے کہ امانت سے مراد تکلیفات شرعیہ اور اوامر و نواہی کو قبول کرنا ہے۔ اگر انسان انہیں بجالائے گا تو اسے ثواب مرحمت کیا جائے گا اور اگر وہ انہیں ترک کر دے گا تو اسے سزا دی جائے گی۔ چنانچہ انسان نے اپنی کمزوری، جہل اور ظلم کے باوجود اسے قبول کر لیا بجز ان سعادت مند افراد کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق ارزانی فرمائی۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امانت کو ان تہہ بہ تہہ پختہ آسمانوں پر پیش کیا جو ستاروں سے آراستہ اور عرش عظیم کو اٹھانے والے فرشتوں کا مسکن ہے اور انہیں کہا گیا کہ کیا تم اس امانت کو اس میں مضمر نتائج سمیت قبول کرو گے؟ انہوں نے عرض کی کہ اس میں مضمر نتائج کیا ہیں؟ فرمایا گیا کہ اگر تم نے احسن طریقے سے اس کی بجا آوری کی تو تمہیں اجر و ثواب دیا جائے گا اور اگر کوتاہی کی تو سزا ملے گی، چنانچہ آسمانوں نے بار امانت اٹھانے سے معذرت کر لی، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے سات سخت ٹھوس زمینوں پر پیش کیا جنہیں میخوں سے مضبوط کر کے بچھونا بنایا گیا ہے اور انہیں بھی وہی ارشاد ہوا جو آسمانوں کو ہوا تھا لیکن انہوں نے بھی اظہار عجز کیا، پھر سخت، مضبوط اور بلند و بالا پہاڑوں پر اس امانت کو پیش کر کے اس کے نتائج سے آگاہ کیا گیا تو انہوں نے بھی معذرت خواہی کی۔ مقاتل بن حیان فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو انسانوں، جنوں، آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کو جمع کیا۔ سب سے پہلے آسمانوں پر اس امانت (اطاعت) کو پیش کر کے فرمایا کہ کیا تم اس بار امانت کو اس شرط پر اٹھاؤ گے کہ تمہیں فضیلت، کرامت اور جنت میں اجر و ثواب حاصل ہوگا؟ آسمانوں نے کہا: اے پروردگار! یہ ہمارے بس کی بات

1۔ تفسیر طبری، جلد 22، صفحہ 54 2۔ تفسیر طبری، جلد 22، جلد 54

نہیں لیکن اس کے باوجود ہم تیرے مطیع ہیں۔ پھر زمینوں پر اس امانت کو پیش کرنے کے بعد فرمایا کہ کیا تم اس امانت کو قبول کرو گی اور اس کے بدلہ میں میں تمہیں دنیا میں فضل و کرامت سے نوازوں گا؟ عرض کرنے لگیں: اے پروردگار! ہم تیری مطیع اور فرمانبردار ہیں اور تیری نافرمانی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتیں لیکن اس امانت کے بوجھ کو اٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں، پھر پہاڑوں نے بھی اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو قریب کیا اور فرمایا کہ کیا تم اس امانت کو اٹھاؤ گے اور اس کا حق ادا کرو گے؟ اس پر حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی کہ اگر میں اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوا تو مجھے کیا ملے گا؟ فرمایا: اے آدم! اگر تم نے احسن طریقے سے اس ذمہ داری کو نبھایا، اطاعت کی اور اس کا حق ادا کر دیا تو تمہیں میرے ہاں جنت میں کرامت، فضیلت اور عمدہ اجر و ثواب عطا ہو گا اور اگر تم نے نافرمانی کی، اس امانت کا حق ادا نہ کیا اور کوتاہی کی تو میں تمہیں سزا دوں گا اور آگ میں ڈال دوں گا۔ عرض کی: اے پروردگار! میں راضی خوشی اس بارِ امانت کو اٹھاتا ہوں، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے یہ امانت تمہارے سپرد کی۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر امانت پیش کی تو وہ عرض کرنے لگے: اے ہمارے پروردگار! ہم پر تو پہلے ہی ستاروں اور فرشتوں کا بھاری بوجھ ہے، ہمیں ثواب کی آرزو نہیں اور نہ ہم اس فریضہ کے متحمل ہو سکتے ہیں، جب یہ امانت زمین پر پیش کی تو وہ کہنے لگی: اے پروردگار! مجھ میں درخت بوئے گئے، دریا جاری کیے گئے اور مخلوق کو آباد کیا گیا، مجھے ثواب کی خواہش نہیں اور نہ ہی مجھ میں اس فریضہ کو اٹھانے کی ہمت ہے اور پھر پہاڑوں نے بھی یہی جواب دیا لیکن انسان نے انجام سے بے خبری کی بناء پر اس امانت کو قبول کر لیا۔ ابن اشوع کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے امانت پیش کی تو یہ تین دن تک آہ و زاری کرتے ہوئے معذرت کے ساتھ عرض کرتے رہے: اے ہمارے پروردگار! ہم عمل کرنے سے بے بس ہیں اور ہمیں ثواب کی خواہش نہیں (1)۔ زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ جب انسان نے اس ذمہ داری کو قبول کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہارا معاون ہوں۔ میں نے تمہاری آنکھوں پر دو پلکیں رکھ دیں، جب تمہیں آنکھوں کے گناہ میں مبتلا ہو جانے کے اندیشہ ہو تو انہیں بند کر لینا، میں نے تمہاری زبان پر دو ہونٹ بنا دیئے، جب تمہیں زبان کے لغزش کھا جانے کا خطرہ ہو تو اسے بند کر لینا اور میں نے تمہیں تمہاری شرمگاہ کی حفاظت کے لئے تمہیں لباس دے دیا چنانچہ اسے غیر مناسب جگہ پر مت کھولنا۔ ابن زید اس آیت کے متعلق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب پر امانت کو پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ دین کے امین اور پابند ہوں گے اور اس پر ثواب و عقاب بھی مرتب ہوگا تو انہوں نے اظہار عجز کرتے ہوئے عرض کی کہ ہم مسخر اور پابند حکم رہنا چاہتے ہیں، ہمیں ثواب و عقاب کی خواہش نہیں۔ بالآخر جب انسان نے اس بار کو اٹھانے کی حامی بھر لی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب جبکہ تم نے اس امانت کو قبول کر لیا ہے تو میں تمہاری مدد کروں گا۔ میں تمہاری آنکھوں پر پردہ بنا دوں گا اور جب تمہیں حرام چیز کی طرف نگاہ کے اٹھ جانے کا اندیشہ ہو گا تو اس وقت یہ پردہ اس پر ڈال دینا، میں تمہاری زبان کے لئے ایک پختہ دروازہ بنا دوں گا، جب تمہیں اس سے لغزش کے صدور کا خطرہ ہو گا تو اس دروازے کو بند کر دینا اور میں تمہاری شرمگاہ کے لئے لباس بنا دوں گا اور اسے صرف اس پر کھولنا جسے میں نے تمہارے لئے حلال کیا ہے (2)۔ حضرت حکم بن عمیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: "ابن آدم پر امانت اور وفا انبیاء کے توسل سے نازل ہوئیں، ان میں سے بعض رسول ہیں، بعض نبی اور بعض نبی اور رسول۔ اللہ کا کلام نازل ہوا، عجمی اور عربی زبانیں اتریں، لوگوں نے اپنی اپنی زبانوں میں اللہ کا کلام اور پیغمبروں کی سنتیں سیکھیں، اللہ تعالیٰ نے تمام اوامر و نواہی ان پر واضح کر دیئے، یہ ان پر حجتیں ہیں، ہر زبان کے لوگ اچھے برے کی پہچان

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 670
2۔ تفسیر طبری، جلد 22، صفحہ 55

رکھتے ہیں۔ سب سے پہلی چیز جسے اٹھالیا جاتا ہے وہ امانت ہے اور اس کا معمولی سا اثر لوگوں کے دلوں میں باقی رہ جاتا ہے، پھر وفا، عہد اور ذمہ داری کو اٹھالیا جاتا ہے اور کتاب میں باقی رہ جاتی ہیں، عالم عمل پیرا ہوتے ہیں اور جاہل انجان بنتے ہیں۔ اب یہ امانت اور وفا مجھ تک اور میری امت تک پہنچی۔ خبردار! اللہ تعالیٰ صرف اسی کو ہلاک کرتا ہے جو خود کو ہلاکت میں ڈالنے پر مصر ہے اور غافل وہی ہے جو ترک کرنے والا ہے، اے لوگو! محتاط رہو، وسوسہ ڈالنے والے چھپ چھپ کر حملہ آور ہونے والے شیطان سے بچو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں آزماتا ہے کہ تم میں سے سب سے زیادہ اچھے عمل والا کون ہے" (1)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے لیکن اس کے متعدد شواہد موجود ہیں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جو شخص انہیں قیامت کے دن ایمان کے ساتھ لائے گا، جنت میں داخل ہوگا: وضو، رکوع، سجود اور اوقات کی پابندی کے ساتھ جس نے نماز پنجگانہ کی پابندی کی اور خوشی خوشی اپنے مال سے زکوٰۃ ادا کرتا رہا۔ اللہ کی قسم! ایسا صرف مومن ہی کرتا ہے اور امانت کو ادا کرتا رہا۔" حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ امانت کی ادائیگی کیا ہے؟ فرمایا: غسل جنابت، پس اللہ تعالیٰ نے اپنے دین میں اس کے سوا کسی اور چیز کی امانت ابن آدم کے سپرد نہیں کی (2)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی راہ میں قتل ہوجانا تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے، یا یہ فرمایا کہ یہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے بجز امانت میں خیانت کے۔ خائن سے کہا جائے گا کہ امانت ادا کرو۔ وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! دنیا تو جاتی رہی، اب میں کہاں سے ادا کروں؟ تین مرتبہ ایسا ہی حکم ہوگا اور خائن یہی جواب دہرائے گا۔ پھر حکم ہوگا کہ اسے اس کے ٹھکانے ہاویہ میں لے جاؤ۔ فرشتے اسے پکڑ کر ہاویہ (دوزخ کا ایک گہرا طبقہ) میں پھینک دیں گے، وہ لڑھکتے لڑھکتے جب نیچے تک پہنچ جائے گا تو وہاں اسے امانت کی ہم شکل کوئی چیز نظر آئے گی۔ یہ اسے اپنے کندھوں پر اٹھا کر اوپر جہنم کے کنارے کی طرف چڑھنا شروع کر دے گا لیکن جونہی کنارے پر پہنچ کر نکلنا چاہے گا، اس کا قدم پھسل جائے گا اور نیچے گر پڑے گا۔ ہمیشہ ہمیشہ اس کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہے گا"۔ امانت نماز میں بھی ہے، روزہ میں بھی، وضو میں بھی اور گفتگو میں بھی اور ان سب سے زیادہ گراں امانت وہ چیزیں ہیں جو بطور ودیعت رکھی جائیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کے متعلق حضرت براء رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے اس کی تصدیق کی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو ایسی حدیثیں سنی ہیں جن میں سے ایک کو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں اور دوسری کے ظہور پذیر ہونے کا منتظر ہوں۔ آپ ﷺ نے ہمیں فرمایا کہ امانت لوگوں کے دلوں میں اتاری گئی، پھر قرآن نازل ہوا۔ لوگوں نے قرآن بھی سیکھا اور سنت بھی۔ پھر آپ ﷺ نے امانت کے اٹھ جانے کے متعلق فرمایا کہ انسان سوئے گا تو اس کے دل سے امانت اٹھ جائے گی اور اس کا اس قدر نشان باقی رہ جائے گا جیسا کہ پاؤں پر انگارہ لڑھکنے کے سبب آبلہ نمودار ہوجاتا ہے لیکن اس کے اندر کوئی چیز نہیں ہوتی۔ پھر آپ نے اپنے پاؤں پر ایک کنکر لڑھکا کر لوگوں کو دکھایا۔ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ خرید و فروخت کریں گے لیکن ایماندار تقریباً کوئی بھی نہ ہوگا یہاں تک کہ مشہور ہوجائے گا کہ فلاں قبیلہ میں ایک امین شخص ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی کہ ایک شخص کے متعلق کہا جائے گا کہ یہ کس قدر قوی، زیرک اور عقلمند ہے حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہ ہوگا۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ تھا جب میں بلاخوف وخطر خرید وفروخت کیا کرتا تھا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ میں جس شخص سے معاملہ کررہا ہوں، اگر وہ مسلمان ہے تو ضرور میرا حق مجھ تک پہنچا دے گا اور اگر وہ یہودی یا نصرانی ہے تو

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 55
2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 55، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 116-117

حکومت مجھے میرا حق دلوا دے گی لیکن آج کل یہ کیفیت ہے کہ میں تم میں سے صرف فلاں فلاں کے ساتھ خرید و فروخت کا معاملہ کرتا ہوں(1)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "چار چیزیں ایسی ہیں کہ جب وہ تجھ میں پائی جائیں تو دنیا میں سے جو کچھ بھی تمہارا کھو جائے، کوئی حرج نہیں: امانت کی حفاظت، سچ گوئی، حسن خلق اور کسب حلال"(2)۔ امانت کی قسم اٹھانے کی ممانعت کی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کتاب الزھد میں بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابن حکیم حضرت زید بن حدیر سے ساتھ جا بیٹھے۔ جب تھے کہ دوران گفتگو ان کی زبان سے نکل گیا کہ امانت کی قسم۔ یہ سن کر حضرت زیاد زار و قطار رونے لگے، ابن حکیم کہتے ہیں کہ مجھے یہ خیال گزرا کہ مجھ سے کوئی سخت غلطی سرزد ہو گئی ہے۔ میں نے گزارش کی کہ کیا آپ اسے مکروہ سمجھتے ہیں؟ فرمایا: ہاں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ امانت کی قسم اٹھانے سے بڑی سختی کے ساتھ منع کیا کرتے تھے(3)۔ ایک حدیث مرفوع میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "جس نے امانت کی قسم اٹھائی، وہ ہم میں سے نہیں"(4)۔ اگلی آیت میں فرمایا: لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ یعنی اولاد آدم کو اس امانت (تکلیفات شرعیہ) کا اس لئے متحمل بنایا تاکہ اللہ تعالیٰ ان میں سے منافق مردوں اور عورتوں کو عذاب میں مبتلا کرے جو اہل دین کے خوف سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں اور اہل کفر کی متابعت میں کفر چھپائے ہوئے ہیں اور اسی طرح ان مشرک مردوں اور عورتوں کو بھی عذاب دے جو پوشیدہ اور علانیہ ہر طرح شرک اور پیغمبروں کی مخالفت کا ارتکاب کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان اہل ایمان پر نظر رحمت و کرم فرمائے جو اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لانے کے علاوہ اچھے اعمال بھی بجا لاتے رہے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الفتن، جلد 9 صفحہ 66۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 126-127
2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 177
3۔ کتاب الزھد والرقائق، عبداللہ بن المبارک: 70-71
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الایمان والنذور، جلد 3 صفحہ 223

سورۂ سبا (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ وَ لَہُ الۡحَمۡدُ فِی الۡاٰخِرَۃِ ؕ وَ ہُوَ الۡحَکِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۱﴾ یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا یَخۡرُجُ مِنۡہَا وَ مَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعۡرُجُ فِیۡہَا ؕ وَ ہُوَ الرَّحِیۡمُ الۡغَفُوۡرُ ﴿۲﴾

”سب تعریفیں اللہ کے لئے جو مالک ہے ہر اس چیز کا جو آسمانوں میں ہے اور ہر اس چیز کا جو زمین میں ہے اور اسی کے لیے ساری تعریفیں ہیں آخرت میں۔ اور وہی بڑا دانا ہر بات سے باخبر ہے۔ وہ جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو اس سے نکلتا ہے۔ نیز وہ جانتا ہے جو آسمان سے نازل ہوتا اور جو آسمان کی طرف عروج کرتا ہے۔ اور وہی ہمیشہ رحم فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے“۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات بابرکات کے متعلق فرما رہا ہے کہ دنیا و آخرت میں ہر قسم کی تمام تعریفیں صرف اسی کے لئے ہیں کیونکہ اہل دنیا و آخرت کو نعمتوں سے نوازنے والا بھی وہی ہے اور تمام کا حاکم و مالک بھی وہی ہے جیسا کہ فرمایا: وَ ہُوَ اللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ لَہُ الۡحَمۡدُ فِی الۡاُوۡلٰی وَ الۡاٰخِرَۃِ ۫ وَ لَہُ الۡحُکۡمُ وَ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ (القصص: 70) ”اور وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، دنیا و آخرت میں ہر تعریف اسی کو زیبا ہے اور اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے“۔ اس لئے یہاں فرمایا: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ یعنی زمین و آسمان کی ہر چیز اس کی ملکیت اور اس کے زیر تصرف ہے اور ہر چیز اس کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَ اِنَّ لَنَا لَلۡاٰخِرَۃَ وَ الۡاُوۡلٰی (اللیل: 13) ”یقیناً آخرت اور دنیا کے ہم ہی مالک ہیں“۔ پھر فرمایا: وَ لَہُ الۡحَمۡدُ فِی الۡاٰخِرَۃِ ۔ یعنی تا ابد الآباد وہی معبود اور محمود ہے اور وہ اپنے اقوال، افعال، شرعی احکام اور تقدیر میں حکیم ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح آگاہ ہے، کوئی چیز نہ اس سے مخفی رہ سکتی ہے اور نہ غائب ہو سکتی ہے۔ امام زہری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ اپنی مخلوق سے باخبر ہے اور اپنے حکم میں حکیم ہے، اس لئے فرمایا: یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ یعنی وہ زمین کے اجزا میں برسنے والے بارش کے قطروں، زمین میں پوشیدہ اور اگنے والے دانوں کو بھی جانتا ہے اور جو چیزیں زمین سے نکلتی ہیں، انہیں ان کی تعداد، کیفیت اور صفات سمیت خوب جانتا ہے، نیز اسے آسمان سے اترنے والی بارش، اس کے قطرات کی تعداد اور رزق کا بھی اچھی طرح علم ہے اور آسمان میں عروج کرنے والے اعمال صالحہ وغیرہ پر بھی وہ پوری طرح مطلع ہے، آیت کے آخر میں فرمایا: وَ ہُوَ الرَّحِیۡمُ الۡغَفُوۡرُ یعنی وہ اپنے بندوں پر رحم فرمانے والا ہے اور وہ نافرمانوں کو جلد سزا نہیں دیتا، نیز وہ ان لوگوں کے گناہوں کو بخشنے والا ہے جو اس کے حضور توبہ کرتے ہیں اور اسی پر توکل کرتے ہیں۔

وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَا تَاۡتِیۡنَا السَّاعَۃُ ؕ قُلۡ بَلٰی وَ رَبِّیۡ لَتَاۡتِیَنَّکُمۡ ۙ عٰلِمِ الۡغَیۡبِ ۚ لَا

يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَآ أَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ أَكْبَرُ إِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ أَلِيْمٌ ۝ وَيَرَى الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ إِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝

”اور کفار کہتے ہیں ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔ آپ فرمایئے ضرور آئے گی۔ مجھے اپنے رب کی قسم، جو عالم الغیب ہے، تم پر قیامت ضرور آئے گی۔ نہیں چھپی ہوئی اس سے ذرہ برابر کوئی چیز آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ کوئی چھوٹی چیز ذرہ سے اور نہ کوئی بڑی چیز مگر وہ کتاب مبین میں (درج) ہے (قیامت آئے گی) تاکہ اللہ تعالیٰ جزا دے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے یہی وہ (نیک بخت) لوگ ہیں جن کے لئے بخشش اور رزق کریم ہے۔ اور جو (بدبخت) کوشش کرتے رہے ہیں کہ ہماری آیتوں کو جھٹلا کر ہمیں ہرا دیں، یہی ہیں جن کے لئے بدترین قسم کا دردناک عذاب ہے اور جانتے ہیں وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے آپ کے رب کی طرف سے وہی (عین) حق ہے۔ اور عزت والے، سب خوبیوں سراہے (خدا) کا راستہ دکھاتا ہے“۔

قرآن کریم میں تین آیات ایسی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا ہے کہ آپ ان اہل کفر و عناد کے جواب میں وقوع قیامت پر اپنے رب عظیم کی قسم اٹھائیں جو بڑے شد و مد سے اس کا انکار کرتے ہیں، ان آیات میں سے ایک سورۂ یونس میں ہے: وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ أَحَقٌّ هُوَ ۭ قُلْ إِيْ وَرَبِّيْٓ إِنَّهٗ لَحَقٌّ ۚ وَمَآ أَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ (یونس: 53) ”اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا یہ واقعی سچ ہے؟ فرمایئے، ہاں بخدا! واقعی یہ سچ ہے اور تم (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو“ دوسری آیت یہی مذکورہ بالا ہے اور تیسری آیت سورۂ تغابن میں ہے: زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا أَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ (التغابن: 7) ”کافر گمان کرتے ہیں کہ انہیں ہرگز دوبارہ زندہ نہ کیا جائے گا، فرمایئے کیوں نہیں میرے رب کی قسم! تمہیں ضرور زندہ کیا جائے گا پھر تمہیں آگاہ کیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے اور یہ اللہ کے لئے بالکل آسان ہے“۔ قسم کے بعد مزید تقریر و تاکید کرتے ہوئے فرمایا: عٰلِمِ الْغَيْبِ... مجاہد اور قتادہ فرماتے ہیں کہ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ کا مطلب یہ ہے کہ ذرہ برابر بھی کوئی چیز اس سے غائب نہیں (1)۔ یعنی ہر چیز اس کے علم میں ہے اور کوئی چیز اس پر مخفی نہیں۔ ہڈیاں اگر چہ ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائیں اور ناپید ہو جائیں، پھر بھی اسے علم ہے کہ وہ بکھر کر کہاں کہاں چلی گئیں پھر وہ انہیں بالکل اسی طرح لوٹائے گا جیسا کہ اس نے پہلی مرتبہ تخلیق کیا تھا کیونکہ وہ ہر چیز کا مکمل علم رکھنے والا ہے۔ اس کے بعد اعادۂ ابدان اور وقوع قیامت کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... رِّجْزٍ أَلِيْمٌ یعنی قیامت برپا کرنے میں یہ حکمت مضمر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جزا عطا فرمائے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے اور یہی وہ سعادتمند ہیں جن کے لئے مغفرت اور باعزت رزق ہے۔ ان کے برعکس وہ لوگ جو دوسروں کو راہ خدا سے برگشتہ کرنے اور پیغمبروں کو جھٹلانے میں کوشاں رہے، ان کے لئے بدترین قسم کا

1۔ تفسیر طبری، جلد 22، صفحہ 60

المناک عذاب ہے۔ مختصر یہ کہ قیامت اس لئے قائم ہوگی تا کہ سعادت مند اہل ایمان کو نعمتوں سے شاد کام کیا جائے اور بدبخت اہل کفر کو عذاب دیا جائے جیسا کہ فرمایا: لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۚ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ (الحشر:20) "جنتی اور دوزخی یکساں نہیں ہو سکتے۔ جنتی ہی تو کامیاب لوگ ہیں"۔ أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ (ص:28) "کیا ہم بنا دیں گے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ان لوگوں کی مانند جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں یا ہم پرہیز گاروں کو فاجروں کی طرح بنا دیں گے"۔ پھر وقوع قیامت کی ایک اور حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ...... یعنی اہل ایمان جب اپنی آنکھوں سے وقوع قیامت اور نیکوں کو جزا ملنے اور بدوں کو سزا ملنے کا مشاہدہ کرلیں گے تو اس وقت انہیں عین الیقین حاصل ہو جائے گا اور وہ پکار اٹھیں گے: لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (الاعراف:43) "بے شک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے)۔ فرمایا: "هَٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ" (7) (یہ وہی ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ فرمایا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا"۔ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَىٰ يَوْمِ الْبَعْثِ ۖ فَهَٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ (الروم:56) "تم نوشتہ الٰہی کے مطابق روز حشر تک ٹھہرے رہے ہو، پس یہ ہے روز محشر"۔ عزیز کا معنی ہے زبردست طاقت والا جسے نہ مغلوب کیا جاسکے اور نہ اس سے کوئی جھگڑا کیا جا سکے بلکہ وہی ہر چیز پر غالب ہے اور اپنے اقوال، افعال، شریعت اور قضاء وقدر میں سب خوبیوں سراہا ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ يُنَبِّئُكُمْ إِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝ أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَمْ بِهِ جِنَّةٌ ۗ بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ ۝ أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنْ نَشَأْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِنَ السَّمَاءِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ ۝

"اور منکرین (قیامت) کہتے ہیں (اے یارو!) کیا ہم پتہ بتائیں تمہیں اس شخص کا جو تمہیں خبردار کرتا ہے کہ جب تم (مرنے کے بعد) ریزہ ریزہ کر دیئے جاؤ گے تو تم از سرنو پیدا کئے جاؤ گے؟ یا تو اس نے (یہ کہہ کر) اللہ پر جھوٹا بہتان لگایا ہے یا یہ دیوانہ ہے۔ (میرا حبیب نہ مفتری ہے نہ دیوانہ) بلکہ وہ جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ (کل) عذاب میں اور (آج) دور کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ کیا انہیں نظر نہیں آتا کہ انہیں آگے اور پیچھے سے آسمان اور زمین نے گھیر رکھا ہے۔ اگر ہم چاہیں تو دھنسا دیں انہیں زمین میں یا گرا دیں ان پر چند ٹکڑے آسمان سے۔ درحقیقت اس میں (کھلی) نشانی ہے ہر اس بندے کے لئے جو خدا کی طرف رجوع کرنے والا ہے"۔

کفار اور ملحدین کا ذکر ہو رہا ہے جو وقوع قیامت کو محال سمجھتے اور اس کے متعلق خبردار کرنے پر رسول اللہ ﷺ کا تمسخر اڑاتے۔ یہ منکرین قیامت ایک دوسرے سے کہتے کہ کیا ہم تمہیں ایسے شخص کا پتہ نہ دیں جو یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم مر کر مٹی ہو جاؤ گے اور ریزہ ریزہ ہو کر زمین میں بکھر جاؤ گے تو اس کے بعد تمہیں از سرنو زندہ کیا جائے گا اور رزق بھی دیا جائے گا۔ اس معاملہ میں اس شخص کی بابت دو ہی خیال ہو سکتے ہیں، یا تو یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہوئے کہتا ہے کہ مجھے بذریعہ وحی قیامت کے متعلق آگاہ کیا گیا ہے یا پھر بات یہ ہے کہ اس

نے قصداً جھوٹ نہیں بولا بلکہ مجنون کی طرح اس کا دماغی توازن بگڑ گیا ہے اور اسے جنون کا عارضہ لاحق ہو گیا ہے جیسا کہ آیت میں ہے: أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَم بِهِ جِنَّةٌ اس کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ۔ یعنی معاملہ اس طرح نہیں جیسا کہ ان منکرین قیامت کا خیال ہے بلکہ محمد ﷺ راست گو، پاکباز اور ہدایت یافتہ ہیں اور آپ جو پیغام لائے ہیں وہ عین حق ہے جبکہ یہ منکرین جھوٹے، جاہل اور غبی ہیں۔ یہ ایسے کفر میں سرگرداں ہیں جو انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دے گا اور یہ دنیا میں گمراہی کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں جو حق سے بالکل بعید ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں زمین و آسمان کی تخلیق میں اپنی قدرت کاملہ پر آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ یعنی یہ لوگ جس طرف بھی متوجہ ہوں اور جہاں بھی جائیں، انہیں اوپر سے آسمان اور نیچے سے زمین گھیرے ہوئے ہے جیسا کہ فرمایا: وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ ۝ وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُونَ (الذاریات: 48-47) ''اور ہم نے آسمان کو (قدرت کے) ہاتھوں سے بنایا اور ہم نے ہی اسے وسیع کر دیا اور زمین کا ہم نے فرش بچھا دیا پس ہم کتنے اچھے بچھانے والے ہیں''۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ تم اپنی دائیں جانب دیکھو یا بائیں جانب، سامنے دیکھو یا پیچھے، ہر طرف تمہیں زمین و آسمان دکھائی دیں گے۔ پھر فرمایا: إِن نَّشَأْ نَخْسِفْ یعنی اگر ہم چاہیں تو اپنی قدرت سے انہیں ان کے ظلم کے سبب زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کے کچھ ٹکڑے گرا کر نیست و نابود کر دیں لیکن ہم اپنے حلم اور عفو کی وجہ سے انہیں مہلت دیتے ہیں۔ قتادہ کے بقول ''منیب'' کا معنی ہے تائب۔ ایک اور روایت میں آپ سے اس کا معنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا بھی منقول ہے یعنی زمین و آسمان کی تخلیق میں غور و فکر کرنے میں ہر اس زیرک اور عقلمند بندے کے لئے اعادۂ اجساد اور وقوع قیامت پر قدرت الٰہی کی دلیل ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہے کیونکہ جو ذات آسمانوں کو ان کی بلندی اور وسعت کے ساتھ اور زمینوں کو پستی اور اس قدر طول و عرض کے ساتھ پیدا کرنے پر قادر ہے، اسے اعادۂ اجسام اور بوسیدہ ہڈیوں کو از سر نو پیدا کرنے پر بھی پوری پوری قدرت حاصل ہے جیسا کہ فرمایا: أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُم ۚ بَلَىٰ (یٰسین: 81) ''کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، قادر نہیں کہ ان جیسی مخلوق پیدا کر سکے۔ بلاشبہ وہ ایسا کر سکتا ہے''۔ لَخَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (المومن: 57) ''بے شک آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے بہت بڑا کام ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ ۖ وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ ﴿١٠﴾ أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ ۖ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١﴾

''بے شک ہم نے داؤد کو اپنی جناب سے بڑی فضیلت بخشی۔ (ہم نے حکم دیا) اے پہاڑو! تسبیح کہو اس کے ساتھ مل کر اور پرندوں کو بھی یہی حکم دیا نیز ہم نے لوہے کو اس کے لئے نرم کر دیا (اور حکم دیا) کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور (ان کے) حلقے جوڑنے میں اندازے کا خیال رکھو اور (اے آل داؤد) نیک کام کیا کرو۔ بلاشبہ جو کچھ تم کرتے ہو میں انہیں خوب دیکھ رہا ہوں''۔

اس فضل و کرم کا ذکر ہو رہا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول حضرت داؤد علیہ السلام کو نوازا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے علاوہ عظیم بادشاہت اور کثیر لاؤ لشکر سے بھی سرفراز کیا، مزید برآں آپ کو حسن صوت بھی ارزانی فرمائی۔ جب آپ اپنی دلکش اور شیریں آواز میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے تو بلند و بالا ٹھوس پہاڑ بھی آپ کے ساتھ تسبیح میں مصروف ہو جاتے اور فضا میں پرکشا پرندے اپنی پرواز روک کر ٹھہر جاتے اور آپ کے ساتھ مل کر اپنی اپنی بولیوں میں اپنے رب کی حمد و ثناء کے گیت گاتے۔ ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ

اشعری رضی اللہ عنہ رات کے وقت قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے جسے سن کر رسول اللہ ﷺ ٹھہر گئے اور کافی دیر سنتے رہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی میں سے حصہ ملا ہے (1)۔ ابوعثمان نہدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی آواز سے زیادہ پیاری اور شیریں آواز آلات موسیقی کی بھی نہیں سنی۔ حضرات ابن عباس اور مجاہد وغیرہ کے بقول ''اَوِّبِیْ'' کا معنی ہے ''سَبِّحِیْ'' یعنی تسبیح بیان کرو۔ ابو میسرہ کا خیال ہے کہ حبشی زبان میں اوبی کا معنی ہے تسبیح بیان کرو لیکن یہ قول محل نظر ہے، کیونکہ لغت عرب میں تاویب ترجیع کے معنی میں ہے۔ چنانچہ پہاڑوں اور پرندوں کو حکم ہوا کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اپنی آوازیں ملالیا کریں۔ زجاجی اپنی کتاب ''الجمل'' میں یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اے پہاڑو! اون بھر حضرت داؤد کے ساتھ چلتے رہا کرو'' تاویب'' کا معنی ہے پورا دن چلنا۔ اس کے مقابلہ میں ''سُرٰی'' کا لفظ ہے جس کا معنی ہے رات کو چلنا (2) لیکن اس لفظ کی یہ تشریح بہت عجیب وغریب ہے کسی اور نے یہ معنی بیان نہیں کیا۔ اگرچہ لغوی اعتبار سے اس معنی کا بھی احتمال ہے لیکن یہاں آیت کریمہ میں یہ معنی مراد لینا حقیقت سے بہت دور ہے۔ صحیح معنی وہی ہے جو پہلے بیان ہوا یعنی تسبیح کرتے ہوئے حضرت داؤد علیہ السلام کا ساتھ دو۔ اس کے بعد ایک اور انعام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ۔ حضرات حسن بصری، قتادہ، اعمش وغیرہ کہتے ہیں کہ آپ کو لوہا بھٹی میں ڈالنے یا ہتھوڑے کے ساتھ کوٹنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی بلکہ آپ اپنے ہاتھ سے لوہے کو دھاگے کی طرح آسانی کے ساتھ موڑ لیتے، اس لئے فرمایا: اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ یعنی کشادہ زرہیں بناؤ۔ قتادہ کہتے ہیں کہ زرہ سازی آپ کا ایجاد کردہ فن ہے۔ ابن شوذب کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام ہر روز ایک زرہ تیار کرتے اور اسے چھ ہزار درہم کے عوض فروخت کر دیتے۔ دو ہزار درہم آپ اپنے اور اپنے گھر والوں کے اخراجات کے لئے رکھ لیتے اور باقی چار ہزار بنی اسرائیل کو کھانا کھلانے میں خرچ کر دیتے۔ فن زرہ سازی کی تعلیم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا: وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ یعنی زرہوں کے حلقے تنگ اور چھوٹے نہ بنائیں ورنہ پہننے والے کے لئے تکلیف کا باعث ہوں گی اور نہ ہی بہت بڑے بڑے حلقے بنائیں ورنہ ان کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہے بلکہ بقدر اور صحیح اندازے کے مطابق کڑیاں اور حلقے ہونے چاہئیں (3)۔ حضرت وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام بھیس بدل کر نکلتے اور لوگوں سے دریافت کرتے کہ داؤد کیسا آدمی ہے۔ آپ جس سے بھی پوچھتے وہ آپ کی عبادت، سیرت اور عدل کے متعلق بہت تعریف وتوصیف کرتا۔ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ انسانی صورت میں بھیجا۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام کی اس سے ملاقات ہوئی تو آپ نے حسب معمول اس سے بھی وہی سوال کیا جو آپ دوسرے لوگوں سے کیا کرتے تھے۔ فرشتے نے جواب دیا کہ داؤد علیہ السلام اپنی ذات کے لئے اور اپنی امت کے لئے سب سے اچھے آدمی ہیں لیکن ان میں ایک ایسی چیز ہے کہ اگر وہ نہ ہوتی تو وہ کامل ہوتے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ کیا ہے؟ فرشتے نے جواب دیا کہ وہ مسلمانوں کے بیت المال میں سے خود بھی کھاتے ہیں اور اپنے اہل وعیال کو بھی کھلاتے ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت داؤد علیہ السلام عجز ونیاز سے بارگاہ خداوندی میں عرض کرنے لگے کہ اے اللہ! مجھے کوئی ایسا کام سکھا دے جس سے میری اور میرے اہل وعیال کی گزر اوقات ہوتی رہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے لوہا نرم کر دیا اور زرہ سازی کا فن سکھا دیا۔ زرہیں بنانا آپ ہی کی ایجاد ہے۔ آپ جو زرہ بناتے، اسے فروخت کر دیتے اور اس سے حاصل شدہ آمدنی کا ایک تہائی صدقہ کر دیتے، ایک تہائی کے عوض اپنی اور اپنے اہل خانہ کی ضروری اشیاء خرید لیتے اور ایک تہائی اپنے پاس رکھ لیتے تاکہ اگلی زرہ بنانے تک اس کا صدقہ کرتے رہیں۔ اللہ

1۔ صحیح بخاری، جلد 9 صفحہ 241، صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1 صفحہ 546 2۔ الجمل فی النحو از زجاجی: 153-152 3۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 68

تعالیٰ نے جس حسن صوت سے آپ کو نوازا تھا، وہ کسی اور کو عطا نہیں ہوئی۔ جب آپ زبور کی تلاوت کرتے تو وحشی جانور آپ کے پاس جمع ہو جاتے اور ان پر بھی وجد کی کیفیت جاری ہو جاتی۔ شیاطین نے آپ کی آواز کی مختلف اصناف کے مطابق مختلف آلات موسیقی وضع کیے ہیں۔ آپ کو خوش الحانی کی ستر اقسام عطا ہوئیں تھیں۔ آل داؤد کو ان نعمتوں کا شکر بجالانے کی تلقین کرتے ہوئے اعمال صالحہ کی بجا آوری کی تاکید کی اور فرمایا: وَاعْمَلُوْا صَالِحًا یعنی نیک اعمال کرو۔ کیونکہ میں تمہارے اعمال و اقوال کو خوب دیکھنے والا ہوں اور تمہاری کوئی چیز مجھ پر مخفی نہیں۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۗ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۗ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۗ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۗ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾

"اور ہم نے مسخر کر دی سلیمان کے لئے ہوا۔ اس کی صبح کی منزل ایک ماہ کی اور شام کی منزل ایک ماہ کی ہوتی۔ اور ہم نے جاری کر دیا ان کے لئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ اور کئی جن (ان کے تابع کر دیئے) جو کام میں جتے رہتے ان کے سامنے ان کے رب کے اذن سے۔ اور جو سرتابی کرتا ان میں سے ہمارے حکم (کی تعمیل) سے تو ہم اسے چکھاتے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب۔ وہ بناتے آپ کے لئے جو آپ چاہتے پختہ عمارتیں، مجسمے، بڑے بڑے لگن جیسے حوض ہوں اور بھاری دیگیں جو چولہوں پر جمی رہتیں۔ اے داؤد کے خاندان والو! (ان نعمتوں پر) شکر ادا کرو۔ اور بہت کم ہیں میرے بندوں سے جو شکر گزار ہیں۔"

جن انعامات سے حضرت داؤد علیہ السلام کو نوازا گیا تھا، ان کا ذکر کرنے کے بعد اب نعمتوں کا تذکرہ ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام کو ارزانی فرمائی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا، ہوا آپ کے تخت کو اپنے دوش پر اٹھاتی اور مہینہ بھر کی مسافت ایک صبح میں ہی طے ہو جاتی اور اسی قدر سفر شام کو طے ہو جاتا۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے تخت پر بیٹھ کر صبح کے وقت دمشق سے روانہ ہوتے اور تھوڑی دیر کے بعد اصطخر پہنچ کر کھانا کھاتے، اسی طرح شام کو اصطخر سے روانہ ہوتے اور رات ہوتے ہوتے کابل پہنچ جاتے۔ دمشق اور اصطخر کے درمیان ایک تیز رفتار سوار کے لئے پورے مہینے کا سفر ہے اور اسی طرح پوری سرعت کے ساتھ سفر کیا جائے تو اصطخر اور کابل کے درمیان بھی مہینہ بھر کی مسافت ہے۔ فرمایا: وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ حضرات ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، عطاء وغیرہ کا کہنا ہے کہ "قطر" سے مراد تانبا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ پگھلے ہوئے تانبے کا یہ چشمہ یمن میں تھا۔ لوگ اسی تانبے کو کام میں لا رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے نکالا تھا۔ سدی کہتے ہیں کہ تین دن تک تانبے کا یہ چشمہ آپ کے لئے بہتا رہا(1)۔ اس کے بعد فرمایا: وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ... یعنی ہم نے جنات کو آپ کا تابع فرمان بنا دیا جو آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کام میں جتے رہتے اور آپ کی حسب خواہش عمارات بنانے اور دیگر امور

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 69-70

بجالانے میں مشغول رہتے۔ ان میں سے جو جن آپ کے حکم سے سرتابی کرتا، اسے آگ میں جلا دیا جاتا۔ ابن ابی حاتم نے اس مقام پر حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے ایک غریب حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنات کی تین اقسام ہیں: ایک قسم کے وہ جنات ہیں جن کے پر ہیں اور وہ ہوا میں اڑتے ہیں، دوسری قسم سانپ اور کتے اور تیسری قسم کے وہ جنات ہیں جو سفر و حضر میں رہتے ہیں۔'' ابن انعم کہتے ہیں کہ جنات کی تین قسمیں ہیں: ایک قسم کے لئے تو ثواب و عقاب ہے، ایک قسم وہ ہے جو زمین و آسمان کے درمیان اڑتے ہیں اور ایک قسم سانپ اور کتے ہیں۔ انسان بھی تین قسم کے ہیں: ایک وہ جنہیں قیامت کے دن عرش الٰہی تلے سایہ نصیب ہوگا، ایک قسم جانوروں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ بدتر اور ایک قسم وہ جن کی شکلیں تو انسانوں جیسی ہیں لیکن دل شیطانوں کے سے۔ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنات ابلیس کی اولاد ہیں اور انسان آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے، دونوں میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی، ثواب و عقاب میں دونوں شریک ہیں اور دونوں میں سے مومن اللہ کا دوست ہے اور کافر شیطان ہے۔ فرمایا: يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ ...خوبصورت عمارات اور رہائش گاہوں میں سب سے زیادہ نمایاں اور بہترین مقامات کو ''محاریب'' کہا جاتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ محلات سے کمتر عمارتوں کو محاریب کہتے ہیں، بقول ضحاک اس کا معنی مسجدیں ہیں، قتادہ کے بقول یہ محلات اور مساجد کے معنی میں ہے اور ابن زید کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے رہائش گاہیں۔ عطیہ عوفی ضحاک اور سدی کہتے ہیں کہ ''تماثیل'' کا معنی ہے تصویریں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ تانبے کی بنائی جاتی تھیں، قتادہ کہتے ہیں کہ یہ مٹی اور شیشے کی تھیں۔ ''جواب'' جابیہ کی جمع ہے، اس سے مراد وہ حوض ہے جس میں پانی آتا رہتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد زمین میں بہت بڑا گڑھا ہے اور آپ سے اس کا معنی حوض بھی منقول ہے۔ ''قدور راسیات'' سے مراد وہ بڑی بڑی دیگیں ہیں جو اپنی اپنی جگہ پر جمادی جاتی تھیں اور بھاری بھر کم ہونے کے سبب انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا بہت دشوار تھا۔ فرمایا: اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا یعنی اے آل داؤد! دین و دنیا میں ہماری عطا کردہ نعمتوں پر شکر بجالاؤ۔ اس صورت میں ''شکراً'' مذکورہ فعل کے مصدر کا مترادف ہے یعنی نائب عن مفعول مطلق ہوگا۔ دوسری صورت میں یہ مفعول لہ بھی ہوسکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ شکر جس طرح قول اور نیت سے ہوتا ہے، اسی طرح فعل سے بھی ہوتا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن سلمی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز بھی شکر ہے، روزہ بھی شکر ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جانے والا ہر عمل خیر شکر ہے اور سب سے افضل شکر حمد ہے۔ محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ تقویٰ اور عمل صالح شکر ہے۔ آل داؤد علیہ السلام قولاً اور فعلاً دونوں طرح سے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتی تھی۔ حضرت ثابت البنانی فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے اہل و عیال، اولاد اور عورتوں پر اس طرح اوقات کی تقسیم کر رکھی تھی کہ ہر وقت کوئی نہ کوئی فرد نماز میں مشغول ہوتا، اس طرح انہوں نے اس حکم کا حق ادا کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب نماز داؤد علیہ السلام کی نماز تھی، آپ نصف شب سوتے، ایک تہائی رات قیام کرتے اور چھٹا حصہ سوتے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ روزہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے۔ آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن بغیر روزہ کے اور دشمن کے ساتھ مقابلہ میں فرار نہ ہوتے''(1)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی والدہ ماجدہ نے آپ سے فرمایا: بیٹے! رات کو زیادہ نہ سویا کرو کیونکہ رات کو زیادہ سونا آدمی کو قیامت کے دن فقیر بنا دیتا ہے''(2)۔ اس مقام پر ابن ابی حاتم میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ایک طویل اور غریب اثر مروی ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 195، صحیح مسلم، کتاب الصیام، جلد 2 صفحہ 816
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 422

ابن ابی حاتم میں ہی حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اے پروردگار! میں کیسے تیرا شکرا دا کروں جبکہ شکر بذات خود تیری ایک نعمت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اب تم نے میرا شکرادا کیا جب تم نے یہ اعتراف کیا کہ تمام نعمتیں میری طرف سے ہیں۔ پھر حقیقت حال اور امر واقع کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ ۖ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿١٤﴾

''پس جب ہم نے سلیمان پر موت کا فیصلہ نافذ کر دیا نہ پتہ بتایا جنات کو آپ کی موت کا مگر زمین کے دیمک نے جو کھا تا رہا آپ کے عصا کو۔ پس جب آپ زمین پر آرہے تو جنوں پر یہ بات کھل گئی کہ اگر وہ غیب کو جانتے ہوتے تو (اتنا عرصہ) نہ رہتے اس رسوا کن عذاب میں''۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کی کیفیت بیان کرنے کے ساتھ یہ بھی واضح کیا جارہا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی وفات کو ان جنات پر مخفی رکھا جو آپ علیہ السلام کے حکم سے بڑے کٹھن اور مشقت طلب کام انجام دینے کے پابند تھے۔ آپ علیہ السلام انتقال کے بعد بھی تقریباً ایک سال تک اپنے عصا پر ٹیک لگائے کھڑے رہے، اور جنات آپ کو زندہ خیال کرتے ہوئے محنت طلب کاموں میں مشغول رہے۔ جب دیمک نے آپ کے عصا کو چاٹ کر کھوکھلا کر دیا تو وہ آپ کا بوجھ نہ سہار سکا اور آپ زمین پر آرہے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ آپ تو طویل عرصہ سے وفات پاچکے ہیں اور اب جنوں اور انسانوں پر یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ جنات کو غیب کا علم نہیں جیسا کہ وہ لاف زنی کرتے ہوئے لوگوں کو اس کا یقین دلایا کرتے تھے۔ اس بارے میں ایک مرفوع غریب حدیث مروی ہے لیکن اس کی صحت مشکوک ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام جب نماز پڑھتے تو آپ اپنے سامنے ایک درخت پاتے۔ اس سے پوچھتے کہ تمہارا نام کیا ہے؟ وہ کہتا کہ فلاں۔ آپ اس سے دریافت کرتے کہ تو کس مقصد کے لئے ہے؟ وہ مقصد بتا دیتا تو آپ اسے اسی مقصد کے لئے استعمال کرتے۔ ایک دن آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک درخت آپ کو دکھائی دیا۔ اس سے دریافت کیا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: خروب۔ فرمایا: تمہارا مقصد کیا ہے؟ اس نے کہا کہ اس گھر کی ویرانی۔ اس وقت آپ نے عرض کی: اے اللہ! میری موت کو جنات پر مخفی رکھنا تاکہ انسانوں کو معلوم ہو جائے کہ جنات غیب نہیں جانتے۔ آپ نے اس درخت سے عصا بنوایا اور اس پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوگئے اسی اثناء میں موت آگئی اور آپ ایک سال تک عصا کے سہارے کھڑے رہے اور جنات آپ کو زندہ سمجھ کر کام میں جتے رہے۔ جب دیمک نے آپ کے عصا کو چاٹ کر کھوکھلا کر دیا تو آپ زمین پر آرہے۔ اب انسانوں پر واضح ہو گیا کہ اگر جنات کو غیب کا علم ہوتا تو وہ ایک سال تک اس رسوا کن عذاب میں نہ رہتے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ''مَا لَبِثُوا'' کے بعد ''حَوْلًا'' کا لفظ بھی ہے۔ جنات نے دیمک کا شکریہ ادا کیا اور وہ اسے پانی لا کر دیا کرتے تھے(1)۔ یہ حدیث غریب اور منکر ہے۔ قرین قیاس یہی ہے کہ یہ موقوف ہے۔ اس کے راوی عطاء بن ابی مسلم خراسانی کی بعض حدیثوں میں نکارت پائی جاتی ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ معمول تھا کہ آپ سال سال، دو دو سال، مہینہ مہینہ، دو دو مہینے یا اس سے کم و بیش مدت کے لئے بیت المقدس میں اعتکاف کیا کرتے تھے اور خورد و نوش کا سامان بھی ساتھ

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 74

رکھ لیتے۔ وفات کے وقت بھی آپ بیت المقدس میں تھے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہاں ہر صبح آپ کے سامنے ایک درخت نمودار ہو جاتا۔ آپ اس درخت کے پاس آتے اور اس سے پوچھتے کہ تمہارا نام کیا ہے تو وہ بتا دیتا کہ میرا نام فلاں ہے۔ پھر آپ اس سے اس کا فائدہ پوچھتے تو وہ بتا دیتا، چنانچہ آپ اسی مقصد کے لئے اسے بروئے کار لاتے۔ ایک دفعہ ایک درخت آپ کے سامنے ظاہر ہوا۔ دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ میرا نام خروبہ ہے، پھر آپ نے دریافت کیا کہ تمہیں کس مقصد کے لئے اگایا گیا ہے؟ اس نے کہا کہ اس مسجد کو اجاڑنے کے لئے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے زندہ ہوتے ہوئے تو مسجد ویران نہیں ہوگی، البتہ میری موت اور بیت المقدس کی ویرانی تیرے سبب سے ہوگی، چنانچہ آپ نے اسے وہاں سے اکھیڑ کر اپنے باغ میں لگا دیا۔ پھر آپ محراب میں داخل ہوئے اور اپنے عصا پر ٹیک لگائے نماز میں مصروف ہو گئے، اسی اثنا میں آپ وفات پا گئے اور شیاطین کو اس کا علم تک نہ ہوا۔ وہ حسب معمول آپ کے خوف سے کام میں جتے رہے اور آپ کو زندہ خیال کرتے ہوئے انہیں دھڑکا لگا رہتا کہ اگر کام میں سستی کی تو وہ انہیں سخت سزا دیں گے۔ شیاطین محراب کے ارد گرد جمع ہوئے۔ محراب کے آگے پیچھے روزن تھے۔ ان میں سے ایک نڈر شیطان کہنے لگا کہ اگر میں اس طرف کے سوراخ میں سے داخل ہو کر ادھر کے سوراخ سے نکل جاؤں تو کیا تم میری قوت اور جسارت تسلیم کرو گے؟ چنانچہ وہ اندر داخل ہوا اور صحیح سلامت باہر نکل آیا حالانکہ جو شیطان بھی محراب میں آپ کو نظر بھر کر دیکھتا، جل کر راکھ ہو جاتا، وہ وہاں سے گزرا تو اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کی آواز نہ آئی، پھر وہاں سے گزرا لیکن اب بھی آپ کی آواز اسے سنائی نہ دی۔ اب اس کی ہمت اور بڑھی تو وہ مسجد میں داخل ہو گیا لیکن وہاں جانے کے باوجود وہ نہ جلا۔ اب اس نے نگاہ بھر کر آپ کو دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ آپ تو وفات پا چکے ہیں اور زمین پر پڑے ہوئے ہیں۔ اس نے فوراً لوگوں کو آپ کے انتقال کی خبر دی۔ لوگوں نے محراب کو کھولا اور آپ کے جسد اقدس کو باہر نکال لائے۔ آپ کے عصا کو دیمک چاٹ چکی تھی۔ یہ اندازہ کرنے کے لئے کہ آپ کو وفات پائے کتنا عرصہ ہو چکا ہے، انہوں نے وہی عصا دیمک کے آگے ڈال دیا۔ ایک دن اور رات میں جس قدر دیمک نے اسے کھایا، اس سے انہوں نے اندازہ لگایا کہ آپ کو وصال فرمائے ایک سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ آپ کی وفات کے ایک سال بعد تک بھی جنات آپ کی چاکری کرتے رہے۔ اس وقت لوگوں کو یقین ہو گیا کہ جنات غیب دانی کے دعویٰ میں جھوٹے تھے۔ اگر انہیں غیب پر آگاہی ہوتی تو انہیں ضرور حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا علم ہو جاتا اور وہ سال بھر اس قدر مشقت نہ اٹھاتے۔ پھر شیاطین نے دیمک سے کہا کہ اگر تم کھانا کھاتیں تو ہم تمہارے لئے بہترین کھانا فراہم کرتے اور اگر تم کوئی مشروب پیتیں تو ہم تمہارے لئے بہترین مشروب مہیا کر دیتے۔ ہم تمہیں پانی اور مٹی لا دیا کریں گے۔ چنانچہ شیاطین یہ چیزیں دیمک کو فراہم کرتے رہتے ہیں۔ لکڑی کے اندر مٹی وہی ہے جو شیاطین بطور شکریہ اسے فراہم کرتے ہیں(1)۔ یہ اثر علماء اہل کتاب سے ماخوذ ہے۔ ایسی روایت میں سے صرف انہی باتوں کی تصدیق کی جا سکتی ہے جو حق کے ساتھ موافقت رکھتی ہیں اور جو باتیں حق کے مخالف ہیں، انہیں جھٹلا دیا جائے گا اور باقی کی نہ تصدیق کی جائے گی اور نہ تکذیب۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملک الموت سے کہا کہ میری موت سے کچھ پہلے مجھے اس کے بارے میں خبر کر دینا۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو ملک الموت نے آپ کو آگاہ کر دیا کہ آپ کی وفات میں تھوڑا سا وقت باقی ہے۔ چنانچہ آپ نے شیاطین کو بلایا اور انہوں نے آپ کے حکم سے شیشے کا ایک محل تعمیر کر دیا جس کا دروازہ نہ تھا۔ آپ اس میں اپنے عصا پر ٹیک لگائے نماز پڑھنے لگے۔ اسی حالت میں ملک الموت نے آپ

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 75-74

کی روح قبض کرلی۔ آپ نے موت کے ڈر سے ایسا نہیں کیا تھا۔ جنات آپ کے سامنے کام کرتے رہے۔ وہ آپ کو دیکھ کر یہی سمجھتے کہ آپ زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دیمک کو بھیج دیا جو آپ کے عصا کو چاٹنے لگی، جب آپ کا عصا اندر سے کھوکھلا ہو گیا تو وہ آپ کا وزن نہ سہار سکا، چنانچہ آپ زمین پر آرہے۔ یہ دیکھ کر جنات کو آپ کی موت کا یقین ہو گیا اور وہ وہاں سے فرار ہو گئے۔ ایک سال تک دیمک عصا کو کھاتی رہی (1)۔ اور بھی متعدد سلف سے یہ مروی ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ ۬ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ ۝ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَ بَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ وَّ شَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ۝ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَ هَلْ نُجٰزِيْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝

''قوم سبا کے لئے ان کے مسکن میں ہی نشانی موجود تھی۔ (وہاں) دو باغ تھے ایک دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف کھاؤ اپنے رب کا دیا ہوا رزق اور اس کا شکر ادا کرو۔ اتنا پاکیزہ شہر اور اپنا رب غفور! (اہل سبا! تمہاری خوش بختی کا کیا کہنا) پھر انہوں نے منہ پھیر لیا تو ہم نے ان پر تند و تیز سیلاب بھیج دیا اور ہم نے بدل دیا ان کے دو باغوں کو ایسے دو باغوں سے جن کے پھل ترش اور کڑوے تھے۔ اور ان میں جھاؤ کے بوٹے اور بیری کے درخت تھے۔ یہ بدلہ دیا ہم نے انہیں بوجہ ان کی احسان فراموشی کے اور بجز احسان فراموش کے ہم کسے ایسی سزا دیتے ہیں''۔

قوم سبا یمن میں آباد تھی، یہی یمن کے بادشاہ تھے، تبع بھی انہی میں سے تھے اور ملکہ بلقیس بھی انہی میں سے تھی۔ انہیں اپنے ملک میں ہر طرح کی نعمت اور خوشحالی حاصل تھی، دولت کی فراوانی تھی، غلوں اور پھلوں کی بہتات تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اپنے پیغمبر بھیجے، انہوں نے انہیں حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں سے کھاؤ، اس کی وحدانیت کا اقرار کرو اور عبادت کے ذریعے اس کا شکر بجا لاؤ۔ کچھ عرصہ تو وہ عنایات ربانی پر شکر بجا لاتے رہے لیکن پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی کی تو ان پر تند و تیز سیلاب بھیج کر انہیں سزا دی گئی۔ یہ تباہی اور بربادی کا شکار ہوئے اور زندہ بچ جانے والے مختلف علاقوں میں بکھر گئے۔ اس کی تفصیلات ان شاء اللہ عنقریب بیان ہوں گی۔ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے سبا کے متعلق دریافت کیا کہ کیا یہ کسی مرد کا نام ہے یا عورت کا یا جگہ کا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ ایک مرد کا نام ہے جس کے دس بیٹے تھے، ان میں سے چھ یمن میں سکونت پذیر ہوئے اور چار شام میں آباد ہو گئے۔ یمن میں آباد ہونے والے یہ تھے: مذحج، کندہ، ازد، اشعری، انمار اور حمیر، شام میں بسنے والے یہ تھے: لخم، جذام، عاملہ اور غسان'' (2)۔ حضرت فروہ بن مسیک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! کیا میں اپنی قوم میں سے اسلام کے ماننے والوں کو ساتھ لے کر اپنی قوم کے ان افراد کے خلاف جنگ کروں جو اسے نہیں مانتے؟ فرمایا: ہاں، اپنی قوم کے ماننے والوں کے ساتھ نہ ماننے والوں کے خلاف جنگ کرو''۔ جب میں واپس جانے لگا تو آپ نے مجھے بلا کر فرمایا: ''ان کے خلاف اس وقت تک جہاد نہ کریں جب تک انہیں اسلام کی دعوت نہ دے لیں''۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! سبا کے متعلق فرمایئے، کیا یہ کسی وادی کا نام ہے یا پہاڑ کا یا یہ کیا ہے؟

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 76-75 2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 316

فرمایا: ''نہیں، بلکہ یہ عربوں کے ایک آدمی کا نام ہے جس کے ہاں دس بیٹے پیدا ہوئے۔ چھ یمن میں آباد ہو گئے اور چار شام میں، ازد، اشعری، حمیر، کندہ، مذحج اور انمار یمن میں چلے گئے۔ قبیلۂ انمار وہی ہے جس میں بجیلہ اور خثعم ہیں۔ لخم، جذام، عاملہ اور غسان شام میں فروکش ہو گئے'' (1)۔ ایک اور روایت میں حضرت فروہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! قوم سبا کو زمانہ جاہلیت میں بہت عزت حاصل تھی، مجھے خدشہ ہے کہ وہ اسلام سے مرتد ہو جائیں گے، کیا میں ان کے ساتھ جنگ کروں؟ فرمایا: ''مجھے ابھی تک ان کے بارے میں کوئی حکم نہیں ملا''۔ اس وقت مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی تو ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! سبا کیا ہے؟ باقی وہی حدیث ہے جو شروع میں گزر چکی ہے۔ اس روایت میں غرابت ہے کیونکہ اس میں اس آیت کا نزول مدینہ میں مذکور ہے حالانکہ یہ ساری سورت مکی ہے۔ حضرت فروہ بن مسیک غطیفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے سبا کے متعلق بتائیے، کیا یہ جگہ کا نام ہے یا عورت کا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہ یہ کسی جگہ کا نام ہے اور نہ کسی عورت کا، بلکہ یہ ایک مرد کا نام ہے جس کے دس بیٹے تھے۔ چھ یمن میں اور چار شام میں سکونت پذیر ہو گئے، شامی یہ تھے: لخم، جذام، عاملہ اور غسان، یمنی یہ تھے: کندہ، اشعری، ازد، مذحج، حمیر اور انمار''۔ اس آدمی نے دریافت کیا کہ انمار کون ہیں؟ فرمایا: ''وہی جن میں سے خثعم اور بجیلہ ہیں'' (2)۔ محمد بن اسحاق اور دیگر علمائے نسب کا کہنا ہے کہ سبا کا نام عبد شمس تھا اور اس کا نسب نامہ یہ بیان کیا ہے: عبد شمس بن یشجب بن یعرب بن قحطان (3)۔ یہ عربوں میں وہ پہلا شخص ہے جس نے جنگ میں قیدی بنانے کا رواج ڈالا، اس لئے اس کا لقب سبا پڑ گیا اور یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے فوجیوں میں مال غنیمت کی تقسیم کا آغاز کیا، اس لئے اسے ''رائش'' بھی کہا جاتا تھا۔ عرب مال کو ریش اور ریاش کہتے ہیں۔ مذکور ہے کہ اس بادشاہ نے کافی عرصہ پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت دے دی تھی اور اس بارے میں اس نے کچھ اشعار بھی کہے تھے جن کا ترجمہ یہ ہے: ہمارے بعد ایک ایسا نبی ملک کا مالک ہوگا جو حرام کے ارتکاب کی اجازت نہیں دے گا، آپ کے بعد آپ کی قوم میں سے کچھ خلفاء ہوں گے جو آپ کی اطاعت میں خون کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے، پھر ہم میں سے بادشاہ ہوں گے جو باری باری مسند اقتدار پر براجمان ہوں گے۔ قحطان کے بعد ساری مخلوق کے سردار متقی نبی مالک بنیں گے جن کا نام نامی احمد ہوگا۔ کاش! آپ کی بعثت تک میں زندہ رہتا تاکہ ہر ممکن طریقے سے آپ کی مدد کرتا اور ہر خدمت بجا لاتا۔ جب آپ تشریف لائیں تو آپ کا معاون بن جانا اور جس شخص کی آپ ﷺ سے ملاقات ہو وہ آپ کی خدمت میں میرا اسلام پہنچا دے (4)۔ ہمدانی نے اپنی کتاب ''الاکلیل'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔ قحطان کے بارے میں تین اقوال ہیں: (۱) یہ ارم بن سام بن نوح کی نسل سے ہے۔ (۲) یہ عابر یعنی ہود علیہ السلام کی نسل سے ہے۔ (۳) یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہے۔ یہ تمام تفصیلات حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الانباہ علی ذکر اصول القبائل الرواۃ'' میں ذکر کی ہیں۔ حضور ﷺ کا فرمان کہ سبا عرب کا ایک شخص تھا، اس سے مراد وہ خالص عرب ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے سام بن نوح کی نسل سے ہوئے۔ تیسرا قول مشہور نہیں ہے جس میں کہا گیا ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں، لیکن صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبیلہ اسلم کے کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جو تیر اندازی کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''اے اولاد اسماعیل! تیر اندازی کرو کیونکہ تمہارے باپ بھی تیر انداز تھے'' (5)۔ اسلم انصار کا ایک قبیلہ ہے

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 316 2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 77-76 3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 10

4۔ البدایۃ والنہایۃ، جلد 2 صفحہ 147 5۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، جلد 4 صفحہ 219

اور انصار (اوس اور خزرج) غسان کی نسل سے ہیں جو سبا کی اولاد میں سے ہے اور یہ سب یمنی عرب ہیں۔ جب یمن میں سیلاب نے تباہی مچائی تو یہ لوگ یثرب میں آباد ہو گئے اور ان میں سے کچھ شام میں سکونت پذیر ہو گئے۔ انہیں غسان کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نام کے ایک چشمہ پر فروکش ہوئے تھے جو یمن میں تھا۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ مشلل کے قریب ہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ایک شعر سے یہی تصدیق ہوتی ہے کہ غسان چشمہ کا نام ہے(1)۔ حضور نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان کہ سبا کے ہاں دس عرب پیدا ہوئے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی نسل میں سے یہ دس افراد وہ تھے جن تک یمن کے عرب قبائل کا سلسلہ نسب پہنچتا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دس کے دس اس کے صلبی بیٹے تھے کیونکہ ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کے درمیان دو، تین یا اس سے کم وبیش نسلوں کا فاصلہ ہے جیسا کہ نسب کی کتابوں میں مذکور ہے۔ آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ ان میں سے چھ یمن میں اور چار شام میں آباد ہو گئے، اس کا معنی یہ ہے کہ یمن میں تندوتیز سیلاب آنے کے بعد ان میں سے کچھ اپنے وطن میں آباد ہو گئے اور کچھ دوسرے علاقوں کی طرف کوچ کر گئے۔ اہل یمن نے مآرب کے قریب ایک زبردست بند (ڈیم) تعمیر کیا ہوا تھا۔ اس بند کا قصہ یہ ہے کہ ان کے دونوں اطراف میں پہاڑ تھے جن کے درمیان سے نہریں اور چشمے بہہ بہہ کر ان کے شہروں کی طرف آتے اور برسات کے موسم میں برساتی نالوں کے ذریعے بارش کا پانی آتا۔ یمن کے قدیم بادشاہوں نے ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک مضبوط اور زبردست بند تعمیر کروا دیا اور دونوں پہاڑوں کے کناروں پر مضبوط پشتہ بنوا دیا۔ اس بند میں اس قدر پانی ذخیرہ ہو جاتا جو ان کی سال بھر کی ضروریات کے لئے کافی ہو جاتا۔ جب سرزمین یمن کو بروقت پانی دستیاب ہونے لگا تو ہر طرف سرسبز و شاداب کھیت لہلہانے لگے اور دونوں طرف دور دور تک بکثرت باغات اپنی بہار دکھانے لگے۔ حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ ایک عورت اپنے سر پر ٹوکرا اٹھائے ہوئے درختوں کے نیچے سے گزرتی تو درختوں سے خود بخود ہی اس قدر پھل جھڑتے کہ تھوڑی دور جانے کے بعد اس کا ٹوکرا پھلوں سے لد جاتا، پھل اس قدر پکے ہوئے اور کثرت سے ہوتے کہ انہیں توڑنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ یہ بند مآرب میں تھا۔ مارب ایک شہر ہے جو صنعاء سے تین دن کی مسافت پر واقع تھا۔ یہ بند سد مآرب کے نام سے مشہور تھا۔ بعض حضرات تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اس ملک کی آب و ہوا اس قدر معتدل اور پاکیزہ تھی، مزاج اس قدر لطیف اور صحت مند تھے اور عنایات خداوندی کی اس قدر ریل پیل تھی کہ وہاں مکھی، مچھر وغیرہ کا نام تک نہ تھا۔ ان عنایات سے مقصد یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کریں اور اس کی عبادت میں مشغول رہا کریں جیسا کہ فرمایا: لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ پھر اس نشانی کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: جَنَّتَانِ عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ یعنی دونوں پہاڑوں کے اطراف میں باغات کا ایک وسیع سلسلہ تھا اور ان کے درمیان یہ شہر آباد تھا۔ انہیں حکم ہوا: كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ...... یعنی اپنے رب کے دیئے ہوئے رزق میں سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو، اتنا پاکیزہ شہر اور ایسا رب غفور (اے اہل سبا! تمہاری خوش بختی کا کیا کہنا) بشرطیکہ تم توحید پر ڈٹے رہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: فَأَعْرَضُوا۔ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید، عبادت اور اس کے انعامات پر شکر ادا کرنے سے منہ موڑ لیا اور سورج کی پرستش میں لگ گئے جیسا کہ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بتایا: وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ - فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ (النمل: 24-22) وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف تیرہ نبی مبعوث فرمائے۔ سدی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف بارہ ہزار پیغمبر بھیجے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے سمجھانے کے باوجود وہ گمراہی اور شرک پر بضد رہے جس کی پاداش میں تندوتیز سیلاب بھیج کر انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔ "عرم" کا معنی ہے پانی۔ بعض کے بقول

1۔ دیوان حسان بن ثابت: 279

اس کا معنی وادی ہے، بعض نے کہا ہے: چوہا اور بعض کے بقول اس کا معنی ہے: بہت زیادہ پانی۔ اس صورت میں اسم (سیل) اپنی صفت (العرم) کی طرف مضاف ہوگا جیسا کہ ''مسجد الجامع'' اور ''سعید کرز'' میں ہے۔ حضرات ابن عباس، وہب بن منبہ، قتادہ اور ضحاک وغیرہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے سیلاب بھیج کر انہیں ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ایک چوہا بھیج دیا جو بند کی دیوار میں سوراخ کرتا رہا۔ جب پانی کا تند ریلا آیا تو یہ بند ٹوٹ گیا جس سے ہر طرف تباہی پھیل گئی۔ وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی کتابوں میں یہ بات لکھی ہوئی تھی کہ اس بند کی بربادی چوہے کے ہاتھوں ہوگی۔ چنانچہ چوہوں کے خطرہ کو ختم کرنے کے لئے انہوں نے وہاں بلیاں رکھ لیں لیکن جب تقدیر آ پہنچی تو چوہا بند کی دیوار تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا اور اس کی نقب زنی سے بند ٹوٹ گیا۔ قتادہ وغیرہ کہتے ہیں کہ چوہے کی نقب زنی کے باعث بند کمزور ہوگیا۔ بارشوں کے زمانہ میں سیلاب کی صورت میں پانی آیا اور جب اس کی موجیں اس بند سے ٹکرائیں تو اسے لرزا کر رکھ دیا۔ بند میں دراڑیں نمودار ہوئیں اور کچھ لمحوں کے بعد پانی کا تند ریلا اسے بہا لے گیا۔ اب ہر طرف پانی ہی پانی نظر آنے لگا۔ شہر ملیا میٹ ہوگئے۔ درخت اکھڑ گئے، لہلاتے ہوئے کھیتوں کا نام ونشان تک باقی نہ رہا اور باغات اجڑ گئے۔ اب رنگارنگ پھلوں سے لدے ہوئے درختوں کی بجائے ترش اور کڑوے پھلوں والے درخت، جھاؤ کے بوٹے اور چند بیری کے درخت نظر آنے لگے جیسا کہ فرمایا: وَ بَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَیْهِمْ...... حضرات ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، قتادہ، عطاء، سدی اور حسن فرماتے ہیں کہ خمط کا معنی ہے پیلو کا درخت (1)۔ اثل جھاؤ کے بوٹے کو کہتے ہیں۔ سیلاب کے بعد اگنے والے بے میوہ اور بدمزہ درختوں میں سے بیری کا درخت کچھ اچھا اور کارآمد تھا، اس لئے وہ کم مقدار میں اگا۔ پھلدار باغات، خوش کن مناظر، گہرے سایوں اور بہتی ہوئی نہروں کے بدلے میں خاردار جھاڑیاں، ترش پھل، پیلو، جھاؤ اور بیری کے درخت اگانے کا سبب یہ تھا کہ وہ لوگ کفر وشرک پر بضد رہے، حق کو جھٹلاتے رہے اور باطل کے ساتھ چمٹے رہے، اس لئے فرمایا: ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا...... یعنی ہم نے ان کے کفر کے سبب انہیں سخت سزا دی اور ایسی سزا کافر کو ہی دی جاتی ہے۔ حضرت ابن خیرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبادت میں سستی، معاش میں تنگی اور لذت میں دشواری، نافرمانی کا بدلہ ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ لذت میں دشواری کا کیا مقصد ہے؟ فرمایا: جب بھی لذت آنے لگے تو کوئی آ کر اسے بے مزہ کردے۔

وَ جَعَلْنَا بَیْنَهُمْ وَ بَیْنَ الْقُرَى الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّ قَدَّرْنَا فِیْهَا السَّیْرَ ؕ سِیْرُوْا فِیْهَا لَیَالِیَ وَ اَیَّامًا اٰمِنِیْنَ ۝ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَیْنَ اَسْفَارِنَا وَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ وَ مَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝

''اور ہم نے بسادی تھیں ان کے درمیان اور ان شہروں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دی تھی اور کئی بستیاں سر راہ اور ہم نے منزلیں مقرر کر دی تھیں ان میں آنے جانے کی۔ سیر وسیاحت کرو ان میں (جب چاہو) رات یا دن کے وقت امن و امان سے۔ پھر وہ بولے اے ہمارے رب! دور دراز کر دے ہماری مسافتوں کو۔ (یہ کہہ کر) انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ پس ہم نے انہیں افسانہ بنا دیا اور ہم نے ان (کی جمعیت) کو پارہ پارہ کر دیا۔ (سبا کی) اس (داستان) میں عبرت کی نشانیاں ہیں ہر بہت صبر بہت شکر کرنے والے کے لئے''۔

قوم سبا کو جو نعمتیں عطا ہوئیں، ان کا ذکر ہورہا ہے۔ وہ لوگ بہت خوشحال اور فارغ البال تھے، بہت اچھا ملک انہیں ملا تھا، ہر طرف

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 89

امن کا دور دورہ تھا، جابجا پررونق اور قریب قریب بستیاں آباد تھیں، درختوں کی بہتات تھی، سرسبز وشاداب کھیت اور پھلوں سے بھرپور باغات دعوت نظارہ دیتے تھے۔ مسافروں کو اپنے پاس زادراہ اور پانی رکھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی تھی بلکہ جہاں کہیں وہ ٹھہرتے، وہاں انہیں پانی اور پھل بھی مل جاتا اور دوپہر کو قیلولہ کرنے اور شب باشی کرنے کے لئے بھی کسی بستی میں جگہ مل جاتی، غرضیکہ دوران سفر بھی انہیں ضرورت کی ہر چیز میسر تھی، اس لئے فرمایا: وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ "القریٰ" سے مراد صنعاء کی بستیاں ہیں۔ حضرات مجاہد، حسن، سعید بن جبیر، زید بن اسلم، قتادہ، ضحاک، سدی اور ابن زید کے بقول اس سے مراد شام کی بستیاں ہیں یعنی یمن سے شام تک سفر کرتے ہوئے وہ سرراہ لگاتار بستیاں پاتے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے مراد بیت المقدس ہے۔ ایک اور روایت میں آپ سے منقول ہے کہ اس سے مراد مدینہ اور شام کے درمیان واقع بستیاں ہیں(1)۔ ظاہرۃ کا معنی ہے واضح اور معروف جنہیں مسافر اچھی طرح جانتے تھے۔ کسی میں وہ قیلولہ کرتے اور کسی میں رات بسر کرتے، اس لئے فرمایا: وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ ...یعنی ہم نے مسافروں کی ضرورت کے مطابق ان میں سفر کی منزلیں مقرر کردیں جہاں انہیں امن حاصل تھا خواہ وہ دن کو سفر کرتے یا رات کو۔ لیکن کچھ مدت کے بعد وہ اس آرام دہ زندگی سے اکتا گئے اور دعا کرنے لگے: رَبَّنَا بٰعِدْ۔ بَاعِدْ کی دوسری قرأت بَعِّدْ ہے۔ وہ سرکشی اختیار کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار! ہماری مسافتوں کو طویل کردے، ایک پڑاؤ دوسرے پڑاؤ سے کافی دور ہو، ان کے درمیان وسیع وعریض سنسان صحراء اور غیر آباد ویرانے ہوں جنہیں عبور کرنے کے لئے انہیں زادراہ اور سواریوں کی ضرورت پڑے، چلچلاتی دھوپ جلائے اور خطرات کا سامنا کرنا پڑے، سفر کا مزہ تو تب ہے، اسی طرح بنی اسرائیل نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لہسن، پیاز اور ترکاری وغیرہ کا مطالبہ کیا تھا حالانکہ انہیں پرآسائش زندگی حاصل تھی جس میں انہیں من وسلویٰ کے علاوہ خوردونوش کی من پسند اشیاء اور لباس فاخرہ میسر تھا، اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا: أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَى ۔ وَبَاءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (البقرۃ:61) اور متامات پر فرمایا: وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا (القصص:58) "اور ہم نے کتنے شہر برباد کردیئے جب وہ اپنی خوشحالی پر فخر کرنے لگے"۔ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً ۔ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (النحل:112) "اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے وہ یہ کہ ایک بستی تھی جو امن وچین سے آباد تھی اس کے پاس اس کا رزق ہر طرف سے بکثرت آتا تھا پس اس (کے باشندوں) نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بھوک اور خوف کا لباس چکھا دیا ان کارستانیوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے"۔ اور ان کے متعلق فرمایا: فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ ۔ یعنی یہ کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار! ہماری مسافتوں کو دور کردے۔ انہوں نے کفر کے باعث اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ چنانچہ ہم نے انہیں افسانہ اور قصۂ پارینہ بنادیا، ان کے خلاف خفیہ تدبیر کی اور ان کی جمعیت کو تتر بتر کردیا اور مختلف ممالک میں ان کا شیرازہ بکھر گیا، یہی وجہ ہے کہ جب کسی قوم کا شیرازہ بکھر جائے تو عرب بطور مثال کہتے ہیں: "تَفَرَّقُوْا اَيْدِيْ سَبَا وَ اَيَادِيْ سَبَا وَ تَفَرَّقَ شَذَرَ مَذَرَ"۔ حضرت عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ قوم سبا میں کچھ کاہن تھے جنہیں شیاطین وہ باتیں بتایا کرتے تھے جو وہ چوری چھپے آسمان سے سننے میں کامیاب ہوجاتے۔ ان میں ایک بہت مالدار اور معزز کاہن تھا۔ اسے معلوم ہوگیا کہ اس کی قوم کی تباہی کا وقت قریب آچکا ہے اور عذاب ان کے سروں پر کھڑا ہے۔ اس کے پاس بہت جائیداد تھی۔ وہ سوچ میں پڑ گیا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ آخرکار اسے ایک تدبیر سوجھی۔ اس نے اپنے بیٹے کو بلایا جس کے ننہال باقی بیٹوں کی نسبت

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 84

زیادہ معزز تھے، اور اسے کہنے لگا کہ میں ایک کام تمہارے ذمہ لگا رہا ہوں، انکار مت کرنا۔ کل جب لوگ میرے پاس جمع ہو جائیں گے تو میں ان کے سامنے تمہیں کسی کام کا کہوں گا تو انکار کر دینا۔ میں تمہیں برا بھلا کہوں گا تو تم بھی ایسا ہی کرنا، پھر میں غصہ میں تمہیں تھپڑ مار دوں گا تو تم بھی مجھے تھپڑ مار دینا اس نے کہا: ابا جان! یہ جسارت میرے بس کی بات نہیں۔ کاہن کہنے لگا: بیٹے! ایک اہم معاملہ درپیش ہے جس کی وجہ سے ایسا کرنا ناگزیر ہے۔ اس کے بار بار کہنے سے اس کا بیٹا قائل ہو گیا۔ اگلے دن جب صبح ہوئی اور لوگ اکٹھے ہو گئے تو کاہن نے کہا: بیٹے! ذرا یہ کام کر دینا۔ اس نے انکار کر دیا۔ باپ نے اسے جھڑکا تو اس نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ جھگڑے نے طول اختیار کیا تو باپ نے بیٹے کو پکڑا اور اسے ایک تھپڑ رسید کر دیا۔ جواب میں بیٹے نے بھی باپ کو تھپڑ دے مارا۔ کاہن غصہ سے کہنے لگا کہ میرا بیٹا مجھے تھپڑ مارنے کی جسارت کر رہا ہے، چھری لاؤ میں ابھی اپنے بیٹے کو ذبح کر دوں گا، لوگ کہنے لگے کہ کیا تم اپنے بیٹے کو ذبح کر دو گے؟ ایسا نہ کرو بلکہ اسے کوئی اور سزا دے لو لیکن وہ اسے ذبح کرنے پر ہی مصر رہا۔ لوگوں کے پیغام بھیجنے پر لڑکے کے ماموں بھی آ گئے۔ جب انہیں واقعہ کا علم ہوا تو وہ کاہن سے کہنے لگے کہ تم جو کچھ لینا چاہتے ہو، ہم سے لے لو لیکن اپنے بیٹے کو ذبح نہ کرو۔ اس کے باوجود کاہن اپنے عزم پر ڈٹا رہا۔ وہ کہنے لگے کہ اگر تم اپنی بات پر بضد ہو تو ایسا کرنے سے پہلے ہی ہم تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ وہ کہنے لگا کہ اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے، اس لئے میں ایسے شہر میں نہیں رہوں گا جہاں مجھے اپنے بیٹے پر بھی اختیار حاصل نہ ہو۔ مجھ سے میرا گھر بار اور جائیداد خرید لو۔ چنانچہ اس نے اپنا گھر، زمین اور جائیداد بیچ دی اور جب تمام قیمت وصول کر لی تو کہنے لگا: اے میری قوم! عذاب تمہارے اوپر منڈلا رہا ہے، تمہاری بربادی کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔ تم میں سے جو نئے گھر کی خواہش میں مشقت اٹھا کر طویل سفر کر سکتا ہے، وہ عمان چلا جائے، جو تم میں سے خورد و نوش کا اشتیاق رکھتا ہے، وہ بصری چلا جائے اور جو شخص باغات میں بیٹھ کر آزادی سے مزیدار اور تازہ کھجوریں کھانا چاہے وہ کھجوروں کی سرزمین یثرب کی طرف چلا جائے۔ چنانچہ اہل عمان عمان کی طرف، غسان بصری کی طرف اور اوس، خزرج اور بنو عثمان یثرب کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ جب یہ بطن مر کے مقام پر پہنچے تو بنو عثمان کہنے لگے کہ یہ اچھی جگہ ہے، ہم اسے چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گے۔ چنانچہ وہ یہیں قیام پذیر ہو گئے۔ اس لئے ان کا نام خزاعہ پڑ گیا کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ گئے۔ اوس اور خزرج سفر جاری رکھتے ہوئے مدینہ پہنچ گئے، اہل عمان نے عمان کا اور غسان نے بصری کا رخ کر لیا(1)۔ یہ اثر بہت عجیب و غریب ہے۔ اس کاہن کا نام عمرو بن عامر تھا جو یمن کے رؤساء اور سبا کے عظماء میں سے تھا۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ سیلاب کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے سب سے پہلے یہی کاہن یمن سے نکلا۔ یمن کو چھوڑنے کا سبب یہ تھا کہ اس نے ایک چوہے کو دیکھا جو سد مأرب میں سوراخ کر رہا تھا۔ اس سے اسے معلوم ہو گیا کہ اب یہ بند باقی نہیں رہے گا۔ چنانچہ اس نے یمن سے کسی اور جگہ منتقل ہونے کا عزم کر لیا اور وہ مکر بروئے کار لایا جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ جب اس نے غصہ میں کہا کہ میں ابھی اپنی جائیداد اور زمین بیچتا ہوں تو یمن کے اشراف کہنے لگے کہ عمرو کے غصہ کو غنیمت جانو۔ چنانچہ انہوں نے اونے پونے داموں میں اس کی تمام جائیداد خرید لی۔ سب کچھ فروخت کرنے کے بعد وہ اپنے بیٹوں اور ان کی اولاد کو لے کر چل پڑا۔ بنی اسد نے جب یہ دیکھا تو وہ کہنے لگے کہ ہم عمرو بن عامر کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے، چنانچہ انہوں نے بھی اپنی جائیداد بیچی اور اس کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔ قبیلہ عک کے علاقے سے گزرتے ہوئے ان کے ساتھ ان کی لڑائی چھڑ گئی جس میں دونوں کا پلہ برابر رہا۔ پھر وہاں سے کوچ کر کے وہ مختلف علاقوں میں تتر بتر ہو گئے۔ آل جفنہ بن عمرو بن عامر شام میں، اوس

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 689-688

وخزرج یثرب میں، خزاعہ مر میں، ازد سراۃ سراۃ میں اور ازد عمان عمان میں فروکش ہو گئے۔ اس کے بعد زبردست سیلاب آیا جس نے ڈیم کو منہدم کر دیا(1)۔ سدی کہتے ہیں کہ عمرو بن عامر نے اپنے مکر و تدبیر سے اپنے بیٹے کو نہیں بلکہ اپنے بھتیجے کو شریک کیا تھا۔ گمان کیا جاتا ہے کہ عمرو بن عامر قوم کا چچا تھا۔ اس نے اپنی کہانت کے زور پر محسوس کیا کہ اس کی قوم کا شیرازہ بکھرنے والا ہے اور ان کی مسافتوں کو دور کر دیا جائے گا۔ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ عنقریب تم منتشر ہو جاؤ گے۔ تم میں سے جو عالی ہمت اور طاقتور ہے وہ کاس یا کرود چلا جائے۔ چنانچہ وادعہ بن عمرو نے اس طرف کا رخ کیا، وہ تم میں سے کم ہمت ہے جو سرزمین شن کی طرف چلا جائے، ادھر جانے والے عوف بن عمرو تھے جنہیں بارق کہا جاتا تھا۔ جو تم میں سے آسان روزی اور پرامن حرم کا خواہشمند ہے، وہ ارزین چلا جائے۔ یہ خزاعہ تھے۔ جو تم میں سے باغات میں بیٹھ کر کھجوریں کھانے کا متمنی ہے وہ یثرب چلا جائے، یہ اوس اور خزرج تھے جنہیں بعد میں انصار کا لقب ملا اور جو تم میں سے اشیائے خورد و نوش شراب، ریشم اور حکومت کا دلدادہ ہے وہ کوثی اور بصری کی طرف چلا جائے۔ یہ شاہان شام غسان بنو جفنہ تھے اور ان میں سے کچھ عراق چلے گئے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ پیشین گوئی عمرو بن عامر کی بیوی طریفہ نے کی تھی۔ وہ کاہنہ تھی اور اس نے اپنی کہانت سے یہ بات معلوم کر کے لوگوں کو بتائی تھی(2)۔ شعبی کہتے ہیں کہ غسان عمان میں آباد ہو گئے، انصار یثرب میں، خزاعہ تہامہ میں اور ازد عمان میں۔ غسان اور ازد کی جمعیت کو بھی پارہ پارہ کر دیا گیا(2)۔ اعشیٰ میمون بن قیس نے ان کی بربادی کا قصہ اپنے اشعار میں بیان کیا ہے کہ اس واقعہ میں نشان عبرت ہے، یہ لوگ بلند و بالا عالی شان عمارتوں میں رہائش پذیر تھے لہلہاتے کھیت اور پھلوں سے لدے ہوئے باغات انہیں میسر تھے اور ہر طرح کی خوشحالی انہیں نصیب تھی لیکن ڈیم کے بہہ جانے سے اب ان کی حالت یہ ہو گئی کہ یہ پانی کی ایک ایک بوند کو ترسنے لگے(3)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ یعنی اس قوم پر اترنے والے عذاب اور ان کے کفر اور گناہوں کے سبب رحمت کو زحمت میں اور عافیت و نعمت کو عقوبت میں تبدیل کر دینے میں ہر اس شخص کے لئے عبرت کی نشانیاں ہیں جو مصائب پر صبر کرتا ہے اور نعمتوں پر شکر بجالاتا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن کے لئے اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر مجھے تعجب ہے۔ اگر اسے خیر پہنچے تو وہ اپنے رب کی حمد کرتا ہے اور اس کا شکر بجالاتا ہے اور اگر اسے کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اپنے رب کی حمد کرتا ہے اور صبر کرتا ہے۔ مومن کو ہر چیز کا اجر عطا کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس لقمے کا بھی جو وہ اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے''(4)۔ صحیحین کی ایک حدیث اس کی شاہد ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: ''مومن کے معاملہ پر تعجب ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جو بھی فیصلہ فرمائے، وہ اس کے لئے موجب خیر ہے۔ اگر اسے راحت ملے تو وہ شکر بجالاتا ہے اور یہ اس کے لئے باعث خیر ہے اور اگر اسے کوئی مصیبت پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لئے خیر ہے۔ یہ کرم نوازی مومن کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں''(5)۔ حضرت مطرف فرمایا کرتے تھے کہ صابر و شاکر بندہ کتنا اچھا ہے کہ جب اسے کچھ عطا کیا جاتا ہے تو وہ شکر ادا کرتا ہے اور جب اس پر آزمائش آتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے(6)۔

وَ لَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْهِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ وَ مَا كَانَ لَهٗ

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 13-10
2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 86
3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 14
4۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 173
5۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد 2295، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 332, 333, 15/6
6۔ تفسیر طبری، جلد 33 صفحہ 87، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 694

عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ۭ وَرَبُّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿٢١﴾

''اور بے شک سچ کر دکھایا ان (ناشکروں) پر شیطان نے اپنا گمان سو وہ اس کی تابعداری کرنے لگے بجز مومنوں کے ایک گروہ کے (جو حق پر ڈٹا رہا) اور نہیں حاصل تھا شیطان کو ان پر ایسا قابو (کہ وہ بے بس ہوں) مگر یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ ہم دکھانا چاہتے تھے کہ کون آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور کون اس کے متعلق شک میں مبتلا ہے، اور (اے حبیب!) آپ کا رب ہر چیز پر نگہبان ہے''۔

قوم سبا اور اس قماش کے دوسرے لوگوں کے متعلق خبر دی جا رہی ہے جنہوں نے شیطان اور خواہشات نفسانی کی پیروی کی اور ہدایت کی ڈٹ کر مخالفت کی، ان کے متعلق فرمایا: وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت کی طرح ہے جس میں ابلیس نے انکار سجدہ کی پاداش میں راندۂ درگاہ ہو جانے پر کہا تھا: اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۡ لَىِٕنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل: 62) ''مجھے بتا، یہ جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے (اس کی وجہ کیا ہے) اگر تو مجھے روز قیامت تک مہلت دے تو میں اس کی اولاد کو جڑ سے اکھیڑ پھینکوں گا سوائے چند افراد کے''، اسی طرح اس نے کہا تھا: ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَاۗىِٕلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ (الاعراف: 17) ''پھر میں ضرور آؤں گا ان کے پاس ان کے آگے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں اور ان کے بائیں سے اور تو نہ پائے گا ان میں سے اکثر کو شکر گزار''۔ اس قسم کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حضرت حواء علیہا السلام سمیت جنت سے نیچے زمین پر اتارا تو اس وقت ابلیس خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا کیونکہ اسے مقصد میں کچھ کامیابی حاصل ہوئی تھی، کہنے لگا کہ جب ان پر میرا وار خطا نہیں گیا تو ان کی اولاد تو ان سے بھی بہت کمزور ہوگی۔ یہ ابلیس کا گمان تھا جس کے متعلق فرمایا: وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ ۔ اس وقت ابلیس نے کہا تھا کہ میں ابن آدم کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا، میں اسے سبز باغ دکھاتا رہوں گا، جھوٹی آرزوئیں دلاتا رہوں گا اور طرح طرح سے اسے فریب میں مبتلا رکھوں گا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! میں ابن آدم کے لئے موت کے غرغرے سے پہلے تک توبہ کا در کھلا رکھوں گا، وہ مجھ سے دعا کرے گا تو میں اس کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازوں گا، وہ مجھ سے مانگے گا تو میں اسے عطا کروں گا اور وہ مجھ سے استغفار کرے گا تو میں اسے بخش دوں گا(1)۔

فرمایا: وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول سلطان کا معنی حجت ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ شیطان کے بس میں نہ تھا کہ وہ انسانوں کو مارتا پیٹتا اور نہ ہی اسے یہ اختیار تھا کہ وہ انہیں کسی چیز کے ارتکاب پر زبردستی مجبور کرتا، صرف دھوکہ، فریب، وسوسہ اور جھوٹی امنگیں تھیں جن سے اس نے انہیں دعوت دی تو وہ اس کی اتباع کرنے لگے۔ فرمایا: اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ ... یعنی ہم نے ان پر شیطان کو اس لئے مسلط کیا تا کہ واضح ہو جائے کہ کون قیامت، حساب اور جزا پر ایمان رکھتے ہوئے اپنے رب کی عبادت کرتا ہے اور کون اس میں شک کا اظہار کرتا ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَرَبُّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ یعنی اس کی حفاظت اور نگہبانی کے باوجود وہ لوگ گمراہ ہو گئے جنہوں نے ابلیس کی اتباع کی اور اس کی نگرانی اور نگہبانی کے طفیل پیغمبروں کی فرمانبرداری کرنے والے اہل

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 695

ایمان سلامتی پا گئے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾

"آپ فرمایئے (اے مشرکو!) تم پکار دیکھو جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا معبود خیال کرتے ہو۔ یہ تو ذرہ برابر کے بھی مالک نہیں ہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کا زمین وآسمان میں کچھ حصہ ہے۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا ان میں سے کوئی مددگار ہے۔ اور نہ نفع دے گی سفارش اس کے ہاں مگر جس کے لئے اس نے اجازت دی ہو یہاں تک کہ جب دور کر دی جاتی ہے گھبراہٹ ان کے دلوں سے تو پوچھتے ہیں کیا ارشاد فرمایا تمہارے رب نے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس نے حق فرمایا ہے اور وہ بڑی شان والا سب سے بڑا ہے"۔

بیان کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد، اکیلا، یکتا اور بے نیاز ہے، وہی معبود حقیقی ہے، نہ کوئی اس کی نظیر ہے اور نہ کوئی اس کا شریک، نہ کوئی اس کا مدمقابل ہے اور نہ مخالف۔ وہی ہر چیز کا مالک ہے۔ فرمایا: قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ یعنی آپ انہیں فرما دیں کہ اے مشرکو! تم انہیں پکارو جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا معبود خیال کرتے ہو۔ یہ تو زمین وآسمان میں ذرہ برابر چیز کے بھی مالک نہیں جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ (فاطر: 13) "اور وہ (بت) جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا، وہ تو گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں"۔ مزید فرمایا: وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا یعنی ان معبودان باطلہ کو نہ تو مستقل کسی چیز کی ملکیت حاصل ہے اور نہ ہی بطور شراکت، اور ان میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کا مددگار بھی نہیں جو امور کی انجام دہی میں اس کی مدد کرے بلکہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی محتاج اور اس کے سامنے سرافگندہ ہے۔ پھر فرمایا: وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت، جلال اور کبریائی کے سامنے کسی کو جرأت نہ ہوگی کہ وہ اس کے ہاں اس کے اذن کے بغیر کسی کی شفاعت کرے جیسا کہ فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (البقرۃ: 255) "کون ہے جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے"، وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَرْضٰى (النجم: 26) "اور آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں جن کی شفاعت کسی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے اذن دے اور پسند فرمائے"۔ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ (الانبیاء: 28) "اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کے لئے جسے وہ پسند فرمائے اور وہ اس کے خوف سے ڈر رہے ہیں"۔ تمام اولاد آدم کے سردار اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑے شفیع حضرت محمد ﷺ مقام محمود پر کھڑے ہو کر تمام مخلوق کی شفاعت کریں گے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے فیصلے کرنے کے لئے تشریف لائے تو اس کے بارے میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: "میں اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا، جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا، میں سجدہ میں ہی پڑا رہوں گا اور اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی ایسی تعریفیں القا فرمائے گا جن کا میں اب احاطہ نہیں کر سکتا۔ پھر کہا جائے گا: اے محمد ﷺ! اپنا

سر اٹھاؤ، کہو تمہاری بات سنی جائے گی، مانگو تمہیں عطا کیا جائے گا اور شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی"(1)۔ فرمایا: حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ ۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا بیان ہو رہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی وحی کے ساتھ کلام فرماتا ہے تو آسمان کے فرشتے اسے سن کر ہیبت سے کانپ اٹھتے ہیں اور ان پر غشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ اور سراسیمگی دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے دریافت کرتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ چنانچہ حاملین عرش اپنے پاس والے فرشتوں کو اس وحی سے آگاہ کرتے ہیں اور وہ اپنے سے نیچے والے فرشتوں کو خبر کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ خبر آسمان دنیا کے فرشتوں تک پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے فرمایا: قَالُوا الْحَقَّ یعنی وہ اس فرمان کو بغیر کمی بیشی کئے پہنچا دیتے ہیں۔ فزع کی دوسری قرأت فُرِّغَ ہے(2)۔ یہ دونوں ہم معنی ہیں۔ دوسرے حضرات اس فرمان حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ ۔ کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد مشرکین ہیں، نزع کے وقت اور قیامت کے دن ان کی یہ کیفیت ہوگی، جب وہ اپنی غفلت سے بیدار ہوں گے اور قیامت کے دن ان کے ہوش و حواس ٹھکانے آئیں گے تو اس وقت وہ چونک کر پوچھیں گے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ انہیں جواب ملے گا کہ حق فرمایا اور انہیں اس حقیقت سے آگاہ کر دیا جائے گا جس سے وہ دنیا میں غافل اور لاپرواہ تھے۔ مجاہد اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن جب ان کے دلوں سے پردہ اٹھا دیا جائے گا۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے دلوں سے شک اور تکذیب کو دور کر دیا جائے گا۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ شیطان اور اس کے وسوسے دلوں سے دور ہو جائیں گے۔ ایسا موت کے وقت ہوتا ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ربوبیت کا اقرار کر لیتے ہیں لیکن اس وقت کا اقرار کچھ نفع نہیں پہنچاتا(3)۔ ابن جریر نے پہلے قول کو پسند کیا ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں اور یہی حق ہے جس میں کوئی شک نہیں کیونکہ احادیث و آثار سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ امام بخاری اس آیت کریمہ کی تفسیر کے تحت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے اس فرمان کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے پر جھکا لیتے ہیں، کلام الٰہی اس طرح واقع ہوتا ہے جیسے پتھر پر زنجیر لگنے کی آواز۔ جب ان کے دلوں سے خوف و ہراس دور ہوتا ہے تو وہ پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا کہا؟ جواب ملتا ہے کہ حق فرمایا ہے اور وہ بہت بلند اور سب سے بڑا ہے۔ بعض اوقات چوری چھپے سننے والے جنات اسے سن لیتے ہیں۔ یہ جنات تہہ بہ تہہ ایک دوسرے کے اوپر ہوتے ہیں۔ اوپر والا کوئی بات سن کر اپنے سے نیچے والے جن کو بتا دیتا ہے، پھر وہ اپنے سے نیچے والے کو یہاں تک کہ وہ کسی ساحر یا کاہن تک وہ بات پہنچا دیتے ہیں۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ وہ بات نیچے پہنچانے سے پہلے ہی شہاب ثاقب اس جن کو آ دبوچتا ہے اور بعض اوقات وہ شہاب ثاقب کی زد میں آنے سے پہلے ہی وہ بات نیچے القا کر دیتا ہے۔ ساحر یا کاہن اس بات کے ساتھ سو جھوٹ ملا کر لوگوں کو بتا دیتا ہے۔ جب وہ بات سچی ثابت ہوتی ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ کیا اس نے فلاں فلاں دن ہمیں یہ یہ نہیں کہا تھا؟ چنانچہ آسمان سے سنی ہوئی بات کی وجہ سے ہر بات میں اس کی تصدیق کی جاتی ہے"(4)۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی اثناء میں ایک ستارا گرا اور زبردست روشنی نمودار ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب زمانۂ جاہلیت میں ایسا ہوتا تو تم کیا خیال کیا کرتے تھے؟" صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ ایسے موقع پر ہم یہ خیال کرتے تھے کہ یا تو کوئی عظیم آدمی پیدا ہوا ہے یا مرا ہے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا

1۔ دیکھئے احادیث شفاعت کے لئے تفسیر سورۂ بنی اسرائیل: 79

2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 93، البحر المحیط، جلد 7 صفحہ 287

3۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 92

4۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ سبا، جلد 6 صفحہ 152، سنن ابی داؤد، کتاب الحروف والقراءات، جلد 4 صفحہ 34-35 وغیرہ

کہ کیا جاہلیت میں ستارے ٹوٹتے تھے؟ فرمایا: ہاں اور حضور علیہ السلام کی بعثت کے وقت تو یہ سلسلہ اور بڑھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ستاروں کے جھڑنے کا کسی کی موت وحیات سے کوئی تعلق نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو حاملین عرش تسبیح کرتے ہیں، پھر ان کے نیچے (ساتویں) آسمان کے فرشتے تسبیح کہتے ہیں یہاں تک کہ آسمان دنیا تک یہ تسبیح پہنچ جاتی ہے۔ پھر آسمان کے فرشتے عرش کے اٹھانے والے فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ وہ انہیں بتلاتے ہیں، پھر ہر آسمان کے فرشتے اپنے سے نیچے والے آسمان کے فرشتوں کو خبر کرتے ہیں یہاں تک کہ پہلے آسمان تک یہ خبر پہنچ جاتی ہے، کبھی کبھی جنات اس خبر کو اچک لیتے ہیں اور نیچے زمین پر پہنچادیتے ہیں۔ جو خبر وہ من وعن بتاتے ہیں وہ حق ہے لیکن وہ عموماً اس میں اضافہ کر کے لوگوں میں پھیلا دیتے ہیں" (1)۔ ابن ابی حاتم میں حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب اللہ تبارک وتعالیٰ کسی امر کی وحی کا ارادہ فرماتا ہے تو وحی کے ساتھ کلام کرتا ہے، جب وہ کلام کرتا ہے تو خوف الٰہی کی وجہ سے آسمان لرزنے لگتے ہیں۔ جب آسمان کے فرشتے اسے سنتے ہیں تو وہ بے ہوش ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر جاتے ہیں۔ سب سے پہلے جبریل علیہ السلام اپنا سر اٹھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی وحی سے آگاہ فرماتا ہے۔ جبریل علیہ السلام اسے فرشتوں تک پہنچادیتے ہیں۔ وہ جس آسمان سے گزرتے ہیں، اس کے فرشتے ان سے پوچھتے ہیں کہ اے جبریل علیہ السلام! ہمارے رب نے کیا فرمایا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ حق فرمایا اور وہ بہت بلند اور ہر ایک سے بڑا ہے۔ پھر فرشتے بھی یہی کہتے ہیں۔ بالآخر جبریل علیہ السلام اس وحی کو زمین وآسمان میں اس جگہ پہنچا دیتے ہیں جہاں انہیں حکم ہوتا ہے" (2)۔ حضرات ابن عباس اور قتادہ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ وحی ہے جس کا آغاز حضرت محمد ﷺ سے آپ کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان انقطاع وحی کا زمانہ گزرنے کے بعد ہوا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ بھی اس آیت میں داخل ہے۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قُلْ لَّا تُسْـَٔـلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔـلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۭ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ۝ قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَاۗءَ كَلَّا ۭ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

"آپ فرمائیے کون روزی دیتا ہے تمہیں آسمانوں اور زمین سے۔ خود ہی فرمائیے اللہ۔ اور ہم یا تم (دونوں میں سے ایک) ہدایت پر ہے اور (دوسرا) کھلی گمراہی میں ہے۔ فرمائیے تم سے باز پرس نہیں ہوگی ان جرموں کی جو ہم نے کئے اور نہ ہم سے باز پرس ہوگی تمہارے کرتوتوں کی۔ فرمائیے ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا پھر وہ فیصلہ کرے گا ہمارے درمیان حق (و انصاف) کے ساتھ۔ وہی بہترین فیصلہ کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ فرمائیے مجھے بھی دکھاؤ تو وہ شریک جنہیں تم نے اللہ کے ساتھ ملا دیا ہے، ہرگز نہیں بلکہ فقط وہی اللہ ہے جو زبردست بڑا دانا ہے"۔

اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو پختہ اور ثابت کر رہا ہے کہ تخلیق میں، رزق بہم پہنچانے میں اور الوہیت میں منفرد ہے۔ جیسا کہ یہ لوگ اقرار

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 218۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، جلد 4، صفحہ 1750، حدیث 124 وغیرہ

2۔ تفسیر طبری، جلد 22، صفحہ 91

کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی آسمان سے بارش برسا کر اور زمین میں کھیتیاں اگا کر ان کے رزق کا بندوبست کرتا ہے، اسی طرح انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس کے سوا کوئی معبود بھی نہیں۔ اس فرمان وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ ۔ میں لف ونشر ہے یعنی فریقین میں سے ایک ہدایت یافتہ ہے اور دوسرا گمراہ۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ دونوں فریق ہدایت پر ہوں یا دونوں گمراہی پر، بلکہ ہم میں سے ایک فریق ہدایت یافتہ ہے اور چونکہ ہم نے توحید پر دلیل قائم کردی ہے، اس لئے ثابت ہوا کہ تمہاری مشرکانہ روش باطل ہے۔ پس ہم یقیناً ہدایت پر ہیں اور تم یقیناً گمراہی میں۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے مشرکین سے یہ بات کہی تھی کہ ہمارا اور تمہارا معاملہ یکساں نہیں بلکہ ہم میں سے ایک فریق ہدایت یافتہ ہے(1)۔ عکرمہ اور زیاد بن ابی مریم اس کا یہ معنی بتاتے ہیں کہ بے شک ہم ہدایت پر ہیں اور تم کھلی گمراہی میں۔ اس کے بعد فرمایا: قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ اس آیت سے مقصود ان مشرکین سے اظہار برات ہے یعنی ہمارا تمہارا کوئی تعلق نہیں بلکہ ہم تمہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور صرف اسی کی عبادت کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر تم نے اسے قبول کرلیا تو تم ہمارے ہو اور ہم تمہارے اور اگر تم نے تکذیب کی تو ہم تم سے بری الذمہ ہیں اور تم ہم سے بری الذمہ جیسے کہ فرمایا: وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (یونس:41) ”اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو فرمادیں میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے تم اس سے بری الذمہ ہو جو میں کرتا ہوں اور میں اس سے بری الذمہ ہوں جو تم کرتے ہو“۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ (الکافرون:6-1)۔ پھر فرمایا: قُلْ يَجْمَعُ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام مخلوقات کو ایک وسیع میدان میں جمع فرمائے گا پھر ہمارے درمیان حق اور عدل کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا اور ہر ایک کو اچھے برے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ابدی عزت، نصرت اور سعادت کس کے حصہ میں آتی ہے جیسا کہ فرمایا: وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ۔ فَاُولٰٓىِٕكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ (الروم:16-14)، اس لئے فرمایا: وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ یعنی وہی عادل حاکم اور امور کے حقائق کو جاننے والا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ ۔ یعنی مجھے وہ معبود دکھاؤ جنہیں تم اللہ تعالیٰ کا مدمقابل اور ہمسر ٹھہراتے ہو۔ ہرگز نہیں، نہ اس کا مثیل ہے، نہ مدمقابل، نہ شریک اور نہ ہمسر، بلکہ وہ واحد اور یکتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور وہی ہر چیز پر غالب اور اپنے اقوال، افعال، شرعی احکام اور قضاء وقدر میں حکیم ہے اور وہ مشرکین کی ہر قسم کی برائیوں سے منزہ اور بالا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ۝

”اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام انسانوں کی طرف بشیر اور نذیر بنا کر، لیکن (اس حقیقت کو) اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور وہ کہتے ہیں کب پورا ہوگا یہ وعدہ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو۔ فرمائیے (اے منکرو!) تمہارے لئے وعدہ کا دن مقرر ہے نہ تم اس سے ایک لحہ پیچھے ہٹ سکو گے اور نہ (ایک لحہ) آگے بڑھ سکو گے“۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ ہم نے آپ کو تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے جیسے کہ فرمایا: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَۨا (الاعراف:158) ”فرمائیے! اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول

1۔ تفسیر طبری، جلد 22، صفحہ 93

ہوں'' تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا (الفرقان:1) ''بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اپنے خاص بندہ پر الفرقان نازل فرمایا تا کہ وہ جہان والوں کے لئے ڈرانے والا بن جائے''۔ فرمایا: بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا یعنی آپ اس شخص کو جنت کی بشارت دیں جو آپ کی اطاعت کرتا ہے اور اس شخص کو آگ سے ڈرائیں جو آپ کی نافرمانی کرتا ہے۔ پھر فرمایا: وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ اور مقامات پر فرمایا: وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ (یوسف:103) ''اور نہیں ہیں اکثر لوگ، خواہ آپ کتنا ہی چاہیں، ایمان لانے والے'' وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (الانعام:117) ''اور اگر تو اطاعت کرے اکثر لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے''۔ محمد بن کعب اس آیت کا معنی بیان کرتے ہیں کہ آپ کو عام لوگوں کی طرف رسول مبعوث کیا گیا(1)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عرب و عجم سب کی طرف آپ کو مبعوث فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ اس کا مطیع ہے(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو تمام آسمان والوں اور پیغمبروں پر فضیلت دی ہے۔ لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ پیغمبروں میں آپ کو کس چیز میں فضیلت حاصل ہے؟ فرمایا: سنو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ (ابراہیم:4) ''اور ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو مگر اس قوم کی زبان کے ساتھ تا کہ وہ ان کے لئے کھول کر بیان کرے''۔ اور نبی کریم ﷺ کے لئے فرمایا: وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام جن وانس کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے موقف کی تائید حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے پانچ ایسی خصوصیات سے نوازا گیا ہے جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں: ایک مہینے کی مسافت پر رعب سے میری مدد کی گئی، میرے لئے تمام روئے زمین کو مسجد اور باعث طہارت بنا دیا گیا، میری امت میں سے جس شخص کو جہاں کہیں نماز کا وقت آ جائے، وہ اسی جگہ نماز پڑھ لے، میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا حالانکہ مجھ سے پہلے یہ کسی کے لئے حلال نہیں ہوا، مجھے شفاعت عطا کی گئی اور ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا لیکن مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے''(3)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ''مجھے سیاہ اور سرخ کی طرف بھیجا گیا ہے(4)۔ بقول مجاہد اس سے مراد جن وانس ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد عرب و عجم ہیں۔ کفار وقوع قیامت کو محال سمجھتے تھے، ان کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا: وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ یہ اس فرمان کی طرح ہے: یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ (الشوریٰ:18) ''اس کے لئے وہ لوگ جلدی مچاتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اس سے خوفزدہ رہتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے''۔ پھر فرمایا: قُلْ لَّكُمْ مِّیْعَادُ یَوْمٍ یعنی تمہارے لئے وعدہ کا ایک دن مقرر ہے جس میں کمی بیشی ممکن نہیں۔ جب وقت مقررہ آ جائے گا تو پھر ایک گھڑی کی بھی تقدیم و تاخیر نہیں ہوگی جیسا کہ فرمایا: اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ (نوح:4) ''بلاشبہ اللہ کا مقررہ وقت جب آ جاتا ہے تو اسے موخر نہیں کیا جا سکتا''۔ وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ؕ یَوْمَ یَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّ سَعِیْدٌ (ہود:104-105)۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ ؕ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 72
2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 96
3۔ صحیح البخاری، کتاب التیمم، جلد 1 صفحہ 435-436، صحیح مسلم، کتاب المساجد 370-371
4۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد: 370-371

الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚۖ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ اِۨلْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ
اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا
لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ
مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ
تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۭ وَ
جَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

''کفار (اب تو) کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اس قرآن پر اور نہ ان کتابوں پر جو اس سے پہلے نازل ہوئیں۔ کاش! تم (وہ منظر) دیکھو جب یہ ظالم کھڑے کئے جائیں گے اپنے رب کے روبرو۔ اس وقت یہ ایک دوسرے پر الزام دھریں گے۔ کہیں گے وہ لوگ جو (دنیا میں) کمزور سمجھے جاتے تھے ان سے جو بڑے بنا کرتے تھے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایماندار ہوتے۔ جواب دیں گے متکبران کمزوروں کو کیا ہم نے تمہیں روکا تھا ہدایت (قبول کرنے) سے جب (نور ہدایت) تمہارے پاس آیا تھا، درحقیقت تم خود مجرم تھے۔ کہیں گے وہ کمزور لوگ ان مغروروں سے (یوں نہیں) بلکہ تمہارے شب و روز کے مکروفریب نے ہمیں ہدایت سے باز رکھا جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کو ماننے سے انکار کر دیں اور (بتوں کو) اس کا ہمسر بنائیں۔ اور دل ہی دل میں پچھتائیں گے جب دیکھیں گے عذاب کو۔ اور ہم ڈال دیں گے طوق ان لوگوں کی گردنوں میں جنہوں نے کفر کیا (خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے) کیا انہیں بدلہ دیا جائے گا بجز اس کے جو وہ کیا کرتے تھے''۔

قرآن کریم اور قیامت کا انکار کرنے پر کفار کی ہٹ دھرمی، عناد اور سرکشی کو بیان کیا جا رہا ہے، فرمایا: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا انہیں دھمکی آمیز انداز میں خبردار کیا جا رہا ہے کہ قیامت کے دن ان کی حالت دیدنی ہوگی جب وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے فرط ندامت سے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہوں گے۔ ان کی اس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ وہ ایک دوسرے پر الزام دھریں گے اور وہ چھوٹے لوگ جنہیں دنیا میں کمزور سمجھا جاتا تھا اور وہ اپنے بڑوں کی کورانہ تقلید کیا کرتے تھے، وہ اپنے بڑوں اور سرداروں سے کہیں گے کہ اگر تم نے ہمیں راہ راست سے برگشتہ نہ کیا ہوتا تو ہم ضرور پیغمبروں کی اتباع کرتے اور ان کی رسالت پر ایمان لے آتے۔ ان کے متکبر رؤساء اور سردار انہیں جواب دیں گے: اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ یعنی ہم نے تو صرف اتنا کام کیا کہ تمہیں گمراہی کی دعوت دی اور تم نے بغیر کسی دلیل و حجت کے اسے قبول کر لیا حالانکہ ہماری دعوت کسی دلیل پر مبنی نہ تھی اور تم نے اپنی خواہش اور اختیار سے پیغمبروں کے دلائل کو ٹھکرا دیا، اس لئے سراسر جرم تمہارا اپنا ہے۔ وہ کمزور لوگ اپنے متکبر رؤساء سے کہیں گے کہ تمہارے شب و روز کے مکروفریب ہمیں لے ڈوبے۔ تم دھوکے بازی کرتے ہوئے ہمیں سہانے سپنے دکھاتے تھے اور ہمیں یہ باور کرایا کرتے تھے کہ ہم ہی ہدایت پر ہیں حالانکہ یہ سب کچھ باطل اور جھوٹ تھا۔ تم اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر کے ہمیں گمراہ کیا کرتے تھے اور یہ حکم دیا کرتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا انکار کر دیں اور دیگر معبودوں کو اس کا ہمسر ٹھہرائیں۔ قیامت کے دن ان کی اس وقت کی کیفیت کو بیان

کرتے ہوئے فرمایا: وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ یعنی یہ دونوں فریق جب عذاب کو دیکھ لیں گے تو دل ہی دل میں اپنے کئے پر پچھتائیں گے اور ہم کفار کے ہاتھوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ ملا کر طوق اور زنجیروں سے جکڑ دیں گے اور ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا۔ گمراہ کرنے والے سرداروں کو اپنے کرتوتوں کے مطابق اور ان کی پیروی کرنے والے چھوٹے لوگوں کو ان کی سیاہ کاریوں کے مطابق سزا ملے گی۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب جہنمیوں کو ہانک کر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا تو اس کا ایک ہی شعلہ انہیں جھلسا کر رکھ دے گا اور تمام گوشت پاؤں پر آ گرے گا۔" حسن بن یحییٰ خشنی فرماتے ہیں کہ جہنم کے ہر قید خانے، ہر غار، ہر طوق، ہر بیڑی اور ہر زنجیر پر جہنمی کا نام لکھا ہوا ہے۔ جب یہ بات ابوسلیمان دارانی کے سامنے بیان کی گئی تو وہ زار و قطار رونے لگے، پھر فرمانے لگے کہ ہائے! اس کا کیا حال ہوگا جس پر یہ سب عذاب جمع ہو گئے۔ پیروں میں بیڑیاں، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور گردن میں زنجیر، پھر آگ اور جہنم کا غار؟ یا اللہ! ہمیں سلامت رکھنا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۳۵﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾

"اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا مگر یہ کہ (برملا) کہہ دیا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے ہم اس (دین) کا جو دے کر تم بھیجے گئے ہو انکار کرتے ہیں۔ اور کہتے (تم کون ہو ہمیں ڈرانے والے) ہمارا مال بھی (تم سے) زیادہ ہے اور اولاد بھی۔ اور ہمیں عذاب نہیں دیا جا سکتا۔ آپ فرمائیے بے شک میرا رب کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لئے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لئے چاہتا ہے) لیکن اکثر لوگ (ان حکمتوں کو) نہیں جانتے۔ اور (یاد رکھو) نہ تمہارے اموال اور نہ ہی تمہاری اولاد ایسی چیزیں ہیں جو تمہیں ہمارا قرب بخش دیں۔ مگر جو ایمان لایا اور نیک عمل کرتا رہا (اسے ہی ہمارا قرب نصیب ہوگا)۔ پس یہی لوگ ہیں جن کے لئے دوگنا صلہ ہے ان کے عملوں کا اور وہ بالا خانوں میں امن و امان سے رہیں گے۔ اور جو لوگ کوشاں ہیں ہماری آیتوں کی تکذیب میں تاکہ ہمیں ہرا دیں وہی لوگ عذاب میں ہمیشہ گرفتار رہیں گے۔ آپ فرمائیے بے شک میرا پروردگار کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لئے چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور تنگ کر دیتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے، اور جو چیز تم خرچ کرتے ہو تو وہ اس کی جگہ اور دے دیتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے اور گزشتہ پیغمبروں کے اسوہ کو اپنانے کا حکم دیتے ہوئے اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ آپ سے پہلے جس بستی میں جو بھی رسول مبعوث ہوا، وہاں کے خوشحال لوگوں نے اس کی تکذیب کی اور کمزور لوگوں نے اس کی اتباع کی

جیسا کہ قوم نوح علیہ السلام نے کہا تھا: اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ (الشعراء: 111) ”کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں حالانکہ تمہاری پیروی صرف گھٹیا لوگ کر رہے ہیں“۔ وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ (ہود: 27) ”ہم نہیں دیکھتے تمہیں کہ پیروی کرتے ہوں تمہاری مگر وہ لوگ جو ہم میں حقیر و ذلیل (اور) ظاہر بین ہیں“۔ قوم صالح علیہ السلام کے اکابر نے کمزور سمجھے جانے والے اہل ایمان سے کہا تھا: اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ (الاعراف: 75-76) ”کیا تم یقین رکھتے ہو کہ صالح علیہ السلام اپنے رب کی طرف سے رسول ہے۔ انہوں نے کہا بے شک ہم اس پر ایمان لانے والے ہیں جسے دے کر انہیں بھیجا گیا ہے، وہ لوگ کہنے لگے جو تکبر کیا کرتے تھے کہ ہم تو اس چیز کے منکر ہیں جس پر تم ایمان لائے ہو“۔ دیگر مقامات پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّیَقُوْلُوْۤا　بِالشّٰكِرِیْنَ (الانعام: 53)، وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِیْهَا لِیَمْكُرُوْا فِیْهَا (الانعام: 124)، وَ اِذَاۤ اَرَدْنَاۤ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْیَةً　فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِیْرًا (بنی اسرائیل: 16) ”اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو وہاں کے رئیسوں کو (نیکی کا) حکم دیتے ہیں مگر وہ نافرمانی کرنے لگتے ہیں اس میں پس ان پر واجب ہو جاتا ہے (عذاب کا) فرمان، پھر ہم اس بستی کو جڑ سے اکھیڑ کر رکھ دیتے ہیں“۔ اور یہاں فرمایا: وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ　یعنی ہم نے جس بستی میں کوئی نبی یا رسول بھیجا، وہاں کے خوشحال، جاہ و حشمت والے اور شریر رؤساء نے کہا کہ ہم اس پیغمبر پر نہ ایمان لاتے ہیں اور نہ اس کی اتباع کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو رزین بیان کرتے ہیں کہ دو آدمی آپس میں شریک تھے۔ ان میں سے ایک سمندر پار چلا گیا اور دوسرا وہیں رہا۔ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو اس شخص نے بذریعہ خط اپنے ساتھی سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ کے کیا حالات ہیں؟ اس نے جواباً لکھا کہ قریش کے شرفاء نے تو آپ کی اتباع نہیں کی البتہ قوم کے مسکین اور گھٹیا لوگ ان کی پیروی کر رہے ہیں۔ اس شخص نے کاروبار کو خیرباد کہا اور پھر اپنے ساتھی کے پاس پہنچ کر کہنے لگا کہ مجھے حضور ﷺ کا پتہ بتاؤ۔ یہ شخص آسمانی کتابوں کا علم رکھتا تھا۔ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے دریافت کرنے لگا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ فرمایا: ”میں فلاں فلاں چیز کی دعوت دیتا ہوں“۔ اس نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے اس سے دریافت کیا کہ تمہیں کیسے اس کا علم ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ جو بھی نبی مبعوث ہوا، پہلے پہل اس کی اتباع کرنے والے ہمیشہ کمتر اور مسکین لوگ ہی ہوا کرتے تھے۔ اس وقت یہ آیت وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ　نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے اس شخص کو پیغام بھیجا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بات کی تصدیق کر دی ہے۔ اسی طرح ہرقل اور ابوسفیان کے درمیان ہونے والی بات چیت میں ہرقل نے حضور ﷺ کے متعلق یہ سوال بھی کیا تھا کہ قوم کے ضعیف لوگ آپ کی پیروی کر رہے ہیں یا بڑے لوگ؟ اس کے جواب میں جب ابوسفیان نے کہا کہ ضعیف لوگ آپ کے پیروکار ہیں تو ہرقل نے کہا کہ ایسے لوگ ہی رسولوں کے ابتدائی پیروکار ہوتے ہیں(1)۔ جھٹلانے والے صاحب ثروت لوگوں کے متعلق فرمایا: وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ　یعنی یہ لوگ مال و اولاد کی کثرت پر گھمنڈ کرتے ہوئے یہ یقین رکھتے کہ یہ انعام ان کے محبوب خدا ہونے کی دلیل ہے، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ دنیا میں انہیں اپنی سعادت سے نوازے اور پھر آخرت میں عذاب میں مبتلا کر دے، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِیْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ (المومنون: 55-56) ”کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مال و اولاد سے امداد کر رہے ہیں تو ہم انہیں بھلائیاں

1۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، جلد 1 صفحہ 4، صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 1395

پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں بلکہ وہ (حقیقت سے) بے خبر ہیں''۔ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۔ وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ (التوبہ: 55) ''سو تمہیں ان کے مال اور ان کی اولاد تعجب میں نہ ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ انہیں دنیاوی زندگی میں ان چیزوں سے عذاب دے اور ان کا سانس اس حال میں نکلے کہ وہ کافر ہوں''۔ ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا (المدثر: 11-17) اور قرآن کریم میں دو باغات کے مالک کا بھی قصہ بیان کیا گیا ہے جس کے پاس اولاد، مال، دولت اور پھل بکثرت تھے لیکن یہ چیزیں اسے عذاب الٰہی سے نہ بچا سکیں بلکہ یہ سب کچھ دنیا میں ہی سلب کر لیا گیا، اس لئے فرمایا: قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو بھی مال عطا فرماتا ہے اور دشمنوں کو بھی، وہ جسے چاہے فقیر بنا دیتا ہے اور جسے چاہے غنی کر دیتا ہے، ہر چیز میں خاص حکمت اور قطعی حجت مضمر ہے لیکن اکثر لوگ اس راز کو نہیں جانتے۔ پھر فرمایا: وَمَآ اَمْوَالُكُمْ یعنی تمہارے مال اور تمہاری اولاد اس بات کی دلیل نہیں کہ تمہیں ہمارا قرب اور ہماری محبت حاصل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے'' (1)۔ اس لئے فرمایا: اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا یعنی ایمان اور اعمال صالحہ ہی ایسی چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بنتی ہیں۔ ایمان لانے والے اور اعمال صالحہ بجا لانے والے ہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے ان کے اعمال کی کئی گنا جزا ہے، انہیں ایک نیکی کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک عطا ہوگا اور وہ جنت کے بالا خانوں میں ہر خوف، تکلیف اور شر سے محفوظ ہوں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا ظاہر باطن سے اور باطن ظاہر سے دکھائی دے گا''۔ ایک اعرابی نے پوچھا کہ یہ کس کے لئے ہیں؟ فرمایا: اس شخص کیلئے جو پاکیزہ گفتگو کرے، کھانا کھلائے، ہمیشہ روزے رکھے اور رات کو نماز تہجد پڑھے جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں''۔ فرمایا: وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا یعنی وہ لوگ جو دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے، اس کے پیغمبروں کی اتباع سے اور اس کی آیات کی تصدیق سے باز رکھنے میں کوشاں رہتے ہیں، ان سب کو جہنم میں ان کے اعمال کی پوری پوری سزا دی جائے گی۔ اگلی آیت میں فرمایا: قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق جسے صرف وہی جانتا ہے، کسی کو فراخ رزق عطا فرماتا ہے اور کسی کے رزق میں تنگی کر دیتا ہے جیسا کہ فرمایا: اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا (بنی اسرائیل: 21) ''دیکھو! کیسے ہم نے بعض کو بعض پر بزرگی دی ہے اور آخرت باعتبار درجوں کے سب سے بڑی اور باعتبار فضل و کرم سب سے اعلیٰ ہے''۔ یعنی جس طرح دنیا میں فقر و غنا کے اعتبار سے ان میں تفاوت ہے، اسی طرح آخرت میں بھی درجات و درکات کے لحاظ سے تفاوت ہوگا۔ مومن جنت میں اعلیٰ درجہ کے بالا خانوں میں براجمان ہوں گے اور کافر جہنم کی پستیوں میں غوطے کھا رہے ہوں گے۔ حضور ﷺ دنیا میں سب سے اچھے شخص کے متعلق فرماتے ہیں: ''وہ شخص فلاح پا گیا جس نے صدق دل سے اسلام قبول کیا، اسے بقدر کفایت روزی عطا ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی عطا پر اس نے قناعت کر لی'' (2)۔ فرمایا: وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق جو مباح چیز تم خرچ کرو گے دنیا میں اس کا تمہیں بدل عطا ہوگا اور آخرت میں اجر و ثواب جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: خرچ کرو، تم پر خرچ کیا جائے گا'' (3)۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ ہر صبح دو فرشتے آتے ہیں، ان میں سے ایک کہتا ہے: ''اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا'' یعنی اے اللہ!

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1987؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1388 2۔ صحیح مسلم، جلد 3 صفحہ 102

3۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ ہود، جلد 6 صفحہ 93؛ صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، جلد 2 صفحہ 690-691

بخیل کے مال کو تلف کر۔ دوسرا فرشتہ یہ دعا مانگتا ہے: "اَللّٰھُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا" یعنی اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدلہ عطا فرما (1)۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے بلال! خرچ کرو اور عرش والے سے قلت کا اندیشہ نہ رکھو (2)۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "خبردار! تمہارے اس زمانہ کے بعد کاٹ کھانے والا سخت زمانہ آئے گا جس میں مالدار آدمی خرچ کرنے کے خوف سے اپنے مال پر دانت گاڑ لے گا"۔ پھر آپ ﷺ نے وَمَآ اَنْفَقْتُمْ والی آیت تلاوت کی۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: "بدترین لوگ وہ ہیں جو مجبور اور بے بس لوگوں کے ساتھ (سستے داموں) بیع کرتے ہیں، خبردار! مجبور لوگوں کی بیع حرام ہے، خبردار! مجبور لوگوں کی بیع حرام ہے۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اگر ممکن ہو تو اپنے بھائی سے ساتھ نیکی کرو ورنہ اس کی ہلاکت میں اضافہ نہ کرو (3)۔ اس سند سے یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس آیت کے متعلق غلط فہمی کا شکار نہ ہونا۔ جب تم میں سے کسی کے پاس مال ہو تو وہ میانہ روی اختیار کرے کیونکہ رزق تقسیم ہو چکا ہے (4)۔

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۝ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ وَ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝

"اور جس روز وہ ان سب کو جمع کرے گا، پھر فرشتوں سے پوچھے گا کیا یہ لوگ تمہاری پوجا کیا کرتے تھے؟ فرشتے عرض کریں گے تو پاک ہے ہر شرک سے، ہمارا مالک تو ہے ہمارا ان سے کیا واسطہ، بلکہ یہ تو جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر ان پر ایمان رکھتے تھے۔ پس آج تم میں سے کوئی ایک دوسرے کو نہ نفع پہنچانے کی قدرت رکھتا ہے اور نہ نقصان کی۔ اور ہم کہیں گے جنہوں نے ظلم کیا تھا کہ چکھو آتش (جہنم) کا عذاب جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے"۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مشرکین کو سر عام شرمندہ اور لاجواب کرنے کے لئے فرشتوں سے سوال کرے گا جن کی صورتوں جیسے خود ساختہ بتوں کی یہ عبادت کیا کرتے تھے تاکہ وہ ان کے لئے قرب الٰہی کا ذریعہ بنیں، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھا گا: اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ یعنی کیا تم نے انہیں اپنی عبادت کا حکم دیا تھا جیسا کہ سورۂ فرقان میں ہے: ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ (الفرقان: 17) "کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا یا وہ خود ہی سیدھی راہ سے بھٹک گئے تھے"۔ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا: ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ (النساء: 118-117) اسی طرح فرشتے جواب دیں گے: سُبْحٰنَكَ ... یعنی تو اس سے پاک اور برتر ہے کہ تیرے ساتھ کوئی اور معبود ہو۔ ہم تیرے فرمانبردار بندے ہیں اور ان سے ہم بیزار ہیں بلکہ یہ تو شیاطین کی پوجا کیا کرتے تھے کیونکہ انہوں نے ہی ان کے لئے بت پرستی کو آراستہ کیا تھا اور اس طرح انہیں گمراہی میں ڈال دیا۔ ان میں سے اکثر شیطان پر ایمان رکھتے تھے جیسا کہ فرمایا: اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۙ لَّعَنَهُ اللّٰهُ (النساء: 118-117) "یہ مشرک عبادت نہیں کرتے اللہ کے سوا مگر دیویوں

1۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 142۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 700
2۔ صحیح الجامع الصغیر، جلد 2 صفحہ 34
3۔ المطالب العالیہ ابن حجر، کتاب البیوع، باب السلم، جلد 1 صفحہ 404
4۔ تفسیر البغوی، جلد 3 صفحہ 561

ی، اور نہیں عبادت کرتے مگر سرکش شیطان کی، اس پر اللہ نے لعنت کی ہے"۔ فرمایا: فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ یعنی بتوں کے ساتھ جو نفع تم نے وابستہ کر رکھا تھا اور جن تکالیف کے ازالہ کے لئے تم ان کی پرستش کیا کرتے تھے، وہ مقصد آج تمہیں ان سے حاصل نہیں ہوگا کیونکہ آج یہ تمہارے لئے کسی نفع ونقصان کے مالک نہیں۔ اس دن مشرکین کو بطور زجر وتوبیخ حکم ہوگا: ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا رَجُلٌ يُرِيدُ أَنْ يَصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُكُمْ ۖ وَقَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا إِفْكٌ مُفْتَرًى ۚ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿٤٣﴾ وَمَا آتَيْنَاهُمْ مِنْ كُتُبٍ يَدْرُسُونَهَا ۖ وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَذِيرٍ ﴿٤٤﴾ وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوا مِعْشَارَ مَا آتَيْنَاهُمْ فَكَذَّبُوا رُسُلِي ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٤٥﴾

"اور جب پڑھ کر سنائی جاتی ہیں انہیں ہماری آیتیں درآنحالیکہ وہ بالکل واضح ہیں کہتے ہیں نہیں ہے یہ مگر ایسا شخص جس نے ارادہ کر لیا ہے کہ روک دے تمہیں ان (معبودوں) سے جن کی تمہارے باپ دادا پوجا کیا کرتے تھے، نیز کہتے ہیں نہیں ہے یہ قرآن مگر جھوٹ گھڑا ہوا۔ اور کفار کہتے ہیں حق کے بارے میں جب وہ ان کے پاس آیا، کہ نہیں ہے مگر یہ جادو کھلا کھلا۔ اور نہ ہی ہم نے انہیں کوئی کتابیں دیں جن کا یہ مطالعہ کرتے ہوں اور نہ ہی ہم نے بھیجا ان کی طرف آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا۔ اور (انبیاء کی) تکذیب کی جو ان سے پہلے گزرے۔ اور یہ (کفار مکہ) نہیں پہنچے دسویں حصہ کو بھی جو (قوت دبدبہ) ہم نے ان کو دیا تھا پس جب انہوں نے جھٹلایا میرے رسولوں کو تو کتنی ہولناک تھی میرا عذاب"۔

کفار کے متعلق خبر دی جا رہی ہے کہ وہ سخت سزا اور دردناک عذاب کے مستحق ہیں کیونکہ جب یہ رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس سے اللہ تعالیٰ کا تازہ کلام سنتے ہیں تو آپ ﷺ کے متعلق ہرزہ سرائی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ شخص تم لوگوں کو آبائی دین سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے۔ یاد رکھو تمہارے آباؤ اجداد کا دین ہی حق ہے اور اس رسول کا لایا ہوا قرآن باطل، جھوٹ اور واضح جادو ہے۔ پھر فرمایا: وَمَا آتَيْنَاهُمْ مِنْ كُتُبٍ ۔ یعنی قرآن کریم سے پہلے کوئی کتاب اللہ تعالیٰ نے عربوں پر نہیں اتاری اور نہ ہی حضرت محمد ﷺ سے پہلے کوئی نبی ان کی طرف مبعوث کیا حالانکہ ان کی آرزو تھی کہ انہیں یہ نعمت نصیب ہو جائے، وہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی رسول آتا یا کوئی کتاب اترتی تو ہم سب سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر کرم نوازی کرتے ہوئے انہیں اس گراں قدر نعمت سے سرفراز کیا تو انہوں نے تکذیب، عناد اور انکار کی روش اختیار کر لی۔ پھر فرمایا: وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ یعنی ان سے پہلے گزری ہوئی قوموں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا اور دنیا میں ہم نے انہیں جو طاقت اور جاہ ومنصب عطا کر رکھا تھا، یہ تو اس کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے جیسا کہ فرمایا: وَلَقَدْ مَكَّنَّاهُمْ فِيمَا إِنْ مَكَّنَّاكُمْ فِيهِ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً (المومن: 82) یعنی ان کی قوت اور طاقت ان سے عذاب الٰہی کو نہ دور کر سکی بلکہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو جھٹلایا تو انہیں نیست ونابود کر دیا گیا اسی لئے فرمایا: فَكَذَّبُوا رُسُلِي یعنی انہوں نے میرے پیغمبروں کو جھٹلایا تو انہیں کیسے عبرتناک عذاب سے دوچار ہونا پڑا اور کس طرح میں نے اپنے رسولوں کو فتح ونصرت سے نوازا۔

قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۖ أَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ مَثْنَىٰ وَفُرَادَىٰ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا ۚ مَا بِصَاحِبِكُمْ

مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۝۴۶

"(اے حبیب!) آپ (انہیں) فرمایئے میں تمہیں صرف ایک نصیحت کرتا ہوں (یہ تو مان لو) تم اللہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ دو دو یا اکیلے اکیلے پھر خوب سوچو۔ (تمہیں ماننا پڑے گا) تمہارے اس رفیق میں جنون کا شائبہ تک نہیں۔ نہیں ہے وہ مگر بروقت خبردار کرنے والا تمہیں سخت عذاب کے آنے سے پہلے"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ ان کافروں سے کہہ دیں جو اپنے زعم باطل میں آپ کو مجنون سمجھتے ہیں کہ میں تمہیں صرف ایک ہی نصیحت کرتا ہوں کہ تم سب خواہش نفسانی اور تعصب سے بالاتر ہو کر پورے خلوص کے ساتھ غور و فکر کرو اور ایک دوسرے سے دریافت کرو کہ کیا محمد (ﷺ) میں جنون کا شائبہ تک بھی ہے؟ ہر شخص آپ ﷺ کے متعلق تنہائی میں غور و فکر کرے اور اگر کوئی اشکال پیدا ہو تو دوسروں سے دریافت کر لے، اس پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ حضور ﷺ میں جنون والی کوئی بات نہیں بلکہ آپ تو تمہیں سخت عذاب کی آمد سے پہلے بروقت خبردار کرنے والے ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس آیت سے مراد تنہا اور باجماعت نماز ادا کرنا ہے۔ دلیل کے طور پر وہ حدیث پیش کرتے ہیں جو حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: "مجھے تین خصوصیات عطا ہوئیں جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں ہوئیں اور میں یہ بات فخریہ نہیں کہہ رہا۔ میرے لئے غنیمت حلال کی گئی حالانکہ مجھ سے پہلے یہ کسی کے لئے حلال نہیں ہوئی۔ پہلے لوگ غنیمت کے مال جمع کر کے انہیں جلا دیا کرتے تھے، مجھے ہر سرخ و سیاہ کی طرف مبعوث کیا گیا جبکہ ہر نبی کو صرف اس کی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا، میرے لئے سارے زمین کو مسجد اور باعث طہارت بنا دیا گیا اور میں اس کی مٹی سے تیمم کر لوں اور جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے وہیں نماز ادا کر لوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى اور ایک ماہ کی مسافت پر رعب سے میری مدد کی گئی" (1)۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور اس آیت کی تفسیر باجماعت اور تنہا نماز پڑھنے سے کرنا بعید ہے۔ شاید کسی راوی نے اپنی طرف سے حدیث میں اضافہ کر دیا ہو کیونکہ اصل حدیث تو صحاح وغیرہ میں موجود ہے۔ فرمایا: اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ　حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ صفا پہاڑی پر چڑھے اور "یا صباحاہ" کہہ کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے لگے۔ آپ کی آواز سن کر قریش آپ کے پاس جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ کیا ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر تمہیں میں یہ خبر دوں کہ صبح یا شام کے وقت دشمن تم پر یلغار کرنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟" سب نے یک زبان جواب دیا کہ ہم ضرور آپ کی تصدیق کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والا ہوں۔ یہ سن کر ابولہب کہنے لگا کہ تمہارے لئے ہلاکت ہو، کیا تم نے اس لئے ہمیں جمع کیا تھا۔ اس کے جواب میں سورۃ تبت یدا ابی لہب نازل ہوئی۔ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (الشعراء: 214) کے تحت ہو چکا ہے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور تین مرتبہ ندا دیتے ہوئے فرمایا: "اے لوگو! کیا تمہیں معلوم ہے کہ میری اور تمہاری مثال کیا ہے؟" صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: "میری اور تمہاری مثال اس قوم کی سی ہے جسے دشمن کے حملہ آور ہونے کا خوف لاحق ہوا۔ انہوں نے ایک آدمی روانہ کیا جو دشمن کے حالات سے آگاہی حاصل کر کے انہیں خبردار کرے۔ اسی اثناء میں اس نے دشمن کو دیکھ لیا اور اپنی قوم کو خبردار کرنے کے لئے بھاگا۔ اسے یہ خدشہ لاحق ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو اس

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 710

کے خبردار کرنے سے پہلے ہی دشمن وہاں پہنچ جائے، چنانچہ اس نے اپنا کپڑا ہلانا شروع کر دیا کہ اے لوگو، خبردار دشمن آ پہنچا، دشمن آ پہنچا" (1)۔ تین مرتبہ یہ بات کہی۔ اس سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے اور قیامت کو ایک ساتھ بھیجا گیا۔ قریب تھ کہ وہ مجھ پر سبقت لے جاتی" (1)۔

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۴۷﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۴۸﴾ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ ﴿۴۹﴾ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَاۤ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِیْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْۤ اِلَیَّ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ ﴿۵۰﴾

"فرمایئے (لوگو!) جو معاوضہ میں نے تم سے مانگا ہے وہ تم اپنے پاس رکھو۔ میری (دلسوزیوں) کا اجر تو (میرے) اللہ کے ذمہ ہے، اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ فرمایئے بے شک میرا رب (باطل پر) حق سے ضرب لگاتا ہے، وہ سب غیبوں کو جاننے والا ہے۔ (اے محبوب!) اعلان کر دیجئے حق آ گیا اور باطل کی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔ فرمایئے (تمہارے گمان کے مطابق) اگر میں بہک گیا ہوں تو اس کا وبال میری جان پر ہوگا۔ اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو (محض) اس وحی کے باعث جو میرا رب میری طرف بھیجتا ہے۔ بے شک وہ سب کچھ سننے والا بالکل نزدیک ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ مشرکین سے فرما دیں: مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ۔ یعنی میں جو تم تک اللہ تعالیٰ کا پیغام بڑی دلسوزی سے پہنچا رہا ہوں، تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم دے رہا ہوں، اس سے مقصود یہ نہیں کہ میں تم سے معاوضہ کا خواہشمند ہوں۔ اس کا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے، میں اسی سے اجر و ثواب کا طلبگار ہوں اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ وہ میرے حالات کو بھی اچھی طرح جانتا ہے اور تمہارے حالات کے متعلق بھی اسے خوب علم ہے۔ اس کے بعد فرمایا: قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ۔ یہ اس فرمان کی طرح ہے: یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (المومن: 15) "نازل فرماتا ہے وحی اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر وہ چاہتا ہے"۔ یعنی وہ جبریل امین علیہ السلام کو اہل زمین میں سے جس بندے پر چاہے، بھیجتا ہے اور وہ تمام غیبوں کا عالم ہے۔ زمین و آسمان کی کوئی چیز اس پر مخفی نہیں۔ فرمایا: قُلْ جَآءَ الْحَقُّ ... یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق اور عظیم شریعت آ گئی اور باطل کی قوت کا خاتمہ ہو گیا جیسا کہ ارشاد ہے: بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَیَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ (الانبیاء: 18) "بلکہ ہم تو حق سے باطل پر چوٹ لگاتے ہیں پس وہ اسے کچل دیتا ہے اور وہ یکا یک نابود ہو جاتا ہے"۔ فتح مکہ کے دن جب رسول اللہ ﷺ مسجد حرام میں داخل ہوئے تو کعبہ کے اردگرد نصب کئے ہوئے بتوں کو آپ اپنی قوس کی لکڑی سے گراتے جاتے تھے اور ان آیات کی تلاوت کرتے جاتے تھے: وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ (بنی اسرائیل: 81) قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ (2)۔ یعنی باطل کی قوت کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ قتادہ اور سدی کا خیال ہے کہ یہاں باطل سے مراد ابلیس ہے یعنی ابلیس نہ کسی کو پہلے پیدا کر سکتا ہے اور نہ دوبارہ اور نہ ہی اسے اس پر قدرت حاصل ہے۔ اگرچہ یہ بات حق ہے لیکن یہاں یہ مراد نہیں۔ فرمایا: قُلْ اِنْ

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 348

2۔ صحیح بخاری، جلد 3 صفحہ 178، جلد 5 صفحہ 188، صحیح مسلم، جلد 5 صفحہ 173، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 377

ضَلَلْتُ... یعنی خیر تمام کی تمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وحی اور حق میں ہی ہدایت، بیان اور رشد ہے۔ جو شخص گمراہی اختیار کرتا ہے تو وہ اپنی مرضی سے ہی ایسا کرتا ہے اور اس کا وبال اسی پر ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مفوضہ کے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں اپنی رائے سے یہ بیان کر رہا ہوں۔ اگر یہ صحیح ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہوا تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں (1)۔ آخر میں فرمایا: اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ یعنی وہ اپنے بندوں کے اقوال کو سننے والا اور قریب ہے۔ وہ ہر پکارنے والے کی پکار کو سنتا اور قبول فرماتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے: "تم نہ کسی بہرے کو پکار رہے ہو اور نہ غائب کو بلکہ جسے تم پکار رہے ہو وہ سمیع، قریب اور مجیب ہے" (2)۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۵۱﴾ وَّقَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿۵۴﴾

"کاش! تم دیکھو جب یہ گھبرائے ہوں گے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور قریب ہی سے پکڑ لئے جائیں گے۔ اس وقت کہیں گے ہم ایمان لے آئے ان پر، لیکن اب کیونکر وہ پا سکتے ہیں ایمان کو اتنی دور جگہ سے۔ حالانکہ وہ کفر کرتے رہے اس سے اس سے پہلے۔ اور دور سے بن دیکھے یاوہ گوئیاں کرتے رہے۔ اور رکاوٹ کھڑی کر دی جائے گی ان کے درمیان اور ان چیزوں کے درمیان جو وہ دل سے چاہتے ہوں گے جیسے ان کے ہم مشرب لوگوں کے ساتھ پہلے کیا گیا تھا۔ وہ ایسے شک میں مبتلا تھے جو دوسروں کو بھی شک میں ڈالنے والا تھا"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ اگر آپ دیکھتے جب قیامت کے دن یہ جھٹلانے والے گھبراہٹ اور سراسیمگی کا شکار ہوں گے تو اس وقت ان کے سامنے فرار اور نجات کی تمام راہیں مسدود ہوں گے، نہ بھاگ نکلنا ان کے ممکن ہوگا اور نہ ہی انہیں کوئی جائے پناہ میسر آئے گی اور انہیں قریب سے ہی دبوچ لیا جائے گا یعنی یہ فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے بلکہ فوراً ہی انہیں پکڑ لیا جائے گا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبروں سے نکلتے ہی انہیں گرفتار کر لیا جائے گا۔ مجاہد، عطیہ عوفی اور قتادہ فرماتے ہیں کہ انہیں قدموں تلے سے پکڑ لیا جائے گا۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عذاب دنیا ہے۔ عبدالرحمن بن زید کا قول ہے کہ اس سے مراد ان کا میدان بدر میں قتل ہونا ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ اس سے مراد قیامت کے دن کا عذاب ہے جو بہت بڑی آفت ہے اگرچہ دنیاوی عذاب بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس سے مراد وہ لشکر ہے جسے عہد عباسی میں مکہ اور مدینہ کے درمیان زمین میں دھنسا دیا گیا (3)۔ ابن جریر نے اس قول کو نقل کیا ہے، پھر ایک حدیث بھی بطور دلیل پیش کی ہے جو بالکل موضوع اور من گھڑت ہے۔ سب سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ موصوف نے اس کے موضوع ہونے کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔ فرمایا: وَقَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖ یعنی یہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، پیغمبروں اور کتابوں پر ایمان لانے کا اعلان کریں گے جیسا کہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 237-238، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 279

2۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، جلد 8 صفحہ 101، صحیح مسلم، کتاب الذکر، جلد 4 صفحہ 2076

3۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 107

ایک اور مقام پر فرمایا: وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَ سَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ (السجدۃ: 12) "اور کاش تم دیکھو جب مجرم سر جھکائے اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے (کہیں گے) اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا پس ہمیں واپس بھیج، ہم نیک عمل کریں گے ہمیں اب پورا یقین ہو گیا ہے" اس لئے فرمایا: وَ اَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ یعنی اب ان کے لئے ایمان لانا کیسے ممکن ہے جبکہ وہ قبول ایمان کے محل سے بہت دور ہیں اور دار دنیا سے دار آخرت میں پہنچ چکے ہیں اور دار آخرت دار جزا ہے نہ کہ دار ابتلا۔ اگر وہ دنیا میں ایمان لے آتے تو اس کا انہیں فائدہ ہوتا۔ اب دار آخرت میں منتقل ہونے کے بعد قبول ایمان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان کی کیفیت اس شخص کی سی ہے جو بہت دور کی چیز کو پکڑنے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ امام زہری وَ اَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ کا معنی بتاتے ہیں کہ دنیا سے کوچ کر کے آخرت میں جانے کے بعد ان کا ایمان کو پالینا ممکن نہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ایسے امر کی خواہش کریں گے جس کا حصول ممکن نہیں۔ یعنی دور سے ایمان کو پانے کی کوشش کریں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ دنیا میں واپس لوٹنے اور توبہ کر لینے کی آرزو کریں گے لیکن اب نہ لوٹنے کا وقت ہوگا اور نہ توبہ کا۔ فرمایا: وَّ قَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ یعنی آخرت میں انہیں ایمان کیسے حاصل ہوگا حالانکہ دنیا میں وہ حق کا انکار اور پیغمبروں کی تکذیب کرتے رہے اور دور سے بن دیکھے قیاس آرائیاں اور یاوہ گوئیاں کرتے رہے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: رَجْمًۢا بِالْغَیْبِ ۚ (الکہف: 22) "یہ سب تخمینے ہیں بن دیکھے" یعنی وہ ظن وتخمین کے گھوڑے دوڑاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو کبھی کاہن کہتے، کبھی ساحر، کبھی مجنون، کبھی شاعر اور اس طرح کی ہرزہ سرائی کرتے۔ مزید برآں وہ قبروں سے جی اٹھنے اور قیامت کی تکذیب کرتے ہوئے کہتے: اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّ مَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ (الجاثیہ: 32) "ہمیں تو یونہی ایک گمان سا ہوتا ہے اور ہمیں اس پر قطعاً یقین نہیں"۔ قتادہ اور مجاہد اس کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ انکل پچو سے کہتے ہیں کہ نہ دوبارہ قبروں سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، نہ جنت ہوگی اور نہ دوزخ (1)۔ اس فرمان وَ حِیْلَ بَیْنَهُمْ وَ بَیْنَ مَا یَشْتَهُوْنَ کے متعلق حضرات حسن بصری اور ضحاک وغیرہ کہتے ہیں کہ ان کے اور ایمان کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی جائے گی۔ سدی کہتے ہیں کہ ان کے اور توبہ کے درمیان حجاب قائم کر دیا جائے گا۔ ابن جریر نے اس کو پسند کیا ہے۔ مجاہد اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ ان کے درمیان اور مال ومتاع اور اہل وعیال کی ان کی دنیاوی خواہشات کے درمیان دیوار کھڑی کر دی جائے گی۔ صحیح بات یہی ہے کہ ان دونوں قولوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں کیونکہ انہیں نہ صرف دنیاوی خواہشات سے محروم کر دیا جائے گا بلکہ آخرت میں بھی ان کی مطلوبہ اشیاء انہیں میسر نہ ہوں گی۔ ابن ابی حاتم نے اس مقام پر ایک نہایت عجیب وغریب اثر نقل کیا ہے جسے ہم مکمل ذکر کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک بہت مالدار شخص تھا، اس کی وفات کے بعد اس کا نالائق اور نااہل بیٹا اس کا وارث بنا۔ وہ گناہوں میں اپنا مال پانی کی طرح بہانے لگا۔ جب اس کے چچاؤں کو اس کی فضول خرچی کا علم ہوا تو وہ اسے لعن طعن اور ملامت کرنے لگے۔ نوجوان نے برافروختہ ہو کر چپکے سے اپنی ساری جائیداد فروخت کر دی اور وہاں سے کوچ کر کے ایک اچھے چشمے کے قریب آباد ہو گیا۔ یہاں اس نے ایک محل تعمیر کروایا۔ ایک دن وہ وہاں بیٹھا ہوا تھا کہ زور کی آندھی چلی جو اس کے پاس خوشبو سے مہکتی ہوئی ایک خوبرو عورت اڑا لائی۔ عورت نے نوجوان سے پوچھا: اے اللہ کے بندے! تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں بنی اسرائیل کا ایک فرد ہوں۔ عورت نے دریافت کیا کہ یہ محل اور یہ مال تمہارا ہے؟ جواب دیا: ہاں۔ عورت نے سوال کیا کہ تمہاری بیوی ہے؟

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 112، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 715

کہا: نہیں۔ وہ کہنے لگی کہ بیوی کے بغیر تم زندگی سے کیسے لطف اندوز ہوتے ہو؟ نوجوان نے جواب دیا کہ سب کچھ تھا، تم بتاؤ کہ کیا تمہارا خاوند ہے؟ عورت نے جواب دیا: نہیں۔ نوجوان کہنے لگا کہ کیا تم میرے ساتھ شادی کرنے کے لئے راغب ہو؟ عورت نے جواب دیا کہ میں یہاں سے ایک میل کی مسافت پر رہتی ہوں، کل میرے پاس ایک دن کا زاد لے کر آنا اور اگر رستہ میں تمہیں کوئی خوفناک چیز نظر آئے تو مت ڈرنا۔ اگلے دن نوجوان نے ایک دن کا زاد لیا اور وہاں سے چل پڑا۔ ایک میل کی مسافت طے کرنے کے بعد وہ ایک محل تک پہنچ گیا۔ دستک دی تو خوشبو سے مہکتا ہوا ایک خوبصورت نوجوان باہر آیا اور پوچھنے لگا کہ تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں اسرائیلی ہوں۔ پوچھا: کیا بات ہے؟ جواب دیا کہ اس محل کی مالکہ نے مجھے بلایا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ تم نے درست کہا، کیا رستہ میں تمہیں کوئی ہولناک چیز نظر آئی؟ اسرائیلی نے جواب دیا: ہاں اور اگر اس عورت نے مجھے ان خطرات سے آگاہ نہ کیا ہوتا تو میں ان خوفناک چیزوں کو دیکھ کر دہشت سے مر ہی جاتا جو مجھے رستہ میں نظر آئیں۔ اس نے پوچھا کہ تم نے کیا دیکھا؟ اسرائیلی نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ رستہ میں مجھے منہ کھولے ہوئے ایک کتیا دکھائی دی، میں خوفزدہ ہو کر بھاگا لیکن پھر بھی وہ میرے آگے آگے رہی اور اس کے پیٹ میں بچے بھونکتے رہے۔ اس نوجوان نے کہا کہ تم اسے نہیں پاؤ گے، یہ تو آخر زمانہ میں ہونے والی ایک بات کی مثال تجھے دکھائی گئی ہے کہ ایک لڑکا بڑے بوڑھوں کی محفل میں بیٹھ کر ان سے راز و نیاز کی باتیں کرے گا۔ اسرائیلی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ پھر تھوڑا سا فاصلہ طے کر لینے کے بعد جب میں آگے بڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سو بکریاں ہیں جن کے تھن دودھ سے لبریز ہیں اور ایک بچہ دودھ پی رہا ہے، جب دودھ ختم ہو جاتا ہے اور اسے محسوس ہوتا ہے کہ اب کچھ باقی نہیں رہا تو وہ مزید دودھ کے لئے اپنا منہ کھولتا ہے۔ نوجوان نے جواب دیا کہ تو اسے نہیں پائے گا۔ یہ آخر زمانہ میں ہونے والی ایک بات کی مثال بیان کی گئی ہے کہ ایسے بادشاہ ہوں گے جو لوگوں سے سب کچھ چھین لینے کے باوجود منہ کھولے ان سے اور طلب کریں گے۔ اس کے بعد پھر میں آگے بڑھا، ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ مجھے درخت نظر آئے۔ ان میں سے ایک سرسبز درخت کی ٹہنی مجھے بہت بھلی لگی، میں نے اسے توڑنا چاہا تو ایک دوسرے درخت نے مجھے آواز دی کہ اے اللہ کے بندے! میری ٹہنی توڑ لو، پھر ہر ایک درخت مجھ سے یہی تقاضا کرنے لگا۔ یہ سن کر نوجوان نے کہا کہ تم اسے نہیں پاؤ گے۔ یہ چیز اس بات کی علامت ہے کہ آخر زمانہ میں مردوں کی قلت ہو گی اور عورتوں کی کثرت۔ نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی کہ ایک مرد کسی عورت کو شادی کا پیغام دے گا تو دس بیس عورتیں اسے اپنی طرف بلانے لگیں گی۔ اسرائیلی نے مزید بتایا کہ میں نے پھر سفر شروع کر دیا، تھوڑا آگے جا کر میں نے دیکھا کہ ایک آدمی ایک چشمہ پر کھڑا لوگوں کو پانی بھر بھر کر دے رہا ہے۔ جب سب لوگ وہاں سے پانی لے کر چلے جاتے ہیں تو وہ اپنے گھڑے میں پانی ڈالتا ہے لیکن پانی کا ایک قطرہ تک اس میں نہیں ٹھہرتا۔ اس نوجوان دربان نے اسرائیلی سے کہا کہ تم اسے بھی نہیں پاؤ گے۔ اس میں دراصل اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ آخر زمانہ میں ایسے واعظین ہوں گے جو لوگوں کو علم سکھائیں گے لیکن خود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں گے۔ اسرائیلی نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ تھوڑی سی مسافت طے کرنے کے بعد پھر میں نے ایک بکری دیکھی، کچھ لوگ اس کے پاؤں پکڑے ہوئے تھے، ایک شخص نے اس کے سینگوں کو اور ایک نے دم کو پکڑ رکھا تھا، ایک شخص اس پر سوار تھا اور ایک اس کا دودھ دوھ رہا تھا۔ نوجوان دربان نے جواب دیا کہ بکری دنیا ہے، اس کے پاؤں پکڑنے والے وہ ہیں جو دنیا کے عیش و آرام سے محروم ہو جاتے ہیں۔ سینگوں کو تھامنے والا وہ شخص ہے جسے تنگدستی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جو دم پکڑے ہوا تھا، ایسے شخص سے دنیا منہ پھیر لیتی ہے، اس پر سوار تارک الدنیا ہے اور اسے دوہنے والا کیا ہی خوش نصیب ہے جو اس کے حصول میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اسرائیلی مزید کہنے لگا کہ آگے جا کر میں نے

دیکھا کہ ایک آدمی کنوئیں سے پانی نکال رہا ہے، جو بھی ڈول نکالتا ہے، اسے ایک حوض میں انڈیل دیتا ہے لیکن پانی پھر حوض سے کنوئیں میں لوٹ آتا ہے۔ یہ سن کر دربان کہنے لگا کہ یہ ایسے شخص کی مثال ہے جو نیک عمل کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اسے قبول نہیں کرتا۔ اسرائیلی کہنے لگا کہ تھوڑا آگے جا کر مجھے ایک ایسا شخص دکھائی دیا جو زمین میں بیج ڈال رہا ہے، فوراً کھیتی تیار ہو جاتی ہے اور عمدہ گندم برآمد ہوتی ہے۔ نوجوان دربان نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایسا شخص ہے جس کے نیک اعمال کو اللہ تعالیٰ شرف قبولیت بھی عطا کرتا ہے اور اس میں برکت اور اضافہ بھی فرماتا ہے۔ اسرائیلی نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بتایا کہ مزید مسافت طے کرنے کے بعد میں نے ایک آدمی دیکھا جو چت لیٹا ہوا تھا، اس نے مجھے کہا: اے اللہ کے بندے! میرے قریب آؤ اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے بٹھاؤ۔ اللہ کی قسم! جب سے میں پیدا ہوا ہوں، اس وقت سے نہیں بیٹھا۔ چنانچہ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا تو وہ بھاگ کھڑا ہوا اور میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ یہ سن کر وہ نوجوان کہنے لگا کہ یہ تیری عمر ہے جو ختم ہو چکی ہے اور میں ملک الموت ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں تمہاری روح اس جگہ قبض کروں اور پھر تمہیں جہنم رسید کر دوں۔ اس کے بارے میں یہ آیت وَحِيۡلَ بَيۡنَهُمۡ... نازل ہوئی (1)۔ یہ اثر غریب ہے اور اس کی صحت مشکوک ہے۔ اس شخص کے متعلق اس آیت کے نزول کا مطلب یہ ہے کہ کفار کو جب موت آتی ہے تو ان کی روحیں دنیاوی زندگی اور اس کی لذتوں میں ہی کھوئی رہتی ہیں، بالکل اسی طرح جیسا کہ اس فریب خوردہ اسرائیلی کے ساتھ ہوا۔ وہ اپنا مقصود حاصل کرنے کے لئے گیا لیکن ملک الموت نے اسے اچانک دبوچ لیا اور اس کے اور اس کی خواہش کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی گئی۔ فرمایا: كَمَا فُعِلَ بِاَشۡيَاعِهِمۡ مِّنۡ قَبۡلُ۔ یعنی پیغمبروں کو جھٹلانے والی گزشتہ قوموں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ جب عذاب الٰہی نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا تو وہ تمنا کرنے لگے کہ کاش وہ ایمان لے آتے لیکن اب ان کا ایمان قبول نہ کیا گیا جیسا کہ فرمایا: فَلَمَّا رَاَوۡا بَاۡسَنَا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحۡدَهٗ ۔ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الۡكٰفِرُوۡنَ (المومن: 85-84)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّهُمۡ كَانُوۡا فِىۡ شَكٍّ مُّرِيۡبٍ یعنی وہ دنیا میں شک وشبہ کا شکار تھے اس لئے عذاب کا مشاہدہ کر لینے کے بعد ان کا ایمان قبول نہ ہوا۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ شک وشبہ سے بچو کیونکہ جو شخص شک پر فوت ہوا، وہ اسی پر اٹھایا جائے گا اور جس شخص کی وفات یقین پر ہوئی، اسے اسی پر اٹھایا جائے گا (2)۔

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 717-716 2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 719

سورۂ فاطر (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ①

"سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا جس نے بنایا ہے فرشتوں کو پیغام رساں جو پروار بازوؤں والے ہیں کسی کے دو، کسی کے تین اور کسی کے چار۔ وہ زیادہ کرتا ہے بناوٹ میں جو چاہتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے لفظ "فاطر" کا صحیح معنی اس وقت سمجھ میں آیا جب دو اعرابی ایک کنویں کے بارے میں جھگڑتے ہوئے میرے پاس آئے، ان میں سے ایک نے کہا: "اَنَا فَطَرْتُهَا" یعنی اس کنویں کو ابتداءً میں نے کھودا تھا (1)۔ پس فاطر کا معنی ہے ایجاد کرنے والا، بغیر نمونہ کے تخلیق کرنے والا۔ ضحاک کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں فاطر بمعنی خالق ہے۔ پھر فرمایا: جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ..... یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے پیغمبروں کے درمیان پیغام رسانی کے لئے پروں والے فرشتوں کو اپنا قاصد بنایا ہے جو ان کے ذریعے پرواز کر کے فوراً پیغام پہنچاتے ہیں، ان میں سے بعض کے دو پر ہیں، بعض کے تین اور بعض کے چار۔ بعض ایسے فرشتے ہیں کہ جن کے اس سے بھی زائد پر ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے معراج کی شب جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے اور ہر دو پروں کے درمیان اس قدر مسافت تھی جتنی مشرق و مغرب کے درمیان (2)، اس لئے فرمایا: يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ۔ سدی اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کے چاہتا ہے، پر اور زیادہ کر دیتا ہے اور جیسے چاہے انہیں تخلیق فرماتا ہے۔ امام زہری اور ابن جریج اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حسن صوت میں اضافہ کر دیتا ہے جسے چاہتا ہے، ایک شاذ قرأت میں الخلق کی بجائے الحلق ہے یعنی حاء کے ساتھ۔

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ②

"جو عطا فرمائے اللہ تعالیٰ لوگوں کو (اپنی) رحمت سے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ اور جو روک دے تو اسے کوئی دینے والا نہیں اس کے روکنے کے بعد، اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے"۔

اللہ تعالیٰ یہ خبر دے رہا ہے کہ وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور جو اس کی مشیت میں نہ ہو، وہ نہیں ہو سکتا۔ جو وہ عطا کرے، اسے کوئی

1۔ الدر المنثور، جلد 7 صفحہ 3　2۔ فتح الباری، کتاب بدء الخلق، جلد 6 صفحہ 313، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 158

روکنے والا نہیں اور جسے وہ روک لے، اسے کوئی دینے والا نہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے بذریعہ خط خواہش کی کہ آپ مجھے ایسے ارشادات لکھ دیں جنہیں آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھا کہ حضور ﷺ نماز سے فراغت کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے: ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ – اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ'' اور آپ ﷺ فضول گوئی، کثرت سوال، مال کو ضائع کرنے، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے، ماؤں کی نافرمانی کرنے، بخل اور چھینا جھپٹی سے منع کیا کرتے تھے(1)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو کہتے: ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ، وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ – اَللّٰهُمَّ اَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ''(2) اس آیت کی طرح یہ آیت بھی ہے: وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ (یونس: 107) ''اور اگر تجھے اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچائے تو اسے بجز اس کے کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے لئے کسی بھلائی کا ارادہ فرمائے تو اس کے فضل کو کوئی روکرنے والا نہیں''۔ اس جیسی اور بھی آیات ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب بارش برستی تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے کہ ہم پر فتح کے ستارے سے بارش برسائی گئی، پھر آپ اس آیت کی تلاوت کرتے(3)۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ③

''اے لوگو! یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جو اس نے تم پر فرمائی۔ (بھلا یہ تو بتاؤ) کیا اللہ کے بغیر کوئی اور خالق بھی ہے جو تمہیں رزق دیتا ہے آسمان اور زمین سے۔ نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ سو (اس سے) منہ پھیر کر کدھر جا رہے ہو؟''

صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے مستحق عبادت ہونے پر استدلال کرنے کی طرف رہنمائی کی جا رہی ہے۔ چونکہ خالق اور رازق صرف وہی ہے، اس لئے چاہئے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے، اس لئے فرمایا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ – یعنی جب دلیل کے ساتھ یہ بات ثابت اور واضح ہو چکی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں تو پھر تم کیونکر بہکے بہکے پھر رہے ہو اور بتوں کی پوجا کر رہے ہو۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ④ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ⑤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑥

''اور اے حبیب! اگر یہ آپ کو جھٹلا رہے ہیں (تو کوئی نئی بات نہیں) آپ سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا۔ اور (آخر کار)

1۔ فتح الباری، کتاب الاعتصام، جلد 13 صفحہ 264۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 415
2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 343
3۔ موطا امام مالک، کتاب الاستسقاء، جلد 1 صفحہ 192

اللہ کی طرف ہی سارے کام لوٹائے جاتے ہیں۔ اے لوگو! (یاد رکھو) یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے پس دھوکہ میں نہ ڈال دے تمہیں یہ دنیوی زندگی۔ اور نہ فریب میں مبتلا کر دے تمہیں اللہ کے بارے میں وہ بڑا فریبی۔ یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے (اپنا) دشمن سمجھا کرو۔ وہ فقط اس لئے (سرکشی کی) دعوت دیتا ہے اپنے گروہ کو تاکہ وہ جہنمی بن جائیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ اگر یہ مشرکین آپ کو جھٹلا رہے ہیں اور آپ کے لائے ہوئے پیغام توحید کی مخالفت کر رہے ہیں تو آپ آزردہ خاطر نہ ہوں، سابقہ انبیاء کا اسوہ آپ کے سامنے ہے۔ وہ جب اپنی قوموں کے پاس واضح دلائل لے کر آئے اور انہیں توحید کا پیغام دیا تو ان کی قوموں نے بھی ان کی تکذیب اور مخالفت کی، اور تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں یعنی وہ انہیں ان کے کرتوتوں کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ پھر فرمایا: يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّ وَعْدَ ٱللَّهِ... یعنی اے لوگو! قیامت کا وعدہ برحق ہے اور اس کا وقوع یقینی اور حتمی ہے، اس لئے اخروی ابدی نعمتوں کے مقابلہ میں دنیا کی گھٹیا زندگی تمہیں دھوکہ میں مبتلا نہ کرے اور دنیا کی فانی لذتوں میں گم ہو کر اس دائمی زندگی سے غافل مت ہو جانا اور بہت بڑا فریبی تمہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ فریب میں مبتلا نہ کر دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غرور سے مراد شیطان ہے یعنی شیطان تمہیں فتنہ میں ڈال کر اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی اتباع اور اس کے کلمات کی تصدیق سے برگشتہ نہ کر دے کیونکہ وہ بہت بڑا مکار، دھوکہ باز اور جھوٹا ہے۔ سورۂ لقمان کے آخر میں بھی یہی فرمان ہے۔ پس غرور (دھوکہ باز) سے مراد شیطان ہے۔ قیامت کے دن جب مومنوں اور منافقوں کے درمیان دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا، اس کے اندرونی حصہ میں رحمت ہوگی اور ظاہری حصہ میں عذاب ہوگا، اس وقت منافقین مومنین سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اہل ایمان جواب دیں گے: بَلَىٰ وَلَٰكِنَّكُمْ فَتَنتُمْ ... وَغَرَّكُم بِٱللَّهِ ٱلْغَرُورُ (الحدید:14) پھر ابن آدم کے ساتھ ابلیس کی عداوت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: إِنَّ ٱلشَّيْطَٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ ... یعنی شیطان تو تمہارے ساتھ اپنی عداوت علی الاعلان ظاہر کرنے والا ہے، اس لئے تم اس سے انتہائی عداوت اور بغض رکھو، اس کی مخالفت کرو اور اس کے فریب میں نہ آؤ، اس کا مقصد تمہیں گمراہ کرنا ہے تاکہ وہ تمہیں بھی اپنے ساتھ گھسیٹ کر جہنم میں لے جائے۔ یہ ہے واضح اور اعلانیہ دشمن۔ ہم اللہ قوی وعزیز سے خواستگار ہیں کہ وہ ہمیں شیطان کا دشمن ہی بنائے رکھے اور اپنی کتاب کی اتباع اور اپنے رسول ﷺ کی سنت کی اقتداء کی توفیق ارزانی فرمائے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور دعاؤں کو قبول فرمانے والا ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر شیطان دشمنی کو یوں بیان فرمایا: وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَٰٓئِكَةِ ٱسْجُدُوا۟ لِءَادَمَ ... بِئْسَ لِلظَّٰلِمِينَ بَدَلًا (الکہف:50)۔

ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ أَفَمَن زُيِّنَ لَهُۥ سُوٓءُ عَمَلِهِۦ فَرَءَاهُ حَسَنًا ۖ فَإِنَّ ٱللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَآءُ وَيَهْدِى مَن يَشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَٰتٍ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌۢ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝

''جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ ان کے لئے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے۔ پس کیا وہ شخص جس کے لئے مزین کر دیا گیا ہے اس کا برا عمل اور وہ اس کو خوبصورت نظر آتا ہے (اس کے لئے آپ آزردہ کیوں ہوں) بے شک اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ پس

نہ گھلے آپ کی جان ان کے لئے فرط غم سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو (کرتوت) وہ کیا کرتے ہیں"۔

یہ بیان کرنے کے بعد کہ ابلیس کے پیروکاروں کا ٹھکانہ جہنم ہے اب یہاں اس بات کا ذکر ہو رہا ہے کہ کفار کے لئے سخت عذاب ہے کیونکہ وہ شیطان کے مطیع اور رحمٰن کے نافرمان ہیں۔ ان کے برعکس جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، ان سے سرزد ہونے والے گناہوں کو نہ صرف بخش دیا جاتا ہے بلکہ انہیں ان کے نیک اعمال کا بہت بڑا اجر ملے گا، پھر فرمایا: اَفَمَنۡ زُيِّنَ لَهٗ۔ یعنی کافر اور بدکار لوگ جو اپنی سیاہ کاریوں اور بداعمالیوں کو نیکیاں گمان کرتے ہیں کیا ایسے گمراہ لوگوں کے متعلق آپ کی کوئی تدبیر کارگر ہو سکتی ہے؟ بالکل نہیں۔ ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، اس لئے آپ فرط غم سے ان پر اپنی جان نہ گھلائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلہ میں کوئی نہ کوئی حکمت کارفرما ہوتی ہے۔ وہ اپنی حکمت بالغہ اور علم کامل کے پیش نظر ہی کسی کو گمراہ کرتا ہے یا ہدایت سے نوازتا ہے، اس لئے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِمَا يَصۡنَعُوۡنَ۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا پھر ان پر اپنا نور ڈالا۔ پس اس دن جس پر وہ نور پڑ گیا وہ ہدایت پا گیا اور جسے وہ نور نہ ملا، وہ گمراہ ہو گیا، اس لئے میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق قلم (چلنے کے بعد) خشک ہو گیا" (1)۔ حضرت زید بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: "تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو گمراہی سے ہدایت عطا فرماتا ہے اور جس پر چاہے گمراہی ڈال دیتا ہے"۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔

وَاللّٰهُ الَّذِيۡۤ اَرۡسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيۡرُ سَحَابًا فَسُقۡنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحۡيَيۡنَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوۡرُ ۝ مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ جَمِيۡعًا ؕ اِلَيۡهِ يَصۡعَدُ الۡـكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ يَرۡفَعُهٗ ؕ وَالَّذِيۡنَ يَمۡكُرُوۡنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ؕ وَمَكۡرُ اُولٰٓـئِكَ هُوَ يَبُوۡرُ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمۡ اَزۡوَاجًا ؕ وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ ۝

اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو وہ اٹھا لاتی ہیں بادل کو، پھر ہم لے جاتے ہیں بادل کو مردہ شہر کی طرف پھر ہم زندہ کر دیتے ہیں اس بادل (کے مینہ) سے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد، یونہی (انہیں) قبروں سے اٹھایا جائے گا۔ جو عزت کا طلبگار ہو (وہ جان لے) کہ ہر قسم کی عزت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور نیک عمل پاکیزہ کلام کو بلند کرتا ہے۔ اور جو لوگ فریب کاریاں کرتے ہیں برے کاموں کے لئے ان کیلئے شدید عذاب ہے۔ اور ان کا مکر (وفریب) تباہ ہو کر رہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تمہیں مٹی سے، پھر پانی کی بوند سے پھر تمہیں بنا دیا جوڑے جوڑے، اور نہیں حاملہ ہوتی کوئی عورت اور نہ بچہ جنتی ہے مگر اس کو اس کا علم ہوتا ہے۔ اور نہ لمبی زندگی دی جاتی ہے کسی طویل العمر کو اور نہ کم رکھی جاتی ہے کسی کی عمر مگر (اس کی تفصیل) کتاب میں درج ہے۔ بیشک یہ بات اللہ کے لئے

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 176، کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب العلم، جلد 1 صفحہ 102

بالکل آسان ہے''۔

قرآن کریم میں عموماً موت کے بعد کی زندگی پر مردہ زمین کے زندہ اور سرسبز وشاداب ہو جانے سے استدلال کیا جاتا ہے جیسا کہ سورۂ حج کے شروع میں بھی اس چیز کا تذکرہ کیا گیا ہے(1)۔ بندوں کے لئے اس میں یہ عبرت اور دلیل ہے کہ وہ دوبارہ جی اٹھنے کو مردہ زمین پر قیاس کریں جس میں شادابی اور ہریالی کا نام ونشان تک نہیں ہوتا لیکن جب اس پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے بارش برستی ہے تو ہر طرف جل تھل ہو جاتا ہے، اسی خشک زمین پر رونق آجاتی ہے اور نباتات اپنی بہار دکھانے لگتی ہیں، بالکل اسی طرح بندوں کے اجسام مردہ حالت میں ادھر ادھر منتشر ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا چاہے گا تو عرش تلے سے بارش برسائے گا جس کا پانی تمام روئے زمین پر پھیل جائے گا اور اس سے اجسام اپنی قبروں میں یوں اگنے لگیں گے جیسے زمین سے دانے اگتے ہیں۔ حدیث صحیح میں ہے: ''ہر ابن آدم بوسیدہ ہو جاتا ہے بجز ریڑھ کی ہڈی کے، اسی سے یہ پیدا کیا گیا اور اسی سے اسے ترکیب دیا جائے گا''(2)۔ اسی لئے فرمایا: كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ۔ سورۂ حج میں حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث گزر چکی ہے کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ کیسے مردوں کو زندہ کریگا اور مخلوق میں اس کی دلیل کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابورزین! کیا تمہارا کسی ایسی وادی سے گزر ہوا جو پہلے بنجر اور اجاڑ تھی اور پھر دوبارہ گزر ہوا تو وہ سبزی وشادابی کے ساتھ لہلہا رہی تھی؟'' میں نے عرض کی: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا''(3)۔ اس کے بعد فرمایا: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ... یعنی جو شخص دنیا وآخرت میں معزز رہنے کا خواہاں ہے، اسے چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو اپنا شعار بنا لے تو پھر اسے اپنا مقصود حاصل ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی دنیا وآخرت کا مالک ہے اور عزت بھی تمام کی تمام اسی کی ملکیت میں ہے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (النساء: 139) ''وہ کافر جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں، کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں تو (وہ سن لیں) عزت سب کی سب اللہ کے لئے ہے''۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (المنافقون: 8) ''اور ساری عزت اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے ہے اور ایمان والوں کے لئے ہے مگر منافقوں کو (اس بات کا) علم ہی نہیں''۔ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُھُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (یونس: 65) ''اور ان کی باتیں آپ کو غمزدہ نہ کریں یقیناً ساری عزت اللہ کے لئے ہے''۔ مجاہد اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ جو شخص بت پرستی کے ذریعے عزت کا طلبگار ہے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ عزت تمام کی تمام اللہ کیلئے ہے، قتادہ کہتے ہیں کہ جو شخص عزت کے حصول کا متمنی ہے، اسے چاہئے کہ وہ اطاعت الٰہی کے ذریعے عزت حاصل کرے۔ بعض نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ جو شخص یہ جاننے کا خواہشمند ہو کہ عزت کس کے لئے ہے تو وہ جان لے کہ عزت ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے لئے ہے(4)۔ پھر فرمایا: اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ۔ متعدد سلف کے بقول الْكَلِمُ الطَّيِّبُ (پاکیزہ کلمات) سے مراد ذکر، تلاوت اور دعا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم تمہارے سامنے جو حدیث بیان کرتے ہیں، اس کی تصدیق قرآن کریم سے بھی پیش کرتے ہیں۔ سنو! جب کوئی بندۂ مسلمان یہ کلمات پڑھتا ہے: ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ''۔ تو ایک فرشتہ ان کلمات کو اپنے پر کے نیچے محفوظ کر لیتا ہے، پھر انہیں لے کر

1۔ الحج: 5-7
2۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ مومنون: 14
3۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ حج: 6
4۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 120

آسمان کی طرف رخ کرتا ہے، وہ فرشتوں کے جس مجمع کے پاس سے گزرتا ہے، وہ ان کے قائل کے لئے استغفار کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ ان کلمات کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دیتا ہے پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی (1)۔ حضرت کعب الاحبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کی عرش کے اردگرد اس طرح گونج پڑتی ہے جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ۔ یہ کلمات اپنے قائل کا ذکر اللہ تعالیٰ کے سامنے کرتے رہتے ہیں اور نیک اعمال خزانوں میں محفوظ ہیں (1)۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو لوگ اللہ تعالیٰ کے جلال سے اس کا ذکر کرتے ہوئے اس کی تسبیح، اس کی بڑائی، اس کی حمد اور اس کی تہلیل کرتے ہیں تو یہی کلمات عرش کے اردگرد اکٹھے ہو جاتے ہیں، شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی ان کی گونج ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے قائل کا ذکر کرتے ہیں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی ایسی چیز ہو جو اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارا ذکر کرتی رہے" (2)۔ پھر فرمایا: وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پاکیزہ کلمات سے مراد اللہ کا ذکر ہے جو اس کی طرف بلند ہوتا ہے اور عمل صالح سے مراد فرائض کی ادائیگی ہے۔ پس جو شخص فرائض کی ادائیگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو اس کا عمل اس ذکر کو اللہ تعالیٰ کے حضور بلند کر دیتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر تو کرے لیکن فرائض کی ادائیگی نہ کرے، اس کا کلام اس کے عمل پر لوٹا جایا جاتا ہے (3)۔ مجاہد بھی یہی فرماتے ہیں کہ عمل صالح پاکیزہ کلمہ کو بلند کرتا ہے۔ ایاس بن معاویہ قاضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر عمل صالح نہ ہو تو پاک کلمہ بلند نہیں ہوتا۔ حضرات حسن و قتادہ فرماتے ہیں کہ عمل کے بغیر قول مقبول نہیں۔ حضرات مجاہد، سعید بن جبیر اور شہر بن حوشب فرماتے ہیں کہ "وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا" سے مراد مشرکین ہیں۔ صحیح بات یہی ہے کہ یہ آیت عام ہے اور مشرکین اس میں بدرجہ اولیٰ داخل ہیں اس لئے فرمایا: لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ.... یعنی ان کے لئے سخت عذاب ہے اور ان کا مکر و فریب فاسد، باطل اور نیست و نابود ہونے والا ہے اور ان کا مکر اور جھوٹ عنقریب عقلمندوں پر ظاہر ہو جائے گا کیونکہ کسی شخص کے دل میں جو بات پوشیدہ ہوتی ہے، اس کے اثرات اس کے چہرے پر ظاہر ہو جاتے ہیں اور کبھی نہ کبھی وہ بات اس کی زبان پر آ ہی جاتی ہے کیونکہ باطن کا ظاہر پر منعکس ہونا لازمی امر ہے۔ چنانچہ کسی کے باطن میں جو کچھ مخفی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا لباس اسے پہنا دیتا ہے، اگر خیر پوشیدہ ہے تو خیر کا لباس اور اگر شر مضمر ہے تو شر کا۔ ریاکار اپنے بھیس کو زیادہ دیر تک نہیں چھپا سکتا اور نہ طویل مدت تک لوگوں کو دھوکے ہی کا شکار رکھ سکتا ہے۔ کوئی غبی اور بے وقوف ہی اس کی حقیقت سے ناواقف رہ سکتا ہے، جہاں تک فہم و فراست کے حامل اہل ایمان کا تعلق ہے تو ان پر ان کا فریب طویل عرصہ تک پوشیدہ نہیں رہتا بلکہ جلد ہی منکشف ہو جاتا ہے اور اس عالم غیب پر تو کوئی چیز مخفی نہیں۔ پھر فرمایا: وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ۔ یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی، پھر ان کی نسل کا سلسلہ ایک حقیر پانی سے جاری کر دیا۔ پھر اس نے تمہیں جوڑا جوڑا (مرد و زن) بنا دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم اور رحمت ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں بنائیں تاکہ تم ان سے سکون و راحت حاصل کر سکو۔ پھر فرمایا: وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى یعنی ہر حاملہ کے حمل اور وضع حمل کا اسے بخوبی علم ہے۔ اس بارے میں کوئی چیز اس پر مخفی نہیں بلکہ ہر جھڑنے والے پتے، زمین کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے دانے اور ہر خشک و تر کے متعلق اسے پورا پورا علم ہے۔ اس موضوع پر بحث اس فرمان اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ . . . الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ (الرعد: 9-8) کے تحت گزر چکی ہے۔ اس کے بعد ارشاد

1۔ تفسیر طبری، جلد 22، صفحہ 120
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 1252، مسند احمد، جلد 4، صفحہ 268
3۔ تفسیر طبری، جلد 22، صفحہ 121

ہوتا ہے: وَمَا يُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ ۔ یعنی جس نطفے کو طویل عمر ملنے والی ہے، اسے بھی وہ جانتا ہے اور یہ اس کے پاس لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ وَلَا يُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِهٖۤ میں ہ ضمیر کا مرجع جنس ہے نہ کہ معین فرد کیونکہ طویل العمر کتاب (لوح محفوظ) میں درج ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کی عمر میں کمی نہیں ہوتی، پس ضمیر جنس کی طرف لوٹتی ہے، یہ عربوں کے اس قول کی طرح ہے: "عِنۡدِیۡ ثَوۡبٌ وَّنِصۡفُهٗ" یعنی میرے پاس ایک کپڑا اور دوسرے کپڑے کا نصف ہے(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس فرمان کے متعلق فرماتے ہیں کہ جس شخص کے لئے میں نے طویل عمر مقدر کی ہے، وہ اس تک ضرور پہنچے گا کیونکہ یہ میں نے کتاب میں لکھ رکھا ہے اور اس پر اضافہ نہیں ہوگا اور اسی طرح میں نے کتاب میں جس شخص کی کم عمر مقرر کی ہے، وہ لامحالہ اس مقررہ عمر تک پہنچے گا۔ یہ ساری باتیں کتاب میں درج ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے(1)۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ اس فرمان وَلَا يُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِهٖۤ کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے مراد حمل کا مکمل ہونے سے پہلے ساقط ہو جانا ہے۔ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ بعض لوگ سو سو سال کی عمر پاتے ہیں اور بعض پیدا ہوتے ہی مر جاتے ہیں۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ساٹھ سال کی عمر سے پہلے مرنے والا بھی کم عمر والا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ شکم مادر میں عمر لکھ دی جاتی ہے۔ ساری مخلوق کی عمر یکساں نہیں ہوتی بلکہ کوئی لمبی عمر والا ہوتا ہے اور کوئی کم عمر والا۔ یہ سب کچھ لکھا ہوا ہے اور یہی ظہور پذیر ہوتا ہے(2)۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ مَا يُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ کا معنی ہے جو اجل لکھی جاتی ہے اور وَلَا يُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِهٖۤ کا معنی ہے جو اس میں سے آہستہ آہستہ گزر رہی ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے ہاں مکتوب ہے۔ یکے بعد دیگرے جو سال، مہینے، ہفتے، دن اور گھڑیاں بیت جاتی ہیں، ان سب کا حساب لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ ابن جریر نے یہ قول ابو مالک سے نقل کیا ہے اور سدی اور عطاء خراسانی کا بھی یہی موقف ہے لیکن ابن جریر کا پسندیدہ قول پہلا ہے(3)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اسے رزق میں فراخی اور عمر میں زیادتی عطا کی جائے، اسے چاہئے کہ وہ صلہ رحمی کرے"(4)۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب کسی کی اجل آجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مہلت نہیں دیتا۔ عمر میں زیادتی صالح اولاد کے باعث ہوتی ہے، جو اس کے مرنے کے بعد اس کے لئے دعا کرتی ہے تو ان کی دعا قبر میں اسے پہنچتی رہتی ہے، یہی عمر میں زیادتی ہے"۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ یعنی اس کا اور تمام مخلوقات کی تفصیلات کا علم ہونا اس کیلئے بہت معمولی بات ہے کیونکہ اس کا علم تمام مخلوقات کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور کوئی چیز اس پر مخفی نہیں۔

وَمَا يَسۡتَوِى الۡبَحۡرٰنِ ۖ هٰذَا عَذۡبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلۡحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنۡ كُلٍّ تَاۡكُلُوۡنَ لَحۡمًا طَرِيًّا وَّتَسۡتَخۡرِجُوۡنَ حِلۡيَةً تَلۡبَسُوۡنَهَا ۚ وَتَرَى الۡفُلۡكَ فِيۡهِ مَوَاخِرَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ۝

"اور یکساں نہیں ہو سکتے پانی کے دو ذخیرے۔ یہ (ایک) میٹھا ہے بہت شیریں اس کا پینا بڑا خوشگوار ہے اور یہ (دوسرا) سخت نمکین، کھاری تلخ۔ اور دونوں میں سے تم کھاتے ہو تر و تازہ گوشت اور نکالتے ہو زینت کا سامان جسے تم پہنتے ہو۔ اور تو دیکھتا ہے کشتیوں کو پانی میں کہ اسے چیرتی، شور مچاتی چلی جارہی ہیں تاکہ تم تلاش کرو اس کے فضل کو اور (وہ سب نوازشات اس

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 122 2۔ الدر المنثور، جلد 7 صفحہ 11 3۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 123
4۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 73 صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1982 وغیرہ

لئے) تاکہ تم شکر ادا کرو"۔

اللہ تعالیٰ مختلف اور متنوع چیزیں تخلیق کرنے پر اپنی قدرت کاملہ سے آگاہ فرما رہا ہے، اس کی قدرت کا ایک کرشمہ یہ ہے کہ اس نے پانی کے دو بڑے ذخیرے پیدا کئے۔ ان میں سے ایک میٹھا اور نہایت شیریں ہے اور یہ چھوٹے بڑے دریاؤں کی شکل میں شہروں، آبادیوں، جنگلوں اور ویرانوں میں بہہ رہا ہے۔ یہ پانی نہایت میٹھا اور اس کا پینا بہت خوشگوار لگتا ہے۔ جبکہ دوسرا ذخیرہ نہایت نمکین، کھاری اور تلخ ہے۔ اس سے مراد ساکن سمندر ہے جس میں بڑی بڑی کشتیاں اور جہاز رواں دواں رہتے ہیں۔ اس کا پانی چونکہ کڑوا، نمکین اور کھاری ہوتا ہے اس لئے فرمایا: وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ۔ پھر فرمایا: وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ یعنی تم دونوں سے تازہ گوشت یعنی مچھلیاں کھاتے ہو اور پہننے کے لئے زینت کا سامان نکالتے ہو جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ ﴿٢٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (الرحمٰن: 23-22) "نکلتے ہیں ان سے موتی اور مرجان پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے" پھر ارشاد ہوتا ہے: وَتَرَى الْفُلْكَ۔ یعنی کشتیاں اپنے اگلے سرے سے جو پرندے کے سینے کی طرح ہوتا ہے، پانی کو چیرتی ہوئی چلتی رہتی ہیں اور ہوا کا مقابلہ کرتے ہوئے آگے بڑھتی رہتی ہیں تاکہ تم ان پر سفر کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو کر تجارت کرو اور اللہ تعالیٰ کا اس نعمت پر شکر ادا کرو کہ اس نے ہیبت ناک سمندر کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے، تم جیسے چاہو، اس میں تصرف کر سکتے ہو اور جہاں چاہو، جا سکتے ہو، یہ تمہارے سامنے سرکشی نہیں کر سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور رحمت کا تو یہ عالم ہے کہ اس نے اپنی قدرت سے سمندر اور دریا بلکہ زمین و آسمان کی تمام چیزیں تمہارے لئے مسخر کر دی ہیں۔

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿١٣﴾ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَ لَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَ لَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿١٤﴾

"وہ داخل کرتا ہے (کبھی) رات (کے ایک حصہ) کو دن میں اور (کبھی) داخل کرتا ہے دن (کے ایک حصہ) کو رات میں۔ اور اس نے پابند حکم کر دیا ہے سورج اور چاند کو۔ ہر ایک رواں ہے مقررہ میعاد تک۔ یہ ہے اللہ جو تمہارا رب ہے اسی کی ساری بادشاہی ہے اور وہ (بت) جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا، وہ تو گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔ اگر تم انہیں پکارو تو نہ سن سکیں گے تمہاری پکار۔ اور اگر وہ بالفرض سن بھی لیں تو وہ تمہاری التجا قبول نہیں کر سکیں گے اور روز قیامت (صاف) انکار کر دیں گے تمہارے شرک کا اور (حقیقت حال سے) تجھے کوئی آگاہ نہیں کر سکتا خدائے خبیر کی مانند"۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کے ایک اور مظہر کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے رات کے اندھیرے کے ساتھ اور دن کو روشنی کے ساتھ پابند کر رکھا ہے، کبھی راتیں بڑی اور کبھی دن بڑے، کبھی موسم گرما اور کبھی موسم سرما۔ اس نے سورج، چاند اور متحرک و ساکن ستاروں کو پابند حکم بنا رکھا ہے، تمام معین مقدار کے ساتھ مقررہ راہ پر گامزن رہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ عزیز و علیم کا قائم کیا ہوا نظام ہے کہ ہر ایک مقررہ میعاد یعنی روز قیامت تک رواں دواں رہے گا۔ یہ اللہ تمہارا رب اور معبود حقیقی ہی تو ہے جس کی قدرت کی یہ کرشمہ سازی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا تم

جن خود ساختہ بتوں کو پکارتے ہو، یہ تو کھجور کی گٹھلی کے پردے کے بھی مالک نہیں یعنی اتنی حقیر سی چیز بھی ان کی ملکیت میں نہیں۔ پھر فرمایا: اِنْ تَدْعُوْهُمْ ... یعنی اگر تم ان معبودان باطلہ کو پکارو تو یہ تمہاری پکار نہیں سن سکتے کیونکہ یہ بے جان جمادات ہیں اور اگر بالفرض یہ تمہاری آواز سن بھی لیں تو تمہاری التجا کو پورا کرنے اور تمہیں تمہاری مطلوبہ چیز فراہم کرنے پر قادر نہیں اور قیامت کے دن یہ تم سے بیزاری ظاہر کرتے ہوئے تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے جیسا کہ فرمایا: وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ... وَ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ (الاحقاف:6-5) ''اور کون زیادہ گمراہ ہے اس (بدبخت) سے جو پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کر سکتا اور وہ ان کے پکارنے سے ہی غافل ہیں۔ اور جب جمع کیے جائیں گے لوگ (روز محشر) تو وہ معبودان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا صاف انکار کر دیں گے'' اور فرمایا: وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَ يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا (مریم:82-81) ''اور انہوں نے اللہ کے سوا اور خدا بنا لئے ہیں تاکہ وہ ان کے لئے مددگار بنیں، ہرگز نہیں، وہ جھوٹے خدا ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور (الٹا) ان کے دشمن بن جائیں گے''۔ آیت کے آخر میں فرمایا: ''وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ'' یعنی امور کے انجام کے متعلق وہی خبردار کر سکتا ہے جو ان سے مکمل آگاہی رکھنے والا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی اپنی ذات ہے کیونکہ وہی حقیقت حال کی پوری پوری خبر دینے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ اللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۱۵ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝۱۶ وَ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝۱۷ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَ اِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَ مَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝۱۸

''اے لوگو! تم سب محتاج ہو اللہ تعالیٰ کے۔ اور اللہ ہی غنی ہے سب خوبیوں سراپا۔ اگر اس کی مرضی ہو تو تم سب کو نابود کر دے اور لے آئے ایک نئی مخلوق۔ اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ پر قطعاً دشوار نہیں۔ اور بوجھ نہیں اٹھائے گا کوئی گنہگار کسی دوسرے کا بوجھ۔ اور اگر بلائے گا پشت پر بوجھ اٹھانے والا (کسی کو) اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے تو نہ اٹھائی جا سکے گی اس کے بوجھ سے کوئی شے اگرچہ کوئی قریبی رشتہ دار ہی ہو۔ آپ صرف ان کو ڈرا سکتے ہیں جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز۔ اور جو پاکیزگی اختیار کرتا ہے سو وہ اپنی بھلائی کے لئے ہی اختیار کرتا ہے اور (یاد رکھو آخرکار) اللہ کی طرف ہی لوٹنا ہے''۔

اس حقیقت سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بے نیاز ہے اور تمام مخلوقات اس کی محتاج اور اس کے سامنے عاجز ہیں۔ فرمایا: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ یعنی لوگ اپنی تمام حرکات و سکنات میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اور وہ بالذات ان سے غنی ہے، اس لئے فرمایا: وَ اللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ یعنی اللہ وحدہ لاشریک بے نیاز ہونے اور اپنے تمام اقوال، افعال، شرعی احکام اور قضاء و قدر میں قابل ستائش ہونے میں منفرد ہے۔ اس کے بعد فرمایا: اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ ... یعنی اے لوگو! اگر وہ چاہے تو تم سب کو نابود کر کے کوئی دوسری قوم لے آئے، یہ کام اس کے لئے ذرا بھی مشکل نہیں۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ ... یعنی قیامت کے دن کوئی گنہگار دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور اگر اپنی پشت پر کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے کہے گا تو وہ اس کا ذرہ برابر بھی بوجھ نہیں اٹھائے گا اگرچہ

وہ اس کا قریبی رشتہ دار حتیٰ کہ باپ یا بیٹا ہی ہو۔ اس دن ہر ایک کو اپنی فکر دامن گیر ہوگی۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ اس فرمان وَ اِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے مراد پڑوسی ہے جو قیامت کے دن اپنے پڑوسی سے چمٹ جائے گا اور کہے گا: اے مومن! میں نے دنیا میں تم پر احسان کیا تھا لیکن آج میں تمہارا محتاج ہوں۔ چنانچہ وہ اپنے رب کے حضور اس کی سفارش کرتا ہے گا یہاں تک کہ اس کے عذاب میں تھوڑی سی تخفیف ہو جائے گی۔ والد قیامت کے دن اپنے بیٹے کو پکڑ کر اس پر اپنا احسان جتلائے گا اور اسے کہے گا کہ میں آج مشکل صورتحال سے دوچار ہوں، مجھے اپنی نیکیوں میں سے ایک ذرہ بھر دے دو شاید میں اس کے ذریعے نجات پا جاؤں۔ بیٹا کہے گا: ابا جان! آپ نے کس قدر معمولی چیز طلب کی ہے لیکن آج مجھے بھی وہی خوف دامن گیر ہے جو آپ کو ہے، اس لئے میں آپ کو کچھ نہیں دے سکتا، پھر اپنی بیوی کے پاس جائے گا اور کہے گا کہ میں تمہارے لئے کیسا اچھا خاوند تھا۔ وہ اس کی تعریف کرے گی تو وہ اسے کہے گا کہ آج مجھے ایک نیکی عطا کر دو شاید یہ میری نجات کا ذریعہ بن جائے۔ وہ جواب دے گی کہ آپ کا مطالبہ تو معمولی ہے لیکن آج ایسا کرنا میرے بس کا روگ نہیں کیونکہ مجھے بھی وہ اندیشہ لاحق ہے جو آپ کو ہے۔ اللہ تعالیٰ اور مقامات پر فرماتا ہے: لَا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْــًٔا (لقمان:33) "نہ بدلہ دے سکے گا کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے اور نہ ہی بیٹا اپنے باپ کی جانب سے کچھ بدلہ دے سکے گا"۔ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ -- يُّغْنِيْهِ (عبس:37-34)۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ... یعنی آپ کے لائے ہوئے پیغام سے صرف وہ عقلمند نصیحت حاصل کرتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اس کے حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے نماز قائم کرتے ہیں اور جو شخص پاکیزگی اختیار کرتا ہے اور نیک اعمال کرتا ہے تو اس کا فائدہ اسے ہی حاصل ہوگا اور بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہ جلد حساب لینے والا ہے اور وہ ہر ایک کو اس کے اچھے برے اعمال کی جزا دے گا۔

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۭ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾

"اور یکساں نہیں ہے اندھا اور بینا۔ اور نہ (یکساں ہیں) اندھیرے اور نور۔ اور نہ (یکساں ہے) سایہ اور تیز دھوپ۔ اور نہ ایک جیسے ہیں زندے اور مردے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سناتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور آپ نہیں سنانے والے جو قبروں میں ہیں۔ نہیں ہیں آپ مگر بروقت ڈرانے والے۔ ہم نے آپکو بھیجا ہے حق کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا۔ اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ ہو گزرا ہو۔ اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں (تو کوئی تعجب نہیں) بے شک جھٹلاتے رہے جو ان سے پہلے تھے۔ تشریف لائے تھے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں، آسمانی صحیفے اور نورانی کتاب لے کر۔ پھر (جب ان کی سرکشی کی حد ہوگئی) تو میں نے پکڑ لیا کفار کو پس (ساری دنیا جانتی ہے) میرا عذاب کیسا تھا"۔

فرمایا جا رہا ہے کہ یہ مختلف اور متضاد اشیاء یکساں نہیں۔ اندھا اور بینا یکساں نہیں ہو سکتے بلکہ ان کے درمیان بہت زیادہ فرق ہے، اسی طرح اندھیرے اور نور، سایہ اور دھوپ اور زندے اور مردے برابر نہیں۔ یہاں مومنوں اور کافروں کی مثال بیان ہو رہی ہے۔ مومنوں کی مثال زندوں کی سی ہے اور کافروں کی مثال مردوں کی سی جیسا کہ فرمایا: اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ ... لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا (الانعام:123) ”کیا وہ جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لئے نور بنا دیا جس کے اجالے میں وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے، وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہو، ان سے نکلنے والا نہ ہو“۔ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا (ہود:24) ”ان دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو اور دوسرا دیکھنے والا اور سننے والا ہو، کیا ان دونوں کا حال یکساں ہے“۔ مومن دیکھنے سننے والا ہے، اسے نور حاصل ہے اور وہ دنیا و آخرت میں صراط مستقیم پر گامزن ہے جو اسے سایوں اور نہروں والی جنت میں پہنچا دے گا جبکہ کافر اندھا اور بہرا ہے، اندھیروں میں بھٹک رہا ہے جن سے باہر نکلنا اس کے لئے ممکن نہیں، وہ ہمیشہ گمراہی میں سرگرداں رہتا ہے اور قیامت کے دن جہنم رسید ہو گا جہاں حرارت، شدید لو، کھولتا ہوا پانی اور گرم سیاہ سایہ اس کی تواضع کے لئے تیار ہے۔ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہے سماع حجت اور اس کے قبول کرنے کی طرف رہنمائی فرما دیتا ہے اور آپ انہیں نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں یعنی جس طرح مردے (کفار) قبروں میں جانے کے بعد ہدایت اور اس کی دعوت سے استفادہ نہیں کر سکتے اسی طرح یہ مشرکین ہیں۔ ان پر بدبختی لکھ دی گئی ہے اس لئے آپ ان کی ہدایت کے لئے کوئی تدبیر نہیں کر سکتے اور نہ انہیں راہ راست پر گامزن کر سکتے ہیں۔ آپ تو صرف خبردار کرنے والے ہیں یعنی انہیں تبلیغ کرنا اور ڈرانا ہی آپ کی ذمہ داری ہے۔ باقی رہی ہدایت اور گمراہی تو یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ فرمایا: اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ ۔ یعنی ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ آپ مومنوں کو بشارت دیں اور کافروں کو ڈرائیں اور بنی آدم سے جتنی قومیں گزری ہیں، سب کی طرف اللہ تعالیٰ نے ڈرانے والے رسول بھیجے اور ان کے تمام عذر ختم کر دیے جیسا کہ فرمایا: اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (الرعد:7) ”آپ تو ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لئے ہادی ہے“۔ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ (النحل:36) ”اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے دور رہو۔ سو ان میں سے کچھ وہ لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور کچھ ایسے بھی تھے جن پر گمراہی مسلط ہو گئی“۔ اس قسم کی اور بھی آیات ہیں۔ پھر فرمایا: وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ ...۔ البینات سے مراد روشن معجزات اور قطعی دلائل ہیں، زبر سے مراد کتابیں اور منیر سے مراد واضح اور نورانی۔ اگلی آیت میں فرمایا: ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔ یعنی اس کے باوجود ان قوموں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تو اس کی پاداش میں وہ عبرتناک عذاب سے دوچار ہوئے۔ پس میرا عذاب کیسا شدید تھا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ۭ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۭ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

''کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ اتارتا ہے آسمان سے پانی۔ پس ہم نکالتے ہیں اس کے ذریعے طرح طرح کے پھل جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ اور پہاڑوں سے بھی رنگ برنگ ٹکڑے ہیں کوئی سفید، کوئی سرخ مختلف رنگوں میں (کوئی شوخ کوئی مدھم) اور بعض حصے سخت سیاہ۔ اور انسانوں، چار پایوں، اور جانوروں کے رنگ بھی اسی طرح جدا جدا ہیں۔ اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی (پوری طرح) اس سے ڈرتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب پر غالب، بہت بخشنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کی بوقلمونیوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ ایک ہی چیز یعنی بارش کے پانی سے رنگا رنگ اور مختلف چیزیں تخلیق فرماتا ہے، یہ پانی ایک ہی طرح کا ہے لیکن اس کے ذریعے زرد، سرخ، سبز، سفید اور دیگر رنگوں میں مختلف اقسام کے پھل پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح ان کے رنگ، ذائقہ، مہک اور خوشبو میں بھی تنوع ہے۔ یہ نیرنگی قدرت الٰہی کی اعجاز آفرینی ہے جیسا کہ فرمایا: وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ - اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (الرعد: 4) ''اور زمین میں مختلف ٹکڑے ہیں جو قریب قریب ہیں اور انگوروں کے باغات ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں کچھ ایک تنے سے پھوٹی ہیں اور کچھ الگ الگ تنوں سے، سیراب کیا جاتا ہے ایک ہی پانی سے اور ہم بعض کو بعض پر ذائقہ اور بو میں فضیلت دیتے ہیں۔ بے شک اس میں عقلمند قوم کے لئے نشانیاں ہیں''، پھر فرمایا: وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ - یعنی اسی طرح پہاڑ بھی جدا جدا اور انواع واقسام کے تخلیق کیے گئے ہیں، ان میں سے کچھ سفید ہیں، کچھ سرخ، کچھ سیاہ اور بعض میں راستے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول ''جدد'' کا معنی راستے ہیں۔ یہ جدۃ کی جمع ہے۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غرابیب کا معنی ہے لمبے لمبے پہاڑ۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ عرب جب کسی سیاہ چیز کی سیاہی کی شدت اور کثرت کو بیان کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں: ''اَسْوَدُ غِرْبِيْبٌ'' (1) یعنی سخت سیاہ، اس لئے بعض مفسرین نے اس معنی کے پیش نظر کہا ہے کہ یہاں تقدیم وتاخیر ہے، اصل میں کلام یوں ہے: ''سُوْدٌ غَرَابِيْبُ'' (2)۔ لیکن یہ قول محل نظر ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: وَمِنَ النَّاسِ - یعنی اسی طرح جانداروں میں سے انسان، چوپائے اور جانور بھی قسم قسم کے ہیں۔ الانعام کا الدواب پر عطف ''عَطْفُ الْخَاصِّ عَلَى الْعَامِّ'' ہے۔ انسانوں میں بربر، حبشی اور طماطم بالکل سیاہ فام ہیں، صقالبہ اور رومی انتہائی سفید، عرب ان کے بین بین اور ہنود ان کے قریب قریب، اس لئے فرمایا: وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ (الروم: 22) ''نیز تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف۔ بے شک اس میں بھی اہل علم کے لئے نشانیاں ہیں''۔ اسی طرح چوپائے اور جانور بھی جدا جدا رنگوں والے ہیں یہاں تک کہ ایک جنس بلکہ ایک ہی نوع کے جانوروں کے رنگ مختلف ہیں، صرف یہی نہیں بلکہ ایک ہی جانور کئی کئی رنگوں والا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کتنا بابرکت ہے جو سب سے اچھا خالق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھنے لگا کہ کیا آپ کا رب رنگ آمیزی بھی کرتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسی خوب رنگ آمیزی جو کبھی دھیمی نہ پڑے، سرخ، زرد اور سفید'' (3)۔ اس لئے اس کے بعد فرمایا: اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ - یعنی اللہ تعالیٰ سے صرف وہ علماء ہی کماحقہ ڈرتے ہیں جو اس کی ذات کا عرفان رکھنے والے ہیں کیونکہ اس عظیم، قدیر، علیم، تمام صفات کمال سے متصف اور تمام اسمائے حسنیٰ سے موسوم ذات کے متعلق جس قدر زیادہ علم اور معرفت حاصل ہوگی، اسی قدر زیادہ اس کی خشیت حاصل ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ علماء ہیں جو اس

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 131 2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 569

3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب اللباس، جلد 3 صفحہ 361

حقیقت کا علم رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے(1)۔ ایک اور روایت میں آپ سے منقول ہے کہ بندوں میں رحمٰن کے متعلق علم رکھنے والا وہ ہے جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اس کی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور اس کی حرام کردہ چیزوں کو حرام جانے، اس کی وصیت کی حفاظت کرے اور یہ یقین رکھے کہ اس کی اس سے ضرور ملاقات ہوگی اور وہ اس سے اس کے اعمال کے متعلق باز پرس کرے گا۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں: خشیت (ڈرنا) وہ طاقت ہے جو بندے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عالم وہ ہے جو خلوت میں بھی رحمٰن سے ڈرے اور ایسے امور میں رغبت رکھے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا موجب ہیں اور ایسے کاموں سے اجتناب کرے جو اس کی ناراضگی کا سبب بنتے ہیں، پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی(2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زیادہ باتیں بنانا علم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے خشیت کا نام علم ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بکثرت روایات کرنے کا نام علم نہیں بلکہ علم ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ کسی دل میں ڈال دیتا ہے یعنی کثرت روایات سے خشیت نہیں حاصل ہوتی بلکہ جس علم کی اتباع فرض قرار دی گئی ہے، وہ کتاب وسنت، صحابہ اور ائمہ مسلمین سے حاصل ہونے والا علم ہے اور یہ روایت سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ علم کے نور ہونے کا مقصد علم کی فہم اور اس کے معانی کی معرفت ہے۔ ایک بزرگ سے منقول ہے کہ علماء کی تین قسمیں ہیں: ”عالم باللّٰہ، عالم بِاَمْرِ اللّٰہ اور عالِم باللّٰہ وَ عالم بِاَمْرِ اللّٰہ۔ عالِم باللّٰہ، عالم بامر اللّٰہ نہیں اور عالِم بِاَمْرِ اللّٰہ، عالم باللّٰہ نہیں، البتہ ”عالم باللّٰہ و عالم بامر اللّٰہ“ ہی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور حدود و فرائض کا علم رکھتا ہے۔ عالم باللہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو لیکن اسے حدود و فرائض کا علم نہ ہو اور عالم بامر اللہ وہ ہے جو حدود و فرائض کا علم تو رکھتا ہو لیکن اللہ تعالیٰ سے ڈرتا نہ ہو(3)۔

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَٰبَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَوٰةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَٰرَةً لَّن تَبُورَ ﴿٢٩﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٠﴾

”بے شک جو (غور وتدبر سے) تلاوت کرتے ہیں اللہ کی کتاب کی اور نماز قائم کرتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں اس مال سے جو ہم نے ان کو دیا ہے راز داری سے اور اعلانیہ، وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو ہرگز نقصان والی نہیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا اجر عطا فرمائے اور مزید اضافہ کرے ان کے اجر میں اپنے فضل سے۔ بے شک وہ بہت بخشنے والا بڑا قدردان ہے“۔

ان بندگان خدا کا ذکر ہو رہا ہے جو کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں، اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے احکام کی بجا آوری کرتے ہوئے اوقات مشروعہ میں نماز کی پابندی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں سے خفیہ اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں، یہ سعادتمند اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر وثواب کے خواہشمند ہیں جس کا حصول یقینی اور ضروری ہے جیسا کہ اس تفسیر کے آغاز میں فضائل قرآن کے ذکر میں ہم نے بیان کیا ہے کہ قرآن کریم اپنے ساتھی سے کہے گا کہ ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہے اور آج تم تمام تجارتوں کے پیچھے ہو۔ اس لئے فرمایا: لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ - تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا اجر عطا فرمائے اور اپنے فضل وکرم سے انہیں غیر متوقع مزید اجر ارزانی فرمائے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو بخشنے والا اور قلیل اعمال کا بھی قدردان ہے۔ حضرت مطرف رحمۃ اللہ علیہ جب اس

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 132، الدرالمنثور، جلد 7 صفحہ 20 | 2۔ الدرالمنثور، جلد 7 صفحہ 20 | 3۔ الدرالمنثور، جلد 7 صفحہ 20

آیت کی تلاوت کرتے تو فرماتے کہ یہ قاریوں کی آیت ہے(1)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر راضی ہوتا ہے تو اس پر خیر کی ایسی سات اصناف کے ساتھ ثنا کرتا ہے جو اس نے کی ہی نہیں ہوتیں اور جب وہ کسی بندے سے ناراض ہوتا ہے تو اسے شر کی ایسی سات اصناف کے ساتھ ذکر کرتا ہے جن کا اس نے ارتکاب کیا ہی نہیں ہوتا"(2)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔

وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۝

"اور جو کتاب بذریعہ وحی ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے سراسر حق ہے وہ تصدیق کرتی ہے پہلی کتابوں کی۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے سارے احوال سے باخبر ہے (اور) دیکھنے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرماتا ہے کہ ہم نے یہ قرآن آپ کی طرف وحی کیا ہے جو سابقہ آسمانی کتابوں کی صداقت اور ان کے اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیے جانے کی گواہی دیتا ہے، اسی طرح یہ کتابیں بھی قرآن کریم کی شان کو بیان کرتی ہیں اور اس بات کی گواہ ہیں کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ کلام ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ... یعنی اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے کہ اس کے بندوں میں سے کون زیادہ فضیلت کا مستحق ہے، یہی وجہ ہے کہ اس نے انبیاء ورسل کو تمام بنی نوع انسان پر فضیلت عطا فرمائی، پھر انبیاء کرام میں سے بعض کو بعض پر فضیلت اور اعلیٰ درجہ عطا فرمایا اور حضرت محمد ﷺ کو سب سے اعلیٰ مقام و مرتبہ ارزانی فرمایا۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝

"پھر ہم نے وارث بنایا اس کتاب کا ان کو جنہیں ہم نے چن لیا تھا اپنے بندوں سے۔ پس بعض ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض درمیانہ رو ہیں۔ اور بعض سبقت لے جانے والے ہیں نیکیوں میں اللہ کی توفیق سے۔ یہی (اللہ تعالیٰ کا) بہت بڑا فضل (وکرم) ہے"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی اس کتاب (قرآن) کا وارث ہم نے اپنے ان برگزیدہ بندوں کو بنایا جو اس پر عمل پیرا ہونے والے ہیں۔ جن برگزیدہ بندوں کو کتاب کا وارث بنایا گیا، وہ حضور ﷺ کی امت ہے، پھر اس امت کے تین گروہ ہو گئے، ایک گروہ وہ ہے جس سے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی ہو جاتی ہے اور بعض سے محرمات کا بھی ارتکاب ہو جاتا ہے۔ یہ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ہے، دوسرا گروہ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وہ ہے جو درمیانہ رو ہے۔ یہ فرائض کو ادا کرتے ہیں اور محرمات کے نزدیک نہیں پھٹکتے لیکن کبھی کبھی مستحبات میں سستی کر جاتے ہیں اور بعض مکروہ چیزیں ان سے سرزد ہو جاتی ہیں۔ تیسرے گروہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: وَمِنْهُمْ سَابِقٌ ۔ یعنی یہ وہ پاکباز ہیں جو فرائض و مستحبات کی مکمل طور پر پابندی کرتے ہیں اور محرمات، مکروہات حتیٰ کہ بعض مباح چیزوں سے بھی اجتناب کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جن لوگوں کا ذکر ہے، ان سے مراد امت محمد ﷺ ہے

1۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 3، صفحہ 476-477، تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 132-133، الدر المنثور، جلد 7 صفحہ 23
2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 38

جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر کتاب کا وارث بنایا۔ ان میں سے بعض ظالم یعنی گنہگار ہیں جن کے گناہ بخش دیئے جائیں گے، بعض درمیانہ رو ہیں جن سے آسان حساب لیا جائے گا اور بعض نیکیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں جنہیں بغیر حساب کے جنت میں داخل کر دیا جائے گا(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ والوں کے لئے ہے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نیکیوں میں سبقت لے جانے والے بلاحساب جنت میں داخل ہوں گے، درمیانہ رو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنت میں جائیں گے اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے اور اصحاب اعراف حضرت محمد ﷺ کی شفاعت سے طفیل جنت میں جائیں گے (2)۔ متعدد سلف سے مروی ہے کہ اپنے اوپر ظلم کرنے والا اس امت کا گروہ باوجود اپنی کجی اور کوتاہی کے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور برگزیدہ بندوں میں داخل ہے۔ بعض دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ یہ ظالم لوگ نہ اس امت میں سے ہیں اور نہ ان چنے ہوئے افراد سے جو اس کتاب کے وارث ہیں۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس سے مراد کافر ہیں(3)۔ مجاہد کے بقول اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا۔ زید بن اسلم، قتادہ اور حسن فرماتے ہیں کہ یہ منافق لوگ ہیں، پھر حضرات ابن عباس، حسن اور قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ تین اقسام وہی ہیں جو سورۂ واقعہ کے اول و آخر میں مذکور ہیں لیکن صحیح بات یہی ہے کہ اپنے اوپر ظلم کرنے والے گروہ کا تعلق بھی اسی امت سے ہے، امام ابن جریر کا پسندیدہ قول یہی ہے اور آیت کے ظاہری الفاظ اور متعدد احادیث سے اسی چیز کی نشاندہی ہوتی ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کے متعلق فرمایا کہ یہ تمام کے تمام گویا ایک جیسے ہیں اور تمام جنتی ہیں(4)۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے اور اس کے ایک راوی کا نام مذکور نہیں۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس امت میں ہونے اور جنتی ہونے کی بناء پر گویا ایک جیسے ہیں ورنہ مقام و مرتبہ کے لحاظ سے تو ان میں تفاوت ہے۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا: ''سابقین بلاحساب جنت میں داخل ہوں گے، درمیانہ رو لوگوں سے آسان حساب لیا جائے گا اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں کو طول محشر میں روک لیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ان کی تلافی ہو جائے گی تو یہ کہیں گے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم سے غم و اندوہ کو دور کیا، ہمارا رب غفور اور شکور ہے جس نے اپنے فضل سے ہمیں ایسی قیام گاہ میں اتارا جہاں ہمیں نہ تو کوئی دکھ درد ہوگا اور نہ تھکاوٹ و درماندگی''(5)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ظالموں کو روک لیا جائے گا، انہیں غم و اندوہ اور حزن وملال لاحق ہوگا پھر انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔ حضرت ابو ثابت رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں داخل ہوئے اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے قریب بیٹھ کر یہ دعا کرنے لگے: یا اللہ! میری وحشت کو دور فرما، میری تنہائی پر رحم کر اور مجھے صالح رفیق عطا فرما۔ یہ سن کر حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اگر تمہاری طلب صادق ہے تو میں تمہارا رفیق ہوں۔ میں تمہیں ایک ایسی حدیث سناتا ہوں جو میں نے پہلے کسی کو نہیں سنائی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ سابقین بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے، درمیانے لوگوں سے آسان حساب لیا جائے گا اور ظالموں کو وہاں حزن وملال کا سامنا ہوگا جس سے نجات پانے کے بعد وہ کہیں گے: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ اَذۡهَبَ عَنَّا الۡحَزَنَ(6)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 133-134، الدر المنثور، جلد 7 صفحہ 23　2۔ معجم طبرانی کبیر، جلد 11 صفحہ 189　3۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 135

4۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورہ فاطر، جلد 12 صفحہ 105-106، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 78

5۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 198　6۔ فاطر: 34، تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 137

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان تینوں گروہوں کے متعلق فرمایا: "یہ تمام اس امت سے ہیں" (1)۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری امت میں تین قسم کے لوگ ہیں، ایک تہائی لوگ بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں داخل ہوں گے، ایک تہائی لوگوں سے آسان آسان حساب لیا جائے گا اور اس کے بعد وہ جنت میں جائیں گے اور ایک تہائی لوگ وہ ہوں گے جن سے باز پرس ہوگی لیکن فرشتے ان کی سفارش کرتے ہوئے کہیں گے کہ یہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ" کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ سچ کہا کرتے تھے، بلاشبہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، انہیں اس کلمہ کی برکت سے جنت میں داخل کردو اور ان کے گناہوں کو جہنمیوں پر ڈال دو اسی بارے میں ارشاد ہے: "وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ" (2) یعنی وہ اپنے بوجھ اور اپنے بوجھوں کے ساتھ کچھ دوسرے بوجھ اٹھائیں گے۔ اس کی تصدیق اس میں ہے جس میں فرشتوں کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ ...... اللہ تعالیٰ نے ان کی تین اقسام بنائی ہیں۔ ان میں سے جو اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں، ان کا محاسبہ ہوگا(3)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اس امت کے تین ثلث ہوں گے، ایک تہائی لوگ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے، ایک تہائی سے آسان حساب لیا جائے گا اور ایک تہائی لوگ بڑے بڑے گناہ لے کر آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق دریافت فرمائے گا حالانکہ اسے بخوبی علم ہے کہ یہ کون ہیں؟ فرشتے جواب دیں گے کہ یہ بہت گنہگار ہیں لیکن انہوں نے کبھی تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ انہیں میری وسیع رحمت میں داخل کردو۔ اس کے بعد آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی(4)۔ حضرت عقبہ بن صہبان الہنائی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کا مفہوم دریافت کیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: بیٹا! یہ تمام جنتی ہیں۔ نیکیوں میں سبقت لے جانے والے وہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں تھے اور آپ ﷺ نے انہیں جنت کی بشارت دی، درمیانہ رو وہ صحابہ ہیں جو آپ کے نقش قدم چلتے رہے یہاں تک کہ ان کے ساتھ مل گئے اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے میرے اور تمہارے جیسے لوگ ہیں(5)۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اپنے متعلق یہ کہنا تواضع کے طور پر ہے ورنہ آپ کا شمار تو اکابر سابقین میں ہوتا ہے اور حدیث شریف کی رو سے آپ رضی اللہ عنہا کو تمام عورتوں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو ثرید کو تمام کھانوں پر۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ سے مراد ہمارے بدو لوگ ہیں۔ "مقتصد" سے مراد ہمارے شہری اور "سابق" سے مراد اہل جہاد ہیں۔ حضرت کعب الاحبار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مذکور تینوں گروہوں کا تعلق اس امت سے ہے اور تینوں جنتی ہیں البتہ اعمال کے مطابق ان کے درجات اور مراتب میں تفاوت ہے(6)۔ ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ تینوں جماعتیں ناجی ہیں۔ حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ امت مرحومہ ہے، ان میں ظالم کو بخش دیا جائے گا، ان کا مقتصد اللہ تعالیٰ کے پاس جنت میں ہوگا اور سابق اللہ تعالیٰ کے ہاں اعلیٰ درجات میں ہوگا(7)۔ امام باقر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ" سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے نیکیاں بھی کیں اور گناہ بھی۔ ان احادیث اور آثار کے پیش نظر ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ آیت عام ہے اور اس امت کی ان تینوں قسموں کو شامل ہے۔ چنانچہ علماء کرام اس نعمت پر سب سے زیادہ لائق رشک اور سب سے زیادہ اس رحمت کے مستحق ہیں جیسا کہ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ اہل مدینہ میں سے ایک شخص دمشق میں حضرت ابوالدرداء

1۔ معجم کبیر، جلد 1 صفحہ 167، مجمع الزوائد، جلد 7 صفحہ 96　　2۔ معجم کبیر، جلد 1 صفحہ 167، مجمع الزوائد، جلد 7 صفحہ 96
3۔ معجم کبیر، جلد 18 صفحہ 79-80، الدر المنثور، جلد 7 صفحہ 24-25، مجمع الزوائد، جلد 7 صفحہ 96
4۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 134　　5۔ مسند ابی داؤد طیالسی 209　　6۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 134　　7۔ ایضاً، صفحہ 135

رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے دریافت کیا: بھائی! کیسے آنا ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ میں ایک حدیث سننے کی خاطر حاضر ہوا ہوں جسے آپ بیان کرتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم کسی تجارت کی غرض سے نہیں آئے؟ جواب دیا: نہیں، پھر پوچھا کہ کیا تم کسی اور مقصد کے لئے تو نہیں آئے؟ جواب دیا: نہیں۔ پھر آپ نے استفسار کیا کہ کیا تم اس حدیث کی طلب میں آئے ہو؟ جواب دیا: ہاں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: "جو شخص طالب علم کے لئے کسی راہ پر چلتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے جنت کی راہ پر چلاتا ہے، فرشتے راضی ہو کر طلب علم کے لئے اپنے پر بچھا دیتے ہیں اور عالم کے لئے زمین و آسمان کی ہر چیز یہاں تک کہ مچھلیاں پانی میں استغفار کرتی ہیں۔ عابد پر عالم کی فضیلت ایسے ہے جیسے چاند کی تمام ستاروں پر۔ علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء کرام ورثہ میں نہ دینار چھوڑتے ہیں اور نہ درہم بلکہ وہ ورثہ میں علم چھوڑتے ہیں، جس نے اسے لے لیا، اسے وافر حصہ نصیب ہوا" (1)۔ ہم نے اس حدیث کو تمام طرق اور اختلاف رواۃ کے ساتھ بخاری شریف کتاب العلم کی شرح میں ذکر کر دیا ہے۔ سورۂ طٰہٰ کے آغاز میں حضرت ثعلبہ بن حکم رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث گزر چکی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ قیامت کے دن علماء سے فرمائے گا کہ میں نے اپنا علم اور حکمت تم میں اس لئے ودیعت کیا تھا تا کہ میں تمہیں بخش دوں اگرچہ تم کیسے ہی ہو، مجھے اس کی پرواہ نہیں" (2)۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ۚ وَ لِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۙ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾

"سدا بہار باغات! یہ ان میں داخل ہوں گے، پہنائے جائیں گے انہیں وہاں سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار۔ اور ان کی پوشاک وہاں ریشمی ہوگی۔ (شکر نعمت کے طور پر) کہیں گے سب ستائشیں اللہ کے لئے ہیں جس نے دور کر دیا ہم سے غم (و اندوہ)۔ یقیناً ہمارا رب بہت بخشنے والا بڑا قدر دان ہے۔ جس نے ہمیں بسایا ہے ابدی ٹھکانے پر اپنے فضل (و احسان) سے۔ نہ چھوئے گی ہمیں یہاں کوئی تکلیف اور نہ چھوئے گی ہمیں یہاں کوئی تھکن"۔

اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ بندوں کے متعلق بتایا جا رہا ہے جنہیں رب العالمین کی اتاری ہوئی کتاب کا وارث بنایا گیا کہ قیامت کے دن ان کا ٹھکانہ سدا بہار باغات ہوں گے جہاں انہیں سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار پہنائے جائیں گے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مومن کا زیور وہاں تک پہنچے گا جہاں تک اس کے وضو کا پانی پہنچتا ہے" (3)۔ مزید برآں وہاں ان کا لباس ریشمی ہوگا جس کا پہننا دنیا میں ان کے لئے ممنوع تھا۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ انہیں یہ لباس بھی عطا فرمائے گا۔ حدیث صحیح میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "جو شخص دنیا میں ریشم پہنے گا، اسے آخرت میں نہیں پہنایا جائے گا"۔ ایک اور حدیث میں اس کے متعلق فرمایا: "یہ ان (کافروں) کے لئے دنیا میں ہے اور تمہارے لئے آخرت میں" (3)۔ حضور ﷺ نے اہل جنت کے زیورات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انہیں سونے چاندی کے ایسے کنگن پہنائے جائیں گے جن میں موتیوں کا جڑاؤ کیا ہوگا اور ان پر بادشاہوں جیسے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب العلم، جلد 3 صفحہ 317، عارضۃ الاحوذی، جلد 10 صفحہ 154-155، سنن ابن ماجہ، المقدمہ، جلد 1 صفحہ 81، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 196

2۔ معجم کبیر، جلد 2 صفحہ 84

3۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ حج: 23

موتی اور یاقوت سے مرصع تاج ہوں گے، وہ بے ریش اور سرمگیں آنکھوں والے جوان ہوں گے"۔ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہیں گے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ یعنی تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم سے خوف کو زائل کیا اور دنیا و آخرت کے ان غموں اور پریشانیوں سے ہمیں راحت اور نجات بخشی جن کا ہمیں اندیشہ رہتا تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" والوں پر نہ موت کے وقت وحشت ہوگی، نہ قبروں میں اور نہ دوبارہ جی اٹھنے کے وقت۔ میں تو گویا ابھی قیامت کی چیخ و پکار کے وقت ان کی حالت دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے کہہ رہے ہیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ۔ شَكُوْرٌ (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی بہت سی خطاؤں کو معاف کرنے والا اور ان کی معمولی معمولی نیکیوں کی قدر کرنے والا ہے۔ وہ مزید کہیں گے: الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اپنے فضل و احسان سے یہ اعلیٰ مقام اور ابدی ٹھکانہ عطا فرمایا ورنہ ہمارے اعمال تو اس قابل نہ تھے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی بھی شخص اپنے عمل کے بل بوتے پر جنت میں داخل نہیں ہوگا"۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ بھی نہیں؟ فرمایا: "میں بھی نہیں مگر اس صورت میں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت اور فضل سے ڈھانپ دے" (2)۔ فرمایا: لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا ۔ یعنی اس میں نہ انہیں محنت و مشقت کا سامنا ہوگا اور نہ تھکاوٹ اور درماندگی کا۔ نصب اور لغوب دونوں تھکاوٹ کے معنی میں استعمال کئے جاتے ہیں، گویا دونوں کی نفی سے مراد یہ ہے کہ نہ ان کے بدن تھکاوٹ کا شکار ہوں گے اور نہ ان کی روحیں، چونکہ دنیا میں یہ سعادتمند عبادت میں مشغول رہ کر خود کو تھکاتے رہے اس لئے جنت میں یہ مکلف نہیں رہیں گے بلکہ انہیں ابدی راحت حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔۢا بِمَاۤ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ (الحاقہ: 24) "کھاؤ اور پیو مزے اڑا کر۔ یہ ان اعمال کا اجر ہے جو تم نے گزشتہ دنوں میں آگے بھیج دیئے"۔

وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا یُقْضٰى عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا وَ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِیْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾ وَ هُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا ۚ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَ لَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا یَتَذَكَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَ جَآءَكُمُ النَّذِیْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ ﴿۳۷﴾

"اور جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے دوزخ کی آگ (تیار) ہے۔ نہ ان کی قضا آئے گی کہ وہ مر جائیں اور نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے دوزخ کا عذاب۔ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ہر ناشکر گزار کو۔ اور وہ اس میں چیختے چلاتے ہوں گے۔ (فریاد کریں گے) اے ہمارے رب! (ایک بار) ہمیں یہاں سے نکال، ہم بڑے نیک کام کریں گے ایسے نہیں جیسے ہم پہلے کیا کرتے تھے۔ (جواب ملے گا) کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہیں دی تھی جس میں (بآسانی) نصیحت قبول کر سکتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا اور تشریف لے آیا تھا تمہارے پاس ڈرانے والا (تم نے اس کی بات نہ مانی) پس اب (اپنے کئے کا) مزا چکھو ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں"۔

سعادتمندوں کے ذکر کے بعد اب بدبختوں کے انجام کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اسی طرح ایک اور مقام پر

1۔ تفسیر کبیر، کتاب الدعاء، جلد 3 صفحہ 1491، مجمع الزوائد، جلد 1 صفحہ 83

2۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 123، صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار، جلد 4 صفحہ 2169

فرمایا: ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى (الاعلیٰ: 13) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''دوزخ میں ہمیشہ رہنے والوں کو وہاں نہ موت آئے گی اور نہ وہ زندہ رہیں گے'' (1)۔ ایک اور مقام پر ان کی حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ (الزخرف: 77) ''اور وہ پکاریں گے اے مالک! بہتر ہے کہ تمہارا رب ہمارا خاتمہ ہی کر ڈالے۔ وہ جواب دے گا کہ تمہیں یہاں ہمیشہ ٹھہرنا ہے''۔ وہ اس بری اور المناک حالت میں موت کو اپنے لئے راحت خیال کریں گے لیکن انہیں موت نہیں آئے گی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ ... یعنی نہ ان کی قضا آئے گی کہ وہ مر جائیں اور نہ ان سے دوزخ کا عذاب ہلکا کیا جائے گا جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۝ (الزخرف: 75-74) ''بے شک مجرم عذاب جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ (عذاب) ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اس میں آس توڑ بیٹھیں گے''۔ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا (بنی اسرائیل: 97) ''جب بھی آگ سرد ہونے لگے گی تو ہم ان کے لئے اس کی آنچ بڑھا دیں گے''۔ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا (النبا: 30) ''پس (اپنے کئے کا) مزہ چکھو ہم نہیں زیادہ کریں گے تم پر مگر عذاب''۔ پھر فرمایا: كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ یعنی یہ ہر اس شخص کی جزا ہے جو اللہ تعالیٰ کا انکار کرتا ہے اور حق کو جھٹلاتا ہے۔ اگلی آیت میں ان کی حالت زار کے متعلق مزید فرمایا: وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۔ یعنی وہ جہنم میں چیخ و پکار کرتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں فریاد کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے نکال کر دنیا میں واپس لوٹا دے، ہم وہاں نیک کام کریں گے، نہ کہ وہ عمل جو ہم پہلے کیا کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں، اگر انہیں واپس دنیا میں بھیج بھی دیا جائے تو بھی یہ برے کام ہی کریں گے، اس لئے اللہ تعالیٰ ان کی اس درخواست کو قبول نہیں کرے گا جیسا کہ ان بدبختوں کے متعلق فرمایا: فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا (المومن: 12-11) ''تو آگ سے نکلنے کی بھی کوئی راہ ہے۔ یہ اس لئے ہوا کہ جب ایک اللہ کو پکارا جاتا تو تم کفر کرتے اور اگر اس کا شریک ٹھہرایا جاتا تو تم مان لیتے''۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری اس التجا کو قبول نہیں کرے گا کیونکہ اگر تمہیں لوٹا بھی دیا جائے تو بھی تم پہلے کی طرح وہی برے اعمال کرو گے جن سے تمہیں منع کیا گیا تھا، اس لئے یہاں فرمایا: اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ ... یعنی کیا تم دنیا میں طویل عرصہ زندہ نہیں رہے، اگر تم ان لوگوں میں سے ہوتے جو حق کے ساتھ نفع حاصل کرتے ہیں تو تم اپنی مدت عمر میں ضرور ایسا کرتے؟ آیت کریمہ میں عمر کی کتنی مقدار مراد ہے، اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سترہ سال کی عمر مراد ہے، حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طول عمر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت ہے، ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں کہ طول عمر سے دھوکہ کھا کر برائیوں میں مبتلا رہیں، جب یہ آیت اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ اتری تو اس وقت بعض لوگوں کی عمر صرف اٹھارہ برس تھی (2)۔ حضرت وہب بن منبہ کے بقول یہاں بیس سال کی عمر مراد ہے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چالیس سال۔ مسروق فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے (3)۔ یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ عمر جس میں اللہ تعالیٰ ابن آدم کے عذر ختم کر دیتا ہے، چالیس سال کی ہے (3)۔ ابن جریر کا پسندیدہ قول یہی ہے۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ساٹھ سال کی مقدار منقول ہے۔ یہ روایت زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس کی تائید حدیث سے ہوتی ہے جسے ہم ابھی بیان کریں گے اگرچہ ابن جریر نے کہا ہے کہ اس کی سند مشکوک ہونے کے باعث یہ حدیث صحیح نہیں لیکن ان کی بات درست نہیں۔

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ طہٰ: 74 2۔ الدر المنثور، جلد 7 صفحہ 32-31 3۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 141

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جس عمر کی انہیں عار دلائی ہے، اس کی مقدار ساٹھ سال ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن کہا جائے گا کہ ساٹھ سال کی عمر والے کہاں ہیں، اور یہی وہ عمر ہے جس کے متعلق فرمایا: اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ..... (1)۔ یہ حدیث اس کے ایک راوی ابراہیم بن فضل کے باعث قابل غور ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اس بندے کا عذر ختم کر دیا جو ساٹھ ستر سال کی عمر کو پہنچ گیا، اس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر باقی نہ رہا، اس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر باقی نہ رہا'' (2)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اس شخص کا عذر ختم کر دیا جسے اتنی عمر بخشی کہ وہ ساٹھ سال کو پہنچ گیا'' (3)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ایک اور حدیث میں فرمایا: ''جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے ساٹھ سال عمر عطا فرمائی، اس کا عذر بہانہ اس عمر میں ختم کر دیا'' (4)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ''وہ عمر جس میں اللہ تعالیٰ ابن آدم کا عذر ختم کر دیتا ہے، ساٹھ سال ہے''۔ یہ حدیث اور بھی متعدد طرق سے مروی ہے۔ اگر یہ امام بخاری کے ایک بھی پسندیدہ طریقہ سے مروی ہوتی تو بھی اس کی صحت کے لئے کافی تھا۔ ابن جریر کا یہ کہنا کہ اس کی سند مشکوک ہے، قابل التفات نہیں کیونکہ امام بخاری نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ مذکور ہے کہ اطباء کے نزدیک طبعی عمر ایک سو بیس سال ہے۔ ساٹھ سال تک تو انسان بڑھتا رہتا ہے لیکن پھر نقص اور بڑھاپے میں قدم رکھ لیتا ہے۔ بقول شاعر جب آدمی ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو مسرت اور شباب رخصت ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ میں یہی عمر مراد ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے عذر اور بہانے ختم کر دیتا ہے اور یہی اس امت کی غالب عمر ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کی عمر یں ساٹھ سے ستر سال تک ہیں اور اس سے تجاوز کرنے والے کم ہیں'' (5)۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی کوئی سند نہیں لیکن امام ترمذی کا یہ کہنا بہت عجیب ہے۔ یہ حدیث تو متعدد اسناد سے مروی ہے، بلکہ خود ترمذی میں یہ حدیث ایک اور سند سے بھی مروی ہے جسے امام موصوف نے کتاب الزہد میں ذکر کیا ہے (6)۔ ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں ستر سال والے کم ہوں گے'' (7)۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں اپنی امت کی عمروں کے متعلق آگاہ فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پچاس سے ساٹھ سال تک کے درمیان''۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ستر سال والے؟ فرمایا: ''میری امت میں سے بہت کم اس عمر کو پہنچیں گے، اللہ تعالیٰ ستر اور اسی سال والوں پر رحم فرمائے'' (8)۔ پھر بزار کہتے ہیں کہ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ صرف اسی سند سے مروی ہے اور اس کا ایک راوی عثمان بن مطر جو اہل بصرہ میں سے ہے، قوی نہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کی عمر تریسٹھ برس تھی، یہی مشہور ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی عمر پینسٹھ سال تھی، ایک اور قول کے مطابق ساٹھ برس تھی۔ پھر فرمایا: وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ، عکرمہ، امام باقر، قتادہ اور سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ نذیر سے مراد بڑھاپے کے سفید بال ہیں جبکہ سدی اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے بقول اس سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں جیسا کہ فرمایا: هٰذَا

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 141، تفسیر کبیر، جلد 11 صفحہ 177-178　2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 275

3۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 11 صفحہ 238　4۔ سنن نسائی، کتاب الرقاق، جلد 9 صفحہ 472، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 417

5۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعا، جلد 12 صفحہ 65، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1415

6۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9 صفحہ 202-203　7۔ مسند ابی یعلی، تحقیق ارشاد الحق، جلد 6 صفحہ 65-66

8۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 225

نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى (النجم:56) ”یہ ڈرانے والا (رسول عربی) بھی پہلے ڈرانے والوں کی طرح ہے“(1)۔ چنانچہ عمر دے کر اور رسول بھیج کر اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی حجت پوری کر دی۔ دوسرا قول ہی صحیح ہے اور ابن جریر نے اسے ہی پسند کیا ہے اور اس کی تائید ان آیات سے بھی ہوتی ہے: وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا ... كٰرِهُوْنَ (الزخرف:78-77) ”اور وہ پکاریں گے: اے مالک! بہتر ہے کہ تمہارا رب ہمارا خاتمہ ہی کر ڈالے، وہ جواب دے گا کہ تمہیں تو یہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ بے شک ہم تمہارے پاس دین حق لے آئے لیکن تم میں سے اکثر حق سے نفرت کرنے والے تھے“۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل:15) ”اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم کسی رسول کو نہ بھیجیں“، كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ ... فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ (الملک:9-8)۔ یہاں آیت کے آخر میں فرمایا: فَذُوْقُوْا۔ یعنی تمام عمر انبیاء کرام کی مخالفت کی پاداش میں اب جہنم کے عذاب کا مزہ چکھو، آج تمہارا کوئی مددگار نہیں جو تمہیں اس عبرتناک عذاب سے بچا سکے۔

إِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٣٨﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ۚ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ﴿٣٩﴾

”بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین میں ہر چھپی ہوئی چیز کو۔ یقیناً وہ جانتا ہے دلوں کے رازوں کو۔ وہی ہے جس نے تمہیں (گزشتہ قوموں کا) جانشین بنایا زمین میں۔ پس جس نے کفر کیا اس کے کفر کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔ اور نہیں اضافہ کریگا کفار کیلئے ان کا کفر اللہ کی جناب میں بجز ناراضگی کے۔ اور نہ اضافہ کرے گا کفار کیلئے ان کا کفر بجز گھاٹے (اور خسران) کے“۔

یہ خبر دینے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی ہر مخفی چیز اور دلوں کے بھیدوں کو خوب جاننے والا ہے اور وہ ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دے گا، فرمایا: هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ ۔ یعنی ایک قوم گزشتہ قوم اور ایک نسل اپنی پیشرو نسل کی جانشین بنتی ہے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ (النمل:62) ”اور (کس نے) تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے“۔ پھر فرمایا: فَمَنْ كَفَرَ ۔ یعنی جو شخص کفر اختیار کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر ہوگا، نہ کہ کسی اور پر۔ جوں جوں کافر اپنے کفر میں بڑھتے جاتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور قیامت کے دن کا خسارہ بھی بڑھتا جاتا ہے لیکن مومنوں کی کیفیت ان کے برعکس ہے، جوں جوں ان کی عمر بڑھتی ہے اور نیک اعمال میں اضافہ ہوتا ہے، اس قدر جنت میں ان کے درجات بلند ہوتے ہیں، ان کا اجر بڑھ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت فرماتا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿٤٠﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿٤١﴾

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 142، الدر المنثور، جلد 7 صفحہ 31-32

"آپ فرمایئے کیا تم نے دیکھے ہیں اپنے شریک جنہیں تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا۔ مجھے بھی تو دکھاؤ زمین کا وہ گوشہ جو انہوں نے بنایا ہے یا ان کی کوئی شراکت ہو آسمانوں (کی تخلیق) میں۔ یا ہم نے انہیں کوئی کتاب دی ہو اور وہ اس کے روشن دلائل پر عمل پیرا ہوں۔ (کچھ بھی نہیں) بلکہ یہ ظالم محض ایک دوسرے کے ساتھ جھوٹے (دلفریب) وعدے کرتے رہتے ہیں۔ بے شک اللہ روکے ہوئے ہے آسمانوں اور زمین کو تا کہ وہ اپنی جگہ سے سرک نہ جائیں۔ اور اگر وہ سرک گئیں تو کوئی نہیں روک سکتا انہیں اللہ تعالیٰ کے بعد۔ بے شک وہ بڑا حلیم (اور) بخشنے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ مشرکین سے کہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کو پکارتے ہو، مجھے دکھاؤ کہ انہیں نے زمین کا کون سا گوشہ تخلیق کیا ہے یا ثابت کرو کہ آسمانوں کی تخلیق میں ان کی شراکت ہے؟ یعنی ایسا کوئی کمال ان کے بس کا روگ نہیں۔ یہ تو اس قدر بے بس اور بے اختیار ہیں کہ کھجور کی گٹھلی کے پردے کے بھی مالک نہیں۔ مزید فرمایا: اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا .. یعنی یا پھر یہی ثابت کر دیں کہ ہم نے ان پر ایسی کتاب اتاری ہے جو کفر و شرک کی دعوت دیتی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے کے ساتھ جھوٹے وعدے کرتے رہتے ہیں اور اس میں وہ اپنی باطل، جھوٹی اور دلفریب خواہشات، آراء اور آرزوؤں کی پیروی میں لگے رہتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی عظیم اور کامل قدرت کی خبر دے رہا ہے جس کے ذریعے زمین و آسمان اس کے حکم سے قائم ہیں اور ہر ایک اپنے اپنے مقام پر جما اور تھما ہوا ہے، فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ .. یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے تا کہ یہ اپنی جگہوں سے سرک نہ سکیں، اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (الحج: 65) "اور وہ آسمان کو روکے ہوئے ہے کہ زمین پر گر نہ پڑے بجز اس کے فرمان کے"۔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ (الروم: 25) "اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں" اور اگر زمین و آسمان اپنی جگہوں سے سرک جائیں تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا زور آور نہیں جو انہیں اپنے اپنے مقام پر برقرار رکھ سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ حلیم اور غفور بھی ہے۔ وہ اپنے بندوں کو کفر اور نافرمانی کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ درگذر فرماتا ہے، مہلت پر مہلت دیے جاتا ہے اور انتقام لینے میں جلدی نہیں کرتا، مزید برآں اگر کوئی گنہگار اس کی بارگاہ میں حاضر ہو جائے تو وہ اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے، اس لئے فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا۔ ابن ابی حاتم نے اس مقام پر ایک غریب بلکہ منکر حدیث بیان کی ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: "موسیٰ علیہ السلام کے دل میں یہ خیال گزرا کہ کیا اللہ تعالیٰ کو بھی نیند آتی ہے؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا جس نے انہیں تین دن بیدار رکھا اور انہیں دو بوتلیں دے دیں، ہر ایک ہاتھ میں ایک بوتل اور انہیں حکم دیا کہ ان بوتلوں کی حفاظت کرنا، کہیں گر کر ٹوٹ نہ جائیں لیکن آپ کو نیند آنے لگی اور قریب تھا کہ دونوں ہاتھ آپس میں ٹکرا جاتے لیکن آپ ہوشیار ہو گئے اور دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے سے الگ روک لیا۔ آخر کار نیند آپ پر غالب آ گئی، دونوں ہاتھ نے جنبش کھائی اور شیشیاں گر کر ٹوٹ گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مثال کے ذریعے آپ کو بتایا کہ اگر اللہ تعالیٰ سو جاتا تو زمین و آسمان کا تھامنا ناممکن تھا"۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ یہ اسرائیلی روایات میں سے ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کے بارے میں یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق ایسا خیال دل میں لا سکتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے متعلق فرماتا ہے: اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (البقرۃ: 255) "وہ زندہ ہے سب کو زندہ

رکھنے والا ہے، نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے"۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نہ سوتا ہے اور نہ ہی سونا اسے زیب دیتا ہے، وہ میزان کو پست اور بلند کرتا رہتا ہے، دن سے پہلے رات کے اعمال اور رات سے پہلے دن کے اعمال اس کے حضور بلند کئے جاتے ہیں، اس کا حجاب نور ہے یا آگ ہے، اگر وہ اسے منکشف کر دے تو اس کے چہرہ کی تجلیات، جہاں تک اس کی نگاہ پہنچتی ہے، سب مخلوق کو جلا ڈالیں" (1)۔ ایک آدمی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے دریافت کیا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا: شام سے۔ آپ نے پوچھا کہ وہاں کس سے تمہاری ملاقات ہوئی؟ اس نے بتایا کہ میری کعب سے ملاقات ہوئی۔ پھر آپ نے دریافت کیا کہ انہوں نے تم سے کون سی بات بیان کی؟ وہ شخص کہنے لگا کہ انہوں نے مجھے بتایا کہ آسمان ایک فرشتے کے کندھے پر گھوم رہے ہیں۔ آپ نے اس شخص سے کہا کہ کیا تم نے ان کی تصدیق کی یا تکذیب؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے نہ تو ان کی تصدیق کی ہے اور نہ تکذیب۔ آپ نے فرمایا کہ کعب کی بات صحیح نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ (2)۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ آسمان نہیں گھومتا۔ آپ نے مذکورہ بالا آیت کے علاوہ اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے: "مغرب میں توبہ کا ایک دروازہ ہے، وہ اس وقت تک کھلا رہے گا جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو" (3)۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ۙ﴿۴۲﴾ اسْتِكْبَارًا فِى الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ؕ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾

"اور (کفار مکہ) اللہ کی سخت قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو وہ زیادہ ہدایت قبول کریں گے پہلی امتوں سے۔ پس جب آ گیا ان کے پاس ڈرانے والا تو ان کی (حق سے) نفرت اور بڑھ گئی۔ وہ زیادہ سرکشی کرنے لگے زمین میں اور گھناؤنی سازشیں کرنے لگے۔ اور نہیں گھیرتی گھناؤنی سازش بجز سازشیوں کے۔ پس کیا یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو پہلے (نافرمانوں) کے ساتھ کیا گیا تھا۔ (اگر یہ بات ہے) تو آپ نہیں پائیں گے اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی۔ اور آپ نہیں پائیں گے اللہ کی سنت میں کوئی تغیر"۔

قریش اور عربوں کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ وہ حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے بڑی پختہ قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نذیر (رسول) آیا تو ہم تمام سابقہ امتوں سے زیادہ ہدایت کو قبول کریں گے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: اَنْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ - وَصَدَفَ عَنْهَا (الانعام: 158-157) "کہیں تم یہ نہ کہو کہ ہم سے پہلے کتاب تو صرف دو گروہوں پر اتاری گئی تھی اور ہم تو ان کے پڑھنے پڑھانے سے بالکل بے خبر تھے یا یہ نہ کہو کہ اگر ہم پر کتاب اتاری ہوتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل اور سراسر ہدایت اور رحمت آ گئی تو اس سے زیادہ کون ظالم ہے جس نے اللہ کی آیات

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 162-161 2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 144

3۔ جامع ترمذی، ابواب الدعوات، جلد 12 صفحہ 55-57، سنن ابن ماجہ کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 1353، وغیرہ

کو جھٹلایا اور ان سے منہ پھیرا"۔ وَ اِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا... فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (الصافات: 170-167) "اور وہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس پہلے لوگوں کی طرح سے کوئی نصیحت ہوتی تو ہم اللہ کے مخلص بندے بن جاتے پس (جب نصیحت آئی تو) اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ وہ عنقریب جان لیں گے"۔ فرمایا: فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ ۔ یعنی جب حضرت محمد ﷺ قرآن کریم جیسی عظیم کتاب لے کر ان کے پاس تشریف لائے تو حق سے ان کی نفرت اور ان کے کفر میں اضافہ ہو گیا، انہوں نے سرکشی کی روش اپناتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی آیات سے منہ موڑ لیا اور گھناؤنی سازشیں کرتے ہوئے یہ دوسرے لوگوں کو بھی راہ خدا سے برگشتہ کرنے میں کوشاں ہو گئے اور گھناؤنی سازش صرف سازشیوں کا ہی احاطہ کرتی ہے یعنی اس کا وبال ان پر ہی پڑتا ہے نہ کہ دوسروں پر۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "برے مکر سے اجتناب کرو، کیونکہ برا مکر مکاروں کو ہی اپنی لپیٹ میں لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان سے مؤاخذہ ہوگا" (1)۔ محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین کام ایسے ہیں جن کا ارتکاب کرنے والا نجات نہیں پا سکتا یہاں تک کہ ان کا وبال اس پر پڑ جائے: مکر، سرکشی اور عہد شکنی۔ اس کی تصدیق ان آیات سے ہوتی ہے: وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ... اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ (یونس: 23)، فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ (الفتح: 10) (2) پھر فرمایا: فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ ... یعنی کیا یہ اس بات کے منتظر ہیں کہ ان پر ویسا ہی عذاب نازل ہو جیسا کہ پہلی امتوں پر نازل ہوا جنہوں نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی اور تم اللہ تعالیٰ کی سنت میں کوئی رد و بدل نہیں پاؤ گے بلکہ ہر تکذیب کرنے والے پر یہ سنت جاری ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب سے دوچار کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس عذاب کو ٹالنے کی کسی میں ہمت نہیں ہوتی۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿۴۴﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰي ظَهْرِهَا مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

"کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ وہ دیکھ لیتے کہ کتنا (دردناک) انجام ہوا ان (سرکشوں) کا جو ان سے پہلے گزر چکے حالانکہ وہ قوت (و طاقت) میں ان سے (کئی گنا) زیادہ تھے۔ اور (سنو!) اللہ تعالیٰ ایسا (کمزور) نہیں ہے کہ اسے آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز نیچا دکھا سکے۔ وہ ہر بات جاننے والا، بڑی قدرت والا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ (فوراً) پکڑ لیا کرتا لوگوں کو ان کے کرتوتوں کے باعث تو نہ (زندہ) چھوڑتا زمین کی پشت پر کسی جاندار کو لیکن (اس کی سنت یہ ہے) وہ ڈھیل دیتا رہتا ہے انہیں ایک مقررہ میعاد تک۔ پس جب ان کی میعاد آ جائے گی تو بے شک اللہ کے سب بندے اس کی نگاہ میں ہیں"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ اپنی رسالت کے منکرین سے کہہ دیں کہ زمین میں سیاحت کرو اور دیکھو کہ ان لوگوں کا کیسا عبرتناک انجام ہوا جو رسولوں کو جھٹلاتے تھے، کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں نیست و نابود کر دیا، ان کی بستیاں کھنڈرات اور ان

1۔ الدر المنثور، جلد 7 صفحہ 36
2۔ الدر المنثور، جلد 7 صفحہ 36

سے گھر ویرانے بن گئے، نعمتیں چھن گئیں، طاقت جاتی رہی، مال برباد ہو گئے اور اولاد سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ جب اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا تو یہ چیزیں ان کے کسی کام نہ آئیں اور نہ کوئی چیز ان سے عذابِ الٰہی کو ٹال سکی کیونکہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان میں جب کسی چیز کے وجود کا ارادہ فرما لیتا ہے تو اسے نہ عاجز کیا جا سکتا ہے اور نہ نیچا دکھایا جا سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا عالم اور تمام چیزوں پر قادر ہے۔ پھر فرمایا: وَلَوْ يُؤَاخِذُ...... یعنی اگر اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے گناہوں کی پاداش میں پکڑ لیتا تو تمام آسمان اور زمین والوں کو ہلاک کر دیتا یہاں تک کہ نہ جانور باقی رہتے اور نہ رزق۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ قریب تھا ابن آدم کے گناہوں کے سبب سیاہ بھونرا اپنی بل میں عذاب سے دوچار ہو جاتا۔ حضرات سعید بن جبیر اور سدی اس آیت کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے کرتوتوں کے باعث پکڑ لیا کرتا تو ان پر بارش نہ برساتا جس کی وجہ سے تمام جانور مر جاتے، لیکن اللہ تعالیٰ انہیں قیامت تک مہلت دیتا ہے۔ روزِ قیامت ان کا محاسبہ ہوگا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا، اطاعت شعاروں کو ثواب اور نافرمانوں کو عقاب، اس لئے فرمایا: فَإِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ

سورۂ یٰسین (مکیہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر چیز کا دل ہوتا ہے اور قرآن کا دل سورۂ یٰسین ہے، جو شخص سورۂ یٰسین پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کی تلاوت کے بدلہ میں دس قرآن ختم کرنے کا ثواب لکھ دیتا ہے"(1)۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کا ایک راوی ہارون مجہول ہے۔ اس بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث مروی ہے۔ لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ اس حدیث کو حکیم ترمذی نے اپنی کتاب نوادر الاصول میں روایت کیا ہے۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث مروی ہے اور یہ بھی قابل غور ہے، اسے بزار نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "ہر چیز کا قلب ہے اور قرآن کریم کا قلب سورۂ یٰسین ہے"(2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص رات کو سورۂ یٰسین پڑھے، اسے بخش دیا جاتا ہے اور جو سورۂ دخان پڑھے اس کی بھی مغفرت ہو جاتی ہے"(3)۔ اس کی سند عمدہ ہے۔ صحیح ابن حبان میں حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے رات کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے سورۂ یٰسین کی تلاوت کی، اسے بخش دیا گیا"(4)۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "سورۂ بقرہ قرآن کی کوہان اور اس کی چوٹی ہے، اس کی ہر ہر آیت کے ساتھ اسی اسی فرشتے اترتے ہیں اور اس کی ایک آیت یعنی آیۃ الکرسی عرش تلے سے نکالی گئی ہے اور اس کے ساتھ ملائی گئی ہے۔ سورۂ یٰسین قرآن کریم کا دل ہے، جو شخص اسے اللہ تعالیٰ اور دار آخرت کی خاطر پڑھتا ہے، اس کی بخشش ہو جاتی ہے اور اسے اپنے اموات پر پڑھا کرو"(5)۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سورت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جس مشکل کام کے وقت اسے پڑھا جائے، اللہ تعالیٰ اسے آسان کر دیتا ہے اور قریب الوفات شخص کے پاس اس کی تلاوت رحمت اور برکت کا موجب ہے اور اس سے روح نکلنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ مشائخ بھی یہی فرماتے ہیں کہ جب مرنے والے کے پاس سورۂ یٰسین پڑھی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس سے تخفیف فرماتا ہے(6)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "میری خواہش ہے کہ میری امت کے ہر فرد کے دل میں یہ سورت محفوظ ہو"(7)۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

یٰسٓ ﴿۱﴾ وَ الۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾ اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۳﴾ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۴﴾ تَنۡزِیۡلَ الۡعَزِیۡزِ الرَّحِیۡمِ ﴿۵﴾ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اُنۡذِرَ اٰبَآؤُہُمۡ فَہُمۡ غٰفِلُوۡنَ ﴿۶﴾ لَقَدۡ حَقَّ الۡقَوۡلُ عَلٰۤی

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 11 صفحہ 17-18

2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، باب فضائل القرآن، جلد 3 صفحہ 87

3۔ مسند ابی یعلیٰ تحقیق ارشاد الحق، جلد 5 صفحہ 452-453

4۔ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الصلاۃ، جلد 4 صفحہ 121

5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 91، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 26 وغیرہ

6۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 105

7۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، باب فضائل القرآن، جلد 3 صفحہ 87

اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⊙

اے سید (عرب و عجم) قسم ہے قرآن حکیم کی۔ بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں (یقینا) آپ راہ راست پر ہیں۔ نازل فرمایا ہے (قرآن حکیم کو) عزیز (اور) رحیم نے۔ تاکہ آپ ڈرائیں اس قوم کو جن کے باپ دادا کو (طویل عرصہ سے) نہیں ڈرایا گیا اس لئے وہ غافل ہیں۔ بے شک (ان کے پیہم کفر و عناد کے باعث) یہ بات لازم ہو چکی ہے ان میں سے اکثر پر کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے"۔

سورۂ بقرہ کی تفسیر کے آغاز میں حروف مقطعات کے متعلق بحث گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے کہ "یٰسٓ" یا انسان کے معنی میں ہے (1)۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہی ہے لیکن یہ لغت حبشہ کا لفظ ہے۔ زید بن اسلم کے بقول یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم مبارک ہے۔ فرمایا: وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ یعنی قرآن محکم کی قسم جس کے کسی گوشہ پر باطل حملہ نہیں کر سکتا کہ یقیناً اے محمد (ﷺ) آپ رسولوں میں سے ہیں اور آپ راہ راست، پختہ دین اور شرع مستقیم پر قائم ہیں۔ یہ شریعت اور دین اللہ رب العزت کا اتارا ہوا ہے جو اپنے مومن بندوں پر ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ... تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ (الشوریٰ: 53-52) "بے شک آپ صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتے ہیں جو اللہ کی راہ ہے وہ اللہ جو مالک ہے ہر اس چیز کا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، سنو! سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے"۔ اس کے بعد فرمایا: لِتُنْذِرَ قَوْمًا۔ یہاں مراد عرب ہیں جن کے پاس آپ ﷺ سے پہلے کوئی نذیر نہیں آیا۔ یہاں صرف عربوں کے ذکر کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے اس حکم سے خارج ہیں جیسا کہ بعض افراد کے ذکر سے عموم کی نفی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف: 158) کی تفسیر میں ایسی متعدد آیات اور احادیث متواترہ گزر چکی ہیں جو آپ ﷺ کی بعثت عامہ پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر فرمایا: لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ۔ یعنی ان کی اکثریت پر عذاب لازم ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں یہ حتمی فیصلہ کر رکھا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ چنانچہ وہ نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں گے اور نہ اس کے رسولوں کی تصدیق کریں گے (2)۔

اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ⊙ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ⊙ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⊙ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ⊙ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۗ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ⊙

"ہم نے ڈال دیئے ہیں ان کی گردنوں میں طوق پس وہ ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں اس لئے ان کے سر اوپر کو اٹھے ہوئے ہیں۔ اور ہم نے بنا دی ہے ان کے سامنے ایک دیوار اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے پس وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ اور یکساں ہے ان کے لئے چاہے آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 148، الدر المنثور، جلد 7 صفحہ 41
2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 150

آپ تو صرف اسی کو ڈرا سکتے ہیں جو اتباع کرتا ہے قرآن کا اور ڈرتا ہے (خداوند) رحمٰن سے بن دیکھے۔ پس مژدہ سنایئے ایسے شخص کو مغفرت کا اور بہترین اجر کا۔ بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں مردوں کو اور لکھ لیتے ہیں (ان اعمال کو) جو وہ آگے بھیجتے ہیں اور ان کے آثار کو جو وہ پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ اور ہر چیز کو ہم نے شمار کر رکھا ہے لوح محفوظ میں''۔

ازلی بدبختوں کا بیان ہو رہا ہے کہ ان کا ہدایت تک پہنچنا محال ہے۔ ان کی حالت ایسی ہے جیسے ان کے ہاتھوں میں زنجیر اور گلے میں طوق ڈال کر انہیں گردن کے ساتھ یوں سختی کے ساتھ جکڑ دیا ہو کہ ان کا سر اوپر اٹھ کر رہ گیا ہو، اس لئے فرمایا: فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ مقمح اسے کہتے ہیں جس کا سر اوپر اٹھا ہو۔ ام زرع کا قول ہے: ''اَشْرَبُ فَاَتَقَمَّحُ'' یعنی میں خوب سیر ہو کر پیتی ہوں اور اپنا سر اٹھاتی ہوں۔ آیت کریمہ میں گردن میں طوق کا ذکر ہے، ہاتھوں کا نہیں لیکن مراد ہاتھ بھی ہیں اور ایسا ہوتا رہتا ہے کہ ایک چیز کے ذکر پر اکتفا کرتے ہوئے دوسری چیز کا اس لئے لفظوں میں ذکر نہیں کرتے کہ سیاق کلام کی دلالت اس پر موجود ہوتی ہے چونکہ غل (طوق) اسی چیز کا نام ہے کہ ہاتھوں کو گردن کے ساتھ جکڑ دیا جائے، اس لئے گردن کے ذکر کو کافی سمجھتے ہوئے ہاتھوں کا ذکر نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت کی طرح ہے: وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ (بنی اسرائیل:29) ''اور نہ بنالو اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کے ساتھ بندھا ہوا''۔ مذکورہ بالا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے ہاتھ ان کی گردنوں کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں، اس لئے وہ اپنے ہاتھ کار خیر کے لئے بڑھا نہیں سکتے[1]۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ان کے سر اونچے اور ہاتھ ان کے مونہوں پر رکھے ہوئے ہیں اور یہ ہر خیر سے بے بس اور جکڑے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ.... یعنی ہم نے ان کے آگے بھی حق سے ایک رکاوٹ اور دیوار بنا دی ہے اور ان کے پیچھے بھی، چنانچہ یہ گمراہی میں بھٹکتے ہوئے تردد کا شکار ہیں، مزید برآں ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں، اس لئے یہ حق کو دیکھ نہیں سکتے اور خیر سے نہ یہ استفادہ کر سکتے ہیں اور نہ اس کی راہ پا سکتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قرأت میں فَاَعْشَیْنٰهُمْ عین کے ساتھ ہے۔ یہ عشا (رتوندھی) سے ماخوذ ہے جو آنکھوں کی ایک بیماری کا نام ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اور ایمان واسلام کے درمیان دیوار حائل کر دی ہے اس لئے یہ ایمان واسلام تک نہیں پہنچ سکتے جیسا کہ ایک اور آیت میں ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ.... الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ (یونس:96)۔ اللہ تعالیٰ جس سے ہدایت روک لے، وہ بے بس ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ ابوجہل لعین کہنے لگا کہ اگر میں نے محمد (ﷺ) کو دیکھ لیا تو یوں یوں کر دوں گا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ لوگ اسے کہتے تھے کہ یہ محمد (ﷺ) ہیں لیکن اسے آپ ﷺ دکھائی ہی نہ دیتے تھے اس لئے وہ پوچھتا تھا کہ وہ کہاں ہیں، وہ کہاں ہیں؟[2] ایک مرتبہ ابوجہل اپنے ساتھی کافروں کی محفل میں حضور ﷺ کے متعلق کہنے لگا کہ اس شخص کا خیال ہے کہ اگر تم اس کی اتباع کرو گے تو بادشاہ بن جاؤ گے، مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور تمہیں اردن کے باغات سے بہتر باغات نصیب ہوں گے اور اگر تم نے اس کی مخالفت کی تو یہاں موت کے گھاٹ اتار دیئے جاؤ گے اور پھر مرنے کے بعد زندہ کر کے تمہیں جہنم کے دائمی عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ آج میں اس سے نپٹ لیتا ہوں۔ حضور ﷺ اسی دوران وہاں تشریف لے آئے۔ آپ کی مٹھی میں مٹی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کافروں کو اندھا کر دیا۔ آپ سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیات تلاوت کرتے ہوئے اور ان کے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے وہاں سے تشریف لے گئے۔ یہ بدبخت آپ کے دروازے پر نظریں جمائے آپ کی تاک میں رات بھر بیٹھے رہے کہ اسی اثناء میں گھر سے کوئی آدمی نکلا اور ان سے پوچھنے لگا کہ تم

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 151 2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 152، روح المعانی، جلد 22 صفحہ 115

یہاں کیسے ڈیرا جمائے بیٹھے ہو؟ کافر کہنے لگے کہ ہم محمد (ﷺ) کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس نے کہا کہ وہ تو تمہارے پاس آئے تھے اور تم میں سے ہر ایک کے سر پر خاک ڈالتے ہوئے نکل گئے۔ اب ہر ایک اپنے سر سے مٹی جھاڑنے لگا۔ جب نبی کریم ﷺ تک ابوجہل کی یہ بات پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "میں یہ بات کہتا ہوں، میرے ہاتھوں یہ قتل ہوں گے اور میں انہیں پکڑنے والا ہوں" (1)۔ اس کے بعد فرمایا: وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر گمراہی کی مہر لگا دی ہے۔ اس لئے انہیں ڈرانے کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ ہی یہ اس سے متاثر ہوں گے۔ اس جیسی آیت سورۂ بقرہ کے شروع میں بھی گزر چکی ہے(2)۔ ایک اور جگہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ ... الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس: 97-96) پھر ارشاد ہوتا ہے: اِنَّمَا تُنْذِرُ ... یعنی آپ کے ڈرانے اور نصیحت کرنے سے صرف مومن ہی استفادہ کرتے ہیں جو ذکر یعنی قرآن کریم کی اتباع کرتے ہیں، بن دیکھے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اس بات کا علم رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر پوری طرح آگاہ ہے اور ان کے اعمال کو خوب جاننے والا ہے۔ پس ایسے لوگوں کو گناہوں سے مغفرت اور بے پایاں عمدہ اجر کی نوید سنا دیں جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ (الملک: 12) "بے شک جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے"۔ پھر فرمایا: اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى یعنی ہم قیامت کے دن مردوں کو زندہ کریں گے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ گمراہی کے سبب مردہ دل کافروں میں سے جس کا چاہے دل زندہ کر دیتا ہے اور گمراہی سے نکال کر ہدایت کی راہ پر گامزن کر دیتا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر سنگدلوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (الحدید: 7) "جان لو! اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے، ہم نے تمہارے لئے اپنی نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں تاکہ تم سمجھو"۔ اس کے بعد فرمایا: وَنَكْتُبُ ... "یعنی ہم ان کے وہ اعمال لکھ رہے ہیں جو انہوں نے آگے بھیجے اور ان کے وہ آثار بھی جو وہ اپنے پیچھے چھوڑ آئے، ان کا بھی ہم انہیں بدلہ دیں گے۔ اگر خیر چھوڑ آئے تھے تو اچھا بدلہ ملے گا اور اگر شر کو رواج دیا تھا تو برا بدلہ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے اسلام میں اچھا طریقہ رائج کیا اسے اس کا اجر اور ان لوگوں کا سا اجر بھی ملے گا جو اس کے بعد اس پر عمل پیرا رہے جبکہ ان کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے اسلام میں برا طریقہ رائج کیا، اس پر اس کا بوجھ اور ان لوگوں کا بھی بوجھ ہوگا جو اس کے بعد اس پر عمل پیرا رہے جبکہ ان کے بوجھ میں ذرہ بھر بھی کمی نہ ہوگی"(3)۔ ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد آپ ﷺ نے اس آیت وَنَكْتُبُ کی تلاوت کی(4)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب ابن آدم مر جاتا ہے تو اس کے تمام عمل منقطع ہو جاتے ہیں بجز تین کے: ایسا علم جس سے نفع حاصل کیا جائے، نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے اور صدقہ جاریہ جو اس کے بعد باقی رہے"(5)۔ مجاہد "وَآثَارَهُمْ" کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد گمراہی ہے جسے گمراہ لوگ اپنے پیچھے چھوڑ جائیں۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ طریقہ ہے جو لوگ اپنے پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ اچھا طریقہ رائج کرنے والوں کو ان لوگوں کا بھی اجر حاصل ہوگا جو اس کی وفات کے بعد اس پر گامزن رہے اور برا طریقہ رائج کرنے والوں پر ان لوگوں کا بھی بوجھ ہوگا جنہوں نے اس کے بعد اسے اپنائے رکھا جبکہ عمل پیرا ہونے والوں میں سے نیک لوگوں کے اجر اور برے لوگوں کے بوجھ کم نہیں ہوں گے۔ یہ "آثَارَهُمْ" کی تفسیر میں پہلا قول تھا۔ بغوی نے اسی کو

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 483، الدر المنثور، جلد 7 صفحہ 43 — 2۔ البقرۃ: 6 — 3۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 705-704

4۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 706 — 5۔ صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ، جلد 3 صفحہ 1255

پسند کیا ہے(1)۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آثارھم سے مراد ان کے قدموں کے نشانات ہیں جو اطاعت یا معصیت کی طرف اٹھیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور حسن رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ان کے اٹھنے والے قدم ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں: اے ابن آدم! اگر اللہ تعالیٰ تیرے کسی عمل سے غافل ہوتا تو تیرے نشان قدم سے غافل ہوتا جسے ہوا مٹا دیتی ہے لیکن وہ ابن آدم کا ہر نشان قدم اور عمل شمار کر رہا ہے یہاں تک کہ وہ یہ بھی لکھ رہا ہے کہ یہ قدم اطاعت کی طرف اٹھا یا معصیت کی طرف(2)۔ اس معنی کی تائید میں بہت سی احادیث موجود ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مسجد نبوی کے اردگرد کچھ مکانات خالی ہو گئے تو بنوسلمہ نے مسجد نبوی کے قریب منتقل ہو جانے کا ارادہ کیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے انہیں فرمایا: ''مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم مسجد کے قریب منتقل ہونا چاہتے ہو؟'' انہوں نے عرض کی: جی ہاں، یا رسول اللہ ﷺ! ہمارا ارادہ تو ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے بنی سلمہ! اپنے گھروں میں رہو، تمہارے قدم لکھے جاتے ہیں۔ اپنے گھروں میں رہو تمہارے قدم لکھے جاتے ہیں''(3)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنوسلمہ مدینہ شریف کے ایک کنارے رہائش پذیر تھے، انہوں نے مسجد نبوی کے قریب آباد ہونے کا ارادہ کیا تو یہ آیت اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ نازل ہوئی اور حضور ﷺ نے انہیں فرمایا: ''بلاشبہ تمہارے نشانات قدم (اللہ تعالیٰ کے ہاں) لکھے جاتے ہیں''۔ چنانچہ انہوں نے نقل مکانی کا ارادہ ترک کر دیا(4)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ بنوسلمہ نے حضور ﷺ سے شکایت کی کہ ہمارے گھر مسجد نبوی سے بہت دور ہیں تو اس وقت یہ آیت اتری۔ چنانچہ وہ اپنے گھروں میں ہی مقیم رہے لیکن اس روایت میں اس آیت کے شان نزول کے ذکر کی وجہ سے غرابت ہے حالانکہ یہ ساری سورت مکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انصار کے مکانات مسجد نبوی سے دور واقع تھے، انہوں نے مسجد کے قریب منتقل ہونے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ ہم اپنے گھروں میں ہی رہیں گے(5)۔ یہ حدیث مرفوع نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مدینہ شریف کے ایک شخص کا انتقال ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھانے کے بعد فرمایا: ''کاش کہ اس کی وفات اس کی جائے پیدائش کے سوا کسی اور جگہ ہوتی''۔ ایک صحابی نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! یہ کیوں؟ فرمایا: ''جب کوئی آدمی کسی دوسرے وطن میں فوت ہو جاتا ہے تو اس کی جائے پیدائش سے لے کر جائے وفات کی زمین کے برابر اسے جنت میں جگہ ملتی ہے''(6)۔ حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز کے لئے نکلا، میں تیز تیز قدم اٹھانے لگا تو آپ نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ چنانچہ ہم آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی معیت میں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے مسجد کی طرف نکلا تو آپ نے مجھے فرمایا: اے انس! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ نشانات قدم بھی لکھے جاتے ہیں؟(7) اس قول اور پہلے قول کے درمیان کوئی تضاد نہیں بلکہ یہ قول پہلے کی تائید کرتا ہے کیونکہ جب نشانات قدم لکھے جاتے ہیں تو وہ نیک و بد طریقے بدرجہ اولیٰ لکھے جاتے ہوں گے جن کی لوگ اتباع کرتے ہیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ یعنی ہم نے ہر چیز لوح محفوظ میں درج کر رکھی ہے۔ ''امام مبین'' سے مراد ام الکتاب یعنی لوح محفوظ ہے۔ اسی طرح اس آیت يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ (بنی

1۔ تفسیر البغوی، جلد 4 صفحہ 7
2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 155 الدر المنثور، جلد 7 صفحہ 47
3۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 462؛ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 332-333
4۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ یٰسین، جلد 12 صفحہ 106-107
5۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 154؛ مجمع الزوائد، جلد 7 صفحہ 97 عن الطبرانی
6۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، جلد 1 صفحہ 515؛ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 177
7۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 154

اسرائیل: 71) میں بھی امام سے یہی مراد ہے یعنی ان کا نامۂ اعمال جو ان کے اچھے برے اعمال کا گواہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ (الزمر: 69) "اور رکھ دیا جائے گا دفتر عمل اور حاضر کئے جائیں گے انبیاء اور (دوسرے) گواہ"، وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ ۔۔۔ وَلَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (الکہف: 49)۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْیَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۚ﴿۱۳﴾ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمُ اثْنَیْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَیْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا یَعْلَمُ اِنَّآ اِلَیْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۷﴾

اور بیان فرمایئے ان کے (سمجھانے کے) لئے مثال گاؤں کے باشندوں کی جب آئے وہاں (ہمارے) رسول۔ جب (پہلے) ہم نے بھیجے ان کی طرف دو رسول تو انہوں نے ان کو جھٹلایا پس ہم نے تقویت دی (انہیں) ایک تیسرے رسول سے تو ان تینوں نے (انہیں) کہا کہ ہمیں تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔ بستی والوں نے کہا نہیں ہو تم مگر انسان ہماری مانند۔ اور نہیں اتاری رحمٰن نے کوئی چیز۔ نہیں ہو تم مگر جھوٹ بول رہے ہو۔ رسولوں نے کہا ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم یقیناً تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ اور نہیں ہم پر کوئی ذمہ داری بجز اس کے کہ (پیغام حق) کھول کر پہنچا دیں"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ اپنی قوم کے سامنے جو آپ کو جھٹلاتی ہے، گاؤں کے باشندوں کی مثال بیان کریں جنہوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلا دیا تھا۔ حضرات ابن عباس، کعب الاحبار اور وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ یہاں جس بستی کا ذکر ہوا ہے اس سے مراد انطاکیہ شہر ہے۔ یہاں کے بادشاہ کا نام انطیخس بن انطیخس بن انطیخس تھا اور یہ بت پرست تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف تین رسول بھیجے، صادق، صدوق اور شلوم لیکن بادشاہ نے ان کی تکذیب کی۔ بعض ائمہ نے کئی وجوہ کی بناء پر جن کا تذکرہ ہم ان شاء اللہ اس قصہ کے بعد کریں گے، شہر انطاکیہ مراد لینے سے انکار کیا ہے۔ فرمایا: اِذْ اَرْسَلْنَآ یعنی جب ہم نے ان کی طرف دو رسول بھیجے تو ان بستی والوں نے انہیں فوراً جھٹلا دیا، چنانچہ ہم نے تیسرے رسول کے ساتھ انہیں تقویت پہنچائی۔ شعیب الجبئی کہتے ہیں کہ پہلے دو رسول شمعون اور یوحنا تھے، تیسرے کا نام بولص تھا اور بستی انطاکیہ تھی۔ ان تینوں نے اس گاؤں کے باشندوں سے کہا کہ ہم تمہاری طرف تمہارے رب کے فرستادہ ہیں جس نے تمہیں پیدا کیا۔ وہی تمہارا خالق تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم صرف اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کرو۔ قتادہ کا خیال ہے کہ یہ تینوں حضرت مسیح علیہ السلام کے فرستادہ تھے جنہیں آپ نے اہل انطاکیہ کی طرف روانہ کیا تھا۔ ان رسولوں کی دعوت کے جواب میں بستی والے کہنے لگے کہ تم تو ہماری مثل بشر ہو۔ ہم بھی بشر ہیں اور تم بھی بشر ہو، پھر یہ بہت تعجب خیز بات ہے کہ تمہاری طرف تو وحی آتی ہے لیکن ہماری طرف نہیں آتی۔ اگر تم واقعی رسول ہوتے تو فرشتے ہوتے۔ یہ ایسا شبہ ہے جو ہمیشہ جھٹلانے والی قوموں کے دلوں میں کھٹکتا رہا جیسا کہ ان کے متعلق فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا (التغابن: 6) "اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر آتے رہے پس وہ بولے کیا انسان ہماری رہبری کریں گے"۔ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۭ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ (ابراہیم: 10) "انہوں نے جواب دیا کہ تم نہیں ہو مگر ہماری طرح بشر تم یہ چاہتے ہو کہ

ہمیں ان سے روک دو جن کی پوجا ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے، پس ہمارے پاس کوئی روشن دلیل لے آؤ" ، وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَخَاسِرُونَ (المومنون:34) "اگر تم اپنے جیسے بشر کی پیروی کرنے لگے تو تم نقصان اٹھانے والے بن جاؤ گے" ۔ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا (بنی اسرائیل:94) "اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب ان کے پاس ہدایت آئی مگر اس چیز نے کہ انہوں نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے" ۔ اس لئے یہ جھٹلاتے ہوئے کہنے لگے: مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ ۔ ان کی تکذیب کے جواب میں تینوں رسول کہنے لگے: رَبُّنَا يَعْلَمُ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے ہوئے اس کے رسول ہیں ۔ اگر ہم جھوٹے ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہم سے سخت انتقام لیتا اور جھوٹ کی ہمیں سخت سزا دی جاتی لیکن تم خود دیکھو لے کہ وہ ہماری مدد فرمائے گا اور تم پر غلبہ عطا فرمائے گا ۔ اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اچھا انجام کس کا ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا: قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا ۔ ۔ هُمُ الْخَاسِرُونَ (العنکبوت:52) رسول کہنے لگے: وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ یعنی ہماری ذمہ داری صرف یہی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا پیغام تم تک پہنچا دیں ۔ اگر تم نے اطاعت کی تو دنیا و آخرت کی سعادت پالو گے اور اگر ہماری دعوت کو قبول نہ کیا تو تمہیں اس کا انجام معلوم ہو جائے گا ۔

قَالُوا إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۖ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهُوا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٨﴾ قَالُوا طَائِرُكُمْ مَعَكُمْ ۚ أَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُسْرِفُونَ ﴿١٩﴾

"وہ کہنے لگے ہم تو تمہیں اپنے لئے فال بد سمجھتے ہیں ۔ اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کر دیں گے اور پہنچے گا تمہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب ۔ رسولوں نے فرمایا تمہاری بد فالی تمہیں نصیب ہو ۔ (حیرت ہے) اگر تمہیں نصیحت کی جاتی ہے (تو تم دھمکیاں دینے لگتے ہو) بلکہ تم لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہو" ۔

بستی والے ان رسولوں سے کہنے لگے کہ ہم تو تمہیں اپنے لئے فال بد سمجھتے ہیں ۔ اس شہر میں تمہارے کیا سبز قدم لگے ہیں کہ ہم تو خیر و برکت سے ہی محروم ہو گئے، جو بھی مصیبت ہم پر اترتی ہے، اس کا سبب تم ہی تو ہو اور تم جیسے منحوس لوگ جس بستی میں داخل ہو جاتے ہیں، وہ بستی آفات اور مصائب کا شکار ہو جاتی ہے ۔ پھر وہ دھمکی دیتے ہوئے کہنے لگے: لَئِنْ لَمْ تَنْتَهُوا یعنی اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے اور تمہیں ہماری طرف سے سخت سزا کا سامنا کرنا پڑے گا ۔ رسولوں نے انہیں جواب دیا: طَائِرُكُمْ مَعَكُمْ یعنی تمہاری نحوست اور بد فالی تمہارے اوپر لوٹا دی گئی ہے جیسا کہ قوم فرعون کے متعلق فرمایا: فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ ۔ ۔ ۔ أَلَا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِنْدَ اللَّهِ "تو جب ان پر خوشحالی آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچتی تو موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں سے بد فالی پکڑتے ۔ سن لو ان کی بد فالی تو اللہ کے پاس سے ہے" ۔ قوم صالح علیہ السلام نے کہا: اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَعَكَ قَالَ طَائِرُكُمْ عِنْدَ اللَّهِ "ہم تو تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو برا شگون سمجھتے ہیں آپ نے فرمایا تمہارا برا شگون تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے" ۔ قتادہ اور وہب بن منبہ طَائِرُكُمْ مَعَكُمْ کا معنی بتاتے ہیں کہ تمہارے اعمال تمہارے ساتھ ہیں ۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ ...... لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا (النساء:78) پھر فرمایا: أَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۔ یعنی اس وجہ سے کہ ہم نے تمہیں نصیحت کی اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت کا حکم دیا، تم ہمیں منحوس سمجھنے لگے اور دھمکیاں دینے لگے بلکہ تم لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہو ۔ قتادہ اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ اگر ہم تمہیں نصیحت کرتے ہیں تو تم ہم سے بدشگونی لیتے ہو، دراصل بات یہ ہے کہ تم زیادتی کرنے والے لوگ ہو ۔

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ۝ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ۝

دریں اثناء آیا شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا۔ اس نے کہا اے میری قوم! پیروی کرو رسولوں کی۔ پیروی کرو ان (پاکبازوں) کی جو تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتے اور وہ سیدھی راہ پر ہیں۔ اور مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں عبادت نہ کروں اس کی جس نے مجھے پیدا فرمایا اور اسی کی طرف تم (سب) نے لوٹ کر جانا ہے۔ کیا (میرے لئے جائز ہے کہ) میں بنالوں اسے چھوڑ کر کوئی اور خدا؟ (ہرگز نہیں) اگر رحمٰن مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے ذرا فائدہ نہ پہنچا سکے گی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں گے (اگر میں شرک کروں) تو میں بھی اس وقت کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ میں ایمان لے آیا ہوں تمہارے رب پر، پس (کان کھول کر) میرا اعلان سن لو۔

حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ، کعب الاحبار اور وہب بن منبہ سے منقول ہے کہ بستی والوں نے ان رسولوں کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ ایک مسلمان شخص شہر کے پرلے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا تاکہ وہ اپنی قوم کے مقابلہ میں پیغمبروں کی مدد کرے۔ کہتے ہیں کہ اس مسلمان کا نام حبیب تھا، اور یہ بافندہ تھا۔ اسے جذام کی بیماری لگی ہوئی تھی اور یہ سلیم الفطرت شخص بہت سخی تھا، اپنی کمائی کا نصف صدقہ کر دیا کرتا تھا۔ ابومجلز کہتے ہیں کہ اس کا نام حبیب بن سری تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس کا نام حبیب نجار تھا، قوم نے اسے قتل کر ڈالا تھا۔ بقول سدی یہ دھوبی تھا اور عمر بن حکم کے بقول یہ موچی تھا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ سعادتمند شخص وہاں ایک غار میں عبادت کیا کرتا تھا۔ اس نے اپنی قوم کو ان تینوں رسولوں کی اتباع پر برانگیختہ کرتے ہوئے کہا: يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْا... یعنی ان رسولوں کی پیروی کرو جو وعظ و تبلیغ پر تم سے کسی معاوضہ کا مطالبہ نہیں کرتے اور اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دینے میں یہ بالکل سچے ہیں اور بھلا مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور قیامت کے دن تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور وہ تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ کیا مجھے یہ زیب دیتا ہے کہ میں اسے چھوڑ کر اور معبود بنالوں۔ ءَاَتَّخِذُ میں استفہام انکاری زجر و توبیخ کیلئے ہے۔ یعنی یہ تمہارے جھوٹے خدا کسی چیز کے مالک نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو یہ تمہارے خدا اسے دور نہیں کر سکتے اور نہ ہی یہ مجھے اس تکلیف سے چھٹکارا دلا سکتے ہیں۔ حقیقت حال واضح ہونے کے باوجود اگر میں شرک کا ارتکاب کروں تو مجھ سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا۔ اس فرمان اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ میں خطاب قوم کو ہے۔ یعنی میں تمہارے اس پروردگار پر ایمان لایا ہوں جس کا تم نے انکار کر رکھا ہے، پس میری بات سنو (1)۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں خطاب پیغمبروں سے ہو یعنی میں تمہارے رب پر ایمان لایا جس نے تمہیں مبعوث فرمایا ہے، پس تم اس پر گواہ رہنا۔ ابن جریر نے اس قول کو نقل کیا ہے۔ بعض دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ یہاں خطاب رسولوں سے ہے جنہیں اس مسلمان نے کہا کہ میری بات سن لو تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میری اس بات کی گواہی دو کہ میں تمہارے رب پر

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 160

ایمان لایا اور تمہاری اتباع کی۔(1) یہ قول پہلے سے بھی زیادہ واضح ہے۔ حق کے اس بے باک علمبردار نے جب اپنے ایمان کا برملا اعلان کیا تو سب کافر یکبارگی اس پر ٹوٹ پڑے اور اسے شہید کر دیا۔ وہاں اس کی حمایت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ قوم نے اسے پتھر مار مار کر شہید کر دیا۔ یہ بندۂ خدا اپنی قوم کا ایسا مخلص خیر خواہ تھا کہ پتھر لگنے کے باوجود ان کے لئے دعا کر رہا تھا کہ یا اللہ! میری قوم کو ہدایت دے۔ یہ حقیقت کو نہیں جانتے(2)۔

قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۭ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۝ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰي قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ۝ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ۝

''حکم ہوا (جا) جنت میں داخل ہو جا۔ وہ بولا کاش! میری قوم بھی جان لیتی۔ کہ بخش دیا ہے مجھے میرے رب نے اور شامل کر دیا ہے مجھے باعزت لوگوں میں۔ اور نہ اتارا ہم نے اس کی قوم پر اس (کی شہادت) کے بعد کوئی لشکر آسمان سے اور نہ ہمیں اس کی ضرورت تھی۔ نہ تھی مگر ایک گرج پس وہ بجھے ہوئے کوئلے بن گئے''۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کفار اس مرد مومن کو مارتے پیٹتے اور پاؤں سے روندنے لگے یہاں تک کہ اس کی آنتیں نچلے رستے سے باہر آ گئیں(2)۔ اسی وقت اسے اللہ تعالیٰ نے جنت میں جانے کی نوید سنائی۔ وہ جنت میں داخل ہو گیا اور اس کے تمام روگ، بیماریاں اور غم و اندوہ جاتے رہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ شہادت کے بعد حبیب نجار کے لئے جنت لازم ہو گئی۔ وہاں جب اس نے عظیم اجر و ثواب پایا تو کہنے لگا کہ کاش میری قوم کو جانثاری کے اجر کا علم ہو جائے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ مومن خیر خواہ اور ہمدرد ہوتا ہے، بدخواہ اور دھوکے باز نہیں ہوتا۔ جنت میں جب حبیب نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعزاز و اکرام دیکھا تو آرزو کرنے لگا کہ کاش میری قوم کو اس کا علم ہو جائے(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس نے اپنی زندگی میں قوم کی یہ کہتے ہوئے خیر خواہی کی تھی: يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ اور مرنے کے بعد خیر خواہی کرتے ہوئے یہ کہا تھا: يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ بقول ابو مجلز اس کا معنی یہ ہے کہ کاش میری قوم جان لیتی کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور پیغمبروں کی تصدیق کرنے کے سبب اس نے میری مغفرت کی ہے اور مجھے معزز لوگوں میں شامل کیا ہے، مقصد یہ ہے کہ اگر میری قوم یہ جان لیتی کہ مجھے کس سبب سے بخشا گیا اور عزت افزائی کی گئی، تو وہ بھی رسولوں کی اتباع کر کے اس انعام کو حاصل کرنے کی سعی کرتے۔ اللہ تعالیٰ اس مرد مومن پر رحم فرمائے اور اس سے راضی رہے۔ یہ اپنی قوم کی ہدایت کا بہت زیادہ حریص تھا۔ حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گزارش کی کہ مجھے آپ دعوت و تبلیغ کے لئے میری اپنی قوم کی طرف بھیج دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تمہیں قتل کر ڈالیں گے''۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ وہ میرا اس قدر احترام کرتے ہیں کہ اگر میں سویا ہوا ہوں تو وہ بیدار نہیں کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر جاؤ۔ وہاں سے روانہ ہونے کے بعد جب حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کا گزر لات اور عزیٰ بتوں سے ہوا تو کہنے لگے کہ کل میں تم سے نپٹ لوں گا۔ یہ سن کر قبیلہ ثقیف غضبناک ہو گیا۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اے گروہ ثقیف! لات و عزیٰ کوئی چیز نہیں، اسلام قبول کر لو، سلامتی پا جاؤ گے، اے میرے عزیزو! لات و عزیٰ کی کوئی حقیقت نہیں، مسلمان ہو جاؤ، سلامت رہو گے۔ آپ نے تین مرتبہ یہ بات دہرائی، اسی اثناء میں

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 160	2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 160-161	3۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 161

ایک آدمی نے تیر چلا دیا جو آپ کی رگ میں لگا اور آپ فوراً شہید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایسے تھا جیسے سورۂ یٰسین والا جس نے کہا تھا: يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ (1)۔ حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے حضرت حبیب بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا گیا، ان کا تعلق قبیلہ بنو مازن بن نجار سے تھا اور مسیلمہ کذاب نے انہیں یمامہ میں شہید کر دیا تھا۔ اس لعین نے آپ رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کی نسبت دریافت کیا کہ کیا تم محمد (ﷺ) کی رسالت کی گواہی دیتے ہو؟ فرمایا: ہاں۔ پھر وہ پوچھنے لگا کہ کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ آپ فرمانے لگے کہ میں نہیں سنتا۔ اس پر مسیلمہ بگڑ گیا اور کہنے لگا کہ ان کی بابت تو سنتے ہو اور میرے متعلق نہیں سنتے، چنانچہ اس مردود نے آپ کے جسم کا ایک ایک عضو کاٹ کر آپ کو شہید کر دیا۔ جب بھی وہ آپ سے پوچھتا، آپ یہی جواب دیتے یہاں تک کہ جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ یہ واقعہ سن کر حضرت کعب کہنے لگے کہ سورۂ یٰسین میں مذکور مرد مومن کا نام بھی حبیب تھا(2)۔ فرمایا: وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ ۔۔ اس آیت میں یہ خبر دی جا رہی ہے کہ اللہ کے اس ولی کی شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے انتقام لیا اور زوردار گرج اور دلدوز چیخ کے عذاب سے دوچار کر کے انہیں نیست و نابود کر دیا کیونکہ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور اللہ کے ایک دوست کو قتل کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہیں ہلاک کرنے کے لئے ہم نے آسمان سے کوئی لشکر نہیں بھیجا اور نہ ہی ہمیں اس تردد کی ضرورت تھی بلکہ ان کی سرکوبی کا معاملہ بہت معمولی تھا اس لئے ہم نے فرشتوں کی جمعیت بھیجنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ چنانچہ ایک شدید گرج ان پر مسلط کر دی گئی جس کی وجہ سے انطاکیہ کا بادشاہ اور وہاں کے باشندے راکھ کا ڈھیر بن گئے اور حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔ بعض نے وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ کا یہ معنی بتایا ہے کہ پہلی قوموں کو ہلاک کرنے کے لئے ہم فرشتے نہیں بھیجتے تھے بلکہ ان پر ایسا عذاب نازل کرتے جو انہیں تباہ و برباد کر دیتا۔ بعض کے بقول وَمَآ اَنْزَلْنَا ۔ کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کی طرف کوئی دوسری رسالت نہ اتاری۔ یہ قول مجاہد اور قتادہ کا ہے۔ قتادہ مزید فرماتے ہیں کہ اس مرد مسلمان کی شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں تنبیہ نہیں کی بلکہ فوراً عذاب میں دھر لیا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ رسالت کو جند (لشکر) نہیں کہا جاتا(3)، مفسرین بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل علیہ السلام نے شہر کے دروازے کی چوکھٹ پکڑ کر ایک دلدوز اور گرجدار چیخ ماری جس کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ تمام کے تمام بجھے کوئلوں کی طرح بھسم ہو گئے اور بے جان لاشے بن گئے۔ اکثر سلف کا کہنا ہے کہ یہ بستی انطاکیہ تھی، اور یہ تینوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ تھے لیکن کئی وجوہ کی بناء پر یہ بات قابل اعتماد نہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ قصہ کا ظاہر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کے رسول تھے، نہ یہ کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حواری اور فرستادہ تھے کیونکہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ ۔۔ مزید برآں وہ اپنا تعارف یوں کرواتے ہیں: رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ..... اگر وہ حواری ہوتے تو ان کے کلام کا یہ انداز نہ ہوتا بلکہ وہ ایسا انداز اختیار کرتے جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاصد ہیں۔ پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ ہوتے تو کفار انہیں یہ بات نہ کہتے کہ تم ہماری مثل بشر ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انطاکیہ کے باشندے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاصدوں کے ہاتھوں ایمان لے آئے تھے بلکہ یہ وہ شہر ہے جس نے سب سے پہلے دین مسیح کو قبول کیا۔ اس لئے نصاریٰ کے نزدیک انطاکیہ ان چار شہروں میں سے ایک ہے جو ان کے ہاں مقدس سمجھے جاتے ہیں۔ (۱) بیت المقدس کیونکہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کا شہر ہے، (۲) انطاکیہ کیونکہ وہ پہلا شہر ہے جس کے تمام باشندے حضرت عیسیٰ

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 5 صفحہ 299-300 2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 159 3۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 2

علیہ السلام پر ایمان لائے، (۳) اسکندریہ کیونکہ یہاں انہوں نے مذہبی پیشواؤں کے تقرر پر اتفاق کیا اور پھر (۴) رومیہ، اس کی وجہ عظمت یہ ہے کہ یہ شاہ قسطنطین کا شہر ہے جس نے نصرانیت کی حمایت کی اور اسے پروان چڑھایا۔ یہاں ہی کے ان کے تبرکات تھے۔ جب بادشاہ نے قسطنطنیہ شہر بسایا تو ان تبرکات کو یہاں منتقل کر دیا۔ سعید بن بطریق وغیرہ نصرانی مؤرخین کی تاریخوں میں یہ واقعات مذکور ہیں۔ مسلمان مؤرخین نے بھی یہی ذکر کیا ہے۔ ان تاریخوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انطاکیہ وہ شہر ہے جس نے سب سے پہلے مسیحی دین قبول کیا اور یہاں قرآن کریم میں مذکور ہے کہ رسولوں کی تکذیب کی پاداش میں انہیں برباد کر دیا گیا۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اور ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے ساتھ انطاکیہ والوں کا قصہ نزول تورات کے بعد کا ہے اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور متعدد سلف نے ذکر کیا ہے کہ نزول تورات کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسمانی عذاب کے ذریعے کسی بستی کو بھی کلی طور پر برباد نہیں کیا بلکہ اس کے بعد مومنوں کو مشرکین کے خلاف جہاد کا حکم دیا جیسا کہ اس آیت وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى (القصص:43) کی تفسیر کے تحت مذکور ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر قرآن میں مذکور قریہ سے انطاکیہ مراد لینا درست نہیں۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ انطاکیہ نامی کوئی اور شہر ہو جہاں یہ واقعہ پیش آیا ہو لیکن جو انطاکیہ مشہور و معروف ہے، اس کے بارے میں ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اسے برباد کیا گیا، نہ نصرانیت کے دور میں اور نہ اس سے پہلے۔ طبرانی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”سبقت لے جانے والے تین ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سبقت کرنے والے یوشع بن نون تھے، عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سبقت لے جانے والے وہ تھے جن کا ذکر سورۂ یٰسٓ میں ہے اور محمد ﷺ کی طرف سبقت لے جانے والے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے“۔ اس حدیث کے متعلق یاد رہے کہ یہ منکر ہے اور اسے صرف حسین الاشقر نے روایت کیا ہے اور یہ شیعہ اور متروک ہے۔

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝

”صد افسوس ان بندوں پر نہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ اس کے ساتھ مذاق کرنے لگ گئے۔ کیا انہیں علم نہیں کہ کتنی امتوں کو ہم نے ان سے پہلے ہلاک کر دیا (اور) وہ (آج تک) ان کی طرف لوٹ کر نہ آئے۔ اور ان سب کو ہمارے سامنے حاضر کر دیا جائے گا“۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ کا معنی بتاتے ہیں ہائے بندوں کی بربادی، قتادہ کہتے ہیں: صد افسوس بندوں کا خود پر کہ انہوں نے حکم الٰہی کی بجا آوری میں کوتاہی کی یعنی وہ کہیں گے کہ ہائے افسوس! ہم نے خود ہی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ ایک قرأت میں ”یا حَسْرَةَ العبادِ علی انفسها“ کے الفاظ ہیں[1]۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن عذاب کو دیکھ کر وہ حسرت اور ندامت کا اظہار کریں گے کہ انہوں نے کیوں رسولوں کو جھٹلایا اور حکم الٰہی کی مخالفت کی۔ دنیا میں ان کی یہ کیفیت تھی کہ جو بھی رسول ان کے پاس آتا، یہ اسے جھٹلاتے، اس کا مذاق اڑاتے اور اس کی رسالت کا انکار کر دیتے۔ پھر فرمایا: اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا یعنی کیا انہوں نے ان سابقہ قوموں سے درس عبرت نہیں لیا جنہیں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی تکذیب کے باعث ہلاک کر دیا اور پھر اس دنیا میں واپس لوٹنا ان کے

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 2، الدر المنثور، جلد 7 صفحہ 54

لئے ممکن نہ رہا۔ درحقیقت معاملہ ایسا ہے بھی نہیں جیسا کہ اکثر جاہل اور فاجر لوگ گمان کرتے ہوئے کہتے ہیں: اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا (المومنون: 37) ''نہیں ہے کوئی اور زندگی سوائے ہماری اس دنیوی زندگی کے، یہیں ہمارا مرنا ہے اور یہیں ہمارا جینا ہے''۔ یہ اپنی جہالت کی بناء پر یقین رکھتے ہیں کہ انہیں اسی طرح پھر اس دنیا میں لوٹ کر آنا ہے۔ ان کے اس زعم باطل کے رد میں فرمایا: اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا... اس کے بعد فرمایا: وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ یعنی تمام گزری ہوئی اور آنے والی قومیں قیامت کے دن حساب کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں گی اور انہیں ان کے اچھے برے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ (ہود: 111) ''اور یقیناً آپ کا رب انہیں ان کے کرتوتوں کا پورا پورا بدلہ دے گا''۔ لفظ ''لما'' کی قراءت میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے تخفیف کے ساتھ ''لَمَا'' پڑھا ہے اس صورت میں ان (مخففہ) اثبات کے لئے ہوگا اور بعض نے اسے تشدید کے ساتھ ''لَمَّا'' پڑھا ہے۔ اس صورت میں ان نافیہ ہوگا اور ''لَمَّا'' اِلَّا کے معنی میں ہوگا۔ تقدیر کلام یوں ہوگی: ''وما كلٌّ الا جميعٌ لدينا مُحضرون''۔ دونوں قراءتیں ہم معنی ہیں۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ﴿٣٤﴾ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٦﴾

''اور ایک نشانی ان کے لئے یہ مردہ زمین ہے۔ ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے نکالا اس سے غلہ پس وہ اس سے کھاتے ہیں۔ اور ہم نے اگائے اس میں باغات کھجور اور انگوروں کے اور جاری کر دیئے اس میں چشمے۔ تاکہ کھائیں وہ اس کے پھلوں سے اور نہیں بنایا ہے اس کو ان کے ہاتھوں نے۔ کیا وہ (ان نعمتوں پر) شکر ادا نہیں کرتے۔ ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا فرمایا جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود ان کے نفسوں کو بھی اور ان چیزوں کو بھی جنہیں وہ (ابھی) نہیں جانتے''۔

اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی قدرت کاملہ اور مردوں کو زندہ کرنے کی ایک دلیل مردہ اور بنجر زمین ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اعجاز ہے کہ جب وہ مردہ، بنجر اور غیر آباد زمین پر بارش برساتا ہے تو اسی مردہ زمین میں زندگی انگڑائیاں لینے لگتی ہے، ہر طرف جل تھل ہو جاتا ہے، زمین میں روئیدگی کی قوتیں نمودار ہو جاتی ہیں، ہر طرف فصلیں لہلہانے لگتی ہیں اور طرح طرح کے پھل اپنی بہار دکھانے لگتے ہیں۔ اس طرح غلہ اور رزق کی بہتات ہو جاتی ہے جو انسانوں اور جانوروں کے کام آتا ہے۔ مزید برآں کھجوروں اور انگوروں کے باغات تیار کر دیئے جاتے ہیں اور آب پاشی کے لئے نہریں جاری کر دی جاتی ہیں۔ یہ سب فضل واحسان اس لئے ہے تاکہ لوگ ان کے پھل کھائیں اور کھیتوں اور باغات سے اپنی ضروریات پوری کریں۔ پھر فرمایا: وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کے بقول اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور قدرت کی کرشمہ سازی ہے، اس میں انسانوں کی سعی اور قوت کا کوئی دخل نہیں، اس لئے فرمایا: اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں اور لامحدود نعمتوں پر اس کا شکر کیوں نہیں ادا کرتے۔ اس صورت میں ''ما''

نافیہ ہو گی۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہاں ''ما'' موصولہ بمعنی الذی ہے۔ تقدیر کلام یوں ہو گی: ''لیا کلوا من ثمرہ ومما عملتہ ایدیھم'' (1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں یہی الفاظ ہیں۔ مطلب یہ ہوگا کہ وہ ان باغات کے پھل کھائیں اور ان درختوں کے بھی جو اپنے ہاتھوں سے لگاتے ہیں۔ پھر فرمایا: سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے زمین میں اگنے والے درختوں، پودوں، پھلوں، پھولوں غرضیکہ زمین سے ہر اگنے والی چیز کا جوڑا جوڑا بنا کر اسے نر اور مادہ میں تقسیم کر دیا، اسی طرح انسانوں کو بھی مذکر اور مونث میں تقسیم کر دیا اور یہ سلسلہ ایسی بے شمار مخلوقات میں بھی جاری ہے جن تک انسانی علم کی ابھی تک رسائی نہیں ہوئی جیسے کہ فرمایا: وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (الذاریات: 49) ''اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے تاکہ تم غور و فکر کرو''۔

وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ ۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾

''اور دوسری نشانی ان کے لئے رات ہے۔ ہم اتار لیتے ہیں اس سے دن کو یکلخت وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔ اور (یہ) آفتاب ہے جو چلتا رہتا ہے اپنے ٹھکانے کی طرف۔ یہ اندازہ مقرر کیا ہوا ہے (اس) عزیز (اور) علیم (خدا) کا۔ اور (ذرا) چاند کو دیکھو ہم نے مقرر کر دی ہیں اس کے لئے منزلیں، آخرکار ہو جاتا ہے کھجور کی بوسیدہ شاخ کی مانند۔ نہ سورج کی یہ مجال کہ (پیچھے سے) چاند کو آ پکڑے اور نہ رات کو یہ طاقت ہے کہ وہ دن سے آگے نکل جائے۔ اور سب (سیارے اپنے اپنے) فلک میں تیر رہے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی ایک اعجاز آفرینی دن اور رات کی تخلیق ہے۔ دن میں اجالا پھیل جاتا ہے اور رات کو تاریکی چھا جاتی ہے اور دونوں تسلسل کے ساتھ یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا (الاعراف: 54) ''وہ رات سے دن کو ڈھانپتا ہے دراں حالیکہ دن رات کو تیزی سے طلب کرتا ہے'' اس لئے فرمایا: وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ ۔ یعنی ہم رات سے دن کو اتار لیتے ہیں تو وہ رخصت ہو جاتا ہے اور رات اپنے ڈیرے جما لیتی ہے اور ہر سو اندھیرا چھا جاتا ہے جیسے حدیث میں ہے: ''جب ادھر سے رات آ جائے اور ادھر سے دن چلا جائے اور سورج غروب ہو جائے تو روزہ دار افطار کر لے'' (2)۔ آیت کا ظاہر اسی مفہوم کا متقاضی ہے لیکن حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ یہ آیت اس آیت کے معنی میں ہے: یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ (فاطر: 13) ''وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے''۔ امام ابن جریر نے اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ''ایلاج'' کا معنی ہے ایک سے کچھ لے کر دوسرے میں داخل کر دینا اور اس آیت میں یہ معنی مراد نہیں (3)۔ ابن جریر کا یہ قول حق ہے۔ آیت کریمہ میں ''مستقر'' کے معنی میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سورج کا مستقر مکانی (جائے قرار) ہے اور وہ عرش تلے زمین کی سمت میں ہے۔ چنانچہ صرف سورج ہی نہیں بلکہ تمام مخلوقات عرش کے نیچے ہیں اور یہ ان کی چھت ہے جو سب کا

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 4 2۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ بقرۃ: 187 3۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 5

احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یہ کرہ نہیں ہے جیسا کہ علماء ہیئت وفلکیات کا گمان ہے بلکہ یہ قبہ کی مثل ہے، اس کے پائے ہیں اور فرشتے اسے اٹھائے ہوئے ہیں۔ یہ انسانوں کے سروں سے متصل عالم کے اوپر ہے۔ چنانچہ جب دوپہر کے وقت سورج فلک کے قبہ میں ہوتا ہے تو اس وقت وہ عرش کے بہت قریب ہوتا ہے۔ پھر جب وہ گھوم کر آدھی رات کے وقت اس مقام کے بالمقابل چوتھے فلک میں آ جاتا ہے تو اس وقت یہ عرش سے بہت دور ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ سجدہ کرتا ہے اور طلوع کی اجازت طلب کرتا ہے جیسا کہ احادیث میں ہے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں غروب آفتاب کے وقت مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ موجود تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوذر! کیا تمہیں معلوم ہے کہ سورج کہاں غروب ہوتا ہے؟'' میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ عرش تلے سجدہ کرنے کے لئے جاتا ہے اور یہی مطلب اس آیت وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ ... کا ہے(1)۔ ایک مرتبہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے اس آیت کا معنی دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کا مستقر (قرارگاہ) عرش تلے ہے''۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ سورج کے غروب کے وقت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد میں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابو ذر! کیا تمہیں معلوم ہے کہ سورج کہاں جاتا ہے؟'' میں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ہی معلوم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرتا ہے پھر واپس لوٹنے کی اجازت مانگتا ہے تو اسے اجازت دے دی جاتی ہے۔ گویا اس سے کہا جاتا ہے کہ اسی جگہ لوٹ جا جہاں سے آیا تھا۔ چنانچہ یہ اپنے مطلع (جائے طلوع) کی طرف لوٹ جاتا ہے اور یہی اس کا مستقر ہے''۔ پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی(2)۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''یہ عرش کے نیچے سجدہ کرنے کے لئے جاتا ہے، پھر اذن مانگتا ہے تو اسے اذن دے دیا جاتا ہے اور قریب ہے کہ وہ سجدہ کرے لیکن قبول نہ کیا جائے اور اجازت مانگے لیکن اسے اجازت نہ دی جائے اور اسے کہا جائے کہ جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا۔ چنانچہ وہ مغرب سے ہی طلوع ہوگا''۔ یہی مطلب اس آیت کریمہ کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ سورج طلوع ہوتا ہے تو بنی آدم کے گناہ اسے لوٹا دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ غروب ہو کر عاجزی سے سجدہ ریز ہو جاتا ہے اور اجازت طلب کرتا ہے تو اسے اجازت مل جاتی ہے۔ ایک دن یہ عاجزی کرتے ہوئے سجدہ کرے گا اور اجازت مانگے گا لیکن اسے اجازت نہیں ملے گی۔ وہ کہے گا کہ مسافت بہت دور ہے اور اگر مجھے اجازت نہ ملی تو پہنچ نہیں سکوں گا، چنانچہ وہ جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو ارکا رہے گا، پھر اسے کہا جائے گا کہ جہاں سے غروب ہوا تھا وہیں سے طلوع ہو جا۔ اس دن سے لے کر وقوع قیامت تک ایسا وقت ہوگا جس وقت ایسے شخص کا ایمان لانا جو پہلے مومن نہ تھا، بے سود ہوگا اور ایسے شخص کا نیکی کرنا اسے کوئی فائدہ نہ پہنچائے گا جو پہلے نیکوکار نہ تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مستقر سے مراد سورج کے چلنے کی انتہا ہے یعنی موسم گرما میں اس کی انتہائی بلندی اور سرما میں انتہائی پستی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مستقر سے مراد سورج کی چال اور گردش کا اختتام ہے۔ قیامت کے دن اس کی سیر ختم ہو جائے گی، حرکت بند ہو جائے گی، اسے لپیٹ کر بے نور کر دیا جائے گا اور کل عالم کا خاتمہ ہو جائے گا۔ یہ مستقر زمانی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا کا مطلب یہ ہے کہ سورج اپنے مقررہ وقت اور میعاد پر چلتا رہتا ہے جس سے تجاوز کرنے کی اسے مجال نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورج گرمیوں اور سردیوں میں ایک نظام الاوقات کے تحت ان رستوں پر محو گردش رہتا ہے جو اس کے لئے مخصوص ہیں، اس سے وہ سرمو انحراف نہیں کرتا۔ حضرات ابن مسعود اور ابن عباس رضی

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ یٰسین، جلد 8 صفحہ 541

2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 152

اللہ عنہم کی قرأت میں ''لَا مُسْتَقَرَّ لَهَا'' ہے(1)۔ یعنی اس کے لئے نہ سکون ہے اور نہ قرار بلکہ یہ دن رات بغیر کسی توقف اور سستی کے مصروف گردش رہتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآىِٕبَيْنِ (ابراہیم: 33) ''اور مسخر کر دیا تمہارے لئے آفتاب و مہتاب جو برابر چل رہے ہیں''۔ یعنی قیامت تک یہ نہ تھکیں گے اور نہ رکیں گے۔ پھر فرمایا: ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ یعنی یہ اس خدا کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے جو ایسا غالب ہے کہ نہ اس کی مخالفت کی جا سکتی ہے اور نہ اس کی حکم عدولی ممکن ہے اور وہ تمام حرکات و سکنات کا علم رکھنے والا بھی ہے۔ اس نے ایسا نظام الاوقات مقرر کر رکھا ہے جس میں نہ اختلاف واقع ہونے کا امکان ہے اور نہ اس کے برعکس ہونا ممکن ہے جیسے فرمان ہے: فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (الانعام: 96) ''وہ صبح کو نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو آرام کے لئے اور سورج اور چاند کو حساب کے لئے بنایا۔ یہ اندازہ ہے سب سے زبردست سب کچھ جاننے والے کا''۔ اسی طرح حم السجدہ کی آیت کا اختتام بھی انہی الفاظ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ پر کیا۔ پھر فرمایا: وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ یعنی ہم نے چاند کے لئے منزلیں مقرر کر دیں اور یہ ایک الگ اور جداگانہ چال چلتا ہے جس سے مہینے معلوم کئے جاتے ہیں جس طرح سورج کی گردش سے دن رات کا علم ہوتا ہے جیسا کہ فرمان ہے: يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۗ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ (البقرۃ: 189) ''وہ آپ سے نئے چاندوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں، فرمائیے یہ لوگوں کے لئے اور حج کے لئے وقت کی علامتیں ہیں''۔ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ (یونس: 5) ''وہی ہے جس نے سورج کو درخشاں اور چاند کو نور بنایا اور اس کے لئے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب کو جان لو''، وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ ...... وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا (بنی اسرائیل: 12)۔ سورج کی مخصوص ضوء (روشنی) ہے اور چاند کا مخصوص نور اور دونوں کی رفتار بھی مختلف ہے۔ سورج ہر روز ایک جیسی روشنی پر طلوع اور غروب ہوتا ہے لیکن موسم گرما اور سرما میں اس کے طلوع و غروب کے مقامات مختلف ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے کبھی دن لمبا ہوتا ہے اور رات چھوٹی اور کبھی رات لمبی ہوتی ہے اور دن چھوٹا۔ سورج کی حکمرانی دن کے وقت ہوتی ہے اور یہ دن کا ستارہ ہے جبکہ چاند رات کا ستارہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی منزلیں مقرر کر رکھی ہے۔ مہینے کی پہلی شب کو جب یہ طلوع ہوتا ہے تو مدھم سا اور کم روشنی والا ہوتا ہے پھر دوسری رات میں اس کا نور کچھ بڑھ جاتا ہے اور یہ بلند بھی ہو جاتا ہے۔ جوں جوں یہ بلند ہوتا ہے، اس کی روشنی بڑھتی جاتی ہے اگرچہ اس کی روشنی سورج سے حاصل کردہ ہوتی ہے، بالآخر چودھویں کی رات یہ ماہ تمام بن جاتا ہے اور اس کا نور کمال کو پہنچ جاتا ہے، اس کے بعد یہ گھٹنا شروع ہو جاتا ہے اور بتدریج کم ہوتے ہوتے یہ کھجور کی خشک، بوسیدہ اور خمیدہ ٹہنی کی مانند ہو جاتا ہے جس پر تر کھجوریں لٹکتی ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے نئے سرے سے اگلے مہینہ کے آغاز میں ظاہر کرتا ہے۔ عربوں نے چاند کی روشنی کے اعتبار سے ہر تین قمری راتوں کا الگ الگ نام رکھا ہے۔ پہلی تین راتوں کو ''غرر'' کہتے ہیں، اس کے بعد کی تین راتوں کا نام ''نفل''، اگلی تین راتوں کا ''تسع'' اس لئے کہ ان کی آخری رات نویں ہوتی ہے، اس کے بعد کی تین راتوں کو ''عشر'' کہتے ہیں کیونکہ ان کا آغاز دسویں رات سے ہوتا ہے، پھر اگلی تین راتیں ''بیض'' اس لئے کہ ان راتوں میں چاند کی روشنی آخر تک رہتی ہے، اس کے بعد کی تین راتیں ''درع'' کہلاتی ہیں۔ یہ ''درعاء'' کی جمع ہے۔ چونکہ ان میں سے پہلی رات میں چاند کے دیر سے طلوع ہونے کی وجہ سے یہ رات تاریک ہوتی ہے اس لئے اسے یہ نام دیا گیا، اسی سے ''الشاۃ الدرعاء'' ہے یعنی وہ بکری جس کا سر سیاہ ہو، اس کے بعد کی تین راتوں کو ''ظلم'' پھر اگلی تین کو ''حنادس''، پھر تین کو ''دآدی''،

1۔ روح المعانی، جلد 23 صفحہ 15

پھر آخری تین کو "محاق" کیونکہ ان میں چاند غائب اور مہینہ ختم ہو جاتا ہے۔ حضرت ابوعبیدہ "تسع" اور "عشر" کا انکار کرتے تھے۔ کتاب "غریب المصنف" ملاحظہ ہو۔ پھر فرمایا: لَا الشَّمْسُ ۔۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ سورج اور چاند دونوں کی حد مقرر ہے جس سے نہ وہ تجاوز کر سکتے ہیں اور نہ پیچھے رہ سکتے ہیں۔ باری باری ان کی آمد و رفت جاری رہتی ہے۔ ایک آتا ہے تو دوسرا رخصت ہو جاتا ہے(1)۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ چاند رات کو سورج کی یہ مجال نہیں کہ وہ چاند کو جا پکڑے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہوا کے پر ہیں اور چاند کا ٹھکانہ پانی کا غلاف ہے، ابوصالح اس آیت کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ اس کی روشنی اس کی روشنی کو اور اس کی روشنی اس کی روشنی کو نہیں پکڑ سکتی۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کی حکمرانی مخصوص اوقات میں ہے۔ سورج کی مجال نہیں کہ وہ رات کو طلوع ہو جائے اور اس فرمان وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ یہ ممکن نہیں کہ رات سے گزر جانے کے بعد دوسری رات شروع ہو جائے بلکہ درمیان میں دن لازمی آتا ہے۔ پس سورج کی بادشاہت دن کو ہے اور چاند کی حکمرانی رات کو۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب تک دن نہ آئے، رات نہیں آتی۔ مجاہد اس فرمان وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ کے متعلق کہتے ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کو تیزی سے طلب کرتے ہیں اور ان میں سے ایک دوسرے سے اتارا جاتا ہے یعنی دن اور رات کے درمیان کوئی وقفہ نہیں ہوتا بلکہ دونوں یکے بعد دیگرے بغیر کسی تاخیر کے آتے رہتے ہیں کیونکہ دونوں ہمہ وقت پابند ہیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ یعنی دن اور رات، سورج اور چاند سب کے سب فلک آسمان میں تیر رہے ہیں اور محو گردش ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ سب زمین و آسمان کے درمیان فلک میں تیر رہے ہیں لیکن یہ قول بہت غریب بلکہ منکر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور متعدد سلف کہتے ہیں کہ یہ فلک چرخے کے دھکڑے کی مثل ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ چکی کے پاٹ کے لوہے کی طرح ہے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾
وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۴۴﴾

"اور ایک نشانی ان کے لئے یہ بھی ہے کہ ہم نے سوار کیا ان کی اولاد کو ایک کشتی میں جو بھری ہوئی تھی۔ اور ہم نے پیدا کیں ان کے لئے اس کشتی کی مانند اور چیزیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں۔ اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر دیں پس کوئی ان کی فریاد سننے والا نہ ہو اور نہ وہ ڈوبنے سے بچائے جاسکیں۔ بجز اس کے کہ ہم ان پر رحمت فرمائیں اور انہیں کچھ وقت تک لطف اندوز ہونے دیں"۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا مظہر ایک اور کرشمہ سازی کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے سمندر کو کشتیوں اور بحری جہازوں کی آمد و رفت کے لئے مسخر کر دیا ہے۔ سب سے پہلی کشتی حضرت نوح علیہ السلام کی تھی جس پر سوار ہو کر آپ اور آپ علیہ السلام کے ساتھی مومن نجات پا گئے اور روئے زمین پر ان کے سوا کوئی انسان باقی نہ رہا، اس لئے فرمایا: وَاٰيَةٌ لَّهُمْ یعنی ہم نے ان کے آباؤ اجداد کو اس کشتی میں سوار کیا جو سامان اور حیوانات سے بھری ہوئی تھی اور اس میں ہر قسم کے جانور کا جوڑا جوڑا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول "مشحون" کا معنی ہے بوجھ سے لدی ہوئی۔ اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔۔ کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد اونٹ ہیں جو خشکی کی کشتیاں ہیں اور ان کی طرح بار برداری، نقل و حمل

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 8، الدر المنثور، جلد 7 صفحہ 58

اور مواصلات کا ذریعہ ہیں۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس سے مراد کشتیاں اور جہاز ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے نمونے پر بعد میں بنے(1)۔ اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے: اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِی الْجَارِیَةِ ﴿۱۱﴾ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّ تَعِیَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ (الحاقۃ: 12-11) "جب پانی حد سے تجاوز کر گیا تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کیا تاکہ ہم اسے تمہارے لئے یادگار بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں"۔ پھر فرمایا: وَ اِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ... یعنی اگر ہم چاہیں تو کشتی میں سوار لوگوں کو غرق کر دیں، پھر نہ کوئی ان کی فریاد رسی کرنے والا ہو اور نہ ہی انہیں غرق کرنے سے بچایا جا سکے بجز اس کے کہ ہماری رحمت ان کے شامل حال ہو اور ایک مقررہ میعاد تک انہیں زندگی سے لطف اندوز رکھنا مقصود ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان اِلَّا رَحْمَةً میں استثناء منقطع ہے معنی یہ ہوگا: لیکن ہم اپنی رحمت سے تمہیں خشکی اور تری میں سفر کرنے کے قابل بناتے ہیں اور ایک مقررہ وقت تک تمہیں سلامت رکھتے ہیں۔

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَیْنَ اَیْدِیْكُمْ وَ مَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَ مَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ﴿۴۶﴾ وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗۤ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۴۷﴾

"اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ڈرو (اس عذاب سے) جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں سے، مگر وہ اس سے روگردانی کرنے لگتے ہیں۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ خرچ کرو اس مال سے جو تمہیں اللہ نے دیا ہے تو کافر کہتے ہیں اہل ایمان کو کہ کیا ہم انہیں کھانا کھلائیں جنہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود کھلا دیتا۔ (اے ناصحو!) تم تو بالکل بہک گئے ہو"۔

مشرکین کی سرکشی، گمراہی اور گناہوں پر ان کے اصرار کو بیان کیا جا رہا ہے کہ جب انہیں گزشتہ گناہوں سے ڈرنے اور توبہ کرنے اور قیامت کے دن پیش آنے والے عذاب سے محتاط ہونے کی تلقین کی جاتی ہے تو وہ اس سے روگردانی کر لیتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جب انہیں سابقہ گناہوں سے رجوع کرنے اور آئندہ کے لئے گناہوں سے باز رہنے کو کہا جاتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور انہیں عذاب سے محفوظ رکھے تو وہ اس نصیحت کو قبول نہیں کرتے بلکہ اس سے اعراض کر لیتے ہیں(2)۔ یہاں یہ جواب شرط محذوف ہے اور اس فرمان وَمَا تَاْتِیْهِمْ... پر اکتفاء کرتے ہوئے اسے ذکر نہیں کیا(3)۔ یعنی توحید اور رسولوں کی صداقت کی جو بھی نشانی ان کے پاس آتی ہے، یہ اس سے اعراض کر لیتے ہیں، نہ اس میں غور و فکر کرتے ہیں، نہ اسے قبول کرتے ہیں اور نہ اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا۔ یعنی جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں سے مسلمان فقراء اور محتاجوں پر خرچ کرو تو وہ حجت بازی کرتے ہوئے ان فقراء و مساکین کی بابت اہل ایمان سے کہتے ہیں کہ تم ہمیں جن لوگوں پر خرچ کرنے کا حکم دے رہے ہو، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ خود ہی انہیں غنی کر دیتا اور اپنی جناب سے انہیں رزق بہم پہنچا دیتا۔ جب اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت نہیں تو ہم اس

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 10
2۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 12
3۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 12

کی مشیت کے خلاف کرنے والے کون ہیں۔ یہ جو تم ہمیں حکم دے رہے ہو کہ ان مسکینوں پر خرچ کرو، اس میں تم واضح غلطی پر ہو۔ ابن جریر کے بقول اس بات کا احتمال ہے کہ اس فرمان اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ کے مخاطب کفار ہوں۔ اہل ایمان کے ساتھ مناظرہ کے دوران جب کفار نے مذکورہ بالا ہرزہ سرائی کی تو جواب میں اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ فرمایا کہ تم کھلی گمراہی میں ہو(1)۔ لیکن یہ احتمال محل نظر ہے۔

وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۴۸﴾ مَا یَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَ هُمْ یَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَةً وَّ لَاۤ اِلٰۤى اَهْلِهِمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾

"اور کافر کہتے ہیں یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم سچے ہو (تو اس وقت مقررہ کو بتا دو) یہ (نابکار) نہیں انتظار کر رہے مگر اس ایک گرج کا جو (اچانک) انہیں دبوچ لے گی جب وہ بحث مباحثہ کر رہے ہوں گے۔ پس نہ وہ (اس وقت) کوئی وصیت کرسکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر آسکیں گے"۔

کفار وقوع قیامت کو محال سمجھتے ہوئے کہتے کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اور کب قیامت قائم ہوگی۔ جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا یَنْظُرُوْنَ ۔ یعنی انہیں صرف ایک گرج کا انتظار ہے جو انہیں دبوچ لے گی جبکہ وہ بحث مباحثہ کر رہے ہوں۔ صیحۃ (گرج) سے مراد صور ہے۔ جب صور پھونکا جائے گا تو ہر چیز پر وحشت اور گھبراہٹ طاری ہو جائے گی۔ لوگ بازاروں میں اور کاروباری مقامات پر حسب معمول بحث مباحثہ کر رہے ہوں گے اور روزمرہ کے امور انجام دے رہے ہوں گے کہ اسی اثناء میں حضرت اسرافیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے صور پھونک دیں گے جو کافی دیر جاری رہے گا۔ روئے زمین پر ہر ایک اپنے کان کھڑے کرلے گا اور آسمان سے آنے والی اس ہولناک آواز کو غور سے سنے گا، پھر لوگوں کو میدان محشر کی طرف لے جایا جائے گا اور آگ انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئی ہوگی۔ اس نازک اور خوفناک صورتحال میں اتنی مہلت بھی نہیں ہوگی کہ وہ وصیت کرسکیں اور نہ انہیں اپنے گھر والوں کی طرف واپس لوٹایا جائے گا۔ اس آیت کے متعلق بہت سے آثار اور احادیث وارد ہوئے ہیں جنہیں ہم نے کسی دوسرے مقام پر بیان کر دیا ہے(2)۔ اس پہلے نفخہ کے بعد دوسرا نفخہ ہوگا جس کے سبب اس حی و قیوم ذات کے سوا ہر ایک مر جائے گا۔ اس کے بعد تیسرا نفخہ ہوگا جس سے سب دوبارہ جی اٹھیں گے۔

وَ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ٜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَ صَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَالْیَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْـًٔا وَّ لَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾

"اور (دوبارہ جب) صور پھونکا جائے گا تو فوراً وہ اپنی قبروں سے نکل نکل کر اپنے پروردگار کی طرف تیزی سے جانے لگیں گے (اس وقت) کہیں گے ہائے ہم برباد ہوگئے! کس نے ہمیں اٹھا کھڑا کیا ہے ہماری خوابگاہ سے۔ (آواز آئے گی) یہ وہی ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ فرمایا تھا اور سچ کہا تھا (اس کے) رسولوں نے۔ نہیں ہوگی مگر ایک زوردار کڑک، پھر وہ فوراً سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیے جائیں گے۔ پس آج نہیں ظلم کیا جائے گا کسی پر ذرہ بھر اور نہ ہی بدلہ دیا جائے گا

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 13
2۔ دیکھئے تفسیر سورۃ الانعام: 73، تفسیر سورۃ نمل: 87

تمہیں نگران اعمال کا جو تم کیا کرتے تھے"۔

یہاں تیسرے نفخے کا ذکر ہو رہا ہے جس سے مردے زندہ ہو کر اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے، نسلان جو 'ینسلون' کا مصدر ہے، اس کا معنی ہے تیز تیز چلنا جیسا کہ ایک اور آیت میں فرمایا: یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ (المعارج: 43) "اس روز جلدی جلدی قبروں سے نکلیں گے گویا وہ (اپنے بتوں کے) استھانوں کی طرف دوڑے جا رہے ہیں"۔ اس وقت وہ کہیں گے: یٰوَیْلَنَا　یعنی جب وہ اپنی قبروں سے اٹھیں گے جن کے متعلق انہیں دنیا میں یقین تھا کہ انہیں زندہ کر کے ان سے ہرگز نہیں اٹھایا جائے گا، جب وہ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تو کہیں گے کہ ہائے ہم برباد ہو گئے، ہمیں کس نے ہماری خوابگاہ (قبروں) سے اٹھایا ہے۔ اس سے عذاب قبر کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ جس عذاب سے وہ قیامت کے دن دوچار ہوں گے اس کی شدت کے مقابلہ میں عذاب قبر بہت خفیف ہے، گویا وہ آرام کر رہے تھے۔ حضرات ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دوبارہ زندہ کئے جانے سے پہلے کچھ دیر کے لئے انہیں نیند آ جائے گی۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلے اور دوسرے نفخے کے درمیان یہ سو جائیں گے، اس لئے جب اٹھیں گے تو کہیں گے کہ ہمیں کس نے ہماری خوابگاہ سے بیدار کیا۔ اس کے جواب میں اہل ایمان انہیں کہیں گے: هٰذَا مَا وَعَدَ　یعنی یہ وہی ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ فرمایا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرشتے انہیں یہ جواب دیں گے۔ عبدالرحمن بن زید کہتے ہیں کہ یہ بھی کافروں کا قول ہے لیکن ابن جریر نے پہلا قول پسند کیا ہے[1] اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: یٰوَیْلَنَا هٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ ۝ هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ (الصافات: 20-21) "ہم برباد ہو گئے یہ تو یوم جزا ہے، یہی فیصلہ کا دن ہے جسے ہم جھٹلایا کرتے تھے"۔ ایک اور جگہ فرمایا: وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۔ لَا یَعْلَمُوْنَ (الروم: 55-56) اور یہ فرمان اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً　ان فرامین کی طرح ہے: فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ (النازعات: 13-14) "پس قیامت تو فقط ایک جھڑک ہو گی پھر وہ فوراً کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے"۔ وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ (النحل: 77) "اور نہیں قیامت برپا ہونے کا معاملہ مگر جیسے آنکھ تیزی سے جھپکتی ہے یا اس سے بھی جلد"، یَوْمَ یَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَ تَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا (بنی اسرائیل: 52) "اس دن کو یاد کرو جب تمہیں اللہ بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے جواب دو گے اور یہ گمان کر رہے ہو گے کہ تم نہیں ٹھہرے مگر تھوڑا عرصہ"۔ یعنی ہمارا ایک ہی حکم ہو گا کہ سب ہمارے پاس حاضر ہو جائیں گے۔ اس دن کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں ہو گا بلکہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْیَوْمَ فِیْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ۝ هُمْ وَ اَزْوَاجُهُمْ فِیْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآىِٕكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ۝ لَهُمْ فِیْهَا فَاكِهَةٌ وَّ لَهُمْ مَّا یَدَّعُوْنَ ۝ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ ۝

"بے شک اہل بہشت آج (حسب مراتب) اپنے اپنے شغل سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔ وہ اور ان کی بیویاں سایہ میں (مرصع) تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ان کے لئے وہاں (طرح طرح کے لذیذ) پھل ہوں گے اور انہیں ملے گا جو وہ طلب کریں گے۔ تم سلامت رہو۔ (انہیں) یہ کہا جائے گا رب رحیم کی طرف سے"۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 17

میدان قیامت سے فراغت کے بعد جنتی بہشت کے باغات میں جائیں گے تو ان پر نعیم جنت کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور وہاں کی لذتوں اور لطف وسرور میں وہ اس طرح کھو جائیں گے کہ انہیں کسی دوسرے کا خیال نہ ہوگا۔ حضرات حسن بصری اور اسماعیل بن ابی خالد "فی شغل" کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ وہ جہنمیوں اور ان کے عذاب سے بے خبر ہوں گے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ نعمتوں میں مسرور ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قتادہ سے "فٰکِھُوْنَ" کا یہی معنی منقول ہے کہ وہ مسرور اور خوش باش ہوں گے۔ حضرات عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر متعدد سلف اس کا یہ معنی بتاتے ہیں کہ وہ کنواری حوروں کے ساتھ لطف اندوز ہونے میں مشغول ہوں گے۔ ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ موسیقی سننے میں مصروف ہوں گے۔ ابوحاتم کہتے ہیں کہ اس روایت کے سننے والے کو شاید سننے میں غلطی لگ گئی ہو۔ آپ سے منقول صحیح معنی وہی ہے جو اوپر مذکور ہے (1)۔ فرمایا: هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ ۔ یعنی وہ اور ان کی بیویاں گھنے اور ٹھنڈے سایوں میں مرصع اور آراستہ تختوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ، مجاہد، عکرمہ اور دیگر علماء فرماتے ہیں کہ "ارائک" سے مراد وہ تخت ہیں جن پر پردے لٹک رہے ہوں۔ اس کے بعد فرمایا: لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ ..... یعنی جنت میں ان کے لئے طرح طرح کے لذیذ پھل اور ہر وہ لذت بخش چیز ہوگی جسے وہ طلب کریں گے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کیا کوئی جنت کی طرف تیاری کرنے والا ہے؟ جنت میں کوئی خطرہ نہیں، رب کعبہ کی قسم! یہ تمام کی تمام نور ہی نور ہے، اس میں مہکتے پھول، پختہ شاندار محلات، پکے ہوئے لذیذ پھل، بہتی ہوئی نہریں، حسین وجمیل حوریں، بیش قیمت پوشاکیں، ابدی نعمتیں، دائمی قیام، سبزہ، تازہ پھل، بکثرت انعامات اور عالیشان اور بلند وبالا رہائش گاہیں ہیں"۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہم اس کے لئے تیاری کرنے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر کہو ان شاء اللہ"، تو سب حاضرین نے ان شاء اللہ کہا (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس فرمان سَلٰمٌ قَوْلًا کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بذات خود اہل جنت کے لئے سلام ہے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ (الاحزاب: 44) "انہیں یہ دعا دی جائے گی جس روز وہ اپنے رب سے ملیں گے کہ ہمیشہ سلامت رہو"۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اہل جنت اپنی نعمتوں میں مشغول ہوں گے کہ اسی اثناء میں اچانک ان کے اوپر نور چمکے گا۔ جب وہ سر اٹھا کر دیکھیں گے تو انہیں معلوم ہوگا کہ ان کا رب کریم ان کی طرف جھانک رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے جنتیو! السلام علیکم۔ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ سے یہی مراد ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف دیکھے گا اور وہ اس کی طرف دیکھیں گے، محویت کا یہ عالم ہوگا کہ جب وہ جمال حقیقی کا دیدار کر رہے ہوں گے تو انہیں کسی دوسری نعمت کا خیال تک نہ رہے گا یہاں تک کہ وہ حسن حقیقی پردہ فرمائے گا لیکن اس کا نور اور اس کی برکت ان پر اور ان کے مکانوں پر ضیاء بار رہے گی" (3)۔ اس حدیث کی سند میں کچھ کلام ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب جنتیوں اور دوزخیوں سے فارغ ہوگا تو وہ بادل کے سایہ میں متوجہ ہوگا اور فرشتے بھی ساتھ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اہل جنت کو سلام فرمائے گا اور وہ سلام کا جواب دیں گے۔ قرظی فرماتے ہیں کہ اس کا ذکر اس آیت سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ مجھ سے مانگو۔ وہ عرض کریں گے اے پروردگار! ہم تجھ سے کیا

1۔ الدر المنثور، جلد 7، صفحہ 65　　2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 1448-1449

3۔ سنن ابن ماجہ، المقدمۃ، جلد 1، صفحہ 65-66

مانگیں، ہر نعمت تو میسر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ پھر بھی جو چاہو، مانگو۔ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم تجھ سے تیری رضا کے خواستگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ میری رضا ہی تو ہے جس کے سبب تمہیں جنت ارزانی ہوئی ہے۔ عرض کریں گے: یا رب! ہم تجھ سے کس چیز کا سوال کریں۔ تیری عزت، تیرے جلال اور ارتفاع مقام کی قسم! تو نے ہمیں اس قدر عطا کر رکھا ہے کہ اگر ہم تمام جنوں اور انسانوں کو کھلانے، پلانے، پہنانے اور ان کی تمام ضروریات پوری کرنے لگیں تو بھی اس عطا میں ذرہ برابر بھی کمی نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ابھی میرے پاس اور بھی ہے۔ پھر فرشتے ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید نئے نئے تحفے لائیں گے۔ یہ خبر غریب ہے۔ امام ابن جریر نے اسے متعدد طرق سے وارد کیا ہے(1)۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٩﴾ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿٦٠﴾ وَأَنِ اعْبُدُونِي ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا ۖ أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ﴿٦٢﴾

”(اور حکم ہوگا) اے مجرمو! (میرے دوستوں سے) آج الگ ہو جاؤ۔ کیا میں نے تمہیں یہ تاکید حکم نہیں دیا تھا اے اولاد آدم! کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا۔ بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور میری عبادت کرنا یہ سیدھا راستہ ہے (بایں ہمہ) گمراہ کر دیا شیطان نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو۔ کیا تم عقل (وخرد) نہیں رکھتے تھے“۔

قیامت کے دن کفار کی حالت بیان ہو رہی ہے کہ انہیں اہل ایمان سے الگ تھلگ کر دیا جائے گا جیسے کہ فرمایا: وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ... فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ (یونس: 28)، وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَتَفَرَّقُونَ (الروم: 14) ”اور جس روز قیامت برپا ہوگی اس روز وہ جدا جدا ہو جائیں گے“۔ يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ (الروم: 43) ”اس روز یہ لوگ جدا جدا ہو جائیں گے“۔ احْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ ... صِرَاطِ الْجَحِيمِ (الصافات: 22-23) ”جمع کرو جنہوں نے ظلم کیا تھا اور ان کے ساتھیوں کو اور جن کی یہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پس سیدھا لے چلو انہیں جہنم کی راہ کی طرف“۔ پھر فرمایا: أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ ... یہ کفار کو بطور سرزنش اور زجر و توبیخ کہا جائے گا جو اپنے کھلے دشمن شیطان کی اطاعت کرتے رہے اور اپنے خالق و رازق خدائے رحمٰن کی نافرمانی کرتے رہے، اس لئے فرمایا: وَأَنِ اعْبُدُونِي..... یعنی میں نے تمہیں دنیا میں شیطان کی نافرمانی کرنے اور اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا تھا اور یہی سیدھا راستہ ہے جسے چھوڑ کر تم شیطان کے پیچھے لگ گئے اور اس بد بخت نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ ”جِبِلًّا“ سے مراد خلق کثیر ہے۔ اس میں دوسری قرأت ”جُبُلًا“ ہے یعنی جیم اور باء پر ضمہ اور لام تخفیف کے ساتھ۔ ایک اور قرأت میں باء ساکن ہے(2)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ یعنی کیا تم میں اتنی عقل بھی نہ تھی کہ جسے بروئے کار لاتے ہوئے تم اپنے معبود حقیقی کی مخالفت اور اپنے ازلی دشمن شیطان کی اتباع سے باز رہتے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حکم سے جہنم کی ایک سخت تاریک گردن ظاہر ہوگی جو کہے گی: أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ... هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ، وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ۔ چنانچہ تمام لوگ الگ الگ ہو جائیں گے اور گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے، اسی بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَتَرَىٰ كُلَّ أُمَّةٍ جَاثِيَةً ... تَعْمَلُونَ (الجاثیہ: 28) ”یعنی آپ ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا دیکھیں گے۔ ہر گروہ کو اس کے صحیفہ عمل کی طرف بلایا جائے

1۔ تفسیر طبری، جلد 23، صفحہ 22-21

2۔ دیکھئے الاتحاف لابن البناء، جلد 3، صفحہ 473

گا، (انہیں کہا جائے گا) آج تمہیں بدلہ دیا جائے گا جو عمل تم کیا کرتے تھے'' (1)۔

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اِصْلَوْهَا الْیَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾ اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَ لَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰۤى اَعْیُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى یُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾ وَ لَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِیًّا وَّ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾

''یہ ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ آج اس کی آگ تاپو اس کفر کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔ آج ہم مہر لگا دیں گے کفار کے مونہوں پر اور بات کریں گے ہم سے ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں ان (بدکاریوں) پر جو وہ کمایا کرتے تھے۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہم ان کی آنکھوں کا نشان تک محو کر دیتے پھر وہ راستہ کی طرف دوڑ کر آتے بھی تو ان (اندھوں) کو راستہ کیسے نظر آتا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہم انہیں مسخ کر کے رکھ دیتے ان کی جگہوں پر پھر وہ نہ آگے جا سکتے اور نہ پیچھے پلٹ سکتے''۔

قیامت کے دن بھڑکتا ہوا جہنم سامنے ہوگا اور سرزنش کرتے ہوئے کفار سے کہا جائے گا: هٰذِهٖ جَهَنَّمُ ... یعنی یہ ہے وہ جہنم جس کے متعلق رسول تمہیں خبردار کرتے رہے لیکن تم نے ان کی ایک نہ مانی، اس لئے آج اپنے کفر کی پاداش میں اس کے اندر داخل ہو جاؤ جیسے ایک اور مقام پر فرمایا: یَوْمَ یُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ... اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ (الطور: 15-13) ''اس روز انہیں دھکے دے کر آتش جہنم میں پھینکا جائے گا، (انہیں کہا جائے گا) یہی وہ آگ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ کیا یہ (آگ) جادو کا کرشمہ ہے یا تمہیں یہ نظر ہی نہیں آ رہی''۔ قیامت کے دن جب کفار اور منافقین پر فرد جرم عائد کی جائے گی تو وہ اقبال جرم سے انکار کر دیں گے اور قسمیں اٹھا اٹھا کر یہ یقین دلائیں گے کہ دنیا میں انہوں نے کسی جرم یا گناہ کا ارتکاب کیا ہی نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا کر ان کی زبان بندی کر دے گا اور ان کے اعضاء کو قوت گویائی عطا کر دے گا جو ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے، اس حالت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ ...۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ اچانک ہنس دیئے یہاں تک کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہونے لگیں، پھر فرمایا: ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں کیوں ہنسا؟'' ہم نے عرض کی کہ اللہ اور اس کے رسول کو ہی معلوم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس جھگڑے کی وجہ سے (میں ہنسا ہوں) جو بندہ قیامت کے دن اپنے رب سے کرے گا، بندہ کہے گا: اے پروردگار! کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی تھی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیوں نہیں۔ بندہ کہے گا کہ آج میں اپنے اوپر اپنی ذات کے سوا کسی کو گواہ ماننے پر تیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ٹھیک ہے، میرے لکھنے والے معزز فرشتے نہ سہی، تیری اپنی ذات تجھ پر گواہ کافی ہے۔ چنانچہ اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضاء کو حکم ہوگا کہ بولو اور ان اعمال کی گواہی دو جو یہ کیا کرتا تھا۔ تو وہ ہر ایک بات صاف صاف بتا دیں گے۔ پھر بندہ (قوت گویائی لوٹنے کے بعد) اپنے اعضاء سے کہے گا کہ تمہاری بربادی ہو۔ تمہاری خاطر ہی تو میں جھگڑ رہا تھا'' (2)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ''جب تمہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہاری زبان بندی کر کے بلایا جائے

1۔ تفسیر طبری، جلد 23، صفحہ 22 2۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ نور: 25

گا تو سب سے پہلے رانوں اور ہتھیلیوں سے سوال ہوگا''۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی قیامت کے متعلق ایک طویل حدیث میں فرمایا: ''پھر تیسرے سے اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ تو کیا ہے؟ وہ جواب دے گا کہ میں تیرا بندہ ہوں، میں تجھ پر، تیرے نبی پر اور تیری کتاب پر ایمان لایا، روزے رکھے، نمازیں پڑھیں، صدقہ و زکوٰۃ دیتا رہا۔ علاوہ ازیں اور بھی نیک اعمال بیان کرے گا۔ اسے کہا جائیگا کہ کیا ہم تم پر اپنا گواہ نہ لائیں؟ وہ ابھی اسی سوچ میں ہوگا کہ کسے بطور گواہ پیش کیا جائے گا کہ اس کے منہ کو سی دیا جائے گا اور اس کی ران سے کہا جائے گا کہ تو بول۔ چنانچہ اس کی ران، گوشت اور ہڈیاں بول کر اس کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ یہ منافق ہوگا۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوگا تا کہ اس کا عذر باقی نہ رہے اور ایسے سخت محاسبہ کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض تھا(1)۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مونہوں پر مہر لگنے کے بعد سب سے پہلے انسان کی بائیں ران بولے گی''(2)۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن مومن کو حساب کے لئے بلایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر اس کے وہ گناہ پیش کرے گا جن کا کسی اور کو علم نہ تھا۔ وہ اعتراف کرتے ہوئے عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے یہ گناہ کئے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ پردہ پوشی کرتے ہوئے اس کے گناہ معاف فرما دے گا اور مخلوق میں سے کسی پر بھی اس کا کوئی گناہ ظاہر نہیں ہوگا۔ پھر اس کی نیکیاں ظاہر کی جائیں گی تو وہ خواہش کرے گا کہ تمام لوگ انہیں دیکھ لیں۔ اس کے بعد کافر اور منافق کو حساب کے لئے بلایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان پر ان کے اعمال پیش کرے گا تو وہ صاف انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ اے پروردگار! تیری عزت کی قسم! ہم نے تو یہ اعمال کئے ہی نہیں۔ فرشتے نا کردہ گناہ ہمارے کھاتے میں ڈالتے رہے ہیں۔ فرشتے کہیں گے کہ فلاں فلاں دن تم نے یہ یہ کام کئے؟ وہ کہیں گے: یا رب، تیری عزت کی قسم! ہم نے یہ کام نہیں کئے۔ اس وقت ان کے مونہوں پر مہر لگ جائے گی اور میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے دائیں ران گفتگو کرے گی(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اگر ہم چاہتے تو انہیں گمراہ کر دیتے اور پھر یہ کیسے ہدایت پا سکتے۔ مرہ کہتے ہیں کہ اگر ہم چاہتے تو انہیں اندھا کر دیتے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کی آنکھوں کا نشان تک محو کر دیتا اور انہیں اندھا بنا دیتا تا کہ وہ بھٹکتے پھریں۔ یہ معنی بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھوں کو مٹا دیتے، پھر وہ راہ حق کی طرف دوڑ کر آتے بھی تو ان کو راستہ کیسے نظر آتا دراں حالیکہ ان کی آنکھیں مٹ چکی تھیں۔ حضرت ابن عباس سے فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ کا معنی منقول ہے کہ وہ حق کو نہ دیکھ پاتے۔ پھر فرمایا: وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں کہ اگر ہم چاہتے تو انہیں ہلاک کر دیتے۔ سدی کہتے ہیں کہ ہم ان کی صورت مسخ کر دیتے، ابو صالح کہتے ہیں کہ ہم انہیں پتھر بنا دیتے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم انہیں اپاہج کر دیتے پھر وہ نہ آگے چل سکتے اور نہ وہ پیچھے لوٹ سکتے بلکہ ایک ہی حالت میں رہتے اور آگے پیچھے نہ ہو سکتے۔

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝

''اور جس کو ہم طویل عمر دیتے ہیں تو کمزور کر دیتے ہیں اس کی طبعی قوتوں کو۔ پھر کیا یہ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔ اور نہیں سکھایا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 2279-2280، سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 233

2۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 24، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 151

3۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 24

ہم نے اپنے نبی کو شعر، اور نہ ان کے شایان شان ہے۔ نہیں ہے یہ مگر نصیحت اور قرآن جو بالکل واضح ہے۔ تاکہ وہ بروقت خبردار کرے اسے جو زندہ ہے اور تاکہ حجت تمام کردے کفار پر''۔

ابن آدم کے بارے میں بتایا جارہا ہے کہ اس کی عمر طویل ہو جاتی ہے تو قوت کے بعد کمزوری اور نشاط کے بعد عجز کا دور آتا ہے جیسا کہ فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ۔ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ (الروم: 54)، وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْــٴًـا (النحل: 70) ''اور تم میں سے بعض ایسے ہیں جنہیں ناکارہ عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے تاکہ وہ جان لینے کے بعد کچھ نہ جانے'' آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا دار زوال و انتقال ہے نہ کہ دار دوام و استقرار، اس لئے فرمایا: اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ یعنی یہ لوگ کیا اپنی عقلوں کو بروئے کار لا کر غور و فکر نہیں کرتے کہ یہ بچپن سے جوانی کی طرف اور پھر بڑھاپے کی طرف منتقل ہوئے تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ انہیں بالآخر یہاں سے دار آخرت کی طرف جانا ہے جو دائمی ہے، اسے نہ زوال ہے اور نہ ہی یہ لوگ اس سے کسی اور جگہ منتقل کئے جائیں گے۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ سے شاعری کی نفی کرتے ہوئے فرمایا: وَ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ یعنی ہم نے آپ کو نہ شاعری سکھائی اور نہ یہ آپ کے شایان شان ہے۔ نہ شعر و سخن سے آپ کو محبت تھی اور نہ شعر گوئی کی طرف فطری میلان۔ یہی وجہ ہے کہ صحیح وزن پر کوئی پورا شعر آپ ﷺ کو یاد نہ تھا بلکہ اگر آپ کسی کا شعر پڑھتے تو وہ یا تو بے وزن ہوتا یا نامکمل۔ حضرت شعبی کہتے ہیں کہ عبدالمطلب کی اولاد میں تمام مرد و زن شعر کہنا جانتے تھے بجز رسول اللہ ﷺ کے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے یہ مصرعہ پڑھا: ''كَفٰى بِالْاِسْلَامِ وَالشَّیْبِ لِلْمَرْءِ نَاهِیًا''۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! یہ اس طرح نہیں بلکہ یوں ہے: ''كَفَى الشَّیْبُ وَالْاِسْلَامُ لِلْمَرْءِ نَاهِیًا'' (1)۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس موقعہ پر کہنے لگے کہ ہم گواہی دیتے ہیں آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ ۔ دلائل بیہقی میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت عباس بن مرداس سلمی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کیا تم نے یہ شعر کہا ہے: ''اَتَجْعَلُ نَهْبِیْ وَنَهْبَ الْعُبَیْدِ بَیْنَ الْاَقْرَعِ وَعُیَیْنَةَ''۔ انہوں نے عرض کی کہ یہ اس طرح ہے: ''بین عیینة والاقرع''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سب (معنی میں) یکساں ہیں (2)۔ سہیلی نے الروض الانف میں اس تقدیم و تاخیر کی ایک عجیب و غریب توجیہہ بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے اقرع کو پہلے ذکر کیا کیونکہ وہ اسلام پر ثابت قدم رہے لیکن عیینہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں مرتد ہو گیا، اس لئے اسے بعد میں ذکر کیا (3)۔ مغازی اموی میں ہے کہ حضور ﷺ مقتولین بدر کے درمیان چکر لگاتے ہوئے ایک شعر کا یہ حصہ نُفَلِّقُ هَامًا پڑھ رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس شعر کو مکمل کر دیا۔

من رجالٍ اعزۃ علینا وَھم کانوا أَعَقَّ وَأَظْلَمَا

کسی عرب شاعر کا یہ شعر حماسہ میں موجود ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور ﷺ کو جب کسی خبر میں شک ہوتا تو آپ طرفہ کے ایک شعر کا یہ مصرعہ پڑھتے: ''وَیَاْتِیْكَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَّمْ تُزَوِّدٖ'' (4)۔ اس کا پہلا مصرعہ یہ ہے: ''سَتُبْدِیْ لَكَ الْاَیَّامُ مَا كُنْتَ جَاهِلًا''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ کیا حضور ﷺ شعر پڑھتے تھے؟ فرمایا کہ آپ ﷺ کو سب سے

1۔ الکامل للمبرد، جلد 2، صفحہ 768
2۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 5، صفحہ 182-181، دیکھئے شعر سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 94-293
3۔ الروض الانف، جلد 2، صفحہ 310-309
4۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 31، عارضۃ الاحوذی، ابواب الادب، جلد 12، صفحہ 291

زیادہ بغض شاعری سے تھا، البتہ آپ کبھی کبھار بنو قیس کے شاعر کا کوئی شعر پڑھتے لیکن وہ بھی تقدیم و تاخیر کے ساتھ الٹ۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تصحیح کرتے تو آپ ﷺ فرماتے: ''اللہ کی قسم! نہ میں شاعر ہوں اور نہ شاعری میرے شایانِ شان ہے''(1)۔ ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ شعر نہیں پڑھتے تھے سوائے طرفہ کے شعر کے اور اسے بھی تقدیم و تاخیر کے ساتھ یوں پڑھتے: ''من لم تزوّد بالاخبار''۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ اس طرح نہیں بلکہ ایسے ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نہ شاعر ہوں اور نہ یہ میرے لئے زیبا ہے''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی کوئی مکمل شعر نہیں پڑھا بجز اس شعر کے

تَفَاءَ لْ بِمَا تَهْوٰى يَكُنْ فَلَقَلَّمَا   يُقَالُ لِشَيْءٍ كَانَ اِلَّا تَحَقَّقَا (2)

صحیح حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ مل کر خندق کھودتے وقت حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے یہ شعر ان کے ساتھ ساتھ پڑھے۔

لَاهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا   وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

فَاَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا   وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا

اِنَّ الْاُلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا   اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا

آپ لفظ ''ابینا'' کو کھینچ کر پڑھتے اور اس پر آواز بلند کرتے(3)۔ غزوۂ حنین کے موقع پر آپ اپنے خچر کو دشمن کی طرف بڑھاتے ہوئے فرما رہے تھے: ''اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ   اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ''(4) یہ شعر کے وزن پر تو ہے لیکن یہ اتفاقاً بغیر قصد و ارادہ کے آپ کی زبان پر جاری ہو گیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ آپ ﷺ کسی غار میں تھے کہ آپ ﷺ کی انگلی زخمی ہو گئی تو آپ ﷺ نے اتفاقاً یہ شعر پڑھا۔

هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِيْتِ   وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ (5)

یعنی تو ایک انگلی ہی تو ہے جو خون آلود ہوئی اور راہِ خدا میں تجھے اس مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی طرح ''اِلَّا اللَّمَمَ'' (النجم: 32) کی تفسیر کے تحت ذکر کیا جائے گا کہ آپ ﷺ نے یہ شعر پڑھا

اِنْ تَغْفِرِ اللّٰهُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا   وَاَيُّ عَبْدٍ لَكَ مَا اَلَمَّا

یہ سب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے منافی نہیں کہ نہ ہم نے آپ کو شعر سکھایا اور نہ یہ آپ کے لئے زیبا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم کی تعلیم دی جس کی طرف باطل کسی گوشہ سے بھی نہیں پھٹک سکتا۔ قرآن حکیم نہ شعر ہے جیسا کہ بعض جاہل کفار کا خیال تھا، نہ کہانت ہے، نہ من گھڑت کلام ہے اور نہ جادو جیسا کہ گمراہ اور جاہل لوگ اس کے متعلق خیال آفرینی کرتے ہوئے مختلف آراء کا اظہار کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا میلان شعر کی طرف تھا ہی نہیں، نہ طبعی طور پر اور نہ شرعی لحاظ سے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی

1۔ تفسیر طبری، جلد 23، صفحہ 27   2۔ سنن کبریٰ بیہقی، کتاب النکاح، جلد 7، صفحہ 43

3۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7، صفحہ 399، صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3، صفحہ 1427-1428

4۔ تخریج کیلئے دیکھئے تفسیر سورۂ توبہ: 35   5۔ فتح الباری، کتاب الجہاد، جلد 6، صفحہ 19، صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3، صفحہ 1421

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے لئے یہ تینوں چیزیں یکساں ہیں: تریاق کا پینا، تعویذ لٹکانا اور شعر گوئی (1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ کیا حضور ﷺ کو شاعری پسند تھی؟ آپ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ شاعری سے آپ کو بہت زیادہ نفرت تھی۔ آپ کو دعا میں جامع کلمات پسند تھے اور اس کے سوا چھوڑ دیتے (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جانا اس سے بہتر ہے کہ وہ شاعری سے بھرے'' (3)۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے نماز عشاء کے بعد ایک شعر بھی کہا تو اس کی اس رات کی نماز نامقبول ہے'' (4)۔ یہاں مراد شعر نظم کرنا ہے نہ کہ پڑھنا، پھر شعر گوئی کی بھی اقسام ہیں۔ مشرکین کی ہجو میں شعر کہنا جائز ہے جیسا کہ حضرات حسان بن ثابت، کعب بن مالک، عبد اللہ بن رواحہ اور ان جیسے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کفار کی ہجو میں شعر کہا کرتے تھے۔ بعض اشعار حکمت، وعظ اور ادب پر مبنی ہوتے ہیں جیسا کہ زمانہ جاہلیت کے بعض شعراء کے کلام میں ایسے اشعار پائے جاتے ہیں۔ ان میں ایک شاعر امیہ بن ابی الصلت تھا جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی شاعری مومن لیکن اس کا دل کافر تھا'' (5)۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو سو شعر سنائے۔ ہر شعر کے بعد آپ فرماتے کہ مزید سناؤ (6)۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''بعض بیان جادو ہوتے ہیں اور بعض شعر سراسر حکمت'' (7)۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ یعنی ہم نے نہ آپ ﷺ کو شاعری کی تعلیم دی اور نہ یہ آپ کے لئے مناسب ہے بلکہ ہم نے آپ کو جس چیز کی تعلیم دی ہے وہ سراسر نصیحت اور واضح قرآن ہے۔ ہر غور وفکر کرنے والے کے لئے اس میں عبرت اور نصیحت کا سامان موجود ہے، اس لئے فرمایا: لِّیُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَیًّا تاکہ یہ روئے زمین پر موجود تمام لوگوں کو بروقت خبردار کرے جیسا کہ فرمایا: لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (الانعام: 19) ''تاکہ میں اس کے ساتھ تمہیں ڈراؤں اور اسے بھی جس تک یہ پہنچے''۔ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ (ہود: 17) ''جو اس کے ساتھ کفر کرے مختلف گروہوں سے تو آگ ہی اس کے وعدہ کی جگہ ہے)، قرآن کریم کے ڈراوے سے صرف وہی نفع حاصل کر سکتا ہے جس کا دل زندہ ہو اور بصیرت روشن ہو جیسا کہ قتادہ فرماتے ہیں کہ جس کا دل زندہ ہو اس کی آنکھ بھی زندہ ہوتی ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ ''حیّ'' سے مراد عقلمند ہے۔ آخر میں فرمایا: وَیَحِقَّ الْقَوْلُ یعنی یہ مومنوں کے لئے رحمت اور کافروں پر حجت ہے۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَاۤ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ۝ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا یَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَهُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ ۝

''کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے پیدا فرمائے ان کے لئے اس مخلوق سے جو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی، مویشی پھر (اب) یہ ان کے مالک ہیں۔ اور ہم نے تابعدار بنا دیا انہیں ان کا۔ پس ان میں سے بعض پر وہ سواری کرتے ہیں اور بعض کا (گوشت) کھاتے ہیں۔ اور ان کے لئے ان مویشیوں میں اور بھی کئی منفعتیں ہیں اور پینے کی چیزیں ہیں۔ کیا وہ شکر ادا نہیں کرتے''۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطب، جلد 4، صفحہ 6
2۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 148
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 302
4۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 125
5۔ تفسیر قرطبی، جلد 7، صفحہ 320
6۔ صحیح مسلم، کتاب الشعر، جلد 4، صفحہ 1767، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 1236
7۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 303

انسانوں پر اللہ تعالیٰ نے یہ انعام فرمایا کہ مویشی پیدا کر کے ان کی ملکیت میں دے دیے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان مویشیوں کو انسانوں کے لئے مطیع اور پابند بنا دیا کہ کوئی جانور انسان کے سامنے سرکشی نہیں کر سکتا بلکہ اگر ایک چھوٹا بچہ بھی اونٹ کی نکیل تھام لے تو وہ اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگتا ہے، اگر وہ اسے بٹھائے تو بیٹھ جاتا ہے اور اگر وہ اسے کھڑا کرے تو کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہ جانوروں کے مطیع ہونے کی ایک دلیل ہے، اسی طرح اگر سو یا اس سے بھی زائد اونٹوں کی قطار ہو تو ایک بچے کے ہانکنے سے وہ سیدھے چلتے رہتے ہیں پھر مویشیوں کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرمایا: فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ　یعنی ان میں سے بعض مویشی ایسے ہیں جو سواری اور بار برداری کے کام آتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جنہیں ذبح کر کے ان کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ اسی طرح ان کے ساتھ اور بھی فوائد وابستہ ہیں۔ ان کی اون، صوف، بال اور کھالیں استعمال کی جاتی ہیں، دودھ پیا جاتا ہے اور ان کے پیشاب کو بعض اوقات بطور علاج کام میں لایا جاتا ہے علاوہ ازیں ان کے اور بھی متعدد منافع ہیں۔ آخر میں فرمایا: أَفَلَا يَشْكُرُونَ یعنی کیا وہ اس ذات کا شکر نہیں بجا لائیں گے جس نے ان جانوروں کو پیدا کر کے انسان کا مطیع بنا دیا اور کیا وہ شرک سے باز نہیں آئیں گے؟۔

وَاتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنصَرُونَ ﴿٧٤﴾ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُندٌ مُّحْضَرُونَ ﴿٧٥﴾ فَلَا يَحْزُنكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٦﴾

"اور ان (ظالموں) نے بنا لیے ہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور خدا کہ شاید وہ ان کی مدد کریں۔ یہ جھوٹے خدا نہیں مدد کر سکتے ان کی۔ اور یہ کفار ان معبودوں کے لئے تیار شدہ لشکر ہیں۔ پس نہ رنجیدہ کرے آپ کو (اے حبیب!) ان کا قول۔ ہم خوب جانتے ہیں جس بات کو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں"۔

مشرکین پر اس چیز میں اظہار ناپسندیدگی کیا جا رہا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود بنا لئے ہیں جن کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ وہ ان کے مددگار، رازق اور انہیں اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والے ہیں۔ ان کے اس زعم باطل کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ　یعنی یہ معبودان باطل اپنے پجاریوں کی مدد کرنے پر قادر نہیں، بلکہ یہ بہت ضعیف، ذلیل، حقیر اور کمتر ہیں، ان کی مدد تو کجا یہ تو خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے اور نہ اس سے انتقام لے سکتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچائے کیونکہ یہ جمادات ہیں جو نہ سن سکتے ہیں اور نہ عقل و شعور رکھتے ہیں۔ مجاہد اس فرمان وَهُمْ لَهُمْ جُندٌ مُّحْضَرُونَ کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ قیامت کے دن یہ بت اپنے پجاریوں کے حساب کے وقت بے بسی کے عالم میں موجود ہوں گے تاکہ اس سے مشرکین کے حزن و ملال میں اضافہ ہو اور ان پر حجت مزید تمام ہو جائے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ معبودان باطل ان کی مدد کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے، اس کے باوجود یہ مشرکین دنیا میں ان کی خاطر بڑے غضبناک ہوتے ہیں گویا یہ ان کے لئے جمع شدہ لشکری ہیں حالانکہ یہ نہ تو انہیں کوئی بھلائی پہنچا سکتے ہیں اور نہ ان سے کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں۔ یہ محض بے جان بت ہی تو ہیں۔ یہ قول زیادہ بہتر ہے اور ابن جریر نے اسے ہی پسند کیا ہے (1)۔ اگلی آیت میں فرمایا: فَلَا يَحْزُنكَ قَوْلُهُمْ　یعنی آپ ان کی تکذیب اور کفر کے باعث رنجیدہ نہ ہوں۔ ہم ان کے ظاہر و باطن اور تمام حالات و اعمال کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ ہم انہیں ان کے چھوٹے بڑے اور نئے پرانے تمام اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 23، صفحہ 30-29

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝

''کیا انسان (اس حقیقت کو) نہیں جانتا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا ہے پس اب وہ (ہمارا) کھلا دشمن بن بیٹھا ہے۔ اور بیان کرنے لگا ہے ہمارے لئے (عجیب وغریب) مثالیں اور اس نے فراموش کردیا اپنی پیدائش کو۔ (گستاخ) کہتا ہے ابی! کون زندہ کرسکتا ہے ہڈیوں کو جب وہ بوسیدہ ہوچکی ہوں۔ آپ فرمائیے (اے گستاخ سن!) زندہ فرمائے گا انہیں وہی جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ اور وہ ہر مخلوق کو خوب جانتا ہے۔ جس نے (اپنی حکمت سے) رکھ دی تمہارے لئے سبز درختوں میں آگ پھر تم اس سے اور آگ سلگاتے ہو''۔

ایک مرتبہ ابی بن خلف ملعون رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بوسیدہ ہڈی تھی، وہ اپنی چٹکی سے اسے چورچور کرتے ہوئے اور اسے ہوا میں اڑاتے ہوئے آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ کیا تمہارا خیال ہے اللہ تعالیٰ ان ہڈیوں کو زندہ کرے گا؟ آپ ﷺ فرمانے لگے: ''ہاں، اللہ تعالیٰ تمہیں مارے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا، پھر تمہیں جہنم رسید کردے گا۔'' اس وقت سورۂ یٰسین کی یہ آخری آیتیں نازل ہوئیں (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ ہرزہ سرائی کرنے والا عاص بن وائل تھا جسے حضور ﷺ نے مذکورہ بالا جواب دیا اور اس وقت اس آیت سے لے کر اختتام سورت تک کی آیات نازل ہوئیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ اعتراض کرنے والا عبداللہ بن ابی تھا لیکن یہ قول درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور عبداللہ بن ابی مدینے میں تھا، بہرصورت یہ آیات ابی بن خلف کے بارے میں نازل ہوئی ہوں یا عاص بن وائل کے متعلق، اس کا مصداق ہر وہ شخص ہے جو دوبارہ جی اٹھنے کا انکار کرتا ہے۔ لفظ ''الانسان'' پر ''ال'' جنسی ہے جو عموم پر دلالت کرتا ہے اور ہر اس شخص کو شامل ہے جو از سرنو زندہ کئے جانے کا منکر ہے۔ فرمایا: اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ یعنی کیا دوسری زندگی کا انکار کرنے والا اپنی پہلی زندگی سے دوبارہ زندہ کئے جانے پر استدلال نہیں کرتا، کیا اس نے کبھی غور وفکر نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حقیر سے قطرۂ آب سے پیدا کیا جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (المرسلات: 22-20) ''کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں فرمایا پھر ہم نے ایک معین مدت تک اسے ایک محفوظ جگہ (رحم مادر) میں رکھ دیا''۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ (الدہر: 2) ''بلاشبہ ہم نے ہی انسان کو ایک مخلوط نطفہ سے پیدا فرمایا''۔ وہ ذات جو انسان کو حقیر وضعیف نطفہ سے پیدا کرسکتی ہے، کیا وہ اسے مرنے کے بعد از سرنو زندہ کرنے پر قادر نہیں۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ہتھیلی میں تھوکا، پھر اس پر اپنی انگلی رکھ کر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! تو کیونکر مجھے عاجز کرسکتا ہے حالانکہ میں نے تمہیں اس حقیر سی چیز سے پیدا کیا یہاں تک کہ جب میں نے تمہیں درست کرکے معتدل بنادیا تو تو اکڑ اکڑ کر چلنے لگا حالانکہ تمہیں زمین میں دفن ہونا ہے، پھر تو مال جمع کرنے اور بخل کرنے لگا یہاں تک کہ جب تمہاری روح ہنسلی تک پہنچ جاتی ہے تو اس وقت تو کہنے لگتا ہے کہ اپنا مال صدقہ کرتا ہوں لیکن اب صدقے کا وقت کہاں؟'' (2) اس لئے فرمایا: وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا یعنی انسان یہ سمجھنے لگا کہ بوسیدہ ہڈیوں اور مردوں کو زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بھی بعید اور محال ہے۔ جس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا اور یہ خود اپنی ذات کو

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 21-30

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الوصایا، جلد 2 صفحہ 903۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 210

بھی فراموش کر بیٹھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کرشمہ سازی ہی تو ہے کہ اس نے اسے عدم سے وجود بخشا۔ پس ایک قطرۂ آب سے تخلیق انسان کی اپنی ذات میں پائی جانے والی قدرت الٰہی کی ایسی عظیم دلیل ہے جو اس سے بڑھ کر ہے جسے وہ محال سمجھتا ہے اور جس کا وہ انکار کرتا ہے، اس لئے فرمایا: قُلْ يُحْيِيهَا یعنی انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی مرتبہ تخلیق کیا اور اسے ان ہڈیوں کے متعلق مکمل علم ہے کہ یہ کہاں کہاں بکھری پڑی ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عقبہ بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا آپ ہمیں رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی کوئی حدیث نہیں سنائیں گے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''ایک شخص کی موت کا وقت قریب آ گیا۔ جب وہ زندگی سے مایوس ہو گیا تو اس نے اپنے اہل خانہ کو وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد بہت ساری لکڑیاں جمع کر کے میری لاش کو جلا دینا۔ جب میرا جسم اور ہڈیاں راکھ بن جائیں تو اسے سمندر میں بہا دینا۔ چنانچہ انہوں نے ایسے ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی راکھ جمع کر کے اسے دوبارہ زندہ کیا اور پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ صرف تیرے خوف سے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا''(1)۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی بہت سے الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ مجھے جلانے کے بعد آدھی راکھ سمندر میں بہا دینا اور آدھی خشکی پر ہوا میں اڑا دینا۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ اللہ تعالیٰ نے برو بحر کو حکم دیا تو انہوں نے ساری راکھ یکجا کر دی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا کہ ہو جا تو وہ وہی آدمی بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ تیرے ڈر کی وجہ سے اور تو بہتر جانتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرما دی(2)۔ اگلی آیت میں مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر ایک دلیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ یعنی اللہ تعالیٰ ایسا قادر مطلق ہے جو پانی سے درختوں کی تخلیق کا آغاز کرتا ہے، پھر یہ نشوونما پا کر سرسبز و شاداب اور پھلدار ہو جاتے ہیں، پھر سوکھ جاتے ہیں تو ان کی لکڑی آگ جلانے کے کام آتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ذات جس نے درختوں میں آگ اور پانی دو متضاد چیزوں کو یکجا کر دیا ہے، وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے اور وہ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے، اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ قتادہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ وہ ذات جس نے درختوں سے آگ نکالی، وہ دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے پر بھی قادر ہے۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد ''مرخ'' اور ''عفار'' دو درخت ہیں جو سرزمین حجاز میں اگتے ہیں۔ ان دونوں کی سرسبز ٹہنیوں کو رگڑنے سے بالکل اسی طرح آگ نکلتی ہے جیسے چقماق سے، عربوں میں ایک ضرب المثل مشہور ہے: ''لِكُلِّ شَجَرٍ نَارٌ وَاسْتَمْجَدَ الْمَرْخُ وَالْعَفَارُ'' (3) یعنی ہر درخت میں آگ ہے خصوصاً مرخ اور عفار میں۔ حکماء کا قول ہے: ''فِي كُلِّ شَجَرٍ نَارٌ إِلَّا الْعُنَّابَ'' یعنی بجز عناب کے ہر درخت میں آگ ہے۔

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُم ۚ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿٨١﴾ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٨٢﴾ فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾

''کیا وہ (قادر مطلق) جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو قدرت نہیں رکھتا کہ پیدا کر سکے ان جیسی (چھوٹی سی) مخلوق۔

1۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 395
2۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6، صفحہ 494-514، کتاب الرقاق
3۔ مجمع الامثال للمیدانی، جلد 2، صفحہ 74-75

بیشک! (وہ ایسا کرسکتا ہے) اور وہی پیدا فرمانے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ اس کا حکم، جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا ہی ہے کہ وہ فرماتا ہے اس کو ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے۔ پس وہ (ہر عیب سے) پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا''۔

اللہ تعالیٰ اپنی عظیم قدرت پر آگاہ فرما رہا ہے کہ اس نے سات آسمان تخلیق کیے اور انہیں ستاروں کے ساتھ آراستہ کر دیا، اسی طرح ساتوں زمینیں اور ان میں پہاڑ، ٹیلے، سمندر، ریگستان، جنگل، میدان اور دیگر چیزیں اسی کی پیدا کردہ ہیں۔ زمین و آسمان کی تخلیق کے ذکر سے مقصود یہ استدلال کرنا ہے کہ ان بڑی بڑی چیزوں کو پیدا کرنے والی ذات انسان جیسی چھوٹی مخلوق کے مردہ اجسام میں از سر نو زندگی پیدا کرنے پر بآسانی قادر ہے جیسا کہ فرمایا: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (المومن: 57) '' آسمانوں اور زمین کی تخلیق لوگوں کی تخلیق سے بڑی ہے''۔ اور یہاں فرمایا: اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ... یعنی آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا خدا کیا انسانوں جیسی چھوٹی اور کمزور مخلوق کو پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے؟ وہ معبود حقیقی یقیناً اس پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے اور وہ دوبارہ انہیں اسی طرح زندہ کرے گا جیسے اس نے ابتداء میں انہیں تخلیق کیا تھا (1) جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۚ بَلٰۤى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (الاحقاف: 33) '' کیا انہوں نے نہیں جانا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے بنانے میں ذرا تھکن محسوس نہ کی وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کرے بلکہ وہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے''۔ اور یہاں فرمایا: بَلٰى ۚ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۔ فَيَكُوْنُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو صرف ایک دفعہ لفظ ''کُنْ'' کے ذریعے حکم دیتا ہے تو وہ چیز ظہور پذیر ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تکرار یا تاکید کی ضرورت نہیں پڑتی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندو! تم سب گنہگار ہو مگر جسے میں بچائے رکھوں، تم مجھ سے بخشش طلب کرو، میں تمہیں بخش دوں گا۔ تم سب فقیر ہو بجز اس کے جسے میں غنی کر دوں۔ میں جواد ہوں، ماجد ہوں، واجد ہوں، میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں، میری عطا بھی کلام ہے اور میرا عذاب بھی کلام۔ جب میں کسی چیز کا ارادہ کرتا ہوں تو اسے کہتا ہوں کہ '' ہو جا'' تو وہ ہو جاتی ہے''(2)۔ سورت کی آخری آیت میں فرمایا: فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ... یعنی وہی قیوم ذات ہر عیب، ہر خامی اور ہر برائی سے پاک ہے جس کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمینوں کی چابیاں ہیں۔ ہر معاملہ اسی کی جناب میں لوٹتا ہے، اسی کے لئے ہر قسم کی تخلیق اور ہر قسم کا امر ہے۔ قیامت کے دن تمام بندے لوٹ کر اسی کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دے گا۔ وہی عادل، منعم اور محسن ہے۔ اس آیت کے ہم معنی اور بھی آیات ہیں: قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ (المومنون: 88) '' آپ پوچھئے وہ کون ہے جس کے دست قدرت میں ہر چیز کی کامل ملکیت ہے''۔ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ (الملک: 1) '' بڑی ہی بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر قسم کی بادشاہی ہے''۔ ملک اور ملکوت دونوں ہم معنی ہیں جیسے رحمت اور رحموت، رھبۃ اور رھبوت، جبر اور جبروت۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ ملک سے مراد عالم اجسام ہے اور ملکوت سے مراد عالم ارواح لیکن صحیح بات یہی ہے کہ یہ دونوں ہم معنی ہیں اور جمہور مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھنے لگا، آپ نے سات رکعتوں میں سات لمبی سورتیں پڑھیں۔ آپ ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو '' سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ'' کہنے کے بعد یہ پڑھتے:

1۔ تفسیر طبری، جلد 23، صفحہ 32 2۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 177

"اَلحَمدُ لِلّٰہِ ذِی المَلَکُوتِ وَالجبروت وَالکِبرِیَاءِ وَالعَظَمَۃِ"۔ آپ کا رکوع قیام کی طرح (لمبا) تھا اور سجدہ رکوع جیسا۔ اس دوران میری یہ حالت ہوگئی گویا ٹانگیں ٹوٹ گئی ہیں (1)۔ ایک اور روایت میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو رات کے وقت نماز پڑھتے دیکھا۔ آپ تین مرتبہ اللہ اکبر کہنے کے بعد یہ کلمات پڑھتے: "سبحان ذی الملکوت و الجبروت والکبریاء والعظمۃ"۔ پھر آپ نے قرأت شروع کی اور پوری سورۂ بقرہ پڑھنے کے بعد رکوع کیا۔ آپ کا رکوع تقریباً قیام جیسا (طویل) تھا۔ رکوع میں آپ سبحان ربی العظیم پڑھتے رہے۔ پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا اور تقریباً اتنی دیر کھڑے رہے اور "لِرَبِّیَ الحمد" پڑھتے رہے۔ پھر سجدہ کیا، وہ بھی قیام کے قریب قریب تھا۔ سجدہ میں آپ "سبحان ربی الاعلی" پڑھتے رہے۔ پھر سجدہ سے سر اٹھایا آپ تقریباً اتنی دیر دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھے اور "رَبِّ اغفِرلِی رَبِّ اغفِرلِی" پڑھتے رہتے۔ آپ ﷺ نے چار رکعتیں ادا کیں اور ان میں بقرہ، آل عمران، نساء، اور مائدہ یا انعام کی تلاوت کی (2)۔ صحیح مسلم کی روایت میں "الملکوت والجبروت والکبریاء والعظمۃ" کے الفاظ کا ذکر نہیں (3)۔ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک رات رسول اللہ ﷺ کی معیت میں نماز تہجد پڑھنے لگا۔ آپ سورۂ بقرہ کی تلاوت فرمانے لگے۔ آپ ہر آیت رحمت پر ٹھہرتے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کی التجا کرتے، اسی طرح ہر آیت عذاب پر ٹھہرتے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے۔ پھر آپ نے قیام کی مقدار رکوع کیا اور یہ کلمات پڑھتے رہے: "سبحان ذی الجبروت والملکوت و الکبریاء وَالعَظَمَۃِ"۔ پھر اسی قدر ہی آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور یہی کلمات پڑھتے رہے، پھر قیام اور سورۂ آل عمران پڑھی، پھر اسی طرح ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورت پڑھتے رہے (4)۔

1۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 388

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 231، سنن النسائی، کتاب الافتتاح، جلد 2، صفحہ 199-200

3۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ المسافرین وقصرہا، جلد 1، صفحہ 536-537

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 231-232، سنن نسائی، کتاب الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 223